ردِ غیر مقلدیت پر حضرت نیلویؒ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ



المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد ششم

- فیض المستغاث فی حکم الطلاقات الثلاث
- حق الاظہار بتحقیق معنی الـ
- اظہار الدین
- مواہب علمی در مسائل قربانی
- طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم
- ازالۃ الخفاء عن صلوۃ الجنازۃ بالاخفاء

محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

محمد کفایت اللہ دہلوی

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

عظیم الشان خوشخبری

★ اب مکتبہ اشاعت آپ کے جیب میں ★

دنیامیں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاؤن لوڈ کریں نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً بوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

اعلان بَرَاَت : ہماری ویب سائٹ سے شائع شدہ کسی بھی کی کتاب کی مضامین سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں ہم اسی کتب کے مضامین کے ذمہ دار نہیں کیوں کہ کتاب کا مصنف / مؤلف اس کا جواب دہ ہوتا ہے ہم مکمل طور پر ان سے دست بردار ہیں۔ ہم نے پہلے سے اسکین شدہ کتب / مضامین کو صرف بطور معلومات شئیر کئے ہیں جو ان کے کتب یا انٹرنیٹ سے لیے گئے ہیں جن کے ضروری حوالے بھی دیے گئے ہیں ان کو صرف بطور معلومات ہی پڑھا جائے یا ڈاؤن لوڈ کیا جائے باقی اختلافات / تشریحات کے لیے آپ کتاب کے مصنف / مؤلف سے رابطہ کریں۔

ویب سائیٹ maktabatulishaat.com (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لارہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاً فوقتاً ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

ردِ غیر مقلدیت پر حضرت نیلویؒ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

جلد ششم

- فیض المستغاث فی حکم الطلاقات الثلاث
- حق الاظہار بتحقیق معنی الشغار
- اظہار الحق
- مواہب [illegible] مسائل القرآن
- طلاق [illegible]
- ازالۃ الغطاء عن صلوٰۃ الجنازۃ بالاخفاء

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

[illegible]
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ اشاعۃ العلوم

فیض المستغاث

فی حکم

الطلقات الثلاث

تصنیف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمہ اللہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد ششم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

الحمد للہ کہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی کی
تحقیقی تصنیف آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے
عطا فرمائی۔ بلکہ قبل ازیں ادارہ گلستانِ اسلام کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ
"عارفین" میں بالاقساط، اور ماہنامہ گلستانِ اسلام" میں یکجا اشاعتِ خاص کے
طور پر اس کتاب کو شائع کرنے کے مواقع بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے۔ تاہم یہ رسائل
دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ اور اب اس کی مسلسل بڑھتی ہوئی مانگ
کے پیشِ نظر مستقل کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔

اس کتاب میں سب سے پہلے بطورِ تمہید مسئلہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے،
پھر اباحت طلاق، طلاق کے نقصانات، طلاق کی ممانعت اور پھر طلاق دینے کا شرعی
طریقہ اور طلاق کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد مروجہ حلالہ کے متعلق نہایت
اہم بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ مروجہ حلالہ سراسر زنا ہے اور اس کا
مرتکب شرعاً رجم اور سنگسار کیے جانے کا مستحق ہے۔ اور اس کے بعد اصل
محلِ نزاع مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ تین طلاقوں
کو ایک طلاق قرار دینا بدمذہب روافض، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کا مسلک ہے،
جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تحقیق کے مطابق دراصل یہودیوں کا مسلک ہے۔

جب کہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص جاہلی طریقہ کے مطابق حمل، حیض اور طہر وغیرہ کا لحاظ کیے بغیر اپنی بیوی کو ایک ہی طہر کے دوران مختلف اوقات میں' یا ایک ہی مجلس میں متفرق یعنی الگ الگ کرکے، یا مجتمعۃً یعنی ایک ہی جملے، یا صرف ایک ہی لفظ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور وہ مطلقہ بہ ثلاث عورت اس طلاق دہندہ مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

حضرت علامہ نیلوی مدظلہُ العالی نے خود صاحبِ شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعدد فیصلوں اور فتووں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا ہے۔ نیز بعض روایات سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ بھی نہایت احسن طریقہ سے فرمادیا ہے۔ مثلاً:

صحیح مسلم میں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی اس مشہور روایت کے بارے میں اپنے مخصوص محققانہ انداز میں غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہے کہ عہدِ نبوی، عہدِ صدیقی اور ابتداء عہدِ فاروقی میں تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان ہستیوں کے نزدیک بھی وہ ایک طلاق ہی ہوا کرتی تھی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ادوار میں جہلاء ایسا سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ میں سے کسی ایک نے بھی اپنے فیصلے اور فتوے میں بیک مجلس اور بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار نہیں دیا۔ نیز آپ نے حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کے متعلق دیگر محقق علماء کی بیان کردہ توجیہات کا ذکر بھی اس کے ساتھ ہی فرمادیا ہے۔

اسی طرح سنن ابی داؤد میں مروی ابن جریج اور ابن اسحٰق کی روایات کے متعلق بھی حضرت علامہ نیلوی نے محققانہ بحث فرما کر ان روایات کو ناقابلِ استدلال اور واجب الرد قرار دیا۔ نیز آپ نے محمد بن اسحٰق کی بعض ظاہر البطلان روایات کا حوالہ دے کر کئی اور مسائل بھی بطریقِ احسن حل فرمادیے ہیں۔

احقر کی رائے ہے کہ ہمارے معزز وکلاء اور عرائض نویس اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں۔ اور جب کوئی شخص ان کے پاس "طلاق نامہ" لکھوانے کی غرض سے آئے تو انھیں چاہیے کہ اوّل تو وہ اس شخص کو طلاق نہ دینے کا مشورہ دیں، اور اگر اس کا طلاق دینا ہی ناگزیر سمجھیں تو اسے صرف ایک طلاق دینے کا مشورہ دیں، تاکہ آئندہ صلح ہونے کا دروازہ کھلا رہے۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب کسی حاکم کے سامنے تنسیخِ نکاح کا مقدمہ پیش کیا جائے تو اس کا فیصلہ کرتے وقت مدعا علیہ کی موجودگی کا خاص اہتمام کریں، اور یک طرفہ فیصلہ ہرگز نہ کریں، کیونکہ ایسا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔

اور اگر حاکم کے طلب کرنے پر بھی مدعا علیہ عدالت میں حاضر نہ ہونا چاہے تو حاکم کو چاہیے کہ مدعیہ کے حق میں تنسیخِ نکاح کے اس مقدمے کا فیصلہ کرنے سے پہلے بزورِ قانون مدعا علیہ کو عدالت میں پیش کیے جانے کا حکم دے خواہ اسے قید کر کے ہی عدالت میں پیش کرنا پڑے۔ اور پھر مدعا علیہ سے طلاق دینے کو کہا جائے، اور اس صورت میں اگر ان میاں بیوی کی جُدائی کو حاکم ضروری سمجھے اور مدعا علیہ طلاق دینے پر رضامند نہ ہو تو حاکم کو تنسیخِ نکاح کی اجازت ہے، ورنہ نہیں۔ کیونکہ شرعاً ایسا یک طرفہ فیصلہ قابلِ قبول نہیں جو مدعیہ اور مدعا علیہ کی موجودگی میں نہ ہو۔

اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت تھوڑی دیر کے لیے گروہی اور فرقہ وارانہ تعصب کی عینک کو اتار کر ایک طرف رکھ دیں۔ والسلام

مرتب:
سیّد حسن واسطی
ایڈیٹر ماہنامہ گلستانِ اسلام

تمہید (مسئلہ کی اہمیت)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ کِتَابِہٖ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ. وَقَالَ وَبُعُوْلَتُہُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ. وَقَالَ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ. وَقَالَ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ قَالَ اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ. وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ الَّذِیْنَ اُمِرَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاِطَاعَتِھِمْ حَیْثُ قَالَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ. اَمَّا بَعْدُ:

جس طرح ہر مرد و زن پر ایمان و عقائد اور عبادات و معاملات اور پاکی پلیدی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح نکاح، طلاق، رضاعت، پردہ اور حلال و حرام کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد و زن کے لیے نہایت اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ کسی قطعی حلال کو حرام اور قطعی حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مَنِ اعْتَقَدَ الْحَرَامَ حَلَالًا اَوْ عَلَی الْقَلْبِ یَکْفُرُ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص [illegible])

کہ جو شخص حرام کے حلال ہونے کا یا حلال کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھے گا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

نیز حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حرام قطعی کو حلال اور حلال قطعی کو حرام کہتا ہے یا جو شخص فرض کو فرض نہیں سمجھتا وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (مالابد منہ ص ۱۳۶)

امیر المؤمنین سیّدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کثیر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نومسلم لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ فرائض کی اہمیت بیان کرتے ہُوئے بڑے زوردار انداز میں فرمایا: تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ کہ فرائض کا علم حاصل کرو۔

اس مجلسِ وعظ میں صاحبُ النعلین والعصا والوسادہ والطہور محدّثِ اعظم امام المحدثین والفقہاء سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اور انھوں نے حضرت امیر المؤمنینؓ کی زبانِ محفوظ سے یہ اہم حکم سُنتے ہی اس میں دو اہم ترین چیزوں کا اضافہ کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا: وَالطَّلَاقَ وَالْحَجَّ۔ یعنی جس طرح ایمانیات وعبادات اور فرائض کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و زن کے لیے ضروری ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر طلاق اور حج کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

اور پھر ان دونوں جلیل القدر بزرگوں نے یک زبان ہوکر ارشاد فرمایا کہ بے شک طلاق اور حج کے مسائل کا سیکھنا دین کے اہم امور میں سے ہے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ص ۲۹)

اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ آسکتی ہے کہ واقعی نکاح اور طلاق کے مسائل کا علم حاصل کرنا اتنا ہی ضروری اور اہم ہے جتنا کہ توحید و شرک اور سُنّت و بدعت کے مابین فرق کا علم حاصل کرنا اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہ حلال و حرام کا مسئلہ دراصل اسلام اور کفر کا مسئلہ ہے۔

اور طلاق کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ جس طرح شرک و بدعت کا مرتکب اپنے عقائد و اعمال کے معاملے میں خود کو راہِ راست پر سمجھتا ہے بالکل اسی طرح حِلّت و حُرمت کے اس مسئلے کا معاملہ بھی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی ایسا لفظ کسی کے مُنہ سے نکل گیا جس کے باعث اس پر کوئی حلال چیز حرام ہوجاتی ہے، لیکن اس کہنے والے کو اس بات کا علم نہ ہو تو وہ اس حرام کام کو حلال اور جائز سمجھتے ہُوئے اس حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور یہ کام صرف روز دو روز، مہینہ دو مہینہ یا سال دو سال کا نہیں بلکہ ساری زندگی کا معاملہ ہے اور اس کا مرتکب لاعلمی کی وجہ سے زندگی بھر حرام کاری اور گناہِ کبیرہ میں مبتلا رہ کر آخرت خراب کرتا رہتا ہے۔

موجودہ دور میں عام مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے۔ خطا کسی کی اور بلا کسی کے سر پر۔ مثلاً: کسی شخص کا بازار میں لین دین پر کسی سے جھگڑا ہوجائے تو عورت کو طلاق دیدی، یا جوا کھیلتے ہوئے جھگڑا ہوگیا تو عورت کو طلاق دیدی۔ اسی طرح ہل چلاتے ہوئے کسی کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی یا کسی معاملے میں گواہی کے دوران یقین دلانے کے لیے عورت کو طلاق دینے کا رواج شہرت پاگیا ہے۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے گھریلو جھگڑوں میں بھی عموماً لوگ اوّل تو صریح لفظوں میں اپنی بیویوں کو طلاق دیدیا کرتے ہیں، لیکن بعض محتاط مگر بے علم لوگ اس قسم کے الفاظ اپنے منہ سے ادا کر دیتے ہیں جس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور وہ لوگ اپنے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، اور وہ بدستور میاں بیوی کی طرح باہم تعلق قائم رکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم شرعاً حرام کاری اور "زنا" جیسے گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہورہے ہیں۔

بلکہ بعض جہلاء تو غصے کی حالت میں ایک سے زیادہ، بلکہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں اکٹھی دیدیتے ہیں، اور بعض تو ایک لفظ میں ہی تین طلاقیں ایک ساتھ دے کر اپنے غصے کی آگ بجھاتے ہیں، جو سراسر خلافِ شریعت اور گناہ ہے۔

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اگر میاں بیوی کا باہم نباہ ممکن نہ رہا ہو تو اس صورت میں طلاق دینا مباح، بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہوجاتا ہے، لیکن شریعت نے طلاق دینے یا طلاق لینے کے لیے کچھ قیود و شرائط اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں، جن کی خلاف ورزی سے انسان مجرم اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اسے آخرت میں اس کی سزا ملے گی۔ البتہ اگر اس جرمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ سے توبہ کرلے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ گناہ معاف فرمادے گا۔ لیکن جب اس شخص کو اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ میں نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرکے اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیا ہے تو اُسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے طلاق کے مسائل سیکھنے پر اس قدر زور دیا ہے۔ حالانکہ وہ اُن اہلِ علم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سُنہری دَور تھا جنھوں نے قرآن و سُنّت کا علم براہِ راست صاحبُ الوحی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اور ان علوم کو دُوسرے لوگوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نومسلموں کو اپنے بیٹوں کی طرح اپنے پاس رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا، اور گاہے گاہے ان کا اِمتحان بھی لیتے رہتے تھے، حتیٰ کہ جب ان میں تدریس کی صلاحیت پیدا ہوجاتی تو درس و تدریس کا یہ عظیم کام انہی موالی کے سپرد فرمادیتے، تاکہ توحید و سُنّت کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے۔

چنانچہ سلفاً خلفاً کئی صدیوں تک تعلیم الوحیین کا یہ عظیم سلسلہ بدستور جاری رہا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض علماء نے تبلیغ و اِشاعت کے معاملے میں تساہل اور کوتاہی کا اِرتکاب کیا اور دعوۃ اِلی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کردیا تو غیر اقوام اپنی پوری جہالت کے ساتھ ہم پر مسلط ہوگئیں اور وہ وقت بھی آیا جب لوگوں نے ضروریاتِ دین کی تعلیم حاصل کرنے کو ایک عبث اور غیر ضروری کام سمجھنا شروع کردیا۔ اور اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہُوئے علماء سُوء نے اپنی چرب زبانی کے ذریعے عوام کو علماءِ حق سے متنفر کرنے کے لیے مختلف حربے اِستعمال کیے اور مُختلف محاورے وضع کرکے لوگوں میں مشہور کردیے۔ مثلاً: "مُلّاں" کی دوڑ مسجد تک، "مُلّاں" حلوہ خور، دو "مُلّاؤں" میں مُرغی حرام، مولوی فساد کی جڑ ہے، بُنیاد پرست مُلّاؤں کی بات مت سُنو، دقیانوسی مُلّاں ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں، اور نہ جانے کیسے کیسے حربوں سے عوام کے دِلوں میں تنفر پیدا کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں لوگوں نے دینی تعلیم کے حصول سے توجہ ہٹالی، یہاں تک کہ آج عام مسلمانوں کو عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت وغیرہ کی ان باتوں کا علم بھی نہیں ہے جن کا جاننا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

موجودہ دور کے مسلمانوں نے اپنے پیشے، ذریعۂ معاش اور ضرورت کے مطابق کچھ ایسے فقرے یاد کیے ہوئے ہیں جن کے ذریعے ایک طرف تو وہ اپنے معاشی اور معاشرتی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ خود کو متبع سنت کہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً: ① ایک ڈاڑھی منڈے مچھندر تمباکو نوش اور بے نماز خوانچہ فروش کو دیکھا گیا ہے جو کھجوریں فروخت کر رہا تھا، اور گاہکوں کی رغبت کے لیے ایک تختی پر لکھا ہوا تھا کہ: "کھجوریں کھانا سنتِ رسولؐ ہے۔" گویا اس کے نزدیک سب سے بڑی عبادت اور اسلام کی علامت اور شعار صرف یہی ہے۔

② اسی طرح بازاروں اور گاڑیوں میں الکحل جیسی ناپاک اور حرام چیز سے تیار کی ہوئی خوشبو اور عطریات بیچنے والے حضرات خوشبو لگانے کو سنتِ رسولؐ قرار دے کر اپنے زعم میں لوگوں کو سنتِ رسولؐ کی ترغیب دے کر بہت بڑی نیکی کرتے ہیں۔

③ اسی طرح سُرمہ فروش اپنا سُرمہ بیچنے کے لیے کہتا ہے کہ "سرمہ لگانا سنتِ رسولؐ ہے۔"

④ اسی طرح اُون اور چمڑے کی مصنوعات بنانے والے بھیڑ بکریاں پالنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "بھیڑ بکریاں پالنا انبیاءِ کرامؑ کی سنت ہے۔"

⑤ اسی طرح تجارت کے اسلامی اصول وضوابط سے ناآشنا اور خواجہ سراؤں کی طرح ڈاڑھی مونچھ صفاچٹ کرنے اور یہود وہنود اور نصاریٰ کے خانہ زاد تجارتی اصولوں اور سُود کی بنیاد پر کاروبار کرنے والا بیوپاری کہتا ہے کہ "ہم انبیاءؑ کے ساتھ ہوں گے۔"

⑥ اور کاریگر و مزدور کہتے ہیں: "اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ" کہ کاریگر اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں۔

اور ان لوگوں کو اس قسم کی "فضیلت" والی باتیں بتلانے والوں نے جہاں ان کے مطلب کی یہ باتیں بتائی ہیں وہاں کان رسول اللہ ﷺ یحب الحلواء جیسی اپنے مطلب کی حدیث تو ضرور سُنائی ہو گی۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں نے لاعلم لوگوں کو حلال وحرام، توحید وشرک، سنت وبدعت اور نکاح طلاق جیسے اہم ترین مسائل سمجھانے میں کوتاہی سے کام لیتے ہوئے یہ تو بتایا ہے کہ "تم حلال کھاؤ اور حرام سے بچو۔" لیکن یہ نہیں بتایا کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا۔

اسی طرح توحید و شرک اور سُنّت و بدعت کے مسائل کو اس طرح گول مول اور مبہم انداز میں بیان کیا ہے کہ لوگ شرک و بدعت جیسے کبیرہ گناہوں میں بدستور مبتلا ہیں، اور اپنے زعم میں سمجھتے ہیں کہ ہم راسخ العقیدہ موحد اور پختہ متبع سُنّت ہیں اور بالکل اسی طرح نکاح اور طلاق کے مسائل بیان کرنے میں بھی تساہل سے کام لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل کے مسلمان اپنے بچوں کا نکاح کرتے وقت اس طرح کی بے شمار خرافات اور لغویات کا اِرتکاب کر گزرتے ہیں جو غیر مسلم اقوام کا شعار ہیں اور اسلام میں ان کا نہ تصوّر ہے نہ گنجائش۔ لیکن اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نکاح کر کے شریعت کے ایک حکم کی تعمیل کر لی ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر عمل کر کے ایک بہت بڑا نیکی کا کام کیا ہے۔ حالانکہ نکاح کے موقع پر غیر مسلم اقوام کی نقالی کرتے ہوئے حرام اور غیر شرعی کاموں کی اس قدر آلائشیں شامل کر دی جاتی ہیں کہ یہ مسنون کام ان آلائشوں میں دب کر ہندوؤں، سکھوں کے نکاح کی طرح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پاک صاف دُودھ سے بھرے ہوئے مٹکے میں ایک قطرہ پیشاب پڑ جانے سے سارا دودھ ناپاک، حرام اور ناقابلِ استعمال ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ آج کل نکاح جیسے اہم دینی کام میں اس قدر غیر اسلامی رسوم اور کبیرہ گناہوں کو جمع کر دیا جاتا ہے کہ رسمی مسلمانوں اور غیر مسلم ہندو وغیرہ قوموں کے نکاح میں کچھ نمایاں فرق دکھائی نہیں دیتا۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کی عینک لگا کر دیکھا جائے تو یہ تمام کلمہ گو ہندوؤں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔

اسی طرح طلاق کے مسائل بھی عوام کو نہیں بتائے گئے۔ عام مسلمان صرف یہ جانتا ہے کہ اگر میاں بیوی میں نباہ ممکن نہ رہے تو طلاق سے یہ تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن طلاق دینے کے لیے اسلام نے جو شرائط، قیود اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں ان کا جاننا ہر مسلمان مرد و زن کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اباحت طلاق

"مباح" اُس حلال کام کو کہتے ہیں جس کا کرنا فرض، واجب، اور سُنت یا مستحب تو نہ ہو، البتہ اشد ضرورت کے وقت اس کی ممانعت بھی نہ ہو، لیکن اہلِ تقویٰ نے ہمیشہ غیر ضروری مباحات کے استعمال سے پرہیز کیا ہے، اس لیے شدید ترین ضرورت کے بغیر مباح چیزوں سے پرہیز ہی بہتر ہے۔ اور ان مباح چیزوں میں سب سے زیادہ قابلِ اجتناب چیز طلاق ہے، کیونکہ شدید ضرورت کے وقت بھی طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ جیسا کہ:

- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ. (سنن ابی داؤد ص ۳۰۳)
- حضرت محارب بن دثار رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرسلاً مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ (مراسیل ابی داؤد ص) یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں حلال اور مباح چیزوں میں سب سے بغض والی، اور قابلِ نفرت چیز طلاق ہے۔
- نیز حضرت محارب بن دثار رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرسلاً یہ بھی مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا اَحَلَّ اللّٰہُ شَیْئًا اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۲) کہ طلاق سے زیادہ کوئی مبغوض اور قابلِ نفرت چیز اللہ تعالیٰ نے حلال نہیں فرمائی۔
- ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشد ضرورت کے تحت جبکہ میاں بیوی میں نباہ ممکن نہ رہا ہو تو اس صورت میں شرعاً طلاق دینے کی اجازت تو ہے لیکن اس کے باوجود طلاق دینا نہایت قابلِ نفرت کام ہے۔ اس لیے ہر شخص کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے اور اختلافات کی صورت میں اپنے جذبات، غصے اور زبان کو قابو میں رکھنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حلال اور مباح چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور قابلِ نفرت چیز طلاق ہے۔

طلاق کے نقصانات

○ طلاق کی وجہ سے وہ نکاح منقطع ہوجاتا ہے جس کے ساتھ کئی دینی اور دُنیاوی مصالح وابستہ ہیں۔ مثلاً: ○ دینی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت تو یہ ہے کہ نکاح کے ذریعے انسان ماتحت الازار ستر کے زنا سے محفوظ و مامون رہ سکتا ہے، جو بالاتفاق تمام ادیان میں حرام ہے۔ اور دُوسری مصلحت یہ ہے کہ نکاح کرنے سے دو خاندان آپس میں جُڑ جاتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہیں اور اتحاد پیدا کرنے والے بہت سے کاموں میں سے ایک نکاح بھی ہے۔

○ اور دُنیوی مصالح یہ ہیں کہ نکاح کے بعد مرد پر عورت کو روٹی کپڑا اور مکان وغیرہ دینا واجب ہوجاتا ہے۔ نیز نکاح سے اولاد حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ لیکن طلاق کی صُورت میں یہ تمام مصالح فوت ہوجاتے ہیں۔

○ یاد رہے کہ جس چیز سے اہم دینی اور دُنیاوی مصالح فوت ہوجاتے ہوں تو اس چیز کو شریعت میں سرے سے ناجائز ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ:

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق دینا مطلقاً حرام تھا۔ جبکہ

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی۔ ۱

○ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ حکم بین بین ہے۔ کیونکہ بسا اوقات میاں بیوی کے درمیان نااتفاقی حد سے اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اتفاق کی کوئی صُورت باقی نہیں رہتی۔ اور اس بات کا اندیشہ شدید ہوجاتا ہے کہ ان حالات میں میاں بیوی کے اُن حقوق کو ادا کرنے میں قصور و فتور واقع ہوگا جو ایک دُوسرے پر واجب اور ضروری ہیں، تو ایسی نازک صُورت میں اسلامی شریعت نے طلاق کو مُباح تو قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ایک تو اسے "ابغض المباحات" فرما کر اشارةً طلاق دینے سے منع فرمایا گیا ہے تو دُوسرے موقع پر صراحةً بھی نہی فرمادی۔ چنانچہ:

طلاق کی ممانعت

○ بدائع صنائع ج ۳ ص ۹۵ میں ہے: نَھٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَنِ الطَّلَاقِ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے سے منع فرمایا ہے۔ نیز:

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: تَزَوَّجُوْا وَلَا تُطَلِّقُوْا۔ کہ تم لوگ نکاح تو کیا کرو، لیکن طلاق نہ دیا کرو۔ (بدائع صنائع ج۳ ص۹۵) نیز:

○ طلاق جیسی قابلِ نفرت چیز سے ممانعت کی وجہ بیان فرماتے ہوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ معصوم سے ارشاد فرمایا: فَإِنَّ الطَّلَاقَ یَھْتَزُّ لَہٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ (بدائع صنائع ج ۳ ص۹۵) کہ طلاق دینے سے اللہ تعالیٰ کا عرشِ عظیم کانپ جاتا ہے۔

○ اسی لیے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اصل میں طلاق سے ممانعت آئی ہے۔ اور طلاق کی اباحت صرف ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے مقرر کی گئی ہے کیونکہ قاعدہ ہے: اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْذُوْرَاتِ کہ سخت ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہیں۔ لہٰذا اگر شدید ضرورت ہو تو ایک طلاق ہی دینی چاہیے کیونکہ قاعدہ ہے: اَلضَّرُوْرَۃُ تَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ کہ ضرورت کی چیز ضرورت کے مطابق استعمال کرنی چاہیے۔ مثلاً:

○ کوئی شخص بھوک سے بے حال ہورہا ہو، کچھ کھائے بغیر بھوک کی شدت سے جان نکلنے کا شدید خطرہ ہو، اور حرام کے علاوہ کوئی حلال چیز کھانے کے لیے مہیا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں بقدرِ ضرورت تو حرام چیز کھانا مباح ہے لیکن اس سے زیادہ اگر ایک لقمہ بھی کھائے گا تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

○ اور یہ طلاق کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح ہے کہ اگر میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہ رہے اور "ابغض المباحات" کا استعمال ضروری ہوگیا ہو تو صرف ایک طلاق پر ہی اکتفا کرنا چاہیے، کیونکہ ایک طلاق سے ضرورت رفع ہوجاتی ہے۔ اور اگر دو یا تین طلاقیں دے گا تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

طلاق دینے کا طریقہ

ہزار کوشش کے باوجود اگر میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینا بہت ہی ضروری سمجھتا ہو تو اسے چاہیے کہ علماء سے طلاق دینے کا صحیح شرعی طریقہ معلوم کر کے ہی کوئی قدم اٹھائے، کیونکہ عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ لوگ شرعی قیود و شرائط کا لحاظ کیے بغیر طلاق دے کر خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں، اور اپنا گھر برباد کر کے بعد میں علما کے سامنے اپنی خانہ بربادی کا رونا رو کر دوبارہ گھر آباد کرنے کے حیلے دریافت کرتے پھرتے ہیں۔

- آج کل عموماً طلاق دیتے وقت لاعلمی کی وجہ سے ایک ہی مجلس میں ایک ساتھ تین طلاقیں دیدی جاتی ہیں، جس کے بعد خانہ آبادی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ (۲: ۲۳۰) لیکن اپنا اُجڑا ہوا گھر دوبارہ آباد کرنے کی غرض سے مروجہ حلالہ کی کوشش کرنا حرام اور لعنتیوں کا کام ہے۔
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ. کہ حلالہ کرنے اور حلالہ کروانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، کیونکہ یہ ایک ناجائز حیلہ، ہیرا پھیری اور احکام شریعت سے بغاوت ہے۔
- لیکن بعض لوگ اس سے بھی بڑی ہیرا پھیری اور حیلہ یہ کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک تصور کر کے رجوع یا تجدید نکاح کو جائز سمجھتے ہیں؛ جو سراسر زنا ہے اور یہ معاملہ زندگی بھر رہتا ہے۔ اس لیے تین طلاقوں کو ایک طلاق تصور کرنا حلالہ جیسے ملعون کام سے کہیں بڑھ کر کبیرہ گناہ ہے۔
- لہٰذا ہر مسلمان مرد و زن کو دیگر ضروری مسائل اور احکام شریعت کے ساتھ ساتھ طلاق جیسے اہم ترین مسئلہ کا علم سیکھنا بھی نہایت ضروری ہے، تاکہ چند روزہ دُنیوی زندگی بھی سکون سے گزرے اور آخرت میں بھی ابدی راحت نصیب ہو۔ چنانچہ:

طلاق احسن

○ جب طلاق دینا ناگزیر ہوجائے تو اسلام میں اس کا "احسن" طریقہ یہی ہے کہ اپنی مدخول بہا بیوی کو صرف ایک طلاق دینے پر ہی اکتفا کیا جائے۔ بشرطیکہ: ① وہ عورت حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ نیز: ② جس طہر میں طلاق دینا چاہتا ہے اس طہر میں اس عورت کے ساتھ ہمبستری بھی نہ کی ہو۔

طلاق کی عدّت

○ اور پھر طلاق دینے والے کو چاہیے کہ طلاق دینے کے بعد وہ اس عورت سے شرعی پردہ کرے۔ اور اس عورت کو اپنے گھر سے بھی نہ نکالے۔ اور اس عورت کو خرچہ بھی دیتا رہے۔ اور وہ عورت خود بھی اس گھر سے نہ نکلے' حتّٰی کہ: ① جس عورت کو حیض آتا ہو اُس کے تین حیض مکمل گزر جائیں۔ اور ② جو عورت حاملہ ہو اس کا بچہ یا بچی پیدا ہوجائے۔ اور ③ جو عورت بوڑھی ہو' اور اُسے حیض آنا بند ہوگیا ہو تو طلاق کے وقت سے تین مہینے گزر جائیں۔

○ اس مدت میں عورت کا طلاق دینے والے اپنے سابق شوہر کے گھر میں پردہ کے ساتھ رہنا عدّت کہلاتی ہے۔ اور دَورانِ عدّت عورت کو اس گھر سے نکلنا' یا عورت کو اس گھر سے نکالنا' دونوں گناہ کے کام ہیں۔

طلاق سے رُجوع

○ عدّت کے دَوران اگر مرد اپنے کیے پر پریشان ہو اور چاہے کہ میں پھر دوبارہ احسن طریقے سے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے اس عورت کو بساؤں' تو شرعًا اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ تجدیدِ نکاح کے بغیر رجوع کرکے اس عورت کو بسالے اور یہ دونوں مرد اور عورت میاں بیوی بن کر رہیں۔

○ اور اگر عدّت کے دَوران صلح اور جوڑ کی کوئی صُورت نہ بن سکے تو پھر عدّت گزرنے کے بعد عورت آزاد ہے اور دُوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

○ اور اگر عدّت گزرنے کے بعد پھر جب کبھی ان کے دل میں خیال آئے کہ

ہم پھر نئے سرے سے گھر بسائیں تو پھر بھی شریعت میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ تجدیدِ نکاح کے بعد اپنا اجڑا ہُوا گھر ایک بار پھر آباد کریں۔

○ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایک بہت بڑا احسان ہے، جس نے یہ قوانین محض اس لیے بنائے ہیں کہ حتی الامکان اتفاق اور جوڑ قائم رہ سکے۔

○ اور ایسے طریقۂ طلاق کو "احسن" کہتے ہیں، جو تمام ائمۂ مسلمین کے یہاں متفق علیہ اور مستحسن طریقہ ہے۔

تنبیہ

لیکن ایک بار طلاق دینے کے بعد رجوع یا تجدیدِ نکاح کی اس اجازت اور سہولت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہُوئے بار بار طلاق دے کر رجوع کر لینا بھی ناجائز ہے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ:

○ سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِمَ يَقُولُ أَحَدُكُمْ لِامْرَأَتِهِ قَدْ طَلَّقْتُكِ قَدْ رَاجَعْتُكِ. کہ تم میں سے کوئی آدمی اپنی بیوی کو یہ کیوں کہتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دی اور میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ اور پھر فرمایا: لَيْسَ هٰذَا بِطَلَاقِ الْمُسْلِمِيْنَ. کہ مسلمانوں کے طلاق دینے کا طریقہ یہ نہیں ہے۔

○ اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا شرعی طریقہ بتلاتے ہُوئے ارشاد فرمایا: طَلِّقُوا الْمَرْأَةَ فِيْ قُبُلِ طُهْرِهَا کہ اگر خواہ مخواہ طلاق دینا چاہتے ہو تو ابتداء طہر میں ایک طلاق دو اور بس۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۲۳۔ و مصنف ابن ابی شیبہ و مستدرک حاکم و ابن ماجہ)

○ معلوم ہُوا کہ اگر کسی نے خواہ مخواہ طلاق دینے کی ٹھان ہی لی ہے تو حیض کے بعد طہر کے شروع میں ہمبستری کیے بغیر صرف ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، اور اسے اس قانون کی خلاف ورزی کے گناہ کی سزا بھی ملے گی۔

○ یہ تو تھا اس شخص کی طلاق کے بارے میں شرعی حکم، جو اپنی مدخول بہا بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے یا وہ مدخول بہا تو نہ ہو لیکن اس کے ساتھ اس کی خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو۔ کیونکہ خلوتِ صحیحہ جماع کے قائم مقام بھی جاتی ہے، جبکہ خلوتِ صحیحہ تنہائی میں میاں بیوی کی ایسی ملاقات کو کہتے ہیں جہاں جماع سے حِسّی، طبعی اور شرعی مانع کوئی نہ ہو۔

○ اور جس "طلاقِ احسن" کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے، اسے "طلاقِ رجعی" بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس طلاق کے بعد عدت کے اندر اندر رجوع کی اجازت ہوتی ہے۔

○ اور اگر طلاق دینے والے نے اپنی منکوحہ کے ساتھ خلوتِ صحیحہ نہ کی ہو تو ایک "طلاقِ بائن" واقع ہو جائے گی، جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس کی عدت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے غیر مدخول بہا مطلقہ کو طلاق ملتے ہی کسی دُوسرے شخص سے فوراً نکاح کر لینے کی بھی شرعاً اجازت ہے۔ اور اگر وہ اپنے طلاق دینے والے سابق شوہر سے ہی نکاح کرنا چاہے تو عدت کے بغیر جب چاہے نکاح ہو سکتا ہے، لیکن یہ شوہر صرف دو طلاقوں کا مالک رہ جائیگا۔

طلاقِ حسن

اور "طلاقِ حسن" ایسی طلاق کو کہتے ہیں کہ شوہر اپنی مدخول بہا بیوی کو ایسے الگ الگ تین طہروں میں ایک ایک طلاق دے کہ جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو۔ اور اس کی کئی صُورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

۱ مرد نے ایک طہر میں ایک طلاق دی، اور عورت عدت بیٹھ گئی۔ ○ اور دُوسرے طہر میں دوسری اور ○ تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیدی تو تیسرا حیض ختم ہوتے ہی اس کی عدت پُوری ہو گئی۔ اور اب وہ عورت آزاد ہے کہ طلاق دینے والے اس سابق شوہر کے علاوہ اور کسی سے نکاح کر سکتی ہے۔

۲ مرد نے ایک طہر میں ایک طلاق دی۔ اور ○ دوسرے اور تیسرے طہر میں کوئی طلاق نہیں دی۔ پھر ○ تیسرا حیض ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیا۔ اور

○ چوتھے طہر میں پھر دُوسری طلاق جڑ دی، تو پہلی عدت کا لحاظ نہیں ہوگا
اور . سرے سے عدت گزارنی ہوگی۔ ○ اور اب بھی اگر وہ مرد پہلے
کی طرح دوسرے اور تیسرے طہر میں طلاق نہیں دیتا اور تیسرا حیض ختم
ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلیتا ہے، تو اب بھی اگر وہ شخص حسبِ سابق
چوتھے طہر میں تیسری طلاق دے دیتا ہے تو عورت پھر نئے سرے سے
عدت بیٹھے گی۔ اور اپنے تین حیض پُورے کرنے کے بعد آزاد ہوجائے گی۔

۳ اور اگر مرد نے ایک طہر میں ایک طلاق دی اور عدت ختم ہونے سے
پہلے پہلے جب بھی رجوع کرلیا تو یہ طلاق احسن ہُوئی۔ ○ لیکن پھر مدت دراز
کے بعد اگر پھر کسی طہر میں ایک اور طلاق دیدی تو یہ طلاق حسن ہوگی اور
عورت عدت بیٹھ جائے گی۔ اور عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرکے
یہ مرد عورت ایک بار پھر اپنا گھر آباد کرسکتے ہیں۔ ○ اور اگر اس کے بعد
پھر کبھی تیسری طلاق دیدے گا تو اب اسے رجوع کا کوئی حق نہیں ہوگا
اور وہ عورت اپنی عدت تین حیض پُورے کرکے آزاد ہوجائے گی۔ اور ان
دونوں مرد عورت کا باہم نکاح نہیں ہوسکتا۔ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔

۴ اسی طرح طلاق حسن کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مطلقہ عورت حاملہ
یا بانجھ ہو، اور اسے تین ماہ میں الگ الگ تین طلاقیں دے دی جائیں
تو اس کی عدت "حاملہ" کے لیے وضع حمل، اور "بانجھ" کے لیے تین ماہ ہوگی۔

○ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ طلاقِ حسن کی تمام صورتوں کو بدعت
کہتے ہیں، جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اسے مباح سمجھتے ہیں۔

طلاق بدعی

طلاق کی ایک قسم "طلاق بدعی" ہے، جس کا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن جو شخص
دانستہ اپنی خوشی کے ساتھ یا غُصّے کی حالت میں بدعی طلاق دے بیٹھے تو وہ
طلاق واقع ہوجائے گی۔ اور اس طلاق بدعی کی کئی صُورتیں ہیں۔ مثلاً:

طلاق بدعی کی صورتیں

❶ حیض کی حالت میں ایک یا ایک سے زیادہ دو یا تین طلاقیں اکٹھی دیدینا۔
❷ ایسے طہر میں ایک یا زیادہ طلاقیں دینا جس میں مطلقہ سے ہمبستری کر چکا ہو۔
❸ ایسے طہر میں دو طلاقیں اکٹھی دینا کہ جس میں مطلقہ سے ہمبستری نہ کی ہو۔ مثلاً:
① یوں کہے کہ: "تجھے دو طلاقیں ہیں۔" ② یا کہے کہ: "تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے"
❹ ایسے طہر میں تین طلاقیں اکٹھی دینا کہ جس میں مطلقہ سے ہمبستری نہ کی ہو۔ مثلاً:
① یوں کہے کہ: "تجھے تین طلاقیں۔" ② یا کہے کہ: "میں نے تجھے تین طلاقیں دیں"
③ یا کہے کہ: "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔" ④ یا کہے کہ: "میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی۔"
⑤ یا کہے کہ: "تجھے طلاق طلاق طلاق۔" (تیسری چوتھی قسم میں شرط یہ ہے کہ نیت تاکید کی نہ ہو)

○ طلاق بدعی کی مذکورہ بالا تمام صورتیں منکر یعنی خلافِ شریعت بُرا کام ہے۔ ایسی طلاق دینے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مجرم ہے اور یہ غیر دانشمندانہ اور احمقانہ کام کرکے اس نے خود ہی اپنا خانہ خراب کیا اور صلح کا دروازہ بند کیا اور یہ ظالمانہ و احمقانہ اور بزدلانہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو۔ اور پھر کہتا ہے کہ مجھ سے یہ غلطی غصے کی حالت میں ہوئی۔

○ کیا طلاق بھی غصہ اُتارنے کی کوئی چیز ہے۔ اگر غصہ اُتارنا ہی تھا تو اس جوش میں ہوش سے کام لینا چاہیے تھا۔ اگر طلاق دینی ہی ضروری تھی تو شرعی طریقہ کے مطابق طہر کی حالت میں صرف ایک طلاق دیتا۔ تاکہ غصہ اتر جانے کے بعد کوئی صورت صلح کی پیدا ہوتی تو معاملہ زیادہ نہ بگڑتا، دشمنی نہ ہوتی خاندان جڑے رہتے اور اولاد بھی ذلیل و رسوا نہ ہوتی۔ اور نابالغ اولاد بھی باپ کی سرپرستی سے محروم نہ ہوتی اور اولاد کے سمجھدار ہونے تک خرچہ دیکر اولاد کو اس کی ماں کے پاس نہ چھوڑنا پڑتا، اور نہ ہی ماں اپنے بچوں کے ذہن میں باپ سے نفرت کے جذبات پیدا کرتی۔ شعر: نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کی صورت

جب کوئی شخص بطریقِ حسن یا بدعی طریقے سے اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دیکر فارغ کر دیتا ہے تو پھر وہ عورت زندگی بھر دوبارہ اس مرد کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ اور اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ: عدّتِ طلاق ختم ہونے کے بعد اس مطلقہ عورت کے ساتھ محض اپنا گھر آباد کرنے کی غرض سے، خود اپنی خوشی اور رضا و رغبت کے ساتھ کوئی دوسرا مرد اس لیے نکاح کرے کہ زندگی بھر میں اس عورت کے ساتھ نباہ کروں گا۔ اور پھر وہ نیک اولاد کے حصول کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا کریں۔ اور پھر اس خاوند سے اس عورت کے یہاں اولاد ہو یا نہ ہو اتفاقاً یہ مرد فوت ہوجائے۔ یا اس خاوند کے ساتھ بھی اس عورت کا نباہ نہ ہوسکے اور مجبوراً یہ خاوند بھی اسے طلاق دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہوئے اسے طلاق دیدے۔ تو پھر عدّت گزارنے کے بعد اگر وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرکے اور اپنی سابقہ غلطیوں کی اصلاح کرکے بسنا چاہتی ہے اور اس کا وہ پہلا خاوند بھی دستورِ شرع کے مطابق اس عورت کو دوبارہ اپنے یہاں بسانے پر آمادہ ہوجائے تو صرف اس صورت میں ان کا باہم دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ جیسا کہ: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۔ (۲: ۲۳۰) یعنی دو طلاقوں کے بعد تو خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہے کہ عدّت کے اندر اندر نکاح کے بغیر اور عدّت گزرنے کے بعد نکاح کے ساتھ رجوع کرکے اس عورت کو اپنے گھر آباد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن پھر اگر اس عورت کو تیسری طلاق بھی دیدی تو اب وہ عورت طلاق دینے والے اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

تاوقتیکہ وہ عورت عدّت گزارنے کے بعد دُوسری جگہ نکاح کرکے دُوسرے خاوند سے وطی نہ کرالے۔ اس کے بعد دُوسرے خاوند نے بھی اگر اس عورت کو طلاق دیدی (یاوہ مرگیا) تو اب پھر عدّت گزارنے کے بعد وہ عورت اس کا سابق شوہر باہم نکاح کرکے رجوع کرلیں تو انھیں اس بات کا کچھ گناہ نہیں۔ بشرطیکہ ان دونوں کو اس بات کی توقع ہوکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہ سکیں گے۔

○ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مُبارکہ میں تین طلاقیں دے چُکنے کے بعد طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت کے باہم رجوع کرنے اور ایک دُوسرے کے لیے حلال ہونے کی صُورت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. (۲: ۲۳۰) یعنی یہ اللہ تعالےٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جن سے تجاوز کرنا اور توڑنا حرام ہے، اور ان حدود کو خود اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے فائدے کے لیے خوب کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو خانہ داری کی مصلحتوں کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

حلالہ کا حیلہ

بعض لوگوں نے تین طلاقیں دینے والے مرد کی خاطر مطلقہ عورت کو حلال کرنے کے لیے قرآن مجید کی اسی آیتِ مبارکہ میں تلبیس سے کام لیتے ہُوئے یہ حیلہ کیا کہ: "کوئی دُوسرا شخص اس مطلقہ کے ساتھ اس غرض سے نکاح کرے کہ میں اس سے وطی کرکے پہلے خاوند کی خاطر طلاق دے دوں گا' تاکہ اس بے چارے کا اُجڑا ہُوا گھر دوبارہ بس جائے اور اس کے بال بچے خراب نہ ہوں"

○ تو اس مقصد کے لیے عارضی نکاح کرنا' جیسا کہ آج کل "حلالہ" کے نام سے اس غیرت کُش اور قبیح فعل کا رواج ہورہا ہے، تو یہ فعلِ بد حرام، گناہِ کبیرہ اور شریعت مطہرہ کے ساتھ تمسخر ہے۔ اور یہ لعنتیوں کا کام زنا اور متعہ کے حکم میں ہے۔ اور اس میں ملوّث تمام لوگ ملعون و مبغوض ہیں۔

حلالہ کا مطلب

○ اُردو زبان میں مطلقہ عورت کے "عارضی نکاح" کو "حلالہ" کہتے ہیں، تاکہ وہ عورت دُوسرے شخص سے نکاح کرنے کے بعد اپنے پہلے خاوند سے پھر دوبارہ نکاح کر سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس قسم کے "عارضی نکاح" کو کہیں بھی جائز نہیں فرمایا۔

○ بلکہ جس فعلِ قبیح کو "حلالہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسی کے بارے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبانِ مبارک سے فرمایا ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ

کہ "محلِّل" یعنی حلّت کو ثابت کرنے والا عارضی شوہر اور "محلَّل لہٗ" یعنی پہلا شوہر کہ جس کی خاطر حلّت ثابت کی جائے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

○ اور یہ عبرت ناک حدیثِ رسولؐ درج ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

(۱) امیر المومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۴ باب التحلیل، و ترمذی ج ۱ ص ۱۴۴ و ابن ماجہ باب المحلِّل والمحلَّل لہٗ ص ۱۴۰، و السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)

(۲) امام المحدثین والفقہاء سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵ باب ماجاء فی المحلِّل والمحلَّل لہٗ و نسائی ج ۲ ص ۱۰۱ باب احلال المطلقۃ ثلٰثاً، و السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸ و مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۱)

(۳) رأس المفسرین سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ابن ماجہ ص ۱۴۰)

(۴) سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸ باب ماجاء فی نکاح المحلِّل)

(۵) سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵ باب ماجاء فی المحلِّل والمحلَّل لہٗ)

(۶) سیّدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (ابن ماجہ ص ۱۴۰ و دارقطنی ص ۳۹۵)

(۷) سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۹)

○

حلالہ زنا ہے

اور یہ وہ شخص ہے جو حلالہ کرنے والے بے غیرت شخص کو "محلل" کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو تین طلاقیں دی ہوئی عورت کے ساتھ اس شرط پر عارضی نکاح کرے کہ اس سے ہمبستری کرکے طلاق دیدوں گا تاکہ وہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہو جائے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس فعل کو زنا سمجھا جاتا تھا چنانچہ:

○ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: صرف وہی نکاح معتبر ہے جو رغبت سے کیا جائے، کیونکہ "حلالہ" کی غرض سے کیے جانے والے عارضی نکاح کو ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زنا سمجھتے تھے۔" (مستدرک حاکم ۱۹۹/۲)

حلالہ کرنے والا کرائے کا سانڈ ہے

حلالہ کرنے اور کرانے والے اگر اس فعل قبیح کو جائز سمجھیں تو یہ کافر ہیں، کیونکہ لعنت کا مستحق صرف کافر ہوتا ہے، مسلمان پر لعنت کرنا شرعاً منع ہے۔ البتہ کافر کو کفر کے باعث انسانیت سے خارج نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ "حلالہ" تو اس قدر بری چیز ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر صرف لعنت ہی نہیں فرمائی بلکہ اس سے بڑھ کر حلالہ کرنے والے کو اَلتَّیْسُ الْمُسْتَعَار یعنی کرائے کے سانڈھ سے تشبیہ دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ملعون تو گویا انسانیت سے بھی خارج ہو چکا ہے۔ چنانچہ:

○ سیدنا عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالتَّیْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ کہ کیا میں تمہیں "کرائے کا سانڈھ" نہ بتاؤں کہ وہ کون ہوتا ہے؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ: یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھُوَ الْمُحَلِّلُ کہ وہ کسی کی خاطر "عارضی نکاح" کرنے والا ہے۔ اور پھر فرمایا: لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ کہ حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (در منثور ج ۱ ص ۲۸۰)

حلالہ کرنے والوں میں جدائی ضروری ہے

اگر کوئی شخص جہالت اور لاعلمی کے باعث حلالہ جیسے ملعون و منحوس کام میں ملوث ہوجائے تو اسے فوراً اس عورت سے الگ کردینا ضروری ہے کیونکہ اوّل تو یہ ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ جس کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس طرح چند روز کے لیے عارضی نکاح کرلینے سے وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال بھی نہیں ہوتی جیساکہ:

○ امیرالمؤمنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے ایک عورت سے چند روز کے لیے محض اس غرض سے عارضی نکاح کر رکھا تھا کہ اس طرح کرنے سے شاید وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے اور وہ عورت عارضی نکاح کرنے والے اس دوسرے مرد سے طلاق لینے کے بعد اپنے پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرسکے گی۔ تو حضرت امیرالمؤمنینؓ نے اس غرض سے عارضی نکاح کرنے والے ان دونوں مرد اور عورت کے درمیان تفریق فرمادی۔ اور فرمایا کہ اس طرح عارضی نکاح کرنے سے وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہُوا کرتی۔

حلالہ کرنے اور کرانے والے رجم کے مستحق ہیں

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حلالہ کرنے اور کرانے والے سب ہی زناکار پاپی ہیں اور شریعت مطہرہ میں زنا کی سزا رجم ہے۔ اگر کوئی شخص جان بُوجھ کر اس قبیح فعل کا مرتکب ہوگا تو وہ یقیناً رجم جیسی عبرت ناک سزا کا مستحق ہوگا جیساکہ:

○ امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لَا أُوْتٰی بِمُحَلِّلٍ وَّلَا مُحَلَّلٍ لَّهٗ إِلَّا رَجَمْتُهُمَا۔ کہ خبردار! میرے سامنے کوئی حلالہ کرنے والا شخص نہ لایا جائے اور نہ ہی وہ شخص لایا جائے جس کی خاطر حلالہ کیا جائے، ورنہ میں ان دونوں کو رجم کردوں گا۔ (مصنف عبدالرزاق)

حتیٰ تنکح زوجا غیرہ کی حکمت

تمام احکام الٰہی میں انسان کی بھلائی اور دُنیوی و اخروی فائدہ کے لیے بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں موجود ہیں' اور کوئی حکم بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور ان مصالح کا علم انسان کو ہونا ضروری نہیں البتہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے

○ اہل تحقیق علماء کرام نے حکم الٰہی کے مُطابق تدبر اور تفقہ سے کام لیتے ہُوئے احکام الٰہی کی کچھ مصلحتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور اسی سلسلے میں علماء کرام نے حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (۲:۲۳۰) کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

○ دراصل اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہ دُوسرے خاوند سے ہمبستری کرنے کے بعد تین طلاقیں دینے والے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجاتی ہے' تو یہ حکم اس پہلے شوہر کے لیے سزا کے طور پر دیا گیا ہے جس نے شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے شیطان کی اِتباع میں تیسری طلاق دی۔ چنانچہ:

○ حضرت قاضی ناصرالدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی شافعیؒ نے تفسیر انوار التنزیل المعروف بہ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۴۲ میں تحریر فرمایا ہے وَالْحِكْمَةُ فِي هٰذَا الْحُكْمِ الرَّدْعُ عَنِ التَّسَرُّعِ إِلَى الطَّلَاقِ وَالْعَوْدِ إِلَى الْمُطَلَّقَةِ ثَلٰثًا

○ اِسی طرح حضرت ابوالفضل خطیب کازرونیؒ نے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے وَالْحِكْمَةُ فِي الرَّدْعِ الْمَنْعُ عَنِ الطَّلَاقِ ثَلٰثًا۔ (بیضاوی ص ۲۴۲) یعنی اِس حکم الٰہی میں حکمت یہ ہے کہ لوگ یہ حکم سُن کر تیسری طلاق دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔

○ نیز الفتوحات الربانیہ ج ۲ ص ۳۸ میں بھی یہ حکمت بتلائی گئی ہے کہ: تین طلاق دینے والے کے لیے پھر دوبارہ اسی عورت کا حلال ہونا اس بات پر موقوف رکھا گیا ہے کہ دُوسرا خاوند اس سے وطی کرے، تو اِس میں حکمت یہ ہے کہ خاوند کو زجر و توبیخ ہو تاکہ وہ تین طلاقیں دینے میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس خاوند کو اس

کام سے نفرت ہو۔ کیونکہ کوئی غیرت مند، سلیم الفطرت اور شریف النفس انسان اپنی رفیقۂ حیات کو کسی دُوسرے مرد کے بستر کو گرم کرنے کی اجازت دینے پر رضامند نہیں ہوگا۔ اِس لیے جب اُس شخص کو اس قانون کا علم ہوجائے گا تو وہ کبھی تین طلاقیں دینے کا طریقہ نہ اپنائے گا۔

○ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو واقعی تین طلاقیں دینے والا بے خوف شخص ایسی سزا کا ہی مستحق ہے۔ کیونکہ اس نے ایک اہم رشتہ توڑا، دو خاندانوں میں تفریق کی، اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کی، اللہ تعالیٰ کے قرآنی حکم اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف اقدام کیا، اجماع اُمت کی مخالفت کرکے مسلمانوں کے طریقہ کو ترک کیا اور غیر سبیل المومنین کو اختیار کرکے شیطان کو راضی کیا۔

○ اگر اس نے خواہ مخواہ طلاق دینی ہی تھی تو ایک طلاق دے کر آرام سے اپنے گھر رہتا اور جس بیوی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے عدت کے بعد اُس کے ماں باپ یا بہن بھائی کے گھر رخصت کردیتا۔ اور

○ اگر اسے بہت ہی زیادہ غصہ تھا تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دے کر ہی تنہا زندگی گزارنے کے مزے چکھتا۔ اور جب عقل ٹھکانے سر آجاتی اور پھر دوبارہ اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ رہنے کو جی چاہتا تو اس کی کوئی صُورت پیدا ہوسکتی اور دوبارہ باہم جوڑ کی کوئی گنجائش باقی رہتی، مگر تین طلاقیں دے چکنے کے بعد اب دوبارہ خانہ آبادی کی کوئی صُورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے وہ عورت کبھی اس کے گھر واپس آ ہی نہیں سکتی۔

○ اور اگر اب بھی وہ احکامِ الٰہی اور حدودِ شرعیہ کی خلاف ورزی اور تمسخر کرکے اپنے ہاتھوں اپنا گھر اجاڑنے والا عاصی شوہر اسی مطلقہ عورت کو اپنے گھر بسانا چاہتا ہے تو اس کی صرف یہ صُورت ہے کہ جس طرح وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اس بے وفا شخص کی بیوی بن کر رہی تھی

اسی طرح اب وہ عورت بہ رضا و رغبت پوری زندگی بسر کرنے کی غرض سے پُورے خلوص کے ساتھ کسی دُوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے اور اپنے وجود سے اس گھر کو رونق افروز کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اس دُوسرے مرد کی اولاد کے لیے دُعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرمائے تو اس کی پرورش کرے اور اس خاوند کی وفا شعار بیوی بن کر رہے۔ اور پہلے بے وفا شوہر کا خیال بھی دل میں نہ لائے اور اسی گھر میں اپنی زندگی گزار دے۔

○ پھر اگر اس عورت کا یہ دُوسرا شوہر فوت ہو جائے، یا وہ شخص بھی اس عورت کو طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد اب اگر اس پہلے مرد کا جی چاہے اور اس کا ضمیر گوارا کرے تو وہ "تھوکے کو چاٹنے" کے مصداق اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

○ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس عورت کو جوانی میں بے وفائی کرتے ہوئے اس نے ایک دو بار ہی نہیں تین بار رسوا کر کے اپنے گھر سے نکالا اور طلاق دی، اولاد، جہیز اور زیورات وغیرہ کے بارے میں اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا، عدالتوں میں ذلیل و خوار ہُوا، خاندان بھر کی دشمنی مول لی، دوستوں کو بھی ناخوش کیا، اولاد کے سامنے بھی حقیر ہُوا، اس کا نام سُنتے ہی اولاد کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑک اُٹھتی تھی کہ اس نے ان کی ماں کو رُسوا کیا اور اسے طلاق دے کر ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ تو اگر ان تمام اُلجھنوں کو سُلجھانے کی صلاحیت اس شخص میں پیدا ہو چکی ہے تو پھر بیشک اس کے لیے وہ عورت حلال ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ صورت نادر الوقوع ہے۔

○ دراصل اللہ تعالیٰ نے تیسری طلاق دینے سے منع کرنے کے لیے اس قسم کے الفاظ استعمال فرما کر انسان کی غیرت کو للکارا ہے اور مقصد یہ تھا کہ کوئی انسان تیسری طلاق ہرگز نہ دے۔

○

خلاصہ یہ کہ وہ مروجہ حلالہ اور عارضی نکاح حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری سب مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرام کاری میں ملوث ہونے والے سب لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یعنی حلالہ کرنے والا، حلالہ کروانے والا، حلالہ کا مشورہ دینے والا، اور حلالہ کا فتویٰ دینے والا، اور ان کے علاوہ جو لوگ بھی اس حرام کاری میں ملوث ہوں گے وہ تمام ملعون، مغضوب علیہم، مبغوض اور منحوس ہیں۔

محلِ نزاع مسئلہ

اور جو مسئلہ جمہور مسلمین اور آزاد خیال لوگوں کے مابین محلِ نزاع بنا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی احمق اپنی جہالت کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے ایک دم اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے، مثلاً یوں کہے کہ: ○ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، یا کہے کہ ○ تو مجھ پر تین طلاق سے حرام ہے۔ یا ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق دے ڈالتا ہے۔ یا ایک ہی طہر کے مختلف اوقات میں تین طلاقیں دے دیتا ہے۔ تو اس شخص کی یہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی یا صرف ایک طلاق رجعی متصور ہوگی؟ چنانچہ:

○ تمام اہلِ سنت کا قرآن و سنت سے ثابت شدہ اس اہم مسئلہ پر اتفاق ہے کہ خواہ ایک طہر کے عرصے میں تین طلاقیں دی جائیں یا ایک مجلس میں بلکہ اگر ایک کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں بھی دیدی جائیں تو وہ تین ہی ہوں گی۔

○ اس میں صرف حنفیوں ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ شافعی، مالکی، حنبلی متقدمین اور ظاہری۔ سب یہی کہتے ہیں کہ اکٹھی ایک طہر میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ البتہ اہلِ سنت کے مخالف روافض کا مسلک یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق متصور ہوگی؛ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے والا رجوع کرکے اس عورت کو اپنے گھر رکھ سکتا ہے اور آزاد خیال لوگ بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

ضروری تنبیہ

جس طرح بالاتفاق تمام اہلِ سُنّت کے نزدیک تین طلاقیں دینے والا شخص اگر حلالہ یعنی عارضی نکاح کروانے کے بعد اپنی مطلقہ عورت کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہُوئے تجدیدِ نکاح کر کے اپنے گھر بسائے گا تو وہ ملعون ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تین طلاقوں کو ایک تصور کرتے ہُوئے رجوع کر کے مطلقہ عورت کو اپنے گھر بسانے والا شخص بھی ملعون بلکہ زانی ہے۔ کیونکہ جب وہ عورت تین طلاقیں دیے جانے کے بعد اجنبی ہوگئی، اور رُجوع کا حق بھی نہ رہا تو اب اس اجنبی عورت کو گھر میں بسانا زنا ہی کہلائے گا۔

- یاد رہے کہ جو شخص ایک یا دو طلاقیں دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے رجوع کی اجازت دی ہے، لیکن جو شخص تیسری طلاق بھی دیدے تو یہ اس شخص کا اتنا بڑا ظلم اور جرمِ عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام کر کے رجوع کا حق بھی چھین لیا۔ اور حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ کی سزا تو اتنی بڑی سزا ہے جس کو کوئی غیرت مند اور باحیا شخص برداشت نہیں کر سکتا۔ اور یہ اس مجرم کی سزا ہے جس نے الگ الگ تین طہروں میں ایک ایک کر کے تین طلاقیں دی ہوں۔ جبکہ ایک ہی طہر میں، بلکہ ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینا تو بہت ہی بڑا سنگین جرم ہے۔

- جب تین طہروں میں الگ الگ طلاقیں دینے والے کم درجہ کے جرم کی یہ سزا ہے تو تین طلاقیں ایک طہر میں یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالنے والا مجرم تو بطریقِ اولیٰ اس سزا کا مستحق ہے اور اسے یہ سزا ضرور دینی چاہیے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہُوئے طریقہ کو پسِ پشت ڈال کر حکمِ الٰہی کی بے ادبی اور استہزاء کیا، اللہ تعالیٰ کو ناراض اور شیطان مردود کو خوش کیا۔ اور یہ وہ جرم ہے جس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضی اور غصّے کا اظہار فرمایا تھا۔

مذہب کی آڑ میں زنا

دورِ جاہلیت میں کھلے عام زنا کو بہت برا سمجھا جاتا تھا، اور چھپے زنا کو اس قدر معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ حاشیہ صحیح بخاری ص ۹۶۸ میں ہے۔ جبکہ

- اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور چھپے ہر طرح کے فواحش اور زنا سے منع فرمایا ہے بلکہ کوئی مذہب بھی زنا کی اجازت نہیں دیتا۔ تمام ادیانِ سماویہ میں زنا کو جرمِ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی عورت زنا کرتی تو پورا خاندان بدنام ہوجاتا اور اس کی شہرت خراب ہوجاتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی زنا جیسا ملعون کام اس قدر عام نہیں تھا جس قدر کہ آج کل عام ہے،
- بلکہ اب تو اس زنا کو اگر ایک طبقہ نے متعہ کا نام دے کر مذہبی چھاپ لگائی ہے تو دوسرے طبقہ نے حلالہ کے روپ میں اسے شرعاً جائز سمجھ رکھا ہے۔
- اور ان سب سے بڑھ کر تین طلاقوں کو ایک تصور کرنے والوں نے تو حد ہی کردی ہے کہ صریح آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں تحریف و تاویل اور ہیرا پھیری کرکے شریعت کی جعلی مہر لگا کر زنا کی کھلی اجازت دیدی۔ مثلاً:
- جب کوئی بددماغ جاہل اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف ایک طہر میں یا ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے کر خود اپنے ہاتھوں اپنا گھر برباد کرنے والا عاقبت نااندیش اپنا اجڑا ہوا گھر پھر سے آباد کرنے کے حیلے بہانے تلاش کرتا ہوا ان کے پاس پہنچتا ہے تو یہ لوگ ایسے ملعون مبغوض مذموم، منحوس اور بدعت کے مرتکب شخص کو تسلی دیتے ہوئے اس کم بخت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔
- حالانکہ حق تو یہ تھا کہ وہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے والے بددماغ کا دماغ درست کرنے کی غرض سے اس کو زجر و تنبیہ اور سرزنش کرتے، اور اس پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے سمجھاتے کہ اسے بدبخت انسان تونے یہ شیطانی حرکت کرکے ابلیس لعین کو خوش اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہے

تُو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزاء اور مخول کیا ہے۔ تُو نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو کھیل تماشا سمجھا۔ تو نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اسے یہ بھی بتلاتے کہ اگر ہمارے ملک میں شرعی اور اسلامی حکومت ہوتی تو تجھے اس جرم پر کوڑوں کی سزا دی جاتی۔

○ لیکن اس کے برعکس یہ لوگ اس مجرم کو تسلی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: میاں! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، تیرا کچھ نہیں بگڑا، فکر کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ ایک ہی مجلس میں تین تو کیا اگر تو تسبیح کے دانوں پر گن کر سو، پچاس بھی نہیں اگر ہزار بار طلاق دیتا تو بھی وہ ایک طلاق ہی متصور ہوتی۔ اس لیے تو گھر جا کر رجوع کرلے۔ اور اگر عدت بھی گزر چکی ہے تو تجدید نکاح کرکے اپنا گھر آباد کرلے۔ تو اس طرح ان لوگوں نے شریعت کی جعلی مہر لگا کر اس آدمی کو پوری آزادی کے ساتھ زندگی بھر زنا کرتے رہنے کی اجازت دے رکھی ہے۔

○ اور یہ تینوں قسم کا زنا وہ ہے جس پر بدمذہب اور آزاد خیال لوگوں نے فریب کاری سے شریعت کی جعلی مہر لگا کر جاہل لوگوں کو زانی بنا دیا ہے۔ جو قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ چنانچہ:

قیامت کی علامت

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ یُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَیَکْثُرَ الْجَهْلُ وَیَکْثُرَ الزِّنَا وَیَکْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ..... (مشکوٰۃ ص ۴۶۹) کہ قیامت کی علامات میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس وقت علمِ دین ختم ہوجائے گا، اور جہالت عام ہوجائے گی۔ اور زنا اور شراب نوشی بھی عام ہوجائے گی۔

○ اس دور میں کئی طرح سے زنا کی کثرت ہورہی ہے۔ جبکہ سب سے بڑا زنا وہ ہے جو مذہب کی آڑ میں کروایا جارہا ہے، جس سے توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔

جہالت کا نتیجہ

قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت علم کا اُٹھ جانا اور جہالت کا عام ہو جانا بھی مذکورہ بالا فرمانِ رسولؐ میں بتلائی گئی ہے۔ اور جہالت کے باعث جب کسی چھوٹی یا بڑی وجہ سے اپنی شریکِ حیات کو طلاق دیتے ہیں تو اس بات کا خیال بھی نہیں کرتے کہ طلاق کس طرح اور کب دی جانی ہے؟

- اور اس چیز کا لحاظ بھی نہیں رکھا جاتا کہ جس عورت کو طلاق دے رہا ہوں وہ پاک بھی ہے یا ناپاک، اگر پاک ہے تو اس طہر میں ہمبستری تو نہیں کی، کیونکہ طلاق دیتے وقت ان دو باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔
- لیکن ان باتوں کا لحاظ کیے بغیر معمولی معمولی باتوں پر غصہ آتے ہی بغیر کسی معقول شرعی وجہ کے اپنی مدخول بہا بیوی کو یہ جہالت کے پُتلے اکٹھی بلکہ ایک سانس میں تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں۔ جس میں کئی گناہ جمع ہو جاتے ہیں۔
- مشاہدہ: عموماً جہلاء میں یہ بات مشہور ہے کہ طلاق ہوتی ہی تب ہے جبکہ تین ہوں۔ اگر کوئی ایک مرتبہ طلاق کا لفظ منہ سے نکالے تو یہ جہلاء اسے طلاق سمجھتے ہی نہیں۔ اور یہ دستور اس عورت کو بسائے رکھتے ہیں۔
- اور اس طرح ایک ایک کر کے کئی بار طلاق دے چکنے کے بعد بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ابھی طلاق نہیں دی گئی۔ کیونکہ ان کے ذہن میں شیطان نے یہ بات ڈال رکھی ہے کہ جب تک تین مرتبہ طلاق کا لفظ نہ بولا جائے، یا تین کا لفظ طلاق کے ساتھ زبان سے نہ نکالا جائے تب تک طلاق نہیں ہوتی۔
- اور یہ بھی مشہور ہے کہ ایک یا دو طلاقیں پکی نہیں ہوتیں، لہٰذا غصے کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے ایک دو کچی طلاقیں دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے اور اس طرح نہ جانے کتنے لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے زندگی بھر زناکاری میں مبتلا رہتے ہیں، اور ان کے یہاں اولاد بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور اس جہالت کو دیکھ کر شیطان ملعون نہ جانے کس قدر خوش ہوتا ہوگا۔ نعوذ باللہ۔

صُلح کی کوشش

ایک مجلس میں ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے ڈالنے والے جاہل اور رسمی مسلمان جو مسائل طہارت سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں ہوتے اور خود کو پکا سچا اہلِ سُنّت مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ صحیح اسلامی طریقہ کے خلاف تین طلاقیں دے کر اپنا گھر اُجاڑ چکتے ہیں تو پھر مؤجل رکھے ہوئے حق مہر کی ادائیگی، جہیز کی واپسی اور اپنی اولاد کے مستقبل، تعلیم و تربیت اور پرورش کے خرچہ وغیرہ کا خیال پریشان کرتا ہے تو صلح کر کے رجوع یا تجدید نکاح کی کوشش شروع کی جاتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں پہلے تو خاندان کے بڑے بزرگوں سے صلح کرانے کی درخواست کی جاتی ہے۔ اور اگر اس طرح صلح نہ ہو سکے تو پھر احکامِ شریعت سے لاعلم ملک، چودھری اور خوانین وغیرہ قسم کے لوگوں کی پنچائت یا جرگہ وغیرہ میں طلاق کے مؤثر اور وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے پر خوب گرماگرمی اور بحث مباحثہ ہوتا ہے۔ اور جب یہاں بھی ان کی مرضی کے مُطابق کام نہ بنے تو وکلاء سے مشورہ کے بعد معاملہ عدالت تک پہنچتا ہے۔

- اس طرح خاندانی، پنچائتی، وکالتی اور عدالتی کارروائیوں کے دَوران انھیں یہ تو اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ تین طلاقیں دے چکنے کے بعد اب صلح، رُجوع، یا تجدید نکاح کی کوئی صُورت بھی باقی نہیں رہی' اور مزید جھگڑنا بے سود ہے۔
- لیکن انہی کارروائیوں کے دَوران انھیں یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک حلالہ کے نام سے عارضی نکاح کر کے پہلے مرد کے لیے عورت حلال کی جاسکتی ہے لیکن ان کی غیرت اس کام کی اجازت نہیں دیتی۔ اور وہ اپنا گھر آباد نہیں کرسکتے۔
- اس کے بعد یہ خود غرض لوگ فتویٰ لینے کے لیے ان لوگوں کے یہاں پہنچتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک طہر یا ایک مجلس میں تین تو کیا' اگر سو طلاقیں بھی دیدیں تو بھی ایک طلاق رجعی متصوّر ہوتی ہے۔ اور اگر حیض کی حالت میں تین طلاقیں دی جائیں تو ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ اور اس طرح ان کی بگڑی سنور جاتی ہے۔

تین کو ایک کہنے والے کون ہیں

مسیحی نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ: ① باپ خدا ہے۔ ② بیٹا خدا ہے۔ اور ③ روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ یہ تینوں خدا ایک ہی خدا ہیں۔" اسی طرح قرآن و سنت کی روشنی میں اہلِ سنت کے متفقہ مسلک سے اختلاف رکھنے والے علما بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ایک طہر میں یا ایک مجلس میں الگ الگ کر کے یا اکٹھی تین طلاقیں دیجائیں تو بھی وہ ایک طلاق ہی سمجھی جائے گی۔ بلکہ اگر حیض کی حالت میں تین تو کیا اگر سو طلاقیں بھی دے دی جائیں تو ایک طلاق بھی نہ ہوگی۔ چنانچہ:

○ ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی متوفی ۳۲۹ھ نے اپنی مشہور کتاب "الفروع من الکافی" مطبوعہ تہران ج ۲ ص ۷ میں باب من طلق ثلاثا علی طہر بشہود فی مجلس او اکثر انہا واحدۃ کے عنوان سے باب منعقد کیا کہ جو شخص طہر کی حالت میں گواہوں کے سامنے ایک ہی مجلس میں یا کئی مجالس میں تین طلاقیں دیدے تو وہ ایک طلاق ہی متصور ہوتی ہے۔ پھر اس باب کے تحت کئی روایات تحریر کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

○ زرارہ نے کہا کہ میں ابو عبداللہ حضرت جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے اس شخص کے بارے میں استفسار کیا جو اپنی بیوی کو بحالتِ طہر ایک مجلس میں یا کئی مجالس میں تین طلاقیں دیتا ہے تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے تو اس پر انھوں نے فرمایا: ھی واحدۃ کہ وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے۔

○ نیز ایک روایت میں ہے کہ زرارہ نے کہا کہ میں حضرت جعفر صادقؒ سے بحالتِ طہر ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے والے کے بارے میں پوچھا کہ اس کا حکم کیا ہے، تو آپؒ نے فرمایا: ھی واحدۃ کہ وہ بھی ایک طلاق ہے۔

○ نیز ایک روایت میں ہے کہ ابو بصیر اسدی، محمد بن علی حلبی اور عمرو بن حنظلہ نے حضرت ابو عبداللہ جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا

کہ غیر عدت میں تین طلاقیں طُہر کی حالت میں ہوں تو ایک طلاق بنتی ہے اور اگر طُہر کی حالت میں نہ ہو تو کچھ بھی نہیں یعنی اس طرح طلاق نہ ہوگی۔

○ عمرو بن البراء نے کہا کہ میں نے حضرت جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا کہ ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ "آدمی جب اپنی بیوی کو ایک بار یا سو بار طلاقیں دیدے تو وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے" اور ہمیں آپ سے، اور آپ کے آباء و اجداد سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "جب ایک بار یا سو بار طلاق دے تو وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے" تو اس کے جواب میں حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ "وہ بات اسی طرح ہے جس طرح تمہیں پہنچی ہے" یعنی اگر کوئی سو بار طلاق دے تو بھی وہ ایک ہی شمار ہوگی۔

○ ابوجعفر محمد بن الحسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے اپنی کتاب الاستبصار ۳ ص ۲۸۶ میں بھی اسی طرح کی روایات لکھ کر ثابت کیا ہے کہ اگر حیض و نفاس کی حالت میں طلاق دے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا یعنی طلاق نہیں پڑتی۔

○ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوجعفر محمد باقر (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اگر عدت کے وقت یعنی طُہر میں اپنی بیوی کو ایک سے زیادہ جس قدر بھی طلاقیں دے گا تو ایک طلاق ہی مؤثر ہوگی اور ایک سے زائد مؤثر نہ ہونگی۔

○ نیز ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: رجل طلق امرأته ثلثا وهي على طهر فانما هي واحدة کہ عورت طُہر کی حالت میں ہو اور مرد اُسے تین طلاقیں دیدے تو وہ صرف ایک طلاق ہی شمار کی جائے گی۔ نیز آپ نے فرمایا: ومن طلق امرأته ثلثا على غير طهر فليس بشئ کہ اگر عورت ناپاکی یعنی حیض و نفاس کی حالت میں ہو اور اسے تین طلاقیں دیدے تو سرے سے طلاق پڑتی ہی نہیں۔

○ نیز حضرت جعفر صادق کے والد حضرت محمد باقر (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے: ان عليا عليه السلام كان يقول اذا طلق الرجل المرأة قبل:

يدخل بها ثلاثا في كلمة واحدة فقد بانت منه ولا ميراث
بينهما ولا رجعة ولا تحل له حتى تنكح زوجا غيره. کہ حضرت
امیر المؤمنین سیدنا امام علی (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مرد اپنی
غیر مدخول بہا بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت
اس سے جُدا ہوگئی، نہ نکاح رہا، نہ ورثہ اور نہ ہی اسے رجوع کا حق رہا۔ اور
وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہی، یہاں تک کہ دُوسرے سے نکاح کرے۔

○ حضرت امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ذیشان اہل سُنّت
کے مسلک سے مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے۔ لیکن مُحبِ علیؓ کا زبانی
دعویٰ کرنے والا اس کتاب کا مُصنف حضرت امیر المؤمنینؓ کا یہ فرمان
نقل کرنے کے بعد اس کو ماننے اور عمل کرنے سے صاف انکار کرتے ہوئے
لکھتا ہے: هذا الخبر موافق للعامة لسنا نعمل به لانه اذا
طلقها ثلاثا في كلمة واحدة فانما يقع منها واحدة على ما تضمنته
الروايات الاولة کہ یہ خبر عامۃ المسلمین کے مذہب سے موافقت رکھتی ہے
لیکن ہم (روافض) اس روایت پر عمل نہیں کرتے۔ کیونکہ جب مرد اپنی
بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ ایک ہی پڑتی ہے
جیسا کہ اس سے پہلے گزری ہوئی روایات کے ضمن میں یہ بات آئی ہے۔

○ اسی طرح ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی نے اپنی دُوسری کتاب تہذیب الاحکام ج ۸
میں بھی وہی روایات نقل کی ہیں جو الاستبصار میں بھی نقل کی جا چکی تھیں۔

○ سید محمود حسینی شاہرودی نے اپنی کتاب توضیح المسائل (مطبوعہ ۱۳۹۰ھ) ص ۳۵۲
میں لکھا ہے: اگر زن را از خون حیض پاک بداند و طلاقش دہد بعد معلوم شد
کہ موقع طلاق در حال حیض بودہ طلاق او باطل است۔ (مسئلہ ۲۵۱۰)

○ اسی طرح سید روح اللہ موسوی خمینی کی کتاب توضیح المسائل جدید (مترجم اُردو)
ص ۳۸۱ میں ہے کہ اگر عورت کو خونِ حیض سے پاک سمجھتے ہوئے طلاق دیدے

اور بعد میں معلوم ہو کہ طلاق دیتے وقت وہ حالتِ حیض میں تھی تو اس کی طلاق باطل ہے۔ (ترجمہ از سید صفدر حسین نجفی، ناشر امامیہ پبلیکیشنز گنپت روڈ لاہور)

○ تفسیر نمونہ ج ۲ ص ۱۰۰ میں شیخ محمود شلتوت سابق رئیس جامعہ ازہر مصر کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں اہلِ سُنّت کے چاروں مذاہب میں تین ہی شمار ہوتی ہیں لیکن شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مُطابق وہ ایک سے زیادہ طلاقیں شمار نہیں ہوتیں۔

○ تفسیر مظہری اُردو مترجم ج ۱ ص ۴۹۳ میں ہے: امامیہ کا قول ہے کہ اگر کسی نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے دیں تو اس آیت کی وجہ سے ایک بھی طلاق نہ پڑے گی۔

○ نور الہدایہ ص ۲۶۵ میں ہے کہ روافض کے نزدیک تین طلاق ایک بار میں نہیں واقع ہوتے۔ (نور الہدایہ کتاب الطلاق فصل اوّل)

○ غایۃ السعایہ ص ۲۴۷ میں ہے کہ حضرت امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ: "بدعی طلاق کے واقع نہ ہونے کا قول خوارج اور روافض کا ہے۔"

○ نیز علامہ ابن عبد البرؒ نے فرمایا ہے کہ: "تین طلاقوں کے تین شمار ہونے کا کوئی مخالف نہیں سوائے اہلِ بدعت اور ضلال کے۔" (غایۃ السعایہ ص ۲۴۷)

<u>خلاصہ</u> یہ کہ حیض کی حالت میں دی گئی بدعی طلاق کو طلاق ہی نہ سمجھنا، اور ایک طہر، ایک مجلس یا ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دینا ضلال، اہلِ بدعت، روافض اور خوارج وغیرہ فرقِ باطلہ کا مسلک ہے۔ ورنہ تمام اہلِ سُنّت کا اسی بات پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں خواہ حیض کی حالت میں ہوں یا ایک طہر میں ایک ساتھ اکٹھی یا جُدا جُدا دی جائیں تو وہ شرعاً تین طلاقیں ہی سمجھی جائیں گی۔ اور اہلِ سُنّت کے مسلک کی بنیاد آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے اس بارہ میں کیے گئے فیصلوں پر قائم ہے، جن سے انکار کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

بدعی طریقہ سے دی ہوئی تین طلاقوں کے وقوع پر

اھل السُّنت والجماعت کے دلائل

○ دلائل شرعیہ کے چار ہیں۔ ① قرآن مجید ② احادیث صحیحہ ③ اجماع ④ قیاس۔ جن میں سب سے پہلا مقام قرآن مجید کو حاصل ہے۔ لیکن جب کوئی مسئلہ تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں نہ ملے تو صحیح حدیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں جو مسئلہ اجمالی طور پر بیان ہوتا ہے' اس کی تفصیل احادیث مبارکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

○ اور قرآن میں تین طلاقوں کے زیر بحث مسئلہ کا اگر اجمالی ذکر ہے تو احادیث نبویہ میں اس کی تفصیل اور وضاحت موجود ہے۔ اس لیے اس مسئلہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل معلوم کرنے کے لیے احادیث نبوی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق حلت وحرمت سے ہے۔

○ نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ احادیث نبوی کو جمع کرنے والے علماء کرام ومحدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ احادیث نبوی کے سلسلے دُرَر میں جواہر حدیث کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیتے وقت مختلف ابواب میں بیان کرتے ہیں تو سب سے پہلے **باب** کا لفظ لکھ کر "ترجمۃ الباب" میں مختصراً اپنا مسلک بیان کرتے ہیں' اور پھر اس کی تائید میں احادیث نبوی کو جمع کرتے چلے جاتے ہیں' گو ان احادیث میں بظاہر وہ لفظ سرے سے موجود ہی نہ ہو، لیکن اس حدیث سے محدثین اپنی فہم کے مطابق جو مسئلہ مستنبط کرتے ہیں اُسے وہ ترجمۃ الباب میں تحریر کردیتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میرے نزدیک اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ اور ان محدثین کے بعد موجودہ دَور کے علماء خواہ علم میں کتنا ہی ید طولیٰ رکھتے ہوں' اگر وہ اس حدیث کا مفہوم ان کے خلاف بیان کریں تو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔

تین طلاقوں کے بارے میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے فیصلے

سیدہ فاطمہ بنت قیس ؓ کو دی گئی تین طلاقوں کا فیصلہ

1 حضرت امام محمد بن یزید قزوینی ابو عبد اللہ ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مجموعہ احادیث سنن ابن ماجہ کے کتاب الطلاق میں بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلٰثًا فِی مَجْلِسٍ وَاحِدٍ کے عنوان سے ترجمۃ الباب تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اس باب میں اس حدیث مبارک کو نقل کیا جائے گا جس میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے والے کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کا ذکر کیا جائے گا۔ یعنی مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ ترجمۃ الباب لکھنے سے حضرت امام ابن ماجہ کا مقصد یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین طلاقیں دیدی جائیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور پھر اس مسلک کی تائید میں انھوں نے ایک مشہور صحابیہ کو اس کے شوہر کی طرف سے دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں درج ذیل روایت نقل فرمائی: (ص ۱۴۷)

○ حدثنا محمد بن رمح انبأنا اللیث بن سعد عن اسحٰق بن ابی فروۃ عن ابی الزناد عن عامر الشعبی قال قلت لفاطمۃ بنت قیس حدثینی عن طلاقک قالت طلقنی زوجی ثلثا وھو خارج الی الیمن فاجاز ذلک رسول اللہ ﷺ یعنی حضرت عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ مجھے اپنی طلاق کے بارے میں بتائیں، تو انھوں نے فرمایا کہ میرے شوہر (حضرت حفص بن عمرو بن المغیرہؓ) نے مجھے (ایک مجلس میں اکٹھی) تین طلاقیں دیدی تھیں، اور وہ اس وقت یمن کی طرف جانے والے تھے۔ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طلاقوں کو نافذ رکھا۔

○ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ اسحٰق بن ابی فروہ صدوق ہیں جو بعد میں نابینا ہو گئے تھے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۴۷ مطبع فاروقی دہلی)

سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کی تین طلاقوں کا فیصلہ

❷ امام المحدثین حضرت حافظ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل الجعفی بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۲۵۶ھ) نے اپنے مجموعۂ احادیث "الصحیح البخاری" ص ۷۹۱ میں باب من اجاز طلاق الثلٰث کے عنوان سے ترجمۃ الباب تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں ان احادیث مبارکہ کا بیان ہے جو تین طلاقوں کے نافذ کرنے والوں کی دلیل ہے۔

○ حضرت علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۳ میں حضرت امام بخاریؒ کے قائم کردہ اس عنوان اور ترجمۃ الباب کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "امام بخاریؒ کے اس ترجمۃ الباب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں جو تین طلاقوں کے وقوع پذیر ہونے کے قائل نہیں تھے۔" اور حضرت علامہ عینیؒ نے یقیناً ان لوگوں کی طرف ہی اشارہ کیا ہوگا جن کا ذکر ہم قبل ازیں "تین کو ایک کہنے والے کون ہیں؟" کے زیر عنوان کر چکے ہیں۔

○ حضرت علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں: باب من اجاز طلاق الثلٰث ای دفعۃ واحدۃ او مفرقا کہ یہ باب تین طلاقوں کے جواز یعنی نافذ ہونے کے بیان میں ہے، خواہ وہ تین طلاقیں یک دم دی جائیں (مثلاً انت طالق ثلٰثا) یا الگ الگ کر کے دی جائیں (مثلاً انت طالق انت طالق انت طالق) پھر فرمایا: وھذا عام یتناول ایقاع الثلٰث دفعۃ واحدۃ۔ یعنی حضرت امام بخاریؒ کی یہ عبارت (من اجاز طلاق الثلٰث) یک دم اور اکٹھی تین طلاقیں واقع کرنے کو بھی شامل ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ تین طلاقیں دینے کو بھی شامل ہے۔ اور وہ علیحدہ علیحدہ تین طلاقیں خواہ ایک ہی مجلس میں ہوں یا مختلف مجلسوں میں ہوں، خواہ ایک ہی طہر میں ہوں خواہ مختلف طہروں میں ہوں۔

○ نیز حضرت علامہ قسطلانیؒ نے مزید یہ بھی تحریر فرمایا: ودلت الآیۃ علی ذلک من غیر نکیر کہ آیت کریمہ الطلاق مرتان کی عبارت بھی بلا نکیر اس پورے مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی دو اکٹھی طلاقیں دینے سے بھی دو طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور الگ الگ دو طلاقیں دینے سے بھی دونوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ خواہ ایک مجلس میں دے یا دو مجلسوں میں، خواہ ایک طہر میں دے یا دو طہروں میں، ہر حال دو طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں

○ حضرت شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تیسیر القاری میں اس مقام پر ترجمۃ الباب کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ یاروں اور کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

○ اور ظاہریہ کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔ بلکہ صرف ایک رجعی طلاق پڑتی ہے۔ بلکہ بعض ظاہریہ تو کہتے ہیں کہ اس طرح ایک بھی نہیں پڑتی۔

○ نیز آپ نے فرمایا: شارح تراجم نے فرمایا ہے کہ اس ترجمۃ الباب میں خوارج کے دونوں فرقوں کا رد ہوجاتا ہے۔ یعنی ان کا رد بھی ہوگیا جو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق ہی پڑتی ہے۔ اسی طرح ان کا رد بھی ہوگیا جو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے ایک بھی واقع نہیں ہوتی۔ اور حجاج بن ارطاۃ: ابو ارطاۃ نخعی کوفی (مدلس لیس بالقوی) کا قول ہے کہ تین طلاق کہنے سے ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۲۵)

○ یاد رہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے باب من اجاز طلاق الثلث کے عنوان سے تو باب قائم کیا ہے لیکن ایسا کوئی باب قائم نہیں کیا جس میں باب من قال الطلاق الثلث یجعل واحدۃ کے الفاظ سے ترجمۃ الباب لکھا ہو کر کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ تین طلاقیں ایک طلاق ہی سمجھی جاتی ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کا اپنا مسلک بھی وہی ہے جو ائمہ اربعہ اور دوسرے تمام اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ الباب باب من اجاز طلاق الثلٰث کے زیرِ عنوان سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کو تین قرار دینے کا ذکر ہے کہ:

○ سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر شخص کو دیکھے تو اُسے قتل کردے یا کچھ اور سزا دے، آپ اُسے قتل کرنے کا حکم دیں گے یا کوئی اور سزا دیں گے؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے یہ مسئلہ دریافت کیجیے۔

○ سیدنا عاصمؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ اس بات سے ناخوش ہوئے اور اس فعل کو قابلِ عیب قرار دیا۔

○ سیدنا عاصمؓ نے جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا جواب سُنا تو انھیں بھی صدمہ ہوا اور وہ واپس لوٹ آئے۔ پھر سیدنا عویمرؓ تشریف لائے اور انھوں نے دریافت فرمایا کہ: اے عاصم! اس مسئلہ کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ تو حضرت عاصمؓ نے جواب دیا کہ آپ کا سوال اچھا نہیں تھا، اس لیے کہ آپ نے جو مسئلہ دریافت فرمایا تھا وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا ہے۔ حضرت عویمرؓ نے جب یہ بات سُنی تو انھوں نے فرمایا کہ واللہ! میں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیے بغیر نہیں رہوں گا۔

○ چنانچہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں خود حاضر ہوئے، جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی:

○ یارسول اللہ! یہ فرمائیے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو دیکھے تو اُسے قتل کردینا چاہیے یا کوئی اور سزا دینی چاہیے؟ اور اگر وہ قتل کردے تو کیا آپؐ اس غیرت مند قاتل کو قصاص میں قتل فرمادیں گے؟ تو اس پر

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ دونوں میاں بیوی کے بارے میں وحی الہٰی نازل ہوئی ہے۔ اس لیے گھر جا کر اپنی بیوی کو بلا لائیں۔ (چنانچہ حضرت عویمرؓ گھر سے اپنی بیوی کو لے کر مسجد نبوی میں حاضر ہو گئے)
- سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس وقت لوگوں کے ساتھ میں بھی موجود تھا جبکہ ان دونوں مرد اور عورت نے اپنی اپنی صفائی دیتے ہوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (قرآن مجید ۲۴: ۶ تا ۹ میں مذکور طریقہ کے مُطابق) باہم لعان کیا۔ جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویمرؓ بولے:
- یا رسول اللہ! اگر اب بھی میں اس عورت کو گھر روک رکھوں تو بہتان لگانے والا قرار پاؤں گا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا شرعی ارشاد فرماتے " خود حضرت عویمرؓ نے جلدی سے تین طلاقیں دیدیں۔"
- حضرت امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ: "ایک ہی مجلس میں یکے بعد دیگرے یا ایک ساتھ اکٹھی ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدی جائیں تو تینوں طلاقیں نافذ ہو جائیں گی۔ کیونکہ:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے "لعان" کے بعد جب حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی حکم کا انتظار بھی نہ کیا لیکن اس کے باوجود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نہ صرف یہ کہ نکیر نہیں فرمائی' بلکہ تینوں طلاقوں کو نافذ العمل قرار دیا ہے[۱]
- یاد رہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث نو جگہ بیان کی ہے اور ہر جگہ ایک ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ مثلاً: مسجد میں لعان کا جواز، مسجد میں فیصلہ کرنے کا جواز؛ اور دین میں غلو کی ممانعت وغیرہ۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

[۱] سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۱۳

سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی تین طلاقوں کا فیصلہ

حضرت امام بخاریؒ نے جس طرح ایک مجلس میں دی گئی اکٹھی تین طلاقوں کے نفاذ سے متعلق سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعۂ لعان کو باب من اجاز طلاق الثلاث میں نقل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی اکٹھی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی اپنی بیوی کو تین طلاقوں سے متعلق ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی اسی باب میں نقل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت رفاعہؓ نے بھی اکٹھی تین طلاقیں ہی دی تھیں۔ نیز حضرت امام بخاریؒ نے یہی روایت مختلف ابواب میں سات مقامات پر نقل فرمائی ہے۔ کسی میں صرف طلقہا، طلقنی، طلق امراتہ کے الفاظ آتے ہیں، جبکہ اس باب میں بتّ طلاقی آیا ہے، جس کا معنی ہے: قطع عصمتہا بتطلیق الثلاث۔ یعنی تین طلاقیں دیکر اس کی عصمت کو کاٹ دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں صرف طلقہا اور طلقنی کے لفظ آتے ہیں اس سے بھی تین طلاقیں ہی مراد ہیں۔ چنانچہ:

"اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ! حضرت رفاعہؓ نے مجھے بتّ طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دیا تھا، اس کے بعد میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر قرظیؓ سے دوسرا نکاح کر لیا۔ لیکن ان کے پاس کپڑے کے پھندنے کے سوا کچھ بھی نہیں یعنی وہ عورت کے لائق نہیں ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم چاہتی ہو کہ دوبارہ رفاعہؓ کے پاس چلی جاؤ، لیکن تم حضرت رفاعہ کے پاس اس وقت نہیں جا سکتیں جب تک عبدالرحمٰنؓ اور تم دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز نہ ہو جاؤ۔" آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر عبدالرحمٰن اس قابل نہیں ہیں تو تم اُن سے طلاق لے کر بھی حضرت رفاعہؓ کے پاس نہیں جا سکتیں۔

○ یاد رہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث مختلف ابواب میں سات جگہ نقل فرمائی ہے اور ہر مقام پر الگ الگ مسائل مستنبط فرمائے ہیں، جبکہ واقعہ یہی ہے لیکن اس واقعہ میں طلاق سے متعلق مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً: کہیں بت طلاقی کا لفظ آیا ہے، کہیں طلقها ثلٰثا ہے، اور کہیں طلق امرأته کا لفظ آیا ہے۔ جبکہ باب التبسم والضحک میں طلقها اٰخر ثلث تطليقات کا لفظ بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ نے دو طلاقیں تو اس سے پہلے ہی دی ہوئی تھیں اور اب آخری بار تیسری طلاق دے کر مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے انقطاع تعلق کر لیا۔

○ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح بخاری کے متعدد قلمی نسخوں میں سے کسی میں بھی اٰخر کا لفظ موجود نہیں تھا، البتہ "مشکول" کے نسخہ میں کسی طرح یہ لفظ لکھا گیا اور پھر اسی نسخہ سے دیکھ کر طبع شدہ موجودہ نسخہ میں بھی نقل کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود شارح بخاری حضرت علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۵۷ میں یہ حدیث لکھتے وقت فطلقها ثلث تطليقات کے الفاظ لکھے ہیں اور اٰخر کا لفظ نہیں لکھا۔ لیکن کوئی اس کو کتابت کی غلطی بھی نہ سمجھے۔ کیونکہ

○ حضرت امام قسطلانیؒ نے حاشیہ میں اس بات کی باقاعدہ وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: فی نسخ المتن المشکول زيادة لفظة اٰخر بعد قوله فطلقها. اھ. کہ نسخہ متن مشکول میں فطلقها کے بعد اٰخر کا لفظ اضافی ہے۔ یعنی اصل نسخہ میں اٰخر کا لفظ نہیں ہے۔ نیز:

○ حضرت امام بخاری کا اس حدیث کو باب من اجاز طلاق الثلث میں بیان کرنا بھی تبھی درست ہو سکتا ہے جب اٰخر کا لفظ نہ ہو، ورنہ ان کا مدعیٰ ثابت نہ ہوگا۔

○ نیز اٰخر کا لفظ بتّ طلاقی کے بھی مغایر ہے، جس کا معنی ہے کہ تین طلاقیں دے کر اس کی عصمت کو کاٹ دیا۔ جیسا کہ شراح نے تحریر فرمایا ہے۔

سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ کی بتہ طلاق کا فیصلہ

حضرت امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سنن ابوداؤد ص ۳۰۷ میں باب فی البتۃ کے تحت سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کی طلاق کا واقعہ بیان کیا ہے، جو انھوں نے لفظ البتۃ کے ساتھ دی تھی۔ چنانچہ:

○ سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا ماجرا سنایا۔ اور فرمایا کہ واللہ! میری نیت محض ایک طلاق دینے کی تھی۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: لفظ البتہ بول کر آپ کی مراد ایک طلاق دینے کی تھی؟ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ: "واللہ! میری نیت ایک طلاق کی تھی۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو وہی ہوا جو ارادہ تھا۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ ذی شان سے معلوم ہوا کہ اگر لفظ "البتہ" بولتے وقت ان کی مراد تین طلاقوں کی ہوتی تو اسی ایک لفظ کے بولنے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتیں۔ ورنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح دُہرا کر اور قسم لے کر پوچھنے کی ضرورت ہوتی؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے یہ استفسار اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے جبکہ "البتہ" کا لفظ بول کر ایک طلاق کا ارادہ کرنے سے ایک اور تین کا ارادہ کرنے سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہوں۔

○ یاد رہے کہ لفظ البتۃ ان الفاظ کنایات میں سے ہے، جو طلاق کے معنے میں استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ ان الفاظ کنایات میں سے کوئی لفظ بولتے وقت جو نیت ہوگی اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً: اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو سرے سے طلاق ہوئی ہی نہیں۔ اور اگر ایک طلاق کی ہو تو ایک طلاق ہوگی اور اگر "البتہ" کا لفظ بولتے وقت تین طلاقوں کی نیت ہو تو اسی ایک لفظ کو صرف ایک مرتبہ بولنے سے تینوں طلاقیں پڑجائیں گی

○ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ص ۷۹۲ میں إذا قال فارقتك أو سرحتك أو الخلية أو البرية أو ما عني به الطلاق فهو على نيته. کے عنوان سے طلاق کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کنایہ کا ایک باب منعقد کرکے ثابت کیا ہے کہ جب شوہر کہے: فارقتك کہ میں نے تجھے الگ کیا۔ یا کہے: سرحتك کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ یا کہے: خلية کہ تو آزاد ہے۔ یا کہے: برية کہ تجھ سے بیزاری ہے یا اسی قسم کے اور کوئی الفاظ بولے جن سے طلاق مراد لی جاسکتی ہے جیسے بتۃ یا البتة کا لفظ بول کر تحفظ عصمت کی ذمہ داری سے کنارہ کشی کا اظہار کرے۔ یا انت علی حرام کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے۔ تو ان صورتوں میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ نیز:

○ حضرت امام بخاریؒ نے باب من قال لامرأته انت علی حرام کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حسن البصریؒ فرماتے ہیں کہ مدار نیت پر ہے۔

○ نیز حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا: "سب علماء یہی فرماتے ہیں کہ جب تین طلاقیں دے دی جائیں تو عورت مرد پر حرام ہوجاتی ہے اور علماء اس کو حرام بالطلاق یا حرام بالفراق کہتے ہیں۔"

○ حضرت امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ تحریم یعنی اپنی بیوی کو کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے۔" سو بشرط نیت لفظ کا محض یہ ایک لفظ (انت علی حرام یا تو مجھ پر حرام ہے) بمنزلہ تین طلاقوں کے سمجھا جائے گا۔

○ حضرت علامہ ابن بطالؒ نے بھی حضرت امام بخاریؒ کے اس فرمان کا مطلب یہی بیان فرمایا ہے کہ جس طرح تین طلاقوں سے عورت مرد پر حرام ہوجاتی ہے اسی طرح عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینے کا مطلب بھی تین طلاقیں ہی ہیں۔

○ نیز آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے دلیل میں سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی (لفظِ کنایہ "بتۃ" کے ساتھ دی ہوئی تین طلاقوں والی) حدیث پیش فرمائی ہے۔ (ارشاد الساری ۸/۱۳۷)

○ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت مروان بن الحکمؒ اس شخص کے بارے میں تین طلاقوں کا فتویٰ دیا کرتے تھے جو اپنی بیوی کو بتۃ کے لفظ سے طلاق دیتا تھا۔ (مصفّٰی شرح مؤطا امام مالکؒ ج ۲ ص ۵۱)

○ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بقول حضرت نافعؒ کے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ (بہ نیتِ طلاق کنایۃً بولے جانے والے الفاظ) خلیۃ اور بریۃ یعنی تو آزاد ہے اور میں تجھ سے بیزار ہوں) میں سے ہر ایک تین طلاقیں ہوتی ہیں۔ (مصفّٰی شرح مؤطا ج ۲ ص ۵۱)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ مجھ تک امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہنچا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ (یعنی تو مجھ پر حرام ہے) کہے تو (اسی ایک کلمہ سے) تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

○ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت امام محمد بن اسلم ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو (طلاق کی نیت سے) بَرِئْتِ مِنِّی (یعنی تو مجھ سے بری) اور بَرِئْتُ مِنْکِ (میں تجھ سے بری) کے الفاظ کہے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، کیونکہ طلاق کے لیے بولے جانے والے یہ الفاظ "البتۃ" کے قائم مقام ہیں۔ (دیکھیے مصفّٰی شرح مؤطا ج ۲ ص ۵۱)

○ حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام ج ۵ ص ۱۱۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن جریجؒ نے حضرت عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ سے "البتۃ" کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عطاءؒ نے ارشاد فرمایا کہ "البتۃ" کہنے والے کو اس کے دین ایمان پر چھوڑ دو۔ سو اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ تین کا تھا تو تین، اور اگر کہے کہ ارادہ ایک کا تھا تو ایک طلاق ہوگی۔

- جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردان گرامی تابعین عظام کے فتاویٰ کی روشنی میں یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ جب طلاق کی نیت سے کنایۃً بولے جانے والے الفاظ میں سے کسی ایک لفظ کے ساتھ بھی بیک وقت تین طلاقیں واقع ہو کر عورت حرام ہو جاتی ہے تو پھر یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں رہتا کہ صراحۃً تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع نہ ہو سکیں۔ بلکہ ایک مجلس میں صراحۃً تین طلاقیں دینے سے بطریق اولیٰ تینوں طلاقیں واقع ہو کر عورت حرام ہو جائے گی۔
- فرق صرف یہ ہے کہ صراحۃً "طلاق" کا لفظ ادا کرتے وقت نیت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ جبکہ کنایات کا استعمال کرتے وقت نیت کا ہونا ضروری شرط ہے۔ البتہ مذاکرۂ طلاق کے دوران اگر کنایات کا استعمال ہو جائے، جن کا ذکر گذشتہ صفحات پر ہو چکا ہے تو پھر نیت بھی ضروری نہیں، کیونکہ مذاکرۂ طلاق ہی نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔
- نیز یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ کہنے سے بیک وقت تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔
- اسی طرح اگر کوئی شخص فِیْ کَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ یعنی ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہوئے اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا یا "میں نے تجھے تین طلاقیں دیں" کا لفظ کہہ دے تو بھی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جیسے:
- اگر کوئی شخص ایک مجلس میں دو گواہوں کے سامنے تین عورتوں کو کہے کہ میں نے تم تینوں سے نکاح کیا، اور وہ تینوں بھی دو گواہوں کے سامنے کہیں کہ ہم نے قبول کیا، تو تینوں سے بیک وقت نکاح ہو جائے گا۔ البتہ
- کنایات میں سے "بتہ" اور "البتۃ" کے الفاظ منفرد ایسے ہیں کہ یہاں نیت شرط ہے۔ یعنی اگر ایک طلاق کی نیت ہوگی تو صرف ایک طلاق ہوگی اور اگر تین کی نیت ہوگی تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی[1]

---

[1] دیکھیے مصنف عبدالرزاق باب البتۃ والخلیۃ ج ۶ ص ۳۵۵ تا ۳۶۳

○ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے "البتۃ" کے لفظ بائن کے ساتھ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ "بتۃ" بول کر میری مراد ایک طلاق کی تھی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بات کی قسم لی۔ اور حضرت رکانہؓ نے قسم کھا کر کہا کہ واللہ! میں نے بتۃ سے مراد ایک طلاق ہی لی تھی" تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ارادہ اور نیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک طلاق قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت رکانہؓ کی نیت تین طلاقوں کی ہوتی تو صرف اسی ایک لفظ سے تین طلاقیں ہو جاتیں۔

حدیث رُکانہ کی سند

سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کی اپنی بیوی سُہیمہ کو لفظ "البتۃ" کے ساتھ دی گئی طلاق پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے متعلق یہ روایت حضرت امام ابوداؤدؒ تک تین سندوں سے پہنچی ہے، جن میں سے دو سندوں میں تو حضرت امام شافعیؒ راوی ہیں، اور خود انہوں نے یہ روایت کتاب الام ج ۳ ص ۲۶۰ میں نقل فرمائی ہے۔ نیز یہ حضرت امام شافعیؒ کا اپنا خاندانی سند ہے۔ کیونکہ سیدنا رکانہؓ ان کے بزرگوں میں سے ہیں، جبکہ سیدنا رکانہؓ کے والد عبد یزید جناب ہاشم بن مُطّلب بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔

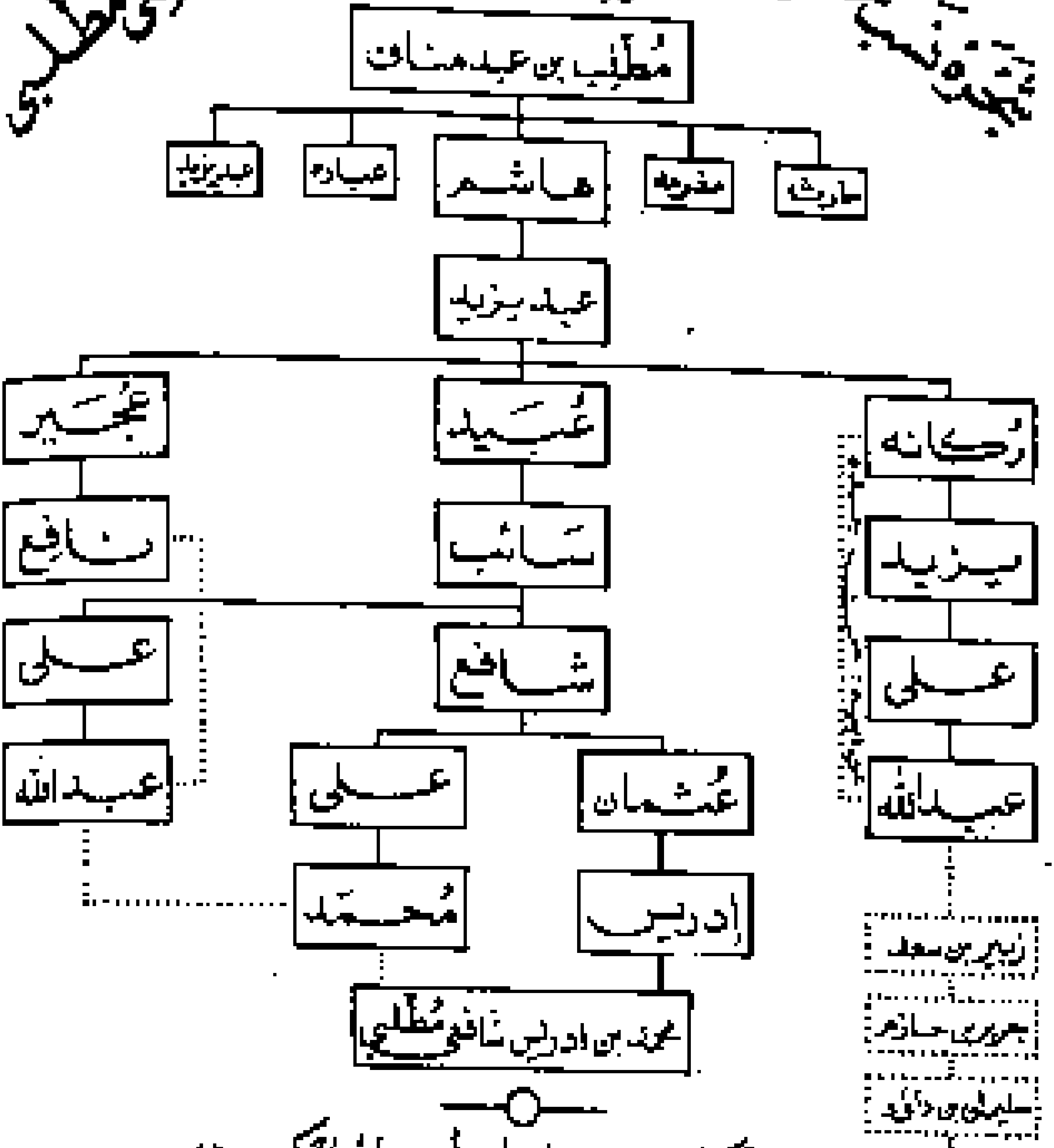
○ عبد مناف جو کہ چوتھی پشت میں نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں، ان کے چار بیٹے تھے۔ نوفل، عبد شمس، مُطّلب اور ہاشم۔

○ اور ہاشم بن عبد مناف کے پانچ بیٹے تھے۔ عباف، اسد، نضلہ، صیفی اور عبد المطلب۔ جبکہ عبد المطلب کے بیٹوں میں حارث، غیداق، قثم، حجل، مقوم، عبد الکعبہ، ابوطالب، ابولہب، عبد اللہ (پدر رسول اللہ ﷺ) زبیر، عباس اور سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں۔

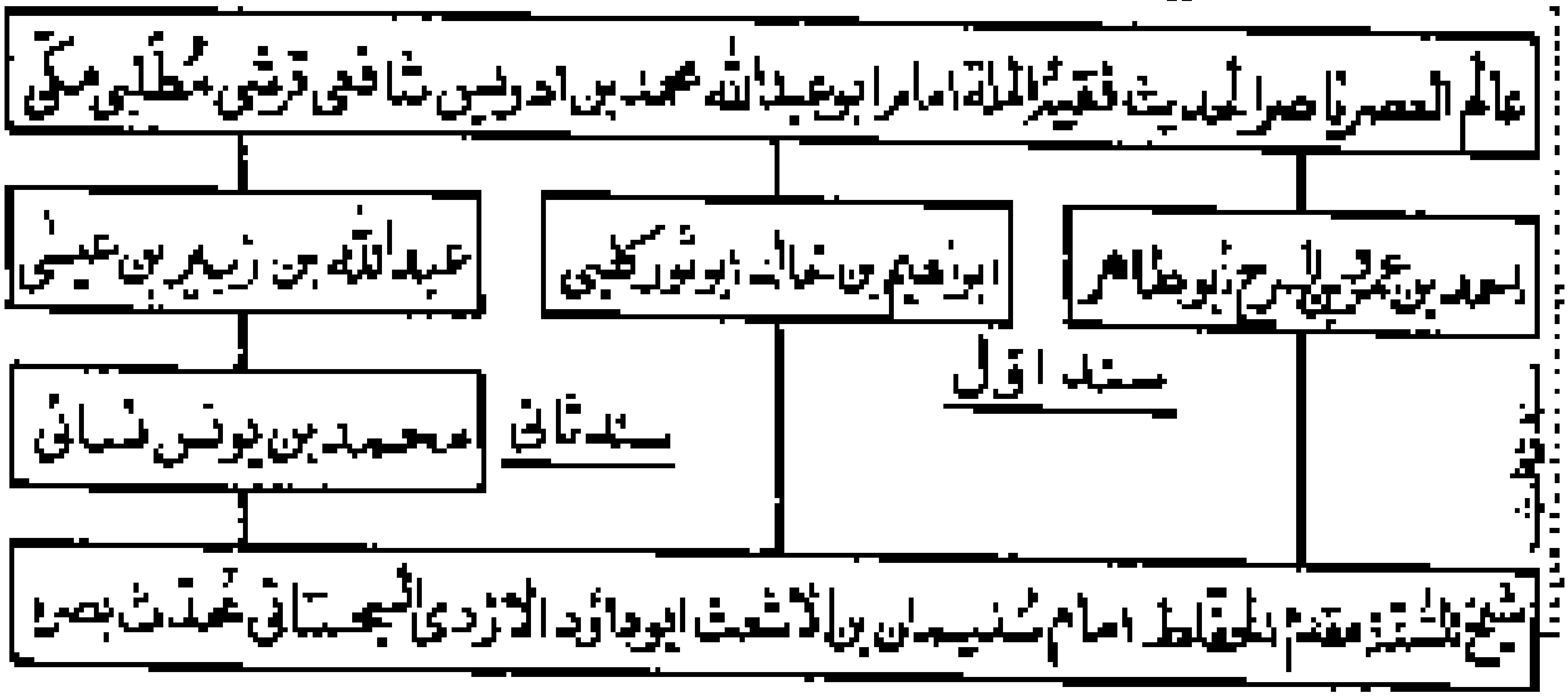
○ اور مُطّلب بن عبد مناف کے پانچ بیٹوں میں سے بھی ایک کا نام ہاشم تھا۔

شجرۂ نسب حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی

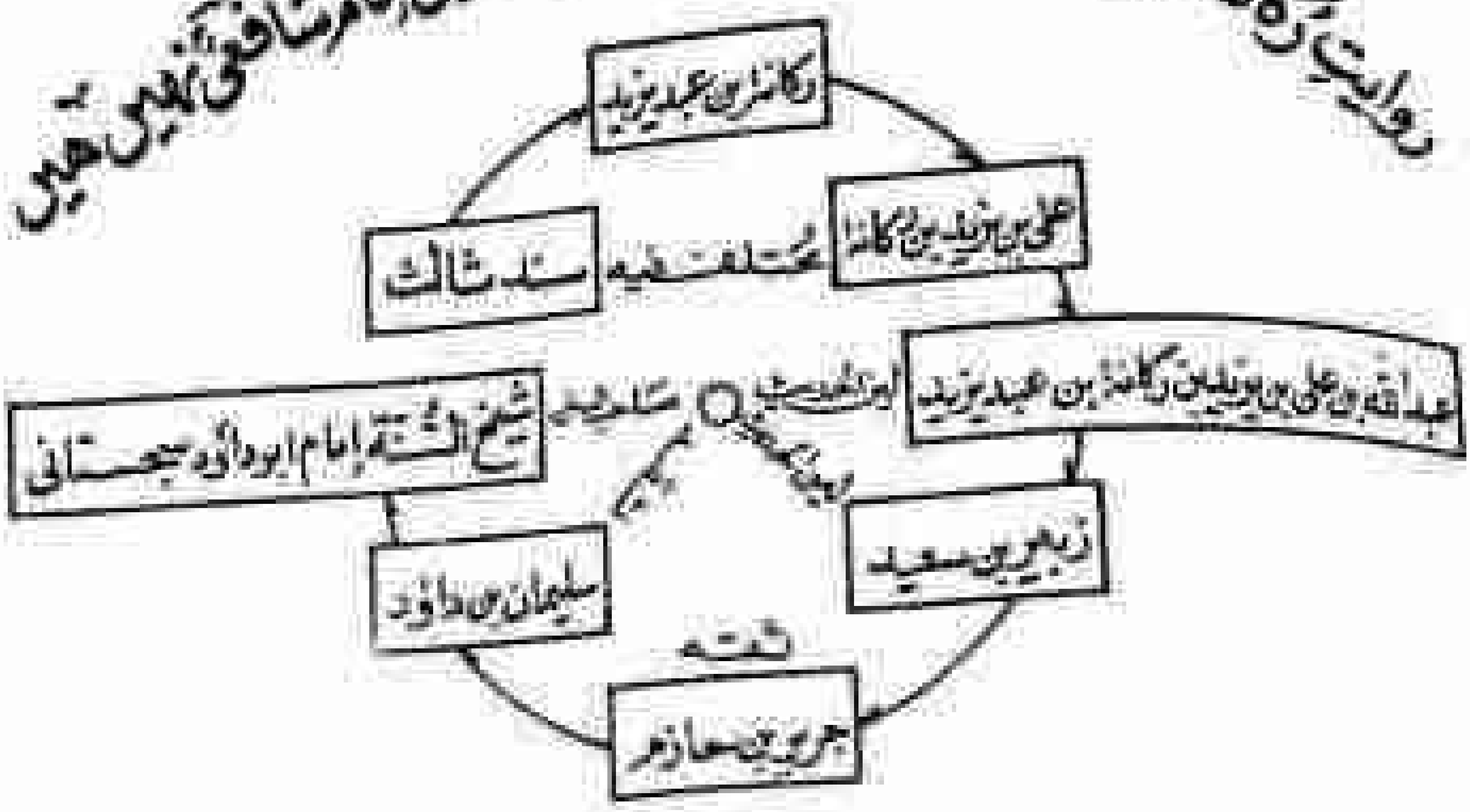
رحمۃ اللہ تعالیٰ



روایت رکانہ میں امام ابوداؤدؒ کی سند



روایتِ رکانہ میں امام ابو داؤد کی وہ سند جس میں امام شافعی نہیں ہیں



روایت رکانہ کی تینوں سندوں کا تعارف

حضرت امام ابو داؤد سجستانیؒ نے سنن ابی داؤد ص ۳۰۷ میں باب فی البتۃ کے تحت تین سندوں سے زیر بحث حدیث رکانہؓ کو نقل فرمایا ہے۔

اس حدیث کی دو سندوں میں عالم العصر ناصر الحدیث، فقیہ الملت حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی قرشی مطلبی مکی غزی صاحب کتاب الام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام نامی آتا ہے۔ جن کے تفقہ، تدین اور تقویٰ میں کسی کو بھی انکار نہیں۔ بلکہ ان کو وہ مقام حاصل ہے کہ وہ جس حدیث کو اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کریں اس کی سند کے قوی یا ضعیف ہونے کی بات نہ کی جائے۔

البتہ اس روایت میں حضرت امام ابو داؤدؒ کی ایک سند وہ بھی ہے جس میں حضرت امام شافعیؒ کا نام نہیں آتا اور اسی ایک سند کو دیکھ کر بعض لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے اور اس سند میں موجود دو لینّ الحدیث راویوں کی وجہ سے اس روایت کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے اب ان تینوں سندوں کے رواۃ کا مختصر حال لکھا جاتا ہے، تاکہ کوئی مغالطہ نہ رہے۔

پہلی سند

حدثنا ابن السرح و ابراهیم بن خالد الکلبی نا محمد بن ادریس الشافعی
حدثنی عمی محمد بن علی بن شافع عن عبد اللہ بن علی بن السائب
عن نافع بن عجیر بن عبد یزید بن ھاشم بن المطلب المطلبی المکی۔

○ حضرت امام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس سند میں انھوں نے اپنے اُن دو استاذوں کے نام تحریر فرماتے ہیں جنھوں نے اپنے دُوسرے کئی ساتھیوں کی جماعت میں بیٹھ کر براہ راست حضرت امام شافعیؒ سے حضرت رکانہ بن عبد یزید کی طلاق سے متعلق یہ حدیث سُنی ہے۔

○ ان میں سے ایک محدث کا نام "احمد بن عمرو بن السرح ابوطاہر مصری" ہے۔ اور انھیں اسماء الرجال والے ثقہ قرار دیتے ہیں۔

○ اور ان کے دُوسرے ساتھی کا نام "ابراہیم بن خالد ابوثور کلبی" ہے اور انھیں اسماء الرجال والوں نے ثقہ، فقیہ اور امام مجتہد قرار دیا ہے۔

○ حضرت امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ ائمۂ عالم میں سے ایک امام ہیں۔

دُوسری سند

حدثنا محمد بن یونس النسائی ان عبد اللہ بن الزبیر حدثہم
عن محمد بن ادریس الشافعی حدثنی عمی محمد بن علی بن شافع....

○ اس سند میں حضرت امام ابوداؤدؒ کے اُستاذ حضرت محمد بن یونس نسائی ہیں ان کو بھی اسماء الرجال کے ماہر نقاد اہل حدیث ثقہ قرار دیتے ہیں۔

○ اور حضرت محمد بن یونس نسائیؒ کے استاذ حضرت عبد اللہ بن الزبیر بن عیسیٰ قرشی حمیدی ابوبکر مکی ہیں۔ اسماء الرجال کے ماہرین نے ثقہ حافظ محدث اور فقیہ بتلایا ہے۔ انھوں نے حضرت امام شافعی سے کئی روایات حاصل کیں اور تفقہ کا فن بھی سیکھا۔ علاوہ ازیں ان کا شمار حضرت سُفیان بن عُیینہؒ کے جلیل القدر شاگردوں میں بھی ہوتا ہے۔

روایت رکانہ میں امام شافعیؒ کی سند

حضرت امام ابو داؤدؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے مابین راویوں کی ثقاہت میں تو کسی قسم کا شک نہیں اور ان میں کسی قسم کے علمی ضعف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے فقیہ، مجتہد، محدث اور امام العصر ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں۔ اور شیخ السنت حضرت امام ابو داؤد سجستانیؒ کے علم وثقاہت کا بھی یہی حال ہے۔

اب دیکھیے کہ حضرت امام شافعیؒ کے اساتذہ میں کون لوگ ہیں۔؟

○ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے اس روایت میں استاد کا نام ہے حضرت محمد بن علی بن شافع۔ جو حضرت امام شافعی کے چچا یعنی انکے والد ماجد حضرت ادریس بن عثمان بن شافع کے چچیرے بھائی ہیں، اور خود حضرت امام شافعیؒ نے ثقہ کہکر ان کی توثیق فرمائی ہے۔

○ پھر ان کے استاذ حضرت عبداللہ بن علی بن السائب کا نام آتا ہے، جو حضرت محمد بن علی بن شافع کے والد صاحب کے چچازاد بھائی ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے۔

○ پھر ان کے استاذ حضرت نافع بن عجیر ہیں، جو کہ حضرت عبداللہ بن علی کے دادا حضرت سائب بن عبید بن عبد یزید کے چچازاد بھائی ہیں۔ ان کو بعض نے تو صحابی بتلایا ہے۔ مگر ابن حبان وغیرہ نے انھیں تابعی بتایا ہے۔

○ اور حضرت نافع نے اپنے سگے چچا حضرت رکانہ بن عبد یزید کا واقعہ بتایا، جو کہ صحابی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

○ اس روایت میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے لیکر حضرت نافع بن عجیرؒ تک سب کے راویوں کا تعلق حضرت رکانہ بن عبد یزید کے خاندان سے ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کی تصدیق کے باعث اس روایت کو زبردست قوت حاصل ہوگئی ہے۔

ا مستدرک ج ۲ ص ۲۱۸

تیسری سند

حضرت امام ابو داود نے جس طرح دو سندوں سے سیدنا رکانہ کی طلاق کے متعلق حضرت امام شافعی کی سند سے حضرت نافع بن عجیر کی روایت نقل فرمائی ہے، جو کہ سند اور متن دو لحاظ سے صحیح ہے۔

○ اسی طرح اس روایت کی ایک تیسری سند بھی تحریر فرمائی ہے جو یہ ہے

حدثنا سليمان بن داود العتكي ثنا جرير بن حازم عن الزبير بن سعيد عن عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده

○ اس سند میں حضرت امام ابو داود کے استاذ حضرت سلیمان بن داود ہیں۔ اور ان کے استاذ حضرت جریر بن حازم ہیں۔ الغرض یہ دونوں ثقہ ہیں۔ البتہ

○ حضرت جریر بن حازم کے استاذ حضرت زبیر بن سعید بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمی مدنی لین الحدیث ہیں، جو ضعف کی علامت ہے۔

○ اور ان کے استاذ حضرت عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ بن عبد یزید ہیں، محدثین کے نزدیک یہ بھی لین الحدیث یعنی حدیث کے معاملے میں نرم ہیں

○ اور ان کے استاذ خود ان کے والد حضرت علی بن یزید بن رکانہ ہیں، جنہیں حضرت امام ابن حبان نے تو ثقہ قرار دیا ہے لیکن حضرت امام بخاری کے نزدیک ان کی روایت نقل کرنا مناسب نہیں۔ لہٰذا یہ مختلف فیہ شخصیت ہیں۔

○ اور حضرت علی بن یزید بن رکانہ کے استاذ خود ان کے دادا اور صاحب واقعہ سیدنا رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب (رضی اللہ عنہ) ہی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سند میں دو راوی (زبیر بن سعید اور عبد اللہ بن علی بن یزید) لین الحدیث یعنی حدیث کے معاملے میں نرم سمجھے جاتے ہیں، جبکہ اس سند کے ایک راوی (علی بن یزید بن رکانہ) مختلف فیہ ہیں۔ اس لیے خاص اس تیسری سند کی رو سے اس روایت کو ضعیف سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ضعف چنداں مضر بھی نہیں، کیونکہ اس کی پہلی دو سندیں قوی ہیں۔

ابن جریج کی روایت

حضرت امام داود کی وہ روایت جس میں حضرت رکانہ کی لفظ بتہ سے اپنی بیوی سُہیمہ کو ایک طلاق دینے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کا ذکر ہے۔ اس کے برعکس ابن جریج کی سند سے بھی ایک اور روایت حضرت امام ابو داؤد نے باب بقیۃ نسخ المراجعۃ بعد تطلیقات الثلاث۔ ص ۳۰۵ میں بیان فرمائی ہے۔ اس روایت میں طلاق دہندہ کا نام بجائے رکانہ کے ابو رکانہ، اور بجائے بتہ کے تین طلاقوں کا، اور بجائے سُہیمہ کے اُمِ رکانہ کا ذکر آیا ہے، جو خلاف واقعہ ہے۔ چنانچہ روایت ہے:

○ حضرت رکانہ اور ان کے بھائیوں کے والد عبد یزید نے اُمِ رکانہ کو طلاق دے دی اور مُزَینہ قبیلہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ پھر اُس عورت نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کی... تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے عبد یزید کو حکم دیا کہ تو اس مُزَینیہ کو طلاق دیدے تو اس نے طلاق دیدی۔ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اُمِ رکانہ کو واپس گھر لے آ، اس پر اُس نے کہا کہ میں نے اسے تین طلاقیں دیدی تھیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں۔ بس تو اُمِ رکانہ کو اپنے گھر واپس لے آ۔ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۵)

○ اس روایت کی سند یہ ہے: حدثنا احمد بن صالح نا عبد الرزاق نا ابن جریج اخبرنی بعض بنی ابی رافع مولی النبی ﷺ عن عکرمہ مولی ابن عباس عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

○ اس سند میں حضرت امام ابوداؤد کے اُستاذ حضرت احمد بن صالح ہیں۔

○ اور ان کے استاذ عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری مولاہم ابوبکر صنعانی ہیں۔

○ اور ان کے استاذ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج اموی مولاہم مکی ہیں۔

○ اور ابن جریج کے استاذ کا نام گو سنن ابی داؤد میں تو موجود نہیں، تاہم حضرت حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نے مستدرک ج ۲ ص ۲۱۸ میں

ابن جریج کے اُستاذ کا نام محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع بیان فرمایا ہے جو ضعیف ہے۔ حضرت امام بخاری اور ابو حاتم اسے منکر الحدیث کہتے ہیں جبکہ ابن معین لیس بشیٔ کہتے ہیں۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اس کا شمار کوفہ کی شیعہ جماعت میں ہوتا ہے۔ ذہبی نے کہا کہ اس کی منکر حدیثیں بہت ہیں جو موضوع کے مشابہ ہیں۔ دار قطنی نے کہا کہ متروک اور صاحب معضلات ہے (تہذیب التہذیب) نیز یہ روایت مسلک روافض کی تائید کرتی ہے۔

○ بہر حال یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ غلط اور خلاف واقعہ بھی ہے کیونکہ اس روایت میں ابو رکانہ عبد یزید کے بارے میں آیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی اُم رکانہ کو طلاق دے دی تھی۔ حالانکہ وہ صحابی نہیں تھا۔ لم یدرک الاسلام یعنی اس نے اسلام قبول ہی نہیں کیا۔ اور نہ ہی اسماء الرجال کی کتب میں ان کا کہیں ذکر ہے، نہ اسماء میں اور نہ کنٰی میں۔

○ حضرت حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے تجرید اسماء الصحابہ میں تحریر فرمایا ہے

عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف ابو رکانہ طلق ام رکانہ وہذا لا یصح۔ والمعروف ان صاحب القصۃ رکانہ یعنی ابو رکانہ عبد یزید کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے اُم رکانہ کو طلاق دی تھی یہ بات صحیح نہیں ہے اور محدثین میں یہ بات مشہور ہے کہ طلاق دینے والے حضرت رکانہؓ تھے۔

○ حضرت امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: قلت محمد (بن عبید اللہ بن ابی رافع) واہٍ و الخبر خطأ وعبد یزید لم یدرک الاسلام کہ میں کہتا ہوں کہ محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع واہی روایات بیان کرنے والا ہے اور اس کی یہ روایت تو سرے سے ہے ہی غلط کیونکہ عبد یزید نے اسلام قبول ہی نہیں کیا۔ (غایۃ السعایہ کتاب الطلاق ص ۲۴۹)

○ یاد رہے کہ واہی موضوع کی طرح من گھڑت روایت کو ہی کہتے ہیں۔ واہی اور موضوع میں بہت نازک سا فرق ہوتا ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۲، ۱۲۹، ۲۶۲)

امام ابوداؤد کا تبصرہ

حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج کی روایت نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

- ابن جریج کی اس روایت سے عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اور نافع بن عجیر کی وہ روایت زیادہ صحیح ہے جو باب فی البتۃ میں ہے کہ حضرت رکانہ نے لفظ "بتہ" کے ساتھ اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ان سے قسم لی تھی، اور جب انھوں نے قسم کھائی کہ بتہ بول کر میری مراد ایک طلاق تھی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ اپنے گھر بسانے کی اجازت دے دی تھی۔ اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ: نافع اور عبداللہ حضرت رکانہ کے اہل خاندان میں سے ہیں، اور ان کی اولاد ہیں، اس لیے انھیں اپنے گھریلو حالات کا علم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہوسکتا ہے۔

- حضرت امام ابوداؤد کی اس بات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کا نام ابورکانہ نہیں بلکہ رکانہ ہے۔ گو کہ امام ابوداؤد نے صراحۃً تو یہ نہیں فرمایا مگر انھوں نے یہ اصول بیان فرمادیا ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے خاندان والوں کی بات زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہوتی ہے۔ نیز انھوں نے خاندانِ رکانہ کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس روایت پر کوئی جرح نہیں فرمائی جیسا کہ ابن جریج کی روایت پر جرح فرمائی ہے۔ اس لیے خاندانِ رکانہ کی روایت ہی صحیح اور قابلِ احتجاج ہے۔ کیونکہ:

- حضرت امام ابوداؤدؒ نے مقدمہ سنن میں اپنا ایک اصول یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس حدیث میں شدید کمزوری ہوگی تو میں اس کا ذکر کروں گا، جس روایت کے بارے میں کچھ ذکر نہ کروں تو سمجھو کہ وہ روایت قابلِ عمل ہے اور وہ احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہے۔

محمد بن اسحاق کی روایت

روایات رکانہ و ابو رکانہ کے بعد اب حضرت رکانہ کی طلاق کے بارے میں سب سے مختلف محمد بن اسحاق سے مروی وہ روایت نقل کی جاتی ہے جس کی وجہ سے اہل السنت والجماعت کو منکر حدیث ہونے کا الزام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ روایت نہ متن کے لحاظ سے صحیح ہے، نہ سند کے لحاظ سے۔ چنانچہ:

○ مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸ میں ہے: حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا سعد بن ابراھیم ثنا ابی عن محمد بن اسحاق حدثنی داؤد بن الحصین عن عکرمہ مولی ابن عباس عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی المطلب امرأتہ ثلثا فی مجلس واحد۔ فحزن علیہا حزنا شدیدا۔ قال فسألہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتہا؟ قال طلقتہا ثلاثا قال (ابن عباس) قال (علیہ السلام) فی مجلس واحد؟ قال (رکانۃ) نعم قال (علیہ السلام) فانما تلک واحدۃ فارجعہا إن شئت۔ قال (ابن عباس) فرجعہا۔ فکان ابن عباس یری انما الطلاق عند کل طہر۔

○ یعنی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید مطلبی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدی تھیں، پھر اپنے کیے پر سخت غمگین ہوئے، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے کس طرح طلاق دی؟ تو اس کے جواب میں حضرت رکانہ نے فرمایا کہ میں نے اسے تین طلاقیں دیں۔ اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دی تھیں؟ تو حضرت رکانہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک ہی طلاق قرار دیکر اجازت دیدی کہ تم چاہتے ہو تو رجوع کرلو ... الخ

روایتِ مُسند کی سند

○ مسند احمد کی اس روایت میں حضرت امام عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل کے اُستاذ خود ان کے والد حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ شیبانیؒ ہیں۔

○ اور اُن کے اُستاذ حضرت سعد بن ابراہیم ہیں۔ اور یہ ثقات میں سے ہیں۔

○ اور اُن کے اُستاذ حضرت ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، اور اُن کا شمار بھی ثقات، صاحب الحدیث اور صدوق میں ہوتا ہے۔

○ اور اُن کے اُستاذ کا نام محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار قرشی مطلبی مولاہم مدنی ہے

○ اور اُن کے اُستاذ کا نام داؤد بن الحُصَین ابوسُلیمان الاموی مولاہم المدنی ہے

○ اور اُن کے اُستاذ کا نام ابوعبداللہ عکرمہ قرشی بربری مولا ابن عباس ہے

○ اور ان کے اُستاذ عمزادۂ رسول اللہ ﷺ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

مُتکلّم فیہ راویوں کا مختصر تعارف

○ اس روایت کی سند میں محمد بن اسحٰق اور داؤد بن الحُصین ایسے دو نام ہیں، جن کے بارے میں اکثر علماء کچھ اچھی رائے نہیں رکھتے۔ تاہم بعض علما نے ان کی توثیق بھی فرمائی ہے۔ سطورِ ذیل میں دونوں قسم کی آرا مختصراً لکھی جاتی ہیں۔

مُحمد بن اسحٰق

محمد بن اسحٰق بن یسار بن خیار قرشی مطلبی مولاہم المدنی (متوفی ۱۵۱ھ) کے متعلق علماء کی مختلف آراء ہیں۔ بعض تو اسے اچھا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

○ محمد بن اسحٰق جب تک مدینہ میں رہے گا تب تک علم زوال پذیر نہ ہوگا۔ (زہری)

○ محمد بن اسحٰق ان چھ آدمیوں میں سے ایک ہے جن پر حدیث کی مدار ہے۔ (علی بن یحییٰ)

○ محمد بن اسحٰق دوسروں سے زیادہ حافظہ رکھتا تھا۔ (ابومعاویہ محمد بن خازم ضریر)

○ محمد بن اسحٰق سب سے پہلا جامع المغازی اور اس فن میں اعلم الناس ہے۔ (سفیان)

○ محمد بن اسحٰق کو مغازی یعنی جہادِ نبویؐ کے مواقع سے متعلق احادیث کو جمع کرنے میں اتنی مہارت تھی کہ بڑے بڑے متبحر علماء مغازی بھی اس کے خوشہ چین ہیں۔ (امام شافعی)

- محمد بن اسحاق کے بارے میں کچھ علماء تو اچھے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے برعکس اکثر محققین اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ مثلاً:
- حضرت محدث محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق اگر معروف محدثین سے روایت کرے تو حدیث کے معاملے میں اچھا اور صدوق ہے، لیکن یہ عام طور پر مجہول اور غیر معروف راویوں سے باطل حدیثیں بیان کرتا ہے
- حضرت محدث ابن ابی خثیمہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کبھی تو محمد بن اسحٰق کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کی حدیث نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور کبھی فرماتے کہ وہ ٹھیک نہیں۔ اور کبھی فرماتے تھے کہ میرے نزدیک محمد بن اسحاق سقیم اور کمزور ہے قوی نہیں۔
- حضرت محدث یحییٰ بن معین نے ایک دفعہ تو محمد بن اسحاق کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ ثقہ ہے مگر حجت نہیں، لیکن اکثر اوقات اُسے ضعیف کہتے تھے۔
- حضرت محدث حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں اضطراری اور مجبوری کی حالت کے سوا کبھی محمد بن اسحاق کی حدیث بیان نہیں کیا کرتا۔
- حضرت محدث عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب اپنی مسند میں سے محمد بن اسحاق کی بیان کردہ حدیثیں تلاش کر کر کے نکالتے جاتے تھے۔ اور سنن میں اس کی حدیث کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے تھے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ جس حدیث میں محمد بن اسحاق منفرد ہو وہ مقبول نہیں ہے۔
- حضرت محدث ابوالحسن دارقطنی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی بیان کردہ حدیث سے دلیل نہ پکڑی جائے۔ (خطیب بغدادی ج ۱ ص ۲۳۲)
- حضرت محدث ابن حجر نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایات میں بہت سی قابلِ اعتراض باتیں ہوا کرتی ہیں۔
- حضرت محدث قاضی شوکانی نے ابن اسحاق کی روایت کو معلول قرار دیا۔
- حضرت امام احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن نسائی نے ابن اسحاق کو غیر قوی قرار دیا۔

---

۱ بغدادی [illegible] ۲ تہذیب التہذیب [illegible] و میزان الاعتدال [illegible] ۳ بغدادی [illegible] ۴ مسند احمد صفحہ [illegible]

○ بہت سے علماء محمد بن اسحاق کی روایت کو حجت نہیں مانتے کیونکہ اس میں کئی قسم کے عیب ہیں۔ مثلاً (1) کذاب اور روافض سے روایت لے لیتا تھا۔ (2) تقدیر کا منکر تھا۔ (3) امت محمدیہ کو فساد میں مبتلا کرنے کے لیے چٹکلے بنایا کرتا تھا۔ (4) مرغ بازی کرتا تھا۔ (5) ورع اور تقویٰ اختیار نہ کرتا تھا۔ (6) کوئی اسے شیعہ کہتا ہے۔ (7) کسی کے نزدیک وہ معتزلی تھا (8) روایت حدیث میں تدلیس سے کام لیتا تھا۔ (9) کئی علماء نے اسے کذاب کہا۔ (10) اور کئی دجال سمجھتے ہیں۔ چنانچہ:

○ حضرت امام ابوداود نے محمد بن اسحاق کو منکر تقدیر اور معتزلی کہا ہے۔

○ حضرت امام احمد بن حنبل نے محمد بن اسحاق کو بیاضی کہا۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کثیر التدلیس ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق حجت نہیں کیونکہ:

○ محمد بن اسحاق مدینہ سے نکالے جانے کے بعد بغداد میں آکر کلبی جیسے کذاب لوگوں سے حکایت کرنے کی پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔

○ حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کا بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ ہر سچے اور جھوٹے کی روایت لکھ لیا کرتا تھا اور اس بارے میں ورع اور تقویٰ اختیار نہ کرتا تھا۔

○ حضرت امام مالک اور یحییٰ بن سعید انصاری اس پر جرح فرمایا کرتے تھے۔

○ حضرت محدث محمد بن اسماعیل بن مسلم ابن ابی فدیک فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسحاق کو دیکھا ہے کہ وہ اہل کتاب سے اخذ کر کے حدیث لکھ دیتا ہے۔

○ حضرت ابن ابی عدی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مرغ بازی کیا کرتا تھا۔

○ حضرت محدث ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام احمد اور دارقطنی کے علاوہ اور بھی بہت سے جید علماء محمد بن اسحاق کو مدلس کہتے ہیں، اور ضعیفوں، مجہولوں بلکہ ان سے بھی برے لوگوں سے تدلیس کیا کرتا تھا۔

- حضرت محدث ابو حاتم نے محمد بن اسحاق ضعیف کہا۔ (کتاب العلل ج۲ ص ۲۳۲)
- حضرت وہیب بن خالد نے ابن اسحاق کو کذاب کہا۔ (تہذیب التہذیب ۴۱/۹)
- حضرت امام مالک نے محمد بن اسحاق کو کذاب کہا۔ (خطیب بغدادی ۲۳۲/۱)
- حضرت جریر بن حمید فرماتے ہیں کہ میرا خیال نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا جس وقت لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث سنیں گے۔ (تہذیب ۳۹/۲)
- حضرت ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ بھلا محمد بن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ وہ تو لاشے ہے۔ (توجیہ النظر ص ۲۸۰)
- حضرت امام ترمذی نے فرمایا کہ اس کا حافظہ کمزور تھا۔ (کتاب العلل ج۲ ص ۲۳۷)
- حضرت امام نووی نے فرمایا کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج۱ ص ۱۶)
- حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایات درجۂ صحت سے گری ہوئی ہیں، اس لیے حلال و حرام کے معاملے میں اس کی روایات دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۳)
- حضرت امام ابن حجر نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایات دلیل کے قابل نہیں، خصوصاً جبکہ وہ متفرد اور اکیلا ہو۔ اور جب کسی ثقہ راوی کی روایات اس کے خلاف ہو تو پھر محمد بن اسحاق کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ (درایہ ۱۹۳)
- حضرت امام ابن تیمیہ کے شاگردِ خاص حضرت امام ابن قیم نے حضرت امام احمد کے حوالے سے بتلایا کہ محمد بن اسحاق کی روایت منکر ہے یعنی ثقہ نہیں،
- نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق ضعیف ہے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۳)
- حضرت امام منذری و سخاوی نے امام احمد کے حوالے سے بیان فرمایا کہ: غزوات نبویہ کے متعلق روایت تو ابن اسحاق سے لی جا سکتی ہے، لیکن جب حلال و حرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ثقہ اور ثبت راوی درکار ہیں، یعنی حلال و حرام کے معاملے میں ابن اسحاق کا کچھ مقام نہیں۔ (ترغیب و ترہیب ۲۹۰/۴)

○ حضرت امام ذہبی نے فرمایا کہ ابن اسحاق کی روایت درجۂ صحت سے گری ہوئی ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ بہت سے علماء اس کی حدیث کو حجت نہیں مانتے، کیونکہ محمد بن اسحاق میں کئی قسم کے عیب ہیں۔ مثلاً: ○ ایک تو وہ شیعہ تھا۔ ○ دوسرے یہ کہ وہ تقدیر کا منکر تھا۔ ○ اور تیسرے یہ کہ اپنی حدیث میں تدلیس کرنا اس کی عادت تھی، البتہ سچا ضرور تھا لیکن اس کی یہ سچائی اس کی مذکورہ بالا برائیوں کو اس سے دُور نہیں کر سکتی۔

○ حضرت محدّث ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔

○ حضرت محدّث یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔

حضرت محدّث سلیمان تیمی نے بھی محمد بن اسحاق کو کذاب کہا۔

○ حضرت یحییٰ بن سعید نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ (جس کی بحث آگے آرہی ہے) اور محمد بن اسحاق دونوں برابر ہیں۔ اور میں نے عمداً انھیں چھوڑ دیا ہے، اور ان کی ایک حدیث بھی نہیں لکھی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷، ص ۵۳ و ۷۰)

○ حضرت محدث اعمش فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق بھی جھوٹا ہے اور اس کا استاذ ابن اسود بھی جھوٹا اور کذاب ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷، ص ۵۲)

○ حضرت امام مالک بن انس اہلِ عراق سے کہا کرتے تھے کہ اے عراق والو! محمد بن اسحاق کے بعد فساد میں ڈالنے والے چٹکلے تمھیں کون سُنایا کرے گا؟

○ نیز آپ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں فرمایا: دجّال من الدجاجلہ کہ یہ دجّالوں میں سے ایک دجّال ہے۔ (سیر ص ۵۱، ۵۰ و میزان ج ۳ ص ۲۱ و تہذیب ج ۹ ص ۴۱)

○ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خود ہم نے اس دجال کو مدینہ سے نکالا ہے۔

○ حضرت امام بخاری نے محمد بن اسحٰق کی کوئی روایت صحیح بخاری میں نقل نہیں کی، البتہ بطورِ تعلیق کتابُ المغازی میں اس کے بعض اقوال بلا سند نقل کیے ہیں۔

○ حضرت امام مسلم اس کی روایت تب تک نہیں لیتے جب تک اس کا متابع نہ ہو۔ دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء، تقریبُ التہذیب اور طبقات المدلسین وغیرہ۔

لہ سیر ص ۳۹

کیا امام مالکؒ نے ابن اسحٰق پر جرح سے رُجوع کر لیا تھا

حضرت امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد سیواسی ثم سکندری ابن ہمام حنفیؒ نے شرح فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹ میں محمد بن اسحٰق کی توثیق کرتے ہُوئے فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو جرح منقول ہے وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، اور اگر واقعی حضرت امام مالکؒ کا اس پر جرح کرنا صحت کو پہنچ جائے تو دُوسرے اہلِ علم نے اس جرح کو قبول نہیں فرمایا۔

○ نیز آپ نے تحریر فرمایا کہ حضرت امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق پر کلام کرنے سے رُجوع کر لیا تھا، اور اس کے ساتھ صلح کر کے اس کی طرف ھدیہ اور تحفہ بھی روانہ فرمایا تھا۔ (شرح فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹)

○ لیکن حضرت امام ابن ہمام کی اس توثیق اور حضرت امام مالکؒ کے رجوع کا قول اور کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، حتیٰ کہ حضرت علامہ ذہبیؒ نے بھی محمد بن اسحاق کے بارے میں جرح سے حضرت امام مالکؒ کے رجوع کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ جبکہ بقول حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان علماء میں سے ہیں جن کو نقدِ رجال اور ان کے احوال کی معرفت میں مکمل طور پر تتبع اور انھیں تلاش کرنے میں پُوری دسترس ہے۔ (نخبۃ الفکر ص ۱۱)

○ نیز حضرت امام ابن ہمام نے یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ محمد بن اسحاق پر حضرت امام مالک کے رجوع کا قول ان تک کس ذریعہ سے پہنچا ہے۔ اس لیے حضرت امام ابن ہمام کا بلادلیل دعویٰ قابلِ التفات نہیں۔

○ نیز یہ بات تو سب علماء کے نزدیک مسلّم ہے کہ ابن اسحاق مدلس تھا، اور **قاعدہ** ہے کہ اگر کوئی مدلس حدثنی کہہ کر روایت کرے اور اس کے شیوخ و تلامذہ میں ضعف نہ ہو تو مقبول ہے۔ اور اگر عن سے روایت کرے تو مقبول نہیں جبکہ اس کے طبقہ کا کوئی ثقہ راوی بھی اس سے متفق نہ ہو۔

روایاتِ ابنِ اسحاق کے متعلق متقدمین علماء کی آراء

جس طرح محمد بن اسحاق کی شخصیت اور اس کے علمی مقام کے بارے میں علماء متقدمین میں سے بعض جلیل القدر محدثین اور ناقدین مختلف الخیال ہیں اور اکثر علماء کے نزدیک محمد بن اسحاق ایک ناقابلِ اعتماد شخصیت ہے۔ اسی طرح محمد بن اسحاق سے مروی روایات کے بارے میں بھی متقدمین علماء کرام مختلف الخیال ہیں۔ چنانچہ:

- حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی فتح الباری شرح صحیح البخاری کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن اسحاق کی روایات کے بارے میں بھی متقدمین علماء مختلف آراء رکھتے ہیں، مثلاً:
- ابن مدینی اور بخاری وغیرہ کے خیال میں ابن اسحاق کی روایت حجت ہے۔ لیکن یہاں یہ بات ضرور ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح البخاری میں تو کیا اپنی کسی کتاب میں بھی محمد بن اسحاق کی سند سے کوئی ایک روایت بھولے سے بھی نقل نہیں فرمائی۔ فافہم وتدبر۔
- ہشام، مالک، سلیمان تیمی وغیرہ کے نزدیک ابن اسحاق کی حدیث حجت نہیں۔
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایات مغازی یعنی غزوات کے بیان میں تو حجت ہیں۔ لیکن احکام شریعت میں اس کی روایات حجت نہیں۔
- امام احمد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت اس وقت حجت ہے جب کوئی اور راوی اس کا متابع ہو جس کے ذریعے محمد بن اسحاق کی روایت کو تائید حاصل ہو سکے۔ اور اگر وہ منفرد ہو تو حجت نہیں۔ اور
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت اس وقت منفرد ہونے کی صورت میں بھی حجت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے خلاف اور کوئی روایت نہ ہو۔ اور اگر اس کی روایت کے خلاف کسی دوسرے راوی کی روایت موجود ہو تو پھر محمد بن اسحاق کی روایت حجت نہیں بن سکتی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۶۸)

ابن اسحاق کی بعض ظاہر البطلان روایات

محمد بن اسحاق کی بعض روایات تو ایسی بھی ہیں جن کا باطل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

- نیز یہ وہ روایات ہیں جو کثیر التدلیس راوی محمد بن اسحاق سے عن کے ساتھ مروی ہونے کے باعث اصولِ حدیث کے قانون کی رُو سے حجت نہیں ہوسکتیں۔ (دیکھیے نخبۃ الفکر ص ۵۳)
- اور یہ وہ روایات ہیں جن کا ذکر محمد بن اسحاق کے علاوہ اور کسی بھی راوی نے نہیں کیا۔ بلکہ ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ مثلاً:

معراج جسمانی سے انکار والی روایت

محمد بن اسحاق نے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نازک اور حساس ترین موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی، جس کا ذکر محدثین و ناقدین نے فرمایا ہے۔ محمد بن اسحاق نے اپنی اس کتاب میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور امیر المومنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ایسی روایتیں نقل کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو رُوحانی یا منامی طور پر معراج ہوئی تھی۔ اور ان روایات سے معراج جسمانی کا انکار ہوتا ہے۔ حالانکہ:

- روایاتِ مشہورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد مبارک اور رُوح اطہر کے ساتھ جیتے جاگتے بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک اور پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں سے اُوپر تک بنفسِ نفیس تشریف لے گئے تھے۔ اور تمام اہل سُنت کا اس پر اتفاق ہے۔
- اور جو روایات محمد بن اسحاق نے حضرت ام المومنینؓ اور سیدنا معاویہؓ کی طرف منسوب کرکے بیان کی ہیں انھیں علماء کرامؒ نے روایاتِ باطلہ میں شمار کیا ہے۔ (نبراس شرح شرح العقائد ص ۴۷۰ و بحر محیط ج ۶ ص ۵)

بکری کے قرآنی آیات کھانے سے متعلق روایت

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف محمد بن اسحاق نے ایک اور روایت بھی منسوب کی ہے، جس کی تائید اور کسی راوی نے نہیں کی۔ اور اس مدلس راوی کی یہ روایت بھی "عن" کے ساتھ ہی مروی ہے۔ چنانچہ:

○ محمد بن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رجم کے متعلق قرآن مجید کی آیت اور بڑے آدمی کی رضاعت کے بارے میں قرآنی آیات مبارکہ ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی میری چارپائی کے نیچے رکھی ہوئی تھیں، اسی حالت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اور ہم ان کی وفات سے متعلقہ کاموں میں مصروف ہوگئے۔ اتنے میں ایک پالتو بکری آگئی اور اس بکری نے وہ صحیفۂ قرآنی کھا لیا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۴۱)

○ اس روایت کے متن میں جہاں اور کئی خرابیاں ہیں وہاں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المؤمنین بلکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ حفاظتِ قرآن کے معاملے میں غفلت کا ارتکاب کیا، جس کے باعث قرآن مجید کا ایک اہم حصہ ضائع ہوگیا۔ جبکہ اہلِ بصیرت علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ ملحدین کی من گھڑت بات ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین نسفی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مدارک التنزیل ج ۳ ص ۸۲ سورۂ احزاب کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں: واما ما یحکی ان تلك الزیادة كانت فی صحیفة فی بیت عائشة فاكلتها الداجن فمن تالیفات الملاحدة والروافض۔ کہ یہ جو کہانی بنی ہوئی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایک صحیفہ میں رجم اور رضاعت کے متعلق احکام کا اضافہ تھا جسے بکری کھا گئی، سو یہ بے دین ملحدوں اور رافضیوں کی تالیفات میں سے ہے۔

روایۃ ابن ماجہ کی سند

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ام المؤمنین کی چارپائی کے نیچے رکھے ہوئے صحیفے کو بکری کے کھا جانے کے متعلق اس روایت کی سند میں صاحب السنن حضرت امام محمد بن یزید ابو عبد اللہ

- ابن ماجہ قزوینی کے اُستاذ حضرت ابو سلمہ یحییٰ بن خلف ہیں۔ اور انہیں حضرت علامہ ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔ (تقریب التہذیب ص ۳۹۰)
- اور ان کے استاذ کا نام عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ (متوفی ۱۸۹ھ) ہے۔ جس کے بارے میں حضرت محمد بن سعد نے تو لیس بالقوی کہا۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ تقدیر کا منکر تھا۔ (میزان الاعتدال ۲/۹۰ اور رجال کشی ص ۲۷ و تنقیح المقال ۱۳۲/۲ میں ہے کہ یہ امام جعفر صادق کا شاگرد ہے۔
- اور عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ کے اس روایت میں استاذ کا نام محمد بن اسحٰق ہے۔ جسے امام ابو داؤد نے تقدیر کا منکر اور معتزلی بتایا ہے (میزان ۲۱۰/۲)
- اور محمد بن اسحاق کے اُستاذ حضرت عبد اللہ بن ابی بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام مخزومی ہیں، جنھیں صدوق کہا گیا ہے۔ (تقریب ص ۱۹۳)
- اور ان کی اُستانی حضرت عمرۃ بنت عبد الرحمٰن بن سعید بن زرارہ انصاریہ مدنیہ فقیہہ سیدۃ نساء التابعین ہیں، جو ثقہ ہیں۔ (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ۲۸۸/۳)
- اور حضرت عمرہ کی اُستانی حضرت عائشہ بنت طلحہ بھی ثقہ ہیں۔ (تقریب ص ۴۷۳)
- اور حضرت عائشہ کے اُستاذ حضرت عبد الرحمٰن بن قاسم بھی ثقہ ہیں۔ (تقریب ۲۳۵)
- اور حضرت عبد الرحمٰن کے اُستاذ خود ان کے والد حضرت قاسم بن محمد ہیں، جو اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں، جو نہ صرف ثقہ ہیں بلکہ انھیں احد الفقہاء بالمدینہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ (تقریب ۳۰۴)
- اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کی اُستانی اُم المؤمنین المؤمنات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

○ ماہرین اسماء الرجال کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سند میں سب راوی ستھرے ہیں سوائے عبدالاعلیٰ اور محمد بن اسحاق کے۔ اور ممکن ہے کہ انہی دونوں میں سے کسی ایک نے یہ روایت گھڑ کر آگے بیان کردی ہو۔ البتہ غالب گمان یہی ہے کہ بکری کے قرآن کھانے سے متعلق یہ غلط روایت محمد بن اسحاق کے ذہن کی اختراع ہے۔ کیونکہ:

○ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبدالاعلیٰ سے مروی روایات کو تو جگہ دی ہے لیکن انہوں نے محمد بن اسحاق کی روایات لینے سے پہلوتہی کی۔ البتہ محمد بن اسحاق کا قول بغیر کسی سند کے ایک دو جگہ صرف مغازی میں بطور تعلیق کے پیش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے قصداً محمد بن اسحاق کی روایات کو ترک کیا ہے، اور حضرت امام بخاری کے پاس یقیناً اس کی کوئی معقول وجہ بھی ضرور تھی۔

○ محمد بن اسحاق کی اس ظاہر البطلان روایت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو تو جھوٹ بولنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ:

○ محمد بن اسحاق نے اس روایت میں جس موقع پر بکری کے قرآن کھانے سے متعلق یہ بے بنیاد کہانی گھڑ کر اپنے جلیل القدر اساتذۂ کرام کی سند کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی ہے، اس کے بارے میں ایک عام آدمی بھی اتنا تو ضرور جانتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر حجرۂ عائشہؓ کے باہر اور اندر ہزاروں کی تعداد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ تو اس موقع پر ڈرپوک ہونے میں ضرب المثل بکری کا قرآنی آیات کھا جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اور یہ چارپائی جی یقیناً وہی ہے جس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اطہر آپ کے جسدِ مبارک سے جدا ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ بات ناممکن ہے کہ اسی چارپائی کے نیچے قرآن مجید کے صفحات رکھے ہوئے ہوں۔

قرآن مجید کی رُو سے یہ روایت باطل ہے

جیسا کہ عقلاً یہ روایت ظاہر البطلان ہے، اسی طرح قرآن مجید کی آیات مبارکہ بھی اس روایت کو باطل قرار دیتی ہیں۔ مثلاً:

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵:۹) کہ خود ہم نے آپ ہی یہ قرآن مجید اُتارا ہے، اور بلا شبہ قیامت تک اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہم ہی کرتے رہیں گے اور کوئی شخص بھی اس میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔

○ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۲۹:۴۹) کہ قرآن مجید کی یہ کھلی کھلی آیتیں اُن لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا فرمایا گیا ہے۔

○ اور اس بات میں بھی کچھ شک نہیں کہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی قرآن مجید حفظ تھا اور ان کے علاوہ دیگر متعدد صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کو بھی قرآن مجید حفظ تھا۔ تو پھر اگر کوئی کاغذ بکری کھا بھی جاتی تو اس پر اُمّ المومنین کو کفِ افسوس ملنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لہٰذا یہ واقعہ سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔

○ لیکن محمد بن اسحاق کی اس من گھڑت روایت کو درست تسلیم کرنے والوں سے یہ کون پوچھے کہ جس قرآن مجید کی حفاظت کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ آج پندرھویں صدی میں بھی یہ لوگوں کے سینوں میں برابر محفوظ چلا آرہا ہے۔ اگر کوئی حافظِ قرآن ایک چھوٹی سی آیت بھی پڑھنی بھول جائے تو دوسرے حفاظ اس کی اصلاح کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ رجم اور رضاعتِ کبیر سے متعلق آیات کو بکری کے کھانے کے بعد کسی صحابی نے بھی اس کمی کو پورا نہیں کیا؟ تو وہ کونسی بکری ہے جس نے بشمول امام علیؓ تمام حفاظ صحابۂ کرامؓ کے دلوں سے بھی یہ آیات چٹ کر لیں؟

حدیثِ رسول کی رُو سے بھی یہ روایت باطل ہے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا:

انزلتُ علیک کتاباً لا یغسلہ الماء۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ ومشکوٰۃ ص ۴۶۰)

یارسول اللہ! میں نے آپ پر ایسی کتاب اُتاری ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا۔

○ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں' اس لیے یہ کسی طرح ضائع نہیں ہوسکتی۔ بلکہ زمانہ گزر جائے گا' مگر یہ کتاب محفوظ ہمیشہ باقی رہے گی۔ جیسا کہ حاشیہ میں امام نوویؒ نے لکھا ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

○ لیکن اس کے برعکس محمد بن اسحاق کی یہ روایت جس میں بکری کے قرآنی اوراق کو کھا جانے کا ذکر ہے' اگر یہ بات درست ہوتی تو یہ روایت متعدد صحابہ کرامؓ اور تابعین سے مروی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن یہ بات اور کسی صحابی نے نہیں بتائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر یا اس کے بعد ایسا کوئی حادثہ ہرگز نہیں ہوا۔ اور یہ بات محض محمد بن اسحاق کی اپنی گھریلو ٹکسال میں گھڑی گئی ہے۔

○ اور اس روایت کو محمد بن اسحاق نے ثقہ راویوں کا نام لے کر اپنے شاگرد عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ کے سامنے بیان کی تو وہ چونکہ اس گروہ کے ساتھ بھی تعلق رکھتا تھا جو ہمیشہ اُمت محمدیہ کو فساد میں مُبتلا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں' تو گویا اس کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار آگیا جس کے ذریعے اسلام کے عظیم الشان قلعہ کے بنیادوں کو کھوکھلا کرکے معاذاللہ اسے نیست و نابود کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآنی وعدہ کے مُطابق ان بدباطن لوگوں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود قرآن مجید کی حفاظت فرمائی' اور آج پندرھویں صدی ہجری تک کسی کمی بیشی کے بغیر اصل حالت میں قرآن مجید موجود ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا۔

قبرِ نبوی ﷺ پر سلام کے متعلق ابن اسحاق کی روایت

اُمت کو فساد میں مبتلا کرنے والی دیگر ظاہر البطلان روایات کے علاوہ محمد بن اسحاق کی ایک من گھڑت روایت حضرت حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح بیان فرمائی ہے

اخبرنی ابو الطیب محمد بن احمد بن عمرو بن حمدان الحیری حدثنا محمد بن عبد الوهاب ثنا یعلی بن عبید ثنا محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء مولی ام صُبیة الجهنیة قال سمعت ابا هریرة یقول قال رسول اللہ ﷺ لیهبطن عیسی بن مریم حکما عدلا و اماما مقسطا و لیسلکن فجا حاجا او معتمرا او بنیتهما و لیاتین قبری حتی یسلم علی و لاردن علیه

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عادل حاکم اور منصف امام کی حیثیت میں (آسمان سے) اُتریں گے۔ اور پھر مقام فج سے حج، عمرہ یا دونوں کی نیت کر کے چلیں گے۔ اور میری قبر کے پاس آ کر مجھے سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۵۱)

○ اس روایت کی سند میں حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم کے اُستاذ حضرت امام ابو الطیب محمد بن احمد بن حمدان بن علی بن سنان الحیری (متوفی ۳۵۹ھ) ہیں۔ آپ کا شمار نحوی علماء میں بھی ہوتا ہے، اور ثقات محدثین میں بھی۔

○ اور ان کے اُستاذ حضرت محمد بن عبد الوہاب بن حبیب بن مہران عبدی ابو احمد فرّاء نیشاپوری (متوفی ۲۷۲ھ) ہیں، جو ثقہ راوی تھے۔

○ اور ان کے اُستاذ حضرت یعلیٰ بن عبید بن ابی امیۃ کوفی ابو یوسف طنافسی بھی ثقہ ہیں۔ مگر جو حدیث ثوری سے روایت کریں اس میں نرم ہیں۔ لیکن اس روایت میں ان کے اُستاذ کا نام محمد بن اسحاق بن یسار ہے۔ اور

○ اس روایت میں محمد بن اسحاق نے حضرت سعید بن ابی سعید مقبری ابو سعد مدنی کو اپنا استاذ بتلایا ہے۔ جو ثقہ راوی ہیں۔ ان کے حالات میں آتا ہے کہ وفات سے چار سال پہلے ان کے حافظے میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔

○ اور ان کے استاذ مشہور تابعی حضرت عطاء، مدنی مولی ام صُبیہ جُہنیہ ہیں۔ ان کی روایت مقبول ہوتی ہے اور حضرت ابن حبان نے انھیں ثقہ کہا ہے۔

○ اور ان کے اُستاذ مشہور صحابی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

○ محمد بن اسحاق نے اس من گھڑت روایت کو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرکے اُمت میں فساد، تفرقہ اور بد اعتقادی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نزولِ عیسیٰ سے متعلق کسی روایت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلام کرنے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انھیں سلام کا جواب دیے جانے کا قطعاً کوئی اشارہ تک نہیں فرمایا۔

○ مشتے نمونہ از خروارے صرف مسند احمد میں سیدنا ابوہریرہؓ کی درج ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں: ۷۲۲۷، ۷۲۳۱، ۷۶۲۲، ۷۶۲۳، ۷۶۳۳، ۷۸۲۳، ۷۹۱۰، ۷۹۱۱، ۷۹۱۸، اور ۸۲۲۶۔ (بخوفِ طوالت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔)

خلاصہ یہ کہ محمد بن اسحاق کی یہ من گھڑت روایت حلال و حرام کے قبیل سے نہیں، بلکہ اس کا تعلق عقائد سے ہے۔ جبکہ عقیدہ قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے جو قطعی الثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالۃ بھی ہو۔

○ اور جیسا کہ قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حلال و حرام کے معاملے میں ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں ہو سکتی، تو عقائد کا معاملہ تو اس سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے، اس لیے ابن اسحاق کی یہ روایت کسی طرح بھی حجت نہیں بن سکتی۔ جبکہ صحاحِ ستہ میں بھی یہ روایت کہیں جگہ نہیں پا سکی۔

ضعف راوی کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مذکور بالا بحث کے بعد اب اس سے پیدا ہونے والی ایک غلط فہمی کے ازالہ کے لیے اس بات کی وضاحت بھی نہایت ضروری ہے کہ کسی راوی کے ضعیف یا کذاب وغیرہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو ہر حال میں واجب الترک ہی قرار دیا جائے اور اس کے ضعف یا کذب کی وجہ سے اس کی بیان کی ہوئی صحیح حدیث کو بھی ضعیف یا موضوع قرار دے کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔

○ جیسا کہ اگر کوئی ضعیف یا کذاب ہی نہیں بلکہ کوئی غیر مسلم یہودی یا نصرانی وغیرہ قرآن مجید کی کوئی آیت تلاوت کرے تو اس قرآنی آیت کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔

○ اسی طرح کسی کذاب راوی کی بیان کردہ کسی صحیح حدیث کو محض راوی کے کذاب ہونے کی وجہ سے موضوع اور من گھڑت کہنا مناسب نہیں۔ مثلاً:

امام کے بھول نے پر اشارہ سے متعلق روایت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر امام بھول جائے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ سُبْحَانَ اللہ کہے۔ اور مقتدیہ عورت کو چاہیے کہ وہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی مارے۔

○ یہ حدیث کئی محدثین نے اپنی اپنی سندوں سے اپنے ذخیرۂ احادیث میں نقل فرمائی ہے۔ مثلاً:

❶ حضرت امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ نے الجامع للترمذی ص ۵۸ میں اس حدیث مبارک میں اپنے اُستاذ کا نام حضرت ہناد بتلایا ہے۔ جن کا پورا نام ہناد بن سری بن مصعب بن ابی بکر بن شبر تمیمی دارمی کوفی ہے۔ جو ثقہ ہیں

○ اور ان کے اُستاذ کا نام حضرت ابو معاویہ محمد بن خازم مولی بنی سعد ہے۔ یہ بھی ثقہ ہیں

○ اور ان کے اُستاذ کا نام حضرت سلیمان بن مہران اعمش تابعی ہے۔ اور یہ بھی ثقہ ہیں

○ اور ان کے اُستاذ حضرت ذکوان بن عبد اللہ ابو صالح ہیں جو سیدنا ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے

○ حضرت امام ترمذی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ فرمان نبوی نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہی فرمان نبوی پانچ دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔ اور ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: ○ امیر المؤمنین سیدنا امام علی ○ سیدنا سہل بن سعد ساعدی ○ سیدنا جابر بن عبد اللہ ○ سیدنا سعد بن مالک ابو سعید خدری۔ اور ○ سیدنا عبد اللہ بن امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ نیز حضرت امام ترمذی نے فرمایا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اہل علم کا اسی حدیث مبارک پر عمل ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

○ نیز آپ نے فرمایا کہ امام احمد اور اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں۔

❺ حضرت امام احمد بن شعیب بن علی بن سنان ابو عبد الرحمن نسائی خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سنن نسائی ج ۱ ص ۷۸،۷۷ میں اپنی پانچ سندوں سے یہی حدیث لکھی ہے۔

○ پہلی سند میں امام نسائی کے دو اُستاذ ہیں: ○ حضرت قتیبہ ○ حضرت محمد بن منصور ○ ان دونوں کے استاذ حضرت سفیان ثوری ہیں ○ ان کے استاذ حضرت ابن شہاب زہری۔ اور ○ ان کے استاذ حضرت ابو سلمہ تلمیذ ابو ہریرہؓ ہیں

○ دُوسری سند میں امام نسائی کے استاذ ○ حضرت محمد بن سلمہ ہیں ○ ان کے استاذ حضرت ابن وہب ہیں ○ ان کے استاذ حضرت یونس ہیں ○ ان کے استاذ حضرت زہری ہیں۔ اور ○ ان کے استاذ اس حدیث میں حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن۔ اور ○ حضرت سعید بن المسیب تلمیذان ابو ھریرہ ہیں۔

○ تیسری سند میں امام نسائی کے استاذ ○ حضرت قتیبہ ○ اور اُن کے اُستاذ حضرت فضیل بن عیاض ○ اور ان کے استاذ حضرت اعمش ○ اور اُن کے اُستاذ حضرت ابو صالح ہیں، جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

○ چوتھی سند میں امام نسائی کے استاذ ○ حضرت سوید بن نصر ہیں ○ اور اُن کے اُستاذ حضرت عبد اللہ ○ اور ان کے اُستاذ حضرت اعمش ○ اور ان کے استاذ حضرت ابو صالح ہیں، اور یہ سیدنا ابو ہریرہؓ کے شاگرد رشید ہیں۔

○ پانچویں سند میں امام نسائی کے اُستاذ ○ حضرت عبید اللہ بن سعید ○ اور ان کے استاذ حضرت یحییٰ بن سعید قطان ہیں ○ اور ان کے استاذ کا نام عوف بن ابی جمیلہ ○ اور ان کے استاذ حضرت محمد بن سیرین تلمیذ ابو هریرہؓ ہیں۔

❷ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اپنی مسند میں پندرہ سندوں سے یہی حدیث نقل فرمائی ہے۔ بخوف طوالت اختصار سے کام لیتے ہوئے ان تمام سندوں میں حضرت امام احمد کے اساتذہ کرام کے نام بالترتیب لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

① عبیدۃ بن حمید، محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابو الزبیر، جابر بن عبد اللہؓ (ص ۳۲۹، ج ۳)
② وکیع، سفیان، ابو حازم، سہل بن سعد ساعدیؓ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹)
③ وکیع، سفیان، ابو حازم (سلمۃ بن دینار)، عبد الرحمٰن (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹)
④ یزید، مسعودی، ابو حازم، سہل بن سعد ساعدیؓ (" " " ۳۵۲)
⑤ حجین بن المثنی، عبد العزیز بن ابی سلمہ، ابو حازم قاص، سہل بن سعد ساعدیؓ (ص ۳۶۲، ج ۹)
⑥ عبد الرزاق بن ہمام، معمر، ہمام بن منبہ، ابو ہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۰)
⑦ سفیان، ابن شہاب زہری، ابو سلمہ، ابو ہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۸)
⑧ یعلیٰ، اعمش، ابو صالح (ذکوان بن عبد اللہ)، ابو ہریرہؓ (" ج ۲ ص ۵۱۲)
⑨ یحییٰ بن سعید قطان، عوف، محمد، ابو هریرہؓ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۰)
⑩ محمد بن عبید، اعمش، ابو صالح ذکوان، ابو ہریرہؓ (" ج ۳ ص ۱۸۵)
⑪ یحییٰ (ابن سعید قطان)، محمد، ابو ہریرہؓ (" ج ۳ ص ۲۴۲)
⑫ یحییٰ بن سعید قطان، محمد، حسن البصری (" ج ۳ ص ۲۴۲)
⑬ یزید، ہشام، محمد، ابو ہریرہؓ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵)
⑭ روح، محمد بن ابی حفصہ، زہری، سعید بن المسیب، ابو ہریرہؓ (ج ۳ ص ۳۴۳)
⑮ روح، محمد بن ابی حفصہ، زہری، ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن، ابو ہریرہؓ (ج ۳ ص ۳۴۳)

❸ حضرت امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسیؒ نے بھی یہی حدیث اپنی سات سندوں سے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۴۱ و ۳۴۲ میں نقل فرمائی ہے۔

(۱) سُفیان بن عُیینہ، زہری، ابوسلمہ، ابوہریرہ۔ (۲) ہشیم، جریری، ابونضرہ، ابوہریرہؓ
(۳) ہشیم، عبدالحمید مدنی، ابوحازم، سہل بن سعد ساعدی (۴) حمید بن عبدالرحمٰن
ابو حمید عبدالرحمٰن، ابوالزبیر، جابر بن عبداللہ (۵) عبیدۃ بن حمید، ابن ابی لیلےٰ،
ابوالزبیر، جابر بن عبداللہ (۶) ابوبکر بن عیاش، مغیرہ، حارث العکلی، عبداللہ
بن یحییٰ، امام علیؓ اور (۷) وکیع، جعفر بن برقان، عمرو بن دینار، عبداللہ بن عمر۔

○ حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ البیہقی خراسانی نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۵ سے ۲۲۸ تک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے اپنی تین سندوں سے سیّدنا سہل بن سعد ساعدیؓ اور چھ سندوں سے سیّدنا ابوہریرہؓ اور دو سندوں سے امیرالمومنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہم سے مروی یہی حدیث نقل فرمائی ہے۔ بخوفِ طوالت ان تمام سندوں کو لکھنے سے گریز کیا جا رہا ہے، تاکہ عام قارئین پر بوجھ نہ پڑے۔ اور اُوپر بیہقی کے صفحات کا حوالہ دے دیا گیا ہے، تاکہ شائقین کو سندیں دیکھنے میں دِقت نہ ہو۔

○ اس حدیثِ مُبارک کی مذکورہ بالا تمام سندوں کو لکھنے سے دراصل یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ پانچ صحابہؓ سے مروی ہے، اور ایسی حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں حدیثِ مشہور کہا جاتا ہے، اور ایسی حدیث صحیح اور قابلِ عمل ہوتی ہے۔ اور حضرت امام ترمذی نے تو اس کی تصریح اور وضاحت بھی فرما دی ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور امام احمد و اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ (ترمذی ص۵۵)

○ اب اگر یہی حسن صحیح حدیث کوئی ایسا راوی بھی بیان کر دے جس کا حافظہ کمزور ہو، بلکہ اگر کوئی تقدیر کا منکر، رافضی، ناصبی، خارجی یا معتزلی وغیرہ بھی یہی حسن صحیح حدیث روایت کر دے تو اس نامقبول راوی کی وجہ سے اس حدیث کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا دارقطنی ص ۱۹۵ میں محمد بن اسحاق کی سند کے باعث اس حدیث صحیح کو نامقبول اور مردود قرار دینا مناسب نہیں۔

خوب روشنی میں نمازِ فجر پڑھنے کی روایت

اسی طرح ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نَوِّرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (شرح معانی الآثار ص ۱۰۵)

اسی طرح بعض روایات میں نَوِّرُوْا کی بجائے اَسْفِرُوْا کا لفظ بھی آیا ہے، یعنی فجر کی نماز خوب روشن کر کے پڑھا کرو، کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ ذی شان سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا۔ اور انھوں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا۔ اور پھر سیدنا جابر نے اپنے شاگرد حضرت محمد بن المنکدر کو، اور انھوں نے حضرت ایوب بن سیار کو، اور انھوں نے حضرت شابہ بن سوار کو، اور انھوں نے حضرت علی بن معبد کو، اور انھوں نے حضرت امام ابو جعفر احمد بن محمد الازدی الطحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ کو بتلایا۔

○ اسی طرح سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے سلامہ اور ان کے بیٹے سیار بن سلامہ کو، اور سیار نے عوف کو، اور انھوں نے سعید بن عامر کو، اور اُنھوں نے ابن مرزوق اور ابو بکرہ کو، اور انھوں نے ابو جعفر طحاوی کو بتلایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کا سلام پھیرتے تھے تو اس وقت اس قدر روشنی ہو جاتی تھی کہ آدمی اپنے ساتھ والے کا چہرہ بخوبی پہچان لیا کرتا تھا۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۰۵ ج ۱)

○ اسی طرح سیدنا جابر نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کو، اور انھوں نے سفیان کو، اور اُنھوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو، اور انھوں نے یزید بن سنان کو، اور انھوں نے امام طحاوی کو بتایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کو خوب مؤخر فرماتے جیسا کہ اس کا نام ہے۔

○ اسی طرح سیدنا طریف نے ولید بن عبداللہ بن ابی سمرۃ کو، اور انھوں نے زکریا بن اسحٰق کو، اور انھوں نے بشر بن سری کو، اور انھوں نے یحییٰ بن معین کو، اور اُنھوں نے ابن ابی داؤد کو، اور انھوں نے امام طحاوی کو بتایا کہ فتح طائف کے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اس وقت ختم کی کہ تیر پھینکنے والا نشانہ کی جگہ معلوم کر سکتا تھا۔ (ج ۱ ص ۱۰۵)

○ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن یزید کو اور انھوں نے ابو اسحٰق کو اور انھوں نے اسرائیل کو اور انھوں نے فریابی کو اور انھوں نے حسین بن نصر کو، اور انھوں نے امام طحاوی کو بتلایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں دو نمازیں خلاف معمول دوسرے وقت میں پڑھی تھیں۔ ان میں سے ایک تو مغرب کی نماز تھی جو آپ نے عشاء کے وقت پڑھی تھی۔ اور دوسری فجر کی نماز تھی جو آپ نے صبح صادق کے بعد غلس یعنی اندھیرے میں پڑھی تھی۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۰۵ ج ۱)

○ اسی طرح سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے عاصم بن عمر کو اور انھوں نے محمد بن عجلان کو اور انھوں نے سفیان ثوری کو، اور انھوں نے ابونعیم کو، اور انھوں نے علی بن شیبہ کو اور انھوں نے امام طحاوی کو بتایا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فجر کی نماز اس وقت پڑھا کرو جب خوب روشنی ہو جائے کیونکہ جتنی زیادہ روشنی میں نماز پڑھوگے اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ (ص ۱۰۵ و ۱۰۶ ج ۱)

○ یہی حدیث سیدنا رافع بن خدیج نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ کو اور انھوں نے ابن عجلان کو اور انھوں نے ابوخالد احمر کو اور انھوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کو بتلائی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۲)

○ یہی حدیث بعض دیگر اصحاب النبی ﷺ نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے ہشام بن سعد کو اور انھوں نے اسباط بن محمد کو اور انھوں نے امام احمد بن حنبل کو بتلائی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۵)

○ یہی حدیث حضرت محمود بن لبید انصاری نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو انھوں نے اسحاق بن عیسیٰ کو اور انھوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کو بتائی ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۵۹۷)

○ یہی حدیث سیدنا رافع نے محمود کو اور انھوں نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے ابوداؤد کو اور انھوں نے شعبہ کو اور انھوں نے آدم کو اور انھوں نے بکر بن ادریس بن حجاج کو اور انھوں نے امام طحاوی کو بتائی۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۰۶)

○ یہی حدیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مدینہ کے کئی انصار رضی اللہ عنہم نے عاصم کو اور انھوں نے زید بن اسلم کو اور انھوں نے ہشام بن سعد کو اور انھوں نے لیث کو اور انھوں نے عبداللہ بن صالح کو' اور انھوں نے محمد بن حمید کو اور انھوں نے طحاوی کو بتائی۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۰۶/۱)

○ یہی حدیث سیدنا رافع بن خدیج نے محمود بن لبید کو اور انھوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ کو اور انھوں نے ابن عجلان کو اور انھوں نے سفیان کو اور انھوں نے محمد بن یوسف کو اور انھوں نے امام محمد دارمی کو بتائی۔ (مسند دارمی ص ۱۴۲)

○ یہی حدیث امام ابو عبداللہ محمد دارمی نے ابو نعیم سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی۔ (مسند دارمی ص ۱۴۳)

○ یہی حدیث امام احمد بن شعیب نسائی نے عبیداللہ بن سعید سے اور انھوں نے یحییٰ سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی۔ (سنن نسائی ص ۹۴/۱)

○ یہی حدیث امام نسائی نے ابراہیم بن یعقوب سے اور انھوں نے ابن ابی مریم سے اور انھوں نے ابو غسان نہدی سے اور انھوں نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے رافع سے سنی۔ (")

○ یہی حدیث امام محمد بن یزید بن ماجہ نے محمد بن صباح سے اور انھوں نے سفیان بن عیینہ سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی۔ (سنن ابن ماجہ ص ۴۹)

○ یہی حدیث امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی نے اسحاق بن ابراہیم بن اسمٰعیل سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے نعمان سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سُنی۔ (سنن ابی داؤد ص ۶۷)

○ یہی حدیث امام ابوحاتم محمد بن حبان نے احمد بن علی بن مثنی سے اور انھوں نے ابو خیثمہ سے اور انھوں نے یحییٰ بن سعید قطان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی۔ (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۲۲)

○ یہی حدیث امام ابن حبان نے اسحاق بن ابراہیم بن اسمٰعیل سے اور انھوں نے ابن ابی عمر مدنی سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے ابن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ (صحیح ابن حبان ص۲۳)

○ یہی حدیث امام سلیمان بن احمد ابوالقاسم طبرانی نے علی بن عبدالعزیز سے اور انھوں نے ابونعیم سے اور انھوں نے سفیان سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سُنی۔ (معجم کبیر طبرانی ج ۴ ص ۲۴۹)

○ یہی حدیث امام طبرانی نے اسحاق بن ابراہیم الدبری سے اور انھوں نے عبدالرزاق سے اور انھوں نے ثوری اور ابن عیینہ سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے سیدنا رافع بن خدیج سے سُنی (معجم کبیر طبرانی ج ۴ ص ۲۴۹)

○ یہی حدیث امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے ابوخالد الاحمر (سلیمان بن حیان) سے اور انھوں نے محمد بن عجلان سے اور انھوں نے عاصم بن عمر سے اور انھوں نے محمود سے اور انھوں نے رافع بن خدیج سے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱)

خلاصہ یہ کہ مذکور بالا حدیث پانچ صحابۂ کرام ① سیدنا بلالؓ ② سیدنا طریفؓ ③ سیدنا جابر بن عبداللہؓ ④ سیدنا ابوبرزہؓ اور ⑤ سیدنا رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے۔ جبکہ سیدنا رافع بن خدیجؓ کے شاگرد صغار صحابہ میں سے حضرت محمود بن لبید ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

- اور پھر حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کے شاگرد ① حضرت نعمان ② حضرت زید بن اسلم ۔ اور ③ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ ہیں ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ
- اور پھر حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ کے شاگرد حضرت محمد بن عجلان ہیں۔
- اور حضرت امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ (ترمذی ص ۴۰)
- نیز آپ نے فرمایا کہ بہت سے اہل علم صحابہ و تابعین فجر کی نماز خوب روشن کر کے پڑھنے کے قائل ہیں ، اور حضرت سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔
- اب اگر یہی حسن صحیح حدیث کوئی ضعیف ، قدری ، رافضی ، ناصبی ، خارجی یا معتزلی وغیرہ راوی بھی بیان کرنا شروع کر دے تو بھی اس کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا ۔ اور اس نامقبول راوی کی وجہ سے اس حسن صحیح حدیث کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے بلکہ
- اس لیے شرح معانی الآثار ص ۱۰۶ ، صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۳۰۳ ، معجم طبرانی ج ۴ ص ۲۵۹ اور جامع ترمذی ص ۴۰ میں منقول بعض ایسی سندوں کی وجہ سے اس صحیح حدیث کی صحت پر بھی کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا جن میں حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ کا شاگرد ایک ضعیف راوی محمد بن اسحاق بھی موجود ہے ۔ البتہ جس روایت میں محمد بن اسحاق منفرد اور اکیلا ہو تو اس روایت کو حضرت امام ترمذی عموماً حسن غریب کہتے ہیں ۔ اور اگر محمد بن اسحاق کی روایت ایسی ہو جس میں وہ منفرد ہو اور دوسرے ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کریں تو اس صورت میں محمد بن اسحاق کی روایت ناقابل عمل اور مردود ہوتی ہے۔

حجاج بن ارطاۃ

حجاج بن ارطاۃ بن ثور بن ہبیرہ ابو ارطاۃ نخعی کوفی (متوفی ۱۴۷ھ) ایک علم نہاد فقیہ ہوا ہے۔ اس کا مسلک تھا کہ اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ اور یہ ایک انوکھی بات ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کے حالات بھی مختصراً بیان کر دیے جائیں، چنانچہ:

○ حضرت امام صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن معین نے حجاج بن ارطاۃ کے متعلق فرمایا کہ یہ صدوق تو ہے مگر مدلس بھی ہے۔

○ حضرت امام ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ صدوق تو تھا لیکن کثیر الخطأ اور کثیر التدلیس بھی تھا۔ (تقریب التہذیب ص ۶۴)

○ حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ ضعفاء سے تدلیس کیا کرتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۷، ص ۷۰) نیز:

○ آپ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ کے حافظے میں کمزوری اور رکی تھی۔ (ایضاً ص ۶۹)

○ حضرت ابن عدی نے فرمایا کہ یہ بعض احادیث کی روایت میں خطأ کر جاتا تھا۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ یہ واہی الحدیث تھا، اور اس کی احادیث میں اضطراب ہے۔

○ حضرت امام دارقطنی وغیرہ نے کہا کہ حجاج کی حدیث حجت نہیں۔ (ایضاً ص ۷۲)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ حجاج بن ارطاۃ متکبر اور مغرور بھی تھا۔ (ایضاً ص ۶۹)

○ حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ یہ نماز باجماعت چھوڑ دیا کرتا تھا، اور وجہ پوچھنے پر کہتا تھا کہ مسجد میں مزدور اور کنجڑے مجھے تنگ کرتے ہیں۔ بصرہ میں رشوت لینے والا پہلا قاضی یہی ہے۔ سیاہ خضاب لگایا کرتا تھا۔ حضرت یحییٰ بن معین اور نسائی نے لیس بالقوی کہا۔ امام مسلم اس کے ساتھ دوسرے راوی کی روایت بھی لاتے ہیں۔[1]

○ حضرت عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کی روایت لینا چھوڑ دیا تھا۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے حجاج بن ارطاۃ کی حدیث لکھ کر اس کی تصحیح کر کے اچھا نہیں کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷، ص ۷۲)

لہ شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۲۴۸

داؤد بن الحصین

محمد بن اسحاق کا اس روایت میں اُستاذ داؤد بن الحصین ابوسلیمان الاموی مولاہم المدنی ہے۔ ایک آدھ کے علاوہ اکثر محدثین کے نزدیک یہ بھی غیر ثقہ اور ضعیف راوی ہے، خصوصاً جبکہ یہ حضرت عکرمہ کی سند سے روایت کرے۔ مثلاً:

- حضرت محدث یحییٰ بن معین اور ابن ادریس نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔
- حضرت علی بن مدینی اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عکرمہ سے اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں۔ بلکہ:
- حضرت علی بن مدینی نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر داؤد بن الحصین حضرت عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کرے تو اس کی نسبت تو شعبی کی مرسل روایت ہی بہتر ہے۔ اس لیے حق یہی ہے کہ جس روایت میں داؤد بن الحصین متفرد ہو وہ نامقبول ہے۔
- حضرت امام ترمذی نے داؤد بن الحصین کے حفظ میں کلام کیا ہے۔
- حضرت سفیان بن عیینہ اس کی روایت نقل کرنے سے گریز کرتے تھے۔
- حضرت عباس دوری اور ابو حاتم نے داؤد بن الحصین کو ضعیف کہا۔
- حضرت ابن حبان فرماتے ہیں کہ داؤد بن الحصین مذہب خوارج کا پابند تھا۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو مذہب خوارج کی پیروی کی دعوت دیتا تھا۔
- حضرت امام ابوبکر جصاص اور ابن ہمام وغیرہ نے داؤد بن الحصین کو منکر کہا، کیونکہ یہ غیر ثقہ راوی ہے۔ جو کہ ثقات اور اثبات کی روایات کے خلاف روایت کرتا ہے اور اصول حدیث کی اصطلاح میں اسی کو منکر کہتے ہیں۔
- حضرت سید امیر علی نے حاشیہ تقریب میں لکھا ہے کہ یہ تقدیر کا بھی منکر تھا۔

دیکھیے: تقریب التہذیب اور سیر اعلام النبلاء، اور دیگر کتب اسماء الرجال۔

خلاصہ یہ کہ محمد بن اسحاق کی یہ روایت حضرت امام شافعیؒ کی صحیح روایت کے بھی خلاف ہے اور زبیر بن سعید سے مروی خاندانِ رکانہ، اور ابن جریج کی روایتوں کے بھی خلاف ہے، جس کی نسبت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی طرف کی گئی ہے جبکہ محمد بن اسحاق نے بھی اپنی روایت کو حضرت ابن عباس کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔

○ ابن جریج کی روایت میں ہے کہ طلاق دینے والے کا نام ابورکانہ عبدیزید تھا، اور محمد بن اسحاق کہتا ہے کہ طلاق دہندہ کا نام رکانہ بن عبدیزید تھا۔

○ اسی طرح محمد بن اسحاق کی روایت زبیر بن سعید کی روایت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ زبیر بن سعید کی روایت میں ہے کہ حضرت رکانہ نے بتہ طلاق دی تھی، جبکہ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں۔

○ زبیر بن سعید کی روایت کے مطابق حضرت رکانہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ واللہ بتہ سے میری نیت ایک طلاق دینے کی تھی، جبکہ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت رکانہ تین طلاقیں دے کر غمگین ہوئے۔

○ زبیر بن سعید کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قسم لی تھی کہ واقعی بتہ کے لفظ سے ایک طلاق کی نیت تھی، تو جب رکانہ نے کہا کہ واللہ! میں نے بتہ بول کر ایک طلاق ہی مراد لی تھی تب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ کو رجوع کر کے بیوی کو گھر لانے کا حکم دیا، لیکن محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رکانہ نے جب طلاق دینے کا ذکر کیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے طلاق دینے کی کیفیت دریافت کرتے ہوئے فرمایا: کیف طلقتھا؟ کہ آپ نے کس طرح طلاق دی، یا طلاق دیتے ہوئے کونسا لفظ منہ سے ادا کیا؟ تو اس کے جواب میں طلاق کی کیفیت بتلانے کی بجائے حضرت رکانہ نے کمیت بتلائی کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ایک عرب جو قریشی مطلبی ہو، کیفیت دریافت کرنے پر کمیت بتلانا شروع کر دے۔

○ زبیر بن سعید کی روایت کے مطابق حضرت رکانہ نے ایک لفظ بتہ بولا تھا جس میں نیت کا لحاظ ہوتا ہے، اور چونکہ یہ لفظ ایک ہی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ یہ لفظ ایک ہی مجلس میں ادا کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ "ب" ایک مجلس میں اور "ت" دوسری میں اور "ۃ" تیسری مجلس میں بولا جائے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر "بتہ" کے الفاظ سے تین طلاقیں مراد لی جاتی تھیں لیکن دربار نبویؐ میں بات شروع کرتے ہی حضرت رکانہ نے قسم کھا کر عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک بتہ طلاق دیدی ہے۔ لیکن چونکہ لفظ "بتہ" سے عموماً تین طلاقیں سمجھی جاتی تھیں، اس لیے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دوبارہ حلفاً بتاؤ کہ بتہ سے آپ کی مراد واقعی ایک طلاق تھی؟ تو حضرت رکانہ نے دوبارہ قسم کھا کر بتلایا کہ واللہ! بتہ سے میری مراد ایک طلاق تھی لیکن محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دی ہیں یا الگ الگ تین مجلسوں میں؟ تو اس پر انھوں نے کہا کہ جی ہاں ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں۔ اور اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر اگر چاہتے ہو تو رجوع کر لو۔

○ یہ روایت بیان کرنے کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ محمد بن اسحاق یہ کہتا کہ فی مجلس واحد کے الفاظ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق متصور ہوگی۔ لیکن اس کی بجائے محمد بن اسحاق نے یہ کہا کہ حضرت ابن عباسؓ کی رائے تھی کہ طلاق ہر طہر میں دینی چاہیئے۔ حالانکہ خود محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی مجلس واحد کے لفظ سے سوال کیا تھا کہ کیا ایک ہی مجلس میں تین بار الگ الگ یا ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ محمد بن اسحاق نے مجلس سے طہر کا مسئلہ کس طرح کشید کر لیا۔

○ بہرحال خواہ روایت ابن جریج کی ہو، یا محمد بن اسحاق کی، یہ دونوں ہی غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ کیونکہ:

○ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے طلاق کا لفظ نہیں بلکہ بتہ کا لفظ بولا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو داؤدؒ نے اپنی تین سندوں سے بتہ والی خاندانِ رکانہ کی متفقہ روایت بیان کرکے خود اپنے ہی اصول کے مطابق اس روایت پر تبصرہ اور جرح نہ کرکے اس کی تصحیح کردی بلکہ ابن جریج کی روایت نقل کرنے کے بعد تو واضح لفظوں میں اس بات کا برملا اعلان کردیا کہ ابن جریج کی اس روایت کی بہ نسبت وہ روایت زیادہ صحیح اور اصح ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے "بتہ" کے لفظ سے اپنی بیوی سُہیمہ کو ایک طلاق دی تھی۔

○ نیز حضرت امام ابن حبان اور حضرت امام حاکم رحمہا اللہ تعالیٰ نے بھی بتہ والی روایت کو صحیح اور تین طلاقوں والی روایت کو غلط قرار دیا۔

○ اسی طرح حضرت امام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس روایت میں بتہ کا لفظ ہی صحیح ہے، اور بتہ کی جگہ طلقتُها ثلاثًا کا لفظ راویوں کی زیادتی اور اضافہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طلاق کا فیصلہ

● سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی تھی، اور ارادہ تھا کہ آئندہ دو طہروں میں مزید دو طلاقیں دیدوں گا۔ تو جب یہ بات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ:

○ اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس طرح حکم نہیں فرمایا۔ آپ نے طلاق دینے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔ پھر طلاق دینے کا صحیح طریقہ بتلانے کے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ نے انھیں رجوع کرنے کا حکم دیا۔

○ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں

عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں کہ اگر میں ایک کی بجائے اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کرنے سے وہ میرے لیے حلال ہو سکتی تھی؟ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں، وہ عورت اکٹھی تین طلاقیں دینے کی صورت میں تم سے ہمیشہ کے لیے جُدا بھی ہو جاتی اور تمہیں اس کا گناہ بھی ہوتا۔ (دار قطنی ص ۴۳۸)

تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا ایک اور فیصلہ

❻ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس مطلقہ نے کسی دُوسرے مرد سے نکاح کرلیا۔ پھر اس دُوسرے خاوند نے بھی اس عورت کو طلاق دے دی۔

○ اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ کیا اب وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہوتی یا نہیں۔ تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا وہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اس عورت سے لطف اندوز نہ ہولے۔

○ حضرت امام بخاریؒ نے یہ واقعہ باب من اجاز طلاق الثلاث ہی میں نقل فرمایا ہے۔ اور اس واقعہ کو اس باب میں درج کرنے سے حضرت امام بخاریؒ کا مطلب یہی ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ ایک مجلس میں الگ الگ، خواہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ، اسی طرح چاہے تو تین طہروں میں الگ الگ، یا ایک ہی طہر کے مختلف اوقات میں طلاق دے، یا اسی طرح چاہے حیض کی حالت میں تین طلاقیں دے یا حمل میں، وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوں گی۔ اور وہ عورت طلاق دینے والے کے لیے کبھی حلال نہیں ہو سکتی حتی تنکح زوجا غیرہ جب تک کہ دُوسرے شخص سے نکاح کر کے ہمبستری نہ کرلے۔ (بخاری ص ۷۹۱)

تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا ایک اور فیصلہ

⬤ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر اس مطلقہ عورت نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا، پھر اس مرد اور عورت نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور پردہ لٹکا دیا۔ مگر اس مرد نے کسی وجہ سے اس منکوحہ عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا اور جماع سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق بھی دے دی۔ تو کیا اس صورت میں وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں۔؟ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تک دوسرا شوہر اس عورت کے ساتھ جماع نہ کرے اس وقت تک وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ (سنن نسائی ج۲ ص ۱۰۱)

○ حضرت امام احمد بن شعیب ابو عبد الرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ روایت دو سندوں سے نقل فرمائی ہے۔

○ پہلی سند: عمرو بن علی ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن علقمۃ بن مرثد قال سمعت سالم بن رزین یحدث عن سالم بن عبد اللہ عن سعید بن المسیب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

○ دوسری سند: محمود بن غیلان ثنا وکیع ثنا سفیان عن علقمہ بن مرثد عن رزین بن سلیمان الاحمری عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

○ اور یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ اور حضرت امام نسائی نے یہ روایت نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ دوسری سند پہلی سند سے اولیٰ بالصواب ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ پہلی سند میں کوئی عیب تھا جو دوسری سند سے ختم ہو گیا ہے یا اس کی تائید سے وہ ہو گئی، بلکہ خود یہ دونوں سندیں صحیح اور قابلِ احتجاج ہیں اور ان میں کوئی نقص، کمی اور عیب نہیں ہے۔

طلاق بدعی کے متعلق نبی کریم ﷺ کا فیصلہ

❽ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: یامعاذ من طلق فی بدعة واحدة او اثنتین او ثلاثا الزمناه بدعته (دارقطنی ص ۴۳۳) کہ جو شخص بدعت اور خلافِ سُنّت طریقے سے ایک، دو یا تین طلاقیں دیدے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہی بدعت اس پر لازم کردیں گے۔

○ یعنی اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں یا ایسے طہر میں جس میں جماع کرچکا ہو یا عورت حاملہ ہو، تو ان حالات میں طلاق دے تو جتنی طلاقیں بھی دے گا بس وہ اُتنی ہی شمار ہوں گی۔ مثلاً اگر کوئی ان حالات میں ایک طلاق دے گا تو وہ طلاق واقع ہوجائے گی، اور عورت تین حیض مکمل ہونے تک عدت گزارے گی، اور پھر اپنی مرضی کی مالک ہوگی۔

○ اسی طرح اگر کوئی ایسے حالات میں ایک مجلس میں یا دو مختلف مجلسوں میں الگ الگ یا ایک ہی کلمہ میں اکٹھی دو طلاقیں دیدے تو دو طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اور عدت کے بعد عورت اپنی مرضی کی مالک ہوگی۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے حالات میں ہی تین مختلف مجلسوں میں یا دو مجلسوں میں یا ایک ہی مجلس میں الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقیں دیدے تو اس صورت میں بھی تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اور وہ عورت تین طلاقیں دینے والے اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی اور اسے رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔

○ اس روایت میں سب راوی ثقہ ہیں۔ البتہ اسماعیل بن اُمیہ ابوالصلت الذارع القرشی الکوفی کے بارے میں خود امام علی بن عمر دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متروک الحدیث ہے، جبکہ شیخ عبدالحق اُسے ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن جب صحیح صریح احادیث سے اس کی تائید ہو تو بلحاظ متن یہ روایت صحیح کہلائے گی۔

طلاق بتہ پر تین طلاقوں کا فیصلہ

۹ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو بتہ کے لفظ سے طلاق دیتے ہوئے سنا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ان لوگوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ اور پھر فرمایا:

من طلق البتة الزمناه ثلاثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره

کہ جو بتہ کہ کر اپنی بیوی کو قاطع طلاق دے گا تو ہم حکم الٰہی کے موافق اس پر تینوں طلاقیں جاری کریں گے اور اس کے لیے وہ عورت اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (دار قطنی ۲)

○ جیسا کہ سیدنا رکانہؓ بن عبد یزید نے ایک طلاق کی نیت سے بتہ کا لفظ بول کر سہیمہ کو طلاق دی تھی، تو چونکہ بتہ کے لفظ سے عام طور پر تین قطعی طلاقیں ہی مُراد لی جاتی ہیں، اس لیے جب تک خود طلاق دینے والا یہ نہ کہے کہ بتہ کے لفظ سے میری مُراد ایک طلاق تھی، اُس وقت تک بتہ کے لفظ سے تین طلاقیں ہی تصور ہوں گی، اور طلاق دینے والے پر وہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔

○ حالانکہ بتہ کا ایک لفظ تین مجلسوں کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو ایک لمحہ میں زبان سے ادا ہو جاتا ہے، اور جو شخص یہ تین حرفی کلمہ یک لخت زبان سے ادا کرتا ہے تو مذکورہ بالا حدیث مبارک کی رُو سے اور اس سے پہلے تحریر کی جانے والی سنداً و متناً صحیح احادیث کی رُو سے تین کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ البتہ اگر نیت ایک طلاق کی ہو اور طلاق دینے والا حلفاً کہے کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی تو ایک طلاق ہو گی۔

○ بہرحال اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہو گیا کہ اگر ایک مجلس میں بلکہ ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق فیصلہ

⑩ امیر المومنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ایما رجل طلق امرأته ثلاثا عند کل طهر تطليقة او عند رأس کل شهر تطليقة او طلقها ثلاثا جميعا لم تحل له حتی تنکح زوجا غيره (سنن دارقطنی ص ۴۳۸، ۴۳۷)

کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، خواہ ہر طہر کے وقت ایک ایک طلاق دے کر، یا ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک طلاق دیکر یا اکٹھی تینوں طلاقیں دے دیں، تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔۔

○ اس حدیثِ مبارک میں اس بات کی صاف لفظوں میں وضاحت ہے کہ نہ صرف ایک مجلس میں بلکہ ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوں گی اور ان تین اکٹھی ایک لفظ کے ساتھ دی ہوئی طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا دینِ محمدی کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے، اور اگر کوئی اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتا ہے تو وہ زناکاری کا رستہ ہموار کرتا ہے۔ اور جو شخص اکٹھی تین طلاقیں دینے کے بعد کسی جاہل اور بے دین رافضی وغیرہ کے بہکانے میں آکر رجوع کرلیتا ہے، یعنی اس مطلقہ عورت کو اپنے گھر بسا لیتا ہے تو وہ حدیث بالا کی رُو سے زنا کا مرتکب ہوگا

○ اور اگر کوئی شخص مسئلہ معلوم ہونے کے بعد پھر بھی اس گناہِ کبیرہ پر عمل کرتا رہے گا اور اس عورت سے جُدا نہ ہوگا تو نماز روزہ کا اسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ گناہِ کبیرہ پر اصرار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

یکی کلمہ تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا فیصلہ

(۱) حضرت ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا ان رجلا من اسلم طلق امراتہ علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث تطلیقات جمیعا کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مُبارک میں اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں۔ فقال لہ بعض اصحابہ ان لک علیہا رجعۃ تو اس طلاق دہندہ کو اس کے دوستوں میں سے کسی دوست نے کہا کہ اس صورت میں تجھے رجوع کر لینے کا حق حاصل ہے' فانطلت امراتہ حتیٰ دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس طلاق دہندہ کی مطلقہ بیوی حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی۔ فقالت پھر وہ مطلقہ عورت عرض گزار ہوئی: ان زوجی طلقنی ثلث تطلیقات فی کلمۃ واحدۃ کہ میرے شوہر نے مجھے ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدی ہیں'

○ مقصد یہ تھا کہ آپؐ اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ کیا ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہوجاتی ہیں یا نہیں' نیز آپؐ یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ میں اور طلاق دہندہ شرعاً ایک دُوسرے کی میراث کے حق دار رہے یا نہیں۔

○ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بنت منہ ولا میراث بینکما۔ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تیرے شوہر نے ایک ہی کلمہ میں تجھے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں' اور اس طرح اکٹھی تین طلاقیں دینا اچھا نہیں ہے تاہم تو طلاق دہندہ سے جُدا ہو چکی ہے، اور تم دونوں طلاق دہندہ اور مطلقہ کے درمیان وراثت بھی نہیں ہے۔ (مدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۲۱)

اکٹھی تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا ایک اور فیصلہ

۱۲ سیّدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أُخبر رسول اللہ ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعًا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے شخص کے بارے میں اطلاع دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں۔ فقام غضبان یہ بات سُن کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضبناک ہُوئے، اور غصے کی حالت میں اپنی مسندِ مبارک سے اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ثم قال علیہ السلام أيلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غصے کی حالت میں فرمایا کہ کیا میری زندگی میں ہی کتاب اللہ کے ساتھ اس طرح سے کھیلا جا رہا ہے۔؟ حتى قام رجل وقال يا رسول الله الا اقتله۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۹۹) یہاں تک کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے کو دیکھ کر اور آپ کا یہ فرمان سُن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! کیوں نہ اس شخص کو میں قتل ہی کردوں، جس نے آپ کی زندگی میں کتاب اللہ کے احکام کا مذاق اُڑاتے ہُوئے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سُن کر جس قدر غصے کا اظہار فرمایا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دی تھیں اس نے اپنا خانہ خراب کر لیا تھا اور ایک مجلس میں دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اور احکامِ الٰہی کے مذاق اڑانے کا گناہ اس کے سر پر علیحدہ ہُوا۔ ورنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر غضبناک ہونے کا اور کوئی مطلب نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ ایک طلاق رجعی ہوتی تو اس پر اتنا غصہ کرنے کا تو کوئی مطلب ہی نہیں تھا۔

فائدہ: جب ایک حدیث صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہو جائے، اور کوئی فقیہ و مجتہد امام سنت اس حدیث کو سند میں پیش کرے تو وہ شرعی دلیل بن جاتی ہے۔

○ اور اگر یہی حدیث کوئی کذاب روایت کرے، یا متروک الحدیث یا رافضی داعیہ یا معتزلی اور خارجی بھی روایت کرے، تو صحیح سند سے ثابت شدہ اس روایت پر اس راوی کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ جیسا کہ:

○ اہل السنت والجماعت کی بے شمار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح ستہ میں مروی ہیں اور اہل السنت والجماعت کا ان پر عمل ہے۔ اور وہی حدیثیں روافض کی کتب میں بھی مروی ہیں۔ لیکن صحاح ستہ کی ان احادیث کو محض یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ روایات روافض کی کتب میں بھی ہیں، اور ان کے راوی رافضی ہیں، اس لیے ہم ان کو نہیں مانتے۔

○ بلکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی متعدد شیعہ، معتزلی اور خارجی راوی ہیں، اور ان دونوں شیخین نے اپنی صحیحین میں ان کی روایات نقل فرمائی ہیں، اور اہل سنت کا ان پر عمل بھی ہے۔ اس لیے اگر زیر بحث مسئلے سے متعلق احادیث میں اتفاق سے کوئی شیعہ راوی بھی آ جائے تو اس حدیث کو محض یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا راوی رافضی ہے۔ کیونکہ:

○ جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں، تو اس کے بعد اگر کچھ اور روایتیں ایسی بھی مل جائیں جن میں شیعہ، معتزلی یا خارجی وغیرہ راوی ہوں تو ان کا رافضی وغیرہ ہونا اس صحیح روایت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ رافضی وغیرہ کی روایت اس صحیح روایت کی مؤید بن جائے گی، خصوصاً جبکہ رافضی کی روایت خود اس کے اپنے مذہب کی تردید کرتی ہو۔ کیونکہ:

○ ہم قبل ازیں کتب روافض سے ثابت کر چکے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق تصور کرنا روافض کا مذہب ہے، اہل سنت کا نہیں۔

- اب اگر کوئی رافضی اپنے مذہب کے خلاف روایت کرے تو اس سے اس کے اپنے مذہب کی تردید اور اہل سُنت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً
- حضرت امام علی بن احمد بن مہدی ابو الحسن بغدادی دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سُنن دارقطنی ص ۲۳۷، ۲۳۸ میں عمرو بن شمر جعفی کوفی رافضی کی سند سے امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے جو اہل سُنت کی روایات صحیحہ کے موافق ہے اور اس سے روافض کے مذہب کی تردید ہوتی ہے۔ اس لیے اس رافضی راوی کی روایت کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر عمرو بن شمر کی روایت کو محض اس کے رافضی ہونے کی وجہ سے رد کرنا ضروری سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی رافضی قرآن مجید کی آیت پڑھے تو اس کا بھی انکار کر دیا جائے کیونکہ اس کا راوی رافضی ہے۔ نعوذ باللہ۔
- اور اگر یہی اصول بنا لیا جائے کہ قرآن مجید کی ہر وہ آیت یا ہر وہ روایت جس کا راوی رافضی، یا معتزلی یا خارجی اور قدری وغیرہ ہو تو اسے ہر حال میں رد کرنا ہی ضروری ہے تو یہ قانون تو بہت ہی خطرناک ہوگا، جس سے انسان دائرۂ اسلام سے نکل کر دائرۂ کفر میں داخل ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ۔
- اس سلسلہ میں اصل قانون یہ ہے کہ: "مُبتدع راوی ایسی روایت بیان کرے جو اس کے بدعی مذہب کی تائید کرتی ہو تو وہ روایت مردود ہے، اور اگر وہ مُبتدع ایسی روایت بیان کرے جو اس کے بدعی مذہب کی تائید نہ کرتی ہو تو وہ بلاشبہ مقبول ہے۔" (دیکھیے: نخبۃ الفکر ص ۳۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فتوے اور فیصلے

امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

1 امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر میں اعلان فرمایا: یایھا الناس! قد کانت لکم فی الطلاق اناۃ وانہ من تعجل اناۃ اللہ فی الطلاق الزمناہ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۲)

کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے طلاق کے بارے میں یہ گنجائش تھی کہ اس معاملے میں سنجیدگی سے کام لیتے ہوئے خوب اچھی طرح غور و فکر کرنے کے بعد فیصلے کے ساتھ سمجھ سمجھ طلاق دی جائے۔ یعنی ایک یہ دیکھے کہ وہ عورت حیض کی حالت میں نہ ہو، اور پھر یہ بھی دیکھے کہ جس طہر میں طلاق دینی چاہیے اس میں جماع نہ کیا ہو، اور یہ کہ جب طلاق دینا چاہے تو صرف ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے خلاف جلد بازی سے کام لیتے ہوئے ایک مجلس میں یا ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے گا، یا حیض کی حالت میں طلاق دے گا یا ایسے طہر میں طلاق دے گا جس میں جماع کر چکا ہو یا حاملہ کو طلاق دے گا تو ہم بھی اس پر حکم الٰہی کے مطابق وہی حکم جاری کریں گے۔ یعنی اس نے جس حالت میں اور جتنی طلاقیں دی ہیں وہ سب اس پر جاری کریں گے۔ خواہ اس نے حیض کی حالت میں تین طلاقیں اکٹھی ایک لفظ کے ساتھ ہی کیوں نہ دی ہوں۔

○ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بھری محفل میں جب یہ اعلان فرمایا تھا تو اس مجلس میں صحابہ کبارؓ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اور کسی ایک نے بھی مخالفت نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؓ کا یہ حکم قرآن و سنت کے عین مطابق تھا، ورنہ کوئی نہ کوئی صحابی ضرور بول اٹھتا کہ اے امیر المومنین! آپ ایسا نیا حکم کیوں نافذ فرما رہے ہیں جو نہ عہد نبوی میں تھا نہ عہد صدیقی میں۔

امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم شرعی سن کر تمام صحابہ کی طرف سے اس کی تائید میں خاموش رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جو لوگ عہدِ نبوی یا عہدِ صدیقی میں حکم الٰہی کے خلاف بار بار طلاق دے کر رجوع کر لینے کو جائز سمجھتے تھے تو در اصل انھیں حکم الٰہی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (۲:۲۲۹) کا علم ہی نہ تھا، کیونکہ اوّل تو تمام صحابہؓ کو قرآن مجید حفظ نہیں تھا، دُوسرے یہ کہ تمام صحابہؓ تک قرآن مجید کے تمام احکام بھی پوری طرح نہیں پہنچے تھے۔ پھر جس جس صحابی یا تابعی کو جس وقت بھی جن جن احکام الٰہی کا علم ہوتا چلا گیا وہ فوراً پہلے جاہلانہ طریقہ کو چھوڑ کر صحیح شرعی حکم پر عمل شروع کر دیتا تھا۔

چنانچہ بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مجمع عام کے سامنے امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے اعلان سے تمام صحابہ و تابعین کو حکم الٰہی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کا علم بھی ہو گیا اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔ جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجتِ قطعیہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۴:۱۱۵)

کہ جو کوئی راہ ہدایت کا بخوبی علم ہو جانے کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا، یا مومنین کی راہ کے علاوہ کسی اور راستے کو اختیار کرے گا تو اس طرح وہ جو کچھ کرتا ہے ہم اسے کرنے دیتے ہیں۔ اور پھر آخرت میں ہم اسے ان کارستانیوں کے بدلے جہنم میں جھونکیں گے جو بُرا ٹھکانہ ہے۔

اس فرمانِ الٰہی سے معلوم ہُوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی اتباع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور جو کوئی ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت کرے گا تو وہ آخرت میں جہنم کی سزا کا مستحق ہو گا، جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "میری اُمت گمراہی پر متفق نہیں ہو گی"۔

سیدنا امام عمرؓ کا ہزار طلاقوں پر فیصلہ

❷ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ میں اکٹھی ایک ہزار طلاقیں دینے والے شخص سے فرمایا کہ عورت کو جدا کرنے کے لیے ان ہزار طلاقوں میں سے صرف تین طلاقیں ہی کافی تھیں۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۴)

امام عمرؓ کا تین طلاقوں پر فیصلہ

❸ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۷۱ میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے لکھا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے دخول سے پہلے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے شخص سے فرمایا کہ تیری تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور وہ مطلقہ تجھ پر حلال نہیں رہی۔ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔

○ اس اثر کے تمام راوی ثقہ اور پختہ ہیں۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۴)

○ حضرت امام ابن قیمؒ نے یہ روایت اغاثۃ اللہفان میں نقل فرمائی ہے، اور اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۶۲)

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق امام عمرؓ کا حکمنامہ

❹ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک حکم نامہ تحریر فرما کر ارسال فرمایا، جس میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ جو شخص اپنی بیوی کو اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہے۔ یعنی "تجھے تین طلاقیں" کہہ دے تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوں گی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۷۷ بحوالہ ابو نعیم اصبہانی)

اکٹھی تین طلاقیں دینے والے کی پٹائی

❺ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص غیر مدخول بہا بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیتا تھا تو امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ اس کی پٹائی بھی کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اب یہ عورت تجھ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ہے، جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۴ و مصنف ابن ابی شیبہ ص 11/5)

مذاق میں ہزار طلاقیں دینے والے کی پٹائی

۶ حضرت زید بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک مسخرے نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ پھر امیرالمومنین سیدنا امام عمرؓ سے کہنے لگا کہ میں نے تو یونہی کھیل اور مذاق کے طور پر ایسا کیا تھا۔ حضرت امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے درے سے اس مسخرے کی خوب پٹائی کی' اور ان دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی بھی کروادی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲)

تین طلاقوں کے بعد حلالہ کئے بغیر نکاح کرنے والے کو رجم کا حکم

۷ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے۔ اور کوئی دوسرا شخص اس مطلقہ بہ ثلاث سے نکاح کرلے اور پھر کسی وجہ سے قبل از دخول ہی اس عورت کو طلاق دیدے (تو وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔ اس لیے) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر دخول سے پہلے ہی دوسرا خاوند اسے طلاق دیدے اور پھر وہ پہلا خاوند اگر اس عورت سے نکاح کرلے (تو وہ زنا ہوگا' جس کی سزا محصن کے لیے رجم ہے۔) تو اگر امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وہ شخص ایسا کرتا تو یقیناً حضرت امیرالمومنین اس شخص کو سنگسار کرنے کا حکم دیتے، جس نے پہلے تو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اس کی مطلقہ کو دوسری جگہ نکاح کرکے دخول سے پہلے ہی طلاق ہونے کی صورت میں اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرلیا ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۴۸)

○ یاد رہے کہ رجم یعنی سنگسار اسی شخص کو کیا جاتا ہے جو محصن ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کرے۔ اور رجم کا یہ حکم اس صورت میں ہے

جبکہ وہ عورت دُوسرے خاوند سے قبل از دخول طلاق لے کر پہلے شوہر سے نکاح کرے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص تین طلاقوں کو ایک سمجھ کر طلقہ بثلاث کو بدستور بسائے رکھے تو وہ بطریق اولیٰ رجم کا مستحق ہوگا۔

ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے والے سے صحابہؓ کا برتاؤ

❽ مشہور تابعی اور محدث حضرت حسن بن یسار ابو سعید بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے شخص کو عبرتناک سزا دیتے تھے جو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱)

امیرالمومنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ کا ہزار طلاقوں پر فیصلہ

❾ اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵۳ میں ابن حزم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں اکٹھی دے دیں تو امیرالمومنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تیری بیوی تو تین طلاقوں کے ساتھ ہی تجھ سے جُدا ہوگئی تھی۔ یعنی ۹۹۷ طلاقیں فضول ہیں۔

امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا ہزار طلاقوں پر فیصلہ

❿ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دیں تو امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیری عورت کو صرف تین طلاقوں نے تجھ پر حرام کردیا اس لیے زیادہ طلاقیں دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴ بطریق شعبی)

سو طلاقوں پر سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

⓫ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں تو امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقوں کے ساتھ وہ عورت ہمیشہ کے لیے تجھ سے جُدا ہوگئی اور اُوپر والی ستانوے طلاقیں تیری گردن میں نافرمانی کا طوق ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵۴ بحوالہ المجموع الفقہی بطریق زید بن علی)

تین طلاقوں پر سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

⓬ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ

نے فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج، ص ۳۳۵ بطریق عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ وجعفر بن محمد)

○ یادرہے کہ یہ ہزار طلاقیں، سو طلاقیں یا اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالنا سخت گناہ کا کام ہے۔ اور اگر کوئی شخص غیر مشروع طریقے سے اکٹھی تین، یا تین سے زیادہ طلاقیں دیتا ہے تو اس کی بیوی تین طلاقوں سے جدا ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام بدعی طلاق ہے۔ نیز سو طلاق یا ہزار طلاق کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس نے سو یا ہزار طہروں میں طلاق دی ہو، یہ تو ایک لمحہ کی بات ہے۔

اُونٹ کے بوجھ جتنی طلاق کے متعلق فتویٰ

(۱۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے اُونٹ کے بوجھ جتنی طلاق ہے اس پر امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد پر حلال نہیں رہی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص۲۱)

ایک مجلس کی تین طلاقوں پر امام علیؓ کا فتویٰ

(۱۴) حضرت سلیمان بن مہران ابو محمد اسدی کوفی اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بابا رہتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میں نے امیر المومنین علیؓ سے یوں سُن رکھا ہے کہ: "جب کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت اسی طلاق دہندہ کو لوٹا دی جائے" یعنی ایسی طلاق کا کچھ اعتبار نہیں اور وہ ایک طلاق بھی نہیں ہوتی۔

○ یہ عجیب وغریب بات سُن کر کئی لوگ اس بوڑھے کے پاس آتے تھے اور اس کی یہ حیران کُن روایت کان لگا کر بڑے غور سے سنتے تھے

○ ایک دن میں بھی اس بوڑھے کے یہاں چلا گیا، تا کہ اس کی روایت کی کھوج لگاؤں اور دیکھوں کہ اس کی کچھ حقیقت بھی ہے یا مسلمانوں کے خلاف کوئی گہری سازش ہے، کیونکہ نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ تمام صحابہؓ کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ ایک مجلس تو کیا ایک کلمہ کے ساتھ یک

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بوڑھے سے دریافت کیا کہ کیا یہ مسئلہ تم نے خود امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے سُنا ہے یا ویسے ہی من گھڑت بات عوام میں مشہور کر رکھی ہے؟

اس بوڑھے نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا کہ: جی ہاں! یہ مسئلہ خود میں نے امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ: "جب کوئی مرد ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ تینوں طلاقیں ایک طلاق کی طرف لوٹائی جائیں۔ یعنی اس طلاق دہندہ کو رجوع کر کے اس عورت کو دوبارہ اپنے گھر بسانے کا اختیار ہے۔"

میں (اعمش) نے دریافت کیا کہ: کیا یہ بات خود اپنے کانوں سے تم نے امیرالمومنین سے سُنی ہے، یا کسی سے اُڑتی ہُوئی سُن کر آگے بیان کرنی شروع کر دی ہے؟

حضرت اعمشؒ کے اس سوال پر اس بوڑھے نے کہا کہ "امیرالمومنین کا یہ فرمان تو میرے پاس موجود ایک کتاب میں بھی لکھا ہُوا ہے، ذرا ٹھہرو تو میں وہ کتاب اندر سے لا کر آپ کو دکھاتا ہوں تاکہ آپ کو یقین آجائے۔ اور پھر اس بوڑھے نے وہ کتاب نکال کر حضرت اعمشؒ کو دکھائی۔ اور امیرالمومنین کا فرمان دکھایا، جس میں لکھا ہُوا تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ وہ حدیث ہے جو میں نے امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے سُن رکھی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: "جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس طلاق دہندہ مرد سے جُدا ہو گئی۔ اور اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔"

○ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ امیرالمومنینؓ کا یہ فرمان ذیشان پڑھ کر میں نے حضرت امیرالمومنین کی طرف جھوٹا فتویٰ منسوب کرنے والے اس بوڑھے کذاب سے کہا کہ: تو برباد ہو، یہ تحریر تو تیری اس بات کی مخالف ہے جو تو لوگوں کے سامنے بیان کرتا رہتا ہے۔

○ حضرت اعمشؒ نے جب اس انداز میں اس کی تحریر سے اس کے قول کو جھٹلا دیا، تو وہ اپنے جھوٹ کا اقرار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ: یہ بات تو ٹھیک ہے مگر یہ (رافضی) مجھ سے یہ الٹی بات کہلواتے ہیں۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا فتویٰ

۱۵ ایک شخص نے غیر مدخول بہا منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو اس کے متعلق سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابن عباس اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم یعنی ان تینوں نے فتویٰ دیا کہ وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۲۳)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا فتویٰ

۱۶ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس طرح طلاق دی کہ: "تجھے ایک طلاق ہے جیسے ہزار ہوں"۔ اس پر حضرت ام المومنینؓ نے فرمایا کہ وہ عورت اس مرد پر حلال نہیں رہی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۷۹)

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کا فتویٰ

۱۷ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو اُمّ المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲)

ننانوے طلاقوں پر سیدنا ابن مسعودؓ کا فتویٰ

۱۸ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاقیں دیدی تھیں۔ اس پر فقیہ اُمت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقیں تو عورت کو مرد سے جُدا کر دیتی ہیں اور باقی سب کی سب مرد کا اس عورت پر ظلم اور زیادتی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۵۵، بحوالہ عبدالرزاق بطریق ابراہیم بن علقمہ)

سو طلاقوں پر سیدنا ابن مسعودؓ کا فتویٰ

(۱۹) ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ سے اکٹھی سو طلاقیں دے کر قصہ تمام کر دیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے تو ایک مرتبہ ہی سو طلاق کا لفظ کہا ہے اس پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شرعی حکم کے مطابق فتوے دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت تو اُن سو میں سے صرف تین طلاقوں کے ساتھ ہی تجھ سے جُدا ہو گئی۔ اور باقی طلاقیں عورت پر تیرا ظلم اور زیادتی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۴۷ بحوالہ بیہقی بطریق اعمش عن مسروق)

تین طلاقوں پر سیدنا ابن عمرؓ کا فتویٰ

(۲۰) ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۵)

حیض کی حالت میں طلاق کے متعلق ابن عمرؓ کا فتویٰ

(۲۱) ایک شخص نے خلافِ شرع حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کو فتویٰ دیا کہ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی بھی تجھ سے جُدا ہو گئی ہے۔ (بیہقی ص ۳۳۶ ج ۷)

سیدنا عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما کا طلاقوں کے متعلق مدلل فتویٰ

(۲۲) صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۶ میں ہے کہ جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے طلاق کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو آپؓ فرمایا کرتے تھے:

اما انت ان طلقت امرأتک مرة او مرتین فان رسول الله صلی الله علیه وسلم امرنی بھذا وان کنت طلقتھا ثلاثا

فقد حرمت علیک حتیٰ تنکح زوجا غیرک وعصیت اللّٰہ فیما امرک من طلاق امرأتک. کہ اگر تو نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تب تو تجھے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا تھا، اور اگر تو نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، تو پھر وہ عورت تجھ پر حرام ہو چکی ہے، جب تک کہ وہ تیرے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے۔ اور اس طرح تین طلاقیں دے کر تو نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی جو نافرمانی کی ہے وہ مزید برآں۔

○ یاد رہے کہ اسلام میں طلاق دینے کا معروف طریقہ تو وہی ہے جو قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ طہر کی حالت میں طلاق دی جائے اور وہ بھی صرف ایک اور طہر بھی وہ کہ جس میں جماع نہ کیا ہو۔ لیکن کوئی ان شرعی قیود کا لحاظ کیے بغیر طلاق دے گا تو اس کا گناہ بھی ہوگا اور جتنی طلاقیں دے گا وہ سب کی سب نافذ ہو جائیں گی۔ کیونکہ جتنی احادیث اور آثار اس بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں آیا کہ بدعی طریقے سے اکٹھی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق سمجھنا چاہیے۔ بلکہ جہاں بھی آیا ہے وہ مطلق آیا ہے کہ خواہ کسی طریقہ سے کسی بھی موقع پر جو شخص تین طلاقیں دے ڈالے گا تو وہ عورت حرام ہو جائے گی، جبکہ ایک یا دو طلاقوں کی صورت میں رجوع یا تجدید نکاح کی سہولت موجود رہتی ہے۔ اور اس فرمان میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اس طلاق سے رجوع کا ذکر فرمایا ہے جو انھوں نے حیض کی حالت میں دی تھی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم فرمایا تھا، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سو طلاقوں کے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ

۳۳ ۔۔۔ حضرت سعید مقبریؒ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی

خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران ایک آدمی آیا، اور عرض کرنے لگا اے ابو عبدالرحمٰن (یعنی سیدنا عبداللہ بن عمرؓ) میں نے اپنی بیوی کو سو بار طلاق دے دی ہے۔ اب بتائیے کہ میرے بارے میں شرعی حکم کیا ہے، سیدنا ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تین طلاقوں کے ساتھ تو تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی، اور باقی ستانوے کے بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ سے محاسبہ اور باز پرس کرے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳)

ننانوے طلاقوں پر سیدنا ابن عمرؓ کا فتویٰ

(۲۴) حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ننانوے بار طلاق دی ہے، اب مجھے اس بارے میں شرعی حکم بتائیے۔ آپؓ نے پوچھا کہ دیگر صحابۂ کرامؓ نے کیا جواب دیا ہے؟ اس نے کہا کہ تمام صحابہؓ نے یہی فرمایا ہے کہ وہ عورت تجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ واللہ! انھوں نے تجھ پر شفقت کی ہے، ورنہ اصل بات تو یہ ہے کہ بیوی تو تجھ سے جدا ہو ہی گئی اور باقی طلاقیں زیادتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سزا دے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا فتویٰ

(۲۵) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک طلاق تو عورت کو مرد سے جدا کر دیتی ہے، مگر تین طلاقیں عورت کو مرد پر حرام کر دیتی ہیں، اور وہ مطلقہ بثلاث عورت اس طلاق دہندہ مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (موطا امام مالک ص ۲۰۷ و بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا فتویٰ

(۲۶) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مشہور تابعی حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے،

اسی دوران ایک آدمی نے آکر مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت عطاء بن یسارؒ نے فرمایا کہ باکرہ کو تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہی شمار کی جاتی ہے

○ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عطاء بن یسارؒ کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہو کر غصے کے ساتھ فرمایا

○ "تمہیں اس مسئلے کا علم نہیں، تم تو کوئی قصہ گو معلوم ہوتے ہو، اور تم مفتی تو ہو ہی نہیں۔" اس کے بعد شرع شریف کے مطابق آپؓ نے فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر باکرہ یعنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو ایک طلاق دی جائے تو وہ بائن یعنی جُدا ہو جاتی ہے، اور اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو اس مرد پر اس عورت کو ہمیشہ کے لیے حرام کر دیتی ہیں۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲)

سیدنا مغیرۃ بن شعبہ کا فتویٰ

(۲۷) ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں ایک ساتھ دے دی تھیں تو اس پر سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، ان سو میں سے تین طلاقوں کے ساتھ تو اس مرد پر وہ عورت حرام ہوگئی اور باقی ستانوے فضول ہیں۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۶)

سیدنا عُبادۃ بن الصامت کا فتویٰ

(۲۸) ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی ایک ہزار طلاقیں دے دیں تو سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کی تین طلاقیں تو نافذ ہوگئیں اور باقی نوسو ستانوے طلاقیں دینا اس کا ظلم اور زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵۳ بحوالہ طبرانی)

○ یاد رہے کہ اگر کوئی شخص ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے اور اس طرح سو طہروں میں ایک سو طلاقیں پوری کرنے کے بعد مسئلہ دریافت کرنے چلے

تو یہ ناممکن سی بات ہے۔ کیونکہ عام حالات میں سو طہروں کے لیے سو ماہ درکار ہیں جبکہ سو ماہ آٹھ سال چار ماہ میں پورے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص طلاق دینے کے عمل کو برابر آٹھ سال جاری رکھ سکے اور اتنے طویل عرصہ تک وہ عورت کو گھر بٹھائے رکھے۔ اسی طرح ہزار ماہ تقریباً ۸۳ سال میں پورے ہوتے ہیں۔ فافہم۔

سیدنا سعد بن مالک ابو سعید خدریؓ کا فتویٰ

۲۹ ایک شخص نے رخصتی سے پہلے ہی اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں، اس پر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲)

سیدنا عبد اللہ بن مغفلؓ کا فتویٰ

۳۰ ایک شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس پر سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۳)

○ یاد رہے کہ مذکورہ بالا روایات میں جمیعاً یا متفرقۃً کا لفظ گو موجود نہیں ہے لیکن دیگر متعدد روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو متفرقۃً یعنی الگ الگ تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے، تو طلاق والی ہے کہا جائے تو پہلی مرتبہ تو طلاق والی ہے یا تجھے طلاق دیتا ہوں کہنے سے وہ عورت جدا ہو جاتی ہے اور باقی طلاقیں لغو ہوتی ہیں اور ان دونوں کے درمیان پھر سے خطبہ اور نکاح جائز ہوتا ہے اور وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہوتی۔ لیکن مذکورہ بالا روایات میں صحابہ کرامؓ فتویٰ دیتے ہیں کہ تین طلاقوں کے بعد غیر مدخول بہا اس مرد پر حلال نہیں رہتی، تو یقیناً ان کا مطلب یہی ہے کہ اکٹھی ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ عورت اس مرد پر حلال نہیں رہتی۔

سیدنا ابو ھریرۃؓ کا فتویٰ

(۳۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو اس کے متعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک طلاق تو عورت کو مرد سے جُدا کر دیتی ہے جبکہ تین طلاقیں اس کو حرام کر دیتی ہیں، اور اس کے بعد وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (موطا امام مالک ص ۲۰۸ و بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵)

غیر مدخول بہا کے متعلق فتویٰ

(۳۲) سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے غیر مدخول بہا کے بارے میں دریافت کیا گیا، جس کے شوہر نے رخصتی سے پہلے ہی اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں' تو ان تینوں صحابہ کرامؓ نے یہی فتویٰ دیا کہ وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ کسی دُوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۶)

سیدنا عمران بن حصین کا فتویٰ

(۳۳) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص نے آکر آپ سے دریافت فرمایا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اب بتائیے کہ کیا کیا جائے۔ تو اس پر سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور اس کی بیوی بھی اس سے جُدا ہو گئی۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۲)

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کا فتویٰ

(۳۴) جس شخص نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پُوچھا تھا وہ شخص یہی مسئلہ لے کر سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہُوا کہ شاید وہ حضرت عمرانؓ کے خلاف فتویٰ دیں۔ مگر انھوں نے اس فتویٰ کی تائید فرمائی اور حضرت عمرانؓ کے حق میں دُعا بھی فرمائی۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۲)

سیدنا انس بن مالکؓ کا فتویٰ

(۴۰) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑجاتی ہیں (خواہ الگ الگ دی جائیں یا اکٹھی) اور عورت جُدا ہوجاتی ہے پھر اس کے لیے حلال نہیں رہتی۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۲ ص ۳۴)

امیرالمؤمنین سیدنا امام حسن بن علیؓ کا فعل

(۴۱) حضرت سوید بن غفلہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ بنت فضل خثعمیہؒ امیرالمؤمنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، تو جب امیرالمؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو حضرت عائشہ بنت فضلؒ نے سیدنا امام حسنؓ کو امامت کے عہدے پر سرفراز ہونے کی مُبارک بادی، تو سیدنا امام حسنؓ حضرت عائشہ بنت فضل سے کہنے لگے کہ آپ امیرالمؤمنین (سیدنا امام علیؓ) کے قتل ہونے پر خوشی منارہی ہیں 'اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا، جاؤ میں نے تمہیں تین طلاقیں دیں' سو اب ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اچانک پیش آیا اور یہ تینوں طلاقیں امیرالمؤمنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک ہی کلمہ میں دے دی تھیں، اور پھر باقی ماندہ مہر اور دس ہزار درہم بھی متعۂ طلاق کے طور پر انھیں دیے۔

○ حضرت امیرالمؤمنینؓ کی طرف سے یہ رقم ملنے پر حضرت عائشہ بنت فضلؒ نے فرمایا کہ طلاق دینے والے حبیب سے یہ متاعِ قلیل ملا ہے۔

○ امیرالمؤمنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب اپنی مطلقہ بثلاث بیوی حضرت عائشہ بنت فضل خثعمیہؒ کے یہ الفاظ سُنے تو رو پڑے۔ (جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہؒ نے مبارک باد دی تھی تو یہ بات امیرالمؤمنینؓ کو اس قدر نامناسب معلوم ہوئی کہ انھوں نے فوراً ایک سانس میں انت طالق ثلاثًا کے الفاظ ادا فرما کر اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، ورنہ اس طرح رونے کا کوئی مطلب نہ تھا) پھر

امیر المؤمنین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نے اپنے والد یا اپنے
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہ سُنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو الگ الگ
طہروں میں تین طلاقیں دے یا مبہم طریقے سے اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو
وہ طلاق دہندہ کے لیے حلال نہیں رہتی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ، تو میں ضرور
اس کی طرف رجوع کر لیتا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۶)

○ حضرت ابن رجبؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۰۰)

سیدنا زید بن ثابتؓ کا غیر مدخول بہا کی طلاق کے متعلق فتویٰ

۲۷ حضرت حکم بن عتیبہؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا امام علی، سیدنا ابن مسعود اور
سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے غیر مدخول بہا کو دی گئی تین طلاقوں کے
بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں
تب تو وہ عورت حلال نہیں رہتی، اور اگر الگ الگ کر کے دی جائیں تو پہلی
کے ساتھ وہ عورت جُدا ہو جائے گی اور بعد والی کوئی چیز نہیں۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۳۴)

غیر مدخول بہا کی طلاق کے متعلق صحابہؓ کا مشترکہ فتویٰ

۲۸ سیدنا عبد اللہ بن زبیر اور سیدنا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم اکٹھے تشریف فرما تھے کہ
حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیرؒ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا
کہ ایک بادیہ نشین نے دخول سے پہلے ہی اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی
ہیں تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس پر سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ

○ یہ مسئلہ سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے دریافت کریں، اور وہ
ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہیں۔ پھر حضرت
محمد بن ایاسؒ نے وہاں پہنچ کر سیدنا ابن عباسؓ سے مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے
سیدنا ابو ہریرہؓ سے اس کا جواب دینے کے لیے فرمایا، تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ:

○ ایک طلاق تو عورت کو جُدا کر دیتی ہے جبکہ اکٹھی تین طلاقیں حرام کر دیتی ہیں حتیٰ
تنکح زوجاً غیرہ۔ (موطا امام مالک ص ۲۰۸ و بیہقی ج ۷، ص ۳۵۵)

رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے

○ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہلاء ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بعد اپنا اُجڑا ہُوا گھر دوبارہ بسانے کے لیے کوئی نہ کوئی جواز کی صُورت تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

○ اسی دَوران بعض آزاد خیال علماء کی طرف سے انھیں حضرت طاؤس کی طرف منسوب ایک روایت دکھا کر رجوع کر لینے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت طاؤس نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص تمھیں یہ بتائے کہ طاؤسؒ تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی سمجھتے تھے تو اسے کہنا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵۵ بحوالہ ادب القضاء)

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت طاؤسؒ کی زندگی میں ہی ان پر یہ بہتان لگا دیا تھا کہ حضرت طاؤسؒ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ کو اصل بات بتلا دی' تاکہ کوئی شخص شریر لوگوں کی باتوں میں نہ آئے۔

○ حضرت طاؤسؒ کے اس وضاحتی بیان سے معلوم ہُوا کہ وہ تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے۔ اسی طرح سیدنا ابن عباسؓ کے دُوسرے تمام شاگردوں کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں مرد پر عورت کو حرام کر دیتی ہیں۔ چنانچہ

ایک لفظ کے ساتھ سو طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۳۹) حضرت ہارون بن عنترہ سے ان کے والد حضرت عنترہؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی صحبت میں بیٹھا ہُوا تھا کہ ایک آدمی آگیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک ہی لفظ کے ساتھ ایک سو طلاقیں دیدی ہیں' کیا وہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ مجھ سے جُدا ہو گئی ہے، یا وہ ایک ہی طلاق سمجھی جائے گی؟ اس پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے تو عورت تجھ سے جُدا ہو گئی اور باقی ۹۷ تجھ پر بوجھ ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳ ج ۵)

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۰) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ "تیرے چچا نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے"۔ اور پھر اُسے شرمندہ کیا اور کوئی گنجائش نہ دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱ و درمنثور ج ... ص ...)

سو طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۱) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی تھیں، تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ستانوے طلاقیں دے کر احکام الٰہی کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۲ و ۳۳۷)

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۲) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا ابن عباسؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں، تو آپؓ اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تو گنجائش رکھی تھی لیکن تُو نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہوگئی"۔ (ابوداؤد بسند صحیح ص ۳۰۶ و فتح الباری ج ... ص ... و بیہقی ج ۷، ص ۳۳۱ و درمنثور ...)

سو طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۳) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی سو طلاقیں دیدیں تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہوگئی۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۱ و ۳۳۷)

ہزار طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۴) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے ... تو ...

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تین طلاقوں نے تو تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا۔ اور باقی (نو سو ستانوے) تجھ پر بوجھ ہیں، کیونکہ تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۲)

تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۵) حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو آپؓ نے فرمایا کہ وہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۷)

ستاروں کی تعداد جتنی طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۶) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے آکر پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ستاروں کی تعداد جتنی طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ تجھے تو صرف جوزاء ستارے کا سرا ہی کافی تھا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۷)

تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۲۷) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت مالک بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، جب میں نے مسئلہ پوچھا تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے چچا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور پھر مجھے شرمندہ کیا اور فرمایا کہ تمہارے چچا نے شیطان کا کہا مانا اس لیے اب کوئی گنجائش نہیں۔

○ حضرت مالک بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ کیا میرے چچا کے لیے کوئی دوسرا شخص اس کی بیوی کا محلل بن سکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (بزعم خویش) دغا اور فریب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس دغا بازی کی سزا دے گا۔ (بیہقی ج ۷، ص ۳۳۷، بسند صحیح)

قبل از رخصتی تین طلاقوں سے متعلق فتویٰ

(78) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے یعنی باکرہ بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ میں اپنی اسی مطلقہ بیوی سے نکاح کرلوں، لہٰذا وہ اس بارے میں شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا تھا، تو میں بھی اس کے ساتھ ہولیا تاکہ اس کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مسئلہ دریافت کروں۔

○ پھر ہم نے سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ مسئلہ دریافت کیا تو ان دونوں نے فرمایا کہ ہم تجھے اس سے نکاح کرنے کی شرعاً اجازت نہیں دے سکتے۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ پھر اس شخص نے عرض کی کہ: "ابھی میں نے تو ایک مرتبہ ہی (تین طلاق کا لفظ) کہا تھا۔" تو اس کی اس وضاحت کا جواب دیتے ہوئے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: "جو کچھ فضل تیرے لیے تھا، وہ سب کا سب خود تو نے اپنے ہاتھ سے ہی چھوڑ دیا ہے تو بھلا اب کیا ہو سکتا ہے۔" (بیہقی ج۷، ص ۳۳۵و۳۳۸)

تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(79) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پہلے یعنی عہدِ جاہلیت میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ کوئی شخص جب بھی اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا تو وہ رجوع کا حق رکھتا تھا، اگرچہ تین طلاقیں ہی دے دی ہوں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے الطلاق مرتان (۲:۲۲۹) کے حکم نامے سے اس جاہلی عمل کو منسوخ کر دیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ رجوع کا حق دو طلاقوں تک ہی ہے، اور اس کے بعد رجوع کا کوئی حق نہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۳۷)

○ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے براہِ راست شاگردوں کے بعد اب ان کے بالواسطہ شاگردوں کی تین طلاقوں کے بارے میں روایات بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

قبل از رُخصتی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

○ **حضرت معاویہ بن ابی عیاش انصاریؒ** فرماتے ہیں کہ میں سیّدنا عبداللہ بن زبیر اور سیّدنا عاصم بن امیرالمؤمنین سیّدنا امام عمر رضی اللہ عنہم کی صحبت میں بیٹھا تھا' اسی دوران حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیرؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ اہلِ بادیہ میں سے ایک شخص نے دُخول سے پہلے ہی اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی ہیں' تو اس بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں ؟ سیّدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں ہم کوئی بات کہنا نہیں چاہتے اس لیے آپ اس مسئلہ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے استفسار فرمائیں۔ میں ان دونوں کو ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بیٹھا چھوڑ آیا ہوں۔

○ پھر حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیرؒ نے وہاں پہنچ کر اس مسئلہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو سیّدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیّدنا ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ اس بارے میں آپ فتویٰ صادر فرمائیں۔ چنانچہ:

○ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "ایک طلاق تو عورت کو مرد سے جُدا کر دیتی ہے۔ لیکن تین طلاقیں عورت کو مرد پر حرام کر دیتی ہیں، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہٗ"۔

○ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ سُن کر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس فتویٰ کی تائید کرتے ہُوئے فرمایا کہ "یہ مسئلہ اسی طرح ہے"۔ (مؤطا امام مالک ص ۲۰۸ و درمنثور ج ۲ ص ۶۶۶ و بیہقی ج ۷ ص ۳۵۵)

تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

○ **حضرت علی بن ابی طلحہؒ** نے سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مُرسلاً روایت نقل فرمائی ہے کہ (متفرق یعنی الگ الگ ہوں یا ایک ساتھ اکٹھی ہوں' ہر حال میں) تین طلاقوں کے بعد مرد پر عورت حلال نہیں رہتی۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۵۱)

قبل از رخصتی تین طلاقوں کے متعلق فتویٰ

(۶۲) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عامر بن شراحیل شعبیؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی منکوحہ کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ "اس شخص کے ہاتھ میں طلاقوں کی گٹھری تھی، جسے اس نے ایک دم کھول دیا۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

خلاصہ یہ کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نو بلاواسطہ شاگردانِ گرامی

(۱) حضرت عنترہ (۲) حضرت عطاء بن رباح (۳) حضرت مجاہد بن جبیرؒ (۴) حضرت سعید بن جبیر (۵) حضرت عمرو بن دینار (۶) حضرت مالک بن حارثؒ (۷) حضرت محمد بن ایاس بن ابی بکیر (۸) حضرت عکرمہ ابوعبداللہ بربریؒ (۹) حضرت عامر بن شراحیل شعبی۔ اور دو بالواسطہ (۱۰) حضرت معاویہ بن ابی عیاش انصاری۔ اور (۱۱) حضرت علی بن طلحہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ عمزادۂ رسول اللہ ﷺ راس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اکٹھی تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے۔

○ نیز سیدنا ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا شاگردوں کے علاوہ (۱۲) حضرت طاؤس بن کیسان ابوعبدالرحمٰن فارسی یمنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی تھا، جیسا کہ قبل ازیں حضرت حسین بن علی کرابیسیؒ کی کتاب "ادب القضاء" کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حضرت طاؤس نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤس ابومحمد یمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنے کی نسبت میری طرف کی جائے تو راوی کی تکذیب کرنا۔

○ نیز حضرت عطاء بن ابی رباح سے ابن جریجؒ نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے یہ سنا ہے کہ "بچہ" کو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ تو حضرت عطاء نے نفی میں جواب دیا۔ پھر ابن جریجؒ نے فرمایا کہ حضرت عطاء دوسروں کی نسبت ابن عباسؓ کو زیادہ جانتے ہیں۔ (المحلی ۱۱۱)

طاؤسؒ کی روایت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایات متواترہ کے برعکس سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت طاؤس بن کیسان ابو عبدالرحمٰن الفارسی ثم الیمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ایک روایت صحیح مسلم ص ۴۷۷ میں ہے۔ کان الطلاق علی عھد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ طلاق الثلاث واحدۃ۔ یعنی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شروع کے دو یا تین سال تک تین طلاقیں ایک کبھی جاتی تھیں۔

- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دس شاگردوں اور خود حضرت طاؤسؒ کے اپنے مسلک کے بظاہر خلاف حضرت طاؤسؒ ہی سے مروی اس روایت میں مطلق تین طلاقوں کا ذکر ہے کہ ان ادوار میں تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔
- لیکن تین طلاقوں کو ایک طلاق کون سمجھتا تھا، اس روایت میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں، اور نہ ہی اس بات کی کوئی وضاحت ہے کہ اکٹھی تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا یا ایک مجلس کی الگ الگ تین طلاقوں کو بھی ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس روایت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ تین طہروں میں ایک ایک کر کے یہ صحیح شرعی طریقے سے دی ہوئی تین طلاقوں کو بھی ایک طلاق ہی سمجھا جاتا ہوگا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔

روایتِ طاؤسؒ کا اصل مطلب

حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دراصل سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات سُنی تھی کہ دورِ جاہلیت میں لوگ بار بار طلاق دے کر رجوع کرلیا کرتے تھے، اور پھر یہی جاہلی طریقہ مسلمانوں کے یہاں بھی جاری رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی طریقہ کو منسوخ کرکے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (۲۲۹:۲)

کا حکم نازل فرمایا۔ جس میں مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ طلاق دینے کے بعد صرف دو مرتبہ رجوع کیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص تیسری بار بھی طلاق دے ڈالے گا تو اب اسے رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔ اور وہ عورت طلاق دینے والے پر حرام ہو جاتی ہے' اور جب تک وہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کر کے ہمبستری نہ کر لے اس وقت تک وہ عورت طلاق دینے والے مرد کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم محض اس لیے دیا تھا کہ لوگ طلاق دینے کے عمل کو بار بار نہ دُھرائیں۔

○ اور اگر کوئی شخص طلاق دینا بہت زیادہ ضروری سمجھے تو صرف ایک مرتبہ طلاق دے۔ پھر اگر صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو رجوع کر سکتا ہے۔

○ اور اگر کوئی شخص دوبارہ طلاق دے بیٹھے تو پھر بھی رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن یہ طلاق دینا اور رجوع کر لینا کوئی کھیل تماشا نہیں، اگر کوئی شخص تیسری بار پھر طلاق دے گا تو اسے رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔

○ اب رہا یہ کہ اگر کوئی شخص ایک ساتھ اکٹھی ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی کلمہ میں تینوں طلاقیں دے ڈالے تو پھر بھی وہ عورت اس مرد پہ حرام ہو جاتی ہے یا نہیں ؛ تو اس سلسلے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی کے فیصلوں اور فتووں کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی ایک ساتھ تینوں طلاقیں دے ڈالے تو پھر بھی وہ عورت اس مرد پہ حرام ہو جاتی ہے۔

○ لیکن یہ حکمِ الٰہی تمام صحابۂ کرام اور دُوسرے مسلمانوں تک کما حقہٗ پہنچ نہ سکا، کیونکہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابۂ کرام سب کے سب اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ کے دائرے میں داخل ہونے کے باوجود تمام شرعی احکام کے عالم نہیں تھے' یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرام ایک دُوسرے سے دینی مسائل پُوچھتے رہتے تھے۔

- ایسے صحابۂ کرام کی تعداد بہت زیادہ ہے جنھوں نے صحبتِ نبویؐ کا شرف تو ضرور حاصل کیا ہے لیکن براہِ راست حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے شرعی احکام سیکھنے کا انھیں موقع نہیں مل سکا۔ جبکہ صحابۂ کرام میں سے ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جنھوں نے صحبتِ نبویؐ میں رہ کر قرآنی تعلیم حاصل کی۔ تاہم بہت سے مسائل ایسے بھی تھے جو کسی کو معلوم ہوتے اور کسی سے مخفی رہے۔ اور جب کسی کو ایسے مسائل سے سابقہ پڑتا تو وہ ایسے صحابۂ کرام سے اس کا شرعی حکم دریافت فرمالیا کرتے تھے جنھیں ہمیشہ صحبتِ نبویؐ میں حاضر باش رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔
- اور یہ زیرِ بحث مسئلہ بھی انھی مسائل میں شامل ہے جو تمام صحابۂ کرام نہیں جانتے تھے، اور بہت سے مسلمانوں پر یہ مسئلہ مخفی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبویؐ میں بعض صحابۂ کرام طلاق دینے میں عجلت سے کام لیتے رہے۔ مثلاً:
- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا منع ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں ہی طلاق دے دی، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجوع کرنے کا حکم دیا۔
- سیدنا حفص بن عمرو بن المغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنتِ قیسؓ کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں' حالانکہ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو نافذ فرمایا۔
- سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد اکٹھی تین طلاقیں دیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین ہی قرار دیا۔
- سیدنا رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بتّہ طلاق کو بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کے قائم مقام قرار دیا۔ اور فرمایا کہ یہ عورت رفاعہ کے لیے حلال نہیں رہی' جب تک کہ دوسرا مرد اس سے لطف اندوز نہ ہو لے۔

- امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت و امامت میں جب خلافِ شریع بدعی طلاق دینے کے واقعات کثرت سے سامنے آنے لگے، اور لوگوں نے حضرت امیر المومنینؓ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور ان پر یہ بات بتلائی گئی کہ طلاق کے بارے میں لوگ ابھی تک جاہلانہ طریقہ اختیار کیے ہوئے ہیں، ایک وقت میں اکٹھی تین طلاقیں تو کیا' بعض تو سو طلاقیں، بلکہ ہزار' اور اس سے بھی زیادہ ستاروں کی تعداد میں طلاقیں دیکر بھی کہتے ہیں کہ یہ قابلِ رجوع ایک رجعی طلاق ہے، کیونکہ عام طور پر متعدد طلاقیں دے کر رجوع کر لینے والوں کا موقف یہ ہوتا ہے کہ ہم نے تو ایک ہی کلمہ میں بیک زبان طلاقیں دی ہیں' اس لیے ان طلاقوں کو ایک طلاق ہی تصور کرتے ہوئے رجوع کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ:
- امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے بڑے بڑے اور جلیل القدر فقیہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور سب کے سامنے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے شرعی حکم کی تشریح کرتے ہوئے اس مسئلہ کی وضاحت فرمادی۔
- حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بیٹے کے سامنے دراصل اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عہدِ نبویؐ، عہد صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو تین سال تک "طلاق دینے کا شرعی طریقہ" معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی سمجھا جاتا تھا، تب امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر فقیہ صحابۂ کرامؓ کو جمع کرکے ان سے فرمایا کہ لوگوں نے شرعی حکم معلوم کیے بغیر طلاق دینے کا غلط طریقہ جاری کر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف جلد بازی سے کام لیتے ہوئے ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی

طہر میں اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے گا، یا حیض کی حالت میں طلاق دے گا یا ایسے طہر میں طلاق دے گا جس میں جماع کر چکا ہو' یا حاملہ کو طلاق دے گا تو ہم بھی اس پر حکمِ الٰہی کے مطابق وہی حکم جاری کریں گے۔ یعنی اس نے جس حالت میں اور جتنی طلاقیں دی ہیں وہ سب اس پر نافذ کریں گے۔ تو اس حکمِ عام کو سُن کر تمام موجود صحابۂ کرامؓ نے اس کی تائید فرمائی۔

○ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت کا اصل مطلب یہی ہے۔ اور انھوں نے در اصل یہی واقعہ بیان فرمایا ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے کس طرح اور کن حالات میں قرآن مجید کے حکمِ الٰہی کے نفاذ کے لیے بڑے بڑے جلیل القدر فقیہ صحابۂ کرام کی مجلس میں اعلان کیا کہ عہدِ نبوی' عہدِ صدیقی اور خود میرے عہدِ خلافت میں اب تک جو لوگ قرآن مجید کے اس حکمِ الٰہی سے ناواقفیت کی وجہ سے تین طلاقوں کو بھی ایک طلاق کی طرح قابلِ رجوع سمجھتے ہوئے ایک ہی مجلس میں اکٹھی، یا متفرق تین طلاقیں دے کر اسے ایک رجعی طلاق سمجھتے ہیں تو یہ اُن کی سراسر غلطی اور لاعلمی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرت طاؤسؒ کی مذکورہ بالا روایت کے متعلق بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید حضرت طاؤس نے یہ فرمایا ہے کہ "ایک مجلس کی متفرق یا اکٹھی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق سمجھنا چاہیے۔"

○ اور یہ غلط فہمی خود حضرت طاؤسؒ کی زندگی میں ہی بعض لوگوں کو ہوگئی' اور جب حضرت طاؤسؒ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا تو انھوں نے اِس کی تردید فرمائی اور اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ جو لوگ یہ کہیں کہ طاؤسؒ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتا ہے، تو تم اس کی تکذیب کر دینا، کیونکہ میرا مطلب تو اس روایت سے ہرگز یہ نہیں تھا جو بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔

روایتِ طاؤسؒ کو بخاریؒ کے نظر انداز کرنے کی وجہ

حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کو حضرت امام مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد ابو الحسین قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے مجموعۂ احادیث صحیح مسلم میں بیان فرمایا ہے، لیکن بعض آزاد خیال لوگوں نے اس سے غلط مطلب مراد لے کر وہی کچھ کر دکھایا جس کا خطرہ حضرت طاؤسؒ نے محسوس کر کے اپنے بیٹے کو متنبہ فرما دیا تھا کہ جو شخص یہ کہے کہ طاؤس تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دیتا تھا تو اس کی تکذیب کر دینا۔ اور ممکن ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے محض اسی خطرہ کے پیشِ نظر حضرت طاؤس کی اس روایت کو نظر انداز کر دیا ہو کہ بعض جہلا اور آزاد خیال لوگ اس سے غلط مطلب لے کر تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق سمجھنا شروع کر دیں گے لیکن حضرت امام بخاریؒ کا اس روایت کو نظر انداز کرنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

○ یہ تو تھی اس روایت کی وہ توجیہ جو ہمارے نزدیک انسب و اصح ہے۔ اور اب دیگر علماء کی توجیہات بھی آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ:

توجیہ ۱: اس حدیث میں غیر مدخول بہا کا حکم ہے

حضرت محدث امام احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دراصل حضرت طاؤسؒ کی روایت میں جن تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دینے کی بات کی گئی ہے وہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ کر کے طلاقیں دینے کے متعلق ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو رخصتی سے پہلے ہی اَنْتِ طَالِقٌ. اَنْتِ طَالِقٌ. اَنْتِ طَالِقٌ یا اردو میں کہے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔ تو اس طرح پہلی ایک طلاق تو واقع ہو گی، لیکن بعد والی دو طلاقیں واقع نہ ہوں گی، کیونکہ غیر مدخول بہا تو صرف ایک طلاق سے ہی بائن ہو جاتی ہے، اور اس کی عدت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ ایک طلاق سے ہی اجنبیہ ہو جاتی ہے، اور کسی اجنبیہ پر طلاق کا کوئی اثر

نہیں ہوتا، خواہ وہ گنتی کرکے سو یا ہزار طلاقیں ہی کیوں نہ دے ڈالے،

○ البتہ اگر کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی یکدم أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یا اُردو میں یہ کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں۔ تو اس صورت میں ایک رجعی طلاق نہیں بلکہ ایک دم تینوں طلاقیں ہی واقع ہوجاتی ہیں۔ اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام نسائی نے سنن نسائی ج ۲ ص ۱۰۰ میں باب طلاق الثلاث المتفرقۃ قبل الدخول بالزوجۃ۔ یعنی اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے الگ الگ کرکے تین طلاقیں دینے سے متعلق ایک مستقل باب قائم کرکے حضرت طاؤس کی روایت نقل فرمائی ہے؛ عن ابن طاؤس عن ابیہ ان ابا الصھباء جاء الی ابن عباس فقال: یا ابن عباس! الم تعلم ان الثلاث کانت علی عھد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وصدرا من خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ ترد الی الواحدۃ؟ قال: نعم! یعنی حضرت عبداللہ بن طاؤس ابو محمد یمانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت طاؤس بن کیسان ابو عبدالرحمٰن فارسی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حضرت ابو الصہباءؒ تشریف لائے، اور عرض کیا کہ: اے ابن عباس! کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں تین طلاقوں کو ایک کی طرف لوٹایا جاتا تھا؟ تو اس پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: جی ہاں، اسی طرح ہوا کرتا تھا۔

○ حضرت امام نسائیؒ اس ترجمۃ الباب کے تحت یہ حدیث بیان فرماکر دراصل بتانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث میں الثلاث سے مراد وہ تین طلاقیں ہیں جو غیر مدخول بہا منکوحہ کو الگ الگ کرکے دی جائیں۔ مثلاً:

- کوئی شخص رُخصتی سے پہلے ہی اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو کہے کہ "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔"
- تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ پہلی بار طلاق کا لفظ کہتے ہی نکاح ختم ہوگیا اور وہ عورت اجنبیہ ہوگئی، جس کی عدّت بھی نہیں ہے۔
- اور عدّت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جونہی طلاق دینے والے نے اپنے مُنہ سے "تجھے طلاق ہے" کا لفظ نکالا تو اُسی وقت وہ عورت کسی دُوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے۔ اور طلاق دینے والے مرد کو اس عورت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رہتا، وہ اس کے لیے اجنبی ہوگئی۔ اِس لیے اب دُوسری اور تیسری طلاق بھی اگر دے ڈالے تو اس اجنبیہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اس لیے غیر مدخول بہا کو دی ہُوئی مُتفرق اور الگ الگ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا ہے۔
- یاد رہے کہ صحیح مسلم ص ۴۷۸ پر اسی روایت میں تردالی الواحدۃ کی جگہ تجعل واحدۃ کے الفاظ آئے ہیں، اور مطلب دونوں کا ایک ہے۔
- حضرت امام نسائیؒ کی یہ توجیہ حضرت شعبیؒ کی سیدنا ابن عباسؓ سے مروی اس روایت کے موافق ہے جس میں آتا ہے کہ "دخول سے پہلے اپنی منکوحہ کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دینے والے شخص کے بارے میں سیّدنا ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ اس کے ہاتھ میں طلاقوں کی ایک گٹھڑی تھی، جو اس شخص نے ایک دم کھول دی تھی۔ اور جب الگ الگ کرکے طلاقیں دی جاتیں تو اس طرح نہ ہوتا۔
- حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ الگ الگ کرکے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ. اَنْتِ طَالِقٌ. اَنْتِ طَالِقٌ. یا اردو میں تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے کے الفاظ تین بار کہے۔ اور اس صورت میں پہلی بار اَنْتِ طَالِقٌ یا تجھے طلاق ہے کا لفظ کہنے سے ایک طلاق واقع

ہوکر عورت جُدا ہوجائے گی اور بعد والی دو طلاقیں کوئی چیز نہیں۔ نیز:

حضرت امام شافعیؒ نے کتاب اختلاف العراقیین میں تحریر فرمایا ہے کہ جو آدمی غیر مدخول بہا کو اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ، اَنْتِ طَالِقٌ کہے تو پہلی طلاق واقع ہوگی اور باقی دو واقع نہ ہوں گی۔ (بیہقی ج ۷، ص ۳۵۵)

توجیہ ۲: یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی دیگر روایات کے خلاف ہے

حضرت حافظ ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہے جن میں امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ کا باہم اختلاف ہے۔ یعنی مسلمؒ نے اخراج کیا اور بخاریؒ نے اسے خارج کردیا۔

اس کے بعد حضرت امام بیہقیؒ نے تحریر فرمایا: "میرا خیال ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت طاؤسؒ سے مروی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت محض اس لیے چھوڑ دی ہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی دوسری تمام روایات کے مخالف ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳۷)

توجیہ ۳: حضرت طاؤسؒ کی یہ روایت شاذ ہے

زیر بحث یہ روایت کہ عہد نبویؐ، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں ابتدائی دو تین سال تک تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا، حضرت طاؤسؒ کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے باقی شاگردانِ گرامی میں سے کوئی ایک بھی بیان نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس سیدنا ابن عباسؓ کے آٹھ، بلکہ دس شاگردوں کی روایات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بھی دیگر جلیل القدر فقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح الگ الگ یا اکٹھی ایک ہی جملے میں دی ہوئی تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے۔ تو اس وجہ سے حضرت طاؤسؒ کی یہ روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے "شاذ" ہوگی، کیونکہ حضرت طاؤسؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ ثقہ ہیں۔ جبکہ

شاذ کی تعریف یہ ہے کہ "کوئی ثقہ راوی، ضبط و حفظ میں اپنے سے بڑے ثقہ راوی کے مخالف روایت بیان کرے"۔ حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ "اصطلاحاً" شاذ" کی معتمد علیہ تعریف یہی ہے۔ (نخبۃ الفکر ص ۴۰) مزید

قانون ہے کہ "جب کوئی ثقہ راوی، ان راویوں کے مخالف روایت بیان کرے جو حفظ میں، ضبط میں، تعداد میں یا اور کسی بات میں اس سے اولیٰ ہوں، تو ایسے ثقہ راوی کی روایت کو "شاذ" کہتے ہیں۔ جبکہ "شاذ" کے خلاف دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کو "محفوظ" کہا جاتا ہے۔ (نخبۃ الفکر ص ۳۹ و ۴۰) نیز

قانون ہے کہ: "محفوظ" روایت "راجح" اور "شاذ" روایت "مرجوح" ہوتی ہے۔ یعنی اگر شاذ روایت کے خلاف محفوظ روایت موجود ہو تو شاذ کو چھوڑ کر محفوظ روایت پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ:

قانون ہے کہ "شاذ میں خطأ کا احتمال ہے، جبکہ محفوظ روایت میں غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ خطأ سے محفوظ ہوگی۔ (نخبۃ الفکر مع حاشیہ ص ۳۹)

- اب چونکہ حضرت طاؤسؒ ثقہ راوی ہیں، اور ان کی زیر بحث یہ روایت بظاہر ان متعدد روایات کے مخالف ہے جو حضرت طاؤس کی نسبت حفظ و ضبط اور تعداد وغیرہ میں اولیٰ ہیں، اس لیے حضرت طاؤسؒ کی اس روایت کو کئی علماء نے شاذ بتلا کر ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔ مثلاً:
- حضرت حافظ جوزجانیؒ نے فرمایا کہ: حضرت طاؤسؒ کی یہ حدیث "شاذ" ہے۔
- نیز آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ: میں مدت دراز تک اس حدیث کی اصل تلاش کرنے میں سرگرداں رہا، لیکن مجھے اس کی اصل کہیں نہیں ملی۔ لہذا حضرت طاؤسؒ سے مروی یہ حدیث ناقابل استدلال ہے۔ (اعلاء السنن ۱۱/ ۱۹۳)
- حضرت حافظ ابن عبدالبر مکیؒ نے فرمایا کہ: حضرت طاؤسؒ نے اس حدیث میں دوسرے تمام راویوں سے شذوذ اختیار فرمایا ہے اور کوئی ایک راوی بھی اس کے متابع نہیں بلکہ سب کے سب اس کے خلاف روایت کرتے ہیں

○ حضرت علامہ ابنِ رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ تکرارِ طلاق کے تمام علماء کرام حضرت طاؤس کی اس روایت کا انکار کرتے ہیں، جس میں وہ متفرد ہیں؛ اور یہ روایت حضرت طاؤسؒ کے شاذ اقوال میں سے ہے۔

○ حضرت ایوب سختیانیؒ حضرت طاؤس کی کثرتِ خطأ پر تعجب فرمایا کرتے تھے۔ (احکام القرآن جصاص)

○ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ابنِ منصور کی روایت میں فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ کے تمام شاگردوں کی روایت حضرت طاؤسؒ کے خلاف ہے۔

○ حضرت محدث ابن عبد الہادیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

○ حضرت محدث ابن ترکمانیؒ نے فرمایا کہ حضرت طاؤسؒ جو فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت ابو الصہباء مولیٰ ابنِ عباسؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت فرمائی تھی، تو حضرت ابن عباسؓ سے ان کا یہ روایت نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرے تمام ثقہ راوی اس کے خلاف روایت نقل کرتے ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بھی ہو تو حضرت ابنِ عباسؓ کی یہ بات ان بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ پر حجت نہیں ہوسکتی جو کہ حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ بڑے عالم ہیں، مثلاً: ○ امیر المومنین سیدنا امام عمر، ○ امیر المومنین سیدنا امام عثمان، ○ امیر المومنین سیدنا امام علی، ○ سیدنا عبد اللہ بن عمر، ○ سیدنا ابن مسعود؛ اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

توجیہ۴: حضرت طاؤسؒ کی روایت منکر ہے

اگر کوئی غیر ثقہ یا ضعیف راوی کسی ثقہ راوی کے خلاف روایت بیان کرے تو اسے محدثین کرامؒ کی اصطلاح میں "منکر" کہا جاتا ہے، جو مردود ہے، اور ایسی منکر و مردود روایت سے استدلال کرنا جائز نہیں؛ خصوصاً جب معاملہ حلال و حرام کا ہو تو منکر روایت پر عمل کرنا حرام ہے۔

○ اور منکر روایت کے مقابلے میں ثقہ راوی کی روایت کو محدثین کی اصطلاح میں معروف کہا جاتا ہے۔ اور معروف روایت قابل استدلال ہوتی ہے۔

○ اب چونکہ حضرت طاؤسؒ پختہ اور ثقہ راوی ہیں، اور ان کی زیر بحث روایت جس میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھے جانے کی بات بتلائی گئی ہے تو جن علماء کے نزدیک یہ بات خلاف واقعہ ہے اور وہ اس روایت کو ان سے بڑے راویوں کی روایات کے خلاف سمجھتے ہیں تو وہ بھی حضرت طاؤس کی اس روایت کو زیادہ سے زیادہ شاذ ہی کہہ سکتے ہیں، لیکن منکر کہنا مناسب نہیں۔ جبکہ یہ حدیث صحیح ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

○ اور جو علماء "شاذ" پر "منکر" کا اطلاق کرکے شاذ اور منکر دونوں کو برابر اور مساوی قرار دیتے ہیں تو وہ محدثین کی اصطلاحات سے غافل ہیں، جیسا کہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نخبۃ الفکر میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

○ بایں ہمہ کئی علماء کرام حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیر بحث اس روایت کو منکر روایات میں شمار کرتے ہیں۔ مثلاً:

○ حضرت قاضی اسماعیلؒ نے احکام القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت طاؤسؒ صاحب فضل وصلاح ہونے کے باوجود منکر حدیثیں بیان کرتے ہیں اور انہی منکرات میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ (اعلاء السنن ص۲۶۵/۱۱)

○ حضرت علامہ کرابیسیؒ نے ادب القضاء میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت طاؤسؒ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے بہت سی منکر روایات بیان فرماتے ہیں۔

○ نیز آپ نے مزید فرمایا کہ ہمارا خیال ہے کہ واللہ اعلم حضرت طاؤسؒ نے یہ منکرات شاید حضرت عکرمہؒ سے لی ہیں، کیونکہ سعید بن المسیبؒ عطاءؒ اور ایک جماعت ان سے کتراتی تھی اور حضرت عکرمہؒ حضرت طاؤسؒ کے پاس آتے تھے۔ عموماً ابن عباسؓ کی روایات طاؤسؒ نے عکرمہؒ سے لی ہیں۔ (غایۃ السعایہ ص۳۶۳)

توجیہ ۵: طاؤسؒ مدلس ہیں اور عن سے روایت کرتے ہیں

حضرت محدث حسین بن علی کرابیسیؒ نے حضرت طاؤس بن کیسان فارسیؒ کو مدلسین میں شمار کیا ہے۔ اور اپنے اس دعوی کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ:

○ حضرت طاؤسؒ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بے شک بہت کثیر علم حاصل کیا ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت طاؤس بن کیسانؒ سیدنا ابن عباسؓ سے کئی روایتیں مرسلاً بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔ نیز:

○ حضرت طاؤسؒ نے کئی احادیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت فرمائی ہیں۔ مگر مشہور محدث و نقاد حضرت یحیٰی بن معینؒ فرماتے ہیں کہ: میں نہیں سمجھتا کہ انھوں نے ام المومنین سے کچھ سنا ہو۔ نیز:

○ حضرت محدث سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ حضرت طاؤسؒ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ سنا ہو۔" (دیکھیے: طبقات المدلسین لابن حجر عسقلانیؒ ص ۵)

○ اب چونکہ حضرت طاؤس بن کیسان ابوعبدالرحمٰن فارسی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ ثقہ اور پختہ ہونے کے باوجود مدلس ہیں اور عن کا لفظ بول کر روایت کرتے ہیں، اور زیر بحث روایت بھی انھوں نے عن کے ساتھ ہی بیان کی ہے۔ اس لیے ان کی یہ روایت غیر معتبر سمجھی جائے گی، کیونکہ اصول حدیث کا قانون ہے کہ اگر کوئی مدلس "عن" کے ساتھ روایت حدیث کرے تو وہ معتبر نہ ہوگی؛ جب تک کہ وہ اپنی روایت میں حدثنا یا حدثنی کا لفظ نہ کہے۔

○ اور چونکہ زیر بحث روایت بھی انھوں نے عن کے ساتھ بیان فرمائی ہے اس لیے اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں، اور نہ ہی یہ قابل استدلال ہے۔

توجیہ ۶: اس روایت میں حضرت طاؤسؒ کو وہم ہوا

حضرت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ حضرت طاؤسؒ کی روایت غلط اور ان کا وہم ہے۔ اور کسی نے اسے قبول نہیں کیا۔

توجیہ: حضرت طاؤسؒ کی یہ روایت مضطرب ہے

حضرت طاؤس سے مروی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت سنداً و متناً ہر دو لحاظ سے مضطرب اور ناقابلِ استدلال ہے۔ کیونکہ:

1. کہیں تو آتا ہے: طاؤس عن ابن عباس (مسلم ص ۴۷۷ ومستدرک حاکم ج۲ ص ۱۹۶)
   - کہیں آتا ہے: طاؤس ان ابا الصہباء عن ابن عباس (مسلم ص ۴۷۸ ج۱)
   - کہیں آتا ہے: عن ابی الجوزاء عن ابن عباس (مستدرک حاکم ج۲ ص ۱۹۶)
2. اسی طرح ایک روایت میں ہے: سنتین من خلافۃ عمر (مستدرک حاکم ج۲ ص ۱۹۶)
   - جبکہ ایک روایت میں آتا ہے: ثلاثًا من خلافۃ عمر (نووی برمسلم ص ۴۷۸)
3. اسی طرح ایک روایت میں ہے: امضاہ (مستدرک حاکم ج۲ ص ۱۹۶)
   - جبکہ دُوسری جگہ امضاہ کی بجائے اجازہ آتا ہے۔ (مسلم ص ۴۷۸)
4. اسی طرح ایک روایت میں تو جملہ خبریہ ہے: طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم ص ۴۷۷)
   - جبکہ ایک جگہ اِستفہامِ اقراری کے طور پر جملہ استفہامیہ انشائیہ ہے (مسلم ص ۴۷۸)
   - اور ایک جگہ حضرت ابن عباسؓ کو ابو الصہباء استفہامِ انکاری کے طور میں اِطلاع دے رہے ہیں، جس کی تصدیق حضرت ابن عباسؓ نے فرمائی
   - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ان دونوں کے درمیان کچھ اور گفتگو ہو رہی ہوگی، جس پر ابو الصہباء نے بطور الزام کے کہا: الم تعلم...
5. اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے: ھات ھناتک (مسلم ص ۴۷۸)
   - جبکہ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ موجود ہی نہیں (مسلم ص ۴۷۸)
6. اسی طرح ایک جگہ تو آتا ہے: الم یکن طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم ص ۴۷۸)
   - جبکہ دوسری جگہ ہے: اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدۃ (ابوداؤد ص ۲۹۹ ج۱)
   - کسی میں آتا ہے: الم تعلم ان الطلاق الثلاث کان علی عہد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وصدرًا من خلافۃ عمر واحدۃ (ابوداؤد ص ۲۹۹)
   - کسی میں آتا ہے: اما علمت الرجل کان اذا طلق امرأتہ ثلاثًا

قبل ان یدخل بہا جعلوھا واحدۃ (سنن ابی داؤد ص ۳۰۶) اور کسی روایت میں آتا ہے: یردون الی واحدۃ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶)

○ جبکہ یردون الی واحدۃ والی روایت کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے،

○ جس کے بارے میں نقاد محدثین کی آراء سطور ذیل میں درج کی جاتی ہیں، جس کا نام عبداللہ بن مؤمل بن وہب مخزومی مکی (متوفی سنہ ۱۶۰ھ) ہے۔

عبداللہ بن مؤمل

○ حضرت امام ابوعبداللہ حاکم فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مؤمل سئ الحفظ ہے۔

○ حضرت امام علی بن جنید فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث کے مشابہ ہے۔

○ حضرت امام ابوزرعہ اور حضرت امام ابوحاتم کے نزدیک یہ قوی نہیں۔

○ حضرت امام نسائی، امام دارقطنی اور ابن معین کے نزدیک ابن مؤمل ضعیف ہے۔

○ حضرت امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابن مؤمل کی حدیث پر ضعف ظاہر ہے۔

○ حضرت امام ابوداؤد سجستانی کے نزدیک عبداللہ بن مؤمل متروک الحدیث ہے۔

○ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مؤمل کی احادیث منکر ہیں۔

○ اس لیے زیر بحث یہ حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال قرار دی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں جب بھی کسی نے بدعی طریقے سے ایک ہی مجلس میں اکٹھی یا متفرق تین طلاقیں دیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اور ان کی وفات کے بعد صحابۂ کرامؓ میں سے کسی نے اسے ایک رجعی طلاق قرار نہیں دیا، البتہ

○ حضرت طاؤس سے مروی سیدنا ابن عباسؓ کی زیر بحث روایت سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تین طلاقوں پر ایک کا اطلاق کیا جاتا تھا، لیکن یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ: ① اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ اس دور میں نادانی اور جہالت کی وجہ سے لوگ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا کرتے تھے، ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو ان میں سے صرف پہلی ایک طلاق واقع ہوگی۔ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے۔

فائدہ: کتاب الوثائق میں ابوجعفر احمد بن محمد بن مغیث الطلیطلی (م ۴۵۹ھ) نے حضرت محدث محمد بن وضاح بن بزیع ابو عبداللہ مروانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ امیرالمومنین سیدنا امام علی، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تھے۔ حالانکہ ان کی یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ:

○ امیرالمومنین سیدنا امام علی اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے فتوے قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا سراسر بے بنیاد ہے کہ یہ حضرات تین تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی قرار دیتے تھے۔

○ اسی طرح مبشر بالجنۃ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کی طرف بھی اس بات کی نسبت غلط ہے کہ وہ تین کو ایک سمجھتے تھے۔ کیونکہ گزشتہ اوراق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جب سیدنا ابن زبیرؓ سے غیر مدخول بہا کو دی گئی ایک مجلس کی تین طلاقوں کے بارے میں شرعی حکم پوچھا گیا تو انھوں نے سائل کو سیدنا ابوہریرہؓ اور سیدنا ابن عباسؓ سے اس بارے میں فتویٰ لینے کا مشورہ دیا۔ اور جب سائل نے ان دونوں سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو ان دونوں نے تینوں طلاقوں کے نافذ ہونے کا فتویٰ دیا، لیکن سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے اس فتویٰ سے اختلاف نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا کہ تین طلاقیں اگر ایک مجلس میں دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔

○ اور اگر سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تو حضرت ابن زبیرؓ سب سے پہلے سائل کو اپنے والد کا قول بتلاتے کہ ہمارے والد حضرت زبیرؓ کا مسلک تو یہ تھا کہ ایک ساتھ دی ہوئی اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق ہی ہوتی ہیں۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

○ اسی طرح یہ کہنا بھی سراسر جھوٹ اور بے بنیاد بات ہے کہ عشرہ مبشرہ بالجنۃ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تھے' اور کتب احادیث و آثار میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کبھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وسیع ذخیرۂ احادیث میں کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ تقریباً سوا لاکھ صحابۂ کرام ؓ میں سے کسی ایک صحابی ؓ نے بھی کبھی مغالطے سے بھی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دیا ہو' اور وہ روایت صحیح سند کے ساتھ کہیں موجود ہو۔

○ البتہ محمد بن وضاح کی طرف منسوب ابوجعفر طلیطلی کا یہ زیر بحث قول بعض آزاد خیال علماء کے ہاتھ آ گیا ہے، اور وہ اس کو تین طلاقوں کے ایک ہونے پر بطور دلیل پیش کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ طلیطلی نے اس موضوع اور من گھڑت روایت میں تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے کی نسبت جتنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کی ہے وہ صریح غلط' بے بنیاد اور بے سند بات ہے۔ کیونکہ:

○ ابن مغیث ابوجعفر احمد بن محمد بن مغیث طلیطلی (متوفی ۴۵۹ھ) ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو علماء کی عبارات نقل کرنے میں امانت و دیانت سے کام لینے میں مشہور و معروف اور نیک نام ہوں اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہے جو دین کی سمجھ' تفقہ اور فہم میں جید ہوں۔

○ نیز اس ابن مغیث ابوجعفر طلیطلی نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے سے متعلق ان روایات کو محمد بن وضاح اندلسی کی طرف منسوب کیا ہے' اور سند کا ذکر تک نہیں کیا۔ جبکہ ابن مغیث اور محمد بن وضاح کے درمیان ایک زمانۂ دراز حائل ہے، اور ان دونوں کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں' اور نہ ہی ان کی ملاقات ممکن ہے۔ کیونکہ:

مُحمد بن وضاح بن بزیع ابو عبداللہ مروانی

حضرت محدث محمد بن وضاح بن بزیع علم حدیث میں حضرت امام ابوبکر بن ابی شیبہ صاحبُ المصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد و اور مغرب میں پہلے اموی خلیفہ حضرت عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک ابوالمطرب اموی قرشی صاحبُ الاندلس کے غلام تھے۔ حضرت یحییٰ بن معین جیسے نقاد محدث کی شاگردی کا شرف بھی انھیں حاصل ہے۔

○ حضرت محمد بن وضاح بڑے عابد و زاہد اور پاکدامن تھے اور ان سے اہلِ اندلس کو بڑا نفع پہنچا۔ لیکن آپ بہت سخت مزاج تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے بہت سی صحیح احادیث نبویہ کو رد کر دیا تھا۔ اور آپ سے بہت سی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، اور بہت سی احادیث میں تصحیف اور رد و بدل کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت محمد بن وضاح کو عربیت اور فقہ کی کچھ واقفیت نہیں تھی۔

○ حضرت ابن وضاح ۱۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات ۲۸۷ھ میں ہوئی۔ جبکہ:

ابو جعفر احمد بن مُحمد بن مغیث طُلَیطُلی

ابن مغیث طلیطلی پانچویں صدی میں ہوا ہے۔ اس کی وفات ۴۵۹ھ میں ہوئی۔ اور اہلِ علم کے نزدیک یہ شخص نہ نقل میں مامون ہے، اور نہ جودۃ فہم میں معروف ہے۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے ان روایات کو محمد بن وضاح کی طرف بغیر کسی سند کے منسوب کر کے لکھ دیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان ملاقات بھی ناممکن اور زمانہ کے لحاظ سے بونِ بعید ہے۔

○ حضرت ابوبکر ابن العربیؒ نے فرمایا کہ مغرب میں مُبتدع لوگوں نے فقہاء کرام کے منصب پر کچھ اس طرح قبضہ جمالیا کہ جاہل عوام نے بھی ان نام نہاد علماء کو اپنا پیشوا اور سردار مان لیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ:

○ وہ عالم نما لوگ بغیر علم کے لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے، اور جیسا کہ وہ خود گمراہ تھے، دُوسروں کو بھی گمراہی اور بے راہ روی میں مُبتلا کرتے تھے۔

○ اور پھر لوگوں نے ان نام نہاد علماء کے انھی جاہلانہ فتووں کو استدلال میں پیش کرتے ہُوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فلاں مفتیِ اعظم۔ طلیطلی نے یُوں کہا ہے، اور فلاں مجریطی نے یہ مسئلہ اس طرح بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ:

○ ابن مغیث طلیطلی نے تو فقہ اور فہم کی بُو تک نہیں سُونگھی، اور یہ شخص جہالت میں ضربُ المثل ہے۔ اور ملک مغرب میں اندلس کے باشندے ناقدین علماء کے درمیان یہ شخص علمی مقام سے گرا ہُوا ہے۔ کیونکہ یہ شخص ہمیشہ کوئی الٹا کام ہی کرتا ہے اور اُلٹے پاؤں چلتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کی کوئی فریاد نہ سُنے اور اس کی خواہشاتِ بد کو کبھی پُورا نہ کرے۔

○ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق ابن مغیث طلیطلی کا یہ قول مالکی مسلک کے اکابرین میں سے ایک عالم کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے زندگی بھر ایک مُرغی بھی ذبح نہیں کی، لیکن ابن مغیث طلیطلی کے ذبح کرنے کو میں بالکل جائز قرار دیتا ہوں جس نے اس اہم ترین مسئلہ میں جمہور علماء وسلف کی مخالفت کی ہے [illegible]

○ بہر حال یہ طلیطلی ایک جاہل اور نام نہاد عالم اور جعلی مفتی مُسلمانوں کو غلط مسئلے بتا کر انھیں بے راہ روی میں مُبتلا کرنے میں مشہور ہے، اور اس نے محمد بن وضاح کے زہد و تقویٰ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہُوئے من گھڑت روایات بغیر کسی سند کے نقل کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، تاکہ عوام کالانعام یہ سمجھیں کہ تین طلاقوں کا یہ مسئلہ صحابۂ کرامؓ کے عہد میں بھی مختلف فیہ تھا حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا۔

○ اور پھر سند کا ذکر نہ کرنا طلیطلی کی چالاکی ہے، اگر وہ اس کی سند بیان کرتا تو لوگ راویوں کے حالات کو دیکھ کر اس روایت کی صحت وسقم معلوم کر لیتے۔

لہ اعلاء السنن ص [illegible]

طلیطلی کی جہالت

ابوجعفر احمد بن محمد بن مغیث طلیطلی کی جہالت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کے لفظ کو بے معنی قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بے معنی لفظ ہے، کیونکہ اس میں خبر دی گئی ہے کہ تو تین طلاقوں والی ہے، حالانکہ اس سے پہلے اس نے اس عورت کو کوئی ایک طلاق بھی نہیں دی ہوتی، لہٰذا یہ جھوٹی خبر دینے سے طلاق نہیں پڑے گی۔"

○ ابن مغیث ابوجعفر طلیطلی نے اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کے لفظ کو جملہ خبریہ بنا کر اسے جھوٹ اور بے معنی بات قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلیطلی نے فقہ اور فہم کی بو تک نہیں سونگھی، کیونکہ انت طالق ثلاثا جملہ خبریہ نہیں بلکہ جملہ انشائیہ ہے۔ کیونکہ شریعت نے اسے "اِنشاء" بنایا ہے۔ جیسا کہ دیگر تمام "عقود" عبارت میں تو جملہ خبریہ ہوتے ہیں، مگر شریعت ان کو "اِنشاء" بناتی ہے۔ جیسا کہ:

○ بیچنے والا کہتا ہے: بِعْتُ کہ میں نے یہ چیز بیچی ہے اور خریدنے والا کہتا ہے اِشْتَرَيْتُ کہ میں نے یہ چیز خریدی ہے۔ جبکہ بِعْتُ اور اِشْتَرَيْتُ یہ دونوں ماضی کے صیغے ہیں، جسے دیکھ کر طلیطلی جیسے عقل کے اندھے کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ بِعْتُ اور اِشْتَرَيْتُ میں بھی ماضی کی خبر ہے، اس لیے بائع اور مشتری کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو بے معنی اور مجہول ہے۔ کیونکہ اس بات سے پہلے نہ بائع نے یہ چیز بیچی ہوتی ہے اور نہ ہی مشتری نے خریدی ہوتی ہے، لیکن شرعی لحاظ سے بیچنے اور خریدنے کے لیے یہی الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اور بعت و اشتریت کہتے ہی سودا ہو جاتا ہے۔ یعنی جب بیچنے والا کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز بیچ دی ہے اور خریدنے والا کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز خرید لی ہے۔ اور وہ بکنے والی چیز بائع کے ملک سے نکل کر مشتری کے ملک میں آجاتی ہے۔ اور بائع کو دام دینا مشتری پر واجب ہو جاتا ہے۔

○ اسی طرح طلاق کا جملہ (انت طالق ثلاثا) شریعت میں انشاءِ طلاق ہے اور یہ لفظ کہتے ہی عورت تین طلاقوں سے مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔

○ اور طلیطلی کے بقول انت طالق ثلاثا کہنا جھوٹ ہے' اس لیے وہ عورت مرد پر حرام نہیں ہوتی۔ لیکن اس لفظ کو جھوٹ کہنے کے باوجود یہ جھوٹا اور جاہل شخص کہتا ہے کہ اس طرح کہنے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے حالانکہ اگر یہ کہنا جھوٹ ہے تو ایک طلاق بھی واقع نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ:

○ طلاق دہندہ نے جو لفظ اپنے منہ سے نکالا ہے' اور طلیطلی کے بقول وہ محض ایک جھوٹی خبر ہے' جس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ جھوٹی خبر اور افواہ اڑانے والا شرعاً مستوجبِ سزا ہوتا ہے، تو جو لفظ سرے سے اس نے ادا ہی نہیں کیا تو وہ بطریقِ اولیٰ واجبُ الرد اور ناقابلِ التفات ہے۔

○ کیونکہ معدوم چیز پر تو شرعاً کوئی حکم صادر نہیں ہوتا۔ اس لیے اکٹھی تین طلاقیں دینے اور انت طالق ثلاثا کہنے والے کے متعلق یہ کہنا بھی بالکل غلط اور ناقابلِ التفات ہے کہ اس کے انت طالق ثلاثا کہنے سے ایک رجعی طلاق واقع ہوگئی ہے۔ کیونکہ:

○ جس طرح یہ جھوٹی خبر دینے والے نے ماضی میں تین طلاقیں نہیں دی تھیں' اسی طرح اس نے ماضی میں ایک طلاق بھی تو نہیں دی تھی۔ یعنی جو شخص اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثا کہتا ہے' اس نے ماضی میں اگر تین طلاقیں نہیں دیں تو ایک بھی تو نہیں دی تھی۔ اس لیے اگر تین طلاقوں کی خبر دینا اس کا جھوٹ ہے تو اس پر ایک طلاق کا حکم لگانا بھی غلط ہے۔ بلکہ:

○ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر طلاق دینی بہت ہی ضروری ہوجائے تو جس طہر میں جماع نہ کیا ہو' اس میں ایک مرتبہ اپنی بیوی کو خطاب کرکے انت طالق کہنے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے۔ اور اس بات پر اہلِ سنت اور اہلِ بدعت' سب کا اتفاق ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن:

○ انت طالق ثلاثا کو جملہ خبریہ بنا کر اسے جھوٹی اور ناقابلِ اعتبار قرار دینے والے عالم نما جاھل طلیطلی اور پرلے درجے کے اجہل و احمق اذنابِ طلیطلی کو یہ کون سمجھائے کہ :

○ طلاق دینے کے لیے جو لفظ عہدِ نبوی سے تا حال اپندرھویں صدی ہجری تک، برابر استعمال ہوتا چلا آرہا ہے، وہ بھی تو عبارت میں جملہ خبریہ ہی ہے، جو زمانۂ ماضی میں ایک طلاق دینے کی خبر دے رہا ہے۔ اور چونکہ بقاعدۂ طلیطلی یہ خبر بھی بڑا جھوٹ ہے تو یہ بھی ناقابلِ اعتبار ہے، کیونکہ اس طلاق دہندہ نے ماضی میں یہ طلاق نہیں دی جس کی خبر یہ شخص انت طالق کا لفظ بول کر دے رہا ہے۔ کیونکہ اس نے ماضی میں کبھی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی، لیکن اب جھوٹ موٹ کہتا ہے کہ تو طلاق والی ہے۔ حالانکہ وہ جس کو کہہ رہا ہے کہ تو طلاق والی ہے، وہ تو نکاح والی ہے۔ اور طلیطلی کے قانون میں یہ شخص نکاح والی بیوی کو کہتا ہے کہ تو تو طلاق والی ہے۔ اور اس کی یہ خبر جھوٹی ہے، اس لیے بقاعدۂ طلیطلی انت طالق کہنے سے ایک طلاق بھی واقع نہ ہونی چاہیے۔

○ اسی طرح کوئی طلاق دینے والا شخص اپنی بیوی کو مخاطب کرکے کہے: طَلَّقْتُكِ، تب بھی بر قاعدہ طلیطلی طلاق واقع نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ: "میں نے تجھے گزشتہ زمانے میں طلاق دی ہے۔" جبکہ اس کا یہ کہنا سراسر جھوٹ ہے، کیونکہ اس نے گزشتہ زمانے میں تو کبھی بھی طلاق نہیں دی تھی۔ اور اگر زندگی میں کبھی طلاق دی بھی تھی تو اس وقت بھی یا تو طَلَّقْتُكِ کا لفظ بولا تھا، یا انت طالق کہا تھا، جو بقول طلیطلی نرا جھوٹ تھا، اس لیے اس وقت بھی طلاق نہیں ہوئی تھی، اور اب بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر یہ بات اسی طرح ہو تو پھر کسی طرح بھی طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ!

ابن مغیث ابو جعفر طلیطلی کے جاہلانہ و احمقانہ قانون کی رو سے تو کسی
مرد و زن کا باہم نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب کوئی مرد کسی اجنبیہ کو
نکحتکِ کا لفظ کہے گا تو یہ اس کا جھوٹ ہوگا۔ کیونکہ اس کا لفظی معنی
یہ ہے کہ "میں نے گزشتہ زمانے میں تجھ سے نکاح کیا" حالانکہ اس مرد نے
اس اجنبیہ عورت سے قبل ازیں نکاح نہیں کیا تھا۔ اس لئے چاہئے تو یہ
تھا کہ وہ اجنبیہ اس مرد کو جھوٹا قرار دیتی، لیکن اس کے بجائے وہ بھی
قبلتُ کا لفظ ادا کرتی ہے۔ جبکہ یہ لفظ بھی بہ قاعدۂ طلیطلی "جھوٹ" ہے
کیونکہ اس کا لفظی معنی یہ ہے کہ "میں نے گزشتہ زمانے میں قبول کیا تھا" جبکہ
ماضی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا کہ مرد نے نکاح کیا ہو اور عورت
نے قبول کیا ہو" اور اب اس بات کی خبر دی جا رہی ہو۔ یاد رہے کہ
نکاح کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی دو گواہوں کے سامنے
کسی اجنبیہ عورت کو نکحتکِ کا لفظ کہے، اور وہ عورت بھی
انہی دو گواہوں کے سامنے قبلتُ کہہ دے تو ان دونوں کا باہم نکاح
ہو جاتا ہے، جو طلاق یا ارتداد کے بغیر کبھی ٹوٹتا بھی نہیں۔ اور اس میں
جو کلمات ادا کیے جاتے ہیں انہیں شرعی لحاظ سے انشائیہ کہا جاتا ہے،
اور عہدِ نبوی سے تاحال مسلمانوں کے یہاں نکاح کا یہی طریقہ چلا آتا ہے۔
لیکن ملک الجہلاء والحمقاء ابن مغیث ابو جعفر طلیطلی کے خود ساختہ جاہلانہ
و احمقانہ قانون کی رو سے یہ بات جھوٹ ہے، جو ان دونوں مرد و عورت
نے دو گواہوں کی موجودگی میں کہی ہے، کیونکہ ماضی میں نہ کبھی اس مرد نے
نکاح کیا تھا اور نہ عورت نے قبول کیا تھا۔ تو جب یہ ان دونوں کا
جھوٹ ہوا تو ان دونوں کا نکاح بھی نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ طلیطلی کے
خود ساختہ قانون کی رو سے یہ دونوں زندگی بھر زنا میں مبتلا رہیں گے؟
لہٰذا طلیطلی کا یہ قانون مردود ہے اور اس کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں۔

تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک

حضرت عامر بن شراحیل ابوعمرو شعبی ہمدانی

❶ حضرت عامر بن شراحیل ابوعمرو شعبی ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ جو فتاویٰ ابن عباسؓ میں قبل ازیں گزر چکا ہے تو حضرت شعبی کا مسلک بھی یقیناً وہی ہے۔ کیونکہ اگر حضرت شعبی کا مسلک یہ نہ ہوتا تو وہ یقیناً اس کی تردید فرماتے۔ مگر ذخیرۂ احادیث میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں کہ حضرت شعبی نے کبھی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا ہو۔

○ علاوہ ازیں بعض لوگوں نے جس طرح کئی روایات کا غلط مطلب لے کر تین طلاقوں کو ایک تصور کرنے والوں کے ناموں کی نشان دہی کی ہے تو ان ناموں میں حضرت شعبی کا نام داخل کرنے کی جسارت کسی نے نہیں کی۔

○ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعبی کا مسلک یہی ہے کہ اگر مدخول بہا کو ایک طہر میں جدا جدا یا اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں، یا غیر مدخول بہا کو ایک کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تین ہی شمار ہوں گی اور وہ عورت بھی اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ جیسا کہ قبل ازیں بیہقی شریف کے حوالے سے حضرت شعبی سے مروی سیدنا ابن عباسؓ کے فتوے میں گزر چکا ہے کہ غیر مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دینے والے کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس کے پاس ایک گٹھڑی تھی جسے اس نے ایک دم کھول دیا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح ابومحمد قرشی

❷ حضرت شعبی کے استاذ بھائی اور مشہور تابعی حضرت عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ کر کے تین طلاقیں دی جائیں اور اکٹھی نہ دی جائیں تو پہلی طلاق واقع ہو جائے گی، باقی دو واقع نہ ہوں گی۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ یہ بات سیدنا ابن عباس سے پہنچی ہے۔ (رحیم ...)

○ اس کا مطلب ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو رخصتی سے پہلے الگ الگ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ کہ دیا جائے تو پہلی طلاق تو واقع ہوگی، لیکن باقی دو کسی گنتی میں نہیں آئیں گی۔ جبکہ:

○ حضرت عطا کے استاذ سیدنا ابن عباسؓ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یا اردو میں "تجھے تین طلاقیں دیں" کے الفاظ بول کر اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

حضرت سعید بن ابی عروبہ ابو النصر عدوی بصری
حضرت سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب ابو محمد قریشی اور:
حضرت ابراهیم بن یزید بن قیس ابو عمران نخعی

❶ ایک شخص نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تو حضرت سعید بن ابی عروبہ سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا، اس پر انھوں نے حضرت قتادہ بن دعامہ کے واسطے سے حضرت سعید بن المسیب اور ابو معشرؒ کے واسطے سے حضرت ابراہیم بن یزید ابو عمران نخعی کا فتویٰ بیان فرمایا کہ "اب وہ عورت عدت بیٹھے۔" (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۱۲)

○ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے

○ اور دوسرے یہ کہ ایک ہی موقع پر دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

○ اور اگر کوئی شخص حیض کی حالت میں اکٹھی تین طلاقیں دیدے تو اسے رجوع کا کوئی حق نہیں رہتا۔ ورنہ حضرت سعید بن ابی عروبہ ضرور اس کو رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ جیسا کہ حیض کی حالت میں ایک طلاق دینے پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لیے حضرت سعید بن ابی عروبہ کا اسے رجوع کر لینے کی بجائے عورت کو عدت بٹھانے کا مطلب یہی تھا کہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، رجوع کا حق نہیں رہا اور مطلقہ عدت گزار کر فارغ ہو

ابو معشر کوفی ثقہ ہیں

حضرت ابراھیم بن یزید بن قیس ابو عمران نخعی

❹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵ میں حضرت ابراہیم نخعی کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص غیر مدخول بہا کو انت طالق انت طالق انت طالق کہے تو وہ عورت پہلی مرتبہ انت طالق کہنے سے بائن ہو جاتی ہے۔

○ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ اَنْتِ طَالِقٌ یا اُردو میں ایک مرتبہ "تجھے طلاق ہے" کا لفظ کہنے سے ہی بائن اور اجنبی ہو گئی تو پھر باقی دو طلاقیں فضول ہوں گی۔

○ نیز اس فتوے میں غیر مدخول بہا کی قید سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مدخول بہا کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ اور مدخول بہا کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اسے تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور اسے عدت گزار کر فارغ ہو جانا چاہیے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحہ میں حضرت ابراہیم نخعی کے فتوے میں تحریر کر چکے ہیں۔

حضرت خلاس بن عمرو الہجری بصری

❺ حضرت خلاس بن عمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو الگ الگ کرکے انت طالق انت طالق انت طالق کہے تو وہ پہلی مرتبہ انت طالق یا "تجھے طلاق ہے" کہتے ہی اس مرد سے وہ عورت جُدا ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵)

حضرت حکم بن عتیبہ ابو محمد کندی

❻ حضرت حکم بن عتیبہ کندی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی ہے کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا منکوحہ کو رخصتی سے پہلے الگ الگ کرکے تین مرتبہ انتِ طالق یا تجھے طلاق ہے کا لفظ کہے گا تو پہلی مرتبہ تجھے طلاق ہے کا لفظ کہنے سے ہی عورت جُدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد مزید دو مرتبہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے کہنے کا کچھ اعتبار نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۴)

حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد لیثی ابوالولید مدنی
حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص قرشی۔ اور
حضرت ابومالک سعد بن طارق اشجعی

7 مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۰۵ میں ہے کہ ولید بن عقال کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن شداد، حضرت مصعب بن سعد اور حضرت ابومالک تینوں سے پوچھا کہ اگر کسی حاملہ عورت کو اس کا خاوند تین طلاقیں دیدے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں ان تینوں نے یہی فرمایا کہ اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی حتی تنکح.....

○ اس اثر میں ایک راوی کا نام عمرو بن مسلم جندی ہے۔ حضرت امام احمد وغیرہ نے اگرچہ اس کے بارے میں کلام کیا ہے، لیکن کئی نقاد محدثین نے اس کی تحسین بھی کی ہے۔ مثلاً: ① حضرت علامہ ابن حبان نے ثقہ، ② حضرت علامہ ابن حجر نے صدوق، اور ③ حضرت علامہ ذہبی نے عمرو بن مسلم جندی کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ روایت استدلال میں پیش کی جاسکتی ہے۔

○ اور اگر اس روایت میں کچھ ضعف ہو تب بھی اتنی بری بات نہیں ہے کیونکہ یہ روایت بے شمار صحیح احادیث سے مطابقت اور موافقت رکھتی ہے اس لیے یہ روایت تائید میں پیش کی جاسکتی ہے۔ بلکہ بعض ضعیف روایات تو ایسی بھی ہیں جن پر علماء عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس کی مثالیں بھی بہت ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر ترمذی ج ۱ ص ۱۱، ۷۸، ۹۲، ۱۱۲، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۶۶، اور ج ۲ ص ۳۱ و ۳۳ پر موجود ہے۔

○ بہرحال مذکور بالا تین جلیل القدر تابعین کرامؒ نے حاملہ عورت کو دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں تینوں طلاقوں کے واقع ہوجانے کا فتویٰ دے کر بتلا دیا کہ مدخول بہا کو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی متصور ہوتی ہیں

حضرت عکرمہ ابو عبداللہ قرشی بربری

٨ کسی شخص نے مشہور تابعی حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی غیر مدخول بہا بکر کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں دی جا چکی ہوں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اگر بیک زبان اکٹھی تین طلاقیں دی ہوں تو وہ عورت اس طلاق دینے والے پر حلال نہیں رہی، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔

○ اور اگر الگ الگ کر کے تین طلاقیں دی ہوں تو اس صورت میں وہ عورت پہلی طلاق سے ہی بائن ہو گئی۔ اس لیے اس کے بعد والی دونوں طلاقیں کسی گنتی میں نہیں آئیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ٦ ص ٣٣٦ و ٣٣٧)

○ یاد رہے کہ حضرت عکرمہ کی یہ ذاتی رائے نہیں تھی، بلکہ ان کے استاذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک بھی یہی تھا۔ جیسا کہ قبل ازیں فتاویٰ ابن عباسؓ میں بیہقی ج ٧ ص ٣٣٩ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

حضرت طاؤس بن کیسان ابو عبدالرحمٰن فارسی یمنی

٩ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت طاؤس تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دیا کرتے تھے، لیکن یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت طاؤسؒ آخر میں اس بات کے قائل نہیں رہے۔ البتہ

○ حضرت طاؤسؒ سے جاہلی طریقہ کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت امام مسلم نے بیان فرمائی ہے، جس کے بارے میں مختصر مگر جامع بحث گزشتہ اوراق میں تحریر کی جا چکی ہے۔ ایک نظر اسے دوبارہ پڑھ لیں۔ نیز

○ قبل ازیں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت طاؤسؒ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ طاؤس تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھتے تھے تو اُسے کہنا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (اعلاء السنن ج ١١ ص ١٥٥)

○ لہٰذا حضرت طاؤسؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر مدخول بہا کو الگ الگ

کرکے ایک طہر میں، یا حمل میں، یا حیض کی حالت میں تین طلاقیں دے دی جائیں، خواہ ایک مجلس میں ہوں، خواہ دو یا تین مجلسوں میں، وہ تین ہی شمار ہوں گی اور اس مرد پر وہ عورت حرام ہوجائے گی۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص مدخول بہا کو یا غیر مدخول بہا کو ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو بھی وہ تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجائے گی۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ البتہ:

○ اگر کوئی شخص غیر مدخول بہا کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں الگ الگ کرکے ایک ہی مجلس میں، یا ایک ایک ماہ میں الگ الگ تین طلاقیں دے تو ان میں سے پہلی ایک طلاق واقع ہوجائے گی، اور باقی دو طلاقیں کوئی نقصان نہیں کریں گی۔ اس لیے اگر طلاق دہندہ چاہے تو اسی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ اور ایسی طلاق کی عدت بھی نہیں۔ (نسائی صفحہ ۲)

حضرت سعید بن جبیر بن ہشام ابو محمد اسدی

۱۰ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں، تو جب حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایسے ہی شخص کے بارے میں فتویٰ سُنا دیا کہ:

○ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اکٹھی یا متفرق سو طلاقیں بھی دیدے تو وہ عورت صرف تین طلاقوں سے ہی اس پر حرام ہوجائے گی اور باقی طلاقیں اس طلاق دہندہ پر بوجھ ہیں، کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی احکام الٰہی کے ساتھ مخول ہے۔ (سنن دارقطنی ص ۴۳۰)

○ اس سے معلوم ہُوا کہ خود حضرت سعید بن جبیرؒ کا مسلک بھی یہی ہے حضرت علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے اس اثر کے متعلق صاحب المنتقیٰ کے حوالے سے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ سعید بن جبیر اور مجاہد وغیرہ کی یہ سب روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ ان سب کا

اس مسئلہ میں اجماع اور اتفاق ہے کہ بیک زبان یعنی ایک ہی جملے میں اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں نافذ ہوجاتی ہیں۔

حضرت محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری

11 کسی شخص نے اپنی بیوی کو (غالباً اکٹھی) تین طلاقیں دے دیں، اور کسی (آزاد خیال عالم) نے اس شخص کو رجوع کر لینے کا فتویٰ دے دیا لیکن جب یہ بات حضرت ابن شہاب زہریؒ نے سُنی تو انھوں نے اس بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ تین طلاقوں کے بعد اب وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۹۵)

○ نیز حضرت زہریؒ نے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے تین طلاقوں کے بعد پھر رجوع کر کے اس مطلقہ بہ ثلاث عورت کو بسا لینے کا فتویٰ دیا ہے تو ایسے آزاد خیال مفتی کو عبرت ناک سزا دینے کا فتویٰ بھی دیا۔

○ حضرت امام ابن شہاب زہری کے اس فتویٰ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ: طلاق دہندہ نے اکٹھی ایک ہی جملے میں تینوں طلاقیں دے دی تھیں، جس پر کسی رافضی، خارجی یا معتزلی وغیرہ نے رجوع کر لینے کا فتویٰ دے دیا، کیونکہ ان کے نزدیک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں صرف ایک رجعی طلاق متصور ہوتی ہے۔ لیکن

○ حضرت امام زہری کے نزدیک یہ ایک قابلِ سزا جرم ہے۔ یعنی وہ یقیناً اس طرح تین طلاقیں دے چکنے کے بعد رجوع کرنے کو زنا سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تین طلاقوں کے بعد رجوع کا فتویٰ دینے والے مفتی کے بارے میں فتویٰ دیا تھا کہ اسے عبرتناک سزا دی جائے کیونکہ

○ اسی مفتی کے فتوے کی وجہ سے ایک جاہل شخص تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر کے زندگی بھر کے لیے زنا جیسے فعل قبیح میں مبتلا ہوگا اس لیے اگر کوئی ایسا کر بیٹھے تو اسے فوراً عورت سے جُدا ہوجانا چاہیے۔

حضرت قتادۃ بن دعامہ ابوالخطاب سدوسی بصری
حضرت محمد بن مسلم، ابن شہاب زہری

ایک شخص نے سفر کے دوران دو گواہوں کی موجودگی اپنی بیوی کو اس کی عدم موجودگی میں تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر اس شخص نے سفر سے وطن واپس آکر اپنی اسی مطلقہ بیوی کے ساتھ جماع کرلیا۔ تو جب حضرت امام ابن شہاب زہری اور حضرت قتادہ بصری سے اس شخص کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تو ان دونوں نے یہی فتویٰ دیا کہ اگر یہ شخص اپنی طلاق کا اقرار کرلے کہ واقعی اُس نے دورانِ سفر اپنی بیوی کی عدم موجودگی میں اسے تین طلاقیں دے دی تھیں تو اُسے زنا کی عبرتناک سزا دیتے ہوئے، رجم کیا جائے۔

خلیفۂ راشد امام عمر بن عبدالعزیز

خلیفۂ راشد حضرت امام عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے البتہ کہہ کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اُس نے آخری اور انتہائی حد پر تیر مارا۔ (مؤطا امام مالک ص ۱۹۹ و ۲۰۰)

قاضی شریح بن الحارث بن قیس ابوامیہ کندی

ایک شخص نے مشہور تابعی حضرت قاضی شریح رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ اس پر قاضی شریح نے فرمایا کہ تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں کے ساتھ جُدا ہوگئی ہے اور باقی ستانوے طلاقیں اسراف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳)

حضرت محدث حسن بصری

مشہور تابعی اور محدث حضرت حسن بن یسار بصریؒ نے فرمایا کہ اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ کرکے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیدی جائیں تو وہ پہلی سے جُدا ہوجائے گی اور باقی دو کچھ نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۲ و ۳۳۳)

فائدہ: حضرت امام ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر کنانی عسقلانیؒ نے حضرت امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری (متوفی ۳۱۸ھ) کے حوالے سے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں تحریر فرمایا ہے کہ:

رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردانِ گرامی ① حضرت عطاء بن ابی رباح ② حضرت طاؤس بن کیسان فارسی اور ③ حضرت عمرو بن دینار وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی ہیں۔" لیکن یہ امام ابن حجرؒ کا سہو ہے، کیونکہ قبل ازیں فتاویٰ تابعین میں نہ صرف سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے انہی تین تلامذہ کی روایات زیب قرطاس کی گئی ہیں، بلکہ حضرت ابن عباسؓ کے دیگر تلامذہ کی روایات بھی تحریر کی گئی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدخول بہا کو اگر الگ الگ کرکے تین طلاقیں دی جائیں یا ایک ہی لفظ سے اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں، ہر حال میں تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ لیکن غیر مدخول بہا کے لیے شرعی حکم ذرا مختلف ہے۔ یعنی اگر غیر مدخول بہا کو ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دیں مثلاً: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، لیکن اگر کوئی شخص غیر مدخول بہا کو الگ الگ مجلسوں میں ایک ایک کرکے، یا ایک مجلس میں ہی الگ الگ انت طالق انت طالق انت طالق کہے تو اس صورت میں پہلی مرتبہ انت طالق کہتے ہی وہ عورت اس مرد سے جدا ہوجاتی ہے اور اس کی عدت بھی نہیں ہوتی، اور وہ عورت اس مرد کے لیے اجنبی ہوجاتی ہے۔ اب اگر وہ اس اجنبی عورت کو انت طالق کہے گا تو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ اسی لیے مذکورہ بالا تابعین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ غیر مدخول بہا کے لیے یہ حکم ہے کہ اسے الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق گنی جاتی ہے، یعنی ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

بعضُ الاحادیث یفسّرُ البعض

محدثین اور راویانِ حدیث کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں تو اس بارے میں موقع محل کے مطابق کبھی اجمالی طور پر مختصر سی بات میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول وعمل کے حوالے سے مسئلہ سمجھا دیتے ہیں۔ اور محدثین اسی مختصر سی بات کو ذخیرۂ احادیث میں نقل فرما دیتے ہیں۔ اور کبھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں، اور کبھی خاص واقعہ کے متعلق شرعی حکم بیان فرما دیتے ہیں، لیکن ہر روایت میں مسئلہ کے تمام پہلو بیان نہیں کیے جاتے۔ مثلاً:

- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اذان کے بعد مسجد سے باہر نکلنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: "اس شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔" (الجامع للترمذی ص ۳۵)

- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث اجمالی ہے۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان ہو چکنے کے بعد جو شخص بھی مسجد سے باہر نکلے گا وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا" خواہ وہ قضاء حاجت کے لیے مسجد سے باہر نکلے یا وضو کرنے کے لیے۔ کیونکہ

- محولہ بالا حدیث میں مطلق یہ بتلایا گیا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے باہر نکلنے والا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔ حالانکہ اذان کے بعد قضاء حاجت اور وضو وغیرہ کے لیے ضرورت کے وقت نکلنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے زمرے میں ہرگز نہیں آتا کیونکہ بعض دوسری حدیثوں میں آتا ہے کہ جب پیشاب پاخانہ زور کر رہا ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح نماز پڑھنے کے لیے باوضو ہونا بھی فرض ہے۔ اس لیے علماء نے محولہ بالا حدیث میں یہ قید لگائی ہے کہ بغیر عذر کے مسجد سے باہر نکلنا منع ہے ورنہ نہیں۔

○ اسی طرح بعض اوقات جب کسی عالم دین اور مفتی سے مختلف قسم کے سائل ایسا مسئلہ دریافت کرتے ہیں جن کے سوال بظاہر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر مجیب کو جب خارجی قرائن کی وجہ سے ہر سائل کی اپنی اپنی مخصوص کیفیت کا علم ہوتا ہے تو وہ انہی خارجی قرائن کو دیکھ کر ہر ایک سائل کو الگ الگ جواب دیتا ہے۔ لیکن ان دونوں سائل و مُجیب کے پاس بیٹھا ہُوا تیسرا شخص ایک جیسے دو سوالوں کے مُختلف جواب سُن کر حیران ہو جاتا ہے کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے جس سوال کا جواب نفی میں دیا گیا تھا بظاہر اسی قسم کے سوال کا جواب اس کے برعکس اثبات میں کس لیے دیا جارہا ہے۔ مثلاً:

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت یعنی بوس کر سکتا ہوں یا نہیں؟ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نفی میں جواب دیا۔ پھر ایک اور آدمی دربارِ نبوی میں حاضر ہُوا اور اس نے بھی یہی سوال کیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت مرحمت فرمادی۔

○ اور ان متضاد فتووں کو دیکھ کر یقیناً آدمی حیرانی میں مُبتلا ہو جاتا ہے اور غور کیا جائے تو حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ کیونکہ مذکورہ روایت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جس شخص کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا تھا وہ جوان تھا' اور ڈر تھا کہ یہ کہیں روزہ ہی نہ توڑ بیٹھے، اس لیے آپ نے اُسے تو منع فرمادیا، لیکن دُوسرے شخص کو اجازت دینے کی وجہ یہ تھی وہ بوڑھا فرتوت تھا۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ۱۷۷)

○ اسی طرح تین طلاقوں کو تین قرار دے کر عورت کے مرد پر حرام ہو جانے یا تین طلاقوں کے باوجود ایک طلاق کا حکم لگا کر دوبارہ ان دونوں مرد و زن کو باہم نکاح کی اجازت ہونے کا مسئلہ بھی قابلِ حیرت نہیں۔

تین طلاقوں کے متعلق مختلف احکام

قبل ازیں عہدِ نبویؐ، عہدِ صحابہؓ اور عہدِ تابعینؒ میں تین طلاقوں سے متعلق متعدد احادیث و آثار تحریر کیے گئے ہیں، جن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

○ اس مسئلہ کی چار صورتیں بنتی ہیں: ① غیر مدخول بہا یا بکر کو اکٹھی بیک کلمہ تین طلاقیں دی جائیں۔ ② غیر مدخولہا بہا کو یکے بعد دیگرے ایک ہی مجلس میں یا تین مجلسوں میں الگ الگ کر کے تین طلاقیں دی جائیں۔ ③ مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں۔ ④ مدخول بہا کو یکے بعد دیگرے ایک ہی مجلس میں یا تین مجلسوں میں الگ الگ کر کے تین طلاقیں دی جائیں۔ یعنی دو کا تعلق غیر مدخول بہا سے اور دو کا مدخول بہا سے ہے۔

① پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اکٹھی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں (دخل لہٗ)

② دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ پہلی طلاق واقع ہوتی ہے اور باقی دو لغو ہیں۔

③ تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ اکٹھی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور

④ چوتھی صورت کا حکم بھی یہی ہے کہ متفرقۃً دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اور وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال نہیں رہتی۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ

○ اب اگر مذکورہ بالا چاروں قسم کے آدمی کسی مفتی کے پاس جا کر مسئلہ پوچھیں، اور ان میں سے ہر ایک یہ کہے کہ: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، اب میرے بارے میں شرعی حکم کیا ہے، کیا میں رجوع کر سکتا ہوں؟

○ اب یہ سوال تو ان چاروں کا ایک جیسا ہے، اگر ان میں سے ایک سائل کو مجیب مفتی یہ کہے کہ تجھے رجوع کا حق حاصل ہے اور باقی تین کو کہے کہ تمہاری بیویاں تم پر حرام ہو چکی ہیں، تو کوئی بے علم اور جاہل شخص مفتی کے ان متضاد فتووں کو دیکھ کر اگر حیران ہو تو ہوتا رہے، لیکن علم دین سے تھوڑا بہت تعلق رکھنے والا نہ ان فتووں کو متضاد فتوے قرار دے گا اور نہ ہی ان پر وہ حیران ہو گا۔ کیونکہ:

- صاحب علم اور تجربہ کار و سمجھ دار مفتی سائل کے انداز سوال اور دیگر خارجی قرائن وغیرہ سے جب مسئلہ کی اصل حقیقت معلوم کر کے بات کی تہ تک پہنچتا ہے اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا تب کہیں فتویٰ دیتا ہے۔ اور
- پہلے سائل کو جواب دیتا ہے کہ وہ عورت تجھ پر حرام ہو چکی ہے، اور تیرے لیے اس عورت کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ حتیٰ تنکح
- دوسرے سائل کو جواب دیا جاتا ہے کہ وہ عورت تجھ سے بائن یا جدا تو ضرور ہو گئی ہے، لیکن اگر تم دونوں دوبارہ باہم نکاح کرنا چاہتے ہو شریعت مطہرہ میں تمھیں دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے اور
- تیسرے اور چوتھے دونوں سائلوں کو ایک ہی جواب دیا جائے گا کہ وہ عورتیں تم پر حلال نہیں رہیں۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔
- اب ظاہر ہے کہ حالات کے مطابق ہر ایک کو شرعاً صحیح فتویٰ دیا گیا ہے، مگر یہ فتوے سننے والے اجنبی اور حالات سے ناواقف شخص کو حیرانی ہوتی ہے کہ مسئلہ تو ان سب کا ایک جیسا تھا مگر جواب مختلف کیوں ہیں؟
- البتہ سمجھ دار اور ذہین شخص سمجھ جائے گا کہ پہلا شخص اپنی غیر مدخول بہا یا بکر منکوحہ کو بیک کلمہ اکٹھی تین طلاقیں دے چکا تھا' اس لیے اس کے متعلق یہ حکم درست ہے کہ وہ عورت اس پر حرام ہو چکی ہے حتیٰ تنکح۔
- اور دوسرے کا جواب بھی بالکل درست ہے، کیونکہ اس نے الگ الگ انت طالق انت طالق انت طالق کہ کر تین طلاقیں دی تھیں، جبکہ پہلی مرتبہ انت طالق کہتے ہی وہ عورت اس مرد سے جُدا ہو گئی' جس کی عدت بھی نہیں ہوتی' اس لیے بعد والی دو طلاقوں کا غیر مدخول بہا پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اور وہ دونوں طلاقیں لغو اور بے کار گئیں۔ اور
- تیسرے اور چوتھے سائل کو بھی صحیح جواب دیا گیا ہے' کیونکہ مدخول بہا کو مجتمعۃً یا متفرقۃً جیسے بھی تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

مجمل اور مفصل روایات

○ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جس کو دُخول سے پہلے تین طلاقیں دیدی گئی تھیں، تو آپؓ نے جواب دیا کہ اب وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال نہیں رہی (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۳۱)

○ اس روایت میں اجمال ہے۔ جبکہ ایک اور موقع پر جب سیّدنا ابن مسعودؓ سے یہی مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے تفصیل کے ساتھ مسئلہ سمجھایا کہ:

○ جب بِکر کو دُخول سے پہلے اکٹھی تین طلاقیں دیدی جائیں تو وہ عورت طلاق دہندہ کے لیے حلال نہیں رہتی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ اور اگر بِکر کو دخول سے پہلے الگ الگ کر کے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ عورت پہلی طلاق سے ہی بائن یعنی جُدا ہو جاتی ہے، پچھلی دو کچھ نہیں (ایضاً ج۶ ص۳۳۶)

○ اجمال و تفصیل کی مذکورہ بالا مثال میں تو ایک ہی صحابی کے دو مختلف فتوے تحریر کیے گئے ہیں، جن میں سے پہلے میں اجمال اور دُوسرے میں تفصیل ہے۔

○ اسی طرح کبھی ایک صحابی کی روایت میں اجمال اور دُوسرے کی روایت میں تفصیل ہوتی ہے۔ اور تقریباً ہر مسئلہ کا یہی حال ہے۔ پھر محدثین و مجتہدین ان تمام اجمالی و تفصیلی روایات کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں

○ اسی طرح کبھی ایک سائل اپنا مسئلہ کسی ایک عالم کے سامنے پیش کر کے اس کا شرعی حکم معلوم کرتا ہے، اور کبھی دُوسرا سائل کسی دُوسرے عالم کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کر کے اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کرتا ہے۔

○ نیز کبھی سوال بظاہر ایک جیسا اور جواب مختلف، اور کبھی سوال مختلف اور جواب ایک جیسا معلوم ہوتا ہے، جس کے باعث سرسری علم رکھنے والے علماء عموماً اُلجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ البتہ جو علماء اصولِ حدیث کے علم سے پُوری طرح آگاہ ہوتے ہیں وہ بظاہر متضاد اور باہم معارض احادیث و آثار کو بخوبی منطبق کر کے تمام اُلجھنوں کو دُور کر دیتے ہیں۔

بظاہر متعارض روایات

○ حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے والے شخص کو فتویٰ دیتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ: اگر تُو نے اپنی بیوی کو الگ الگ کر کے تین طلاقیں دی ہیں، تو ایک (پہلی) طلاق واقع ہوئی۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۵)

○ حضرت محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ہی ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ (ص ۳۳۴)

○ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت عطا اور حضرت زہری کی مذکورہ بالا دونوں روایتیں بظاہر ایک دوسری کے مخالف معلوم ہوتی ہیں، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم کسی قسم کا تعارض نہیں۔ کیونکہ:

○ حضرت عطا کی روایت میں غیر مدخول بہا کو دی گئی الگ الگ تین طلاقوں کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا۔ جبکہ:

○ حضرت ابن شہاب زہری کی روایت میں مدخول بہا کو دی گئی الگ الگ تین طلاقوں کے متعلق مسئلہ دریافت کیا گیا تھا، جس کے جواب میں آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے فتویٰ صادر فرمایا کہ تینوں واقع ہو گئیں۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے لیے الگ الگ کر کے دی ہوئی تین طلاقوں پر شرعاً دو مختلف حکم نافذ کیے جاتے ہیں۔ اور اگر الگ الگ انت طالق انت طالق کہنے کی بجائے ایک ہی کلمہ اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہوئے کوئی شخص انت طالق ثلاثا یا اس کا کوئی ہم معنی لفظ بتۃ، خلیہ اور بریۃ وغیرہ کے الفاظ تین طلاقوں کی نیت سے کہے تو اس صورت میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے کہ وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال نہیں رہتی۔ جیسا کہ:

بیک کلمہ تین طلاقوں پر نبی کریم ﷺ کا فیصلہ

حضرت ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا
ان رجلا من اسلم طلق امرأته علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم
ثلث تطلیقات جمیعا کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اپنی بیوی کو اکٹھی
تین طلاقیں دے دی تھیں۔ فقال له بعض اصحابه ان لك
علیها رجعة تو اس طلاق دہندہ کو اس کے دوستوں میں سے کسی
دوست نے کہا کہ اس صورت میں تجھے رجوع کر لینے کا حق حاصل ہے؛
فانطلت امرأته حتیٰ دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم
پھر اس طلاق دہندہ کی مطلقہ بیوی حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت
اقدس میں حاضر ہوئی۔ فقالت پھر وہ مطلقہ عورت عرض گزار ہوئی:
ان زوجی طلقنی **ثلث تطلیقات فی کلمة واحدة**
کہ میرے شوہر نے مجھے ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدی ہیں؛

○ مقصد یہ تھا کہ آپؐ اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ کیا ایک ہی کلمہ میں
اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہوجاتی ہیں یا نہیں؛
نیز آپؐ یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ میں اور طلاق دہندہ شرعاً ایک دوسرے
کی میراث کے حق دار رہے یا نہیں۔

○ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد بنت منه ولا میراث
بینکما۔ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تیرے شوہر نے ایک ہی کلمہ میں تجھے اکٹھی
تین طلاقیں دے ڈالی ہیں، اور اس طرح اکٹھی تین طلاقیں دینا اچھا نہیں ہے
تاہم تو طلاق دہندہ سے جدا ہو چکی ہے، اور تم دونوں طلاق دہندہ اور
مطلقہ کے درمیان وراثت بھی نہیں ہے۔ (مدونة الکبریٰ ج ۲ ص ۳۲۱)

○ اسی طرح بعض دیگر روایات جو بظاہر باہم متعارض اور ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں، سو ان میں بھی اہلِ بصیرت کو کسی قسم کا تعارض نظر نہیں آتا، اگر مجمل روایات کو مفصل روایات کے ساتھ ملا کر غور سے دیکھا جائے تو جن روایات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے وہ بالکل نظر نہیں آئے گا۔ مثلاً:

○ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صراحۃً روایت نقل فرمائی ہے کہ غیر مدخول بہا یا بکر کو تین طلاقیں اکٹھی یعنی انت طالق ثلاثا یا اس کے ہم معنی الفاظ ایک کلمہ میں دی گئی ہوں، اور الگ الگ انت طالق انت طالق یا اس کے ہم معنی الفاظ کے تکرار کے ساتھ تین طلاقیں دی گئی ہوں تو ان میں سے صرف پہلی طلاق پڑتی ہے۔

○ اور اس کی مؤید صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے: ① ام المؤمنین سیدہ عائشہ، ② امیر المؤمنین سیدنا امام علی ③ سیدنا عبداللہ بن عباس ④ سیدنا ابوہریرہ ⑤ سیدنا انس بن مالک ⑥ سیدنا جابر بن عبداللہ ⑦ سیدنا ابوسعید خدری ⑧ سیدنا عبداللہ بن مغفل ⑨ سیدنا عمرو بن العاص ⑩ سیدنا زید بن ثابت ⑪ سیدنا عبداللہ بن مسعود ⑫ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ۔ اور تابعین میں سے شاگردانِ ابن عباسؓ ① محمد بن ایاس بن ابی بکیر ② معاویہ بن ابی عیاش ③ عامر بن شراحیل شعبی ④ ابراہیم نخعی ⑤ خلاس بن عمرو ⑥ حکم بن عتیبہ ⑦ ابوعبداللہ عکرمہ بربری ⑧ طاؤس بن کیسان۔ اور ⑨ حسن بن یسار بصری رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات قبل ازیں گزر چکی ہیں۔ لہٰذا:

○ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۶ پر منقول حضرت طاؤس، حضرت عطاء اور حضرت ابوالشعثاء کے فتویٰ کا مطلب بھی یہی ہے کہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ دی ہوئی تین طلاقوں میں سے صرف پہلی ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

- اسی طرح مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۶ پر منقول حضرت عمرو بن دینارؒ کے فتوے کا مطلب بھی یہی ہے، جس میں انھوں نے فرمایا ہے: وان جمعھن فھی واحدۃ کہ اگر اس نے غیر مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی ہیں تو ایک طلاق واقع ہوگی۔
- اس روایت میں جمعھن سے بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقوں کی بات ہو رہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہاں جمعھن سے ایک مجلس کی تین متفرق طلاقیں مراد ہیں۔ کیونکہ:
- قبل ازیں خود حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی کی ایک وہ روایت بھی گزر چکی ہے کہ ستاروں کی تعداد کے برابر طلاقیں دینے والے کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ عورت کو جدا کرنے کے لیے تو جوزا ستارے کا سرا ہی کافی تھا۔ (بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷)
- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن دینارؒ ایک کلمہ میں دی ہوئی اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔ اور جمعھن سے ایک مجلس میں تین مرتبہ انت طالق کے الفاظ ایک ساتھ ادا کرنا ہی مراد ہے۔
- اسی طرح حضرت عکرمہؒ سے جو روایت ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تین طلاقیں ایک ہیں (بیہقی ج ۷ ص ۳۵۵) لیکن اس کا مطلب بھی یہ نہیں جو بظاہر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۳۶ کے حوالے سے قبل ازیں خود حضرت عکرمہؒ کی روایت گزر چکی ہے کہ غیر مدخول بہا کو الگ الگ دی ہوئی تین طلاقوں سے پہلی ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔
- اسی طرح حضرت طاؤسؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور انھوں نے اس سلسلہ میں ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ بھی فرما دیا ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں کہیں مطلق حکم ہوگا اسے مقید کیا جائے گا۔ اور مجمل روایت کا فیصلہ مفصل روایت دیکھ کر کیا جائے گا۔

ائمۂ مجتہدین اور اُن کے متبعین کا مسلک

عُلماءِ شافعیہ کا مسلک

الامام محمد بن ادریس شافعی

1 حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی املائی کتاب "الام" ج ۵ ص ۱۸۲ میں فرمایا ہے کہ: "اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کہا: انت طالق ثلثا للسنۃ کہ تجھے سُنّت کے مُطابق تین طلاقیں ہیں، یا انت طالق ثلثا للبدعۃ کہا کہ تجھے خلافِ سنت تین طلاقیں ہیں، تو یہ بات کرتے ہی فوراً تین کی تین طلاقیں پڑ جائیں گی"۔

○ اس میں کسی قسم کا کوئی اُلجھاؤ اور پیچیدگی و ابہام نہیں ہے۔ یہ عبارت خود بتا رہی ہے کہ اس میں ان تین طلاقوں کے بارے میں شرعی حکم بتلایا گیا ہے جو ایک مجلس ہی نہیں بلکہ ایک ہی جملے کے ساتھ دی گئی ہو۔

○ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا: انت طالق اکثر الطلاق عددًا ۔ یعنی تعداد کے لحاظ سے (شرعاً) طلاقوں کی جو تعداد زیادہ سے زیادہ مقرر ہے 'اتنی تعداد میں تجھے طلاقیں دیں' تو اس کے کہنے سے بھی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں"۔ (الام ج ۵ ص ۱۸۳)

○ اسی طرح اگر کسی نے صرف انت طالق اکثر الطلاق کہا' یعنی تجھے بہت زیادہ طلاقیں دیں۔ تو اس صورت میں بھی (چونکہ شرعاً زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دی جاسکتی ہیں، اس لیے) تین کی تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ: "اس مسئلہ میں قرآن مجید ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے یا ہمبستری کے بعد تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے"۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۶۵)

فائدہ: حضرت امام شافعیؒ تو عرب کی قریشی مطلبی ہیں، جبکہ حضرت ابن جریجؒ اور ابن اسحاق دونوں عجمی ہیں، اس لیے قرآن مجید اور حدیث نبوی کو ان دونوں راویوں کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں، اور اس معاملے میں حضرت امام شافعی کو ابن جریج اور ابن اسحٰق پر ترجیح ہوگی۔

○ یاد رہے کہ سیدنا رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہؓ نے ایک طلاق کی نیت سے بتہ کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔

○ نیز یہ کہ حضرت امام شافعیؒ لفظ بتہ کے مفہوم کو بھی خوب اچھی طرح سمجھتے تھے، ان کے لیے یہ لفظ اجنبی یا غیر مانوس نہیں تھا۔ جبکہ:

○ ابن جریج اور ابن اسحاق دونوں کے لیے بتہ کا لفظ اجنبی تھا، وہ بتہ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن جریج و ابن اسحاق بتہ کے لفظ سے سمجھے کہ اس سے صرف تین طلاقیں مراد ہیں؛ اس لیے ان دونوں نے اپنی سمجھ کے مطابق روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے بتہ کی بجائے تین طلاقوں کا لفظ استعمال کر کے قیامت تک کے لیے اُمت محمدیہ کو ایک زبردست اُلجھن میں مبتلا کر دیا، جس کے نتیجے میں زنا کا دروازہ کھل گیا۔ (بتہ اور دیگر الفاظ کنایہ کی بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ)

○ اسی طرح حضرت طاؤسؒ کو بھی مغالطہ ہوا تھا، اور اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کو یہ بھی کچھ عرصہ تک ایک طلاق سمجھتے رہے تھے، اور اپنے بیٹے کے سامنے اپنی فہم کے مطابق الگ الگ یا اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں میں سے ایک طلاق واقع ہونے کا مسلک بیان فرمایا۔ مثلاً:

○ تمام صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ کر کے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے کہا جائے تو پہلی طلاق سے عورت جدا ہو جائے گی اور باقی دو طلاقیں فضول ہیں۔

لـ جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ہے۔ دیکھیے علماء کی توجیہات ص ۱۳۱ تا ۱۳۰

○ اور اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو وہ تینوں واقع ہو کر اس مرد پر وہ عورت حرام ہو جائے گی۔ لیکن

○ حضرت طاؤسؒ نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ سے فرمایا کہ یہ دونوں صورتیں برابر ہیں اور ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص میں ہے۔ اور پھر یہی بات مشہور ہو گئی۔

○ اس کے بعد جب حضرت طاؤسؒ کو اس مسئلہ کی تحقیق ہوئی تو اپنے اس مسلک سے رجوع فرمالیا۔ اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ سے فرمایا کہ آئندہ اگر کوئی کہے کہ طاؤس تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی سمجھتے تھے تو اس سے کہنا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ (اعلاء السنن ص۵۵۵ ج۱۱)

○ بہر حال خالص اہل لسان مجتہد، فقیہ اور محدث حضرت امام شافعیؒ نے احادیث نبویؐ و آثار صحابہؓ کی روشنی میں قرآن مجید کی آیت کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ جو شخص مدخول بہا کو یا غیر مدخول بہا کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے گا تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور یہی اصح ہے۔

○ البتہ احادیث نبویؐ میں طلاق دینے کے لیے بعض قیود و شرائط بھی آئی ہیں: مثلاً: ① حیض کی حالت میں طلاق نہ دی جائے۔ اور ② اس طہر میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں ہمبستری کی ہو۔ اور ③ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دی جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص اس شرعی طریقہ کے خلاف طلاق دے گا تو طلاق واقع ہی نہ ہوگی۔ اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ ایک طہر کے مختلف اوقات میں تین طلاقیں دی جائیں تو انہیں بھی ایک طلاق ہی سمجھ لیا جائے۔ مثلاً:

○ کوئی شخص ایک طہر میں پانچ پانچ دن کے وقفے سے ایک ایک طلاق دے تو کوئی شخص انہیں ایک طلاق تصور نہیں کر سکتا۔

لے یعنی ایک توجیہ کے مطابق۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک مجلس میں الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقیں دیدے تب بھی وہ تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ البتہ یہ طریقہ غلط ہے۔ کیونکہ:

○ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ ایسے طہروں میں طلاق دی جائے جن میں ہمبستری نہ کی ہو۔ لیکن قرآن مجید میں صراحۃً کہیں بھی نہیں آیا کہ ① حیض میں طلاق نہ دی جائے، یا ② اس طہر میں طلاق نہ دو جس میں ہمبستری کی جاچکی ہو، یا ③ ایک مجلس میں الگ الگ کرکے یا ④ ایک جملہ میں اکٹھی تین طلاقیں نہ دو" اور ⑤ نہ ہی قرآن مجید میں کہیں یہ آیا ہے کہ ایک مجلس میں الگ الگ یا اکٹھی، یا ایک طہر میں الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنا چاہیے۔ بلکہ ⑥ قرآن مجید میں مطلق تین طلاقوں کا ذکر ہے کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔

○ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث نبویؐ سے مستنبط اپنے مسلک کی تائید میں قرآن مجید کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے: فالقرآن واللہ اعلم یدل علی ان من طلق زوجۃ لہ دخل بہا او لم یدخل بہا ثلثا لم تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۶۵) کہ واللہ اعلم قرآن مجید اس بات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو ہمبستری کے بعد یا ہمبستری سے پہلے ہی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہتی" جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح نہ کرلے۔

○ حضرت امام شافعیؒ جیسے اہل لسان عرب اور محدث و مجتہد کی قرآن فہمی کے خلاف اگر کوئی آزاد خیال عجمی عالم خلافِ واقعہ خواہ مخواہ یہ شور مچانا شروع کردے کہ قرآن مجید میں الگ الگ طہروں میں ایک ایک طلاق دینے کا طریقہ بتلایا گیا ہے" اس لیے اگر الگ الگ طہروں کی بجائے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق بنتی ہے۔ تو یہ اُس کی غلط فہمی ہوگی۔

امام ابو اسحٰق ابراهیم بن محمد شیرازی شافعی

❷ حضرت امام ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد شیرازی شافعی (متوفی ۴۷۶ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ المہذب فی فقہ الشافعی ج ۲ ص ۸۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کے الفاظ میں سے مثلاً انت طالق یا انت بائن یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ کنایہ اگر تین طلاقوں کی نیت سے کہے گا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ پھر دلیل میں سیدنا رکانہؓ کی روایت بیان کی۔

○ اور اس کی تائید ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فتوے سے ہوتی ہے جس میں آپؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ "تجھے ایک طلاق دیتا ہوں جیسا کہ ہزار طلاقیں ہوتی ہیں" تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱)

امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حسینی شافعی

❸ حضرت امام تقی الدین ابوبکر حسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ج ۲ ص ۱۰۷ میں تحریر فرمایا ہے کہ تین طلاقیں خواہ ایک لفظ کے ساتھ ہوں یا کئی لفظوں کے ساتھ ہوں تو وہ عورت اس شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔

شیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الکوهجی شافعی

❹ المنهاج ج ۳ ص ۳۸۰ میں حضرت شیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الکوهجی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو انت طالق انت طالق انت طالق الگ الگ کر کے ایک ہی مجلس میں کہے تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔

ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی

❺ حضرت امام غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الوجیز ج ۲ ص ۳۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالنا اگرچہ بدعت تو نہیں ہے لیکن الگ الگ تین طہروں میں طلاقیں دینا بہتر ہے تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو۔

امام عبدالوہاب شعرانی شافعی

❼ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان شعرانی میں فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ مدخول بہا بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں جس میں ہمبستر ہوا ہو طلاق دینا حرام ہے، لیکن اگر کسی نے ان حالات میں طلاق دیدی تو واقع ہوجائیگی؛ اسی طرح اگر کسی نے ان حالات میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ بھی واقع ہوجائیں گی۔ (مواہب رحمانی اردو ترجمہ میزان شعرانی ج ۲ ص ۲۰۸) نیز:

○ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، تو اگر اس کی نیت ایک طلاق کی ہو تو ایک طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر تین طلاقوں کی نیت ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (ص ۲۱۸/۲)

علامہ محمد عبدالرحمٰن دمشقی شافعی

❼ حضرت امام عبدالوہابؒ شعرانی کی کتاب میزانُ الکبریٰ طبع مصر کے حاشیہ پر حضرتِ علامہ محمد عبدالرحمٰن دمشقی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رحمۃ الامہ ج ۲ ص ۷۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام تو ہے لیکن اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

امام ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی

❽ شرح روض الطالب من اسنی المطالب ج ۲ ص ۲۸۰ میں حضرت امام ابو یحییٰ زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دے، تو اگر اس کی بیوی نے بغیر نیت کے یونہی کہہ دیا کہ میں نے طلاق دے دی تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

ابوالعباس احمد رملی کبیر انصاری شافعی

❾ شرح روض الطالب ج ۳ ص ۲۸۶ کے حاشیہ پر حدیث رکانہؓ کا حوالہ

دے کر علامہ ابو العباس احمد رملی کبیر انصاری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی تھی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دے کر ان سے پوچھا کہ بتہ کہنے سے آپ کی مراد صرف ایک طلاق کی تھی یا دو کی یا تین کی۔ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ: واللہ! لفظ بتہ کہنے سے میری مراد صرف ایک طلاق کی تھی۔

○ حضرت ابو العباس احمد رملی کبیر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ اگر حضرت رکانہؓ نے بتہ کا لفظ کہتے ہوئے ایک کی بجائے دو یا تین طلاقوں کی نیت کی ہوتی تو صرف ایک مرتبہ بتـہ کا لفظ منہ سے نکالتے ہی تینوں طلاقیں واقع ہو کر ان کی بیوی سیدہ سہیمہ رضی اللہ عنہا حضرت رکانہؓ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتیں۔

امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی

⑩ شرح المنہاج ج ۳ ص ۲۹۶ میں حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر شوہر نے بیوی کو الگ الگ کر کے: تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ نیز:

○ شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ میں روایتِ طاؤسؒ سے بظاہر مستنبط ہونے والے مسئلہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ: اس مسئلہ میں علماء کا باہم اختلاف ہے، (لیکن صحابۂ کرامؓ کا کوئی اختلاف نہیں)، مثلاً: ① امام شافعی امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء سلف و خلف تمام کے تمام یہی فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں (ایک مجلس میں یا ایک لفظ یا کلمے کے ساتھ) کہنے سے تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔ ② ابن مقاتل کا قول ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ ③ حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق کبھی تو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں (الگ الگ یا اکٹھی) دینے

ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور کبھی کہتے ہیں کہ ایک بھی نہیں پڑتی۔ اور

④ حضرت طاؤس اور بعض اہلِ ظاہر کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق ہی پڑتی ہے۔ حضرت امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ بات غیر مدخولہا کے بارے میں حضرت طاؤس نے فرمائی ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو حضرت طاؤسؒ اس بات کے کبھی قائل نہیں رہے کہ تین طلاقیں اکٹھی ایک لفظ کے ساتھ دے دی جائیں یا الگ الگ کرکے دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہی بنتی ہے۔ اور اگر مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص کی روایت کے مطابق حضرت طاؤسؒ کبھی اس کے قائل رہے بھی ہوں تب بھی حضرت ابراہیم کرامیؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طاؤسؒ نے اس سے یقیناً رجوع کر لیا تھا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی

① حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ تمام علماء صحابہ کرام وغیرہم یہی فرماتے ہیں کہ تین طلاقوں کے بعد عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، حتیٰ کہ وہ عورت دوسرے مرد سے شادی کرلے۔ (جامع ترمذی ص ۱۴۴)

○ اس کے حاشیہ پر حضرت محدث احمد علی سہارنپوری نے فرمایا ہے کہ امراۃ رفاعہ کی حدیث مشہور ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

○ یاد رہے کہ اس حدیث میں تین طلاق کا لفظ نہیں ہے بلکہ بتّ طلاق کا لفظ آیا ہے، جو ظاہر ہے کہ تین مجلسوں کا محتاج نہیں، یہ لفظ تو صرف ایک سانس میں ادا ہو جاتا ہے۔ اور اس لفظ کے استعمال میں نیت کو دیکھا جاتا ہے۔ حدیث رکانہ میں بتّہ کے لفظ سے ایک طلاق مراد تھی، اور حدیث رفاعہ میں بتّ سے مراد تین طلاقیں ہیں، اور ظاہر ہے کہ اگر حضرت رفاعہ بھی فرما دیتے کہ بتّ سے میری مراد صرف ایک طلاق تھی، تو وہ بھی ایک طلاق قرار دے دی جاتی۔

امام عبد الرحمٰن بن کمال جلال الدین سیوطی شافعی

۱۲ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ائمہ اربعہ اور اُن کے مقلدین کا مذہب یہی ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ (مسالک الحنفاء ص ۵۶)

○ نیز آپ نے بیک وقت تین طلاقیں دینے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دو انگلیوں سے اشارہ کرکے کہے کہ تجھے طلاق ہے، اب اگر اس کی نیت دو طلاق دینے کی ہے تو دو طلاقیں پڑیں گی۔ اور اگر تین انگلیوں سے اشارہ کرکے کہے کہ تجھے طلاق ہے تو اگر اس کی نیت تین طلاقیں دینے کی ہے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیہ)

امام یوسف اردبیلی شافعی

۱۳ حضرت امام اردبیلی فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، یا کہا کہ تو طلاق والی یا تو طلاقی ہے، تو ایک طلاق واقع ہوگی

○ اور اگر اس نے یہ لفظ بول کر دو طلاقوں کی نیت کی تو دو طلاقیں ہوں گی

○ اور اگر اس نے یہی لفظ ایک بار کہہ کر تین طلاقوں کی نیت کی تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (الانوار الاعمال الابرار ج ۲ ص ۱۹۸)

امام شہاب الدین احمد بن نقیب مصری شافعی

۱۴ حضرت امام شہاب الدین احمد مصری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کسی شوہر نے بیوی کو کہا کہ تو طلاق والی ہے، اور اس کی نیت دو طلاقوں کی تھی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اگر اس کی نیت تین طلاقوں کی تھی تو (وقع مانوی)، تینوں طلاقیں اسی ایک لفظ سے پڑجائیں گی۔ (عمدۃ السالک وعدۃ الناسک ص ۲۱۶)

○ دیکھیے ایک لفظ سے کس طرح تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (رفاہ)

امام ابو بکر المشہور بالسید الکبیر شافعی

۱۵ حضرت امام سید کبیر شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شوہر نے اپنی مدخول بہا بیوی کو کہا کہ تو طلاق والی ہے، ایک طلاق بلکہ دو طلاقیں تو اس طرح کہنے سے تینوں طلاقیں پڑجائیں گی۔ (فتح المبین ج ۴ ص ۱۹،۲۰)

○ یعنی اگر وہ یہ کہتے ہوئے کہ ایک طلاق ہے، ساتھ ہی کہہ دے بلکہ دو طلاقیں ہیں، تو اس طرح "بلکہ" سے پہلے کہی جانے والی طلاق بھی شمار ہوگی اور "بلکہ" کے بعد والی دو طلاقیں بھی شمار ہوں گی اور یہ تینوں طلاقیں بیک کلمہ واقع ہوجائیں گی۔

امام شمس الدین محمد بن ابی العباس شافعی

۱۶ حضرت امام شمس الدین شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو خود کو طلاق دیدے، اور مرد کے دل میں تین طلاقوں کی نیت ہو لیکن اس کا اظہار بیوی کے سامنے نہ کرے، اور عورت بھی تین طلاقوں کے ارادے سے کہے کہ میں نے طلاق دیدی تو اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (نہایت المحتاج ص۴۳۰)

امام بدر الدین محمد بن بہادر زرکشی شافعی

۱۷ حضرت امام زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ جب میں تجھے کہوں کہ تو تین طلاقوں والی ہے، تو ان الفاظ کے کہنے سے میرا ارادہ طلاق دینے کا نہ ہوگا، بلکہ اس لفظ کے بولنے سے میری مراد یہ ہوگی کہ اٹھ کھڑی ہو یا بیٹھ جا۔ یا کہے کہ یہ لفظ یعنی تو تین طلاقوں والی ہے کہنے سے میرا ارادہ صرف ایک طلاق دینے کا ہوگا تو مذہب یہ ہے کہ اس کی اس بات کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ (خبایا الزوایا ص۳۴۷)

○ حاشیہ میں محشی نے لکھا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

امام ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی

۱۸ حضرت امام ابن حجر کنانی عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ اگر شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا کہے کہ تو طلاق والی ہے یا اسی طرح کے اور کوئی صریح الفاظ کہے تو جتنی تعداد کی نیت کرے گا اتنی طلاقیں ہی واقع ہوجائیں گی۔ یعنی اگر ایک طلاق کی نیت کریگا تو ایک طلاق ہی ہوگی، اور اگر دو کی نیت کرے گا تو دو طلاقیں اور اگر تین کی نیت کرے گا تو تینوں طلاقیں صرف ایک مرتبہ طلاق کہنے سے واقع ہوجائیں گی۔ اگرچہ وہ عورت مدخول بہا ہو۔ (تحفۃ المحتاج مع بحواشی شیروانی و ابن قاسم عبادی ج ۸ ص ۴۷)

امام کبیر شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی شافعی

۱۹ حضرت امام شرف الدین طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو کہے کہ تو تین طلاقوں والی ہے، یا تجھے تین طلاقیں تو حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور سلف وخلف سب یہی کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا ہم یعنی شافعیہ کے نزدیک حرام تو نہیں ہے لیکن الگ الگ کرکے دینا بہتر ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور لیث اکٹھی تین طلاقیں دینے کو بدعت کہتے ہیں۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ اگر تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں طلاقیں واقع نہ ہوا کرتیں (بلکہ آزاد خیال لوگوں کے بقول صرف ایک رجعی طلاق ہی واقع ہوا کرتی) تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے کبھی اس قدر ناراضی اور غصے کا اظہار نہ فرماتے جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدی تھیں۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ۶ ص ۱۳۳)

علماء مالکیہ کا مسلک

امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر ابوعبداللہ اصبحی

● حضرت محدث سحنون بن سعید تنوخی صاحب مُدوّنۃ الکبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اُستاذ اور حضرت امام مالکؒ کے شاگردِ رشید حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم ابوعبداللہ عتقی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ:

○ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو کیا حضرت امام مالک اس کو ناپسند فرماتے تھے؟ تو اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم نے فرمایا کہ: جی ہاں سخت مکروہ سمجھتے تھے۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ: طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایسے طہر میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو، یہاں تک کہ تین قروء گزر جائیں۔ اور ان تین قروؤں کے دوران مزید کوئی طلاق نہ دے۔ اور جب تیسرے حیض کا خون آجائے تو وہ عورت طلاق دہندہ شوہر اول سے جُدا ہوکر کسی دُوسرے شخص کے لیے حلال ہوجائے گی۔

○ حضرت سحنون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن سے مزید پُوچھا کہ: اگر کوئی شخص ہر طہر میں ایک ایک طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس بارے میں حضرت امام مالک کیا مسلک رکھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے شہر مدینہ منورہ میں اس قسم کے مکروہ اور غیر دانشمندانہ کام کا خیال کرتے ہُوئے کسی کو بھی نہیں دیکھا، اور نہ ہی کسی نے اس قسم کا کوئی فتویٰ مدینہ منورہ میں دیا۔

○ اور نہ ہی میں اس بات کو اچھا سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص ایک ایک کرکے تین طہروں میں تین طلاقیں دے۔ بلکہ طلاق دینے والے کو چاہیے کہ صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، حتیٰ کہ عدت پُوری ہوجائے۔

○ حضرت سحنون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے، یا ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق دے کر تین طلاقیں پوری کردے، تو کیا اس طرح حضرت امام مالک کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ امام مالک کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں تینوں طلاقیں ہی واقع ہوجائیں گی۔

○ حضرت سحنون نے پھر دریافت فرمایا کہ ایک شخص اگر ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع کرلیا ہو تو کیا حضرت امام مالک اسے مکروہ سمجھتے تھے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم نے فرمایا کہ حضرت امام مالک ایسے کام کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر اس صورت میں طلاق دے دی گئی تو وہ طلاق لازمی طور پر واقع ہوجائے گی۔ (مُدَوّنۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۱۹)

امام مالک بن انس ابوعبداللہ اصبحی کا خود اپنا قول

❷ خود حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ فتویٰ نقل فرمانے کے بعد جو ان دونوں حضرات نے ام المؤمنین سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دیا تھا، ارشاد فرمایا: وعلی ذلک الامر عندنا (موطا امام مالک ص۲۰۹) یعنی ہمارا فتویٰ بھی اسی بات پر ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن قاسم ابوعبداللہ عتقی مصری مالکی

❸ حضرت امام مالک کے خاص الخاص شاگرد حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم مالکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ (مُدَوّنۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۱۹)

امام یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر مالکی

④ حضرت ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہونے کے باوجود تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینہ ج ۲ ص ۵۸۰)

علامہ احمد بن محمد بن احمد مالکی

⑤ حضرت علامہ احمد بن محمد بن احمد مالکی دردیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑجاتی ہیں۔ (الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک ج ۲ ص ۵۴۳)
نیز آپ نے مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مدخول بہا کو مبتدا (انتِ) ذکر کرنے کے بعد و ، ف یا ثم کے ساتھ عطف کرکے طالق ، طالق کہے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی (ج ۲ ص ۵۴۱)

○ یعنی اگر کوئی کہے : انتِ طالق وطالق وطالق ، یا کہے : انتِ طالق فطالق فطالق ، یا کہے : انتِ طالق ثم طالق ثم طالق ۔ تو اس طرح کہنے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

○ یاد رہے کہ مذکورہ بالا صورت اسی وقت بن سکتی ہے جب ایک ہی مجلس میں یکے بعد دیگرے ایک سانس میں مسلسل انتِ طالق وطالق وطالق کے الفاظ کہے جائیں ، اور ایسا بے وقوف کوئی نہیں ہوسکتا جو ایک طہر میں انتِ طالق کہہ کر ایک ماہ کے وقفے سے وطالق کہے اور پھر خاموش ہوجائے اور ایک ماہ مزید انتظار کرکے وطالق کا لفظ کہے ، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک مجلس میں یکے بعد دیگرے مسلسل دی جانے والی تین طلاقوں کے نفوذ کی بات کی گئی ہے۔

علامہ ابوالضیاء خلیل بن اسحاق مالکی

⑥ حضرت علامہ ابوالضیاء مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہی فوراً نافذ ہوجاتی ہیں۔ (الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ج ۴ ص ۳۰)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی

⑦ حضرت علامہ خرشی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکٹھی یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ سب اسی وقت نافذ ہوجاتی ہیں اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔ (الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ج ۴ ص ۳۰)

علامہ احمد دردیر مالکی

⑧ شرح کبیر حاشیہ دسوقی ج ۲ ص ۳۶۴ میں حضرت علامہ احمد دردیر مالکی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تینوں طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔

علامہ شمس الدین مُحمد عرفہ دسوقی مالکی

⑨ حاشیہ دسوقی ج ۲ ص ۳۶۴ میں علامہ دسوقی نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ اکٹھی مجتمعۃً یا ایک مجلس میں متفرقۃً تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (حاشیہ دسوقی شرح کبیر ج ۲ ص ۳۶۴)

علامہ ابوعبداللہ الشیخ محمد احمد مالکی

⑩ حضرت شیخ محمد احمد مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں دینا مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی کلمہ میں دے ڈالے تو وہ نافذ ہوجائیں گی۔ (فتح العلی فی فتویٰ علی مذہب الامام مالک ص ۱۵/۲)

حافظ احمد بن محمد بن الصدیق مالکی

⑪ حضرت علامہ حافظ احمد بن محمد بن صدیق مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مسالک الدلالۃ علی مسائل متن الرسالۃ (رسالہ ابن درید) میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

علامہ شیخ محمد امیر الکبیر مالکی

⑫ حضرت علامہ شیخ محمد امیر الکبیر صاحب المجموع وغیرہ فی فقہ المالکیہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ اگر تین طلاقیں اکٹھی یا الگ الگ دی جائیں تو تینوں واقع ہوں گی۔ (الاکلیل شرح مختصر خلیل ص ۲۱۴ و ۲۱۵)

امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی مالکی

⑬ حضرت امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء یہی فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ (شرح موطا ج ۳ ص ۱۶۷)

○ نیز آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ حضرت امام یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکٹھی دی ہوئی تینوں طلاقوں کے واقع ہوجانے پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ (شرح موطا ج ۳ ص ۱۶۷)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت امام عبدالبر نے اس مسئلہ میں اجماع کا قول اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنے کا قول شاذ اور ناقابلِ التفات ہے، یعنی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھنے کا قول اس قابل ہی نہیں کہ اقوالِ علماء میں اس قول کو بھی کوئی جگہ دی جائے۔ (شرح موطا امام مالک ج ۳ ص ۱۶۷)

امام ابوالولید محمد بن احمد بن رُشد قرطبی مالکی

⑭ حضرت امام ابن رُشد مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اکناف و اطرافِ عالم اور تمام شہروں کے جمہور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک ہی کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ اور ان کے بعد عورت حرام ہوجاتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۶۰)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ جمہور اہلِ حق کے برعکس، اہلِ ظاہر اور ایک گروہ یعنی روافض کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی یا ایک ہی مجلس میں الگ الگ کرکے دی جائیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۶۰)

عُلماء حنابلہ کا مسلک

امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی

❶ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو صرف ایک لفظ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالتا ہے تو یہ اس شخص کی نادانی اور بے وقوفی ہے۔ اور اس طرح کرنے سے اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہو جاتی ہے، اور اس کے لیے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۷ ملخصاً)

امام عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی

❷ حضرت امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انت طالق ثلث تطلیقات کہنے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (مغنی مع شرح کبیر ج ۸ ص ۲۴۳ و ۲۴۲)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثاً کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، خواہ وہ شخص یہ بھی کیوں نہ کہے کہ اس لفظ سے میری نیت صرف ایک ہی طلاق دینے کی تھی۔ کیونکہ اس نے انت طالق کے ساتھ ثلاثاً کی تصریح کی ہے۔ (الکافی ج ۳ ص ۱۷۹)

○ نیز آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور اس پر اس کی بیوی حرام ہو گئی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۷۱ بحوالہ مغنی)

○ نیز آپ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کا اس میں کچھ فرق نہیں۔ یعنی اگر ایک ہی کلمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو اس کی بیوی خواہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو، وہ طلاق دہندہ پر حرام ہو جائے گی۔ اور یہ حکم سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمروؓ، سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اکثر اہل علم تابعین وائمہ مجتہدین کا بھی یہی قول ہے۔ (۱)

امام ابوالبرکات عبد السلام بن تیمیہ حنبلی

❸ حضرت ابن تیمیہ ابوالبرکات حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف ایک کلمہ کے ساتھ دی ہوئی اکٹھی تین طلاقوں کے بارے میں اجماع ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (منتقی الاخبار ص ۲۳۷)

امام ابواسحاق برھان الدین ابراھیم بن محمد بن مفلح حنبلی

❹ حضرت امام ابو اسحاق برہان الدین حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۸۴ھ) فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دیدے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی' اور یہ بات بہت بڑی جماعت سے مروی ہے اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ (المبدع فی شرح المقنع ج ۷ص ۲۶۲)

امام علاؤالدین علی بن سلیمان حنبلی

❺ حضرت امام علاؤالدین حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۸۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا: انت طالق ثلاثا للسنۃ. تو ایسے طہر میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔ یعنی اگر حیض کی حالت میں' یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو تو فوراً اسی وقت تو طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ اس نے انت طالق ثلاثا کے ساتھ للسنۃ کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن حیض کے بعد طہر شروع ہوتے ہی فوراً تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف ج ۸ص ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹)

○ نیز مصنف موصوف اور شارح' ہر دو نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے نص بیان فرمائی ہے۔ اور التصحیح اور المنظم میں اس کو صحیح فرمایا ہے۔ اور الوجیز میں اس پر جزم و یقین فرمایا ہے۔

علامہ شیخ مصطفیٰ سیوطی حنبلی

❻ حضرت علامہ مصطفےٰ سیوطی حنبلیؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقوں

کی نیت سے صرف ایک مرتبہ انت طالق کا لفظ کہے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ج ۵ ص ۳۹۰)

امام احمد بن محمد ابو عبد اللہ البعلی حنبلی

۷ حضرت امام احمد بعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی مدخول بہا بیوی کو دو مرتبہ انت طالق کہا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

○ اور اگر اس نے دُوسری مرتبہ انت طالق کے لفظ سے متصل کرکے تاکید کی نیت کرلی، یعنی دونوں جملوں کے درمیان وقفہ نہیں کیا' تو اس صورت میں صرف ایک طلاق ہی ہوگی۔

○ اور اگر اس نے کہا کہ دُوسری مرتبہ انت طالق کے لفظ سے میرا مقصد اس عورت کو سمجھانا تھا' اور دُوسری طلاق کی نیت نہ تھی' تو اس صورت میں بھی صرف ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔

○ اور اگر اس نے کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور اس سے پہلے بھی ایک طلاق ہے۔ تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

○ اور اگر اس طلاق دہندہ نے اپنی مدخول بہا بیوی کو کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور اس کے بعد بھی ایک طلاق ہے، تو اس صورت میں بھی دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ (الروض الندی شرح کافی المبتدی)

علامہ بدرالدین ابو عبداللہ محمد بن علی البعلی حنبلی

۸ حضرت علامہ ابو عبداللہ بعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی مدخول بہا یا غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں (بیک کلمہ) دے ڈالے تو بہر صورت تمام ائمہ دین کے نزدیک وہ عورت اپنے اس طلاق دہندہ شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔ اور اکثر علماء کرام کا قول یہی ہے۔ (مختصر الفتاویٰ مصریہ ص ۲۳۶)

علامہ بہاؤالدین بن عبدالرحمٰن ابراھیم مقدسی حنبلی

9 حضرت علامہ بہاؤالدین مقدسیؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے طلاقوں کی تعداد پوری کردی، یعنی الگ الگ کرکے یا ایک ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو اس صورت میں وہ مطلقہ عورت اس طلاق دہندہ شوہر کے لیے حلال نہیں رہے گی۔ (العدہ شرح العمدہ ص ۴۱۰)

علامہ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی حنبلی

10 حضرت علامہ منصور بہوتیؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی غیر مدخول بہا یا مدخول بہا بیوی کو صرف ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے چکا ہے، تو وہ تینوں طلاقیں ہی واقع ہوجائیں گی۔ اور اس صورت میں وہ مطلقہ عورت اس طلاق دہندہ مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوچکی ہے۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ (الروض المربع شرح زاد المستقنع ج ۳ ص ۱۴۷)

علامہ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی

11 حضرت علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے اپنے رسالہ "بیان مشکل الاحادیث الواردہ فی ان الطلاق الثلاث واحدۃ" میں تحریر فرمایا ہے کہ: اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ کسی صحابی، تابعی یا ائمہ سلف میں سے حلال و حرام کے بارے میں قابل اعتبار فتوے دینے والے کسی ایک امام کا بھی اس مسئلہ کے متعلق کوئی ایسا صریح قول ثابت نہیں کہ مدخول بہا بیوی کو جب ایک لفظ کے ساتھ اکٹھی تین کی تین طلاقیں دے جائیں تو وہ صرف ایک طلاق ہی سمجھی جاتی ہو۔ یعنی سب ائمہ سلف کے نزدیک بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی بنتی ہیں۔ (غایۃ السعایہ ج ۳ ص ۳۷۲)

12 نیز علامہ ابن رجبؒ نے اپنی دوسری کتاب "المحرر" میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک کلمہ یا دو تین کلموں میں تین طلاقیں دی جائیں، تو وہ سب واقع ہونگی، اگرچہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے۔ (المحرر ج ۲ ص ۵۱)

علامہ علی بن عقیل بن محمد بن عقیل بن عبد اللہ ابوالوفا حنبلی

١٢ حضرت علامہ ابوالوفا ابن عقیل حنبلیؒ نے التذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص انت طالق ثلاثا الا طلقتین کہے گا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، کیونکہ اس شخص نے اکثر کا استثناء کیا ہے۔ اور ایسا استثناء صحیح نہیں ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۷۵، وغایۃ السعایہ ص ۱۸۸)

امام ابوالنجا، شرف الدین حنبلی

١٣ حضرت امام ابوالنجا، شرف الدین حنبلیؒ (متوفی ۹۶۸ھ) نے الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبلؒ میں فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثا کہے گا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جیسے

○ کوئی شخص تین طلاقوں کی نیت کرکے انت طالق ثلاثا کہے تب بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

○ اور اگر تین کی نیت کرکے صرف ایک بار انت طالق کہے تب بھی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے انت طالق ھکذا کہے، یعنی تین انگلیوں کے اشارہ کے ساتھ کہ تو اتنی طلاقوں والی ہے۔ تو اس صورت میں بھی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبلؒ ج ۴ ص ۱۶)

قاضی ابوالحسن بن ابی یعلی حنبلی

١٤ حضرت قاضی ابوالحسن بن ابی یعلی نے طبقات الحنابلہ میں مسدد بن مسرہد کے ترجمہ یعنی حالات بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص بیک لفظ اکٹھی تین طلاقیں دے گا تو یہ اس شخص کی جہالت ہے۔ اور اس طرح کہنے سے اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہو گئی، اور وہ کبھی حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔

علامہ حافظ جمال بن عبد الہادی حنبلی

حضرت حافظ جمال بن عبد الہادی حنبلیؒ نے "السیر الحاث فی علم الطلاق الثلاث" میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور وہ مطلقہ عورت اس طلاق دہندہ مرد کے لیے حلال نہیں رہتی، یہاں تک کہ وہ عورت کسی دُوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے۔

○ آپ نے مزید فرمایا کہ اسی قول کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے اصحاب کی کتابوں میں بڑے جزم ویقین اور وثوق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

○ حضرت علامہ خرقی کی کتابیں، مسلک حنبلی کی کتاب الہدایہ، مقنع اور المحرر وغیرہ میں بڑی وضاحت سے یہی مسلک بیان کیا گیا ہے۔ نیز:

○ حضرت حافظ احمد بن محمد بن ہانی ابوبکر اثرم طائی (متوفی قریباً ۲۶۰ھ) نے فرمایا کہ خود میں نے اپنے استاذ حضرت ابوعبداللہ امام احمد بن حنبلؒ سے رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تھا جو حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے اور جس میں آتا ہے کہ عہدِ نبویؐ، عہدِ صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ میں تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی سمجھا جاتا تھا" تو آپ اس سے پیدا ہونے والے شبہ کا دفعیہ کس طرح فرماتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ارشاد فرمایا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دُوسرے متعدد تلامذۂ کرام کی روایات کے ذریعے، جن میں آتا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہیں۔ اور فروع میں اسی قول کو مقدم رکھا گیا ہے۔ نیز:

○ حضرت ابنِ قدامہؒ نے مغنی میں اسی قول پر وثوق اور اعتماد کیا ہے۔ نیز:

○ اکثر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی قول معتبر ہے، اور وہ اس کے سوا دُوسرا کوئی قول بھی بیان نہیں فرماتے۔ (اعلاء السنن ص۱۵۷ ج۱۱)

شیخ ابو محمد عبد القادر جیلانی حنبلی

⑫ حضرت شیخ ابو محمد عبد القادر جیلانی الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۵۶۱ھ) نے رافضیوں اور یہودیوں کی کئی اُمور میں باہم مماثلت بیان کی ہے، جن میں سے ایک یہ بھی ہے: الیهود لاترى فى الطلاق الثلاث شيئا وكذلك الروافض (غنية الطالبين ج ۱ ص ۶۲ طبع مصر) یعنی جس طرح یہودی تین طلاقوں کو کوئی شے نہیں سمجھتے بالکل اسی طرح روافض بھی تین طلاقوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے۔

امام شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ حنبلی

⑬ حضرت امام ابن تیمیہؒ کے شاگردِ رشید حضرت امام ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) اغاثۃ اللهفان ج ۱ ص ۳۲۶ میں حضرت امام ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن ابراہیم اللخمی المشطلی کی کتاب الوثائق الکبیر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: اَلْجَمْهُوْرُ مِنَ الْعُلَمَاءِ اِنَّهٗ يَلْزِمُهُ الثَّلَاثُ وَبِهِ الْقَضَاءُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى وَهُوَ الْحَقُّ الَّذِیْ لَاشَكَّ فِيْهِ کہ جو شخص اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو تینوں طلاقیں لازم ہو جانے پر جمہور علماء کا باہم اتفاق ہے، اور یہی فیصلہ ہے اور اسی طرح فتویٰ ہے اور حق بات بھی یہی ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی بھی شک وشبہ نہیں۔

○ نیز امام ابن قیم نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ جمہور علماء نے ① امیر المؤمنین سیدنا امام عمر بن الخطاب ② امیر المؤمنین سیدنا امام علی ③ سیدنا عبد اللہ بن مسعود ④ سیدنا عبد اللہ بن امام عمر ⑤ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص ⑥ سیدنا عبد اللہ بن عباس ⑦ سیدنا عبد اللہ بن زبیر ⑧ سیدنا عمران بن حصین ⑨ سیدنا مغیرہ بن شعبہ ⑩ امیر المؤمنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔

○ اسی طرح ⑪ سیدنا ابوہریرہ ⑫ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ۔ اور ⑬ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (اغاثۃ اللهفان ص ۲۲۳ ج ۱)

عُلماءِ احناف کا مسلک

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی التیمی الکوفی

1 حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

○ جب کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس طلاق دہندہ مرد پر حرام ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ عورت کسی دُوسرے مرد سے نکاح کرے۔

○ اور اگر اس مرد نے الگ الگ تین بار انت طالق انت طالق کہا ہو تو پہلی مرتبہ انت طالق کہتے ہی وہ عورت اس مرد سے بائن ہوگئی اور دُوسری و تیسری طلاقیں بے سود ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذ رشید حضرت امام محمدؒ نے کتاب الآثار ص ۷۱ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ یاد رہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں، صحابہ کرامؓ کے فیصلوں اور فتووں، تابعین کرامؒ کے فتووں اور تمام ائمہ مجتہدینؒ، اور ان کے متبعین کے مسلک اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں سرمو فرق نہیں ہے، اور ان کے تلامذہ و متبعین کا مسلک بھی یہی ہے۔ مثلاً:

امام محمد بن حسن بن فرقد ابو عبد اللہ شیبانی حنفی

2 حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذ رشید حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے مشہور تابعی حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

○ جب کسی شخص نے دخول سے پہلے ہی اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہوگئی حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ اور اگر اس مرد نے الگ الگ انت طالق انت طالق کہا تو پہلی کے ساتھ وہ عورت اس مرد سے بائن ہوگئی اور دوسری اور تیسری طلاق کسی اجنبی عورت کو طلاق دینے کی طرح ہے۔ اور پھر امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔ (کتاب الآثار ص ۷۱)

○ نیز آپ نے مؤطا میں وہ روایت بھی نقل فرمائی ہے جس میں آیا ہے کہ کسی شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اسی عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کا خیال پیدا ہوا تو مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا تو سیدنا ابوہریرہؓ اور سیدنا ابن عباسؓ دونوں نے بیک زبان فرمایا کہ اب وہ عورت اس شخص کے لیے حلال نہیں رہی: حتی تنکح زوجا غیرہ۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے تو ایک مرتبہ ہی کہا تھا۔ تو اس پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جب تو نے اکٹھی تینوں چھوڑ دی ہیں تو اب باقی کیا رہا۔ ایک دو ہوتیں تو پھر کچھ گنجائش نکل سکتی تھی۔ اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد حضرت امام محمدؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور ہمارے دیگر تمام فقہاء کرامؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (مؤطا امام محمد ص ۲۶۳)

امام یعقوب بن ابراھیم بن حبیب قاضی ابو یوسف حنفی

۳ حضرت امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ھ) نے بھی حضرت ابراہیم نخعیؒ کے حوالے سے فرمایا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو انت طالق انت طالق انت طالق تین بار کہے تو وہ عورت پہلی بار انت طالق کہتے ہی مرد سے جدا ہو جاتی ہے۔ یعنی نکاح ہو جاتا ہے اور عدت بھی نہیں ہوتی، اس لیے بعد والی دو طلاقیں غیر مملوکہ اور اجنبیہ کو ہوئیں جو بے سود ہوتی ہیں۔ اور جب اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔ (کتاب الآثار ص ۱۳۱)

امام احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ ابو جعفر طحاوی حنفی

۴ حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو صرف ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے ڈالے خواہ وہ عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، تو وہ تینوں طلاقیں اس پر لازم ہو گئیں۔ اور وہ عورت

اس پر حرام ہوگئی اور اب نکاح جدید کے ساتھ بھی اس کے ساتھ جماع جائز نہیں۔ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔ (مختصر طحاوی ص ۱۹۶)

امام حافظ الدین عبد اللہ بن احمد ابو البرکات نسفی حنفی

⑤ حضرت امام ابو البرکات نسفیؒ (متوفی سنہ ۷۱۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ ایک طہر کے مختلف اوقات میں، یا صرف ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دے دینا بدعت ہے۔ (کنز الدقائق ص ۵۲)

امام برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل حنفی

⑥ حضرت امام برہان الدین علی بن ابی بکرؒ (متوفی سنہ ۵۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ طلاق بدعی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ اکٹھی، یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے ڈالے، اس طرح تینوں طلاقیں بھی واقع ہوجائیں گی اور طلاق دہندہ گنہگار بھی ہوگا۔ (ہدایہ ص ۳۳۵)

امام نصر بن محمد بن ابراہیم ابو اللیث سمرقندی حنفی

⑦ حضرت امام فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ (متوفی سنہ ۳۷۵ھ) نے تحریر فرمایا کہ اگر غیر مدخول بہا کو ایک طلاق دے تو وہ بائن ہوجاتی ہے۔

اور اگر اکٹھی تین طلاقیں دے تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔

اور اگر الگ الگ کرکے دو یا تین دے تو پہلی طلاق واقع ہوجائے گی، اور دوسری و تیسری واقع نہ ہوگی، کیونکہ محل نہیں رہا۔ (فتاویٰ النوازل ص ۱۳۲)

امام عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ محبوبی حنفی

⑧ حضرت امام عبید اللہ بن مسعود محبوبیؒ (متوفی سنہ ۷۴۵ھ) نے تحریر فرمایا کہ اگر غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔

اور اگر الگ الگ کرکے دیں تو پہلی سے بائن ہوجائے گی اور دوسری اور تیسری طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ یعنی وہ عورت ایک طلاق سے اجنبی ہوجاتی ہے اس لیے باقی طلاقیں مؤثر نہیں ہوتیں۔ (شرح الوقایہ ج ۲ ص ۸۲)

علماء ظاہریہ کا مسلک

علامہ علی بن احمد بن سعید بن حزم ابو محمد ظاہری

❶ حضرت علامہ ابن حزم ظاہری نے محلّٰے ج ۱۰ ص ۲۰۷ میں تحریر فرمایا ہے

ثم وجدنا حجة من قال ان الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة قول الله تعالیٰ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. فهذا يقع الثلاث مجموعة و مفرقة. ولا يجوز ان يخصص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص. کہ پھر ہم نے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو بدعت نہ سمجھنے بلکہ سنت سمجھنے والوں کو یہ دلیل دیتے ہوئے پایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: "پھر اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک کہ وہ عورت کسی اور مرد سے شادی نہ کرلے۔"

○ اس آیتِ کریمہ کا مضمون ان تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو اکٹھی ایک ہی مجلس میں ایک لفظ کے ساتھ مجتمعۃً دی جائیں۔ اور ان تینوں طلاقوں پر بھی اسی طرح صادق آتا ہے جو متفرق طور پر الگ الگ کرکے دی گئی ہوں۔

○ اور قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ کو اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کے علاوہ صرف متفرق اور الگ الگ کرکے دی ہوئی تین طلاقوں کے ساتھ بغیر کسی نص کے مخصوص کرنا جائز نہیں۔ (محلی لابن حزم ج۱۰ ص ۲۰۷)

علامہ شمس الحق عظیم آبادی

❶ حضرت علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ دی ہوئی تین طلاقوں کے واقع ہونے کی صحت پر علماءِ کرام کا اجماع ہے۔ (التعلیق المغنی ص ۴۳۰)

خاتمہ

○ شریعتِ موسویہ میں طلاق کی اجازت سے بنی اسرائیل نے ناجائز فائدہ اٹھایا، تو

○ شریعتِ عیسویہ میں اللہ تعالیٰ نے زجراً طلاق کی اجازت کو منسوخ فرما دیا۔ لیکن

○ شریعتِ محمدیہ میں چند قیود کے ساتھ پھر سے طلاق کی اجازت عطا فرما دی کہ اگر عورت میں سرکشی پیدا ہونے لگے تو اس کی اِصلاح کے لیے کوشش کی جائے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار منزلیں بیان فرمائیں جن کے بعد طلاق کی اجازت ہے۔

○ پہلی منزل ہے فَعِظُوْهُنَّ کہ اُنھیں نرمی کے ساتھ سمجھاؤ۔ اور شریف عورت کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے، اس لیے غصے میں کوئی سخت کارروائی نہ کریں۔

○ دُوسری منزل ہے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کہ ان کے ساتھ ہمبستری میں مقاطعہ کرلیں، لیکن پہلے تحقیق کرنا ضروری ہے کیونکہ بدگمانی میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

○ تیسری منزل ہے فَاضْرِبُوْهُنَّ کہ اگر اِصلاح کے پہلے دونوں طریقے کارگر نہ ہوں تو انھیں مسواک جیسی چیز سے ہلکا سا مار بھی لیں، اس سے زیادہ منع ہے۔

○ چوتھی منزل فَابْعَثُوْا حَكَمًا ہے کہ اگر سابقہ تینوں درجوں میں اصلاح نہ ہوسکے تو اس صُورت میں دونوں میاں بیوی کی طرف سے پنچ مقرر کیے جائیں، تاکہ وہ ان دونوں کے درمیان مصالحت و مفاہمت کے لیے کوشش کریں۔ (۴: ۳۴، ۳۵)

○ ان منازلِ اربعہ کے بعد بھی اگر صلح کی کوئی صُورت نہ نکلے تو پھر شرعی حکم کے مُطابق طلاق کی اجازت ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں ہمبستری نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے کر خاموش ہو جائے اور دُوسری طلاق نہ دے۔

○ اور اس کے بعد تین حیض پُورے ہونے تک اس عورت کو طلاق دہندہ اپنے گھر میں عِدّت گزارنے دے اور عِدّت کے بعد عورت آزاد ہو جاتی ہے۔

○ اور دورانِ عِدّت عورت کا نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام مرد پر فرض ہے۔

○ جو شخص شریعتِ مطہرہ کے مطابق ایک طلاق دے گا اسے شرعاً عِدّت کے دوران رجوع اور بعد از عِدّت تجدیدِ نکاح کرلینے کا حق بھی حاصل ہے۔

- اور اگر دورِ جاہلیت کی طرح رجوع کرنے سے اصلاح مقصود نہ ہو بلکہ ایک بار پھر طلاق دینا، یا بار بار طلاق دے کر رجوع کرتے رہنا مقصود ہو تو یہ جائز نہیں
- اسی جاہلانہ طریقہ کو ختم کرنے کے لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حد مقرر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (۲: ۲۲۹) یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند کو رجوع کا حق دیا گیا ہے اس کی آخری حد دو طلاق ہے۔ خواہ دو طلاقیں اکٹھی دے یا الگ الگ ایک ہی مجلس میں یا مختلف اوقات میں، ایک طہر میں یا مختلف طہروں میں یا کئی سال گزرنے کے بعد دوسری طلاق دے، اس وقت تک اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر کسی نے تیسری طلاق بھی دے دی (فان طلقها ۲: ۲۳۰) تو وہ شریعت کی بتائی ہوئی آخری حد سے تجاوز کر گیا، اس لیے اب وہ عورت (لَا تَحِلُّ لَهُ) اس طلاق دہندہ کے لیے حلال نہ رہی حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔
- بہرحال فرمانِ الٰہی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ رجوع کی آخری حد بتانے میں نص ہے اور

نص کا معنیٰ: مَا سِيقَ لَهُ الْكَلَامُ ہے۔ یعنی جس غرض کے لیے کلام چلائی گئی ہو، اور اس آیتِ مبارکہ میں دورِ جاہلیت کی بے راہ روی کو روکنے کے لیے رجوع کی آخری حد بتائی گئی ہے۔ جبکہ الگ الگ کرکے دو طلاقیں دینا ظاہر عبارت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ اور ظاہر سے نص مقدم ہوتی ہے۔

- چونکہ اس آیت سے رجوع کی آخری حد بتانا مقصود ہے کہ اس کی حد دو طلاقیں ہے یہ مطلب نہیں کہ دو طلاقیں الگ الگ دی جائیں اور اکٹھی نہ دی جائیں یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے پر ناراضی کا اظہار فرمایا تھا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے آگے قدم رکھ کر اپنا گھر برباد کر لیا تھا۔ جو دوبارہ آباد نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ تنکح...... اور دُنیا کا بڑے سے بڑا عالمِ دین اور مفتی ان تین طلاقوں کو کالعدم قرار نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص غصے کی حالت میں اپنی بیوی کے گلے پر چھری چلا کر

اس کا سر تن سے جُدا کر دے اور پھر اپنا اُجڑا ہُوا گھر دوبارہ آباد کرنے کی غرض سے یورپ و امریکا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ معالج و جراح Doctor Surgeon کے پاس جاکر اس کی منت سماجت کرتے ہُوئے کہے کہ مجھ سے غصے کی حالت میں ایسا کام ہوگیا ہے، اس لیے آپ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہُوئے اسے زندہ کر دیں تاکہ میرا اُجڑا ہُوا گھر پھر سے آباد ہو جائے۔ لیکن جس طرح یہ ناممکن ہے، اسی طرح تین طلاقوں کے بعد دوبارہ گھر آباد کرنا بھی ناممکن ہے۔ نیز؛

الطلاق مـرّتان کے لفظ سے الگ الگ طُہروں میں دو طلاقیں دینا ہی مراد نہیں؛ اور نہ ہی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور جو دو طلاقیں مراد ہیں ان کی کئی صُورتیں ممکن ہیں، مثلاً: ○ ایک ہی مجلس میں ایک کلمہ کے ساتھ "تجھے دو طلاقیں ہیں"۔ ○ ایک مجلس میں الگ الگ "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے" کے الفاظ کہنا۔ ○ دو مختلف مجلسوں میں؛ ○ مختلف اوقات؛ یا ○ مختلف طہروں میں الگ الگ طلاق دینا۔ یہ سب کے سب "مرّتان" میں شامل ہیں جیساکہ:

○ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ عہدِ نبوی میں بھی لوگ ایک ہی مجلس میں دو یا تین طلاقیں بھی دے دیا کرتے تھے، اور ان پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دو یا تین طلاقوں کے وقوع کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن کسی صحیح حدیث میں کہیں نہیں آیا کہ ایک مجلس کی دو یا تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں؛ البتہ؛

○ الفاظ کنایات میں سے "بتہ" کا لفظ ایسا ہے کہ جس میں نیت کا لحاظ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق کی نیت سے بتہ طلاق دینے والے سے قسم لے کر اسے ایک رجعی طلاق قرار دیا تھا۔

○ اہل علم جانتے ہیں کہ اگر تین کا ارادہ ہو تو بتہ، خلیہ، اور بریہ میں سے کوئی سا لفظ صرف ایک مرتبہ کہنے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور صحابہؓ تابعین، تبع تابعین، محدثین اور ائمۂ مجتہدین میں سے کسی ایک شخصیت نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ:

○ بعض روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض غیر صحابی علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں جن کا نام لیا جاتا ہے ○ اول تو وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ○ دُوسرے یہ کہ وہ سب بھی ایں جنھوں نے بتہ سے تین طلاقیں کہیں ○ تیسرے یہ کہ ان کا اختلاف اجماع صحابہ کے بعد ہُوا، جو قرآن مجید کی رو سے مردود ہے ○ چوتھے یہ کہ اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں کی اعتقادی و عملی زندگی مشکوک ہے اگرچہ وہ علم کا پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں جن میں سے ○ ایک تو وہ کوئی بوڑھا ہے جس نے اس غلط مسئلے کی جھوٹی نسبت امام علیؓ کی طرف کر دی ○ اور بعض وہ ہیں جنھوں نے امام جعفر صادقؒ کی طرف نسبت کی ○ اور بعض نے علماء متاخرین کے تسامح کو ان کے علمی مقام سے مرعوب ہو کر سر آنکھوں پر رکھ لیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ کبھی سوار گر بھی پڑتے ہیں اور تیراک ڈوب بھی جاتے ہیں ○ اور بعض وہ بھی ہیں جو نص قطعی اور متواتر احادیث و آثار کے ہوتے ہوئے اپنے قیاس کو دخل دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں۔

○ اور اگر اس شرذمۂ قلیلہ اور تھوڑی سی ٹولی کو قابلِ توجہ سمجھا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس شرذمۂ قلیلہ نے اس مسئلہ میں شبہ پیدا کر دیا۔ اس لیے اس متفق علیہا مسئلہ کو اختلافی مسئلہ نہیں کہا جاسکتا جن میں سے ایک راجح اور دُوسرے کو مرجوح قرار دے کر راجح کو معمول بنایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو بات شبہ کی ہے، جبکہ شرعاً شبہ کی چیز سے بچنا ضروری ہے۔ چنانچہ:

○ امیر المؤمنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جدِ امجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ معصوم سے سُنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ کہ جس کام میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو چھوڑ کر اس کام کو اختیار کرو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ (مسند احمد ص ۳۲۹ ج ۱)

○ نیز یہی فرمانِ رسولؐ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۰ و ج ۳ ص ۱۵۳ و ۲۲۳ و ۶۵۴ و جامع صغیر ج ۲ ص ۱۲ میں سنن نسائی و معجم کبیر طبرانی و ترمذی و صحیح ابن حبان وغیرہ کے حوالے سے منقول ہے۔

○ علاوہ ازیں اور بھی کئی احادیثِ صحیحہ میں شبہ کی چیز سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔
لہٰذا اگر اس شرذمۂ قلیلہ کے قول سے حلال و حرام کے اس مسئلہ میں شبہ پیدا ہو گیا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وائمہ مجتہدین اور ان کے متبعین کو دیکھیں تو ان کے نزدیک الگ الگ یا اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں، اور اس مطلقہ بثلاث عورت کو گھر بسانا گویا زنا ہے،
اور شرذمۂ قلیلہ کو دیکھیں تو اُن کے نزدیک وہ عورت طلاق دہندہ پر حلال ہے۔
اور چونکہ حلال و حرام کے معاملے میں شبہ کی چیز سے بچنا فرض ہے اس لیے حرمت کا فتویٰ دینا ہی ضروری ہے۔ جیسا کہ:

○ اگر کوئی پیاسا شربت پینے لگے تو کوئی شخص شبہ ڈال دے کہ اس مشروب میں زہر ملایا گیا ہے، جبکہ دوسرا شخص اس کی تردید بھی کر دے تو عقلمند آدمی وہی ہوگا جو اس مشروب کو پینے کی بجائے پیاسا رہنے کو ترجیح دے گا۔

○ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ طلاق میں شبہ کی کوئی بات نہیں، اور ہم ناقابلِ تردید دلائلِ واضحہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں وہ تین ہی شمار ہوتی ہیں اور مطلقہ بثلاث طلاق دہندہ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ اور اس بات کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ عہدِ نبویؐ اور عہدِ صدیقی میں تین کو ایک سمجھنے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو شرعی احکام کا اچھی طرح علم نہیں تھا بس وہ لوگ ہی تین کو ایک سمجھتے تھے اور نہ ہی طلاق کی کوئی حد ہی ان کے یہاں مقرر تھی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ جاہلی طریقہ کے مطابق بار بار طلاق دے کر رجوع کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی طریقہ کو منسوخ کر کے رجوع کا حق صرف دو طلاقوں تک محدود فرما دیا۔ لیکن اس شرعی حکم کا علم بہت کم لوگوں کو ہوا امیر المومنین سیدنا امام عمرؓ نے ایک مجلس علمی میں اس مسئلہ کو مشتہر فرما دیا اور اس طرح اس مسئلہ کا شمار بھی امام عمرؓ کی شرعی اصلاحات میں ہونے لگا جیسا کہ:

امام عمرؓ کی شرعی اصلاحات

○ اُمّ ولد کو بیچنا عہدِ نبوی میں منسوخ ہو چکا تھا، لیکن بہت سے صحابہؓ کو اس کا علم نہ ہو سکا اور وہ اسے جائز سمجھتے رہے، پھر امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرما دیا۔ (دیکھیے: مشکوٰۃ ص ۲۸۰)

○ اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ ہم (صحابۂ کرامؓ) عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقؓ میں متعہ کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں متعہ سے روک دیا، پھر ہم نے کبھی متعہ نہ کیا۔ (دیکھیے: صحیح مسلم ص ۴۵۱)

○ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں لوگ متعہ کو جائز سمجھتے تھے، اور جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو مسلموں میں یہ حیا سوز کام دیکھا تو انھیں مختلف مواقع پر اس فعلِ قبیح سے منع فرمایا۔ لیکن یہ بات بھی تمام صحابہؓ تک نہ پہنچی، اور نسخِ متعہ کا یہ حکم صرف انھی لوگوں تک محدود رہا جنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مبارک سے سُن لیا تھا۔ مثلاً:
○ بعض صحابہؓ نے غزوۂ خیبر میں سُنا تو وہ اس سے رُک گئے، ○ اور بعض وہ صحابہؓ جو غزوۂ خیبر میں موجود نہ تھے تو انھوں نے فتحِ مکہ کے موقع پر سن لیا، ○ اور بعض نے غزوۂ اوطاس میں، ○ اور بعض نے غزوۂ تبوک میں، ○ اور بعض حجۃ الوداع کے موقع پر سُن سکے، اور وہ اس کام سے باز آ گئے۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے صحابہؓ کو نسخِ متعہ کے اس حکم کا علم نہ ہو سکا، پھر امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ بعض لوگ نسخِ متعہ کے متعلق شرعی حکم کا علم نہ ہونے کی وجہ سے متعہ کو جائز سمجھتے ہیں جس کا دورِ جاہلیت میں رواج تھا، تو انھوں نے نسخِ متعہ کے شرعی حکم کی تشہیر فرمائی تاکہ آئندہ کوئی شخص زنا جیسے اس گھناؤنے جرم کا مرتکب نہ ہو۔

○ اسی طرح بعض روایات میں نمازِ جنازہ کے دوران پانچ تکبیروں کا ذکر آتا ہے جبکہ بعض روایات میں چار، بعض میں چھ، بعض میں سات اور بعض میں

آٹھ تکبیروں کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس بات کا ذکر بھی ان روایات میں موجود ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں لوگ اسی طرح مختلف تعداد میں تکبیریں کہتے تھے۔

○ امیر المومنین نے اپنے عہدِ خلافت میں جب یہ ماجرا دیکھا تو فرمانے لگے کہ آپ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہونے کے باوجود اگر باہم اختلاف کریں گے تو آپ کے بعد آنے والے لوگ تو اور بھی زیادہ اختلاف کریں گے، کیونکہ یہ لوگ ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں، اس لیے آپ تمام کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں تو آپ کے بعد آنے والے لوگ بھی متفق رہیں گے۔ (دیکھیے: سنن نسائی ص ۲۸۱ مع حاشیہ وکتاب الآثار محمدؒ ص ۴۰)

○ اس کے بعد صحابۂ کرامؓ نے اس سلسلے میں غور کیا اور تمام اس نتیجے پر پہنچے کہ چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری جنازے میں صرف چار تکبیریں کہی تھیں اس لیے چار تکبیریں ہی کہنی چاہئیں، اور پھر اس پر ہی تمام صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔ اور صحابہ کا اتفاق اور اجماع حجتِ شرعیہ سمجھی جاتی ہے۔ (طحاوی)

○ اسی طرح امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اور بھی کئی شرعی اصلاحات کا خصوصی اہتمام فرما کر اُمتِ محمدیہ پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ
اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ حَمَلَةِ الْوَحْيَيْنِ الْعَامِلِيْنَ الْكَامِلِيْنَ
الَّذِيْنَ لَا يُتَّهَمُوْنَ بِالتَّقْصِيْرِ فِيْ مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ وَكَانُوْا أَطْوَعَ
النَّاسِ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ. سِيَّمَا عَلَى الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ
الَّذِيْنَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْهِمْ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

حق الاظہار

فی تحقیق

معنی الشغار

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمہ اللہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

حق الاظہار فی تحقیق معنی الشغار

مصنفہ: شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی

ہمارے دوست محترم قاری عبدالقیوم صاحب کو ان کے کسی دوست نے مجلہ "الدعوۃ" بابت ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ دکھایا اور کہا کہ اس کے صفحہ ۳۰ پر وٹہ سٹہ کی شادی کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب شائع ہوا ہے۔ جسے پڑھ کر بہت پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ ہمارے معاشرے کا تقریباً نصف حصہ اس فتویٰ کی زد میں آتا ہے۔ محترم قاری صاحب موصوف نے وہ رسالہ حضرت علامہ نیلوی مدظلہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس کے متعلق اپنی محققانہ رائے لکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ نے اسے پڑھ کر اہل لغت و محدثین اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کی روشنی میں اس کا جواب تحریر فرمایا۔ سب سے پہلے مجلہ "الدعوہ" میں شائع ہونے والا سوال اور محترم مبشر احمد ربانی صاحب کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی کا جواب الجواب لکھا جائے گا۔ (ایڈیٹر)

سوال ہمارے معاشرے میں بے شمار رسم و رواج ایسے ہیں کہ ان سے نجات پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور خاندان و کنبہ والے افراد سے بائیکاٹ کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس معاشرے میں رہتے ہوئے نکاح کے مسائل میں سے ایک مسئلہ درپیش ہے کہ وٹہ سٹہ شادی کا شرعی طور پر کیا حکم ہے کتاب و سنت کی روشنی سے وضاحت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا
(ایک سائل، سندھ)

جواب (از محترم مبشر احمد صاحب) نکاح وٹہ سٹہ کو شرعی طور پر "شغار" کہا جاتا ہے اور شغار کی ممانعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی ایک احادیث میں موجود ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاشغار فی الاسلام۔ (صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم نکاح الشغار و بطلانہ (۱۴۱۵) ۲/ ۱۰۳۵۔ مسند احمد ۲/ ۹۱'۳۵) اسلام میں نکاح شغار نہیں ہے۔

○ یہ روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح بھی مروی ہے: "ان رسول اللہ نھی عن الشغار" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار (وٹہ سٹہ) سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم نکاح الشغار و بطلانہ (۱۴۱۵) ۲/ ۱۰۳۴۔ موطا امام مالک' باب جامع مالا یجوز من النکاح (۲۴)۔ کتاب الام للشافعی ۵/ ۷۹۔ صحیح بخاری' کتاب النکاح' باب الشغار (۵۱۱۲) و کتاب الحیل (۶۹۶۰)۔ ابو داؤد' کتاب النکاح' باب الشغار (۲۰۷۴)۔ ابن ماجہ (۱۸۸۳)۔ مسند احمد: ۲/ ۷'۱۹'۳۵'۶۲

○ نیز یہی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم' سنن نسائی' ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں بھی مروی ہے اور انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ ابن حبان اور مسند احمد میں' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ترمذی' ابو داؤد نسائی' ابن حبان و ابن ابی شیبہ' مسند طیالسی اور مسند احمد میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مسلم' بیہقی اور مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔

○ غرض اس صحیح ترین حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وٹہ سٹہ کی شادی شرعی طور پر ناجائز و حرام ہے اور نکاحِ شغار کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کی زیر ولایت ہو اس شرط پر بیاہ دے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کی زیر ولایت ہو بیاہ دے۔ اور یہ شرط شرعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی شرط کتاب و سنت میں موجود نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

○ كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ۔ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔ مسند احمد: ۲/ ۲۱۳'۱۸۳ نیز بخاری' کتاب البیوع'

باب اذا اشترط فی البیع شروطا لا تحل (۲۱۶۸)
صحیح مسلم کتاب العتق (۱۵۰۴) وغیرہ میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

○ مَا بَالُ رِجَالٍ یَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَیْسَتْ فِی کِتَابِ اللّٰهِ مَا کَانَ مِنْ شَرْطٍ لَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ کَانَ مِائَةَ شَرْطٍ. (الحدیث)
ایسے لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں؟ ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے۔ اگرچہ وہ سو (۱۰۰) شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔

○ امام ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ولا یحل نکاح الشغار. وھو ان یتزوج ھذا ولیۃ ھذا علی ان یزوجہ الآخر ولیتہ ایضا. سواء ذکرا فی کل ذلک صداقا لکل واحدۃ منھما اولا حدھما دون الاخری او لم یذکرا فی شیء من ذلک صداقا. کل ذالک سواء. المحلی: ۹/ ۱۱۸. نکاح وٹہ سٹہ حلال نہیں اور وٹہ سٹہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی زیر ولایت لڑکی سے اس شرط پر شادی کرے کہ دوسرا آدمی بھی اپنے زیر ولایت لڑکی کو اسی طرح اس کے ساتھ بیاہ دے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ انھوں نے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یا ایک کا مہر ذکر کیا ہو اور دوسری کا نہ کیا ہو۔ یا دونوں میں سے کسی کا بھی حق مہر ذکر نہ کیا ہو۔ یہ تمام صورتیں برابر ہیں۔

○ البتہ شغار (وٹہ سٹہ) کی جو تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی اس شرط پر دوسرے کو بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا اور ان دونوں کا مہر نہ ہو تو یہ نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری 'کتاب الحیل' (۶۹۶۰) میں ہے کہ عبیداللہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں: قلت لنافع ما الشغار. قال ینکح ابنۃ الرجل وینکحہ ابنتہ بغیر صداق' وینکح اخت الرجل وینکحہ اختہ بغیر

صداق۔ میں نے نافع سے کہا شغار کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کی بیٹی سے اس طرح نکاح کرے کہ دوسرا اسے اپنی بیٹی نکاح کر دے اور درمیان میں مہر نہ ہو اور دوسرے آدمی کی بہن سے اس طرح نکاح کرے کہ وہ اسے اپنی بہن نکاح میں دے دے اور درمیان میں حق مہر نہ ہو۔۔۔ اگرچہ شغار کی اس تعریف میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ یہ امام مالک' یا نافع' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح ہے۔ لیکن صحیح تر قول یہی ہے کہ یہ نافع کی تشریح ہے۔ اور اس میں مہر کی قید اتفاقی ہے۔ شغار میں اصل نکاح کا مشروط کرنا ہے کہ دوسرا بھی اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح اسے کر دے اور یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے۔

○ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان العباس بن عبداللہ بن العباس انکح عبدالرحمن بن الحکم ابنته و انکحه عبدالرحمن ابنته وکانا جعلا صداقا فکتب معاویة الی مروان یأمره بالتفریق بینهما و قال فی کتابه هذا الشغار الذی نهی عنه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابوداؤد' کتاب النکاح باب فی الشغار (۲۰۷۵)، مسند احمد: ۴/ ۹۴۔ ابن حبان (۱۲۶۸)۔ عباس بن عبداللہ بن عباس نے عبدالرحمن بن الحکم کو اپنی بیٹی نکاح میں دی اور عبدالرحمن بن الحکم نے عباس کو اپنی بیٹی نکاح میں دے دی اور ان دونوں نے مہر بھی مقرر کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (امیر مدینہ) مروان کو خط لکھ کر حکم دیا کہ ان دونوں نکاحوں میں جدائی کر دی جائے اور اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

○ امام ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فهذا معاویة بحضرة الصحابة، لا یعرف له منهم مخالف۔۔۔ یفسخ هذا النکاح وان ذکرا فیه الصداق

ویقول انه الذی نهی عنه رسول الله ﷺ فارتفع الاشکال جملة (المحلی: ۹/ ۱۲۲) یہ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس نکاح شغار کو فسخ کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ان کی مخالفت کرنے والا نہیں۔ اگرچہ اس میں دونوں نے مہر کا ذکر بھی کیا ہو۔ اور فرماتے ہیں یہ وہ نکاح ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ اس سے تمام اشکال اٹھ جاتے ہیں۔

○ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے شغار قرار دیا تھا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے مطابق ان دونوں نکاحوں میں تفریق کروادیتے ہیں اگرچہ انھوں نے مہر کو ذکر کیا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نکاح شغار میں اصل چیز شرط ہے اور مہر ایک اتفاقی قید ہے۔ یہ لگائی جائے یا نہ لگائی جائے نفس مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ اور اس شرط کی بنیاد پر یہ نکاح حرام ہے۔ ایسے مشروط نکاح میں تفریق کروادینی چاہیے۔

○ ہاں اگر کسی آدمی نے اپنے زیر ولایت لڑکی کا نکاح کسی دوسرے آدمی سے کر دیا اور کوئی رشتہ کی شرط نہیں لگائی پھر بعد میں دوسرے آدمی کا پروگرام بن جائے کہ وہ پہلے آدمی کو رشتہ دے دے تو اسے شغار (وٹہ سٹہ) نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس کی ممانعت حدیث میں کہیں وارد ہوئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب (از حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی) دورِ حاضر کے وٹہ سٹہ اور دورِ جاہلیت کے نکاحِ شغار میں فرق ہے۔ کیونکہ وٹہ سٹہ میں جانبین سے مہر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جاہلیت کے شغار میں کسی طرف سے بھی مہر مقرر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ایک جسم کے عوض میں دوسرے کا جسم مہر بنادیا جاتا تھا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ احادیثِ مشہورہ سے شغار کی حرمت صراحۃً ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لا

شغار فی الاسلام کہ اسلام میں شغار کا کوئی جواز نہیں۔ اور اس کی حرمت پر سب امت محمدیہ ﷺ کا اتفاق اور اجماع ہے۔ اور اس میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔

○ اب رہا یہ کہ "شغار" کے معنے کیا ہیں۔ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ "شغار" عربی لفظ ہے۔ عرب لوگ تو اہل لسان تھے۔ ان کو شغار کی تشریح کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز شغار کے نکاح کی غلط رسم جاہلیت کے دور میں عام تھی۔ جیسا کہ سب اہل لغت کہتے ہیں: "کان من نکاح الجاھلیۃ" اور عہد نبوی میں بھی یہ رسم کچھ مدت تک رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس ناجائز نکاح سے روکتے ہوئے فرمایا: "لاشغار فی الاسلام"۔

○ شغار کی تشریح کی ضرورت اعاجم کو تھی۔ اسی لیے عجم یعنی غیر عرب میں سے کسی نے جب کسی صحابی یا تابعی سے یہ حدیث سنی تو اس نے پوچھ لیا کہ شغار کیا ہوتا ہے۔ تو راوی نے کبھی حوالہ دیے بغیر شغار کے معنے بتائے اور کبھی نے اپنے استاد کے حوالے سے شغار کے معنے بتائے۔ اور بغیر حوالے کے بتانے سے کسی راوی نے سمجھ لیا کہ شاید یہ قول استاذ ہی کا ہے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں کہیں تو آتا ہے کہ یہ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے۔ اور کہیں آتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے۔ اور کہیں آتا ہے کہ یہ نافع کا قول ہے۔ جیسا کہ یحییٰ کے استاذ عبید اللہ نے کہا کہ میں نے اپنے استاذ امام نافع سے پوچھا: ما الشغار تو امام نافع نے اس کا جواب دیا: الشغار ان یزوج الرجل الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ ابنتہ ولیس بینھما صداق کہ نکاح شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی بیٹی یا بہن یا اور کسی ایسے محرم کا اس طرح نکاح کرے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن یا اور کسی محرم سے اس کا نکاح کرے اور درمیان میں حق مہر نہ ہو۔

○ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۶ میں بھی

روایت نقل کر کے تحریر فرمایا ہے: لا ادری تفسیر الشغار فی الحدیث او من ابن عمر او نافع او مالک یعنی مجھے یہ معلوم نہیں کہ شغار کی یہ تفسیر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے یا حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف سے ہے۔ یا حضرت نافع کی طرف سے ہے یا حضرت مالک کی طرف سے۔

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس سند سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیث پہنچی ہے اس میں اس بات کی تصریح نہیں کہ شغار کی تفسیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا صحابی سے یا تابعی سے یا تبع تابعی سے۔

○ اور موطا امام مالک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریح حضرت امام مالک نے کی ہے۔ جیسا کہ ابن مہدی، قعنبی، محرز بن عون اور خطیب کا خیال ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو ان کی اپنی زبان تھی۔ جو شغار کا صحیح مفہوم سمجھتے تھے۔ لیکن:

○ دار قطنی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شغار کی یہ تفسیر اپنے استاذ سے سنی ہے۔ جو بظاہر امام نافع معلوم ہوتے ہیں۔ اور امام نافع چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر کے مولیٰ اور عجمی ہیں۔ جنھوں نے عربوں سے عربی سیکھی۔ وہ اپنی رائے سے شغار کی تفسیر نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ انھوں نے اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنی ہوگی۔ جو اہل لسان تھے اور شغار کی تفسیر کر سکتے تھے۔ لیکن ابو الولید باجی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بظاہر یہ حدیث کا ٹکڑا ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں عربی عجمی سب بیٹھتے تھے۔ عجمیوں کو سمجھانے کے لیے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر فرمادی ہوگی۔ اور اس کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ جو علامہ ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۲۰۰ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشغار و الشغار ان ینکح ھذہ بھذہ بغیر

صداق بضع هذه صداق هذه و بضع هذه صداق هذه. کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ اور شغار یہ ہے کہ ایک عورت کا دوسری عورت کے عوض بغیر مہر کے نکاح کیا جائے۔ اس طرح کہ اس عورت کا عضو دوسری عورت کا مہر بن جائے۔ اور دوسری عورت کا عضو پہلی عورت کا مہر بن جائے۔

○ اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ شغار کی تفسیر امام نافع نے اپنی طرف سے نہیں کی۔ کیونکہ اہل لسان حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بھی یہی تشریح فرمارہے ہیں۔ اور حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۳۳ میں یہی روایت علامہ بیہقی سے نقل کرکے اس پر مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ عربوں کے یہاں شغار کے یہی معنے تھے۔ اور امام نافع کے علاوہ دوسرے تابعین سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ چنانچہ:

○ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ جزء ۲ صفحہ ۳۸۰ میں حضرت سوید بن غفلہ تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) شغار کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور شغار یہ ہوتا ہے: الرجل يزوج الرجل على ان يزوجه بغير مهر

○ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابو الشیخ کی کتاب النکاح کا حوالہ دے کر ابو ریحانہ کی روایت پیش کی: ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المشاغرة. و المشاغرة ان يقول زوج هذا من هذه و هذه من هذا بلا مهر.

○ امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شغار کی یہ تفسیر بالکل صحیح ہے۔ اور اس تشریح کے موافق ہے جو اہل لغت نے بیان کی ہے۔

○ شغار کا لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم معلوم کرنے کے لیے لغت کی معتمد علیہ کتابوں کا مطالعہ کیا گیا جن کی عبارات سطور ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

اہل لغت کا بیان

❶ جمہرۃ اللغۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۳ میں امام اللغت ابوبکر محمد بن الحسن بن درید الازدی البصری متوفی ۳۲۱ھ نے تحریر فرمایا ہے: شغر الکلب برجلہ اذا رفعھا لیبول وھو شاغر. ثم کثر ذلک حتی قالوا شغرت ارض بنی فلان اذا لم یکن فیھا من یحمیھا و یمنع عنھا. وشغر الرجل المرأۃ للجماع و اشغرھا ایضاً اذا رفع رجلھا للجماع. وفی الحدیث: لا شغار فی الاسلام و ھو ان یتزوج الرجلان کل واحد منھما باخت صاحبہ او بنتہ لیس بینھما مھر و کان من فعل الجاھلیۃ.

❷ مجمل اللغۃ جلد ۱ صفحہ ۵۰۶ میں ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا نے تحریر فرمایا ہے: والشغار الذی نھی عنہ ھو ان یزوج الرجل اٰخر اختہ علی ان یزوجہ الاٰخر اختہ لیس بینھما الا ذلک.

❸ نیز مقاییس اللغۃ جلد ۳ صفحہ ۱۹۶ میں فرمایا: و الشغار الذی جاء فی الحدیث المنھی عنہ ان یقول الرجل للرجل زوجنی اختک علی ان ازوجک اختی لا مھر بینھما الا ذلک. وھذا من الباب لانہ امر لم ینضبط بمھر ولا شرط صحیح.

❹ تاج المصادر صفحہ ۳۱۴ میں سید ابوجعفر احمد بن علی مقری بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: المشاغرۃ من الشغار وھو نکاح کان فی الجاھلیۃ وھو اٰن یقول الرجل للاٰخر زوجنی بنتک او اختک علی ان ازوجک اختی او بنتی علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاُخریٰ. کانھما رفعا المھر واخلیا البضع عنہ ومنہ الحدیث لا شغار فی الاسلام.

❺ المغرب جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ میں ابوالفتح ناصر بن عبدالسید بن علی المطرزی متوفی ۶۱۶ھ نے فرمایا: الشغار ان یشاغر الرجلُ الرجلَ و ھو ان

یزوجہ کریمتہ علی ان یزوجہ الآخر کریمتہ ولا مہر الا ھذا.

❻ المصباح المنیر جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ میں احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی نے تحریر فرمایا ہے: شاغر الرجلُ الرجلَ شغاراً من باب قاتل زوج کل واحد صاحبۃ حریمتۃ علی ان بضع کل واحدۃ صداق الأخری ولا مہر سوی ذلك. وکان سائغاً فی الجاھلیۃ.

❼ اساس البلاغۃ صفحہ ۳۳۲ میں علامہ ابو القاسم محمود بن عمر جار اللہ زمخشری خوارزمی صاحب الکشاف نے تحریر فرمایا ہے: ولا شغار فی الاسلام وھو ان یزوجہ علی ان یزوجہ الآخر اختہٗ ولا مہر الا ذلك.

❽ المحکم و المحیط الاعظم جلد ۵ صفحہ ۲۳۳ میں امام لغت ابو الحسن علی بن اسمٰعیل المعروف بہ ابن سیدہ متوفی ۴۵۸ھ نے فرمایا: شغر یشغر شغراً. رفع رجلیہ بال اولم یبل. شغر المرأۃ بالمرأۃ شغوراً. رفع رجلھا للنکاح .... والشغار ان تزوج الرجل امرأۃ ما کانت علی ان یزوجك اخریٰ بغیر مہر.

❾ تہذیب اللغۃ جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۶ میں ابو منصور محمد بن احمد الازہری الہروی متوفی ۳۷۰ھ نے فرمایا: نھی رسول اللہ ﷺ عن الشغار. قال الشافعی و ابو عبید و غیرھما من اھل العلم الشغار المنھی عنہ ان یزوج الرجلُ الرجلَ حریمتہٗ علی ان یزوجہ المزوَّج حریمۃ لہٗ اخریٰ ویکون مہر کل واحد منھما بضع الاخریٰ.

❿ لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۴۱۷ میں ابن منظور نے بعینہٖ یہی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا: کأنھما رفعا المھر و اخلیا البضع عنہ وفی الحدیث لاشغار فی الاسلام.

⓫ الصراح جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ میں ابو الفضل محمد بن عمر بن خالد جمال قرشی نے تحریر فرمایا ہے: شغر شغوریا نے برداشتن سگ بوقت خزیدن وخالی

مانندن شعر از مردم .... شغار بکسر الشین نکاح جاھلیت و ھو ان یقول الرجل لآخر زوجنی ابنتک ازوجک اختی علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاخریٰ و نھی عنہ فی الحدیث "لا شغار فی الاسلام"۔

۲ جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ میں عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری نے لکھا ہے: نکاح الشغار ان یتزوج الرجل بنتہ او اختہ علی ان یزوجہ الآخر بنتہ او اختہ علی ان یکون بضع کل واحدۃ صداقا لاخریٰ فالعقدان جائزان ویسمیٰ نکاح الشغار لان فیہ مبادلۃ وخلوا من المھر و یجب مھر المثل عندنا فی ھذا النکاح۔ و قال الشافعی یبطل العقدان۔

۳ المنجد صفحہ ۳۹۳ میں ہے: شاغر مشاغرۃ و شغاراً زوج کل واحد صاحبہ امراۃ بشرط ان یزوجہ اخریٰ بغیر مھر۔

۴ قاموس جلد ۲ صفحہ ۱۲ مطبع نولکشور میں علامہ مجد الدین محمد فیروز آبادی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: شغر الکلب کمنع رفع احدیٰ رجلیہ بال اولم یبل او فبال .... و شغار بالکسر ان یزوج الرجل امراۃ علی ان یزوجک اخریٰ بغیر مھر صداق کل واحدۃ بضع الاخریٰ۔

۵ تاج العروس شرح القاموس جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ میں امام اللغۃ محب الدین ابو الفیض السید محمد مرتضیٰ الحسینی الواسطی الزبیدی نے اس کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا: والشغار بالکسر من نکاح الجاھلیۃ ھو ان تزوج الرجل امراۃ ما کانت علی ان یزوجک اخریٰ بغیر مھر۔ و قال الفراء: الشغار شغار المتناکحین و نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشغار۔ قال الشافعی و ابو عبید وغیرھما من العلماء: الشغار المنھی عنہ ان یزوج الرجل حریمتہ علی ان یزوجہ المزوج حریمۃ لہ اخریٰ و یکون صداق کل

واحدة بضع الأخرى كأنهما رفعا المهر واخليا البضع عنه. وفى
الحديث لاشغار فى الاسلام. وفى رواية نهى عن نكاح الشغار اور
يخص بها القرائب فلا يكون الشغار الا ان تنكحه وليتك على ان
ينكحك وليته.

⑯ المنجد مترجم صفحہ ۵۳۲ میں ہے: مشاغرہ وشغار اپنی بہن یا بیٹی کو کسی کے
نکاح میں اس شرط پر دینا کہ وہ بھی اپنی بیٹی یا بہن کو بغیر مہر کے اس کے
نکاح میں دیدے۔

⑰ مصباح اللغات صفحہ ۴۱۳ میں ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی نے لکھا ہے:
شاغرۃ مشاغرۃ وشغار کسی کے ساتھ اپنی بہن یا بیٹی کا اس شرط پر نکاح
کرنا کہ وہ بھی اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے اس سے کردے۔

اہلِ لغت محدثین کا بیان

⑱ النهاية فى غريب الحديث والاثر جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ میں مجد الدین ابو السعادات
المبارک بن محمد بن محمد جزری معروف بہ ابنِ اثیر نے فرمایا: نهى رسول الله
ﷺ عن نكاح الشغار ...... وهو نكاح معروف فى الجاهلية
كان يقول الرجل للرجل شاغرنى اى زوجنى اختك اوبنتك اومن تلى
امرها حتى ازوجك اختى اوبنتى اومن الى امرها ولا يكون بينهما مهر
ويكون فى بضع كل واحدة منهما فى مقابلة الأخرى. وقيل له شغار
لارتفاع المهر بينهما. من شغر الكلب اذا رفع احدى رجليه ليبول.

⑲ مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ میں محدث محمد طاہر فتنی ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے
تحریر فرمایا: نهى رسول الله ﷺ عن نكاح الشغار وهو نكاح فى جاهلية
كان الرجل يقول شاغرنى اى زوجنى اختك او ابنتك او من تلى امرها
حتى ازوجك من الى امرها بلا مهر. ويكون بضع كل واحدة بمقابلة

بضع الاخریٰ من شغر الکلب اذا رفع احدیٰ رجلیہ لیبول لارتفاع المہر بینہما۔ ــــــــــ و فی الحدیث فاذا نام شغر الشیطن برجلہ فبال فی اذنیہ۔

محدثین شارحین کا بیان

5 ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد ۸ صفحہ ۳۹ میں حضرت علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: الشغار مصدر شاغر ــــــــــ وسمی شغاراً اما من قولہم شغر البلد عن السلطان اذا خلا عنہ لخلوہ عن المہر و قیل لخلوہ عن بعض الشرائط۔ و قال ثعلب ہو من قولہم شغر الکلب اذا رفع رجلہ لیبول وفی التشبیہ بہذہ الہیئۃ القبیحۃ تقبیح للشغار و تغلیظ علی فاعلہ کأن کلا من الولیین یقول للآخر لا ترفع رجل ابنتی حتی ارفع رجل ابنتک ــــــــــ والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ او مولیتہ من اختہ وغیرہا علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ او مولیتہ لیس بینہما صداق۔ بل بضع کل منہما صداق الاخریٰ۔

6 کرمانی شرح صحیح بخاری جلد ۱۹ صفحہ ۸۶ و ۸۷ میں ہے: الشغار اصلہ فی اللغۃ الرفع۔ یقال شغر الکلب اذا رفع رجلہ لیبول کأنہ قال لا ترفع رجل بنتی حتی ارفع رجل بنتک۔ وقیل ہو من شغر البلد اذا خلا۔ و ہذا الخلو عن الصداق۔ الخطابی۔ وتفسیر الشغار یروی مقرون بالحدیث و یقال انہ من کلام نافع وقد جوز ہذا النکاح بعض الفقہاء قالوا لیس فیہ شیٔ اکثر من ابطال المہر والنکاح لا یبطل بفساد المہر۔ والعقد صحیح۔ ولکل واحدۃ منہما مہر المثل۔ واقول لعل الخلاف فیہ راجع الی ان النہی راجع الی امر خارج عن العقد مفارق لہ کالبیع فی وقت النداء۔ النووی۔ اجمعوا علی انہ منہی عنہ

لکن اختلفو ھل ھو نھی یقتضی ابطال النکاح او لا۔ فقال ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یصح لمھر المثل۔

٢٢ امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح کرتے ہوئے جلد ١ صفحہ ٤٥٣ میں تحریر فرمایا ہے: الشغار اصلہ فی اللغۃ الرفع۔ یقال شغر الکلب اذا رفع رجلہ لیبول کأنہ قال لا ترفع رجل بنتی حتی ارفع رجل بنتک۔ وقیل ھو من شغر البلد اذا خلا۔ لخلوہ عن الصداق۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وکان الشغار من نکاح الجاھلیۃ واجمع العلماء علی انہ منھی عنہ۔ لکن اختلفوا ھل ھو نھی یقتضی ابطال النکاح ام لا؟۔ فعند الشافعی یقتضی ابطالہ و حکاہ الخطابی عن احمد و اسحق و ابی عبید۔ و قال مالک یفسخ قبل الدخول و بعدہ۔ وفی روایۃ عنہ قبلہ لا بعدہ۔ و قال جماعۃ یصح بمھر المثل و ھو مذھب ابی حنیفۃ و حکی عن عطاء (ابن ابی رباح) و الزھری واللیث و ھو روایۃ عن احمد و اسحق۔ و بہ قال ابو ثور وابن جریر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ و الصورۃ الواضحۃ زوجتک بنتی علی ان تزوجنی بنتک و بضع کل واحدۃ صداق للأخری فیقول قبلت۔

٢٣ امام کبیر محدث شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ جلد ٦ صفحہ ١٣٣ میں تحریر فرمایا ہے: الشغار ان یشاغر الرجل و ھو ان تزوجہ اختک علی ان یزوجک اختہ ولا مھر الا ھذا۔ من شغر البلد اذا خلا من الناس لانہ عقد خال من المھر۔

٢٤ حضرت علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ٩ صفحہ ١٣٣ میں امام قرطبی کا قول تحریر فرمایا ہے: تفسیر الشغار صحیح موافق لما ذکرہ اھل اللغۃ فان کان مرفوعاً فھو المقصود وان کان من قول الصحابی فمقبول ایضاً لانہ اعلم بالمقال واقعد بالحال۔ اھ۔ وقد اختلف الفقھاء ھل یعتبر فی الشغار الممنوع ظاھر الحدیث فی تفسیرہ۔ فان فیہ وصفین۔

احدهما: تزويج كل من الوليين وليتهٔ للآخر بشرط ان يزوجهٔ وليتهٔ۔
والثانى: خلو بضع كل منهما من الصلوٰة۔ فمنهم من اعتبرهما معًا۔ حتى لا يمنع۔ مثلا اذا زوج كل منهما الأخر بغير شرط۔ وان لم يذكر الصداق۔ اوزوج كل منهما الأخر بالشرط وذكر الصداق۔

○ وذهب اكثر الشافعية الى ان علة النهى الاشتراك فى البضع لان بضع كل منهما يصير مورد العقد وجعل البضع صداقا مخالف لايراد عقد النكاح۔ وليس المقتضى للبطلان ترك ذكر الصداق۔ لان النكاح يصح بدون تسمية الصداق۔

○ واختلفوا فيما اذا لم يصرحا بذكر البضع فالاصح عندهم الصحة۔ ولكن وجد نص الشافعى على خلافه ولفظه: "اذا زوج الرجل ابنته او المرأة يلى امرها من كانت لأخر على ان صداق كل واحدة بضع الأخرىٰ او على ان ينكحه الأخرىٰ ولم يسم احد منهما للواحدة منهما صداقا۔ فهذا الشغار الذى نهى عنه رسول الله ﷺ وهو منسوخ"۔ هكذا ساقه البيهقى باسناده الصحيح عن الشافعى قال وهو الموافق للتفسير المنقول فى الحديث۔ واختلف نص الشافعى فيما اذا سمى مع ذلك مهرا ونص فى الاملاء على البطلان وظاهر نصه فى المختصر الصحة۔ وعلى ذلك اقتصر فى النقل عن الشافعى من ينقل الخلاف من اهل المذاهب۔

○ وقال القفال العلة فى البطلان التعليق والتوقيف فكأنه يقول لا ينعقد لك نكاح بنتى حتى ينعقد لى نكاح بنتك۔

○ وقال الخطابى كان ابن ابى هريرة يشبهه برجل تزوج امرأة ويستثنى عضوا من اعضاءها وهو مما لا خلاف فى فساده۔ وتقرير ذلك انه يزوج وليته ويستثنى بضعها حيث يجعله صداقا للأخرىٰ۔

○ وقال الغزالی فی الوسیط صورته الكاملة ان یقول زوجتك ابنتی علی ان تزوجنی ابنتك علی ان یکون بضع کل واحدة منهما صداقاً للأخری و مهما انعقد نكاح ابنتی انعقد نكاح ابنتك۔

○ قال شیخنا فی شرح الترمذی ینبغی ان یزاد "ولا یکون مع البضع شیٔ اخر" ۔ لیکون متفقاً علی تحریمه فی المذهب۔

㉕ نیز علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری اسی صفحہ پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے: نقل الخرقی ان احمد نص علی ان علة البطلان ترك ذكر المهر۔

○ و ذكر ابن دقیق العید مانص علیه احمد هو ظاهر التفسیر المذكور فی الحدیث۔ لقوله فیه: "و لا صداق بینهما" ۔ فانه یشعر ان جهة الفساد ذلك۔ وان كان یحتمل ان یکون ذلك ذکر لملازمته لجهة الفساد۔ ثم قال و علی الجملة ففیه شعور بأن عدم الصداق له مدخل فی النهی" ویؤیده حدیث ابی ریحانة: ان النبی ﷺ نهی عن المشاغرة۔ والمشاغرة ان یقول زوج هذا من هذه" وهذه من هذا بلا مهر۔ اخرجه ابو الشیخ فی کتاب النکاح۔

○ و قال ابو الولید الباجی الظاهر انه: "لیس بینهما صداق" ۔ من جملة الحدیث۔

㉖ نیز آپ نے فرمایا: قال ابن عبد البر اجمع العلماء علی ان نكاح الشغار حرام و لكن اختلفوا فی صحته فالجمهور علی البطلان۔ وفی روایة عن مالك یفسخ قبل الدخول لا بعده۔ وحكاه ابن المنذر عن الاوزاعی و ذهب الحنفیة الی صحته و وجوب مهر المثل۔ وهو قول الزهری و مكحول و الثوری و اللیث و روایة عن احمد و اسحق و ابی ثور وهو قول علی مذهب الشافعی لاختلاف الجهة۔ لكن قال الشافعی ان النساء

محرمات الا ما احل اللہ او ملك يمين. فاذا ورد النهي عن نكاح تأكد التحريم. (دیکھیے: فتح القدیر جلد ۹ صفحہ ۱۳۴)

بعض دیگر محدثین کا بیان

۱ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الصحیح البخاری صفحہ ۷۶۶ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نکاح شغار سے متعلق یہی حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا: والشغار ان يزوج الرجل ابنته على ان يزوجه الاخر ابنته ليس بينهما صداق۔

۲ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے موطا صفحہ ۱۹۳ میں اسی حدیث کے تحت تحریر فرمایا: والشغار ان يزوج الرجل ابنته على ان يزوجه الاخر ابنته ليس بينهما صداق۔

۳ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع ترمذی صفحہ ۱۴۵ میں تحریر فرمایا: والشغار ان يزوج الرجل ابنته على ان يزوجهٗ الاخر ابنته او اختهٗ و لاصداق بينهما۔

۴ حضرت امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن جلد ۲ صفحہ ۸۵ میں اسی حدیث کے تحت تحریر فرمایا: و الشغار ان يزوج الرجلُ الرجلَ ابنتهٗ على ان يزوجهٗ ابنتهٗ وليس بينهما صداق۔

۵ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند جلد ۲ صفحہ ۹۱ میں فرمایا: قال (عبيدالله) قلت لنافع ما الشغار؟ قال (نافع) يزوج الرجلُ ابنتهٗ ويتزوج ابنتهٗ ويزوج الرجل اختهٗ ويتزوج اخته بغير صداق۔

۶ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۶ میں اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا: والشغار ان يزوج الرجلُ ابنتهٗ على ان يزوجهٗ الرجلُ الاخر ابنتهٗ و ليس بينهما صداق۔ قال الشافعي: لا ادري تفسير

الشغار فی الحدیث او من ابن عمر او نافع او مالک............

اس کے بعد امام شافعی اپنی رائے پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:
فکل من زوج رجلاً امرأۃً یلی امرھا بولایۃ نفس الاب البکر او الاب وغیرہ من الاولیاء لامرأۃٍ علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاخریٰ فھو الشغار.......... فاذا انکح الرجل ابنتہ او المرأۃ یلی امرھا من کانت علی ان ینکحہ ابنتہ او المرأۃ یلی امرھا من کانت علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاخریٰ ولم یُسَمِّ لواحدٍ منھما صداق۔ فھٰذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ ﷺ فلا یحل النکاح فھو مفسوخ۔ وان اصاب کل واحد منھما فلکل واحدۃ منھما مھر مثلھا۔ وعلیھا العدۃ وھو کالنکاح الفاسد فی جمیع احکامہ لا یختلفان۔

۲۲ نیز آپؒ نے فرمایا: واذا زوج الرجلُ ابنتہ الرجلَ او المرأۃ یلی امرھا علی ان یزوجہ الرجلُ ابنتہ او المرأۃ التی تلی امرھا علی ان صداق احداھما کذا الشیٔ یسمیہ وصداق الأخریٰ کذا الشیٔ یسمیہ اقل او اکثر او علی ان یسمی لاحدھما صداقا ولم یسم للاخریٰ صداقا او قال لا صداق لھا فلیس ھذا بالشغار والنکاح ثابت والمھر فاسد۔ ولکل واحدۃ منھما مھر مثلھا۔ اذا دخل بھا او ماتت او مات عنھا ونصف مھر مثلھا ان طلقت قبل ان یدخل بھا۔ (کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۷)

۲۳ امام ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی تلمیذ امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ مختصر المزنی صفحہ ۱۷۴ میں تحریر فرمایا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: واذا انکح الرجل ابنتہ او المرأۃ تلی امرھا الرجلَ علی ان ینکحہ الرجلُ ابنتہ او المرأۃ التی تلی امرھا علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الأخریٰ ولم یُسمِّ لکل واحدۃ منھما صداقا فھٰذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ ﷺ وھو مفسوخ۔ ولو سمی لھما او لاحدھما صداقا فلیس

بالشغار المنھی عنه والنکاح ثابت والمھر فاسد ولکل واحدۃ منھما مھر مثلھا ونصف مھر ان طلقت قبل الدخول۔

نیز آپ نے فرمایا: فان قیل فقد ثبت النکاح بلا مھر؟۔ قیل لأن الله تعالیٰ اجازہ فی کتابہ' فاجزناہ۔ والنساء محرمات الفروج إلا بما احلھن الله بہ فلما نھی علیه الصلاۃ والسلام عن نکاح الشغار لم أحل محرما بمحرم۔

⑤ مذکورہ بالا تمام علماء لغت ' شراح حدیث اور اہل لغت محدثین اور دیگر محدثین اور مجتہدین سب بیک زبان یہی کہتے ہیں کہ شغار اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیٹی ' بہن یا کسی ایسی عورت کا جس کا یہ سرپرست ہے اس شرط پر نکاح کرے کہ دوسرا آدمی بھی اپنی بیٹی یا بہن یا کوئی ایسی عورت جو اس کی سرپرستی میں ہے نکاح کردے اور دونوں طرف سے مہر نہ ہو۔ اور اگر کسی ایک جانب سے بھی مہر ہو اور دوسری جانب سے مہر کا ذکر نہ کیا جائے یا مہر کی نفی یا انکار کیا جائے تو اس نکاح پر شغار کا اطلاق نہیں کیا جاتا کہ جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور یہ نکاح ثابت ہوتا ہے۔ اور مہر کے انکار یا نفی یا عدم ذکر سے نکاح کے ثبوت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اور دونوں عورتوں کو دخول کی صورت میں یا کسی ایک کی صورت میں مہر مثل دینا ہوگا۔ اور اگر دخول سے پہلے طلاق دیدی تو نصف مہر دینا ہوگا۔

⑥ اس لیے مجیب کا یہ کہنا کئی وجوہ سے باطل ہے کہ "بغیر مہر" کا لفظ قید اتفاقی ہے۔ مثلاً:

① اصل قیود میں احترازی ہونا ہے۔ اور قید اتفاقی کے لیے قرینہ صارفہ کا ہونا ضروری ہے۔

② اگر بغیر مہر والی یہ قید اتفاقی ہو تو عام سننے والے کو وہم پیدا ہوتا ہے کہ

شاید مہر مقرر کرنے سے شغار نہ رہے۔ اس لیے "بغیر مہر" والی قید قیدِ مطلب کے خلاف ہے۔ خصوصاً ان علماء کے نزدیک جو مفہوم مخالف کے قائل ہیں۔

③ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس قید کو احترازی ہی سمجھا ہے۔ اتفاقی نہیں سمجھا۔ اور اپنے اصول کے مطابق مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر جانبین کے نکاح میں تھوڑا یا بہت مہر مقرر کیا گیا ہو تو وہ شغار نہیں رہتا جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس طرح جب ایک طرف سے مہر مقرر کیا گیا ہو اور دوسری طرف سے مہر کا نام نہ لیا گیا ہو یا مہر کی نفی کی گئی ہو تب بھی نکاح شغار نہیں۔ (دیکھیے کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۷۷)

④ فصیح لوگ ایسا مختصر لفظ بولتے ہیں جو پُر معنیٰ ہو اور شکوک کا رافع ہو۔ اگر مفسر کا یہ مطلب ہوتا کہ مہر کا نام لینے کے باوجود بھی نکاح شغار ہی بنتا ہے تو مفسر اپنی تفسیر میں کہتا: ولو بمهر کیونکہ اس قسم کا کلام مبالغہ کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگرچہ نکاح میں دونوں طرف سے مہر کا نام لیا جائے تب بھی شغار ہوتا ہے اور اگر مہر کا نام نہ لیں تب بھی شغار ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ لفظ کسی نے نہیں لکھا۔ اور نہ ہی کسی نے شغار کی تفسیر ان الفاظ میں کی۔ نہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے‘ نہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے‘ نہ امام نافع نے‘ نہ ابو ریحانہ نے‘ نہ سوید بن غفلہ نے‘ نہ امام مالکؒ نے‘ نہ امام شافعی نے‘ نہ امام احمد بن حنبل نے بلکہ شافعیہ‘ حنابلہ اور مالکیہ کی کتب میں لکھا ہے کہ مہر کے انکار کی صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے جبکہ یہ انکار دونوں طرف سے نہ ہو۔ مثلاً:

⑤ امام ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی نے شرح روض الطالب جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ میں تحریر فرمایا ہے: ولو زوجها الولی باذنها علی ان لا مهر لها وان وطیٔ صح النکاح۔ اگر ولی نے لڑکی کی اجازت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر دیا کہ اس کا مہر نہیں ہوگا تو اس صورت میں بھی نکاح درست ہے۔

○ نیز اسی کتاب کے جلد ۳ صفحہ ۲۰۵ میں ہے: شرط ان لا ینفق اولا یتزوج علیھا او لا یسافر بھا او لا یقسم لھا او ان یسکنھا مع ضرتھا انعقد النکاح بمھر المثل لا المسمی لفساد الشرط یعنی نکاح کے وقت شرط لگائی کہ خرچہ نہ دے گا یا اس پر دوسرا نکاح نہ کرے گا یا اس کو سفر پر نہ لے جائے گا یا اس کی باری نہ رکھے گا یا اس کو سوت کے ساتھ رہنا ہوگا تو نکاح تو ہو جائے گا مگر شرط فاسد ہوگی۔

○ المحرر فی الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۳ تالیف شیخ امام مجد الدین ابو البرکات میں ہے: وان شرطان لا مھر لھا او لا نفقۃ او یفضلھا فی القسم او ینقصھا منہ او اشترط احدھما علی الآخر ترک الوطی ونحوہ صح العقد ولغا الشرط نص علیہ۔ یعنی اگر نکاح میں یہ شرط لگائی کہ مہر یا خرچہ نہ دوں گا یا باری میں کمی یا زیادتی کروں گا......... تو عقد نکاح کی توصحیح ہو جائے گی اور شرط لغو جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

○ اس سے آگے چل کر نکاح شغار کا بیان کیا: ومن زوج ولیتہ من الرجل علی ان یزوجہ الآخر ولیتہ فأجابہ ولا مھر بینھما لم یصح العقد ویسمی نکاح الشغار۔ وان سموا مھرا صح العقد بالمسمی نص علیہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح شغار میں مہر کی نفی کی جائے تو عقد صحیح نہ ہوگا لیکن اگر مہر کا نام لیں تو اسی مقرر کردہ مہر کے مقابلے میں عقد صحیح ہو جائے گا۔ اس پر بھی امام احمد بن حنبل نے تصریح فرمائی ہے۔

○ الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی مذہب الامام المبجل احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ جلد ۸ صفحہ ۱۶۰ میں علامہ فقیہ محقق علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی شغار کے مقام پر تحریر فرمایا ہے: فان سموا مھرا صح نص علیہ وھو المذہب وعلیہ جماھیر الاصحاب [الخ] یعنی اگر

جانبین سے نکاح کیا جائے اور مہر مقرر کیا جائے تو نکاح صحیح ہو گیا۔ امام احمد نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور ہمارا یہی مذہب ہے اور جمہور اصحاب اس پر متفق ہیں۔

- علامہ ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۲۵۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اس عورت نے یہ شرط لگائی کہ جدائی اور وطی کا مجھے اختیار ہو گا۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ تو نے یہ نکاح کر کے سنت کی مخالفت کی کہ یہ امور اس کے سپرد کیے جو اس کی اہل نہیں۔ اب مہر دینا اور جدا کرنا اور وطی کرنا سب تیرے قبضے میں ہے۔

- اسی طرح ایک آدمی نے آپؓ کے پاس آکر کہا کہ میں نے ایک عورت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں فلاں فلاں چیز فلاں فلاں وقت تک نہ لایا تو میرا نکاح تصور نہ ہو گا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نکاح تو ہو گیا مگر شرط لاشے یعنی باطل ہے۔

- ان تمام حوالہ جات سے حدیث کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب اللہ میں جس شرط کا ذکر نہیں ہے وہ شرط تو باطل ہے مگر عقد نکاح کا بطلان اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے ابن حزم نے سمجھا ہے۔ یہ اس کا اپنا اجتہاد ہے۔

- نیز الروض المربع اور دیگر کتب شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

شبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں مذکور نہ ہو وہ شرط باطل ہے۔ اسی طرح: ما بال رجال یشترطون شروطاً لیست فی کتاب اللہ۔ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل۔ وان کان مائۃ شرط۔ یعنی

ایسے لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔ اگرچہ وہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔

جواب مسلمانوں میں سے کوئی مجتہد یا مقلد ان حدیثوں کا منکر نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو نکاح شرطِ فاسد کے ساتھ کیا گیا ہو وہ نکاح منعقد ہوا ہے یا شرط باطل کی طرح وہ نکاح بھی باطل ہے۔ سو یہ الگ مسئلہ ہے۔ بطلانِ نکاح کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرنا درست نہیں اور اس میں حنفیہ، شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ سب کا اتفاق ہے کہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اوپر گزر چکا ہے۔

○ نیز آپ فرماتے ہیں کہ نکاح ثابت ہے اور مہر فاسد ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو مہر مثل دیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ مہر اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب نکاح ثابت ہو۔ جیسے کتاب الأم میں ہے کہ اگر جانبین نے اپنی اپنی لڑکیوں کا نکاح اس شرط پر کیا ہو کہ ہر ایک کا مہر اس کا عضو ہے اور مہر کا نام نہ لیا ہو" یہ شغار ہے جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور وہ نکاح حلال نہیں اس لیے وہ نکاح فسخ کیا جائے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح تو ہو گیا مگر ممنوع ہونے کی وجہ سے اس کا فسخ کرنا ضروری ہے۔ اگر سرے سے نکاح ہی نہ ہوا ہو تو نہ فسخ کی ضرورت ہے اور نہ ہی مہر مثل واجب اور نہ ہی فسخ بعد الوطی کی صورت میں عدت واجب۔ البتہ:

○ حضرت علامہ حافظ ابن حجر کے بقول حضرت خطابی فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک نکاح شغار باطل ہے اور امام احمد و اسحق و ابو عبید سے بھی ایک روایت ہے لیکن امام مالک سے دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دخول ہو یا نہ ہو نکاح شغار کا فسخ کرنا ضروری ہے۔ اور دوسری روایت کے

مطابق دخول سے پہلے تو فسخ کرنا ضروری ہے مگر دخول کے بعد فسخ نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک بھی نکاح تو ہو گیا اگرچہ قابل فسخ ہے۔

- اور ایک جماعت کہتی ہے کہ نکاح شغار نکاح تو ہو جاتا ہے مگر مہر مثل دینا پڑتا ہے۔ اور ان علماء کا یہی مذہب ہے۔

- موطا امام مالک صفحہ ۱۹۳ کے شرح میں ہے: مروی عن عطاء بن ابی رباح قال یقران علی نکاحھما و یجعل لھما صداق المثل وھو قول اھل الکوفۃ یعنی امام ابو حنیفہ کے استاذ مشہور تابعی محدث حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کو اپنے اپنے نکاح پر برقرار رکھا جائے اور مہر مثل دونوں کے لیے مقرر کیا جائے۔ اور علماء کوفہ کا بھی یہ مذہب ہے۔ اور سفیان ثوری، امام زہری، لیث، ابن جریر، ابو ثور اور مکحول کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ منفرد نہیں۔ بلکہ کئی ائمہ ان کے ہمنوا ہیں۔

- حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۳۳ میں امام طرقی کا یہ قول نقل کیا ہے: ان احمد نص علی ان علۃ البطلان ترک ذکر المھر۔ یعنی اس نکاح کے باطل ہونے کی علت ذکر مہر کا ترک کرنا ہے۔ اور جب علت نہ رہے تو حکم بھی نہیں رہتا۔ یعنی جب دونوں طرف سے مہر کا ذکر کر دیا گیا تو نکاح شغار نہ رہا۔

- اسی طرح حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابن دقیق العید کا قول نقل فرمایا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نص فرماتے ہیں کہ نکاح شغار کی قسم میں مہر نہ ہونے کو دخل ہے۔

یہ کہ وٹہ سٹہ کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً:

① وٹہ سٹہ ہو اور مہر کی نفی کی جائے۔ یہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور نکاح باطل ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

② وٹہ سٹہ ہو اور مہر کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔ یہ بھی حرام ہے۔ مگر اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے یا باطل۔

③ جانبین سے عضو کو مہر مقرر کیا جائے۔ یہ بھی بالاتفاق حرام ہے۔ اور اس میں بھی نکاح کے صحیح یا باطل ہونے کا اختلاف ہے۔

④ مہر کا ذکر کیا جائے۔

⑤ جانبین سے وٹہ سٹہ نہ ہو۔ اور مہر کا ذکر بھی نہ ہو۔

⑥ وٹہ سٹہ نہ ہو اور مہر کی نفی ہو۔

⑦ وٹہ سٹہ نہ ہو اور مہر مقرر کیا جائے۔

⑧ وٹہ سٹہ ہو اور ایک طرف سے مہر ہو اور دوسری طرف سے مہر نہ ہو۔

وٹہ سٹہ کی مذکورہ بالا آٹھ صورتوں میں سے پہلی تین صورتیں نکاح شغار میں داخل ہیں۔ اور باقی پانچ صورتیں نکاح شغار میں داخل نہ ہونے کے باعث حرام نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شرط فاسد سے مطلقاً نکاح کے فاسد ہونے کا حکم لگانا درست نہیں۔

○ اب رہی سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۹۰ کی وہ حدیث جس کا متن یہ ہے: ان العباس بن عبداللہ بن العباس انکح عبدالرحمن بن الحکم ابنتہ و انکحہ عبدالرحمن بنتہ و کانا جعلا صداقا فکتب معاویۃ الی مروان یأمرہ بالتفریق بینہما و قال فی کتابہ ھذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ ﷺ۔ یہ حدیث السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۰ میں بھی منقول ہے۔ اور یہی حدیث صحیح ابن حبان جلد ۷ صفحہ ۱۸۰ میں ہے۔ اور اس میں: وقد کانا جعلاہ صداقا کے الفاظ ہیں۔ اس حدیث سے یہ مفہوم

سمجھنا صحیح نہیں کہ وقت شئے میں مہر مقرر کرنے سے بھی شغار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں جعلاہ کے بعد ضمیر منصوب متصل فضلہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں نے جانبین سے عورتوں کو مہر بھی اور کچھ نہیں۔ اور اس ضمیر کو صحیح ابن حبان میں صراحت ذکر کر دیا وقال کانا جعلاہ صداقا۔ اس سے عبارت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور کچھ احتمال باقی نہیں رہتا۔ اگر ابو داؤد اور بیہقی کی روایتوں میں جعلاہ کے بعد ضمیر مقدر نہ کریں تو معنی فاسد ہو جائے گا۔ اور تمام اہل لغت، محدثین، شراح اور مجتہدین کے متفقہ قول کی صریحاً ان دو حدیثوں کی وجہ سے تردید لازم آئے گی جو کہ اجماع امت کو ٹھکرانے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۱۱۵)

ترجمہ اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر راہ ہدایت کھل چکی ہے، رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی راستے کی پیروی کرے گا تو ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے۔ اور پھر ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

- اس آیت سے علماء کرام نے اجماع امت کے حجت شرعی ہونے کا حکم قرار دیا ہے۔ اور تقریر اس استدلال کی یہ ہے کہ طریق مومنین سے الگ ہونا سبب ہے وعید کا اور مستحق جہنم قرار دی ہے کہ اس کے برعکس اتباع طریق مومنین واجب ہوا اور اس کی مخالفت بھی کتاب و سنت کی مخالفت کے بعد شمار ہوتی ہے۔ اور یہاں قرآن مجید نے عدم اتباع طریق مومنین کو مخالفت رسول کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔
- یہ ابن حبان کی عبارت جس کی طرف مجیب نے اشارہ تو کیا مگر اسے نقل

کرکے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے:

حدیث: عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم انکح عبدالرحمن بن الحکم ابنتہ وانکحہ عبدالرحمن ابنتہ وقد کانا جعلاہ صداقا فکتب معاویۃ بن ابی سفیان وھو خلیفۃ الی مروان یأمرہ بالتفریق بینھما و قال فی کتابہ ھذا الشغار قد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہ

ترجمہ: صحابئ رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت عباس تابعی نے اپنی بیٹی عبدالرحمن بن حکم کے نکاح میں دی۔ اور عبدالرحمن نے اپنی بیٹی عباس کے نکاح میں دیدی اور ان دونوں نے اسی کو مہر سمجھا۔ اس پر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیرالمومنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے والئ مدینہ حضرت مروان بن الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا۔ جس میں یہ حکم تھا کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ اور اپنی اس چٹھی میں آپؓ نے مزید یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ وہی شغار ہے جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

وَهٰذَا اٰخِرُ مَآ اَرَدْنَاهُ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ وَ هُوَ الْمُوَفِّقُ لِلتَّحْقِيْقِ
وَبِيَدِهٖ اَزِمَّةُ التَّحْقِيْقِ ○ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ
وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ ○ اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى
اٰلِهٖ وَ اَصْحٰبِهٖ
اَجْمَعِيْنَ

اظهار الزين

فی

المصافحة باليدين

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

فتاویٰ حسینیہ

اظہار الزین فی المصافحۃ بالیدین

سوال: عند الملاقات السلام علیکم کہنے کے بعد مصافحہ کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ کیا ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کیا جائے یا دونوں ہاتھوں سے۔ بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا خلافِ سُنّت اور بدعت ہے، اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے والا شخص گنہگار ہے۔ (ملک عبدالقیوم اعوان ایس ایس ٹی۔ ایم سی ہائی سکول سرگودھا۔ ڈاکٹر مظاہر توحیدی لانڈھی کراچی، سید وزیر شاہ گندف ضلع صوابی۔ قاری حسین احمد قریشی بھمبر کشمیر۔ حافظ محمد منظور معاویہ گوجرانوالہ)

جواب: جو لوگ ایک ہاتھ کے ساتھ مُصافحہ کرنے کو سُنّت اور دونوں ہاتھوں سے مُصافحہ کرنے کو خلافِ سُنّت اور بدعت کہتے ہیں، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

○ عن ابن مسعودؓ عن رسول اللہ ﷺ قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْأَخْذُ بِالْيَدِ۔ (جامع ترمذی، ج ۲ ص ۱۰۲) یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ پکڑنے کے ساتھ سلام پُورا ہوتا ہے۔

○ اس حدیث کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ صرف زبان کے ساتھ السلام علیکم کے الفاظ ادا کر دینے سے سلام پُورا نہیں ہوتا جب تک کہ سلام کرنے والے ایک دُوسرے کا ہاتھ نہ پکڑیں۔

○ اس حدیث کو ایک ہاتھ کے ساتھ مُصافحہ کرنے کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس حدیث میں اَلْأَخْذُ بِالْيَدِ واحد کا صیغہ ہے اس لیے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہی مسنون ہے۔ لیکن ان حضرات کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ:

○ اَلْيَدِ پر الِ جنسی ہے۔ جس سے جنس ید مُراد ہے۔ وحدت یعنی صرف ایک ہاتھ مُراد نہیں۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ مُصافحہ کرنے والا صرف ایک۔۔۔ ہاتھ

بڑھائے اور دُوسرا ہاتھ لگانا منع ہے۔ بلکہ اس فرمانِ نبوی میں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ صرف زبان سے کلمۂ تحیۃ ادا کرنے سے تحیۃ کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے سے سلام پُورا ہوتا ہے، خواہ ایک ہاتھ ہو یا دونوں۔ بلکہ درحقیقت اس فرمانِ نبوی میں دونوں[1] دل سے مصافحہ کرنے کا حکم ہے کیونکہ

قاعدہ ہے کہ انسان کے جو عضو دو دو ہیں ان کے لیے واحد کا صیغہ بولیں تو وہ دونوں ہم جنس عضو مراد ہوتے ہیں۔ مثلاً:

❶ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کا قول نقل فرمایا ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون سے کہا: قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ (۲۸: ۹) کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس آیتِ مُبارکہ میں عین واحد کا صیغہ ہے۔ لیکن اس سے ایک آنکھ مُراد نہیں کہ اس بچے کو دیکھ کر ایک آنکھ تو ٹھنڈی ہو اور دُوسری میں خُون اُتر آئے۔ بلکہ اس سے دونوں آنکھیں ہی مُراد ہیں کہ یہ بچہ میری اور تیری دونوں دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یعنی اس طرح ایک آنکھ (عین) بول کر دو دو آنکھیں مُراد لی گئی ہیں۔

❷ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں لوٹائے جانے کا سبب بیان کرتے ہُوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ (۲۰: ۴۰) کہ ہم نے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کی گود میں اس لیے لوٹا دیا تاکہ آپ کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین بھی نہ ہوں۔ اس آیتِ مُبارکہ میں بھی عین واحد ہے، لیکن اس سے مُراد دونوں آنکھیں ہیں۔

❸ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا (۱۹: ۲۶) کہ کھاؤ پیو اور اپنے بچے کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ یہاں بھی عیناً واحد کا صیغہ ہے لیکن اس سے دونوں آنکھیں ہی مُراد ہیں۔

❹ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بُخل اور اسراف سے منع اور میانہ روی کا حکم دیتے ہُوئے

[1] دیکھیے: "تلبیس فی کلام العین ما" ص ۳۴

ارشاد فرمایا: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (۱۷: ۲۹) کہ تو اپنا ہاتھ اتنا بھی نہ سمیٹ کہ گویا گردن میں بندھا ہوا ہے۔ اور نہ ہی اپنا ہاتھ اتنا کھول کر سارا کھول دے اگر تو ایسا کرے گا تو لوگ تجھے ملامت کریں گے اور تو تنگدست و پریشان ہو جائے گا۔

○ اس آیت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت میں قیامت تک داخل ہونے والے تمام لوگوں کے لیے میانہ روی کا درس دیا گیا ہے۔

○ اس آیت مبارکہ کے پہلے جملے میں لفظ ید واحد ہے جو تثنیہ کے معنے میں ہے۔

○ اسی طرح اس آیت کے دوسرے جملے میں ھا ضمیر واحد مؤنث کی آئی ہے جو پہلے جملے میں آنے والے لفظ ید کی طرف راجع ہے۔ جو کہ واحد مؤنث ہے، مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں دو جگہ تثنیہ کی بجائے واحد کا استعمال ہوا ہے۔

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ضدی کفار کے بارے میں ارشاد فرمایا: خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (۲: ۷) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، اسی طرح ان کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں سَمْع کا لفظ آیا ہے جو مصدر ہے، اس کا معنیٰ مصدری تو "سننا" ہے، لیکن اس کا معنیٰ "قوت سماعت" بھی کیے جاتے ہیں۔ تاہم اس آیت میں سَمْع سے مُراد "کان" ہے۔ جو کہ مہر لگائے جانے کا مقام ہے۔ اور اس کا معنیٰ "ایک کان" ہے۔ یعنی یہاں واحد کا صیغہ تثنیہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نیز:

○ اسی آیت مبارکہ میں ابصار کا لفظ بھی آیا ہے، جو کہ بصر کی جمع ہے۔ جبکہ بصر مصدر ہے، جس کا معنے ہے ادراک العین یعنی آنکھ کا ادراک کرنا یا دیکھنا۔

○ بصر کا اطلاق مجازی طور پر "قوت باصرہ" پر بھی ہوتا ہے اور مخصوص عضو عین یعنی آنکھ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

○ یعنی اس آیت میں سمع اور بصر سے مُراد کان اور آنکھ ہی ہیں، کیونکہ مہر لگانے اور پردہ ڈالنے کی مناسبت ان اعضا کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔

○ یاد رہے کہ ابصار بھی جمع ہے، اور ھم ضمیر بھی جمع ہے۔ لیکن اس کا معنیٰ

ہر ایک کافر کی ایک ایک آنکھ ہے۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے کہ جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ آجائے، جیسے: ابصار اور ھم، تو ہر جگہ
میں آحاد کی تقسیم آحاد پر ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: رکبوا دوابھم یعنی
وہ کئی سوار کئی چوپاؤں پر سوار ہوگئے۔ اس میں مقابلہ جمع کا جمع سے آیا ہے، یعنی
سوار بھی کئی ہیں اور چوپائے بھی کئی ہیں۔ اور تقسیم آحاد کی آحاد پر اس طرح ہوئی
کہ ان میں سے ہر ہر شخص ایک ایک چوپائے پر سوار ہوگیا، نہ یہ کہ سوار ایک چوپائے

○ اسی طرح ابصارھم کا مطلب ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک آنکھ
کے اوپر پردہ ہے۔ لیکن یہاں مراد ہر ایک کی دو دو آنکھیں ہی ہیں، تو گویا
مطلب یہ ہوا کہ ان آیتِ مبارکہ میں بھی تثنیہ کے لیے واحد کا استعمال ہوا ہے

○ نیز آیاتِ مبارکہ: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۲۴: ۳۰) قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ
يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (۲۴: ۳۱) اور فَاغْسِلُوْا ... اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ...
اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (۵: ۶) میں بھی مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق معنی کریں گے

○ بہرحال یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ انسان کے جو عضو دو دو ہیں ان کے لیے
واحد کا صیغہ بولیں تو وہ دونوں ہم جنس عضو مراد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ
احادیثِ مبارکہ میں بھی اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے
سطورِ ذیل میں احادیثِ مبارکہ سے بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

۶ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم فرمایا: من رای منکم منکرا
فلیغیرہ بیدہ (مشکوٰۃ ص ۴۳۶) کہ تم میں سے جو شخص کوئی غیر شرعی کام ہوتا
ہوا دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اس غیر شرعی کام کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔
یہاں بھی واحد ید کا استعمال تثنیہ یدین کے معنے میں ہوا ہے۔

۷ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہجرت کرکے حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر شرفِ بیعت سے مشرف ہونے
کی خواہش مند عورتوں سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمانِ ذی شان: یٰۤاَیُّهَا
النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا

وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۶۰:۱۲) کہ یا رسول اللہ! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئیں اور آپ سے اس بات پر بیعت کرنا چاہیں کہ ○ ہم کسی چیز کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی ○ اور نہ ہی چوری کریں گی ○ اور نہ بدکاری کریں گی ○ اور نہ اپنی اولاد کو خصوصاً لڑکیوں کو قتل کریں گی ○ اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان بنا کر کھڑا کریں گی (یعنی جان بوجھ کر کوئی بہتان نہ گھڑیں گی ○ اور جن نیکیوں کا آپ حکم دیں تو ان کی حکم عدولی بھی نہ کریں گی۔ تو ان (چھ) شرطوں پر آپ ان عورتوں سے بیعت فرمالیا کریں، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان عورتوں کے حق میں مغفرت کی دعا فرمایا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم الٰہی کے مطابق عورتوں سے عہد لیتے۔ اور جو عورت ان مقررہ چھ شرطوں کا اقرار کرلیتی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی معصوم زبان مبارک سے فرمادیتے تھے: قَدْ بَايَعْتُكِ کہ میں نے تیری بیعت لے لی ہے۔

حضرت ام المومنینؓ نے عورتوں سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا یہ طریقہ بیان فرمانے کے بعد قسم کھا کر فرمایا کہ: واللہ! بیعت لیتے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کبھی کسی عورت کے ساتھ مَس نہیں ہوا۔ محض زبانی اقرار لے کر فرمادیتے کہ میں نے تیری بیعت قبول کر لی (بخاری ج۲)

حضرت امام ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی شافعیؒ (م ۹۲۳ھ) نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۸۰ پر تحریر فرمایا ہے: قد بايعتك اي بالكلام لا باليد كما كان

یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قد بایعتک فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بیعت ہونے والی عورتوں سے صرف زبانی بیعت قبول فرمائی تھی، ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس طرح بیعت نہیں فرمائی تھی جیسا کہ مرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیتے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ فرمایا کرتے تھے۔

○ حضرت امام قسطلانیؒ کے مذکورہ بالا وضاحتی اور تشریحی بیان میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انھوں نے لا بالید میں لفظ ید واحد استعمال فرمایا ہے لیکن اس سے مراد یدین یعنی تثنیہ ہے۔ کیونکہ انھوں نے لا بالید کے الفاظ استعمال فرمانے کے بعد مثال دیتے ہوئے کما کان یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین کے الفاظ سے اس بات کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ لا بالید میں گو کہ لفظ ید واحد ہے لیکن اس سے مراد دونوں ہاتھ ہیں۔ یعنی یہاں بھی تثنیہ کے لیے واحد کا استعمال کیا گیا ہے۔

○ نیز حضرت امام قسطلانیؒ کے اس وضاحتی بیان سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ فرمایا کرتے تھے۔

○ اس لیے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا بدعت اور خلافِ سنت ہے۔ بلکہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کو بدعت کہنا گویا سنتِ نبوی کو بدعت کہنا ہے۔ استغفراللہ

● اسی طرح سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو اَنعَمَ اللہُ بِکَ عَیْنًا وَاَنْعِمْ صَبَاحًا کے الفاظِ تحیہ کہا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے اور تو صبح کے وقت خوش و خرم اور تازہ دم رہے۔ اور پھر جب اسلام کا روشن دور آیا

تو ہمیں یہ کلمات کہنے سے منع فرما دیا گیا۔ (مشکوٰۃ باب السلام ص ۳۹۹)

○ اس روایت میں بھی عیناً واحد کا صیغہ ہے، جو تثنیہ کے لیے استعمال ہُوا ہے۔ یعنی عیناً سے مُراد عینین ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیری دونوں آنکھوں کو خوش اور ٹھنڈا رکھے۔

○ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ جو لوگ ملاقات کے وقت السلام علیکم کے علاوہ دُوسرے کلماتِ تحیۃ بولتے ہیں، مثلاً: آداب عرض، رد بلائیں، جی آیاں نوں، بسم اللہ اور بخیر راغلے وغیرہ۔ یہ سب واجبُ الترک ہیں۔

❾ اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاخیر فی جلوس الطرقات الا لمن ھدی السبیل ورد التحیہ وغض البصر و اعان علی الحمولۃ (مشکوٰۃ ص ۹۹) کہ جو شخص کسی گزرگاہ پر کسی بھولے ہُوئے کو راستہ بتانے، اور سلام مسنون کا جواب دینے اور اپنی آنکھ کو نیچے رکھنے، یا کسی کو بوجھ اُٹھانے میں تعاون کرنے میں مدد دینے کے علاوہ کسی اور ارادے سے، یا فضول اور بے مقصد بیٹھے گا تو اس میں خیر نہ ہوگی۔

○ اس روایت میں غض البصر کا لفظ آیا ہے۔ اور ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ بصر کا معنیٰ عین یعنی آنکھ ہے۔ اور یہ لفظ واحد بمعنی تثنیہ استعمال ہُوا ہے۔

○ یعنی اگر کوئی شخص بھولے ہُوؤں کی راہنمائی کرنے یا ضعیف ونحیف لوگوں کی مدد کرنے کی غرض سے کسی شاہراہ پر بیٹھے تو اپنی آنکھیں نیچی رکھے کہ مبادا کوئی غیر محرم عورت اس کے سامنے آجائے اور وہ اسے دیکھ کر گناہ گار ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک آنکھ کھلی اور ایک آنکھ بند رکھے۔

❿ اسی طرح ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمانے کے لیے پانی منگوایا۔ اور حدیث شریف میں ہے: فافرغ علی یدہ کہ پھر وہ پانی اپنے ہاتھوں پر ڈالا۔ یہاں یدہ واحد سے دونوں ہاتھ مراد ہیں۔ (بخاری ص ۳۱)

11 اس کے بعد اسی حدیث میں آتا ہے: فغسل یدہ مرتین کہ پھر اپنے دونوں ہاتھ
دو مرتبہ دھوئے۔ تو یہاں بھی وہی یدہ واحد کا صیغہ آیا ہے اور مُراد
دونوں ہاتھ ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف ایک ہاتھ دھونے پر ہی اکتفا کیا ہو۔

12 اسی طرح ایک مرتبہ اُمّ المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت رسول اللہ ﷺ
کے نہانے کی خاطر پانی رکھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ
بیان کرتے ہوئے حضرت اُمّ المومنینؓ نے فرمایا: غَسَلَ یَدَہٗ مرتین او ثلث
کہ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ اپنے دستِ مُبارک دھوئے۔ (صحیح بخاری ص ۴۰)
اس حدیث مبارک میں بھی یدہ واحد سے دونوں ہاتھ ہی مُراد ہیں۔

13 اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کان رسول اللہ
ﷺ اذا اغتسل من الجنابۃ غسل یدہ (بخاری ۴۰) کہ جب بھی حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسلِ جنابت فرماتے تو پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے
اس حدیثِ مُبارک میں بھی یدہ صیغۂ واحد سے دونوں ہاتھ مراد ہیں۔

14 اسی طرح صحیح بخاری ص ۲۵۹ میں حضرت حمرانؒ سے امیر المومنین سیدنا امام عثمان
رضی اللہ عنہ کے وضو کا طریقہ کچھ اس طرح سے منقول ہے: رأیت عثمان رضی اللہ عنہ
فافرغ یدہ ثلثا ثم تمضمض کہ میں نے حضرت امام عثمانؓ رضی اللہ عنہ کو
وضو کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے تین بار اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور پھر
مضمضہ یعنی کُلّی کی۔ اس روایت میں بھی یدہ واحد سے تثنیہ مُراد ہے۔

15 اسی طرح ایک مشہور حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۲)
کہ کامل الایمان مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھوں سے دُوسرے مسلمان
بچے رہیں۔ یعنی وہ اپنی زبان سے کسی کو بُرا نہ کہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی کو
تکلیف نہ پہنچائے۔ اس حدیث میں جس طرح لسانہ واحد کا صیغہ آیا ہے
اسی طرح یدہ بھی واحد تو ضرور ہے لیکن اس سے مُراد دونوں ہاتھ ہیں۔

○ اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو والدہ کی خدمت پر راغب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلِهَا (مشکوٰۃ ص۴۲۱) کہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اس حدیث مبارک میں رِجل واحد ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس حدیث میں صرف ایک پاؤں کے نیچے جنت ہونے کا ثبوت ہے' دُوسرے کے نیچے نہیں۔ لہٰذا یہاں بھی واحد رِجل بول کر اس سے تثنیہ رِجلَین یعنی دونوں پاؤں مُراد ہیں۔

○ قرآن مجید اور احادیث مُبارکہ کی مذکورہ بالا مشتے نمونہ چند مثالوں سے معلوم ہوا کہ اہل عرب تثنیہ کے لیے واحد کا استعمال عام طور پر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ دیگر زبانوں میں بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

○ اُردو زبان میں ہاتھ، پاؤں، اور آنکھ، کان کے الفاظ جس طرح واحد کے لیے استعمال ہوتے ہیں اسی طرح تثنیہ کے لیے بھی عموماً ان الفاظ کا استعمال ہوتا رہتا ہے۔

○ اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان مِن تمام التحیة الأخذ بالید کا صحیح مطلب بھی یہ ہے کہ تحیۃ کا حق تب ادا ہوتا ہے جب کہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا جائے۔ یعنی مذکورہ بالا مثالوں کی طرح اس حدیث مُبارک میں بھی ید واحد سے تثنیہ یدین' یعنی دونوں ہاتھ مراد ہیں۔

○ کیونکہ صراحۃً کسی حدیث میں بھی یہ نہیں آیا کہ صرف ایک ہاتھ سے ہی مُصافحہ کیا جائے اور دُوسرا ہاتھ ہرگز نہ ملایا جائے۔ بلکہ:

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مُصافحہ کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ چُنانچہ:

○ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری بابُ المصافحہ (ص ۹۲۶) میں تعلیقاً سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے: عَلَّمَنِی النَّبِیُّ ﷺ التَّشَهُّدَ وَكَفِّی بَیْنَ كَفَّیْهِ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا' اور میری ایک ہتھیلی آپؐ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔

○ اس کے بعد حضرت امام بخاریؒ نے باب الاخذ بالیدین کا عنوان قائم فرمایا یعنی "دونوں ہاتھوں کے ساتھ مُصافحہ کرنے کا بیان"۔ جس میں انھوں نے اس مسئلہ کے بارے میں اپنا موقف ظاہر فرمایا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیے اور اس کی دلیل میں پہلے تو انھوں نے حضرت حماد بن زید کا عمل نقل فرمایا۔ صافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیہ کہ حضرت حماد بن زید نے حضرت عبداللہ بن المبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔ اور اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ان کا وہی قول نقل فرمایا، جس میں آتا ہے کہ میرا ہاتھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، جب آپؐ نے مجھے تشہد کی تعلیم دی تھی۔ (بخاری ص ۹۲۶)

○ اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ الاخذ بالید والی روایت میں ید سے مُراد یدین ہی ہے، جیسا کہ ایک روایت میں زنا العین النظر (یعنی غیر محرم کی طرف بری نظر کرنا آنکھ کا زنا ہے) کے الفاظ آئے ہیں، اس میں عین سے مُراد عینین یعنی دونوں آنکھیں ہیں۔ (دیکھیے صحیح بخاری ص ۹۲۳)

○ اس حدیث کا صحیح مطلب تو یہی ہے جو اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ تاہم ایک بات اور بھی ہے، جو صرف اُس صورت میں کی جائے گی، جبکہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کو بدعت اور خلافِ سُنّت قرار دینے والے آزاد خیال لوگ احسن طریقہ سے ہماری پیش کردہ تشریح اور وضاحت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہُوئے اپنی اسی بات پر قائم رہیں کہ اس حدیث میں ید سے مُراد صرف ایک ہاتھ ہی ہے، تو ہم انھیں کہیں گے کہ اس معاملے میں آپ کو اس قدر تشدد اور سختی کرنے کی بجائے قدرے نرمی سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ:

○ آپ کے اس تشدد کی زد میں ایک طرف تو حضرت امام بخاریؒ آرہے ہیں جنھوں نے بابُ المصافحہ اور بابُ الاخذ بالیدین کے عنوانوں سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی سُنّت ثابت کیا۔

○ اور دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ ترمذی کی یہ زیرِ بحث حدیث صحیح بخاری کی ثقہ روایتوں کے مقابلے میں ضعیف روایات کی صف میں شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ:

○ حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد خود ہی اس حدیث کو "غریب" کہا ہے، جو ضعف کی دلیل ہے۔

○ اس لیے ظاہری معنے کے مُطابق اس حدیث پر عمل کرنا اُصولِ حدیث کے خلاف ہے۔

○ نیز حضرت امام ترمذیؒ نے مزید فرمایا کہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے یحییٰ بن سلیم طائفی کے سوا اور کوئی اہلِ حدیث بھی اس روایت کو بیان نہیں کرتا۔

○ حضرت علامہ سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب تقریبُ التہذیب ص ۳۹۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ گو یحییٰ بن سلیم طائفی کو حضرت ابن سعدؒ نے ثقہ اور کثیر الحدیث کہا ہے۔ اسی طرح ابن معینؒ نے بھی ثقہ کہا ہے، لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن سلیم طائفی کو خلط ملط کرتے ہُوئے دیکھا ہے۔

○ حضرت امام نسائیؒ نے فرمایا کہ یحییٰ بن سلیم طائفی قوی نہیں ہے۔

○ حضرت امام ابوحاتمؒ نے فرمایا کہ یحییٰ بن سلیم طائفی سچا تو ہے مگر اس کے قول کو دلیل میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

○ حضرت ابوخیثمہؒ نے بھی یحییٰ بن سلیم طائفی کا کچھ اچھے الفاظ میں ذکر نہیں کیا۔

○ حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سلیم طائفی کی اس روایت کے بارے میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ اس کی یہ حدیث محفوظ نہیں۔

○ اس لیے یہ حدیث اس قابل ہی نہیں کہ اسے ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کی دلیل میں پیش کیا جاسکے۔

○ اور شاید اسی لیے حضرت امام بخاریؒ اپنے ذخیرۂ حدیث میں یہ حدیث نہیں لائے۔

- نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جہاں ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کا طریقہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اور کسی محدث، مفسر یا مجتہد کے قول و عمل سے بھی ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہوتا، وہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دراصل ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا غیر مسلم اہل یورپ کا شعار ہے جیسا کہ:
- حضرت محدث رشید احمد گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے: ان المصافحۃ بید واحدۃ لما کانت شعار اهل الافرنج وجب ترکه لذٰلک (الکوکب الدری، ج ۲ ص ۱۴۱) کہ ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنا چونکہ اہل یورپ کا شعار ہے، اس لیے اس طریقہ کو چھوڑنا واجب ہے۔ کیونکہ:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم۔ کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔[1]
- نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے کو سلام کرتے وقت یہود و نصاریٰ کی طرح انگلیوں اور ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لیس منا من تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھود والنصاریٰ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالاکف (مشکوٰۃ ص ۳۹۹) کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے علاوہ دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے۔ اس لیے یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ بھی مشابہت اختیار نہ کرو۔ کیونکہ یہودیوں کے سلام کرنے کا طریقہ انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرنے کا تھا۔ اور نصرانیوں کے سلام کرنے کا طریقہ ہتھیلیوں کے ساتھ اشارہ کرنے کا تھا۔
- یاد رہے کہ اس حدیث میں جیسا کہ ہاتھ سے اشارہ کے ساتھ سلام کرنے کی صراحۃً ممانعت آئی ہے، اسی طرح تشبہ کے باعث ایک ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرنے کی ممانعت بھی اس حدیث میں موجود ہے۔

[1] مشکوٰۃ ص ۳۷۵

مواہبِ رحمانی

در

مسائلِ قربانی

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِيْعِنَا وَسَنَدِنَا وَهَادِيْنَا وَمُرْشِدِنَا وَاِمَامِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ:

ماہ ذوالحجہ میں اللہ تعالیٰ نے کتنی عبادتیں ہم پر مقرر فرمائی ہیں، مثلاً حج، عُمرہ، ہدی، قربانی، تکبیراتِ تشریق، عرفہ کے دِن کا روزہ، نمازِ عید کی نماز۔ اس رسالہ میں ہم صرف قربانی کا ہی ذکر کریں گے۔ اور حج و عُمرہ وغیرہ کو ان شاء اللہ الگ مستقل طور پر بیان کیا جائے گا۔ جس کے لیے آپ حضرات سے صحت کی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ ناتواں سے کچھ کام لے لے تاکہ افادۂ عام ہو۔

قربانی کی ابتداء

قربانی وہ حکم ہے جو تمام مِللِ سماویہ میں رہا ہے اور اس کا مقصد بارگاہِ الٰہی میں تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ حضرت آدم

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور سے بنی آدم میں یہ تو از شروع ہوا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت منقول ہے کہ اُس وقت فقراء نہ ملتے تھے جن کو صدقہ دیا جائے، جس شخص کی قربانی قبول ہوتی تھی اُس قربانی کو آسمان سے آگ آکر اُٹھا لے جاتی تھی اور اگر قربانی قبول نہ ہوتی تو وہ قربانی یُوں ہی پڑی رہتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہابیل اور قابیل دو بیٹے بھی تھے۔ ہابیل نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے بڑے سینگوں والا اور موٹی موٹی آنکھوں والا، سفید رنگ کا ایک مینڈھا بڑے ہی اخلاص کے ساتھ قربان کیا جو بارگاہ خُداوندی میں قبول و منظور ہُوا، دُوسری طرف قابیل نے بھی ایک قربانی بادلِ ناخواستہ پیش کی، اس کی صورت یہ تھی کہ کھیتی کا ایک ناکارہ اور خراب گلا سڑا گٹھا قربان کیا، جسے آگ نے نہ کھایا اور یوں ہی مردود و بے دود پڑا رہا۔ دراصل قابیل کی نیت میں اخلاص نہیں تھا۔ معلوم ہُوا کہ قربانی کے لیے اخلاصِ نیت شرط ہے۔

پھر ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کا دَور آیا تو ان کو حکمِ خداوندی ہُوا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل ذبیحُ اللہ علیہ السّلام کو ذبح کریں۔ چنانچہ ان دونوں باپ بیٹا نے خدا تعالیٰ کے حکم کو بسر و چشم قبول کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حکمِ خدا کو بجالاتے ہُوئے ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹا کر اُن کے گلے پر خلوصِ نیت کے ساتھ چُھری رکھ دی۔ تب حُکمِ الٰہی سے چُھری نے اپنا کام نہ کیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بہ حکمِ خُدا بہشت سے ایک دُنبہ لا کر فرمایا اے خلیل اللّٰہؑ! یہ دُنبہ لیجیے اور اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کے عوض میں اسے ذبح کر دیجیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ دُنبہ ذبح کیا۔ اُس وقت سے یہ طریقۂ ابراہیمیؑ اب تک مسلسل چلا آرہا ہے۔ مُشرکینِ عرب نے بھی یہ طریقہ برابر جاری رکھا۔ پھر اسلام نے بھی اس سُنّتِ ابراہیمیؑ کو اُمّتِ مُحمّدیہ میں وجوبًا یا استحبابًا مُطابق احوالِ اشخاص کے قائم رکھا۔

امام محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمۃُ اللّٰہ نے جامع ترمذی میں لکھا ہے عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال اقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی هذا حدیث حسن (جامع ترمذی ص ۲۷۷ ج ۱) یعنی حضرت عبداللّٰہ بن عُمر رضی اللّٰہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم

دس سال تک مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔"

پھر عہد نبوی کے بعد ہر زمانہ میں قربانی کا عام دستور رہا اور اب تک برابر چلا آرہا ہے اور یہ قربانی دین کے ضروری کاموں میں شمار ہوتی ہے۔

صحیح ترمذی ص ۲۷۵ و ابن ماجہ ص ۲۳۳ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور عمران بن حصین و زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم انہ لیاتی یوم القیامۃ بقرونہا و اشعارھا و اظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بہا نفسا یعنی فرض عبادت کے ماسوا قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ ثواب کسی کام میں نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ قیامت کے دن اس کا ثواب مع ثواب اس کے سینگوں، بالوں اور کھروں کے سامنے آجائے گا اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوجاتا ہے اس لیے خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔

اسی واسطے علماءِ اسلام کے نزدیک قربانی کے دنوں میں جانور ہی ذبح کرنا بہت فضیلت کی چیز ہے اور جو ثواب اس قربانی کرنے اور خون بہانے میں ہے وہ اس کی قیمت ادا کرنے میں نہیں ہے انتہائی درجہ ثواب کا وہ ہے جو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں اور ابنِ ماجہؒ نے سنن ص ۲۳۳ و مشکوٰۃ ص ۱۲۹ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اصحابُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ماھٰذہ الاضاحی یعنی ہمارے دین میں اِن قربانیوں کی خصوصیت کیا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمھارے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ چلا آرہا ہے۔ پھر عرض کرنے لگے فما لنا فیھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی ہمیں ان قربانیوں میں کتنا ثواب ملے گا؟ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکل شعرۃ حسنۃ یعنی ہر ہر بال کے بدلہ میں ایک ایک نیکی ملے گی۔ پھر عرض کرنے لگے فالصوف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنبی کے اُون کا کتنا ثواب ہوگا؟ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ یعنی اون کے ہر ہر بال کے بدلے میں بھی ایک ایک نیکی ملے گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و مہربانی ہے کہ ایک قربانی کرنے میں بے شمار نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اگر کسی پر قربانی واجب نہ ہو مگر ثواب کی نیت سے قربانی کرے تو اس کو بھی بڑا ثواب ہوگا لہٰذا سب مسلمانوں کو چاہیے کہ نہایت ذوق و شوق سے قربانی کیا کریں۔ یہ دِن نکل جائیں گے تو بڑی دولت ہاتھ سے جاتی رہے گی پھر اس کے بعد ہزاروں کیا لاکھوں رُوپے صرف کرنے پر بھی اتنا بڑا ثواب نصیب نہیں ہوگا۔

مُناسب تو یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ طاقت دے تو اپنی طرف سے، اپنے ماں باپ کی طرف سے، اپنے رشتہ داروں کی طرف سے، مرے ہُوئے عزیزوں کی طرف سے بھی قربانی کرے اور ان کی رُوح کو اس کا ثواب پہنچائے اور مالدار پر تو واجب ہے کہ اپنی قربانی کرے اور اگر قربانی نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

مَسائلِ قربانی:

جو مسلمان آزاد اس قدر مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو، یا اتنا امیر تو نہیں لیکن اس کے پاس ضروری اسباب کے علاوہ اور سامان واسباب و مکانات اس قدر ہوں کہ ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، خواہ یہ مال تجارت کا ہو یا نہ ہو، سال پُورا گزرے یا نہ گزرے اس پر قربانی واجب ہے، جیسے صدقہ فطر

واجب ہے۔ اگر اس قدر مال اس کے پاس نہیں ہے تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر کرے گا تو ثواب ملے گا۔

بقرعید کی ۱۰ تاریخ کی صبح صادق سے لے کر ۱۲ تاریخ کے آفتاب غروب ہونے تک قربانی کا وقت ہے۔ ان تین دنوں میں سے جس دن بھی چاہے قربانی کر سکتا ہے۔ البتہ ۱۰ تاریخ کو قربانی کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ پھر ۱۱ تاریخ کو اس سے کم، پھر ۱۲ تاریخ کو اس سے بھی کم ثواب ملے گا۔ ان تین دنوں میں ۱۰ تاریخ کے بعد کی رات اور پھر ۱۱ تاریخ کے بعد کی رات میں بھی قربانی کر سکتا ہے مگر رات میں قربانی کرنا بہتر نہیں ہے کہ خدانخواستہ کوئی رگ کٹنے سے رہ جائے، تو اس صورت میں قربانی درست نہ ہوگی۔ نیز ۱۲ تاریخ کے غروب آفتاب کے بعد قربانی نہ ہوگی۔

قربانی کا جانور اگر شہر یا قصبہ میں ہے تو اس کی قربانی کرنا نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے درست نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو نمازِ عید ادا کرنے کے بعد دوبارہ قربانی کرے۔

قربانی کا جانور اگر کسی چھوٹے دیہات میں ہے تو صبح صادق کے ظاہر ہونے کے فوراً بعد بھی قربانی کے جانور کا ذبح کرنا جائز ہے۔ سو اگر شہر کا باشندہ صبح ہوتے ہی کسی گاؤں میں قربانی کا جانور بھیج دے اور وہاں نمازِ عید سے پہلے ہی ذبح کر دیا جائے

اور خود قربانی کرنے والا شہر ہی میں رہے تو وہ قربانی صحیح ہوگی۔
مسافر آدمی ۱۲ ذی الحجہ تک کسی جگہ مقیم ہو جائے تو اس پر
قربانی واجب ہو جائے گی۔
غریب آدمی ۱۲ ذی الحجہ کو دفعۃً مالدار ہو گیا تو اسی وقت ہی
اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔
قربانی کرنے والے کو ذبح کرنے کا طریقہ آتا ہو تو اپنی قربانی
اپنے ہاتھ سے خود ہی ذبح کرے، اور اگر دوسرے سے ذبح کرائے
تو بھی کچھ مضائقہ نہیں، لیکن دوسرا شخص ذبح کرے تو قربانی
کرنے والا خود ذبح کے وقت سامنے کھڑا ہو، اور اگر قربانی
کرنے والی عورت ہو اور سامنے کھڑے ہونے سے بے پردگی کا
خوف ہو تو پھر سامنے کھڑی نہ ہو۔
قربانی صرف اپنی ہی طرف سے واجب ہے۔ قربانی صدقۂ
فطر کی طرح نہیں کہ چھوٹی اولاد کی طرف سے بھی قربانی دے اگرچہ
اس کی اولاد مالدار ہو اور چھوٹے بچے کے مال سے قربانی نہ کرے
اگر چاہے تو اپنے مال سے ہی قربانی کر دے۔
قربانی کے جانور صرف یہ ہیں: اونٹ، اونٹنی (خواہ ایک
کوہان والے ہوں یا دو کوہان والے)، گائے، بیل، بھینس، بھینسا
بکرا، بکری، دنبہ، دنبی، مینڈھا اور بھیڑ۔ ان کے علاوہ اور کسی

جانور کی قربانی جائز نہیں۔ گھوڑا، جنگلی گدھا، وحشی گائے، مُرغ مُرغی کے انڈے، چڑیا، گوہ، بجو اور ہرن وغیرہ وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات آگے بیان ہونگی۔

بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا، دُنبی اور دُنبہ صرف ایک آدمی قربانی کرسکتا ہے۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اُونٹ، اُونٹنی مقدور والا ایک آدمی بھی کرسکتا ہے، دو بھی شریک ہوسکتے ہیں، تین بھی، چار بھی، پانچ بھی، چھ بھی اور زیادہ سے زیادہ سات بھی شریک ہوسکتے ہیں۔

نیز یہ بھی شرط ہے کہ سب شرکاءِ قربانی کی نیت محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہو، کسی کا اِرادہ محض گوشت کھانے کا یا دِکھلاوے اور عزیز و اقارب میں نیک نامی کا نہ ہو۔

نیز یہ بھی شرط ہے کہ سب شرکاءِ قربانی کے حصّے صحیح کانٹے پر تول کر پُورے پُورے تقسیم کیے جائیں۔ شریک قربانی کے دو ہوں یا تین، یا چار، یا پانچ، یا چھ اور یا زیادہ سے زیادہ سات ہوں، اگر ایک کا بھی حصّہ کم یا زیادہ ہوگیا تو حرام ہوجائے گا۔ لہٰذا سب شرکاء میں گوشت اندازے اور اٹکل سے نہ بانٹا جائے

البتہ جس طرف گوشت کم ہو اس طرف کلہ، سری، پائے یا کھال ملالے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کسی طرف گوشت زیادہ ہے اُسی طرف یہ چیزیں بھی ہوں تو حرام ہو جائے گا۔

اُونٹ، اُونٹنی، گائے، بیل، بھینس اور بھینسے میں سات آدمیوں سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے۔ یہ ائمۂ اربعہ کا متفقہ مسئلہ ہے۔

فقہ حنبلی کی کتاب الروض المربع ص ۵۳۰ ج ۱ میں منصور بن یونس بن ادریس البہوتیؒ نے لکھا ہے: وتجزئ البدنۃ والبقرۃ عن سبعۃ یعنی اُونٹ اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتے ہیں۔

اور الکافی ص ۴۷۳ ج ۱ میں ابن قدامہؒ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

فقہ شافعی کی کتاب نہایۃ المحتاج ص ۱۳۳ ج ۸ میں ہے: وخرج بسبعۃ مالو ذبحھا ثمانیۃ ظنوا انھم سبعۃ فلا تجزئ عن واحد منھم یعنی سات آدمیوں کی قید سے یہ صورت نکل گئی کہ آٹھ آدمیوں نے قربانی ذبح کی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم سات ہیں تو قربانی کسی کی نہ ہوئی۔

امام غزالیؒ نے الوجیز ص ۱۲۸ ج ۲ میں اسی طرح لکھا ہے۔ نیز کفایۃ الاخیار ص ۲۳۷ ج ۲ میں بھی ایسا ہی ہے۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم ص ۴۲۴ ج ۱ میں لکھا ہے کہ اُونٹ میں سات آدمی ہی شریک ہو سکتے ہیں ان البدنة تجزئ عن سبعة۔

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ص ۱۸۰ ج ۱ میں حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة یعنی ہم نے حُدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اُونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے نحر کی۔ پھر کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، اس کے بعد حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا: والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم وھو قول سفیان الثوریؒ وابن المبارکؒ والشافعیؒ واحمدؒ واسحاقؒ یعنی تمام صحابہؓ وتابعینؒ وغیرہم کا اِسی پر عمل ہے کہ اُونٹ میں سات تک شریک ہو سکتے ہیں، یہی قول سُفیان ثوریؒ وابن المبارکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی ہے۔ ہاں البتہ حضرت اسحاقؒ نے کسی وقت یہ بھی کہا تھا کہ اُونٹ میں دس بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ مگر مذہب وہی ہے جو اُوپر

بیان کیا جا چکا ہے۔
گائے میں شریک ہونے والے خریدنے سے پہلے شریک ہو جائیں، اور پھر گائے خریدیں تو یہ اَحوَط اور افضل ہے۔ اور اسی حکم میں یہ بھی صُورت ہے کہ خریدنے والا اس نیت سے خریدے کہ ایک حصّہ یا دو حصّے میں خود اپنی قربانی کے لیے رکھوں گا اور باقی حصوں میں دوسروں کو شریک کروں گا کہ یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اگر اس نے بغیر کسی نیت کے خرید کی اور بعد میں دُوسروں کو شریک کر لیا تو اس کے جواز میں اِختلاف ہے لیکن راجح جواز ہے والاشتراك قبل الشراء احب (درمختار) لو لم ینو عند الشراء ثم اشرکهم فقد کرهه ابوحنیفة (رد المحتار) وان نوی ان یشترك فیها ستة اجزأته (رد المحتار). (کفایت المفتی ص ۲۰۴ ج ۸)

ان تمام عبارات سے یہ تو واضح ہو گیا کہ اُونٹ، اُونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اس سے زیادہ آٹھ، نَو یا دس شریک نہیں ہو سکتے۔ البتہ ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ کے حوالے سے مشکوٰۃ ص ۱۲۰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے کہ "ہم ایک سفر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ تھے کہ عیدِ قربان آگئی تو ہم نے گائے میں سات، اور اُونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت سے قربانی کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ پھر حضرت اسحٰق بن راہویہؒ نے اسی حدیث پر عمل فرمایا، ان کے نزدیک اُونٹ میں دس آدمیوں کا قربانی کے لیے شریک ہونا جائز ہے۔ لیکن دُوسرے عُلماء کرامؒ کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے اور اُونٹ بھی سات ہی آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔" اس حدیث کی رُو سے اُونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت والی حدیث کو منسوخ کہا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸

نیز امام طحاوی رحمہُ اللہ نے فرمایا ہے کہ سب عُلماء کرامؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قربانی میں سات سے زیادہ شریک نہیں ہو سکتے۔ اور یہ علماء کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ جن اقوال میں یہ وارد ہے کہ اُونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں وہ اقوال صحیح نہیں ہیں۔

قربانی کے جانور

قربانی کے جانور اہل السنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق گھریلو جانور ہیں یعنی اُونٹ، اُونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا، دُنبی اور دُنبہ۔ ان کے علاوہ کوئی جانور بھی قربانی میں نہیں لگ سکتا خواہ وہ گھریلو ہوں وحشی۔ مثلاً مرغی، مُرغ، بطخا، بطخ، گھوڑا، ہرن، بجو، گوہ، وحشی گائے، جنگلی گدھا اور خرگوش وغیرہ۔

فقہ مالکی کی کتاب بدایۃ المجتہد ص ۴۳۰ ج ۱ میں علامہ ابن رشد مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وکلھم مجمعون علی انہ لا یجوز الاضحیۃ بغیر بھیمۃ الانعام الا ماحکی عن الحسن بن صالح انہ قال یجوز التضحیۃ ببقرۃ الوحش والظبی عن واحد۔ یعنی سب علماء حق کا اس بات پر اِتفاق اور اجماع ہے کہ بہیمۃ الانعام یعنی بھیڑ، مینڈھا، دُنبی، دُنبہ، بکری، بکرا، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اُونٹ اور اُونٹنی کے سوا کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ البتہ حسن بن صالح جو امامی، اثنا عشری شیعہ تو بے شک نہیں تھا تاہم اس کا

نقل شیعوں کے زیدی فرقہ کے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔
یہ حکایت کی گئی ہے کہ وہ وحشی گائے کی قربانی بھی جائز
کہتا ہے اور یہ بھی کہتا تھا کہ ہرن کی قربانی بھی ایک آدمی کی
طرف سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ
آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ تعالیٰ پیش کیا جائے گا۔

فتح العلام لشرح بلوغ المرام ص ۲۹۶ ج ۲ میں علامہ
ابوالخیر نورالحسن خان بن ابی الطیب صدیق حسن بن حسن بن علی
الحسینی البخاری قنوجی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے:

ثم الاجماع علی انہ لا تجوز التضحیۃ بغیر بھیمۃ
الانعام الا ما حکی عن الحسن بن صالح انھا تجوز
التضحیۃ ببقرۃ الوحش عن عشرۃ والظبی عن واحد،
وما روی عن اسماء انھا قالت ضحینا مع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بالخیل وما روی عن ابی ھریرۃ
رضی اللہ عنہ انہ ضحی بدیک یعنی تمام علماء کرام
کا اس بات پر اجماع ہے کہ بغیر بھیمۃ الانعام یعنی دُنبی، دُنبہ،
بھیڑ، مینڈھا، بکری، بکرا، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اُونٹ
اور اُونٹنی کے کسی گھریلو یا وحشی اور جنگلی جانور کی قربانی جائز نہیں
ہے۔ ہاں البتہ زیدی شیعہ حسن بن صالح سے حکایت کی گئی ہے

کہ دس آدمیوں کی طرف سے وحشی گائے قربانی میں لگ سکتی ہے، اور ایک آدمی کی طرف سے ہرن کی قربانی بھی لگ سکتی ہے اور دلیل میں وہ روایت پیش کرتا ہے جو اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے کسی نے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے دور میں گھوڑے کی قربانی کی تھی۔ نیز وہ روایت بھی پیش کرتا ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے روایت کی ہے کہ انھوں نے مُرغ کی قربانی کی تھی۔

نیز سبل السلام میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

بہرحال ان حوالہ جات سے یقیناً یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ علماءِ اسلام میں سے کسی نے بھی خواہ علماءِ اہلِ حق ہوں یا نہ، اہلِ سنت ہوں یا اہلِ اعتزال، یا اہلِ تشیع، خواہ امامی، خواہ اثنا عشری، خواہ خوارج ہوں یا جہمی، خواہ قدری وغیرہ یہاں تک کہ اسلام کا دعوے کرنے والا ان مذکورہ گھریلو مشہور جانوروں بھیڑ، بکری، دنبہ، گائے، بھینس اور اُونٹ نر و مادہ کے علاوہ کسی دُوسرے گھریلو یا وحشی جانور کی قربانی کو جائز نہیں کہا۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں اگر کسی شخص نے وحشی گائے، جنگلی گدھے اور ہرن وغیرہ کی قربانی کو جائز

کہا ہے تو وہ صرف زیدی شیعہ حسن بن صالح ہی ہے، جس نے اہل السنّت کا رُوپ دھار کر نہ جانے کیا کیا گُل کھلائے ہیں۔ اس رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، البتہ آئندہ صفحات میں کچھ مزید تعارف اس کا بیان کیا جائے گا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ

قربانی کے جانوروں کی عُمریں

○ بکرا، بکری پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے ایک دِن بھی کم نہ ہو، ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی۔

○ اگر بکری کا بچہ ۶ یا ۷ یا ۸ یا ۹ ذی الحجہ کو پیدا ہُوا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قاعدہ کے مُطابق وہ دُوسرے سال کی قربانی میں نہیں لگ سکتا، کیونکہ ۱۲ ماہ ۳۰، ۳۰ دِن کے لیے جائیں تو پُورے سال کا نہیں ہُوا، اس لیے اس کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

○ اگر یکم ذی الحجہ کو پیدا ہُوا تو اس کی قربانی بے شک درست ہے۔ اور بہتر ہے کہ دو سال کا ہو، تاکہ اِختلاف سے نکل جائے۔

○ اُونٹ، اُونٹنی پُورے پانچ سال کے ہوں، ایک دن بھی کم نہ ہو ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی، اور زیادہ کا ہو تو بہتر ہے۔

○ گائے، بیل، بھینس، بھینسا پُورے دو سال کے ہوں ایک

دن بھی کم نہ ہو، ورنہ قربانی ادا نہ ہوگی اور زیادہ کا ہو تو بہتر ہے۔

○ بھیڑ اور دُنبی نر و مادہ کم از کم چھ ماہ کے ہوں اور وہ اس قدر فربہ ہوں کہ سال بھر کی بھیڑوں کے برابر اس کی صحت معلوم ہو۔

عمروں میں اختلاف

قربانی کے جانوروں کی عمروں کے مسئلہ کو مختلف فیہ بنا دیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ "جانوروں کی عمروں کا قربانی میں کوئی لحاظ نہیں ہے اور یہ کہ عرب کے ہاں مسنہ کے معنی ہیں الذی القی[1] ثنیتہ یعنی جس کے اگلے دانت گرے ہوئے ہوں، تو اس کے معنی ما اتت علیہ سنۃ کیوں کرتے ہیں؟"

الجواب: جس طرح علم حدیث مستقل فن ہے اور اس کی مخصوص اصطلاحات ہیں، ضروری نہیں کہ ان اصطلاحات کو لغوی معنی ہی میں استعمال کیا جائے بلکہ وہ منقول ہیں۔ اسی طرح فقہ بھی ایک مستقل فن ہے اور اس کی بھی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں، اور ضروری نہیں کہ ان اصطلاحات کو لغوی معنوں میں ہی استعمال کیا جائے۔

فقہ حنبلی کی کتاب الروض المربع ص ۵۲۹ ج ۱ میں منصور بن یونس بن ادریس البہوتی حنبلیؒ نے لکھا ہے فالابل ای السن المعتبر لاجزاء ابل خمس سنین والبقر سنتان

والمعز سنۃ والضان نصفہا ای نصف سنۃ یعنی جو اُونٹ قربانی کے لیے ہو وہ (کم از کم) پانچ سال کا ہو گائے (اور بھینس) دو سال کی، بکری ایک سال کی اور بھیڑ چھ ماہ کی۔

العُدہ شرح العُمدہ ص ۲۱۰ کے حاشیہ میں ہے الثَّنِیُّ... من المعز مالہ سنۃ وثنی الابل ما کمل لہ خمس سنین ومن البقر مالہ سنتان یعنی ثنی بکری ایک سال کی، ثنی اُونٹ پانچ سال کا ثنی گائے دو سال کی۔

المحرر ص ۲۴۹ ج ۱ میں ہے الثنی .... ماتمت لہ سنۃ من المعز وسنتان من البقر وخمس سنین من الابل یعنی ثنی بکری پُورے سال کی، ثنی گائے دو سال کی ثنی اونٹ پانچ سال کا۔

فقہ شافعیہ کا اگرچہ دُوسرے مسالک کے ساتھ اختلاف ہے، مگر جانوروں کی تشریح میں وہ بھی عُمروں کا ہی لحاظ رکھتے ہیں۔ مثلاً کفایت الاخیار ص ۲۳۶ ج ۲ میں لکھا ہے کہ

واما الثنی من المعز فمالہ سنتان علی الاصح یعنی اصح مسلک یہی ہے کہ بکری ثنی (مسنہ) وہ ہوتی ہے جس کی عُمر کے دو سال پُورے ہو چکے ہوں۔ آگے چل کر لکھا واما الثنی من الابل فمالہ خمس سنین ودخل فی السادسۃ علی الاصح وقیل مادخل فی

السابعة. اُونٹ ثنی (مُسِنّہ) وہ ہے جو پانچ سال کا ہو، اور اصح مسلک کے مُطابق چھٹے سال میں داخل ہوجائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُونٹ ثنی وہ ہے جو ساتویں سال میں داخل ہوجائے

واما البقر فماله سنتان ودخل فی الثالثة علی الاصح وقیل مادخل فی الرابعة یعنی ثنی گائے بھینس (مُسِنّہ) اصح مسلک کے مُطابق وہ ہے جس کے دو سال پورے ہوجائیں اور تیسرے سال میں لگ جائے اور بعض کہتے ہیں کہ جس کے تین سال پُورے ہوجائیں اور چوتھے سال میں لگ جائے۔

نہایۃ المحتاج ص ۱۳۳ ج ۸ میں علامہ شمس الدین رملیؒ نے لکھا ہے

وشرط اجزاء ابل ان تطعن ای تشرع، فی السنة السادسة وبقر ومعز فی الثالثة وضأن فی الثانية بالاجماع یعنی قربانی میں وہ اُونٹ لگ سکتا ہے جو چھٹے سال میں لگا ہوا ہو، اور گائے ... تیسرے میں اور بھیڑ دُوسرے میں۔

شرح روض الطالب ص ۵۳۵ ج ۱ میں ہے: ولا یجزئ اقل من جذع الضأن وثنی المعز والابل والبقر والجذع ذو سنة تامة .... والمعز والبقر ای الثنی منهما ذو سنتین تامتین والابل ای الثنی منها ذو خمس سنین تامة لخبر مسلم لا تذبحوا الا مسنة الا ان تعسر علیکم فاذبحوا جذعة

من المنان. قال النووی فی شرح مسلم قال العلماء المسنة هی الثنیة من الابل والبقر والغنم فما فوقها. الخ یعنی بھیڑ دُنبی کا بچہ پورے سال کا اور بکری، اُونٹ، گائے، بھینس کا ثنی (مُسِنّہ) سے کم عمر کا جانور قربانی کے لیے کافی نہیں۔ جذع پورے سال کا ہوتا ہے۔ اور بکری اور گائے کا ثنی پورے دو سال کے اور اُونٹ کے ثنی پورے پانچ سال کے، کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُسِنّہ (ثنی) سے کم عمر کا جانور ذبح نہ کرو۔ البتہ اگر تم کو مشکل پیش آجائے اور مُسِنّہ نہیں ملتا تو بھیڑ اور دُنبی کا یکسالہ بچہ قربانی میں ذبح کردو۔ شرح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ گائے، اُونٹ اور بکری میں سے مُسِنّہ وہی ثنی ہی ہوتا ہے اور اسی طرح جو عمر میں اس سے بڑا ہو وہ مُسِنّہ ہوتا ہے۔

جامع ترمذی ص ۱۸۱ ج ۱ میں امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ

وقال وکیع الجذع ما یکون ابن سبعة او ستة اشهر

یعنی وکیعؒ نے کہا ہے کہ جذع وہ ہے جو چھ یا سات ماہ کا ہو۔

نیل الاوطار ص ۳۴۵ ج ۳ میں بھی علامہ شوکانیؒ نے ان کا قول نقل کیا ہے۔

خطابیؒ نے بھی اسی طرح ابوداؤد کی شرح میں لکھا ہے۔

اہلِ لغت بھی فقہاء اربعہ کے قول کے موافق وہی معنے بیان کرتے ہیں جو فقہاء نے تحریر کیے ہیں۔ چنانچہ

المغرب ص ۸۷ ج ۱ میں مطرزی نے لکھا ہے وعن الزہری الجذع من المعز سنة ومن الضأن ثمانية عشر یعنی زہری (تابعی اُستاذ امام مالکؒ) سے روایت ہے کہ بکری کا جذع سال کا ہوتا ہے اور بھیڑ کا جذع اٹھارہ ماہ یعنی ڈیڑھ سال کا۔

مجمع البحار ص ۱۸۱ ج ۱ میں ہے فهو من الابل ما تم له اربع سنين و من البقر والمعز ما تم له سنة وقيل من البقر ماله سنتان ومن الضأن ما تمت له سنة وقيل اقل منها یعنی جذع اُونٹ چار سال کا اور گائے و بکری پُورے ایک سال کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جذع گائے کا دو سال والا اور جذع بھیڑ دُنبی کا پورے ایک سال کا اور بعض اس سے کم عمر والے کو جذع کہتے ہیں۔

نہایہ ص ۱۷۷ ج ۱ میں علامہ ابن اثیرؒ نے اسی طرح لکھا ہے۔

مُسِنّة وثنیٰ جانوروں کی عُمریں

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک بکری، بھیڑ کے اگلے دانت دُودھ والے ٹوٹ کر نئے نہ نکل آئیں اس وقت تک اس کی قربانی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ امام مالکؒ نے حضرت

نافعؒ نے روایت فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان قربانیوں سے بچتے تھے جو مُسِنّہ نہ ہو۔ اور مجمع البحار ص ۱۴۸ ج ۲ میں ہے کہ مُسِنّہ کا اِطلاق اس گائے یا بکری پر ہوتا ہے جس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے ہوں اور ان کے آگے کے دانت تیسرے سال ٹوٹتے ہیں، اور اس کے معنی بوڑھا ہونے کے نہیں ہو سکتے، جیسے بوڑھے آدمی کو مُسِنّ کہتے ہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں تیسرے سال دانتوں کا نکلنا۔ مصباح اللغات میں ہے اَسَنَّ الرَّجُل یعنی مرد بوڑھا ہُوا اور اَسَنَّ الصَّبِیُّ یعنی بچے نے دانت نکالے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مُسِنّ اور ثَنِیّ مرادِف (ہم معنی) لفظ ہیں جیسے نسائی ص ۲۰۳ ج ۲ کے حاشیہ میں محشّی سندھی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ الثَّنِیُّ هُوَ المُسِنّ ۔ اور ثنی کے معنی مصباح المنیر ص ۵۸ ج ا میں ہیں الذی یلقی ثنیته یعنی جو اپنے دانت گرا دے۔ تاج المصادر ص ۲۵۱ میں اِثناءؒ کے معنی ہیں بیفگندن ثنیہ، یعنی سامنے کے دانتوں کا گرانا۔ نیز مصباح اللغات ص ۷۴ میں ہے کہ ثَنِیّ وہ جانور ہے جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں۔ ایک قلمی لغت ص ۱۹۶ میں ہے ثَنِیّ بفتح اول وکسرِ نون وتشدید یا اخیر۔ شتر وگاؤ وگوسفند کہ دندانہائے پیش اُفتادہ باشد یعنی اُونٹ، گائے اور بھیڑ بکری جن کے آگے کے دانت

گر گئے ہوں۔
جب ثنی کے یہ معنی ہوئے تو مُسِن کے معنی بھی یہی ہیں یعنی مُسِن وہ جانور ہے جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں تو اس صورت میں اسنان (باب افعال) کا ہمزہ سلب کا ہوگا گو علامہ ازہریؒ نے تہذیب اللغت میں اسنان کے معنی طلوع السن کے لکھے ہیں۔

الجواب:

اگر بات آپ کی لی جائے تو ..... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دانت کب گرتے ہیں اور کب نکلتے ہیں، سو اس کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کیونکہ بعض گوسفند کے دانت (دُودھ والے) دس یا گیارہ ماہ میں بھی گر جاتے ہیں اور بعض کے دانت بارہ ماہ کے بعد گرتے ہیں۔ دو سال میں کسی نہ کسی وقت گر جاتے ہیں اور تیسرے سال میں بعض کے دانت نکلنا شروع ہوتے ہیں بہر حال کوئی مُعیّن وقت اس کا نہیں ہے اس لیے شارع نے مہینوں کا معیار رکھا اور عرف میں بھی یہی معیار ہے۔
چنانچہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے پیروکاروں کا مذہب ہے کہ بکری ایک سال کی ہو جائے تو وہ بکری مُسِنّہ اور ثنیہ ہے۔

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب گائے چوتھے سال میں داخل ہو جائے تو وہ مُسنہ اور ثنیہ ہے اور اُونٹ چھ سال کا مُسن اور ثنی ہو جاتا ہے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعینؒ، اور امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اُونٹ مُسن اور ثنی کہلاتے ہیں۔ (محلّی حاشیہ موطا مالکؒ ص ۷۸،۱، مجمع البحار ص ۱۶۶ ج ۱، اور موطا امام مالکؒ کے حاشیہ محلّی میں ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھیڑ بکری دو سال کی ہو تب مُسن اور ثنی ہوتی ہے۔

بہر حال سب میں قدر مشترک یہی ہے کہ سب مجتہدینؒ عمر کا لحاظ کرتے ہیں۔ دانتوں کے نکلنے یا گرنے کا لحاظ نہیں کرتے ہاں اتنا کہہ دیتے ہیں کہ گائے بکری کے دانت تیسرے سال میں گرتے ہیں یعنی عام طور پر نہ کہ ہمیشہ، اور کبھی کہتے ہیں کہ تیسرے سال دانت نکل آتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے جس طرح لفظ حائض کا لفظی معنیٰ تو ہے وہ عورت جسے حیض کا خون آرہا ہو، مگر ایک حدیث میں ہے: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یقبل اللہ صلوٰۃ حائض الا بخمار ای امرأۃ

بالغۃ (ابوداؤد ص ۱۰۱ ج ۱) حائض یعنی بالغہ عورت کی نماز کو جو بغیر اوڑھنی کے ہو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔

اسی طرح محتلم کے لفظی معنی ہیں کہ وہ شخص کہ جس کو احتلام آتا ہو۔ مگر حدیث شریف میں ہے: غسل یوم الجمعۃ واجب علیٰ کل مُحتلم ای بالغ (ابن ماجہ ص ۷۸ ۔ ملہ) یعنی ہر احتلام والے یعنی بالغ مرد پر جمعہ کے روز نہانا واجب ہے۔

مگر چونکہ احتلام کا کوئی وقت مُعیّن نہیں ہوتا۔ بعض کھاتے پیتے گھرانوں کے لڑکوں کو بارہ سال کی عُمر میں ہی احتلام ہو جاتا ہے تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں اور بعضوں کو پندرہ برس کی عُمر میں بھی احتلام نہیں آتا۔ اس لیے پندرہ برس کی عُمر کو معیار بنایا بشرطیکہ اس سے پہلے بلوغت کا اقرار نہ کیا ہو۔

اسی لیے خلیفۂ راشد حضرت امام عُمر بن عبد العزیز رحمۃُ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب یہ روایت سُنی کہ اُحُد کے سال جب میں چودہ برس کا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے پیش کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فوجی بھرتی میں داخل نہ فرمایا کہ ابھی چھوٹا ہے۔ پھر دُوسرے سال خندق کے غزوہ میں جب کہ میں پندرہ برس کا ہو چکا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے فوجی بھرتی کے لیے پیش کیا گیا، اس وقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فوجی بھرتی میں داخل فرمانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اس عمر کو معیار سمجھتے ہوئے فرمایا کہ ھٰذَا فَرْقٌ بَیْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّیَّةِ (مشکوٰۃ ص ۲۹۲) یہ مدت بالغ اور نابالغ کے درمیان حدِ فاصل ہے (بشرطیکہ اس سے پہلے بلوغت کا اقرار نہ کرے) اور محتلم کا اطلاق پندرہ سالہ لڑکے پر درست ہے، اگرچہ اس کو احتلام نہ آئے،

بعینہ اسی طرح بکری سال کی ہوجائے، گائے دو سال کی ہو جائے، اور اونٹ پانچ سال کا ہوجائے تو انھیں ثَنِی کہیں گے اگرچہ اس کے سامنے کے دانت گرے ہوں یا نہ اور انھیں کو مُسِن بھی کہیں گے اگرچہ ان کے سامنے کے دانت گرنے کے بعد نئے دانت نکلے ہوں یا نہ۔

بہرحال اس ساری بحث اور تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ثَنِی اور مُسِن وغیرہ کہلانے کی دار و مدار عمروں پر ہے، نہ کہ دانتوں پر۔

بھیڑ اور دُنبی میں کیا فرق ہے

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جس طرح بکری یا بکرے کی قربانی کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے اسی طرح بھیڑ اور مینڈھے کے لیے بھی پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے اور بھیڑ و مینڈھے

کی چھ ماہ کی عمر میں قربانی ناجائز ہے۔ صرف دُنبہ، دنبی جو
چکتی والا ہوتا ہے وہ چھ ماہ کا قربانی میں لگ سکتا ہے بشرطیکہ
سال بھر والے جانور کے ساتھ قدو قامت میں ملتا جلتا ہو کیونکہ
منح الغفار میں ہے: والضأن وھو ما لہ الیۃ یعنی ضان وہ ہے
جس کی چکتی ہو، اس مقام پر سید احمد طحطاوی اور علامہ ابن عابدینؒ
نے مبسوط کا حوالہ لکھ کر کہا کہ قید بہ لانہ لایجوز من المعز
وغیرہ بلاخلاف یہ قید اس لیے لگائی کہ بکری وغیرہ (یعنی بھیڑ
مینڈھا) بالاتفاق چھ ماہ کا نہیں لگتا۔

سو اس کا جواب میرے مکرم و معظم و محترم اُستاذ حضرت
مفتیٔ اعظم ہند محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً
وافرۃً کاملۃً سابغۃً وافیۃً نے دو طرح سے دیا ہے۔ ایک
جواب تو کفایت المفتی ص ۲۰۷ تا ۲۰۹ ج ۸ میں طبع ہو چکا
ہے۔ اور دُوسرا جواب وہ ہے جو آپؒ نے درسِ حدیث
میں ہمیں بتایا تھا۔

پہلا جواب

ھُوالمصوب۔ سال بھر سے کم کا جانور قربانی میں بوجہ
اس صحیح حدیث کے فقہاء نے ناجائز کہا ہے کہ جو کسی قدر
اختلاف الفاظ کے ساتھ اس طرح وارد ہوئی ہے لاتذبحوا

لا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن یعنی مُسِنّہ کے سوا قربانی نہ کرو۔ وہاں اگر مُسِنّہ ملنا مشکل ہو تو ضأن کا جذعہ ذبح کر دو۔

اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ضأن کیا ہے، جہاں تک دیکھا اور غور کیا گیا، یہی معلوم ہوا کہ عربی زبان میں لفظ "غنم" ایک عام لفظ ہے جو بکری، بھیڑ، دُنبے تینوں کو شامل ہے، اور پھر اس کو باعتبار صُوف ہونے نہ ہونے کے فقط دو قسم پر منقسم کیا گیا ہے، جس پر صُوف نہ ہو اس کو معز کہتے ہیں، اور جس پر صُوف ہو جیسے بھیڑ، دُنبہ اس کو ضأن کہتے ہیں۔ پس ضأن میں دُنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں۔ اور یہ عبارتیں اس کی دلیل ہیں قوله غنما یشمل الضأن والمعز (عینی شرح بخاری جلد عاشر ص ٦٧) والغنم صنفان المعز والضان (کذا فی حاشیة ابی داؤد نقلا عن الشیخ المحدث الدهلویؒ)

ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ غنم عام ہے جس میں معز اور ضأن دونوں شامل ہیں۔ اب سُنیے کہ معز اور ضأن کسے کہتے ہیں المعز بالفتح ویحرك خلاف الضان من الغنم۔ انتهیٰ مختصرًا۔ قاموس۔ اس عبارت سے جیسے کہ غنم کا عموم ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غنم میں

معز کے علاوہ جو ہے وہ سب ضأن ہے۔ کیونکہ غنم کی صرف دو قسمیں ہیں۔ فالمعز ذوات الشعور منها والضان ذوات الصوف انتہٰی۔ تاج العروس جلد رابع ص ۸۲۔ معز الماعز ذو الشعر من الغنم خلاف الضأن۔ انتہٰی لسان العرب جلد سابع۔ ضأن من الغنم ذو الصوف والضائن خلاف الماعز انتہٰی مختصراً لسان العرب جلد سابع عشر۔ والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم۔ تفسیر کبیر جلد رابع والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم خازن جلد ثانی ص ۶۰۔ قولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فتذ بحوا جذعۃ من الضأن بالهمزة ویبدل ویحرک خلاف الماعز من الغنم (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ثانی ص ۲۶) ان تمام عبارتوں سے واضح ہے کہ معز تو اُسے کہتے ہیں جس پر بال ہوں اور ضأن وہ ہے جس پر صوف یعنی اُون ہو۔ اور لسان العرب اور مرقات کی عبارتیں اس بارے میں نص صریح ہیں کہ معز کے خلاف غنم میں جو جانور ہیں وہ سب ضأن ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ غنم میں بکری، بھیڑ، دُنبہ تینوں داخل ہیں تو جب کہ فقط بکری ان میں سے معز ہے تو بھیڑ اور دُنبہ دونوں ضأن ہیں اور ضأن کا جذعہ جائز ہے، تو بھیڑ اور دُنبہ دونوں چھ ماہ

سے زائد کے جائز ہوں گے۔ صرف دُنبہ کے جواز اور بھیڑ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس کی پوری تشریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بذیل حدیث لاتذبحوا الا مُسِنّة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان کر دی ہے۔ فرماتے ہیں "پس ذبح کنید جذعہ را از میش"۔ اور پھر تحقیق کرتے ہیں: "و غنم دو صنف است معز کہ آن را بُز گویند و ضأن کہ آن را میش خوانند"۔ اور ظاہر ہے کہ میش میں دُنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں اور بُز فقط بکری کو کہتے ہیں۔ نواب قطب الدین خان رحمۃ اللہ علیہ مظاہر حق میں اسی حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "پس ذبح کرو جذعہ دُنبہ یا بھیڑ سے"۔ پس اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بھیڑ اور دُنبہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور یہ دونوں غنم کی ایک قسم میں داخل ہیں۔ اور دُوسری قسم بکری ہے۔ اور تمیز ان دونوں میں صوف کا وجود اور عدم۔ اَلْیَة یعنی چکتی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ منح الغفار شرح دُرِ مُختار میں ضان کی تفسیر مَالَہٗ اَلْیَة کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول درحقیقت تفسیر لغت کی طرف راجع ہے، نہ حکم فقہی پس

اس میں ارباب لغت کے اقوال سے مُطابقت ضروری ہے اور
چونکہ قاموس، صراح، لسان العرب، تاج العروس، مجمع البحار
(کتبِ لغت) اور تفسیر کبیر، خازن، کشاف (کتبِ تفسیر) اور
عینی شرح بخاری، اشعۃ اللمعات، مظاہر حق (شروحِ حدیث)
اور فتاویٰ بزازیہ وغیرہ کتبِ فقہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے
کہ ضأن بھیڑ اور دُنبہ دونوں کو کہتے ہیں۔ تو منح الغفار کا یہ
قول اور تقیید کیسے قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے۔ لامحالہ مسامحت، یا
زلۃ قلم پر محمول ہوگا کہ بجائے مالہ صوف او الیۃ مانعۃ الخلو
کے صرف مالہ الیۃ لکھا گیا۔ ھذا واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ رضی عنہ ربہ وارضاہ

دُوسرا جواب

جو حضرتِ اُستاذی مُفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے درسِ
حدیثِ پاک میں ہمیں بتایا وہ یہ ہے کہ "صاحبِ منح الغفار
اس علاقہ کے باشندہ ہیں جہاں دُنبی، دُنبہ کے سوا بھیڑ مینڈھے
نہیں پائے جاتے۔ جیسے عرب میں گائے بیل تو پائے جاتے
مگر بھینس بھینسے نہیں پائے جاتے۔ سو صاحب منح الغفار نے
اپنے علاقہ والوں کو سمجھایا کہ معز بکری ہے اور ضأن وہی ہے جس
کی چکتی ہوتی ہے۔ ان کا حصر کرنا مقصود نہیں کہ چکتی والا ضأن

ہے اور جس کی تحقیق نہ ہو وہ ضمان میں نہیں۔

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کے دونوں جوابات پڑھ لینے کے بعد یقیناً کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی ہوگی۔ تاہم اس سلسلے میں ایک جواب اور بھی دیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

جواب ۳

جس فقیہ نے مالہ الیۃ کی قید لگائی ہے یہ احترازی نہیں ہے اور فقہاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کہ کلیہ۔ نیز فقہاء کرامؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم کسی جگہ قید لگانا چھوڑ دیتے ہیں اور کسی جگہ کوئی قید کسی غرض کی وجہ سے لگا بھی دیتے ہیں۔ اور یہ سب بطور امتحان کے کہتے ہیں تاکہ ہر کوئی دعوئ فقاہت کا نہ کرتا پھرے۔

بھینس اور گائے میں فرق

قربانی کے لیے حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ذبح کیا جاتا ہے ان میں گائے، بھینس، اونٹ، بکرا و دنبہ ہیں نیز ان میں نر و مادہ سب شامل ہیں۔ البتہ بعض لوگ گائے کی قربانی کو زیادہ ثواب کا باعث جانتے اور بھینس کی قربانی کو ناجائز سمجھتے ہیں، حالانکہ بھینس کو علماء کرام و محققین نے گائے کے حکم میں داخل کیا ہے بلکہ بھینس کو گائے کی ہی ایک قسم کہا ہے۔

تاج العروس ص ۱۲۲ ج ۴ میں ہے: الجاموس نوع من البقر معروف معرب گاؤمیش وہی فارسیۃ۔ الخ

یعنی بھینس بھی گائے کی ہی ایک نوع ہے۔ مشہور و معروف جانور ہے، گاؤمیش فارسی لفظ تھا اس کو عربی لب ولہجہ میں ڈھال کر جاموس بنایا گیا ہے۔

علامہ مطرزی نے المغرب ص ۹۲ ج ۱ میں لکھا ہے: والجاموس نوع من البقر کہ بھینس گائے کی ہی ایک قسم ہے۔

علامہ فتنی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

نیز ہدایہ میں ہے والجوامیس والبقر سواء لان اسم البقر یتناولہما اذ ہو نوع منہ یعنی بھینسیں اور گائے سب برابر ہیں کیونکہ بقر کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ بھینس گائے کی ہی قسم ہے۔

اور کنز الدقائق میں بھی ہے البقر والجوامیس سواء

اور قربانی کی طرح وجوب زکوٰۃ میں بھی علماء نے جاموس کو گائے کے حکم میں لکھا ہے۔ چنانچہ

فقہ حنبلی کی کتاب العدہ فی شرح العمدہ ص ۱۲۹ میں بھی جاموس اور بقر کو ایک ہی زمرہ میں رکھا فان کان فیہا بخاتی وعرب و بقر وجوامیس ومعز وضأن وکرام ولئام....

خذ من احدهما بقدر قيمة المالين۔ یعنی اگر ان زکوٰۃ کے
سائمہ جانوروں میں بختی اُونٹ ہوں یا عراب (دو کوہانوں والے
اور ایک کوہان والے) اور اسی طرح گائے ہو یا بھینس اور اسی طرح
بھیڑ، دُنبی یا بکری ہو، قیمتی ہوں یا کم قیمت ... بہر حال دونوں
مالوں کی قیمت کا اندازہ لگا کر ان میں سے ایک سے زکوٰۃ لی جائے۔

المحرر ص ۲۱۵ ج ۱ میں ہے والجواميس نوع
من البقر۔ یعنی بھینس بھی گائے کی قسم ہے۔

الروض المربع ص ۳۷۰ ج ۱ میں ہے وان كان النصاب
نوعين كبخاتي وعرابي وبقر وجواميس وضان ومعز
اخذت الفريضة من احدهما على قدر قيمة المالين
یعنی اگر نصاب دو طرح کا ہو جیسے دو کوہانوں والے اُونٹ، اور
ایک کوہان والے اور گائے بھینس اور بھیڑ بکری، تو ان میں سے
ایک میں فریضۂ زکوٰۃ لیا جائے گا دونوں مالوں کی قیمت کے مقدار۔

فقہ شافعیہ کی کتاب کفایۃ الاخیار ص ۱۸۱ ج ۱

کتاب ہے واعلم انه لو اتحد نوع الماشية اخذ الفرض منه
فيما المال مثاله كانت الابل كلها عرابا وهي ابل العرب،
او كلها بخاتي وهي ابل الترك لها سنامان وكذا البقر
كانت كلها جواميس یعنی اگر مواشی کی قسمیں متحد ہوں تو اس

سے فریضہ زکوٰۃ لیا جائے گا، کیونکہ وہ مال ہے۔ مثلاً اُونٹ سارے
ایک کوہان والے ہوں یا دو کوہان والے۔ اسی طرح گائے اور بھینس

نہایۃ المحتاج الیٰ شرح المنہاج ص ۵۵ ج ۳ میں علامہ شمس الدین
محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ بن شہاب الدین الرملی مصری انصاری
شافعیؒ نے لکھا ہے ان اتحد نوع الماشیة بان کان .... بقرة كلها
جواميس ... اخذ الفرض منه ای من نوعه لا من خصوص المال
المشترك الخ۔ ترجمہ کی ضرورت نہیں، ملتا جلتا مضمون پہلے گزر چکا ہے
اسی کتاب کے ص ۱۳۲ میں ہے ولا تصح ای التضحية
الا من ابل و بقر عراب او جواميس و غنم ضأن او معز اس میں بھینس
کا بھی ذکر آگیا۔

کفایۃ الاخیار ص ۲۳۶ ج ۲ میں ہے والرابع ان يكون
من الابل والبقر والغنم بانواعها للأيات والاخبار یعنی قربانی کی
شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ اُونٹ اور گائے اور بھیڑ
بکری میں سے کوئی ہو مع اپنے انواع و اقسام کے۔ لہٰذا اس
عبارت سے خوب سمجھ میں آسکتا ہے کہ بھینس چونکہ گائے کی ہی
ایک قسم ہے اس لیے اس کی قربانی جائز ہے۔

شرح روض الطالب ص ۵۳۵ ج ۱ میں ہے وللهدای الاضحية
شروط .... الاول كونها من النعم وهى الابل والبقر وبانواعها

انواعها بالاجماع ... ولم ینقل عنه صلی الله علیه وسلم، ولا عن اصحابه التضحیة بغیرها .... (بلا ترجمہ)

فقہ مالکیہ کی کتاب المدونۃ الکبریٰ ص ۳۱۱

ج ۱ میں ہے وقال ابن مهدی عن سفیان الثوری و مالك ان الجوامیس من البقر. ابن مهدی عن عبد الوارث بن سعید عن رجل عن الحسن مثله..... قال ابن وهب وقال اللیث سنة الجوامیس فی السعایة وسنة البقر سواء. حاصل ان عبارات کا یہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری، حضرت مالک، حضرت حسن بصری اور حضرت لیث صراحت سے بیان کرتے ہیں کہ بھینس گائے کی ہی ایک قسم ہے۔

فقہ حنفیہ کی کتاب فتاویٰ سراجیہ ص ۸۹ میں

ہے تجوز التضحیة بالجاموس یعنی بھینس کی قربانی جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان ص ۳۳۱ ج ۴ میں کتاب الاضحیة تحت فصل فی ما یجوز فی الضحایا وفی مالا یجوز فی الضحایا میں لکھا ہے وکذا (تجوز) الجاموس لانه نوع من البقر الاهلی۔ اسی طرح بھینس کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ بھینس گائے البقر اہلی (گھریلو گائے) ہی کی ایک قسم ہے۔

معلوم ہوا کہ عربی لغت کے ماہر اور ائمۂ اربعہ اور ان کے تمام

شاگرد اسی بات پر متفق ہیں کہ بھینس گائے کی قسم ہے۔ اور کسی نے یہ تصریح نہیں کی بلکہ اشارہ تک نہیں کیا کہ بھینس نہ گائے کی قسم ہے اور نہ اس کی قربانی جائز ہے اور نہ بھینسوں والوں پر زکوٰۃ جائز ہے اور یہ مسلک نہ صرف ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک ہی متفق علیہ ہے بلکہ غیر مقلدین کے ہاں بھی بھینس کو گائے کے حکم میں داخل مانا گیا ہے۔ چنانچہ

فتاویٰ اہل حدیث ص ۵۳۳ ج ۱ میں "گائے بھینس کی زکوٰۃ" کے عنوان سے اس مسئلہ کا حل اس طرح سے پیش کیا گیا ہے:

سوال: گائے بھینس کا نصاب کتنا ہے اور ادا کرنے کی کیا صورت ہے؟

جواب: گائے کا نصاب تیس ہے اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں بھینس بھی گائے کے حکم میں ہے۔ تیس میں ایک سال کی ... اگر چالیس ہو جائیں تو دو سال کی بچھڑی یا بچھڑا، یا کٹڑی یا کٹڑا۔ الخ

فتاویٰ ستاریہ ص ۱ ج ۲ میں ہے کہ (بھینس کی قربانی) جائز ہے چونکہ بھینس اور گائے کا ایک ہی حکم ہے۔

اسی فتاویٰ کے ص ۱۵ ج میں ہے کہ: شرعاً گائے بھینس کا ایک ہی حکم ہے، بھینس کے لیے علیحدہ کوئی خاص حکم نہیں ہے......

احادیث میں بھینس کی قربانی کی کہیں ممانعت نہیں آئی۔

قارئینِ کرام!

آپ نے دیکھ لیا کہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے شاگرد اور مقلدین کے علاوہ غیر مقلدین کا مسلک بھی یہی ہے کہ بھینس گائے کی ہی ایک قسم ہے اور بھینس کی قربانی بھی جائز و درست ہے۔

البتہ جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں مثلاً گھوڑا، ہرن، مرغ اور مرغی کا انڈا وغیرہ، مگر غیر مقلدین کے ہاں ان مذکورہ تمام جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ جیسا کہ:

فتاویٰ ستاریہ ص ۲، ج ۲ میں ہے کہ: شرعاً مرغ کی قربانی جائز ہے، کوئی غریب، نادار، مفلس، مسکین شخص جو بکرا وغیرہ ذبح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اگر اس مسئلہ پر عمل کرے تو اس کو موردِ الزام نہ بنانا چاہیے۔

اسی فتاویٰ کے ص ۱۳۹ ج ۴ پر سائل نے دریافت کیا کہ مرغ اور مرغی کے انڈے پر قربانی ہو سکتی ہے؟ تو اس کے جواب میں مفتی فتاویٰ ستاریہ نے اگلے صفحہ پر ایک حدیث کے اردو میں معنی لکھے اور ثابت کرنے کی کوشش کی مرغی کے انڈے کی قربانی بھی جائز ہے۔ حالانکہ حدیث شریف کے الفاظ میں کہیں بھی قربانی کا ذکر نہیں ہے وہاں تو لفظ ہدیہ یا تحفہ کے معنی

میں اُھدی کا استعمال ہُوا ہے نہ کہ ضحّی۔ بہر حال غیر مقلدین کے مسلک میں مرغی کے انڈے کی قربانی کا تصور موجود ہے۔ البتہ ص ۱۴۴ ج ۴ پر اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ ہم انڈا وغیرہ دے کر قربانی سے سبکدوش نہیں ہوتے بلکہ دُنبہ، بکرا، گائے، اُونٹ وغیرہ حیوانات سے جو میسّر ہو قربانی کرتے ہیں۔ مفلس، نادار راغب طلب ثواب کے لیے مُرغ کی قربانی جائز جانتے ہیں۔

شرائط قربانی:

علماء کرام نے قربانی کے شرائط بیان کیے ہیں جن کے بغیر قربانی نہیں ہوسکتی، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قربانی کا جانور اُونٹ اور گائے اور بھیڑ بکری ہو اپنی انواع کے ساتھ۔ یعنی دو کوہان والا اُونٹ ہو یا ایک کوہان والا، گائے ہو یا بھینس، بھیڑ ہو یا دُنبی ہو، یا بکری والرابع ان یکون من الابل والبقر والغنم بانواعھا اور آگے چل کر فرماتے ہیں ولا یجزئ من غیرھا بالاجماع یعنی تمام مسلمین علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اُونٹ گائے بھینس، بھیڑ، دُنبی اور بکری کے علاوہ کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جیسا کہ کفایت الاخیار ص ۲۳۶ میں ہے۔

اسی طرح شرح روض الطالب من اسنی المطالب ص ۵۳۵ ج ۲ میں ہے فصل ولھا (ای الاضحیۃ) شروط ... الاول کونھا

من النعم وهی الابل والبقر والغنم بسائر انواعها بالاجماع یعنی قربانی کی کتنی شرطیں ہیں، پہلی شرط ہے قربانی کا نَعم میں سے ہونا۔ یعنی اُونٹ، گائے اور بکری، اپنی تمام انواع کے ساتھ۔ اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ اس کے بعد قرآنِ پاک کی آیت دلیل میں پیش کی۔ اس کے بعد دوسری دلیل دی کہ ولم ینقل عنه صلی اللہ علیه وسلم ولا عن اصحابه التضحية بغيرها یعنی ان مذکورہ بالا جانوروں کے علاوہ کسی دُوسرے جانور کی قربانی کرنا نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے۔ پھر ایک دلیل اور لکھی کہ قربانی عبادت ہے، جس کا تعلق جانور کے ساتھ ہے، پس قربانی بھی زکوٰۃ کی طرح نَعم اُونٹ، گائے، بکری وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہے فلا یجزئ غیر النعم من بقر الوحش وحمیرہ والظباء وغیرها۔ پس نَعم کے علاوہ وحشی گائے، جنگلی گدھا اور ہرن وغیرہ کی قربانی کافی نہیں۔

نہایۃ المحتاج ص ۱۳۲ ج ۸ میں علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ بن شہاب الدین رملی متوفی مصری انصاری الشہیر بالشافعی الصغیر نے لکھا ہے ولا تصح ای التضحیة الا من ابل وبقر عراب او جوامیس وغنم ضأن او معز یعنی سوائے اُونٹ

گائے، بھینس اور دُنبی، بھیڑ و بکری کے کسی کی قربانی جائز نہیں
ہدایہ میں ہے والاضحیة من الابل والبقر والغنم لانها عرفت شرعا ولم تنقل التضحیة بغیرها من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا من الصحابة رضی اللہ عنہم اجمعین
بنایہ شرح ہدایہ ص ۱۸۶ ج ۴ میں علامہ محمود عینیؒ نے لکھا ہے:
لانہ لم یُنقل حدیث ولا اثر بجوازها من غیر هذہ الثلاثة
یعنی قربانی کے جانور صرف تین قسم کے ہیں، اُونٹ مع اپنے اقسام کے، گائے مع اپنے اقسام کے اور چھوٹا جانور (دُنبی، بھیڑ، بکری) کیونکہ شریعت میں یہی تینوں قسموں کے جانور قربانی کے لیے معروف ہیں اور ان کے علاوہ کسی جانور کی قربانی منقول نہیں ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے، کیونکہ ان تینوں قسم کے جانوروں کے علاوہ کسی بھی قسم کے جانور کی قربانی کا جواز نہ حدیث پاک میں مروی ہے اور نہ ہی کسی صحابیؓ کا اثر (قول یا فعل) مروی ہے۔

اور جو چیز ایسی ہو جس کا ثبوت سلف صالحین کے دور میں نہ ہو، وہ کرنا ممنوع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ وہ کام کریں گے جس کا حکم انھیں نہ دیا گیا ہوگا یَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ (مشکوٰۃ)

پس فتاویٰ ستاریہ ص ۱۴۷ ج ۱ میں جو کہا گیا ہے کہ گھوڑا ان کے نزدیک حلال ہے ان کے نزدیک قربانی بھی جائز ہے مردود ہو گیا۔ نیز ص ۱۵ ج ۲ میں کہا گیا ہے کہ "ہرن کی قربانی جائز ہے ..... اسی طرح گائے اور بھینس کی قربانی بھی جائز ہے، احادیث میں بھینس کی قربانی کی کہیں ممانعت نہیں آئی" یہ بھی اسی حدیث یفعلون مالا یؤمرون کی رُو سے مردود ہو گیا۔

نیز اگر کسی جانور کا حلال ہونا اور اس کی قربانی کی ممانعت بھی نہ ہونا قربانی کے جواز کی دلیل مان لی جائے تو پھر مطابق فتوےٰ فتاویٰ ستاریہ ص ۲۱ ج ۲ "بجو حلال ہے" اور مطابق ص ۵۰ ج ۲ "گوہ اور جنگلی گدھا حلال ہے" تو پھر آپ کو ان جانوروں کی قربانی جائز سمجھنے میں کونسا امر مانع ہے؟

پھر یہ جو کہا کہ جمہور محدثین حلت کے قائل ہیں تو یہ بتایا جائے کہ جو جاندار حلال ہو اس کی قربانی جائز ہے، یہ کون سے محدثین کا قول ہے؟ ذرا نام تو ان کا بتایا جائے جو مرغ اور مرغی کے انڈے، گھوڑے، ہرن، جنگلی گدھے، نیل گائے، گوہ اور بجو کی قربانی کو جائز کہتا ہو اور اس کا اپنا معمول بھی ہو۔

نیز یہ کہنا کہ بھینس کی قربانی کی ممانعت نہیں آئی، سو یہ دلیل غلط ہے۔ کیونکہ اہل بدعت ہر بدعت کے بارے میں یہی

کہتے ہیں کہ "ممانعت دکھاؤ"۔ آپ خود ہی بتائیں کہ اہل بدعت کو بدعات سے اور رسمی مسلمان مشرکوں کو قبر پرستی اور دیگر شرکیہ افعال سے کہ جن کی صراحۃً اور فرداً فرداً وضاحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں ممانعت نہیں آئی، کیونکر روکا جا سکتا ہے

مشکوٰۃ شریف ص ۲۹ میں ہے: عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ فی امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدہم خلوف یقولون مالا یفعلون و یفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذٰلک من الایمان حبۃ خردل۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اپنی اپنی اُمت میں جس جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، اس اُمت میں اس نبیؑ کے اصحاب ہوتے تھے جو اس نبیؑ کا طریقہ اپناتے تھے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ایسے ناخلف آئے جو اس قسم کی باتیں کہتے

تھے جو خود نہ کرتے اور ایسے ایسے کام کرتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جس نے ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کیا وہ اوّل درجہ کا مومن ہے اور جس نے زبان کے ساتھ جہاد کیا وہ دُوسرے درجہ کا مومن ہے اور جس نے دِل کے ساتھ جہاد کیا یعنی دل سے انھیں بُرا سمجھا تو وہ تیسرے درجہ کا مومن ہے اور ان کے سوا جو ہیں یعنی جو نہ تو ہاتھ سے روکتے ہیں، نہ زبان سے منع کرتے ہیں اور نہ ہی دل سے بُرا سمجھتے ہیں، ان میں رائی برابر بھی ایمان نہیں۔ مطلب اس سے حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ ایسے ہی ناخلف لوگ جو بظاہر بہت بڑے مومن کہلانے والے ہوں گے مگر جن کاموں کا انھیں حکم نہیں دیا گیا اپنی سمجھ میں نیکی کا کام جانتے ہوئے کریں گے مگر وہ مومن نہیں ہوں گے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ ان کے ساتھ جو مسلمان جہاد نہ کرے گا اس میں ایمان ایک رائی کے برابر بھی نہ ہوگا خواہ وہ کتنا ہی بڑا مومن ہونے کا دعویدار کیوں نہ ہو۔

یاد رہے کہ حدیث میں لفظ مُمانعت کا نہیں آیا بلکہ ایسے کام کے متعلق کہا گیا ہے جس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا۔ خوب سمجھ لیجیے۔

الحاصل: جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ بھینس کی قربانی کی ممانعت نہیں آئی، تو یہ وجہ جواز نہیں

بن سکتی اور اگر وجہِ جواز مُمانعت کا نہ ہونا ہی ہو تو پھر بڑی خوشی کے ساتھ گوہ ، بجو ، جنگلی گدھے ، گھوڑے اور وحشی گائے وغیرہ کی قربانی کرتے پھریں ہم تو ان لوگوں کی حرکت کو دل سے بھی بُرا سمجھتے رہیں گے اور زبان وقلم وقرطاس کے ذریعے بھی ہمیشہ منع کرتے رہیں گے اور اگر کہیں ہمارے سامنے ایسی حرکت کی گئی تو بزورِ بازو منع کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

قربانی کے جانوروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نَعَم ، اور اَنعام کے الفاظ اِستعمال فرمائے ہیں۔ نعم کے معنی معلوم کرنے کے لیے اہلِ لغت کا فرمان ملاحظہ فرمائیں:

تاج العروس ص ۷۹ ج ۹ میں ہے: والنَّعَم.... الابل والبقر والشاء زاد الزمخشری والمعز والضأن و هٰذا القول صححہُ القرطبی و نقل الواحدی اجماع اہل اللغۃ علیہ قال الازہری دخل فی النعم ھُھنا الابل والبقر والغنم او خاص بالابل وھو قول ابن الاعرابی ....

یعنی نعم کہتے ہیں اُونٹ ، گائے ، بکری ، بھیڑ ، دُنبی کو۔ قرطبیؒ نے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔ اور واحدی نے تو اس بات پر اہلِ لغت کا اجماع نقل کیا ہے۔ ابو منصور ازہری نے کہا کہ نعم میں یہاں اُونٹ ، گائے اور بکری داخل ہیں ، یا اُونٹ کے

ساتھ خاص ہے۔ اور ابنِ اعرابی کا بھی یہی قول ہے۔

صاحبِ تاج العروس نے اس کے بعد جوہری کا قول صحاح سے نقل کیا ہے: وفی الصحاح النعم واحد الانعام وھی المال الراعیۃ۔ یعنی جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ نعم' انعام کا مفرد ہے۔ نعم وہ مال ہے جسے چرایا جائے۔

معلوم ہوا کہ تمام وحشی جانور (وحشی گائے، گورخر یعنی جنگلی گدھا، ہرن، گھوڑا، بجّو، گوہ اور مرغ وغیرہ انعام میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کو چرایا نہیں جاتا۔

فتاویٰ ستاریہ ص ۱۴۹ ج ۱ میں ہے کہ "گھوڑے کی قربانی بھی سنتِ صحابہؓ ہے، چنانچہ سبل السلام باب الاضاحی میں بایں الفاظ حدیث موجود ہے عن اسماء انھا قالت ضحینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخیل۔ "تلخیص الحبیر میں بھی اسی طرح ہے۔ لہٰذا مانعین حنفیہ کا حرام کہنا غلط ہے۔

الجواب: گھوڑے کی قربانی کو سنتِ صحابہؓ کہنا خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ سنت کہتے ہیں الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر افتراض ولا وجوب یعنی فرض وواجب کے ماسوا جو طریقہ دینِ اسلام میں مروج ہو اس کا نام سنت ہے اور گھوڑے کی قربانی کا یہ واقعہ جو حضرت اسماء بیان فرما رہی ہیں

یہ کسی ایک خاص موقع کا واقعۂ جزئیہ ہے جو دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے یہ کہ مذکورہ حدیث رُوِیَ بصیغۂ تمریض ذکر کی گئی ہے جو ضعفِ حدیث کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

تیسرے یہ کہ خود صاحبِ سبل السلام اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے لکھتے ہیں: ثم الاجماع علی انہ لایجوز التضحیۃ بغیر بھیمۃ الانعام الا ماحکی عن الحسن بن صالح الخ یعنی تمام علماء امتِ محمدیہ کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ بھیمۃ الانعام کے سوا کوئی جانور قربانی میں نہیں لگ سکتا۔ ہاں البتہ صرف حسن بن صالح ہے جو وحشی گائے کی قربانی دس آدمیوں کی طرف سے اور ہرن کی قربانی کے جواز کا ایک آدمی کی طرف سے قائل ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

چوتھے یہ کہ بیہقی ص ۲۷۹ ج ۹ میں حضرت اسماء بنتِ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ذبحنا کا لفظ ہے ضحینا نہیں ہے۔ یہ حسن بن صالح شیعی کی روایت بالمعنی معلوم ہوتی ہے، جو اس نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لیے ذبحنا کو ضحینا میں بدل دیا اور ذبحنا کے لفظ سے صرف گھوڑے کی حلت معلوم ہوتی ہے جس کے بشمول احناف تمام

قائل ہیں۔ مگر چونکہ گھوڑا ایک آلہ جہاد ہے اس لیے اسے ذبح کرنا اچھا نہیں، نہ کہ شرعاً والعیاذ باللہ حنفی لوگ حلال کو حرام کہتے ہیں۔ کیونکہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بھی نہیں۔ آپؐ خود فرماتے ہیں انی لا احل ما حرمہ اللہ ولا احرم ما احلہ اللہ میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو میں حرام کر سکتا ہوں۔

اور قربانی کا جواز کسی حدیث سے نہیں ملتا۔ اور بخاری وغیرہ اصحاب ستہ وغیرہ میں سے کوئی بھی گھوڑے کی قربانی کو ہرگز جائز نہیں کہتا۔

بَہِیمَۃُ الْاَنْعَام کیا ہے؟

بیضاوی کے حاشیہ شیخ زادہ ص ۳۸۲ ج ۲ میں تحت آیت

وَیذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (الحج:) لکھا ہے فبھیمۃ الانعام ھی الابل والبقر والضأن والمعز لان الھدی والذبیحۃ لا یکون من غیرھا یعنی بہیمۃ الانعام صرف اونٹ، گائے، دنبہ، بھیڑ اور بکری ہی ہیں کیونکہ ہدی اور قربانی ان کے سوا کسی دوسرے جانور کی نہیں ہوتی۔

نیز سورت مائدہ کے شروع میں امام بیضاویؒ نے لکھا ہے:
بہیمہ ہر زندہ چیز کو کہتے ہیں جس میں عقل و تمیز نہ ہو۔ اور بعض
ہر اُس جانور کو بہیمہ کہتے ہیں جس کے چار پاؤں ہوں۔ اور بہیمہ
کی اضافت اَنعام کی طرف اضافت بیانی ہے۔ ثوب خز
(وخاتم فضۃ) کی طرح اور اس کے معنی ہیں البھیمۃ من الانعام
بہیمہ یعنی انعام اور وہ ہیں آٹھ جوڑے۔

پھر حاشیہ پر شیخ زادہؒ نے ص ۸۸ ج میں لکھا الانعام ھی
الابل والبقر والضأن والمعز... اس سے کچھ آگے ص ۸۹ میں
لکھا کہ انعام چار ٹانگوں والے صرف ان انواع پر بولتے ہیں، ان
کے سوا کسی پر نہیں بولتے۔

اس سے آگے امام بیضاویؒ نے لکھا کہ ہرن اور وحشی گائے
بھی ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ مگر شیخ زادہؒ نے ص ۸۹ تکملہ نمبر ا
میں اس کا مطلب اس طرح بیان فرمایا: انھما لیستا من الازواج
الثمانیۃ فلا تتناولھما بھیمۃ الانعام الا ان حکم الاحلال
یتناولھا الحاق لھما ببھیمۃ الانعام لمشابھتھما ایاھا فی
اجترار وعدم الانیاب والاجترار ان یجر العلف من
جوفہ ویخرجہ الی حلقہ لیمضغہ مضغۃ فیبلعہ
یعنی ہرن اور وحشی گائے ان آٹھ جوڑوں (اونٹ، اونٹنی، گائے

بیل، بکری، بکرا، دُنبی، دُنبا) میں سے تو ہے نہیں؛ اس لیے بہیمۃ الانعام کا لفظ ان دونوں (وحشی گائے اور ہرن) کو شامل نہیں البتہ حلت کے حکم میں یہ دونوں بہیمۃ الانعام کے ساتھ ملحق کر دیے گئے ہیں، کیونکہ جگالی کرنے اور ناب نہ ہونے میں یہ دونوں بھی ان آٹھ جوڑوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

اور سورت انعام پارہ ۸ رکوع ۱۷ میں ومن الانعام حمولۃ وفرشا فرما کر انعام کی دو حصوں میں تقسیم کر دی حمولۃ یعنی وہ چوپائے جو بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ اور:

فرش وہ چوپائے جن کو ذبح کے لیے زمین پر گرایا جاتا ہے اور جن کے بالوں سے بنے ہُوئے قالین وغیرہ فرش زمین پر بچھائے جاتے ہیں۔

پھر اس کے بعد بطور بدل کے ثمانیۃ ازواج فرمایا یعنی وہ انعام جن کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں یعنی حمولہ و فرش وہ یہی آٹھ جوڑے ہیں من الضأن اثنین ومن المعز اثنین بھیڑ و دُنبی کا جوڑا (نر و مادہ) اور بکری کا جوڑا (نر و مادہ) آگے فرمایا ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین یعنی اونٹ کا جوڑا (نر و مادہ) اور گائے کا جوڑا (نر و مادہ)۔

اور ظاہر ہے کہ گھوڑے اور وحشی گائے میں عرفاً ان آٹھ

جوڑوں والے اوصاف نہیں پائے جاتے لہٰذا ہدی اور قربانی میں ان کا حکم اِن آٹھ جوڑوں والا حکم نہیں ہے اور نہ ان کی قربانی جائز ہے، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین و سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ میں گھوڑے اور وحشی گائے اور مرغ کی قربانی کا معمول تھا، بلکہ سب کا اجماع ہے کہ سوائے ان آٹھ جوڑوں کے کوئی جانور قربانی میں نہیں لگ سکتا۔

مُرغی اور گھوڑے کی قربانی کا قائل حسن بن صالح کون تھا

حسن بن صالح جو گھوڑے، وحشی گائے اور مرغ کی قربانی کو جائز قرار دیتا ہے اسے گو حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ثقۃ فقیہ عابد رمی بالتشیع متوفی ۱۹۹ھ یعنی پختہ فقیہ عابد تھا اور شیعہ پن کے ساتھ متہم ہے۔ (تقریب التہذیب ص ۳۹)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص تھا ہی شیعہ گو امامی یا اثنا عشری شیعہ نہ تھا، اس کا تعلق شیعوں کے زیدی فرقے سے تھا، اس کا پورا نام الحسن بن صالح بن حی الہمدانی الثوری الکوفی زیدی تبری ہے بلکہ وکان من کبار الشیعۃ الزیدیۃ وعظمائھم و علمائھم وکان فقیھا متکلما یعنی زیدی شیعوں کے

بڑے علماء میں سے ایک بڑا عالم، فقیہ اور علم کلام کا ماہر تھا۔ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۵۴ھ یا ۱۶۳ھ یا ۱۶۸ھ میں فوت ہوا۔ اور شیعہ کتب رجال میں اس کا تذکرہ آتا ہے۔

تنقیح المقال ص ۲۸۵ ج ۱ میں مامقانی نے اس کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور شیعہ کتب صحاح میں اس کا ذکر راویوں میں آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اہل السنت والجماعت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ اونٹ اونٹنی مع اپنے انواع کے اور گائے بیل مع اپنے انواع کے جیسے بھینس بھینسا، اور دنبی دنبہ، بھیڑ، مینڈھا، بکری، بکرا کے سوا کوئی جانور قربانی میں نہیں لگ سکتا۔

اور حسن بن صالح کا دور ائمہ مجتہدینؒ کا دور تھا۔ مگر ائمۂ اہلسنت میں سے کسی نے اس کے قول کو قبول نہیں کیا کہ وحشی گائے، گھوڑے اور مرغ کی قربانی بھی جائز ہو، بلکہ سب نے بالاتفاق کہا ہے کہ ان کی قربانی نہیں لگتی۔

لہٰذا فتاویٰ ستاریہ کے مؤلف کو حسن بن صالح کا مذہب معلوم ہونے کی وجہ سے مغالطہ لگ گیا ہے۔ جواب ہر ناظرِ رسالہ کو معلوم ہو چکا ہے، اب اس مغالطہ کو دور کر دینا چاہیے اور اصل مسئلہ کی طرف خلوصِ دل سے رجوع کر لینا چاہیے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ

تعالیٰ صاحب فتاوی ستاریہ کی لغزش کو معاف فرمائے ۔آمین

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ انھوں نے مرغ کی قربانی کی تھی، یہ بھی اسی زیدی شیعہ حسن بن صالح کی ہی بتائی ہوئی دلیل ہے جو قابلِ احتجاج نہیں ہے۔

دراصل شیعہ حضرات نے گھوڑے کی قربانی کو محض اس لیے جائز کہا تھا کہ یہ آلۂ حرب ہے اور زیدی فرقہ کے عالم نے اسے اس لیے بیان کیا کہ مسلمانوں کی عسکری قوت کمزور ہو جائے اور اگر مسلمان اس کی یہ بات مان لیتے تو شاید آج مسلمان دنیا کے کسی کونے میں بھی نہ ہوتے۔

اسی طرح وحشی گائے کی قربانی کے تصور سے بھی اسی قسم کے نقصانات امتِ مسلمہ کو پہنچ سکتے تھے۔ اور جہاں تک گھوڑے اور وحشی گائے کے حلال ہونے کا تعلق ہے تو الحمد للہ اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے۔ اور اگر باریک بینی سے غور کیا جائے تو ان کے حلال ہونے کے فوائد بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر قربانی ان کی نہیں ہے۔

جواب ۲ :

گھوڑے، وحشی گائے اور ہرن کی قربانی کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ محض ایک زیدی شیعہ عالم حسن بن صالح کی اپنی رائے ہے، جس کا اجماع کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لا تجتمع امتی علی ضلالۃ یعنی میری اُمت کا گمراہی پر جماع اور اتفاق نہیں ہوگا۔ اور اجماع حجتِ قطعیہ ہے اس کے خلاف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ بلکہ اجماع کے خلاف جو قول ہو وہ مردود ہوگا۔

اِسی طرح مُرغی اور گھوڑے، نیل گائے اور ہرن وغیرہ کی قربانی کو جائز کہنا اجماعِ امت کے خلاف کرنا ہے، اور اپنے لیے جہنم کا ٹھکانا تیار کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشادِ خُداوندی ہے:

مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

یعنی جس شخص کو راہِ ہدایت معلوم ہو چکی اس کے بعد ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مُسلمانوں کے اِجماعی طریقے کے سوا کسی دُوسرے طریقے کی پیروی کرے گا تو جس طرف وہ مُتوجہ ہُوا ہے اُسے ہم بھی اُسی طرف مُتوجہ رکھیں گے، اور انجامِ کار یہ ہوگا کہ ہم اُسے جہنم میں ڈال دیں گے۔

اس آیت کے تحت موضح القرآن میں حضرت شاہ

عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر، جس نے جُدی راہ پکڑی وہ جا پڑا دوزخ میں پس جس بات پر اُمت کا اجماع ہوا وہی اللہ کی مرضی ہے اور منکر ہو، سو دوزخی ہے۔ اِنتھیٰ کلامہٗ

قربانی اور ھَدْیٰ میں فرق

قربانی کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قربانی صرف حج کے موقع پر منیٰ شریف کے مقام میں وہاں پر موجود حاضرین کے لیے کی جاتی ہے اور یہ لوگ قرآن پاک کی اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ، یعنی تمہارے لیے ان میں ایک مقرر وقت تک بہت سے فائدے ہیں، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ البیت العتیق یعنی کعبہ شریف کی طرف ہے۔ یعنی ان کے ذبح کرنے کا مقام حرم شریف ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں جس جانور کے ذبح کا مقام حرم شریف ہے وہ ھدی ہے۔ اور ہدی کے معنے ہیں ما یُھدیٰ الی الحرم یعنی جو جانور حرم شریف کی طرف

تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا جائے۔ مقاییس اللغۃ میں ہے تقربا الی اللہ۔ اور ہدی حرم شریف کے ساتھ مخصوص ہے جیسے فرمایا ھدیا بالغ الکعبۃ یعنی وہ جانور جو بطور نیاز پہنچایا جائے کعبہ شریف تک تو یہ ہدی ہے۔ اور جہاں تک قربانی کا تعلق ہے تو یہ الگ چیز ہے اور اسے عربی میں اضحیہ کہتے ہیں اور یہ خانہ کعبہ یا حرم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۹ میں بحوالہ ترمذی ص ۱۸۲ ج ا حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے بلکہ ایک موقعہ پر آپؐ سفر میں تھے تو قربانی کا دن آگیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم بھی حضورؐ کے ہمراہ تھے تو سات آدمیوں نے حضورؐ سمیت ایک گائے کی قربانی کی۔ مفہوماً نیز حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آپؐ عیدگاہ میں اُونٹ کی نحر اور گائے و بکری کو ذبح کیا کرتے تھے۔

ان احادیث سے جو مفہوماً پیش کی گئی ہیں، ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کا تعلق حرم کعبہ سے یا منیٰ سے ہی نہیں ہے۔ اور ہدی اور اضحیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور اضحیہ ہر مقام کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

○

قربانی کے ایام

قربانی کے دن تین ہیں یعنی ۱۰،۱۱،۱۲ ذی الحجہ، ان کے علاوہ کسی دن میں قربانی جائز نہیں، البتہ پہلے روز زیادہ ثواب ہے، لیکن آج کل بعض لوگ یہ مسئلہ خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے اختتام تک قربانی کی جا سکتی ہے اور دلیل میں مسند امام احمدؒ اور صحیح ابن حبان کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایام التشریق کلھا ایام ذبح اور اس پر عمل نہ کرنے والوں کو منکرین نبیؐ کہا جاتا ہے۔ اور ہم اس روایت پر عمل نہیں کرتے۔ اس لیے ہم پر ضروری ہے کہ اس بارے میں وضاحت کریں کہ کیا واقعی ہم حنفی لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ذی شان کو پس پشت ڈال کر امام ابوحنیفہؒ کی بات مانتے ہیں یا صرف ہمارے مخالف گروہ کی بات ہی حقیقت سے گری ہوئی ہے۔ اور یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قربانی کے دن کتنے اور کون کون سے ہیں؟ سو اس میں سلف کے چار مذہب تھے۔

❶ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف ۱۰ ذی الحجہ

کا دن متعین ہے قربانی کے لیے۔ ۱۰ ذی الحجہ کے سوا کسی دن میں بھی قربانی کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ قربانی عید کے دن کا وظیفہ ہے جیسے فطرانہ عید الفطر کے دن میں ادا کیا جاتا ہے وقال ابن سیرین لا یجوز الا فی یوم النحر خاصۃ لانھا وظیفۃ عید فلا یجوز الا فی یوم واحد کاداء الفطرۃ یوم الفطر۔ اور یہی قول حضرت سعید بن جبیرؒ کا میزان شعرانی ص ۵۶ ج ۲ میں منقول ہے۔

❷ حضرت حسن بصریؒ، عطاءؒ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ قربانی کے دن چار ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایامِ تشریق سارے ہی ذبح (قربانی) کے دن ہیں، جیسے عیدِ قربانی کا دن وقال الشافعیؒ ثلثۃ ایام بعدہ ای بعد یوم النحر فالجملۃ اربعۃ ایام، عندہ وبہ قال عطاء و الحسن (بنایۃ کتاب الاضحیۃ ص ۱۷۷ ج ۴)

ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ہمارا استدلال ہے جو امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اور شیخ تقی الدین کا مختار بھی یہی ہے جیسے الروض المربع کے ص ۵۲۳ ج ۱ میں ہے۔ اور یہی قول نخعی سے المیزان الکبریٰ کے ص ۵۶ ج ۲ میں عبدالوہاب شعرانی نے نقل کیا ہے۔

❸ سلمۃ بن عبدالرحمٰن وعطاء بن یسار اور اہلِ ظاہر رحمہم اللہ تعالیٰ

کا مسلک ہے کہ محرم کا چاند نظر آنے تک سارے ہی قربانی کے دن ہیں۔ وروی محمد بن ابراھیم التیمی عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف و سلیمان بن یسار انہما قالا بلغنا انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الاضحٰی الی ھلال المحرم۔

❷ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ① امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ ② امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؓ ③ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ④ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ⑤ حضرت ابوہریرہؓ ⑥ حضرت انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ⑦ حضرت امام مالکؒ ⑧ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ⑨ حضرت امام ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ آفتاب غروب ہونے تک۔

اس آخری مسلک کو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے اختیار کیا ہے چنانچہ ذیل میں اس مسلک کی روایات درج کی جاتی ہیں:

مالکیہ کی مستند کتاب المدونۃ الکبریٰ ص ۷۳ ج ۲ میں ہے:

قلت ارأیت النحر کم ھو فی قول مالکؒ؟ قال ثلثۃ ایام یوم النحر ویومان بعدہ ولیس الیوم الرابع من ایام الذبح وان کان الناس بمنیً فانہ لیس من ایام الذبح یعنی میں نے دریافت کیا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ قربانی کے دن امام مالکؒ

کے قول میں کتنے ہیں؟ تو فرمایا کہ تین دن ہیں ایک یوم نحر ہے یعنی ۱۰ ذی الحجہ عید کا دن اور دو دن اس کے بعد کے اور چوتھا دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ ذبح کے دنوں میں سے نہیں ہے اگرچہ لوگ ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہی قیام پذیر ہوں کیونکہ ۱۳ ذی الحجہ ذبح کے ایام میں سے ہی نہیں۔

مؤطا ص ۱۸۸ میں امام مالکؒ نے امام نافعؒ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے الاضحیٰ یومان بعد یوم الاضحیٰ یعنی عید قربانی کے بعد ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ دو دن بھی قربانی کے ہیں۔

العدۃ شرح العمدۃ ص ۲۱۳ میں ہے وقت الذبح یوم العید بعد صلوٰۃ العید الی آخر یومین من ایام التشریق یعنی ذبح کا وقت عید کے دن نماز عید کے بعد سے شروع ہو کر ایام تشریق کے پہلے دو دنوں کے اخیر تک رہتا ہے۔

اس پر محشی نے لکھا ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے پہلے دو دنوں کے اخیر تک ہے و آخر وقتها آخر اليومين الاولين من ايام التشريق پھر اس کی دلیل میں وہ حدیث نبوی بیان کی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ادخار لحوم الاضاحی فوق ثلث متفق علیہ کہ صحیح بخاری اور صحیح

مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) منع فرمایا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد ذخیرہ نہ رکھیں۔ فوجه الحجة انه صلى الله عليه وسلم منع من الزيادة على ثلث ولا ينبغى ان ينهى عن الادخار فى زمن التضحية فلو جازت التضحية فى اليوم الرابع كان ناهيا عن امساك اللحم فى يوم يحل امساك اللحم واكله فيه یہ فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دعویٰ کی دلیل اس طرح بنتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ گوشت رکھنا منع فرمایا اور یہ نامناسب ہے کہ قربانی کے دنوں میں بھی ذخیرہ رکھنا منع ہو۔ سو اگر ۱۳؍ ذی الحجہ میں بھی قربانی ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس روز گوشت کھانا اور رکھنا حلال ہے اس روز بھی ذخیرہ بنا کر گوشت کو روک رکھنا منع ہے۔

المحرر ص ۲۵۰ ج ۱ میں ہے فوقت ذبحها يوم العيد بعد صلوته ويومان بعده بليلتيهما۔ یعنی ذبح قربانی کا وقت عید کے روز نماز عید کے بعد (سے شروع ہوتا ہے) اور اس کے بعد راتوں سمیت دو دن قربانی کرنے کا وقت ہے۔

الکافی ص ۴۷۳ ج ۱ میں ہے واخر وقتها اخر اليومين الاولين من ايام التشريق لان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن ادخار لحوم الاضاحى فوق ثلث متفق عليه اس کے بھی دہی

معنی ہیں جو العدۃ فی شرح العمدۃ کے حوالے سے ہم نقل کر چکے ہیں۔

رحمۃ الامۃ ص ۱۶۴ میں ہے اخر وقتہا عند الشافعیؒ اخر ایام التشریق وقال ابو حنیفۃ و مالک اخر الثانی من ایام التشریق یعنی قربانی کا آخری وقت حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو ایام تشریق کا آخری دن ہے یعنی ۱۳ ذی الحجہ کے آفتاب غروب ہونے تک، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق میں سے دوسرے دن کے اخیر تک ہے یعنی ۱۲ ذی الحجہ کے آفتاب کے غروب ہونے تک قربانی کا آخری وقت ہے۔

المیزان الکبریٰ ص ۵۶ ج ۲ میں عبد الوہاب شعرانیؒ نے لکھا ہے و من ذلک قول الشافعیؒ ان اخر وقت التضحیۃ ہو اخر الیوم الثالث من ایام التشریق الثلثہ ..... قول ابی حنیفۃ و مالک اخر وقت التضحیۃ ہو اخر الیوم الثانی من ایام التشریق یعنی حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کے تین دنوں میں سے تیسرے دن کا آخری وقت ہے، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کے دنوں میں سے دوسرے دن کا اخیر ہے۔

الروض المربع ص ۵۲۳ ج ۱ میں ہے اور ذبح کا حکم جاری

رہتا ہے۔ عید کے دن کے بعد دو دنوں کے اخیر تک وفیسنر الذبح لنحر یومین بعدہ ای بعد یوم العید۔

اس کے بعد لکھا قال احمد ایام النحر ثلثۃ عن غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ یہ تین دن قربانی کے ہیں اور یہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور حاشیہ میں محشی نے لکھا ہے وفی روایۃ ثلاثۃ ایام وھو مذھب الشافعی واختارہ الشیخ تقی الدین اھ یعنی امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یوم نحر کے بعد تین دن قربانی کے ہیں اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے اور شیخ تقی الدینؒ کا یہی مختار ہے۔

بدائع صنائع ص ۶۵ ج ۵ میں امام کاسانیؒ نے لکھا ہے ایام النحر ثلثۃ یوم الاضحی وھو الیوم العاشر من ذی الحجۃ والحادی عشر والثانی عشر وذلک بعد طلوع الفجر من الیوم الاول الی غروب الشمس من الیوم الثانی عشر۔ وقال الشافعیؒ ایام النحر اربعۃ ایام العاشر من ذی الحجۃ والحادی عشر والثانی عشر والثالث عشر والصحیح قولنا لما روی عن سیدنا عمر وسیدنا علی وابن عباس وابن عمر وانس بن مالکؓ

انھم قالوا ایام النحر ثلثۃ اولھا افضلھا والظاھر انھم اخذوا ذلک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اوقات العبادۃ والقربات لا تعرف الا بالسماع۔ یعنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کے تین دن ہیں، ایک تو خود قربانی کا دن ہے یعنی ۱۰ ذی الحجہ اور ۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ، اور یہ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق سے ۱۲ ذی الحجہ کے آفتاب غروب ہونے تک ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دن چار ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ۔ اور یہ صحیح قول ہمارا ہے، کیونکہ سیدنا عمرؓ و سیدنا علیؓ و ابن عباسؓ و ابن عمرؓ و انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان سب نے فرمایا کہ قربانی کے دن تین ہیں جن میں سے پہلے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) قربانی کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ ان صحابۂ کرامؓ نے یہ قربانی کے دنوں کی مقدار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کی ہے، کیونکہ یہ عبادت کے اوقات ہیں جو بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کریں، نری اپنی رائے سے نہیں کر سکتے۔

شافعیہ کی دلیل

اب رہی وہ دلیل جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے مسلک کے اثبات کے لیے پیش فرمائی ہے۔ تو اس کے متعلق علماء کرام محققین و مدققین نے مندرجہ ذیل بحث فرمائی ہے۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جو امام المحدثین حافظ کبیر ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے السنن الکبریٰ ص ۲۹۵ ج ۹ میں باب من قال الاضحیٰ جائز یوم النحر و ایام منیٰ کلہا لانہا ایام النسک کے تحت بایں سند بیان فرمائی ہے حدثنا ابو حامد احمد بن علی بن احمد الاسفرائینی بہا انباء ابو علی زاہر بن احمد ثنا ابو بکر بن زیاد النیسابوری ثنا ابو المغیرۃ ثنا سعید بن عبد العزیز حدثنی سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال علیہ السلام ..... وکل ایام التشریق ذبح.

سو اس حدیث میں سلیمان بن موسیٰ ہے، جس نے براہِ راست حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی، نہ حضرت جبیرؓ سے اس کی ملاقات ہوئی اور نہ ہی ان کا زمانہ پایا۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہوئی صحیح نہ ہوئی۔

الجوہر النقی ص ۲۹۶ ج ۹ میں علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان الماردینی الشہیر بابن الترکمانی رحمہ اللہ نے کہا سلیمان ہذا متکلم فیہ وحدیثہ مضطرب اضطرابا کثیرا بینہ صاحب الاستذکار وبینہ البیہقی بعضہ فی ہذا الباب۔ یعنی:

سلیمان متکلم فیہ ہے اور اس کی اس حدیث میں بہت زیادہ اضطراب ہے جیسے صاحب الاستذکار علامہ ابن عبدالبرؒ نے بیان کیا ہے اور حافظ بیہقیؒ نے خود بھی اسی باب میں اس کا بعض حصہ بیان فرمایا۔

دوسری حدیث حضرت امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ص ۲۹۵ و ص ۲۹۶ ج ۹ میں اس سند کے ساتھ بیان فرمائی اخبرنا ابو سعد المالینی انباء ابو احمد بن عدی الحافظ ثنا احمد بن الحسن بن عبد الجبار الصوفی ثنا ابو نصر التمار ثنا سعید بن عبد العزیز عن سلیمان بن موسیٰ عن عبد الرحمٰن بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... وفی کل ایام التشریق ذبح۔

اس میں سلیمان بن موسیٰ نے اپنا استاذ عبد الرحمٰن بن ابی حسین ظاہر کر دیا، مگر اس عبد الرحمٰن بن ابو حسین کی ملاقات بھی حضرت جبیر بن مطعمؓ کے ساتھ نہیں ہوئی، لہٰذا یہ حدیث بھی منقطع ہوئی، اور صحیح نہ ہوئی۔

اس کے بعد امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ رواہ سوید بن عبد العزیز یعنی اس حدیث کو سوید بن عبد العزیز نے بھی بیان کیا ہے، مگر خود ہی اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا وھو ضعیف عند بعض اھل

النقل عن سعید۔ یعنی سوید بن عبد العزیز جو سعید بن عبد العزیز سے روایت کرتا ہے بعض اہل نقل کے نزدیک ضعیف ہے۔

اس پر علامہ عینیؒ نے بنایہ شرح ہدایہ میں اور علامہ ابن ترکمانیؒ نے الجوہر النقی ص ۲۹۶ ج ۹ میں فرمایا کہ بعض اہل نقل نہ کہو، بلکہ کل اہل نقل یا اکثر اہل نقل کے نزدیک یہ ضعیف ہے۔

اور خود امام بیہقیؒ نے باب المعتکف یصوم ص ۳۱۷ ج ۴ میں اقرار کیا ہے وسوید بن عبد العزیز الدمشقی ضعیف بمرۃ لایقبل منہ ماتفرد بہ کہ سوید بن عبد العزیز ضعیف ہے جس روایت میں وہ اکیلا ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

پھر سلیمان بن موسیٰ کا اپنا فتویٰ السنن الکبریٰ ص ۲۹۷ ج ۹ میں امام بیہقیؒ نے لکھا ہے النحر ثلاثۃ ایام پھر اس کی تصدیق کرتے ہوئے مکحول فرماتے ہیں "صدق"۔ اور قاعدہ ہے کہ راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو سمجھو کہ وہ روایت اس راوی کے نزدیک معمول بہا نہیں، فتوی پر عمل کیا جائے گا۔

تیسری حدیث جو امام بیہقیؒ نے نقل فرمائی ہے وہ بھی سلیمان بن موسیٰ کے طریق سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کل ایام التشریق ذبح۔

چوتھی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جو سلیمان بن موسیٰ

کے طریق سے مروی ہے انما ایام اکل وشرب ایام ذبح اور دوسرے طریق سے جو مروی ہے اس میں وایام ذبح کا لفظ نہیں ہے۔

پانچویں حدیث کی سند یہ ہے معاویۃ بن یحییٰ الصدفی عن الزھری عن سعید بن المسیب مرۃ عن ابی سعید ومرۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ایام التشریق کلھا ذبح۔ اس میں معاویہ بن یحییٰ صدفی ہے جو اس روایت کے بیان کرنے میں منفرد ہے جیسے خود امام بیہقیؒ نے ہی فرمایا لایرویھما غیر الصدفی اور صدفی کے متعلق شیخ کا حوالہ دے کر فرمایا والصدفی ضعیف لا یحتج بہ یعنی صدفی اس قدر ضعیف ہے کہ اس کا قول دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اور صدفی کا نام کامل ابنِ عدی میں معاویۃ بن یحییٰ الصدفی ہے۔ اور نسائی، ابن معین اور علی بن المدینی نے بھی ابن یحییٰ صدفی کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں فرمایا قال ابی ھذا حدیث موضوع بھذا الاسناد (دیکھئے ص ۲۹۲ ج ۱۰)

نیز اس میں اضطراب ہے کہ سعید بن المسیب کبھی تو ابو سعید کا نام لیتے ہیں اور کبھی حضرت ابو ہریرہؓ کا نام لیتے ہیں اور امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ یہ غیر محفوظ ہیں۔

چھٹی حدیث اس سند کے ساتھ بیان فرمائی اخبرنا ابو حامد احمد بن علی الحافظ انبا، زاھر بن احمد ثنا ابو بکر بن زیاد النیسابوری ثنا محمد بن یحییٰ ثنا ابو داؤد عن طلحۃ بن عمرو الحضرمی عن عطاء عن ابن عباس قال الاضحیٰ ثلثۃ ایام بعد یوم النحر ایک تو اس سند میں طلحۃ بن عمرو الحضرمی ہے، جسے ابن معین ابو زرعہ اور دار قطنی نے ضعیف کہا اور امام احمد بن حنبل نے متروک کہا اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔ (الجواہر) دوسرے یہ کہ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا معارض ہے اس قول سے جو امام طحاویؒ نے احکام القرآن میں سند جید کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا نقل کیا ہے کہ الاضحیٰ یومان بعد یوم النحر یعنی قربانی کے دو دن ہیں اس کے بعد۔

حضرت امام بیہقیؒ نے حسن، عطاء، اور عمر بن عبد العزیز کے اقوال نقل فرمائے کہ قربانی کے دن عید قربانی اور اس کے بعد تین دن ہیں تو یہ کونسی دلیل ہے۔ اگر یہ فتوے مقبول ہوں تو محمد بن سیرین اور سعید بن جبیر صرف عید کے دن کو ہی قربانی کا دن سمجھتے ہیں تو اُن کے بارے آپ کی کیا رائے ہے۔ اور سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف و عطاء بن یسار محرم کا ہلال دیکھنے تک قربانی کے ایام سمجھتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ صرف اقوال الرجال سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔

الحاصل

جیسا کہ مضمون کے شروع میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ اس بارہ میں چار مسلک ہیں۔ ○ صرف عید کا دن ہی قربانی کا دن ہے۔ ○ عید کا دن اور ۱۱، و ۱۲، ذی الحجہ بھی قربانی کے دن ہیں۔ ○ عید کا دن اور اس کے بعد ۱۱، ۱۲، اور ۱۳، ذی الحجہ بھی قربانی کے دن ہیں ○ عید کے دن سے لے کر ہلال محرم تک سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں۔ مگر ان میں سے وہ مسلک جسے بڑے بڑے جید صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے بزرگوں کی تائید حاصل ہے وہی اَولیٰ عمل ہے۔ اور پھر یہ مسئلہ ہے بھی ایسا کہ اس میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

گو کہ پہلے خاصی بحث ہو چکی ہے پھر بھی زیر بحث چار ایام والی حدیث سے متعلق مزید جان لینا چاہیے کہ دارقطنیؒ نے اپنی سنن ص ۵۴۴ میں یہ حدیث بایں سند روایت کی ہے حدثنا ابو بکر النیسابوری نا احمد بن عیسی الخشاب نا عمرو بن ابی سلمة نا ابو معید عن سلیمان بن موسیٰ ان عمرو بن دینار حدثه عن جبیر بن مطعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل ایام التشریق ذبح اس میں ابو معید ہے جو حدیث میں نرم ہے۔

جانوروں کے عُیوب

ذیل میں قربانی کے جانوروں کے عیوب اور ان کا شرعی حکم بالترتیب فہرست کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ عیوب ونقائص کے سلسلے میں عموماً جو الجھن پیش آتی ہے باقی نہ رہے۔

نام عضو	کیفیت عیوب	شرعی حکم
آنکھ	دونوں آنکھوں سے اندھی	ممنوع
	ایک آنکھ سے نظر نہ آتا ہو	ممنوع
	جس کی پیدائشی آنکھیں نہ ہوں	ممنوع
	دن میں نظر آئے اور رات کو نظر نہ آتا ہو	جائز
	ایک آنکھ میں سفید موتیا ایک تہائی یا زائد ہو	ممنوع
	اگر ایک تہائی سے کم ہو	جائز
	آنکھ سے بھینگی ہو	جائز
ناک	ایک تہائی یا زائد ناک کٹی ہوئی ہو	ممنوع
	ایک تہائی سے کم ناک کٹی ہوئی ہو	جائز
کان	پیدائشی دونوں کان نہ ہوں	ممنوع
	پیدائشی ایک ہی کان ہو	ممنوع
	جس کے کان میں سوراخ ہو	جائز

	جس کے کان کو داغ دیا گیا ہو	جائز
	لمبائی میں پورا کان چرا ہوا ہو	مکروہ تنزیہی
	جس کے کان چھوٹے ہوں	جائز
	جس کے کان اگلی طرف سے کٹ کر لٹکے ہوئے ہوں	خلافِ اَولیٰ
	جس کے کان پچھلی طرف سے کٹ کر لٹکے ہوئے ہوں	خلافِ اَولیٰ
	مجموعی طور پر ایک تہائی یا زائد کان میں سوراخ ہوں	ممنوع
	مجموعی طور پر ایک تہائی سے کم کان میں سوراخ ہوں	جائز
	ایک تہائی یا زائد کان کٹا ہوا ہو	ممنوع
	ایک تہائی سے کم کان کٹا ہوا ہو	جائز
سینگ	ایک یا دونوں سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں	مکروہ تنزیہی
	ایک یا دونوں سینگوں کا خول اُتر گیا ہو	مکروہ تنزیہی
	سینگ جڑ سے ٹوٹ جائیں اور گودا نظر آئے	ممنوع
	سینگ جڑ سے ٹوٹ جائیں اور گودا نظر نہ آئے	مکروہ تنزیہی
	ایک تہائی یا زائد سینگ کٹا ہوا ہو	جائز
	ایک تہائی سے کم سینگ کٹا ہوا ہو	جائز
دانت	جس کے تمام دانت ٹوٹ جائیں	ممنوع
	بعض دانت ٹوٹ جائیں اور گھاس نہ کھا سکے	ممنوع
	اگر گھاس کھا سکے	جائز

	پیدائشی دانت نہ ہوں اور کھا نہ سکے	ممنوع
	اگر کھا سکے	جائز
زبان	دنبی، بھیڑ، بکری کی زبان نہ ہو	جائز
	گائے، بھینس کی زبان نہ ہو اور کھا نہ سکے	ممنوع
	اگر کھا سکے	جائز
	گائے، بھینس کی زبان ایک تہائی یا زائد کٹی ہو	ممنوع
	گائے، بھینس کی زبان ایک تہائی سے کم کٹی ہو	مکروہ تنزیہی
تھن	پیدائشی طور پر تھن نہ ہوں	ممنوع
	جس کے تھن خشک ہو جائیں	ممنوع
	بغیر مرض کے دُودھ خشک ہو جائے	جائز
	ایک تہائی یا زائد تھن کٹ جائیں	ممنوع
	ایک تہائی سے کم کٹے ہوئے ہوں	جائز
	تھنوں کے سرے کٹے ہوئے ہوں	ممنوع
	ایک تہائی یا زائد تھن کٹا ہُوا ہو	ممنوع
	ایک تہائی سے کم کٹا ہُوا ہو	جائز
	دنبی، بھیڑ، بکری کا ایک تھن نہ ہو	ممنوع
	یا ایک تھن کا مرض سے سُوکھ جانا	ممنوع
	یا ایک تھن ضائع ہو جائے	ممنوع

	گائے، بھینس، اونٹنی کا ایک تھن نہ ہو	جائز
	یا ایک تھن ضائع ہو جائے	جائز
	اور اگر دو تھن نہ ہوں	ممنوع
	یا دو تھن ضائع ہو جائیں	ممنوع
	یا دو تھنوں کا دودھ سوکھ جائے	ممنوع
	اگر ایک تھن کا دودھ سوکھ جائے	جائز
ٹانگ	جس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہو	ممنوع
	اگر دو، تین یا چاروں کٹی ہوئی ہوں	ممنوع
	ایک پاؤں سے لنگڑا ہو اور زمین پر رکھ سکے	ممنوع
	اگر زمین پر رکھ سکتا ہو مگر اس سے چل نہ سکے	ممنوع
	اگر اس کے سہارے سے مذبح تک پہنچ سکے	جائز
دُم	ایک تہائی یا زائد دُم کٹ جائے	ممنوع
	ایک تہائی سے کم دُم کٹ جائے	جائز
	پیدائشی طور پر دُم نہ ہو	خلافِ اَولیٰ
	دُم کا درمیانی حصہ کٹ کر یا چِر کر باہر نکل گیا ہو	جائز
چکتی	پیدائشی طور پر دُنبی کی چکتی نہ ہو	جائز
	پیدائشی طور پر دُنبی کی چکتی چھوٹی ہو	جائز
	ایک تہائی یا زائد چکتی ضائع ہو گئی ہو	ممنوع

	ایک تہائی سے کم چکتی ضائع ہوگئی ہو	جائز
کھجلی	ایسا جانور جسے کھجلی ہو مگر موٹا تازہ ہو	جائز
	کھجلی کی وجہ سے دُبلا ہو مگر چربی کچھ ہو	خلافِ اَولیٰ
	اور اگر چربی نہ رہے	ممنوع
دُبلی پتلی	جس کی ہڈیوں اور نلیوں میں گودا گھُل گیا ہو	ممنوع
	جس کی ہڈیوں اور نلیوں میں گودا و چربی باقی ہو	خلافِ اَولیٰ
مجنونہ	ایسی مجنونہ جو موٹی تازی ہو۔	جائز
	جو مجنونہ دُبلی ہو اور گھاس کھاتی ہو	جائز
	اور مجنونہ گھاس بھی نہ کھاتی ہو اور دُبلی بھی ہو	ممنوع
کھانسی	ایسا جانور جسے کھانسی لگی ہوئی ہو	جائز
خنثیٰ اور مخنّث		ممنوع
بانجھ	جو بانجھ ہوگئی ہو	جائز
حاملہ	ایسی حاملہ جو قریب الولادۃ ہو	مکروہ
بیمار	جس کی بیماری ظاہر ہو	ممنوع
داغی	جس کا کوئی عضو گرم لوہے سے داغا گیا ہو	جائز
زخمی	ہل چلانے والے بیل کے سرین پر مار کا زخم رہتا ہو	جائز
	ہل چلانے والے بیل کی گردن پر جوئے کا زخم ہو	جائز
مونی	جس کے جسم سے اُون مونڈ کر اتار لی گئی ہو	جائز

فائدہ: بہتر یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں کسی قسم کا عیب نہ ہو، نیز خصی (بدھیا) کی قربانی افضل ہے، اسی طرح خوب موٹا تازہ اور خوبصورت جانور قربانی کرنا افضل ہے۔ نیز زیادہ اور اچھے گوشت والے جانور کی قربانی افضل ہے اور اگر گوشت تو زیادہ ہو مگر بُرا اور خراب ہو تو اس میں افضلیت نہیں۔

مسئلہ: جانور خریدتے وقت بے عیب تھا، مگر بعد میں لنگڑا یا کانا ہوگیا یا کوئی اور عیب پیدا ہوگیا جس کی قربانی ممنوع ہو، تو مالدار کو چاہیے کہ دُوسرا جانور خرید کر ذبح کرے غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں وہ اسی کو ذبح کرے۔

مسئلہ: بعض جانور گندگی کھاتے ہیں، انھیں چند روز بند کر کے ذبح کیا جائے۔ مثلاً اُونٹ، اُونٹنی کو ۴۰ دِن تک، گائے، بیل، بھینس، بھینسا ۲۰ دن اور بکری ۱۰ دِن تک بند رکھنے کے بعد ذبح کریں۔

خصّی جانور کی قربانی:

جانوروں کو دو طرح سے خصّی کیا جاتا ہے۔

مُوجُوء: جس کے خصیتین کو کوٹ دیا جائے۔

خصّی: جس کے خصیتین کو دبا کر نکال دیا جائے۔

ان دونوں قسم کے خصّی یعنی بدھیا جانوروں کی قربانی جائز ہے

رہا یہ کہ دُوسرے طریقہ سے یعنی خصیتین نکال دینے سے اعضاء میں کمی ہوجاتی ہے، سو عضو کا کم ہوجانا، یا مُوجوء کی صُورت میں خصیتین کو کچل کر بیکار و ناکارہ کردینا یکساں ہے۔ مگر یہ عیب گوشت کی عُمدگی کے لیے قصداً کیا جاتا ہے۔

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی میں سراجیہ کے حوالے سے لکھا ویجزیٔ الخصی، پھر البرہان شرح مواہبُ الرحمٰن قلمی ص ۳۳۷ کے حوالے سے لکھا ویجزیٔ الخصی لانہ اطیب کما قال الشعبیؒ ما زاد الخصی فی طیبۃ لحمہ خیر للمساکین مما فات من الخصیتین۔ پھر درمختار علی ہامش ردالمحتار ص ۲۲۴ ج ۵ کے حوالے سے لکھا ویضحی بالجماء والخصی والثولاء۔ نیز عالمگیری ص ۲۳۰ ج ۵ سے نقل فرمایا یجوز المجبوب العاجز عن الجماع۔

نیز کفایت المفتی ص ۲۱۰ ج میں حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ صادر فرمایا کہ خصی جبکہ گوشت کے لحاظ سے بہتر ہو تو وہ افضل ہے یعنی اگر فقراء اور نادار لوگ زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت والا جانور افضل ہے اور اگر حاجت مند کم ہوں تو پھر جس کی قیمت زیادہ اور گوشت عمدہ ہو وہ افضل ہے۔

ذبح کرنے کا طریقہ

قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لیے لٹانے سے پہلے پہلے چھری کو کسی علیحدہ جگہ پر خوب تیز کر لینا چاہیے۔ جانور کے سامنے چھری تیز کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ پھر دعا پڑھ کر تکبیر کہے، اور نہایت پھرتی کے ساتھ چاروں رگیں کاٹے۔ ان رگوں میں ① حلقوم جس میں کھانا جاتا ہے ② مری جس میں سانس جاتا ہے اور ③و④ ودجان یہ دو رگیں خون کی ہیں۔

ذبح کرنے سے پہلے دل میں یہ نیت کرے کہ میں قربانی کرنے لگا ہوں۔ اور ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رُخ لٹائے اور خود بھی باوضو ہو اور قبلہ کی طرف منہ کرے اور ذبح سے پہلے اگر یاد ہو تو یہ دعا پڑھے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھ کر ذبح کرے۔

ذبح کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھے کہ چاروں

رگیں کٹ جائیں البتہ اگر چار رگوں میں سے کوئی ایک رگ کٹنے سے رہ گئی اور معلوم نہ ہوسکے تو کچھ حرج نہیں مگر تین رگوں کا پوری طرح یقین کرلینا چاہیے۔ اگر دو رگیں کٹنے سے رہ گئیں اور اسی حالت میں جان نکل گئی تو جانور حرام ہوجائے گا۔

جانور کو ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی نسبت بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا افضل ہے اور احادیث نبویؐ میں بھی اسی طرح ہے۔ البتہ علامہ عینیؒ نے ذخیرہ کے حوالے سے اور عالمگیری نے محیط کے حوالے سے فقیہ بقالی کا قول لکھا ہے والمستحب ان یقول بسم اللہ اللہ اکبر یعنی بدون الواو۔ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر بغیر واو کے پڑھنا مستحب ہے۔ اور عالمگیری ص ۱۹۳ ج ۶ میں یہ بھی لکھا ہے بقالی کہتا ہے کہ واو کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ پھر شمس الائمہ حلوانیؒ کا مسلک بھی یہی لکھا ہے اور دلیل یہ بیان کی کہ واو سے جوش ٹھنڈا پڑجاتا ہے لان الواو یقطع فور التسمیۃ۔

اس پر فقیہ انزاریؒ نے وفیہ نظر کہہ کر اعتراض کردیا علامہ عینیؒ نے بنایہ شرح ہدایہ ص ۱۳۷ ج ۴ میں اس کی تصدیق کی اور فرمایا قلت نظرہ صحیح لان الذی ثبت فی الصحیح علی ما ذکرنا بالواو فلا ینبغی ان یترک اتباعا للحدیث

یعنی میں (علامہ عینیؒ) کہتا ہوں کہ انزاری کا اعتراض بجا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ واو کے ساتھ آیا ہے، اس لیے حدیث کی اتباع کرنی چاہیے اور اس کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر اور مایۂ ناز کتاب ہدایہ ص ۴۴۱ ج ۴ میں فقیہ اعظم برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے وما تداولتہ الالسن عند الذبح وھو قولہ بسم اللہ واللہ اکبر منقول عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی قولہ تعالیٰ فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف یعنی ذبح کرتے وقت ذبح کرنے والوں کی زبان پر جو الفاظ متداول ہیں یعنی بسم اللہ واللہ اکبر یہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ واو کے ساتھ بسم اللہ واللہ اکبر پڑھنے کا دستور عام تھا۔ صرف بقالی اور شمس الائمہ حلوانیؒ دو ہی اشخاص ہیں جنھوں نے بسم اللہ اللہ اکبر بغیر واو کے پڑھنے کا قول کیا ہے۔ اِن دو کے

علاوہ ان کی تبعیت میں کسی نے قول کیا ہو تو ہو سکتا ہے، مگر عام استعمال واو کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔

فتاوٰی برہنہ ص ۱۵۱ ج ۲ میں علامہ شیخ نصیر الدین بیناؒ نے لکھا ہے: "ومنقول از ابن عباس (رضی اللہ عنہما) ومتداول بسم اللہ واللہ اکبر است۔"

اور واو کے ساتھ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے چنانچہ صحیح مسلم ص ۱۵۶ ج ۲، سنن ابی داؤد ص ۳۰ ج ۲، سنن کبرٰی بیہقی ص ۲۶۸ ج ۹، اور مشکوٰۃ ص ۱۲۷ میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر پڑھتے تھے۔

فقہ شافعی کے مقلد حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح ص ۱۵۶ ج ۲ میں مذکورہ بالا حدیث سے مسئلہ نکالا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تسمیہ (بسم اللہ) کے ساتھ تکبیر اس طرح پڑھنا بسم اللہ واللہ اکبر مستحب ہے۔ فیہ استحباب التکبیر مع التسمیۃ فیقول بسم اللہ واللہ اکبر۔

اور موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے

بھی الکافی ص ۴۷۲ ج ۱ میں لکھا ہے ویقول عند الذبح بسم اللہ واللہ اکبر لحدیث انس رضی اللہ عنہ یعنی ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر کہے حضرت انس رض کی حدیث اس کی دلیل ہے۔

فقہ حنبلی کی کتاب العُدہ شرح العُمدہ

ص ۲۱۲ میں علامہ بہاؤالدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم المقدسی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی لکھا ہے ویقول عند ذٰلک بسم اللہ واللہ اکبر۔

الرّوض المربع شرح زاد المستقنع ص ۵۳۲ ج ۱ میں علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ویقول حین یحرک یدہ بالنحر اوالذبح بسم اللہ وجوبًا واللہ اکبر استحبابًا یعنی نحر یا ذبح کے وقت جب اپنے ہاتھ کو حرکت دے رہا ہو بسم اللہ تو ضرور پڑھے کہ یہ واجب ہے اور واللہ اکبر بھی پڑھے اس لیے کہ یہ مستحب ہے۔

فقہ مالکی کی کتاب المدونۃ الکبریٰ ص ۲۸۵

ج ۲ میں لکھا ہے کہ میں نے سوال کیا کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر..... کہے؟ تو جواب دیا کہ حضرت امام مالک

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ لفظ کہے تو حسن ہے۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ اہل السنت والجماعت کے مذاہبِ اربعہ میں یہی ہے کہ بسم اللہ واللہ اکبر واو کے ساتھ پڑھے اور یہی افضل اور حسن ہے۔

ذبح کر چکنے کے بعد یہ دُعاء پڑھے: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

مسئلہ: قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کرنا اور دُعا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے۔ اگر دِل میں خیال کر لیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ نہیں پڑھا صرف بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ذبح کر دیا تو بھی قربانی درست ہو گئی۔ لیکن اگر دُعاء یاد ہو تو پڑھ لینے میں بہت بڑا ثواب ہے۔ (شامی ص ۳۰۴ ج ۵)

مسئلہ: اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دُوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے۔

ذبح کر چکنے کے بعد جانور کو ٹھنڈا ہونے دیں، جب جانور ٹھنڈا ہو جائے تب سر کو دھڑ سے جُدا کریں اور

چمڑا اتاریں۔ ٹھنڈا ہونے سے پہلے چمڑا اتارنا اور سر کو دھڑ سے جُدا کرنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ: قربانی کا جانور دن میں ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر کسی وجہ سے رات کو ذبح کر دیا جائے تو قربانی ہو جائے گی۔ البتہ ۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی رات میں صبح صادق سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو قربانی ادا نہیں ہوگی اور دوبارہ قربانی کرنا واجب ہوگا۔

فتاویٰ محمودیہ ص ۳۰۶ ج ۴ میں شامی ص ۲۰۳ ج ۵ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی رات کو صبح صادق سے پہلے ذبح کر دی تو قربانی ادا نہیں ہوئی۔ اسی طرح ۱۲ تاریخ کا سورج غروب ہونے کے بعد قربانی ذبح کی تو قربانی ادا نہ ہوگی۔ ۱۰ و ۱۱ کے درمیان والی رات، اور ۱۱ و ۱۲ کے درمیان والی رات میں قربانی کرنا ہمارے مذہب حنفیہ میں جائز تو ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے۔

ذابح کے امدادی پر بسم اللہ واجب ہے؟

سوال: جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ساتھ

دُوسرا ایک شخص اور شریکِ حال ہوتا ہے اور ذبیحہ کے بقیہ اعضاء کو پکڑے ہوئے ہے، اگر ذبح کرنے والے کے علاوہ دُوسرا اس کا شریکِ حال تکبیر نہ کہے، تو کیا ذبیحہ حرام ہو جائے گا کیا ذبح کرنے والے اور پکڑنے والے دونوں کے لیے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب: بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ صرف ذبح کرنے والے پر فرض ہے۔ ہاتھ پیر پکڑنے والے پر تسمیہ فرض نہیں ہے۔ اور وہ جو درِ مختار وغیرہ میں شریکِ ذابح پر تسمیہ فرض لکھا ہے اس کا مطلب ردّ المحتار وغیرہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ غرض اس سے یہ ہے کہ جس کا ہاتھ ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پھیرنے میں ہو اس پر بھی تسمیہ فرض ہے نہ کہ ہاتھ پیر پکڑنے والے پر۔

جانور خرید کر بعد میں شریک بنانا

مسئلہ: قربانی کے لیے کسی نے گائے خریدی اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی اس گائے میں شریک کرلیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے، اس کے بعد کچھ اور لوگ اس گائے میں شریک ہو گئے تو یہ درست ہے۔ اور اگر خریدتے وقت اس کی نیت شریک کرنے کی نہ تھی بلکہ

پوری گائے اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اب اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں ہے، لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا تو دیکھنا چاہیے کہ کس نے شریک کیا ہے؟ وہ امیر ہے جس پر قربانی واجب ہے یا غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں تھی۔

اگر امیر ہے تو درست ہے۔ اگر غریب ہے تو درست نہیں، لیکن اگر کسی کو شریک کر لیا تو جس کو شریک کیا ہے اس کی قربانی تو ادا ہو جائے گی اور اس شریک کرنے کی وجہ سے دوسرے شریکوں کے حصوں میں بھی کوئی نقصان نہ آئے گا۔ لیکن اس غریب پر واجب ہے کہ جتنے حصے خریدنے کے بعد دوسرے لوگوں کو دیے ہیں ان کی ضمان اس طرح ادا کرے کہ اگر ابھی قربانی کے دن باقی ہیں تو اتنے حصے قربانی کر دے اگر قربانی کے دن گزر گئے تو ان حصوں کی قیمت مساکین کو دیدے۔ (عالمگیری ص ۳۳۷ ج ۵)

غریب اور امیر کی قربانی میں فرق

مسئلہ: اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا، پھر دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا۔ اب اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہوا ہے تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے، دونوں میں سے خواہ کسی کی

قربانی کر دیوے۔ لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر پہلے جانور کی قربانی کرے تب تو خیر، اور اگر دوسرے جانور کی قربانی کرے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ قیمت میں پہلے جانور سے کم تو نہیں ہے، اگر کم ہے تو جتنے دام کم ہوں اتنے دام غریبوں کو خیرات کر دینا مستحب ہے ورنہ نہ۔ اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہُوا تو دونوں جانوروں کی قربانی اس پر واجب ہو گی۔

غریب کو دو جانور کرنے کی وجہ:

غریب پر دو جانوروں کی قربانی کرنے کا سبب اس کا دُوسرا جانور خرید لینا ہے۔ اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمے کچھ بھی نہ تھا۔ پھر اگر پہلا مل جاتا تو اس کے ذمے وہی ایک رہتا کہ وہ بھی خریدنے ہی سے واجب ہُوا تھا۔ سو جب اس نے دُوسرا خرید لیا تو وہ بھی اس پر واجب ہو گیا۔

اور امیر آدمی پر خود شروع سے قربانی واجب ہے، گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے اور یہ واجب ایک ہے۔ پس خواہ یہ کتنے ہی خریدے وہ ایک ہی واجب رہے گا۔ اور اگر پہلا نہ ملتا تو دُوسرا خریدنا واجب ہوتا اور غریب آدمی جتنے خریدتا چلا جائے گا سب واجب ہوتے جائیں گے۔ (تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص ۲۷)

خاوند کی اجازت کے بغیر قربانی کا حکم

سوال: ایک عورت نے بلا اجازت اپنے خاوند کے قربانی میں ایک حصہ خرید لیا اور قیمت بھی دے دی۔ جس وقت حصہ کا گوشت گھر آیا تو اس کے خاوند کو قربانی کا قصہ معلوم ہوا، اس نے ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس حصہ کو فروخت کر دو۔ اس عورت نے وہ حصہ دوسری عورت پر فروخت کر دیا، اور قیمت لے لی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس نے حصہ خرید لیا اس کو قربانی کا ثواب ہوا یا نہیں۔ پہلی عورت جس نے شروع میں حصہ خرید لیا تھا' شاید قدرے زیور کی مالک ہو بلکہ وہ بھی خاوند ہی کے ملک ہو، تحقیق نہیں۔ اگر عورت صاحبِ نصاب ہو تو کیا صورت مسئلہ ہے اور غیر نصاب کی کیا؟

الجواب: جس دوسری عورت نے گوشت کا حصہ خریدا ہے اس کی قربانی نہیں ہوئی اور پہلی عورت نے جب حصہ خرید کر ذبح کرا دیا اس کی طرف سے قربانی ہو گئی، خواہ وہ غنی ہو خواہ فقیر۔ اور ہر حال میں اس کو گوشت فروخت کرنا جائز نہیں تھا اور جب فروخت کر دیا اس کے دام جو وصول ہوئے وہ حق مساکین کا ہے اور چونکہ اس نے مساکین کو نہیں دیا اس لیے اب دینا واجب ہوگا۔ (تتمہ جلد ثانی فتاوی امدادیہ ۱۳۷، ۱۳۸)

قربانی کی نذر:

سوال: ایک شخص بیمار ہُوا، اس کے لواحقین نے کہا کہ: خُداوندا اگر یہ مریض صحت پاوے تو تین گائے مسلم قربانی کروں گا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مریض نے صحت پایا اور ذی الحجہ کے مہینے میں گائے ذبح ہوگی۔ یہ قربانی کے حکم میں ہے یا صدقہ کے؟

الجواب: قربانی کے۔ ہکذافی ردالمحتار (تتمہ ج ۲ امدادیہ ص۱۳۸)

سوال: اور گوشت کے مصارف کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: مساکین کو دینا چاہیے کذافی ردالمحتار ص ۳۲۰ ج ۵)

سوال: اور گائے کی قیمت تخمینہ کرکے روپیہ کسی مدرسہ میں یا غرباء کے دینے سے نذر سے بری الذمہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ایامِ قربانی اگر گزر جاویں تو مساکین کو دام دینا چاہیے۔ فقط (تتمہ جلد ثانی فتاویٰ امدادیہ ص ۱۳۸)

مسئلہ: نذر کردہ قربانی سے نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے۔

کوئی شخص غریب ہو اور ایک بکرا قربانی کی نیت سے پالے تو اس میں سے خود بھی کھا سکتا ہے اور اگر زبان سے کہہ کر نذر مانے تو اس میں سے خود نہیں کھا سکتا۔ اس نوعیت کا ایک سوال اور اس کا جواب تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص ۲۰۱ میں درج ہے:

سوال: بندہ نے ایک بکرا لے کر قربانی کے لیے پالا، مگر چونکہ بندہ مالکِ نصاب نہیں تھا اس واسطے ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم اس بکرے کی قربانی سے خود گوشت نہیں کھا سکتے کیونکہ تم صاحبِ نصاب نہیں ہو اور یہ بکرا تمہارا قربانی کے ارادے سے خرید کیا ہوا بجائے نذرِ معین کے سمجھا جائیگا، دوسرے مولوی صاحب نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں، تم بلا شک کھا سکتے ہو بتائیے یہ صحیح مسئلہ کس کا ہے؟

الجواب: فی العالمگیریہ وله ان یدخر الکل لنفسه فوق ثلثة ایام الا ان اطعامها والتصدق بها افضل الا ان یکون الرجل ذا عیال وغیر موسع الحال فان الافضل له حینئذ ان یدعه لعیاله ویوسع به کذا فی البدائع وان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یاکل منها شیئا ولا ان یطعم غیره من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیا او فقیرا (عالمگیریہ ص ۳۰۱ ج ۲)

ترجمہ: اور قربانی کرنے والے کو اجازت تو ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے لیے ذخیرہ بنا کر رکھ لے مگر بہتر ہے کہ دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کر دے۔ البتہ جو آدمی عیال دار ہو، تنگدست ہو اور خوشحال نہ ہو تو اس وقت اس کے لیے یہی افضل ہے کہ

اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑ رکھے اور ان کے لیے وسعت کا سامان بہم پہنچائے۔ اسی طرح بدائع میں ہے اور اگر نذر ماننے سے قربانی واجب ہوئی ہے تو قربانی کرنے والا اس میں سے نہ آپ خود ہی کچھ کھا سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے دولت مند کو کھلا سکتا ہے۔ اور نذر ماننے والا خواہ امیر ہو یا غریب۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب زبان سے نذر کر لے تو اس کا کھانا خود نذر ماننے والے پر جائز نہیں ہے اور اگر نذر نہ کی ہو گو مثل نذر کے اس پر واجب ہو گا پھر بھی اس کا کھانا اور اغنیاء کو کھلانا جائز ہے۔

گابھن کی قربانی:

کسی شخص نے قربانی کی نیت سے گائے خریدی پھر معلوم ہوا کہ یہ گائے تو گابھن ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کے بچے میں جان پڑ گئی ہے یا نہ۔ اگر ابھی بچہ میں جان نہ پڑی ہو تو اسی کو ذبح کرلے، اور اگر جان پڑ چکی ہو تو بہتر یہ ہے کہ دوسری گائے خرید کر قربانی کرے۔ البتہ دوسری گائے پہلی گائے سے قیمت میں کم ہو تو جس قدر قیمت کم ہوگی بقایا رقم خیرات کر دے۔

اگر دوسری گائے کی تلاش میں قربانی کے دن گزر گئے اور دوسری گائے نہیں مل سکی اور وہی گابھن گائے اس کے پاس

موجود ہے تو جب وہ بچہ جنے اور دُودھ دے تو اس کا دُودھ پینا درست ہے۔ اگر اس گائے کے بدلے میں کوئی دُوسری گائے نہیں ملی جس کی قربانی کی جاتی تو اس گائے کی قیمت بجائے قربانی کے صدقہ کرنا واجب ہے۔

قربانی کے جانور کا اگر ذبح سے بچہ پیدا ہو گیا یا ذبح کے وقت اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آیا تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہیے۔

مُتفرق مسائل:

قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے۔

قربانی کے جانور کا دُودھ نکالنا یا اُس کے بال اور اُون کاٹنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے ایسا کر لیا تو دُودھ اور بال و اُون کی جو قیمت بنتی ہو اس کا صدقہ دینا واجب ہے۔

عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں لیکن جس شہر میں کئی جگہ نمازِ عید ہوتی ہو تو شہر میں کسی ایک جگہ بھی نمازِ عید ہو گئی تو پورے شہر میں قربانی جائز ہو جاتی ہے۔ البتہ چھوٹے دیہات میں جہاں نمازِ عید نہیں ہوتی صبح صادق کے بعد بھی جائز ہے۔

کسی عذر کی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو اگر نمازِ عید نہ ہو سکے تو نمازِ عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے (دُرِّ مختار)

جن بستیوں اور شہروں میں نمازِ جمعہ و عیدین جائز وہاں نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نمازِ عید سے پہلے ہی قربانی کر لی تو اس پر دوبارہ قربانی کرنا واجب ہے۔

جس شخص پر قربانی واجب ہے' ایام قربانی میں ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہ کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ایام قربانی میں جانور کی قیمت صدقہ کرنے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا اور ہمیشہ گنہگار رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے' جیسے نماز پڑھنے سے روزہ' اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔

جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس کی قربانی واجب ہو گئی۔

قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی ایسا کرلے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

دو بھائیوں کا مال یکجا جمع ہے مگر کھانا پینا الگ الگ ہے۔ وہ ہر سال قربانی کے دو حصے کرتے ہیں مگر اپنے حصے الگ الگ نہیں کرتے تو قربانی دونوں کی ہو تو جائے گی مگر بہتر یہ ہے کہ

ہر جانور یا حصے پر ایک خاص شخص کا نام لگا دیا جائے کہ یہ فلاں کی طرف سے ہے اور یہ فلاں کی طرف سے۔

ایک شخص صاحبِ نصاب ہے مگر اس کا روپیہ کسی تجارتی کمپنی میں ہے اور سال گزرنے سے پہلے نہیں مل سکتا اور اس کے علاوہ قربانی کرنے کے لیے روپیہ اس کے پاس موجود نہیں اور نہ ہی کہیں سے قرض مل سکتا ہے تو اُسے چاہیے کہ کوئی زائد از حاجت چیز فروخت کر کے قربانی کرے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس پر قربانی واجب ہی نہیں۔

سوال: قربانی جس کے ذمے واجب تھی اُس نے اپنی سُستی سے قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کی، بعد میں جب وہ قیمت قربانی کی خیرات کرے تو اُصول (یعنی ماں باپ اور ان سے اُوپر کے)، یا فروع (اولاد اور ان سے نیچے)، یا کافر کو خیرات کر سکتا ہے اگر وہ مفلس اور حاجت مند ہوں یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کے کلام میں اس باب میں یہ الفاظ ہیں: تصدق بقیمتها جو دال ہے وجوبِ تصدق پر، اور صدقہ واجبہ اُصول یا فروع اور کافر پر صرف کرنا جائز نہیں اور دُرِّ مختار کتاب الاضحیہ میں ایک جزئیہ ہے جس میں ایسے ذبح الاضحیہ پر جس نے عمداً تسمیہ ترک کیا ضمان لازم کیا ہے،

اس میں تصریح ہے تصدق بقیمتہا علی الفقراء (درمختار ص ۳۲۶ ج ۵)۔ (یعنی اس کی قیمت فقیروں پر صدقہ کردے) اور صدقہ واجبہ کے مصارف جو فقراء ہوتے ہیں ان سے اُصول، فروع اور کافر خارج ہیں۔ اور ردالمحتار میں ایک جُزئیہ ہے، جس میں قربانی کے ایام گزر جانے کے بعد خریدی ہُوئی قربانی کو ذبح کرنے کی صورت میں لکھا ہے:

(ترجمہ[1]) جب اس کو ذبح کرے تو اس میں سے خود کھانا حلال نہیں جس طرح اس کی قیمت میں سے کچھ روک رکھنا جائز نہیں (۲۱۴/۵) اور جس چیز کا خود کھانا، خرچ کرنا جائز نہیں، اصول فروع اور کافر کو بھی دینا درست نہیں۔ (تتمہ جلد ثانی فتاویٰ امدادیہ ص ۱۳۶)

قربانی کا گوشت

اپنے کھانے کے لیے چاہے تو تمام کا تمام گوشت رکھ لے، خواہ بھون کر یا خشک کرکے اور چاہے تو تازہ گوشت فرج وغیرہ میں رکھ لے اور جب جتنا چاہے پُورا سال ہی کھاتا رہے، اس کی مکمل اجازت ہے۔ یا اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دے تو بھی جائز ہے، یا اپنے دوستوں کو دے دے، فقیروں اور محتاجوں کو بانٹ دے سب جائز ہے۔

لیکن بہتر ہے کہ گوشت کے تین حصے کرلے۔ ایک تہائی

[1] اصل فتویٰ میں ردالمحتار کی عربی عبارت تھی مگر یہاں اصل عبارت کا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔

فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں میں خیرات کر دے، اور ایک تہائی اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں میں بانٹ دے۔ اور ایک تہائی اپنے لیے گھر میں رکھ لے۔

○ اور اگر ایک تہائی سے زیادہ خیرات کر دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

○ اور اگر کچا گوشت خشک کر کے رکھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

○ اور اگر گوشت کو آگ پر بھون کر کھائے تو بھی درست ہے۔

قربانی کی کھال:

رکن رکین ص ۲۹۸ میں لکھا ہے کہ قربانی کی کھال، اور اس کی رسی، جھول، نکیل وغیرہ سب خیرات کر دے، یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں کو دے، قیمت میں جو دام ملے ہیں وہی بانٹے۔ قیمت ان چیزوں کی اپنے کام میں خرچ کر دینا اور اس کے بدلے اپنے پاس سے دینا اچھا نہیں ہے۔ اگرچہ اس طرح کرنے سے ادا ہو جائیں گے۔

قربانی کی کھال اپنے کام میں لانا (مثلاً چھلنی، مشک، ڈول، جا نماز، پوستین، جوتا، دسترخوان، موزہ، ٹوپی وغیرہ بنوانا) درست ہے۔ اور اپنے دوست یار اور سید اور غنی کو بھی دے سکتا ہے۔

قربانی کی کھال فقراء پر صدقہ کرنے کی غرض سے فروخت

کرنا درست ہے، بلکہ قربانی کی کھالوں کی قیمت ان کے فروخت کرنے کے بعد شریعت کی رُو سے صدقۂ واجبہ میں داخل ہے۔ اور ان کے مصارف زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ تملیک فقراء اس میں ضروری ہے۔ قیمت کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی مرمت یا تعمیر میں صرف کرنا، سامانِ مسجد و مدرسہ، روشنی مسجد و مدرسہ میں، اور فرش مسجد و مدرسہ میں یا مسجد و مدرسہ کے پنکھے، یا مدرسہ و مسجد کے کنوئیں میں، اور اسی طرح عیدگاہ وغیرہ کی مرمت میں صرف کرنا منع ہے۔ اپنے ملازم کو، بیوی کو، اولاد کو ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ کو نہ دے۔

امام مسجد و مؤذنِ مسجد کو بھی بسبب اُن کی اس خدمت کے نہ دے۔ اگر امام کی امامت اور مؤذن کی اذان و خدمتِ مسجد کی وجہ سے دے گا تو ناجائز کام کیا اور اس کی قربانی میں نقصان رہے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۷ ج ۱)

کھالوں کی قیمت نادار طالب علموں کو وظائف کی صورت میں یا سامانِ تعلیم کی صورت میں دیا جائے وہ تملیک کی صورت میں دیا جائے۔ (کفایت المفتی)

فتاویٰ دار العلوم ص ۱۱۷ ج ۱ میں ہے کہ: قربانی کی کھالیں کسی انجمن یا مدرسہ کے مہتمم کو دینا درست ہے۔ اور اس کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مہتمم ومتولی کو وکیل بناتا ہے فروخت کر کے صدقہ کرنے کے لیے۔ پس جیسے خود بخود فروخت کرنے کے بعد تنخواہِ ملازمین میں نہیں دے سکتا۔ اسی طرح مدرسہ کا مہتمم بھی تنخواہِ ملازمین و مدرسین وغیرہ میں نہیں دے سکتا۔ طلبہ پر صدقہ کر سکتا ہے۔ بس صرف طلبہ ہیں اس قیمت کو لانا چاہیے کیونکہ ظاہر ہے کہ متولی و مہتمم انجمن کو ان چمڑوں کا مالک بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ محض امین و وکیل ہیں مالک کے۔ فروخت کرنے اور مصرف میں صرف کرنے کے۔

اگر کھال کے بدلے میں دبغیر اس کے کہ اس کو فروخت کیا جائے) کتب فقہ و تفسیر و حدیث حاصل کر لی جائیں اور ان کو عوام کی فائدہ رسانی کے لیے مسجد میں رکھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں (کفایت المفتی)

قربانی کی کھال میں لڑکی کا یا امامِ مسجد کا حق لازم سمجھنا غلط ہے۔ حق لازم کسی کا نہیں۔ لیکن تبرعاً لڑکی یا امامِ مسجد کو دے سکتا ہے۔ لیکن تبرعات میں جبر نہیں اور دینے والے پر لازم نہیں کہ وہ ضرور ہی دے اور نہ امام کو حق ہے کہ وہ جبراً لے۔ اگر وہ اپنا حق سمجھ کر یا اجرتِ امامت قرار دے کر زبردستی لینا چاہے تو وہ غلطی اور گنہگار ہے اور اجرت سمجھ کر اسے دینے والا بھی

گنہگار ہے۔

اگر قربانی کرنے والے نے قربانی کی کھال کسی کو دے دی اور اب وہ شخص جس کو کھال دی ہے وہ اسے فروخت کر کے کسی معلم کو تنخواہ دے یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دے تو جائز ہے۔ لیکن اگر قربانی کرنے والا خود فروخت کر دے تو پھر وہ اس روپے کو معلم کی تنخواہ یا مسجد میں خرچ نہیں کر سکتا، بلکہ صدقہ کر دینا واجب ہے۔

قربانی کے زائد از حاجت گوشت، پوست، استخوان اور انتڑیوں وغیرہ کو خاص ادویہ کے ذریعے محفوظ کر کے اسے کاروباری نقطۂ نظر سے عالمِ اسلام میں قیمتہً فروخت کیا جائے اور اس کی آمد کا بیشتر حصہ مجاہدینِ اسلام کے مفاد کے لیے خرچ کیا جائے تو جائز ہے، کیونکہ بیع قربانی کرنے والے کی طرف سے اپنی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ فقراء مسلمین کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہے اور اس میں کوئی نقصان معلوم نہیں ہوتا، مال منتفع بہ کو ضائع ہونے سے بچانا بھی جواز کے لیے ایک مستقل وجہ ہو سکتی ہے۔

قربانی کی کھال کو مختلف صنعتی اور کاروباری صورت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

انتڑیوں کو چھلنیوں اور دیگر سامانِ تفریح مثلاً اسپورٹ کا سامان وغیرہ تیار کرنے کے مصرف میں لانا جائز ہے۔

استخوان اور سینگ کے ذریعے بٹن اور کنگھی، تسبیح، چاقو، و چھری کے دستے اور دیگر اسی قسم کی مصنوعات کے تیار کرنے میں صرف کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہڈی کا بہت بڑا خرچ شکر سازی وغیرہ کے کارخانوں میں ہو سکتا ہے۔ دیگر فضلات ردّیہ کو کھاد کے طور پر کھیتوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قربانی کے چمڑے کا حکم قربانی کے گوشت کا سا ہے، جس طرح قربانی کا گوشت غنی کو دینا جائز ہے اسی طرح قربانی کا چمڑا بھی غنی کو دینا جائز ہے بشرطیکہ اس کو تبرعاً احسان کے طور پر دیا جائے، اس کی کسی خدمت و عمل کے بدلے میں نہ دیا جائے۔ اور جب اس غنی کی ملک کر دیا جائے، تو اس کو فروخت کر کے اپنے تصرف میں لانا بھی دُوسرے املاک کی طرح جائز ہے۔

اگر مسجد کے متولی یا امام کو جو کہ غنی ہیں، چمڑا دے دیا، اور اس کا مالک بنا دیا، اب وہ متولی یا امام مسجد اسے فروخت کر کے اپنی مرضی اور خوشی سے از خود مسجد کی مرمت یا دیکھ بھال کے لیے خرچ کر دے تو جائز ہے۔ لیکن اگر وہ متولی یا امام مسجد اس کو فروخت کر کے مسجد میں صرف نہ کرے تب بھی جائز ہے اور اگر اس کو دینے والے نے مالک نہیں بنایا بلکہ وکیل بنایا ہے تو اس کو کوئی ایسا تصرف کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو مُوکل

یعنی وکیل بنانے والے کے لیے ناجائز ہو۔

اگر کوئی شخص مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کو یہ کہ کر چمڑا دے کر اسے فروخت کر کے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں صرف کر دو تو اس صورت میں چمڑے کو فروخت کر کے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا منع ہے کیونکہ یہ صریح توکیل ہے تملیک نہیں ہے۔ اگر تملیک ہو تو پھر چمڑا دینے والے کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ بعد تملیک مہتمم یا متولی سے اس کے مصرف کے متعلق پوچھے۔

سوال: اس پر کیا دلیل ہے کہ قربانی کے چمڑوں کی قیمت کے مصارف بعینہٖ زکوٰۃ کے مصارف ہیں حالانکہ کتابوں میں صاف ہے کہ فروخت کے بعد تصدق واجب ہے یعنی خود تصرف کرنا جائز نہیں ہے نہ کہ یہ صاحب کہیں ہے کہ یہ صدقہ واجبہ ہے۔

الجواب: صدقہ واجبہ کے تو یہی معنے ہیں کہ تصدق اس کے ساتھ واجب ہے کیونکہ صدقہ تو اعیان سے ہے اور وجوب اس فعل کی صفت ہے تو اعیان کا اس کے ساتھ موصوف ہونا مجازاً ہے۔ حقیقت اس کی فعل ملابس بہ کا وجوب ہے۔ پس جب تصدق کو واجب مان لیا اسی سے اس صدقہ کا واجب ہونا بھی بالمعنی المذکور لازم آگیا اور بجز اس کے تو کوئی معنی ہی نہیں پس صدقہ واجبہ ہونا اس کا ثابت ہو گیا، تو اب اس کے

صدقہ واجبہ کے مصارف میں کیا شبہ رہا۔ یہی دلیل اس پر کافی ہے۔

سوال: کیا صدقہ میں قبض یا تملیک شرط ہے یا فقط صدقۂ واجبہ میں؟ اگر سب میں ہے تو صدقۂ جاریہ میں تو ممکن نہیں اس کا کیا جواب اور کیا دلائل ہیں؟

الجواب: چونکہ عین تو جاری ہیں نہیں، اس کے منافع جاری ہیں، اور وہ محلِ ملک ہیں جیسے اجارہ میں تملیکِ منافع بعوض اور اعارہ میں بلا عوض کی تصریح کی گئی ہے۔ پس تخلفِ ملک کا صدقہ سے کہاں لازم آیا۔ فقہاء کا علی الاطلاق یہ کہنا الصدقۃ کالھبۃ لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع پھر ہبہ کی تعریف میں تملیک العین کہنا صاف دلیل ہے کہ مطلق صدقہ میں تملیک شرط ہے اور اگر واجب ہی کے ساتھ بھی خاص کیا جائے تو اس کا واجب ہونا بھی اوپر ثابت ہو گیا۔

سوال: یہ چمڑے کے فروخت سے جو کراہت آتی ہے وہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اگر تحریمی ہے تو علماء اس کا خلاف کیوں کرتے اور اگر تنزیہی ہو تو اس سے جو روپیہ آئے گا وہ مالِ خبیث ہوگا یا نہ؟ نیز مالِ خبیث سے اگر کوئی مدرسہ بنایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بدلائل مطلوب۔

الجواب: عینی شرح کنز میں ہے ولو باعھا بالدراھم

لیتصدق بھا جاز الخ اس سے معلوم ہوا کہ اس نیت سے بیع کرنے میں کچھ کراہت نہیں هو ای الهبة تمليك العين مجانا وفيه باب المصرف للزكوة وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لهم الخ۔ ان روایات سے چمڑے کے داموں کو صدقہ کرنے کا وجوب، اور صدقہ کرنے میں تملیک کی شرط لگانا اور صدقات واجبہ کا مصرف زکوٰۃ کی طرح ہونا ثابت ہوا اور اس مجموعہ سے وہ احکام مجموعی ثابت ہوئے۔ (تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص ۷ ۹)

چرمہائے قربانی مدرسہ و مسجد میں دینا

عزیز الفتاویٰ ص ۲۷ ج ۶ میں ہے: قیمتِ چرمِ قربانی جو بعد فروخت کرنے چرم کے حاصل ہو اس کا صدقہ کرنا فقراء و مساکین پر واجب ہے اور مصارف اس کے زکوٰۃ کے مثل ہیں، تملیک فقراء اس میں ضروری ہے۔ اور یہ بھی کتبِ فقہ میں مصرح ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کو کہ جس میں قیمتِ چرم قربانی بھی داخل ہے تعمیر مسجد و مرمت مسجد و روشنی و سامانِ مسجد وغیرہ میں صرف نہیں کر سکتے۔ اور یہ حیلہ بھی کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ کسی مسکین کو یا فقیر کو اول اس کا مالک بنایا جائے پھر اس سے کہا جائے کہ تو اپنی طرف سے اس روپیہ کو مسجد وغیرہ

میں یا روشنی وغیرہ میں صرف کر دے۔ مگر دینے کے وقت یہ شرط
نہ کرے بلکہ دینے کے بعد اس سے یہ کہہ دے۔ بہر حال اس حیلہ
سے روشنی وغیرہ اور خرید لالٹین وغیرہ میں اس کو صرف کر سکتے ہیں۔
اگر قربانی کے چمڑے جمع کر کے ایک شخص کو بطور بخشش ہبہ
کر دیں، پھر وہ شخص ان چمڑوں کو فروخت کر کے اس کی قیمت
سے محلہ میں راہ داری کے لیے فانوس کر دے تو یہ جائز ہے (ص ۹۳)
امداد الفتاوی کے تتمہ ثانیہ ص ۲۰۱ - ۲۰۲ میں ہے:
سوال: یہاں چرم قربانی قصاب کو دیتے ہیں اور ان سے
بعوض چرم قربانی کے محرم (کے مہینے) میں گوشت لے کر خود کھاتے ہیں
اور کھلاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟
جواب: جن شہروں میں چرم وزن سے فروخت ہوتا ہے
وہاں تو یہ بیع ہی درست نہیں کیونکہ مبادلہ موزون کا موزون سے
نسیئۃ (بطور اُدھار کے) ربوا یعنی سود ہے۔ اور جن شہروں میں
عدداً فروخت ہوتا ہے وہاں یہ بیع تو درست ہے جب گوشت
کی مقدار اور صفت پورے طور سے بیان کر دی جائے (اور وقت
و مقام تسلیم بھی معین کر دیا جائے (کیونکہ یہ بیع سلم بن جائے گی)۔
لیکن اس کے عوض میں جو گوشت آوے گا اس سب کا خیرات
کرنا مساکین پر واجب ہے۔ اگر خود کھاوے گا یا غنی کو کھلائیگا

اتنی مقدار کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ فی الدر المختار لا بمستھلک کخل ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستھلک او بدراھم تصدق بثمنہ اھ قلتُ ولا تغلط مما فی رد المحتار عن القنیۃ اشتری بلحمھا ماکولا فاکلہ لم یجب علیہ التصدق بقیمتہ استحسانا اھ ص ۳۲۱ ج ۵۔ لانہ مخصوص باللحم دون الجلد والفرق ان اللحم ماکول دون الجلد فاقیم ماکول مقام الماکول دون غیر الماکول۔

مسئلہ: قربانی کی اون ذبح سے پہلے نہ اپنے کام میں لائے اور نہ فروخت کرے۔ اور اگر اُون کاٹ کر فروخت کردی تو اس کے دام صدقہ کردے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۱۰ ج ۴)

ذبح کرنے کے بعد قربانی کے جانور کے تھنوں میں دُودھ ہے یا اس کے بدن پر اون ہے تو اس دُودھ اور اُون کو اپنے کام میں لا سکتا ہے اگر بیچے گا تو اس کے دام صدقہ کرنے ہوں گے۔

میت کی طرف سے قربانی

میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے جبکہ بعض علما کرام نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک تلمیذ رشید حضرت امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "مجھے یہ پسند ہے کہ میت کی طرف سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لیے تو دی جائے مگر قربانی نہ کی جائے۔ اگر میت کی طرف سے قربانی کرے تو سب کچھ اللہ واسطے دے دیا جائے اور اس میں سے خود کچھ نہ کھایا جائے۔"

لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیثِ نبوی ہے جو حضرت حنش رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ رشید سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے امیر المؤمنین حضرت امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو دُنبے قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ! یہ کیا بات ہے؟" یعنی آپ رضی اللہ عنہ کو تو ایک ہی دُنبہ قربانی کے لیے کافی تھا، یہ دو دُنبے کس مقصد کے لیے کیے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی میری وفات کے بعد میری طرف

سے بھی قربانی کیا کرنا۔ اسی لیے میں نے ایک دُنبہ اپنی طرف سے اور دُوسرا دُنبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد ص ۲۹ ج ۲ اور مُلا علی قاری کی کتاب مرقاۃ شرح ص ۳۰۹ ج ۳ میں موجود ہے۔ اور حضرت حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ مگر حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک راوی شریک کی وجہ سے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

اور اس حدیث کی تائید میں بہت سے ایسے دلائل حدیثیہ موجود ہیں جو ہر قسم کی عبادت مالی اور جانی کا ثواب میت کو پہنچنے کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے معجم طبرانی ص ۳۲۸ ج ۶ میں بیٹے کی دُعاء اور تعلیم علم کا ثواب میت کو پہنچنے کا ذکر ہے اور ص ۲۵۸ ج ۱ میں حج کا ثواب میت کو پہنچنے کی حدیث ہے۔

نیز حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اُمت کی طرف سے اور اپنی طرف سے بڑے بڑے سینگوں والے دو مینڈھے جو خصی بھی تھے ذبح فرمائے جیسا کہ مشکوۃ ص ۱۲۸ میں روایت ہے عن جابر رضی اللہ عنہ قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوءین فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی

فطر السمٰوٰت والارض علی ملة ابراھیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین لاشریك لہ وبذٰلك امرت وانا من المسلمین اللھم منك ولك عن محمد وامتہ بسم اللہ واللہ اکبر اس کے بعد ذبح کیا، اور فرمایا اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی۔ یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے روز بڑے بڑے سینگوں والے سیاہ وسفید دو خصّی مینڈھے ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا، پھر جب ان کو قبلہ رُخ کر کے لٹایا تو فرمایا کہ میں نے اپنا مُنہ اُسی کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے، اسی ایک ہی کا ہو کر، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور قربانی وغیرہ سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو رب ہے سب جہانوں کا، جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی توحید کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور اسی کے حکموں کا فرمانبردار ہوں۔ اے اللہ میری طرف سے یہ قربانی کا عطیہ صرف تیری ہی طرف سے ہے، اور تیری ہی رضا کے لیے قربان کر رہا ہوں۔ یہ محمدؐ کی طرف سے بھی

ہے اور اس کی اُمت کی طرف سے بھی ہے۔

الحاصل میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، مگر کسی زندہ شخص کی طرف سے بغیر اس کی اجازت کے ہرگز قربانی نہیں ہوسکتی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ میّت کی طرف سے ایصالِ ثواب پہنچانے کے لیے اگر قربانی کی تو اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے بشرطیکہ میت کے مال میں سے اس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے قربانی نہ کی ہو، ورنہ سارا گوشت صدقہ کرنا ہوگا۔

مُرغ اور انڈے کی قربانی؟

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مُرغ اور مُرغی کے انڈے کی قربانی ہوسکتی ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جُمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جو سب سے پہلے پہنچے گا وہ ایسا ہے جیسے اُونٹ کی قربانی کرے، پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے گائے قربانی کرے اور پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے مینڈھا قربانی کرے پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے مُرغی کی قربانی کرے اور پھر اس کے بعد آنے والا ایسا ہے جیسے کوئی انڈے کی قربانی کرے اور بعض روایتوں میں چڑیا کا بھی ذکر آتا ہے۔

تو کیا اس حدیث کی رُو سے مُرغ اور مُرغی کے انڈے اور چڑیا کی قربانی کا جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت شیخ محی الدین ابو زکریا ابن شرف نووی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت قَرَّبَ کے معنے تَصَدَّقَ کیے ہیں۔ دیکھو ص ۲۸۰ ج ا نووی فمعنی قَرَّبَ تَصَدَّقَ یعنی صدقہ کر دیا، قربانی کرنے کے معنی مُراد نہیں لیے۔

اسی طرح دُوسرے مسالک والوں نے یہی معنے کیے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان علماء کے نزدیک مُرغ، انڈا اور چڑیا وغیرہ کی قربانی کا کوئی جواز نہیں، ورنہ قرب کے معنی تصدق نہ کرتے اگر ان کے نزدیک مُرغ کی قربانی جائز ہوتی تو تصریح فرماتے۔

علامہ فتنی رحمہ اللہ نے مجمع البحار میں لکھا ہے کہ مرغی اور اس کے انڈے کا ذکر جو حدیث میں کیا گیا ہے یہ دونوں ہدی میں سے نہیں ہیں، کیونکہ ہدی اُونٹ ہوتا ہے اور گائے اور بھیڑ اور بکری کے ہدی ہونے میں اختلاف ہے۔ هما ليسا من الهدى وانما هو من الابل والبقر وفي الغنم خلاف تو اس کا جواب دیا کہ یہ عبارت ایسے ہے جیسے عرب کہتے ہیں اکلت طعاما وشرابا یعنی میں نے روٹی پانی کھا لیا۔ اور جیسے

عرب کہتے ہیں اتیت متقلدا سیفاً و رمحاً یعنی میں تلوار
اور نیزہ کا قلادہ ڈال کر آیا۔ چونکہ کھانا کھایا جاتا ہے اور پانی
پیا جاتا ہے کھایا نہیں جاتا، مگر اہل عرب اپنے محاورہ میں عطف
کی صورت میں اکل کا اطلاق طعام اور شراب دونوں پر کردیتے
ہیں۔ اسی طرح نیزہ کا قلادہ نہیں ڈالا جاتا، مگر محاورہ میں عطف
کی صورت میں تقلد کا اطلاق تلوار اور نیزہ دونوں پر کردیتے
ہیں۔ اسی طرح عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّ مَاءً بَارِدًا یعنی میں نے اس کو
بھس اور ٹھنڈے پانی کا چارہ دیا جب کہ پانی پیا جاتا ہے،
چارہ نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وله ماسکن فی اللیل والنهار یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے
ملک میں ہیں تمام وہ چیزیں جو رات دن میں سکون لیتی ہیں۔
حالانکہ سکون تو رات میں ہوتا ہے اور دن میں تلاش رزق کے لیے
ادھر ادھر پھرتے ہیں۔

اور احناف میں سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے
بھی ایسا ہی جواب دیا اور تقدیر عبارت کی یوں بتائی ای یهدی
کبشا ویصدق دجاجة ثم الذی یصدق بیضة۔
نیز یہ کہ مرغ کی قربانی مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ جیسا کہ عالمگیری
ص ۱۰۵ ج ۴ میں ہے۔

قربانی پر اعتراض

بعض جُہلاء قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قربانیاں تو بے فائدہ جانوں کا مارنا ہے، اس سے کیا ثواب ہو سکتا ہے؟ سو اس کا الزامی جواب اس آیتِ قرآن میں ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ یعنی ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک طریقہ قربانی کا مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان چوپاؤں پر جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دیے ہیں (ذبح کرتے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں۔

مرزا حیرت علیہ الرحمۃ نے مترجم قرآن پاک کے حاشیہ ص ۴۴۱ میں لکھا ہے کہ یعنی یہ کچھ اسلام کی تخصیص نہیں، چنانچہ اب تک کتب سابقہ میں قربانی کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ ہنود کے ہاں بھی قربانی کا دستور تھا جیسا کہ ان کی اگلی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور ایک رسالہ خاص اس باب میں شائع ہو چکا۔

لیکن مُشرکین نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لیے جنھیں وہ خُدا تعالیٰ کی طرف سے نائب اور مُختار و متصرف سمجھتے تھے، اُن کے نام پر قربانیاں، نذریں اور منتیں ماننی شروع کر دی تھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیجیے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کہ حقیقت یہ ہے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت یہ سب کچھ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو سارے جہان کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، اور میں سب سے پہلا حکم بردار ہوں۔

اس آیت میں قربانی کے لیے لفظ نُسُك کا استعمال کیا گیا ہے۔ احکام القرآن جصاص کے ص ۳۴ ج ۳ میں بھی نسک سے مُراد قربانی ہی لی گئی ہے۔

نیز سورت الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ یعنی اپنے رب کے لیے ہی نماز پڑھ اور صرف اسی کے لیے ہی قربانی کر۔

اس کی تفسیر میں حضرت امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے احکام القرآن ص ۱۹۷۴ ج ۴ میں تحریر فرمایا ہے: فاعبد لربك ولا تعبد لغيره وانحر له ولا تنحر لسواه من الاصنام و الاوثان و الانصاب حسبما كان عليه العرب و قريش فى جاهليتها یعنی صرف اپنے رب

کی عبادت کر اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کر اور اسی کے لیے قربانی دے اور اس کے سوا کسی اور کی قربانی نہ دے، نہ بتوں کی نہ مورتیوں کی اور نہ تھانوں میں؛ جیسا کہ عرب کے مشرک اور زمانۂ جاہلیت میں قریش کیا کرتے تھے۔

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلویؒ کے مترجم قرآن پاک مطبوعہ دہلی کے آخر میں مولانا بشیر الدین احمد خلف مترجمؒ نے الفاظ و محاورات کی فرہنگ کا اضافہ کیا ہے۔ اس فرہنگ کے ص ۱۲ پر لفظ تھان کے تحت لکھتے ہیں: **تھان** اصل معنے گھوڑے کی بندھنے کی جگہ کے ہیں، ٹھکانا، مقر، کسی دیوتا کی سمادیا استھان وہ مقام جس کو لوگ متبرک سمجھ کر خدا کے سوا دوسروں کی نذر و نیاز چڑھاتے ہیں، مزار، درگاہ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب اور کفار اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کے نام کی نذر و نیاز اور قربانی کیا کرتے تھے، اسی لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے سے پہلے یہ عبارت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور خود بھی یہی عبارت پڑھا کرتے تھے۔

فقہاء کرامؒ نے بھی قربانی کو اسلام میں بہت بڑا اہم حکم بتایا ہے اور اس کے قائم مقام صدقہ وغیرہ میں سے کوئی چیز

نہیں ہو سکتی۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۶۶ ج ۵ میں علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: لایقوم غیرھا مقامھا حتیٰ لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتھا فی الوقت لایجزئہ من الاضحیۃ لان الوجوب تعلق بالاراقۃ یعنی قربانی کے سوا کوئی چیز قربانی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر اس نے خود بکری یا اس بکری کی قیمت قربانی کے دنوں میں صدقہ کردی تو یہ قربانی کی طرف سے کفایت نہیں کرے گی، کیونکہ قربانی کا وجوب جانور کا خون بہانے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح شامی ص ۲۲۰ ج ۵ اور عالمگیریہ ص ۳۳۶ ج ۵ میں بھی فتاویٰ درج ہیں بخوف طوالت یہاں ان کتابوں کی عبارت تحریر نہیں کی جارہی ہے۔

نیز ایثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا قربانی کی اصل رُوح ہے اور یہ جذبہ جانور کا خون بہانے سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جس جانور کو اپنے گھر رکھا ہو اور سال بھر بڑے پیار سے اس کو پالا ہو، اور بیماری میں اس کا علاج کیا ہو اور کھلانے کے لیے عُمدہ چارہ پینے کے لیے صاف اور تازہ پانی، اور اس کے آرام و رہائش کے لیے موسم کے مُطابق جگہ مہیا کی ہو، اس کی جسمانی صحت

وصفائی کا خاص سے خیال رکھا ہو، اپنے بچوں سے زیادہ اس کا دھیان رکھا ہو، پھر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے زمین پر لٹا کر اس پیارے جانور کی گردن پر چھری رکھ کر اپنے ہی ہاتھ سے بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھتا ہوا ذبح کر رہا ہو۔ بھلا ایسا جذبۂ صادق محض صدقہ دینے میں پیدا ہو سکتا ہے۔ نیز بے جان چیز کا تو بدل بھی ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ اگر وہ ضائع یا گم یا چوری ہو جائے تو اسی طرح کی دوسری چیز حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن جاندار چیز کی کوئی دوسری، جاندار یا بے جان چیز بدل نہیں ہو سکتا، ہاں البتہ اس کا معاوضہ ضرور ہو سکتا ہے، جیسا کہ خدانخواستہ کوئی شخص جس پر قربانی واجب ہو اور کسی وجہ سے قربانی کے ایام میں جانور ذبح نہ کر سکے تو صدقہ دینا واجب ہوگا۔

قربانی کو عبث سمجھنے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ جتنا روپیہ قربانیوں پر ضائع کیا جاتا ہے وہی روپیہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر صرف کرنا چاہیے۔ کیا وہ لوگ دوسرے فضول کاموں میں روپیہ ضائع کرنے والوں کو نہیں سمجھا سکتے؟

سگریٹ نوشی کے بارے میں اس وقت کے صحیح اعداد و شمار کا تو علم نہیں البتہ چند سال پہلے کی ایک

سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان میں روزانہ پانچ کروڑ روپیہ کی سگریٹیں پھونک دی جاتی ہیں۔ یعنی اوسطاً ایک کھرب اسی ارب پچیس کروڑ (۱۸۰۲۵۰۰۰۰۰۰۰) روپے سالانہ دھوئیں میں اُڑا دیے جاتے ہیں۔

سگریٹ نوشی اور دولت کی بربادی ملک خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت کی خصوصی اجازت سے ہو رہی ہے اور اس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس وقت آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس فعلِ قبیح میں بھی کم از کم ڈیڑھ گنا اضافہ ہو چکا ہو۔ نیز اس کام کے لیے جس قدر محنت ہوتی ہے یا اِشتہار بازی کی جاتی ہے، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات و جرائد کے ذریعے اس کی تشہیر جس پیمانے پر ہوتی ہے ہر باشعور شہری اس سے باخبر ہے۔

کیا یہ کھربوں روپے رفاہِ عامہ اور تعلیمی مصارف کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے۔ پھر اسی سگریٹ سے متعلق دوسری کئی نشہ آور اشیا مثلاً چرس اور ہیروئن وغیرہ کے استعمال سے کیا دولت اپنے صحیح مصرف میں خرچ ہوتی ہے؟

پھر افیون ہے اور اس کی کئی دیگر مصنوعات و اقسام ہیں، اسی طرح بھنگ، شراب، حقہ نوشی، نشہ آور ٹیکے اور دیگر گولیاں

اور کیپسول اور سیرپ وغیرہ۔ پھر جُوا، چُٹکلے، کُتوں کی ریس، راگ رنگ، ناچ گانا، سینما، ہاکی، کرکٹ وغیرہ۔ نیز چڑیا گھروں کے اندر جانوروں کو قید کرنے کے لیے اربوں روپے کے اخراجات کرنا پھران جانوروں کی خوراک، صفائی، علاج مُعالجہ اور ملازمین کی تنخواہیں، نیز اخلاق سوز لائبریریوں میں گندے ناول، افسانے وغیرہ بلکہ حالیہ چند برسوں میں تو حد ہی ہو گئی ہے کہ ٹیپ ریکارڈر، گانوں کی کیسٹیں، وڈیو کیسٹیں، وی سی آر، وڈیو گیمز وغیرہ نیز شادی بیاہ، منگنی، ختنہ، اور دیگر تقاریب میں فضول خرچی ڈھولک اور ڈھول، بینڈ باجے، فحش گانوں کی ریکارڈنگ، ہوٹلوں، ریستورانوں، دفتروں، دکانوں، ہوائی جہازوں، بسوں، ٹرکوں، ویگنوں، کاروں، ٹیکسیوں، رکشاؤں، تانگوں حتیٰ کہ گدھا گاڑیوں (یعنی کھوتا ریڑھیوں) بلکہ فروٹ چاٹ، نیز دہی بھلوں اور گول گپّوں کی ریڑھیوں پر بھی ریکارڈنگ ہوتی ہے، اور آج کل تو پاپ میوزک اور ڈسکو نے مسلمانوں کی نئی نسل کو اخلاقی لحاظ سے یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں، سکھوں اور بے دین دہریوں کے برابر لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے کام ہیں جن میں قومی عزت و دولت کا مسلسل ضیاع ہو رہا ہے۔ مثلاً گھڑ دوڑ، نیزہ بازی، دنگل،

شترنج، ریچھ کتّے کی لڑائی، تیتر، بٹیر اور مرغوں کی لڑائی، اور موت کے کنوئیں، تھیٹر، سرکس ودیگر فضولیات میں وقت اور روپیہ ضائع وبرباد ہو رہا ہے۔ پھر تہواروں کے مواقع پر اور دیگر تقاریب اور جلسوں میں حاجت سے زیادہ روشنی وچراغاں کرنا بجلی کا ناجائز اور زائد از ضرورت استعمال۔ نیز اپنے بزرگوں کی قبروں کو پختہ کرنا، ان پر چراغ جلانا، قبروں پر عالی شان اور بلند ترین گنبد بنانا، قبروں کے اردگرد بڑے بڑے اور خوبصورت باغیچے بنانا، پھر ان کی حفاظت کے لیے ملازمین رکھنا اور انھیں تنخواہیں دینا، پھر زائد المیعاد ہونے پر ان کی مرمت پر روپیہ پیسہ برباد کرنا، نیز سونے اور چاندی کے دروازے بنا کر مزارات میں نصب کرنا۔ قبروں پر پھولوں کی چادریں اور ہار چڑھانا، غیر اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کرنا وہاں پر نذر و نیاز دینا، اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو غیر آباد اور مزاراتِ اولیاء اللہ کو آباد کرنا، خلافِ شرع قوالیاں گانا، اور حال کھیلنا پھر قوالوں اور حال کھیلنے والوں کو رقوم دینا، حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، امام علیؓ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی نیاز دینا، نذر اللہ اور نیاز حسینؓ، پنج تن پاک، پیر دستگیر کے نام پر مانگنے والوں کو دینا، پھر دوسری طرف کھیل تماشوں میں پیسے برباد کرنا، کرکٹ

وغیرہ کے لیے لاکھوں روپوں سے انتظامات کرنا، پھر ان کھیلوں کو براہِ راست ٹی وی پر دکھانا، فخریہ طور پہ اُونچے اُونچے مکان بنانا، اور طرح طرح کے ڈیزائن بنوانا، نیز سُرخی پاؤڈر ناخن پالش وغیرہ پر فضول پیسے اُڑانا، فیشنی بال کٹوانا، لڑکیوں اور عورتوں کا بال کٹوانا، مردوں کا ڈاڑھی منڈوانا یا کترانا، سونے کے دانت بنوانا، مردوں کا سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہننا، سچے تلّے کی جُوتی پہننا، حد سے زیادہ مہر مقرر کرنا اور پھر ادا نہ کرنا، قومی لباس کو چھوڑ کر مہنگا غیر قوموں کا لباس پہننا، یورپ سے "اعلیٰ نسل" کے کُتّے لانا اور انھیں خالص گھی، مکھن، دُودھ وغیرہ پلانا جبکہ اشرف المخلوقات کے لیے خالص اشیاء نایاب ہیں، پھر ان کی خدمت اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر کرتے ہیں۔

اسی طرح اور بے شمار فضول خرچیوں کی مثالیں مزید پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگر یہ تمام فضول خرچیاں بند کر دی جائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارا ملک خوشحال ہو جائیگا۔ کیا یہ سارا نزلہ اسلامی احکام پر ہی گرنا چاہیے۔

○

إزالۃ الخفاء

عن

صلوٰۃ الجنازۃ بالاخفاء

یعنی

نمازِ جنازہ پست آواز سے پڑھی جائے

مؤلفہ

شیخ المحدثین والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد ایک استفسار ملا جس میں تھا کہ بعض لوگ نماز جنازہ میں ثنا، درود اور دعائیں بلند آواز سے پڑھتے ہیں دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا تبھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ سے سن سن کر وہ دعائیں یاد کر لیتے تھے

سو اس کا جواب لکھ کر مستفتی کو بھیج دیا گیا۔ خیال آیا کہ وہ جواب طبع کرا کر شائع کر دیا جائے تاکہ دوسروں تک حق بات پہنچ جائے

سو اصل مسئلہ قرآن وحدیث کی رُو سے یہ ہے کہ سوا ان مقامات کے جہاں نبی کریمؐ نے جہر کا حکم فرمایا اور وہاں شرعاً جہر مطلوب ہے، ہر ذکر اور دعا پست آواز (مخافتۃً) سے پڑھنا سنت ہے۔ مثلاً اذان، اقامت، تکبیراتِ انتقال اور تسمیع امام کے لیے، سلام کہنا امام کا، خطبہ دینا خطیب کا، تلبیہ کہنا حاجیوں کا، وعظ ونصیحت اور تعلیم کے لیے بلند کرنا آواز کا شرعاً مطلوب ہے۔ ان کے ماسوا اذکار وادعیہ میں اخفا ہی اصل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اے لوگو! اپنے پروردگار سے گڑگڑا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے رہو۔

نیز فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ اپنے جی ہی جی میں گڑگڑا گڑگڑا کر اور ڈر ڈر کر، اور بہت زور کی آواز سے نہیں بلکہ دھیمی آواز سے صبح وشام اپنے پروردگار کی یاد کرتے رہو اور اس کی یاد

اور کسی نماز جنازہ میں دعائیں بلند آواز سے پڑھنا ثابت نہیں

سے غافل نہ رہو

اور حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سراہا نادیٰ رَبَّہٗ نِدَاءً خَفِیًّا انہوں نے اپنے رب کو دبی آواز سے پکارا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے خیر الذکر الخفی بہتر ذکر مخفی ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ نمازی نماز میں اپنے رب سے باتیں کرتا ہے تو نمازی کو یہ علم ہونا چاہیے کہ اس کی بات کس ہستی کے ساتھ ہے۔ اسے ایک دوسرے سے آواز بلند نہ کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن انیس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے سعید بن مسیبؒ کے قریب نماز پڑھی پھر آخری رکعت کے بعد میں با آواز بلند دعا کی تو سعیدؒ نے مجھے ڈانٹ دیا جاتے وقت میں نے ڈانٹنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ تو نے کیا سمجھا ہے کہ اللہ ہم سے قریب نہیں (مصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۸ جلد ۲)

بنو تمیم کے کسی دیہاتی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے کہا اللھم ارزقنی مالاً وولدا (اے اللہ مجھے مال اور اولاد دے) تب یہ آیت اتری وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی چلا کر دعا مت کرو۔ (مصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۴۱)

حضرت عائشہ صدیقہ، ابراہیم، عطاء، ابن عیاض، ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے اتری ہے (مصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۴۱)

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حالت میں پایا کہ جب ذکر میں اور قرآن کریم پڑھتے وقت اور ڈراتی

کے وقت پست آواز کو پسند کرتے تھے اور ہمارا اپنا مسلک بھی یہی ہے (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۵۳)

حسن بصریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صحابہ کرامؓ دعاء کرنے میں خوب محنت کرتے تھے اور سوائے بھس بھس کے کچھ سنائی نہ دیتا (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۸)

اسی لیے محدث نوویؒ نے فرمایا یُسِرُّ بِالدُّعَاءِ بِلَاخِلَافٍ اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ دعاء دھیمی آواز سے مانگی جائے (نووی شرح صحیح مسلم ۱/۳۱ و ۲۱۲ و ۲۱۲)

توضیح کے محشی فنریؒ نے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے الاصل فی الدعاء الاخفاء دعاء مانگنے کا اصول یہ ہی کہ خفیہ طور پر ہو

مرقاۃ ۲/۳۵۷ میں ملا علی قاریؒ نے لکھا وَیُسَنُّ الْاَسْرَارُ فِی سَائِرِ الْاَذْکَارِ اَیْضًا اِلَّا فِی التَّلْبِیَۃِ وَالْقُنُوْتِ لِلْاِمَامِ وَتَکْبِیْرِ لَیْلَتَیِ الْعِیْدِ۔ تلبیہ میں اور امام کو قنوت نازلہ پڑھنے اور تکبیراتِ عیدین (و تکبیراتِ انتقال واذان واقامت وجہری قراءۃ جہری نمازوں کے سوا تمام اذکار کو پست آواز سے پڑھنا ہی مسنون ہے

ہدایہ صفحہ ۱۲۵ میں ہے کہ دعا قنوت میں اخفاء ہی مختار ہے کیونکہ یہ دعاء ہے

ہدایہ صفحہ ۵۵ میں ہے بناہ علی الاخفاء دعاء کی بنیاد ہی اخفاء پر ہے۔

سباحۃ الفکر صفحہ ۹ میں مولوی عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ہے تعوذ دعا ہے اس میں سب علماء متفق ہیں کہ اس کا اخفاء مستحب ہے

تفسیر رازی صفحہ ... میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ خفیہ دعاء کا مرتبہ ستر بار علانیہ دعا کرنے کے برابر ہے۔

کبیری ص۳۰۲ میں امام حلبی نے لکھا ہے کہ اصل یہ ہے کہ دعا خفیہ مانگی جائے۔ ابن نجیم رح نے بھی بحر الرائق ص۳۴۳/۱ میں لکھا ہے کہ تمام اذکار کی اصل یہی ہے کہ خفیہ کیے جائیں

فتح القدیر ص۴۳۲/۱ اصل تمام اذکار میں اخفاء ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔

فتاوی بزازیہ ج۵ ص۳۷۴ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رح نے فرمایا ہے کہ ذکر میں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور ص۳۳۱ میں کہا بلند آواز سے دعاء مانگنا بدعت ہے۔ نیز کہا مجلسِ وعظ میں جماعت کے ساتھ بلند آواز سے دعاء کرنا بدعت ہے۔

مکتوبات ص۳۳۴/۱ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے لکھا ذکرِ جہر بدعت است۔ ص۲۴۶/۱ میں لکھا منع از جہر می کنند کہ بدعت است۔ اور ص۱۷/۱ و ص۴۲/۱ میں لکھا اکابر این طریقہ علیہ (نقشبندیہ) از ذکرِ جہر اجتناب فرمودہ اند۔

فتاوی قاضی خان ص۹۱/۱ میں ہے ذکر بآواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

سباحۃ الفکر ص۱۵ میں مولوی عبد الحی رح نے لکھا ہے کہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ نماز کے بعد جہر سے اللہ اکبر کہنا سوائے یوم عرفہ ونحر وباقی ایام تشریق کے مکروہ اور بدعت ہے۔

بدائع صنائع ص۲۰۲ و ص۲۸ و ص۲۷ میں کاسانی رح نے لکھا ہے والجہر بالاذکار بدعۃ

ہدایہ ص۲۰۱ میں ہے عبادت کے لائق یہی ہے کہ خفیہ کی جائے

مواہب الرحمن ص۱۴۲/۲ میں ابن جریر کے حوالہ سے لکھا کہ آواز دعا میں

بلند کرنا اور چیخ و پکار کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

یہ مسئلہ اپنے مقام پر ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہ نسائی کے حاشیہ ج ۱ ص ۲۸۱ میں شیخ الاسلام علامہ عینی رحمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن بطال محدث نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں قرآن پاک نہ پڑھنے والے اور منکر صحابہ کرام رضو میں سے عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب و عبداللہ بن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم تھے اور تابعین میں سے طاؤس عطاء سعید بن المسیب ابن سیرین سعید بن جبیر شعبی اور حکم تھے۔ اور مالکیہ کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۴ میں لکھا ہے کہ عبیدۃ بن فضالہ جابر بن عبداللہ واثلہ بن الاسقع (صحابہ میں سے) اور قاسم بن محمد و سالم بن عبداللہ و ربیعہ و یحییٰ بن سعید (تابعین میں سے) نماز جنازہ میں قراءۃ نہ کرتے تھے نیز ابن منذر نے کہا کہ مجاہد و حماد و ثوری کا بھی مسلک ہے اور امام مالک نے فرمایا کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کوئی معمول نہیں ہے

اور بعض صحابہ کرام رضو و تابعین رح نماز جنازہ میں سورۃ پڑھنے کے قائل ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رض و ابو امامۃ بن سہل بن حنیف جو کبار علماء صحابہ میں سے اصحاب بدر کے ابناء میں سے تھے ۔ حبیب بن مسلمہ ۔ شافعی ، احمد بن محمد بن حنبل ، اسحاق بن راہویہ

مگر جو قراءۃ فاتحہ کے قائل ہیں وہ بھی جہراً پڑھنے کے ہرگز قائل نہیں چنانچہ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۸۱ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد مخافتۃً (چپکے چپکے) ام القرآن (سورۃ فاتحہ) کا پڑھنا سنت ہے اس کے بعد تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے بعد

سلام پھیرے

بدایۃ المجتہد ص ۲۳۶ میں علامہ ابن رشدؒ نے ابن شہاب زہریؒ کا قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابو امامہؓ کی یہ بات محمد بن سوید فہری کے آگے ذکر کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے ضحاک بن قیس سے سنا کہ وہ حبیب بن مسلمہ سے بھی نماز جنازہ کے متعلق اسی طرح بیان کیا جس طرح ابو امامہؓ نے آپ کو بیان کیا۔

اسی واسطے امام نووی محدث شارح صحیح مسلم ص ۳۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ وقد اتفق اصحابنا علی انہ ان صلی علیہا بالنہار اسر بالقراءۃ وان صلی باللیل ففیہ وجہان الصحیح الذی علیہ الجمہور یسر۔ والثانی یجہر۔ واما الدعاء فیسر بہ بلا خلاف۔ یعنی ہمارے تمام اصحاب (امام شافعیؒ کے مسلک پر چلنے والے) اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ جو دن میں پڑھا جائے اس میں تو پست آواز سے قراءۃ کی جائے۔ اور اگر رات میں نماز جنازہ ادا کی جائے تو اس میں دو خیال ہیں۔ جو صحیح خیال ہے جس پر جمہور علما ہیں وہ یہ ہے رات کی نماز جنازہ میں بھی پست آواز سے قراءۃ کی جائے۔ اور دوسرا خیال یہ ہے کہ جہر (اونچی آواز) سے قراءۃ کی جائے۔ یہ تو ہوئی قراءۃ کی بات۔ لیکن جنازہ کی نماز میں جو دعا مانگی جائے وہ تو پست آواز کر ہی مانگی جائے اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے۔

[illegible] مستفاد شرح روض الطالب ص ۳۱۹ ج ۱ میں امام زین الملۃ والدین ابو یحییٰ زکریا الانصاری الشافعیؒ نے نماز جنازہ میں جو امور فرض ہیں ذکر کیے پھر مسنون امور ذکر کیے ان میں سے ایک سنت چیز یہ ذکر کی کہ فاتحہ کی قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ سنت ہے جیسے فاتحہ کے بعد آمین

کہ سنت ہے پھر لکھا کہ سنتوں میں سے ایک سنت یہ بھی ہے کہ اگرچہ نماز جنازہ رات کو ادا کی جا رہی ہو سورۂ فاتحہ پست آواز سے پڑھے کیونکہ حضرت ابو امامہ رض کی حدیث موجود ہے۔ آگے چل کر شارح نے فرمایا کہ سرًّا پڑھنے کے بارے جو مصنف رح نے کلام کیا ہے اس میں تعوذ، قراءۃ، درود اور دعائیں سب ہی شامل ہیں۔ آگے فرمایا کہ تکبیرات اور سلام جہراً کہنے میں سب علماء کرام کا اتفاق ہے۔

بدایۃ المجتہد صـ۲۳۱ میں علامہ ابن رشد رح نے لکھا ہے ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سرًّا فی نفسہ پھر دل میں سرًّا سورۂ فاتحہ پڑھے

ابن قدامہ حنبلی رح نے الکافی صـ۲۶۱ میں لکھا کہ نماز جنازہ میں سات سنتیں ہیں۔۔۔۔ تیسری سنت یہ ہے کہ قراءۃ سرًّا کرے کیونکہ رسول اللہ صلعم بھی سرًّا ہی قراءۃ کرتے تھے

الروض المربع شرح زاد المستقنع صـ۳۴۲ میں امام منصور بن یونس البہوتی حنبلی رح نے لکھا۔ نماز جنازہ میں تعوذ اور بسم اللہ کے بعد سورۂ فاتحہ پست آواز سے پڑھے اگرچہ رات کا وقت ہو

نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج صـ۴۷۵ میں امام شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ بن شہاب الدین الرملی المتوفی المصری الانصاری الشہیر بالشافعی الصغیر نے لکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور دعا کا پست آواز سے یعنی سرًّا پڑھنا سب کے نزدیک مندوب ہے سب کا اس پر اتفاق ہے۔ اور تکبیر وسلام بلند آواز سے کہنے پر سب نے اجماع اور اتفاق کیا ہے

بنایہ صـ۱۰۲ میں علامہ عینی رح نے لکھا ہے کہ تجنیس میں لکھا ہے کہ

نماز جنازہ میں حمد و ثنا، درود اور دعاؤں میں سے کوئی بھی جہراً نہ پڑھے کیونکہ یہ تمام کام ذکر ہیں اور ذکر میں اخفاء ہی اولیٰ ہے

ایک شبہ کا جواب

اب رہی وہ حدیث جس سے بادی النظر میں (بظاہر) یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باآواز بلند دعا مانگی تھی جیسے صحیح مسلم ص۳۱۱ میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر دعاء مانگی جسے میں نے یاد کر لیا اور اس دعا سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں یہ آرزو کرتا رہ گیا کہ کاش یہ میت میں ہوتا

اس حدیث کے تحت محدث نووی نے بھی کہہ دیا کہ فیہ اشارۃ الی الجہر بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ واقعی اس حدیث میں نماز جنازہ میں جہراً دعاء مانگنے کی طرف اشارہ ملتا ہے

اور آج کے مدعیانِ حدیث اس حدیث کو استدلال میں پیش کرتے ہیں سو اس کا جواب دینے سے پہلے میں ایک سوال آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آج کے مدعیانِ حدیث ہم مقلدین ابی حنیفہؒ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حنفی لوگ گمراہ ضال اور مضل ہیں کیونکہ یہ حنفی لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو نہیں مانتے بلکہ فرمانِ نبوی کے خلاف اپنے امام کی مانتے ہیں مگر یہ بڑے بڑے اساطین علم حدیث امام نووی وغیرہ محدثین کے بارے آپ کا کیا فتویٰ ہے جو صریح صحیح حدیث اظہر من الشمس کے ہوتے ہوئے بھی اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں

الا الدعاء فیسترّ بہ بلا خلاف یعنی نماز جنازہ کی دعاء میں کسی کا اختلاف نہیں بلکہ سب علماء محدثین بیک زبان کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی دعاء سرّا یعنی پست آواز سے مانگی جائے۔ کیا یہ علماء نبی اکرم صلعم کے عمل کی مخالفت کر کے حنفیوں کی طرح گمراہ ضال مضل ہوگئے یا نہ۔ اگر یہ بھی ہم حنفیوں کی طرح گمراہ ہیں تو صرف حنفیوں پر یہ بندوق کیوں چلتی ہے ان تمام کو مورد عتاب کیوں نہیں بنایا جاتا۔ اور صرف حنفیوں کی کتب کے بارے کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ کوئی دین اسلام کی کتابیں نہیں ہیں جیسا کہ فتاوی ستاریہ جلد ۹۳/۱ میں شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا الحافظ الحاج ابو محمد عبد الستار صاحب دہلوی مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ

"شامی" کوئی دین اسلام کی کتاب نہیں جو قابل حجت ہو سکے"

بلکہ اگر آپ حق گو ہیں تو صاف اعلان کر دو اور پاک و ہند سعودی عرب و تمام اسلامی ممالک میں پوسٹر چھاپ کر دیواروں پر لگا دو کہ یہ جس قدر حنفی شافعی مالکی حنبلی مقلد ہیں یہ سب گمراہ ضال مضل ہیں ان کی کوئی کتاب دین اسلام کی کتاب نہیں جو قابل ہو سکے۔

اور آپ کو چاہیے کہ احادیث کی کتب معتبرہ بغیر حاشیہ اور شرح کے اپنے پاس رکھیں اور بغیر کسی کتاب سے امداد لینے کے اپنے ذہن رسا سے مطلب لو

اور اگر یہ شارحین باوجود مقلد ہونے کے ایسے ہیں کہ شرح احادیث میں ان کا قول مسلّم اور مانا ہوا ہے وہ اگر کسی عام کو خاص اور مطلق کو مقید یا حقیقی معنے کی بجائے مجازی معنے کر لیں یا کسی حدیث کو اسلام کے ابتدائی دور پر محمول کریں یا منسوخ کہیں وغیرہا من التاویلات تو حنفیہ کیوں گمراہ

اور ضلال مضل ہیں۔ یہ آپ لوگوں کی یک طرفہ ڈگری بے اصول ہے

اب آئے علماء شوافع وحنابلہ نے اس حدیث کے جواب دیئے ہیں وہ اجابت کے کان لگا کر سنیئے وباللہ التوفیق فی التحقیق والتدقیق۔

نووی محدث شافعی نے ص ۳۱۱/۱ میں کہا وحینئذ یتاول ہذا الحدیث علی ان قولہ حفظت من دعاءہ ای علّمنیہ بعد الصلوٰۃ فحفظتہ۔ یعنی جب اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ نمازِ جنازہ کے اندر کی دعاء سرًّا مانگی جائے تو اس وقت اس حدیث کا مطلب یوں لیا جائے گا کہ حضرت عوف بن مالک کا حفظت من دعاءہ کہنے سے ان کی یہ مراد ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ دعاء سکھا دی تب میں نے اس کو حفظ کر لیا۔

اسی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں جو آیا ہے کہ انہ جہر بالقراءۃ سو اس کا جواب اسنی المطالب ص ۳۱۹/۱ میں زین الدین ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی رحہ نے اس طرح دیا ان خبر ابی امامۃ اصح منہ۔ یعنی عبداللہ بن عباس کی حدیث سے ابو امامہ کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ ابن عباسؓ کے اس ارشاد انما جہرت لتعلموا انہا سنۃ کا مطلب صاحب المجموع نے یہ بیان کیا کہ لتعلموا ان القراءۃ مامور بہا یعنی میں نے سورۃ فاتحہ بآواز بلند اس واسطے پڑھی ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ نماز جنازہ میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ سورۃ فاتحہ کا نماز جنازہ میں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے۔ اگر آنحضرت کا ہر نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا معمول ہوتا تو آپ کو یہ بات کہنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

اور حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری محدث حنفی رحمہ نے فرمایا ہے کہ امام مالک و امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں۔ اور اگر کوئی پڑھ لے تو مضائقہ بھی نہیں۔ تجرید قدوری میں ہے کہ سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا نہ مکروہ ہے اور نہ واجب۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور شرنبلالی نے رسالہ الاتباع فی مسئلۃ الاستماع میں لکھا کہ نماز جنازہ میں ثناء کی نیت سے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہے۔ اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے کہ سلف میں سے بعض نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور بعض نہ پڑھتے تھے۔ پھر شافعیہ کا تمسک نسائی میں نقل کردہ عمل ابن عباس سے ہے کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ نماز جنازہ میں بآواز بلند پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ میں نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اس لیے بلند آواز کر پڑھی ہے تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ یہ بھی ماثور رہا ہے

پھر فرمایا بیشک یہ روایت ہے مگر اس کے معارض ابن حدیث سے قوی سند کے ساتھ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور عمرو بن شیبہ نے اخبار المدینۃ ومکہ میں نقل کی ہے کہ ابوحمزہ راوی نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ خانہ کعبہ میں کیسے نماز پڑھوں تو آپؓ نے فرمایا جیسے نماز جنازہ میں تو پڑھتا ہے کہ تو تسبیح و تکبیر پڑھتا رہ الخ

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً یہ ثبوت نہیں ملتا کہ نماز جنازہ میں آپ سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (عرف شذی تحت الترمذی ص ۱۹۹)

علماء نے نماز جنازہ میں اور مذہب بھی بتائے ہیں چنانچہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے بعد صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

اور حضرت حسن بن علی نے فرمایا کہ تین تکبیروں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے
اور حضرت مسور بن مخرمہ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ بھی پڑھی جائے اور
اس کے ساتھ کوئی چھوٹی سی سورۃ بھی پڑھی جائے۔

بنایہ صفحہ ۱۰۹۹ میں علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ترمذی نے کہا ہے کہ جابر اور ابن عباس کی حدیث کا اسناد قوی نہیں ہے (یعنی جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں قراءۃ فاتحۃ الکتاب کی تھی اس کا اسناد قوی نہیں (دیکھو ترمذی صفحہ ۱۹۹)

رہی وہ حدیث جس میں ابن عباس نے فرمایا انہ من السنۃ او من تمام السنۃ تو وہ حدیث حسن صحیح ہے مگر من السنۃ کے لفظ میں سے یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ صحابی رض کا قول "من السنۃ" مرفوع ہی پر بولا جاتا ہے۔ گو اہل اصول نے لکھا ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ بسا اوقات ہم نے ایسا بھی پایا ہے کہ صحابیؓ من السنۃ کا لفظ کہتا ہے مگر اس کے تحت مرفوع حدیث نہیں ہوتی بلکہ اس صحابی رض کا استنباط واجتہاد ہوتا ہے۔

تو جب یہ لفظ محتمل ہے تو اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

اور پہلی حدیث کا ایک اور جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے جو کسی موقعہ پر آپ نے بیان جواز کے لیے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لی ہوگی۔ مگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا عام معمول نہ تھا۔ اور سنت نام ہے آپ کے معمول کا۔ ایک دو بار سے سنت نہیں بنتی فعلہ مرۃ وترکہ اخری ظلم یکن سنۃ (ہدایہ) اور سنت کی تعریف علماء اصول نے یہ کی ہے السنۃ ھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر افتراض ولا وجوب ؛

یہاں ایک اور سوال بھی ہے جس کا جواب دینا سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مسلم ج۱ ص۲۱۷ و بخاری ج۱ ص... میں ابن عباسؓ کا فرمان نقل ہے کہ عہد رسالت میں فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگ باواز بلند ذکر کرتے تھے اور میں سن کر معلوم کر جاتا تھا کہ نماز باجماعت ہو چکی

اس کے حاشیہ پر محشی نے لکھا کہ بعض سلف کی یہ دلیل ہے جو فرض نماز کے بعد تکبیر و ذکر بلند آواز کے ساتھ پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں اور متاخرین میں سے ابن حزم ظاہری بھی اس عمل کو مستحب سمجھتے ہیں

اس کا جواب مختلف علماء نے مختلف طریقوں سے دیا ہے۔

علامہ نوویؒ محدث نے تو یہ جواب دیا ہے کہ ابن بطال اور دیگر علماءؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حنفی مالکی شافعی حنبلی وغیرہ تمام مذاہب جن کے لوگ اتباع کرتے ہیں سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذکر و تکبیر باواز بلند پڑھنا کوئی مستحب امر نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ آپ کا یہ جہری ذکر تھوڑے سے وقت کے لیے تھا۔ ہمیشہ اور دائمی معمول نہ تھا۔

اس لیے میں اس بات کو مختار سمجھتا ہوں کہ فرض نماز سے فارغ ہو کر امام اور مقتدی دونوں اللہ تعالیٰ کا ذکر خفیہ کریں۔ ہاں البتہ تعلیم دینا مقصود ہو تو امام بلند آواز سے ذکر کرے۔ جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ مقتدی سیکھ گئے ہیں تو اس کے بعد پست آواز سے ذکر کرے۔ اور اس حدیث کا محمل بھی امام شافعیؒ نے اسی بات کو بنایا کہ آپؐ کا ذکر بالجہر تعلیم کے لیے تھا۔

مشکوٰۃ ج۱ ص۸۹ ح۳ میں محشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی مراد بیان کرنے میں علماء نے کئی قول کہے ہیں۔ بعض نے تو یہی مطلب سمجھا ہے کہ فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر ہی مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث میں فرض نماز کے

بعد والا ذکر مراد نہیں بلکہ اثناء نماز میں ہر ادنیٰ پنج میں جو تکبیرات امام بآواز بلند کہتا ہے وہ تکبیرات مراد ہیں اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ تکبیریں سن کر میں پہچان جاتا تھا کہ نماز میں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ پہلی ہیئت ختم ہو گئی ہے۔ یہ جواب محدث طیبی نے دیا ہے۔
اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس تکبیر سے مراد وہ تسبیح و تحمید کے ساتھ والی ہے جو چونتیس دفعہ پڑھی جاتی ہے اور تسبیح ۳۳ دفعہ اور تحمید ۳۳ دفعہ (جس کو تسبیح فاطمی سے آج کل تعبیر کیا جاتا ہے)
اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ نماز کے بعد آپ ایک بار یا تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے تھے۔
اور قاضی عیاض رح نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن عباس رض بچے تھے آپ نماز باجماعت میں ہمیشہ حاضر باش نہ ہوتے تھے اور نہ اس پہ آپ مواظبت فرماتے تھے
اور بعض علماء نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ آخری صفوں میں کبھی حاضر ہوتے ہوں
اور بعض علماء نے فرمایا کہ دراصل ابن عباس رض حج کے ایام میں منٰے کے اندر ایام تشریق کی تکبیرات کا ذکر فرما رہے ہیں کہ ایام تشریق میں بعد از نماز فرض باآواز بلند تکبیراتِ تشریق کہی جاتی تھیں (اور مجمع ایک لاکھ سے زیادہ تھا۔ سب نے تکبیرات تشریق کہیں تو میں اپنے ڈیرے پر ہوتا۔ آواز تکبیروں کی سن کر میں سمجھ جاتا کہ اب باجماعت نماز ختم ہو چکی ہے
حضرت شیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی رح لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ جواب مذہب حنفی کے عین مطابق ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں جہر بالذکر صرف انہی مقامات میں جائز ہے جہاں جہاں شریعت نے بتایا اور ان مقاما

کے علاوہ سب جگہوں میں جہر بالذکر کو حنفی مذہب والے مکروہ سمجھتے ہیں
اور یہی وجہ ہے کہ عید کی تکبیریں یا تکبیرات تشریق جو فی نفسہ واجب ہیں
مگر جب رہ جائیں۔ تو دوسرے وقتوں میں ان کی قضاء کے قائل نہیں ہیں
ہدایہ ص۱۵۵ میں ہے الجہر بالتکبیر بدعۃ ۔ الجہر بالتکبیر خلاف السنۃ آگے
لکھا کہ شرع شریف میں جو تکبیرات کا جہراً کہنا آیا ہے وہ شرائط کے ساتھ
مشروط ہے۔ (کہ عورتوں پر نہیں نہ منفرد پر نہ وتروں نفلوں اور نماز
عید کے بعد نہ گاؤں میں نہ مسافر پر کیونکہ باجماعت مسنونہ نماز پڑھنا، اقامۃ
مصر ایام تشریق کا ہونا شرط ہے۔)

فتاویٰ قاضی خان ص۱ میں ہے وبہ اخذ اصحابنا ان الجہر بالتکبیر بدعۃ
فلا یؤخذ الا بما اتفق علیہ الصحابۃ رض۔

لٰہذا آخر یا اردت من تحقیق مسئلۃ اخفاء الاذکار من الثناء والصلوٰۃ علی النبی صلعم
والدعاء علی المیت فی صلوٰۃ الجنازۃ بعونہ ومنہ وکرمہ تبارک وتعالیٰ

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب
الیک وصلی اللہ علی النبی الامی الرسول الکریم محمد وعلی آلہ واصحابہ و
اہل بیتہ وذریاتہ وعترتہ اجمعین

محمد حسین غفرلہ

خادم جامعہ ضیاء العلوم بلاک ۲۱ سرگودھا پاکستان

خویدم جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

نوٹ: فتاویٰ نذیریہ ص ۶۶۳ و ص۶۶۴ میں ابو امامہ رض کی حدیث کے تحت بحوالہ
تلخیص الحبیر ص۱۶۰ حافظ ابن حجر کی تحقیق محمد عبدالرحمن مبارکپوری نے لکھا ہے
کہ انہیں روایات کی وجہ سے جمہور کا یہ مذہب ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ ...

طلاق

دینے کا شرعی طریقہ

از

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

اما بعد عام طور پر مسائل نکاح وطلاق کے پوچھے جاتے ہیں۔ ان کے بارے مختلف قسم کے حالات نظر سے گزرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی لوگ اس قدر دینِ حق سے دور ہیں کہ ان کا پیش واپس لوٹ آنا صراط مستقیم پر پہنچنا مستبعد ہو گیا۔ کیونکہ وہ ان باتوں کے بارے علمائے حق کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ اس کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتے حالانکہ ہر جوان مرد و زن پر جیسے ضروری ہے ایمانیات و اعتقادیات کے علم کی تحصیل اور نماز، روزہ، پاکی پلیدی کا علم حاصل کرنا۔ ایسے ہی ان پر نکاح وطلاق و رضاعت وپردہ و حلال وحرام کا علم حاصل کرنا بہت اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ قطعی حلال کو حرام، اور قطعی حرام کو حلال سمجھنے سے آدمی اسلام کے دائرہ سے نکلتے ہی کفر کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ متفق ہیں مشکوٰۃ میں حضرت امامنا خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک تقریری تبلیغی اصلاحی بیان کا اقتباس نقل ہے جو آپ رضی اللہ عنہ نے کسی مقام پر کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی موجودگی میں نومسلم لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ علم الفرائض کی اہمیت بیان کرتے ہوئے

بڑے زوردار انداز کے ساتھ فرمایا تعلموا الفرائض علم فرائض سیکھو
اس مجلس میں صاحب النعلین والعصا والوسادہ والطہور حضرت
محدثِ اعظم امام المحدثین والفقہاء عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی حاضر
موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ سنتے ہی فوراً علم الفرائض کے
ساتھ دو چیزوں کا اضافہ کرتے ہوئے فرمایا "والطلاق والحج"
یعنی جیسے ایمانیات وعبادات کے بعد فرائض کا علم حاصل کرنا بہت
اہمیت رکھتا ہے ایسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر علمِ طلاق اور حج حاصل
کرنا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں حلت وحرمت
کا زبردست دخل ہے۔ ذرا سا لفظ منہ سے نکل گیا تو حلال چیز حرام ہو
گئی مگر کہنے والے کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے وہ اپنے زعم میں یہی سمجھے
ہوئے ہے کہ جو چیز میرے لیے اب تک حلال رہی ہے وہ چیز میرے اس
لفظ کہنے کے بعد بھی بدستورِ سابق حلال ہی ہے حرام نہیں ہوئی۔
اس بناء پہ وہ حلت والا معاملہ اس کے ساتھ کرتا رہتا ہے اور یہ کام
بھی صرف روز دو روز مہینہ دو مہینہ سال دو سال کا نہیں ہے ساری
زندگی کا ہے جو مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ساری عمر کے لیے مجرم
اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب رہا

اِس لیے حضرت امام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم
طلاق بھی حاصل کرو

اور وہ دور تو تھا اہلِ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنھوں نے
قرآن وسنت کا علم براہِ راست حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے اخذ کیا تھا اور اس کو ضبط رکھا اور لوگوں تک پہنچانے میں

کوئی کسر نہیں رہنے دی۔ اور ان نومسلم لوگوں میں کئی موالی (غلام) تھے جن کو صحابہ کرام رضوان نے حاصل کر کے اپنے گھر کا فرد بنا کر بیٹوں کی طرح رکھا اور ان کو دینی تربیت پر مکمل سعی فرمائی اور وقتاً فوقتاً امتحان بھی لیتے رہے اور قابلیت سمجھ کر اپنی موجودگی میں ہی ان کو مسند تدریس پر بٹھلاتے تاکہ اشاعۃ التوحید والسنۃ اور تعلیم الوحیین یعنی قرآن و حدیث کا سلسلہ جاری رہے

مگر ان اسلاف کے گزرنے کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ غیر قوموں کا تسلط ہم پر اس لیے ہو گیا کہ ہم نے آپ ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون مگر ہم نے دعوۃ الی الخیر وامر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک کر دیا۔ جہالت ہم پر مسلط ہو گئی غیر قوموں کے غلط پروپیگنڈوں سے جو علماء حق کے بارے کیے جاتے رہے عوام کے دل علماء حق سے متنفر ہوتے رہے اور علماء سوء نے اپنی چرب زبانی سے موقع کو غنیمت سمجھ کر علماء حق کے بارے اور زیادہ بدظنیاں پیدا کر دیں جس سے عوام بجائے علماء حق سے دور تر ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ مولوی فساد کی جڑھ ہیں۔ ان کی بات نہ سننا۔ دو ملاؤں میں مرغی حرام، ملاں کی دوڑ مسجد تک، ملاں حلوا خور کہہ کہہ کر اور ہی نفرت پیدا ہو گیا۔ اور کہتے ہیں کہ چھوڑ دو ان مولویوں کو اور اپنا دنیا کا کام کرو پیسہ جوڑو۔ دقیانوسی مولوی تمہاری ترقی سے مانع ہیں۔ اپنے بچوں کو سکولوں کالجوں میں داخل کرو دنیوی تعلیم دو۔ مولویوں کو کیا آتا ہے

یہ جاہل ہیں انہیں انگریزی لکھنا پڑھنا ہی نہیں آتا۔

اس طرح علم دین سے دور رہنے والوں کا نہ عقیدہ صحیح نہ عبادت صحیح نہ معاملات درست نہ معاشرہ درست نہ اخلاق۔ ان کا عقیدہ وہی ہو جو اپنے دل کو لگے۔ عبادت اپنی رائے کی۔ معاملات و معاشرہ اپنے مطلب کے۔ پردہ کی کیا ضرورت ہے دل صاف ہونا چاہیے۔ مومن سب بہن بھائی ہیں۔ عورت استعمال کے لیے ہوتی ہے۔

برائے نام مسلمان کہلانے کو کچھ کام ایسے کیے اور ایسے فقرے یاد کر لیے جس سے پاکستانی غیر پاکستانی کا امتیاز ہو جائے۔ مثلاً دیواروں پر زر کثیر خرچ کر کے جلی حروف سے لکھ دیا "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللّٰہ" تاجر نبیوں کے ساتھ ہوں گے" "تیل لگانا سنتِ نبی ہے" "خوشبو لگانا سنتِ نبی ہے" "سرمہ لگانا سنتِ نبی ہے" "درخت لگانا عبادت ہے" "بکریاں پالنا سنتِ نبی ہے" "نکاح کرنا سنت انبیا ہے" "مساجد اللہ کا گھر ہے انہیں اپنے گھروں سے بڑھ کر سجاؤ اور خوب نقش و نگار کر کے مزین کرو بڑا کارِ ثواب ہے" "طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ" مگر جو فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم (ومسلمۃ کا لفظ احادیث میں نہیں ہے۔ یار لوگوں نے انگریزی وغیرہ تعلیم نسواں کی اہمیت عوام کے ذہنوں میں بیٹھانے کے لیے یہ لفظ اپنی طرف سے گھڑ کر جھوٹی نسبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر کے من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کی وعید کے مرتکب ہو گئے۔

نیز علم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم انگریزی سائنس جغرافیہ

طلسمات سحر نجوم بنالیا۔ جیسے یہ لوگ ان علوم کی ضروری تعلیم کے استدلال میں یہ حدیث شریف پیش کرتے ہیں۔ اور قرآنی زبان میں ان کا نام علم نجوم ہے قرآنی اور نبوی زبان میں علم دین ہے اور بس۔ اور صحابہ کرام رضی جو اہل لسان بھی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین ذہین تلامذہ بھی تھے انہوں نے بھی حدیث طلب العلم وغیرہ سے علم دین ہی سمجھا۔ اور آپ خود بھی یہی علم دین پڑھاتے رہے اور دنیائے اسلام کے بلاد و امصار میں اسی علم دین کے مراکز قائم کیے اور حکومت اسلامیہ کی طرف سے علماء صحابہ رض کو بحیثیت معلم قرآن وسنت کے تعینات کیا جاتا تھا اور ان کا وظیفہ بقدر ضرورت بیت المال المسلمین سے مقرر کیا جاتا تھا۔ یہی علم دین پڑھ کر کئی مدرس بنتے تھے کئی مناظر کئی مبلغ کئی مصنف کئی قاضی کئی محتسب کئی ناظر کئی قاضی القضاۃ کئی خلیفے کئی خطیب کئی کفار کے ساتھ لڑنے والے مجاہد جو عسکری تربیت اسی قرآن وسنت کی روشنی میں حاصل کیے ہوئے ہوتے تھے کئی تاجر ہوتے تھے جو تجارت اسلامیہ کے ذریعے قرآن وحدیث ہی کی تبلیغ کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے دنیا میں انہی تاجروں نے اسلام پہنچایا۔ وہ سب کے سب بڑے ماہر سیاست دان تھے۔ یہی قرآن و سنت پڑھ کر تدبیر منزل سیاست مدن سیاست ملک سیکھی اور ساری دنیا پر چھاگئے۔ الحمد للہ علی ذلک

اور حقیقت ہے کہ جب سے ہم نے قرآن وسنت کا دامن چھوڑا اور دوسرے علوم کی طرف بھاگے اور غیر مسلموں کے کہے میں آگئے تو اس وقت سے کتنے سکول کتنے کالج کھلے پرائمری سکول سے کالجوں تک سٹوڈنٹس کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے عورتوں کے سکول وکالج علیحدہ بھی ہیں اور مخلوط تعلیم کے سکول

کالج بھی ہیں اس طرح عورتیں تعلیم یافتہ ہو کر مردوں کے دوش بدوش کام کریں بلکہ مردوں پر حکمرانی کریں کہ مردوں کی عقل بوڑھی ہو چکی ہے وہ اس قابل نہیں کہ زمام سیاست و حکومت اپنے ہاتھ میں لے۔

اب یہ انگریز یہود و نصاریٰ کے پڑھے ہوئے شاگرد اتنے جری ہو گئے کہ انگریزی قانون کی تائید میں قرآن پاک کی عبارات اور حدیثی روایات میں اپنی من مانی "تاویلات" اور ہیرا پھیریاں کرتے ہیں۔ اور جب علمائے حق اپنا فرض ادا کرتے ہوئے ان ہیرا پھیریوں کا جواب باصواب دیتے ہیں تو عوام کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیتے ہیں کہ مولویوں کو کیا سمجھ ہے یہ مولوی کیا جانیں۔ انہیں قرآن سمجھ نہیں آتا ان کو موجودہ تقاضوں کا کچھ علم نہیں یہ دقیانوسی مولوی پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ ہم نے تو انگریزی تعلیم اتنا زر کثیر خرچ کر کے دوسرے ممالک کے ماہرین سے حاصل کی ہے۔ جس سے نئے تقاضوں کے مطابق قرآن مجید کا مفہوم نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اس طرح ہم مولویوں کی ان بھول بھلیوں میں نہیں آتے۔ ان چکنی چپڑی باتوں سے عوام ان سے متاثر ہو کر علماء حق کو کہتے ہیں کہ فلاں علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر جو اسلامیات میں مسلسل محنت کر کے زر کثیر خرچ کر کے غیر ملکی ماہرین سے سندات حاصل کی ہیں وہ نہیں سمجھا بوجھتا۔ اور تم مفت کے مسجدوں کے ٹکڑے کھا کر کسی ملا نے سے کچھ روز کتابیں پڑھ کر علم میں اس سے بڑھ گئے ہو جب کہ تم کو انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں آتا۔

اور حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ جن کا استاد غیر مسلم (یہودی۔ مجوسی۔ زندیق دہری یا مسیحی ہو گا وہ نظریات اپنے ہی سامنے رکھیگا۔ اور ہیرا پھیری کر کے

قرآن و حدیث کے مفہوم کو اس طرح تبدیل کر کے رکھ دے گا کہ بھولا بھالا اسلام سے ناواقف سٹوڈنس کو اپنے استاذ کی بات پر یقین کامل کرے گا اور علماء حق کے بارے بدظن اور متنفر ہو جائے گا۔ اور جب ذہنی یہودیوں اور مسیحیوں مجوسیوں اور دہریوں کے تلامذہ اپنے ملک میں آکر بہ حیثیت پروفیسر یا مصنف کے کام کریں گے تو وہی نظریات اپنے ذہن نارسا میں سے نکال کر اپنے طالب علموں کے سامنے پیش کریں گے۔ بس وہ سارا زہر بلا تغییر ملک سے نکل کر اپنے ملک میں پھیل جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے رہنماؤں میں علماء کی کوئی وقعت نہیں ہے فرنگی باتوں کو بڑی خوشی سے اور بڑی تیزی سے بھاگ کر اپناتے ہیں اور علماء حق کی بات اگر ان کی رائے کے موافق ہو تو گاتے پھرتے ہیں کہ دیکھو بھائیو! ہم تو علماء کی باتیں مانتے ہیں اور اگر علماء حق کی بات ان کی رائے کے خلاف ہو تو بعض علماء سوء کا کوئی قول اپنی تائید میں پیش کر دیں گے یا پھر علماء حق سے فتویٰ لینے کی کوشش کریں گے اور سوال ہی ایسے انداز سے بات کریں گے اور ایسے پہلو پیش کریں گے جس کے بعد علماء حق کا فتویٰ ان کی رائے کے موافق ہو جائے۔ یا پھر ان علماء حق کی تجہیل کرتے ہوئے کہیں گے کہ بیچارے وقت کے تقاضوں کو کیا جانیں۔

بہر حال یہ عائلی قوانین بھی اسی قبیل سے ہیں۔

اور ادھر عوام کا یہ حال ہے کہ جہالت کی وجہ سے نہ حکومت کا قانون سمجھتے ہیں اور نہ اللہ کا قانون۔ اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ پھر جب حکومت والے بازپرس کرتے ہیں تو مقدمہ میں ناکام ہوتے ہیں اور مطلب حل نہیں ہوتا تب علماء کی طرف آتے ہیں شاید کہ شریعت میں ہماری مطلب

براری ہو جائے۔ جب عالم کا فتویٰ ان کی رائے کے موافق ہوا تو ان کے مخالف عالم کے خلاف دعویٰ دائر کر دیں گے جس کی وجہ سے حاکم کے حکم کی اور توہینِ عدالت کی ناجائز حرکت کی جرم میں جیل کی ہوا کھائے گا پھر کوئی آدمی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔

حکومت کے حکم کی خلاف ورزی سے تو جیل جانا پڑتا ہے۔ لیکن اللہ کے قرآن اور رسول کے فرمان کی کس قدر خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں بلکہ خود حاکم وقت بھی خلاف ورزی کرے تو کچھ پرواہ نہیں۔

یہ ہیں آج ہمارے پندرھویں صدی ہجری کے تلخ حالات کہ قرآن وحدیث کے خلاف کرنے والا تو مجرم نہیں مگر انگریزی قانون کو خلاف کرنے والا سخت مجرم اور مستوجب سزا ہے

ہر چہ بادا باد آمدم بر سر مطلب

آج کے دور میں یہ فضا عام ہو رہی ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے۔ خطا کسی کی بلا کس پر گرمی بازار میں سودا کرتے کرتے کسی بات پر جھگڑا تب عورت کو طلاق جوا کھیلتے کھیلتے لڑائی ہو گئی فوراً عورت کو طلاق۔ ہل چلاتے چلاتے کسی کے ساتھ سخت کلامی ہو گئی تب عورت کو طلاق۔

غرض ہر بات پر عورت ہی بیچاری پستی ہے۔

عوام کو کیا پتہ کہ طلاق دینے کے لیے اسلام نے کچھ شرائط، قیود اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں جن کی خلاف ورزی سے آدمی مجرم اور مرتکب گناہِ کبیرہ ہوتا ہے جس کی سزا آخرت میں بھگتنی ہو گی البتہ اس سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔ مگر جب اس کو علم نہیں تو وہ

تو پھر کس چیز کی کرے گا۔

یہ گناہ اس لیے ہوگا کہ ملک میں کثرت سے علماء حق موجود ہیں اور یہ شخص جیسے اور دنیوی امور کی تحصیل کے لیے وقت فارغ کر لیتا ہے ایسے ہی اس نے نکاح طلاق کے شرعی مسائل معلوم کرنے کے لیے اپنا وقت کیوں نہ فارغ کیا جب کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد بھی فرما دیا طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ اس حدیث میں گو العلم کا لفظ بظاہر مطلق معلوم ہوتا ہے جس میں سب علوم آسکتے ہیں مگر چونکہ یہ کلام شارع علیہ السلام کی معصوم زبان سے صادر اس لیے دلالۃ متکلم کی بنا پر حقیقۃ قاصرہ مراد ہوگی یعنی علم دین علم قرآن وحدیث اور ان کی فہم (فقہ) دوسرے واہیات علم مراد نہیں اور قرآن وحدیث کی رو سے ان کو علم کہتے ہی نہیں

اب اگر کسی نے بازار میں جھگڑتے جھگڑتے کسی سے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ اگر تیری بات ٹھیک ہے تو میری بیوی کو تین طلاق۔

اب اس وقت وہ غصہ میں شرابور ہے۔ اس نے یہ کب سوچا ہوگا کہ میری بیوی کس حال میں ہے؟ حیض کی حالت میں ہے یا طہر (پاکی) کی حالت میں ہے۔ اگر وہ بیوی حیض کی حالت میں ہے تو یہ طلاق دینے والا مجرم ٹھیرا۔ کیونکہ حیض کی حالت میں طلاق دینا شرعاً ممنوع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے شخص پر ناراضی ظاہر فرمائی۔ اور اگر وہ بیوی طہر (پاکی) کی حالت میں تھی تو اس نے یہ کب خیال کیا ہوگا کہ میں طہر میں طلاق دے رہا ہوں اس طہر میں میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہے یا نہیں کی۔ اگر صحبت نہ کی تھی تو خیر۔ اور اگر

اس طہر میں صحبت کی تھی تو اس میں اسے طلاق نہ دینی چاہیے تھی اور اس کی یہ طلاق بدعی ہوئی۔

اب یہ شخص بدعت کا مرتکب ہوا
پھر اس نے بیک وقت اکٹھی تین طلاقیں دے دیں یہ دوسری بدعت ہوئی۔ کیونکہ بیک وقت ایک ہی مجلس میں بلکہ ایک ہی طہر میں دو طلاقیں یا تین طلاقیں دینا بھی بدعت خلاف سنت اور گناہ کا کام ہے
پھر بلا وجہ ٹکہ دو ٹکہ کی خاطر کسی بات پر کسی بندہ کے ساتھ جھگڑا کر کے بیچاری بیوی کا دل دکھایا جس کا اس معاملہ میں کچھ قصور نہیں
پھر اس طرح بیوی کی محبت بغض فی غیر اللہ میں متبدل ہو گئی۔
پھر بیوی کے سارے خاندان (سسرال) کے ساتھ دشمنی مول لی
پھر اگر اس کے بچے ہیں تو بیچارے خراب ہوں گے۔
پھر قیامت کے دن جس جزا کا مستوجب ہو گا وہ مزید برآں
پھر یہ کہ دنیا میں گھریلو حالات برباد ہوتے دیکھ کر پریشان ہو کر کوئی حیلہ سوچے گا اور ہر طرح کی کوشش کرے گا کہ کسی طرح پھر سے بدستورِ سابق میرا گھر آباد ہو جائے۔ اب دوڑے گا اور علماء کی طرف رجوع کرے گا۔ اور علماء فتویٰ دیں گے کہ اب کوئی صورت آباد ہونے کی نہیں رہی۔ اب وہ اور پریشان ہو گا اور ادھر ادھر لوگوں سے مشورہ کرے گا۔ پھر مشورہ دینے والے بھی اسے دو قسم کے ملیں گے

بعض تو یہ مشورہ دیں گے کہ چلو چلیں اہلِ حدیث عالم کے پاس (جب کہ یہ خود مقلد ہے امام مالک یا امام ابو حنیفہ یا امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کا) تو وہ اہلِ حدیث عالم اس کو تسلی دے گا اور اس

کے مونڈھے پر ہاتھ مار کرے گا کہ جائی! کوئی فکر کی بات نہیں تیرا کچھ نہیں بگڑا۔ صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ بغیر تجدید نکاح کے اپنی بیوی کو اپنے گھر بسالے۔ ساری زندگی کے لیے وہ تیری بیوی ہے۔ خوشی خوشی باہر نکلتا ہے تو مقلدین حضرات (مالکی یا شافعی یا حنفی یا حنبلی) مل جاتے ہیں وہ دریافت کرتے ہیں کہ جناب بتائیے کیا فتویٰ ملا؟ وہ خوش ہو کر بولتا ہے کہ میں ابھی سے جا کر بیوی کو اپنے گھر لا کر بساتا ہوں۔ مولوی صاحب نے اجازت دے دی ہے

مقلدین حضرات اسے سمجھاتے ہیں کہ تیری بیوی ائمہ اربعہ کے نزدیک تجھ پر حرام ہو چکی ہے اور اس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے صحابہؓ تابعین و تبع تابعین و دیگر ائمہ مجتہدین محدثین کا اتفاق ہے البتہ اہل سنت میں سے صرف ابن تیمیہ و ابن قیم متفرد ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈر اور قیامت کا خوف کر مبادا کہ اس معمولی سے مزے کے پیچھے اپنی اخروی زندگی برباد کر بیٹھے

اب وہ سوچ کر پوچھتا ہے کہ اب تم ہی خود مجھے مخمصے سے رہائی کی صورت بتاؤ۔ میرا آباد گھر ہونے کی کوئی صورت نکل بھی سکتی ہے یا کہ نہیں خدارا اس میں میرا تعاون کرو اور میرا یہ کٹھن مسئلہ حل کرو

تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ایک صورت ہے اور وہ ہے حلالہ جس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہی دو گواہ بلا کر اپنے چچیرے بھائی کے ساتھ اپنی بیوی کا نکاح کر دے اور اس کو آج کہہ دینا کہ صبح سویرے اس کو طلاق دینی ہوگی تاکہ میں اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے اپنا اجڑا ہوا گھر پھر سے بسا سکوں۔

یہ سن کر اس نے کہا اچھا میں ایسا ہی کر لیتا ہوں چنانچہ اس عورت نے اپنے بھائی سے نکاح کرکے دوسرے روز طلاق لے لی اور پھر اپنے ساتھ نکاح کر کے اپنا الو سیدھا کر لیا۔ اور اپنے زعم میں خوش بیٹھا ہے۔ سچ پوچھو تو حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اہلِ حدیث (غیر مقلد) عالم کے کہنے میں آکر اس تین مغلظ طلاقوں والی بیوی کو بغیر نکاح کرنے کے گھر میں رکھ لیا جس کی وجہ سے ساری زندگی کا خود بھی مجرم بنا اور عورت کو بھی مجرم بنائے رکھا تو یہ معذور بھی نہیں کہ علمائے محققین کی کمی نہیں۔ اور اگر ان مقلدین کے بے تکے قول کو سن کر اس پر عمل کیا تو بھی حرام اور لعنتیوں کا کام کیا۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لعن اللہ المحلل والمحلل لہ حلالہ کرنے کرانے والے ہر دو پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

اور جو بات قرآن و حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ مروجہ حلالہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس صورت میں جائز ہے کہ

وہ بیوی جس کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ پہلے تو اپنے گھر میں عدۃ گذارے۔ اس کے بعد کسی آدمی سے نکاح کر لے۔ مگر نکاح کرتے وقت یہ شرط نہ لگائے کہ نکاح کے بعد تجھے طلاق دینی ہوگی۔ پھر وہ دوسرا خاوند اس عورت کو گھر آباد کرے اور اس سے صحبت کرے۔ اب وہ گھر خوش و خرم آباد ہے اب اتفاق ایسا ہو گیا کہ وہ بے چارہ خاوند مر گیا۔ جس کے بعد اس متوفی خاوند کی عدت الوفات اُسی متوفی کے گھر میں گذاری۔ اس کے بعد اس پہلے خاوند کے ساتھ ملاقات اور بات چیت ہوئی۔ اب وہ دونوں پھر سے دوبارہ آباد ہونے پر رضامند

ہو گئے، اور نکاح کر لیا

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تین طلاقیں دی ہوئی عورت اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے۔ اس کے بعد کسی آدمی سے نکاح کر لے بغیر کسی شرط کے۔ پھر وہ دوسرا خاوند اس عورت کو گھر آباد کرے اور اس سے صحبت کرے۔ اس کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ پہلے خاوند کی طرح دوسرے خاوند کے ساتھ بھی اس عورت کا نباہ نہیں ہو سکا۔ اخیر میں اس خاوند ثانی نے تنگ آکر طلاق دے دی پھر اس دوسرے خاوند کے گھر عدت الطلاق گزار کر باہر نکلی تو پہلے خاوند سے ملاقات ہوئی اور اب وہ دونوں دوبارہ گھر آباد کرنے پر رضامند ہو کر نکاح کر لیں تو یہ حلالہ ہے جس کی شرع شریف نے اجازت دی ہے اور قرآن مجید کی عبارت حتی تنکح زوجا غیرہٗ سے یہی شرعی حلالہ مراد ہے۔ خوب سمجھ لو۔

عوام کی یہ حالت دیکھ کر خیال آیا کہ اس طوفانِ بے تمیزی پر عوام کو متنبہ کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا جائے تاکہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہے اور مرنا یاد ہے اور روزِ قیامت برپا ہونے اور خدا کے حضور جواب دہی کے لیے پیش ہونے کا جس یقین اور ڈر ہے اور نیکی بدی کی جزا کے وقوع کا تصور ہے، وہ اسے پڑھے اور سمجھے اور اپنی بے لگام زبان کو لگام لگائے، اور جو بات کرے سوچ سمجھ کر کرے۔ جیسے پہلی جماعت پڑھنے والے بچوں کو بھی اردو کے قاعدہ میں یہی بات پڑھائی سمجھائی جاتی ہے کہ "پہلے تول پھر بول" یہ بات صرف بچوں کے لیے

تو نہیں جو بیچارو ں کو یہ علم بھلا نہیں کہ کم زکم استاذ سے پوچھ
تولیں کہ سر! بات کو کس طرح تولیں کس ترازو سے تولیں۔
اور اس تولنے کا طریقہ کیا ہے اور وہ ترازو کہاں ہے جہاں سے
اٹھا کر ہم اپنے پاس محفوظ رکھیں اور بات کوئی مجسم چیز تو ہے نہیں
جسے کسی مجسم ترازو پر رکھ کر بات کا ہلکا یا وزنی اور بھاری ہونا
معلوم ہو سکے۔ بہرحال ایسے ایسے سوالات نادان بچوں کے کچے
ذہن میں نہیں آتے۔ پھر استاذ سے پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
مگر یہ بات جو بڑی قیمتی ہے اور ساری زندگی میں کام آنے
والی ہے بچوں کے ذہن میں بٹھائی جاتی ہے تاکہ بڑے ہو کر اس کو
پختگی ذہن کے بعد اس قیمتی بات کی قیمت پائیں گے اور مصنف
اور استاذ کو دعائیں دیں گے اور تا زندگی اس بات پہ عامل اور
کاربند رہیں گے اور جو بات منہ سے نکالیں پہلے اسے عقل کے ترازو
پہ تولیں کہ یہ بات کوئی وزن رکھتی ہے اور کتنا وزن رکھتی ہے۔
مبادا کہ بات کرے اور ہو بھاری اتنی کہ اس کے بوجھ تلے اس
طرح دب جائے کہ ساری عمر اس کے نیچے سے نکل نہ سکے بلکہ ممکن ہے
کہ وہ بات اتنی بھاری ہو جس کے بوجھ سے قیامت کے دن بھی نجات
نہ پا سکے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قعر جہنم میں رہے
پھر غصہ بڑی بلا ہے۔ یوں تو مسئلہ پوچھتے وقت مولوی صاحب
کو کہہ دیتے ہیں جناب! میں نے واقعی اپنی بیوی کو طلاق تو دی ہے
مگر سخت غصے کی حالت میں دی تھی۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ مولوی
صاحب کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ مولوی

صاحب طلاق کا لفظ سنتے ہی فوراً طلاق کا حکم صادر کر دیں۔ گویا درپردہ یہ سائل استاذ ہے مولوی صاحب کا جو پوچھنے کے رنگ میں مولوی صاحب کو مسئلہ سمجھا رہا ہے کہ مولوی صاحب! غصہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ذرا یہ بات ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینا۔ جلدبازی سے کام نہ لینا

بھلا کوئی بھلا مانس سے پوچھے کہ غصہ کی حالت میں طلاق تو نہیں پڑتی۔ اب یہ بتا کہ اگر غصہ کی حالت میں چھرا لے کر اپنی بیوی کا گلا کاٹ دے اور پولیس والے گرفتار کر کے لے جائیں عدالت میں حاکم پوچھے کہ تو نے اپنی بیوی کا گلا کاٹا؟ تو تو یہ بہانہ کرے کہ سر! میں نے اپنی بیوی کا گلا کاٹا تو ہے۔ مگر غصہ کی حالت میں۔ اب آپ ہی بتا کہ حاکم کیا جواب دے گا۔ یہی ناں کہ غصہ کی حالت میں کاٹا یا عشق محبت کی حالت میں کاٹا۔ بہرحال تیرا گلا کاٹنے سے اس کا گلا تو کٹ گیا اور وہ مر گئی لہٰذا تجھ سے قصاص لیا جائے گا۔

فرق صرف یہ ہے کہ گلا کاٹنے سے اس عورت کی موت اور خاوند کا فراقِ محسوس مبصر ہے۔ اور طلاق میں نکاح کا ٹوٹنا اور عورت کا خاوند سے فراق محسوس نہیں ہوتا۔ اور یہ غیر محسوس بھی ایسی ہے کہ شریعت کے بتائے بغیر اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا شریعت کے مقابلے میں ٹانگ اڑانا عقلمند کا کام نہیں

حاکم کے فیصلہ میں یہ امتیاز نہیں کیا جاتا کہ گلا کاٹتے وقت تیرے غصے کی کیا کیفیت تھی وہ ہر حال میں اس کو مستوجب سزا ہی کہیگا جس کے بعد اس مجرم کا کوئی عذر بہانہ مسموع نہیں

اور مسئلۂ طلاق میں شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ نے پھر بھی اس قدر لچک رکھی ہے کہ اگر غصہ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ اس کا دماغ مختل ہو گیا اور عقل ٹل گئی۔ اور بالکل بے ہوش ہو گیا کہ اپنی بھی کچھ خبر نہیں اور لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ واقعی اس کا عقل ٹھکانے نہیں تو ایسی بے ہوشی میں اس کی دی ہوئی طلاق کا واقعی کچھ اعتبار نہیں لیکن اگر غصہ کی حالت میں اس کی یہ کیفیت نہیں اور اس کے حالات اور قرائن سے صاف پتا لگتا ہے کہ اس کے ہوش وحواس بالکل قائم درست اور صحیح ہیں۔ تو اس صورت میں اس کی دی ہوئی طلاق واقع اور نافذ ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے والا کچھ بہانے بناتا پھرے۔

دنیا میں تو ایسے بہانے کر کے اپنا الو سیدھا کرے گا اور مزے اڑاتا رہیگا۔ مگر قیامت کے دن علام الغیوب کے حضور تو یہ بہانے ہرگز کام نہ آئیں گے وہاں پچھتائے مگر سب بے سود۔ اللھم انا نعوذبک من خزی ذلک الیوم وعذاب القبر وعذاب النار۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ٭

جہالت کی وجہ سے آج کل لوگ طلاق دے کر کئی معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں

احسن الفتاویٰ جلد ۵ کتاب الطلاق ص۱۹۵ میں لکھا ہے
"آج کل کے دستورِ طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے۔
طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاحِ ذات البین کی کوشش کی جائے، مایوسی کی صورت میں اہلِ صلاح سے استشارہ و استخارہ کیا جائے، اس کے بعد بھی طلاق ہی میں خیر نظر آئے تو حیض کے بعد قبل الوطی صرف ایک طلاق رجعی دی جائے۔
اس کے برعکس آج کل طلاق میں مندرجہ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہو گیا ہے۔

① بدون غور و فکر جلد بازی۔
② اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔
③ خاندان کے بااثر و باصلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا
④ استخارہ نہیں کیا جاتا۔
⑤ حیض سے فراغت کا انتظار نہیں کیا جاتا۔
⑥ بیک وقت دو تین بلکہ تین ہی طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہیں۔
⑦ تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالہ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے، اور بعض تو لعنتِ حلالہ کی بجائے عمر بھر لعنتِ زنا میں مبتلا رہتے ہیں

ان وجوہ کی بنا پر طلاق کا مروج دستور بلاشبہ واجب التعزیر جرم

ہے، حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق مغلظہ میں غیر مقلدین سے فتویٰ لینا جائز نہیں

احسن الفتاویٰ میں حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے لکھا

تین طلاقوں کے بعد کسی غیر مقلد سے فتویٰ لینا باجماعِ امت حرام ہے۔ اور خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابنِ تیمیہ رح اس کی حرمت پر اجماعِ امت کے قائل ہیں (دیکھو فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۲)

غیر مقلدین سے فتویٰ لینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی۔ یہ مرد اور عورت دونوں عمر بھر بدکاری کے گناہ میں مبتلا رہیں گے۔ عذابِ آخرت کے علاوہ دنیوی وبال الگ۔

اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا دینِ اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنی نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے۔ دنیا کی چند روزہ راحت و عیش کی خاطر مالک کو ناراض کرنا اور عذابِ جہنم کا سامان کرنا بہت بڑی حماقت و ناعاقبت اندیشی ہے، اس لیے اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نفسانی خواہش کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو لینا حرام ہے۔

اہلِ اثر مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان میں تفریق کرائیں۔ اور جب تک وہ اس حرام کاری سے باز نہیں آتے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھیں ورنہ دنیوی وبال واخروی عذاب میں ان کے ساتھ وہ سب لوگ بھی شریک ہوں گے جو اُن سے قطع تعلق نہیں کرتے اور ان کو حرام کاری سے روکنے کی کوشش نہیں کرتے

مروجہ حلالہ لعنتیوں کا کام ہے۔ حرام ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے کرانے والوں پر لعنت کی بد دعا فرمائی ہے اس میں پہلا شوہر، دوسرا شوہر، اور بیوی تینوں آجاتے ہیں۔ عہ

البتہ اگر کسی کو میاں بیوی کی حالت پر رحم آئے اور وہ ان پر احسان کی نیت سے نکاح کرلے اور صحبت کے بعد طلاق دے دے تو کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ اس کی نیت کا دوسرے کسی کو بھی قطعاً کوئی علم نہ ہو۔

اسی طرح اگر عورت کے دل میں یہ نیت تھی کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کے بعد اس سے طلاق حاصل کرکے پھر پہلے شوہر سے نکاح کرلے گی اور اس کی اس نیت کا کسی دوسرے کو قطعاً علم نہ ہو تو عورت پر کوئی گناہ نہیں

عہ ایسے نکاح کی حرمت اور مورد لعنت ہونے کے لیے شرطِ تحلیل کی تصریح ضروری نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کی نیت کا علم بھی بہ قاعدہ "المعروف کالمشروط" اسی میں داخل ہے (احسن الفتاوی ۵ ص ۱۵۴)

فاحشہ کو طلاق

مسئلہ فاحشہ اور بد چلن بیوی جو سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتی اس کو طلاق دینا مستحب اور ثواب ہے۔ اور اگر عورت یہاں تک نافرمان ہے کہ خاوند کے سیلیے اس کے ساتھ رہنا مشکل ہو، گھر میں ہر وقت فتنہ فساد برپا رہتا ہو، تو ایسی صورت میں طلاق دینا واجب ہے۔

○

طلاق کے مسائل تو بے شمار ہیں۔ ہم یہاں مشتے نمونہ از خروارے عرض کر رہے ہیں جو عام زبان زد عوام ہیں۔ اگر کوئی پیچیدہ مسئلہ ان کے علاوہ درپیش آجائے تو فتاووں میں سے دیکھ لیا جائے یا علما کی طرف رجوع کیا جائے۔

جن لوگوں کی دی ہوئی طلاق کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں

نابالغ۔ پاگل۔ سونے والا۔ کسی دوا وغیرہ سے بیہوش۔ دل و دماغ کی تکلیف کی وجہ سے ایسا مدہوش اور حواس باختہ کہ اس کو اپنے افعال اور اقوال کا ذرا علم نہیں۔ یا اس سے بلا اختیار اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور اکثر مختل۔ برسام کے مرض والا۔ باپ دادا کی طلاق اپنے بیٹے پوتے کی بیوی کو۔ مولیٰ کی طلاق اپنے غلام کی بیوی کو۔ عورت کا طلاق دینا اپنے شوہر کو بغیر اس کے کہ شوہر نے

اپنی بیوی کو طلاق تفویض کی ہو یا اسے اختیار دے دیا ہو۔

البتہ شراب وغیرہ مُسکِر (بدمست کرنے والی) حرام چیز سے مست آدمی نشہ کی حالت میں طلاق دے تو طلاق پڑ جائے گی۔

مجنون بحالتِ افاقہ طلاق دے تو صحیح ہے

جن چیزوں سے طلاق نہیں پڑتی

○ عورت نے کہا مجھے طلاق دو شوہر نے جواب دیا تم چاہو تو ہزار مرتبہ

○ عورت نے کہا مجھے طلاق دو شوہر نے جواب دیا ایک دو تین جب تک طلاق کا لفظ منہ سے نہ کہے۔

○ تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں

○ محض دھمکانے کی نیت سے کوئی لفظ کہے مثلاً تو میری بیوی نہیں

○ تو میرے لائق نہیں رہی

○ طلاق کے متصل بعد تحریراً یا تقریراً ان شاء اللہ کہا۔

○ دل میں طلاق کا خیال کر لیا

○ طلاق کا لفظ زبان سے اس طرح کہا جو اُس نے خود بھی نہیں سُنا

○ نکاح سے پہلے معاہدہ کیا کہ اگر میں بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کروں تو میری بیوی پر طلاق دوسرا نکاح نہ کروں گا پھر باوجود اس کے اس نے اس قول و قرار اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ البتہ عہد شکنی سے فاسق ہو گیا مرتکب گناہِ کبیرہ۔

○ جبر و اکراہ اور زبردستی سے تحریری طلاق شوہر سے لکھوانا۔

○ دھوکہ دے کر طلاق نامہ پر انگوٹھا لگوانا۔

○ اپنے آپ طلاق نامہ لکھ کر شوہر سے اس پر جبراً انگوٹھا یا دستخط کروالینا۔ جبکہ شوہر نے نہ زبان سے الفاظِ طلاق کہے نہ لکھے نہ سن کر تصدیق کی

محض تین پتھروں کا پھینک دینا

○ طلاق دے دوں گا

○ حالتِ اکراہ میں طلاق کا اقرار کرنا

○ دس نے ہزار روپے کے بدلے بیوی کو طلاق دی۔ مگر بیوی نے قبول نہیں کیا

○ شرط لگاتے وقت کسی جگہ کی تعمیم یا تخصیص کی تھی یا نہ؟ شک ہے

○ میں اس زندگی کو کسی حالت پر رکھنے کو تیار نہیں ہوں

○ میں اس کو کسی بھی قیمت پر نہیں رکھ سکتا۔

○ خط لکھا کہ لڑکی کو گھر روانہ نہیں کرنا

○ مجھے طلاق چاہیے اور کچھ نہ چاہیے

○ مجھے (بیوی کا نام لے کر کہا) نہیں چاہیے

○ ایک دو تین

عدت میں نکاح کرنے والے نے تین طلاقیں دیں۔ تو ایک طلاق بھی نہ پڑی۔ کیونکہ نکاحِ فاسد میں متارکت کا حکم ہے۔ پس عدت گزرنے کے بعد اسی عورت سے نکاح درست ہے۔

میں تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا (اس میں کوئی لفظ دال بر طلاق نہیں)

ایسی بیوی مجھے درکار نہیں۔ یہ کہہ کر بیوی کو گھر سے نکال دیا۔

زانی سے رقم لے کر بغیر طلاق کے حرام سمجھنا۔ (۱۷ ص ۱۵۱/۵)

○ اگر تو فلاں کام کرے گی تو میں تجھے طلاق دے دوں گا

مسئلہ: کسی نے جاہل شوہر سے عربی زبان میں تین طلاقیں حاصل کیں جن کے مفہوم اور معنے سے وہ جاہل شوہر بالکل ناواقف ہے، تو

قضاءً تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ دیانۃً نہیں ہوں گی۔ اور طلاق دلانے والا سخت گنہگار ہے اور لائق تعزیر جو تلبیس میں ابلیس کا کام انجام دیتا ہے۔ مگر مشایخ اوزجند کے نزدیک طلاق بالکل نہ ہوگی نہ دیانۃً اور نہ قضاءً، آج کل اس قسم کے فتنے بکثرت اٹھ رہے ہیں لہٰذا مشایخ اوزجند کے مسلک ہی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔ (من احسن الفتاوی ص ۱۳۴)

- ایک آدمی کے کہنے پر کہ تو کہہ فلاں کی بیٹی کو میں نے طلاق دی" شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ میرے خدا نے قبول کیا (ایضاً کف)
- میں نے ان شاء اللہ طلاق دی ہے یا ان شاء اللہ طلاق دیتا ہوں
- جب طلاق معافی مہر کے ساتھ مشروط تھی اور عورت نے معافی مہر سے انکار کر دیا
- مرد نے کہا میں جاتا ہوں تم چاہو طلاق لے لو پھر عورت نے کہا مجھے دوسرا خاوند کرنا نہیں ہے جو تم سے طلاق لوں تمہاری خوشی ہو آنا یا نہ آنا عورت نے عہد کیا کہ میں اگر تم سے تعلق رکھوں گی تو اپنے باپ بھائی سے تعلق رکھوں گی
- کسی کا کہنا کہ جو میرا کہنا نہ مانے اس کی بیوی پر طلاق
- میری عورت کی چوڑیاں توڑ دو
- میری عورت نوجوان ہے اور کسی سے نکاح کرنا چاہتی ہے
- بغیر دلالتِ لفظ محض نیت سے طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔

جن الفاظ سے طلاق بائن ہو جاتی ہے

○ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ○ میں نے فارغ خطی دے دی

○ تو میرے کام کی نہیں رہی ○ میں نے تجھے چھوڑا (کذا في الدر وغيره)

○ تو میری بیوی نہیں ○ میں تیرا شوہر نہیں

○ مجھ سے تم سے کوئی واسطہ نہیں ○ عمر بھر میں تیری صورت نہ دیکھوں گا

○ میں اس سے سخت بیزار ہوں ○ میں اسے نہ بساؤں گا

○ تو میرے سامنے سے چلی جا ○ تو میرے نکاح سے باہر ہو گئی

○ میری تجھ سے بے تعلقی ہے ○ تو جہنم جا

○ بیوی کے طلاق دے دینے کے جواب میں کہنا "میری جانب سے تو طلاق ہی ہے۔ اب مجھے بالکل غیر سمجھو اور جس طرح غیر آدمی سے پردہ کیا جاتا ہے تم مجھ سے بھی پردہ کر لو

○ طلاق دے چکا۔ مجھ سے کوئی تعلق نہیں

○ یہ میری بیوی نہیں رہی۔ میں اس کو طلاق دیتا ہوں۔

○ میں تجھ کو نہیں رکھتا۔ ○ میں تجھے چھوڑ چکا

○ میرے سامنے ہی تو کسی سے نکاح کر لے ○ تو جانے اور تیرا کام

○ تو ماں کے پاس جائے تو میرے نکاح سے خارج

○ میں نے تجھ کو الفت (علیحدہ) کر دیا" الفت ہو گیا

○ اب ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔

○ میں تیرے نکاح سے بری ہوں ○ تو اپنے کو مجھ سے دور رکھ

○ میری بیوی اپنے فعل کی مختار ہے۔ مجھ سے کچھ سروکار نہیں

○ اب یہ عورت غیر مرد کے کام آئی۔ اب میرے کام کی نہیں ہے۔
○ تو جس کے ساتھ چاہے نکاح کر لے
○ غیر مدخول بہا بیوی کو جس سے خلوت صحیحہ بھی نہ ہوئی ہو صریح طلاق دے
○ مکمل آزادی دیتا ہوں
○ خلوت صحیحہ کے بعد اور دخول سے پہلے طلاق
○ بہ نیتِ طلاق بیوی کے میکوں کو کہا "تم اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ"
○ غصہ کی حالت میں کہا میں تجھے ماں بہن بناتا ہوں
○ 〃 〃 〃 کہا میرے سامنے سے دور ہو جا
○ بہ نیتِ طلاق بیوی کو کہا تو میری ماں ہے / تو میری بہن ہے
○ بغیر نیتِ طلاق بیوی کو کہا تو میری ماں ہے / تو میری بہن ہے
○ 〃 〃 〃 〃 تو فارغ ہے
○ مذاکرۂ طلاق کے دوران کہا "آپ کا اور میرا رشتہ ختم ہو چکا ہے"
○ تین انگلیوں سے اشارہ کر کے کہا تو ایسی ہے
○ اس کو اس کے والدین کے گھر پہنچا دو طلاق بائن ہے
○ جہاں چاہے دوسرا خاوند بنا لے 〃
○ اپنے میکہ چلی جا 〃
○ ...سا بیوی سے لا دعوٰی ہوں بدون نیت بھی طلاق بائن
○ لفظ طلاق کہنے کے بغیر طلاق کی نیت سے صرف مٹی کے ڈھیلے اپنی عورت کو دے دینے سے طلاق نہیں ہوتی۔
○ عورت کو مخاطب کر کے کہا "طلاق" رجعی طلاق
تجھے ایک دو تین۔ بہ نیت طلاق

○ تو ایک تو دو تو تین جب نیت ہو
○ بیوی کے مطالبۂ طلاق کے جواب میں صرف تین انگلیوں سے اشارہ کر دیا۔ اور منہ سے کچھ نہیں کہا یا تین پتھر پھینک دیے۔
قانون غیر مدخول بہا کو صریح لفظ سے طلاق دی جائے تو بائن ہی واقع ہو جاتی ہے رجعی نہیں ہوتی

جن الفاظ سے طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے

○ دو تین طلاقیں میں نے تجھ کو دیں
○ میں نے تجھ کو دو تین طلاق چھوڑا۔ (صریح مغلظ)
○ غیر مدخول بہا کو کہا کہ میری بیوی پر طلاق مغلظہ۔ اور نیت تین طلاق کی کی ہو
○ غیر مدخول بہا کو کہا میں نے تجھے تین طلاق دیں یا کہا سو طلاق دی
○ مدخول بہا کو کہا میں نے تجھے تین طلاق دیں
○ مدخول بہا کو ایک مجلس میں کہا میں نے تجھے طلاق دی طلاق دی طلاق دی
○ مدخول بہا کو ایک مجلس میں ایک طلاق دی دوسری میں دوسری تیسری مجلس میں تیسری یا ایک مجلس میں ایک دی دوسری میں دو
○ تین نوٹ لپیٹ کر بیوی کے ہاتھ میں دیے اور کہا "تجھے طلاق
مسئلہ دو بیویوں کے شوہر نے کہا "میں نے تین طلاق دی۔ میں نے تین طلاق دی۔ میں نے تین طلاق دی۔ نہ بیوی کا لفظ کہا اور نہ ہی کسی بیوی کا نام لیا۔ تو

جس کی نیت کی ہو اسی پر تین طلاق پڑیں گی
ان دو عورتوں میں سے
اگر دونوں کا ارادہ کیا تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی

○ اگر کہا تین طلاقیں دونوں میں تقسیم کر کے دیتا ہوں تو ہر ایک پر دو طلاقیں واقع ہوں گی

البتہ اگر تین طلاقوں میں سے ہر طلاق دونوں بیویوں پر تقسیم کرنے کی نیت ہو تو ہر ایک بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

○ کسی نے شوہر سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی؟ شوہر نے کہا "ہاں دے دی ہے"۔ پھر دوسرے نے پوچھا تو بھی کہا "ہاں دیدی ہے" پھر تیسرے نے پوچھا تو بھی کہا "ہاں دے دی ہے"

تو پہلے آدمی کے سوال کے جواب میں اگر جھوٹ موٹ کہا "ہاں دے دی ہے" تو قضاءً طلاق پڑے گی نہ دیانۃً۔ اگر سچ مچ کہا "ہاں دے دی ہے" تو قضاءً بھی طلاق پڑے گی دیانۃً بھی۔ پہلی صورت میں عورت کو تمکینِ وطی جائز نہیں۔

اور دوسری یا تیسری بار سوال کے جواب میں ظاہر ہے کہ انشاء طلاق مقصود نہیں۔ بلکہ اخبار مقصود ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہو گی

○ صرف نکاح ہوا۔ بیوی سے شوہر نے نہ صحبت کی اور نہ خلوتِ صحیحہ پہلے ہی شوہر نے کہہ دیا کہ "میری بیوی کو تین طلاق" تو تینوں طلاقیں پڑ گئیں مغلظہ یعنی غیر مدخولہ

○ اور اگر کہا کہ "میری بیوی کو دو طلاقیں" تو دو طلاقیں پڑیں بائن

○ اور اگر کہا کہ "میری بیوی کو ایک طلاق" تو ایک طلاق بائن پڑ گئی

○ اور اگر کہا کہ "میری بیوی کو طلاق ہے میری بیوی کو طلاق ہے" تو پہلی

طلاق سے بائن ہو گئی اور دوسری لغو ہے۔ اسی طرح الگ الگ تین طلاقیں دینے سے بھی پہلی طلاق بائن پڑ گئی اور دوسری تیسری طلاقیں لغو ہو گئیں۔

○ آزاد کی دیتا ہوں — نیتِ طلاق سے طلاق پڑے گی بائن

○ میں نے اپنی بیوی کو جواب دے دیا — نیتِ طلاق سے طلاق بائن پڑ گیا

جن الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق بائن ہو جاتی ہے

تو مجھ پر حرام۔ تو میرے لیے بالکل حرام ہو چکی۔ تو مجھ پر حرام ہے جیسے ماں بہن۔ جا تو نکاح کر لے۔

میری (غیر مدخول بہا) بیوی پر طلاقِ مغلظہ اور نیت تین طلاق کی ہو گی

قوانین

قانون: عورت کا سامنے موجود ہونا وقوعِ طلاق کے لیے شرط نہیں نہ یہ ضروری ہے کہ طلاق کے الفاظ بیوی سنے۔ نہ یہ ضروری ہے کہ مطلقہ کی طرف نسبت و اضافتِ طلاق صراحتہً ہو (کفت ۳۰۳)

قانون: وقوعِ طلاق کے لیے شہادت شرط نہیں۔ گواہ ہو یا نہ ہو۔ گواہ فاسق ہو یا عادل۔ شوہر کے طلاق دینے سے یعنی صرف منہ سے کہہ دینے سے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی طلاق پڑ جائے گی بشرطیکہ اپنی زبان سے کہی ہو گی عبارت خود بنے اور طلاق دینے والا ہوش و حواس والا بالغ ہو۔ خواہ عورت سامنے ہو یا نہ ہو، سنے یا نہ سنے۔

اگر مجنون افاقہ کی حالت میں طلاق دے تو صحیح ہے۔ طلاق پڑ گئی۔

قانون صریح طلاق بغیر نیت کے بھی واقع ہو جاتی ہے

قانون جبراً طلاق دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے

قانون ہوش حواس قائم ہوں تو غصے کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

قانون بلا ارادہ اچانک منہ سے نکل گیا میری بیوی کو طلاق۔ طلاق رجعی

قانون تو طلاق ہے طلاق رجعی

قانون گونگے کی طلاق تب واقع ہوگی کہ اس کے اشارہ میں سوائے طلاق کے اور کوئی احتمال نہ ہو۔ صرف طلاق ہی کے لیے معین ہو

مسئلہ شوہر نے اپنی بیوی کو دو بار کہا اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ اس کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہو گئی تو دو طلاقیں پڑ جائیں گی۔ البتہ اگر تاکید کی نیت سے دوبار کہا تو دیانۃً ایک طلاق ہوگی اور قضاءً دو ہی ہوں گی۔

زبردستی سے طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ زبردستی حد اکراہ کو نہ پہنچے۔ یہ قید مولانا خلیل احمدؒ نے لگائی [illegible] ظاہر

قانون طلاق، وقف، حق الامۃ میں شہادات حسبۃ ہیں۔ ان میں دعویٰ کی ضرورت نہیں

مسئلہ شوہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی۔ پھر رجوع کر دیا۔ پھر کچھ دن بعد کسی بات پر رجعی طلاق دے دی۔ پھر کہنے سننے سے رجعت کر لی۔ پھر تیسری مرتبہ طلاق رجعی دی۔ تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔ رجعی طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کر لینے سے جو [illegible] ل تو ہو جاتا ہے مگر اس سے طلاق کا عدد باطل نہیں ہوتا۔ یعنی رجوع کے بعد بھی یہ طلاق

تین طلاقوں کے مجموعہ میں شمار ہوگی۔ اس لیے اس ایک طلاق کے مزید دو طلاقوں سے مغلظ ہوجائے گی

اسی طرح رجعی طلاق کی عدت گزرنے کے بعد اگر دوبارہ نکاح کیا۔ یا بائن طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کرلیا تو آئندہ دو طلاقوں سے مغلظ ہوجائے گی۔

البتہ عورت نے کسی دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا۔ اس نے بھی طلاق دے دی یا اس کا انتقال ہوگیا۔ اور عورت نے پھر پہلے شوہر سے نکاح کرلیا تو اب اس کو نئے سرے سے تین طلاقوں کا اختیار ہے۔ ایک یا دو طلاقوں سے مغلظہ نہ ہوگی (احسن الفتاوی ۱۵۵؍۵)

مسئلہ کسی کو مجبور کیا گیا تو اس نے مجبور ہوکر گذشتہ زمانہ میں طلاق دینے کا جھوٹا اقرار کیا، اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی حالانکہ اس سے قبل اس نے کوئی طلاق نہیں دی تھی تو اس جھوٹے اقرار طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ازالۂ وہم

بعض لوگوں کی زبانی یہ سنا ہے کہ ایام حمل میں طلاق دی جائے تو وہ طلاق نہیں پڑتی۔ اور یہ ان کا قول غلط ہے۔ حالت حمل میں طلاق ہوجاتی ہے قال اللہ تعالیٰ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ طلاق جس قسم کی ہوگی وہی پڑے گی۔ اگر تین طلاقیں دی ہیں تو لاتحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ فقط والسلام خیر ختام

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔

تمت بالخیر

کتبہ محمد حسین النیلوی غفرلہ

ردِ قادیانیت پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد ہفتم

ردِ قادیانیت

- تفسیر آیۃ خاتم النبیین
- القول الاتم فی حیاۃ عیسٰی ابن مریم
- تفسیر آیۃ رفع عیسٰی علیہ السلام
- مرزے کی تضاد بیانیاں

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی

حسین علی الوانی

مکتبہ اشاعۃ العلوم

ردِ قادیانیت پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

جلد ہفتم

ردِ قادیانیت

- تفسیر آیۃ خاتم النبیین
- القول الاتم فی حیاۃ عیسٰی ابن مریم
- تفسیر آیۃ رفع عیسٰی علیہ السلام
- مرزے کی تضاد بیانیاں

تلمیذِ رشید مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

و تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز امام اہل السنت زبدۃ المفسرین شیخ القرآن مولانا
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

قال اللہ تعالیٰ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

تفسیر آیت

خاتم النبیین

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا العاقب محمد خاتم النبیین وآخر المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد احقر فقیر محمد حسین غفر اللہ لہ ولوالدین عارض ہے کہ ناخواندہ لوگوں کو قادیانی فتنہ بڑی تیزی سے میٹھی میٹھی باتوں سے بہکا رہا ہے اور اپنی حقانیت کا سبز باغ دکھا رہا ہے۔ اس لیے اشد ضرورت ہے کہ کچھ رسالے حق بات سمجھانے کے لیے لکھ دیے جائیں جن میں سے ایک یہ رسالہ ہے۔ علماء حق نے اپنا پورا حق ادا کیا ہے سیکڑوں کتابیں لکھیں مناظرے کیے مباحثے کیے۔ مگر یہ فرقہ کچھ ایسا ڈھیٹھ واقع ہوا ہے کہ اپنی شکست کو فتح سمجھتا ہے، اور علماء کی کتابیں تقریباً نایاب بھی ہیں پھر ہر شخص حاصل بھی نہیں کر سکتا۔ اور علماء حق کی صحبت میں بیٹھنا بھی کم نصیب ہوتا ہے۔ کم از کم اس رسالہ کو گھر میں رکھا دیکھ کر بوقت فرصت مطالعہ کر لیں گے۔ واللہ الہادی بیدہٖ الخیر

قال اللہ تعالیٰ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیماً ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں (تو زید کے باپ کیوں ہوں) وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر کی طرح سب نبیوں کے آخر میں ہیں اور اللہ تمام چیزوں کے حال سے واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ خود اپنے متبنّیٰ (منہ بولے بیٹے) زید بن حارثہؓ کی مطلقہ سے نکاح کر کے جاہلیت کی رسم باطل کو توڑ دیں۔ جب کفار اعتراض کریں گے تو اس کے تین جواب بہ ترتیب سکھائے

ا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں کہ ان کی مطلقہ بیوی آپ پر حرام ہوتی

ب اگر کہو کہ حلیہ حلال تھی مگر خود ان کا اس سے نکاح کرنا کیا ضروری تھا؟ تو جواب دیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ جس رسم کو اللہ تعالیٰ مٹانا چاہتا ہے اسے خود آگے بڑھ کر مٹائیں

ج مزید برآں ان کو ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ وہ محض رسول ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔ اگر وہ جاہلیت کی ان رسوم کو خود مٹا کر نہ جائیں تو پھر کوئی ایسا نبی آنے والا نہیں جو ان رسوم کو وہ آکر مٹائے۔

فائدہ: ایک پیغمبر کے بعد دوسرے پیغمبر کے آنے کی صرف تین وجوہ ہو سکتی ہیں۔

۱ یہ کہ پہلے پیغمبر کی تعلیم و ہدایت مٹ چکی ہو اور اس کو پھر سے پیش کرنے کی ضرورت ہو۔
۲ " " " " " " " " " " ناکمل ہو اور اس میں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت ہو
۳ " " " " " " " " " " " ایک خاص قوم تک محدود ہو اور دوسری قوم یا اقوام کے لیے دوسرے پیغمبر کی ضرورت ہو۔

لیکن ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب یہ تینوں وجوہ باقی نہیں رہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پوری طرح بفضلہ تعالیٰ مصون ومحفوظ ہے۔ اور کامل و مکمل و اکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا آج ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لیے اسی دین اسلام کو پسند فرمایا۔

پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی تمام دنیا کے لیے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ھدی للناس تمام لوگوں کے رہنما ہیں وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس اور اے پیغمبر! ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے واوحی الیّ ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ اور یہ قرآن شریف میری طرف اسی لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور تمام ان لوگوں کو جن کو اس کی خبر پہنچے ان کو خدا کے عذاب سے ڈراؤں ڈراؤں۔

اس لیے اب نہ کسی نبی کی ضرورت ہے نہ کسی کتاب کی نہ وحی کی نہ نئی شریعت کی۔ قیامت کے آنے تک اسی ایک نبی کی اسی ایک کتاب کی کفایت ہے۔

ختم نبوت کے معنے اہل لغت کے نزدیک

۱ بحث طلب مطلقاً نبوت نہیں۔ بلکہ نبوت بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بحث ہے۔ اسی لیے مدعی اجرائے نبوت وہ آیات اور نصوص دکھائے جن میں نصًا یا کنایۃً اس بات کا ذکر ہو کہ آں حضرت صلعم کے بعد بھی نبوت جاری ہے۔ مطلقاً نبوۃ کے متعلق آیات پیش کرنا خلط مبحث ہے۔
۲ قرآن میں حضور صلعم کے بعد اجرائے نبوت کا کہیں ذکر نہیں ۳ نہ اس بارے کوئی حدیث ہے
۴ نہ اس بارے کسی صحابی کا قول ہے ۵ نہ کسی تابعی کا قول ہے ۶ نہ کسی امام کا قول ہے

خاتم النبیین کے معنے لغت کی رو سے

المحکم ابن سیدہ و لسان العرب لابن منظور: خاتم کل شیء وخاتمتہ عاقبتہ وآخرہ
وخاتِمُهم وخاتَمُهم آخرهم: قاموس میں ہے: والخاتم آخر القوم کالخاتم ومنہ قولہ تعالیٰ و
خاتم النبیین ای آخرهم: صحاح جوہری میں ہے: خاتمۃ الشیء آخرہ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم الانبیاء: تاج العروس میں ہے: ومن اسمائہ علیہ السلام الخاتِم والخاتَم وهو الذی
ختم النبوۃ بمجیئہ: مفردات راغب میں ہے: خاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تممها
بمجیئہ: تہذیب اللغۃ ازہری میں ہے: والخاتِم والخاتَم من اسماء النبی صلی اللہ علیہ و
وسلم وفی التنزیل العزیز ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین
ای آخرهم: مجمع بحار الانوار للفتنی میں ہے: خاتم النبوۃ ای فاعل الختم وهو الاتمام وخاتم
بعض الطابع ای شیء یدل علی انہ لا نبی بعدہ: کلیات ابی البقاء میں ہے: وتسمیۃ نبینا صلی
اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء لان الخاتم آخر القوم قال تعالیٰ ما کان محمد ابا احد من رجالکم
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین. منجد ص ۱۶۵ میں ہے: الخاتَم والخاتِم یختم بہ - عاقبۃ کل شیء...
الخاتمۃ مؤنث الخاتم اقصی الشیء وآخرہ وعاقبتہ ج خواتیم وخاتمات - الختم الخاتم - الختام من
الطین او کل ما یختم بہ علی الشیء ج ختم. نیز ص ۱۳۳ میں ہے: ختمت الکتاب بلغت آخرہ:

تہذیب اللغۃ ج ۷ ص ۳۱۳ میں الازہری نے لکھا: الختم المنع... خاتمۃ السورۃ آخرها وخاتم
کل شیء آخرہ... معنی ختم وطبع فی اللغۃ واحد وهو التغطیۃ علی الشیء والاستیثاق منہ لئلا
یدخلہ شیء کما قال تعالیٰ ام علی قلوب اقفالها..... ختامہ مسک..... قال ابن مسعود عاقبتہ
طعم المسک. وقال الفراء وقرأ علی خاتمہ مسک وقال اما رأیت المرأۃ تقول للعطار اجعل لی خاتمہ
مسکاً ترید آخرہ وقولہ تعالیٰ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین
معناہ آخر النبیین ومن اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم العاقب ایضا معناہ آخر النبیین (ج ۷ ص ۳۱۵)
وقال ابن الاعرابی الختم فصوص مفاصل الخیل..... والواحد ختام وخاتم. قال والخاتِم والخاتَم
من اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعناہ آخر الانبیاء. وقال اللہ تعالیٰ وخاتم النبیین (ج ۷ ص ۳۱۶)

ابن فارس بن زکریا اللغوی نے مقاییس اللغۃ ج ۲ ص ۲۴۵ میں لکھا: الخاء والتاء والمیم اصل
واحد وهو بلوغ آخر الشیء یقال ختمت العمل وختم القاری السورۃ فاما الختم وهو الطبع علی الشیء
فذلک من هذا الباب ایضا فان الطبع علی الشیء لا یکون الا بعد بلوغ آخرہ فی الاحراز والخاتم
مشتق منہ لان بہ یختم..... والنبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء لانہ آخرهم. والختام

عنہ قال القادیانی فی حمامة البشریٰ ص ۳۴ خاتم النبیین
12 فسیدنا نبینا ص فی قوله لا نبی بعدی رسالہ ص ۲۰

کل مشروب آخره قال تعالی ختامه مسك ای آخره یجد ونه مسك عند شربهم ایاهم والختم لہ
صراح میں ہے ختم مہر کردن ... و تمام گردانیدن ... خاتم الشیء آخره و محمد صلی اللہ علیہ و
سلم خاتم الانبیاء بالفتح۔

المحکم میں ابن سیدہ نے لکھا۔ خاتم کل شیء و خاتمته عاقبته و آخره

مجمع البحار ج ۱ ص ۳۲۹ میں ہے خاتم النبوة ای فاعل الختم وهو الاتمام و خاتم بمعنی الطابع
ای شیء یدل علی انه لا نبی بعده

قاموس ج ۳ ص میں ہے والخاتم آخر القوم کالخاتم ومنه قوله تعالی وخاتم النبیین ای آخرهم
تاج العروس ج ص میں ہے ومن اسمائه علیه السلام الخاتم والخاتم وهو الذی ختم النبوة
بمجیئه آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں خاتم و خاتم بھی نام ہیں آپ نے آنے کے ساتھ نبوۃ ختم کر دی
محی ج شاعر نے ایک شعر کہا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ع مبارك للانبیاء خاتم یعنی آن
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبارک ہستی ہیں تمام انبیاء کرام کو ختم کرنے والے ہیں۔

کلیات ابی البقاء ص ۱۷۱ میں ہے خاتمة کل شیء آخره۔ و تسمیة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم الانبیاء لان الخاتم آخر القوم قال تعالی ما کان محمد ابا احد ..... و خاتم النبیین؛
عبد الرشید نعمانی نے لغات القرآن ص ۳۰۰ میں لکھا خاتم مہر، ختم کرنے والا۔ خواتم اور خُتُم جمع چونکہ
آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے کہ آپ پر نبوت ختم ہو گئی اور آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں
اس لیے قرآن مجید نے آپ کو خاتم النبیین (مہر سب نبیوں) ایسا فرمایا ہے یعنی تمام نبیوں کا ختم کرنے
والا۔ کیونکہ سب کے مہر آخیر میں لگائی جاتی ہے۔

ختم نبوت کے معنے مفسرین کے نزدیک

خاتم النبیین آخرهم۔ وعیسٰی علیه السلام ینزل بعده مؤیدا له (جامع البیان لصفی الدین ص ۳۶۳)
ختم به النبیان وختم به الرسل (معالم التنزیل ص ۵۶۶) خاتم النبیین لانه ختم به النبیون فهو
خاتمهم (معالم ص ۵۶۵) خاتم النبیین ای به ختموا (جلالین ص) خاتم بمعنی الطابع وبکسرها
بمعنی الطابع وفاعل الختم وتقویه قراءة ابن مسعود رضی اللہ عنه ولکن نبیا ختم النبیین (تفسیر

کشاف ج ۳ ص ۲۲۹ : خاتم النبیین ختم اللہ به النبوۃ فلا نبوۃ بعدہ ای ولا معہ (خازن ص ۱۲۳ پ ۲۲)

خاتم النبیین بفتح التاء عاصم بمعنی الطابع لے آخرہم یعنی لا ینبا احد بعدہ ...... وغیرہ بکسر التاء بمعنی

الطابع و فاعل الختم. وتقویہ قراءۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ولکن نبیا ختم النبیین (مدارک)

وخاتم النبیین ختم اللہ به النبیین قبله فلا یکون نبیا بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر ابن عباس)

وخاتم النبیین ای کان آخرہم الذی ختموا به وقرئ بخاتم ای کان خاتمہم ویؤیدہ قراءۃ ابن مسعود

رضی اللہ عنہ ولکن نبیا ختم النبیین (ابو السعود جلد ۴ ص ۳۴۹) وخاتم النبیین الذی ختم النبوۃ

فطبع علیہا فلا تفتح لاحد بعدہ الی قیام الساعۃ ...... عن قتادۃ رضی اللہ عنہ ولکن رسول اللہ و

خاتم النبیین ای آخرہم ۔ خاتم النبیین بمعنی انہ ختم النبیین ...... للعاصم وحسن فخاتم

النبیین بمعنی انہ آخر النبیین کما قرء مختوم خاتمہ مسک بمعنی آخرہ مسک (ابن جریر پارہ ۲۲ صفحہ ۱۲)

در منثور نقلا عن عبد الرزاق وعبد بن حمید وابن منذر وابن ابی حاتم جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ نیز لکھا

عن الحسن فی قولہ وخاتم النبیین قال ختم اللہ النبیین بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وکان آخر من بعث

بیضاوی پ ۲۲ ص ۱۲۳ جلد ۲ خاتم النبیین وآخرہم الذی ختمہم او ختموا به علی قراءۃ عاصم بالفتح

ابن کثیر پارہ ۲۲ صفحہ ۸۵ وختم اللہ به النبوۃ ۔ وقرأ ابن عامر وعاصم خاتم علی الاسم (اسم آلہ) ای آخرہم

وقرأ الآخرون خاتم علی الفاعل لانہ ختم به النبیین فہو خاتم

مظہری جلد ۸ ص ۳۵۰ : خاتم قرأ عاصم بفتح التاء علی الاسم بمعنی آلہ الختم والباقون بکسر التاء علی وزن

فاعل یعنی الذی ختم النبیین ای لا یکون بعدہ نبی ۔

خفاجی حاشیہ بیضاوی جلد ۷ ص ۱۷۶ : وخاتم النبیین ...... ای لا یقدح فی کونہ خاتم النبیین انہ ذکر

وقیل علیہ کونہ علی دینہ لا ینافی استقلالہ فی الرسالۃ کما لم ینافہ ذلک اول بعثتہ مع امرہ بالعمل

بالتوراۃ والجواب انہ کان نبیا قبلہ لا بعدہ فلا ینافی کونہ خاتما للانبیاء وعلی معنی انہ آخرہم بعثۃ

زاد المسیر جلد ۶ ص ۳۹۳ : من قرأ خاتم بکسر التاء فمعناہ وختم النبیین ۔ ومن فتحہا (خاتم) فالمعنی

آخر النبیین ۔ قال ابن عباس یرید لو لم اختم به النبیین لجعلت لہ ولدا یکون بعدہ نبیا ۔

روح البیان جلد ص : وقرأہم بفتح التاء (خاتم) وہو آلۃ الختم بمعنی الختم به کالطابع والمعنی و

کان آخرہم الذی ختموا به ۔ بالفارسیۃ مہر پیغمبران یعنی بدو مہر کردہ شدہ در نبوت وپیغمبران بدو

ختم کردہ اند ۔ وقرأ الباقون بکسر التاء (خاتم) ای کان خاتمہم ای فاعل الختم بالفارسیۃ مہر کنندہ پیغمبران

است وہو بالمعنی الاول ایضا وفی المفردات لانہ ختم النبوۃ ای تممت بمجیئہ

معارف القرآن جلد ۷ ص ۱۰۱ مفتی محمد شفیع مُہر کے معنے میں بھی یہ دونوں لفظ (خاتَم و خاتِم) استعمال ہوتے ہیں، اور نتیجہ دونوں معنے کا بھی وہی آخر کے معنے ہوتے ہیں کیونکہ مُہر کسی چیز پر بند کرنے کے لیے آخر ہی میں لگائی جاتی ہے

فتح الرحمٰن از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خاتم النبیین و مُہر پیغمبران ست یعنی بعد از وی ہیچ پیغمبر نہ باشد

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے لکھا خاتم النبیین اور سب نبیوں پر مُہر ہے اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں

شیخ زادہ حاشیہ تفسیر بیضاوی وخاتم النبیین آخرھم الذی ختمھم او ختموا بہ علی قراءۃ عاصم بالفتح وھو اسم لما یختم ویطبع بہ ویقال لہ الطابع ایضا۔ وفی الصحاح الطبع الختم وھو التاثیر فی الطین ونحوہ۔ والطابع بالفتح الخاتم والطابع بالکسر لغۃ فیہ فمن قرأ وخاتِم بکسر التاء اراد انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فاعل الختم حیث ختم النبیین ومن قرأ بفتحھا اراد انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر النبیین لا نبی بعدہ حیث ختموا بہ، وختم بہ بنیان النبوۃ وتم بحثہ کما یختم الکتاب بالخاتم ولما کان علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر النبیین صار بمنزلۃ الخاتم بالنسبۃ الیھم حیث ختموا بہ فسمی خاتم النبیین۔ (ج ۳ ص ۶۶)

خاتم النبیین کے معنے آخر النبیین لغت و محاوراتِ عرب کے رو سے اس کے یہی معنے ہیں کہ آپ ﷺ وصف نبوت کے ساتھ اس عالم میں سب سے آخر میں متصف ہوئے۔ جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی شخص کو نبوت نہ دی جائے گی اور اس وصفِ نبوت کے ساتھ آئندہ کوئی شخص متصف نہ ہو سکے گا۔ نہ یہ کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء وفات پا گئے ہیں

خاتم الاولاد یا آخر الاولاد کے معنے لغۃً و عقلاً یہی ہوتے ہیں کہ یہ بچہ سب سے آخر میں پیدا ہوا اس کے بعد کسی بچے کی ولادت نہیں ہوئی۔ نہ یہ کہ پہلی تمام اولاد اور سب بچوں کا صفایا ہو چکا۔ اور سب مر گئے

تفسیر قادری ج ۲ ص ۲۵۳ میں ہے وخاتم النبیین اور مہر ہیں پیغمبروں کی یعنی آپ کے سبب سے نبوت پر مہر ہو گئی اور پیغمبری آپ پر ختم ہو گئی۔ اور بعض نے آخر کے معنے میں بھی لیا ہے یعنی آپ آخر انبیاء ہیں..... چونکہ نبوۃ پر حضرت کی ذات مہر ہے تو آپ کے سبب سے نبوۃ کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور چونکہ سب انبیاء مہر نبوت کے ساتھ آپ مخصوص ہوئے تو ان کی ختمیت کے ساتھ بھی آپ نے اختصاص پایا۔ مثنوی میں ہے۔

نظم بہر او خاتم شدست او کہ بجود مثل او نے بود نے خواہد بود

ختم نبوت کے معنے محدثین کے نزدیک

مسلم ونسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اوقاتِ حیات میں وصیت نقل کی یا ایہا الناس انہ لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ اے لوگو! بشارات نبوت میں سے سوائے اچھے خوابوں کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔

بخاری [illegible] نے بھی ابو ہریرہ رضہ سے حضور کے یہ الفاظ نقل کیے لم یبق من النبوۃ الا المبشرات نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہا سوائے اچھے خوابوں کے۔

کنز العمال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا خاتم الانبیاء ومسجدی [illegible] الانبیاء میں [illegible] الانبیاء ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں سے آخری مسجد ہے (اس کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی نبی کی آخری مسجد ہوگی)۔

ابن [illegible] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا [illegible] بعدی [illegible] امۃ بعد امتی [illegible] میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔

[illegible] بروایت ضحاک بن نوفل لکھا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا لا نبی بعدی ولا امۃ بعد امتی

ابن [illegible] ابن شاہین واوسط طبرانی وفضائل الصحابہ لابی نعیم کے حوالہ سے صاحب کنز العمال نے حضرت علی رضہ کی روایت لکھی جس کی طویل عبارات میں سے ایک عبارت یہ ہے قیل لی انہ لا نبی بعدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۶ میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم حضرت معاذ رضہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ کو فرمایا لا نبوۃ بعدی

نیز حضرت حذیفہ بن اسید رضہ سے روایت لکھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ذہبت النبوۃ فلا نبوۃ بعدی الا المبشرات قیل وما المبشرات یا رسول اللہ قال الرؤیا الصالحۃ یراہا الرجل او ترٰی لہ رواہ احمد والخطیب نبوت گئی میرے بعد کوئی نبوت نہیں سوائے مبشرات کے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ مبشرات کا مطلب؟ فرمایا نیک خواب جو خود آدمی دیکھے یا اس کے حق میں دوسرا دیکھے۔

فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۲ میں البیہقی کے حوالہ سے حضرت انس رضہ سے مرفوعاً روایت کی کہ ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت ولا نبی ولا رسول بعدی۔ ابن کثیر ج ۳ ص ۹۰ میں بھی بحوالہ مسند احمد کے [illegible]

[illegible]

مسند احمد ج۲ ص ۳۹۱ کے حاشیہ پر منتخب [illegible] میں ابو امامہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن اپنے خطبہ میں فرمایا ایہا الناس انہ لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم میرے بعد نبی نہیں تمہارے بعد امت نہیں

ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۴ میں مسند احمد کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عمرو کی روایت لکھی ہے [illegible] نے ہمیں آکر فرمایا انا النبی الامی ہوں ولا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۳۱ میں نسائی و ابوداؤد کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رض کی روایت لکھی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا انہ لیس یبقی بعدی من النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ سوائے نیک خواب کے میرے بعد نبوۃ سے کچھ جزو باقی نہ رہے گا۔

احمد بن حنبل و ابن [illegible] نے جابر بن [illegible] المسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یکون بعدی نبی میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

بخاری اور مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی کہ رسول خدا صلعم نے حضرت علی رض سے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی

مسلم نے حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ۳۰ جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک ان میں سے جھوٹا دعویٰ کرے گا کہ نبی ہے الا و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی میں ہوں خاتم النبیین میرے بعد کوئی نبی نہیں

یہاں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کی خود تشریح فرما دی کہ لا نبی بعدی

علامہ رؤف مناوی نے شرح شمائل ترمذی میں لکھا ہے واضافتہ الی النبوۃ لانہ اتمہا اذ الشیٔ یختتم بعد تمامہ خاتم کی اضافت نبوۃ کی طرف اس لیے ہے کہ نبوۃ کے تمام اور پورا ہونے کی نشانی ہے کیونکہ چیز اپنے تمام ہو چکنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے

قسطلانی نے المواہب اللدنیہ جلد ۲ ص ۱۵۹ میں امام قرطبی کا حوالہ دے کر لکھا ہے لان بموت النبی صلی اللہ علیہ وسلم انقطع الوحی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی سلسلہ وحی بند ہو گئی

ملا علی قاری نے شمائل ترمذی کی شرح میں لکھا واضافتہ الی النبوۃ لانہ ختم بہ بیت النبوۃ حتی لا یدخل بعدہ احد خاتم کی اضافت نبوۃ کی طرف اس لیے ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت کا مکان بند کر دیا گیا ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایک بھی نبوت کے مکان میں داخل نہ ہو سکے سوائے اس [illegible] [illegible]

[illegible]

ختم نبوت کے معنے علم عقائد والوں کے نزدیک

— الملل ج ۱ ص ۸۰ میں ہے و تحقق ان وجود النبی بعدہ صلے اللہ علیہ وسلم باطل لا یکون البتہ اور یہ صحیح عقیدہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا وجود باطل ہے قطعاً نہ ہوگی۔

— الملل ج ۳ ص ۲۴۹ میں ہے حتی قال ... ان بعد محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبیاً غیر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ لصحۃ قیام الحجۃ بکل ھذا یعنی کہ عیسیٰ بن مریم کے سوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہے تو ایسے کافر کہنے میں دو دینداروں کا بھی باہم اختلاف نہیں ہوا کیونکہ اس عقیدے کے صحیح دلائل موجود ہیں۔ اسی طرح ص ۱۹۰ ج ۳ و ص ۱۱۳ ج ۱ اور ص ۲۸۰ ج ۳ میں ہے

— عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے فکیف یستجیز مسلم ان یثبت بعدہ علیہ السلام نبیاً فی الارض پھر ایک مسلمان کس طرح جائز سمجھ سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین میں کوئی نبی ثابت کرے۔

— عقائد نسفیہ میں ہے واول الانبیاء ادم وآخرھم محمد سب سے پہلا نبی آدم ہیں اور آخری نبی محمد

— شرح عقائد نسفیہ میں ہے وقد دل کلامہ وکلام اللہ المنزل علیہ انہ خاتم النبیین وانہ مبعوث الی کافۃ الناس بل الی الجن والانس ثبت انہ آخر الانبیاء نبی پاک اور کلام اللہ جو آپ پر اترا ہر دو اس عقیدہ پر دال ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں نیز یہ عقیدہ کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہیں بلکہ تمام جن وانس کی طرف مبعوث ہیں یہ بھی ثابت ہے کہ آپ آخری نبی ہیں؛

— المعتقد المنتقد ص ۳۰۹ میں بھی — اور الاتقان السیوطی ج ۲ ص ۱۲۸ میں بھی اور

— المسامرۃ لابن ہمام ص ۲۰۳ میں بھی — اور مجموعۃ العقائد للیافعی ص ۱۵ میں بھی اور

— عقیدۃ العوام للشیخ احمد مرزوقی ص ۸ میں — اور شرح عقیدۃ العوام النووی میں بھی اور

— مسائل ابو اللیث میں بھی — اور قطر الغیث النووی ص ۱۵۰ میں بھی کما مر

— شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میزان العقائد میں کہ محمد رسول اللہ وخاتمھم

— جوہرۃ التوحید میں ہے وختم خیر الخلق ان قد عمما ٭ بہ الجمیع ربنا وعمما ٭

— اتحاف المرید شرح جوہرۃ التوحید میں شیخ امام عبد السلام بن ابراہیم مالکی رحمہ نے اس شعر کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ای ختم ربنا بنبوتہ جمیع الانبیاء وقال تعالیٰ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ویلزم منہ ختم المرسلین ایضا

لان ختم الاعم ختم الاخص من غیر عکس فلا تبت النبوۃ ولا تشریعۃ بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی چاہیے
کہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کیسا تھ تمام انبیاء کو ختم سمجھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و
خاتم النبیین اور اس عبارت سے رسولوں کا ختم کرنا بھی لزومی طور پر ثابت ہو گیا کیونکہ نبی عام ہے اور
رسول خاص ہے اور عام کا ختم ہو تو خاص کا بھی ختم ہو جاتا ہے اس لیے اب نئے سرے سے نہ نبوت ہوگی اور
نہ کوئی شریعت بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

— شیخ عبدالغنی نابلسی نے شرح کفایۃ العوام صلہ میں لکھا ہے اٰخرھم بحیث لیس بعدہ نبی ولا رسول
اصلا محمد بن عبداللہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وھو النبی الباقی علی رسالتہ صلی
اللہ علیہ وسلم وان مات الی اٰخر الزمان وانقطاع عمران الدنیا انبیاء میں سے سب سے آخری نبی اس طرح کہ آپ
کے بعد نہ کوئی نبی ہو اور نہ آپ کوئی رسول وہ صرف حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام نبیوں اور
رسولوں کے آخر میں آئے ہیں اور وہی ایک ایسے نبی ہیں کہ اگرچہ وہ وفات پا چکے ہیں اپنی رسالت و نبوۃ پر
آخر وقت تک اور دنیا کے ختم ہونے تک باقی رہیں گے

— شیخ عبدالشکور سالمی نے کتاب التمہید میں لکھا وقالت الروافض ان العالم لا یکون خالیا من
النبی قط وھذا کفر لان اللہ تعالیٰ قال وخاتم النبیین ومن ادعی النبوۃ فی زماننا فانہ یصیر
کافرا ومن طلب منہ المعجزات فانہ یصیر کافرا لانہ لا شک فی النص فیجب الاعتقاد بانہ لا شرکۃ
لاحد فی النبوۃ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف ما قالت الروافض ان علیا کان شریکا لمحمد صلی
اللہ علیہ وسلم فی النبوۃ وھذا منہم کفر رافضی شیعہ کہتے ہیں دنیا جہان کبھی نبی سے خالی نہیں رہتا
اور یہ عقیدہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وخاتم النبیین کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور جو
اور جو شخص ہمارے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے تو کافر ہو گیا اور جو شخص اس سے معجزوں کا مطالبہ کرے

— شیخ عبدالغنی نابلسی رح نے شرح فرائد میں لکھا ہے فساد مذھبھم (الروافض) غنی عن
البیان بشھادۃ البیان کیف وھو یؤدی الی تجویز نبی مع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم او بعدہ وذ
ذلک یستلزم تکذیب القرآن اذ قد نص علی انہ خاتم النبیین واٰخر المرسلین وفی السنۃ انا
العاقب لا نبی بعدی واجمعت الامۃ علی ابقاء ھذا الکلام علی ظاھرہ وھذا احدی المسائل
المشھورۃ التی کفرنا بھا الفلاسفۃ لعنھم اللہ (اکفار الملحدین ص ۴۳) رافضیوں کے مذہب کے غلط
ہونے پر کھلی شہادتیں موجود ہونے کی وجہ سے کسی بیان کی ضرورت نہیں کیسے غلط نہ ہو جب کہ اس مذہب

کا انجام یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد میں اور نبی تجویز کیا جا سکتا ہے جس
سے قرآن پاک کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ قرآن نے صاف صریح بتایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
آخری نبی اور آخری رسول ہیں اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ میں اخیر میں آنے والا نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور ساری امت محمدیہ کا اس بات
پر اتفاق بھی ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہری معنے پر باقی ہے اور یہ ان مشہور مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ہے
جس میں ہم فلسفیوں کو کافر کہتے ہیں اللہ ان پر لعنت کرے۔

— دارمی ص ۲۳ میں حضرت خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کا خطبہ درج ہے جس میں ان کا یہ قول منقول ہے
کہ یا ایہا الناس ان اللہ لم یبعث بعد نبیکم نبیا ولم ینزل بعد هذا الکتاب الذی انزله علیکم کتابا
(لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا اور نہ مبعوث کرے گا اور ہمارے نبی پر اللہ
تعالیٰ نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کے بعد نہ اس نے کوئی کتاب اتاری ہے اور نہ اتارے گا)

— شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۱۰۸ میں ہے واما نزول عیسیٰ علیہ السلام فهو ومتابعته للشریعة
صلی اللہ علیہ وسلم فهو مما یؤکد کونه خاتم النبیین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا پھر ہمارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنا سو یہ ان امور میں سے ہے جس سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے

— شرح عقیدہ سفارینیہ ص ۲۵۷ میں ہے ومن زعم انها مکتسبة لا تنقطع فهو زندیق یجب قتله لانه
یقتضی کلامه واعتقاده ان لا تنقطع وهو مخالف للنص القرآنی والاحادیث المتواترة بان نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین جو شخص سمجھتا ہے کہ نبوت کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے وہ بے دین ہے
اس کا قتل کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا یہ قول اور عقیدہ اس بات کا مقتضی ہے کہ نبوت بند نہیں ہوئی
حالانکہ یہ عقیدہ نص قرآنی اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

— اکفار الملحدین ص ۳۳ میں ہے وقد قتل عبد الملك بن مروان الحارث المتنبي وصلبه، وفعل
مثله غیر واحد من الخلفاء والملوك باشباههم واجمع علماء وقتهم علی صواب فعلهم والمخالف في
ذلك من كفرهم كافر حارث مدعی نبوت کو خلیفہ عبد الملک بن مروان نے قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بہت سے
خلیفوں اور بادشاہوں نے انہی جیسا کام کیا جن کے اس درست کارروائی پر علماء وقت نے اتفاق کیا اور
مخالفت کرنے والے کافر ہیں۔

— حقیقۃ الوحی ص ۳۱ میں امام ابو جعفر طحاویؒ نے فرمایا کل دعوۃ نبوۃ بعدہ علیہ السلام فغی وھوی المبیوث الی عامۃ الجن وکافۃ الوریٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر دعوت نبوت گمراہی اور نفسانی خواہش ہے اور آپ جن اور تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (اسی طرح تمام اعتقاد والے لکھتے ہیں۔ بحوالہ عقائد طحاویہ کے ہیں)

ختم نبوت کے معنی فقہاء و اصولیین کے نزدیک

— امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب اصول الفقہ ج ۲ ص ۲۰۰ میں فرمایا کہ فان اللہ تعالیٰ جعل الرسول خاتم النبیین و حکم ببقاء شریعتہ الی یوم القیٰمۃ وانہ لانبی بعدہٗ الخ اللہ تعالیٰ نے الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں کا خاتم اور آخر بنایا اور ان کی شریعت کو روز قیامت تک باقی رہنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ اس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ پھر ج ۲ ص ۱۰۱ میں لکھا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما قبض نعتقد فیہ انہ رسول اللہ وانہ خاتم الانبیاء علی ما کان فی حال حیاتہ وان اخرجہ اللہ من بیننا باتنہاء مدۃ حیاتہ ولکن انقطع القول ببقاء شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی قیام الساعۃ قطعا بدلیل مقطوع بہ انہ لا نبی بعدہ حتی یکون ناسخا لشریعتہ (اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۰۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے بارے ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے آخر میں ہیں جیسے کہ آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں ان کی مدت حیات ختم ہونے پر ہمارے اندر سے نکال لیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ قیامت آنے تک ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت رہے گی کیونکہ ہمیں یقینی علم ہے جو آپ کے بعد نبی نہ ہونے کی قطعی دلیل موجود ہے ورنہ بعد میں اس شریعت کا ناسخ کوئی ہوتا۔

— محمد طاہر فتنی رحمہ نے تذکرۃ الموضوعات ص ۸۸ میں لکھا ہے الاجماع علی انہ علیہ السلام خاتم الانبیاءؐ وآیۃ الاحزاب نص فیہ۔ امت کا اجماع ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں اور سورۃ احزاب کی آیت (ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) اس بارے میں نص ہے۔

— البحر الرائق اور شامی ج ۳ ص ۲۵۹ میں ہے ولا رسول بعدہ آپ کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا۔

— العبر میں علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے لکھا والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبوات۔

— بدایۃ المبتدی ج ۲ ص ۷۰۵ و فتح القدیر و حاشیہ ج ۳ ص ۳۳۳ و بحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۱ میں ہے ولا رسول بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شرح میں شامی ج ۳ ص ۲۵۹ میں لکھا ہے لا یتصف احد بعدہ بہذا الوصف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص وصف نبوۃ کے ساتھ متصف نہ ہوگا۔

— بدایہ کی شرح مسلّم ج ۳ ص ۴۲۹ میں ولا نبی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت جمیع امتہ کے لئے ہے کہ لانہ یکون علی لسان نبی ولا نبی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجماع کا نسخ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ نسخ تو نبی ہی کی زبان پر ہوتا ہے اور آپ کے بعد نبی ہوگا نہیں۔

— فتاویٰ بعضہ ص ۳ میں ہے و اول پیغمبران ابوالبشر آدم است صفی اللہ و خاتم ایشان پیغمبر ماست امام الانبیاء و سابق الاصفیاء

— امام سرخسی نے اصول سرخسی ج ۲ ص ۳۰ میں لکھا فان اللہ جعل الرسول خاتم النبیین وحکم ببقاء شریعتہ الی یوم القیامۃ وانہ لا نبی بعدہ۔ اور ج ۲ ص ۸۱ میں ہے فان رسول اللہ بعد ما تیقن نعتقد فیہ انہ رسول اللہ وانہ خاتم الانبیاء علی ما کان فی حال حیاتہ وان اخرجہ اللہ من بیننا بانتہاء مدۃ حیاتہ فی الدنیا اور ج ۲ ص ۱۰۱ میں ہے ولہذا انقطع القول ببقاء شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی بقاء الساعۃ لعلمنا بدلیل مقطوع بہ انہ لا نبی بعدہ حتی یکون ناسخا لشریعتہ

— امام غزالی نے رسالۃ المستنصرین ص ۹۳ میں لکھا [illegible] ان محمدا عبدہ ورسولہ اصطفاہ لوحیہ وختم بہ انبیاءہ وجعلہ حجۃ علی جمیع خلقہ

— فقیہ ابو اللیث نے بستان العارفین ص ۲ بر حاشیہ تنبیہ الغافلین میں لکھا وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ الطیبین۔

— مقدمہ فتاویٰ عالمگیری ص ۲ میں ہے وختم بہ باب النبوۃ علی المرسلین

ختم نبوت کے معنے صوفیاء کرام کے نزدیک

— نہج الفرق ص ۴۳ میں ہے اللہ ختم کرد پیغمبران علیہم السلام را بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم چنانکہ خدائے گفت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین چون خاتم [illegible] مُہر پیغمبران باشد و آخر پیغمبران بود چوں خاتم کبیر عوالی مُہر کنندہ باشد و آخر کنندہ۔ ونیز پیغمبر علیہ السلام علی کرم اللہ وجہہ را گفت انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ونیز گفت انا العاقب لا نبی بعدی

— نظامی گنجوی رح نے مخزن الاسرار میں لکھا گفت بیاں کرد علم پیش برد؛ ختم نبوت بہ محمد سپرد

— شیخ اکبر کی فصوص الحکم کی شرح میں شیخ نابلسی رح نے لکھا وقد انقطعت النبوۃ والرسالۃ بنبوۃ نبینا ورسولنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیث لم یبق احد یتصف بذلک الی یوم القیامۃ ہمارے نبی رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ نبوۃ و رسالۃ کا سلسلہ ایسا منقطع ہو گیا۔ اس کے بعد کوئی

قیامت تک کوئی شخص وصفِ نبوت و رسالت کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔

—— قوت القلوب کے حاشیہ پر حیات القلوب ج ۲ ص ۳ پر شیخ عماد الدین اموی نے فصل رابع کے بیان میں صوفیاء کے عقیدہ کی شرح کرتے ہوئے جس پران کا اجماع ہے نیز فروع احکام میں ان کا مذہب ماخوذ ہے بیان کرتے ہوئے لکھا اما عقیدتہم فعقیدۃ شیخ السنۃ ابی الحسن الاشعری واصحابہ من فاتحتہا الی خاتمتہا ان ہالعقیدۃ تو ابتداء سے لیکر اخیر تک امام اہل سنت ابو الحسن اشعری اور اس کے اصحاب کا عقیدہ ہے آگے چل کر لکھتے ہیں وان محمدا افضل الانبیاء وان اللہ تعالیٰ ختم بہ النبوۃ ان عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں نیز یہ عقیدہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی سلسلہ نبوۃ کو ختم کر دیا۔

ابن عربی نے فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ... میں علی ما کان یوما ... فی المبشرات وہی جزء من اجزاء النبوۃ و[illegible] لم یکن صاحب المبشرۃ نبیا فتفطن لعموم رحمۃ [illegible] فما تطلق النبوۃ الا لمن اتصف بالمجموع فذلک النبی، وتلک النبوۃ التی حجرت علینا وانقطعت فان من جملتہا التشریع بالوحی الملکی فی التشریع وذلک لا یکون الا للنبی خاصۃ

—— نووی [illegible] ج ۲ ص ۵۶۷ میں ہے التاویل الفاسد کالکفر تاویل فاسد کفر کی طرح حرام ہے۔

—— امام غزالی نے الاقتصاد میں لکھا ان الامۃ فہمت من ہذا اللفظ (خاتم النبیین) انہ افہم عدم النبی بعدہ ابدا وعدم رسول بعدہ ابدا وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص ومن اولہ بتخصیص فکلامہ من انواع الہذیان لا یمنع الحکم بتکفیرہ لانہ مکذب بہذا النص الذی اجمعت الامۃ علی انہ غیر مؤول ولا مخصوص

—— شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ روافض ... ایضا ان علیا رضی اللہ عنہ نبی ... لعنہم اللہ والملائکۃ وسائر خلقہ الی یوم الدین فقطع اللہ دابرہم ولا جعل منہم فی الارض دیارا فانہم بالغوا فی غلوہم ومردوا علی الکفر وترکوا الاسلام وفارقوا الایمان وجحدوا الالہ والرسل والتنزیل فنعوذ باللہ ممن ذہب الی ہذہ المقالۃ (اکفار الملحدین ص ۳۲)

—— ابن عربی نے فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۵۹۰ میں لکھا وان محمدا افضل الانبیاء وان اللہ تعالیٰ ختم بہ النبوۃ

ختم نبوت دیگر علماء کرام کے نزدیک

قاضی عبد النبی احمد نگری نے جامع الغموض کے مقدمہ میں لکھا ہے والصلوٰۃ والسلام علی سید العرب والعجم خاتم الانبیاء شفیع الامم

رضی نے شرح کافیہ کے مقدمہ ص ۲ میں لکھا وصلواتہ وسلامہ علی خاتم انبیاءہ ومبلغ انبائہ محمد بن عبد اللہ المبشر بہ قبل میلادہ

فیض الباری ج ۴ ص ۱۳۳ میں ہے العاقب سمی بہ لکونہ علیہ السلام عقب الانبیاء کما یسمی الآخر من الجیش عاقبا لکونہ فی عقبہم

آمالیہ شرح ہدایۃ النحو ص ۳ میں ہے والصلوٰۃ والسلام علی النبی الذی قامت شریعتہ علی سبیل الاستمرار والدوام

ابن عقیل شرح الفیہ کے حاشیہ مقدمۃ البہجۃ المرضیۃ ص ۲ میں ہے واصلی واسلم علی النبی خاتم انبیاءک

مقامات میں ادیب حریری نے ص ۲ پر لکھا الذی ختمت بہ النبیین

ابن حاجب نے شافیہ ص ۲ میں اور اس کے شارح نے کافیہ ص ۲ میں لکھا والصلوٰۃ علی سیدنا محمد خاتم النبیین

ملا جیون نے نور الانوار ص ۱ میں لکھا والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی جعل خاتم الرسل الی یوم الدین

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مالابد منہ ص ۱۰ میں لکھا ہمہ انبیاء برحق اند اول ایشان آدم است و افضل ایشان محمد است صلی اللہ علیہ وسلم و خاتم النبیین

محمد حسن سنبھلی نے العقد المنظوم فی سمط العلوم میں لکھا

فاولہم آدم المستبین — وآخرہم سید المرسلین

قاضی ابو الحسین محمد بن ابی یعلیٰ نے طبقات حنابلہ ص ۲ میں لکھا ہے واشہد ان محمدا رسول اللہ المصطفیٰ ونبیہ المرتضیٰ لخاتمۃ اللہ لرسالتہ ومستودع امانتہ فجعلہ خاتم النبیین وخیر خلقہ اجمعین -

ابن رجب نے کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ کے مقدمہ ص ۵ میں لکھا وصلی اللہ علی سیدنا محمد

خاتم النبیین

ابن تیمیہ حرانی رح نے منہاج السنہ ص ۲ میں لکھا واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ الذی ختم بہ انبیاءہ وھدی بہ اولیاءہ

شاہ عبد الحق محدث دہلوی رح نے اخبار الاخیار ص ۱ میں لکھا واشہد ان محمداً عبدہ ونبیہ الذی لا نبی بعدہ

عبد الکریم شہرستانی رح الملل والنحل ص ۱۱ میں لکھا وصلے اللہ علی محمد المصطفے رسول الرحمۃ وخاتم النبیین

ابن عابدین نے رسائل جزو ثانی کے مقدمہ میں لکھا وختم بہ المرسلین

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رح نے گلستان ص ۲ میں لکھا تتمۂ دور زمان

علامہ شرنبلالی رح نے نور الایضاح ص ۲ میں لکھا والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین

عضد الدین نے المواقف ص ۲ میں لکھا ثم ختمھم باجلّھم قدراً ومرتبۃً وشرفاً وتعظیماً ۔

قاضی مبارک نے حاشیہ سلم العلوم ص ۲ میں لکھا سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا محمد رحمۃ للعالمین ۔

محمد احسن نے قاضی مبارک کے حاشیہ ص ۲ میں لکھا ان تصلی علی اکرم مخلوقاتک افضل صفیک سید المرسلین وخاتم النبیین رحمۃ للعالمین

عبد الرؤف مناوی نے شرح شمائل ترمذی میں لکھا اضافۃ الخاتم الی النبوۃ لانہ اثر خاتمہ اذا الشی یختم بعد تمامہ ۔

بحر العلوم رح نے شرح سلم العلوم ص ۲ میں لکھا مظہر اسمائہ الحسنی محمد المصطفے خاتم الرسالۃ احمد المجتبی صاحب الشفاعۃ

اسی شرح کے حاشیہ زبیدی ص ۳ میں لکھا فکمل بہ حائط النبوۃ وختم بہ دفتر الرسالۃ ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے رسالہ کشاف کے خطبہ میں لکھا واشہد ان سیدنا محمداً عبدہ ورسولہ الذی لا نبی بعدہ

رسالہ شاہ اسمٰعیل صاحب رح ص ۱۳ میں ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء است وختم الانبیاء مستند بکتاب اللہ وسنت رسول اللہ الصغرٰی پس از اصول عقائد اسلامیہ است ۔

علامہ بدرالدین زرکشی البرہان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۳۳۳ میں لکھتے ہیں لا نبی معکہ ولا بعدہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی کوئی نبی نہیں اور آپ کے بعد بھی کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ابن سیدہ النحوی نے اپنی کتاب المحکم ج ۱ ص ۱ مقدمہ میں کہا وصلی علی عاقب انبیاءہ

سیبویہ نے الکتاب ج ۱ ص ۵ میں کہا وصلی اللہ علی محمد خاتم النبیین وعلی آلہ الطیبین۔

بعض علماء کرام کے مختصر طور پر اسماء گرامی

حضرت امام اعظم صدیق اکبر رضؓ	حضرت علی رضؓ	حضرت جابر بن سمرہ رضؓ	حضرت خالد بن ولیدؓ
حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ	حضرت عباسؓ	حضرت ابو سعید خدریؓ	حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ
حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ	حضرت زبیرؓ	حضرت ابو ہریرہ رضؓ	حضرت عقیل بن ابی طالبؓ
حضرت ابی بن کعب رضؓ	حضرت حسنؓ	حضرت معاذ بن جبلؓ	حضرت معاویہ بن حیدہؓ
حضرت انس بن مالک رضؓ	حضرت سلمانؓ	حضرت ابو الدرداء رضؓ	حضرت بہز بن حکیم
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	حضرت مغیرہؓ	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	حضرت جبیر بن مطعم
حضرت جابر بن عبداللہؓ	حضرت ابو ذرؓ	حضرت حذیفہؓ	حضرت بریدہؓ

حضرت زید بن ابی اوفیؓ	حضرت زید بن حارثہؓ	حضرت عرباض بن ساریہؓ
حضرت عوف بن مالکؓ	حضرت عبداللہ بن ثابتؓ	حضرت مسعود بن مخرمہؓ
حضرت مالک بن حویرثؓ	حضرت ابو قتادہؓ	حضرت عروۃ بن رویمؓ
حضرت نافعؓ	حضرت نعمان بن بشیرؓ	حضرت ابو امامہ باہلی رضؓ
حضرت سفینہ مولیٰ ام سلمہؓ	حضرت ابی عنفرہؓ	حضرت ابو قتیلہ رضؓ
حضرت ابو الطفیل رضؓ	حضرت یونس بن میسرہؓ	حضرت ثوبانؓ
حضرت ام کرزؓ	حضرت ابو بکرہ رضؓ	حضرت مجاہد رضؓ
حضرت نعیم بن مسعودؓ	حضرت سعید بن حیثمؓ	حضرت مالک رضؓ
حضرت عبداللہ بن عمرو اللیثیؓ	حضرت سعدہؓ	حضرت عائشہ صدیقہؓ
حضرت ابو حازمؓ	حضرت زید بن ثابتؓ	حضرت تمیم داریؓ
حضرت ابو مالک اشعریؓ	حضرت زید بن ارقمؓ	حضرت محمد بن حزمؓ
		حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ

حضرت ابو زمل جہنی رض
حضرت خالد بن معدان رض
حضرت عمرو بن شعیب رض
حضرت سلمہ بن نفیل رض
حضرت قرۃ بن ایاس رض
حضرت عمران بن حصین رض
حضرت عقبہ بن عامر رض
حضرت عصمہ بن مالک رض
حضرت عبد الرحمن بن عمرو
حضرت عمرو بن قیس رض
حضرت عکرمہ بن الاکوع رض
حضرت سلمہ بن الاکوع رض
حضرت عبد اللہ بن حارث رض
حضرت حبشی بن جنادہ رض
حضرت اسماء بنت عمیس رض
حضرت ضحاک بن نوفل رض
ابو تمیمہ بن خطاب رض
عبادہ بن عمرو رض
عبد اللہ بن جحش رض
سائب بن یزید
زیاد بن لبید
اسامہ بن زید
زید بن حارثہ
حضرت ابو ہریرہ رض

وہب بن منبہ رح
تنوخی رسول ہرقل
ابو العالیہ رح
عطاء
کعب الاحبار
وہب بن مسعود
امام بخاری
امام مسلم
امام ترمذی
امام ابو داؤد
امام نسائی
امام مالک
امام احمد
امام ابن ماجہ
امام طحاوی رح
امام ابن ابی شیبہ
ابو داؤد طیالسی
طبرانی
ابن شاہین
ابو نعیم
ابن حبان
ابن عساکر
حکیم ترمذی
حاکم

ابن سعد
بیہقی
ابن خزیمہ
ضیاء مقدسی
ابو یعلی
محی السنہ بغوی
دارمی
خطیب
سعید بن منصور
ابن مردویہ
ابن مندہ
دارقطنی
ابن السنی
خطابی
خفاجی
قسطلانی
نووی شرح مسلم
سندھی شرح نسائی
طیبی
عبد الرؤف مناوی
زرقانی
ابن قیم المنار المنیف
ابن ابی الدنیا
دیلمی
ابن ابی حاتم

ابن النجار
بزار
ابو سعید بادردی
ابن عدی
رافعی
ابن عرفہ
ابن راہویہ
ابن جوزی
قاضی عیاض
عبد بن حمید
ابو نصر
سجزی فی الابانۃ
ہروی
رویانی
طبری فی ریاض النضرۃ
حافظ ابن حجر
علامہ عینی
صاحب مرقاۃ المفاتیح
شارح ترمذی
ابو زرعہ عراقی
ابن کثیر
قرطبی
ابو نعیم مسند
ابن تیمیہ در جواب صحیح
شاہ ولی اللہ در ازالۃ الخفا

- ابن حبان از زرقانی ج۶
- مجموعہ ابو عشق ج۲
- ابن جریر طبری
- امام راغب اصفہانی
- ابن کثیر
- زمخشری
- سیوطی
- سید محمود آلوسی
- علامہ نسفی
- علامہ بغوی
- خازن
- امام رازی
- بیضاوی
- المعتقد المنتقد ص۲۰۹
- الاتقان ص۱۳۸ ج۲
- مسامرہ لابن ہمام ص۲۳۰
- مکتوبات امام ربانی ج۲ ص۰۰
- و ج ۸ ص ۹۰

- ابو حیان
- شربینی صاحب سراج منیر
- صاحب جمل
- شیخ محی الدین ابن عربی
- شیخ محمد فندی شارح الیبید
- قاضی ثناء اللہ پانی پتی
- شیخ اسمعیل حقی
- صاحب جامع البیان
- صاحب موضح القرآن
- ابو محمد روزبہان شیرازی
- علامہ ثعالبی
- شیخ کمال الدین ہجری
- تحفہ شرح منہاج
- ابن حزم در ملل ج۱ ص۲۴۹ و ج۳
- ص۱۱۳ ج۳ و ص۱۷
- نجم الدین عمر نسفی
- علامہ تفتازانی

- فواتح الرحمن
- البحر المحیط
- عرائس البیان
- تفسیر مواہب علیہ
- الاشباہ والنظائر ص۲۹۶
- بحر الرائق ج۵ ص۱۳۰
- عالمگیری ج۲ ص۲۶۳
- ابن حجر مکی شافعی
- ملا علی قاری در شرح شمائل
- و در شرح فقہ اکبر ص۲۰۲
- شیخ سلیمان بجیری شرح منہاج
- فصول عمادی ص۱۳۰۰
- خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص۳۸۶
- مجموعہ عقائد باقی ص۱۵
- عقیدۃ العوام ص۱۴
- شرح عقیدہ نووی ص۱۲
- مسائل ابی الیث ص۱۴

- تحفۃ الترمذی ص۱۰۱
- مجموعۃ العقائد شاہ عبد العزیز
- جوہرۃ التوحید
- اتحاف المرید ص۱۳۶
- شرح کفایۃ العوام الفاجشی ص۱۵
- تمہید ابو شکور سالمی
- اقتصاد للغزالی
- عقائد ناصر جامی
- شرح تعرف
- مخزن الاسرار النسفی الکبری
- غنیۃ الطالبین للجیلانی
- حیات القلوب معاد الدین محمد
- نزہۃ الارواح شیخ ابی الحسن جبریل
- فتوحات مکیہ لابن عربی ج۳ ص۱۰۹
- و ج۳ ص۵۶۸
- شرح فصوص الحکم النابلسی ص۱۸
- سیوطی ص۵۸
- ابن سید ج۲

انجیل برنباس میں ختم نبوت کا ثبوت

انجیل برنباس ۹۷ : ۳۰ — ۸ ص ۱۳۳ و ۱۳۴ اور جدید ج ۲ ص ۱۹۵

یسوع نے کہا تحقیق تمہارا کلام مجھ کو کچھ تسلی نہیں دیتا اس لیے ایک ایسا اندھیرا آنے والا ہے جس میں کہ تم روشنی کی امید ہی کیا کرو گے۔ مگر میری تسلی اس رسول (الرسول) کے آنے میں ہے جو کہ میرے بارے میں ہر جھوٹے خیال کو محو کر دے گا۔ اور اس کا دین پھیلے گا۔ اور تمام دنیا میں عام ہو جائے گا کیونکہ اللہ نے ہمارے باپ ابراہیم سے یہی وعدہ کیا ہے۔ اور جو چیز مجھ کو تسلی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس رسول کے دین کی کوئی حد نہیں اس لیے اللہ اس کو درست اور محفوظ رکھے گا۔

کاہنوں نے جواب میں کہا کیا اس رسول (الرسول) کے آنے کے بعد اور رسول بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا "اس کے بعد خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے نبی کوئی نہیں آئیں گے"! (یعنی وہ رسول خاتم الانبیاء ہوں گے) نوٹ :- صفحہ ۵ پر جھوٹے مدعیان نبوۃ آتے رہیں گے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے کا کیا حکم ہے

قاضی عیاض نے شرح شفاء میں لکھا وکذلک نکفر من ادعی نبوۃ احد مع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم او فی زمانہ کمسیلمۃ الکذاب والاسود العنسی او ادعی نبوۃ احد بعدہ فانہ خاتم النبیین بنص القرآن والحدیث فھذا تکذیب للہ ورسولہ کالعیسویۃ مسیلمۃ الکذاب واسود عنسی نے جیسے عہد نبوی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا ہم ان کو بھی کافر سمجھتے ہیں اور آپ کے بعد بھی جس نے نبوۃ کا دعویٰ کیا ہم ان کو بھی کافر سمجھتے ہیں اس لیے کہ قرآن و حدیث کا صاف بیان ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ اللہ و رسول کی بات کو جھوٹا کہنا ہے (حجۃ اللہ بیہی)

مجموعہ فتاویٰ ج ۳ ص ۳۰ میں ہے وھا ان المسئلتان من جملۃ ما کفروا بہ تجویز النبوۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی اخبر تعالیٰ انہ خاتم النبیین دو مسئلوں میں سے ایک وہ مسئلہ جس میں کفر لازم آتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ السلام جن کے خاتم النبیین ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے ان کے بعد بھی کسی کی نبوۃ کی تجویز کرنا ہے

ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر کی کتاب السیر ص ۲۹۶ میں لکھا ہے اذا لم یعرف ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات جب کوئی آدمی یہی نہ سمجھتا ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے کیونکہ یہ عقیدہ تو ضروریات دین میں سے ہے۔

خفاجی نے شرح شفا میں لکھا جلد ۴ صفحہ ۴۳۳ من زعم انہ نبی یوحی الیہ کالمرتد فی احکامہ لانہ قد کفر بکتاب اللہ ولانہ کذبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ خاتم النبیین ولا نبی بعدی من الفریۃ علی اللہ جس شخص کا خیال ہے کہ میں نبی ہوں مجھے وحی ہوتی ہے وہ اپنے تمام احکام میں، وہ مرتد کی طرح ہے کیونکہ اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ کے قرآن پاک کا بھی انکار کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو بھی جھوٹا کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۳۸۳ میں ہے وادعی رجل النبوۃ وطلب من الناس ان یمھلوہ حتی یاتی بالعلامۃ علی صدقہ فقال الامام ابوحنیفۃ رح من طلب عنہ العلامۃ کفر لانہ یرد ما قال والفتاح باب النبوۃ وفیہ

نہ آئے گا: علیہ السلام خاتم النبیین۔ امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ کسی نے کہا اپنی سچائی پر نشانی دینے تک مہلت دو تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ نشانی کا مطالبہ کرنے والا بھی کافر ہو گیا کیونکہ اس نے یہ خیال پیدا کر دیا کہ یہ سچا ہو اور نبوت کا دروازہ کھلا ہو حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا تو دیتے۔ اور خود جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اس کے کافر ہونے میں تو شک کی گنجائش ہی نہیں۔

نوٹ: جب آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس سے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ تیرا دعویٰ تشریعی نبوت کا ہے یا غیر تشریعی نبوت کا، حقیقی نبوت کا ہے یا ظلی اور بروزی نبوت کا تاکہ پہلے قسم کی نبوت کے دعویٰ کو بلا تمیز رجوع استفسار عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف پاکر اس پر کفر کا حکم لگایا۔

ابن نجیمؒ نے بحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۰ میں لکھا ویکفر بقولہ ان کان ما قال الانبیاء حقا او صدقا وبقولہ انا رسول اللہ اور اس طرح کہنے سے کہ اگر انبیاء کی بات ٹھیک یا سچ ہے اور اس طرح کہنے سے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، آدمی کافر ہو جاتا ہے

فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۱ میں ہے اذا لم یعرف الرجل ان محمدا آخر الانبیاء فلیس بمسلم جس کو یہ پہچان نہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

آگے چل کر لکھا ولو قال انا رسول اللہ او قال بالفارسیۃ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر اگر کہے میں اللہ کا رسول ہوں یا میں پیغمبر ہوں مطلب اس کا یہ ہے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں تو پھر بھی کافر ہو گیا

فتاویٰ ابن حجر مکی شافعی میں ہے من اعتقد وحیا بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفر باجماع المسلمین جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی آنے کا اعتقاد رکھے وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔

شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ میں ہے دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع یعنی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا باجماع امت کفر ہے۔

فصول عمادی ص ۱۳۰۰ میں ہے وکذا لو قال انا رسول اللہ او قال بالفارسیۃ من پیغامبرم یرید بہ پیغام می برم یکفر

روح المعانی ج ۷ ص ۶۵ میں ہے وکونہ علیہ السلام خاتم النبیین مما نطقت بہ الکتب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بارے کتاب وسنت و اجماع امت سب ناطق ہیں اور جو اس کے خلاف کا مدعی ہے وہ کافر ہے اور اگر اس پر اصرار کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

علامہ شبلی رحمہ نے الانتقام ج ۲ ص ۹۹ میں لکھا ہے

یقول فی قولہ تعالیٰ وخاتم النبیین وھل یمکن تاویلہ ؟ ویجعل یطرق الیہ الاحتمالات الیسوع

امکان بعث نبی بعد محمد وکان متقبل ھذا المفتری علی ید شیخنا ابی جعفر ابی الزبیر

نبی ولی کجا مرزا قادیانی شریف انسان بھی نہ تھا

کیسے ننگے

مرزا فحش گو تھا

انوار الاسلام ص ۳۰ : اب جو شخص زبان ورازی سے باز نہ آئیگا اور ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو صاف سمجھا جائیگا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے ..... حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔

رسالہ آریہ دھرم ص ۵۳ میں آریہ کی بابت لکھا " ایسے ایسے حرام زادے جو سفلہ طبع دشمن ہیں۔

رسالہ نجم الہدیٰ ص ۱۰ میں کہا ان العدیٰ صاروا خنازیر الفلا ؟ ونساءھم من دونھن الاکلب ہیں جیسے دشمن جنگلوں کے سؤر اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں

آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۷ میں ہے کل مسلم یقبلنی ویصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا ہر مسلمان مجھے قبول کرتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے سوائے کنجریوں کی اولاد کے۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کو استفتاء ص ۱۳۰ میں شیخ الضال اور انجام آتھم میں ضالّ نالائق اور ص ۲۴ ان کے فتوے کو دجالانہ فتویٰ کہا

مولانا ثناء اللہ امرتسری کو تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۶ میں ابوجہل اور حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵ میں کتے

مردار خوار اور اعجاز احمدی ص ۳۳ میں کفن فروش۔ کتا اور ص ۴۳ میں اپنی ہوا خوار کہا

مولوی سعداللہ کو انوار الاسلام ص ۳۰ میں شیطان فطرت " نادان، صدق الدین اور ضیاء الحق ص ۹ میں کم بخت ص ۳۰ میں ہندو زادہ " بدبخت دین فروش اور انجام آتھم ص ۲۸۱/۲۸۲ میں کنجری کا بیٹا اور تحفہ النخیم فاسق شیطان ملعون نطفۂ سفہاء خبیث۔ مفسد۔ مزور۔ منحوس اور شیخ محمد ثنا اللہ علاء نذیر ص ۱۱۲ میں مردار عنقریب مرے گا

محمد حسین بٹالوی کو تریاق القلوب ص ۳۲ ص ۱۹۹ میں تراثر خاندانی بیہودہ اور رسالہ ضیاء الحق ص ۲۳ میں بدبخت دین فروش اور ص ۳۳/۱۳۲۲/۲۳۱ میں پلید بے حیا سفلہ۔ گندی کارروائی گندے اخلاق لغزیاں۔ ناپاک شیوہ اور استفتاء ص ۲۴ میں فرعون اور انجام آتھم ص ۲۴۹ میں یا شیخ ارض البطالۃ اے شیخ زمین پلید زمین بطالت کہا

ازالۃ الاوہام ص ۷۰۸، ۷۰۹ میں لکھ دیا قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے۔

کہ وہ وقت آنے کو کہ تم یہود یانہ خصلت کو چھوڑ دو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو بھی پلایا۔ نور ص ۲۴ میں لکھا "نالائق مولویوں کو ذلت پر ذلت نصیب ہوئی ... فقاتی زدہ یہود صفت مولوی سخت ذلیل ہو گئے

مرزا جھوٹ بولتا تھا

مرزا قادیانی نے چشمہ معرفت ص ۲۲۲ میں کہا "جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا" اربعین ۳ ص ۵۰ میں کہا "جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں" براہین احمدیہ ص ۱۰۹ میں کہا "منکریہ ذات اللہ تعالیٰ کسی حالت میں کسی نیک پاک آدمیوں کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے" اب مرزا قادیانی کو اس محک پر بھی پرکھتے ہیں کہ کہاں تک ان کا مقام ہے

فیضِ آسمانی بیخ کنی حصہ اول میں ۱۵۹ جھوٹ مرزا قادیانی بولے۔ اور حصہ دوم میں ۶۹ جھوٹ بولے۔ اور حصہ سوم میں ۹۰ جھوٹ بولے۔ دوسری شہادت آسمانی میں ۲۱۵ جھوٹ بولے۔ النجم الثاقب حصہ اول میں ۲۲ جھوٹ۔ مسیح کاذب میں ۲۴ جھوٹ۔ ہدیہ عثمانیہ میں ۱۷ جھوٹ بولے۔ صحیفہ رحمانیہ و صحیفہ محمدیہ میں مزید آں جھوٹ شائع کیے۔ مولوی عبدالماجد بھاگلپوری نے منہاج النبوت میں کمال ہی کر دیا جس میں لکھا "جھوٹ بولنا تمام انبیاء کا شیوہ رہا" (گویا جھوٹ نبوت کا خاصہ ہے نعوذ باللہ) یاد رہے جھوٹ تین قسم ہے واقعات ماضیہ کے متعلق، واقعات حال کے متعلق، واقعات مستقبلہ کے متعلق مرزا کے کلام میں تینوں قسم کے جھوٹ پائے جاتے ہیں۔ چند نمونہ از خروارے درج ذیل ہیں۔

۱ اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیے جو وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفہ کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی کہ هذا خلیفۃ اللہ المهدی اب سوچو کہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے کہ جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ہے (شہادت القرآن) حالانکہ بخاری میں یہ حدیث نہیں ہے۔ یہ مرزا کا جھوٹ ہے

۲ جاننا چاہیے کہ اگرچہ عام طور پر رسول اللہ کی طرف سے یہ حدیث صحیح ہو چکی ہے کہ خدا تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لیے ہر ایک صدی پر ایک ایسا مجدد مبعوث کرتا رہیگا جو اس کے دین کو نیا

کرے گا. لیکن چودھویں صدی کے لیے یعنی اس بشارت کے بارہ میں جو ایک عظیم الشان مہدی چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا اس قدر نشانات ثبوتیہ پائے جاتے ہیں جو اُن سے کوئی طالب منکر نہیں ہو سکتا" (نشانِ آسمانی ص ۱۶) حالانکہ کسی حدیث میں چودھویں صدی کا ذکر نہیں، اور نہ ہی چودھویں صدی میں مہدی کے آنے کا ذکر ہے۔ اور نہ ہی چودھویں صدی کے مجدد کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ کوئی اشارہ یا بشارت ہے۔

۳ ازالہ اوہام ۱۲ ص ۷۰۰ میں کہا "تیرھویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا آنا ایک اجماعی عقیدہ معلوم ہوتا ہے" حالانکہ اس کا کوئی عالم قائل نہیں چہ جائیکہ اجماع ہو۔ پس یہ بھی مرزا کا جھوٹ ہوا۔

۴ حاشیہ کشتی نوح ص ۱۳ میں کہا "یہودی اپنی تاریخ کی رُو سے بالاتفاق یہی مانتے ہیں کہ موسیٰ سے چودھویں صدی کے سر پر عیسیٰ ظاہر ہوا تھا" حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ۱۵ یا ۱۶ سو سال بعد تشریف لائے

۵ سلف صالح میں سے بہت سے صاحب مکاشفات مسیح کے آنے کا وقت چودھویں صدی کا شروع سال بتلا گئے ہیں" (یہ مرزا کا جھوٹ ہے) (۶) چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کی بھی یہی رائے ہے" (۶ . . . . (۷)) اور اکثر محدثین اس حدیث کے معنے میں کہ جو الآیات بعد المائتین ہے اسی طرف گئے ہیں (ازالہ اوہام ج۱ ص ۶۷) (یہ سب مرزا کا جھوٹ ہے)

۸ اخبار بدر مؤرخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء میں کہا" ہمارے نبی کریم ؐ کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے" حالانکہ بچہ بچہ تاریخ کی رُو سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ مرزا کا صریح جھوٹ ہے۔

۹ اشتہار مؤرخہ ۲۳ اگست ۱۹۰۷ء میں لکھا "آنحضرت ؐ نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو تو اس شہر کے لوگوں کو چاہیے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں" حالانکہ قطعاً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس فرمایا۔ پس مرزا کا یہ جھوٹ ہے

۱۰ اور یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں ...... یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی (کشتی نوح ص ۵) حالانکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں۔ یہ مرزا کا جھوٹ ہے

۱۱ ازالہ اوہام ص ۳۴ میں لکھا "تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن کریم میں درج کیا گیا ہے مکہ اور مدینہ اور قادیان" قرآن شریف میں قادیان کا نام کہیں نہیں یہ مرزا کا جھوٹ ہے۔

۱۲ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور مولوی اسمٰعیل صاحب علی گڑھی نے لکھا ہے کہ جھوٹا ہے

کے سامنے مرجائے گا (اربعین نمبر۳ ص ۹) حالانکہ ان دونوں میں سے کسی نے اپنی کسی کتاب میں یہ مضمون نہیں لکھا لہٰذا یہ مرزا کا جھوٹ ہے۔

۱۳ یہ ضرور تھا کہ قرآن کریم و حدیث کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں جن میں یہ لکھا تھا کہ مسیح جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا وہ اسے کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کا فتوے دیں گے (اربعین نمبر۳ ص ۱۱) حالانکہ یہ سب مرزا کی جھوٹی باتیں ہیں۔۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ مسیح علماء اسلام کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ اور نہ یہ ہے کہ وہ مسیح کو کافر کہیں گے۔ اور نہ یہ ہے کہ وہ مسیح کے قتل کا فتوے دیں گے (بلکہ اس وقت تمام ادیان ختم ہوجائیں گے صرف دین اسلام رہ جائیگا)

۱۴ تحفۃ الندوہ ص ۵ مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں لکھا قرآن نے بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کیا ہے جو یہی زمانہ ہے حالانکہ قرآن کریم نے کہیں نہیں کہا لہٰذا یہ مرزا کا جھوٹ ہے ف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے

قومیت یہ مشتے نمونہ از خروارے پیش کیے گئے اور مرزا اپنے کہنے کے مطابق مرتد ہوا

مرزا نے بھی کی بیان میں لکھا مرزا کی پیش گوئیاں دس سے زیادہ جھوٹی ثابت نہیں ہوئیں

اٹھیے اب یہ بھی دیکھ لیتے ہیں:۔

مرزا کی پیش گوئیاں غلط

۱ اعجاز احمدی ص ۵۰ راہ میں پیش گوئی لکھی مولوی محمد حسین بٹالوی میرا اسلام قبول کرے گا اور ۱۹۰۲ء میں تحریر لکھی بوحی اللہ تسلیم کرلیا ہے کہ محمد حسین کا ایمان سعید لوگوں کی طرح ہوگا مگر محمد حسین مرزا پر ایمان نہ لائے

۲ اعجاز احمدی ص ۱۳۷ میں پیش گوئی لکھی وہ (ثناء اللہ امرتسری) ہرگز قادیان نہیں آئیں گے: مگر مولوی ثناء اللہ صاحب ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے۔

۳ میگزین ۱۴ جنوری ۱۹۰۶ء میں پیش گوئی لکھی "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں" مگر مرزا لاہور میں مرا، قادیان میں دفن ہوا۔۔ نہ حج نصیب ہوا نہ عمرہ۔ نہ وہاں کا مرنا نصیب میں تھا

۴ محمدی بیگم کے ساتھ مرزا کا نکاح ہونے کی مشہور پیش گوئی ہے! مرزا مر گیا نکاح نہ ہوا۔ محمدی بیگم ...

۵ اشتہار معجزہ ۲۰ نومبر ۱۹۰۱ء میں پیش گوئی لکھی "ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھ کو خوشخبری دیتے ہیں جو مبارک ہوگا اور اس کا قائم مقام اور اس کا مشابہ ہوگا" مگر لڑکا نہ ہوا اور مرزا مر گیا۔

۶ صاحبزادہ مبارک احمد کو تپ ہوا۔ الہام ہوا قبول ہوگئی نو دن کا بخار ٹوٹ گیا "یعنی دعا قبول ہوگئی

کہ اللہ تعالیٰ میاں صاحب موصوف کو شفا دے (میگزین ستمبر ۱۹۰۵ء و ڈائری ۲۰ اگست ۱۹۰۵ء) مگر یہ ۱۹ ستمبر کو صبح کے وقت فوت ہو گیا (میگزین اکتوبر ۱۹۰۵ء)

۷ تریاق القلوب ص ۴۴ میں لکھا خدا نے مجھے کہا اجیب کل دعائک میں تیری ہر دعا قبول کرونگا مگر مولوی عبدالکریم کی صحت کی دعا مانگی! نہ قبول ہوئی۔

۸ میگزین ۲۰ مارچ ۱۹۰۶ء و البشریٰ ج ۲ ص ۱۲۷ میں پیش گوئی کی "میرا دشمن ہلاک ہو گیا" مگر مرزا کے بڑے دشمن ڈاکٹر عبدالحکیم خان و مولوی ثناء اللہ یہ دونوں زندہ رہے: مرزا ان کی زندگی میں مر گیا!

۹ آیندہ زلزلہ کی نسبت جو میری پیش گوئی ہے اس کو ایسا خیال کرنا کہ اس کے ظہور کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ بار بار وحی الٰہی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ پیش گوئی میری زندگی میں میرے ہی ملک میں اور میرے ہی فائدہ کے لیے ظہور میں آئیگی۔ کیونکہ ضروری ہے کہ یہ حادثہ میری زندگی میں ہی ظہور میں آئے (ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۹۷) مگر اس کے بعد مرزا کی زندگی میں کوئی زلزلہ نہ آیا!

۱۰ مبارک احمد مصلح موعود مرزا کے الہام میں تھا مگر وہ ۹ سال سے کم عمر پاکر مر گیا مرزا کی پیشگوئی غلط نکلی "مرزا نے کہا تھا ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں" (دیکھو اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء و مندرجہ آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۰ ج اول و ص ۲۳۲ ج دوم) نیز لکھا کسی انسان کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹا نکلنا خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے دیکھو تریاق القلوب ج اول ص ۱۰۷ و ص ۳۶۸ ج ۳) اب ناظرین نتیجہ خود نکالیں۔

مرزا پیغمبروں کی توہین کرتا تھا

مرزا صاحب نے خود ست بچن ص ۱۳۱ ج ۵ میں لکھا ہے "کوئی بھلا آدمی گذشتہ بزرگوں کی مذمت نہیں کرتا۔ پھر ضمیمہ اربعین نمبر ۳ ص ۵ میں لکھا گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں۔ کشتی نوح ص ۱۱ میں لکھا کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو! تبلیغ رسالت ج ۴ ص ۴ اشتہار ۷ ستمبر ۱۸۹۵ء میں لکھا کسی شخص کو جاہل" "نادان" "دنیا پرست" "مکار" "فریبی" "گنوار" "متکبر وغیرہ الفاظ کہنے والا شریفوں اور منصفوں اور نیک سرشت لوگوں کے نزدیک گندہ طبع اور بدزبان ہوتا ہے۔ اربعین ج ۴ ص ۴۴ میں لکھا خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا

آئیے! اب ہم مرزا قادیانی کو اس کے اپنے بنائے ہوئے محک پر پرکھتے ہیں کہ کیسے ہیں؟

ہر پیغمبر اپنے سے پیشتر پیغمبر کی تصدیق کرتا تھا مگر مرزا قادیانی وہ ہے جس نے پیغمبروں کی تکذیب توہین کی چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے ضمیمہ انجام آتھم ص ۵ میں کہا عیسیٰؑ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ نیز لکھا آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی ص ۵ میں لکھا آپ کا کنجریوں سے میلان تھا۔ اعجاز احمدی ص ۱۳ میں کہا ان کی نبوت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ ست بچن ص ۱۷۲ و ضرورۃ الامام ص ۲۰ و ازالۃ اوہام طبع ۲ حاشیہ ص ۴، ۵ میں لکھا عیسیٰ نے اکثر سخت الفاظ اپنے مخالفین کے حق میں استعمال کئے ہیں جیسے سؤر کتے بے ایمان بدکار وغیرہ وغیرہ

ضمیمہ انجام آتھم ص ۶، ۷ میں کہا عیسیٰ کو تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا جس کی وجہ سے خدا سے منکر ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے علاوہ کثرت سے توہینات ہیں میری تالیف التوہینات کا مطالعہ کر لیں

مرزا کے ہاں خدا کا تصور

خدا کا تصور: براہین احمدیہ میں ہے ربنا العاج ہمارا رب ہاتھی دانت ہے۔ توضیح المرام ص ۷۵ میں کہا اس وجود اعظم (اللہ) کے بیشمار ہاتھ بیشمار پیر لاانتہا عرض اور طول رکھتا ہے! اور تیندوے کی طرح اس کی تاریں بھی ہیں!

شاید مرزا قادیانی نے بجائے قرآن کریم کے جس میں ہے لیس کمثلہ شیء (اس کی مثل کوئی چیز نہیں) ہے؟

یجروید کو سچا مانا جس کے ادھیائے ۳۱ منتر ۱ میں ہے ایشور سب سے بڑا ہے۔ اس کے ہزار ہاتھ ہیں ہزار پاؤں ہیں ہزار سر ہیں، ہزار منہ ہیں اور ہزار آنکھیں ہیں اور ہزار کان بھی ہیں اور وہ سب طاقت والا ہے۔ (ارمغان دو ص ۲۰۶)

حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳ میں ہے اخطی واصیب اللہ فرماتا ہے کہ میں خطا کروں گا اور صواب بھی یعنی کبھی میرا ارادہ پورا ہوگا اور کبھی نہیں۔

مرزا کا خدائی دعویٰ

مرزا کا دعویٰ خدائی: خطبہ الہامیہ ص ۲۳ میں ہے اعطیت صفۃ الافناء والاحیاء من رب الفعال مجھے رب فعال کی طرف سے مارنے اور جلانے کی صفت عطا کی گئی ہے۔ حاشیہ اربعین نمبر ۲ ص ۳۰ میں لکھا ہے کہ خدا نے میرا نام میکائیل رکھا ہے جس کے معنے ہیں خدا کی مانند۔ تجلیات الٰہیہ ص ۱۳ میں کہا انت منی بمنزلۃ بروزی اللہ فرماتا ہے تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہے۔ البشریٰ ج ۲ ص ۷۹ میں کہا اسمع ولدی خدا نے فرمایا کہ میرے بیٹے سن حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵ میں ہے انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون اے میرے بیٹے! تیرا صرف یہ کام ہے کہ جب تو کسی شے کے ہو جانے کا ارادہ کرے تو اسے صرف اتنا کہہ دے کہ ہو جا۔ بس وہ فوراً ہو جائیگی۔

حقیقۃ الوحی ص ۳۰۵ میں کہا یوم یاتی ربک فی ظلل من الغمام ... تیرا خدا یعنی انسانی مظہر (مرزا قادیانی) کے ذریعے اپنا جلال ظاہر کرے گا: آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۳ و ۵۶۵ میں لکھا ورأیتنی فی المنام عین اللہ وتیقنت اننی ہو میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں خود خدا کی ذات ہوں اور مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی میں خدا ہی ہوں۔ آگے لکھا کانت الالوہیۃ تفورت فی عروقی وذاتی واجزاء اعضائی خدا کی الوہیت میرے رگ و ریشہ میں اور میرے اعصاب کی جزء جزء میں غور کر گئی۔ آگے لکھی وکنت اتیقن ان جوارحی لیست جوارحی بل جوارح اللہ تو مجھے یقین ہوا کہ میرے اعضاء میرے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں: اسی قسم کی عبارت دُور تک چلی جاتی ہے۔

مرزا برکات دہندہ ہے: حاشیہ اربعین نمبر ۳ ص ۳۰ میں ہے فبارک الذی علم و تعلم یعنی بڑے والے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیکھنے والے مرزا قادیانی ہر دو برکات دہندہ ہیں۔ اے جارحی نے فرمایا البرکۃ من اللہ برکت بنا سرف

نوٹ: اسی طرح اور بہت سے خرافات ہیں جو کسی وہ مجلس میں تماشے جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق علی بقہ کسی سے ... باں ذکر تے کالی نہ دیتے مگر مرزا کی زبان دیکھی؟

اور سنیے!

مرزا کا دعویٰ علم غیب اور اس پر قبضہ

علم غیب کا مدعی تھا: ضرورۃ الامام ص ۱۴ میں لکھا "امام الزمان (مرزا قادیانی) کی الہامی پیش گوئیاں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتی ہیں یعنی غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں جیسا کہ چابک سوار گھوڑے کو قبضہ میں کرتا ہے اور یہ قوت اور انکشاف اس لیے ان کے الہام کو دیا جاتا ہے کہ تا کہ ان کے پاک الہام شیطانی الہامات سے مشتبہ نہ ہوں اور دوسروں پر حجت ہو سکیں"

ایک غلطی کا ازالہ ص ۳ میں ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنے لغت کی رُو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا اور نبی کا رسول ہونا شرط ہے۔ کیونکہ اگر وہ رسول نہ ہو تو غیب مصفی کی خبر اس کو نہیں مل سکتی"۔

حاشیہ کشتی نوح ص ۲۲ میں ہے: قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی۔ مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مُردہ ہے اور خدا اس کے ساتھ نہیں (کیا شریعت سچے دین کی جان نہیں وہ کیوں ختم ہو گئی۔ پھر یونس سچا ہوا جو لکھتا ہے

مرزا حلولی تھا

مرزا قادیانی حلولی تھا: چنانچہ آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۵ میں لکھا: خدا میرے وجود میں حلول کر گیا۔

اور میرا غضب، میرا حلم، اور تلخی و شیرینی و حرکت و سکون سب اسی کا ہو گیا۔ اور اسی حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب و تفریق نہ تھی پھر میں نے منشائے حق کے مطابق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا انا زینا السماء الدنیا بمصابیح۔ پھر میں نے کہا ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے۔"

ضرورۃ الامام ص ۲۰ میں لکھا ہے سیدنا حضرت مصطفیٰ صلعم بار بار یمن کی طرف منہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اجد ریح الرحمٰن من الیمن یعنی مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اویس میں خدا کا نور اترا ہے۔ ف مرزا کے نبی کا طلاق پسند نہیں ہے معاذاللہ، طلاق مجاز کیسے؟

زنا 'شراب' اور ......

روزنامہ "الفضل" قادیان دارالامان مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء میں ص ۶ کالم ۲ میں لکھا:

"اس کی سلسلہ سے محبت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ایک خط میں جس کے متعلق اس نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اسی کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر یہ تحریر کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود ولی اللہ تھے۔ اور ولی اللہ بھی کبھی کبھی زنا کر لیا کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں حرج کیا ہوا۔ پھر لکھا ہے۔ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراض نہیں کیونکہ وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے۔ ہمیں اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے اس اعتراض سے پتہ لگتا ہے کہ یہ شخص پیغامی طبع ہے۔ اس لیے کہ ہمارا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ آپ نبی اللہ تھے مگر پیغامی اس بات کو نہیں مانتے اور وہ آپ کو صرف ولی اللہ سمجھتے ہیں"۔ ۱۲

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے تاریخی مقدمہ کا فیصلہ شواہد چوہدری افضل حق

"معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ایک ٹانک استعمال کرتا تھا جس کا نام پلومر کی شراب تھا۔ ایک موقع پر اس نے اپنے مریدوں میں سے ایک کو لکھا کہ پلومر کی شراب لاہور سے خرید کر مجھے بھیجو۔ پھر دوسرے خطوط میں یاقوتی کا تذکرہ ملتا ہے۔ مرزا محمود نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس کے باپ نے ایک دفعہ پلومر کی شراب دوا کے استعمال کی۔ جو میرے نزدیک یہ حقہ بھی قابل اعتراض نہیں ہے"

۶ جون ۱۹۳۵ء

دستخط جی۔ ڈی کھوسلہ سشن جج

مرزا انکار وحی کے بعد مدعی وحی

حمامۃ البشریٰ ص ۳۴: قد انقطع الوحی بعد وفاتہ ص۔ وختم اللہ بہ النبیین

حاشیہ کشتی نوح ص ۲۲۶: قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی ہے مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے۔ اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔

مرزا اہل سنت بن کر عقائد کا فرانہ رکھتا ہے

انجامی فیصلہ ص ۴ میں لکھا: اور خدا جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہل السنۃ والجماعۃ مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں۔ اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور مدعی نبوت نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں

مجموعہ اشتہارات ص ۲۳۰ میں لکھا: میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے اب میں مندرجہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانۂ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء کی ختم نبوۃ کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوۃ کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔

کتاب البریۃ ص ۲۰۲ میں لکھا: افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور گویا ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تمام افتراء ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہل سنت کے قائل ہیں

پھر مرزا نے بدر اخبار جلد ۵ مارچ ۱۹۰۸ء میں لکھا: ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں

اربعین نمبر ۴ ص ۹۹ میں ہے: "مجھے اپنے وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توراۃ و انجیل اور قرآن کریم پر

اربعین نمبر ۴ ص ۱۹ پر ہے جب کہ مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توراۃ انجیل قرآن کریم پر تو کیا انہیں مجھ سے توقع ہو سکتی ہے کہ میں ان کے ظنیات بلکہ موضوعات کے ذریعہ یعنی حدیثوں کو سن کر اپنے یقین کو چھوڑ دوں۔ جس کی حق الیقین پر بنا ہے؟ ف حدیث کی صحت ضعف کا حکم مرزا سے پوچھ کر لگاؤ لاحول۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ راستباز تھے مرزا کہتا ہے عیسیٰؑ کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پاکدامن تھے مرزا کہتا ہے آپؑ کا کنجریوں سے میلان تھا

۔ ۔ ۔ ۔ شراب نہ پیتے تھے مرزا کہتا ہے کہ عیسیٰؑ شرابی کبابی تھے

۔ ۔ ۔ ۔ نے خدائی دعویٰ نہیں کیا مرزا کہتا ہے کہ عیسیٰؑ نے خدائی دعویٰ کیا

۔ ۔ ۔ ۔ رسول اللہ ہیں مرزا کہتا ہے ان کی نبوت پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی بلکہ

۔ ۔ ۔ ۔ کو کتاب و حکمت خدا نے سکھائی مرزا کہتا ہے آپ کا ایک یہودی استاد تھا

۔ ۔ ۔ ۔ مرگی دیوانگی وغیرہ امراض سے پاک تھے مرزا نے کہا بوجہ مرگی دیوانہ ہو گیا تھا

۔ ۔ ۔ ۔ کے ہاتھ سے معجزے ظاہر ہوئے مرزا نے کہا وہ مسمریزم کرتے تھے

۔ ۔ ۔ ۔ معجزہ شق القمر برحق ہے مرزا نے کہا وہ ایک قسم کا چاند گرہن تھا نہ شق القمر

۔ ۔ ۔ ۔ جہاد قیامت تک رہیگا مرزا نے کہا اب دین کے لیے جہاد حرام ہے

۔ ۔ ۔ ۔ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے مرزا نے کہا کہ دوزخ ہسپتال کی طرح ہے

۔ ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں حلول نہیں کرتا مرزا نے کہا اللہ میرے رگ و ریشہ میں حلول کر گیا

۔ ۔ ۔ ۔ اللہ کی مثل کوئی شے نہیں ہے مرزا نے کہا وہ تیندوے کی طرح ہے

۔ ۔ ۔ ۔ اللہ بسیط ہے جس کا طول ہے نہ عرض مرزا نے کہا اللہ طول و عرض رکھتا ہے الخ

۔ ۔ ۔ ۔ بعد از محمد رسول اللہ ﷺ وحی منقطع ہو چکی ہے مرزا نے کہا وحی جاری ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ عیسیٰؑ اور مہدی دو الگ الگ ہستیاں ہیں مرزا نے کہا دونوں ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ یہود کے ہاتھوں سے محفوظ رہے سولی پر نہ چڑھے مرزا نے کہا سولی پر چڑھے

۔ ۔ ۔ ۔ آسمان پر زندہ تشریف فرما ہیں مرزا نے کہا مر گئے قبر کشمیر میں ہے

۔ ۔ ۔ ۔ آخر زمانہ میں زمین پر اتر آئیں گے مرزا اس کا منکر ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہ ملے گی مرزا کہتا ہے نبوت جاری ہے

۔ ۔ ۔ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے مرزا کہتا ہے [illegible]

۔ ۔ ۔ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج ہوا تھا مرزا منکر ہے

۔ ۔ ۔ ۔ انبیاء کرام علیہم السلام شیطانی الہام سے محفوظ ہوتے ہیں مرزا کہتا ہے نہیں

۔ ۔ ۔ ۔ انبیاء کرام علیہم السلام فحش گوئی سے پاک تھے مرزا کہتا ہے نہیں

مرزائیوں کی طرف سے چند سوالوں کے جوابات

سوال حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تو کہہ سکتے ہو مگر یوں نہ کہو لا نبی بعدہ آپ کے بعد نبی کوئی نہیں۔

جواب ۱ اس حدیث کی سند بیان نہیں کی گئی۔ بغیر سند کے صحت وضعف کا حکم نہیں کیا جاسکتا

جواب ۲ یہ عبارت صریح بہتان ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر کیونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یبقی بعدہ من النبوۃ الا المبشرات (مسند احمد بخاری) نبوۃ میں سے کچھ بھی اب باقی نہ رہا سوا سچے خوابوں کے

جواب ۳ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا نبی بعدی فرمایا تو ام المؤمنین کی کیا مجال ہے کہ اس کی تردید کرے چنانچہ ترمذی میں خود آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے انا العاقب الذی لا نبی بعدی

جواب ۴ خود مرزا قادیانی نے بھی خاتم النبیین کی یہی تشریح کی ہے دیکھو اس کی کتاب حمامۃ البشریٰ ص ۳۴ خاتم النبیین وفسرہ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ علیہ السلام لا نبی بعدی

جواب ۵ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سچ مچ یہ بات کہی ہے تو اس کی صحیح توجیہ ہو سکتی ہے جسے راوی نے اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا وہ دراصل بات یوں تھی کہ کسی نے لا نبی بعدی کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آخر زمانہ میں حضرت عیسے علیہ السلام کا نزول بھی نہ ہوگا تو اس کے اس زعم باطل کی تردید کے لیے آپ نے فرمادیا ہوگا کہ تم لا نبی بعدی کہو نہیں کیونکہ اس عبارت کا مفہوم اگرچہ یہ نہیں ہے مگر تمہارے دل میں اس عبارت کی وجہ سے غلط عقیدہ جگہ پکڑ گیا ہے اس لیے یہ لفظ کہنا ہی چھوڑ دو

حضرت عیسیٰؑ کا نزول من السماء مانیں تو ہمارے نبی خاتم الانبیا نہیں رہتے

جواب:

کشاف ج۲ ص ۲۱۵ میں علامہ زمخشری نے جو کٹر قسم کے معتزلی ہیں لکھا ہے فان قلت کیف کان آخر الانبیاء، وعیسیٰ علیہ السلام ینزل فی آخر الزمان؟ قلتُ معنی کونہ علیہ السلام آخر الانبیاء انہ لاینبأ احد بعدہ صلے اللہ علیہ وسلم وعیسیٰ علیہ السلام ممن نبئ قبلہ علیہ السلام یعنی اگر کوئی کہے کہ آنحضرتؐ آخر الانبیاء کس طرح ہوئے جب کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام نے اترنا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی بنایا نہ جائے گا۔ اب رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو وہ تو آنحضرتؐ سے پہلے نبی بنائے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے تکمیل الایمان ص ۲۳ میں لکھا و نسخ شریعت عزل نبوت نیست شرع کے منسوخ ہونے سے نبوت نہیں چھنتی۔ پس شریعت عیسیٰؑ کے منسوخ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عیسیٰؑ اب نبی نہیں ہے۔

علامہ نسفی رح تفسیر مدارک ج۳ ص ۲۴۳ میں لکھا یعنی لا ینبأ احد بعدہ و عیسیٰ ممن نبئ قبلہ وحین ینزل ینزل عاملا علی شریعۃ محمدؐ وکانہ بعض امتہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کسی کو نبی بنا کر نہ بھیجا جائے گا اور عیسیٰؑ تو آپؐ سے پہلے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور جب (آخر زمانہ میں) آپ اتریں گے تو شریعت محمدیہ پر عمل کرتے ہوئے اتریں گے جیسا آپؑ آنحضرتؐ کی امت کا ایک فرد ہیں

علامہ آلوسی نے روح المعانی ج۲ ص ۶۰ میں فرمایا ولایقدح فی ذلک ما اجمعت علیہ الامۃ و اشتہرت فیہ الاخبار ولعلہا بلغت مبلغ التواتر المعنوی ونطق بہ الکتاب علی قول ووجب الایمان بہ و اکفر منکرہ کالفلاسفۃ من نزول عیسیٰ علیہ السلام آخر الزمان لانہ کان نبیا قبل تحلی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بالنبوۃ فی ہذہ النشاءۃ اور مسئلہ ختم نبوت اس عقیدہ سے ہرگز معارض نہیں جس پر امت کا اجماع ہے اور جس میں حدیثیں شہرت کو پہنچ گئی ہیں شاید تواتر معنوی کے درجہ کو پہنچ گئی ہیں اور جس پر قرآن نے بھی تصریح کی ہے اور جس پر ایمان لانا واجب ہے اور فلاسفہ جیسے منکرین کو کافر سمجھا گیا ہے یعنی آخر زمانہ میں عیسیٰؑ کا اترنا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم میں نبوت ملنے سے پہلے ہی وہ (عیسیٰؑ) وصف نبوت کے ساتھ متصف ہو چکے تھے

زرقانی رح نے شرح المواہب اللدنیہ ج۵ ص ۲۶۷ میں لکھا ولایقدح نزول عیسیٰ علیہ السلام بعدہ لانہ یکون علی دینہ مع ان المراد انہ آخر من نبئ اور عیسیٰؑ کے اترنے سے ختم نبوت پر کوئی اعتراض

نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں گے۔ علاوہ
بریں ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ آپ سب سے آخر میں نبی بنائے گئے اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ پہلے نبی ہو چکے ہیں۔
مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۵۱ میں لکھا وبقاء نبی سابق لا ینافی ختم النبوۃ
پہلے نبی کا زندہ رہنا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے

جامع البیان ج ۲ ص ۳۶۴ میں لکھا ہے وعیسیٰ ینزل بدینہ ہو یدا لہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
دین محمدی لیے ہوئے اسی کی تائید کرتے ہوئے اتریں گے (یہ تو بہت پہلی بات ہو گئی) کہ جو تمام شرع پر عمل کریں گے
بیضاوی ج ۲ ص ۲۳۳ میں زرقانی کی سی عبارت لکھی ولا یقدح فیہ نزول عیسیٰ علیہ السلام لانہ
اذا نزل کان علی دینہ مع ان المراد انہ اٰخر من نُبِّئ یعنی وہی نبی (اس طرح ہیں) کہ نبی کی شان دوبارہ ہو گئی
کفایۃ العوام فی علم الکلام ص ۳۶ میں ہے وعیسیٰ علیہ السلام بعد نزولہ یحکم بشرع نبینا صلی اللہ
علیہ وسلم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد ہمارے نبی کی شریعت کے موافق فیصلے فرمائیں گے
بیجوری نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے فلا رسول ولا نبی بعدہ تبتدأ نبوتہ ورسالتہ وبہذا القید
اندفع ما یرد من ان سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ینزل آخر الزمان کما ثبت فی الحدیث الصحیح ووجہ
الاندفاع انہ لا تبتدئ نبوتہ ورسالتہ حینئذٍ لسبقہما لہ قبل رفعہ الی السماء
مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد نبوت ورسالت نئے سرے سے شروع نہ ہو جائے گی تو اس قید سے
وہ اعتراض دفع ہو گیا جو حضرت عیسیٰ کے اترنے کے بارے ہوتا ہے آخر زمانہ میں جیسے صحیح حدیث سے
ثابت ہے اس اعتراض کے دفع ہونے کی صورت یہ ہے کہ پھر سے نئے سرے سے نبوت ورسالت جاری
نہ ہو گی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی نبوت ورسالت آپ کے آسمان کی طرف اٹھا جانے سے پہلے ہو گئی تھی۔

شرح عقیدہ سفارینیہ ج ۲ ص ۹۰ میں اور کتاب الاذاعۃ ص ۷۷ میں ہے ولیس ینزل عیسیٰ
بشریعۃ مستقلۃ عند نزولہ من السماء وان کانت النبوۃ قائمۃ بہ وہو متصف بہا یعنی حضرت عیسیٰ
اگرچہ آسمان سے اترتے وقت نبوت کی وصف کے ساتھ متصف اور اپنی سابقہ نبوت پر قائم رہیں گے۔
مستقل شریعت لے کر نہ آئیں گے (بلکہ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے فرمائیں گے وقد انعقد اجماع الامۃ
علی انہ ینزل ویحکم بہذہ الشریعۃ المحمدیۃ اور اس عقیدہ پر تمام امت کا اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام زمین میں اتر کر فیصلے اسی شریعت محمدیہ کے موافق فرمائیں گے وانما انکر ذلک الفلاسفۃ
والملاحدۃ ممن لا یعتد بخلافہ صرف فلسفیوں اور بے دین ملحدوں نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے
جن کی مخالفت اہل شریعت کے اجماع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ابن قیم رحمہ نے مدارج السالکین ج ۲ ص ۳۱۳ و ۳۱۴ ط مصر میں لکھا ہے ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث الی جمیع الثقلین ...... واذا انزل عیسیٰ بن مریم فانما یحکم بشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس سب کی طرف مبعوث ہیں ...... اور جب عیسیٰ ابن مریم اتریں گے تو وہ بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمائیں گے

ابن عربی صوفی نے فتوحات مکیہ ج ۱ ص ۱۲۵ میں لکھا ہے ان عیسیٰ ینزل فی ہذہ الامۃ فی آخر الزمان ویحکم بشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت میں آخر زمانہ میں اتریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔ [illegible]

امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوبات کے دفتر دوم مکتوب [illegible] میں لکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ از آسمان نزول خواہد فرمود متابعت شریعت خاتم الرسل خواہد نمود

صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے حجج الکرامۃ ص ۱۱ ۴ باب [illegible] میں لکھا وھو عیسیٰ بن مریم نازل من السماء فیحکم بکتاب اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر قرآن مجید کے مطابق فیصلے کریں گے

شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۱۰۰ میں ہے واما نزول عیسیٰ علیہ السلام فہو ومتابعۃ لشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین یعنی عیسیٰ اگر آں حضرت کی شریعت پر چلنے سے آپ کے وصف خاتم النبیین ہونے میں اعتراض پیدا ہوجاتا ہے کہ عیسیٰ جو آپ سے پہلے صاحب شریعت نبی تھے وہ بھی اپنی شریعت پر عمل نہیں کر سکتے ان کی نجات بھی اسی میں ہے کہ شریعت محمدیہ پر ہی عمل کریں

توضیح الکلام کے حوالہ سے کتاب الاسلام ص ۳۹۳ میں لکھا انہ ای عیسیٰ ابن مریم یحکم بشرع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وردت بہ الاحادیث وانعقد علیہ الاجماع حضرت عیسیٰ ہمارے نبی کی شرع کے مطابق فیصلے فرمائیں گے اس کے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

الفقہ الاکبر ص ۲۰۳ میں بحوالہ تحفہ شرح منہاج کلمات کفریہ میں سے ایک یہ بھی لکھا او جوز نبوۃ احد بعد وجود نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وعیسیٰ علیہ السلام نبی قبل فلا یرد یعنی کسی کی نبوت آں حضرت کے بعد جائز رکھے (یہ بھی کفر ہے) اور حضرت عیسیٰ آپ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں اس لیے ان کے نزول سے اعتراض نہیں ہو سکتا۔

سوال لوکان عاش ابراھیم [illegible] لکان صدیقا نبیا اس سے امکان نبوۃ بعد نبینا معلوم ہوتا ہے

جواب جامع صغیر ج ۲ ص ۱۳۹ میں امام سیوطی رحمہ نے لکھا ہے وا دیہ الباوردی عن اسمٰعیل السدی عن انس وابن عساکر عن جابر وعن ابن عباس وعن ابن ابی اوفیٰ (ض)۔

نوویؒ نے تکذیب کی کما هذا الحدیث باطل وجسارة على الكلام بالمغيبات (موضوعات الکبیر ملا علی القاری ص۵۹ والمقاصد الحسنہ ص ۳۴۲) وفيه ايضا ابراهيم بن عثمان بن ابی شیبہ ضعفہ احمد وابن عبد البر متفق على ضعفہ یعنی متروک الحدیث (تقریب ص ۲۵ - المقاصد الحسنۃ ص ۳۴۳) ولكن في كلام النووي نظر فان لهذا الحديث طرق ثلثة احدها ما اخرجه ابن ماجه وغيره عن ابن عباس رض قال لما مات ابراهيم بن النبي صلى الله عليه وسلم وقال ان له مرضعا في الجنة ولو عاش لكان صديقا نبيا ...... وفي سنده ابراهيم بن عثمان الواسطي وهو ضعيف ومن طريقه اخرجه ابن منده في المعرفة وقال انه غريب . وثانيها ما رواه اسمعيل السدي عن انس رض قال كان ابراهيم قد ملأ المهد ولو كان لكان نبيا ولكن لم يكن ليبقى فان نبيكم آخر الانبياء . ثالثها ما عند البخاري من طريق محمد بن بشر عن اسمعيل بن ابي خالد قال قلت لعبد الله بن ابي اوفى رأيت ابراهيم بن النبي صلى الله عليه وسلم قال مات صغيرا ولو قضي ان يكون بعد محمد صلى الله عليه وسلم نبي عاش ابنه ابراهيم ولكن لا نبي بعده و اخرجه احمد عن وكيع عن اسمعيل سمعت ابن ابي اوفى يقول لو كان بعد النبي صلى الله عليه وسلم نبي ما مات ابنه . قلت وعزاه شيخنا البخاري من حديث البراء فلينظر . ولاحمد والترمذي وغيرهما عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ لو كان بعدي نبي لكان عمر وفي الباب عن جماعة (المقاصد الحسنة ص ۳۴۳) وروى ابو القاسم الاشهري من طريق المعافى بن زكريا ثنا ابن ابي الازهر ثنا ابو كريب محمد بن العلاء ثنا اسمعيل بن صبيح ثنا ابو ادريس ثنا محمد بن المنكدر ثنا جابر قال قال عليه السلام لعلي رض اما ترضى ان تكون مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي ولو كان لكنته (المقاصد الحسنة ص ۳۴۳) فالجواب الصحيح عن هذا ان القضية الشرطية لا تستلزم الوقوع كما ذكره السخاوي في المقاصد الحسنة ص ۳۴۳)

ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی متروک (تقریب) کذبہ شعبۃ کان یزید علی کتابہ لیس بثقۃ منکر الحدیث ضعیف الحدیث سکتوا عنہ ترکوا حدیثہ ساقط لا یکتب حدیثہ روی مناکیر لیس بالقوی (تہذیب التہذیب)

جن نے اچھا کہا وہ نقاد نہیں فن نقد میں ان کے ہم پلہ نہیں۔ مرقاۃ ج ا ص ۳۴۳ میں ہے کہ ائمہ حدیث نے اسے مجروح کہا ہے مثلاً ابن حجرؒ ابن عبد البر نوویؒ شہاب محشی بیضاوی وملا علی قاری کا وہ مقام نہیں ہے۔

نیز جرح تعدیل پر مقدم ہے ولا یخفی ان الجرح مقدم على التعديل كما في النخبة فلا يفيد تصحيح بعض المحدثين

نیز لو فرض کے لیے آتا ہے جیسے لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی پس یہ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے

سوال: صراط الذین انعمت علیہم سے اجرائے نبوت معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ازالہ اوہام ص ۲۰۰ میں مرزا قادیانی نے لکھا
"یوں تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی نہیں مگر یہ نہیں کہہ سکتے
کہ ان کی پیروی کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل
اور اتم طور پر نعمت روحانی کی بارش ہوئی ہے ان کی راہوں کی ہمیں توفیق بخش کہ تا ہم ان کی پیروی کریں سو
اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ تم امام الزمان کے ساتھ ہو جاؤ" انتہی

جواب ۱: یہ استنباط نص قرآن خاتم النبیین کے خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے بلکہ خود مرزا قادیانی
کے معنے کے بھی خلاف ہے جیسے ازالہ اوہام ص ۳۰۰ میں لکھا ختم کرنے والا نبیوں کا، اور جو استدلال منصوص
نص کے خلاف ہو وہ مردود ہوتا ہے۔

۲ نیز یہ اس آیت میں منعم علیہم کی رہ چلنے کی دعا ہے نہ نبی بننے کی

۳ نیز خدا نے نبوت کا حصول دعاؤں التجاؤں پر نہیں رکھا۔ وہ خود اپنے انتخاب سے جسے چاہے نبی
بنا دے۔ "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" "وما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتاب الا رحمۃ من ربک" "قال رب
بما انعمت علیّ"۔

۴ نیز یہ دعا حضورؐ بھی مانگتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دعا اس وقت مانگی جب آپ نبی منتخب ہو چکے تھے۔ قرآن
اترنا شروع ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ اس دعا سے نبی نہیں بنے

۵ نیز عورتیں بھی یہ دعا مانگتی ہیں مگر عورت کوئی نبیہ نہیں ہوئی۔

۶ نیز نبوت تشریعی بھی نعمت ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے پھر امت اس نعمت عظمیٰ سے کیوں محروم ہے۔

۷ نیز ۱۳ صدیوں کے بعد آپ کے مرزا کو ظلی نبوت ملی، پہلی صدیاں اس نعمت سے محروم کیوں؟

۸ نیز مرزا کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر کیوں، اب رحمت کا دروازہ بند کیوں؟ آخر وہ بھی تو یہ
دعا ہر رکعت میں مانگتا ہی ہے

۹ نیز محمد علی لاہوری بیان القرآن ص ۶ میں لکھتا ہے انعمت علیہم میں مقام نبوت کی دعا نہیں یہاں
نبی کا لفظ آجانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ خود مقام نبوت بھی اس دعا کے ذریعے سے مل سکتا ہے گویا
ہر مسلمان ہر روز بار بار مقام نبوت کو ہی اس دعا کے ذریعے طلب کرتا ہے۔ یہ ایک اصولی غلطی ہے۔
نبوۃ ایک موھبۃ ہے اس لیے کہ نبوۃ محض موہبت ہے اور نبوت میں انسان کی جد و جہد اور اس کی سعی کو کوئی
دخل نہیں۔ ایک دو چیزیں ہیں جو موہبت سے ملتی ہیں اور ایک وہ جو انسان کی جد و جہد سے ملتی ہیں۔ نبوت اول میں
سے ہے جیسا کہ الرحمٰن علم القرآن سے بھی ظاہر ہے۔ دنیا میں کوئی شخص کوشش کرے اور دعائیں مانگ مانگ کر

اور خدا سے التجا نہیں کر سکے: پہلے نبی یا آئندہ بنے گا۔ البتہ خود اللہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ کے تحت جب چاہتا کسی کو نبوت و رسالت کے منصب پر کھڑا کر دیتا تھا یہاں تک کہ اپنی کامل مرضی اور ارادہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول کر تمام آنے والی نسلوں کے لیے مقام نبوت و رسالت کو ایک برگزیدہ انسان کے نام کے ساتھ مخصوص کر دیا اور اس کو النبی اور الرسول کے نام سے پکار کر بتا دیا کہ اب دوسرا نبی اور رسول نہیں ہوگا۔ اگر دوسرا بھی آ جائے تو یہ الفاظ مشتبہ ہو جائیں۔ پس مقام نبوت کے لیے دعا کرنا ایک بے معنی شئے ہے۔ اور اسی شخص کے منہ سے نکل سکتی ہے جو اصول دین سے ناواقف ہے۔

کن کمالات کی دعا ہے؟ ایسے بھی لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ اس دعا میں حصول بادشاہت کی دعا ہے کیونکہ بادشاہت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام قرار دیا ہے اور بعض نے اسے اور بھی وسیع کر کے دنیا کے تمام امور میں صراط مستقیم کی دعا قرار دیا ہے۔ ادنیٰ تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب باتیں دعا کے اصل مقصد سے دور ہیں۔ بیشک بادشاہت ایک انعام ہے مگر ہر ایک بادشاہ منعم علیہم نہیں۔ دولت ایک انعام ہے مگر ہر دولتمند منعم علیہ نہیں۔ اور یہاں منعم علیہم کی راہوں کا ذکر ہے نہ خاص خاص انعاموں کا مطالبہ ہے۔ پھر منعم علیہم کے مقابل پر مغضوب علیہم اور ضالین ہیں جو دولت اور بادشاہت سے محروم نہیں۔ اور نہ دنیا کے کاموں کو سرانجام دینے سے محروم ہیں بلکہ اخلاق فاضلہ سے محروم ہیں۔

دعا صرف اس قدر ہے کہ جن راہوں پر نیک بندے چلتے رہے انہیں راہوں پر چلنے کی ہمیں بھی توفیق ملے یا بالفاظ دیگر یہ جیسا انبیاء، شہداء و صلحاء کے نقش قدم پر چلا۔ اس دعا کے مقابل پر امور دنیا کی خواہشات ایک نہایت پست مقام ہے۔ انتہیٰ کلامہٗ

سوال من یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین الخ

جواب مع بمعنی من کلام عرب میں کہیں مستعمل نہیں بلکہ مع پر من کا آنا دلیل ہے اس امر کی کہ من کے معنے میں مع نہیں آتا دیکھو مصباح المنیر

سوال مع و من ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں دیکھو قرآن کریم میں ایک جگہ ہے ابیٰ ان یکون مع الساجدین دوسری جگہ ہے لم یکن من الساجدین۔ اور واقعہ ایک ہی ہے

جواب ابلیس نے ایک جرم میں تین گناہ کیے۔ تکبر، عصیان حکم اللہ، مفارقت جماعت۔ پہلے گناہ کا ذکر کنت من العالین دوسرے کا ذکر کیا لم یکن من الساجدین

تیسرے کا ذکر کیا ابیٰ ان یکون مع الساجدین

پس ہر جگہ ہر لفظ کا اپنا اپنا معنے ہے۔ نہ من بمعنے مع ہے اور نہ مع بمعنے من کذا فی الفتح البیان

سوال وتوفنا مع الابرار میں مع بمعنی من ہے ورنہ معنی صحیح نہیں بنتا

جواب ابوالسعود مدارک کشاف بیضاوی سراج المنیر میں اس کے صحیح معنے اس طرح بتائے وتوفنا مخصوصین بصحبتہم (یعنی یہاں تضمین ہے توفی متضمن ہے معنی خصوص کو)

جمل میں اس کے معنے بطریق تضمین اس طرح کیے محشورین مع الابرار " " " حشر کو

ابن کثیر اس طرح معنے کیے ای الحقنا بالصالحین " " " الحاق کو

ابن جریر اس طرح معنے کیے ای احشرنا محشرہم ومعہم

امام رازی وفاتہم معہم ان یموتوا علی مثل اعمالہم حتی یکونوا فی درجاتہم یوم القیمۃ قد یقول الرجل انا مع الشافعی فی ہذہ المسئلۃ ویرید بہ کونہ مساویا لہ فی ذلک الاعتقاد یعنی ابرار کے ساتھ موت کا یہ مطلب ہے کہ ان جیسے اعمال کرتے کرتے موت آئے حتی کہ قیامت کے دن ان کے درجہ میں ہو جائیں۔ آدمی کبھی کہہ دیتا ہے کہ اس مسئلہ میں میں امام شافعی کے ساتھ ہوں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس اعتقاد میں ان کے مساوی ہوں۔ جہاں کسی مفسر نے مع کے معنے من نہیں کیا۔

سوال الا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا... فاولئک مع المؤمنین اس کے معنے یہ تو ہو نہیں سکتے کہ وہ خود تو مؤمن نہیں مگر مؤمنوں کے ساتھ ہیں

جواب المؤمنین میں ال عہد خارجی ہے ان سے خاص وہ مخلص معہودین مراد ہیں جن سے اصلاً نفاق کا کوئی ادنیٰ سے شائبہ والا عمل ظاہر نہیں ہوا جب سے ایمان کی وصف کے ساتھ متصف ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ان کے ساتھ جنت میں بلند درجوں میں ہوں گے ای مع المؤمنین المعہودین الذین لم یصدر عنہم نفاق اصلا منذ آمنوا ہم فی الدرجات العالیۃ فی الجنۃ (ابوالسعود) جمل ای یدخلہم مع المؤمنین محل الکرامۃ یسکنہم معہم مساکنہم فی الجنۃ (ابن جریر) ای ہم اصحاب المؤمنین ورفقاہم (مدارک، کشاف) معلوم ہوا کہ مع اپنے اصل معنے میں ہے نہ بمعنی من

سوال جب مع اپنے معنے میں رہا تو اطاعت اللہ و رسول سے درجہ کوئی نہ ملا

جواب یہاں درجات ملنے نہ ملنے کا ذکر نہیں۔ یہاں تو صرف قیامت میں نیک رفاقت کی خوشخبری ہے۔ مگر جہاں درجات ملنے کا ذکر ہے وہاں نبوت کا ذکر نہیں ہے باقی سب درجات کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا والذین آمنوا وعملوا الصالحات لندخلنہم فی الصالحین

والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم

نیز یہ وعدہ جمیع مومنین کے لیے ہے بلا استثناء۔ صحابہؓ سے بڑھ کر کون مومن ہے؟ جن کی تعریف میں قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ کیا ان کے ساتھ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا؟ پھر تابعین تبع تابعین جیسے بڑے صلحاء و اتقیاء ہوئے ہیں کیا ان میں سے کوئی ایک بھی کامل متبع نہ تھا؟ حالانکہ نبیؐ نے فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم الخ

نیز نبی پاکؐ کا ارشاد ہے التاجر الصدوق الامین مع النبیین

مرزا کے طرز استدلال سے تاجر بھی نبی ہو سکتا ہے

سوال پھر یہ بتاؤ کہ یہ رفاقت ہوگی کب کو؟

جواب یہ رفاقت قیامت کو ہوگی جنت میں جیسے حضرت معاذ بن انسؓ سے مسند احمد میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قرأ الف آیۃ فی سبیل اللہ کتب یوم القیٰمۃ مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین جو ہزار آیت اللہ کی رضا کے لیے پڑھے گا تو لکھا جائے گا کہ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں شہیدوں صالحوں کے ساتھ ہوگا

آیت مذکورہ کا مفہوم لاہوری مرزائی کی رائے میں

ومن یطع اللہ والرسول: اس آیت کے تحت محمد علی لاہوری نے بیان القرآن صفحہ ۴۹۳ میں لکھا ہے صحابہؓ کی "اللہ اور رسول کی کامل فرمانبرداری سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے یہاں تک کہ ان کے لیے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی سند قرآن کریم میں موجود ہے وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی۔ اس سے بڑھ کر کامل اطاعت کا کوئی مرتبہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ لیکن ایک طرف اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی کامل اطاعت ایسی صفائی سے ثابت ہے تو دوسری طرف یہ بھی صفائی سے ثابت ہے کہ کوئی صحابی نبوت کے منصب پر کھڑا نہیں کیا گیا۔ یعنی نبی نہیں بنایا گیا، بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو کان بعدی نبی لکان عمر اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ تو گویا حضرت عمرؓ میں وہ جوہر موجود تھے مگر نبی چونکہ اکتساب سے کوئی نہیں بنتا اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت نے نبوت کا دروازہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بند کر دیا اس لیے نبوت کسی کو نہیں مل سکتی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تیرہ سو سال تک کوئی نبی اس لیے نہیں بنا کہ کسی نے اللہ اور رسول کی کامل اطاعت نہیں کی" وہ دشمنِ اسلام ہے اور اسلام کو دنیا میں بدنام کرتے ہیں۔ اگر صحابہؓ کے گروہ نے کامل اطاعت نہ کی تھی تو کیا خدا نے بھی غلطی سے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی سند ان کو دے دی۔ غرض اگر کامل اطاعت سے کوئی نبی بن سکتا تو صحابہؓ کا گروہ اس کا حق دار تھا کہ ان میں سیکڑوں نبی ہوتے۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا!

اس لیے اطاعت سے نبوت کا ملنا ایک غلط خیال ہے جس کی صاف تردید قرآن سے حدیث سے اور واقعات سے ہو رہی ہے۔

اور صفحہ ۱۰۳ میں فاولٰئک مع الذین ... کے تحت لکھا: پس یہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہاں تکمیلین کی رفاقت اور صحبت کا ذکر ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ رفاقت محض آخرت کے لیے ہے یا دنیا میں بھی اس سے کچھ حظ ملتا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ اسلام نے جتنے انعامات کا وعدہ دیا ہے ان کو کسی نہ کسی رنگ میں اس عالم میں بھی پورا کر دیا ہے۔ اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ مومنین کو اس دنیا میں بھی کچھ حظ ان مراتب کمال میں سے مل جاتا ہے۔ لیکن اس پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس صورت میں مومنین کو ایسا حظ مل جاتا ہے تو کیا وہ منعم علیہم میں داخل ہو کر نبی صدیق شہید صالح بن جاتے ہیں یا نہیں؟ صالح کے مرتبہ پر ایک مومن کا پہنچ جانا اس سے تو قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ شہید اور صدیق کے مرتبہ پر پہنچنے پر بھی جیسی آیات شاہد ہیں جیسے فرمایا لتکونوا شہداء علی الناس ... والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدیقون والشہداء عند ربہم ... لیکن بذریعہ ایمان بذریعہ اطاعت بذریعہ اعمال صالحہ کسی کا نبوت کے مرتبہ پر پہنچنا اس کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ رسالت کے متعلق فرمایا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ خود بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے۔ صدیقیت کا مقام شہادت کا مقام صالح کا مقام یہ سب والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کے ماتحت انسان کی کوشش اور سعی سے مل جاتے ہیں جیسا کہ والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدیقون والشہداء عند ربہم سے صاف ظاہر ہے۔ ایمان جب اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو وہی صدیق اور شہید کا مقام ہے۔ ایمان کے لیے اس سے آگے کوئی مرتبہ نہیں۔ الغرض یہ کمال انسان کو صدیقیت کے مرتبہ تک ہی پہنچاتا ہے جیسا کہ خود اس لفظ کے معنے میں بھی میں نے دکھایا ہے کہ یہ کمال ایمان پر دلالت کرتا ہے۔

اس امت میں صرف مبشرات یا نبوت اپنے لغوی معنی میں ہے۔ نبوت اگر کوئی کمال ایمان کا مرتبہ ہوتا تو اس کا ذکر قرآن شریف میں ہونا چاہیے تھا۔ کسی حدیث میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر نہ تو قرآن شریف نے کہیں فرمایا کہ مومن جب ایمان میں ترقی کرتا ہے تو اسے نبی بنا دیا جاتا ہے۔ نہ کسی حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں قرآن کریم یہ ضرور فرماتا ہے کہ لہم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا مومنوں کو اس دنیا کی زندگی میں بشارتیں دی جاتی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ تتنزل علیہم الملٰئکۃ کہ ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں الخ

نیز عمرو بن مرۃ الجہنی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آکر حضورؐ سے عرض کی کہ یارسول اللہ شہدت ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ وصلیت الخمس وادیت زکوٰۃ مالی وصمت رمضان؟ فقال علیہ السلام من مات علی ھٰذا کان مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین یوم القیٰمۃ ھٰکذا ونصب اصبعیہ (مسند احمد) یارسول اللہ میں توحید ورسالت کی شہادت بھی دیتا ہوں پنجگانہ نمازیں بھی ادا کرتا ہوں اور اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں اور رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں؟ تو آپؐ نے فرمایا جو اسی حالت پر مر گیا تو وہ قیامت کے روز نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، صالحین کے ساتھ اس طرح ہوگا (آپؐ نے دو انگلیاں نصب کر کے دکھایا)۔

سوال جنت میں ان کے مقامات بلند تر ہوں گے۔ غریب مومن نچلے درجے میں ہوں گے رفاقت کیسے ہوگی؟

جواب یہی سوال حضرت ثوبان بن سعدیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اس کا جواب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمایا الحدیث قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نراك یوم القیٰمۃ لانك فی الجنۃ فی الدرجات العلیٰ فقال علیہ السلام انت معی فی الجنۃ (درمنثور) تو میرے ساتھ ہوگا جنت میں۔ باین طور کہ جنت میں ان کے دیدار سے اور ان کے ساتھ حاضر ہونے سے فیض اٹھائے

ابن مردویہ اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ایک آدمی نے حضورؐ سے آکر عرض کی کہ یارسول اللہ آپ مجھ کو میری جان آل اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اور میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ مجھے یاد آجاتے ہیں تو مجھے صبر نہیں آتا یہاں تک کہ میں آپ کو دیکھ لیتا ہوں تب چین آتا ہے اور جب میں اپنی اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو جانتا ہوں کہ آپ تو جب جنت میں داخل ہوں گے تو اونچے درجوں پر جا دیئے جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام آپ کے ساتھ ہوں گے اور میں اگر جنت میں داخل کیا گیا تو بھی مجھے خوف ہے کہ آپ کو نہ دیکھ پاؤں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ ضیاء مقدسیؒ نے کہا سنادہ لا بأس بہ۔ اسی طرح ابن مردویہ نے یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی بیان کی۔ ابن جریر نے بھی یہ اثر مرسلاً سعید بن جبیرؒ، شعبیؒ، مسروقؒ، عکرمہؒ وقتادہؒ سے روایت کیا۔

طبرانی کبیر میں ہے قال حبشی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت ان امنتُ وعملتُ انی لکائن معك فی الجنۃ قال نعم حبشی نے نبی پاکؐ سے پوچھا بتایئے کہ اگر میں ایمان لاؤں اور عمل صالح کروں تو آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گا آپؐ نے ارشاد فرمایا جی ہاں!

بخاری ومسلم میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا انت مع من احببت تو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیرا پیار ہے۔

مشکوٰۃ ص ۱۰۰۱ میں بحوالہ ترمذی حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من احبنی کان معی فی الجنۃ جس کا میرے ساتھ پیار ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔

سوال یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم اجراء نبوۃ کی دلیل ہے کیونکہ یاتین مضارع ہے استمرار پر دال ہے۔

جواب اگر یہ آیت دلیل ہے اجراء نبوۃ کی تو اس میں تشریعی کی کوئی نفی نہیں ہے تم نے کس دلیل سے مطلق کو مقید کیا

۲۔ اما یاتینکم منی ھدی میں کتاب کا آنا بھی دائمی ہو گا؟ اگر پہلی آیت اجراء نبوۃ پر دلیل ہے تو یہ آیت اجراء کتاب کی بھی دلیل ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اجراء نبوت کے تو قائل ہو مگر اجراء کتاب کے قائل نہیں ہو

۳۔ اِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا کے کیا معنے ہوں گے کیا مریم اب بھی دائماً زندہ انسانوں کو دیکھ دیکھ کر کہتی ہیں کہ میں نے حبیب کا روزہ بطور نذر کے رکھ رکھا ہے۔

۴۔ یا بنی آدم سے خطاب اولین اولاد کو ہے۔ البتہ یا ایہا الذین آمنوا سے خطاب امت محمدیہ کو ہوتا ہے۔

سوال یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد میں مسجد کا نام ہے جو مسلمانوں کے معبد پر بولتے ہیں اس لیے یہاں بنی آدم سے مراد مسلمان ہی ہوں گے

جواب پہلی امتوں میں بھی مسجد کا لفظ استعمال ہوتا تھا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو فرمایا تھا واجعلوا بیوتکم قبلۃ اور اصحاب کہف کے معاملہ والوں نے کہا تھا قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجداً

سوال وبالآخرۃ ھم یوقنون میں آخرت سے مراد پچھلی نبوت مراد ہے پس نبوت کا جریان یہاں سے ثابت ہوتا ہے

جواب آخرت سے قیامت مراد ہے چنانچہ درمنثور ج۱ ص ۲۷ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وبالآخرۃ ای بالبعث والقیامۃ والجنۃ والنار والحساب ابن جریر ج۱ ص ۱۰۱ میں بھی اسی طرح ہے

پچاس سے زیادہ مقام پر قرآن پاک میں الآخرۃ کا لفظ آیا ہے سب جگہ قیامت ہی مراد ہے مرزائی امت کے قاعدہ کے مطابق اس جگہ بھی قیامت ہی مراد ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہی قاعدہ مرزا قادیانی کے مرید محمد علی لاہوری نے بھی برتتے ہوئے بیان القرآن ج۱ ص ۱۱ میں لکھا ہے آخرۃ اخر اول کے مقابل ہے اور الدار الآخرۃ سے مراد النشاۃ الثانیۃ ہے یعنی دوسری زندگی۔ اور کبھی دار کا لفظ محذوف کر کے الآخرۃ سے مراد دار الآخرۃ لیا جاتا ہے (ع) یہ تو لغت کی شہادت ہے۔ قرآن شریف کو دیکھا جائے تو اس میں الآخرۃ کا لفظ جہاں ایمان بالآخرۃ یا کفر بالآخرۃ کا ذکر ہے اس موقع کے سوائے الآخرۃ موقعہ پر آیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی سوائے النشاۃ الثانیۃ کے کوئی اور معنے مراد نہیں پس یہ قطعی شہادت ہے دیکھو الانعام ۳۲ و ۱۱۳، ۱۵۰ الاعراف ۴۵ یونس ۱۱ یوسف ۱۰۹ النحل ۲۲-۶۰ بنی اسرائیل ۱۰ المومنون ۷۴، نمل ۳ عنکبوت ۶۴ سبا ۸ الزمر ۴۵ النجم ۲۷ … پس الآخرۃ سے مراد الوحی الآخرۃ لینا اور پھر یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن کے بعد کوئی اور وحی نازل ہونے والی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ خلاف قرآن کریم ہے۔

سوال ولقد جاءکم یوسف البینٰت سے معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوۃ کا عقیدہ کفار کا تھا یہ جو نبوۃ کو بند کہے کافر ہے

جواب یہ یوسف علیہ السلام کے منکرین کا عقیدہ بیان ہے۔ وہ یوسف کو نہ مانتے تھے۔ جب یوسف فوت ہوگئے تو کہنے لگے چھٹکارا ہوا اب خدا کوئی رسول نہ بھیجیگا۔ یہ خدائی فیصلہ کا ذکر نہیں۔ اور اس قول کی غلطی کی یہ وجہ بھی ہے کہ اس وقت علم الٰہی میں سلسلہ نبوت میں سینکڑوں نبی باقی تھے۔ نیز حضرت یوسف کو یہ وحی نہیں آئی تھی کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

سوال وانہم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبوۃ کی بندش کا فاسد عقیدہ جنوں کا تھا

جواب یہ بعض جنات کا غلط عقیدہ تھا۔ خدائی فیصلہ نہ تھا

سوال واذ اخذ اللہ میثاق النبیین ... میں رسول نکرہ ہے اور حدوث عہد ایک ہی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عہد لیا گیا تھا کہ وہ اپنے بعد کے آنے والے نبی کی مدد کے لیے امت کو تلقین کریں گے

جواب مرزا قادیانی نے حقیقۃ الوحی ص ۱۳۰ میں لکھا ہے اور تمہارے پاس آخر زمانہ میں میرا رسول آئیگا جو تمہاری تصدیق کرے گا۔ تمہیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور تمہیں اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ انبیاء تو اپنے اپنے وقت میں فوت ہو چکے ہیں یہ حکم ہر نبی کی امت کو ہے کہ جب وہ رسول ظاہر ہو تو اس پر ایمان لاؤ جو لوگ آنحضرت پر ایمان نہیں لائے خدا ان کا ضرور مؤاخذہ کرے گا

دیکھو خود مرزا قادیانی نے مخصوص نبی مراد لیا ہے۔ تو تمہارا عموم تمہارے ہی نبی کے خلاف ہے

۲۔ ثم جاءکم میں ثم تراخی خود دلیل ہے اس امر کی کہ تمام انبیاء کے آچکنے کے بعد سب کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے چنانچہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ما بعث اللہ نبیا من الانبیاء الا اخذ علیہ المیثاق لئن بعث اللہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وھو حی لیؤمنن بہ ولینصرنہ وامرہ ان یاخذ المیثاق علی امتہ لئن بعث محمد وھم احیاء لیؤمنن بہ ولینصرنہ (ابن کثیر ص ۳۷۸) وجامع البیان ص ۵۵ ہر نبی سے عہد لیا گیا تھا کہ اگر آپ کی زندگی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے تو تم خود بھی اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اور اپنی اپنی امت سے بھی عہد لینا کہ اگر ان کی حیات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ اس جگہ رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لفظ نکرہ سے اشارہ تعیین کی طرف ہے۔ یہ تنوین تنکیر کی ہے جیسے ربنا وابعث فیہم رسولا منہم، ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم، لقد جاءکم رسول من انفسکم وغیرہ

۳۔ نکرہ اگر سیاق نفی میں واقع ہو تب تو بے شک فائدہ عموم و شمول کا فائدہ دیتا ہے لیکن نکرہ اثبات میں آئے تو عموم کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ خاص مراد ہوتا ہے۔ النکرۃ فی الاثبات ... اب یہاں مرزائی اثبات سے عموم مراد لیتے ہیں ایک مسلم قاعدہ اصولیہ کے خلاف ہوا دوسرے اس کا تسلسل لازم آتا ہے جو بعض اعتبارات میں تو برداشت ہو سکتا

ہے مگر دقتاً میں محال ہے چونکہ اجراء نبوت کا قول مستلزم ہے محال کو اس لیے یہ قول خود قول بالمحال ہوا۔

عث اس قول سے قیامت کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ جب آخری کوئی نبی تسلیم نہ کیا جائے ہر نبی کے بعد دوسرے نبی کا آنا لازم ہوا تو قیامت کیسے آئے گی یا پھر یوں کہ قیامت میں بھی نبی آتے ہی رہیں گے

عث اگر یہ قول کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تحقیقی کلمات دکھاؤ جنہیں آپ نے اپنی امت کو فرمایا ہوں کہ میرے بعد فلاں نام کا نبی آئیگا تم اس پر ایمان بھی اور اس کی مدد بھی کرنا

علا مرزا قادیانی کا خاص مرید محمد علی لاہوری نے بیان القرآن ص ۳۰۰ میں لکھا ہے اس بات پر کہ رسول مصدق بھی آئے کا یہاں ذکر ہے اصمت مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قریباً قریباً امت کا اتفاق ہے اور ابن جریر میں حضرت علی سے یہ روایت ہے لم یبعث اللہ تعالیٰ نبیا آدم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العہد فی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آدم سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں عہد نہ لیا ہو' اور یہی صحیح ہے ----- کل دنیا کی طرف مبعوث ہونا یہ صرف ایک ہی رسول کے لیے مخصوص رکھا گیا جو سب سے آخر اور سب کو ایک دین پر جمع کرنے کے لیے آیا

استثناء ۱۸: ۱۵- ۱۸ میں ہے خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے بھائیوں ہی میں سے میری مانند ایک نبی تیرے لیے برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا جیسا کہ ...... میں ان کے بھائیوں کے درمیان سے تیری طرح ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا اور جو انسان میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے کہیگا نہ مانے گا۔ تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔

اعمال رسل ۳: ۲۱ میں ہے چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے میری مانند تمہارے لیے ایک نبی برپا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سب باتیں سنو اور ایسا ہوگا کہ جو بھی انسان اس نبی کی نہ سنے گا وہ قوم میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا اور سموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنے انبیاء نے کلام کیا ہے ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے

پس اس آیت کا مطلب بھی یہ ہوا کہ تمام نبیوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد و پیمان لیا کہ جب ایک رسول کتاب وحکمت لے کر تمہاری طرف یا تمہاری امت کی طرف آوے وہ اس پر خود ایمان لاویں اور اس کی مدد کریں؛

یہ قاعدہ ہے کہ افسر قوم سے مراد ان کے تابعین لیے جایا کرتے ہیں اسی طرح یہاں انبیاء کو مخاطب فرمایا اور ان سے امت مراد لی گئی ہے۔ یہی مطلب ہے فرمان نبوی کا لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی دیکھو

شفا ج ۱ ص ۱۶۱، ۲۶۲، ۳۴۲، ۳۵۹ و ۴۰۳ و موضوعات کبیر ص ۱۰۰ شرح فقہ اکبر ص ۱۳۶ مشکوٰۃ ص ۳۰ رازی ج ۲۳ ص ۲۰۳ و الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۱ فتوحات مکیہ ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۴۳ و ۲۲۳، ۲۲۴، ج ۴ ص ۱۳۱ و غایۃ التحقیق شرح حسامی ص ۲۰۲ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۰۰ و تحذیر الناس ص ۳ و نسیم الریاض شرح شفا ص ۲۱ مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۸، دارمی ص ۶۲ روح المعانی ج ۹ ص ۲۴۳، ج ۳ ص ۱۸۰ جمل ج ۱ ص ۲۳۷ بیضاوی ج ۱ ص ۱۳۸ مرقاۃ ج ۱ ص ۳۴۶ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۳۹ نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۲۳۱ اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۰۲ مواہب الرحمٰن ج ۱ ص ۲۱۳ و ج ۳ ص ۲۴۰۔

تنبیہ: الیواقیت والجواہر ص ۲۳ بشرح فقہ اکبر ص ۱۰۱ و ابن کثیر علی ہامش فتح البیان ج ۲ ص ۲۴۶ میں کتابت کی غلطی سے لکھا گیا ہے لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین، نیز اس کی سند نہیں۔ بجز وہ دیگر احادیث متواترہ کے مخالف ہے۔ اور مشکوٰۃ ص ۳۰ لو کان موسیٰ حیا اور وہ ثابت ہو تو الا اتباعی۔

باب السب والشتم

[illegible] ایک قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب اپنے مخالفین کو بھی مجبر کر مغلظ گالیوں سے اپنی کتابیں پُر کر دیں چنانچہ آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۸ میں کل مسلم یقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا کنجریوں کی اولاد کے سوا ہر مسلمان مجھے قبول کرتا ہے اور میری دعوت کو سچا جانتا ہے۔

انجام آتھم ص ۲۸۲ میں ہے اذیتنی خبثا فلست بصادق ان لم تمت بالخزی یا ابن بغاء۔ اس کلام کا ترجمہ بزبان فارسی اسی طرح کیا مرا بہ خباثت خود ایذا دادی پس من صادق نیستم اگر تو اے نسل بدکاران بذلت نمیری

نور الحق ج ۱ ص ۱۲۳ میں ہے کل من ھو ولد الحلال ولیس من ذریۃ البغایا ہر ایک شخص جو ولد الحلال ہے اور خراب عورتوں کی نسل سے نہیں ہے

انوار الاسلام ص ۳۰ میں ہے: اب جو شخص زبان درازی سے باز نہ آئے گا اور ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔ حرامزادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔

درسالہ نجم الہدیٰ ص ۱۰: ان العدیٰ صاروا خنازیر الفلا و نساءھم من دونھن الاکلب یعنی میرے دشمن جنگلوں کے سؤر اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔

آریہ دھرم ص ۳ میں آریوں کی بابت لکھا: ایسے ایسے حرامزادے جو سفلہ طبع دشمن ہیں۔

تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۶ میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو ابوجہل کہا اور اعجاز احمدی ص ۲۳ میں کفن فروش کہا اور ص ۴۳ میں مخنث کہا اور ص ۴۴ میں ابن ہوا قدار کہا اور حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵ میں کتّے مردار خوار کہا۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو نزول المسیح ص ۶۳ میں لکھا یہ گوہ کھانا ہے اے جاہل بے حیا اور ص ۶۲ میں لکھا خبیث طبع اور ص ۷۰ میں لکھا نجاست پیر صاحب کے منہ میں کھلائی اور ص ۷۵ میں لکھا کذاب مزور۔ خبیث۔ بچھو کی طرح نیش زن۔ اے گولڑہ کی زمین! تجھ پر خدا کی لعنت تو ملعون کے سبب ملعون ہوگئی اور ص ۷۶ میں لکھا فرومایہ۔ کمینہ۔ گمراہی کے شیخ۔ دیو۔ بدبخت۔

خطبہ الہامیہ ص ۱۷ و ۲۳ سطر ۹ میں ہے والضحک والقہقہۃ بابداء النواجذ والثنایا والتشوق الی رقص البغایا و بوسھن وعناقھن اس کا ترجمہ خود مرزا قادیانی نے یوں کیا: وخندہ و قہقہہ مار کر ہنسنا پچھلے دانتوں کے نکلنے سے اور شوق کرنا بازاری عورتوں کے رقص کی طرف اور ان کا بوسہ اور گلے لپٹانا۔ مکتب اولیا تجلیات رسالہ

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا بالفاحش ولا البذی یعنی مؤمن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور نہ زبان دراز اور خدا پاک نے بھی فرمایا ہے ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ ان کو بھی دشنام نہ دو جو اللہ سے ورے دوسروں کو غائبانہ حاجات میں اور مصائب و مشکلات میں پکارتے ہیں اور ان کے معبودوں کو بھی دشنام نہ دو۔ جب مشرکین اور ان کے معبودان باطلہ کو بھی گالی دینا منع اور حرام ہے تو دوسروں کو گالی دینا کہاں جائز ہوگا۔

فائدہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے العبر ج ص ۲۸۶ میں ۷۴۳ھ کے حالات کے بارے لکھا کہ دمشق میں ایک شخص کو سولی دی گئی جو اپنے تئیں جیسے ابن مریم ہونے کا دعوی کرتا تھا اور اس نے ایک بڑے گروہ کو گمراہ کیا تھا تب علماء نے اس کو قتل کرنے کا فتوی دیا صلب بدمشق الذی یزعم انہ عیسی ابن مریم واضل طائفۃ فافتی العلماء بقتلہ۔

سوال سورۂ مزمل میں ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا

مرزا قادیانی نے شہادۃ القرآن ص ۲۶ و ۲۷ میں لکھا ہے کما کے لفظ سے اشارہ ہے کہ جانشین نبی ﷺ مثیل موسیٰ ہیں..... اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مراد مماثلت تامہ ہے نہ مماثلت ناقصہ . . . اور ظاہر ہے کہ مماثلت تامہ کی عظیم الشان جزو میں سے ایک جزو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو اپنی رسالت سے مشرف کرکے پھر بطور اکرام و انعام کے خلافت ظاہری و باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا جو قریبا چودہ سو برس

ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ پر ان کا خاتمہ ہوا . . . .

جواب قانون ہے التشبیہ لاعموم لہ (فتح بخاری ص ۲۲۲) مماثلت تامہ تشبیہ میں ضروری نہیں ورنہ کہنا ہوگا

(۲) حضرت موسیٰؑ کی رسالت خاص بنی اسرائیل کی طرف تھی تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی خاص ہی ہے

(بقول شما آخری نبی اسرائیل کا خلیفہ یعنی) حضرت عیسیٰؑ بن باپ پیدا ہوئے تھے . کیا مرزا بھی بن باپ پیدا ہوا .

(۳) انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ بے انتہا نبی بعد حضرت نبی نوح کے آئے . کیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی چودہ صدیوں میں بے انتہا نبی آئے تھے .

(۴) شہادت القرآن ص ۳۶ میں مرزا قادیانی نے لکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہزارہا نبی اور محدث انہیں پیدا ہوئے . کیا حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہزار ہا نبی ہوئے ہیں ؟ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہزار ہا نبی ہوئے ہیں تو مرزا قادیانی کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا جو اس نے لکھا ہے

خاتم کے معنے خود مرزا کی زبانی

تریاق القلوب ص ۱۵۷ میں ہے ضرور ہوا کہ وہ شخص جس پر بہ تمام و کمال دورہ حقیقت آدمیت ختم ہو وہ خاتم الاولاد ہو یعنی اس کی موت کے بعد کوئی کامل انسان کسی عورت کے پیٹ سے نہ نکلے

اس اعتبار سے خاتم النبیین کے معنے یہ ہوئے کہ آپ کے بعد کوئی نبی عورت کے پیٹ سے نہ نکلے .

پس ختم نبوت اور نزول مسیح کا تعارض نہ ہوا کیونکہ خاتم النبیین کا اقتضا یہ ہے کہ عورت کے پیٹ سے آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو - اور مسیح ؑ آپ سے پہلے پیدا ہو چکے ہیں

نیز اگر مرزا صاحب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں تو ان کی نبوت یقیناً خاتم النبیین کے خلاف ہے

نیز جس مسیح کے نزول کی متواتر احادیث خبر دے رہی ہیں وہ اس وقت ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوں گے ورنہ خاتم النبیین کے خلاف ہوگا اور اس بنا پر مرزا صاحب مسیح موعود بھی نہیں ہو سکتے

خاتم النبیین کا یہ مطلب کہ آپ کی مہر تصدیق سے انبیاء بنیں گے نہ لغت اس کی مساعد ہے نہ حدیث نہ قول صحابی وغیرہ .

جب مرزا نے برکات الدعا ص ۱۴ و ۱۵ میں معیار تفسیر قرآن پہلا قرآن مجید کو لکھا دوسرا حدیث تیسرا قول صحابی کو۔ کیا خاتم القوم کے معنے یہ ہیں کہ اس کی مہر سے قوم بنتی ہے؟ خاتم الاولاد کے معنے ہیں کہ اس مہر سے اولاد بنتی ہے؟ خاتم المھاجرین اس کی مہر سے مہاجر بنتے ہیں۔ مرزا کے معنے خاتم الاولاد کے صحیح ہیں یا غلط؟

نیز خاتم النبیین کے معنے اگر یہ ہیں جو آپ نے کیے تو آپؐ سے پہلے جو نبی ہو گذرے ہیں ان پر تو آپؐ کی مہر نہیں لگی لہٰذا آپؐ ان نبیوں کے خاتم تو بن نہیں سکتے۔ آپؐ صرف ان نبیوں کے خاتم ہوں گے جو بعد میں آنے والے ہیں۔ اب آپ کے مرزا صاحب کا دعوےٰ ہے "اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں" (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ طبع ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)۔

نیز لکھا آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہی مسیح موعود ہے (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۵)

اور تریاق القلوب ص ۳۰۰ پر لکھا ہے "وہ آخری ہے جس کی وفات کے بعد اور کوئی مہدی پیدا نہیں ہوگا"

جب تیرہ صدیوں کے بعد صرف ایک ہی نبی پیدا ہوا اور اس ایک کی وفات کے بعد کوئی اور نبی و مہدی پیدا بھی نہ ہوگا تو ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تو نہ ہوئے بلکہ خاتم نبی واحد ہوئے یعنی ایک نبی پر آپ کی مہر لگی اور آپ کی مہر سے خدا نے ایک ہی نبی بنایا۔ تو خاتم النبیین بصیغہ جمع کیوں آور اجراء نبوت کا دعوٰی کیا معنے؟ اور اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ میں مضارع کا استمرار کیا ہوا۔ اسی طرح اما یاتینکم رسل کا استمرار مضارع کہاں گیا۔

پھر حقیقۃ الوحی ص ۸۹ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے پروردگار نے میرا تخت سب انبیاء کے تختوں سے اونچا بچھایا۔ یہی دعوٰی ماں کر بدر قادیان ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۷ء اور الفضل ۲۴ اگست ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے

محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے بھی بڑھ کر اپنی شاں میں

محمدؐ دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

وہ کونسا ایسا مقام ہے جو نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اونچا ہے جہاں مرزا صاحب کا تخت بچھایا گیا ہے کیا یہ اطاعتِ خدا و رسول و اتباعِ نبوی ہے یا تقدم بین یدی اللہ ورسولہٖ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ روک دیا ہے اور فرمایا

یاایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم

اور تکملہ مجمع البحار ص ۸۵ کے حوالہ سے جو فرمان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے اس میں تو محمد طاہر صاحبؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ آپ کا یہ قول نزولِ عیسیٰؑ کو دیکھ کر بیان ہوا ہے کہ لا نبی بعدی سن کر نزولِ عیسیٰؑ کا انکار کوئی نہ کر بیٹھے

ہاں یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اگر شرعِ محمدی کو منسوخ نہ کریں گے بلکہ اس کا اجراء کریں گے۔ اس سے آں حضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے کی مزید روشنی ہوگی کہ صاحبِ شریعت نبی بھی اپنی شریعت

مگر مرزا صاحب نے تو شرعِ محمدی کے محکم حکم جہاد کو منسوخ کر دیا اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا فاذا انزلت سورۃ محکمۃ وذکر فیھا القتال نبی پاک نے فرمایا الجہاد ماضٍ الیٰ یوم القیامۃ تو اس لحاظ سے مرزا صاحب اس کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ مرزا صاحب تو صاحب شریعتِ جدیدہ ہو گئے۔ اور شریعتِ محمدیہ کو منسوخ کر دیا

نیز احادیث میں خروج الدجال آتا ہے اور دجال واقعی ماں کے پیٹ سے نکلیگا۔ مگر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق کسی ایک حدیث میں خروج عیسیٰ بن مریم نہیں آیا۔ سب محدثین مفسرین متکلمین (علم عقائد والے) نزول عیسیٰ بن مریم ذکر کرتے ہیں جس سے صاف فرق معلوم ہوتا ہے کہ دجال کا تو خروج ہوگا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا نہ کہ خروج۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے

نیز مرزا صاحب کے اقوال باہم متعارض ہیں چنانچہ بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء میں ہے "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ دافع البلاء صفحہ ۱۱ میں ہے "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸ میں ہے اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور

اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ اربعین نمبر ۳ ص ۳۶ میں ہے انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا وقالوا کذاب اشر۔ نزول المسیح ص ۹۹ میں ہے انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ؛ من بعرفان نہ کمترم زکسے ؛ ازالہ اوہام ج ۲ ص ۸۰ میں ہے انا انزلناہ قریبا من القادیان وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ..... فجاءکم من اللہ نورا۔ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص میں ہے اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے اگر کہو کہ اس کا نام محدث ہے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنے لغت کی کسی کتاب میں اظہار غیب نہیں۔ البشریٰ ج ۲ ص ۵۶ میں ہے قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا علیٰ ہذا القیاس دافع البلاء ص ۱۳ میں ہے سچا شفیع میں ہوں نیز کہا خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس کا نام غلام احمد ہے۔ کشتی نوح ص ۱۷، ۱۸ میں ہے جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود اور مہدی نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳ میں ہے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا و رسول کو بھی نہیں مانتا۔ اور حاشیہ میں لکھا بلاشبہ جو خدا تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرتا ہے کافر ہے۔ سو جو شخص مجھے نہیں مانتا...... میری تکفیر کی وجہ سے آپ کافر بنتا ہے

اب دوسرا رُخ دیکھیے: حاشیہ تجلیات الٰہیہ ص ۸، ۹ میں ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر لفظ نبی کا اطلاق بھی جائز نہیں۔ آسمانی فیصلہ ص ۳ میں ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہل السنۃ والجماعۃ مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں۔ اور میں مدعی نبوت نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۲۹۷، ۲۹۸ میں ہے "میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت والجماعت کا ہے۔ اب میں مندرجہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور گویا ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تمام افتراء ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہل سنۃ کے قائل ہیں (کتاب البریۃ ص ۲۸۳)

• نہ مجھے دعویٰ نبوت و خروج از امت کا اور نہ میں منکر معجزات و ملائکہ اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور آں جناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئیگا نیا ہو یا پرانا ہو۔ اور قرآن کریم کا ایک لفظ یا شعشہ منسوخ نہ ہوگا ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہم کلام ہوتے ہیں نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں (نشان آسمانی) "الا تعلم ان الرب الرحیم سمیٰ نبینا صلعم خاتم الانبیاء بغیر استثناء و فسرہ نبینا صلعم فی قولہ لا نبی بعدی ببیان واضح للطالبین (حمامۃ البشریٰ ص ۳۴) اس کے برعکس استفتاء ص ۲۲ میں وان نبینا خاتم الانبیاء لا نبی بعدہ الا الذی ینور بنورہ ویکون ظہورہ ظل ظہورہ فالوحی فاحق وملک بعد الاتباع پھر

چشمۂ معرفت ص ۳۲۴ میں لکھا محمد کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ حمامۃ البشریٰ ص ۲۰ میں ہے "فلا حاجۃ لنا الی نبی بعد محمد"۔ حاشیہ براہین احمدیہ ص ۲۰۲ میں ہے "جب کہ قرآن مجید کے اصول حقہ کا محرف اور مبدل ہو جانا پھر ساتھ اس کے تمام خلقت پر تاریکی شرک اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا عند العقل محال اور ممتنع ہوا تو نئی شریعت اور نئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناع عقلی لازم آیا کیونکہ جو امر مستلزم محال ہو وہ بھی محال ہوتا ہے"

پس ثابت ہوا کہ آں حضرتؐ حقیقت میں خاتم الرسل ہیں۔ از الۂ اوہام ۲ ص ۳۱۰ و ۷۶۱ میں ہے "قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا ہو۔ کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے۔ اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلۂ وحی رسالت نہ ہو۔ از الۂ اوہام ط ا ص ۶۱۴ و ط ۲ ص ۲۵۴ میں ہے ماکان محمد ابا احد... یعنی محمد.... ہے ختم کرنے والا نبیوں کا۔ یہ آیت صاف دلالت کر رہی ہے کہ... اب وحی رسالت تا بہ قیامت منقطع ہے۔

نوٹ: اب احمدیہ پاکٹ بک کے مؤلف کا ص ۵۲۴ میں یہ لکھنا کہ خاتم مہر کے معنے میں ہیں پس خاتم کا ترجمہ "ختم کرنے والا نہیں ہو سکتا" غلط ہو گیا کیونکہ مرزا صاحب نے خود یہی معنی کیے ہیں یا تو مرزا صاحب کی غلطی نکالیں یا اپنی غلطی تسلیم کریں لیکن مرزا صاحب کی غلطی نہیں نکال سکتے کیونکہ وہ اُن کے نزدیک ملہم ہیں اور مرزا صاحب نے ۷ اگست ۱۸۹۹ء کے اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت ۸ ص ۱۳۱ میں یہ شائع کرایا تھا کہ "ملہم کے بیان کردہ معنوں پر کسی اور کی تشریح اور تفسیر ہرگز معتبر نہیں۔ لہٰذا لا بد اپنی ہی غلطی مانیں۔ نیز پاکٹ بک طبع ۱۹۳۲ء ص ۵۲۵ میں جو لکھا ہے کہ خاتم النبیین کے معنے ہیں صاحب شریعت نبیوں کو ختم کرنے والا" یہ بھی غلط ہے کیونکہ تمہارے ملہم نے کہا ہے لا نبی بعدی میں لا نفی عام ہے (ایام الصلح ص ۱۴۶) تو

۱۰ اگست ۱۸۹۹ء کے پرچہ الحکم میں مرزا صاحب کا یہ قول شائع ہوا ہے "خدا نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا" اور تشحیذ الاذہان جرامی امیں مرزا صاحب کا مکتوب شائع ہوا تھا "وحی رسالت ختم ہو گئی مگر ولایت و امامت و خلافت کبھی ختم نہ ہوگی"

پھر یہ کہنا کہ خاتم کے معنے افضل کے ہیں جیسے ابو تمام طائی مؤلف دیوان حماسہ کو اس کی وفات پر خاتم الشعراء کہا گیا تھا جس کا مطلب بے نظیر و بے مثال لیا گیا لا نظیر لہ فی الشعراء یہ بھی غلط ہے کیونکہ ان کے علم نے خاتم النبیین کے معنے افضل النبیین نہیں کیے۔ دوسرے ابو تمام کو جس نے خاتم الشعراء کہا ہو وہ اس کا حسن ظن تھا اس کے نقطۂ خیال میں ابو تمام اس کمال کا آخری شخص تھا نہ یہ کہ حسن بن وہب عالم الغیب تھا کہ اس کا قول غلط نہ نکلے گا۔ تیسرے یہ استعمال مجازی ہے جبکہ حقیقت ہوتی ہے اگر حقیقت متعذر ہو یا متعسر اور مجاز کا قرینہ صارفہ ہو تب مجاز لیتے ہیں۔ اور یہاں یہ بات نہیں ہے۔

بعض تاویل اور ہیرا پھیری کرنے والے کہتے ہیں کہ خاتم کے معنے زینت کے ہیں تو معنے ہوئے زینۃ النبیین تو بات یہ ہے کہ اول تو یہ معنے تمہارے علم نے نہیں کیے اور اگر بالفرض وہ یہ معنے کر بھی دے تو غلط ہیں اس لیے کہ گو خاتم کے معنے انگوٹھی کے آتے ہیں جو انسان کی انگلی کی زینت ہوتی ہے لیکن یہ معنے اس مقام پر لینے میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بمنزلہ جسم عروس کے ہیں اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ انگوٹھی کے ہیں اور ظاہر ہے کہ انگوٹھی پہننے والے کی شان خود انگوٹھی سے اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔ انگوٹھی مستعمل ہوتی ہے

جب خاتم کے معنے آخر کے لیے جائیں تو اس میں بھی ہیرا پھیری کی جاتی ہے کہ آخر کا مطلب ہے بے مثل اور بے نظیر۔ جیسے دیوان حماسہ میں ایک شعر ہے

شریٰ ودّی وشکری من بعید　　لآخر غالب ابد اربیع

کہتے ہیں کہ اس شعر کے معنے مشہور ادیب مولانا ذوالفقار صاحب دیوبندی نے اس طرح کیے ہیں ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر دونوں دور بیٹھے ایسے شخص کے لیے گویا ہمیشہ کے لیے عدیم النظیر ہے خرید لیا

جواب یہ ہے کہ آخر کے معنے بے نظیر غلط ہے چنانچہ تبریزی جو علماء متقدمین سے چوٹی کے عالم ہیں اس شعر کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں اشتریٰ ربیع علی بُعد ہ منی مودتی له وثنائی علیه وعلی اخر رجل یبقی من بنی غالب ابداً یعنی بنی غالب کے آخری آدمی تک یعنی

جب تک بنی غالب کا ایک فرد بھی باقی ہے یہ مودت اور شکر رہیگا۔
نیز علامہ خالد نے بھی اس کے معنے اس طرح لکھے ہیں یبقی من عقبهم الذی یجیء دے؛
نیز خاتم کے معنے آخر مجازی ہیں پھر آخر کے معنے بے نظیر کے بھی مجازی ہیں قواعد عربیہ
کے رو سے یہ معنے مجاز در مجاز ہے جو عند العلماء ممنوع ہے تو متقدمین علماء عربیت اور قواعد عربیہ
کے برخلاف مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی کا قول مسموع نہیں
نیز کلیات ص ۳۴ میں ابوالبقاء نے لکھا ہے آخر الشیٔ هو الجزء الذی یتم عنده الشیٔ
آخر شے کا اس جزء کو کہتے ہیں جس کے ساتھ شے تام اور مکمل ہو جائے۔

المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۵۰۵ میں قبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بایں الفاظ پڑھنے کا ذکر
آیا ہے السلام علیك یاسید المرسلین وخاتم النبیین اے رسولوں کے سردار اور نبیوں کے آخر آپ پر سلام
خفاجی نے شرح شفا میں لکھا ہے فانه لا نبی ولا رسول یرسل بعده ولا فی عهده آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ نبی ہے اور نہ ہی کوئی رسول آپ کے بعد میں بھیجا جائیگا اور نہ ہی آپ کے عہد میں
زرقانی ج ۶ ص ۱۸۸ میں ہے من ذهب الی ان النبوة مکتسبة لا تنقطع او الی ان الولی افضل
من النبی فهو زندیق یجب قتله جس کا یہ مذہب ہو کہ نبوت کسب سے حاصل کی جا سکتی ہے اور بند نہیں
ہوئی یا یہ کہ ولی کو نبی پر فضیلت ہے تو وہ زندیق بے دین ہے جس کا قتل کرنا ضروری ہے۔
نوٹ: اب قادیانی، لاہوری، ظہیری، تیماپوری، گن چوری وغیرہ پارٹیاں گریبان میں منہ ڈال کر
ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ان کا مقتدا مرزا قادیانی کیسا ہے جو کہتا ہے خدا نے اس امت میں سے مسیح
موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس کا نام غلام احمد ہے (دافع البلاء
ص ۱۳) اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں (دافع بلاء
ص ۲۰) انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ؛ من بعرفان نہ کمترم زکسے ؛ (نزول المسیح ص ۹۹) تمام دنیا میں کئی تخت
اترے پر تیرا (مرزا) تخت سب سے اونچا بچھایا گیا (حقیقۃ الوحی ص ۸۹) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت
دین کی حالت پہلی شب کے چاند کی طرح تھی مگر مرزا کے وقت چودھویں رات کے بدر کامل جیسی ہوگئی (خطبہ الہامیہ
ص ۲۰۱) الفضل میں ہے کوئی بھی شخص کسی بھی منصب جلیلہ تک پہنچ سکتا ہے یہاں تک کہ وہ محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے بھی آگے نکل سکتا ہے (الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء) ڈاکٹر شاہ نواز خان قادیانی نے ریویو
آف ریلیجنز قادیان مئی ۱۹۲۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس کی عبارت یہ ہے: حضرت مرزا مسیح موعود کا

ذہنی ارتقاء آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا۔ ورنہ قابلیت تھی۔ اب تمدن کی ترقی سے حضرت مسیح موعود کے ذریعے (بعثت ثانی) ان کا پورا ظہور ہوا۔ تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کو موقعہ ملا اور ذہنی طاقتوں کی نشوونما ہوگئی۔

مرزا کی آمد سے اسلام کو ترقی ہوئی یا کفر کو

۱۲۶۵ھ (۱۸۳۹ء) مرزا غلام احمد قادیانی پیدا ہوا (احمد رضا خاں سے مرزا قادیانی ۱۷ سال بڑا ہے)

۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) چوتھی صدی سے تیرھویں صدی تک اسلامی حکومت ہند برطانیہ نے ختم کردی

۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء : ۱۲۰۰ سے امرائے مسلم سنگیت جو بخارا وغیرہ پر حاکم تھے روس کے محکوم بن گئے

۱۲۸۹ھ ۱۸۷۳ء : ۱۴۲۱ سے مسلم خانان خیوہ جو ایران پر حاکم تھے روسی سپہ سالار کاؤف مان نے روسی قلمرو کا حصہ بنالیا

۱۲۹۰ھ میں ۸ رکعت تراویح نماز کی ابتداء ہوئی۔ دیکھو العدل ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء

۱۳۰۴ھ ۱۸۸۷ء : ۱۸۷۹ء سے اس وقت تک انگریزوں نے اسلامی ملک افغانستان پر دو مرتبہ حملہ کیا۔ اور مرزا براہین احمدیہ، سرمہ چشم آریہ، شحنۂ حق کی تصنیف میں مصروف ہیں

۱۹۱۳ء ۱۳۳۲ھ پہلی عالمگیر جنگ جس میں ترکی و جرمنی ایک فریق اور روس فرانس برطانیہ (اتحادی کہلائے) دوسرا

۱۳۳۳ھ اتحادیوں کا باہم معاہدہ جس کا مقصد سلطنت عثمانیہ ترک کا انتشار تھا

۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء : ترکی خلافت کا خاتمہ ہوا وزارت مذہبی امور منسوخ ہوئی۔ شرعی عدالتیں بند کی گئیں خود پاشا شہید کردیا گیا مدارس دینیہ ترکستان میں بند کر دئے گئے۔

۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء : اتاترک کا پہلا مجسمہ نصب ہوا۔

۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء ترک میں دستور مملکت سے وہ شقیں حذف کی گئیں جن میں لکھا ہوا تھا کہ ترکی کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔

۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۷ھ کو مرزا قادیانی نے براہین احمدیہ تصنیف کی

۱۸۸۱ء میں فرانس نے تیونس پر قبضہ کرلیا

۱۸۸۲ء میں انگریز نے اسکندریہ پر بمباری کی ۱۳ ستمبر کو تل الکبیر کی جنگ ہوئی۔ مصر میں احتلال

باشاہ کو شکست ہوئی۔ مصر اور سوڈان برطانیہ کے ہاتھوں اپنی آزادی کھو بیٹھے

۱۸۷۶ء میں ترک سپاہ نے بحکم انگریز عبدالعزیز سلطان مجید کو قتل کر دیا

"چودھویں صدی پر ایک نظر" کے عنوان سے خصوصی اشاعت رسالہ "لاھوتی" سن ۵ میں لکھا کہ

چودھویں صدی میں مسلمانوں کی آزاد ریاستوں کا یا تو وجود ہی نہ رہا یا وہ عیسائیوں کے زیر نگین ہو گئیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کی اکثریت غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئی؛

تیرھویں صدی میں ترکی اپنے وسیع خطہ زمین سے محروم ہو گیا اور عثمانیوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روس نے ۱۸۸۱ء میں (جب کہ مرزا قادیانی براہین احمدیہ تصنیف کر رہا تھا) وسط ایشیا میں واقع کئی چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں پر تسلط جما لیا۔ افغانستان کی سرحدوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء میں سلطان ترک عبدالحمید خان کو معزول کر دیا گیا؛

مرزا کے زمانہ میں کفر کی ترقی

۱۸۸۱ء	پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد ۳۸۰۵۳	ہند میں آریہ کی تعداد ۱۸۶۳۶۳۳
۱۸۹۱ء	۳۸۳۴۳	۳۳۸۴۳۸۰
۱۹۰۱ء	۶۶۵۹۱	۲۹۲۳۲۴۱
۱۹۱۱ء	۱۹۹۷۵۱	۳۸۷۶۲۰۳

۱۹۱۷ء فلسطین میں یہود ۵۶ ہزار

۱۹۲۲ء ۸۳۷۹۰

۱۹۳۹ء ۳،۵۰،۰۰۰

۱۹۴۷ء یہود کی مستقل قومی ریاست قائم کرنے کیلئے

۱۹۴۷ء نومبر تقسیم ملک

۹ اپریل ۱۹۴۸ء عرب مرد و زن بچوں کا قتل عام

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء اعلان قیام ریاست یہود
۶ لاکھ سے زائد عرب جلا وطن

۱۹۶۷ء مکمل فلسطین پر قبضہ (۱۹ برس میں
۷۰ کروڑ ڈالر کی امریکی امداد اسرائیل کو ملی۔
کل دنیا میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ یہودی ہیں۔

۱۹۴۷ء میں ملک ہند تقسیم ہوا۔ مرزا جی کا شہر قادیان بھارت کے حصے میں آیا جو ہندوؤں کا ملک ہے مرزا جی کے متعلقین بھارت چھوڑ پاکستان میں آگئے۔ صلیب کے معتقدین پورے ملک میں بڑھ رہے ہیں انکے سکول کالج و ہسپتال پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ

ہمارے نبیؐ کی مشابہت حضرت موسٰیؑ کے ساتھ ہے یہ حضرت عیسٰیؑ کیساتھ

موسٰی ع کی طرح ہمارے نبیؐ کے ماں باپ تھے	حضرت عیسٰی علیہ السلام کنواری سے بن باپ پیدا ہوئے
موسٰیؑ کی طرح ہمارے نبیؐ ازدواج والے تھے	حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تا عمر شادی نہیں کی
موسٰیؑ کی طرح ہمارے نبیؐ زمین پر رہے اور زمین ہی میں وفات پائی جن کی قبر معلوم ہے	حضرت عیسٰی علیہ السلام زمین سے زندہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ زمین پر دوبارہ آئیں گے وفات پا کر دفن ہونگے
موسٰیؑ کی طرح ہمارے نبیؐ نے ہجرت کی اور پھر ہجرت گاہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے	حضرت عیسٰیؑ کو بجائے ہجرت کے آسمان پر اٹھائے گئے پھر خدا کے حکم سے زمین پر آکر حکومت کریں گے
موسٰیؑ کی طرح ہمارے نبیؐ پر جہاد بالکفار کا حکم ہوا	عیسٰیؑ کے متعلق علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے
موسٰیؑ کی طرح شرع محمدی میں سیاستِ مُدن تھی	جیسے ؑ کی شرع میں سیاستِ مدن کا ذکر نہیں۔
شرع موسوی کی طرح شرع محمدی میں حکم طہارت غسل ہے	عیسٰی علیہ السلام کی شرع میں معلوم نہیں
شرع موسوی کی طرح شرع محمدی میں حدود و تعزیرات ہیں اور قضا کرنا فیصلہ کرنا بھی	عیسٰی علیہ السلام کی شرع میں کچھ علم نہیں
موسٰیؑ اجراء حدود پر قادر تھے جیسے ہمارے نبی	عیسٰی علیہ السلام کے بارے یہ بات معلوم نہیں
شرع موسٰیؑ کی طرح ہمارے نبیؐ کی شرع میں حیض و نفاس کا غسل واجب ہے	عیسٰی علیہ السلام کی شرع میں معلوم نہیں

موسٰیؑ نے طور پر ہمارے نبیؐ نے معراج میں خدا سے باتیں کیں۔ جیسے علیہ السلام کیلئے ایسی ثابت نہیں!
موسٰیؑ کے عصا سے بحر قلزم اور ہمارے نبیؐ کی انگلی سے چاند شق ہوا۔ عیسٰیؑ کے بارے ایسا امر ثابت نہیں ہے
موسٰیؑ کی چٹان سے پانی کے چشمے نکلے، ہمارے نبیؐ کی انگلی سے پانی کے سوتے بہے۔ عیسٰی علیہ السلام کے لئے یہ معجزہ نہیں تھا
موسٰیؑ کی طرح ہمارے نبیؐ کے جانشین فرماں روا ہوئے۔ حضرت عیسٰیؑ کے جانشین ایسے نہ تھے۔
موسٰیؑ کی طرح ہمارے نبیؐ ۴۰ برس کی عمر میں نبی ہوئے۔ حضرت عیسٰی ع کو نبوت پہلے ہی ملی۔
موسٰیؑ کے مصری ہجرت سے سنہ جاری ہوا جیسے ہمارے نبیؐ کے سے سنہ ہجری جاری ہوا۔ حضرت عیسٰیؑ کے سنہ ہجری نہیں
موسٰیؑ کی شرع میں قمری مہینے ہیں ہمارے نبیؐ کی شرع میں بھی قمری مہینے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کی شرع میں نہیں

اسرائیلی خاندان میں حضرت موسٰیؑ صاحب شریعت نبی تھے اور اسماعیلی خاندان میں حضرت ہمارے نبیؐ صاحب شریعت ہیں۔

موسیٰؑ نے بچھڑے کا بُت توڑا، ہمارے نبیؐ نے کعبہ کے بُت توڑے ، حضرت عیسیٰؑ نے بُت شکنی نہیں کی

مرزا کا اپنے تئیں مثیل مسیحؑ کہنا دھوکا ہے

حضرت عیسیٰؑ	مرزا
حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے	مرزا کے والد کا نام غلام مرتضیٰ تھا
〃 〃 〃 کنوارے تھے	مرزا نے شادی کی
〃 〃 〃 کی اولاد نہ تھی	مرزا کے بال بچے تھے
〃 〃 کا خلیفہ ان کا بیٹا نہ تھا	مرزا کا خلیفہ اس کا بیٹا پھر اس کا پوتا ہوا
〃 〃 کی عمر ۳۳/۱۲۰ تھی	مرزا کی عمر ۶۸ سال ہوا
〃 〃 اسرائیلی تھے	مرزا مغل ہے (مغلوں میں کوئی نبی نہیں ہوا)
〃 〃 سے پہلے اسرائیلی نبی تھے	مرزا سے پیشتر کوئی مغل یا پنجابی نبی نہیں ہوا
〃 〃 کی زبان عبرانی تھی	مرزا کی زبان پنجابی تھی
〃 〃 پر انجیل اتری	مرزا پر کوئی کتاب نہیں اتری بلکہ مصنف ہوکتابوں کا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں کنواری تھی اور مرزا کی ماں منکوحہ تھی

حضرت عیسیٰؑ اکیلے اپنی کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہوئے مرزا اپنی منکوحہ ماں کے بطن سے توام پیدا ہوا

حضرت عیسیٰؑ نے ۳ سال تبلیغ کی ۔ اور مرزا نے کئی سال اپنے مشن میں لگائے

حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے یا بزعم مرزا مصلوب ہوئے ۔ اور مرزا اسہال سے مرا و ستولی پڑھا

حضرت عیسیٰؑ کے عہد میں یہود کی حکومت تھی ۔ اور مرزا کے عہد میں یورپ کے انگریزوں کی

حضرت عیسیٰؑ شام کے باشندہ تھے اور مرزا قادیان واقعہ بھارت کا باشندہ تھا ۔

حضرت عیسیٰؑ نے مہد (گہوارے) میں کلام فرمایا تھا ۔ مگر مرزا قادیانی نے گہوارے میں کوئی کلام نہیں کیا

حضرت عیسیٰؑ کی عمر قرآنی رو سے شیخوخت اور بڑھاپے کو نہ پہنچی ۔ مگر مرزا قادیانی ۶۸ سال کا بوڑھا ہو کر مرا

حضرت عیسیٰؑ حج کریں گے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے مگر مرزا قادیانی نہ حج کر سکا نہ [illegible] مدینہ منورہ جا سکا

حضرت عیسیٰؑ شام کے گاؤں لُد میں پہنچ کر دجال کو قتل کریں گے مگر مرزا قادیانی نہ لُد پہنچا نہ دجال کو قتل کیا ۔

حضرت عیسیٰؑ دوسرے انبیاء کرامؑ کی تصدیق کرتے تھے اور مرزا پیغمبروں کی توہین و تکذیب کرتے تھے ۔

حضرت عیسیٰ ؑ کی وفات مکہ و مدینہ کے درمیان ہو گی مگر مرزا قادیانی کی وفات لاہور شہر میں ہوئی،
حضرت عیسےٰ ؑ کا مدفن حضور ؐ کے مقبرہ میں شیخین کی قبروں کے درمیان ہوگا مگر مرزا کا مدفن قادیان میں ہے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام راستباز نبی خدا تھے مگر مرزا قادیانی جھوٹا چالباز شخص کو انگریزی نبی تھا

مرزا اپنے دعویٰ کی رُو سے بھی مثیلِ مسیح نہیں

مرزا کے اپنے دعویٰ کے لحاظ سے

مسیح ؑ کا علم ' مرزا سے کم تھا پھر مرزا مثیلِ مسیح کیسے ہوا

خدا کی تائید مرزا کے ساتھ بہ نسبت مسیح کے زیادہ تھی پھر مرزا مثیلِ مسیح کیسے ہوا

مرزا اپنی تمام شان میں مسیح سے بہت بڑھ کر ہے پھر مرزا مثیلِ مسیح کیسے ہوا

البتہ یوں کیونکہ مرزا کے اعتقاد میں جو صفات اس کے مزعومہ مسیح میں پایا ہیں وہ اور جو حضرت عیسیٰ ؑ اور

مرزا کہتا ہے عیسیٰ ؑ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵) مرزا کا بھی یہی حال تھا۔

- • یسوع دراصل مرگی کی بیماری میں مبتلا تھا (ست بچن ص ۱۵۰۔ ۲۵۳) مرزا بھی مراق ہسٹریا وغیرہ کا مریض تھا
- • یہ شخص (عیسیٰ ؑ) شرابی کبابی ہے (ست بچن ص ۲۰۰، ۴ کشتی نوح حاشیہ ص ۶۵) مرزا بھی شراب پیتا تھا۔
- • (یسوع کا) خدائی دعویٰ شرابخوری کا ایک بدنتیجہ تھا (۔ ۔) اسی لیے مرزا نے بھی خدائی دعویٰ کیا
- • آپ (یسوع مسیح) کا کنجریوں سے میلان تھا (انجام آتھم ص ۷) مرزا بھی یہی کام کرتا تھا
- • آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵) مرزا کو بھی گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی

مرزا نے کہا عیسیٰ ؑ نے اکثر سخت الفاظ اپنے مخالفین کے حق میں استعمال کیے ہیں جیسے سؤر کتے بے ایمان بدکار وغیرہ (ضرورۃ الامام ص ۔ ۔ وست بچن ص ۱۳۱۔ ۲۵۳) اور مرزا بھی ایسا ہی تھا

مرزا نے کہا ان (عیسیٰ ؑ) کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام رہے (ازالہ اوہام ص ۱۳۰) مرزا بھی سمیرا بالی مرزائیوں کے خیال میں ناکام رہا (بلکہ مسلمان کفر پر اور کفار کا زور دیکھو تاریخ

مرزا نے کہا کوئی دلیل مسیح کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں (اعجاز احمدی ص ۱۳) مرزا کی نبوۃ پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوۃ مرزا پر جدید دلائل قائم ہیں،

مرزا نے کہا عیسیٰ ؑ کو تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا جس کی وجہ سے خدا سے منکر ہونے کے لیے تیار ہو گئے (ضمیمہ انجام آتھم ص ۶۔ ۷) مرزا کو شیطانی الہام ہوتا تھا جس کی وجہ سے مرزا نے خدائی دعویٰ کیا۔

مرزا کے دعووں میں تضاد

حاشیہ براہین احمدیہ ص ۳۳۰ میں لکھا: جب کہ قرآن مجید کے اصول حقہ کا محرف اور مبتدل ہو جانا مع ساتھ اس کے تمام خلقت پر تاریکی شرک اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا عند العقل محال اور ممتنع ہوا تو نئی شریعت اور نئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناع عقلی لازم آیا کیونکہ جو امر مستلزم محال ہو وہ بھی محال ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آں حضرت ﷺ حقیقت میں خاتم الرسل ہیں۔

ازالہ اوہام ج ۱ ص ۴۱۴، ج ۲ ص ۲۵۲ میں لکھا ماکان محمد ابا احد من رجالکم... یعنی محمد ﷺ ..... ہے ختم کرنے والا نبیوں کا: یہ آیت صاف دلالت کر رہی ہے کہ..... اب وحی رسالت تا بہ قیامت منقطع ہے (اب اس کے برعکس سنیے)

تجلیات الٰہیہ ص ۵ میں لکھا اے غافلو! تلاش کرو۔ شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہو۔

تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۴، ۵۲، ۵۳، ۶۵ میں لکھا وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا کے تحت لکھا: جس حالت میں چھوٹے چھوٹے عذابوں کے وقت رسول آئے ہیں تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس عظیم الشان عذاب کے وقت جو آخری زمانہ کا عذاب ہے خدا کی طرف سے رسول ظاہر نہ ہو؟ اس سے تو صریح تکذیب کلام اللہ کی لازم آتی ہے۔ پس وہی رسول مسیح موعود (مرزا) ہے

حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ طبع ۱۲ مئی ۱۹۰۶ء میں لکھا: نبی سے مراد صرف اسی قدر ہے کہ خدا تعالیٰ سے بہ کثرت شرف مکالمہ و مخاطبہ پاتا ہوں..... اور یہ بات ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں ۱۳۰۰ تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ اگر کوئی منکر ہو تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہے...... غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی و امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ (ابوبکرؓ و عمرؓ اور کوئی صحابی بھی نہیں)

دافع البلاء ص ۱۱ میں لکھا: سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا

اربعین نمبر ۳ ص ۳۶ میں لکھا: خدا وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا ہے (ناظرین رسالہ ہذا کا صفحہ نمبر ۲ و ۳ بھی دیکھ لیں)

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص ۱ میں لکھا: اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدث ہے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنے لغت کی کسی کتاب میں اظہار غیب نہیں

حقیقۃ الوحی ص ۶۸ تتمہ میں لکھا اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔

مکتوبات احمدیہ ص ۴۹ جلد ۳ میں لکھا: آں حضرت ص کے معجزات جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزے ہیں: اس خدا نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک ہیں (کیا یہ نبی کریم ص کی توہین نہیں؟)

کشتی نوح ص ۱۸ میں لکھا وہی خدا جس نے میرے پر وحی نازل کی جس نے میرے لیے زبردست نشان دکھلائے

مرزا کا منکر کافر ہے یا نہ؟

تریاق القلوب ص ۱۳۰: میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا

نیز لکھا: یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں لیکن صاحب الشریعۃ کے ماسوا جس قدر مُلہَم اور محدَّث ہیں گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں۔۔۔۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔

توضیح المرام ص ۱۸ و تحفہ غزنویہ ص ۲۰،۲۱ و ازالۃ اوہام ۲۴۲: کسی نے سوال کیا کہ فتح اسلام میں آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا "نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے! (اب دوسرا رخ ملاحظہ ہو)

انجام آتھم ص ۶۲: الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے

کشتی نوح ۱۷، ۱۸: جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود اور مہدی نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳: جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا و رسول کو بھی نہیں مانتا۔

حاشیہ 〃 〃 : بلاشبہ جو خدا تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرتا ہے کافر ہے سو جو شخص مجھے نہیں مانتا.... میری تکفیر کی وجہ سے آپ کافر بنتا ہے۔

حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳: جو شخص مجھ پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے

نزول المسیح ص ۴: جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا۔

حقیقۃ الوحی ص ۱۶۲ و اربعین ۲۴ ص ۶ مع حاشیہ: میرا نہ ماننے والا، مجھ سے بیعت نہ کرنے والا میرا منکر کافر ہے

الہام مندرجہ بدر ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی جو قوم مرزا پر ایمان نہ لائے گی اس کی جڑھ بنیاد کاٹ دی جائے گی

احمدی جنتری ۱۹۲۹ء ص ۳۲: مجھ کو کافر کہہ کے اپنے کفر پر کرتے ہیں مُہر یہ تو شکل اک ہے جو ہم تو دی آئینہ دکھا

الفضل ص ۵۲ بحوالہ فیصلہ جیمس آباد: جو شخص موسیٰ پر یقین رکھتا ہے اور عیسیٰ کو نہیں مانتا یا جو عیسیٰ پر یقین رکھتا ہے اور محمد کو نہیں مانتا یا محمد پر یقین رکھتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر ہے بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام ہی سے خارج ہے۔

القول الاتم

فی

حیاتِ عیسیٰ ابنِ مریم

و

قدرۃ الرب

فی

ولادتِ عیسیٰ من غیر اَب

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

قال اللہ تعالیٰ

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

ناشر
مکتبۃ الفیصل
جامع مسجد ذوالنورین ظفر آباد
پرانا چنیوٹ روڈ جھنگ صدر
(پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم قارئین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں متنبی پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ اور اس کی بنیاد اور جڑ وفات مسیح علیہ السلام کے عقیدے پر رکھی۔ اور اثبات دعویٰ کے لیے "ازالۂ اوہام" میں قرآن مجید کی تیس آیات مبارکہ میں تحریف کرتے ہوئے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے اوہام باطلہ پیش کیے۔

محقق العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین نیلوی رحمہ اللہ نے زیر نظر علمی و تحقیقی مقالہ میں قادیانیوں کے تمام اوہام باطلہ کا بطریق احسن مدلل جواب تحریر فرمایا۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول سے متعلق قرآن مجید، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہؓ و تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ، محدثینؒ، مفسرینؒ، اہل لغت، اہل تاریخ، اہل عقائد، اور صوفیاءؒ کے فرامین کی روشنی میں مختصر مگر جامع انداز میں تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

نیز ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق "قدرۃ الرب" کے نام سے ایک دوسرا مقالہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ اور آخر میں قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش سے متعلق عقیدہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین خاتم النبیین محمد و آلہ و اصحبہ الطیبین الطاھرین ○ اما بعد البسملۃ و الحمدلۃ و التصلیۃ و التسلیم ○

زمانۂ حال میں اردو داں حضرات عربی کے کئی الفاظ کو اپنے یہاں ان معنوں میں استعمال کرتے ہیں جن معنوں میں عرب استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً عربی لفظ جہاد جو فعال کے وزن پر باب مفاعلہ کی مصدر ہے۔ جیسے: قتال، دعاء، جدال۔ عربی میں جہاد کے معنے ہیں: "کسی کام میں پوری طاقت صرف کرنا"۔ جیسکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں پوری پوری کوشش کرو جیساکہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اور یہ ہر اس کوشش کو شامل ہے جو کسی طرح سے دینی غرض کے لیے کی جائے۔ مالی، لسانی، سنانی اور قلمی کوشش سب ہی جہاد کے زمرے میں آ جاتے ہیں۔ یعنی غیر مسلموں کو تبلیغ کرنا، ان کے ساتھ بحث مباحثہ کرنا، مناظرہ کرنا، اور غیر مسلموں کی اسلام کے خلاف لکھی ہوئی تحریروں کا جواب لکھنا۔ اسی طرح مجاہدین کی مالی امداد کرنا، ان کے لیے اسلحہ مہیا کرنا، ان کے خورد و نوش اور لباس کا انتظام کرنا، ان کے اہل خانہ کا خرچ برداشت کرنا، ان کے زخمیوں کا علاج معالجہ کرنا۔ اور جب کفار لڑنے پر اتر آئیں تو اعلاء کلمۃ اللہ اور کبت اعداء اللہ کے لیے سامان جنگ لے کر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے اور اس کی مدد مانگتے ہوئے کفار کے ساتھ لڑنا۔ یہ سب کام جہاد کے زمرہ میں آ جاتے ہیں۔

اسی طرح وسیلہ کا لفظ عربی زبان میں "تقرب" حاصل کرنے کے ذریعے کو کہتے ہیں۔ یعنی ایمان، نماز، روزہ، صدقہ و خیرات، درود شریف اور دیگر نیک اعمال کی مسلسل ادائگی اور بدعملی سے اجتناب اور قرآن و سنت کا پڑھنا اور سمجھنا سب تقرب

الٰہی حاصل کرنے کے وسیلے ہیں۔ مگر اردو زبان میں دورانِ دعا، کسی نبی ولی کا واسطہ ڈالنے کو وسیلہ کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ سے یہی وسیلہ مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ و تابعین و سلف صالحین و ائمہ مجتہدین سے ایسے وسیلے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اسی طرح توفی عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کو اردو میں ''وفات'' اور ''موت'' کے معنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی مرے ہوئے کی تاریخ بتانی ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں متوفی سنہ فلاں۔ یعنی وہ فلاں سنہ میں فوت ہوا ہے۔ پھر ایک غلطی یہ بھی کرتے ہیں کہ اخیر حرف ی کو دیکھ کر اس سے ماقبل ف کو مکسور اور ی کو ساکن پڑھتے ہیں۔ جس سے وہ مُتَوَفِّیْ بن جاتا ہے۔ جبکہ اس کے معنے ہیں: ''وفات دینے والا''۔ حالانکہ وفات دینے والا تو اللہ تعالےٰ ہے۔ جیساکہ قرآن مجید میں آیا ہے: اِنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيٰى یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ ہی ہے جو مارتا اور جلاتا ہے۔ اور وفات پانے والے کو مُتَوَفّٰی لکھتے ہیں۔ یعنی عربی قاعدہ کے مطابق ف کی فتح کے ساتھ الف کو ی کی شکل دیتے ہیں۔ جیساکہ یحییٰ، موسیٰ، عیسیٰ، مُصطفیٰ، مجتبیٰ، مرتضیٰ وغیرہ کے آخر میں الف ہے، جو ی کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ مگر عربی زبان میں توفی کے معنے ہیں ''کسی چیز کو پورا پورا لے لینا''۔ جیساکہ آنے والی تحقیق سے معلوم ہوگا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ۔ البتہ توفی کے معنے ''موت'' اور ''نیند'' بھی آتے ہیں۔ مگر وہ معنے حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہیں۔ اسی بات کی وضاحت کے لیے یہ رسالہ پیش خدمت ہے۔ اس کو بنظرِ انابت بغور پڑھیں۔ تاکہ غیر مسلموں کی طرف سے پیش کردہ لایعنی شبہات اور توہمات دل سے نکل جائیں۔ لیکن ضد کا کچھ علاج نہیں۔ چنانچہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ''پھر جب تُو نے مجھے فوت کر دیا''۔ اور کہتے ہیں کہ ان معنوں کی تائید صحیح بخاری شریف کتاب بدء الخلق کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے اصحاب میں سے کئی لوگ بائیں طرف یعنی دوزخ کی جانب کھینچ لیے

جائیں گے۔ میں کہوں گا کہ اے فرشتو! یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ وہ کہیں گے آپ کو معلوم نہیں جب آپ کی وفات ہو گئی تو یہ لوگ اسلام سے پھر گئے۔ اس وقت میں اس نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح کہوں گا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي......کہ میں جب تک ان لوگوں میں رہا ان کا حال دیکھتا رہا۔ الخ اور جس طرح اس حدیث میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مراد ہے اسی طرح قرآن مجید میں جو حضرت مسیح علیہ السلام کا قول فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي نقل ہے اس کا معنی بھی یہی ہے کہ "پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا"۔ بالکل اسی طرح:

○ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا ○ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّكُمْ
○ يَتَوَفَّهُنَّ الْمَوْتُ ○ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ

ان تمام آیات سے بھی وفات ہی ثابت ہوتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام قرآن مجید کے غیر متبدل قانون کل نفس ذائقۃ الموت سے مستثنیٰ بھی ہرگز نہیں ہیں۔ لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ:

توفی کے معنے مع محاوراتِ عرب

○ اس کا صحیح مطابقی معنی یہ ہے کہ: "پھر جب تو نے مجھے پورا پورا اپنے قبضہ میں لے لیا"۔ کیونکہ اہلِ عرب کے یہاں تَوَفِّي کے یہی معنے مستعمل ہیں۔ چنانچہ:

(۱) لسان العرب و المنجد (صفحہ ۹۱۱) نے اہلِ عرب کا محاورہ پیش کیا: توفیت عدد القوم کہ میں نے سب قوم کی گنتی پوری پوری حاصل کر لی۔

(۲) معانی القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ میں حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خالہ زاد بھائی حضرت امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد عبداللہ الاسلمی فراء کوفی متوفی ۲۰۷ھ نے "توفی" کے معنے لکھ کر استدلال میں یہ شعر تحریر فرمایا ہے:

ان بنی الادرد لیسوا من احد و لا توفیهم قریش فی عدد

یعنی بنی ادرد تو کسی گنتی میں نہیں ہیں، اور قریش نے ان کی پوری پوری گنتی نہیں کی۔

○ نیز امام فراء نے یہ شعر لکھنے کے بعد اہل عرب کا یہ محاورہ بھی اسی معنی میں

لکھا ہے: توفیتہ المال کہ میں نے اس سے اپنا پورا پورا مال لے لیا۔
(معانی القرآن جلد ا صفحہ ۲۱۹)

③ خلیفۂ زمخشری علامہ لغوی مطرزی نے المغرب جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ میں توفاہ کے معنے تحریر فرمائے ہیں: اخذ کلہ کہ اس نے وہ سارے کا سارا لے لیا۔

○ اس کے بعد خالص عرب اور صحابیٔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عاصم بن عدی بن الحارث بن العجلان انصاری کا قول پیش کیا' جو غزوۂ اُحد میں حاضر ہوئے اور سو سال سے زائد عمر پاکر امیر المؤمنین سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے:

ترجمہ منہ حدیث عاصم بن عدی و اتوفی تمرك بخیبر. یعنی حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کہا تھا کہ میں خیبر میں تیری سب کی سب کھجوریں لے لوں گا۔

④ مغرب جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ میں ہے کہ: و ف ی سے جو کلمہ مرکب ہوتا ہے تو اس کا مطلب تمام اور کمال ہوتا ہے۔

⑤ تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴ میں علامہ زبیدی نے توفاہ کے معنے لکھے ہیں: ای لم یدع منہ شیئا. یعنی اس نے اس کے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ یعنی سارا لے لیا۔

⑥ نیز اہلِ عرب کا محاورہ ہے: توفیت منہ مالی علیہ تاویلہ ای لم یبق علیہ شئ. یعنی توفیت منہ مالی علیہ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس سے قرض کا پورا پورا مال وصول کر لیا' جتنا کہ میرا مال اس کے ذمے تھا۔ یعنی اب اس پر میرا کچھ قرض باقی نہیں رہا۔ (تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۵)

⑦ حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تفسیر جلد ۲ صفحہ ۴۸۱ میں اہلِ عرب کا محاورہ تحریر فرمایا ہے: توفیت منہ دراھمی کہ میں نے اپنے تمام درہم پورے پورے وصول کر لیے۔

⑧ اساس البلاغۃ صفحہ ۶۸۴ میں حضرت علامہ جار اللہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشریؒ نے تحریر فرمایا ہے: توفاہ استکملہ یعنی توفاہ کے معنے ہیں اس نے اس کو مکمل لے لیا۔

⑨ مصباح المنیر صفحہ ۲۰۸ میں حضرت علامہ احمد بن محمد بن علی فیومی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا کہ "توفی" اور "استیفاء" کے ایک ہی معنے ہیں۔ یعنی کسی چیز کا پورا پورا لے لینا۔

⑩ مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۴۵۴ میں حضرت علامہ محمد طاہر فتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: و قد یکون قبضاً لیس بموت۔ یعنی وفات کا اطلاق موت کے علاوہ قبض کر لینے پر بھی آتا رہتا ہے۔

⑪ حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "مفردات" میں تحریر فرمایا ہے: قد یعبر عن الموت و النوم بالتوفی کہ موت اور نیند کو بھی "توفی" سے تعبیر کرتے رہتے ہیں۔

● آپ نے دیکھ لیا کہ اہل لغت کے نزدیک "توفی" کے معنے پورا پورا لینے کے آتے ہیں۔ صرف موت کے لیے اس لفظ کا استعمال نہیں ہوتا۔

اردو و فارسی مترجمین قرآن کے حوالے

○ اب دیکھیے حضرات مترجمین بھی اہل لغت اور اہل لسان عربوں کے مطابق فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کا یہی معنی کرتے ہیں۔ چنانچہ:

① پس وقتیکہ برگرفتی مرا (یعنی بر آسمان بردی مرا)۔ (شاہ ولی اللہؒ)

② پھر جب تو نے مجھے بھر لیا۔ (شاہ عبد القادرؒ)

③ پس جب قبض کیا تو نے مجھ کو۔ (شاہ رفیع الدینؒ)

④ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔ (شیخ الہندؒ)

⑤ جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا۔ (تھانویؒ)

⑥ جب تو نے مجھے اٹھا لیا۔ (مرزا حیرتؒ)

⑦ جب تو نے مجھ کو دنیا سے اٹھا لیا۔ (ڈپٹی نذیر احمدؒ)
⑧ جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔ (دریابادیؒ)
⑨ پھر جب تو نے مجھ کو گم کر دیا یعنی ان کے بیچ میں سے معدوم کر دیا۔ یعنی قبض کر لیا آسمان کی طرف اٹھا لینے سے۔ (ملیح آبادیؒ)
⑩ پھر جب آپ نے میرا وقت پورا کر دیا۔ (ابوالکلامؒ)
⑪ جب اٹھایا تو نے مجھ کو۔ (سیماب اکبر آبادیؒ)
⑫ جب تو نے مجھے اٹھا لیا۔ (ترجمان القرآنؒ)
⑬ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔ (بلند شہریؒ)
⑭ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔ (عبدالستار دہلویؒ)
⑮ جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا۔ (فتح محمد جالندھریؒ)
⑯ پھر جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا۔ (مودودیؒ)
⑰ پس آں ہنگام کہ مرا فرا گرفتی یعنی رفع کردی باسمان۔ (حسینیؒ)

علماءِ متقدمین مفسرین کے حوالے

- جیسا کہ اردو اور فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والے ہمارے قریبی دور کے علماء نے "توفی" کا معنیٰ "موت" نہیں کیا، بلکہ اٹھا لینے کا کیا ہے۔ اسی طرح علماءِ متقدمین بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ اس سے مراد "رفع الی السماء" ہے۔ مثلاً:

① حضرت ابن جریجؒ (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ و ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)
② حضرت ابن جوزیؒ (مقاصدِ حسنہ صفحہ ۲۷۴)
③ حضرت ابن زیدؒ (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و تفسیر قرطبی جلد ۳ صفحہ ۱۰۰ و ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)
④ حضرت ابن سیرینؒ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۸)

(۵) حضرت ابن عطیہ (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۳۷۳)
(۶) حضرت ابو عبد اللہ رازی (بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)
(۷) حضرت ابو عبد ربہ عبد الجبار بن عُبید اللہ (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۹)
(۸) حضرت اسمٰعیل بن عبد الرحمن سدی (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ و در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۳۸ و بحر محیط جلد ۸ صفحہ ۲۵)
(۹) حضرت حریث بن مخشی (در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)
(۱۰) حضرت حسن بصری (تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ و ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و ۲۲۷ و تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ و جلد ۸ صفحہ ۲۵)
(۱۱) حضرت حسین بن فضل (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)
(۱۲) حضرت ربیع بن انس (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ و معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ ابوالسعود جلد ۲ صفحہ ۵۸ و مفاتیح الغیب جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ و در منثور جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)
(۱۳) حضرت زجاج (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۳۷۳)
(۱۴) حضرت زید بن اسلم (روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ و رازی جلد صفحہ ۷۶)
(۱۵) سعید بن جُبیر (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ و جلد ۸ صفحہ ۲۵)
(۱۶) حضرت سعید بن مُسیب (روح جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ و در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ و رازی صفحہ ۷۷۶)
(۱۷) حضرت شہر بن حوشب (در منثور جلد ۲ صفحہ ۷۳۴)
(۱۸) حضرت ضحاک (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ و جلد ۸ صفحہ ۲۵)
(۱۹) حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم (مواہب الرحمن پارہ ۶ صفحہ ۱۲)
(۲۰) حضرت عطاء بن ابی رباح (فتوحات الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۵۳۵)
(۲۱) حضرت عطیہ بن سعد عوفی (مواہب الرحمن پارہ ۶ صفحہ ۱۲)

(۲۲) حضرت عکرمۃ بن عبداللہ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)
(۲۳) حضرت غزوان ابو مالک غفاری (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۴ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)
(۲۴) حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۴۹' درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و بحر محیط جلد ۸ صفحہ ۲۵)
(۲۵) حضرت کعب الاحبار (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۴۵۳)
(۲۶) حضرت ماوردی (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۰۶)
(۲۷) حضرت مجاھد (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۲ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ و ج ۸ صفحہ ۲۵)
(۲۸) حضرت محمد بن اسحاق (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۲)
(۲۹) حضرت محمد بن جعفر بن زبیر (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳ و بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳)
(۳۰) حضرت محمد بن حنفیہ (درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۷۳۴)
(۳۱) حضرت محمد بن زید بن المہاجر المدنی تابعی (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۴)
(۳۲) حضرت محمد بن سائب کلبی (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۵۰)
(۳۳) حضرت مطر الوراق (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳ و بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ مختصر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۲۸۶ و تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۳۱۵ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)
(۳۴) حضرت مقاتل بن سلیمان (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۴۱)
(۳۵) حضرت وہب بن منبہ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)
(۳۶) حضرت محمد بن کعب قرظی مدنی (درِ منثور جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

اہلِ تصنیف مفسرین کے حوالے

● ان علماءِ متقدمین کے علاوہ اہلِ تصنیف مفسرین بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہٖ و روحہٖ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے' اور قربِ قیامت میں دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے۔ جن مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی تفاسیر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں :

(۲۷) ابو اسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری فی الکشف و البیان' (الجامع لاحکام القرآن قرطبی جلد ۶ صفحہ ۱۰۶)
(۲۸) ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی (مدارک التنزیل جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)
(۲۹) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲۷ و جلد ۲۸ صفحہ ۵۴)
(۳۰) ابو الحسن علی بن احمد واحدی (الکتاب الوجیز جلد ۱ صفحہ ۲۶۹)
(۳۱) ابو السعود (برہامش تفسیر رازی جلد ۱ صفحہ ۷۱۳ و جلد ۷ صفحہ ۳۵۱)
(۳۲) ابو سعید قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (تفسیر انوار التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ و ۱۷۷)
(۳۳) ابو عبداللہ محمد انصاری قرطبی (تذکرہ قرطبیہ صفحہ ۱۳۲ و تفسیر جامع لاحکام القرآن جلد ۴ صفحہ ۹۹ و جلد ۶ صفحہ ۳۷۶ و ۳۷۷)
(۳۴) ابو الفداء عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر دمشقی (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ و جلد ۱ صفحہ ۳۶۶)
(۳۵) ابو الفضل قرشی صدیقی کازرونی الخطیب (حاشیہ انوار التنزیل جلد ۲ صفحہ ۲۱)
(۳۶) ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۲۶۳ و ۲۸۲ و بر تفسیر ابن کثیر طبع ہند جلد ۱ صفحہ ۱۶۲ و ۲۶۳ و ۳۰۸)
(۳۷) احمد جونپوری المعروف بہ ملا جیون (تفسیرات احمدیہ صفحہ ۶۵۲ و ۶۵۳)
(۳۸) ثناء اللہ قاضی پانی پتی (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۵۶)
(۳۹) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (جلالین صفحہ ۵۰ و ۱۰۹ و تفسیر الاتقان صفحہ ۳۳ و ۳۴)
(۵۰) رؤف احمد مجددی (تفسیر رؤفی (جلد ۱ صفحہ ۲۸۷)
(۵۱) زاہدی (تفسیر زاہدی قلمی ورق ۱۶۴ صفحہ ۲)
(۵۲) زین العابدین علی بن احمد الاموی مہائمی (تبصیر الرحمٰن قلمی ورق ۷۸ و ۱۴۳)
(۵۳) سلیمان جمل (فتوحات الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

۵۴ سید محمود آلوسی (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۱۲)

۵۵ صفی الدین محمد (جامع البیان بر جلالین صفحہ ۱۰۹)

۵۶ فخر الدین صاحب تفسیر قادری (ترجمہ اردو تفسیر حسینی جلد ۲ صفحہ ۴۰۸)

۵۷ فخر الدین محمد بن عمر رازی (تفسیر مفاتیح الغیب جلد ۲ صفحہ ۴۵۸ و ۴۷۷ و جلد ۳ صفحہ ۳۳۰)

۵۸ فیض اللہ فیضی (تفسیر سواطع الالہام صفحہ ۱۴۰)

۵۹ عبد الحکیم سیالکوٹی (حاشیہ بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۳۹۳ طبع ہند)

۶۰ علامہ قونوی (حاشیہ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

۶۱ علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی علاؤ الدین خازن (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ و ۵۳۱)

۶۲ کمال الدین (کمالین بر جلالین ۵ صفحہ ۸۹ و ۶ صفحہ ۵۰)

۶۳ محمد بن احمد بن جزی الکلبی (کتاب التسہیل صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹)

۶۴ محمد بن بارک اللہ لکھوکے (تفسیر محمدی جلد ۲ صفحہ ۹۴)

۶۵ محمد بن علی شوکانی یمنی (تفسیر فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

۶۶ محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی (بحر محیط جلد ۴ صفحہ ۶۱)

۶۷ محمد محی الدین شیخ زادہ (حاشیہ انوار التنزیل جلد ۱ صفحہ ۶۳۳)

۶۸ محمود بن عمر زمخشری معتزلی (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۶۶)

۶۹ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین نیشاپوری (غرائب القرآن برہامش تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔ بر آیت و من المقربین)

○ ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے بھی توفی کا معنی رفع الی السماء ہی کیا ہے۔ مثلاً:
۷۰ خلاصۃ التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ ۷۱ تفسیر سراج المنیر جلد ۱ صفحہ ۱۴۱
۷۲ تفسیر دجنیر بر جامع البیان ۷۳ عجائب القصص جلد ۲ صفحہ ۲۸۶
۷۴ تفسیر حسینی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ ۷۵ مقدمہ احسن التفاسیر جلد ۶ صفحہ ۶ و ۷
۷۶ تفسیر کشف الرحمٰن جلد ۱ صفحہ ۸۹ و ۱۶۳ و ۲۰۲ وغیرہ کتب تفسیر میں

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید کی ان آیات کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بجسدہٖ و روحہٖ آسمان پر اٹھالیا' اور زمانہ قرب قیامت میں وہ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ [۱۱]

متکلمین اہل عقائد کے حوالے

- اسی طرح "علم عقائد" میں مہارت رکھنے والے صاحب تصنیف محقق علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی محققانہ تصانیف میں یہی لکھا ہے۔ مثلاً:

(۱) ازالۃ الشکوک جلد ا صفحہ ۱۵۴ (حضرت علامہ شیخ محمد رحمت اللہ مہاجر مکی)

(۲) التبیان صفحہ ۲۲ (حضرت علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر المعروف بہ ابن قیم)

(۳) تکمیل الایمان صفحہ ۳۶ (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

(۴) تہذیب العقائد ترجمہ و شرح شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۶۵ (علامہ نجم الغنی)

(۵) الجواب الصحیح صفحہ ۱۱۹ و ۱۶۵ (شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ)

(۶) حاشیہ بر خیالی صفحہ ۳۴۰ (حضرت علامہ عبدالحکیم بن شمس الدین سیالکوٹی)

(۷) حاشیہ بر خیالی صفحہ ۱۴۲

(۸) حاشیہ شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۳۲۶ (علامہ عصام الدین اسفرائنی)

(۹) حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۲ (حضرت نواب صدیق حسن خان قنوجی)

(۱۰) دُرّۃ الناصحین جلد ۲ صفحہ ۷۰ (علامہ عثمان بن حسین)

(۱۱) رشحات الاقلام صفحہ ۱۸ (شیخ عبدالغنی نابلسی دمشقی)

(۱۲) شرح شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۳۱۸ (علامہ رمضان بن محمد آفندی)

(۱۳) شرح العقائد الجلالی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ (علامہ محمد بن اسعد جلال الدین دوانی)

(۱۴) شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۳۶ (علامہ ملا علی بن سلطان القاری)

(۱۵) شرح کفایۃ العوام صفحہ ۸۲

(۱۶) شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۱۵۵ (علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی)

(۱۷) شرح عقائد نسفیہ (حاشیہ) صفحہ ۲۵۴ (علامہ محمد حسن سنبھلی)

(۱۸) عقائد نسفیہ صفحہ ۱۵۵ (شیخ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی)
(۱۹) عقائد الاسلام صفحہ ۵۶ (شیخ صدر الدین بردودی)
(۲۰) عقیدۃ الاسلام بحوالہ کشف الاسرار صفحہ ۱۲۴
(۲۱) عقیدہ اہل الاسلام صفحہ ۱۱ (شیخ غماری)
(۲۲) عقیدہ سفارینیہ جلد ۲ صفحہ ۹۰
(۲۳) فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۶۷ (شیخ الاسلام شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن محمد)
(۲۴) کتاب الاذاعۃ صفحہ ۷۷
(۲۵) کتاب الفصل جلد ۴ صفحہ ۸۰ (علی بن احمد بن سعید ابو محمد ابن حزم ظاہری)
(۲۶) کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ صفحہ ۴۶ (ابو الحسن اشعری)
(۲۷) کفایۃ العوام صفحہ ۸۲
(۲۸) لوائح الانوار البہیتہ جلد ۲ صفحہ ۸۹ (شیخ محمد بن احمد اسفرائنی الحنبلی)
(۲۹) المسامرہ شرح المسایرہ صفحہ ۳۹۴ (شیخ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف قدسی)
(۳۰) مظہر العقائد صفحہ ۱۶ و ۲۴ (علامہ مظہر اللہ دہلوی)
(۳۱) المنتقد فی المعتقد (حضرت علامہ شیخ توربشتی)
(۳۲) نبراس شرح شرح العقائد صفحہ ۴۳۶ (حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی)

صوفیائے کرام کے حوالے

علاوہ ازیں علم عقائد کی متعدد کتب میں اس مسئلہ کی وضاحت موجود ہے، اور سب اہلِ عقائد اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

● اسی طرح اس بارے میں حضرات صوفیائے کرام کا عقیدہ بھی یہی ہے، اور انھوں نے اپنی کتب تصوف میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً:

(۱) تحفہ نصائح صفحہ ۱۵ (حضرت شیخ محمود چراغ دھلوی)
(۲) حیاۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۳۶ (شیخ کمال الدین محمد بن عیسیٰ دمیری)
(۳) سراج القلوب صفحہ ۲۰۰ (شیخ ابو علی زین الدین علی المعیری فنائی)

④ طریقۂ محمدیہ (شیخ محمد برکوی)
⑤ عرائس البیان جلد ۱ صفحہ ۸۴ (خطیب شربینی)
⑥ غنیۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۶۱ (شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی)
⑦ فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ جلد ۳ صفحہ ۳۴۱ (شیخ ابن عربی مالکی)
⑧ کشف المحجوب (اردو) صفحہ ۵۲ (شیخ علی ہجویری)
⑨ مثنوی عطار صفحہ ۲۰ (شیخ فریدالدین عطار)
⑩ مثنوی معنوی جلد ۱ صفحہ ۸ (شیخ جلال الدین رومی)
⑪ مکتوبات' دفتر سوم مکتوب ۱۷ (شیخ احمد سرہندی)
⑫ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ (شیخ عبدالوہاب شعرانی)

● اہلِ لغت' مترجمین' مفسرین' اہلِ عقائد (اہلِ سنت و معتزلہ) اور صوفیاء کے ساتھ ساتھ اہلِ تاریخ بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مع بروح و جسم کے زندہ ہی آسمان پر اٹھالیا تھا۔ مثلاً:

اہلِ تاریخ کے حوالے

① مورخ ابنِ اثیر (الکامل جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)
② مورخ ابنِ خلدون (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)
③ مورخ ابنِ کثیر (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۲)
④ مورخ ابن عساکر (تاریخ مدینۂ دمشق صفحہ ۲۷)
⑤ مورخ ابوالقاسم اندلسی (عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۴)
⑥ مورخ مسعودی (تاریخ مروج الذہب برہامش ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۵۸)
⑦ مورخ محمد بن سعد (طبقات کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۶)
⑧ مورخ خادم علی فاروقی (تاریخ جدولیہ صفحہ ۵۰۹)

● ان کے علاوہ بعض دیگر علمائے کرام کے نام بھی ملاحظہ فرمائیے جو حیاتِ مسیح کے قائل تھے ہیں:

محدثین و شارحین کے حوالے

① حضرت علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی (عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۲۳۳)
② حضرت علامہ خلیل الرحمٰن سہارنپوری (قصص الکاملین صفحہ ۴۳)
③ حضرت علامہ فخرز من سید احمد حسن (احسن الفوائد صفحہ ۱۳۷)
④ حضرت علامہ عبدالرحمٰن بن علی الربیع الشیبانی زبیدی شافعی (تیسیر الوصول الی جامع الاصول طبع مصر صفحہ ۲۱۷)
⑤ حضرت علامہ محمد بن عبدالرسول برزنجی ثم المدنی (الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ صفحہ ۲۴۷ و ۲۴۸)

● اہل لغت، مترجمین، تابعین، تبع تابعین و من بعدہم اور صاحب تصنیف مفسرین، اہل علم عقائد، صوفیاء کرام، اہل تاریخ و دیگر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد اب یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ مسلک ان حضرات کا خانہ ساز نہیں ہے۔ بلکہ براہِ راست حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض پانے والے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ و مسلک بھی یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہ و روحہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور وہ قرب قیامت میں دوبارہ اس زمین پر تشریف لائیں گے۔ اور اس بارے میں کتب حدیث میں متعدد روایات موجود ہیں اور ان سب روایات کو احاطۂ تحریر میں لانا بھی خاصا مشکل کام ہے۔ جن حضرات کو تحقیق کرنی ہو وہ احادیث کے ذخیرۂ بے بہا میں غواصی کر سکتے ہیں۔ تاہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی کی ایک مختصر فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے، جن کا حیات و نزولِ مسیحؑ کے بارے میں یہی مسلک ہے۔ مثلاً:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے

① سیدنا ابن زید رضی اللہ عنہ (درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)
② سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ و ابو داؤد صفحہ ۲۴۵،

ابن ماجہ صفحہ ۳۰۷ و کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۹۲ تا ۲۹۶)

(۳) سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱)

(۴) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶۶)

(۵) سیدنا ابو سریحہ رضی اللہ عنہ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۳ و مسند حمیدی جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ و کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۰ و مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۱۸)

(۶) سیدنا ابو الطفیل رضی اللہ عنہ (در منثور جلد ۲ صفحہ ۳۹۷)

(۷) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۹ و مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۷ و جلد ۲ صفحہ ۳۹۲ و مسند طیالسی صفحہ ۳۳۱ و ۳۳۵ و در منثور جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ و ۳۴۷ و کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۷۱ و ۳۳۴ تا ۳۳۸ و ۶۱۷ تا ۶۲۱ و ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ و ابن ماجہ صفحہ ۳۰۸ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۴۴ و جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۷)

(۸) سیدہ ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا (درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۷)

(۹) سیدہ ام شریک بنت عکرمہ رضی اللہ عنہا (ابن ماجہ صفحہ ۳۰۸ و درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)

(۱۰) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۵ و در منثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۳)

(۱۱) سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۵ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ و معجم کبیر طبرانی جلد ۱ صفحہ ۲۱۷)

(۱۲) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۴ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۳)

(۱۳) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۴ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ و مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۷)

(۱۴) سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲)

(۱۵) سیدنا حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ و مسند ابو داؤد طیالسی صفحہ ۱۴۳ و ابن ماجہ صفحہ ۳۰۴)

(۱۶) سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ و کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۹ تا ۲۶۰، ۵۹۹)

(۱۷) سیدنا سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ و در منثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۲، ۳۴۷)

(۱۸) سیدہ صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا (تفسیر عزیزی پ ۳ صفحہ ۴۲۵)
(۱۹) سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۳۴، و کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۳۱۳ و ۶۲۰)
(۲۰) سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ و تاریخ بخاری قسم اول جلد ۱ صفحہ ۲۶۳)
(۲۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۵۹۵ و ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۳، و کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۹ و ۲۶۶ و ۶۱۸، ۶۱۹ و ۶۲۰ والطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۶)
(۲۲) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (بخاری صفحہ ۱۰۳۶ و ۱۰۴۰ و ۱۰۵۵ و کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۷)
(۲۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ و مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ و درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ و کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۷ و ۲۹۸ و ۶۲۰)
(۲۴) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۱ و ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ و ابن ماجہ صفحہ ۳۰۹ و کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۶۲۰)
(۲۵) سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ (کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۱)
(۲۶) سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۳۷)
(۲۷) سیدنا عروۃ بن رویم رضی اللہ عنہ (کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۵)
(۲۸) سیدنا علی امیرالمومنین رضی اللہ عنہ (کنزالعمال جلد صفحہ)
(۲۹) سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۱)
(۳۰) سیدنا عمر امیرالمومنین رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۹ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴)
(۳۱) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱)
(۳۲) سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۶۲۰)
(۳۳) سیدنا کیسان رضی اللہ عنہ (تاریخ بخاری قسم اول جلد ۴ صفحہ ۲۳۳ و ۲۳۴، و کنزالعمال جلد ۱۳ صفحہ ۳۱۷)

(۳۴) سیدنا مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ و مسند ابو داؤد طیالسی صفحہ ۱۰۷ و کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۴ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۱)

(۳۵) سیدنا نافع بن عتبہ رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱)

(۳۶) سیدنا نواس بن سمعان الکلابی رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۰ و مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ و ابن ماجہ صفحہ ۳۰۶ و ۳۰۷ و کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۸۵ تا ۲۸۸ و ۶۲۱ و ابو داؤد صفحہ ۲۴۵)

(۳۷) سیدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۱)

(۳۸) سیدنا یحییٰ بن عبدالرحمٰن ثقفی رضی اللہ عنہ (درِ منثور جلد صفحہ)

● حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیثِ مبارکہ کے مذکورہ بالا حوالہ جات ملاحظہ فرما چکنے کے بعد اس بات کو ذہن نشین رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ لسان عرب تھے' قرآن مجید اور اس کے مفاہیم کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے' زیادہ تر مسائل قرآن مجید ہی سے مستنبط فرمایا کرتے تھے۔ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا' ان کے ذہن میں فوراً اس سے متعلق قرآنی آیت منعکس ہو جاتی اور اس کی روشنی میں مسئلہ کا حل تلاش فرما لیتے تھے' اور ویسے بھی قرآن مجید کی تلاوت ان نفوسِ طیبہ کا معمول تھا' اور تلاوتِ قرآن مجید کے دوران اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ' فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ اور قَدْ خَلَتْ وغیرہ کلماتِ مبارکہ ان کے وردِ زبان رہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پاک طینت ہستیاں رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کی بھی قائل تھیں اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق بھی پختہ یقین رکھتی تھیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ وغیرہ آیات کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو آج کے پڑھے لکھے جاہلوں نے سمجھ کر حیات و رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر دیا ہے' جو بہت بڑی گمراہی اور فتنۂ عظیمہ ہے۔

○ اور اگر فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ و مُتَوَفِّيْكَ کے معنی اخراجِ روح اور خَلَتْ کے معنی مَاتَتْ کرتے تو محولہ بالا متواتر روایات ان نفوسِ مبارکہ سے نقل ہو کر کبھی نہ آتیں' جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء اور ان کے زمین پر

تشریف لانے کی خبر دی گئی ہے۔

○ اور اگر "توفی" کے معنی "موت" ہی کے ہوتے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں اس کے خلاف معنی کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء اور نزول علی الارض کا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کی تردید ضرور کی جاتی۔ لیکن اس کے برعکس براہِ راست اور بلاواسطہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ و نورانی مجلس میں حاضر ہوکر اسلامی عقائد و اعمال اور قرآن مجید کی تعلیم و تفہیم اور عملی تربیت حاصل کرنے والے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے توفی کا معنیٰ موت نہیں کیا۔ بلکہ اٹھائے جانے کا کیا ہے۔ البتہ:

قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہ مُمِیْتُکَ کا صحیح مفہوم

○ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے رأس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ کہ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی مُمِیْتُکَ کے ہیں' سو وہ روایت بطورِ تعلیق کے بیان کی گئی ہے' جس میں حضرت امام بخاریؒ نے اپنے سے اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک سند کے کسی راوی کا نام بیان نہیں فرمایا۔ (دیکھیے بخاری جلد ۲ صفحہ ٦٦٥)

○ تاہم تفسیر ابن کثیر (جلد ا صفحہ ۳۱۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت حضرت علی بن ابی طلحہؒ نے نقل فرمائی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت علی بن ابی طلحہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا ہی نہیں کیونکہ علی بن ابی طلحہ کہیں بعد میں پیدا ہوئے۔ اور یہ حمص (علاقہ شام) کے باشندے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۴۳ھ میں ہوا۔ نیز:

○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی روایات مرسل ہوتی ہیں۔ دیکھیے تقریب صفحہ ۲۴۷۔

○ خلاصہ تذہیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ میں حضرت علامہ صفی الدین خزرجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا کہ علی بن ابی طلحہ نے حضرت مجاہد (تابعی) اور

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؒ سے علم حاصل کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد پیدا ہوئے۔

○ تقریب التہذیب صفحہ ۲۴۷ میں ہے کہ علی بن ابی طلحہ گو سچے تو ہیں مگر کبھی کبھی غلطی کر جاتے ہیں۔ اور یہ ہیں بھی چھٹے درجے کے راوی۔

○ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علی بن ابی طلحہ کی کئی باتیں منکر ہیں۔ (خلاصہ تذہیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

○ حضرت علامہ فسویؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے ناقل علی ابن ابی طلحہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ (خلاصہ تذہیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

○ حضرت علی بن ابی طلحہؒ کے بارے میں مذکورہ بالا معلومات حاصل ہو جانے کے بعد اب کہا جا سکتا ہے کہ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مکمل ارشاد گرامی ان تک پہنچا ہی نہیں اور انھوں نے صرف مُمِیْتُكَ پر اکتفا کر لیا، کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے توفی کے تفصیلی معنی بتلاتے وقت ایک معنی یہ بھی ارشاد فرمایا ہو، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری منقولہ روایات سے واضح ہوتا ہے۔ مگر حضرت علی بن ابی طلحہؒ کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان کا جتنا حصہ پہنچا انھوں نے بیان فرما دیا۔ اور ناقدین کے مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے بھولے سے حضرت ابن عباسؓ کی پوری بات آگے بیان نہ کی ہو۔

○ بہر حال رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کو دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، خصوصاً جبکہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایات سے اس کی تصدیق نہ ہوتی ہو، بلکہ الٹا تکذیب ہوتی ہو۔

○ اور اگر واقعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مُتَوَفِّيْكَ کے معنے مُمِیْتُكَ ہی کیے ہوں تب بھی اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

دوسری روایات کو سامنے رکھنا ضروری ہے تا کہ معلوم ہوجائے کہ مُتَوَفِّیْكَ کہنے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب کیا ہے۔ چنانچہ:

رفع الی السماء سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رفع عیسٰی من روزنة فی البیت الی السماء (تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۴۹۳) کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مکان کے روزن یعنی سوراخ سے آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے۔

② نیز آپؓ نے یہ بھی فرمایا: فرفعه جبرائیل من الکوة الی السماء (روح المعانی جلد ا صفحہ ۵۹۵ و جلد ۲ صفحہ ۲۱۰) کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام چھت کے سوراخ سے نکال کر آسمان کی طرف لے گئے۔

③ مفسر ابن کثیرؒ اپنی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۸ میں محدث سعید بن منصور، نسائی، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ کے حوالوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی: لما اراد اللہ ان یرفع عیسٰی علیہ السلام الی السماء خرج الی اصحٰبه و فی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین فخرج علیھم من عین من البیت و راسه یقطر ماء فقال ---- و رفع عیسٰی من روزنةٍ فی البیت الی السماء یعنی جب اللہ تعالٰی کا ارادہ ہوا عیسٰی علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لے جانے کا تو آپؑ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لانے لگے جو بارہ حواری تھے، جب آپ اس مکان کے ایک مقام سے نکلے تو آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے ---- تو عیسٰی علیہ السلام کو اس مکان کے ایک روزن میں سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ یہ روایت لکھ کر ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

④ اسی طرح روح المعانی جلد ا صفحہ ۵۹۵ میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے: فرفعه جبرائیل علیہ السلام من الکوة الی

السماء یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرائیلؑ روزن سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھا لے گئے۔

⑤ روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: فرفعه منه الی السماء یعنی جبرائیلؑ آپؑ کو مکان میں لے جا کر اس کے روزن سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھا لے گئے۔

⑥ تفسیر السراج المنیر میں نسائی و ابن مردویہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت منقول ہے: فاجتمعت الیهود علی قتله فاخبره الله بانه یرفعه الی السماء و یطهرهٔ من الیهود یعنی تمام یہودیوں نے آپؑ کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خبر دی کہ وہ آپؑ کو آسمان کی طرف اٹھائے گا اور یہود کے شر سے آپؑ کو پاک فرمائے گا۔

⑦ اسی طرح سیدنا ابن عباسؓ سے ایسی روایات بھی مروی ہیں جن میں رفع اور نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی موجود ہے۔ مثلاً:

⑦ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ان الله رفعه بجسده و انه حی الآن و سیرجع الی الدنیا فیکون ملکا ثم یموت کما یموت الناس (الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۶) کہ اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے جسدِ مبارک کے ساتھ ہی اٹھا لیا اور وہ اب بھی زندہ ہیں اور عنقریب وہ دنیا کی طرف واپس آئیں گے۔ پھر وہ بادشاہت کریں گے۔ اور پھر باقی لوگوں کی طرح انتقال فرمائیں گے۔

⑧ تفسیر درمنثور ج ۷ صفحہ ۳۸۶ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انه لعلم للساعة کی تفسیر میں فرمایا: خروج عیسی قبل یوم القیمة

⑨ اس کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے: لا تقوم الساعة حتی ینزل عیسیٰ ابن مریم علی ذروة افیق بیده حربة یقتل الدجال (کنز العمال جلد ۱۴ صفحہ ۶۱۸) کہ جب تک حضرت عیسیٰ

ابن مریم علیہ السلام افیق پہاڑ کی چوٹی پر نہیں اتریں گے اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا۔ جس سے وہ دجال کو قتل کریں گے۔

⑩ اسی طرح کنزالعمال جلد ۱۴ صفحہ ۶۱۹ و ۶۲۰ پر بھی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایتیں منقول ہیں۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جبلِ افیق پر اترنا مذکور ہے۔

⑪ اسی طرح کنزالعمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۶ و ۲۶۹ پر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایتیں موجود ہیں۔ جن میں نزولِ عیسیٰ کی خبر موجود ہے۔

⑫ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ متوفیك کے لفظ کا معنی ممیتك کرنے سے ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی دنیوی جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھالیا اور قربِ قیامت میں وہ دوبارہ زمین پر نزول فرمائیں گے۔ جو یہاں حکومت کریں گے۔ اور دجال کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ انھیں موت دیں گے۔

⑬ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ میں ابن عساکر و اسحٰق بن بشر کے حوالہ سے منقول ہے: انی متوفیك و رافعك یعنی رافعك ثم متوفیك فی اٰخر الزمان یعنی اے عیسیٰ پہلے میں آپ کو اٹھالے جاؤں گا پھر آخر زمانہ میں قربِ قیامت کے وقت آپ کو وفات دوں گا۔

قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح توجیہ

○ یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی روشنی میں اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے: مُمِیْتُكَ فِیْ وَقْتِكَ بَعْدَ النُّزُوْلِ مِنَ السَّمَآءِ وَرَافِعُكَ اْلاٰنَ (مدارک بر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۳۴) کہ میں آپ کو اپنے وقت (قربِ قیامت) میں آسمان سے اترنے کے بعد وفات دوں گا۔ اور سردست میں آپ کو اٹھالیتا ہوں۔

○ اسی طرح حضرت علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف بہ مفسر خازن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ و متوفیك

بعد انزالك الى الارض (تفسیر خازن جلد ا صفحہ ۲۳۴) کہ میں آپ کو زمین کی طرف اتارنے کے بعد وفات دوں گا۔

○ جلالین صفحہ ۵۰ و مجمع البحار جلد ۳ صفحہ ۴۵۴' تنویر المقیاس صفحہ ' رازی جلد ۲ صفحہ ۴۶۵' مدارک صفحہ ' خازن صفحہ وغیرہ مثلاً اتقان و ابن کثیر و معالم التنزیل و فتح القدیر۔ قتادہ' ضحاک' فراء' اور ایک جماعت بھی آیت میں تقدیم تاخیر کے قائل ہیں۔

رفع عیسیٰ کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ تعالےٰ کا عقیدہ

○ اسی طرح حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالےٰ کا بھی یہی مطلب ہے۔ کیونکہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے "باب الانبیاء" میں "باب نزول عیسیٰ ابن مریم" کے عنوان سے روایات بیان کرکے بتلایا ہے کہ ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ (دیکھیے: بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۹۰)

قول مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ کی حقیقت

○ البتہ حضرت علامہ محمد طاہر فتنی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے مجمع البحار میں تحریر فرمایا ہے کہ: مالک نے کہا کہ مات عیسیٰ ..... لیکن اگر مالک سے مراد واقعی حضرت امام ابو عبداللہ مالک بن انس الاصبحی المدنی رحمۃ اللہ تعالےٰ ہی ہیں پھر تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات خود حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالےٰ کے مسلک کے موافقت نہیں رکھتی۔ اور مجمع البحار کے علاوہ اور کسی کتاب میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت امام مالک کا مسلک یہ تھا۔ اس لیے یا تو یہ کسی کی دسیسہ کاری ہے یا پھر مالک سے مراد حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ نہیں۔ بلکہ کوئی اور بدمذہب مالک ہے۔ لیکن علامہ فتنی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ وہ مالک کون ہے جس کا یہ قول ہے۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ اس سے مراد حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تو ہرگز نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر اس سے مراد واقعی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تو ان کا قول اس طرح چھپا ہوا نہ ہوتا کہ ان کے ہم عصر علماء سے بھی پوشیدہ

رہا اور ان کے شاگردوں سے بھی مخفی رہا اور اہل علم محدثین و مفسرین کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا۔ لہٰذا یہ قول امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ:

امام مالک رحمہ اللہ کا نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق عقیدہ

① امام دار الہجرۃ مدینہ طیبہ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ عتبیہ کے حوالے سے شرح اکمال الاکمال جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ میں منقول ہے: بینما الناس قیام یستمعون لاقامۃ الصلوۃ فتغشاھم غمامۃ فاذا نزل عیسیٰ علیہ السلام الخ لوگ کھڑے ہوئے نماز کیلئے اقامت سن رہے ہوں گے تو ان پر اچانک بادل چھا جائے گا اور حضرت عیسیٰ نزول فرمائیں گے۔

② نزول عیسیٰ کے بارے میں جس طرح حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا عقیدہ تمام امت کے موافق تھا اسی طرح دیگر ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عقیدہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

① امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خروج یاجوج وماجوج وطلوع الشمس من مغربھا و نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء و سائر علامات یوم القیمۃ علی ما وردت بہ الاخبار الصحیحۃ حق کائن۔ کہ یاجوج ماجوج کا نکلنا اور سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور حضرت عیسیٰ کا آسمان سے اترنا اور ان تمام علامات قیامت کا ظاہر ہونا برحق ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہیں۔ (فقہ اکبر صفحہ ۱۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

② امام احمد بن حنبل نے مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۱۸ و ۵۲۲ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر باسند ذکر فرمائی ہے: انہ لعلم للساعۃ۔ کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ ابن مریم کا روز قیامت سے پہلے نکلنا ہے۔

③ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے' ان کا مسلک وفات عیسیٰ کا ہوتا تو ضرور نقل ہوتا اور ان کے مقلدین بھی وفات عیسیٰ کا عقیدہ رکھتے' لیکن کوئی

مقلد شافعی وفاۃ عیسیٰ کا معتقد نہیں اور نہ ان کا عقیدہ وفات عیسیٰ کا کسی نے نقل کیا تو یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ امام شافعی کا عقیدہ بھی وہی ہے جو دیگر ائمہ مسلمین کا ہے۔

④ امام ابو جعفر محمد بن احمد بن سلامہ طحاویؒ نے اپنے رسالہ عقیدۂ طحاویہ صفحہ ۶۹ میں لکھا ہے: ونؤمن بخروج الدجال ونزول عیسی ابن مریم علیهما السلام عن السماء وبخروج یاجوج وماجوج [الخ] اور دجال کے نکلنے اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول فرمانے اور یاجوج و ماجوج کے نکلنے پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔

⑤ اور یہی عقیدہ حضرت امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاریؒ

⑥ اور حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا ہے جو دونوں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی شاگرد رشید ہیں۔ کیونکہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس رسالہ کے شروع میں لکھا ہے: هذا ذكر بيان عقيدة اهل السنة و الجماعة على مذهب فقهاء الملة ابی حنيفة نعمان بن ثابت الكوفی وابی يوسف يعقوب بن ابراهيم الانصاری و ابی عبدالله محمد بن الحسن الشيبانی رحمهم الله تعالى.

⑦ اس رسالہ میں اہل السنۃ و الجماعت کا عقیدہ ملت اسلام کے فقہاء یعنی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابو عبداللہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ کے مذہب حق کے مطابق ذکر کیا جائے گا۔ اس سے صریح طور پر معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ تمام اہل السنۃ و الجماعت کا ہے جس میں ان ائمۂ ثلاثہ (تین اماموں) کے سوا تمام کا ذکر اجمالی طور پر آگیا۔ مثلاً:

⑦ امام زفر
⑧ امام حسن بن زیاد
⑨ امام عبداللہ بن المبارک
⑩ امام سفیان ثوری

⑪ امام سفیان بن عیینہ ⑫ امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری

⑬ امام وکیع ⑭ امام اوزاعی

⑮ امام نافع ⑯ امام عطاء بن ابی رباح

⑰ امام طاؤس ⑱ امام مسروق

⑲ امام قاسم بن محمد بن ابی بکر ⑳ امام ابوزید خارجہ بن زید بن ثابت

㉑ امام شقیق ㉒ امام اسود بن ہلال

㉓ امام یحییٰ بن یعمر ㉔ امام زید بن وہب

㉕ امام سعید بن جبیر ㉖ امام ابو عثمان نہدی

㉗ امام ابراہیم نخعی ㉘ امام حماد

㉙ امام عطاء بن یسار ㉚ امام قیس بن ابی حازم

㉛ امام موسیٰ بن نضیر ㉜ امام طلحہ بن عبداللہ

㉝ امام عمر بن عبدالعزیز ㉞ امام ابو صالح سمان ذکوان

㉟ امام عامر بن شراحیل ㊱ امام ابو بردہ

○ وغیرہ علماء اہل السنۃ والجماعت رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا یہ عقیدہ تھا۔

○ اسی طرح فقیہ ابوالولید ابن رشد کا قول حضرت ابو عبداللہ الأبی نے شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ میں نقل فرمایا ہے: ولا بد من نزول عیسٰی لتواتر الاحادیث فی ذلک۔ و فی العتبیۃ کان ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ یلقی الفتی الشاب فیقول یا ابن اخی انك عسی ان تلقی عیسٰی ابن مریم علیہ السلام فاقرأہ منی السلام تحقیقا لنزولہ۔ یعنی متواتر احادیث کی رو سے حضرت عیسٰیؑ کا نزول لازمی ہے۔ عتبیہ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عیسٰیؑ کے نزول کو تحقیقی و قطعی بتانے کے لیے کسی نوجوان کو ملتے تو کہتے: بھتیجے! ممکن ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تمہاری ملاقات ہو تو انہیں میرا اسلام پہنچا دینا۔

توفی کے حقیقی اور مجازی معنے

○ بہرحال اہلِ عرب کے نزدیک توفی کے چار معنے ہیں۔ اور موقع محل کے مطابق اس کے مناسب معنے مراد لیے جاتے ہیں۔ مثلاً :

① توفی کے حقیقی معنے تو ہیں "کسی چیز کا پورا پورا لے لینا"۔ اور یہ معنے حقیقی اور اصل موضوع لہ ہیں۔ اور واضع نے اسے اسی معنے کے لیے وضع کیا ہے۔ اور باقی تین معنے مجازی ہیں۔

② توفی کا اطلاق نیند پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی سلانا۔ جیسکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (الانعام۔ ۶۰:۶) کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو تمہیں رات کے وقت سلاتا ہے۔ لیکن توفی کے یہ معنے مجازی ہیں۔

③ توفی کے معنے "رفع" کے بھی آتے ہیں۔ جیسکہ ابن جریر وغیرہ مفسرین نے کہا ہے۔ (دیکھیے : تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۳۱۵)

④ توفی کا لفظ "موت" کے معنے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ معنی بھی مجازی ہے۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ توفی کے اصل لغوی اور حقیقی معنی تو "پورا پورا لینا" ہیں۔ جبکہ نوم' رفع' اور موت کے معنوں میں توفی کا اطلاق مجازی ہے۔ اور "رفع" گو کہ توفی کا مجازی معنی ہے۔ تاہم یہ معنی حقیقی معنی کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ یعنی اگر توفی کا معنی رفع کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معہ روح اور جسد کے پورا پورا زمین سے آسمان کی طرف اٹھا لیا ہے۔ اس طرح حضرت ابن جریر وغیرہ مفسرین کا بیان کردہ یہ معنی نہایت موزون و مناسب اور قرآن مجید کی دوسری آیات' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ہم تک پہنچنے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات' صحابۂ کرام کے فرامین اور اہلِ تفسیر' اہلِ عقائد' صوفیائے کرام اور اہلِ تحقیق علمائے حق کی تصریحات کے مطابق ہوں گے۔

○ اور اگر قرآن و حدیث اور تمام امت محمدیہ ﷺ کے خلاف کوئی شخص توفی کا معنی موت کرتا ہے تو اس معنی کی رو سے پورا پورا لینا نہ پایا گیا، اور اس کا مطلب ہوگا کہ روح نکال کر تو آسمان پر پہنچا دی گئی اور جسم بے روح یہیں زمین پر رہ گیا جو کہ واقعہ کے خلاف ہے، لہٰذا یہ معنی کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

○ اور جہاں کہیں توفی کا لفظ موت کے معنی میں استعمال ہوا بھی ہے تو وہ اس کے مجازی معنی ہیں۔ اور منطقیوں کی اصطلاح میں یہ مطابقی معنی نہیں ہے۔ بلکہ جزء معنی پر دلالت کرتا ہے کہ روح تو نکالی گئی لیکن جسم یہیں رہا۔

○ یہاں یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر کہیں بھی موت کا لفظ استعمال نہیں کیا، جیسا کہ بعض دوسرے انبیاء کرام علٰی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بولا گیا ہے۔ مثلاً:

○ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ (۲ : ۱۳۳) کہ پھر جب ہم نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت کا حکم جاری فرمایا۔

○ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ (۳۴ : ۱۴) کہ پھر جب ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری فرمایا۔

○ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان نہ لانے والے کافروں کے بارے میں اللہ تعالٰی نے فرمایا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (۳۹ : ۳۰) کہ یارسول اللہ! اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ کو بھی ایک دن مرنا ہی ہے۔ لیکن اس میں بھی تو کوئی شک نہیں کہ ان منکرین کو بھی ایک دن مرنا ہے۔

○ اہل اسلام میں سے کوئی بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے قانونِ الٰہی سے مستثنٰی نہیں سمجھتا۔ اس لیے طویل العمر ہونے کو دوام حیات سے تشبیہ دینا اور پھر اہل اسلام پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دائم الحیات اور كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے قانونِ الٰہی سے مستثنٰی ماننے کا الزام لگانا بہت بڑی زیادتی ہے۔

طویل العمر ہونے یا دوامِ حیات میں فرق

○ دراصل طویل العمر ہونے اور دوامِ حیات میں بہت بڑا فرق ہے۔ مثلاً: کوئی تو شیر خوارگی کے دوران ہی مر جاتا ہے۔ بعض لوگ جوانی میں اور بعض بوڑھے ہو کر مرتے ہیں۔ جبکہ بڑھاپے کی کوئی حد مقرر نہیں۔ بعض سو سال سے پہلے ہی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اور بعض اس سے زیادہ عمر پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حد مقرر تو کی ہے مگر اس پر کسی کو بھی مطلع نہیں فرمایا کہ تو اتنی مدت زندہ رہنے کے بعد مرے گا۔ یا کوئی شخص ایک خاص مدت تک زندہ رہے گا۔

○ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طوالتِ عمری پر تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہادت دی ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے سامنے نو سو پچاس سال تک تردیدِ شرک اور توحیدِ باری تعالیٰ کی تبلیغ فرمائی۔ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (۲۹ : ۱۴) اور اس بات میں بھی شک کی کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ بوقتِ بعثت حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تیس چالیس سال تو ضرور ہوگی اور پھر طوفان کے بعد بھی کچھ مدت آپؐ بقیدِ حیات رہے ہوں گے۔

○ مورخ محمد بن حبیب نے المحبر صفحہ ۲ و ۳ میں متعدد طویل العمر لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس بات سے انکار کرنا سراسر نادانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو طویل عمریں عطا فرمائی ہیں' تو پھر اگر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک لمبی مدت تک زندہ رکھے تو اس سے دوامِ حیات مراد لے کر کل نفس ذائقۃ الموت کے غیر متبدل قانونِ الٰہی سے مستثنیٰ قرار دینا بھی سراسر حمق و نادانی ہے۔ ایسے کند ذہنوں اور پڑھے لکھے جاہلوں کے لیے جو طویل العمری کو دوامِ حیات سمجھتے ہیں' احادیث مبارکہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد باقاعدہ حکومت کریں گے' وغیرہ۔ اور پھر دوسرے لوگوں کی طرح ان کو بھی موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ پھر ان کا جنازہ پڑھا جائے گا اور ان کا جسدِ خاکی مدینہ منورہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس

دفن کیا جائے گا۔ جیسا کہ بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ابوداؤد اور ابن جریر کے حوالے سے تفسیر جلد ۲ صفحہ ۹ میں مذکور ہے۔

○ امام شعرانی نے بھی یہ فرمان رسولؐ الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۶ میں نقل فرمایا ہے۔

○ تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳ میں حضرت مفسر ابن زید کا فرمان منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے۔ حتیٰ کہ وہ آسمان سے اتر کر دجال کو قتل کریں گے اور پھر ان پر موت طاری ہوگی۔ ابن عساکرؒ نے تاریخ مدینہ دمشق صفحہ ۷ ۲ میں' اور حضرت امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر قسم اول' جلد ا صفحہ ۲۶۳ میں بروایت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسی طرح لکھا ہے۔

○ اس کے علاوہ ہم گزشتہ اوراق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی متعدد روایات و احادیث نبویؐ کے حوالہ جات تحریر کر چکے ہیں' اگر بنظر انابت ان محولہ عبارات کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے منیب کو تسلی ہو جاتی ہے لیکن ضدی کا کوئی علاج نہیں۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت اور واقعۂ صلیب

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء اور نزول علی الارض کے متعلق تمام اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ملاحظہ فرمانے کے بعد اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ آخر وہ کیا وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر ہی اٹھا لیا۔ تو اس کی وجہ یہ ہوئی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دعوت و تبلیغ کا کام شروع فرمایا اور معجزات کا اظہار ہوا تو علماء یہود جو طرح طرح سے خلاف شریعت خباثتوں میں مبتلا تھے' انہوں نے اپنی دکانداری بند ہونے کے خوف سے اپنے معتقدین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اور یہودی علماء کے اندھے معتقدین نے اصل حقیقت کو سمجھے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور بارہا انہیں پکڑنے اور مارنے پیٹنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ یوحنا ۸ : ۵۹ اور ۱۰ : ۳۹ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

○ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان بدبخت یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مقدمات دائر کرانے شروع کر دیے۔ جس کے نتیجے میں بالآخر انھیں گرفتار کرنے کا منصوبہ بنا لیا گیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے انھیں کفار کے ہاتھوں رسوا ہونے سے بچانے کے لیے اس وقت زندہ ہی آسمان پر اٹھا لیا' جب وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے اور باہر انھیں گرفتار کرنے کے لیے لاتعداد شریر یہودی موجود تھے۔ اور جب یہودیوں نے کسی طرح مکان کھول لیا تو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں موجود نہ پایا۔ جس پر انھیں بہت شرمندگی ہوئی۔ اور اپنی شرمندگی کو چھپانے کے لیے انھوں نے کسی اور بے گناہ کو پکڑ کر اس کی بُری گت بنائی۔ اور اُسے کہا کہ کیا تو ہی یہود کا بادشاہ بنا پھرتا ہے؟ جب وہ انکار کرتا تو ہنسی ٹھٹھا کرتے اور اُسے مارتے پیٹتے تھے' اور انھوں نے اس اجنبی کے منہ پر تھوکا اور طمانچے مارے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے کہ نبوت کے ذریعے بتا کہ تجھے کس نے مارا ہے۔

○ یاد رہے کہ یہ بات اب تقریباً دو ہزار سال پہلے کی ہے' اُس وقت مواصلات کا نظام ایسا نہیں تھا جیسا کہ اب ہے۔ اور سوائے چند لوگوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہچانتا بھی کوئی نہ تھا۔ لیکن حُسنِ اتفاق سے جب یہ ہنگامہ برپا تھا تو پورے مجمع میں صرف ایک آدمی ایسا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہچانتا تھا' اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے مکان میں موجود نہ پائے گئے تو اس مکار شخص نے لوگوں کو کہا کہ وہ یہاں تو ہے نہیں چلو اسے دوسری جگہ تلاش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ جس شخص کو میں بوسہ دوں کا تم سمجھ لینا کہ یہی مسیح ہے اور اسے پکڑ لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جس شخص نے اس بے قصور اجنبی کو یسوع کے نام سے گرفتار کروایا تھا اس نے غالباً راز فاش ہو جانے اور اپنے قتل کیے جانے کے خوف سے خودکشی کر لی۔ (دیکھیے متی ۲۷ : ۵)

○ اور قوم کے بزرگوں نے اس فرضی یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں، پھر اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطس حاکم کے حوالے کر دیا۔ پیلاطس نے اس کو بے گناہ پاکر لوگوں سے کہا کہ یہ تو بے قصور ہے۔ لیکن لوگوں نے اپنا مطالبہ جاری رکھا کہ اسے صلیب دو۔ پیلاطس نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے، کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تو پیلاطس کو اس پر تعجب ہوا۔ (متی ۲۶ : ۶۲۔ ۶۳، مرقس ۱۵ : ۲۔۵)

○ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری پطرس سے پوچھا گیا کہ کیا تو اس شخص کا شاگرد ہے، تو اس نے اس اجنبی شخص پر لعنت کی اور قسم کھاکر کہا کہ میں اس کو بالکل نہیں جانتا۔ (متی ۲۶ : ۷۴)

○ حاکم نے لوگوں کے بھرپور مطالبہ پر مجبوراً لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اسے کوڑے لگواکر چھوڑنا چاہا۔ لیکن لوگوں نے صلیب کا مطالبہ بدستور جاری رکھا، حاکم کے سپاہیوں نے اس دیہاتی فرضی یسوع کو قلعہ میں لے جاکر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اسے ارغوانی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے داہنے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور اس کے منھ پر تھوکتے رہے اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کے سجدہ کرتے رہے اور اسے ٹھٹھوں میں اڑاتے رہے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب۔ اور وہی سرکنڈہ لے کر اس کے سر پر مارتے۔

○ آخرکار انھوں نے اس فرضی یسوع کو صلیب پر چڑھا دیا، اور لوگ کھڑے دیکھتے رہے اور سردار بھی ٹھٹھے مار مار کر کہتے تھے کہ اس نے اوروں کو بچایا ہے، اب اپنے آپ کو بھی تو بچائے۔

○ یہ تمام قصہ موجودہ اناجیلِ اربعہ میں موجود ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھیے : متی ۲۶ : ۵۱، ۶۷، ۶۸، ۲۷ : ۲، ۵، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۵۔ نیز دیکھیے : مرقس ۱۴ : ۶۵، ۱۵ : ۱۷۔۲۰، ۵ : ۲۔۵ نیز دیکھیے لوقا ۲۲ : ۱۶، ۲۳ ۲۳ : ۷ نیز دیکھیے :

یوحنا ۱۸: ۱۳ اور ۲۲ اور ۲۴ '۱۹: ۲۔ ۳ اور ۱۷۔ ۱۸ اور ۳۴۔ ۳۵۔

○ بہرحال مذکورہ بالا قصہ معمولی اختلاف کے ساتھ اگر اسی طرح واقع ہوا ہو تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اگر واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان بے ایمان اور مکار یہودیوں کے ہاتھ آجاتے تو ان کے ساتھ بھی یہ لوگ بالکل اسی طرح کا معاملہ کرتے جو اس بے چارے اجنبی کے ساتھ کیا۔ الامان والحفیظ۔

○ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بجسدہٖ وروحہٖ آسمانوں پر اٹھا کر ان ناپاک یہودیوں کے ہاتھوں رسوا ہونے سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ وہ علیمٌ بذاتِ الصدور ہے۔

○ اور قرآن مجید میں ان تمام جھوٹے واقعات کی تردید موجود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری 'یہودیوں کے ہاتھوں ان کی رسوائی اور واقعہ صلیب سے متعلق نصاریٰ کی اپنی من گھڑت اناجیلِ اربعہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ:

○ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں اپنے آٹھ خصوصی انعامات یاد دلاتے ہوئے ایک انعام یہ بھی یاد دلائے گا:

اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ (۵: ۱۱۰) کہ اے عیسیٰ ابن مریمؑ! وہ وقت بھی یاد کیجیے جب میں نے بنی اسرائیل کے ناپاک ہاتھوں کی گرفت سے آپ کے جسد اطہر کو محفوظ رکھا تھا۔ اور وہ آپؑ کو گرفتار کرکے صلیب پر چڑھا کر مارنے کی سرتوڑ کوشش کے باوجود آپؑ کی دھول کو بھی نہ پہنچ سکے۔

○ اب غور کیجیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک کو نکال کر آسمان پر لے جایا جاتا تو اس صورت میں آپؑ کا جسمِ اطہر تو زمین پر ہی رہتا۔ اور اس صورت میں دو طرح کا امکان تھا۔ ① اول تو یہ کہ آپؑ کا جسمِ مبارک یونہی زمین پر پڑا رہتا۔ جس میں ایک معظم و مکرم نبی کے جسدِ اطہر کی توہین تھی۔ اور: ② دوسرا امکان یہ تھا کہ بنی اسرائیل انھیں اپنے ناپاک ہاتھوں سے دفن کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بھی گوارا نہ ہوا' اس لیے انھیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

○ منکرینِ حیاتِ عیسیٰؑ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۵ کی حدیث توفی بمعنے موت کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و من ذوہم تمام امتِ مسلمہ کے اجماع سے معلوم ہوگیا کہ توفی ایک جنس ہے۔ جس کے ماتحت تین انواع ہیں: ① نیند ② موت ③ رفع آسمانی۔ چنانچہ:

① کبھی توفی کا مصداق نیند ہوتا ہے، جیسے: هُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ (۶:۶۰)

② کبھی توفی کا مصداق موت ہوتا ہے، جیسے: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (۲:۲۳۴)

③ اور کبھی توفی کا مصداق رفع ہوتا ہے، جیسے: فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (۵:۱۱۷)

○ اور یہاں آیت: فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي میں "توفی" کا معنی "رفع الی السماء" ہے۔ جس پر پوری امتِ محمدیہ ﷺ کا اجماع ہے۔ اور خود قرآن مجید کی آیاتِ ذیل اس پر شاہد ہیں۔ مثلاً:

رفعِ عیسیٰ علیہ السلام پر قرآنی دلائل

① بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (۴:۱۵۸) ای الی السماء۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے آسمان کی طرف اٹھالیا۔ (کتاب الاشارہ صفحہ ۱۳۶)

② وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (۳:۵۵) ای الی سمائی۔ یعنی میں انھیں اپنے آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ (کتاب الاشارہ صفحہ ۱۳۸)

③ وَمَكَرَ اللّٰهُ (۳:۵۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی گرفت سے بچانے کے لیے خفیہ تدبیر فرمائی۔ یعنی آپؑ کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔ (کشاف جلد ا صفحہ ۱۹۲، شیخ زادہ جلد ا صفحہ ۶۳۳)

④ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (۵:۱۱۰) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام گود میں بھی گفتگو کرتے تھے اور ادھیڑ عمر میں بھی لوگوں سے گفتگو کریں گے۔ (معالم التنزیل)

⑤ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (۳:۴۶) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام گود میں بھی لوگوں سے باتیں کریں گے اور ادھیڑ عمر میں بھی آسمان سے اتر کر لوگوں سے باتیں کریں گے۔ (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲)

(۶) وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۳:۴۵) آپؑ کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور فرشتوں کے
ساتھ رہنا۔ (نیشاپوری برہامش ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹)

(۷) لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ (۴:۱۷۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
آسمان سے اتر کر اپنے عبداللہ ہونے پر ناک بھوں نہیں چڑھائیں گے۔

(۸) یاد رہے کہ مضارع پر لَنْ آئے تو آنے والے زمانے میں فعل کی نفی ہوتی ہے۔ تو
اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت کے بعد آئندہ زمانہ میں حضرت عیسیٰ
علیہ السلام اس بات کے ہرگز عار محسوس نہیں کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے
ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں زمین پر تشریف لائیں گے اور
قرآن مجید کی تلاوت کے دوران امتِ محمدیہ ﷺ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
بارے میں اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ (۴۳:۵۹) پڑھے گی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بس
اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہی ہیں' تو یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عار
محسوس نہ ہوگی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں' اور
آخر زمانہ میں زمین پر ان کا نزول ہونے والا ہے۔

(۹) بہرحال مذکورہ بالا قرائن کے پیش نظر یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس مقام پر توفی کے
معنی رفع ہی ہیں۔ اور توفی کی جنس بول کر تمام قرآنی قرائن کو پس پشت ڈال کر
صرف موت کے معنی مراد لینا اور اسی کو حقیقی معنی سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے "جسم"
بول کر تمام انواع کو پس پشت ڈال کر صرف درخت کے معنی مراد لینا اور اسی کو حقیقی
معنی سمجھ لینا ہے۔ یا جیسے حیوان کا لفظ بول کر تمام انواع کو پس پشت ڈال کر صرف
انسان کے معنی مراد لینا' اور اسی کو حقیقی معنی سمجھ لینا ہے۔ اور ایسا کام وہی شخص
کر سکتا ہے جو عقل و فہم سے خالی اور پرلے درجے کا احمق ہو۔

(۱۰) صحیح بخاری سے حضرت علی بن ابی طلحہ کا مروی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو
قول نقل کیا جاتا ہے گزشتہ اوراق میں ہم اس کا جواب تحریر کر چکے ہیں کہ
جب خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نزول عیسیٰ کے قائل ہیں تو پھر کسی مجروح

راوی کے بقول نقل کیے جانے والے اس قول کو اپنے استدلال میں پیش کرنا غلط ہے۔ دیکھیے: البحرالمحیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۶ و تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۳ و تفسیر روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۵۹۵ و جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ و کنزالعمال جلد ۱۵ صفحہ ۶۱۸ و ۶۱۹ و ۶۲۰ و ۲۶۶ و ۲۶۹ و تفسیر خازن و تفسیر مدارک برحاشیہ تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۳۴۔

○ اور ظاہر ہے کہ رأس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اہل لسان اور رئیس عرب تھے اور قرآن مجید کا تفقہ ان میں بدرجۂ کمال پایا جاتا تھا۔ اگر "توفی" کے معنی موت ہی کے ہوتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کبھی رفعِ عیسیٰ کے قائل نہ ہوتے۔ اب اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہوجانی چاہیے جو توفی کے معنی موت ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ضعیف اور غیر مرفوع قول کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرکے عوام کو پوری امتِ محمدیہ کے چودہ سو سالہ متفق علیہ اور مسلمہ عقیدہ سے منحرف کرنے کی ناجائز کوشش کرتے ہیں، جو کہ آیاتِ قرآنی کے علاوہ احادیثِ صحیحہ مرفوعہ و متواترہ سے ثابت ہے۔

وفاتِ عیسیٰ پر مرزا قادیانی کے دلائل کا جواب

○ چودھویں صدی کے اوائل میں مرزا غلام احمد قادیانی نے خود کو "عیسیٰ ابن مریم" کہنا شروع کردیا تھا۔ جبکہ اس سے پہلے اس نے رفع و نزولِ عیسیٰ کے مسلمہ اسلامی عقیدہ سے انحراف اور وفاتِ عیسیٰ کا قول پیش کرکے ارتداد کا راستہ اختیار کیا۔ اور ہزاروں بدقسمت لوگ اس کے دامِ تزویر میں پھنس کر مرتد ہوگئے۔ کیونکہ اس نے اپنی مکاری و فریب کاری سے

قرآن مجید کی تیس آیاتِ مبارکہ میں معنوی تحریف کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر موت واقع ہو چکی ہے۔ سطورِ ذیل میں وہ آیات مع جواب تحریر کی جاتی ہیں۔

۱ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ (اٰلِ عمران۔۳:۵۵)

○ اس آیتِ مبارکہ میں پیدا ہونے والے شبہ کا تفصیلی جواب ہم گزشتہ اوراق میں تحریر کر چکے ہیں۔

۲ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النِّسَآءِ۔۴:۱۵۸)

○ اس آیتِ مبارکہ میں موت کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ جس سے مرزا قادیانی کا "مات عیسیٰ" (حضرت عیسیٰؑ مر گئے) والا دعویٰ ثابت ہوتا ہو۔

○ مرزا قادیانی اس آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو موت دینے کے بعد ان کا مقام بلند فرمایا۔ اور اس آیت کو اپنے دعویٰ کی دلیل بناتے ہوئے اس نے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق آیت: وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم۔۱۹:۵۶۔۵۷) میں معنوی تحریف کر کے اس کا سہارا لینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس آیت کے معنے ہیں: "یا رسول اللہ! آپ ﷺ اس کتاب قرآن مجید میں مذکور حضرت ادریس علیہ السلام کا حال بھی بیان فرمایئے کہ وہ بڑے راستباز نبی تھے' اور ہم نے ان کا مرتبہ اور درجہ بلند کیا"۔

○ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ لفظ "نبی" کے معنے ہوتے ہیں: "مرتفع الشان" یعنی بلند مرتبہ ہستی۔ جیسا کہ اہلِ لغۃ فرماتے ہیں۔ مثلاً:

○ حضرت ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا اللغویؒ نے مجمل اللغۃ جلد ۱ ص ۸۵۳ میں تحریر فرمایا ہے: والنبي من النبوة و النباوة وهي الارتفاع۔ یعنی نبی کا لفظ "نبوۃ" اور "نباوۃ" سے ماخوذ ہے' جس کے معنی بلند ہونے کے ہوتے ہیں۔

○ حضرت محب الدین ابوالفیض سید محمد مرتضیٰ حسینی واسطی زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۴ میں تحریر فرماتے ہیں: نبأ ینبو نبوا کعلو (معنی وزنۃ)۔۔۔۔۔ النباوۃ ما ارتفع من الارض یعنی زمین کا بلند ہونا۔ ۔۔۔۔ النبی من النباوۃ ای انہ شرف علی سائر الخلق۔ یعنی نبی کا لفظ "نباوۃ" سے ماخوذ ہے۔ یعنی "نبی" اس ذات کو کہا جاتا ہے جو تمام مخلوق میں سے اشرف و اعلیٰ اور بلند مرتبہ ہو۔

- نیز قرآن مجید میں لفظ نبی کا استعمال رفیع الشأن ہستی کے معنوں میں ہی ہوا ہے۔ جس کی جمع "الانبیاء" بروزن "افعلاء" آتی ہے۔ مثلاً:
- يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (۳ : ۱۱۲)
- وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (۳ : ۱۸۱)
- قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ (۲ : ۹۱)
- وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (۴ : ۱۵۵)
- اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ (۵ : ۲۰)
- نیز اَفعِلاء کے وزن پر اس صفت مشبّہ کی جمع آتی ہے جو ناقص ہو، جیسے ذکی کی جمع اَذکیاء اور غنی کی جمع اَغنیاء آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے لیے جو لفظ "نبی" قرآن مجید میں آتا ہے اس کا مادہ "ن ب و" ہے جو ناقص واوی ہے۔ جس کے معنے ہیں رفیع الشان ہستی۔
- اور اگر نبی کا معنی خبر دینے والا کیے جائیں تو اس کا مادہ "ن ب ء" ہوگا۔ اور یہ مہموز اللام ہے، جبکہ مہموز اللام میں فعیل کی جمع اَفعِلاء نہیں بلکہ فُعَلاء آتی ہے۔ مثلاً: بَرِیْئٌ کی جمع بُرَءآء۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنِّیْ بَرِیْٓئٌ مِّنْكُمْ (۸ : ۴۸) اور اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ (۶۰ : ۴)
- بہرحال حضرت ادریس علیہ السلام ایک نبی ہوئے ہیں جو کہ بلند مرتبہ اور راستباز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوۃ عطا فرما کر بلند مرتبہ تک پہنچایا۔ اس طرح آپ اپنی دنیوی زندگی میں بھی اشرف و اعلیٰ تھے اور وفات کے بعد بھی اشرف و اعلیٰ ہیں۔

کیونکہ وفات کے بعد بھی نبوۃ کا مقام نبی سے سلب نہیں ہوتا۔
اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے شانِ نبوۃ سے سرفراز فرمایا ہے۔

○ لیکن اگر آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کو اس کے سیاق کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ یہاں رفعتِ شان مراد نہیں۔ بلکہ بجسدہٖ و روحہٖ رفع الی السماء مراد ہے۔ کیونکہ:

○ اس آیتِ مبارکہ میں تو اس وقت کا ذکر ہو رہا ہے جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی دعوتِ توحید اور فرائض نبوت ادا کرنے کی پاداش میں ناحق قتل یا صلیب پر چڑھا کر مارنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اور پھر اہلِ کتاب یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ خود ہم نے یعنی ہمارے بڑوں نے انھیں قتل کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس بے بنیاد دعوے کی تردید میں فرمایا کہ تم انھیں قتل کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ انھیں تو میں نے اپنی طرف آسمانوں پر اٹھا لیا تھا' انھیں تو تمھارے ناپاک ہاتھ چھو بھی نہ سکے۔

○ اور اس آیت میں کوئی قرینہ بھی تو ایسا نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ہم رفع کا معنی موت کریں' اور نہ ہی حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق آیت: وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا میں کوئی قرینہ ہے' جس کی وجہ سے اس کا معنے موت کیا جائے۔ کیونکہ اگر کسی مجسم شے کے متعلق رفع کا لفظ بولیں اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو تو اس کے حقیقی معنی ہی مراد ہوتے ہیں "یعنی اپنی جگہ سے اونچا کرنا اور اٹھانا جو وضع یعنی "رکھنے" کے برعکس ہوتا ہے۔ جیسے:

○ ارفع ثوبك کہ اپنا کپڑا اٹھالے۔ یا جیسے قرآن مجید میں آیا ہے:

○ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (۲: ۶۳) کہ ہم نے تم پر طور اٹھایا۔ اور جہاں قرینہ ہو وہاں اس کے موافق ہی معنے کیے جاتے ہیں' جیسے:

○ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (۶: ۱۶۵) کہ ہم نے درجات کے اعتبار سے تم میں سے بعض کو بعض پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح:

○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۹۴ : ۴) کہ ہم نے آپؐ کی خاطر آپؐ کے ذکر کو بلند کیا۔ اور یہاں قرینہ مقامیہ کے لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کا ہر جگہ پھیل جانا مراد ہے۔ اسی طرح :

○ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۱۹ : ۵۷) کہ ہم نے آپؑ کو نبوت دے کر آپؑ کا مقام و مرتبہ بلند کیا۔ اس آیتِ کریمہ میں مَكَانًا عَلِيًّا کے الفاظ رفع کا معنی بلندیٔ مرتبہ لینے کا قرینہ موجود ہیں۔ لیکن :

○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (۴ : ۱۵۸) میں مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے اس کا حقیقی معنی ہی یہاں متعین ہے۔

○ اب بھی اگر کوئی شخص بضد ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مع روح و جسد کے آسمان پر اٹھالے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراجِ جسمانی کا بھی منکر ہے اور قدرتِ الٰہی کا بھی منکر ہے۔

○ نیز مرزا قادیانی کے بقول اگر اس آیتِ کریمہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعتِ شان ہی مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نصاریٰ کے من گھڑت واقعۂ صلیب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرتفع الشان نبی نہیں تھے۔

○ اور اگر اب مرزا قادیانی کے پیروکار یہ کہیں کہ وہ اس واقعہ سے پہلے بھی نبی تھے، جس کا مقام تمام مخلوق سے اشرف و اعلیٰ ہوتا ہے تو پھر اس سے آگے صرف مقام الوہیت ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اس طرح ایک نبی کی شان و مرتبے میں اضافے کا مطلب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقام الوہیت پر متمکن کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، جو صریحاً کفر ہے۔

۳ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (۵ : ۱۱۷)

○ اس آیتِ کریمہ میں معنوی تحریف کرتے ہوئے اپنے خود ساختہ مفہوم کی رو سے مرزا قادیانی نے جو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے گزشتہ اوراق میں اس کا تفصیلی جواب لکھا جا چکا ہے۔

کلیات ابو البقاء کی عبارت۔ ایک دلیل یا دھوکا

○ اس ضمن میں ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ بعض لوگ کلیات ابوالبقاء صفحہ ١٢٩ کی یہ عبارت دکھا کر دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں : التوفی الاماتۃ و قبض الروح کہ توفی کے معنے مارنا اور روح کا قبض کرنا ہے۔ لیکن کلیات ابوالبقاء کی اس مقطوع اور ادھوری عبارت کو اپنی دلیل میں پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بے نماز کا لا تقربوا الصلوۃ کو اپنی دلیل میں پیش کرنا۔ اور اس کے بعد کی عبارت کو اس لیے چھپایا جاتا ہے کہ وہ ان کے خلاف پڑتی ہے۔ جبکہ کلیات ابوالبقاء کی پوری عبارت اس طرح ہے :

نوٹ: التوفی لاماتۃ و قبض الروح و علیہ استعمال العامۃ او الاستیفاء و اخذ الحق و علیہ استعمال البلغاء۔ (کلیات ابوالبقاء صفحہ ١٢٩)

یعنی توفی کے معنی ہیں مارنا اور روح قبض کرنا اور عام لوگ اسی معنے میں اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں اور توفی کے دوسرے معنے ہیں استیفاء و اخذ حق یعنی کسی چیز کا پورا پورا لے لینا اور بلغاء اس لفظ کا استعمال انہی معنوں میں کرتے ہیں۔ جیسے عربی محاورات سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کی مثالیں ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

○ اور چونکہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کی آخری اور انتہائی حد کو پہنچا ہوا ہے اس لیے یہاں اس کا یہی حقیقی اور صحیح و فصیح و بلیغ معنی ہی مراد ہے۔ یعنی بجسدہ و روحہ پورا پورا وصول کر لینا۔ اور اس سے مراد صرف قبض روح نہیں۔ جس میں صرف روح لی جاتی ہے اور جسم یہیں زمین پر رہنے دیا جاتا ہے۔ اور جہاں توفی کا لفظ موت کے معنوں میں آیا ہے تو وہ مجاز ہے یا حقیقت قاصرہ۔

٢ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (٤ : ١٥٩)

○ اس آیت مبارکہ میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضرت عیسیٰؑ پر موت واقع ہو چکی ہے۔ دراصل قرآن مجید میں اس مقام پر آیت ١٥٣ سے ١٦٢ تک یہودیوں کی خباثتوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ عقائد میں کس کس قسم کی

خباثتیں کرتے ہیں۔ اور پھر ان کا جواب دیا گیا۔ اس ضمن میں خباثت ۱۲ کا ذکر آیت ۱۵۷ سے ۱۵۹ تک کیا گیا۔ مثلاً:

خباثتِ یہود ۱۲

قرآن وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ

ترجمہ اور یہودی لوگ فخریہ طور پر کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جو خود کو اللہ تعالیٰ کا رسولؑ کہتا تھا۔

ادخالِ الٰہی 'یہودیوں کے دعوے کی تردید

قرآن وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ

ترجمہ حالانکہ امرِ واقع یہ ہے کہ واللہ! یہودیوں نے نہ تو حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا اور نہ ہی انھیں سولی پر چڑھایا۔ بلکہ ان یہود و نصاریٰ پر اس واقعہ کی اصل حقیقت مشتبہ کر دی گئی۔ اور یہ جو یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تاریخوں اور روایات کے حوالے سے مختلف قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں 'وہ دراصل اس واقعہ کے بارے میں سینکڑوں سال سے خواہ مخواہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کی مختلف الانواع باتیں کرنے والوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی اس واقعہ کے بارے میں کوئی مصدقہ اور مدلل علم نہیں ہے۔ اور یہ لوگ تو محض خیالی گھوڑے دوڑاتے ہوئے صرف گمان 'اندازہ اور اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں۔ اور جو قصے ان کے یہاں مشہور چلے آ رہے ہیں یہ لوگ انہی کو سچ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے حضرت عیسیٰؑ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے علاوہ سب باتیں غلط ہیں۔

اصل واقعہ

قرآن وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾

ترجمہ اور میں (اللہ تعالیٰ) کہتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے کسی نے صلیب پر

چڑھا کر یا کسی دوسرے طریقے سے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا۔

قرآن بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸

ترجمہ بلکہ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے صحیح سلامت اسی دنیوی عنصری جسد اطہر کے ساتھ اپنی طرف یعنی آسمانوں پر اٹھالیا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑی طاقت والا غالب علیٰ کلّ غالب ہے۔ اور کسی مظلوم کو ظالم کے پنجے سے بچانے کی سب تدبیریں جانتا ہے۔

○ یعنی جس کو یہودی لوگ قتل کرنے کا منصوبہ بنارہے تھے 'یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام' اس کو تو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ اللہ زبردست غالب اور حکمتوں والا ہے۔ اس کا ہر کام محکم و پُر از حکمت ہے۔

فائدہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن مجید' بائبل وغیرہ کی غلطیوں کی اصلاح اور صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا بائبل میں جو لکھا ہے :

انجیل وَلَمَّا مَضَوْا بِهٖ اِلَى الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُدْعٰى جُمْجُمَةً صَلَبُوْهُ هُنَاكَ مَعَ الْمُذْنِبَيْنِ وَاحِدًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرَ عَنْ يَسَارِهٖ (لوقا۔ ۲۳ : ۳۳)

ترجمہ جب وہ اس مقام پر پہنچے جسے کھوپڑی کہتے ہیں تو وہاں اسے صلیب دی۔ اور ان بدکاروں کو بھی 'ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں۔

○ قرآن مجید نے اس غلط نظریہ کی صراحۃً اور صاف صاف تردید فرمادی : وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ لیکن بائبل میں یہ عبارت بھی موجود ہے :

انجیل وَاَخْرَجَهُمْ خَارِجًا اِلٰى بَيْتِ عَنْيَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَبَارَكَهُمْ۔ وَفِيْمَا هُوَ يُبَارِكُهُمْ انْفَرَدَ عَنْهُمْ وَاُصْعِدَ اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَجَدُوْا لَهٗ وَرَجَعُوْا اِلٰى اُوْرُشَلِيْمَ بِفَرَحٍ عَظِيْمٍ۔ وَكَانُوْا كُلَّ حِيْنٍ فِي الْهَيْكَلِ يُسَبِّحُوْنَ وَيُبَارِكُوْنَ اللّٰهَ۔

ترجمہ تب وہ ان کو باہر بیت عنیا کی طرف لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر ان کو برکت (کی دعا) دی اور ایسا ہوا کہ جب وہ ان کو برکت (کی دعا) دے

رہا تھا، تو ان سے جدا ہوگیا۔ اور آسمان پر اٹھایا گیا۔ اور وہ اسے سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو واپس چلے گئے اور بلاناغہ ہیکل میں خدا کی حمد کرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے برکتیں مانگتے رہے۔ (لوقا۔ ۲۴ : ۵۰۔ ۵۳)

○ مگر قرآن مجید نے اس عقیدہ کی تردید نہیں فرمائی، بلکہ بجائے تردید کے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرما کر اس نظریہ پر مہر تصدیق ثبت فرما دی، اور کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہ چھوڑی۔ اگر حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہوتے تو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی بجائے عبارت کچھ اس طرح ہوتی : بَلْ اَمَاتَهُ اللّٰهُ۔ یا ایسے ہوتی : بَلْ مَاتَ بَعْدَ مَا هَاجَرَ اِلٰى كَشْمِيْرَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس طرح فرمایا ہے : بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قرآن وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ اور حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بارے میں جو حقیقی واقعہ آیات بالا میں بیان کیا گیا ہے اس میں کسی قسم کے شک و شبہ اور تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ اہل کتاب جو ضد کی وجہ سے اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں، جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو ضرور ان کے مرنے سے پہلے پہلے سب کے سب ان پر مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں گے۔ اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت عیسیٰ کے فوت ہو جانے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ بلکہ حیاتِ مسیح کی دلیل ہے۔ کیونکہ :

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ نزولِ عیسیٰ کے بعد تمام ادیان مٹ جائیں گے۔ صرف دینِ اسلام دنیا پر باقی رہ جائے گا۔ یہ حدیث نبوی بیان

کرنے کے بعد اس حدیث کے راوی صحابیٔ رسول سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چاہو تو اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کرکے دیکھ لو. پھر آپؓ نے اس آیت کریمہ کی تین بار تلاوت کی: وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ

(صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۸۷)

○ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانِ عالی شان سُن کر اس آیتِ کریمہ کا یہی مطلب سمجھا کہ قبل موتہ سے مراد قبل موت عیسیٰ ہے۔ اور یہ آیتِ کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے اور قربِ قیامت میں دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اور اس آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ جب وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو کوئی اہلِ کتاب یعنی یہودی یا عیسائی ان پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ اور سب کے سب مُسلمان ہو جائیں گے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یوشك ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلا یقتل الدجال..... واقرأوا ان شئتم وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ موت عیسی ابن مریم۔ اس بات کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین بار دہرایا۔

○ یعنی اس آیت میں بِهٖ اور مَوْتِهٖ کی ضمیروں کو حضرت عیسیٰؑ کی راجع کرنے کی تائید اس حدیثِ نبوی سے ہو گئی جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور یہی ان کا مذہب تھا۔ اور اس کی مخالفت کسی صحابی نے نہیں کی۔ بلکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی مؤید احادیث مروی ہیں۔ اور مفسرین و محدثین اور شارحین حدیث نے اس کی وضاحت بھی کی ہے۔ چنانچہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان

(۱) حضرت حسن بصریؒ سے ایک آدمی نے دریافت کیا کہ: وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ

الکتٰب اِلّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ کا مطلب کیا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا:
قبل موت عیسٰی وان اللہ رفع الیہ عیسٰی وھو باعثہ قبل یوم القیمۃ مقاماً یؤمن بہ البر والفاجر۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ رہے گا جو حضرت عیسٰیؑ کی وفات سے پہلے آپؑ پر ایمان نہ لائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھالیا۔ اور پھر قیامت سے پہلے حضرت عیسٰیؑ کو بھیجے گا۔ جن پر نیک اور بد سب ایمان لائیں گے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۳۵)

○ نیز درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۳۵ میں ہے کہ آپؓ نے اس آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: قبل موتہ قبل موت عیسٰی واللہ انہ الأن حی عند اللہ ولکن اذا نزل اٰمنوا بہ اجمعون۔ یعنی قبل موتہ کا مطلب: قبل موت عیسٰی ہے۔ اور پھر قسم کھا کر فرمایا: واللہ! حضرت عیسٰیؑ اس وقت اللہ تعالیٰ کے یہاں زندہ ہیں۔ لیکن جب (آسمان سے) اتریں گے تو سب یہود و نصاریٰ آپؑ پر ایمان لے آئیں گے۔

○ نیز آپؓ نے متوفیک کے معنے کیے ہیں: متوفیک من الارض یعنی میں تجھے اپنے قبضہ میں رکھ کر زمین سے اٹھالوں گا۔ یہ معنی نحوی اصلاح میں تضمین کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہود جو آپؑ کو گرفتار کرنے کی تجویز یں سوچ رہے ہیں میں آپؑ کو ان کے قبضے میں نہ آنے دوں گا۔ جو میرے قبضے میں ہو دوسرا اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ وابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و ۲۲۷ و تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ و جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ طبع مصر و بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و جلد ۸ صفحہ ۲۵)

حضرت محمد ابن حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

(۴) نیز درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۳۴ میں بحوالہ عبداللہ بن حمید و ابن منذر حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح منقول ہے:

ان عیسی لم یمت و انه رفع الی السماء و هو نازل قبل ان تقوم الساعة فلا یبقی یهودی ولا نصرانی الا اٰمن به یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے اور وہ زندہ اٹھائے گئے آسمان کی طرف اور وہی اتریں گے قیامت سے پہلے۔ پھر کوئی یہودی اور نصرانی ان پر ایمان لائے بغیر باقی نہ رہے گا۔

حضرت ابن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

(۳) نیز حضرت ابن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کی تفسیر میں فرمایا: اذا نزل عیسٰی فقتل الدجال لم یبق یهودی فی الارض الا اٰمن به فذلك حین لا ینفعهم الایمان۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

حضرت غزوان ابو مالک غفاری کا عقیدہ

(۴) حضرت غزوان ابو مالک غفاریؒ نے وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کے تحت فرمایا: عند نزول عیسی بن مریم لا یبقی احد من اهل الکتاب الا اٰمن به کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونے کے وقت اہل کتاب میں سے کوئی ایک بھی ان پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۴ و درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

محدثین شارحین کے فرامین

امام نوویؒ کا فرمان

(۱) حضرت امام محی الدین ابو زکریا یحیٰی بن شرف نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ نے صحیح مسلم صفحہ ۸۷ باب نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام حاکما بشریعة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم...... میں ثم یقول ابوهریرة رضی اللہ عنہ اقرؤا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ...... کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ثم یقول ابوهریرة اقرؤا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ فیه دلالة ظاهرة علی ان مذهب ابی هریرة رضی اللہ عنہ فی الاٰیة ان الضمیر فی

موته يعود على عيسى عليه السلام ومعناها وما من اهل الكتاب احد يكون في زمن نزول عيسى عليه السلام الا أمن بعيسى و علم انه عبد الله وابن امته. یعنی یہ حدیث بیان کر کے پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ چاہو تو (اس روایت کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ) پڑھو: وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ. پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس بات میں ظاہر دلالۃ اسی بات پر ہے کہ خود سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ اس آیت میں موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول من السماء کے بعد تمام اہل کتاب عیسیٰ پر ایمان لائیں گے اور یقین کر لیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بندی کے بیٹے ہیں۔

○ نیز آپ نے شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۳ میں فرمایا: فيبعث الله عيسى ابن مريم اى بدله من السماء حاكما بشريعتنا یعنی حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا' یعنی ان کو آسمان سے بدل کر ہماری شریعت کا حاکم اور امام بنائے گا۔

میر سید سند کا فرمان

(۴) نیز حضرت میر سید سند رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۷۹ کے حاشیہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کے تحت تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: قوله وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ استشهد بالأية على نزول عيسى عليه السلام في اخر الزمان مصداقا للحديث والمعنى ليؤمنن بعيسى عليه السلام قبل موت عيسى عليه السلام وهو زمان نزوله فيكون الملة واحدة وهي ملة الاسلام کہ اس آیت کریمہ: وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ سے امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک کے مصداق میں قبل از قیامت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (آسمان سے) اتر آنے پر بطورِ استشہاد دلیل پکڑی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ اور وہ ان کے ایمان لانے کا وقت وہ وقت ہوگا جب آپؑ آسمان سے زمین پر اتر آئیں گے۔ تب دنیا پر صرف ایک ہی دین ہوگا "یعنی دینِ اسلام۔ دنیا پر اس وقت باطل مذہبوں میں سے کوئی ایک مذہب بھی باقی نہ رہے گا۔ اس وقت مذہب اسلام آخری سنبھالا لے گا۔ پھر آپؑ کی وفات کے بعد حالات میں دوبارہ تغیر و تبدل شروع ہوجائے گا۔ حتی کہ وہ وقت آجائے گا کہ تمام روئے زمین پر کوئی ایک بھی اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا نہ رہے گا سب شرار الخلق ہوجائیں گے تب قیامت قائم ہوجائے گی۔

علامہ عینیؒ کا فرمان

③ حضرت علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان عیسٰی دعا اللہ لما رأی صفۃ محمد ﷺ و امتہ ان یجعلہ منہم فاستجاب اللہ دعاءہ و ابقاہ حتی ینزل فی اٰخر الزمان ویجدد امر الاسلام حضرت عیسیٰؑ نے جب صفۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کی صفت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنائے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی اور ان کو باقی رکھا حتی کہ آخر زمانہ میں ان کو اتارے گا اور اتر کر دینِ اسلام کی تجدید فرمائیں گے۔ (عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۴۵۳)

④ نیز عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۳۲ میں ہے: الصحیح ان عیسٰی رفع وھو حی یعنی صحیح یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہونے کی حالت میں اٹھالیے گئے۔

⑤ نیز عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۳ میں فرمایا: ان عیسٰی یقتل الدجال بعد ان ینزل من السماء کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نزول فرمانے کے بعد دجال کو قتل کریں گے۔

علامہ قسطلانیؒ کا فرمان

⑤ حضرت علامہ قسطلانیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فلما توفیتنی ای بالرفع الی السماء (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۱۴)

○ نیز جلد ۵ صفحہ ۴۱۹ میں فرمایا: ینزل عیسیٰ من السماء الی الارض

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کا فرمان

⑥ حضرت علامہ شیخ شہاب الدین الحافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ میں فرمایا: واما رفع عیسیٰ فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ رفع ببدنہ حیا یعنی اہل احادیث و اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ اسی بدن (عنصری) کے ساتھ اٹھائے گئے۔

علامہ خلیل الرحمن سہارنپوریؒ کا فرمان

⑦ علامہ خلیل الرحمن سہارنپوریؒ نے قصص الکاملین صفحہ ۴۳ میں فرمایا کہ عیسیٰ قریب قیامت کے آسمان سے نزول فرما کرامت حبیب خدا میں داخل ہوں گے۔

علامہ زبیدی شافعیؒ کا فرمان

⑧ حضرت علامہ عبدالرحمن بن علی الربیع الشیبانی زبیدیؒ شافعی نے تیسیر الوصول الی جامع الاصول طبع مصر صفحہ ۲۱۷ کتاب القیامت فصل چار میں تحریر فرمایا: اخرج مسلم عن جابر عن النبی ﷺ قال فینزل عیسی ابن مریم فیقول امیرھم تعال صل لنا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان مذکورہ واقعات کے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ اتریں گے۔ پھر مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا آئیے ہمیں نماز پڑھائیے۔

علامہ برزنجیؒ کا فرمان

⑨ محمد بن عبدالرسول برزنجی ثم المدنیؒ الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ صفحہ ۲۴۷ و ۲۴۸ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کے بعد حبشی خروج کریں گے تو حضرت عیسیٰ ایک پلٹن فوج

کی ان کی طرف روانہ کریں گے' جوان کو شکست دے کر آئے گی۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا فرمان

(۱۰) مولانا احمد علی سہانپوریؒ نے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۵ کتاب التفسیر کے حاشیہ میں لکھا ہے: فلما توفیتنی بالرفع الی السماء۔

○ نیز آپؒ نے صفحہ ۱۴۰ میں تحریر فرمایا: لا شك ان عيسٰی فی السماء وھو حی یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

○ نیز صفحہ ۱۰۵۵ ے میں تحریر فرمایا: ان عيسٰی یقتل الدجال بعد ان ینزل من السماء فیحکم بالشریعۃ المحمدیۃ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہونے کے بعد دجال کو قتل کریں گے اور شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا فرمان

(۱۱) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ میں فرمایا: ان عیسی یقتل الدجال بعد ان ینزل من السماء فیحکم بالشریعۃ المحمدیۃ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتر کر دجال کو قتل کریں گے۔ پھر شریعت محمدیہ ﷺ کے موافق فیصلے فرمایا کریں گے۔

مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ کا فرمان

(۱۲) حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب زجر الناس صفحہ ۸۵ میں تحریر فرمایا: یاتی عیسی ابن مریم فی اٰخر الزمان علی شریعۃ محمد ﷺ وھو نبی یعنی حضرت عیسیٰؑ آخر زمانہ میں آئیں گے اور شریعت محمدیہ ﷺ پر کاربند ہوں گے اور وہ بدستور نبی بھی رہیں گے۔

علمائے متقدمین مفسرین کے فرامین

(۱) حضرت مفسر ابن جریجؒ فرماتے ہیں: فرفعه ایاه الیه توفیه ایاه کہ

اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لینا یہی توفی ہے۔ (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ و ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)

④ حضرت ابن زید فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک نہیں مرے۔ دجال کو قتل کر کے مریں گے۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)

○ نیز آپؐ نے فرمایا: اذا نزل عیسی علیہ السلام لقتل الدجال لم یبق یهودی ولا نصرانی الا امن باللہ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کے لیے اتریں گے تو تمام یہودی اور نصرانی مومن ہو جائیں گے۔ (بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۳ و تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰)

③ حضرت ابن سیرینؒ کا اثر مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۸ میں منقول ہے۔ کہ حضرت امام مہدیؒ اس امت میں سے ہوں گے۔ اور وہی امامت کرائیں گے عیسیٰ ابن مریم کی۔

④ حضرت ابن عطیہ غرناطی اندلسیؒ کا قول مفسر ابو حیان اندلسیؒ نے تفسیر بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ میں نقل فرمایا ہے: اجمعت الامة علی ما تضمنت الاحادیث المتواترة من ان عیسی علیہ السلام فی السماء حی وانه ینزل فی آخر الزمان فیقتل الخنزیر و تظهر به ملة محمد صلی اللہ علیہ وسلم و یحج البیت و یعتمر۔ کہ تمام امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے جو متواتر احادیث کے ضمن میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان میں زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں وہ نزول فرمائیں گے، پھر خنزیر کو قتل کرنے کا حکم دیں گے .... اور آپؑ کے آنے پر ملتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہوگا اور آپؑ حج بیت اللہ اور عمرہ بھی کریں گے۔

⑤ حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کا نشان ہے۔ (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۳۲)

⑥ حضرت ابو عبد ربہ عبد الجبار بن عبید اللہ کا اثر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۶۹ میں بحوالہ ابن عساکر منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا لیا گیا اس رات آپؑ نے اپنے

حواریین کو وصیت فرمائی کہ کتاب اللہ کی تبلیغ کے بدلہ میں کچھ نہ کھانا۔

(۷) حضرت ارطاۃؒ سے مروی ہے کہ آخری خلیفہ محمدؐ کے عہد میں دجال نکلے گا اور اسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ بھی نزول فرمائیں گے۔ (الحاوی جلد ۲ صفحہ ۸۰ بحوالہ کتاب الفتن از نعیم بن حماد)

(۸) حضرت اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدیؒ نے فرمایا: قد رفع اللہ عزوجل عیسٰی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماکرین کے مکر سے پہلے ہی اٹھالیا۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: صعد بعیسیٰ الی السماء کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالے گیا۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ و درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۳۸ و بحر محیط جلد ۸ صفحہ ۲۵)

(۹) حضرت حریث بن مخشیؒ فرماتے ہیں: لیلۃ اسری بعیسیٰ یعنی رفع الی السماء یعنی جس رات عیسیٰؑ کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)

(۱۰) حضرت حسین بن فضلؒ فرماتے ہیں: بعد ان ینزل من السماء فی اٰخر الزمان۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کہولت میں باتیں کرنا اس وقت ہوگا کہ جب آخر زمانہ میں آپؑ آسمان سے اتر آئیں گے۔ (معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ طبع بمبئی ہند)

(۱۱) حضرت ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نصاریٰ آکر حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے بارے میں بحث کرنے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: الستم تعلمون ان ربنا حی لا یموت وان عیسیٰ یاتی علیہ الفناء کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ہمارا رب زندہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو موت نہیں ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئے گی۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو سوتے میں آسمان کی طرف اٹھالیا۔ (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ و معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ ابوالسعود جلد ۲ صفحہ ۵۸ و مفاتیح الغیب جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ و درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

(۱۲) حضرت زجاجؒ فرماتے ہیں: کان عیسٰی فی بیت له کوۃ فدخل رجل لیقتله فرفع عیسی علیہ السلام من البیت۔ کہ حضرت عیسٰیؑ سوراخ والے مکان میں تھے تو ایک آدمی آپؑ کو قتل کرنے کے ارادے سے اندر گیا تو آپؑ اس مکان سے اٹھائے جا چکے تھے۔ (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳)

(۱۳) حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ۳۳ سال کی عمر میں آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور پھر زمین کی طرف اتریں گے۔ (روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ و رازی جلد صفحہ ۶۷)

(۱۴) حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ۳۳ سال کی عمر میں آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ اور پھر سینزل الی الارض زمین کی طرف اتریں گے۔ (روح جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ و درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ و رازی صفحہ ۶۷۷)

(۱۵) حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول قیامت کا نشان ہے۔ (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۱۰۰ و بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ و جلد ۸ صفحہ ۲۵)

(۱۶) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں: اذا نزل عیسی الی الارض لا یبقی یهودی ولا نصرانی الا امن بعیسیٰ کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام زمین پر اتریں گے تو سب یہود و نصاریٰ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ (فتوحات الہیہ جلد ۱ صفحہ ۵۳۵)

(۱۷) حضرت عکرمہ بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول قیامت کا نشان ہے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)

(۱۸) حضرت غزوان ابو مالک غفاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول قیامت کا نشان ہے۔ (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۴ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)

(۱۹) حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصریؒ فرماتے ہیں: رفعه الله الیه کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔

○ نیز آپؒ نے انه لعلم للساعة کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا

نزول قیامت کا نشان ہے۔ (معالم التنزیل جلد ۴ صفحہ ۵۰ طبع ہند' درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و بحر محیط جلد ۸ صفحہ ۲۵)

(۲۰) حضرت کعب الاحبارؒ فرماتے ہیں: فیرجع امام المسلمین المھدی فیقول عیسٰی ابن مریم تقدم یعنی امام مہدیؒ پیچھے آئیں گے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپؒ ہی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھیں۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو وحی فرمائی تھی: انی متوفیك و رافعك الی اور جس کو میں اپنی طرف اٹھالوں وہ میت نہیں اور کانے دجال پر آپؑ کو مبعوث کروں گا' پھر آپؑ ان میں ۲۴ سال رہیں گے۔ پھر جس طرح دوسرے زندوں کو موت دیتا ہوں اسی طرح آپؑ کو بھی موت دوں گا۔ یاد رہے کہ حضرت کعب الاحبار کے اس قول کی تردید کسی صحابی نے نہیں کی۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۴۵۳)

(۲۱) حضرت مجاھدؒ فرماتے ہیں: رفع اللہ عیسی الیہ حیا کہ اللہ تعالٰی نے عیسٰی علیہ السلام کو اپنی طرف زندہ اٹھالیا۔ (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۲ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ و ج ۸ صفحہ ۲۵)

(۲۲) حضرت محمد بن جعفر بن زبیر نے معنی کیے: متوفیك ای قابضك کہ تو میرے ہی قبضے میں رہے گا۔ دوسرا کوئی تجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳ و بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳)

(۲۳) حضرت محمد بن حنفیہؒ کی روایت درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۷ میں بحوالہ حضرت عبداللہ حمید و ابن منذر حضرت شہر بن حوشبؒ سے منقول ہے: وان من اهل الکتب الا لیؤمنن به قبل موته کی تفسیر کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا: ان عیسی لم یمت وانه رفع الی السماء وهو نازل قبل ان تقوم الساعة عیسٰی علیہ السلام نہیں مرے اور وہ زندہ اٹھائے گئے آسمان کی طرف

اور وہی اتریں گے قیامت سے پہلے پہلے۔

(۴۴) حضرت محمد بن سائب کلبیؒ نے بھی وہی معنے کیے جو حسن اور ابن جریجؒ نے کیے۔ (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۵۰)

(۴۵) حضرت مطر الوراقؒ نے اس کے معنے اس طرح کیے: متوفیك من الدنیا و لیس بوفاۃ موتٍ یعنی تجھے اپنے قبضے میں لے کر اس دنیا سے لے جاؤں گا۔ اور یہ وفاۃ موت نہیں ہے۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳، و بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ مختصر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۲۸۶ و تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ و درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

(۴۶) حضرت مقاتل بن سلیمانؒ نے کہلا کا مطلب یہ بتایا کہ وہ وقت کہ جب آپؑ کی قوت پوری ہو جائے گی۔ (معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ طبع بمبئی)

(۴۷) حضرت وہب بن منبہؒ کا اثر درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ میں منقول ہے کہ یہود سمجھے کہ ہم نے عیسیٰؑ کو قتل کر دیا اور نصاریٰ سمجھے واقعی ہی ایسا ہوا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اسی دن اٹھا لیا۔

اہلِ تصنیف مفسرین کے فرامین

(۴۸) ابو اسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوریؒ نے و من المقربین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اس کا مطلب ہے آپؑ کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور فرشتوں کے ساتھ رہنا۔ (تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹)

(۴۹) ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو کل دین والے ان کے تابع ہوں گے۔

○ نیز آپؒ نے توفی کا معنی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپؑ کا رفع ہی آپؑ کی توفی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۷۲ و جلد ۲۸ صفحہ ۵۴)

(۵۰) ابو السعودؒ فرماتے ہیں: ان اللہ رفع عیسیٰ من غیر موت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء بغیر موت کے ہوا۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: فلما توفیتنی فلما رفعتنی الی السماء کہ جب تو نے مجھے آسمان کی طرف اٹھالیا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے معنے کیے ہیں۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: والصحیح ان اللہ تعالیٰ رفعہ من غیر وفاۃ ولا نوم قال الحسن و ابن زید و ھو اختیار الطبری و ھو الصحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ صحیح عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر موت اور بغیر نیند کے اٹھالیا۔ حضرت حسن بصری و ابن زید نے یہی فرمایا اور محدث و مفسر طبری نے بھی اسی کو اختیار فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی صحیح سند کے ساتھ یہی ثابت و مروی ہے۔ (تفسیر رازی جلد ا صفحہ ۱۳۷ و جلد ۷ صفحہ ۴۵۱ و جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ طبع مصر)

(۳) ابوسعید قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاویؒ فرماتے ہیں: ان عیسٰی ینزل من السماء حین یخرج الدجال فیھلکہ کہ جب دجال نکلے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر اسے ہلاک کریں گے۔ (تفسیر انوار التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ و ۱۷۷)

(۴) ابوعبداللہ محمد انصاری قرطبیؒ نے فرمایا: ثم یھبط نبی اللہ عیسی علیہ السلام پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔

○ صاحب روح المعانیؒ نے مفسر قرطبیؒ کے بارے فرمایا کہ جو کچھ مفسر قرطبی نے فرمایا ہے کہ ان اللہ رفعہ من غیر وفاۃ و لا نوم "اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر وفات دینے اور بغیر سلانے کے اٹھالیا" یہی صحیح ہے۔ اور یہی طبری کا مختار و پسندیدہ مسلک ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی روایت صحیح ہے۔ تذکرۃ القرطبیۃ صفحہ ۱۳۲ و تفسیر جامع لاحکام القرآن جلد ۴ صفحہ ۹۹ و جلد ۶ صفحہ ۳۷۶ و ۳۷۷

(۵) احمد جونپوری المعروف بہ ملا جیونؒ استاذ سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

نے تفسیراتِ احمدیہ صفحہ ۶۵۲ و ۶۵۳ تحریر فرمایا: انه لعلم للساعة...
هذه هي الأية التي يفهم منها أن نزول عيسىٰ علیہ السلام دليل على قرب
القيمة و ذلك لان اكثر المُفسّرين على انه ضمير "وانه" راجع الى
عيسىٰ المذكور سابقاً و قوله تعالى يعلم كما هو الاكثر كان معناه انه
علم للساعة اى يعلم من نزوله دنو الساعة و قرب القيامة وان قرئ
عَلَمٌ كما قرأ ابن عباسؓ كان معناه انه علامة لقرب القيمة فلا
تمترن بها اى لا تشكن بالساعة لان الشئ يتحقق عند تحقق العلامة
انه لَعَلَمٌ للساعة... کہ یہی وہ آیت ہے جس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ
حضرت عیسیٰؑ کا نزول قربِ قیامت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اکثر مفسرینؒ کے
نزدیک "انه" کی ضمیر عیسیٰؑ کی طرف راجع ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آرہا
ہے۔ اور جیسے اکثر قراء کی قراءت لَعِلْمٌ ہے اس کے مطابق اس کا مطلب
یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت قیامت کا قرب معلوم ہوجائے گا اور
اگر لَعَلَمٌ پڑھیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ قربِ قیامت کا
نشان ہیں اس لیے قیامت کے بارے شک نہ کرو کیونکہ جس چیز کے نشانات
ظاہر ہونے لگ جاتے ہیں تو وہ چیز خود بھی ہو ہی جاتی ہے۔

۳۳ ثناء اللہ قاضی پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۵۶ میں فرمایا: المراد
بالتوفى هو الرفع الى السماء بلاموت يشهد به الوجدان بعد
ملاحظة قوله تعالى وما قتلوه وما صلبوه ولولا نفى الموت عنه لما
كان من نفى القتل فائدة اذ الغرض من القتل الموت توفی سے مراد بغیر
موت کے آسمان کی طرف اٹھانا۔ وجدان خود اس کا شاہد ہے بعد غور
کرنے کے وما قتلوه وما صلبوه میں۔ کیونکہ اگر آپؑ سے موت کی نفی
مقصود نہ ہوتی تو قتل کی نفی کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ کیونکہ قتل
سے غرض تو موت ہی ہوتی ہے۔

(۲۵) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ نے فرمایا: رفع عیسٰی الی السماء (جلالین صفحہ ۵۰ و ۱۰۹ و تفسیر الاتقان صفحہ ۳۳ و ۳۴)

○ نیز آپؒ نے فرمایا: رفع الی السماء ای عیسٰی (خصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۸۳)

(۲۶) ابو محمد حسین بن مسعود بغویؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۲۶۳ میں تحریر فرمایا کہ: وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ میں جو علماء بہٖ کی ضمیر بھی حضرت عیسٰیؑ کی طرف راجع کرتے ہیں اور موتہٖ کی ضمیر بھی حضرت عیسٰیؑ کی طرف ہی راجع کرتے ہیں تو وہ اپنی دلیل میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ نبویؐ پیش کرتے ہیں۔ اس صورت میں اس آیت کریمہ کا معنی اس طرح ہوگا: "کوئی اہلِ کتاب ایسا نہ رہے گا جو حضرت عیسٰیؑ کی وفات سے پہلے حضرت عیسٰیؑ پر ایمان نہ لائے"۔ بلکہ اس وقت کے سب عیسائی بھی حضرت عیسٰیؑ پر ایمان لائیں گے جن صفات کے ساتھ آپؑ متصف ہیں۔ یعنی اس وقت سب عیسائی بھی مان جائیں گے کہ ہم اس سے پہلے غلطی پر تھے کہ حضرت عیسٰیؑ کو متصرف یا ابن اللہ یا تین اقنوم میں سے ایک سمجھتے تھے۔ اور کہیں گے کہ اب ہم حضرت عیسٰیؑ کو اللہ تعالیٰ کا رسولؑ مانتے ہیں' جو بنو اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ اور انھوں نے نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تشریف آوری سے متعلق خبر دی تھی۔

(۲۷) شیخ رؤف احمد مجددیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو رات کے وقت آسمان پر پہنچایا۔ (تفسیر رؤفی (جلد ۱ صفحہ ۲۸۷)

(۲۸) زاہدیؒ نے فرمایا: رفع اللہ عیسٰی حیاً الی السماء کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔ (تفسیر زاہدی قلمی ورق ۱۶۴ صفحہ ۲)

(۲۹) سلیمان جملؒ نے فرمایا: فلما توفیتنی ای اخذ شئ وافیاً بالرفع الی السماء (فتوحاتِ الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

(۳۰) سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں: اجتمعت الامۃ واشتھرت الاخبار و

لعلها بلغت التواتر المعنوی و نطق به الکتاب علی قول و وجب الایمان به و کفر منکره کالفلاسفة من نزول عیسیٰ علیہ السلام آخر الزمان کہ تمام امت کا اس پر اجماع بھی ہے اور اس بارہ میں اس قدر احادیث مشہورہ ہیں کہ تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہوں گی۔ اور قرآن حکیم کا بھی واضح بیان ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہے جیسے فلاسفہ کافر ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۱۲)

(۳۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کا ترجمہ اس طرح فرمایا: و نہ باشد ہیچ کس از اہل کتاب الا البتہ ایمان آورد بہ عیسیٰ پیش از مردن عیسیٰ و در روز قیامت باشد عیسیٰ گواہ بر ایشان۔

○ حاشیہ پر فائدہ میں تحریر فرمایا: مترجم گوید یعنی یہودی کہ حاضر شوند نزول عیسیٰ را البتہ ایمان آرند۔

(۳۲) صفی الدین محمد نے فرمایا: فلما توفیتنی بالرفع الی السماء کہ پھر تو نے مجھے قبضے میں کر لیا بایں طور کہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔ (جامع البیان بر جالین صفحہ ۱۰۹)

(۳۳) فخر الدین صاحب تفسیر قادری نے فرمایا: اور بے شک عیسیٰ نشانی واسطے قیامت کے ہے۔ کیونکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا ہے۔ (ترجمہ اردو و تفسیر حسینی جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)

(۳۴) فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ فرماتے ہیں: بل رفعه الله الیه رفع عیسیٰ الی السماء ثابت بهذه الآیة کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا اسی آیت سے ثابت ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا: فمثل عروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المعراج عروج عیسیٰ

الی السماء کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا آسمان پر چڑھنا ایسا تھا کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف چڑھنا۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: انه رفع بتمامه الی السماء بروحه و بجسده کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پورے کے پورے روح اور جسم سمیت آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ (تفسیر مفاتیح الغیب جلد ۲ صفحہ ۴۵۸ و ۶۷۷ و جلد ۳ صفحہ ۳۳۰)

(۳۵) فیض اللہ فیضیؒ نے فرمایا: وصعد روح اللہ مصاعد السماء کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ آسمان کی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ (سواطع الالہام صفحہ ۱۴۰)

(۳۶) علامہ قونویؒ نے فرمایا: قوله لان حدوث عیسیٰ ای نزول عیسیٰ من اشراط الساعة کہ حدوث یعنی نزولِ عیسیٰ قیامت کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ (حاشیہ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

(۳۷) حضرت مفسر علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی علاؤالدین خازنؒ نے فرمایا: موته کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی "موتِ عیسیٰ" سے وہ موت مراد ہے جو نزولِ عیسیٰ کے بعد طبعی طور پر آپؑ پر وارد ہوگی۔ (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۳۱۴)

○ نیز آپؒ نے فرمایا: فلما توفیتنی فلما رفعتنی الی السماء۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: زعمت النصاری ان المسیح رفع لاهوته یعنی روحه وبقی فی الارض ناسوته یعنی جسده فرد اللہ علیهم بقوله انی متوفیك و رافعك الی فاخبر اللہ انه رفع بتمامه الی السماء بروحه و جسده جمیعاً کہ بعض نصاریٰ کا خیال یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک تو آسمان کی طرف اٹھائی گئی ہے اور جسم مبارک زمین میں رہ گیا۔ تو اس زعم باطل کا رد اللہ تعالیٰ نے انی متوفیك و رافعك الی فرما کر کر دیا۔ اور بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح و جسم سمیت بتمامہ (پورے کے پورے) آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۳۴، ۵۳۱)

(۴۸) شیخ کمال الدینؒ نے فرمایا: ان اللّٰہ رفع عیسٰی من روزنۃ فی البیت الی السماء کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے روزن سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھالیا۔ (کمالین بر جلالین ۵ھ صفحہ ۸۹ و ۶ھ صفحہ ۵۰)

(۴۹) محمد بن علی شوکانی یمنیؒ نے فرمایا: تواترت الاحادیث بنزول عیسٰی جسما کہ متواتر احادیث اس بارے میں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم سمیت اتریں گے۔ (تفسیر فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

(۵۰) حضرت مفسر علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں: و الظاھر ان الضمیرین فی "بہ" و "موتہ" عائدان علٰی عیسٰی و ھو سیاق الکلام و المعنی من اھل الکتاب الذین یکونون فی زمان نزولہ (بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)

○ نیز آپؒ نے فرمایا: ان الاخبار تظاھرت برفع عیسٰی علیہ السلام حیا وانہ فی السماء حی وانہ ینزل ویقتل الدجال کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور ان کا آسمان میں زندہ موجود ہونا اور ان کا (قرب قیامت میں) اتر کر دجال کو قتل کرنا ان سب کے بارے میں متواتر احادیث موجود ہیں۔ (بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۶۱)

○ نیز آپؒ نے فرمایا: و تظاھرت الاخبار الصحیحۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ فی السماء وانہ ینزل ویقتل الدجال۔ (تفسیر النہر الماد جلد ۳ صفحہ ۶۱)

(۵۱) محمد محی الدین شیخ زادہؒ نے فرمایا: و ذکر اللّٰہ انہ رفع عیسٰی علیہ السلام الی السماء کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور یہود آپؑ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا سکے۔ و ذلک ان یہود تلک الیھود اراد قتل عیسٰی علیہ السلام و کان جبریل علیہ السلام لا یفارقہ ساعۃ و ھو معنی قولہ و ایدناہ بروح القدس فلما ارادوا ذالک امرہ جبریل ان یدخل بیتا فیہ روزنۃ فی سقف البیت فلما دخل البیت

اخرجه من تلك الروزنة اس رفع عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یوں ہوا کہ جب یہود کے بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتے تھے کبھی آپؑ سے جدا نہ ہوتے تھے اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپؑ ایسے مکان میں چلے جائیں جس کی چھت میں روزن ہو' جب آپؑ ایسے گھر میں گئے تو جبرائیل علیہ السلام اس روزن میں سے آپ کو نکال کر لے گئے۔ (حاشیہ انوار التنزیل جلد ۱ صفحہ ۶۳۳)

(۵۲) محمود بن عمر زمخشریؒ معتزلی نے فرمایا: رافعك الی سمائی (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۶۶)

(۵۳) نظام الدین حسن بن محمد بن حسین نیشاپوریؒ (غرائب القرآن برحاشیہ تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔ بر آیت و من المقربین)

○ ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے بھی توفی کا معنی رفع الی السماء ہی کیا ہے۔ مثلاً:

(۵۴) خلاصۃ التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۴۷۳ میں بل رفعه الله اليه کے معنے کیے: بلکہ خدا نے لے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) اپنی حضوری میں بلایا اور آسمان پر اٹھایا۔

(۵۵) تفسیر سراج المنیر جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ میں ہے: رفع عیسٰی الی السماء و کان عمرہ ۳۳ سنة کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور آپؑ کی عمر ۳۳ سال تھی۔

(۵۶) شیخ محمد نوریؒ نے مراح لبید جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ میں فرمایا: قال كثير من المتكلمين ان اليهود لما قصدت قتله رفعه الله الى السماء یعنی بہت سے علم کلام والوں نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ جب یہود نے آپؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

(۵۷) امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدیؒ نے فلما توفيتني کی تفسیر اس طرح کی: ای قبضتني و رفعتني اليك ای الى السماء کہ تو نے مجھے آسمان کی طرف

الخالیہ۔ (کتاب الوجیز جلد ۱ صفحہ ۲۲۹)

(۵۸) مصنف عجائب القصص نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔ (عجائب القصص جلد ۲ صفحہ ۲۸۶)

(۵۹) تفسیر حسینی میں ہے: چوں کار بر مؤمنان تنگ آید حق سبحانہ عیسیٰ را از آسمان فرستد تا دجال را بکشد (جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

(۶۰) حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمہ کیا اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا گواہ اوپر ان کے۔

○ نیز آپؒ اپنی کتاب "علامات قیامت" مترجم اردو صفحہ ۱۰۰ میں تحریر فرماتے ہیں: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ لگائے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر جلوہ افروز ہوں گے۔

(۶۱) شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ترجمہ اس طرح کیا: "اور جو فرقہ ہے کتاب والوں میں سے سو اس پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا ان کا بتانے والا"۔

فائدہ میں لکھا: "حضرت عیسیٰ ابھی زندہ ہیں۔ جب یہود میں دجال پیدا ہوگا، تب اس جہان میں آکر اس کو ماریں گے اور یہود و نصاریٰ سب ان پر ایمان لاویں گے کہ یہ مرے نہ تھے۔

متکلمین اہل عقائد کے فرامین

(۱) التبیان صفحہ ۲۲ میں حضرت علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر المعروف بہ ابن قیم نے تحریر فرمایا: واللہ تعالیٰ رفع عیسی علیہ السلام الیہ کہ حضرت حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا۔

○ صفحہ ۱۳۹ طبع قدیم و ۲۴۲ طبع جدید فصل ۱۱۹ میں تحریر فرمایا: ھذا المسیح بن مریم حی لم یمت و غذاؤہ من جنس غذاء الملئکۃ کہ یہ مسیح

ابن مریم ابھی زندہ ہیں ان کی وفات نہیں ہوئی۔ اور آپؑ کی غذا فرشتوں کی غذا کی جنس میں سے ہے۔

الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح صفحہ ۱۱۹ و ۱۶۵ میں شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہؒ نے تحریر فرمایا: فبعث المسیح علیہ السلام رسلہ یدعونھم الی دین اللہ فذھب بعضھم فی حیاتہ فی الارض وبعضھم بعد رفعہ الی السماء فدعوھم الی دین اللہ کہ پس حضرت عیسیٰؑ نے لوگوں کو دین خدا کی طرف دعوت دینے کے لیے اپنے ایلچی بھیجے جن میں سے بعض تو جب ہی چلے گئے تھے جب آپؑ ابھی زمین میں اپنی زندگی گذار رہے تھے اور بعض اس وقت گئے جب آپؑ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے تھے پھر انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی۔ (طبع جدید جلد ا صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶)

آگے چل کر جلد ا صفحہ ۲۸۷ طبع جدید میں لکھا:

۵ ویقال انہ انطاکیۃ اول المدائن الکبار الذین اٰمنوا بالمسیح علیہ السلام و ذلک بعد رفعہ الی السماء کہ کہتے ہیں کہ بڑے شہروں میں سے پہلا شہر جہاں کے باشندے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے تھے وہ انطاکیہ شہر تھا۔ اور یہ واقعہ اس وقت کے بعد کا ہے جب آپؑ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا۔

۴ اشراط الساعۃ صفحہ ۲۸۷ میں علامہ محمد بن عبدالرسول برزنجی ثم المدنیؒ نے علامات قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اولھا خروج المھدی وانہ یاتی فی اٰخر الزمان من ولد فاطمۃ یملأ الارض عدلاً کما ملئت ظلماً وانہ یقاتل الروم وینزل عیسٰی ویصلی خلفہ کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک تو ہے مہدی کا خروج جو آخر زمانہ میں آئے گا اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے زمین جو پہلے ظلم سے پر تھی اب وہ آکر عدل و انصاف سے پر کرے گا اور وہ روم کے ساتھ جہاد کرے گا اور حضرت عیسیٰؑ بھی نزول فرمائیں گے اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

④ حاشیہ بر خیالی صفحہ ۱۴۲ میں ہے: انما خص عیسٰی علیہ السلام لان حیوتہ و نزوله الی الارض و استقراره فوق الارض مدة قد ثبت بالاحادیث الصحیحة بحیث لم یبق فیه شبهة ولم یسمع فیه خلاف غیره منا۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تخصیص صرف اس لیے کی کہ آپؑ کی زندگی اور آپؑ کا زمین کی طرف آنا اور پھر آپؑ کا زمین کے اوپر قرار پکڑنا کچھ مدت کے لیے' یہ سب کا سب اس قدر احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہا اور نہ ہی اس میں کسی کا اختلاف سنا گیا ہے۔

⑤ حج الکرامہ صفحہ ۴۲۲ میں حضرت نواب صدیق حسن خانؒ قنوجی نے تحریر فرمایا: و هو نازل من السماء فیحکم بکتاب الله کہ حضرت عیسٰیؑ آسمان سے اتریں گے پھر قرآن مجید کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔

⑥ شرح العقائد الجلالی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ میں علامہ محمد بن سعد جلال الدین دوانیؒ نے تحریر فرمایا: واما نزول عیسٰیؑ فهو و متابعته لشریعة محمد ﷺ فیوما یؤکد کونه ﷺ خاتم النبیین کہ حضرت عیسٰیؑ کا نزول پھر ان کا شریعت محمدیہ ﷺ کی اتباع کرنا سو ان امور میں سے ہے جن سے رسول خدا ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی اور زیادہ تائید و تاکید ہو جاتی ہے۔

⑦ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۳۶ طبع دہلی و صفحہ ۹۳ طبع مصر میں علامہ ملا علی بن سلطان القاریؒ نے تحریر فرمایا: انه (الدجال) یذوب کالملح فی الماء عند نزول عیسٰی علیہ السلام من السماء کہ حضرت عیسٰیؑ کے آسمان سے اترنے کے وقت دجال ایسا پگھلنے لگ جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔

⊙ نیز مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ میں ہے فینزل عیسٰی ابن مریم من السماء کہ پس عیسٰی ابن مریم علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔

⑧ شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۱۵۵ میں علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانیؒ نے فرمایا: ونزول عیسٰی علیہ السلام من السماء فهو حق۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام

کا آسمان سے اترنا برحق ہے۔

(۹) عقیدہ اہل الاسلام صفحہ ۱۱ میں شیخ غماری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللوامع للسفارینی کے حوالے سے تحریر فرمایا: و قد اجمعت الامة علی نزوله ولم یخالف فیه احد من اهل الشریعة۔ کہ تمام امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اس مسئلہ میں اہل شریعت میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔

(۱۰) عقیدہ سفارینیہ جلد ۲ صفحہ ۹۰ میں ہے: ولیس ینزل بشریعة مستقلة عند نزوله من السماء وان کانت النبوة قائمة به وهو متصف بها۔ کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ آسمان سے اترتے وقت صفتِ نبوت سے متصف اور سابقہ نبوت پر بدستور قائم رہیں گے۔ تاہم مستقل شریعت لے کر نہ آئیں گے۔ بلکہ شرع محمدیؐ کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔۔۔۔۔ وقد انعقد اجماع الامة علی انه ینزل و یحکم بهذه الشریعة المحمدیة۔ ساری امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین پر اتریں گے اور اسی شریعتِ محمدیہ ﷺ ہی کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔ وانما انکر ذلك الفلاسفة و الملاحدة ممن لا یعتقد بخلافه۔ صرف فلسفیوں اور ملحد و بے دین لوگوں نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ اور ایسے بے دین اور ملحد لوگوں کی مخالفت اجماع اہل شریعت کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۱۱) فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۶۷ میں شیخ الاسلام شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے باب ذکر ادریس میں تحریر فرمایا: ان عیسیٰ رفع و هو حیّ کہ حضرت عیسیٰ کو زندہ ہی اٹھالیا گیا۔

(۱۲) کتاب الاذاعۃ صفحہ ۷۷ میں ہے: کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ آسمان سے اترتے وقت صفتِ نبوت سے متصف اور سابقہ نبوت پر بدستور قائم رہیں گے۔ تاہم مستقل شریعت لے کر نہ آئیں گے۔ بلکہ شرع محمدیؐ کے

مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔ ساری امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین پر اتریں گے اور اسی شریعتِ محمدیہ ہی کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔ صرف فلسفیوں اور ملحد و بے دین لوگوں نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ اور ایسے بے دین اور ملحد لوگوں کی مخالفت اجماع اہلِ شریعت کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۱۲) کتاب الفصل جلد ۴ صفحہ ۱۸۰ میں علی بن احمد بن سعید ابو محمد ابن حزم ظاہریؒ نے تحریر فرمایا: فکیف یستجیز لمسلم ان یثبت بعدہ علیہ الصلوٰۃ و السّلام نبیاً فی الارض حاشا ما استثناہ رسول اللہ ﷺ فی الآثار المسندۃ الثابتۃ فی نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام فی آخر الزمان کہ پھر کیسے ایک مسلمان آدمی نبی کریم ﷺ کے بعد زمین میں کسی نبی کے آنے کا جواز تلاش کر سکتا ہے سوائے اس کے کہ جس کو حضرت رسول خدا ﷺ نے خود مستثنیٰ فرمایا اس کا ذکر مستند اور پختہ احادیث میں آچکا ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ آسمان سے نزول فرمائیں گے۔

○ نیز اسی کتاب میں لکھا: واما من قال ان بعد محمد ﷺ نبیاً غیر عیسی ابن مریم علیہ السلام فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ کہ جو کہے گا کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے کوئی اور نبی بھی ہے تو اس کے کافر کہنے میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا۔

(۱۴) کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ صفحہ ۴۶ میں ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اجمعت الامۃ علی ان اللہ عز و جل رفع عیسی الی السماء کہ تمام امتِ محمدیہ کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

(۱۵) کفایۃ العوام صفحہ ۸۲ میں ہے: ویجب ان یعتقد ان عیسی علیہ السلام بعد نزولہ یحکم بشرع نبینا ﷺ۔ کہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترنے کے بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع شریف کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔

○ پھر اس کلام پر اعتراض پیدا ہوتا تھا کہ احادیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کافروں سے جزیہ لینا قبول نہ کریں گے۔ حالانکہ شریعت محمدیہ ﷺ میں کافروں سے جزیہ لینے کا صریح حکم موجود ہے۔ پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔ تو اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے:

(۱۶) شارح کفایۃ العوام نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ قبول کرنے کی مدت بتادی ہے کہ جزیہ کا حکم نماز روزہ کی طرح ابدی نہیں۔ یہ حکم صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول من السماء الی الارض تک ہے۔ جب آپ زمین پر تشریف لے آئیں گے اس وقت جزیہ کا حکم بند ہو جائے گا۔
فان قلت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزولہ لا یقبل الجزیۃ الخ

(۱۷) المسامرہ شرح المسایرہ صفحہ ۳۹۴ (جلد ۲ صفحہ ۶۷) میں شیخ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف قدسی میں تحریر فرمایا ہے: واشراط الساعۃ من خروج الدجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم من السماء وخروج یاجوج وماجوج الخ اور نیز برحق ہیں قیامت کے نشان یعنی دجال کا نکلنا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا آسمان سے اترنا اور یاجوج ماجوج کا نکلنا الخ

(۱۸) مظہر العقائد صفحہ ۱۹ و ۲۴ میں علامہ مظہر اللہ دہلویؒ نے فرمایا کہ عیسیٰ آخر زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔

(۱۹) نبراس شرح شرح العقائد صفحہ ۴۴۶ میں حضرت علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ نے تحریر فرمایا: قد صح فی الحدیث ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل من السماء الی الارض۔ کہ صحیح حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے زمین کی طرف اتریں گے۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: حیوۃ عیسیٰ ثابتۃ بالاحادیث المتواترۃ کہ حیات

عیسیٰ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

صوفیاء کے فرامین

① شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے الیواقیت والجواہر ص ۱۳۰ میں تحریر فرمایا ہے:
فان قيل فما الدليل على نزول عيسى فى القرآن فالجواب الدليل على نزوله قوله تعالى : وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اى حين ينزل و يجتمعون عليه و انكرت المعتزلة و الفلاسفة و اليهود و النصارىٰ عروجه بجسده الى السماء و قال تعالىٰ فى عيسٰى: وَإِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قرىء بفتح اللام و العين و الضمير الى عيسٰى لقوله تعالىٰ : وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا و معناه ان نزوله علامة القيٰمة۔ و فى الحديث فى صفة الدجال فبينما هم اذ بعث الله المسيح ابن مريم فينزل عند المنارة البيضاء شرقى دمشق فقد ثبت نزوله بالكتاب و السنة۔ و زعمت النصارىٰ ان ناسوته صلب ولاهوته رفع و الحق انه رفع بجسده الى السماء و الايمان بذلك واجب قال تعالىٰ : بل رفعه الله اليه۔

ترجمہ: یعنی اگر کوئی کہے کہ قرآن شریف میں نزولِ عیسیٰؑ پر کون سی دلیل ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؑ کے آسمان سے نازل ہونے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ یعنی جب آپؑ اتریں گے' اور سارے لوگ ان پر جمع ہو جائیں گے۔ قیامت کے قریب قریب۔ معتزلی فلسفی' یہودی اور نصاریٰ نے آپؑ کے آسمان کی طرف اپنے جسمِ مبارک کے چڑھنے کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا ہے : و انه لَعِلْمٌ لِّلساعة..... اور ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ولما ضرب ابن مريم مثلا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ کا نزول قیامت کی نشانی ہے۔

اور حدیث شریف میں دجال کی صفت کے بارے آتا ہے کہ لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجے گا تو آپؑ دمشق کے مشرقی سفید مینار کے پاس نزول فرمائیں گے۔ تو آپؑ کا نزول قرآن مجید سے بھی ثابت ہوگیا اور حدیث شریف سے بھی۔ اور نصاریٰ نے سمجھا ہے کہ آپؑ کا جسم مبارک سولی پر لٹکایا گیا اور آپؑ کا روح اٹھایا گیا۔ اور حق یہ ہے کہ آپؑ اپنے جسم مبارک کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں۔ اور اس بات پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بل رفعہ اللہ الیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اپنی طرف اٹھالیا۔

(۴) فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ جلد ۳ صفحہ ۳۴۱ میں شیخ ابن عربی مالکی نے لکھا ہے: انه علیه السلام لم یمت الی الآن بل رفعه الله الی هذه السماء واسکنه فیها کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے کچھ شک وشبہ نہیں کہ وہ ابھی تک فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اس آسمان کی طرف اٹھالیا اور وہیں آپؑ کو سکونت کی جگہ دی۔

(۵) نیز فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ میں لکھا ہے کہ: ان عیسیٰ ینزل فی هذه الامة فی آخر الزمان ویحکم لشریعة محمد ﷺ حضرت عیسیٰؑ اس امت میں آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔

(۶) یہی مضمون فتوحات مکیہ جلد ۱ باب ۱۴۴ صفحہ ۱۳۵ و جلد ۲ باب ۳۹ صفحہ ۳ و ۱۳۵ اور جلد ۳ صفحہ ۵۱۰ میں مذکور ہیں۔

(۷) تحفہ نصائح صفحہ ۱۵ میں حضرت شیخ محمود چراغ دھلویؒ نے تحریر فرمایا: ؎

دانی قیامت را نشاں دجال و دیگر دابہ ہم
عیسیٰؑ فرود آید کشد دجال را از پشت خر

(۸) دجال اور دابۃ الارض کو بھی قیامت کا نشان جان۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی اتر کر دجال

کو گدھے کی پشت سے کھینچ قتل کریں گے۔

④ طریقۂ محمدیہ میں شیخ محمد برکوئیؒ نے تحریر فرمایا ہے: ونزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء...... حق اور حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اترنا برحق ہے۔

⑤ عرائس البیان جلد ۱ صفحہ ۸۴ میں خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: و قیل یکلم الناس فی المھد صبیاً و عند نزولہ من السماء کھلاً یکلم الناس فی المھد کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ اے مریم! تیرا بیٹا گود میں لوگوں سے بات کرے گا۔ یعنی بچہ ہونے کی حالت میں اور آسمان سے اترنے کے وقت ادھیڑ عمر کا ہو کر بھی لوگوں سے باتیں کرے گا۔

⑥ غنیۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۶۱ میں شیخ عبد القادر جیلانی بغدادیؒ نے تحریر فرمایا: و التاسع رفع اللہ عز و جل عیسی علیہ السلام بن مریم الی السماء یعنی اور نویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عز و جل نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

⑦ کشف المحجوب (اردو) صفحہ ۵۲ میں شیخ علی ہجویریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ مرقع (گودڑی) رکھتے تھے جس کو وہ آسمان پر لے گئے۔

⑧ مثنوی عطار صفحہ ۲۰ میں شیخ فرید الدینؒ عطار نے ایک شعر لکھا: ؎

عشق، عیسیٰؑ را بگردوں می برد

یافتہ ادریسؑ جنت از صمد

⑨ مثنوی معنوی جلد ۱ صفحہ ۸ میں شیخ جلال الدین رومیؒ نے تحریر فرمایا: ع

جسم خاک از عشق بر افلاک شد

تشریح بآیت کریمہ کہ در سورۃ النساء است در شان حضرت عیسیٰ علیہ السلام بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ یعنی برداشت او را خدا بسوئے خود [۱۲]

⑩ مکتوبات، دفتر سوم مکتوب ۱۷ میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ از آسمان نزول خواہد فرمود متابعت شریعت

خاتم الرسل خواہد نمود"۔ کہ حضرت عیسیٰؑ جو آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم الرسل (حضرت محمد ﷺ) کی شریعت کی پیروی فرمائیں گے۔

(۱۱) زرقانی مالکیؒ نے المواہب اللدنیہ میں تحریر فرمایا ہے: رفع عیسیٰ علیہ السلام وھو حی الآن علی الصحیح یعنی صحیح مذہب کے مطابق یہی عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ کو اٹھالیا گیا اسی حال میں کہ وہ زندہ تھے، اور اب بھی وہ زندہ ہیں۔

(۱۲) نزہۃ المجالس جلد ۲ صفحہ ۶۰ میں ہے: رفع اللہ عیسیٰ الی السماء کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(۱۳) انیس الارواح صفحہ ۹ میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ تحریر فرماتے ہیں: "حضرت عیسیٰ از آسمان فرود آید"۔ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے۔

(۱۴) تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۴۱۴ میں مشہور صوفی و مفسر علاؤ الدین خازنؒ نے تحریر فرمایا ہے: ففی ھذا الحدیث دلیل علی ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل فی آخر الزمان فی ھذہ الامۃ و یحکم بشریعۃ محمد ﷺ وانہ لا ینزل نبیاً برسالۃ مستقلۃ ناسخۃ بل یکون حاکماً من حکام ھذہ الامۃ کہ اس حدیث پاک میں اس عقیدہ کی دلیل ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت میں اتریں گے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔ اور اس حدیث میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر بھی مستقل رسالت لے کر نہ اتریں گے جو شرع محمدی کی ناسخ ہو' بلکہ عیسیٰؑ بحالت نبوت یعنی نبی ہو کر بھی اس امت کے حاکموں میں سے ایک اعلیٰ حاکم ہوں گے۔

(۱۵) الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ میں علامہ ابو طاہر قزوینیؒ کا عقیدہ ذکر ہے: قال ابو طاھر القزوینی واعلم ان کیفیۃ رفع عیسیٰ و نزولہ و کیفیۃ مکثہ فی السماء الی ان ینزل من غیر طعام ولا شراب مما یتقاصر عن ادراکہ العقل "کہ اور یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ حضرت

عیسٰیؑ کے اوپر اٹھائے جانے اور ان کے اترنے کی کیفیت اور بغیر کھائے پیے آسمان میں آپؑ کے ٹھیرنے کی کیفیت یہاں تک کہ آپؑ اتریں ان امور میں سے ہے جن کا ادراک کرنے سے عقل قاصر ہے۔

(۱۶) انیس الارواح مطبوعہ نول کشور لکھنؤ صفحہ ۹ میں خواجہ عثمان ہارونیؒ کا عقیدہ نقل فرمایا ہے: محمد بن عبداللہ یعنی امام مہدی بیرون آید از شرق تا غرب عدل وے بگیرد و حضرت عیسٰیؑ از آسمان فرود آید۔

(۱۷) مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۷ اخواجہ محمد پارساؒ کا عقیدہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تحریر فرمایا ہے کہ: "حضرت خواجہ محمد پارساؒ در کتاب فصول ستہ نقل معتمدی آرد کہ حضرت عیسٰیؑ بعد از نزول عمل بہ مذہب امام ابو حنیفہؒ خواہد کرد۔

(۱۸) حضرت قاضی عیاضؒ کا عقیدہ حضرت امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۳ میں تحریر فرمایا ہے: قال القاضی رحمہ اللہ تعالٰی نزول عیسٰیؑ و قتل الدجال حق و صحیح عند اهل السنۃ بالاحادیث الصحیحۃ حضرت عیسٰیؑ کا اتر کر دجال کو قتل کرنا یہ عقیدہ احادیث صحیحہ کی رو سے اہل سنت کے نزدیک برحق اور صحیح ہے۔

(۱۹) شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی نے چہار باب صفحہ ۴ میں تحریر فرمایا: عقیدہ روز قیامت بالشراط و علامات آن کہ در کتب مسطور و مذکور است چنانچہ نزول عیسٰی علیہ السلام و خروج دجال و دابۃ الارض و یاجوج و ماجوج و طلوع آفتاب از طرف مغرب وغیر ذلک ہمہ راست و درست است۔ کہ کتابوں میں جو جو قیامت کے نشان مذکور ہیں سب ٹھیک اور درست ہیں جیسے عیسٰیؑ کا اترنا دجال کا ظہور۔

(۲۰) حضرت معروف کرخیؒ کا عقیدہ علامہ دمیریؒ کی کتاب حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۳۶ میں اس طرح منقول ہے: عن ابی نعیم قال سمعت المعروف

الکرخی ﷺ یقول فاوحی اللہ عزوجل الی جبرئیل علیہ السلام ان ارفع عبدی الی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندے کو میری طرف اٹھالاؤ۔

(۳۱) حضرت شیخ ابو علی زین الدین علی المعیری القنائی نے سراج القلوب صفحہ ۲۰۰ میں نشانہائے قیامت کے زیر عنوان لکھا: قال رسول اللہ ﷺ انہا لن تقوم الساعۃ حتی ترد قبلہا عشر اٰیات فذکر الدخان و الدجال و الدابۃ و طلوع الشمس من مغربہا و نزول عیسی ابن مریم۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دس نشان آنے سے پہلے قیامت برپا نہ ہوگی۔ دھواں' دجال' دابۃ الارض' سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع کرنا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا اترنا۔

اہل تاریخ کے اقوال

(۱) مورخ ابن اثیر نے تاریخ الکامل جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ میں تحریر فرمایا: فرفع عیسی علیہ السلام الی السماء من تلک الروزنۃ بحر حضر۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اس روزن سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔

(۲) مورخ ابن خلدون نے تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ میں تحریر فرمایا: ان المھدی الاکبر الذی یخرج فی اٰخر الزمان وان عیسیٰ یکون صاحبہ ویصلی خلفہ کہ مہدی اکبر جو آخر زمان میں نکلیں گے اور حضرت عیسیٰ ان کے ساتھی ہوں گے اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔

(۳) مورخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۲)

(۴) مورخ ابن عساکر نے تاریخ مدینۂ دمشق صفحہ ۲۷ میں تحریر فرمایا: ان اللہ رفعہ بجسدہ وانہ حی الاٰن و سیرجع الی الدنیا فیکون فیہا ملکا ثم یموت کما یموت الناس کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے جسدِ مبارک سمیت اٹھالیا اور وہ یقیناً ابھی زندہ ہیں اور دنیا کی طرف واپس

آ کر باد شاہت کریں گے۔ پھر دوسرے لوگوں کی طرح وفات پائیں گے۔

⑤ عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۴ میں ہے کہ مورخ ابو القاسم اندلسی نے فرمایا: قال ابو القاسم الاندلسی لاشك ان عیسٰی فی السماء و هو حی کہ اس عقیدہ میں کسی قسم کا کوئی شک شبہ نہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان میں ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

⑥ مورخ مسعودی نے تاریخ مروج الذہب برہامش ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۵۸ میں تحریر فرمایا: رفع اللہ عیسٰی و هو ابن ثلث و ثلثین سنة یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ۳۳ سال کی عمر میں اٹھالیا۔

⑦ مورخ محمد بن سعد نے طبقات کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۶ میں تحریر فرمایا: ان اللہ رفعه بجسده وانه حی الآن و سیرجع الی الدنیا فیکون فیها ملکا ثم یموت کما یموت الناس کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان کے جسدِ مبارک سمیت اٹھالیا اور وہ یقیناً ابھی زندہ ہیں اور دنیا کی طرف واپس آ کر باد شاہت کریں گے۔ پھر دوسرے لوگوں کی طرح وفات پائیں گے۔

⑧ مورخ خادم علی فاروقی نے تاریخ جدولیہ صفحہ ۵۰۹ میں تحریر فرمایا: حضرت عیسٰی ۵۹۱۷ ہبوط آدمؑ میں آسمان پر اٹھائے گئے۔

○ بہر حال حضرت عیسٰی علیہ السلام کے فوت ہوجانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے "موت" کا یہ لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (۳ : ۱۸۵و۲۱ : ۳۵) کے غیر متبدل قرآنی قانون سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ منکرین حیاتِ عیسٰی رفعِ عیسٰی کے قائل اہلِ اسلام پر یہ بے جا الزام تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اہلِ اسلام میں سے کوئی بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے اٹل قانونِ الٰہی سے مستثنیٰ نہیں سمجھتا۔ اور انھیں اس قانونِ الٰہی سے مستثنیٰ سمجھنے والے کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

۵ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (۵: ۷۵)

۶ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (۲۱: ۸)

۷ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (۲۵: ۲۰)

○ مذکورہ بالا تینوں آیات میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس میں ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت واقع ہو چکی ہے۔ مثلاً آیتِ مبارکہ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ میں مرزا قادیانی نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ كَانَا صیغہ ماضی اور تثنیہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ماں بیٹا يَأْكُلَانِ میں بیک وقت داخل ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پر موت واقع ہو اور دوسرا زندہ رہے تو اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتے۔ حالانکہ اس آیت کی ظاہر عبارت سے بھی وفاتِ عیسیٰ ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ آیت اس معنی میں نص ہے جو وفاتِ عیسیٰ کو ثابت کرنے کیلیے مسوق ہو۔ کیونکہ اہلِ اصول کے نزدیک "نص" ما سیق الکلام لا جلہ ہوتی ہے۔ یعنی جس غرض کے لیے کلام چلائی جائے اس کو "نص" کہتے ہیں۔ اور یہ آیتِ کریمہ جس غرض کے لیے چلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ اور یہ رسول ایسا انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ منتخب کر کے تبلیغ احکام کے لیے مخلوق کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔ "الرسول" انسان بعثہ اللہ تعالٰی الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔

○ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام الٰہ نہیں' بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور اس طرح کے بہت سے رسول ان سے پہلے بھی ہو گزرے ہیں' وہ سب ایسے انسان تھے جنھیں اللہ تعالیٰ منتخب کر کے تبلیغ احکام کی غرض سے مبعوث فرماتا رہا۔ تو جب رسول ایک انسان ہی ہوا تو وہ الٰہ کس طرح ہو گیا' جبکہ وہ محتاج ہوتا ہے۔ تو لے نصاریٰ ایک رسول کو اپنا الٰہ بنا لینا عقل اور نقل کے خلاف ہے۔

- اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی والدہ ماجدہ بھی کوئی عام عورت نہیں تھیں، کیونکہ وہ درجۂ ولایت کے سب سے اعلیٰ درجہ مقام صدیقیت پر فائز تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آخر تھیں تو وہ بھی انسان جو محتاج ہوتا ہے' اور جو محتاج ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔
- پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اولوا العزم ماں بیٹا کے بارے میں فرمایا کہ وہ دونوں کھانا بھی کھایا کرتے تھے' اور یہ ان ہستیوں سے نفی الوہیت کی عقلی دلیل ہے کہ وہ تو کھانے کے بھی محتاج تھے وہ اِلٰہ اور معبود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اِلٰہ اور معبودِ حقیقی کھانے کا محتاج نہیں۔ اب اس سے ثابت کرنا کہ یہ دونوں ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے اور جب ان میں سے ایک مر گیا تو اس سے دوسرے کی موت بھی ثابت ہو گئی۔ یہ محض دفع الوقتی اور ٹالنے کی بات نہیں۔ بلکہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ کیونکہ :
- اول تو کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ کے ساتھ معًا یا جمیعًا کا لفظ نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ ہمیشہ اکٹھے ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور :
- دوسرے کہ نام نہاد واقعۂ صلیب کے بعد چھ سال تک حضرت مریمؑ زندہ رہیں۔ اب اگر یہی بات سچ ہو تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر ہی جان دے دی تھی تو اس صورت میں چھ سال تک حضرت مریم کس طرح زندہ رہیں' کیا چھ سال تک انھوں نے کبھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔
- اگر اس کا جواب یہ ہو کہ وہ اس عرصہ میں اکیلی کھانا کھایا کرتی تھیں تو پھر مرزا قادیانی کے اس ہذیانی دعوے کی تردید ہو گئی جس میں وہ حضرت مائی مریم کی موت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔
- اسی طرح اگر عصرِ حاضر کے ان محققین کی بات کو درست مان لیا جائے جو یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر تو چڑھا دیا گیا تھا لیکن ان پر اس وقت موت واقع نہیں ہوئی تھی اور نیم مُردگی کی سی حالت میں انھیں صلیب سے اتار لیا گیا تھا'

پھر علاج معالجہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کی اور کشمیر میں پہنچ کر سکونت اختیار کی اور ایک سو بیس سال کی عمر میں آپ نے انتقال فرمایا' تو اس صورت میں بھی مرزا قادیانی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر حضرت مائی مریم واقعۂ صلیب کے چھ سال بعد فوت ہوئیں تو اس کے بعد تقریباً اکاسی سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر کچھ کھائے پیے کے زندہ رہے۔ اور اگر وہ کھاتے پیتے رہے تو پھر مرزا قادیانی کا دعویٰ غلط ہوا کہ ماں اور بیٹا دونوں ہی ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ کیونکہ اس کے قول کانا یأکلان الطعام "سے بیک وقت دونوں کا کھانا ثابت ہوتا ہے' اگر ان میں سے ایک بھی مرجائے تو دوسرے کا اس کے ساتھ مرنا ضروری ہے۔

○ اسی طرح جب صرف مائی مریم تھیں اور ان کے یہاں ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے' بلکہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھانے کے قابل نہیں ہوئے تھے اُس وقت تک مائی مریم نے بھی کبھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ کیونکہ مرزا قادیانی کے دعویٰ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

○ یا بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ شاید مرزا قادیانی یہ ثابت کرنا چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تثنیہ کا صیغہ اس لیے استعمال کیا ہے کہ ماں اور بیٹا ایک ساتھ ہی پیدا ہوئے' ایک ساتھ ہی جیے اور کھاتے پیتے رہے اور پھر ایک ساتھ ہی مر گئے۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تو زیادتی ہے' مرزا قادیانی ایسا نہیں کہہ سکتا' تو ہم اسے کہتے ہیں کہ وہ مرزا قادیانی کی کتاب ازالۂ اوہام میں وفات مسیح پر دلیل "پانچویں آیت" کا مطالعہ کر کے دیکھ لے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

○ اسی طرح وفات عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل میں محرف قرآن قادیانی نے یہ آیت بھی لکھی ہے: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ لیکن اس سے آگے وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ کو بھی تو پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ جو بات وہ اس آیت کے ابتدائی کلمات ثابت کرنا چاہتا ہے' اور جو بات کانا یأکلان الطعام سے اس نے

ثابت کی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ سب کے سب ایک دم فوت ہوگئے۔ کیونکہ اگر پہلی آیت میں تثنیہ کے صیغہ سے حضرت عیسیٰؑ اور مائی مریمؑ کا ایک ساتھ مرنا ثابت ہوتا ہے تو اس دوسری آیت میں جمع کا صیغہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے سب اجساد ایک ساتھ پیدا ہوئے' ایک ساتھ کھاتے پیتے پھرے اور پھر ایک ساتھ ہی مرگئے۔

○ اسی طرح مرزا قادیانی نے وفات عیسیٰؑ کے ثبوت میں ایک آیت یہ بھی لکھی ہے: وَ مَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ تو اس کا مطلب مرزا قادیانی کے خیال میں تو شاید یہ ہو کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ساتھ ہی زندہ رہے' ایک ساتھ ہی کھاتے پیتے رہے' یہاں تک کہ سب انبیاء ایک ساتھ ہی فوت ہوگئے۔ لیکن کوئی ذی فہم ایسی ناقابلِ فہم بات نہیں کرسکتا۔ کیونکہ:

○ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰) یعنی جب ایک نبی وفات پاجاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اور تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام انسان ہی تھے وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور پھر ان میں سے جب کوئی نبی فوت ہوجاتا تو ظاہر ہے اس کا کھانا پینا بھی ختم ہوجاتا تھا۔

○ لیکن مرزا قادیانی کی طرح کبھی کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ چونکہ قرآن مجید میں لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ صیغہ جمع کا آیا ہے اس لیے اگر ایک کا کھانا ختم ہوا تو سب اس کے ساتھ کھانے سے ہاتھ دھو بیٹھے' یعنی جب ایک نبیؑ مرگیا تو سب پر موت طاری ہوگئی۔ اسی طرح کانا یاکلان الطعام میں بھی مائی مریمؑ کی وفات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی۔

○ نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی میں مختلف انواع و اقسام کی خوراک استعمال کرتا ہے۔ یعنی بچپن میں اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے پھر

جوں جوں وہ بڑا ہوتا جاتا ہے اس کی خوراک میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ پھر جب انسان کامل جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے تو مکمل ٹھوس غذا کھاتا ہے۔ اور جب بوڑھا ہوتا ہے تو اس وقت جوانوں جیسی غذا نہیں کھاسکتا' اور اسے نرم و زود ہضم خوراک دی جاتی ہے۔ لیکن خوراک کی اس تبدیلی سے کوئی مر تو نہیں جاتا۔ اسی طرح بیماروں کی خوراک تندرست لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ طبیب اس کے لیے جو غذا تجویز کرتے ہیں اس سے مریض کو مارنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ نیز خوراک کا استعمال انسان کی زندگی کے لیے شرطِ دائمی نہیں ہے اور نہ ہی علت اور سبب ہے۔ بلکہ یہ ایک عادتِ عرفیہ ہے کہ انسان عموماً تین وقت کھانا کھاتا ہے۔ بعض لوگ دو وقت اور بعض صرف ایک وقت ہی کھانا کھاتے ہیں۔

○ اسی طرح بعض لوگ ایک وقت میں اتنی خوراک کھا کر ہضم کر لیتے ہیں جتنی کہ عام طور پر چار پانچ آدمیوں کی خوراک ہوتی ہے اور اس کے برعکس بعض لوگ بہت معمولی خوراک کھا کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مریضوں کو خون کی نالیوں کے ذریعے مصنوعی طریقے سے غذائی اجزاء پانی میں شامل کرکے استعمال کرائے جاتے ہیں اور اس کا کھانا پینا بالکل بند کر دیا جاتا ہے' اور اسی حالت میں وہ مریض کئی کئی سال تک زندہ رہتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی کے لیے کھانا شرطِ دائمی نہیں۔ بلکہ عادتِ عرفیہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو خرقِ عادت پر بھی قادر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کئی خرقِ عادت امور انبیاءؑ و اولیاءؒ کے ہاتھوں ظاہر فرماتا ہے۔ مثلاً:

① حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے پتھر کی سنگلاخ چٹان میں سے گابھن اونٹنی کا نکلنا۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا کرنا۔

③ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا کا سانپ بن جانا۔ وغیرہا۔

④ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف رضی اللہ عنہم کو کھانے پینے اور رفع حاجت کے

بغیر تین سو نو (۳۰۹) سال تک سُلائے رکھا۔ اس طرح اصحابِ کہف تین صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ کچھ کھائے بغیر مُردے نہیں۔ بلکہ زندہ ہی رہے۔

⑤ اسی طرح خرقِ عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا تھا، جس کا اعتراف خود مرزا قادیانی نے بھی کیا ہے۔ (دیکھئے: تحفہ التشری صفحہ ۱۳۶ و چشمۂ معرفت صفحہ ۹۶ و خطبۂ الہامیہ صفحہ ۴۲ تا ۵۰ و مواہب الرحمٰن صفحہ ۷۷ و ۸۷ و البدر جلد ۱ شمارہ ۱۰ صفحہ ۷۵ و جلد ۲ شمارہ ۱۶ صفحہ ۱۲۲ و جلد ۲ شمارہ ۲۰ صفحہ ۳ و الحکم جلد ۹ شمارہ ۳۲ صفحہ ۲۱ و جلد ۵ شمارہ ۲۳ صفحہ ۱۱ و جلد ۵ شمارہ ۱۴ صفحہ ۵ و ۶ و ڈائری ۱۹۰۱ء صفحہ ۳۶ و ۳۷)

⑥ اسی طرح خرقِ عادت کے طور پر اپنی قدرتِ کاملہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ مع روح و جسد کے آسمان پر اٹھایا، اور پھر وہاں انھیں کسی قسم کی خوراک کے بغیر بھی زندہ رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی غذا کا انتظام فرمایا ہے۔ مرزا قادیانی نے ازالۂ اوہام حصہ ۲ صفحہ ۳۳۲ میں آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھانے اور پیشاب پاخانے کا گستاخانہ ذکر کیا ہے۔ لیکن اس گستاخِ رسولؐ کو اتنا معلوم نہیں ہو سکا کہ اہلِ سماء کی غذا کیا ہوتی ہے۔

اہلِ سماء کی غذا

○ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: رفعه الی السماء فھو فیھا یسبح مع الملئکة (مصنف ابن ابی شیبة جلد صفحہ) اور یہی تسبیح و تقدیس وہاں اس وقت ان کی غذا ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت حافظ ابن قیم جوزیہ حنبلیؒ نے کتاب التبیان طبع قدیم صفحہ ۲۲ و طبع جدید صفحہ ۳۷، اور ہدایۃ الحیاری مع ذیل الفارق طبع مصر صفحہ ۴۳ میں فرمایا: ھذا المسیح ابن مریم حی لم یمت و غذاؤہ من جنس غذاء الملئکة کہ یہ مسیح ابن مریم علیہ السلام زندہ ہیں، ان کی وفات نہیں

ہوئی اور ان کی غذا فرشتوں کی غذا کی قسم میں سے ہے۔ اور فرشتوں کی غذا تسبیح و تقدیس ہے۔ چنانچہ:

○ سیدہ اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دجال آئے گا تو سخت قحط پڑے گا اور دجال اور اس کے متبعین کے سوا کسی کے پاس سے روٹی نہ مل سکے گی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان مبارک سے یہ بات سن کر حضرت اسماءؓ نے دریافت کیا کہ ہم لوگوں کو تو جب تک روٹی نہ ملے صبر نہیں کر سکتے" تو اس وقت مومن بغیر روٹی کے کس طرح زندہ رہیں گے۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یجزئھم مایجزئ اھل السماء من التسبیح والتقدیس (مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۷) یعنی تسبیح و تقدیس جو اہل سماء کی غذا ہے وہی مومنوں کو کافی ہوگی۔ نیز:

○ ابوداؤد طیالسی صفحہ ۲۲۷ میں ہے: فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ یکفی المؤمن یومئذ مایکفی الملئکۃ قالوا فان الملئکۃ لا تاکل ولا تشرب ولکنھا تقدس فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعام المؤمنین یومئذ التسبیح۔ یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن (یعنی ان دنوں میں) مومنین کیلئے صرف وہی غذا کافی رہے گی جو ملائکہ کو کافی ہوتی ہے۔ اس پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ فرشتے تو کھاتے پیتے نہیں، وہ تو محض اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کی اس بات پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس ان دنوں مومنین کی غذا بھی صرف وہی تسبیح ہوگی۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ اہل سماء کی غذا اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس ہے، جس کے لیے نہ تو دنیوی کھانے کی ضرورت ہے اور نہ پاخانے کی۔ جیسا کہ مرزا قادیانی نے گستاخانہ انداز میں لکھا ہے۔ اور شاید اسی گستاخی کے باعث اس کی موت بھی "پاخانوں" میں ہی ہوئی۔

○ بہرحال صرف تسبیح و تقدیس یعنی غذائے سماوی سے انسان کا زندہ رہنا خرقِ عادت ہے۔ جس کا اظہار انبیاء کرام علیہم السلام سے ہو تو اسے "معجزہ" کہا جاتا ہے۔ اور اگر اولیاء اللہ سے ظاہر ہو تو اسے "کرامت" اور عام مومنین سے ظاہر ہو تو اسے "معونت" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی خرقِ عادت کام اگر کسی کافر سے ظاہر ہو تو اسے "استدراج" کہتے ہیں۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں' اس لیے ان کا آسمان پر بغیر کھائے پیے زندہ رہنا "معجزہ" کہلائے گا۔

○ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الیواقیت و الجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر زمین پر اتر آنے تک بغیر کچھ کھائے پیے کے آسمان میں ٹھہرنے کی کیفیت کا ادراک کرنے سے عقل قاصر ہے۔

○ حضرت امام رضی الدین حسن بن الحسن صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشارق الانوار طبع مصر صفحہ ۱۱۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان میں اس زمینی غذا کے کھائے پیے بغیر زندہ موجود ہیں۔

○ اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک خاص معجزہ ہے' جیسا کہ دوسرے انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں سے ایک ایک معجزہ ایسا ہوتا ہے جو ان کی خصوصیت ہوا کرتی ہے۔

۸ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (۵ : ۷۵ و ۳ : ۱۴۴)

○ مرزا قادیانی نے اس آیت کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کے لیے بطورِ دلیل کے پیش کیا ہے۔ ہم اس سے پہلے اس کا صحیح مفہوم لکھ چکے ہیں۔ مزید یہ کہ "خلا" کے معنی "موت" نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر "خلا" کے معنی "موت" ہی ہوں تو ان مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵ : ۲۴) کا مطلب کیا ہوگا۔ جبکہ اس کا معنی ہے کہ کوئی بھی امت ایسی نہیں ہوئی جس

میں کوئی نہ کوئی خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو۔

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ (۷: ۳۸) یعنی اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا کہ جنوں اور انسانوں میں سے دوسری کافر امتیں جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں تم بھی ان ہی میں شامل ہو کر دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

خلت کا معنی

○ اس آیت میں بھی بالکل اسی طرح قَدْ خَلَتْ کا لفظ موجود ہے جس طرح آیت بالا میں آیا ہے۔ لیکن اس کے معنی ماتت نہیں ہیں اور نہ ہی یہاں یہ معنی موزون ہے۔ بلکہ اس مقام پر تو مرزا قادیانی کا بیٹا اور اس کا خلیفہ مرزا بشیر بھی عاجز ہو کر خلت کا معنی موت نہ کر سکا۔ شاید اسے اس کا معنی موت کرتے ہوئے "موت" نظر آتی تھی۔ تبھی تو اس نے اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "جاؤ جا کر آگ میں ان امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گذر چکی ہیں"۔ (تفسیر صغیر از مرزا بشیر جلد ۱ صفحہ ۳۱۴)

○ اب مرزا بشیر کا یہ قول سراسر غلط ثابت ہو گیا جس میں وہ لکھتا ہے کہ: "خلا کے معنی وفات پانے کے ہیں۔ یہ آیت وفات مسیح پر دلالت کرتی ہے"۔ کیونکہ "خلا" کے حقیقی معنی (اصل موضوع لہ) اگر خلو سے ہو تو "گزرنا" اور اگر خلاء سے ہو تو خلوت میں ہونا اور اکیلے ہونا ہیں۔ (دیکھیے کتب لغت) البتہ "موت" کے معنوں میں مجازاً "خلا" کا استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام عربیۃ جار اللہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری رحمہ اللہ نے اساس البلاغۃ صفحہ ۱۷۴ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ نیز جہاں لفظ "خلا" اپنے مجازی معنی "موت" کے لیے استعمال ہوتا ہے تو وہاں اس کے لیے قرینہ صارفہ ضرور موجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو تمام حبیب بن اوس طائی نے دیوان حماسہ صفحہ ۲۲ میں عہد جاہلیت کے شاعر

السموئل بن عادیا الوفا کا یہ شعر تحریر کیا ہے۔ ؎

اذا سید منا خلا قام سید — قئول لما قال الکرام فعول

○ یعنی جب ہمارا کوئی سردار مرجاتا ہے تو دوسرا سردار اس کے قائم مقام ہوجاتا ہے جو کہ شرفاء کے اقوال و اعمال کا حامل ہوتا ہے۔

○ اور جہاں حقیقی معنی نہ متعذر ہوں نہ مہجور بلکہ مستعمل ہوں تو اس جگہ حقیقی معنی ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ یعنی "ہو گزرے ہیں"۔ (دیکھیے جلالین صفحہ ۶۹ تفسیر مدارک برخازن جلد ۱ صفحہ ۱۸۱' بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۶۸' معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۲۹۳' تفسیر جامع البیان صفحہ ۱۸' مختصر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۴۔ خلت بمعنی سلفت۔ جلالین صفحہ ۱۸)

خطبۂ صدیقی کا صحیح مفہوم

○ اور اگر بالفرض یہاں خلت بمعنی موت ہی ہوتا تو مفسرین عظام میں سے کوئی نہ کوئی تو یہ معنی ضرور لکھتا' لیکن کسی نے بھی یہ معنی نہیں لکھا' جبکہ امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ خطبۂ مبارکہ بھی ان کے پیش نظر تھا جو انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ اور وہ خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہاں قد خلت کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس وقت انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی ایک بھی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اور وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں جو زمانہ قرب قیامت میں دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے' اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جو رفع و نزول عیسیٰ سے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل فرماتی ہے ان میں سے اکثر صحابۂ کرام نے امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کو سنا لیکن کسی نے بھی قد خلت کا معنی ماتت نہیں سمجھا' ورنہ کوئی تو یہ کہتا کہ اے امیرالمومنین! ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو زندہ ہیں اور آپ خلاف واقعہ یہ

فرماتے ہیں کہ تمام رسول فوت ہو چکے ہیں۔

○ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ صحابۂ کرامؓ خلت کا معنی ماتت ہی سمجھتے تھے اور حضرت امیر المومنینؓ کا مطلب بھی یہی تھا تو پھر ان صحابۂ کرامؓ نے رفع و نزولِ عیسیٰؑ کی جو روایات بیان فرمائی ہیں اور خصوصاً وہ ارشاداتِ نبویؐ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانوں پر تسبیح و تقدیس کا ذکر ہے تو ان کا مطلب کیا ہوگا۔

۹ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (۲ : ۱۳۴ و ۲ : ۱۴۱)

○ اس آیتِ مبارکہ میں بھی قد خلت کا معنی موت نہیں ہے۔ گزشتہ آیت کے ذیل میں اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔

۱۰ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (۲۱ : ۳۴)

○ اس آیت کو بھی وفاتِ مسیحؑ کی دلیل سمجھ کر مرزا قادیانی نے اپنے زعم میں بڑا تیر مارا ہے۔ حالانکہ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ ان مشرکین و معاندین کے ایک وہم کا جواب دے رہے ہیں۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے متعلق یہ خیال کر کے خوش ہو رہے تھے کہ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے، جب یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں گے، تو ہم سکھی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین و معاندین کا جواب اس طرح دیا کہ ہر ذی حیات کے لیے موت لازمی ہے، خواہ جلد ہو یا طویل ترین مدت کے بعد۔ اور یہ بات بالکل برحق ہے، اس بات کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔

○ اور ہم مسلمان اگر اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ابد الآباد ہمیشہ ہی زندہ رہیں گے بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے تو کچھ مدت وہ زمین پر رہ کر دوسرے لوگوں کی طرح وفات پائیں گے اور مسلمان انھیں غسل دیں گے، کفن دیں گے، ان پر جنازہ پڑھیں گے اور پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس مدینہ منورہ

میں دفن کریں گے۔ (دیکھیے تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۰۳ و تاریخ کبیر از امام بخاری قسم اول جلد ا صفحہ ۲۶۳ و تاریخ مدینہ دمشق صفحہ ۲۷ و جمع الوسائل طبع مصر صفحہ ۵۲۳۔ بروایت سیدنا حضرت عبداللہ بن سلامؓ و سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ و حضرت ابن زیدؓ)

○ بہرحال اس آیت کریمہ کو اپنے عموم پر ہی رکھا جائے گا۔ اس لیے اس کو وفاتِ عیسیٰؑ کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

11 وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا (۱۹ : ۳۱)

○ اس آیتِ مبارکہ سے بھی ممات عیسیٰ والا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس آیتِ مبارکہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں تب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب جبکہ میں ماں کی گود میں ہوں اس وقت بھی نماز پڑھوں اور زکوٰۃ ادا کروں' حالانکہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنی معصوم زبان مبارک سے یہ کلام فرمایا تھا اس وقت ان میں نماز پڑھنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ دودھ پیتا گود کا بچہ نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا' اور نہ ہی اس عمر میں وہ پیسے ٹکے کے مالک تھے کہ زکوٰۃ ادا کرتے۔ البتہ آپؑ کا ماں کی گود میں بولنا خرقِ عادت ہے' جو نبوت ملنے سے پہلے کسی نبی سے صادر ہوتو اسے "ارہاص" کہتے ہیں۔

○ خیر یہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول تھے۔ غیر نبی و غیر رسول بھی نابالغی کے دور میں نماز کا مکلف نہیں ہوتا' بلوغت کے بعد ہی اس پر نماز فرض ہوتی ہے۔ پھر اس کا بھی مختلف حالات میں مختلف حکم ہوتا ہے۔ مثلاً:

○ حالتِ اقامت میں نماز پڑھنے کا جو حکم ہے' حالتِ سفر میں وہ حکم نہیں۔

○ اسی طرح حالتِ صحت میں نماز پڑھنے کا جیسا حکم ہے' مرض میں وہ حکم نہیں۔

○ نیز اسی روئے زمین پر بعض مقامات ایسے ہیں جہاں رات نہیں ہوتی۔ مثلاً بلغار وغیرہ میں عشاء کی نماز کا وقت نہ ہونے کی وجہ سے عشاء کی نماز ساقط

ہے۔ بلکہ اگر دوسرے علاقے کا باشندہ اس علاقہ میں چلا جائے جہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا تو وہ عشاء کی نماز نہ پڑھے گا' بلکہ واپس اپنے علاقے میں آکر قضاء بھی نہیں۔ کیونکہ نماز موقت ہے۔ جب وقت نہیں تو نماز بھی نہیں۔ اور وقت کا تعلق سورج کے طلوع و غروب سے ہے' اور جہاں سورج ہے ہی نہیں وہاں کونسا وقت اور کونسی نماز۔

○ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں' جہاں سورج نہ ہونے کی وجہ سے دن رات بھی نہیں ہیں' وقت ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس حال میں وہاں تشریف لے گئے تھے اسی حالت میں واپس تشریف لائیں گے۔ چنانچہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پالے تو انھیں میرا سلام کہے۔ اور پھر ان کی علامت بتلاتے ہوئے فرمایا: فانہ شاب وضیئ احمر کہ وہ جوان اور نہایت صاف ستھرے' پاکیزہ اور خوبصورت سرخ رنگ کے ہوں گے۔

○ بہرحال آسمان پر دن رات میں وقت کی تقسیم نہیں' اس لیے وہاں کوئی نماز نہیں۔ البتہ وہ نماز کی بجائے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں ضرور مشغول رہتے ہیں۔ جیسا کہ فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ ایام حیض و نفاس میں عورت کو چاہیے کہ وہ نماز کے بدلے جانماز پر بیٹھ کر تسبیح و تہلیل کرتی رہا کرے' تاکہ عادت قائم رہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ قیام آسمان کے دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہی نمازوں کی قائم مقام ہو۔ البتہ از روئے احادیث مبارکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تسبیح و تقدیس تو بہرحال کرتے ہیں' جوان کے لیے غذا کے قائم مقام ہے۔

○ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح مسافر کو دو رکعتیں معاف ہوجاتی ہیں ایسے ہی زمینی مسافر جب آسمان پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نماز میں تخفیف

کرکے صرف تسبیح و تہلیل کو اس کا قائم مقام کر دیا ہو۔

○ بہرحال یہ سب امکانی صورتیں ہیں۔ لیکن جس وقت زمانہ قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس زمین پر تشریف لائیں گے تو اس وقت بدستور سابق شریعتِ محمدیہ ﷺ کے موافق پنجگانہ نمازیں ادا فرمایا کریں گے۔ کیونکہ:

○ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ إِلَّا اتِّبَاعِيْ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حیات ہوتے اور میری بعثت کے بعد تشریف لاتے تو میری پیروی کے بغیر انہیں بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

○ اسی طرح زکوٰۃ کے لیے صاحبِ نصاب اور غنی ہونا شرط ہے۔ اور اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ بھی نہیں ہوگی' تو اس آیتِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ میں صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ بھی دیا کروں گا۔ نیز جس طرح زکوٰۃ دینے والے کا صاحبِ نصاب ہونا شرط ہے اسی طرح زکوٰۃ لینے والے کا مستحق اور حاجت مند ہونا بھی شرط ہے۔ اگر زکوٰۃ لینے والا حاجت مند نہیں تو اسے زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

○ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں قیام پذیر ہیں جہاں کوئی پیسہ ٹکا نہیں' اور نہ کوئی حاجتمند ہے۔ کیونکہ وہاں تو فرشتے ہیں جو مالِ دنیا سے مستغنی ہوتے ہیں' اس لیے اب زکوٰۃ دینے اور لینے کا کوئی مطلب نہیں۔

○ اس آیتِ مبارکہ میں زکوٰۃ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب آپؑ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور وہ صاحبِ نصاب بھی ہوں تو زکوٰۃ ادا کیا کریں گے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمین پر مالِ دنیا سمیٹنے کے لیے تو تشریف لائیں گے نہیں' تو اس آیتِ کریمہ کا صحیح مطلب یہ ہوگا کہ وہ دولت مند اور صاحبِ نصاب لوگوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم فرمائیں گے۔

○ بہرحال اس آیتِ مبارکہ سے وفاتِ عیسیٰؑ کا اثبات کرنا محض دھوکہ اور سینہ زوری ہے۔

۱۲ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔ (۱۹ : ۳۳)

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی "ارہاص" کے طور پر شیر خوارگی کے زمانہ میں ماں کی گود کا ہے۔ اور اس فرمانِ ذی شان کا مطلب یہ ہے کہ میری پیدائش کے وقت بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سلامتی رہی اور میرے مرنے اور قیامت کے روز دوبارہ جی اٹھنے کے وقت بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہی رہے گی۔

○ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمانۂ شیر خوارگی میں دراصل اہلِ کتاب یہودیوں کو اس بات پر مطلع فرمایا تھا کہ جس طرح میری ولادت خلافِ عادت ہوئی تھی اسی طرح جب میری نبوت کے منکر یہودی مجھے گرفتار کرکے قتل کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ مجھے ان کے ہاتھوں گرفتار اور ذلیل و خوار ہونے سے بھی بچائے رکھے گا' جیسا کہ یہودیوں کی یہ پرانی عادت چلی آرہی ہے کہ انبیاءِ کرام پر طرح طرح کے بہتان لگا کر انھیں قتل کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے میری پیدائش کی طرح میری موت بھی خلافِ عادت اس طرح ہوگی کہ جب منکرین مجھے قتل کرنے کی غرض سے گرفتار کرنے کے لیے بلوہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ مجھے مع روح و جسد کے آسمان پر اٹھالے گا اور پھر زمانہ قربِ قیامت میں دوبارہ مجھے زمین پر لوٹائے گا۔ اور پھر جب اسے منظور ہوگا تو سلامتی کے ساتھ مجھے موت دے گا۔ اور اس کے بعد جب قیامت میں سب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا تو اس وقت بھی خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سلامتی کے ساتھ مجھے زندہ کیا جائے گا۔

○ نیز السَّلٰمُ کے لفظ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کی وجہ سے انھیں لعنتی قرار دیتے ہیں' ان کے اس بے ہودہ قول کا رد ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب صلیب کے قریب ہی نہیں گئے اور نہ انھیں یہودی گرفتار کر سکے تو وہ لعنتی کیونکر ہو گئے۔ انھیں تو سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا۔

اور لعنت کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے کا جھوٹا قصہ بیان کرتے ہیں' خواہ وہ صلیب پر ان کے مرنے کا قول کریں' یا یہ کہیں کہ وہ صلیب سے زندہ ہی اتار لیے گئے تھے۔ جو کوئی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کا قائل ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے لعنت کا مستحق ہے۔

○ اناجیل اربعہ میں مکار یہودیوں نے ایک فرضی یسوع کو گرفتار کرنے کے بعد جس طرح اس کی درگت بنانے اور صلیب پر چڑھانے کا واقعہ لکھا ہے لے کسی طرح بھی سلامتی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعی یہودیوں نے کسی شخص کو پکڑ کر صلیب پر چڑھایا تھا تو وہ واقعتاً کوئی اور شخص تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز نہیں تھے۔

○ یاد رہے کہ اس آیت مبارکہ میں صراحۃً موت کا لفظ موجود ہے' جو حیات کے مغایر ہے' اور اس سے وہی موت مراد ہے جو بعد از نزول ان پر واقع ہوگی' یہاں توفی کا لفظ نہیں ہے جس کا صحیح معنی ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں ابتداء اور پھر انتہاء کا ذکر ہے اور درمیانی حالت جو ان دونوں یعنی پیدائش اور موت کے درمیان ہے یعنی توفی و رفع آسمانی تو وہ خود بخود اس کے ضمن میں آگئی۔ جیسے:

○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۲: ۸) میں ابتداء و انتہاء کا ذکر ہے۔ درمیان میں تمام ایمانیات ضمناً آگئے یعنی وہ لوگ رسولوں' کتابوں' ملائکہ اور تقدیر پر بھی ایمان کا زبانی دعویٰ کرتے تھے۔

○ بہرحال اس آیت سے مرزا قادیانی کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔

۱۳ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ ..... (۲۲: ۵)

○ مرزا قادیانی نے اس آیت مبارکہ سے بھی وفات عیسیٰ پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم میں سے بعض عمر طبعی

سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں' یہاں تک کہ ارذلِ عمر کی طرف رد کیے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ اس آیت میں عادت اللہ کا ذکر ہے۔ لیکن مرزا قادیانی نے اسے سنت اللہ قرار دے کر سادہ لوح عوام کو دھوکے سے اپنا دعویٰ منوانے کی کوشش کی ہے۔

○ حالانکہ اس کا یہ دعویٰ سراسر باطل ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب جسم اطہر سمیت آسمان پر تشریف لے گئے تو اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی' اور اب بھی وہ ۳۳ سال کے نوجوان ہی ہیں۔ کیونکہ آسمان پر جا کر حالت متغیر اور تبدیل نہیں ہوتی۔ اگر جوان آدمی وہاں پہنچ گیا تو اب چاہے دس ہزار زمینی سال گزر جائیں وہ جوان ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو ہم تک پہنچانے والے سب سے بڑے محدث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے اگر کسی کی ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہو جائے تو انھیں میرا سلام کہنا۔ اور پھر ان کی علامت بتلائی : فانہ شاب وضیئ احمر کہ وہ جوان اور نہایت صاف ستھرے پاکیزہ اور خوبصورت سرخ رنگ کے ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۷)

○ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و فرمودات کی روشنی میں ہی یہ بات ارشاد فرمائی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان میں پہنچنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک ان کے جسم اطہر میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ اور جب آپ زمین کی طرف نزول فرمائیں گے تو ۳۳ سالہ جوان ہی ہوں گے۔ پھر چالیس سال کی عمر پا کر یعنی ادھیڑ عمر میں وفات پائیں گے۔ یعنی ارذلِ عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جائیں گے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰)

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارذل یعنی ناکارہ عمر کی نشانی بھی بتلائی ہے:
کَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا (۱۶ : ۷۰ و ۲۲ : ۵) کہ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ جانتے بوجھنے کے بعد پھر سے لاعلم و انجان ہوجاتا ہے۔ اور عموماً یہ حالت اسی سال کے بعد آتی ہے۔ چنانچہ:

○ کفایۃ الحفظ صفحہ ۲۳ میں ہے کہ ۵۰ کے بعد ۸۰ سال تک انسان "شیخ" ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد "ھِمّ" ہوجاتا ہے۔ پھر جب بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل جاتی رہتی ہے تو اسے "خرف" کہتے ہیں۔ اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے ناکارہ عمر قرار دیا ہے۔ جبکہ "کہل" میں عقل نہایت پختہ ہوتی ہے۔ جو کہ امام اللغۃ ابو منصور ثعالبی کے بقول ۴۰ سے ۶۰ سال تک آتی ہے۔ اور اس سے پہلے تیس سے چالیس سال تک کے جوان آدمی کے لیے "شاب" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (دیکھیے فقہ اللغۃ باب ۱۴ صفحہ ۹۰)

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا فریضہ سونپا تو اس وقت آپ تیس سالہ "شاب" یعنی جوان تھے۔ اور اسی جوانی کے عالم میں بعمر ۳۳ سال آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا پھر جب وہ اس زمین پر دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہی ۳۳ سال کی عمر ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ چالیس سالہ "کہل" یعنی ادھیڑ عمر کے آدمی ہوجائیں گے تو اس وقت بھی لوگوں کو حضرت نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق دعوت و تبلیغ کریں گے اور وَ (یُکَلِّمُ النَّاسَ) کَہْلًا کا مطلب یہی ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ (دیکھیے تفسیر خازن صفحہ ۲۲۹)

۱۲ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (۲ : ۳۶)

○ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک معین وقت تک تمہیں زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ حاصل کرنا ہے۔ مرزا قادیانی نے اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور نفی رفع الی السماء پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ

بھی ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو زمین کے کسی پہاڑی یا میدانی علاقہ کو اپنا مستقر بنائے رکھنا اور اس سے آگے پیچھے نہ ہونا تو ضروری نہیں۔ کیونکہ :

○ ہوائی جہاز کا مسافر زمین سے ہزاروں فٹ بلند پرواز کرتا ہے' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اب تو ہزاروں بلکہ لاکھوں میل کی بلندیوں پر لوگ پہنچ جاتے ہیں۔ کرۂ ارضی سے لاکھوں میل دور چاند پر بھی جھنڈے گاڑ آئے ہیں' اور ان میں قوتِ ایمانی کا جو حال ہے اسے بھی سب جانتے ہیں' اور مرزا قادیانی کہتا ہے کہ تیس چالیس ہزار فٹ سے آگے کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور اپنے اسی دقیانوسی خیال سے اس نے یہ تصور کرلیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر جا ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ جو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے کنواری غیر ممسوسہ کے بطن سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انھیں کفار یہودیوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کے لیے آسمان پر اٹھا لے جانے پر بھی قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کفر ہے۔

○ نیز ہمارے ہادی و رہبر محبوبِ الٰہی نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آسمانوں سے کہیں اوپر تک ہو آئے تھے' جنت و دوزخ کا مشاہدہ بھی کیا تھا' اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں' یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ البتہ :

○ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس روحانی معــراج کا ذکر فرماتی ہیں وہ مدنی دور کا واقعہ ہے' جبکہ جسمانی معراج کا واقعہ مکی دور میں پیش آیا تھا' جو ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

○ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں عارضی قیام فرما کر واپس اسی زمین پر تشریف لائیں گے' زمینی حساب سے خواہ دس بیس ہزار سال بیت جائیں مگر آسمان پر رہنے سے ان میں کچھ تغیر واقع نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپؑ کی پہچان بتائی گئی ہے : فانه شاب۔ پھر جب وہ زمین پر تشریف

لائیں گے تو وہی ۳۳ سال کے جوان ہوں گے پھر اپنی عمر کے پنتالیس سال پورے کر کے ایام کہولت میں وفات پائیں گے۔ اور حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس دفن کیے جائیں گے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے۔

○ اور منطقی اصطلاح میں اس طرح کہنا چاہیے کہ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ قضیہ مطلقہ عامہ موجبہ ہے۔ جس میں حکم اس طرح کا ہوتا ہے کہ نسبت محمول کی موضوع کی طرف بالفعل متحقق ہو۔ یعنی فی الجملہ۔ اور یہ قضیہ دائمہ مطلقہ نہیں کہ جس میں نسبت محمول کی موضوع کی طرف دائمی ہوتی ہے۔ یعنی جب تک ذات موضوع کی موجود ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی جہت مذکور نہیں 'نہ ضرورۃ نہ دوام نہ کوئی اور۔

۱۵ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (۳۶ : ۶۸)

○ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس شخص کی عمر ہم زیادہ کر دیتے ہیں تو ہم اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں۔ یعنی جب کسی کو زیادہ بوڑھا کر دیتے ہیں تو اس کی خلقت یعنی حسی قوتیں 'دیکھنے اور سننے کی طاقت' سوچنے سمجھنے اور بولنے کی طاقت۔ حتیٰ کہ اس کے حسن و جمال اور چہرے کی بناوٹ وغیرہ میں بھی تغیر پیدا کر دیتے ہیں' بوڑھا بھی بچوں کی طرح نازک مزاج اور جوانوں کے سہارے کا محتاج ہو جاتا ہے۔

○ جب اس قسم کا تغیر اور حواس و اعضاء میں انقلاب مشاہد ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ آدمی سب کچھ جانتے کے بعد پھر سے انجان ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذی شان بالکل برحق ہے' اور جو شخص اس فرمان الٰہی کو ماننے سے انکار کرے وہ کافر ہے۔

○ لیکن اس کے باوجود یہ آیت مبارکہ وفات مسیح کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ سال کے عالم شباب میں زمین سے آسمان پر

اٹھائے گئے' اور ہزاروں زمینی سال گزرنے کے بعد جب وہ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو ان کی عمر وہی ۳۳ سال ہوگی۔ اور پھر وہ یہاں عکومت بھی کریں گے اور شریعتِ محمدیہ کی تبلیغ بھی فرمائیں گے۔ حتی کہ وہ کہولت کی عمر تک پہنچ جائیں گے اور بوڑھے ہونے سے پہلے عالمِ کہولت میں ہی فوت ہوں گے۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے زندگی کی جو حد مقرر فرمائی ہے اس پر کسی کو بھی مطلع نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی کسی کو یہ بتلایا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے فلاں سال میں عقل کو خیرباد کہہ کر بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگتا ہے اور پھر فلاں معین سال میں فوت ہوجاتا ہے۔ کیونکہ:

○ انسانی تاریخ میں ایسے لاتعداد لوگ موجود ہیں جن کو طوالتِ عمر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے عزت و شہرت اور فہم و فراست بھی عطا فرمائی ہے۔ اور ان کی عقل میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ مثلاً:

①	امام محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد و یہ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری	۸۴ سال
②	امام محمد بن جریر بن یزید طبری	۸۶ سال
③	امام عبداللہ بن عدی ابو احمد جرجانی	۸۸ سال
④	امام احمد بن محمد بن غالب برقانی	۸۹ سال
⑤	امام احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی	۹۳ سال
⑥	امام احمد بن ابراہیم ابو بکر اسماعیل	۹۴ سال
⑦	امام محمد بن عبداللہ بن سلیمان حضرمی شیخ الطبرانی	۹۵ سال
⑧	امام ابو یوسف بن عبدالبر اندلسی	۹۵ سال
⑨	سیدہ اسماء بنت امیر المؤمنین سیدنا امام ابو بکر صدیق	۱۰۰ سال
⑩	امام ابو عبدالرحمٰن قاضی خالد بن زیاد ازدی	۱۰۰ سال
⑪	امام سلیمان بن احمد ابو القاسم طبرانی	۱۰۰ سال

(۱۲)	سیدنا حسان بن ثابت بن منذر بن حرام انصاری خزرجی	۱۲۰سال
(۱۳)	سیدنا حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ مولود کعبہ	۱۲۸سال
(۱۴)	شاعر ظرافت اشعب مدنی	۱۵۰سال
(۱۵)	سیدنا لبید بن ربیعۃ العامری رضی اللہ عنہ	۱۵۷سال
(۱۶)	سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (نام سابق اور روزبہ)	۳۰۰سال

(۱۷) اسی طرح مشہور ایرانی بادشاہ جمشید بن طمورث کی عمر بھی بہت ہوئی ہے بعض اہل تاریخ کہتے ہیں کہ اس نے سات سو سال تک حکومت کی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس نے ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے۔

(۱۸) اسی طرح آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ سال تک تو صرف احکام الہیہ کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا' جس پر قرآن مجید بھی شاہد ہے۔ اور اس میں تاویل اور ہیرا پھیری کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ جبکہ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی فہم و فراست میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آئی۔ کیونکہ: انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام خواہ کتنی ہی لمبی عمر پالیں تب بھی وہ ارذل و ناکارہ عمر تک نہیں پہنچے۔

○ اسی طرح لاتعداد لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کی عمریں طول طویل ہوئیں' مورخ محمد بن حبیب نے المحبر صفحہ ۲ و ۳ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

○ اسی طرح در منقود صفحہ ۲۶۱ تا ۲۷۵ مطبوعہ افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور اور مشکل الآثار میں متعدد معمرین کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۶ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً۔۔۔۔
(۳۰: ۵۴)

○ اس آیت مبارکہ سے مرزا قادیانی نے وفات مسیح پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی ذکر نہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر قسم کا تصرف کرنے میں ذات باری تعالیٰ

ہی آزاد و خود مختار ہے۔ وہ جب چاہتا ہے نیست کے ہست ضعیف کے قوی اور قوی سے ضعیف کرتا ہے۔ کوئی اور ہستی ایسی نہیں جو کسی درجہ میں اس کے کسی کام میں رکاوٹ ڈال سکے۔

○ قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ سے خود مرزا قادیانی نے انحراف کرکے اپنے ہاتھوں سے لعنت و کفر کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ کیونکہ وہ اس آیتِ مبارکہ کے اصل مقصد یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ کی خود مختاری اور آزادی پر پابندی لگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالے۔

○ مرزا قادیانی نے اس آیت سے جو مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے اس کے مطابق اس آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ہر ہر فرد انسان کو اللہ تعالیٰ ناتوانی کی حالت میں پیدا کرکے توانائی دیتا ہے۔ پھر توانائی کے بعد ناتوانی اور ضعیفی دیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اس وقت تک بالکل مر نہیں سکتا جب تک کہ وہ جوانی، کہولت اور بڑھاپا نہ دیکھ لے۔ حالانکہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بعض تو بچپن ہی میں فوت ہوجاتے ہیں، اور بعض جوانی میں، بعض کہولت میں اور بعض بوڑھے ہوکر مرتے ہیں جبکہ بڑھاپے کی انتہائی مدت معین کرنا ممکن نہیں۔

○ عام طور پر واقعی عادت الہیہ اسی طرح ہے۔ لیکن یہ سنت اللہ نہیں ہے۔ جس میں تغیر تبدل نہیں ہوسکتا۔ مرزا قادیانی کے متبعین جانتے ہیں کہ خود مرزا قادیانی عام عادتِ الہیہ کے خلاف توام (جڑواں) پیدا ہوا تھا، یعنی "مرزا" کے ساتھ ایک "صاحبہ" بھی پیدا ہوئی، جو بچپن ہی میں مر گئی تھی۔

○ اگر اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون اور سنت اللہ یہ ہو کہ ہر انسان پہلے ناتواں ہوتا ہے اور ہر انسان توانائی اور جوانی کی بہاریں دیکھتا ہے اور ہر انسان بڑھاپے

کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہی مرتا ہے تو پھر "مرزا" کے ساتھ پیدا ہونے والی اس کی بہن "صاحبہ" (نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے "صاحبہ" لکھا گیا ہے "یعنی کوئی صاحبہ"۔ اس کا کوئی اور مطلب ہرگز نہ لیا جائے۔) اگر انسان تھی اور یقیناً انسان تھی تو وہ اس اٹل قانونِ الٰہی سے مستثنیٰ کس طرح ہو گئی۔ البتہ اگر وہ مرزا قادیانی کے ساتھ ہی مرتی تو شاید اس کے متبعین اسے بھی مرزا قادیانی کے دعویٰ وفاتِ عیسیٰ کی ایک وزنی دلیل سمجھ لیتے۔

۱۷ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ (۱۰ : ۲۴)

۱۸ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ (۳۹ : ۲۱)

- ان آیتوں سے بھی مرزا قادیانی کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا' کیونکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں۔ بلکہ یہاں تو عام طور پر انسانی زندگی کے آغاز و انجام کا نمونہ بیان کیا گیا ہے' اور بتلایا گیا ہے کہ انسان جتنا بھی مال دار' قوی اور طویل العمر ہو جائے آخر کار اسے فنا ہونا ہے۔ اور یہ بالکل حق ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔
- اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی مختلف ادوار آئے اور آئیں گے۔ بلکہ دوسرے انسانوں سے زیادہ' کیونکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے البتہ حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات تمام آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے جہاں اور کوئی نبی نہیں پہنچا۔ یہ اپنی اپنی خصوصیات اور انعاماتِ الٰہیہ و معجزات ہیں۔
- نیز وفاتِ عیسیٰ کے لیے بطورِ استدلال یہ آیتیں اس لیے بھی پیش نہیں کی جا سکتیں کہ یہ بطورِ تمثیل اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں اور تمثیل کو نہ تو اہلِ منطق ہی دلیل قطعی مانتے ہیں اور نہ اہلِ اصول۔ لہٰذا ان آیتوں سے مرزا قادیانی کے دعوے کا اثبات قطعی طور پر نہیں ہو سکتا۔

۱۹ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (۲۳ : ۱۵)

○ اس آیت کریمہ کا انکار تو کوئی کافر ہی کر سکتا ہے۔ لیکن اس آیت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے مرزا قادیانی نے یہ آیت اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کی ہے۔ اس آیت کریمہ کا مطلب تو بس یہ ہے کہ ہر انسان اپنا اپنا وقت گزار کر وفات پا جائے گا۔ اور یہ ایک ایسا قانونِ الٰہی ہے جس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کلیہ سے خارج نہیں' وہ زمین پر تشریف لانے کے بعد ایک نہ ایک دن ضرور وفات پائیں گے' جیسا کہ بارہا لکھا جا چکا ہے۔ مگر مرزا قادیانی کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی اس کے سینکڑوں سال پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے تھے۔ لیکن مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ اس آیتِ مبارکہ کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔ یہ محض تحکم و سینہ زوری ہے۔

۲۰ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (۱۶ : ۲۱)

○ مرزا قادیانی نے اس آیت کریمہ کا معنی غلط کیا اور پھر اس غلط معنی کی رو سے وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق اپنے باطل دعوے کا اثبات کرنے بیٹھ گیا۔ کیونکہ اموات جمع ہے میت کی۔ اور میت صرف اس کو ہی نہیں کہتے جو پہلے سے مر چکا ہو۔ بلکہ جو ابھی زندہ ہے اور اسے مرنا ہے۔ اور موت کے بغیر اسے چارۂ کار نہیں تو اسے بھی میت کر دیتے ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہجرت سے پہلے مکی دور میں اِنَّكَ مَيِّتٌ فرمایا ہے۔ جبکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زندہ موجود تھے۔ لہٰذا میت کا یہ معنی ہی نہیں جو مرزا قادیانی نے سمجھ لیا۔

○ نیز اس آیت کریمہ کا یہ معنی بھی درست نہیں کہ مشرکین جن جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا حاجات و مشکلات میں پکارتے ہیں وہ سب کے سب مر چکے ہیں۔ کیونکہ

مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں ان میں فرشتے بھی شامل ہیں جو ابھی مرے نہیں ہیں بلکہ یہ فرشتے قیامت میں نفخۂ اولیٰ کے وقت مریں گے۔

○ اس لیے اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جن کو یہ مشرک لوگ پکارتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی موت سے چارۂ کار نہیں۔ کیونکہ اگر ان میں سے کوئی زندہ بھی ہے تو آخر کار ان پر موت آئے گی۔ ان کی زندگی جاودانی نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ نہ میرندہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی اکیلی ذات ہے۔

○ اسی طرح غَيْرُ أَحْيَاءٍ کے معنی ہیں: وہ ہستیاں ایسی نہیں ہیں جن کی زندگی ذاتی اور ان کے اپنے اختیار میں ہو۔ بلکہ ان کی جان بھی دیگر مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہوتی ہے۔

○ آیت کریمہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ: مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا نوری، ناری یا خاکی وغیرہ مخلوق میں سے جن جن کو پکارتے ہیں، ان کے قبضہ میں تو خود اپنی موت و حیات بھی نہیں، ان کو موت سے چارۂ کار نہیں لا بد لهم من الموت، ان میں سے بعض تو وفات پا چکے ہیں اور بعض عنقریب وفات پانے والے ہیں۔

۲۱ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (۳۳:۴۰)

○ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کے مصداق اپنی نام نہاد نبوت کا مدعی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر آیات قرآنی میں تحریف کر کے دلائل دینے بیٹھا تو اپنے جھوٹے دعویٰ وفات مسیح علیہ السلام پر وہی آیت لکھ دی جو کہ مسلمان اس کے دعویٰ نبوت و رسالت کے رد میں پیش کرتے ہیں۔

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ البتہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے رسول ہیں جن کی آمد پر تمام نبیوں کی شریعتوں کو ختم کر دیا گیا اور ان کے بعد قیامت تک کسی کو بھی نبوت کے عہدہ سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔

○ مرزا قادیانی نے اس آیتِ کریمہ کا معنی کیا ہے کہ: "بعد ہمارے نبی ﷺ کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا"۔ مگر یہ اس کا سوءِ ظن اور غلط فہمی ہے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ تشریح اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین، تبع تابعین، مفسرین، محدثین، اہلِ لغت اور اہلِ عقائد رحمہم اللہ تعالیٰ کی تفسیر و تشریح کے خلاف اس کا اپنا خانہ ساز معنی ہے جو سراسر زندقہ اور بے دینی ہے۔

○ اس آیتِ کریمہ کا معنی جو اکابرینِ امت اور قرآن و حدیث کے ماہرین نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اب قیامت تک کسی اور شخص کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سب کے بعد نبوت و رسالت کے عہدہ سے سرفراز فرما کر انھیں سب نبیوں کا سردار بنایا گیا ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے تقریباً چھ صدیاں پہلے عہدۂ نبوت پر متمکن فرما دیا تھا۔ اور وہ اس وقت کے آخر عمر تک برابر اس وصفِ نبوت و رسالت کے متصف ہیں۔ اور جب وہ دوبارہ قربِ قیامت میں اس زمین پر تشریف لائیں گے تو باوجودیکہ وہ نبی اور رسول ہیں پھر بھی وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا اتباع کریں گے' شرعِ محمدی کی اتباع سے نبی کی نبوت چھن نہیں جاتی۔ جیسا کہ:

○ حضرت ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ (۱۹ : ۵۳) لیکن یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماتحتی میں وزیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ (۲۰ : ۲۹) جس سے ان کی اپنی نبوت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

○ اسی طرح نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں اس ناسوتی دنیا کے وجود سے پہلے عالمِ ارواح میں تمام انبیاء و رسل سے میثاق اور پختہ عہد لیا گیا تھا کہ جب بھی تمہارے پاس بڑی شان والا رسول یعنی حضرت

محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو تم ان پر ایمان لانا۔ اور ان کی نصرت بھی ضرور کرنا۔ (۳: ۸۱)

○ یہی وجہ ہے کہ سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی۔ یعنی میری بعثت کے بعد اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہوتے تو میری اتباع اور پیروی کے بغیر انھیں بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔

○ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وفات پا کر ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں' جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ اور آسمان پر بجسدہٖ و روحہٖ موجود ہیں اور قرب قیامت میں دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو اس وقت حضرت رسول ﷺ کے فرمان اور میثاقِ الٰہی کے مطابق شریعت محمدیہ ﷺ کی اتباع اور پیروی کریں گے۔ لیکن اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی نبوت و رسالت میں کوئی نقص اور کمی واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد بھی نبوت کی صفت سے متصف ہوں گے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۴ سطر ۵۔۸)

○ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت و صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا' جس کی بدولت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سب سے عظیم الشان صحابی ہونے کی سعادت بھی نصیب ہو گئی۔ اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور دوسرے تمام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے بلند مرتبہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ یہ خلفاء راشدین تو صحابی رسول ہونے کے باعث اپنا مخصوص بلند مقام رکھتے ہیں' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صحابی رسول کا مقام حاصل ہونے سے تقریباً چھ سو سال پہلے نبوت و رسالت کا اعلیٰ مرتبہ مل چکا تھا' اور ان کی شریعت منسوخ ہو چکنے کے باوجود وہ اس مقام و مرتبہ سے سرفراز ہیں اور بدستور نبی و

رسول رہیں گے۔ اور قربِ قیامت میں جب وہ زمین پر نزول فرمائیں گے تو باوجود نبی و رسول ہونے کے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا اتباع اور پیروی کریں گے اور اسی کی تبلیغ و اشاعت کریں گے اور پوری دنیا پر اسلامی پرچم لہرا دیں گے اور وہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے آخری خلیفۂ راشد ہوں گے۔

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظیم الشان خلافت اور ان کی عظمتِ شان کے بارے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا آخری خلیفہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ اس کے اعلیٰ مقام کو نہ تو حضرت ابوبکرؓ پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی حضرت عمرؓ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۸)

○ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین، محدثین، مفسرین، فقہاء کرام، صوفیاء عظام اور علمِ عقائد کے ماہر علماء رحمہم اللہ کا اس بارہ میں اتفاق و اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمانہ قربِ قیامت میں آسمان سے نزول فرمانے کے بعد شریعتِ محمدیہ ﷺ کے مطابق فیصلے فرمائیں گے، خانہ کعبہ شریفہ کی طرف منہ کرکے شریعتِ محمدیہ ﷺ کے مطابق نماز پڑھا کریں گے اور شریعتِ محمدیہ ﷺ پر پورا پورا عمل کریں گے۔ کہ گویا یہ بھی امتِ محمدیہ ﷺ ہی کے ایک فرد ہیں۔ اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے عمل سے شریعتِ محمدیہ ﷺ کی تائید و نصرت فرمائیں گے۔

○ لیکن اس کے باوجود وہ بدستورِ سابق نبوت و رسالت کی صفت سے متصف بھی رہیں گے۔ اس لیے کہ کسی سابق نبی کی نبوت کا باقی رہنا عقیدۂ ختمِ نبوت کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا شریعتِ محمدیہ ﷺ پر عمل کرنا تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت کے عقیدہ کو مزید تقویت پہنچائے گا۔

○ یہی وجہ ہے کہ عظیم الشان صاحبِ شریعت نبی و رسول حضرت عیسیٰ ابن مریم

علیہ السلام آسمان سے نزول فرمانے کے بعد اپنی منسوخ شدہ شریعت پر عمل کرنے کی بجائے شریعت محمدیہ پر عمل کرنے کو ہی اپنے لیے باعث نجات سمجھیں گے۔

○ نیز ان کے اس عمل سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد ان سے پہلے کی سب شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

○ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے ختم نبوت کا مفہوم اور زیادہ واضح ہو جائے گا کہ "آخری نبی" سے مراد وہ نبی ہے جسے سب سے آخر میں عہدۂ نبوت سے مشرف کرکے مبعوث کیا گیا ہے۔

○ اسی طرح نزولِ عیسیٰ سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ واقعی اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ کوئی نیا نبی مبعوث نہ ہوگا۔ یعنی بعثت کی نفی ہے آنے کی نہیں۔

○ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خروج دجال کے بیان میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دجال آئے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی آسمان سے اتریں گے اور لُد کے مقام پر مسیح الدجال کو قتل کریں گے' جو ملکِ شام کے علاقہ سامریہ میں بحیرۂ روم سے کچھ دور جانب مغرب ہے۔ اس کے بعد مزید حالات بتلاتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے فرمایا: ويحصر نبي الله عيسى عليه السلام واصحابه..... فيرغب نبي الله عيسى واصحابه..... ثم يهبط نبي الله عيسى عليه السلام واصحابه..... فيرغب نبي الله عيسى عليه السلام واصحابه.

○ یعنی ایک ہی خطاب میں حضرت نبی کریم ﷺ نے چار مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "نبی اللہ" فرمایا' اور یہ لفظ اس وقت کے بارے میں فرمایا جب قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر تشریف لائیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ اس وقت بھی نبی ہوں گے۔ عہدۂ نبوت آپ سے چھن نہ جائے گا۔ (دیکھیے صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۰۰ تا ۴۰۲)

○ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد شریعتِ محمدیہ

کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔ کیونکہ آخر الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شریعت موسوی بھی منسوخ ہوگئی اور شریعتِ عیسوی بھی۔

حضرت عیسیٰ کا صفتِ نبوت سے متصف ہونا ختمِ نبوت کے منافی نہیں

⊙ بہر حال آسمان سے نازل ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا صفتِ نبوت سے متصف ہونا ختمِ نبوت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ علماءِ حق نے تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً:

① اصول الدین از ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر تمیمی بغدادی صفحہ ۱۶۱
② اکفار الملحدین از علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری صفحہ ۴۲
③ انوار التنزیل از ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴
④ بحر محیط از علامہ محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی جلد ۷ صفحہ ۲۳۶
⑤ تفسیر ابو السعود بر مفاتیح الغیب رازی جلد ۶ صفحہ ۷۸۸
⑥ تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی پارہ ۲۲ صفحہ ۳۵۱
⑦ تکمیل الایمان از شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ ۴۲
⑧ جامع البیان بر جلالین صفحہ ۳۵۳ از علامہ صفی الدین محمد
⑨ حج الکرامہ از نواب صدیق حسن خان بھوپالی صفحہ ۴۲۲
⑩ خصائص الکبریٰ از علامہ جلال الدین سیوطی جلد ۱ صفحہ ۵
⑪ درِ منثور از علامہ جلال الدین سیوطی جلد ۲ صفحہ ۲۴۱
⑫ روح المعانی از سید محمود آلوسی جلد ۷ صفحہ ۶۰
⑬ شرح عقائد جلالی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸
⑭ شرح عقیدہ سفارینیہ جلد ۲ صفحہ ۹۰
⑮ شرح مواہب لدنیہ جلد ۵ صفحہ ۲۶۷
⑯ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۳، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳

(۱۷) فتوحاتِ مکیہ از ابنِ عربی جلد ۲ صفحہ ۱۲۵
(۱۸) کتاب التسہیل از محمد بن احمد جزی الکلبی صفحہ ۱۳۹
(۱۹) کشاف از محمود بن عمر جار اللہ زمخشری جلد ۲ صفحہ ۲۱۵
(۲۰) کفایۃ العوام فی علم الکلام صفحہ ۲۷
(۲۱) کفایۃ العوام فی علم الکلام کا حاشیہ از بجوری صفحہ ۲۷
(۲۲) لبابُ التاویل از علامہ علاؤ الدین علی بن محمد خازن جلد ۳ صفحہ ۱۷۴
(۲۳) مدارج السالکین جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ و ۳۱۳ از علامہ ابن قیم
(۲۴) مدارک التنزیل از علامہ ابو البرکات نسفی بر خازن جلد ۳ صفحہ ۱۷۴
(۲۵) نبراس شرح شرح العقائد از علامہ عبد العزیز پرہاروی صفحہ ۴۴۶

○ مرزا قادیانی نے اس آیتِ مبارکہ کو وفاتِ مسیح کی دلیل بناتے ہوئے خاتم النبیین کا معنی کیا ہے: "ختم کرنے والا نبیوں کا"۔ اور پھر لکھا کہ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ (ازالۂ اوہام حصہ دوم صفحہ ۴۳۱)

○ نیز صفحہ ۴۱۰ پر لکھا کہ خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔

○ نیز متنبی قادیان مرزا غلام احمد قادیانی نے تقریباً اپنی تمام تصانیف میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور اب دوبارہ ان کا اس دنیا میں آنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس بات پر اس قدر زور دینے سے ان کا مقصد محض یہ تھا کہ لوگ ابنِ مریم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے منتظر نہ رہیں اور نعوذ باللہ ان کی جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مان لیں۔ لیکن حیرت تو اس بات پر ہے کہ جب خود مرزا قادیانی اپنی نبوت، رسالت، معجزات اور نئی شریعت لانے کا دعوےٰ کرتا ہے تو اس سے ختمِ نبوت کے عقیدہ میں کسی طرح کوئی نقص کیوں نہیں آتا۔ مثلاً:

دعاوی مرزا

امتی نبی ہونے کا دعویٰ

- مرزا قادیانی نے حقیقت الوحی حاشیہ صفحہ ۲۸ میں اپنے ارتداد پر پردہ ڈالتے ہوئے خود کو "امتی نبی" قرار دیا۔ اسی طرح براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۲ و تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۶۷ و ۶۸ و اعجاز احمدی صفحہ ۷ و نزول المسیح صفحہ ۴۸ تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۸ و ۹ وغیرہ پر بھی قادیانی کذاب اپنی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ خود کو امتی بھی کہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے اس دعویٰ کے ساتھ ہی امتِ مسلمہ سے خارج ہو چکا ہے۔

مہرِ محمدی والا نبی ہونے کا دعویٰ

- جب کسی نے مرزا کے روبرو سوال کیا کہ "خاتم النبیین" کے کیا معنی ہیں، یعنی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری و نزول کی راہ میں آیت مذکورہ حائل و سدِ راہ ہے اور اس کے باوجود اس کی جگہ پر ختم "نبی و رسول" ہو تو اس آیتِ مبارکہ کے مفہوم سے ہمیں آگاہ کرو۔
- مرزا قادیانی نے سائل کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ: "اس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں آوے گا۔ اور یہ کہ کوئی ایسا نبی آپؐ کے بعد نہیں آسکتا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی "مہر" اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو"۔ (الحکم ۱۰ مئی ۱۹۰۸ء)
- نیز حقیقت الوحی صفحہ ۲۸ میں اس نے لکھا کہ: "میزا اس (خاتم النبیین) کے کوئی نبی "صاحبِ خاتم" نہیں، ایک وہی ہے جس کی "مہر" سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے"۔
- نیز حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۰ میں مرزا قادیانی نے لکھا: صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔

رسول ہونے کا دعویٰ

- مرزا قادیانی نے دافع البلاء صفحہ ۱۱ میں لکھا کہ: "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"۔ (یہ کتاب ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء میں طبع ہوئی)

رسول اور نبی ہونے کا دعویٰ

- نیز مرزا قادیانی نے "بدر" مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء میں واضح لفظوں میں دعویٰ کیا کہ: "ہم رسول اور نبی ہیں"۔
- نیز اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے۔ (نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۳)
- نیز اس نے لکھا کہ: حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۳)

صاحب وحی نبی ہونے کا دعویٰ

- اسی طرح مرزا نے وحی کا آنا بھی نہ صرف اپنے تک ہی محدود سمجھا بلکہ قیامت تک آنے والے دیگر مفتریوں کو بھی وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنے کا راستہ بتلادیا۔ (دیکھیے: حقیقت الوحی صفحہ ۲۸، مطبوعہ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء)
- نیز حقیقت الوحی صفحہ ۳۱ میں دعویٰ کیا کہ میں یہ باتیں کسی قیاس اور ظن سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ سے وحی پا کر کہتا ہوں۔
- نیز دافع البلاء صفحہ ۱۴ میں لکھا کہ: تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک طاعون دنیا میں رہے گو ستر سال تک رہے، قادیان اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔ اور یہ تمام امتوں کے لیے نشان ہے۔
- حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۰ میں مرزا قادیانی نے یہ بھی لکھا کہ: وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔

○ نیز حقیقت الوحی صفحہ ۳۹۱ میں دعویٰ کیا کہ خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو (بیس پاروں) سے کم نہیں ہوگا۔

صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ

○ مرزا قادیانی مرتے دم تک جس دعویٰ پر قائم رہا وہ "صاحب شریعت نبی" ہونے کا دعویٰ تھا' اور اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ مجھ پر وحی آتی ہے جس میں اوامر و نواہی بھی ہوتے ہیں۔ اور اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ (اربعین ۴ صفحہ ۶)

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

○ مرزا قادیانی نے کہا: میں بار بار کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے۔ (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۷)

صاحب معجزہ نبی ہونے کا دعویٰ

○ اسی طرح اس نے اپنے "استدراجات" کو "معجزات" کا نام دیا ہے۔ اور معجزات کے بارے میں لکھتا ہے کہ: "اس" نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنھوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہیں۔ (حقیقت الوحی صفحہ ۲۸)

حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ معجزات ملنے کا دعویٰ

○ نیز اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ خدا تعالیٰ میرے لیے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر (حضرت) نوح (علیہ السلام) کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔ (حقیقت الوحی صفحہ ۲۹)

مرزا قادیانی کا آخری خط

○ نیز مرزا قادیانی نے اپنے آخری خط مندرجہ اخبارِ عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں لکھا: میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔

خدا سے ہم کلام ہونے کا دعویٰ

○ مرزا قادیانی نے کہا کہ: جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوا ہوں۔ اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے۔ اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے۔ اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ (اخبارِ عام لاہور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ہوئے)

عالم الغیب ہونے کا دعویٰ

○ نیز مرزا قادیانی نے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ: انباءِ غیبیہ سے مجھے مشرف کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں اسی کو نبوت کہتے ہیں۔ میں انہی معنوں میں نبی ہوں۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۸)

مرزا قادیانی کے دعوے کی جزء

○ لیکچر سیالکوٹ ص ۵۷ میں مرزا قادیانی نے اپنا لیکچر ختم کرتے ہوئے اپنے دعوے جزء اور بنیاد کا ذکر کرتے ہوئے واضح لفظوں میں کہا کہ: ہمارے دعوے کی جزء حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہے۔

راجہ کرشن ہونے کا دعویٰ

○ مرزا قادیانی نے لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳ میں لکھا: میں جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں، جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ روحانی حقیقت کے رو سے میں وہی (راجہ کرشن) ہوں۔۔۔۔ (جو) اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔

○ اب مرزا قادیانی کے مندرجہ بالا مشتے نمونہ دعاوی کے پیشِ نظر یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ خود کو مستقل اور صاحبِ شریعت نبی نہیں کہتا تھا۔ البتہ :

محدث ہونے کا دعویٰ

○ مرزا قادیانی پر ایک دور ایسا بھی تھا جب وہ خود کو نبی کی بجائے محدث کہتا تھا۔ پھر اس سے ترقی کرتے ہوئے مُحدّث کے معنی میں نبی کا لفظ اپنے لیے استعمال کرنے لگا۔ پھر جب علماءِ حق نے اس کی سرزنش کی تو اس نے اپنی صفائی میں لکھا کہ : "میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ (آسمانی فیصلہ مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

مدعیٔ نبوت پر لعنت کرنا

○ مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی نفرت کو دیکھ کر ۱۸۹۷ء میں مرزا قادیانی نے ایک اشتہار کے ذریعے اعلان کیا کہ : "ہم مدعیٔ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں"۔ (دیکھیے پیش لفظ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۹)

○ لیکن ۱۹۰۱ء میں اس نے شرم و حیا کے سب پردے اتار کر ایک طرف رکھ دیے اور خود کو صاف طور پر نبی اور رسول لکھنا شروع کر دیا اور اسے محدثیت یا جزئی نبوت سے تعبیر نہیں کیا۔ (دیکھیے پیش لفظ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۹)

مرزا بشیر کا وضاحتی بیان

○ یہی وجہ ہے کہ خود مرزا متنبّیٔ قادیان کے بیٹے مرزا بشیر نے حقیقت النبوت صفحہ ۱۲۱ میں یہ لکھتے ہوئے کسی قسم کی عار محسوس نہیں کی کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ (مرزا) نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔

○ مرزا بشیر کے اس وضاحتی بیان کے باوجود سادہ لوح اور کم علم مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے مرزا قادیانی کی پرانی تحریروں اور اوراقِ پارینہ کی ظلمت میں مرزا قادیانی کے متبعین آئے دن کہتے رہتے ہیں کہ مرزا نے

"صاحب شریعت" نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ وہ غیر تشریعی نبی تھا' اور وہ کہتے ہیں کہ غیر تشریعی نبی کا آنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ حالانکہ متبعین مرزا کا یہ کہنا صریح غلط ہے کیونکہ :

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا۔ اور خاتم الرسل کا نام نہیں دیا۔ کیونکہ نبی کا لفظ رسول سے عام ہے۔ اور عام کی نفی سے خاص کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ اس لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے نبی ہونے کی نفی سے رسول ہونے کی نفی خود بخود ہو گئی۔ لہذا جب آپ ﷺ خاتم النبیین ہوئے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ خواہ اس پر کتاب اترے خواہ نہ اترے۔ خواہ اس کی شریعت نئی ہو' خواہ پہلے نبی کی شریعت پر چلتا ہو' اور خواہ مرزا قادیانی کی خانہ زاد اصطلاح میں کوئی ظلی نبی ہو یا بروزی' یا امتی نبی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی طرح کا نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ خواہ اس پر مہر لگی ہو یا نہ لگی ہو۔ کیونکہ : النبیین جمع مذکر سالم معرف بلام ہے۔ جو استغراق پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ غیر تشریعی نبی کا آنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے محض کذب' جھوٹ اور نبی کی تعریف سے لاعلمی کی دلیل ہے۔ بلکہ :

○ حقیقت یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ جیسا کہ مرزا قادیانی کے مذکورہ بالا دعووں اور اس کے بیٹے کے وضاحتی بیان سے واضح ہوتا ہے۔

مرزا قادیانی کے نزدیک نبی کی تعریف

○ نبی کی تعریف کرتے ہوئے مرزا نے حقیقت الوحی صفحہ ۳۹۰ میں لکھا ہے کہ جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے۔

○ حالانکہ نبی وہ انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کی غرض سے مبعوث فرماتا ہے۔ اور یہی تعریف رسول کی ہے۔ البتہ رسول اور نبی میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ کوئی آسمانی صحیفہ یا کتاب بذریعۂ وحی نازل فرمائے۔ اس لیے ہر رسول کو نبی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہر نبی کو رسول نہیں کہتے۔ چنانچہ :

نبی اور رسول کی صحیح تعریف

① النبی من اوحی الیہ بملك او الھم فی قلبہ اونبہ بالرؤیا الصالحۃ۔ فالرسول افضل بالوحی الخاص الذی فوق وحی النبوۃ لان الرسول ھو من اوحی الیہ جبرائیل خاصۃ بتنزیل الکتاب من اللہ۔ (التعریفات صفحہ ۲۱۴)

② الرسول خاص و النبی اعم فانہ یشترط فی الرسول ان یکون معہ کتاب جدید و شریعۃ متجددۃ ولا کذلك النبی۔ (عمدۃ الرعایۃ صفحہ ۳۸)

③ الرسول من معہ کتاب کموسیٰ والنبی اعم۔ (ھدایہ ۳ صفحہ ۲)

④ الرسول من بعثہ اللہ تعالیٰ بشریعۃ متجددۃ و یأتیہ الملك بالوحی۔ (ھدایہ ۳ صفحہ ۲)

⑤ الرسول من بعثہ اللہ بشریعۃ متجددۃ یدعو الناس الیھا والنبی یعمہ و من بعثہ لتقریر شرع سابق کانبیاء بنی اسرائیل الذین کانوا بین موسیٰ و عیسیٰ (بیضاوی جلد ۴ صفحہ ۵۷)

⑥ الرسول من جمع الی المعجزۃ الکتاب المنزل علیہ و النبی من لم ینزل علیہ کتاب و انما اُمر ان یدعو الی شریعۃ من قبلہ۔ (مدارك صفحہ ۲۹۳)

⑦ و عطف ولا نبی علی و لا من رسول دلیل علی المغایرۃ۔ (البحر المحیط جلد ۶ صفحہ ۳۸۲)

⑧ من رسول ولا نبی دلیل بیّن علی تغایر الرسول والنبی۔ والفرق بینهما ان الرسول من الانبیاء من جمع الی المعجزة الکتاب المنزل الیه و النبی غیر الرسول من لم ینزل علیه کتاب وانما امر ان یدعوا الناس الی شریعة من قبله۔ (کشاف جلد ۳ صفحہ ۱۸)

⑨ النبی انسان ذکر حر من بنی آدم اوحی الیه بشرع وان لم یؤمر بتبلیغه فان أمر به فرسول ایضاً (حاشیه منیة المصلی صفحہ ۵)

⑩ الرسول من له شریعة و کتاب۔ والنبی انسان بعثه الله لتبلیغ ما اوحی الیه (مسامرہ صفحہ ۲۳۱)

⑪ الرسالة فوق النبوة (فی الرتبة) المرسل النبی الذی ارسل الیه له دین و کتاب۔ (شرح تہذیب صفحہ ۱۹)

⑫ الرسول انسان بعثه الله الی الخلق لتبلیغ الاحکام و قد یشترط فیه الکتاب ای ان ینزل علیه کتاب بخلاف النبی فانه اعم۔ (شرح عقائد نسفی صفحہ ۲۰)

○ اور مرزا قادیانی نے جس طرح نبوت کا دعویٰ کیا اسی طرح رسالت اور اوامر و نواہی کے نزول کا دعویٰ بھی کیا۔ اس لیے متبعین مرزا کا یہ کہنا بالکل خلافِ واقعہ ہے کہ اس نے صاحبِ شریعت نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

○ یاد رہے کہ مرزا نے ایک طرف تو کھل کر صاحبِ وحی اور صاحبِ شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو دوسری طرف نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے تشریعی 'غیر تشریعی' حقیقی اور ظلی و بروزی کی خانہ زاد اصطلاحات کے ذریعے کم علم لوگوں کو دھوکے سے اپنا ہم خیال اور معتقد بنانے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن مرزا قادیانی کا موقف سراسر باطل ہے۔ کیونکہ :

○ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو کفر و شرک اور بدعملی و بے راہ روی سے بچانے اور سیدھی راہ دکھانے کے لیے جہاں

"صاحب شریعت انبیاء کرام" علیہم السلام کو مبعوث فرمایا وہاں لاتعداد "غیر تشریعی انبیاء کرام" علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ جن پر کوئی نئی شریعت نہیں اتاری گئی۔ بلکہ انھوں نے پہلے سے صاحب شریعت رسولوں پر نازل شدہ احکام الٰہی کی تبلیغ اور شرعی احکام اور اوامر و نواہی میں امت کی خود ساختہ کمی بیشی کی وجہ سے بحکم الٰہی تجدید فرمائی اور لوگوں کو سابقہ شریعت کے صحیح صحیح احکام سے آگاہ فرمایا اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے ساتھ ساتھ شرعی احکام کی پیروی کرنے والوں کو مژدہ سنایا۔ مثلاً:

(۱) حضرت صالح علیہ السلام
(۲) حضرت لوط علیہ السلام
(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام
(۴) حضرت ہارون علیہ السلام
(۵) حضرت یونس علیہ السلام
(۶) حضرت الیسع علیہ السلام
(۷) حضرت الیاس علیہ السلام
(۸) حضرت یحییٰ علیہ السلام
(۹) حضرت یوشع بن نون علیہ السلام
(۱۰) حضرت اسحاق علیہ السلام
(۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام
(۱۲) حضرت سلیمان علیہ السلام
(۱۳) حضرت ذوالکفل علیہ السلام
(۱۴) حضرت ایوب علیہ السلام
(۱۵) حضرت زکریا علیہ السلام

ان کے علاوہ اور بھی لاتعداد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہو گزرے ہیں جو "صاحب شریعت" نہیں تھے۔ لیکن یہ کوئی شرعی اصطلاح نہیں ہے۔

یہ اصطلاح مرزا قادیانی کی اپنی خانہ زاد ہے۔ جس نے دعوائے نبی کے لیے یہ اصطلاح ایجاد کی اور پھر کہا کہ: میں "غیر تشریعی نبی" ہوں اور یہ کہ قرآن مجید میں "صاحب شریعت نبی" کے آنے کی نفی کی گئی ہے۔ "غیر تشریعی" کی نہیں۔

اسی طرح مرزا قادیانی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ: میں ظلی اور بروزی نبی ہوں۔ اور یہ کہ قرآن مجید میں اصلی و حقیقی نبی کے آنے کی نفی کی گئی ہے۔ اور

ظلی یا بروزی کی کوئی نفی نہیں کی گئی۔ لیکن اس کا یہ دعویٰ بھی بے دلیل ہے۔

○ مرزا قادیانی نے "تشریعی" و "غیر تشریعی" اور "اصلی و حقیقی" سے مقابلے میں "کذاب و مفتری" کی بجائے "ظلی و بروزی" کی اصطلاحات ایجاد کر کے اپنے زعم میں بہت بڑا کمال کر دکھایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول سید الانبیاء نبی آخر الزمان، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی کسی قید کے بغیر مطلقاً سلسلۂ نبوت کو منقطع قرار دیا ہے۔ چنانچہ:

○ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی۔ اب میرے بعد نہ کسی کو رسالت کا عہدہ ملے گا اور نہ ہی نبوت کا۔ (مختصر ابن کثیر صفحہ ۱۰۰)

○ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مبشرات یعنی سچی خوابوں کے سوا نبوت کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۴ و الاحادیث الصحیحہ حدیث ۴۷۳ صفحہ ۲۲۲)

○ حضرت امام سیوطیؒ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ ذیشان کا مطلب یہ ہے کہ میری وفات کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، اب کسی پر وحی نہیں آئے گی۔ (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۴)

○ خفاجی شرح شفا قاضی عیاضؒ جلد ۴ صفحہ ۴۳۰ میں ہے کہ جو شخص اپنی بابت یہ کہے کہ میں نبی ہوں اور میری طرف وحی آتی ہے تو ایسے شخص کو مرتد کہا جائے گا۔

○ فتاویٰ ابن حجر مکی شافعیؒ میں ہے کہ جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد خود اپنے یا کسی دوسرے شخص پر وحی آنے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے۔

○ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ اور اہلِ تحقیق علماء و محدثین کے فرامین میں کسی قید کے بغیر سلسلۂ نبوت اور وحی کو منقطع قرار دیا گیا ہے۔ اور نبوت کو تشریعی و

و غیر تشریعی ' اصلی و غیر اصلی ' حقیقی و غیر حقیقی ' ظلی و غیر ظلی اور بروزی و غیر بروزی وغیرہ اقسام میں منقسم نہیں کیا گیا۔

○ اور اگر بالفرض مرزا قادیانی کی مفروضہ اقسامِ نبوت کا ثبوت کسی غیر معتبر شخص کے بلا دلیل قول سے ماخوذ ہو سکتا ہو تب بھی حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ اور جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ "النبیین" جمع مذکر سالم معرف باللام ہے۔ جو تمام انواع و افراد کو شامل ہے۔ کیونکہ "جمع سالم معرف باللام" استغراق کے لیے ہوتا ہے' جو تمام انواع و افراد پر مشتمل ہوتا ہے اور بغیر قرینہ کے اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہوتا۔

○ اس قاعدہ کی رو سے خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اخیر میں مبعوث ہوئے' خواہ ظلی بروزی یا حقیقی و تشریعی ہو یا نہ ہو۔

○ اس لیے یہ آیتِ مبارکہ حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد پیدا ہونے یا نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والے متنبی کا سدِ باب تو کرتی ہے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے مبعوث ہونے والے سابقہ انبیاءؑ میں سے کسی کے دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں تشریف لانے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اگر تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے زندہ کر کے اس دنیا میں دوبارہ بھیج دے تو بھی یہ آیتِ کریمہ اس سے مانع نہیں ہو سکتی۔

○ البتہ دوبارہ آنے والے نبی یا رسول کو اپنی شریعت کی بجائے اب صرف شریعتِ محمدیہ کی اتباع اور پیروی کرنی ضروری ہوگی۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر تشریف

لے آئیں تو بجز میری اطاعت کے انھیں بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔

○ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ مع جسد و روح کے زندہ موجود ہیں، اور وہ صاحبِ شریعت نبی و رسول ہیں، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً چھ سو برس پہلے مبعوث ہوئے تھے جب اس زمین پر ان کا نزول ہوگا تو وہ اپنی منسوخ شدہ شریعت پر عمل کرنے کی بجائے شریعتِ محمدیہ اور قرآن مجید پر عمل کریں گے، اور آیتِ مذکورہ اس سے مانع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پہلے سے مبعوث ہیں۔

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے لیے تو مرزا قادیانی نے اس آیتِ مبارکہ میں "خاتم" کا معنی "ختم کرنے والا" کیے ہیں۔ لیکن جب اس نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کے معنی بدل کر "مہر" کر دیے۔ گویا مرزا قادیانی نے (نعوذ باللہ) قرآن مجید کو موم کی ناک بنا رکھا تھا کہ جدھر کو چاہو ادھر کو موڑ لو۔ حالانکہ مرزا کے بیان کردہ دونوں معنے غلط ہیں۔ جبکہ اس کا صحیح معنی ہے "سب سے آخر میں مبعوث ہونے والا"۔ اور یہ محض ہماری ذہنی اختراع نہیں ہے، بلکہ خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یہی معنی ارشاد فرمائے ہیں۔ چنانچہ:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۵) کہ میں تمام انبیاء کے بعد مبعوث ہونے والا ایسا نبی ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ نیز:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا محمد و احمد و الْمُقَفِّي حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تشریح کرتے ہوئے:

○ حضرت میر سید سند رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: المقفی وھو اٰخر الانبیاء فاذا قفی فقط ذھبت النبوۃ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۵) یعنی مُقَفِّي کا معنی ہے: "آخر میں ہونے والا نبی"۔ کیونکہ تقفیہ کا معنی ہے: "آخر میں آنا یا لے جانا"۔

اس لیے جب حضرت نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور مبعوث ہوگئے تو اب نبوت جاتی رہی۔ یعنی اب آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت کا عہدہ ہرگز نہیں ملے گا۔

○ نیز حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ و درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷ و خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۴ وغیرہ)

○ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: وکان آخر من بعث (در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷) کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے آخر میں مبعوث فرمائے گئے۔

○ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے جو نبی بھی آتا تھا تو اس کے بعد دوسرا نبی بھیجا جاتا تھا۔ مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایسے نبی ہیں کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)

○ نیز آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ "خاتم النبیین" ہیں۔ یعنی آپ ﷺ سب نبیوں کے آخر میں مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۴)

○ اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ صحبت سے فیض یاب ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، محدثین، مفسرین، فقہا، اہلِ لغت، اہلِ سیر، صوفیاء اور علمِ عقائد کے ماہر علماء متکلمین نے "خاتم النبیین" کے یہی معنے سمجھے ہیں کہ آپ ﷺ سب انبیاء کے آخر میں مبعوث فرمائے گئے۔ مثلاً:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

① سیدنا ابو بکر صدیق امیر المومنین رضی اللہ عنہ (الریاض النضرۃ للطبری جلد ۱ صفحہ ۹۸)

② سیدنا ابو ذر غفاری جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۸۰)

③ سیدنا ابو رمثہ تمیمی رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۵۹)

④ سیدنا ابو زید بن اخطب رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۶۰)
⑤ سیدنا ابو سعید سعد بن مالک خدری رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۲، و خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۵۹)
⑥ سیدنا ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۷۷)
⑦ سیدنا ابو قتادہ حارث بن بلتعہ رضی اللہ عنہ (کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۰۹)
⑧ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (مشکل الآثار للطحاوی جلد ۲ صفحہ ۵۱، و کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۲ و خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۷۷)
⑨ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (بخاری صفحہ ۶۸۵ و احادیث صحیحہ حدیث نمبر ۴۷۴ و صحیح ابن حبان جلد ۳ صفحہ ۲۷۷ و درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۸، و خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۸ و ۲۶ و کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۲ و ۴۵۳ و ۴۵۵)
⑩ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (درِ منثور للسیوطی جلد ۶ صفحہ ۶۱۸)
⑪ سیدہ ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا (ابن ماجہ صفحہ ۲۸۶ و ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۴)
⑫ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۴ و صحیح ابن حبان جلد ا صفحہ ۲۰۷ و مقاصدِ حسنہ صفحہ ۳۴۵)
⑬ سیدنا ثوبان الہاشمی رضی اللہ عنہ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ و درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۸ و ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۷)
⑭ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۵۹)
⑮ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۷ و ۶۰ و درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷)
⑯ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ (کنز العمال للعلامہ علاء الدین المتقی بن حسام الدین الہندی جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۲ و خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۷۷، و معجم کبیر للطبرانی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ تا ۱۳۳ و مشکل الآثار جلد ۲ صفحہ ۵۰)
⑰ سیدنا حذیفہ بن اسید الغفاری ابو سریحہ رضی اللہ عنہ (درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۸ و خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۷۷ و ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۴)

⑱ سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۷۸)
⑲ سیدنا خولیعۃ بن مسعود رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۶)
⑳ سیدنا زیاد بن لبید بن ثعلبہ خزرجی رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۷)
㉑ سیدنا زید بن حارثہ، ابواسامہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۵)
㉒ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۵۹)
㉓ سیدنا سعد بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۷)
㉔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۸ و ۵۹ و ۶۰)
㉕ سیدنا سہل مولیٰ غثیمہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۵)
㉖ سیدنا صدی بن عجلان ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ (ابن ماجہ صفحہ ۳۰۷)
㉗ سیدنا طلحۃ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۹۹)
㉘ سیدنا عامر بن ربیعۃ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۴ و ۲۵)
㉙ سیدنا عباد بن عمر رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۶۰)
㉚ سیدنا عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۶۵)
㉛ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ (مقاصدِ حسنہ للسخاوی صفحہ ۳۴۵)
㉜ سیدنا عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۷)
㉝ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۴ و کنزالعمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۱ و ۴۶۳ و خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۴۸ و ۷۸)
㉞ سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۶۰)
㉟ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۶)
㊱ سیدنا عرباض بن ساریۃ السلمی رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۴۵)
㊲ سیدنا علی بن ابی طالب امیرالمومنین رضی اللہ عنہ (شمائل ترمذی صفحہ ۲ و خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۶۰ و ۷۳)
㊳ سیدنا عمر بن الخطاب امیرالمومنین رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری صفحہ ۳۶۰)

(۳۰) سیدنا عوف بن مالک ابو حماد اشجعی رضی اللہ عنہ (کنزالعمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۳)
(۳۱) سیدنا قرۃ بن ایاس بن ھلال المزنی رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۵۹)
(۳۲) سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۹ و ۱۴ و ۱۴۶)
(۳۳) سیدنا مالک بن سنان رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۶ و ۲۷)
(۳۴) سیدنا محمد بن عدی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۳)
(۳۵) سیدنا مغیرۃ بن شعبۃ بن مسعود رضی اللہ عنہ (درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۸)

تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

(۱) حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ (خصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ا صفحہ ۳)
(۲) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷ و کنزالعمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۲)
(۳) حضرت سلامہ کندی رحمہ اللہ تعالیٰ (شرح شفاء جلد ۳ صفحہ ۵۳۰)
(۴) حضرت سہل بن صالح رحمہ اللہ تعالیٰ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۳)
(۵) حضرت عامر بن شراحیل ابو عمرو شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۹)
(۶) حضرت عروۃ بن رویم رحمہ اللہ تعالیٰ (کنزالعمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۳)
(۷) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ (مسند دارمی صفحہ ۶۲)
(۸) حضرت قتادۃ بن دعامہ رحمہ اللہ تعالیٰ (درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۴۹۶)
(۹) حضرت کعب احبار رحمہ اللہ تعالیٰ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۴)
(۱۰) حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ تعالیٰ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۹)
(۱۱) حضرت نافع ابو عبد اللہ (مولی ابن عمر) رحمہ اللہ تعالیٰ (کنزالعمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۳)
(۱۲) حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ (خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۳ و ۶۰)

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

(۱) ابن ابی حاتم (درِ منثور للسیوطی جلد ۶ صفحہ ۶۱۷)

(۲) ابن حجر احمد بن علی عسقلانی (فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ و جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۲)

(۳) ابن لال (کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۲)

(۴) ابن مردویہ (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۵) ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۸ و خصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۶) ابو جعفر احمد بن محمد الازدی الطحاوی (مشکل الآثار جلد ۲ صفحہ ۵۰ و ۵۲)

(۷) ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی (صحیح ابن حبان جلد ۱ صفحہ ۲۰۷ و جلد ۴ صفحہ ۲۷)

(۸) ابو شجاع حافظ شیرویہ ہمدانی دیلمی (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۹) ابو عبد اللہ حاکم (خصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۱۰) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (جامع جلد ۲ صفحہ ۵۲ و خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۱۱) ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (معجم کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ تا ۱۳۳)

(۱۲) ابو محمد عبد اللہ دارمی تمیمی (سنن دارمی صفحہ ۶۲ و خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۱۳) ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (خصائص الکبریٰ جلد صفحہ ۳)

(۱۴) احمد بن حسین ابوبکر بیہقی (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۱۵) احمد بن محمد بن حنبل (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۱۶) سلیمان بن اشعث ابو داؤد سجستانی (سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)

(۱۷) سلیمان بن داؤد ابو داؤد طیالسی (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۱۸) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱)

(۱۹) عبد بن حمید (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷)

(۲۰) محمد بن اسمٰعیل بخاری (صحیح بخاری صفحہ ۳۶۰ و ۶۸۵)

(۲۱) محمد بن سعد زہری (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۵ و ۷۷)

(۲۲) محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (مقاصد حسنہ صفحہ ۳۴۵)

(۲۳) محمد بن علی ترمذی الحکیم (کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۴۸۰)

(۲۴) محمد بن عمر واقدی (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۷)
(۲۵) محمد بن یزید قزوینی ابو عبداللہ ابن ماجہ (سُنن ابن ماجہ صفحہ ۳۰۷)
(۲۶) محمد بن الحجاج ابو الحسن قشیری نیشاپوری (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)
(۲۷) محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ قسطلانی (مواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)
(۲۸) علی بن حسن بن عساکر (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸)

اصحابِ طبقات

(۱) ابن رجب (مقدمہ ذیل طبقاتِ حنابلہ صفحہ ۵)
(۲) ابو الحسن قاضی (طبقاتِ حنابلہ صفحہ ۴)
(۳) محمد بن ابی یعلیٰ

اہلِ سیر

(۱) ابو الفضل عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن الیاس یحصبی (شفا قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۴۳۰)
(۲) احمد بن محمد شہاب الدین ابو العباس قسطلانی (المواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۹، وج ۲ صفحہ ۵۰۹)
(۳) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۵)

مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ

(۱) ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی (تفسیر مدارک برخازن جلد ۳ صفحہ ۱۷۴)
(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (تفسیر ابن جریر ۲۳ : ۴۰)
(۳) ابو السعود (حاشیہ تفسیر مفاتیح الغیب (رازی) جلد ۶ صفحہ ۷۸۸)
(۴) ابو الفضل خطیب کازرونی (حاشیہ انوار التنزیل جلد ۴ صفحہ ۱۶۴)
(۵) ابو القاسم جار اللہ زمخشری (تفسیر کشاف جلد ۳ صفحہ ۲۳۹)
(۶) ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (معالم التنزیل صفحہ ۵۶۵ و ۵۶۶)
(۷) بدر الدین زرکشی (البرہان فی علوم القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)

(۸) ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظہری جلد ۵ صفحہ ۳۵۰)

(۹) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (تفسیر جلالین صفحہ ۳۵۳ و الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ و درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷)

(۱۰) سید محمود آلوسی (تفسیر روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۵)

(۱۱) شاہ عبدالقادر محدث و مفسر دہلوی (موضح قرآن ۳۳ : ۴۰)

(۱۲) شاہ ولی اللہ محدث و مفسر دہلوی (فتح الرحمٰن ۳۳ : ۴۰)

(۱۳) الشہاب احمد بن محمد خفاجی مصری حنفی (عنایت القاضی بر بیضاوی جلد ۷ صفحہ ۱۷۶ و شرح شفاء جلد ۴ صفحہ ۴۳۰)

(۱۴) صفی الدین محمد (تفسیر جامع البیان بر جلالین صفحہ ۳۵۳)

(۱۵) عبداللہ بن عمر بن شیرازی بیضاوی (انوار التنزیل جلد ۴ صفحہ ۱۶۴)

(۱۶) عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی (زاد المسیر جلد ۳ صفحہ ۳۹۳)

(۱۷) کمال الدین حسین واعظ کاشفی ہروی (تفسیر حسینی صفحہ ۱۳۵، تفسیر قادری جلد ۲ صفحہ ۳۵۳)

(۱۸) محمد بن عمر فخر الدین رازی (تفسیر مفاتیح الغیب جلد   صفحہ ۷۸۷)

(۱۹) محمد علی الصابونی (تفسیر مختصر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)

(۲۰) محمد محی الدین شیخ زادہ (حاشیہ تفسیر انوار التنزیل جلد ۳ صفحہ ۶۶)

اہل لغۃ

(۱) ابوالبقاء ایوب بن سید شریف (کلیات ابوالبقاء صفحہ ۱۷۱)

(۲) ابوالحسن احمد بن فارس بن زکریا (مقاییس اللغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)

(۳) ابوالحسن علی بن اسمٰعیل بن سیدہ (المحکم و المحیط الاعظم جلد ۱ صفحہ ۱)

(۴) ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء (تہذیب اللغۃ جلد ۴ صفحہ ۳۱۵)

(۵) ابو عبداللہ محمد بن زیاد الاعرابی (تہذیب اللغۃ جلد ۷ صفحہ ۳۱۶)

(۶) ابوالفتح ناصر بن عبدالسید بن علی مطرزی (مغرب جلد ۱ صفحہ ۱۴۹)

⑦ ابو الفضل محمد بن عمر بن خالد جمال قرشی (صراح صفحہ ۲۸۸)
⑧ ابو الفضل محمد بن مکرم الانصاری (لسان العرب جلد ۱۵ صفحہ ۵۵)
⑨ ابو القاسم حسین بن محمد بن فضل راغب اصفہانی (مفردات صفحہ ۱۴۲)
⑩ ابو منصور محمد بن احمد الازھری (تہذیب اللغۃ جلد ۷ صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۶)
⑪ احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی (مصباح المنیر صفحہ ۱۰۷)
⑫ عبد الرشید نعمانی (لغات القرآن صفحہ ۳۰۰)
⑬ مجد الدین محمد فیروز آبادی (القاموس جلد ۴ صفحہ ۷۸)
⑭ محمد طاہر بن علی فتنی (مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۳۲۹، و تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۸۸)
⑮ محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی (تاج العروس جلد ۸ صفحہ ۲۶۷)

مناطقہ و نحاۃ

① ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر مولی بنی الحارث سیبویہ (الکتاب جلد ۱ صفحہ ۵)
② ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عقیل (السنیۃ المرضیہ مقدمہ شرح الفیہ صفحہ ۲)
③ جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر ابن الحاجب (شافیہ صفحہ ۲)
④ رضی الدین محمد بن الحسن استر آبادی (شرح کافیہ صفحہ ۳)
⑤ عبد النبی احمد نگری (مقدمہ جامع الغموض)
⑥ قاضی محمد مبارک بن محمد دائم الادھمی فاروقی (حاشیہ سلم العلوم صفحہ ۳)
⑦ محمد حسن (حاشیہ قاضی مبارک صفحہ ۳)
⑧ محمد حسن سنبھلی (الدر المنظوم فی سمط العلوم)
⑨ محمد عبد العلی بحر العلوم لکھنوی (شرح سلم العلوم صفحہ ۲)
⑩ نیز دیکھیے: الہامیہ شرح ھدایۃ النحو صفحہ ۲ و عافیہ شرح شافیہ صفحہ ۴)

اہل اصول و فقہ

① ابن عابدین سید محمد امین شامی (رد المحتار (شامی) جلد ۳ صفحہ ۲۵۹)
② ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی غرناطی (الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۹۷)

③ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی (بستان العارفین صفحہ ۲)
④ احمد جون پوری الشہیر بہ ملا جیون (نور الانوار صفحہ ۱)
⑤ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی (عنایہ برہامش فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)
⑥ حسن بن عمار شرنبلالی (نور الایضاح صفحہ ۲)
⑦ زین الدین بن نجیم (الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۹۶ و بحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۹۱ و جلد ۵ صفحہ ۱۳۰)
⑧ سراج الدین عمر بن نجیم (النہر الفائق)
⑨ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی (العبر)
⑩ عبدالرشید بخاری (خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۳۸۶)
⑪ عبدالسلام مجد الدین ابن تیمیہ حرانی (منہاج السنۃ صفحہ ۲)
⑫ علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۵۵۶ و جلد ۳ صفحہ ۶۲۹)
⑬ کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی ابن ہمام (فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)
⑭ محمد بن ابی بکر الزرعی ابن قیم (الفرقان صفحہ ۶ و ۵۶ و ۱۳۳)
⑮ محمد بن احمد سرخسی (اصول سرخسی جلد ۱ صفحہ ۳۰۰ و جلد ۲ صفحہ ۸۱ و ۱۰۱)
⑯ محی الدین عبدالقادر بن ابی الوفا محمد قرشی (الجواہر المضیہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۳)
⑰ نصیر الدین مینائی (فتاویٰ برہنہ صفحہ ۱۲)
⑱ نظام الدین برہانپوری و رفقاء (فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ و مقدمہ صفحہ ۲، و جلد ۳ صفحہ ۱۶۱)
⑲ نیز دیکھیے: فصول العمادی صفحہ ۱۳۰۰ و مالا بد منہ صفحہ ۱۔

متکلمین (اہل علم عقائد)

① ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی (عقیدۃ طحاویہ صفحہ ۱۴)
② ابو حامد محمد بن محمد غزالی (المعتقد المنتقد صفحہ ۲۰۹ و المسترشدین صفحہ ۲۹ و الاقتصاد)
③ ابو محمد عبداللہ عفیف الدین یافعی (مجموعۃ العقائد صفحہ ۱۵)
④ ابو المعین سیف الدین نسفی (بحر الکلام صفحہ ۹۶ طبع مصر)

⑤ احمد مرزوقی (عقیدۃ العوام صفحہ ۱۲ و ۱۳)
⑥ تقی الدین عبد الملک (نزھۃ الناظرین صفحہ ۱۵)
⑦ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۲۸)
⑧ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (شرح عقائد النسفیہ صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۷)
⑨ سعید بن سعد حضری (کفایۃ الاخوان فی التوحید صفحہ ۴ طبع مصر)
⑩ سلیمان بجیری (شرح المنہاج)
⑪ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (میزان العقائد)
⑫ عبد الرحمٰن بن احمد قاضی عضد الدین ایجی (المواقف صفحہ ۶)
⑬ عبد السلام بن ابراہیم مالکی (اتحاف المرید شرح جوھرالتوحید صفحہ ۱۲۶)
⑭ عبد الشکور سالمی (کتاب التمہید صفحہ ۱۲۴)
⑮ عبد العزیز پرہاروی (نبراس صفحہ ۴۴۵)
⑯ عبد الغنی نابلسی (شرح فرائد و شرح کفایۃ العوام صفحہ ۱۸)
⑰ عبد القادر (الفوائد القادریہ شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۵۸)
⑱ عبد القاھر بن طاھر ابو منصور تمیمی بغدادی (اصول الدین صفحہ ۱۹۲)
⑲ عبد الکریم شہرستانی (الملل والنحل صفحہ ۱۱)
⑳ علی بن احمد بن حزم اندلسی (الملل والنحل جلد ۱ صفحہ ۷۷ و ۱۱۳ و جلد ۳ صفحہ ۲۴۹ و جلد ۴ صفحہ ۱۸۰ و ۱۹۸)
㉑ علی بن سلطان محمد القاری (شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۰۲)
㉒ کمال الدین محمد بن عبد الواحد (المسامرہ صفحہ ۲۰۳)
㉓ کمال الدین محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ دمیری (جوہرۃ التوحید)
㉔ محمد انور شاہ محدث کشمیری (اکفار الملحدین صفحہ ۴۳)
㉕ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی (شرح عقیدۃ العوام و قطر الغیث صفحہ ۱۵۰)
㉖ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی (عقائد نسفیہ صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۷)

(۲۶) نیز دیکھیے : شرح عقائد جلالی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ اور رسالہ شاہ اسمٰعیل شہید و جامع زبدۃ العقائد التوحید صفحہ ۲۲ و شرح تعرف و عقائد نامہ جامی وغیرہ۔

صوفیاء

(۱) شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم کلاباذی (شرح تعرف مع شرحہ صفحہ ۴)
(۲) شیخ ابو حامد محمد بن محمد غزالی (الاقتصاد)
(۳) شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی (مکتوبات جلد ۳ صفحہ ۳۸ و جلد ۸ صفحہ ۹۰)
(۴) شیخ عبدالقادر جیلانی (غُنیۃ الطالبین)
(۵) شیخ عماد الدین اموی (حیات القلوب بر حاشیہ قوت القلوب جلد ۲ صفحہ ۴ و ۲۰ بحوالہ امام اہل سنۃ ابو الحسن اشعریؒ)
(۶) محمد بن علی حاتمی طائی ابن عربی (فتوحاتِ مکیہ جلد ۳ صفحہ ۵۶۸، و جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ و جلد ۲ صفحہ ۴۹۵)
(۷) نیز دیکھیے : فصوص الحکم صفحہ ۸۱ و مخزن الاسرار از نظام الگنجوی)

قادیانی تاویلات (ہیرا پھیریوں) کا جواب

خاتم بمعنی عدیم النظیر

○ دیوان حماسہ صفحہ ۸۱ میں قیس بن زہیر کا ایک شعر منقول ہے : ؎

شری وُدّی و شکری من بعید ۔۔۔ لآخر غالب ابداً ربیع

○ اس کا ترجمہ مولانا ذو الفقار علی دیوبندیؒ نے اس طرح کیا ہے : "ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کیلیے جو بنی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کیلیے عدیم النظیر ہے خرید لیا" اس ترجمہ کے حوالہ سے کہا جاتا ہے کہ اگر اس شعر میں "خاتم" کا معنی "عدیم النظیر" و "بے مثل" ہے تو "خاتم النبیین" کا معنی ہوگا کہ "حضرت محمد رسول اللہ ﷺ عدیم النظیر و بے مثل نبی ہیں۔ اور آخری نبی مراد ہی نہیں"۔ سو اس کے کئی جواب ہیں، مثلاً :

① مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ کے اس ترجمہ سے اہلِ ادب کو اختلاف ہے' اس لیے ان کا ترجمہ اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرنا ناانصافی ہے۔

② آخر کا معنی بے نظیر کرنا فنِ ادب میں مہارت رکھنے والے تمام اہلِ ادب شارحین کے خلاف ہے۔ چنانچہ حماسہ کے مشہور شارح حضرت علامہ تبریزیؒ نے تحریر فرمایا ہے: اشتری ربیع بعد ہ منی مودتی لہ وثنائی علیہ و علی أخر رجل یبقی من بنی غالب ابدا کہ بنی غالب کے آخری آدمی تک یعنی جب تک بنی غالب کا ایک فرد بھی باقی ہے یہ مودت اور شکر رہے گا۔

③ "خاتم" کا حقیقی معنی ہے ما یختم بہ الشئ کہ وہ چیز جس سے دوسری چیز کو ختم کیا جائے۔ اور اس کا معنی "آخر" مجاز ہے۔ اور پھر آخر کا معنی بے مثل اور بے نظیر کریں تو یہ مجاز در مجاز ہوگا' جو علماء اصول و معانی کے نزدیک ممنوع و ناجائز ہے۔

④ علامہ زمخشری نے خاتم کے حقیقی اور مجازی سب معنے بیان کیے۔ مگر اس کا معنی "عدیم النظیر" بیان نہیں کیا۔ اسی طرح اس کا معنی "زینت" بھی بیان نہیں کیا۔ (دیکھیے: اساس البلاغۃ صفحہ ۱۵۳)

⑤ کلیات ابوالبقاء صفحہ ۲۳ میں ہے: أخر الشئ ھو الجزء الذی یتم عندہ الشئ۔ یعنی کسی چیز کا آخر اس کے اس جزء کو کہتے ہیں جس کے ہوتے ہوئے وہ چیز تام اور مکمل ہو جاتی ہو' اور اس کا کچھ حصہ باقی نہ رہتا ہو۔

○ بہر حال اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق میں بے نظیر و بے مثل ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ "خاتم النبیین" کا معنی بے نظیر ہے۔

خاتم بمعنی انگوٹھی

○ نیز پیروانِ مرزا یہ بھی کہتے ہیں کہ خاتم کا معنی "انگوٹھی" ہے۔ اور چونکہ انگوٹھی زینت ہوتی ہے' اس لیے "خاتم النبیین" کے معنے ہوئے:

"زینۃ النبیین"۔ لیکن ان کا یہ قول بھی غلط ہے۔ کیونکہ:

① اس میں تو شک نہیں کہ "خاتم" کا لفظ انگوٹھی کے معنی میں بھی مجازاً استعمال ہوتا رہتا ہے۔ (دیکھیے: اساس البلاغۃ) لیکن "خاتم النبیین" کا معنی انگوٹھی کرنے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ جبکہ کسی سچے پیغمبر کی توہین کرنا کفر ہے۔ اور اگر یہی معنے کیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا تمام انبیاء کرام علیہم السلام تو بمنزلہ جسم عروس کے ہیں اور سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ ان کی انگوٹھی کے ہیں۔

② ہمیں یہ تو تسلیم ہے کہ انگوٹھی زینت ہوتی ہے لیکن یہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ انگوٹھی کی شان، پہننے والے انسان سے زیادہ ہے کیونکہ انگوٹھی میں دنیا کا سب سے قیمتی ہیرا ڈال لیں تب بھی وہ کسی انسان سے قیمتی نہیں ہو سکتی، اس انگوٹھی کی شان کسی انسان سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ بالکل اسی طرح اگر خاتم کا معنی انگوٹھی کیا جائے تو اس سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زینتِ انبیاء تو کہا جاسکے گا لیکن جیسا ہونا چاہیے اس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو دیگر انبیاء کرام کی شان سے بڑھایا نہیں جاسکتا۔ اس لیے یہ قول بھی مردود ہے۔

خاتم بمعنی مُہر

① قادیانیوں کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خاتم کا معنی مہر ہے۔ اور دلیل میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اور حضرت کمال الدین حسین واعظ کاشفیؒ کے تراجم قرآن مجید کا حوالہ دیتے ہیں کہ انھوں نے بھی خاتم کا معنی مُہر کیا ہے۔ اور پھر اس کا مطلب خود اپنے پاس سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خاتم نبی ہیں، اور جس پر وہ مُہر کردیں وہ نبی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ان کا یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ:

① خود مذکورہ بالا بزرگانِ دین نے خاتم کا معنی مُہر تحریر فرمانے کے بعد حاشیہ پر اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ مہر کا مطلب کیا ہے۔ چنانچہ:

① حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے مترجم قرآن مجید کے حاشیہ پر فتح الرحمٰن میں تحریر فرمایا ہے: "یعنی بعد از وے ہیچ پیغمبر نہ باشد"۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوگا۔ اور اس عبارت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی نفی بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ نزولِ عیسیٰ بن مریمؑ کے منکر ہوتے تو وہ اس طرح نہ لکھتے کہ "بعد از وے ہیچ پیغمبر نہ باشد"۔ بلکہ وہ اس طرح تحریر فرماتے: "بعد از وے ہیچ پیغمبر نیاید"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو حضرت شاہ صاحبؒ نزولِ عیسیٰؑ ہی کے منکر تھے اور نہ ہی کسی "مُہرزدہ نبی" کی آمد کا عقیدہ رکھتے تھے۔

② اسی طرح حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کا مطلب بھی یہی ہے، اور اپنے مترجم قرآن مجید میں "خاتَم" کا معنی "مُہر" کرنے کے بعد حاشیہ پر "موضح قرآن" میں تحریر فرمایا کہ: "اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں"۔

③ حضرت حسین واعظ کاشفیؒ نے "مواہب علیہ" المعروف بہ تفسیر حسینی صفحہ ۱۳۵ میں تحریر فرمایا: "و پیغمبری بروختم کردہ اند"۔

④ خود حضرت نبی اکرم ﷺ نے بھی "خاتَم النبیین" کی تفسیر فرمائی ہے۔ اور یہ تفسیرِ نبویؐ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ثوبان مولیٰ رسول اللہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهٗ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کہ میری امت میں تیس کذاب ایسے ہوں گے جو خود کو نبی سمجھیں گے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ (دیکھیے: تفسیر دُرِّ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۸)

⑤ نیز حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی صفت خاتم النبیین کو ایک عمارت کی مثال دے کر اس طرح بیان فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی محل ہو جس کی عمارت بڑی خوبصورت بنائی گئی ہو۔

اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نظر نہ آتی ہو۔ البتہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو۔ نظارہ کرنے والے اس کے ارد گرد چکر لگاتے ہوں۔ اور اس عمارت کی خوبصورتی کو دیکھ دیکھ کر حیـران ہوتے ہوں کہ اس میں کوئی کسر باقی نہیں سوائے اس ایک جگہ کے۔ یہاں ایک اینٹ نہیں ہے۔ تو اس ایک اینٹ کی جگہ کو میں نے پر کیا ہے۔ میرے ذریعے وہ عمارت مکمل ہو گئی اور میرے آنے سے تمام رسول ختم ہو گئے۔ اور میں خاتم النبیین ہوں۔
(مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۱ بحوالہ بخاری و مسلم)

○ اب اگر کوئی اور نبی بنے تو وہ باہر کو لگا ہوا گارا سا کتنا برا لگے گا۔ اگر کوئی عقلمند آدمی اسے دیکھے تو اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسے کھرچ کر پھینک دے تا کہ عمارت کی خوبصورتی برقرار رہے اور اس عمارت پر بد نما دھبے کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

(۶) پھر مرزا قادیانی نے مہر کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ محاورۂ عرب کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ مہر تو اس وقت لگائی جاتی ہے جب صحیفہ کو کامل کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد ایک حرف بھی نہیں لکھا جاتا۔

(۷) اسی طرح کسی ملفوف کو جب بند کر دیا جاتا ہے تو اسے سر بمہر کر دیتے ہیں۔ تا کہ اس میں سے کوئی چیز نہ خارج کی جاسکے اور نہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل کی جاسکے۔

(۸) اور اگر مرزا قادیانی کے معنے درست مان لیے جائیں تو پھر اہل عرب میں مستعمل محاورے: خاتم القوم، خاتم المھاجرین اور خاتم الاولاد کے معنے کیا ہوں گے۔ کیا "خاتم القوم" کا یہ معنی درست مانو گے کہ وہ شخص جس کی مہر تصدیق سے قوم معرض وجود میں آئے۔ اسی طرح "خاتم المھاجرین" کا معنی ہو کہ "وہ شخص جس کی مہـــر سے مہاجـــر بنیں"۔ یا "خاتم الاولاد" وہ شخص ہو کہ جس کی مہر سے اولاد پیدا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ

محاورے ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتے' لہٰذا "خاتم النّبیّین" کا یہ معنی بھی باطل ہے کہ جس کی مہر سے نبی بنیں۔

خاتم بمعنی مُہر اور مہر بمعنی سند

○ متبعین مرزا کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: خاتم بمعنے مُہر اور مہر بمعنے سند ہے۔ اور "خاتم النّبیّین" کے معنے ہیں "سند النّبیّین"۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آئندہ آنے والے نبیوں کی سند ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد جو نبی ہوگا وہ آپ ﷺ کا متبع اور پیروکار ہوگا۔ لیکن:

○ ان کا یہ قول بھی احادیثِ صحیحہ مشہورہ اور آثارِ صحابہؓ اور اجماعِ امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ اور جو معنے حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی تشریح اور اجماعِ امت کے خلاف ہیں' وہ باطل اور مردود ہیں' بلکہ ایسی تاویل فاسد اور کفر ہے' جیسا کہ ابنِ عربی نے فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ میں لکھا ہے۔

لا نبی بعدی پر ابنِ عربی کا قول

○ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابنِ عربی نے لا نبی بعدی کے جو معنے کیے ہیں اس میں تشریعی نبوت کی نفی ہے' مطلق نبوت کی نفی مراد نہیں ہے۔ لیکن ان کا یہ قول بھی غلط ہے۔ کیونکہ:

○ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں لائے نفی جنس کے لیے ہے' اسی لیے اس کا اسم مفرد مبنی بر علامت نصب ہے۔ اور جنس کی نفی کرنے سے اس کے تمام انواع اور تمام افراد سے حکم کی نفی ہوجاتی ہے۔ مثلاً: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں جنس اِلٰہ کی نفی کرنے سے اِلٰہ کے تمام انواع اور تمام افراد سے "الوہیت" کی نفی ہوگئی۔ اور:

قاعدہ ہے کہ: "جہاں استثناء کا کلمہ نہ ہو وہاں تمام انواع و افراد کی نفی ہی مراد ہوتی ہے اپنے پاس سے استثناء فرض کرلینا درست نہیں"۔ اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں استثناء کا کوئی کلمہ موجود نہیں ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث نبوۃ کا دروازہ کلی طور پر بند ہوگیا ہے۔

○ نیز مرزا کی اس تاویل کو دیکھ کر کوئی مشرک بھی کہہ سکتا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں مطلق اِلٰہ کی نفی نہیں بلکہ مستقل اِلٰہ کی نفی ہے۔ اور غیر مستقل الٰہ کی نفی نہیں۔ جیسے ملائکہ' عیسیٰ' عزیر' اولیاء' ود' سواع' یغوث' یعوق' نسر' لات' عزیٰ' منات وغیرہ۔ حالانکہ کسی بُت پرست عرب کے دل میں بھی اس کا وہم تک نہیں گزرا۔

○ البتہ ہر مُسلمان کا عقیدہ ہے کہ فرمانِ نبویؐ لا نبی بعدی سے حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ انھیں از سرِ نو نبوت نہیں ملے گی' وہ تو بعثتِ نبویؐ سے تقریباً ۶۰۰ سال پہلے عہدۂ نبوت پر مبعوث کیے گئے تھے۔ اور قربِ قیامت میں جب حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتر کر زمین پر تشریف لائیں گے تو اس وقت وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ اور خلیفہ ہوں گے' اور شریعتِ محمدیؐ کی پیروی کریں گے۔ اور نبیؑ بھی ہوں گے۔ مگر نئی شریعت اور نئی کتاب لے کر نہیں آئیں گے جیسا کہ حضرت صالحؑ' حضرت یوشعؑ' حضرت لوطؑ وغیرہ بے شمار ایسے نبی ہو گزرے ہیں جو سابق رسول کی شریعت پر عامل اور مبلغ تھے۔ ممکن ہے ابنِ عربی کا بھی یہی مطلب ہو' جسے ہیرا پھیری کے ذریعے مرزا نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ امام شریف شمس الدین بن سید محمد بن السید ابی الطیب المدنی متوفی ۹۵۵ھ نے تصریح فرمائی ہے کہ شیخ محی الدین محمد بن علی المعروف بہ ابنِ عربی الطائی المالکی کی کتاب الفتوحات المکیہ میں ملحد لوگوں نے دسیسہ کاری کرتے ہوئے ایسی ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو عقائدِ علماءِ اہل السّنت والجماعت کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ ان کی دوسری کتابوں فصوص الحکم وغیرہ میں دسیسہ کاری ہوئی ہے۔ دیکھیے: کشف الظنون جلد ۲ کالم ۱۲۳۸-۳۹

خاتم النّبیین کا خاتم المہاجرین پر قیاس

○ نیز قادیانی کہتے ہیں کہ خاتم النّبیین کا یہ مطلب نہیں کہ نبوت کا دروازہ کلی طور پر بند ہوگیا ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت

عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: یا عباس انت خاتم المھاجرین کما انا خاتم النبیین کہ اے عباسؓ! جس طرح میں خاتم النبیین ہوں ایسے ہی آپؓ خاتم المہاجرین ہیں۔ حالانکہ حضرت عباسؓ کے بعد بھی کئی اصحابؓ کی ہجرت ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النبیین سے مراد سب آخری نبی نہیں۔ لیکن قادیانیوں کا یہ قول بھی غلط ہے۔ کیونکہ:

① سند کے اعتبار سے یہ روایت صحیح نہیں۔ اس لیے احادیث صحیحہ متواترہ و مشہورہ اور محدثین و مفسرین کی تشریحات کے مقابلے میں ایسی روایت کو عقیدے کی بنیاد بنانا غلط ہے۔

② نیز حضرت علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس روایت میں حارث بن ابی الزبیر راوی ہے "جس کا علم ضائع ہوگیا تھا" اس لیے ایسی حدیث کو دلیل میں پیش کرنا غلط ہے۔

خاتم النبیین کا خاتم الاوصیاء پر قیاس

○ نیز مرزائی اپنی دلیل میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جوزقانی سے منقول وہ روایت بھی پیش کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کما انا خاتم النبیین کذلک علی و ذریتہ یختمون الاوصیاء کہ جس طرح میں خاتم النبیین ہوں اسی طرح علیؓ اور ان کی اولاد وصیوں کو ختم کریں گے۔

○ لیکن یہ حدیث تو سرے سے ہے ہی موضوع اور بناوٹی' جبکہ موضوع حدیث پر عمل کرنے کو علماءِ حق نے حرام قرار دیا ہے۔

خاتم النبیین کا خاتم الاولیاء پر قیاس

○ اسی طرح "خاتم الاولیاء" والی حدیث بھی باطل ہے' جس کی نہ کوئی اصل ہے نہ سند' جبکہ "خاتم الاولیاء" وہ آخری مومن ہوگا جو لوگوں میں رہ جائے گا مگر وہ خیر الاولیاء نہیں ہوگا۔ (دیکھیے خاتمہ مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۵۱۸)

حدیث عائشہؓ میں لا نبی بعدہٗ کہنے سے ممانعت

○ نیز قادیانیوں کی طرف سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کیا جاتا ہے' جس میں آپؓ فرماتی ہیں کہ خاتم النبیین تو کہو مگر لا نبی بعدہٗ نہ کہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔

○ لیکن ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشادِ گرامی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا رہے گا' اور نئے نبی پیدا ہوتے رہیں گے' بلکہ ان کا مطلب تو یہ تھا کہ بے شک حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی پیدا بھی نہیں ہو گا۔ لیکن یہ تصور نہ کرو کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بھی کوئی نہ آئے گا۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی شان کے مطابق قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمین پر نزول فرمائیں گے' گو پیروی تو شریعتِ محمدیؐ ہی کی کریں گے تاہم نبی بھی ہوں گے' اس لیے مطلق نبی کی آمد کا انکار نہ کرو' بلکہ کسی نئے نبی کے پیدا ہونے سے انکار کرو۔ کیونکہ:

○ حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ نے درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۸ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمانِ ذی شان کے متصل بعد:

سیدنا مغیرہؓ کی وضاحت

سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے اس طرح درود شریف پڑھا: صلی اللہ علی محمد خاتم الانبیاء لا نبی بعدہٗ تو اس پر حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ نے فرمایا کہ بس تیرا خاتم الانبیاء کہ دینا ہی کافی ہے۔ کیونکہ ہمیں بتایا جاتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں' پھر جب وہ تشریف لے آئیں گے تو چونکہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی نبی تھے اس لیے آپؐ کے بعد بھی نبی رہیں گے۔ (درِ منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۸)

ام المومنینؓ کی وضاحت

○ خود ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب دجال لُد کے مقام پر آئے گا تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے پھر اس دجال کو قتل کریں گے۔ (مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۱۱۱)

○ نیز حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا کچھ حصہ بھی باقی نہیں رہا، البتہ صرف سچی خوابیں ہیں جو مسلمان دیکھتا ہے یا مسلمان کے حق میں کسی کو دکھائی جاتی ہیں۔

دیکھیے: مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۱۸۶ بروایۃ قوی الاسناد۔

○ بہرحال لا نبی بعدی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی پیدا ہوگا اور نہ مبعوث ہوگا۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی سابق نبی بھی نہیں آئے گا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چھ سو سال پہلے سے مبعوث ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آخری دور قرب قیامت میں ضرور آئیں گے۔ اور یہ مسئلہ تواتر سے ثابت ہے۔ جس کا ذکر رفع و نزول عیسیٰؑ کی بحث میں گزر چکے ہیں۔ اور اس پر تمام امت محمدیہ ﷺ کا اجماع ہے۔

علماءِ حق کے چند فتوے

(۱) حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اکفار الملحدین صفحہ ۴۲ میں

(۲) حضرت العلامہ الشیخ عبدالغنی نابلسیؒ کی کتاب شرح الفرائد کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا: اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ تمام امت محمدیہ ﷺ کا اجماع ہے کہ اس کلام نبویؐ کو اپنے ظاہر مفہوم پر ہی رکھا جائے۔ اور یہ ان مشہور مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس کی وجہ سے ہم ملعون فلاسفہ کو کافر کہتے ہیں۔

(۳) حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ نے رسالہ صفحہ ۱۳ میں فرمایا:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں' اور خاتم الانبیاء متعدد نہیں ہوسکتے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا عقائدِ اسلامیہ کے اصول میں سے ہے۔

④ الامام الاستاذ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر التمیمی البغدادیؒ متوفی ۴۲۹ھ نے اپنی کتاب اصول الدین صفحہ ۱۶۳ میں لکھا ہے: ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و قد تواترت الاخبار عنه بقوله لا نبی بعدی و من رد حجة القرآن و السنة فهو کافر یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لانبی بعدی کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور جو شخص قرآن مجید اور حدیث شریف کی قطعی دلیل کو رد کرے سو وہ کافر ہے۔

⑤ حضرت العلامۃ الشیخ محی الدین عبدالقادر بن ابی الوفاء محمد قرشیؒ نے:

⑥ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا فتویٰ اپنی کتاب الجواهر المضیه جلد ۲ صفحہ ۴۸۳ میں نقل فرمایا ہے کہ جو شخص مدعیِ نبوت سے اس کی سچائی پر نشانی مانگے تو وہ بھی کافر ہوگیا۔ کیونکہ اس سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے اور اس سے قرآنی حکم: خاتم النبیین کا رد ہوتا ہے اور قرآن مجید کا رد کرنا کفر ہے۔

⑦ حضرت علامہ سیف الدین ابو المعین نسفیؒ نے بحر الکلام صفحہ ۹۶ میں فرمایا: قال اهل السنة و الجماعة لانبی بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم یدل علیه قوله تعالیٰ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔ یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی طرح کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور شخص کو نبوت کا عہدہ نہیں دیا جائے گا۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ ہے۔

◯ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اس فتویٰ کو نقل فرمانے کے بعد:

⑧ حضرت امام ابو یوسفؒ کا فتویٰ بھی صاحب بحر الکلام نے تحریر فرمایا ہے: وروی

عن ابی یوسف رحمۃ اللہ انہ قال اذا خرج متنبئ فادعی النبوۃ فمن طلب منہ الحجۃ فانہ یکفر لانہ انکر النص۔ (بحر الکلام صفحہ ۹۶) یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خاص الخاص شاگرد حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جو کوئی بناوٹی نبی بن کر نکل آئے اور نبوت کا دعویٰ کرے تو اگر کسی نے اس سے نبوت کی دلیل مانگی تو وہ دلیل مانگنے والا خود بھی کافر ہو گیا۔ کیونکہ اس دلیل مانگنے والے نے اس مدعیٔ نبوت سے دلیل مانگ کر نص قرآنی کا انکار کیا ہے۔ اور اس کے بعد امام صاحبؒ نے فرمایا:

○ اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو بعثتِ نبویؐ کے بعد کسی مدعیٔ نبوت کے نبی ہونے یا نہ ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہو جائے۔ کیونکہ دلیل تو اس لیے مانگی جاتی ہے تاکہ حق اور باطل کے درمیان کھلا فرق معلوم کر لیا جائے۔

○ اسی طرح اگر کسی جھوٹے مدعیٔ نبوت سے کوئی خرقِ عادت بات ظاہر ہو جائے تو اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اسے استدراج کہتے ہیں جو کافر کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نصِ قطعی سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور معجزہ اس خلافِ عادت کام کو کہتے ہیں جو کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ اس لیے اب اگر کسی مدعیٔ نبوت کے ہاتھ پر کوئی خرقِ عادت بات ظاہر ہو جائے تو بھی وہ قابلِ التفات نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ معجزہ نہیں بلکہ استدراج ہے۔

(۹) الاشباہ و النظائر میں حضرت علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم اخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات۔ یعنی جب کوئی نہ پہچانے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

○ اس کے حاشیہ میں علامہ حمویؒ نے تحریر فرمایا کہ ایمان و کفر کے مسائل میں ضروریات کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے بندہ معذور نہیں ہوتا۔

⑪ حضرت امام ابن حبانؒ نے فرمایا کہ : جو شخص کہے کہ بابِ نبوت بند نہیں ہوا وہ زندیق ہے اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ (زرقانی جلد ۶ صفحہ ۱۸۸)

○ نیز دیکھیے : روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۵ و شرح عقائد سفارینی صفحہ ۲۵۷ و فصول عمادی صفحہ ۱۳۰۰ بھی دیکھیے۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت کا قتل

○ یہی وجہ ہے کہ بعثتِ نبویؐ کے بعد جب بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ تو کونسی نبوت کا مدعی ہے ' تشریعی یا غیر تشریعی نبوت کا' ظلی' بروزی یا حقیقی نبوت کا۔ بلکہ مسلمانوں نے اسے کذاب اور جھوٹا قرار دیا' اور اسے قتل کر دیا گیا۔ مثلاً :

① اسود عنسی بن کعب بن عوف ذوالخمار کو ۱۰ھ میں صحابۂ کرامؓ نے قتل کیا۔

② مُسَیلمہ (کذّاب) کو ۱۲ھ عہدِ صدیقیؓ میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اسلامی فوج نے قتل کیا۔

③ الحارث مدعیٔ نبوت کو اموی خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ نے قتل کیا اور سُولی دی۔

④ مغیرہ بن سعید عجلی کو ۱۸۳ھ میں نظرِ آتش کیا گیا۔ اسی طرح :

⑤ بیان بن سمعان کو ۱۸۷ھ میں نظرِ آتش کیا گیا۔ علاوہ ازیں :

⑥ ابو منصور عجلی کو ۱۸۹ھ میں دعویٰ نبوت کے جرم میں قتل کیا گیا۔ نیز :

⑦ بہافرید کو ۱۹۷ھ میں اسی جرم دعویٰ نبوت میں قتل کیا گیا۔ اسی طرح :

⑧ اسحاق اخرس مغربی کو ۲۰۳ھ میں نبوت کا دعویٰ کرنے پر قتل کیا گیا۔

○ لیکن ان کے علاوہ اور بھی بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت مثلاً :

⑨ رشید الدین سنان اور :

⑩ محمد بن اسمٰعیل وغیرہ جو قتل ہونے سے تو بچ گئے۔ مگر انھیں مسلمانوں نے عقیدۂ ختم نبوت ہی کی وجہ سے مسترد کر دیا۔

(دیکھیے : اکفار الملحدین والکاویہ علی الغاویہ)

۲۲ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۱ : ۷)

○ مرزا قادیانی نے اس آیتِ مبارکہ میں تحریف کرتے ہوئے اسے وفاتِ عیسٰیؑ کی دلیل بنایا ہے۔ اور اس آیتِ کریمہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: "اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہلِ کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو"۔ تو گویا مرزا قادیانی یہ کہنا چاہتا ہے کہ: حضرت عیسٰی علیہ السلام کی صلیب پر موت واقع ہونا اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھنا اور پھر آسمان پر چلے جانا اور خدا کے داہنی طرف بیٹھ جانا اور خدائی میں خداوند باپ کا شریک ہونا۔ یعنی جو کچھ بھی بائیبل میں لکھا ہوا ہے اسے من و عن تسلیم کر کے تمام مرزائیوں کو اعتقادی طور سے عیسائی ہو جانا چاہیے۔ حالانکہ:

اہل الذکر سے مراد اہلِ کتاب نہیں

○ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے منکرین کو اہلِ علم و صاحبِ بصیرت لوگوں سے اس بات کے دریافت کرنے کا مشورہ دیا ہے کہ ان سے پہلے جو رسول آئے وہ انسان ہی ہوا کرتے تھے یا نوری فرشتے۔ کیونکہ ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور نہایت پختگی کے ساتھ جاگزیں تھا کہ رسول کوئی نوری مخلوق یا فرشتہ ہوتا ہے 'انسان رسول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس خاکی انسان پر وحی الٰہی کا نزول نہیں ہوسکتا' نوری مخلوق ہی وحی الٰہی کی متحمل ہوسکتی ہے اور یہ کام بشر کے بس سے باہر ہے۔

○ مرزا قادیانی نے قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ کا ایک جملہ لکھ کر اس آیت کا غلط معنی کر کے لوگوں کو عیسائیت کی ترغیب دینے کی بھونڈی کوشش کی ہے۔ جبکہ پوری آیتِ مبارکہ اس طرح ہے:

قرآن وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیآء-۲۱:۷)

○ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کے شروع میں وَ استینافیہ بیانیہ لائے ہیں، جو سوال مقدر کے جواب میں لائی جاتی ہے۔ اور چونکہ اس مقام پر مشرکین مکہ کا سوال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے رسُول کو انسان نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان لوازمات بشریہ سے متصف ہوتا ہے، بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اور شادی بیاہ کرتا ہے۔ جبکہ فرشتہ یا ایسی کسی نوری مخلوق میں یہ لوازماتِ بشریت نہیں پائے جاتے اس لیے کسی نوری مخلوق کو رسُول ہونا چاہیے جو ان تمام عیوب سے پاک ہو۔

○ چنانچہ مشرکین کے انہی لغو تصورات اور عقائد و نظریات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

○ یا رسُول اللہ! ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی کو رسُول بنا کر نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ سب آدمی ہی ہوتے تھے، جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ اس کے بعد منکرینِ رسالت اور مشرکین کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

○ اے منکرینِ رسالت! یہ تو ایسی واضح حقیقت ہے کہ کسی شخص کو بھی اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس بات سے تو سب ہی واقف ہیں، لیکن اگر تمہیں اتنی آسان بات بھی معلوم نہیں اور تم اتنا بھی نہیں جانتے تو پھر اہلِ علم سے ہی پوچھ لو کہ کیا پہلے رسُول بھی بشر ہی ہوا کرتے تھے یا وہ فرشتے یا کوئی اور نوری مخلوق تھے۔

○ اگرچہ اس آیت میں مسئول عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر اس آیت کریمہ کے ابتدائی جملہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مسئول عنہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جانے والا "رسُول" انسان ہوتا ہے یا فرشتہ یا کوئی دوسری نوری مخلوق۔

○ لیکن مرزا قادیانی نے اس آیت کا جو معنی کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اس معاملے میں عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف رجوع کیا جائے

جس میں مسلمانوں کو تردد ہو۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بات اہل کتاب سے دریافت کرنے کو نہیں کہا' اور
نہ ہی خود مرزا قادیانی ان کی ہر بات کو مانتا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور"
کے مصداق بظاہر تو مرزا نے یہی رٹ لگائے رکھی تھی کہ حضرت عیسیٰ
صلیب پر سے زندہ ہی اتار لیے گئے تھے اور پھر مرہم عیسیٰ کے استعمال سے
تندرست ہو کر کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور ایک سو بیس برس کے
ہو کر انھوں نے وفات پائی۔ لیکن فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ کا جو معنی مرزا نے کیا
ہے اس سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلیب پر موت کے واقع ہونے کا جو
تصور عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں مشہور ہے اسی پر مرزا کا ایمان ہے۔

بہر حال یہ آیت کریمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت و حیات سے متعلق نہیں
ہے' اگر اس آیت کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے تو وہ صرف اتنا کہ نہ
صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام انسان اور مرد
ہوا کرتے تھے اور پیغام رسالت کو قوم کے سامنے مردانگی سے بیان فرمایا
کرتے تھے۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاح انسانیت کے لیے بذریعۂ
وحی پیغام نازل ہوتے تھے۔

اہل الذکر سے مراد پادری نہیں

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرین رسالت کو
تحریف شدہ انجیل اور محرف انجیل پادریوں سے مسئلہ دریافت کرنے کیلیے
ہرگز مشورہ نہیں دیا۔ بلکہ "اہل الذکر" سے پوچھنے کو کہا ہے۔ یہودی اور
عیسائی علماء سے مسائل معلوم کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا۔ یہودی و عیسائی
علماء اور پادریوں کو اہل الذکر کہنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ:

سید الانبیاء و آخر الرسل و الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور پوپ پادریوں سے کسی بھی قسم کے مسائلِ دینیہ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بارے میں تاریخی واقعات کے متعلق کسی قسم کا استفسار کرنے سے اپنی امت کو منع فرمادیا ہے۔ چنانچہ :

اہلِ کتاب سے سوال کی ممانعت

○ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لَا تَسْأَلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ فَإِنَّهُ لَنْ يَهْدُوْكُمْ وَقَدْ ضَلُّوْا فَإِمَّآ اَنْ تُصَدِّقُوْا بِبَاطِلٍ اَوْ تُكَذِّبُوْا بِحَقٍّ فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهُ اِلَّآ اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۳۸) کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے دینی امور کے ساتھ متعلق کوئی چیز بھی نہ پوچھا کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں کبھی سیدھا راستہ نہ بتائیں گے۔ جبکہ وہ تو خود بھی گم کردہ راہ اور بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس لیے جب تم ان اہلِ کتاب سے کوئی بات پوچھو گے تو اس میں دو طرح کا احتمال ہو سکتا ہے۔

(۱) ایک احتمال تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں جھوٹی اور من گھڑت بات بتادیں اور تم ان کی بتلائی ہوئی اس باطل اور غلط بات کی تصدیق کرو گے اور سمجھو گے کہ یہی حقیقت ہے اور اس طرح تمہارے ایمان میں خلل واقع ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ وہ لوگ تمہیں حقیقی اور سچا واقعہ بتائیں۔ لیکن وہ تمہاری سمجھ میں نہ آئے' جس کی وجہ سے تم اس سچی بات کا انکار اور تکذیب کر بیٹھو گے' سو یہ بھی غلط ہے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ صرف ان باتوں پر ایمان لاؤ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا میں تمہیں بتلاتا ہوں۔ کیونکہ میری اتباع تم پر فرض ہے۔ بلکہ اب اگر تمہارے درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی کام حلال نہ ہوتا۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ ذی شان سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ "اہل الذکر" سے مراد اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ نہیں' بلکہ منیب

اہلِ علم اور اہلِ تدبر و صاحبِ بصیرت منصف مزاج اہلِ ایمان مراد ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اوصافِ حمیدہ کسی مومن میں ہی ہوسکتے ہیں۔ کافران اوصاف کا اہل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ :

○ مومنین کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے : لیعلم الذین اوتوا العلم انه الحق من ربك فیؤمنوا به فتخبت له قلوبهم و ان الله لهاد الذین اٰمنوا الیٰ صراط مستقیم (الحج-۲۲: ۵۴) کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کو اور یقین ہو جائے کہ وحی برحق ہے تمہارے رب کی طرف سے اتری ہے۔ اور یہ بجز اپنے اس ایمان پر پختہ رہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو سیدھا راستہ دکھاتا رہتا ہے۔

○ اور کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ولا یزال الذین کفروا فی مریة منه حتی تأتیهم الساعة بغتة او یأتیهم عذاب یوم عقیم (الحج-۲۲: ۵۵) اور یہ ڈھیٹ کافر تو قرآن مجید کی طرف سے ہمیشہ شک ہی میں پڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ایک بڑے منحوس دن کا عذاب یکایک ان پر آنازل ہو۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا : انهم قوم لا یفقهون (الانفال-۸: ۶۵) یعنی کافر تو ایسی قوم ہے جو سمجھتی ہی نہیں۔

○ ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ : "اہل الذکر" سے مراد نہ یہود نصاریٰ ہیں اور نہ دیگر کفار۔ بلکہ غیب اہلِ علم اور اہلِ تدبر و صاحبِ بصیرت منصف مزاج اہلِ ایمان مراد ہیں۔

مرزا کی ہیرا پھیری

○ نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ محرفِ قرآن مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے لیے مذکورہ بالا حدیث کو بھی دلیل میں پیش کیا ہے۔ جس میں ایک طرف تو اہلِ کتاب سے ہر قسم کے مسائل دینی

اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے بارے میں کسی بھی قسم کا استفسار کرنے کی ممانعت آئی ہے تو دوسری طرف، واضح اور واشگاف الفاظ میں امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر صاحب کتاب رسول بھی میری بعثت کے بعد تم لوگوں کے درمیان زندہ ہوتے تو انھیں میری اتباع کے بغیر کوئی کام حلال اور جائز نہ ہوتا۔ (مسند احمد طبع جدید جلد ۴ صفحہ ۲۹۴ طبع قدیم جلد ۳ صفحہ ۳۳۸)

اور بعض روایات میں آیا ہے: لو کان موسیٰ حیًا ما وسعہ الا اتباعی۔ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس وقت زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی گنجائش اور چارۂ کار نہ ہوتا۔ دیکھیے:

① سنن دارمی صفحہ ۶۲ ② مشکوٰۃ صفحہ ۳۰ و ۳۲ و ③ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۳۸ ④ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ و جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۶ ⑤ شرح الشفاء لملا علی قاری طبع مصر ۱۳۰۹ھ جلد ۱ صفحہ ۶۱ و ۱۰۲ و ۷۲ و ۳ و ۴۵۹ و جلد ۲ صفحہ ۲۰۲۔ ⑥ اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ طبع لکھنؤ ⑦ موضوعات کبریٰ لملا علی قاری صفحہ ۱۰۰ ⑧ شرح فقہ اکبر لملا علی قاری صفحہ ۱۳۶ ⑨ اصول سرخسی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ ⑩ تحذیر الناس صفحہ ۴ ⑪ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۹، ۲۴۹ طبع مصر ⑫ نزہۃ المجالس جلد ۳ صفحہ ۳۳۱ ⑬ بیہقی فی شعب الایمان جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ ⑭ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ (حاشیہ) ⑮ عون المعبود جلد ۴ صفحہ ۲۱۹ طبع مصر ⑯ شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۱۰۱ (حاشیہ) ⑰ غایۃ التحقیق شرح حسامی صفحہ ۲۰۲ طبع لکھنؤ ⑱ جمل بر جلالین جلد ۱ صفحہ ۷۴ ⑲ تفسیر مفاتیح الغیب جلد ۲ صفحہ ۴۸۳ ⑳ روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ و جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ ㉑ تفسیر ابن کثیر جلد صفحہ ۳۷۸ طبع مصر ㉒ تفسیر انوار التنزیل جلد ۱ صفحہ ۶۹ و ۱۷۸ ㉓ تفسیر عزیزی پ ۳ صفحہ ۴۶ طبع دہلی ㉔ مواہب الرحمٰن جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ و ۱۷۲ و جلد ۳ صفحہ ۳۴۰

(۲۵) نسیم الریاض شرح الشفاء صفحہ ۲۱ طبع مصر (۲۶) الیواقیت والجواہر للامام الشعرانی جلد ۲ صفحہ ۲۱ و جلد ۳ صفحہ ۱۴۱ (۲۷) فتوحاتِ مکیہ لابن عربی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ و ۱۴۴ و ۲۲۲ و ۲۲۴ و جلد ۴ صفحہ ۱۴۱ (۲۸) طیبی شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۵۲ (۲۹) الدرالمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۵۳

لیکن مرزا قادیانی نے اسی حدیث کو اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کیا۔ مگر ان الفاظ کے ساتھ نہیں' بلکہ کسی کتاب میں کاتب کے کتابت کی غلطی ہوئی اور اس نے موسیٰ کے ساتھ عیسیٰ بھی لکھ دیا۔ کاتب کی اس غلطی سے مرزا قادیانی نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور وہی روایت جس سے اس کے دعوے کی دھجیاں اڑ رہی تھیں' اس کو دیکھ کر وہ بغلیں بجانے لگا۔ اور آج تک متبعین مرزا اس روایت کو ایک وزنی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور اس قسم کی اغلاط عموماً کاتب حضرات سے سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً:

شرح فقہ اکبر کے کئی نسخے ہیں۔ مصر میں ایک قدیمہ نسخہ مطبوعہ رمضان ۱۳۲۷ھ ہے۔ اور ایک نسخہ جدیدہ مطبوعہ ۱۳۷۵ھ ہے۔ ان دونوں میں کتابت کی غلطی سے صفحہ ۱۰۱ پر لوکان عیسیٰ حیاً ماوسعہ الاتباعی لکھا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت ملا علی قاریؒ کی الموضوعات الکبیر صفحہ ۱۶ اور شرح الشفاء مطبوعہ مصر ۱۳۰۹ھ جلد اول صفحہ ۱۰۶ فصل ۷ میں لوکان موسیٰ حیاً ماوسعہ الا اتباعی موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر دونوں نسخے غلط ہیں۔ اور مطبع مجتبائی کی مطبوعہ شرح فقہ اکبر مطبوعہ ۱۳۴۸ھ میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے۔

اور جن کتابوں کا حوالہ مرزائی پیش کرتے ہیں وہ دو تین ہیں' جن میں کتابت کی غلطی سے لوکان موسیٰ و عیسیٰ لکھا گیا ہے۔ اور کتابت کی اسی غلطی سے مرزا قادیانی نے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے وفاتِ مسیح کی دلیل بنا کر قوم کو گمراہی کا راستہ دکھایا ہے۔

مرزا قادیانی کی قوتِ حافظہ

○ "دروغ گورا حافظہ نباشد" کے مصداق مرزا قادیانی ایک طرف تو وفاتِ عیسیٰ پر یہ حدیث اپنی دلیل میں پیش کرتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں ہی فوت ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث خود اس کے ایک دوسرے دعوے کا پرزور رد کر رہی ہے جس میں مرزا قادیانی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ چنانچہ:

حیاتِ موسیٰ کے متعلق مرزا قادیانی کا کھلا جھوٹ

○ مرزا قادیانی نے لکھا ہے: موسیٰ فتی اللہ الذی اشار اللہ فی کتابہ الی حیاتہ و فرض علینا ان نؤمن بانہ حی فی السماء ولم یمت ولیس من المیتین و اما نزول عیسیٰ من السماء فقد اثبتنا بطلانہ فی کتابنا الحمامۃ (نور الحق صفحہ ۵۰)

○ مرزا نے خود اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: موسیٰ مردِ خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اور ہم پر فرض ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ وہ زندہ آسمان پر موجود ہے اور مردوں میں سے نہیں۔ مگر یہ بات کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہوں گے سو ہم نے اس خیال کا باطل ہونا اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ میں بخوبی ثابت کر دیا ہے۔

○ اپنے اس دعویٰ میں مرزا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ ماننا اپنے متبعین پر اس طرح فرض قرار دیا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ ماننا مسلمانوں کے لیے فرض ہے۔ یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ نہ ماننے سے اسلام کا دعویٰ کرنے والا مسلمان نہیں رہتا، اسی طرح مرزا قادیانی کی پیروی کا دعویدار اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بجسدہٖ و روحہٖ آسمان پر زندہ نہیں مانتا تو وہ مرزائیت سے خارج ہے۔

مرزا قادیانی کا ایک اور جھوٹ

- نیز مرزا قادیانی نے اپنے مذکورہ بالا دعویٰ میں یہ بھی لکھا ہے کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے"۔ جبکہ قرآن مجید میں قطعاً اس قسم کا کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں' ورنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان موسیٰ حیا کبھی نہ فرماتے۔
- ہم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ میں درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہیں بلکہ منکرین رسالت کفار و مشرکین کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر تم اتنی آسان سی بات بھی نہیں جانتے تو "اہل الذکر" سے پوچھ لو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء و رسل بھی انہی کی طرح آدم زاد تھے یا کوئی نوری مخلوق تھے۔
- لیکن مرزا کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے متنازعہ فیہ مسائل کے بارے میں جو کچھ پوچھنا ہے وہ یہود و نصاریٰ سے پوچھو' نہ قرآن مجید کی بات مانو اور نہ ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے رہنمائی لو۔
- حالانکہ لو کان موسی حیا میں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ لو کا مطلب ہوتا ہے : انتفاء الثانی لانتفاء الاول دوسرا اس لیے منتفی ہے کہ پہلا منتفی ہے۔ یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع کرتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اتباع محمد ﷺ اس لیے نہیں کرتے کہ آپؑ زندہ نہیں ہیں۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے بارے میں متواتر احادیث اور پوری مسلم امت کا متفقہ عقیدہ ہم نے گزشتہ اوراق میں واضح کر دیا ہے۔ اس کے باوجود قرآن مجید کی اس آیت میں معنوی تحریف کر کے مرزا قادیانی نے یہود و نصاریٰ اور ان کی خود ساختہ کتب کی طرف مراجعت کا مشورہ دیا ہے' جبکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے۔

۲۲ یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً . . .
(۸۹: ۲۷-۳۰)

○ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں بھی ایسا کوئی لفظ نہیں جس کے معنے ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ البتہ اس میں تین احتمال ہیں۔ مثلاً:

① نفس کو اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب مرتے وقت ہوتا ہے۔

② قبروں سے نکلتے وقت انسان سے اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب ہوگا۔

③ میدان حشر میں حساب سے فارغ ہونے کے بعد یہ خطاب ہوگا۔

○ اور ان میں سے تیسرا احتمال ارجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ سے پہلے قیامت کے احوال کا ذکر ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ:

○ "ایک دن ایسا آنے والا ہے جس دن سب چیزوں کا حساب ہوگا اور اس دن زمین کو خوب کوٹ کوٹ کر برابر کر دیا جائے گا اور تمام ٹیلوں اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے زمین کو بالکل برابر کر دیا جائے گا"۔ پھر فرمایا:

○ "یا رسول اللہ! اس دن آپ ﷺ کا رب رونق افروز ہوگا اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ اور اس دن جہنم لائی جائے گی۔ اس دن انسان نصیحت پکڑے گا اور اس کو سمجھ آئے گی۔ مگر اس وقت نصیحت پکڑنے اور سمجھ آنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ یعنی اس وقت ایمان لانا بے سود ہوگا۔ اس لیے کہ وہ دار الجزاء ہے 'دار العمل' نہیں"۔

○ یہ سب چیزیں دیکھ کر انسان کہے گا: "اے کاش! میں نے اپنی دنیوی زندگی میں اپنی اس اخروی زندگی کے لیے کوئی نیک عمل آگے بھیج دیا ہوتا"۔

○ اس کے بعد بطور تخویف اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پھر اس دن اللہ تعالیٰ کی طرح سخت عذاب دینے والا کوئی دوسرا نہ ہوگا اور اس کی طرح باندھنے جکڑنے والا بھی کوئی اور نہ ہوگا"۔

○ یہاں تک تو کافر کی حالت کا بیان ہوا۔ اس کے بعد نیک بندوں سے

اللہ تعالٰی کے خطاب کا ذکر ہے کہ دنیوی زندگی میں احکام الٰہی کے مطابق اعمال صالحہ کرنے والے کو اللہ تعالٰی مخاطب کر کے جنت میں داخل ہونے کا حکم دیتے ہوئے فرمائیں گے : یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (۸۹: ۲۷-۳۰) "اے اطمینان اور سکون یافتہ جان! تو اس شان سے اپنے رب کی طرف چل کر تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پھر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری تیار کردہ جنت میں داخل ہو جا"۔

- ان آیات میں کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں تا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن مرزا قادیانی نے میدانِ حشر میں اللہ تعالٰی کے اس مکالمہ کا تحریف کے ذریعے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے لیے دلیل میں پیش کر کے اپنی جہالت کا واضح اعلان کیا ہے۔
- نیز اگر بوقتِ وفات ہی اس خطاب کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی مرزا کا دعویٰ ثابت نہیں تا۔ کیونکہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں تا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور جب آسمان سے نازل ہونے اور اپنی دنیوی زندگی پوری ہونے کے بعد فوت ہوں گے تو اس وقت ہی یہ خطاب ہوگا۔
- لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ کَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ سے وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ تک کافروں اور بدکاروں کے لیے تخویف اخروی یعنی آخرت کے عذاب کا ڈراوا ہے' تاکہ کفار آخرت کے عذاب سے ڈر کر ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ سے مومنوں کے لیے بشارت اخروی ہے۔ اور اس ضمن میں کافروں اور بدعمل لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ تاکہ مومن اپنے ایمان میں پختہ ہوں اور جو کافر و بدکار ہیں وہ بھی ایمان لا کر نیکوکار ہو جائیں' تاکہ ان کو اللہ تعالٰی اپنے نیک بندوں یعنی انبیاء و صلحاء کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے۔

○ بے شک انبیاءِ کرامؑ سے بڑھ کر نفسِ مُطْمَئِنَّة کا حامل تو کوئی نہیں مگر اس آیت میں نفسِ مُطْمَئِنَّة سے مراد انبیاءِ کرامؑ نہیں بلکہ مومنین صالحین مراد ہیں۔

۲۴ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ (۳۰ : ۴۰)

○ اس آیتِ مبارکہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا اِشارہ تک نہیں' بلکہ اس آیتِ مبارکہ میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ الوہیت یعنی پیدا کرنے' رزق دینے' مارنے اور جلانے کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ صفات میرے لیے مخصوص ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار مشرکین کو مخاطب کرکے فرمایا:

قرآن هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ (۳۰ : ۴۰)

ترجمہ اے مشرکو! مذکورہ بالا یہ صفاتِ الوہیت جو خاص مجھ ہی میں پائی جاتی ہیں بھلا تمھارے خود ساختہ و مزعومہ شریکوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو۔

○ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن جن ہستیوں کو قابلِ پرستش سمجھ کر مشرکین اپنی حاجات و مشکلات میں پکارتے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو مذکورہ بالا کاموں میں سے کوئی ایک کام بھی کر سکتا ہو۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام' فرشتے اور دوسرے لاتعداد ایسے معبود بھی شامل ہیں۔ جنھیں مشرکین اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ لیکن ان ہستیوں میں یہ صفاتِ مخصوصہ نہیں پائی جاتیں اس لیے وہ معبود نہیں ہو سکتے۔

○ اسی طرح اس آیتِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے پیدا کرتا ہے اسے رزق بھی عطا فرماتا ہے۔ اور پھر اسے مارتا ہے تو ایک بار پھر اسے زندہ کیا جائے گا۔ تاکہ اس کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے۔

○ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا' پھر زمین پر انھیں زمینی رزق دیا اور جب آسمان پر اٹھالیا تو آسمانی رزق عطا فرماتا ہے۔ پھر زمین پر زمینی رزق

دے گا۔ پھر ان کی جان قبض کرے گا اور قیامت میں دوسرے لوگوں کے ساتھ انھیں بھی زندہ کرے گا' اس طرح یہ بھی اس کلیہ میں داخل ہیں۔

۲۵ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (۵۵: ۲۶'۲۷)

یعنی جو کوئی بھی روئے زمین پر ہے سب کچھ فنا ہوجانے والا ہے۔

○ مرزا قادیانی نے اپنے زعم میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرکے بڑا تیر چلایا ہے۔ حالانکہ یہ آیت تو اس کے سامنے پیش کرنی چاہیے جو قیامت کا منکر اور قدم عالم کا قائل ہو۔ مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ صرف زمین کی نہیں بلکہ آسمان والے بھی فنا ہوجائیں گے۔ لیکن اس آیت سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔ لہٰذا تقریب تام نہ ہوئی' یعنی دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں۔

○ نیز مرزا قادیانی نے لفظ فَانٍ کے معنے تدریج کے کیے ہیں کہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ حالانکہ عربیت کا کوئی قاعدہ ایسا نہیں جس سے ثابت ہو کہ فانٍ کے معنے میں فنا کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری رہنا پایا جاتا ہے۔

○ نیز مرزا نے کہا کہ "خدائے تعالیٰ نے فانٍ کا لفظ اختیار کیا ہے۔ یفنی نہیں کہا' تا معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں یک دفعہ واقع ہوگی"۔

○ سو اس کا یہ کہنا قاعدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ صیغہ مضارع کا استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی پیچھے پیچھے کام کا ہونا۔ اور تجدد و حدوث کے لیے نہیں آتا۔ جیسا کہ حضرت علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے مختصر معانی صفحہ ۱۶۰ میں ایک شعر میں آنے والے لفظ یتوسم کے معنے لکھے ہیں : ای یصدر عنہ تفرس الوجوہ وتأملھا شیئاً فشیئاً ولحظۃ فلحظۃ یعنی تھوڑا تھوڑا کرکے لحظہ لحظہ اس سے چہرہ کا تفرس و تامل ظاہر ہوتا ہے۔ اور تفرس کا معنی ہے نظر جما جما کر دیکھنا' اور تامل کا معنی ہے غور اور دیر تک سوچنا۔ اور اسم فاعل میں قاعدہ تدریج کا نہیں۔ مثلاً خَالِدٌ حَاجٌّ (خالد حاجی ہے)

○ مرزا قادیانی شاید اس کا معنی بھی یہی کرتا ہوگا کہ خالد کی ساری زندگی میں حج کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کیونکہ یہ معنی صرف مرزا ہی کر سکتا ہے کوئی اور نہیں۔

۲۶ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ
(۵۴ : ۵۴ و ۵۵)

○ اس آیتِ مبارکہ میں قیامت کا حال مذکور ہے کہ قیامت میں متقین جنت میں جائیں گے اور گھنے باغات میں رہیں گے' جہاں دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ اور مرنے کے بعد قیامت سے پہلے انسان اس جنت میں نہیں جاسکتا' یہ جنت تو قیامت کے بعد ہی کسی خوش قسمت کو نصیب ہوگی۔

○ اس دنیا میں جو شخص مرجاتا ہے تو مرتے ہی وہ مذکورہ بالا جنت میں سیدھا نہیں جاتا بلکہ برزخ میں جاتا ہے۔ جو اس جہان سے بھی مشابہت رکھتا ہے اور عالم آخرت سے بھی مشابہت رکھتا ہے۔ اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق علیین یا سجین میں برزخی ثواب یا عذاب حاصل کرتا ہے۔ لیکن نہ تو علیین جنت ہے اور نہ سجین جہنم' یہ تو نمونے ہیں جنت یا جہنم کے' جیسے آرام گاہ ہو یا حوالات۔

○ اب یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر جنت میں پہنچ گئے بالکل غلط بات ہے۔ اور اس آیت میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف معمولی سا اشارہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ آیت وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل کس طرح بن سکتی ہے؟

○ نیز گزشتہ اوراق میں از روئے قرآن و حدیث تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپؑ کو اس زمین سے اٹھا کر ایک معین مدت کے لیے مع روح و جسد کے آسمان پر رکھا ہوا ہے' اور یہ آسمان جنت نہیں' جنت تو ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔ آسمان کو جنت سمجھنا انتہائی درجہ کی غلط فہمی' بلکہ جہالت ہے۔ اس لیے یہ آیت بھی وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۲۷ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا۔ (۲۱: ۱۰۱ و ۱۰۲)

○ مرزا قادیانی نے اس آیتِ کریمہ سے بھی وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' حالانکہ اس آیت میں بھی قیامت ہی کا ذکر ہے۔ اور اس سے پہلے آیت ۹۶ تا ۱۰۰ میں تخویفِ اخروی ہے' جس میں قربِ قیامت کے حالات بیان فرمانے کے بعد قیامت کا ذکر لایا گیا ہے کہ اس دن مشرکین کو حکم دیا جائے گا کہ تم بھی اور جن چیزوں کی تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پرستش کیا کرتے تھے اب وہ سب بھی دوزخ میں جلائے جاؤ گے اور تم سب کو دوزخ میں جانا ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تمہارے یہ معبود بھی سب کے سب جھوٹے ہیں' اور اگر یہ سچے ہوتے تو دوزخ میں نہ جاتے اور اب تم سب عابد و معبود ہمیشہ اسی دوزخ میں رہو گے۔ اور پھر فرمایا کہ وہاں انھیں ایسی مصیبت پڑی ہوگی کہ اپنے چلانے کے شور و غل میں کسی کی بات بھی نہ سن سکیں گے۔

○ اب یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مشرکین صرف بدکردار لوگوں ہی کی تو پرستش نہیں کرتے' بلکہ وہ تو فرشتوں کی عبادت بھی کرتے ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت مریم جیسی برگزیدہ ہستیوں کو بھی معبود سمجھتے ہیں تو کیا یہ ہستیاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گی۔ تو اس شبہ کا

جواب یہ دیا کہ بیشک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے ان کی تقدیر میں پہلے ہی بھلائی لکھی جاچکی ہے۔ یعنی اپنے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرچکے ہیں وہ لوگ جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔ بلکہ اس کی بھنک بھی تو ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی اور وہ ہمیشہ اپنی من مانی مرادوں میں رہیں گے۔

○ مرزا قادیانی نے مُبْعَدُوْنَ کا معنی کیا ہے "دور کیے گئے ہیں"۔ حالانکہ مضارع' اسم فاعل اور اسم مفعول یہ تینوں صیغے زمانہ حال و استقبال پر دلالت کرتے ہیں۔ زمانہ ماضی کا معنی مراد لینا غلط ہے۔ (دیکھیے شرح مأۃ عامل)۔

۲۸ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ (۴: ۷۸)

○ اس آیتِ مبارکہ میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے مرزا کا دعویٰ ثابت ہوتا ہو۔ اس آیتِ کریمہ کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ کسی حال میں بھی موت سے مفر نہیں، تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تمھیں آ لے گی۔

○ اس آیتِ مبارکہ میں موت کے خوف سے گھبرا کر جہاد میں نہ جانے والوں کو بطورِ زجر و تنبیہ کے کہا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں موت کا خوف ہے تو اسے اپنے دل سے موت کا خوف نکال دینا چاہیے۔ کیونکہ موت تو ایک ایسی اٹل چیز ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے تو وقتِ مقررہ پر موت تمھیں وہیں آ گھیرے گی۔ اور موت کوئی جہاد کے ساتھ مشروط نہیں، اس لیے اگر تم موت سے گھبرا کر میدانِ جنگ میں جانے کی بجائے چونے کے پتھر (سیمنٹ، کنکریٹ اور لوہے) سے بنے ہوئے اونچے اور پختہ و مضبوط ترین مکانوں اور قلعوں میں بیٹھ جاؤ پھر بھی موت سے نہیں بچ سکتے۔

○ اس آیتِ مبارکہ میں جہاد کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے کہ جہاد کسی حال میں بھی نہ چھوڑا جائے۔ اور یہاں جہاد سے جہاد بالسیف ہی مراد ہے۔ جو مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ جبکہ خود مرزا قادیانی جہاد بالسیف کا منکر ہے۔ اور اب جب وہ جہاد کے بارے میں اس آیت کا منکر ہے تو اسے حق ہی نہیں کہ وہ اس آیت کو اپنے باطل دعویٰ کے اثبات میں بطورِ دلیل پیش کرے۔

○ نیز ہمارا ایمان ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی موت سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے موت نہیں آتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حیاتِ جاودانی نہیں دی گئی، انھیں بھی آخر موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں۔ بہرحال اس آیتِ کریمہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ مرزا قادیانی کے علی الرغم جہاد کی اہمیت اور فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ جس کا مرزا قادیانی منکر ہے۔

۲۹ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (۵۹ : ۷)

○ مرزا قادیانی نے قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ لکھ کر اس کا ترجمہ بھی لکھا ہے کہ رسول جو کچھ تمہیں علم و معرفت عطا کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود مرزا قادیانی نے اس حکم الٰہی سے انکار کرکے کفر کی راہ اختیار کی ہے۔ چنانچہ ہم نے مرزا کی پیش کردہ آیت ۲۲ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ (۲۱ : ۶) میں مرزا کے غلط استدلال کے رد میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے۔ جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی امور سے متعلق اہل کتاب سے کسی قسم کی کوئی بات پوچھنے سے منع فرمایا ہے۔

○ لیکن مرزا قادیانی نے قرآن مجید میں معنوی تحریف کرکے اس آیت کا مخاطب مشرکین کی بجائے مسلمانوں کو بنایا اور پھر اپنے اسی محرف معنی کا سہارا لے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی : لَا تَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ عَنْ شَيْءٍ کا منکر ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۹ : ۷) والے حکم الٰہی کا بھی مرزا قادیانی منکر ہے' لہٰذا اسے یہ آیت پیش کرنے کا حق ہی نہیں۔

○ لیکن چونکہ مرزا نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ لکھ کر اپنے دعویٰ "وفات مسیح" کو مضبوط کرنے کے لیے دو احادیث مبارکہ بھی پیش کی ہیں' تو اس لیے ضروری ہے کہ ان کا جواب بھی دیا جائے۔ چنانچہ :

❶ مرزا قادیانی کی پیش کردہ پہلی حدیث : اعمار امتی مابین ستین الی السبعین واقلھم من یجوز ذلک (مشکوٰۃ ۴۵۰۔ عن ابی ہریرۃ) کہ میری امت کی اوسط عمر ساٹھ سے ستر برس کے درمیان ہوگی۔ سو اس کا :

جواب یہ ہے کہ اس فرمان نبویؐ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ساٹھ برس سے کم تو کسی کی عمر ہوگی ہی نہیں' اور ساٹھ سے آگے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ ستر سال تک ہی کوئی پہنچ پائے گا کہ موت اسے آ لے گی۔ کیونکہ یہ خلاف مشاہدہ ہے۔

○ دراصل حدیثِ مبارک میں اوسط عمر بتائی گئی ہے۔ کیونکہ بعض تو شیر خوارگی کے زمانہ میں ہی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ بعض لڑکپن میں' بعض جوانی میں' بعض ادھیڑ پن میں' بعض بڑھاپے میں' اور بعض تو سو سال سے بھی آگے گزر جاتے ہیں' تب بھی انھیں موت نہیں آتی۔ جس کی تفصیل مرزا کی پیش کردہ آیت ۱۵ کے جواب میں گزر چکی ہے۔

○ کیا مرزا قادیانی کے متبعین یہ بتلاسکتے ہیں کہ اس حدیثِ مبارک میں فلاں لفظ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔ اسی طرح :

● دوسری حدیث جو مرزا قادیانی نے پیش کی ہے وہ یہ ہے : واقسم باللّٰہ ما علی الارض من نفس منفوسۃ یاتی علیھا مائۃ سنۃ وھی حیۃ یومئذ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰ و ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲) یعنی زمین پر موجود کوئی مولود جان جو اس وقت زندہ ہے وہ سو سال گزرنے کے بعد زندہ نہ رہے گی۔

○ مرزا کا مقصد ہے کہ اس حدیث کی رو سے ارشادِ نبوی کے بعد سو سال سے زیادہ کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ سو اس کا :

جواب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی زمین پر موجود ہے وہ سو سال تک مر جائے گا۔ لیکن جو زمین پر موجود ہی نہیں بلکہ آسمان پر ہے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا۔

○ مرزا قادیانی نے اس مقام پر نہایت چالاکی سے علی الارض کے معنے بدل کر "زمین کی مخلوقات" کر دیا ہے' تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس میں شامل کیا جاسکے جو زمینی مخلوق ہیں اور اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں' حالانکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ما علی الارض کا لفظ استعمال فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس حکم سے خارج قرار دیا ہے۔ کیونکہ :

قاعدہ ہے کہ جار مجرور کا متعلق اگر مذکور نہ ہو تو اس کا متعلق قرینہ کی موجودگی میں تو خاص مراد لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر قرینہ کوئی نہ ہو تو افعالِ عامہ میں سے کوئی مقدر

نکالتے ہیں۔ اور افعالِ عامہ یہ ہیں:
① کون ② ثبوت ③ وجود ④ حصول ⑤ تلبس و امثالہا۔
○ اور اس مقام پر کوئی قرینہ ایسا نہیں جس کی وجہ سے خاص مخلوق متمدر نکالیں' چہ جائے کہ اس خاص کو بھی پھر ارضی کے ساتھ مُقید کریں۔ پس قواعدِ عربیہ کے لحاظ سے اس ارشادِ نبوی کا معنی یہ ہے کہ جو مولود جان زمین پر موجود ہے وہ سو سال کے بعد زندہ نہ رہے گی۔ اور جو مولود جان زمین پر موجود نہیں اس پر یہ حکم نافذ نہیں ہوتا۔
○ اور ظاہر ہے کہ کوئی آسمانی مخلوق ایسی نہیں جو انسانوں کی طرح منفوس ہو' صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ایک نفس مولود منفوس ہیں جو دوسرے آسمان پر بحکمِ الٰہی تشریف فرما ہیں۔ یہ حدیث انھیں اس حکم سے خارج کر رہی ہے۔ کیونکہ گو وہ نفس منفوس ہیں مگر موجود علی الارض نہیں' بلکہ موجود علی السماء ہیں' اس لیے وہ حکم سے خارج ہیں۔ یہ معنیٰ قواعدِ عربیہ' عرف اور احادیث مبارکہ کی رو سے درست و صحیح ہے' اور جو معنی مرزا نے کیا ہے وہ نہ تو قواعدِ عربیہ کی رو سے درست ہے اور نہ ہی عرف و احادیثِ صحیحہ کی رو سے صحیح ہے' اس لیے مرزا کا معنی مردود ہے۔
○ البتہ اس حدیث کے حکم سے حضرت الیاسؑ و خضر خارج نہیں ہوسکتے، کیونکہ وہ ایسے نفس منفوس ہیں جو زمین پر موجود بتلائے جاتے ہیں' حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ ذی شان کے صدور کے وقت اگر بالفرض وہ زندہ ہوں تب بھی سو سال کے اندر اندر ضرور وفات پاچکے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ملا علی بن سلطان محمد قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۲۳۵ میں تحریر فرمایا ہے۔
○ اسنی المطالب صفحہ ۶۱۶ میں شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن درویش الحوت البیروتی فرماتے ہیں کہ: حضرت الیاسؑ کی زندگی کے بارے میں امام حاکم' امام دارقطنی

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت لکھی ہے امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد ۴ صفحہ ۴۴۱ میں یزید بن یزید بلوی کے ترجمہ میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حدیث خبر باطل ہے۔ اور تلخیص المستدرک میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع و من گھڑت ہے' اللہ تعالیٰ اس کے واضع کا برا کرے۔

○ نیز آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ یا تو نبی تھے یا کسی نبی کے تابع تھے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کے زندہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو امورِ عجیبہ میں سے ہونے کی وجہ سے ہم پر مخفی نہ ہوتے۔ اور بنص قرآن مجید حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کی نصرت فرماتے۔ اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں ان کا وجود فرض کر لیا جائے تو پھر بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری عشاء کے فرمان عالی شان کے مطابق سو سال کے عرصہ میں وہ فوت ہو گئے۔

○ اسی طرح شیخ صدر الدین سادہ کے سامنے ۶۳۲ھ میں ہندوستان کے ایک شخص شیخ بابا رتن ہندی نے دعویٰ کیا تھا کہ میں طویل العمر صحابی ہوں۔ اور کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی غزوۂ خندق میں موجود تھا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس نے بتایا کہ آپؐ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر مٹی اٹھاتے جاتے تھے۔ جیسا کہ درِ مفقود صفحہ ۲۶۴ میں بحوالہ بحار الانوار جلد ۱۳ منقول ہے۔ لیکن مذکورہ بالا حدیث کی رو سے اس کا یہ دعویٰ باطل قرار پاتا ہے۔

○ حضرت حافظ ابن حجر کنانی عسقلانیؒ نے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۴۵۰ میں رتن ہندی کو شیخ دجال کہا ہے۔ جس نے چھ سو سال بعد ظاہر ہو کر صحابی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے علاوہ اور بہت کچھ برا بھلا کہا ہے۔

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ اس فرمان مبارک سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ آج کے دن سے اس روئے

زمین پر جتنے نفوس بھی زندہ موجود ہیں سو سال تک ان میں سے کوئی ایک نفس بھی زندہ نہ رہے گا۔

○ بہرحال اس حدیث کی رو سے صرف انہی لوگوں کا سو سال کے اندر اندر مرجانا ثابت ہوتا ہے جو اس وقت اس روئے زمین پر زندہ موجود تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمینی مخلوق تو بیشک ہیں لیکن اس وقت وہ اس زمین پر نہیں تھے اس لیے وہ اس حکم سے خارج ہیں۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال ہی صحیح نہیں۔ کیونکہ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ابوسفیان طلحہ بن نافع نے روایت کی ہے۔ جبکہ حضرت جابرؓ سے ان کا سماع ثابت ہی نہیں۔ علی بن مدینی نے کہا کہ یہ قوی نہیں' ابن معین نے اسے لاشے کہا۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور منقطع بھی۔ (دیکھیے : تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۷ و خلاصہ تذہیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۱۳ و کتاب الاستغنا لابن عبدالبر جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

۳۰ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ...... قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (۱۷ : ۹۳)

○ اس آیت کریمہ کو بھی مرزا قادیانی نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت مبارکہ میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔

○ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ دراصل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے سات مطالبات میں سے ایک مطالبہ ہے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے بطورِ شکوی کے آیت ۹۰ تا ۹۳ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ کفار اور مشرکین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے مطالبات کرتے ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے معجزات دکھانا نبیؐ کا ذاتی فعل ہوتا ہے' اور یہ لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جن معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ یہ ہیں :

1 آپ ﷺ اس خشک اور بنجر زمین میں ہمارے لیے پانی کا ایک ایسا چشمہ جاری فرما دیں جس کا پانی ٹھاٹھیں مارتا ہو اور پھر وہ کبھی خشک بھی نہ ہو۔ جیسا کہ یہودیوں کے نبی حضرت موسیٰؑ نے پتھر کی ایک چٹان سے اپنی قوم کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے تھے۔ اگر آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو ہم آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

2 اور اگر آپ ﷺ ہمارے لیے یہ کام نہیں کر سکتے تو نہ کیجیے۔ آپ ﷺ صرف اپنے لیے ہی کھجوروں اور انگوروں کا ایک ایسا باغ لگالیں جس کے درمیان نہریں جاری ہوں، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے باغات تھے۔

3 اور اگر آپ ﷺ مذکورہ بالا کاموں میں سے کوئی کام نہیں کر سکتے تو ہم لوگ بھی "اڑب" ہیں، اس طرح تو ہم آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ہاں جیسا کہ آپ ہمیں عذاب سماوی کے ڈراوے دیتے رہتے ہیں تو لاؤ پھر ہم پہ آسمان کے ٹکڑے ہی برساؤ جیسا کہ حضرت لوطؑ نے کیا تھا۔

4 اور اگر آپ کے بس میں یہ بات بھی نہیں تو پھر لاؤ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو، تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ آخر وہ ہیں کون، جن پر ایمان لانے کی آپ ہمیں دعوت دیتے رہتے ہیں۔

5 اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو خیر، انھیں پردے ہی میں رہنے دیجیے۔ لیکن آپ نے اگر ہمارے جیسی "اڑب" قوم کو اپنا مطیع بنانا ہے تو پھر یہ کیجیے کہ سونے کا ایک عالی شان محل بنائیے تاکہ ہم آپ کے مطیع بن جائیں، ورنہ ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم آپ ﷺ کی فرمانبرداری کریں۔

6 یا پھر ایک صورت یہ ہے کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں، جیسا کہ نصاریٰ کے نبی حضرت عیسیٰؑ آسمان پر چڑھ گئے تھے۔

7 اور صرف یہی نہیں کہ آپ ﷺ آسمان پر چڑھ جائیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں، بلکہ ہم تو اس وقت تک آپ ﷺ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آسمان سے ہمارے لیے ایک کتاب نہ اتار لائیں کہ جسے دیکھ کر ہم پڑھیں۔

○ کفار نابکار کے ان بیہودہ مطالبات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ:

○ یارسول اللہ! آپ ﷺ ان کفار کے مذکورہ بالا مطالبات کا یہ جواب دیجیے کہ: یہ تمام چیزیں جن کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو ان میں سے کوئی ایک بھی میرے اپنے اختیار میں نہیں۔ کیونکہ میں الوہیت کا مدعی تو ہوں نہیں' جسے سب اختیارات ہوتے ہیں' جو ہر قسم کے عیوب اور عجز سے پاک ہے' شریکوں' معینوں' مشیروں' نشیبوں' وکیلوں اور وزیروں سے بھی پاک ہے۔ اور وہی میرا رب ہے' اور میں تو محض ایک انسان ہوں' ہاں اتنا ضرور ہے کہ اسی اللہ تعالیٰ نے مجھے مبلغ توحید بنا کر تم لوگوں کی طرف بھیجا ہے' اس کے علاوہ اپنی الوہیت میں سے اس نے کچھ نہیں دیا۔

○ اے عرب کے ارذل لوگو! تمہارے یہ مطالبات تو اسی قسم کے ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بد بخت قوم نے ان سے مطالبہ کیا تھا: فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۱۱ : ۳۲) کہ اگر آپ واقعی سچے ہیں تو پھر جس عذاب الٰہی سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں' وہ عذاب ہم پر لے آئیے۔ تو ان کے اس مطالبہ کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ (۱۱ : ۳۳) کہ عذاب لانا میرے بس میں تو ہے نہیں' یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے' اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو وہی تم پر عذاب نازل کرے گا۔

○ اسی طرح دوسرے کفار نے بھی اپنے اپنے نبیوں سے مطالبے کیے' تو ان سب نبیوں نے اپنی نافرمان قوم کو اسی قسم کا جواب دیا۔

○ لیکن اس قسم کے جواب کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے تا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ بھی اپنی قدرتوں کے دکھانے سے عاجز ہے۔ وہ تو جب بھی چاہے اپنے نبیوں کے ہاتھوں اپنی قدرتوں کا مظاہرہ کردے۔ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ نہیں سکتا۔

○ ہی طرح آسمان پر چڑھ جانا نبی کے اختیار میں ہرگز نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کسی نبی کو آسمانوں پر لے جائے تو وہ لے جاسکتا ہے' اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کفر ہے۔

○ اب رہا مرزا کا یہ کہنا کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لے جانا "عادت اللہ" نہیں ہے۔ بے شک فی نفسہ یہ بات درست ہے۔ لیکن یہ بھی تو صحیح ہے کہ "خرق عادت" کے طور پر اگر اللہ تعالیٰ کسی جسم خاکی کو پہلے یا دوسرے آسمان پر ہی نہیں بلکہ ساتوں آسمانوں سے اوپر بھی لے جانا چاہے تو اسے اس پر پوری پوری قدرت ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنی یہ قدرت نبی کے ہاتھوں سے ظاہر کرے تو معجزہ ہے' اگر ولی کے ہاتھوں سے ظاہر کرے تو کرامت ہے' اگر کسی عام مومن کے ہاتوں ظاہر کرے تو معونت ہے' اگر نبوت ملنے سے پہلے نبی کے ہاتھوں ظاہر کرے تو ارہاص کہتے ہیں' اور اگر یہی قدرتِ الٰہی کسی کافر کے ہاتھوں ظاہر ہو تو اسے استدراج کہا جاتا ہے۔) اور اس سے تو خود مرزا قادیانی کو بھی انکار نہیں۔ کیونکہ:

○ مرزا قادیانی نے چشمۂ معرفت صفحہ ۹۶ میں خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ: "اس (اللہ تعالیٰ) کی قدرتیں غیر محدود ہیں اور اس کے عجائب کام ناپیدا کنار ہیں اور اپنے خاص بندوں کے لیے اپنے قانون بھی بدل لیتا ہے۔ مگر وہ بدلنا بھی اس کے قانون میں داخل ہے"۔

○ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بظاہر خلافِ قانون یا خلافِ عادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بجسدہٖ و روحہٖ زندہ آسمان پر اٹھالینا بھی اس کے قانون میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ مرزا قادیانی نے وفاتِ عیسیٰ کے اثبات میں قرآن مجید کی جن تیس آیات میں تحریف کرکے عوام کو دھوکہ سے اپنے مکر و فریب کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی ہے ان میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں جس کا معنی ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا مرزا کا استدلال باطل و مردود ہے۔

○

قرآنی آیات کے مقابلہ میں حدیث کا مقام

○ عام طور پر مرزا قادیانی کے متبعین مذکورہ بالا قرآنی آیات مبارکہ کے حوالے سے لوگوں کو یہ مغالطہ دیتے رہتے ہیں کہ علماء اسلام کی طرف سے ان قرآنی آیات کے مقابلے میں احادیث پیش کی جاتی ہیں' جبکہ احادیث اگر قرآن کے معارض ہوں تو ان احادیث کو غلط کہا جائے گا یا ان احادیث کی ایسی تاویل کی جائے گی جو قرآن مجید کے مطابق ہو۔

جواب یہ قانون ہر حدیث پر منطبق کرنا غلط ہے۔ کیونکہ احادیث کئی طرح کی ہیں۔ بعض احادیث پر یہ قانون منطبق ہوتا ہے اور بعض پر منطبق نہیں ہوتا۔ اصولِ حدیث کے ماہرین نے حدیث کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ:

حدیث متواتر: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی اس قدر کثرت سے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال سمجھا جاتا ہو۔ اور پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک مسلسل اسی طرح کثرتِ رواۃ کے ساتھ پہنچے کہ درمیان میں کوئی راوی حذف نہ ہو۔

خبر واحد: اس حدیث کو کہا جاتا ہے کہ جس کے راوی اِکّادُکّا ہوں۔ یعنی حدیث متواتر کی طرح اس کے راوی اتنی کثرت سے نہ ہوں۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

خبر واحد کی اقسام

① "خبر واحد غریب" وہ حدیث ہے جس کے سلسلۂ سند میں کہیں صرف ایک ہی راوی ہو۔

② "خبر واحد عزیز" اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلۂ سند میں کہیں صرف دو راوی ہوں۔ اسی طرح:

③ "خبر واحد مشہور" اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلۂ سند میں ہر جگہ دو سے زیادہ راوی ہوں۔ اور باقی سب شرائط بھی پائی جائیں۔ مثلاً:

❶ اوّل سے آخر تک اس حدیث کے راوی عادل و صادق ہوں۔

❷ اس کے تمام راویوں کا حافظہ قوی ہو اور ضبط رکھنے والے ہوں۔

● اوّل سے آخر تک اس حدیث کی سند متصل ہو۔ منقطع نہ ہو۔

● وہ روایت شاذ بھی نہ ہو۔ یعنی اس روایت کا کوئی ثقہ راوی اپنے سے بڑے دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرتا ہو۔

● وہ روایت منکر بھی نہ ہو۔ یعنی اس روایت کا کوئی راوی ایسا نہ ہو جو خود تو غیر ثقہ ہو لیکن ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو۔

● علاوہ ازیں اس روایت کے کسی راوی میں کسی قسم کا سقم و علّتِ جلیہ یا خفیہ نہ ہو' جو صرف محدثین سمجھتے ہیں' ہر کسی کا کام نہیں کہ وہ سقم سمجھ سکے۔

○ بہرحال خبرِ واحد خواہ غریب ہو یا عزیز یا مشہور اسے دلیل اسی وقت بنایا جاسکتا ہے جب اس کے تمام راویوں کی خوب جانچ پڑتال کرلی گئی ہو' ورنہ خبرِ واحد کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن "خبرِ متواتر" میں رجال پر بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ خبرِ متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں' جو:

خبرِ متواتر کی شرطیں

● ہر دور میں اتنی بڑی جماعت سے مروی ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عقلاً محال اور ناممکن معلوم ہو۔

● حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک اس حدیث کے پہنچنے میں راویوں کی یہ کثیر تعداد بدستور قائم رہے۔

● راویوں کی اس کثرت میں کسی قسم کی کمی نہ ہو' اضافہ ہو تو ٹھیک ہے۔

● وہ حدیث روایت کرنے والے راوی نے خود اپنے کانوں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مبارک سے سنی ہو۔ کسی اور کے واسطے سے نہ سنی ہو۔ اسی طرح فعلی حدیث میں خود راوی نے یہ کام کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔

○ خبرِ متواتر موجبِ یقین ہوتی ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی نصِ قطعی کے معارض نہ ہو۔ (حاشیہ جندبر شرح عقائد صفحہ ۵۶ طبع مصر)

○ خبرِ متواتر میں (کسی ایک آدھ) راوی کی عدالت بلکہ اسلام بھی مشکوک ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں' جبکہ خبرِ واحد میں یہ چیزیں شرط ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ نے مجموعہ فتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ اور یہاں ہماری بحث اخبار متواترہ سے ہے کیونکہ جن احادیث مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر آتا ہے وہ تمام متواتر ہیں۔ (دیکھیے: کتاب الفصل لابن حزم جلد ۴ صفحہ ۱۴۰ و تلخیص الحبیر لابن حجر صفحہ ۳۰۹ و عقیدہ سفارینیہ جلد ۲ صفحہ ۹۰ و فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ وغیرہا) اور احادیثِ متواترہ پر عمل اور عقیدہ رکھنا فرض ہوتا ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ اصول شاشی صفحہ ۷۱ میں ہے۔

○ اور مرزا قادیانی کے متبعین جو توفی کا معنی موت کرتے ہیں اور اسی کو قرآن مجید کی نصِ قطعی سمجھتے ہیں' سو یہ ان کی صریح غلط فہمی ہے۔ کیونکہ نصِ قطعی تو وہ ہوتی ہے جس میں دوسرے معنے کا احتمال نہ ہو۔ جبکہ توفی کا لفظ ایسا ہے جس میں حقیقی معنی کے علاوہ تین مجازی معنوں کا احتمال ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصری تابعیؒ نے اس کے تین معنے بتائے ہیں۔ یعنی موت' نیند اور رفع۔ نیز آپ نے فرمایا کہ یہاں توفی بمعنی رفع الی السماء ہے۔

○ اسی طرح دوسرے علماء نے بھی فرمایا' جن کے حوالے گزشتہ اوراق میں گزر چکے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ توفی موت کے معنے میں نص نہیں ہے۔

○ اب چونکہ توفی کے معنی میں اس کے حقیقی معنے کے علاوہ تین مجازی معنوں کا احتمال ہے' اس لیے ان تین مجازی معنوں میں کسی ایک معنیٰ کو معین کرنا ہے' جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان ہستیوں کی طرف رجوع کریں جنھوں نے صاحبِ قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست قرآن مجید کا علم حاصل کیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے کتبِ احادیث کا مطالعہ کیا گیا تو ہمیں تواتر سے معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب اس مقام پر توفی کا معنے رفع الی

استعمار ہی کرتے ہیں اور یہ معنی اس کے حقیقی معنے سے قریب تر ہے۔

○ ان احادیث کے حوالے ابتدار میں لکھے جا چکے ہیں' جس سے تواتر ثابت ہوگیا جبکہ احادیث متواترہ کا ماننا اور ان کے مطابق عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ نیز اسی پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اور صرف صحابۂ کرامؓ ہی کا نہیں بلکہ تیرہ صدیوں تک امت مسلمہ کا اس پر اجماع رہا ہے۔ حتی کہ معتزلہ نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ جیسا کہ امام المتکلمین ابو الحسن اشعریؒ نے کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ صفحہ ۴۶ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ اسی طرح حضرت ابن حیان اندلسی نے النہر الماد و بحر محیط جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ میں بحوالہ حضرت ابن عطیہ تابعیؒ تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح دیگر علماء نے تحریر فرمایا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہما نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی کی بات پر جمع نہ فرمائے گا۔

(دیکھیے درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۶۸۶ بحوالہ ترمذی و بیہقی' و مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳ و ۵۱۴)

○ جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ عقیدہ قرآن مجید کے واضح اشارات اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے تو اس کا ماننا فرض ہوا۔ اور اسے مسترد کرنا اور اس میں تاویل اور ہیرا پھیری کرنا کفر اور اس کا مرتکب جہنمی ہے۔ (دیکھیے ۴ : ۱۱۵)

کیا بعد از نزول بھی حضرت عیسیٰؑ نبی ہوں گے؟

○ متبعین مرزا ایک مغالطہ یہ بھی دیتے ہیں کہ علماءِ اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بحیثیت حکم عدل کے ہوگا اور وہ نبی نہیں ہوں گے۔ آخر انہوں نے کونسا جرم کیا ہے کہ جس کے باعث ان سے عہدۂ نبوت چھن جائے گا۔

جواب نزول کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدستور نبی رہیں گے۔ قادیانیوں کا مسلمانوں پر یہ بے بنیاد الزام ہے جس سے ہم بری ہیں۔ اور یہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ سابق نبی ان کی اطاعت پر مجبور ہے۔ نیز حکم عدل ہونا نبوت کے منافی نہیں۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو حکم عدل تھے۔ جیسا کہ:

انما آیتہ۔ ۵: ۴۲ و ۴۸ سے ظاہر ہے۔ اس کی تفصیلی بحث مرزا قادیانی کی پیش کردہ آیت ۲۱ میں گزر چکی ہے۔

بعد از نزولِ عیسیٰؑ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی حیثیت :

○ مرزا قادیانی کے متبعین عوام کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ اگر علماءِ اسلام کا متفقہ عقیدہ صحیح ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے پر قرآن مجید کی آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (۴ : ۱۵۸) کو کیا قرآن مجید سے نکال دیا جائے گا۔

جواب یہ آیت بدستور انہی معنوں میں پڑھی جاتی رہے گی۔ بلکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی پڑھیں گے جیسا کہ سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات شوال ۱۰ھ میں بھی پڑھی گئی تھیں، وہ اب بھی پڑھی جارہی ہیں اور قیامت تک پڑھی جاتی رہیں گی۔ حالانکہ اب تک تو مکہ میں وہ کافر موجود نہیں ہیں. جنھیں چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی۔ اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں مشرکین مکہ کو اطاعت یا عدم اطاعت کی صورت میں جنگ کی دعوت دی گئی تھی۔

○ اسی طرح بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر قتل کرنے کیلیے بلوا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بجسدہٖ و روحہٖ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، تو یہ آیت نزولِ عیسیٰؑ کے بعد بھی بعینہٖ انہی معنوں میں پڑھی جاتی رہے گی جن معنوں میں اب پڑھی جاتی ہے۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ
اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّ عَلٰٓى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قدرۃ الرّبّ

فی

ولادتِ عیسٰیؑ من غیر اب

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

قدرۃ الرب فی ولادت عیسیٰؑ من غیر اب

○ آج کل بعض لوگ یہ شبہ پیش کرنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافِ قانون بلا باپ پیدائش کا عقیدہ آیاتِ متشابہات کی اتباع میں قائم کرلیا گیا ہے' اور قرآن مجید کی درج ذیل آیاتِ محکمات کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے:

① سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۶ : ۳۶)

② یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (۴۹ : ۱۳)

③ اَلَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ

④ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (۳۲ : ۷و۸)

⑤ اَنّٰى یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (۶ : ۱۰۲)

○ حالانکہ قرآن مجید کی ان آیاتِ مبارکہ پر آیاتِ محکمات کی تعریف ہی صادق نہیں آتی۔ کیونکہ ان آیاتِ مبارکہ میں الازواج' الناس اور کم کے الفاظ "عام" ہیں۔ اور بعض اہل اصول کا:

فائدہ ہے: مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ مِنْهُ الْبَعْضُ کہ کوئی "عام" ایسا نہیں کہ جس میں سے بعض کو "خاص" نہ کیا گیا ہو۔ اس لیے یہ آیاتِ طیبات محکمات کے قبیل سے نہ رہیں۔ کیونکہ:

○ حضرت علامہ علی بن محمد بن علی المعروف بہ سید شریف و میر سید سند الجرجانیؒ نے "التعریفات" جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ میں "محکم" کی تعریف تحریر فرماتے ہوئے لکھا ہے: المحکم ما احکم المراد بہ عن التبدیل و التغییر ای التخصیص و التاویل و النسخ۔ یعنی محکم اسے کہتے ہیں جس کی مراد ایسی مضبوط ہو جو تغییر تبدل یعنی تخصیص' تاویل اور نسخ سے پاک ہو۔

○ لیکن ہمارا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اگر یہ آیاتِ طیبات محکم نہیں تو پھر متشابہات میں سے ہوں گی' بلکہ یہ آیاتِ طیبات "مجمل" کے قبیل سے ہیں' جن کا مقام خفاء میں مشکل سے زیادہ اور متشابہ سے نیچے ہوتا ہے' جیسے حَرَّمَ الرِّبٰوا میں "ربٰو" کے معنی زیادتی کے ہوتے ہیں' مگر یہاں مراد وہ خاص زیادتی ہے جو ایک ہی جنس کی کیلی یا وزنی (ناپی تولی جانے والی) چیز کی بیع میں عوض سے خالی ہو' ایسی زیادتی ربٰو اور سود ہی ہے۔

○ اسی طرح : فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (۲ : ۲۴) اگرچہ عام ہے' مگر اس آیتِ مبارکہ میں صرف کفار ہی مراد ہیں اور مسلمین مراد نہیں ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ نے احکام القرآن صفحہ ۲۵ میں تحریر فرمایا ہے۔ تو جس طرح اس آیت (۲ : ۲۴) میں الناس سے مراد صرف کفار ہیں اور مسلمین اس سے مستثنیٰ ہیں' اسی طرح خلقنکم (۴۹ : ۱۳) میں حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام مستثنیٰ ہیں۔ جبکہ حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں ہی انسان ہیں۔ لیکن ان دونوں کو مختلف صورتوں سے پیدا کیا گیا ہے۔

○ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

① وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (۳۲ : ۷)

② اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (۳۸ : ۷۱)

③ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۱۵ : ۲۶)

④ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (۳ : ۵۹)

○ اور تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بارے میں ہماری بیان کردہ یہ آیات محکم ہیں۔ کیونکہ ان میں کسی دوسرے معنی کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

○ اور الازواج اور خلقناکم میں کم جمع کے صیغے ہیں اور ان پر "عام" کی تعریف صادق آتی ہے' یعنی یہ تمام افراد کو شامل ہے۔ پھر قرآن مجید کی دیگر

آیاتِ طیبات کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو ان افراد میں سے خاص کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو دوسرے انسانوں کی طرح نر اور مادہ سے نہیں بنایا۔ اس لیے الازواج اور کـــہ "عام مخصوص منہ البعض" ہوئے۔ اور یہ بالاتفاق ظنی ہوتا ہے۔

○ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان افراد میں سے نہیں ہیں۔ جنھیں نر اور مادہ ہر دو کے ملاپ سے بنایا جاتا ہے۔ البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نہ ماں تھی نہ باپ' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تو تھی مگر باپ نہیں تھا۔ اس لیے وہ پانچوں آیاتِ مبارکہ و طیبات اپنے مفہوم کے لحاظ سے محکم نہ ہوئیں' لہٰذا قانون اور قاعدہ کلیہ نہ ہوئیں۔ کیونکہ قاعدہ وہی ہوتا ہے جو شکلِ اول کا کبریٰ بن سکتا ہو۔ کیونکہ شکلِ اول میں ایجاب صغریٰ کا اور کلیتِ کبریٰ کی شرط ہے اور جب شرط نہ رہے تو مشروط بھی نہیں رہتا۔ مثلاً:

○ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام انسان ہیں' اور کسی کو اس سے انکار کی مجال نہیں۔ اب منطق کی اصطلاح میں اسے "صغریٰ" بنائیں کہ "حضرت آدم علیہ السلام انسان ہیں" (اٰدمُ انسانٌ) اور یوں کہنا کہ قانون پیدائش یہ ہے کہ ہر انسان نر اور مادہ کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے بغیر انسان کی پیدائش ناممکن ہے اور اسے کبریٰ بنائیں اور کہیں کہ "تمام انسان نر اور مادہ سے پیدا ہوتے ہیں" (و کل انسان خلق من ذکر وانثیٰ) تو اس صغریٰ و کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے فاٰدم خلق من ذکر وانثیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام نر اور مادہ کے ملاپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نتیجہ تو نصِ قرآنی کے خلاف ہے اور کوئی شخص اسے ماننے کے لیے تیار بھی نہیں ہو سکتا۔

○ اب ظاہر ہے کہ صغریٰ اٰدمُ انسانٌ تو قرآن مجید کی رو سے بلاشک محکم ہے' لیکن قانونِ پیدائش بھی اگر محکم ہو جسے کبریٰ بنایا گیا ہے تو اس کا نتیجہ

صحیح اور محکم ہونے کی بجائے غلط نکل رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ تمام انسان نر اور مادہ سے ہی پیدا ہو سکتے ہیں اور اس کے علاوہ انسان کی پیدائش ناممکن ہے۔

○ معلوم ہوا کہ پہلی دو آیاتِ مبارکہ عام مخصوص منہ البعض ہونے کی وجہ سے قاعدہ کلیہ نہ ہوئیں تو پھر دعویٰ بھی ثابت نہ ہوا۔ اسی طرح جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین (۳۲ : ۸) بھی عام مخصوص منہ البعض ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں، اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ مثلاً:

❶ اللہ تعالیٰ نے "ابن مریمؑ" کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے "صفت" کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ اولاد کی نسبت شرعاً و عرفاً باپ کی طرف کی جاتی ہے، بچوں کی نسبت ماں کی طرف نہیں کی جاتی، سوائے مندرجہ ذیل چند وجوہ کے۔ مثلاً:

① ماں کسی امیر باپ کی بیٹی ہو اور باپ غریب ہو۔

② ماں کا تعلق کسی مشہور خاندان سے ہو اور باپ غیر مشہور خاندان سے ہو۔

③ باپ گھر داماد ہو۔

④ باپ چھوٹی عمر میں مرجائے اور گھر کا انتظام ماں کے ذمے ہو۔

⑤ کسی شوہر کی کئی بیویاں ہوں تو بھی بچوں کو ان کی ماں کے نام سے مشہور کیا جاسکتا ہے۔ جیسے حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہؒ۔

⑥ لعان والی عورت کا بچہ، جسے بعد لعان قاضی نے عورت سے ملحق کر دیا ہو۔

⑦ زناکار عورت کا لڑکا ہو۔

○ اور ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا سات صورتوں میں سے ایک صورت بھی ایسی نہیں جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ بلکہ ان سات صورتوں کے علاوہ ایک آٹھویں صورت ہے اور وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے مولود ہیں کہ جن کا باپ سرے سے ہے

ہی نہیں' اور ان کی والدہ معصوم ہیں۔ قرآن مجید ان کی عصمت پر گواہی دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

① اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (۵ : ۷۵) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مرتبہ صدیقیت پر فائز ایک کامل ولیہ تھیں' جبکہ بدکار ولی نہیں ہوتا۔

② وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (۲۱ : ۹۱) اور حضرت عیسیٰ کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ جنھوں نے اپنی ناموس کی حفاظت فرمائی تو ہم نے ان کے پیٹ میں محض اپنی قدرت سے بغیر شوہر کے اپنی طرف سے روح پھونک دی۔

③ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (۶۶ : ۱۲) اور حضرت مریمؑ بنت عمران جنھوں نے اپنی ناموس کی حفاظ کی اور اپنی عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے بغیر شوہر کے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کے پیٹ میں روح پھونک دی۔

● جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی عصمت اور پاکدامنی پر گواہی دی ہے' اسی طرح خود حضرت مائی مریمؑ نے بھی اپنی عصمت بیان فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے الفاظ قرآن مجید میں محفوظ فرما کر تصدیق فرمادی۔ مثلاً:

① اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ (۳ : ۴۷) میرے یہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے' حالانکہ مجھ کو تو کسی انسان نے چھوا تک بھی نہیں۔

② اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (۱۹ : ۲۰) کیسے یہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے' حالانکہ نکاح کے طور پر بھی مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا' اور حاشاللہ میں بدکار بھی تو نہیں' اور نہ ہی نکاح کا ارادہ رکھتی ہوں۔

شبہ اب اگر کوئی کہے کہ واقعی اس وقت تک تو کسی انسان نے حضرت مریمؑ کو نہیں چھوا تھا' لیکن بچے کی بشارت پانے کے بعد انھوں نے بشارتِ الٰہی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکاح کرلیا تھا جس سے مساس واقع ہوا' اور اس مساس کے نتیجے میں بچے کی پیدائش عمل میں آئی۔ تو اس شبہ کا:

جواب یہ ہے کہ جب مائی مریمؑ کو فرشتے نے بچے کی پیدائش کی بشارت دی تو مائی مریمؑ نے اظہارِ تعجب کے طور پر فرمایا کہ میرے یہاں لڑکا کیسے پیدا ہو سکتا ہے' حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک بھی نہیں۔ (۳ : ۴۷) اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : کذلك ای الامر کذلك (۳ : ۴۷) کہ ہاں ہاں بالکل ہی طرح بغیر مساسِ بشر کے ایسے ہی بچہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اسی طرح پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے فرما دیتا ہے کہ ہو جا' اور وہ ہو جاتا ہے۔ (۳ : ۴۷)

○ جیسا کہ حضرت علامہ مہائمیؒ نے تفسیر تبصیر الرحمٰن میں تحریر فرمایا ہے :

ای علی الحالۃ التی انت علیھا من عدم مسّ البشر۔

شبہ اب بھی اگر کوئی فلسفہ زدہ شخص بضد ہو کہ یہ بات درست نہیں ہے اور قانون پیدائش کے خلاف ہے اور دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیتِ مبارکہ پیش کرے : انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ (۴۹ : ۱۳) اور انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج (۷۶ : ۲) تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا :

جواب دیا ہے : اللہ یخلق مایشاء کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت بہت بڑی ہے' مخلوق خواہ کتنی ہی بڑی ہو' جو ہر ایک کی عقل سے باہر ہے' جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کر لیتا ہے' اس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اور اس کے پیدا کرنے میں ہمارے نارسا قیاس کو کچھ مجال و دخل بھی نہیں ہے۔ اور وہ تو صرف اتنا ہوتا ہے : اذا قضی امراً فانما یقول له کن فیکون (۳ : ۴۷) کہ جب بھی کسی "امر" کے پیدا کرنے کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو کوئی ظاہری سبب مہیا کیے بغیر فوراً ہی وہ کام ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ ادھر حکم ہوا اور ادھر وہ کام ہو گیا' اس کے وجود میں آنے کے لیے کسی قسم کی مہلت و تاخیر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ارادۂ الٰہی اور اس کی تعمیل کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔

○ اور یہاں چونکہ عام طریقۂ الہٰیہ جاریہ سے ہٹ کر بغیر ملاپ مرد اور عورت کے صرف اکیلی کنواری عورت ہی سے ولادت کا تحقق کرنا مقصود ہے اس لیے یہاں لفظ بھی یفعل مایشاء کے بجائے (جو حضرت زکریا علیہ السلام کے بیان میں فرمایا ہے) یخلق مایشاء لایا گیا ہے' جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ ایجاد و اختراع پر دلالت کر رہا ہے۔ اور مختصر انداز سے یہ بات بھی سمجھا دی کہ جس طرح انسان اوّل حضرت آدم علیہ السلام اس طریقۂ ولادت سے مستثنیٰ ہیں' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

○ اسی طرح یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ : انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ اور : انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج۔ اور اسی طرح کی دیگر متعدد آیات طیبات میں حمل اور ولادت کے لیے مرد اور عورت کے ملاپ کو شرط عادی کی حیثیت تو ضرور حاصل ہے۔ لیکن یہ علّت نہیں ہے۔

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ماں کی طرف کرنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مذکورہ بالا وجوہاتِ سبعہ کے موجود نہ ہونے کی صورت میں لامحالہ یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا والد نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین کرامؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت "ابن مریم" لانے کو اس امر کی دلیل بنایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد نہیں تھے۔

○ تفسیر جامع البیان علی الجلالین صفحہ ۲۹ میں حضرت علامہ سید معین الدینؒ نے تحریر فرمایا ہے : نسبه الی امه حیث لا اب له کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ماں کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا والد تھا ہی نہیں۔

○ حضرت علامہ مہائمیؒ نے تبصیر الرحمٰن میں تحریر فرمایا ہے : وصفه ابن مريم اذلا اب له ولو كان له الوهية او ابنية لكان في اسماء ه ومايدل على ذلك ولا يكون مذللا بنسبته الى الام۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت "ابن مریم" اسی لیے بیان کی گئی ہے کہ آپ کے والد نہیں تھے۔ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

صفت الوہیت یا ابنیۃ کی ہوتی تو اس کے ناموں میں ایسی صفت بھی ضرور بیان ہوتی جو کہ ان صفات پر دلالت کرتی اور ماں کی طرف منسوب عجز والی صفت بیان نہ ہوتی۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ماں کی طرف درج ذیل بیس مقامات پر فرمائی ہے:

① ۸۷:۲	② ۲۵۳:۲	③ ۴۵:۳	④ ۱۵۳:۴
⑤ ۱۷۱:۴	⑥ ۱۷:۵	⑦ ۴۶:۵	⑧ ۷۲:۵
⑨ ۷۵:۵	⑩ ۷۸:۵	⑪ ۱۱۰:۵	⑫ ۱۱۲:۵
⑬ ۱۴:۵	⑭ ۱۱۶:۵	⑮ ۳۴:۱۹	⑯ ۵۰:۲۳
⑰ ۵۷:۴۳	⑱ ۲۷:۵۷	⑲ ۶:۶۱	⑳ ۱۴:۶۱

حضرت علامہ حسین بن ریان رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفتاح الجلالین صفحہ ۵ میں فرمایا ہے:
الابناء تنسب الی الآباء لا الی امہ کہ بیٹوں کی نسبت ماؤں کی طرف نہیں بلکہ باپوں کی طرف ہوا کرتی ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت حضرت مریم کی طرف کرکے یہ بتادیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام والد کے واسطہ کے بغیر ہی اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوں گے اور اپنی ماں کے سوا کسی اور کی طرف ان کی نسبت نہیں ہوگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کی پیدائش سے کم و بیش دو ہزار سال تک انھیں ابنِ مریم علیہ السلام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید کے بیس مقامات پر ان کا ذکر ابنِ مریم کے نام سے کیا۔ اور یہ آیتیں متشابہات کے زمرے میں داخل نہیں کی جاسکتیں۔ کیونکہ:

متشابہ وہ ہوتا ہے جو نفسِ لفظ کے ساتھ ایسا مخفی ہو کہ اس کے ادراک کی قطعًا کوئی امید نہ ہو۔ (التعریفات لسید سند صفحہ ۱۷۶)

حضرت علامہ محمد حسن سنبھلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصول شاشی صفحہ ۲۲ کے حاشیہ میں

تحریر فرمایا ہے کہ متشابہ مجمل سے زیادہ مخفی ہوتا ہے' جس کے بیان یعنی اس کے مفہوم کو سمجھنے کی امید دنیا میں تو ہو ہی نہیں سکتی' البتہ امید ہے کہ شاید آخرت میں اس کا مفہوم سمجھ آ جائے۔

○ بہرحال مذکورہ بالا پہلی چاروں آیتوں میں شرطِ عادی کا ذکر ہے۔ لیکن اسے قاعدہ کلیہ نہیں کہا جاسکتا' جسے دلیل بنا کر ہم پر محکم آیات کے انکار کا الزام لگایا جائے۔

○ اور پیدائش کی شرطِ عادی مزعومہ قانون پیدائش سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے استثنا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَ بَرًّا بِوَالِدَيۡهِ (۱۹ : ۱۴) کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے ماں اور باپ ہر دو کے خدمت گزار تھے۔ لیکن اسی سورت میں آگے چل کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ تقریر نقل فرمائی جو انھوں نے اپنے بچپن میں ماں کی گود میں ارہاص کے طور پر فرمائی تھی۔ چنانچہ:

○ آپ نے فرمایا: وَ بَرًّا بِوَالِدَتِيۡ (۱۹ : ۳۲) کہ دیگر دینی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ ماجدہ کا خدمت گزار بھی بنایا ہے۔

○ اور جس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا اعلان فرمایا اس وقت یوسف نجار بقیدِ حیات تھا' جسے حضرت مائی مریم کا شوہر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔

○ بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدِ طفولیت میں برا بوالدتی کہنا اس امر واقعہ کی نہایت پختہ دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض کنواری اور غیر ممسوسہ مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

○ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اذكر نعمتي عليك و على والدتك (۵ : ۱۱۰)

یعنی میں نے آپؑ پر اور آپؑ کی والدہ ماجدہ پر جو انعام فرمایا ہے اسے یاد کیجیے۔ تو یہاں بھی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور ان کی والدہ کا ذکر ہے۔ اب اگر ان کا والد بھی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا ذکر کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ (۲۳ : ۵۰) کہ ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا' اور ہم نے ان دونوں یعنی ماں اور بیٹے کو اونچی جگہ پر ٹھکانا عطا فرمایا۔ یہاں بھی باپ کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا ہی نہیں' ورنہ ان کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہ تھا۔ توالد و تناسل کے لیے "شرطِ عادی" کو "قانونِ پیدائش" کہنے والے فلسفہ زدہ عقل بند لوگوں کو اس حقیقت سے تو انکار نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (۳۳ : ۵) کہ ان لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کے ناموں سے منسوب کر کے بلایا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی بات زیادہ قرینِ انصاف اور برمحل ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے والد کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف نسبت کرنے سے منع فرمادیا ہے' اور پھر اس کے باوجود خود اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن مجید میں بیس مقامات پر ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف منسوب فرمایا ہے' اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ' محدثینؒ' مفسرینؒ' ائمہ مجتہدینؒ' صلحاءِ اُمتؒ بلکہ چودہ سو سال سے اب تک پوری اُمتِ محمدیہ ﷺ قرآن مجید کے ان بیسوں مقامات پر عیسی ابن مریم ہی پڑھتی رہی ہے' اب بھی پڑھ رہی ہے اور آئندہ بھی تاقیامت اسی طرح پڑھتی رہے گی۔

تو کیا یہ اس امر کی صریح اور واضح دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی والد ہوتا تو قرآن مجید میں کسی

ایک مقام پر تو ان کا نام مذکور ہوتا' جیسا کہ سورۂ تحریم کی آخری آیت میں حضرت مائی مریمؑ کے والد حضرت عمرانؒ کا نام مذکور ہے اور اگر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا والد ہوتا تو ادعوھم لاٰباءھم کی تعمیل کے لیے مسلمانوں کو عیسی ابن مریم پڑھنے اور کہنے سے ضرور منع فرمادیا گیا ہوتا۔

○ اور ماں کی طرف منسوب کرنے کی وہ سات وجوہ بھی یہاں مفقود ہیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں' اس لیے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد نہ تھے اور وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کنواری مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

○ اسی طرح یہ کہنا بھی سراسر غلط اور قرآن مجید کی تحریف معنوی بنتی ہے کہ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ (۶ : ۱۰۲) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد کا ثبوت ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد کو ثابت نہیں کرتی' بلکہ اس آیت میں تو نصاریٰ کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں' اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔

○ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بیوی کے بغیر قطعاً کوئی مرد صاحب اولاد نہیں ہوسکتا۔ جبکہ اس سے پہلے قرآن مجید کی آیاتِ طیبات کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ بطورِ معجزہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے غیر ممسوسہ کنواری عورت حاملہ ہوکر صاحبِ اولاد ہوسکتی ہے۔

○ بہرحال اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں' اور نہ ہی یوسف نجار یا کسی اور مرد کے بیٹے ہیں' وہ تو محض حضرت مریمؑ کے بیٹے ہیں' اس لیے کہ حضرت مریمؑ کسی کی بیوی بھی نہیں ہیں اور نہ ہی وہ بدکار ہیں۔ اس طرح اس آیتِ مبارکہ میں نصاریٰ کے اس گروہ کا رد بھی ہو گیا جو حضرت مریمؑ کو یوسف نجار کی زوجہ منکوحہ بتلاتے ہیں۔

مرزا قادیانی کا عقیدہ

○ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ طبع ربوہ صفحہ ۱۳۶ و طبع قادیان صفحہ ۹۰ میں لکھا ہے: وانہ لعلم للساعۃ۔۔۔۔ ان فرقۃ من الیھود اعنی الصدوقیین کانوا کافرین بوجود القیامۃ فاخبر ھم اللہ علی لسان بعض انبیائہ ان ابنا من قومھم یولد من غیر اب وھذا یکون اٰیۃ لھم علی وجود القیمۃ۔ یعنی یہودیوں میں سے صدوقی فرقہ جو وجود قیامت کا منکر تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانی یہ خبر دی کہ ان کی قوم میں سے ایک بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔ اور اس بچے کا بغیر باپ کے پیدا ہونا وجود قیامت کی نشانی ہوگی۔

○ اسی طرح خدا بخش قادیانی نے عسل مصفّٰی جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ میں لکھا ہے: وہی عیسیٰ ہے جو برخلاف عام سنۃ اللہ کے خارق عادت کے طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔

○ اخبار "الحکم" قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱، و ڈائری ۱۹۰۱ء صفحہ ۳۶ و ۳۷ میں مرزا قادیانی نے لکھا ہے: ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ اور نیچری جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا باپ تھا، وہ بڑی غلطی پر ہیں۔

○ صداقت مرمیہ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ میں لکھا کہ: دنیا میں انسانی پیدائش کے ایسے ایسے نمونے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ہم اس کے حضور میں سر بسجود ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتے۔ کسی معین طریق پیدائش کو ہم قانون قدرت کی محدود تعریف کے دائرے میں محیط نہیں کر سکتے۔

○ چشمۂ معرفت صفحہ ۹۶ میں ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ جیسا کہ خدا غیر متبدل ہے، اس کی صفات بھی غیر متبدل ہیں، اس سے کس کو انکار ہے، مگر آج تک اس کے کاموں کی حد بست کس نے کی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس کی عمیق در عمیق اور بے حد قدرتوں کی انتہا تک پہنچ گیا ہے، بلکہ اس کی قدرتیں غیر

محدود ہیں اور اس کے عجائب کام ناپیدا کنار ہیں اور اپنے خاص بندوں کیلئے اپنا قانون بھی بدل لیتا ہے۔ مگر وہ بدلنا بھی اس کے قانون میں داخل ہے۔

○ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب سرمہ چشم آریہ صفحہ ۳۷ میں ایک بددین رافضی فلاسفر کے حوالے سے انکار معجزات پر مبنی اس کا یہ قول عقلی دلیل کے طور پر نقل کیا ہے کہ: یونانیوں میں یہ قصے بہت مشہور ہیں کہ بعض عورتوں کو جو اپنے وقت میں عفیفہ اور صالحہ تھیں بغیر صحبت مرد کے حمل ہو کر اولاد ہوئی ہے۔

○ مرزا قادیانی نے مزید لکھا کہ: یہ سب قصے افتراء پر محمول نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بغیر کسی اصل صحیح کے مختلف افراد اور مہذب قوموں میں ایسے دعاوی ہرگز فروغ نہیں پاسکتے ہیں، اور نہ عورتوں کو جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ زانیہ ہونے کی حالت میں اپنے حمل کی ایسی وجہ پیش کریں جس سے وہ بھی ہنسی کرائیں۔

○ نیز مرزا قادیانی نے لکھا کہ: ہمیں اس بات سے پرہیز کرنا چاہیے کہ خواہ نخواہ ایسی تمام عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں جو مختلف ملکوں اور قوموں اور زمانوں میں مستور الحال گزر چکی ہیں۔ کیونکہ طبی قواعد کی رو سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ وجہ یہ کہ بعض عورتیں جو بہت ہی نادر الوجود ہیں بباعث غلبہ رجولیت اس لائق ہوتی ہیں کہ ان کی منی دونوں طور قوت فاعلی و انفعالی رکھتی ہو اور کسی سخت تحریک خیال شہوت سے جنبش میں آکر خود بخود حمل ٹھہرنے کا موجب ہو جائے۔

○ اس کے بعد مرزا قادیانی نے لکھا: میں کہتا ہوں ایسے قصے ہندؤوں میں بھی مشہور ہیں۔ سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کی انہی قصوں پر بنیاد پائی جاتی ہے۔

○ اس کے بعد مرزا قادیانی نے مزید لکھا کہ: غرض یہ خیال ہندؤوں میں بھی پرانا چلا آتا ہے، یہاں تک کہ رگ وید میں لکھا ہے کہ ایک نیک بخت رشی کی لڑکی کو فقط اندر دیوتا کی ہی توجہ سے حمل ہو گیا تھا۔ اور ایسا ہی شرو قسر سے بھی شرفا آریہ کی پاک دامن لڑکیوں کو حمل ہوتا رہا ہے۔

نیز مرزا قادیانی نے لکھا کہ : ان قصوں اور کہانیوں کو جو بہ کثرت مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں' یک مرتبہ مردود اور باطل سمجھ کر پایۂ اعتبار سے ساقط کر دینا حکیمانہ طریق نہیں ہے' بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر ان قصوں کو ان کے زوائد سے الگ کر کے دیکھا جائے تو ان کے نیچے وہی ایک دقیق خاصہ علمِ طبعی کا چھپا ہوا نظر آتا ہے' جس کی طرف علامہ (شیخ الرئیس ابن سینا) نے اشارہ کیا ہے۔ اور اس بات پر ضد نہیں کرنی چاہیے کہ اگر یہ بات کچھ حقیقت رکھتی ہے تو پھر عام طور پر کیوں وقوع میں نہیں آتی۔ کیونکہ : اوّل تو یہ سوانح ایسے نادر الوقوع نہیں ہیں جیسے آج کل کے نئے فلسفی ان کو خیال کر رہے ہیں۔ بلکہ مختلف قوموں میں اس کے آثار سلسلہ وار چلے آئے ہیں۔ اگر چہ عبرانیوں میں تو صرف حضرت مسیح علیہ السلام' اس طرز کی پیدائش میں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن یونانیوں اور آریوں کی کتابوں میں اس کی نظیریں بہت پائی جاتی ہیں۔ اور حال کے زمانہ اور اس کے قریب قریب بھی بعض ممالک کی عورتیں حمل دار ہو کر ایسا کچھ بیان کرتی رہی ہیں۔ اب ان قصوں کی نسبت گو کسی منکر کی کیسی ہی رائے ہو' مگر صرف ان کے نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ سب کی سب رد نہیں کی جاسکتیں اور ان کے رد پر کوئی دلیلِ فلسفی قائم نہیں ہو سکتی۔

خطبۂ الہامیہ صفحہ ۴۷۔۴۹ میں ہے کہ انسان کا بے باپ پیدا کرنا عادت اللہ میں داخل ہے اور ہم اس کو قبول نہیں کرتے کہ یہ خارج از عادت ہے اور نہ لائق ہے کہ اس بات کو قبول کیا جائے۔ کس لیے کہ انسان کبھی عورت کے نطفہ سے بھی پیدا ہو جاتا ہے اگر چہ بات نادر ہو۔ اور یہ امر قانونِ قدرت سے بھی خارج نہیں ہے۔ بلکہ ہر قوم میں اس کی نظیریں پائی جاتی ہیں اور اہلِ تجربہ طبیبوں نے ایسی نظیروں کا ذکر کیا ہے۔ ہاں ہم یہ بات قبول کر سکتے ہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا قلیل الوقوع امر ہے بہ نسبت اس امر کے کہ اس کا مخالف ہے۔

اس سے کچھ آگے صفحہ ۴۴ و ۵۰ میں مزید وضاحت سے لکھا ہے : پھر جان لو

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا بنی اسرائیل میں سے یہود کے لیے ایک تنبیہ ہے اور ان کے زوال کی گھڑی پر ایک دلیل ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضرور نبوت ان سے منتقل ہو جائے گی۔

مواہب الرحمٰن صفحہ ۷۷ و ۷۸ میں لکھا ہے: اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت مریمؑ نکاح سے قبل حاملہ پائی گئیں۔ اور اس عہد کی وجہ سے جو ان کی والدہ نے اپنے حاملہ ہونے کے بعد کیا تھا' حضرت مریمؑ کی مجال نہیں تھی کہ نکاح کرتیں۔ پس اہل بصیرت کے نزدیک اس معاملہ کی دو صورتیں ممکن ہیں۔ اول تو یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدائے علام کے کلمہ سے پیدا ہوئے تھے یا نعوذ باللہ یہ کہا جائے کہ وہ ولد الحرام ہے۔ اور ہمیں اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ حضرت مریمؑ کا حمل نکاح کے نتیجہ میں قرار دیا جائے۔ کیونکہ ان کی والدہ نے خدا تعالیٰ سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اس کو نکاح سے آزاد رکھیں گی۔ اور بیت المقدس کی خادمہ بنائیں گی۔ انھوں نے یہ عہد اپنے حمل کے ایام میں کیا تھا۔ اور ہم یہ بات قرآنِ کریم اور انجیل کی شہادت کی بنا پر لکھتے ہیں۔ پس تم حق اور فلاح کا رستہ ترک نہ کرو۔ یہ تفصیل اس شخص کے لیے ہے جس کی فطرت وضاحت کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی طبیعت کسی خارقِ عادت امر کو قبول نہیں کرتی۔ مگر ہم تو خدائے بزرگ و برتر کی کامل قدرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو درختوں کے پتوں سے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی مانند پیدا کر سکتا ہے۔ دیکھو زمین میں کتنے ہی کیڑے ہیں جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس اے لوگو! تمھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش میں کیا تعجب ہوتا ہے۔

الحکم جلد ۵ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۱ء میں ہے: ایسے لوگوں کا خدا مردہ خدا ہے اور ایسے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کر سکتا۔ ہم ایسے آدمی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

○ نیز مرزا قادیانی نے لکھا: اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ تمہاری حالتیں ایسی ردی ہو گئی ہیں کہ اب تم میں کوئی اس قابل نہیں جو نبی ہو سکے' اسی واسطے آخری خلیفہ موسوی کو اللہ تعالیٰ نے بے باپ پیدا کیا اور ان کو سمجھایا کہ اب شریعت تمہارے خاندان سے گئی۔

○ الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ صفحہ ۵ و ۶ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء میں مرزا قادیانی نے لکھا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ پیدا ہوئے تھے اور ان کا بے باپ پیدا ہونا ایک نشان تھا اس بات پر کہ اب بنی اسرائیل کے خاندان میں نبوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ وعدہ تھا کہ بشرطِ تقویٰ نبوت بنی اسرائیل کے گھرانے سے ہوگی۔ لیکن جب تقویٰ نہ رہا تو یہ نشان دیا گیا۔

○ البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۲ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء میں مرزا قادیانی نے لکھا: یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے قصہ کو ایک جا جمع کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش خوارقِ طرق سے ہے' ویسے ہی مسیحؑ کی بھی ہے۔ پھر یحییٰؑ کی پیدائش کا حال بیان کر کے مسیحؑ کی پیدائش کا حال بیان کیا ہے۔ یہ ترتیب قرآنی بھی بتلاتی ہے کہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی کی ہے۔ یعنی جس قدر معجز نمائی کی قوت یحییٰؑ کی پیدائش میں ہے اس سے بڑھ کر مسیحؑ کی پیدائش میں ہے۔ اگر اس میں کوئی معجزانہ بات نہ تھی تو یحییٰؑ کی پیدائش کا ذکر کر کے کیوں ساتھ ہی مریم کا ذکر چھیڑ دیا' اس سے کیا فائدہ تھا یہ اسی لیے کیا کہ تاویل کی گنجائش نہ رہے۔ ان دونوں بیانوں کا ایک جا ذکر ہونا اعجازی امر کو ثابت کرتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو گویا قرآن تنزل پر آتا ہے جو کہ اس کی شان کے برخلاف ہے۔

○ الحکم جلد ۹ نمبر ۴۲ صفحہ ۲۱ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء کو مرزا نے لکھا: وہ (مسیح علیہ السلام) بن باپ تھے۔ اس کا زبردست ثبوت یہ ہے کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا ہے۔ پہلے یحییٰؑ کا ذکر کیا' جو بانجھ سے پیدا ہوئے۔ دوسرا قصہ مسیحؑ کا اس کے بعد بیان فرمایا جو اس سے ترقی پر ہونا چاہیے تھا' اور وہ یہی ہے کہ وہ بن

باپ ہوئے۔ اور یہی امر خارقِ عادت ہے۔ اگر بانجھ سے پیدا ہونے (والے) یحییٰ کے بعد باپ کے پیدا ہونے والے کا ذکر ہوتا تو اس میں خارقِ عادت کی کیا بات ہے؟

بدر جلد ۱ شمارہ ۱۰ ص ۷۵ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۳ء میں مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ : ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو بن باپ پیدا کیا۔ اور بن باپ پیدا ہونے کا سر یہ تھا کہ چونکہ سلسلہ نسب کا باپ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس طرح گویا سلسلہ منقطع ہوگیا اور اسرائیلی خاندان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔۔۔۔ یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ نبوت ان کے خاندان سے جاتی رہی' پس مسیح علیہ السلام کا بن باپ ہونا اس امر کا نشان تھا۔

بدر جلد ۶ ش ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء میں لکھا کہ : قرآن مجید سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اور قرآن شریف پر ہم ایمان لاتے ہیں پھر قانونِ قدرت میں ہم اس کے برخلاف کوئی دلیل نہیں پاتے۔ کیونکہ سینکڑوں کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو نہ باپ رکھتے ہیں اور نہ ماں۔ قرآن شریف میں جہاں اس کا ذکر ہے' وہاں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دو عجائب نمونوں کا ذکر کیا ہے۔ اول حضرت زکریا کا ذکر ہے کہ ایسی پیرانہ سالی میں جہاں کہ بیوی بھی بانجھ تھی' خدا نے بیٹا پیدا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ دوسرا واقعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ایک اور قدرتِ عجیبہ کا نمونہ ہے۔ اس کے ماننے میں کونسا ہرج پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ نے کمثل آدم جو فرمایا اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس میں ایک عجوبہ قدرت ہے۔ جس کے بعد آدمؑ کی مثال کا ذکر کرنا پڑا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ان عبارات کے بعد اب بھی اگر کوئی مرزائی یہی کہتا چلا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تو اس کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ وہ مسلمان نہیں تھا ایسا ہی اب مرزائی بھی نہیں رہا۔ ؎

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

تفسیر آیۃ

رفع عیسیٰ

علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

الحمد للہ رب العلمین الذی خلقنی فھو یھدین والذی ھو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فھو یشفین والذی یمیتنی ثم یحیین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ واصحٰبہ اجمعین۔

امابعد احقر الفقیر محمد حسین صین عن الشین کے پاس فیصل آباد سے ایک سوال آیا تھا جس میں مرزائی امت کی فرسودہ باتوں کے بارے پوچھا گیا تھا:

حقیقت یہ ہے کہ علمائے حق ان کہنہ بوسیدہ اور مستعمل سوالوں کے مسکت اور دندان شکن جواب دے کر اپنی دینی ذمہ داریوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ منیب اذہان تو اُن جوابات سے نہایت درجہ مطمئن ہوتے رہے اور ان کے ہر طرح کے شکوک کا ازالہ ہوتا رہا۔ لیکن معاندین کا ہمیشہ سے یہی کچھ دستور رہا ہے کہ کسی اطمینان بخش جواب سے اطمینان کا اظہار کرنے کی بجائے کچھ نہ کچھ بولتے ہی رہتے ہیں اور عوام میں یہی تاثر پھیلاتے ہیں کہ مولوی صاحبان ہمارے سوالوں کے تسلی بخش اور اطمینان دہ جوابات سے عاجز رہے ہیں اور ان کے پاس ان کا کچھ جواب نہیں ہے۔ پھر وہ انہی سوالوں کو بار بار دہراتے رہتے ہیں تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ مولوی صاحبان کے جوابات کچھ تسلی بخش نہ تھے ورنہ بار بار ایک ہی طرح کے سوالات کے دہرانے کا کیا مطلب تھا۔ اردو میں محاورہ ہے وہی مرغی کی ایک ٹانگ

اب چونکہ انہوں نے مجھ سے سوال کیے ہیں اس لیے اب میرا فرض بنتا ہے کہ میں بھی اس کا جواب دوں۔ واللہ الموفق والمستعان وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب:

پہلے تو اُن کی طرف سے آمدہ سوالات کو درج کرتا ہوں اس کے بعد بالترتیب ان کے جوابات عرض کروں گا

سوالات

① قرآن حکیم کی کونسی آیات ثابت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بجسدِ عنصری آسمان پر اٹھائے گئے ؟

② قرآن کریم کی کونسی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بہ جسدِ عنصری آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے ؟

③ وہ کونسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بہ جسدِ عنصری آسمان پر اٹھائے گئے۔

④ وہ کونسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہ جسدِ عنصری آسمان سے زمین نزول فرمائیں گے۔

⑤ حضرت ابوہریرہ رض کے علاوہ وہ کون سے صحابہ کرام ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کی کسی آیت کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ بہ جسدِ عنصری آسمان پہ جانا اور زندہ بجسدِ عنصری آسمان سے زمین پہ نازل ہونا بیان فرمایا ہے ؟

⑥ قرآن مجید کے دو الفاظ ایسے ہیں جن کے معانی کے تعین میں اختلاف ہے۔ "توفی" اور "رفع"۔ قائلینِ وفاتِ مسیح کہتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں لفظ "توفی" کے مختلف مقامات پر استعمال کو پڑھ کر اور تدبر کرنے سے یہ اصول متعین ہوتا ہے کہ جب فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو کوئی ذی روح مفعول ہو اور توفی کا فعل استعمال ہو تو اس لفظ کے معانی صرف اور صرف "قبضِ روح" کے ہوتے ہیں ؛ جس کی دو ہی صورتیں ہیں ، نیند یا موت ۔ اور یہ لفظ قرآن کی کئی آیات میں استعمال ہوا ہے جو ان معانی کی تائید کرتے ہیں ۔ اور اگر اس کے برعکس معانی کیے جائیں تو ایسا مفہوم نکلتا ہے جو کسی کو بھی قابل

قول نہیں مثلاً

① ھوالذی یتوفکم باللیل (انعام) ② وتوفنا مع الابرار (آل عمران)

③ واللہ خلقکم ثم یتوفکم (نحل) وغیرہ

قائلینِ حیاتِ مسیح کہتے ہیں کہ توفی کا لفظ قبض روح مع الجسم کے لیے استعمال ہوتا ہے - میرا سوال یہ ہے کہ ان معانی کی تائید کونسی آیاتِ قرآنی سے ہوتی ہے اور ان کی روشنی میں کیا اصول متعین ہوتا ہے ؟

④ دوسرا لفظ رفع ہے - قائلینِ وفاتِ مسیح کہتے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ اصول متعین ہوتا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی ذی روح مفعول ہو اور فعل رفع ہو تو اس کے معنے شرف اور بزرگی اور بلندی درجات کے عطا کیے جانے کے ہوتے ہیں - ان آیاتِ قرآنی کو وہ ان معانی کی تائید میں پیش کرتے ہیں

① ولو شئنا لرفعنٰہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض ② ورفعنٰہ مکانا علیا ؛

قائلینِ حیاتِ مسیح رفع سے مراد جسم و روح سمیت آسمان پر زندہ اٹھالینا لیتے ہیں - ان معانی کی تائید آیاتِ قرآنی کرتی ہیں ؟ اور ان سے کیا اصول متعین ہوتا ہے ؟

اگر ما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ والی آیت میں کوئی خاص معانی پوشیدہ ہیں تو وہ کیا ہیں ؟ اور ان معانی کا تعین کس اصول کے تحت کیا گیا ؟ اور کونسی آیاتِ قرآنی ان معانی کی تائید کرتے ہیں

مؤرخہ ۲۱.۹.۸۳

الجواب المستطاب بعون الملک الوہاب

قرآن پاک میں "جسد عنصری کے ساتھ زندگی" کا مطالبہ قرآنی زبان وادب سے ناواقف ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ قرآن پاک میں بلکہ کلام رسولؐ و کلام صحابہؓ میں بھی یہ لفظ جسدِ عنصری کا مذکور نہیں اور اس مفہوم کو ادا کیا گیا کہ اس بدنِ انسانی میں جو اربع عناصر سے (آگ۔ پانی۔ مٹی۔ ہوا سے) مرکب ہے روح پھونکی جاتی ہے اور نکالی جاتی ہے مگر اس کی تعبیر "جسدِ عنصری" سے نہیں کی گئی۔ اِحْیَاء۔ اِمَاتَۃ۔ حیاۃ۔ موت۔ ممات کے الفاظ ان معنوں میں عام ملتے ہیں مثلاً اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ (جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو موت آپہنچی) ثم بعثنا کم من بعد موتکم (پھر ہم نے تم کو جلا اٹھایا تمہارے مرے بعد) فتمنوا الموتَ (پھر موت کی آرزو کر دیکھو) اذا حضر احدکم الموت (جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو) قال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مرجاؤ۔ پھر اُس نے انہیں جِلا دیا۔ ربی الذی یحیی ویمیت (میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے) افان ماتَ کیا پس اگر وہ (نبیؐ) مرجائیں) فلما قضینا علیہ الموتَ (پس جب ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری فرمایا) ما دلھم علیٰ موتہ الا دابۃ الارض تو جنات کو کسی چیز نے اُن کے مرنے کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے۔ علیٰ ہٰذا القیاس بہت سی آیات ہیں جن میں جینے کو حیاۃ سے اور مرنے کو موت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ مگر ان کے ساتھ جسدِ عنصری کا لفظ کہیں استعمال نہیں فرمایا

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے کچھ بیان کرنے سے پہلے تمہیداً عرض کرتا ہوں یہ تو سب کو مسلم ہے کہ قرآن کریم بائیبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح ہر باطل نظریہ کی تردید فرماتا ہے۔ اور جو بات صحیح ہو اس کی تصدیق بھی فرماتا ہے

اب سنیے! ان باطل نظریوں میں سے یہود کا نظریہ تھا جس کا ذکر یوحنا کی انجیل ۱۸: ۱۲ (یعنی باب ۱۸ آیت ۱۲) میں ہے "سپاہیوں اور صوبہ دار اور یہودیوں کے پیادوں نے مل کر یسوع کو پکڑا اور اسے باندھا۔ اور پہلے اسے حنّان کے پاس لے گئے"۔ پھر ۱۸: ۲۲ میں ہے "پیادوں میں سے ایک نے جو پاس کھڑا تھا یسوع کو طمانچہ مار کر کہا: تو کاہنِ اعظم کو ایسا جواب دیتا ہے؟"۔

...... اور حنّان نے اسے بندھا ہوا قیافا کاہنِ اعظم کے پاس بھیج دیا......

آگے ۱۸: ۲۸ میں ہے تب یسوع کو قیافا کے پاس قلعہ میں لے گئے ...... انہوں نے اس سے کہا کہ اگر یہ بدکار نہ ہوتا تو ہم اسے تیرے حوالے نہ کرتے۔ پیلاطس نے ان سے کہا تم اسے لے جاؤ۔ اور اپنی شریعت کے مطابق اس پر فتوے لگاؤ۔ یہودیوں نے اس سے کہا ہم کو روا نہیں کہ کسی کو سزائے موت دیں۔ تب پیلاطس نے یسوع کو لے کر کوڑے لگوائے۔ اور سپاہیوں نے کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا۔ اور اسے ارغوانی پوشاک پہنائی۔ اور اس کے پاس آ آکر کہنے رہے اے یہودیوں کے بادشاہ! سلام۔ اور انہوں نے اسے طمانچے مارے۔

مگر خدا پاک نے قرآن حکیم میں اس باطل نظریہ کی مختصر الفاظ میں اور بڑی صراحت کے ساتھ تردید فرمائی اِذْ کَفَفْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَنْکَ (وہ وقت بھی یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل کے پلید ہاتھوں کو آپ کی معصوم ذات پاک سے روک رکھا تھا۔ تو جب یہود کے پلید ہاتھ آپ کی گرامی ذات تک پہنچ ہی نہیں سکے تو پیادوں کا آپ کو پکڑنا، باندھنا، طمانچے مارنا، کوڑے لگانا، کانٹوں کا تاج بنا کر آپ کے سر پر رکھنا، پھر آپ کو پکڑ کر صلیب پر لٹکانا، پھر آپ کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھونکنا، پھر سپاہی کا بھالے سے آپ کی پسلی چھیدنا، جس سے آپ کا خون بہہ نکلا ہو، پھر صلیب سے آپ کو اتارنا (غرض) تمام قصہ ہی مخترعہ موضوعہ من گھڑت اور جھوٹ کا پلندہ ہوا جس کو مرزائی امت

من گھڑت انجیل کی باتیں صحیح سمجھ کر تسلیم کرتے ہیں۔ مگر قرآن حکیم نے ان تمام بیانات
کو چند لفظوں میں رد فرما دیا

پھر دوسرے انداز میں یہود کی صریح غلط بیانی کو نقل فرما کر رد فرمایا کہ وقولہم
انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول الله یہود اس نظریہ کو بڑے فخر کے ساتھ بیان
کیا کرتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جو مسیح تھا اور اللہ کا پیغمبر تھا (تمہارے زعم میں)
اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما قتلوہ وما صلبوہ حالانکہ درحقیقت یہود نے اس (عیسیٰ بن مریم)
کو قتل نہیں کیا (اور یہود جھوٹ بولتے ہیں)

اور مسیحیوں کا عقیدہ باطلہ تھا کہ حضرت یسوع مسیح سولی پہ لٹکائے گئے،

۲۷: ۳۱ میں ہے اور جب وہ اس پر ٹھٹھا کر چکے تھے تو چغہ کو اتار کر
پھر اسی کے کپڑے اُسے پہنائے اور صلوب کرنے کو لے چلے ..... اور جب انہوں نے
اُسے مصلوب کیا تو اس کے کپڑوں کو قرعہ ڈال کر بانٹ لیا۔

لوقا ۲۳: ۳۳ میں ہے اور جب وہ اس مقام پر پہنچے جسے کھوپڑی
کہتے ہیں تو وہاں اسے (یسوع مسیح کو) صلیب دی

یوحنا ۱۹: ۱۸ میں ہے اور وہاں اسے صلیب دی

قرآن حکیم نے ان سب من گھڑت قصوں کے رد میں فرمایا وما صلبوہ اور ان لوگوں
نے حضرت ابن مریم کو صلیب (سولی) پر چڑھایا ہی نہیں ہے چہ جائیکہ صلیب دیتے اور جو کچھ
ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہ سفید جھوٹ اور افتراءِ محض ہے۔ ولکن شبہ لھم
لیکن اصل حقیقت ان پر مشتبہ کر دی گئی ہے۔ اصل واقعہ ان کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ وان
الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ یہی وجہ ہے کہ یہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) جو آپ کے
بارے میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ دراصل آپ کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں؛
مالھم بہ من علم الا اتباع الظن اور ان مختلف باتیں کرنے والوں کے پاس کوئی صحیح علم

نہیں ہے سوائے تخمینی باتوں کی پیروی کرنے کے! پھر فرمایا وما قتلوہ یقیناً ان لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا

نوٹ ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ نے ولکن شبہ لہم کا مفہوم اس طرح ادا فرمایا "ان یہود پر یہ بات مشتبہ کی گئی ہے یعنی صلیب وغیرہ والی بات کوئی نہیں ہوئی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد ان پر جھوٹی بات مشہور کی گئی جس سے لوگوں کو شبہ پڑ گیا کہ شاید اسی طرح ہوا ہوگا! شُبّہ کا صحیح معنے یہی ہے۔ نہ وہ جو لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے مشابہ ایک یہودی تھا، اسے قتل کیا گیا (من بلغہ)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل بھی نہیں ہوئے اور سولی پر بھی انہیں نہیں چڑھایا گیا بلکہ ہاتھ تک نہیں لگا سکے۔ پھر اس جگہ سے ایسے غائب ہوئے کہ کسی کو نظر نہ آئے۔ آخر آپ وہاں سے گئے کہاں؟

تو عیسائیوں نے یہ کہا کہ آپ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا چنانچہ

مرقس کی انجیل ۱۶ : ۱۹ میں ہے "اور خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔"

لوقا کی انجیل ۲۴ : ۵۱ میں ہے "اور ایسا ہوا کہ جب وہ ان کو برکت دے رہا تھا تو ان سے جدا ہو گیا۔ اور آسمان پر اٹھایا گیا۔"

رسولوں کے اعمال ۱ : ۲ میں ہے۔ "شروع سے لے کر اس دن تک جس میں وہ روح القدس سے اپنے ان رسولوں کو جن کو اس نے چن لیا تھا حکم دے کر اوپر اٹھایا گیا"

یوحنا کی انجیل ۱۲ : ۳۲ میں ہے۔ "اور جب میں زمین سے اٹھایا جاؤں گا....."

قرآن حکیم نے عیسائیوں کے اس نظریہ و عقیدہ کی تردید نہیں فرمائی اور یوں نہیں فرمایا ولم یرفعہ اللہ الیہ یا الی السماء (یعنی "نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف یا آسمان کی طرف اٹھایا") بلکہ بجائے تردید کرنے کے اس نظریہ کی تصدیق فرمائی کہ ان

البتہ اتنی بات صحیح ہے جو عیسائی عقیدہ رکھے ہوئے ہیں کہ آپ کو زمین سے آسمان کی طرف اپنی طرف اٹھالیا۔ فرمایا بل رفعہ اللہ الیہ قتل وسولی وغیرہ کے قصے تو ہیں غلط بلکہ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ آپ کو اللہ عزوجل نے اپنی طرف اٹھا لیا کیونکہ وکان اللہ عزیزا حکیما اللہ تعالیٰ کو بڑی طاقت ہے ایک انسان کو اوپر اٹھائے جانے میں خدا پاک کا کونسا زور لگتا ہے۔ اور اللہ پاک بڑا حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جو معاملہ کیا اور آپ کو اپنی طرف اٹھالیا وہی عین مقتضائے حکمت تھا اور وہ حکمتیں تم لوگوں سے مخفی ہیں۔

فائدہ: ایسا نازک موقع جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیش آیا اور اس سے بچانے کی خفیہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے فرمائی ایسے ہی نازک موقعے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی پیش آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بچانے کی تدبیریں کیں مگر یہ تدبیر رفع السماء کی مخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے کیونکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے رفعہ اللہ الیہ نہیں فرمایا بلکہ انجاہ اللہ یا نجّینہ اللہ جیسے کلمات ارشاد فرمائے۔ مثلاً

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے فرمایا فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ (پس ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے طوفان سے نجات دی)

حضرت ہود علیہ السلام کے بارے فرمایا فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (پس ہم نے اپنی ہی رحمت سے ہود علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ تھے بچالیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کے بارے فرمایا فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا پس جب ہمارا حکم عذاب کا آپہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے محض اپنی رحمت سے نجات دی۔)

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے فرمایا فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (پس ہم نے لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے نجات دی۔ مگر ان کی ایک بیوی کہ وہ پیچھے

، جانے والوں میں وہ بھی رہ گئی

حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے فرمایا فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا اور جب ہمارا حکم عذاب کا آپہنچا تو ہم نے محض اپنی مہربانی سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے، بچالیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے فرمایا فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ پس ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے پاس ان کی باتوں کا اس کے سوا کوئی جواب ہی نہ تھا کہ آپس میں لگے کہنے کہ اس کو مار ڈالو یا اس کو جلادو (چنانچہ آپ کو آگ میں پھینک دیا مگر) خدا نے ان کو آگ سے نجات دی۔ آگ ان کو نہ جلا سکی۔

علیٰ ہٰذا القیاس دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے بھی اسی طرح ارشاد باری ہے مگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی باری آئی تو اسلوب کلام بدلا اور بجائے أَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ الصَّلِيبِ کے بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ فرمایا یعنی اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا، اگر عیسائیوں کا وہ عقیدہ جو انھوں نے اپنی انجیلوں میں لکھا پایا تھا کہ یسوع مسیح (عیسٰی) کو آسمانوں پر اٹھایا گیا" غلط ہوتا تو قرآن حکیم نے جیسے دیگر اغلاط کی نشان دہی کی اور صریح الفاظ میں ان کی تردید فرمائی ایسے ہی عیسائیوں کے اس نظریہ وعقیدہ کی بھی تردید بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ فرمادیتا مثلاً یوں ارشاد فرماتا وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَمَا رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ ۚ بَلْ أَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ الصَّلِيبِ وَهَاجَرَ إِلَى كَشْمِيرَ اور یہ مطلب ہوتا کہ نہ تو یہود نے آپ کو قتل کیا اور نہ ہی آپ کو سولی دی اور نہ ہی آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صلیب سے بچالیا کہ صلیب پر چڑھنے سے آپ مرے نہیں، زندہ اتار لیے گئے اور پھر صحت پانے کے بعد آپ کشمیر کی طرف ہجرت کرکے چلے گئے۔

مگر چونکہ تورات وانجیل میں لکھی ہوئی باتوں میں سے یہ ایک بات سچی تھی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا اس لیے مسیحیوں کے اس نظریہ پر بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ

کہ کر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

چونکہ مسیحیوں کا بھی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہٖ و روحہٖ زندہ آسمان پر صعود فرما گئے ہیں اور جس روز آپؑ کا صعود مسعود ہوا اس دن کو عید صعود کے نام سے عید مناتے تھے اور یہ بات عرب میں بھی مشہور و معروف تھی اس لیے صرف بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ پر ہی اکتفاء کیا گیا جس سے متبادر الی الذہن یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہاں رفع سے مراد رَفْعِ اِلَى السَّمَاءِ ہی ہے اور کلام عرب میں مضاف کا حذف کرنا ذائع شائع اور عام اور بکثرت ہے (دیکھو ہدایہ اولین ص نیز شرح جامی بحث ...) تو رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے معنے رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلٰى سَمَائِهٖ کے ہیں، آسمان کی طرف اٹھا (دیکھو بحر محیط و ابی حیان اندلسی) عربی اور اردو دونوں محاوروں میں اللہ کی طرف اٹھا لینے سے مراد آسمان کی طرف اٹھا لینے کے ہوتے ہیں۔ اور عہد نبوی میں یہ تصور عام تھا کہ جب پوچھا جاتا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو جواب دینے والا یہی کہتا تھا فی السماء (آسمان میں) جیسے مشکوٰۃ ص ۲۸۵ میں موطا امام مالکؒ و صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث ذکر ہے کہ معاویہ بن الحکم کی باندی سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا این اللہ (اللہ کہاں ہے) تو جاریہ (باندی) نے جواب دیا فی السماء (اللہ آسمان میں ہے) پھر دوسرا سوال اپنی رسالت کے بارے کیا تو جاریہ نے جواب دیا آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاویہ! اسے آزاد کر دے کیونکہ مومنہ ہے

چونکہ عرب کا عام خیال متبادر یہی ہوتا تھا کہ جب ایسے موقعہ پر سوال ہوتا یا کوئی گفتگو میں ایسی بات کرتا تو فوراً آسمان کی طرف ذہن جاتا اس لیے اِلٰى سَمَائِهٖ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر رَفْعِ اِلَى السَّمَاءِ مراد خداوندی نہ ہوتی جس کی طرف انسانی ذہن فوری طور پر منتقل ہوتا ہے تو اس وہم کو رفع کرنے کے لیے ذہن اس متبادر مفہوم سے ہٹ کر صحیح مفہوم کی طرف منتقل ہوتا مثلاً یوں عبارت ہوتی بَلْ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنَ الصَّلِيْبِ وَرَفَعَهُ مَكَانًا عَلِيًّا یا هَاجَرَ اِلٰى رَبِّهٖ جیسے ابراہیمؑ نے فرمایا تھا اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ آگ سے نجات پانے کے بعد فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف چلا جاتا ہوں سو وہ مجھے پہنچا ہی دے گا (منزل مقصود تک)۔

بلکہ سچ پوچھو کہ اگر مرزائی موقف درست ہوتا تو حضرت عیسٰیؑ کا واقعہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ القاء فی الجحیم (آگ میں ڈالنا) کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا تو جیسے عبارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے آئی ہے ویسی ہی عبارت حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے آتی کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو بقول جدید و قدیم عیسائیوں کے حضرت عیسٰیؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے آگ میں سے صحیح سلامت بچا نکالا۔ تو بقول جدید عیسائیوں یعنی مرزائیوں کے حضرت عیسٰی علیہ السلام صلیب پر لٹکنے کے بعد زندہ اتار لیے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ اس واقعہ کے بعد اپنا وطن عراق چھوڑ کر شام کو چلے جاتے ہیں تو جدید عیسائیوں کے زعم میں عیسٰیؑ واقعۂ صلیب کے بعد اپنا وطن شام چھوڑ کر کشمیر چلے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ شام میں باقی زندگی گزار کر وفات پاتے ہیں اور وہیں آپ کی قبر مبارک ہے، تو ان جدید عیسائیوں کے زعم میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کشمیر میں باقی زندگی گزار کر وہیں وفات پاتے ہیں۔

مگر قرآن و سنت کی روشنی میں کہیں اشارہ تک نہیں ہے کہ حیاتِ ابراہیمؑ و حیاتِ عیسٰیؑ میں ایک گونہ مشابہت ہے اور نہ ہی عبارت میں تشابہ ہے۔ بلکہ اس کلامِ الٰہی میں اس اختلافِ بیانِ قصۂ ابراہیمؑ و قصۂ عیسٰیؑ میں اشارہ ہے بطلانِ و فسادِ زعمِ مرزائیہ کی طرف کہ کچھ لوگ آخر زمانہ میں ایسے بھی آئیں گے جو واقعۂ عیسٰیؑ کو واقعۂ ابراہیمؑ کے مثل بیان کریں گے مگر وہ باطل پر ہوں گے کیونکہ ان دونوں قصوں کی باہم کسی طرح مناسبت نہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو نمرود بادشاہ آگ میں ڈالنا چاہتا تھا اور پھر اس نے آپؑ کو آخرکار آگ میں ڈال ہی دیا۔ بخلاف حضرت عیسٰیؑ کے کہ پیلاطس بادشاہ بقول اناجیل کے آپؑ کو سولی دینے کے حق میں نہ تھا۔ اور قرآن پاک نے وضاحت فرمائی کہ آپؑ کو کسی نے سولی دی ہی نہیں بلکہ کسی ناپاک کے ناپاک ہاتھ آپؑ کے پاک و معصوم جسدِ اطہر کو چھو بھی نہیں سکے۔ حضرت ابراہیمؑ پھر عراق سے ہجرت کر کے شام میں چلے گئے اور وہاں جاتے وقت آپؑ

نے فرمایا تھا اِنِّی ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّی اِلٰی مَوْضِعٍ اَمَرَنِی بِاللّٰہِ اَیْ بِالْھِجْرَۃِ (مدارک) اِلٰی حَیْثُ اَمَرَنِیْ بِالْمُھَاجَرَۃِ اِلَیْہِ (کشاف) یعنی اب میں اس طرف جانا چاہتا ہوں جس طرف ہجرت کر کے جانے کا حکم ربی مجھے ملا ہے۔ مگر حضرت عیسیٰؑ نے جاتے وقت ایسے کلمات استعمال نہیں فرمائے۔ بلکہ بقول یوحنا کے کہ آپ تعلیم دیتے وقت فرماتے تھے کہ "میں جب زمین سے اٹھایا جاؤں گا....." صاف فرمایا کہ ایک وقت وہ آنے والا ہے جو مجھے وحی کے ذریعے اللہ پاک نے اطلاع دے دی، کہ یہ جو مجھے گرفتار کرنے والے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ ناکام رہیں گے یہ مجھے گرفتار نہ کر سکیں گے ان کے ناپاک ہاتھوں کے چھونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی طرف لے جائیگا۔

اور قرآن حکیم نے یوحنا کے اس قول کی تردید نہیں فرمائی بلکہ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ فرما کر اس قول کی تصدیق و تائید ہی فرمائی۔

اب رہا یہ کہ رفع سے مراد رفع روحانی و رفعت منزلت ہے سو یہ مغالطہ آفرینی ہے اور مردود ہے۔ کیونکہ رفع کے حقیقی اور اصلی معنے جس کے لیے واضع لسان عرب نے لفظ رفع کو وضع اور معین کیا ہے وہ ہیں جسم مادی کو اٹھانا۔ چنانچہ امام لغت راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں لکھا ہے الرفع یقال فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتھا عن مقرھا یعنی نیچے دھرے ہوئے، رکھے ہوئے، پڑے ہوئے جسم کو اس کی اس جگہ سے اٹھا کر اس کو اوپر کی جگہ رکھدینے کا نام رفع ہے

اور مرتبہ کا بلند کرنا یا ہونا یہ رفع کے حقیقی معنے نہیں ہیں بلکہ مجازی معنے ہیں۔ اور امت مسلمہ کے علماء حق کے ہاں یہ ایک قاعدہ محکم مسلمہ ہے کہ لفظ کا حقیقی معنے اگر متعذر یا مہجور نہ ہو بلکہ اس کا استعمال عام ہو تو جب تک اس حقیقی معنے مراد لینے سے کوئی امر مانع نہ ہو، اور کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس کی وجہ سے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنے لینے کی مجبوری ہو تب تو حقیقی معنے ہی مراد لیا جاتا ہے۔ مجازی معنے مراد نہیں لے سکتے۔ اور جس رفع میں ہماری

بحث ہے اس میں حقیقی معنے : تو متعذر رہیں اور نہ مہجور۔ اور یہاں ایسا کوئی قرینہ بھی نہیں جس کو دیکھ کر حقیقی معنے چھوڑا جائے اور مجازی معنے کے لیے مجبوری ہو۔ لہٰذا یہاں رفع کے حقیقی معنے ہی متعین ہیں یعنی زمین پر جو حضرت عیسیٰؑ کا وجود ہیئت جسد اطہر چلتا پھرتا تھا اللہ نے اپنی کسی حکمت کے تحت زمین سے اٹھا کر اوپر آسمانوں میں لے جا کر رکھ دیا۔

مقاییس اللغۃ جلد ۲ ص ۴۲۳ میں امام لغت ابن فارس بن زکریا نے لکھا الرفع یدل علی خلاف الوضع..... وہو خلاف الخفض : صراح ص ۲۵۰ میں ہے الرفع برداشتن وہو خلاف الوضع : تاج المصادر میں بیہقی نے ص ۱۲۳ میں لکھا الرفع برداشتن

بحر الکلام ص ۱۳ میں علامہ نسفی ؒ نے فرمایا فَمَنْ جَاوَزَ عَنِ الْحَقِیْقَۃِ فَعَلَیْہِ بِالدَّلِیْلِ جو شخص حقیقی معنے چھوڑ کر مجازی معنے مراد لیتا ہے تو اس مجازی معنے مراد لینے کی دلیل اس کے ذمے ہے

شرح عقائد جلالی ص ۲۴۵ میں ہے اَلْحَقُّ اَنْ لَا یُجَاوَزَ عَنِ الظَّوَاہِرِ اِلَّا بِمَنْ جہاں تک ہوسکے ظاہری معنے چھوڑ کر دوسرے غیر ظاہری معنے نہ اختیار کیے جائیں۔ یہی حق ہے اس کے سوا باطل

شرح عقائد جلالی ج ۱ ص ۲۰ میں ہے اَلنُّصُوْصُ یُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاہِرِہَا مَا لَمْ یَصْرِفْ صَارِفٌ عَنْہَا جب تک کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کو اپنے ظاہر معنوں پر حمل کیا جائے

مقدمہ نظم الفرائد ص ۸ میں محمد حسن صاحب سنبھلی نے لکھا ہے اِنَّ النُّصُوْصَ تُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاہِرِہَا فِیْ کُلِّ مَا کَانَ مُحَافَظَۃً اِلٰی مَرْتَبَۃِ الْاِمْکَانِ جہاں تک ممکن ہو نصوص سے ظاہر معنے مراد لیے جائیں

شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۹۰ میں ہے اَلنَّصُّ یَجِبُ حَمْلُہٗ عَلٰی ظَاہِرِہٖ اِذَا لَمْ یَقُمْ دَلِیْلٌ عَقْلِیٌّ دَالٌّ عَلٰی اِمْتِنَاعِ ظَاہِرِہٖ جب تک کسی عقلی دلیل سے یہ نہ ثابت ہو جائے کہ اس عبارت کے معنے محال ہیں ظاہری معنے کی صحت کی کوئی صورت نہیں تب تک عبارت کو اس کے ظاہر پر ہی حمل کیا جائے

اب "احمد صادق" ص ۱۸۶ میں جو مرزا قادیانی کا قول مستحسن سمجھ کر نقل کیا گیا ہے۔ کہ "الفاظ کے ظاہری معنوں کے پیچھے پڑا رہنا اچھا نہیں" صاف غلط ہو گیا۔

① حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عقیدہ

نجران کے عیسائی علماء سنہ ۹ھ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کی غرض سے مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے تھے نجرانیوں کی غلط باتوں کے جواب میں ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی تردید میں یہ عبارت ارشاد ارشاد فرمائی تھی اللہ پاک تو حَیٌّ لَا یَمُوْتُ زندہ نہ میرندہ ہے اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَبَّنَا حَیٌّ وَّ اَنَّ عِیْسٰی علیہ السلام یَاْتِیْ عَلَیْہِ الْفَنَاءُ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہمارا رب تو زندہ نہ میرندہ ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ہیں ان پر تو (ایک نہ ایک دن) فناء آئے گی۔ اب بتائیے وہ خدا کیونکر ہوئے

مطلب واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک تو زندہ ہیں مگر یہ بات نہیں کہ وہ ابد الآباد ہمیشہ ہمیشہ زندہ ہی رہیں گے اور ان پر موت وارد ہی نہ ہوگی۔ بلکہ ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ ازلی ابدی زندہ رہنا صرف اللہ پاک کی صفتِ مخصوصہ ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

اگر ان عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ وہ زندہ آسمان پر ہیں غلط ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یوں نہ فرماتے یَاْتِیْ عَلَیْہِ الْفَنَاءُ ان پر فناء آئے گی۔ بلکہ یوں فرماتے کہ وہ عیسیٰ تو وفات پا چکے ہیں۔ بلکہ یہ لفظ وَقَدْ مَاتَ تردیدِ الوہیتِ مسیح میں زیادہ وزنی ہے۔ اور یاتی علیہ الفناء میں اتنا زور نہیں۔ اور وہ موقع مناظرہ کا تھا اس میں ایسے جواب کی ضرورت تھی۔ تو اس موقع پر آپ کا فرمانا یاتی علیہ الفناء صریح دلیل حیاتِ عیسیٰ کی ہے

بزار نے بھی فرمانِ نبی سے نزولِ عیسیٰ ثابت کیا ینزل عیسی بن مریم مصدقا لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ملتہ فیقتل الدجال

حیات حضرت عیسیٰؑ کے بارے

عہد نبوی میں موجود عیسائیوں کا عقیدہ

ڈی بنسن DEBENSON نے "اسلام یا حقیقی مسیحیت" ص ۱۴۳ میں حاشیہ لکھا اس میں قدیم مسیحی فرقوں کے متعدد نام گنائے جو رفع سماوی کے قائل تھے اسی طرح سیل نے بھی قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں ان کے نام گنائے مفسر ابن زید نے ویکلم الناس فی المھد وکھلا کی تفسیر میں فرمایا رفعہ اللہ الیہ قبل ان یکون کھلا قال وینزل کھلا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہولیت (ادھیڑ عمر) کا زمانہ پانے سے پہلے ہی اپنے (آسمان کی) طرف اٹھا لیا اور پھر اترنے کے بعد کہولت کے زمانہ کو پہنچیں گے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ دربارۂ حیات عیسیٰ علیہ السلام

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اہلِ لسان تھے - عربی ان کی مادری پدری زبان تھی فصاحت و بلاغت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے - وہ قرآنِ حکیم کے اولین مخاطب تھے - وہ قرآن پاک کے مزاج شناس تھے ۔ اور آن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم و مزکی کے ان میں تشریف فرما تھے ۔ اگر ذرا سا شک ہو جاتا یا قرآن پاک کی کسی آیت یا کسی فقرہ کے سمجھنے میں ذرا سی الجھن بھی پڑ جاتی تو بلا جھجک کے براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے اور اپنی الجھن اور شک کا ازالہ کر لیتے ۔ اسی لیے علماء کرام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ قرآن حکیم کی آیت یا فقرہ کی جو تفسیر صحابی رضؓ بیان کرے اور اس تفسیر کی نسبت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کرے تب بھی وہ مرفوع کے حکم میں ہے یعنی یہی سمجھیں گے کہ یہ تفسیر خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے گو صحابیؓ نے اختصار کرتے ہوئے آپ کا نام نہیں لیا - کیونکہ حسب ارشاد باری تعالیٰ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ تفسیر کرنے کا حق صرف پیغمبر کو ہے اور کسی دوسرے کو اپنی رائے سے تفسیر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔

کیونکہ اپنی رائے سے تفسیر کرنے والا اس وعید کے تحت آجاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِالرَّأْيِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ قرآن مجید کی تفسیر کرنا اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا ہے

اب اس آیت زیر بحث میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت صحابۂ کرام رض کو پڑھ کر سنائی تھی تو اس آیت کا مطلب صحابۂ کرامؓ کیا سمجھے جو مطلب انہوں نے سمجھا وہی ہمارے لیے حجت ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ بل رفعه الله اليه سے صحابۂ کرام رض نے رفع جسمانی سمجھا یا رفع روحانی یا رفعت منزلت و بلندی درجات

اب ہم چاہتے ہیں کہ یہاں چند احادیث بیان کر دی جائیں جن سے ثابت ہو سکے کہ صحابۂ کرام کا کیا موقف تھا

(۲) امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں ج ۲ ص ۴۹ پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور نزول فرمائیں گے الخ اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے (نزول فرع ہے رفع کی۔ نیلوی)

(۳) پھر نواسؓ بن سمعان کلابی کی روایت ص ۵۰ ج ۲ میں نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی دمشق میں سفید مینار پر دو رنگین کپڑوں میں ملبوس اتریں گے۔ اور کہا یہ حدیث غریب حسن صحیح ہے (جب تک رفع نہ ہوگا نزول کیسے؟ پس رفع بھی ثابت ہوا)

(۴) پھر ص ۵۱ میں مجمعؓ بن جاریہ رض کی روایت نقل کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علاقہ شام میں لُدّ کے مقام پر عیسیٰ بن مریم دجال کو قتل کریں گے اور کہا یہ حدیث صحیح ہے اور کہا اس بارے میں عمرانؓ بن حصین، نافعؓ بن عتبہ، ابوبرزہؓ، حذیفہؓ بن اسید، ابوہریرہؓ، کیسانؓ، عثمانؓ بن ابی العاص، جابرؓ، ابوامامہؓ، ابن مسعودؓ، عبد اللہؓ بن عمرو، سمرۃؓ بن جندب، نواسؓ بن سمعان، عمروؓ بن عوف، حذیفہؓ بن یمان رضی اللہ عنہم سے

بھی روایات ہیں۔ اور محمد ﷺ بن جاریہ کو بھی ساتھ ملا لیں۔ اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ملالیں جن کے بارے مرزا قادیانی نے اپنی مشہور کتاب ازالۂ اوہام میں لکھا ہے کہ آپؓ (حضرت عبداللہ بن عباس رض) بوجۂ دعا نبوی قرآن کو سب سے اچھا سمجھتے تھے۔ یہ بھی حیات عیسیٰ علیہ السلام کے قائل تھے اور آپؑ کے رفع جسمانی کے قائل تھے۔

(۵) چنانچہ مفسر ابن کثیرؒ اپنی تفسیر ج ۳ ص ۲۲۸ میں محدث سعید بن منصورؒ نسائیؒ ابن ابی حاتمؒ ابن مردویہ کے حوالوں سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل فرمائی لما اراد الله ان یرفع عیسیٰ علیہ السلام الی السماء خرج الی أصحابہ وفی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین فخرج علیہم من عین من البیت ورأسه یقطر ماءً فقال..... ورفع عیسیٰ من روزنۃ فی البیت الی السماء (یعنی جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالے جانے کا تو آپؑ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لانے لگے جو بارہ حواری تھے۔ جب آپ اس مکان کے ایک مقام سے نکلے تو آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے...... تو عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے ایک روزن میں سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھایا گیا ؛ یہ روایت لکھ کر ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں (اس میں رفع الی السماء کی صراحت ہے۔ نیلوی)

اسی طرح روح المعانی ج ۱ ص ۵۹۵ میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے فرفعه جبرائیل علیہ السلام من الکوۃ الی السماء یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرائیلؑ روزن سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھالے گئے اسی روح المعانی کی ج ۲ ص ۲۱۰ میں حضرت ابن عباس رض کی ایک اور روایت لکھی ہے فرفعه منه الی السماء یعنی جبرائیلؑ آپؑ کو مکان میں لے جاکر روزن سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھالے گئے (ابن عباسؓ کی اس روایت میں بھی رفع الی السماء کی تصریح ہے)

تفسیر السراج المنیر میں نسائی و ابن مردویہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی

یہ روایت نقل کی ہے فاجتمعت الیھود علیٰ قتلہ فاخبرہ اللہ بانہ یرفعہ الی السماء ویطھرہ من الیھود یعنی تمام یہودیوں نے آپؑ کے قتل کرنے پر اتفاق کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خبر دے دی کہ اللہ تعالیٰ آپؑ کو آسمان کی طرف اٹھا لے گا اور یہود کے شر سے آپؑ کو پاک فرمائے گا (ابن عباسؓ کی اس روایت میں بھی رفع الی السماء کی تصریح ہے)

نوٹ :- سائل کا مطالبہ تھا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت کیا جائے حضرت عیسیٰ کا زندہ آسمان پر جانا اور اترنا سو یہ دونوں باتیں روز روشن کی طرح ثابت ہو گئیں خصوصاً حضرت ابن عباسؓ سے جو آپ کے مرزا کے نزدیک بھی قرآن کو سب سے اچھا سمجھتے تھے اگر حضرت ابو ہریرہ رضہ نے بقول مرزا غباوت کی وجہ سے آیت کا مطلب غلط سمجھا تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ چپ نہ رہ سکتے تھے کہ انہیں کتابِ حق کے دعید کا پوری طرح علم تھا۔ مگر کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس میں یہ ہو کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابو ہریرہ رضہ کی بیان کردہ تفسیر آیت قرآنیہ پر تنقید کی ہو۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ کو یہ تفسیر مسلم تھی۔ اور جس قدر صحابہ کرام رضہ نزولِ عیسیٰؑ کی روایتیں بیان کرتے رہے ہیں وہ سب قرآن دان تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ احادیث قرآن حکیم کے خلاف نہیں بلکہ تفسیر ہیں، اور جو تشریح مرزا قادیانی نے تیرہ سو سال کے بعد کی ہے یہ کسی صحابیؓ سے منقول نہیں ہے۔

تنبیہ : ہم سے تو مطالبہ ہوتا ہے کہ تم کوئی ایسی حدیث دکھاؤ جس میں بجسد عنصری حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر صعود اور آسمان سے نزول مذکور ہو۔ کیا ہم مطالبہ نہیں کر سکتے کہ تم بھی کوئی ایسی حدیث دکھاؤ جس میں یہ ذکر ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی تو دیئے گئے تھے مگر سولی پر مرے نہ تھے ان کو نیم مردہ حالت میں سولی سے اتار لیا گیا تھا پھر علاج کے بعد اچھے ہو کر کشمیر چلے گئے تھے۔ بتاؤ اور منہ مانگا انعام لیجیے؟

(۹) حضرت عمرؓ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کا قاتل عیسیٰ بن مریم ہے۔ تو اس کا قاتل نہیں ۔ رواہ احمد عن جابر رضہ (کنز العمال ج ۷، ص ۲۰۲)

(۷) کنزالعمال ج ۷، ص ۲۶۷ حدیث نمبر ۲۹۹۰ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسےٰ بن مریم کے ہاتھ سے دجال کو قتل کرے گا

(۸) مسند احمد و ابن ابی شیبہ کے مصنف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فینزل عیسٰے فیقتل الدجال عیسےٰؑ اتر کر دجال کو قتل کریں گے۔

(۹) عبداللہ بن مسعودؓ سے سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معراج کی رات ابراہیم و موسٰی و عیسٰیؑ سے ملا اور قیامت کے متعلق ذکر کیا۔ پہلے ابراہیمؑ سے دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا لَاعِلْمَ لِیْ۔ پھر موسےٰ سے پوچھا۔ انھوں نے بھی فرمایا لَاعِلْمَ لِیْ پھر عیسٰےؑ سے پوچھا۔ انھوں نے کہا اصل علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ مگر میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ جب دجال نکلے گا تو میں نازل ہوں گا اور اس کو قتل کردوں گا

(۱۰) عبداللہ بن عمرؓ سے ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ مسیح بن مریم اتریں گے۔ جب آپ کو دجال دیکھے گا تو چربی کی طرح گھلنا شروع ہو جائیگا۔ پھر مسیح بن مریم اس دجال کو قتل کردیں گے۔

(۱۱) عبداللہ بن سلامؓ کی روایت درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵ میں بحوالہ تاریخ بخاری نقل ہے کہ حضرت عیسےٰؑ دفن ہوں گے حضرت رسول کریمؐ و ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ تو وہ چوتھی قبر ہوگی

عبداللہ بن عباسؓ کی روایت درمنثور ج ۲ ص ۳۴۰ میں ابن عساکر و اسحٰق بن بشر کے حوالہ سے نقل ہے کہ یا عیسٰی انی متوفیک و رافعک الیّ کے معنے ہیں انی رافعک ثم متوفیک (ومیتک) فی آخر الزمان پہلے میں تجھے اٹھالے جاؤں گا پھر آخر زمانہ میں قرب قیامت کے وقت تجھے وفات دوں گا۔

طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۲۶ میں ابن عباسؓ کی روایت ہے ان اللہ رفعہ بجسدہ

وانہ حیّ الآن وسیرجع الی الدنیا فیکون ملکاً ثم یموت کما یموت الناس۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اٹھایا اور ابھی وہ زندہ ہیں اور پھر دنیا کی طرف واپس آکر سلطنت کریں گے پھر اور لوگوں کی طرح وفات پائیں گے

جلالین ص ۵۰ و مجمع البحار ج ۳ ص ۵۴۳ تنویر المقباس ص · رازی ج ۲ ص ۴۶۵

مدارک ص خازن ص وغیرہ مثلاً اتقان وابن کثیر و معالم التنزیل و فتح القدیر۔

قتادہ، ضحاک، فراءؒ اور ایک جماعت بھی آیت میں تقدیم تاخیر کے قائل ہیں

(۱۲) عبداللہ بن مغفل کی روایت بحوالہ طبرانی کنز العمال ج ۷ ص ۱۹۹ حدیث نمبر ۲۰۹۳ میں نقل ہے ینزل عیسی بن مریم مصدقا بملة محمد حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے ملت محمدیہ کی تصدیق کریں گے

(۱۳) عبداللہ بن عاصؓ کی روایت تاریخ ابن عساکر میں ذکر ہے فیصلی امیر المؤمنین بالناس و عیسی خلفہ امیر المؤمنین لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور ان کی اقتداء میں حضرت عیسیٰؑ نماز پڑھیں گے

(۱۴) ابو سعیدؓ کی روایت ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ذکر کی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ینزل عیسی بن مریم حضرت عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے۔ امیر مہدی کہیں گے آئیے ہمیں نماز پڑھائیے وہ انکار کریں گے فرمائیں گے بعض تمہارے بعض کے امام ہیں۔

(۱۵) نواس بن سمعانؓ کی روایت مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ و ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۶۵ میں ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فیبعث اللہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق کہ حضرت عیسیٰؑ جامع دمشق کے شرقی سفید منارہ پر اتریں گے۔

(۱۶) ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی روایت، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ تفسیر عزیزی پارہ ۳ ص ۴۲۵ میں نقل کرتے ہیں کہ آپؓ بیت المقدس کو تشریف لے گئیں اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو مسجد سے نکل کر طور زیتا پر تشریف لے

گئیں وہاں بھی نماز پڑھی پھر اس پہاڑ کے کنارے پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ یہ وہی پہاڑ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ یہاں سے آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔

(۱۷) امامۃ الباہلی رضؓ کی روایت سنن ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام وکنز العمال ج ۷، ص ۱۹۲ میں ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنایا اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ع نازل ہوں گے اور مسلمانوں کا امام ان کو کہیگا کہ آپؑ اللہ کے رسول ہیں آپ نماز پڑھائیں مگر آپؑ امام کے پیچھے ہی نماز پڑھیں گے۔

(۱۸) جابر بن عبداللہ رضؓ کی روایت کنز العمال ج ۷، ص ۲۰۲ میں نقل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ینزل عیسیٰ ابن مریم فیقول امیرھم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امیر مکرمۃ لہذہ الامۃ حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے۔ اور مسلمانوں کا امیر کہیگا کہ آپؑ نماز پڑھائیں تو آپؑ فرمائیں گے کہ نہیں تم سب ایک دوسرے کے امیر ہو یہ اس امت کی بزرگی ہے۔

(۱۹) حذیفۃ بن سعید غفاری رضؓ کی روایت مسلم ج ۲، ص ۳۹۳ وکنز العمال ج ۷، ص ۱۸۵ میں نقل ہے کہ ہم کئی صحابہ قیامت کے بارہ میں ذکر کر رہے تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ظاہر ہوئے اور پوچھا کہ کیا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی کہ قیامت کا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تک یہ دس نشان نہ دیکھو تب تک قیامت نہ آئے گی وہ یہ ہیں دھواں۔ دجال۔ دابۃ الارض۔ سورج کا مغرب سے نکلنا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا الخ

(۲۰) اوس بن اوس رضؓ اور

(۲۱) کیسانؓ کی روایتیں کنز العمال ج ۷، ص ۲۰۲، ۲۰۳ میں نقل ہیں کہ ینزل عیسیٰ بن مریم عند المنارۃ البیضاء دمشق دمشق کی جامع کے سفید مینار کے پاس حضرت عیسیٰ بن مریم نزول فرمائیں گے

(۲۲) سمرۃ بن جندب رضؓ کی روایت مسند بزار ومعجم طبرانی میں ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اترکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں۔ پھر اس کے بعد قیامت قائم ہوگی۔

(۲۳) واثلہؓ کی روایت مستدرک حاکم و معجم طبرانی میں ذکر ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک دس نشان نہ ہو جائیں گے تب تک قیامت قائم نہ ہوگی۔ مشرق میں زمین کا دھنسنا۔ مغرب میں زمین کا دھنسنا۔ جزیرۂ عرب میں زمین کا دھنسنا۔ دجال عیسےٰؑ کا اترنا۔ یاجوج ماجوج الخ

(۲۴) حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت کنز العمال ج ۷ ص ۸۵ میں بحوالہ ابن جریر نقل ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے نشانوں میں سے پہلے نشان دجال ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اترنا۔

(۲۵) انس بن مالکؓ کی روایت کنز العمال ج ۷ ص ۱۲۶ میں دیلمی کے حوالہ سے نقل ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کا طعام لوبیا تھا جبکہ آپؑ کو اٹھا لیا گیا اور آپؑ نے آگ کی پکی ہوئی چیز نہیں کھائی تھی کہ آپؑ کو اٹھا لیا گیا۔

(۲۶) ابو شریحؓ کی روایت کنز العمال ج ۷ ص ۱۸۵ میں ابن عساکر، طبرانی اور بغوی کے حوالے سے نقل ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس نشان قیامِ قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گے ایک مغرب میں خسف دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۂ عرب میں اور دسواں اور عیسٰی بن مریم کا نزول

(۲۷) ثوبانؓ کی روایت کنز العمال ج ۷ ص ۲۰۲ میں نقل ہے عصابۃ تکون مع عیسے بن مریم ایک معتدبہ جماعت ہوگی آپؑ کے ساتھ

(۲۸) مجمع بن جاریہؓ کی روایت کنز العمال ج ۷ ص ۲۰۲ مرقاۃ ج ۵ ص ۱۹۸ میں نقل ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عیسٰی بن مریم لد مقام کے دروازہ پر دجال کو قتل کریں گے۔

(۲۹) عروۃ بن رویم رضؓ کی روایت کنز العمال ج ۷، ص ۲۰۲ میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے نقل ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی بہتری اول آخر میں ہے کہ ابتدا میں ان کے اندر رسول خدا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اخیر میں بھی ان کے اندر رسولِ خدا عیسیٰ بن مریم ؑ ہوگا

(۳۰) یحییٰ بن عبدالرحمٰن ثقفی رضؓ کی روایت درمنثور ج ۲ ص ۲۵ میں بحوالہ ابن ابی حاتم نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کا نام مسیح اس لیے ہے کہ وہ سیاحت کرتے تھے شام کو ایک جگہ ہوتے تو صبح کو دوسری جگہ ہوتے اور اِنَّہٗ لَمْ یَتَزَوَّجْ حَتّٰی رُفِعَ اور آپؑ نے شادی نہ کی تھی حتے کہ آپ کو اٹھا لیا گیا۔

(۳۱) حاطب بن ابی بلتعہ کی روایت الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲ میں بیہقی کے حوالہ سے نقل ہے اِنَّ اللّٰہَ رَفَعَ عِیْسٰیؑ فِی السَّمَآءِ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اٹھا کر آسمان میں پہنچا دیا۔

(۳۲) سفینہ رضؓ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روایت درمنثور ج ۵ ص ۳۵۴ میں بحوالہ ابن ابی شیبہ نقل ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَیَنْزِلُ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فَیَقْتُلُہٗ ای الدجال عِنْدَ عَقَبَۃِ اَفِیْقٍ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے پھر افیق گھاٹی کے پاس دجّال کو قتل کریں گے۔

(۳۳) عبدالرحمٰن بن سمرہ رضؓ کی روایت نوادر الاصول میں حکیم ابوعبداللہ ترمذی نے بیان کی ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ ابنِ مریمؑ ضرور میرے خلفا میں سے خلیفہ ہوگا۔

(۳۴) ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت عائشہ رضؓ سے فرمانِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ ینزل عیسٰے فیقتل الدجال عیسٰےؑ اتر کر دجال کو قتل کریں گے۔

سیوطیؒ نے جامع صغیر ۲ص ۲۰۵ میں بحوالہ معجم طبرانی حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِیَّ دِمَشْقَ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق شرقی کے سفید منارہ کے پاس اتریں گے

(۳۵) شہر کا اپنا مذہب بھی یہی تھا اور شہر نے یہ معنے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیے دیکھو درمنثور ۲: ۲۴۱ بحوالہ ابن المنذر رحمہ اللہ

تابعین رحمہم اللہ کا عقیدہ درباره حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام

(۳۶) محمد بن حنفیہؒ کی روایت درمنثور ج۲ ص ۲۴۱ میں عبد اللہ بن حمید و ابن منذر کے حوالے سے شہر بن حوشب سے نقل ہے کہ وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَاِنَّہٗ رُفِعَ اِلَی السَّمَاءِ وَھُوَ نَازِلٌ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَۃُ عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے اور وہ زندہ اٹھائے گئے آسمان کی طرف اور وہی اتریں گے قیامت سے پہلے پہلے۔

(۳۷) حسن بصریؒ کی روایت فتح الباری ج۱۳ ص ۲۸۱، عمدۃ القاری ج۷ ص ۳۵۲ و درمنثور ج۲ ص ۲۴۱ میں ابن جریر کے حوالے سے نقل ہے کہ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اَیْ قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی وَاللہِ اِنَّہٗ حَیٌّ الْاٰنَ عِنْدَ اللہِ وَلٰکِنْ اِذَا نَزَلَ اٰمَنَ بِہٖ اَجْمَعُوْنَ یعنی قَبْلَ مَوْتِہٖ میں ضمیر عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔ خدا کی قسم یقیناً آپ اس وقت اللہ کے پاس زندہ ہیں لیکن جب آپ اتریں گے تو سب لوگ آپ پر ایمان لائیں گے۔

(۳۸) کعب الاحبارؓ کی روایت عمدۃ القاری ج۷ ص ۳۵۳ میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم نقل ہے فَیَتَحَیَّرُ اِمَامُ الْمُسْلِمِیْنَ الْمَھْدِیُّ فَیَقُوْلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ تَقَدَّمْ امام مہدی واپس آئیں گے تو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ فرمائیں گے نماز پڑھانے کیلئے تم ہی آگے بڑھو

(۳۹) ربیع بن انس کی روایت درمنثور ج۲ ص ۳، کبیر ج۲ ص ۳۹۳ و ابو السعود ج۲ ص ۵۸ میں ابن جریر و ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل ہے کہ نصاریٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عیسیٰ بن مریم کے بارے بحث کرنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَبَّنَا حَیٌّ لَا یَمُوْتُ وَاَنَّ عِیْسٰی یَاْتِیْ عَلَیْہِ الْفَنَاءُ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ہمارا رب زندہ ہے نہ مرے گا یعنی اللہ کو موت نہیں ہے اور حضرت عیسیٰؑ پر موت آئے گی

(۴۰) حوشب بن معنشیؒ کی روایت درمنثور ج ۲ ص ۲۳۶ میں بحوالہ مستدرک نقل ہے کہ لَیۡلَۃَ اُسۡرِیَ بِعِیۡسٰی یَعۡنِیۡ رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ یعنی جس رات عیسیٰؑ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا

(۴۱) قتادہؒ کی روایت درمنثور ج ۲ ص ۲۳۸ میں بحوالہ ابن جریر نقل ہے کہ رفعہ اللّٰہ الیہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰؑ کو اپنی طرف اٹھالیا

(۴۲) مجاہدؒ کی روایت درمنثور ج ۲ ص ۲۳۸ میں بحوالہ عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر نقل ہے رَفَعَ اللّٰہُ عِیۡسٰی اِلَیۡہِ حَیًّا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف زندہ اٹھالیا

(۴۳) عکرمہ، ابو مالک، ابوالعالیہ، ضحاک سب کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ کا نزول قیامت کا نشان ہے

(۴۴) وہب بن منبہ کی روایت درمنثور ج ۱ ص ۳۶ میں بحوالہ ابن عساکر و حاکم نقل ہے کہ عیسےٰؑ کو زندہ اٹھایا گیا

(۴۵) عطاء بن ابی رباح کی روایت تفسیر فتوحات الٰہیہ ج ۱ ص ۵۳۵ میں نقل ہے کہ اِذَا نَزَلَ عِیۡسٰی اِلَی الۡاَرۡضِ لَا یَبۡقٰی یَہُوۡدِیٌّ وَّلَا نَصۡرَانِیٌّ اِلَّا اٰمَنَ بِعِیۡسٰی جب عیسیٰؑ زمین پر اتریں گے تو یہود و نصاریٰ سب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئیں گے۔

(۴۶) جعفر صادق اپنے والد محمد باقر سے وہ اپنے والد زین العابدین سے وہ اپنے والد حضرت حسین رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ امت کیونکر ہلاکت ہو سکتی ہے جس کے اوّل میں ہوں اور درمیان میں مہدی ہو اور آخر میں مسیح علیہ السلام ہوں۔

(۴۷) درمنثور ۲: ۲۴۱ میں بحوالہ عبد بن حمید و ابن المنذر، شہر بن حوشب کے واسطے محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی تفسیر آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ یوں طور بیان ہے لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتَابِ اَحَدٌ اِلَّا اَتَتۡہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَدُبُرَہٗ ثُمَّ یُقَالُ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ اِنَّ عِیۡسٰی رُوۡحُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ کَذَبۡتَ عَلَی اللّٰہِ وَ

زعمت أنه الله . إن عيسى لم يمت وإنه رفع إلى السماء وهو نازل قبل يوم القيمة أن تقوم الساعة فلا يبقى يهودي ولا نصراني إلا آمن به مرتے وقت ہر کتابی کے چہرے اور دبر پر فرشتے مارتے ہیں پھر کہتے ہیں اے عدو اللہ! حضرت عیسیٰؑ تو روح اللہ وکلمۃ اللہ ہے اور تو نے اسے جھوٹ موٹ اللہ سمجھا۔ عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے اور وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور قیام قیامت سے پہلے اتریں گے پھر یہودی اور نصرانی سب کے سب اس پہ ایمان لائیں گے۔

(۴۹) روح المعانی ج ۳ ص ۱۹۳ رازی ج ۲ ص ۲۷۷ و قرطبی ج ۴ ص ۹۰ میں ابن جریر مفسر کے حوالے سے سعید بن المسیب و زید بن اسلم کا مذہب بسند صحیح نقل ہے کہ ۳۳ سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ ؑ کو رفع الی السماء آسمان کی طرف اٹھا یا گیا اور پھر سینزل الی الارض زمین کی طرف اتریں گے اور ۳۴ سال زندہ رہیں گے

تبع تابعین رحمہم اللہ کا عقیدہ دربارۂ حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام

(۵۰) حسین بن الفضل کی روایت تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۴۳ و کبیر ج ۲ ص ۴۵۶ و فتح البیان ج ۲ ص ۴۳ میں منقول ہے کہ عیسیٰؑ کا کہولت (ادھیڑ عمر) میں باتیں کرنا اس وقت ہوگا بعد ان ینزل من السماء فی اخر الزمان جب آخر زمانہ میں آپؑ آسمان سے اتر آئیں گے!

(۵۱) عبد الرزاق (صاحب مصنف تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ رح) کا بیان جو قتادہ سے اِنّہ لعلم للساعۃ کی تفسیر میں لکھا ہے درمنثور ج ۶ ص ۲۰ میں نقل ہے کہ عیسیٰؑ کا نزول قیامت کا نشان ہے وانّہ لعلم للساعۃ قال نزول عیسیٰ ؑ

محدثین رحمہم اللہ کا عقیدہ دربارۂ حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام

(۵۲) امام بخاریؒ نے کتاب ذکر الانبیاء ج ۱ ص ۴۹۰ در صحیح بخاری نزول عیسیٰ کا باب

منعقد کیا ابوہریرہ رض سے روایت لائے جس میں ہے ینزل فیکم ابن مریم اھ درمنثور
ج ۲ ص ۲۴۵ میں تاریخ بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نقل کیا کہ
عیسیٰ ؑ اس مقبرہ میں دفن ہوں گے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر
صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما مدفون ہیں۔ اس سے بخاری کا مذہب معلوم ہوگیا کہ عیسیٰ زندہ ہیں

(۵۳) امام حافظ ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری نے اپنی صحیح ج ۲ ص ۴۰۳ میں کہا
دجال نکلیگا ... پھر اللہ تعالیٰ عیسےٰ بن مریم کو بھیجیگا وہ ایسے ہیں جیسے عروۃ بن
مسعود اور اسی طرح آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو شب معراج میں دیکھا،
جیسے صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۵،۹۶ میں ذکر ہے

(۵۴) امام ترمذیؒ نے بھی نواسؓ سے نزولِ عیسیٰ کی روایت جامع ترمذی ج ۲ ص ۴۷ میں لکھی

(۵۵) ابوداؤد (سلیمان بن اشعث سجستانی) نے اپنی سنن ج ۲ ص ۲۳۶ میں کہا وانہٗ نازل

(۵۶) نسائی (ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب) نے سنن نسائی کتاب الجہاد ص ۴۹۶ میں ثوبان
مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو
جماعتیں میری امت میں ہوں گی آگ دوزخ سے دور۔ ایک ہند میں جہاد کرے گی
اور دوسری عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگی۔

(۵۷) ابن ماجہ قزوینی نے اپنی سنن ج ۲ ص ۲۶۵ میں نزول ابن مریم کا ذکر کیا

(۵۸) ابوداؤد طیالسی نے بھی اپنی مسند میں کہا کہ دجال کو صرف عیسیٰ بن مریم ہی اتر کر
گرفت میں لاسکیں گے نیز دیکھو کنز العمال ج ۷ ص ۲۰۲۔

(۵۹-۶۲) ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و عبد بن حمید و سعید بن منصور و طبرانی ان
تمام محدثین کا قول درمنثور ج ۶ ص ۲۰ میں منقول ہے کہ ابن عباسؓ سے اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کی
تفسیر نزول عیسیٰ کے ساتھ ثابت ہے (تفسیر بالرای حرام ہے اگر معصومؑ سے سنتے تو یہ تفسیر کرتے

(۶۳) ابونعیم نے بھی ابن مسعود رض سے نزول عیسیٰؑ کی حدیث نقل کی

(۶۶) اسحٰق بن بشیر اور ابن عساکر نے بھی لکھا عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعند ذلک ینزل اخی عیسٰی بن مریم من السماء میرے بھائی عیسٰی بن مریم اُس وقت آسمان سے اتریں گے دیکھو کنز العمال ج ۷، ص ۲۶۸۔

(۶۷) ابن حبان بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا بیان کرتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام اتریں گے پھر امیر المؤمنین کہیں گے کہ آئیے نماز پڑھائیے تو آپؑ فرمائیں گے بعض تمہارے بعض کے امام ہیں اس امت کو فضیلت ہے۔ دیکھو اسعاف الراغبین بر حاشیہ مشارق الانوار مطبوعہ مصر ص ۱۳۳)

(۶۸) ابو عبداللہ محمد الحاکم صاحب مُستدرک نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی جس میں ہے لیھبطن عیسی بن مریم اماما مقسطا عادل امام عیسٰی ابن مریم اتریں گے۔ دیکھو عون المعبود شرحِ ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۵

(۶۹) ابن جوزیؒ نے کتاب الوفاء میں فرمانِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیا کہ ینزل عیسے بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسا واربعین سنة عیسٰیؑ زمین کی طرف اتریں گے پھر شادی کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور ۴۵ برس رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مدینہ میں مدفون ہوں گے (اور ۴۰ کی روایت میں کسر خفیف ہے)

(۷۰) دیلمی نے بھی حضرت انس رض سے رفع عیسٰیؑ ثابت کیا دیکھو کنز العمال ج ۶ ص ۱۳۶

(۷۱) بیہقی نے بھی کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۱ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک سے آسمان سے نزول ابن مریمؑ ثابت کیا کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم

(۷۲) احمد بن علی ابو یعلیٰ نے بھی ابو ہریرہ سے فرمانِ نبیؐ ثابت کیا ہے لَیُدْرِکَنَّ رِجَالٌ مِنْ اُمَّتِیْ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ وَیَشْهَدُ وْنَ قِتَالَ الدَّجَّالِ میری امت کے مرد عیسٰی بن مریم کو ضرور پائیں گے اور دجال کے ساتھ لڑائی کرنے کو حاضر ہوں گے۔

(۷۳) محدث رزینؒ کی روایت صاحب مشکوٰۃ نے باب ثواب ہٰذہ الامۃ میں ص۵۸۴
میں نقل کی ہے جو امام جعفر صادق سے گذر چکی ہے

مفسرین رحمہم اللہ کا عقیدہ دربارۂ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام

(۷۴) ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر ج۱۰ ص۲۷، ج۲۸ ص۵۴ میں لکھا کہ جب
حضرت عیسیٰؑ اتریں گے تو کل دین اس کے تابع ہوں گے

(۷۵) ابو السعود برحاشیہ تفسیر ج۱ ص۱۳۷ میں لکھا ان اللہ رفع عیسٰی من غیر
موت عیسٰیؑ کا رفع بغیر موت کے ہوا۔

(۷۶) ابن کثیر مفسر نے لکھا نَجَّاہُ اللّٰہُ مِنْ بَیْنِہِمْ وَرَفَعَہٗ مِنْ رَوْزَنَۃِ ذٰلِکَ الْبَیْتِ
اِلَی السَّمَاءِ ان کفار کے اندر سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور اس مکان کے روزن سے
نکال کر آپؑ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ دوسری جگہ فرمایا بَقِیَ حَیَاتُہٗ ای عیسٰیؑ فی
السَّمَاءِ وَاِنَّہٗ سَیَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ آپؑ آسمان میں زندہ ہیں اور وہ دوبارہ
قیامت سے پہلے زمین کی طرف اتریں گے۔

(۷۷) امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر ج۳ ص۳۰۳ میں لکھا بل رفعہ اللہ الیہ رَفْعُ
عیسٰیؑ الی السماء ثابت بہٰذہ الآیۃ حضرت عیسٰیؑ کا آسمان سے اٹھایا جانا اسی آیت سے
ثابت ہے، ص۳۴۳ میں کہا مثل عروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المعراج عروج عیسٰیؑ الی السماء
ہمارے نبیؐ کا آسمان پر چڑھنا ایسا تھا جیسے حضرت عیسٰیؑ کا آسمان کی طرف چڑھنا تھا۔

(۷۸) سیوطی نے جلالین ص   و اتقان ص۳۳، ۳۴ میں کہا رفع عیسٰیؑ الی السماء اور
خصائص الکبریٰ ج۲ ص۱۸۳ میں کہا رُفِعَ اِلَی السَّمَاءِ ای عیسٰی

(۷۹) محمد طاہر گجراتیؒ نے مجمع البحار ج۱ ص۱۰۲ میں کہا فیبعث اللہ عیسٰیؑ ای ینزل من
السماء یعنی حضرت عیسٰیؑ آسمان سے اتریں گے

(۸۰) قاضی نصیر الدین بیضاوی نے ج۲ ص ۸۴ میں لکھا ان عیسٰی ینزل من السماء حین یخرج الدجال فیھلکہ۔ جب دجال نکلیگا تو حضرت عیسٰیؑ آسمان سے اتر کر اسے ہلاک کریں گے

(۸۱) ابو محمد حسین بغویؒ نے معالم التنزیل ج۱ ص ۲۶۳ میں کہا بل رفع اللہ عیسٰی الی السماء

(۸۲) سید صفی الدین محمدؒ جامع البیان ص ۱۰۱ میں کہا فلما توفیتنی بالرفع الی السماء پھر جب تو نے مجھے قبضے میں کر لیا بایں طور کہ آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

(۸۳) شیخ الاسلام ابو السعود نے کہا فلما توفیتنی فلما رفعتنی الی السماء جب تو نے مجھے آسمان کی طرف اٹھا لیا جیسے حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ نے معنے کیے

(۸۴) علاؤ الدین خازن نے ج۱ ص ۵۳۱ میں کہا فلما توفیتنی فلما رفعتنی الی السماء ۔

(۸۵) شیخ زین تیسیر المنان ص میں کہا رافعک الی سمائی

(۸۶) محمود بن عمر زمخشری نے تفسیر کشاف ج۱ ص ۳۰۶ میں کہا رافعک الی سمائی :

(۸۷) امام زاہدی نے تفسیر زاہدی (قلمی ورق ۱۶۳ ب) میں کہا رفع اللہ عیسٰیؑ حیا الی السماء اللہ تعالیٰ نے عیسٰیؑ کو زندہ آسمان کی طرف اٹھا لیا

(۸۸) صاحب تفسیر مدارک التنزیل ج۱ ص ۲۰۶ میں کہا ان عیسٰیؑ ینزل من السماء فی اٰخر الزمان حضرت عیسٰیؑ آخر زمانہ میں آسمان سے نزول فرمائیں گے

(۸۹) سلیمان جمل نے تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ج۱ ص ۵۰۸ کہا فلما توفیتنی ای اخذتنی وافیا بالرفع الی السماء

(۹۰) صاحب قاموس یعقوب فیروز آبادیؒ نے تفسیر تنویر المقیاس ص میں لکھا ہے رفعتنی من بینھم یہود کے درمیان میں سے نکال کر مجھے تو نے اٹھا لیا

(۹۱) شیخ کمال الدین نے کمالین میں کہا ان اللہ رفع عیسٰی ؑ من روزنۃ فی البیت الی السماء اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو مکان کے روزن سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھا لیا

(۹۲) صاحب تفسیرِ حسینی نے ج ۲ ص ۲۷۰ میں کہا چون کار بر مؤمنان تنگ آید حق سبحانہ عیسیٰ ؑ را از آسمان فرستد تا دجال را بکشد الخ

(۹۳) قاضی شوکانی یمنی نے تفسیر فتح البیان ج ۱ ص ۷۱۵ میں کہا تواترت الاحادیث بنزول عیسیٰ ؑ جسما متواتر احادیث اس بارے میں ہیں کہ عیسیٰ ؑ جسم سمیت اتریں گے

(۹۴) احتشام الدین نے تفسیر اکسیر اعظم ج ۲ ص ۳۰ میں کہا خدا نے عیسیٰ ؑ کو آسمان پر اٹھالیا

(۹۵) قرطبی کا مذہب صاحب تفسیر ابو السعود میں نقل ہے قال القرطبی والصحیح ان اللہ رفع عیسیٰ ؑ من غیر موت صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ ؑ کو بغیر موت شبیہ زندہ ہی اٹھالیا۔

(۹۶) مولانا احتشام الدین نے تفسیر اکسیر اعظم ج ۲ ص ۳۰ میں لکھا کہ خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا

(۹۷) علامہ قونوی ؒ نے حاشیہ بیضاوی ج ۲ ص ۱۳۵ میں لکھا قولہ لان حدوث عیسیٰ ؑ ای نزول عیسیٰ ؑ من اشراط الساعۃ الخ حدوث یعنی نزولِ عیسیٰ ؑ قیامت کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔

(۹۸) مفسرین نے کہا قد رفع اللہ عزوجل عیسیٰ ؑ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماکرین کے مکر سے پہلے ہی اٹھالیا۔ دوسری روایت میں کہا صعد بعیسیٰ الی السماء اللہ تعالیٰ عیسیٰ ؑ کو آسمان کی طرف اٹھالے گیا (تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۲۰۲)

(۹۹) حضرت حسن بصری ؒ نے فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کو ان عیسیٰ ؑ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیمۃ کہ حضرت عیسیٰ ؑ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ روز قیامت سے پہلے پہلے تمہاری طرف دوبارہ آنے والے ہیں (تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۲۰۲) پھر ص ۲۰۳ میں ہے کہ حسن ؒ نے متوفیک کے معنی کیے ہیں متوفیک من الارض یعنی میں تجھے اپنے قبضے میں رکھ کر زمین سے اٹھالوں گا یہ معنی (وابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۱)

نحوی اصطلاح میں تضمین کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ یہود جو تجھے گرفتار کرنے کی تجویزیں سوچ رہے ہیں میں تجھے ان کے قبضے میں نہ آنے دوں گا۔ جو میرے قبضے میں ہو دوسرا اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا

(۱۰۰) محمد بن جعفر بن زبیر نے معنے کیے متوفیک ای قابضک کہ تو میرے ہی قبضے میں رہیگا۔ دوسرا کوئی تجھ پہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا (ابن جریر ج ۳ ص ۲۰۳)

(۱۰۱) مطر وراق نے اس کے معنے اس طرح کیے متوفیک من الدنیا ولیس بوفاۃ موت یعنی تجھے اپنے قبضے میں لے کر دنیا سے لے جاؤں گا اور یہ وفاۃ وفاۃ موت نہیں ہے (ابن جریر ج ۳ ص ۲۰۳)

(۱۰۲) ابن جریج نے معنے کیے فرفعہ ایاہ الیہ توفیہ ایاہ اللہ تعالیٰ کا عیسیٰؑ کو اپنی طرف اٹھا لینا یہی توفی ہے (٠) (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۵۰)

(۱۰۳) کعب الاحبار نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی فرمائی انی متوفیک و رافعک الیّ اور جس کو میں اپنی طرف اٹھا لوں وہ میت نہیں اور کانے دجال پر تجھے مبعوث کروں گا پھر تو ان میں ۲۴ سال رہے گا پھر جس طرح دوسرے زندوں کو موت دیتا ہوں اسی طرح تجھے بھی موت دوں گا (٠) کعب کے اس قول کی تردید کسی صحابی نے نہیں کی

(۱۰۴) ابن زید نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ لم یمت بعد ابھی تک نہیں مرے حتی یقتل الدجال وسیموت دجال کو قتل کر کے مریں گے (ابن جریر ج ۳ ص ۲۰۳)

(۱۰۵) ربیع بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سوتے میں آسمان کی طرف اٹھا لیا (تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ ابن جریر ج ۳ ص ۲۰۷) (معالم ج ۲ ص ۱۵۰)

(۱۰۶) مفسر کلبی نے بھی وہی معنے کیے جو حسن و ابن جریج نے کیے (معالم ج ۲ ص ۱۵۰)

(۱۰۷) مفسر قتادہ نے کہا رفعہ الیہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی طرف اٹھا لیا (معالم ۱۳۹/۲)

(۱۰۸) مفسر حسین بن فضل نے ویکلم الناس فی المھد وکہلا کی تفسیر میں کہا کہ حضرت عیسیٰؑ

کہولت (ادھیڑ عمر) میں باتیں کریں گے جب آسمان سے اتریں گے بعد نزولہ من السماء۔
(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۳۲)

(۱۰۹) مفسر مقاتل نے کہلاً کا یہ مطلب بتایا کہ وہ وقت کہ جب آپ کو پیری ہو جائے گی آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے پہلے (معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۳۱)

(۱۱۰) ابن جریر نے کہا کہ یہی آپ کا رفع ہی آپ کی توفی ہے (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۰)

(۱۱۲) مفسر نیشاپوری نے ومن المقربین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے من المقربین کا مطلب ہے آپؑ کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور فرشتوں کے ساتھ رہنا (تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر ج ۳ ص ۱۹۹)

(۱۱۴) سعید بن جبیرؓ اور عوفی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی کہ قولہ وان من اہل الکتاب الالیؤمنن بہ قبل موتہ۔ کہا ابن عباسؓ نے یعنی قبل موت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریمؑ اور ابو مالکؓ نے کہا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت ہوگا کہ اہل کتاب میں سے کوئی باقی نہ رہے گا مگر آں کہ ان پر ایمان لائے گا۔ یعنی یہ ایمان لائے گا کہ عیسیٰؑ بندہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کا رسول برحق تھا اور اس نے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی خبر دی تھی وہ برحق ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لائے گا اور حضرت عیسیٰؑ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت پہ چلیں گے۔ اور حسن بصریؒ سے بھی قول ابن عباسؓ کے مروی ہے اور یہی قول قتادہ و عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور بہتیروں کا ہے ۔۔۔۔ حضرت عیسیٰؑ کو حق تعالیٰ نے آسمان پہ اٹھالیا اور وہ زندہ موجود ہے اور قیامت سے کچھ پہلے اترے گا اور دجال کو قتل کرے گا اور صلیب توڑ ڈالے گا اور جزیہ قبول نہ فرمائے گا بلکہ حکم دے گا کہ اسلام لاویں یا تلوار سے قتل کیے جائیں (تفسیر مواہب الرحمٰن از سید امیر علی ملیح آبادیؒ پارہ ۶ ص ۱۲)

(۱۱۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس آیۃ وان من اھل الکتب الالیؤمنن بہ

قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیہم شہیدا کا ترجمہ اس طرح فرمایا و نباشد ہیچ کس از اہلِ کتاب الا البتہ ایمان آورد بہ عیسیٰ پیش از مردنِ عیسیٰ و روزِ قیامت باشد عیسیٰ گواہ بر ایشاں۔"

حاشیہ پر فائدہ میں لکھا مترجم گوید یعنی یہودی کہ حاضر شوند نزولِ عیسیٰؑ را البتہ ایمان آرند۔

(۱۱۴) شاہ رفیع الدین نے ترجمہ کیا اور نہیں کوئی اہلِ کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا گواہ اوپر اُن کے۔

(۱۱۵) شاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ اس طرح کیا اور جو فرقہ ہے کتاب والوں میں سے سو اس پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا ان کا بتانے والا"۔ فائدہ میں لکھا "حضرتِ عیسیٰؑ ابھی زندہ ہیں۔ جب یہود میں دجال پیدا ہوگا تب اس جہان میں آکر اس کو ماریں گے اور یہود و نصاریٰ سب ان پر ایمان لاویں گے کہ یہ مرے نہ تھے

(۱۱۶) حافظ حاجی احمد حسین حیدرآبادی مقدمہ احسن التفاسیر ج ۲ ص ۲۰۵ میں لکھتے ہیں عیسیٰؑ کی شبیہ قتل کی گئی اور وہ زندہ ہی آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے نزدیک اتریں گے۔

(۱۱۷) مولانا فخر الدین صاحب تفسیر قادری ترجمہ اردو تفسیر حسینی ج ۲ ص ۳۰۸ میں لکھتے ہیں" اور بیشک عیسیٰؑ نشانی واسطے قیامت کے ہے کیونکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا ہے۔

(۱۱۸) فیض اللہ فیضی نے تفسیر سواطع الالہام ص ۱۴۰ میں لکھا وصعد روح اللہ مصاعد اللطها روح اللہ حضرت عیسیٰؑ آسمان کی سیڑھیاں پر چڑھ گئے:

(۱۱۹) مصنف عجائب القصص نے ج ۲ ص ۲۸۶ میں لکھا اور حضرت عیسیٰؑ آسمان پر چلے گئے

ان الاخبار تظاهرت برفع عیسیٰ
(۱۳۰) امام ابوحیانؒ نے بحر محیط ج ۲ ص ۴۹۶ میں لکھا
حضرت عیسیٰ کا زندہ اٹھایا جانا
حیٌ وانہ فی السماء حیٌ وانہ ینزل ویقتل الدجال
اتر کر دجال کو قتل کریں گے
کا آسمان میں زندہ موجود ہونا اور ان کا قرب قیامت میں
نیز انہوں نے اپنی دوسری تفسیر مسمیٰ
سب کے بارے میں متواتر احادیث موجود ہیں
وتظاهرت الاخبار الصحیحۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
بہ النہر الماد ج ۴ ص ۲۱۰ میں لکھا
مضمون ہے
وسلم انہ فی السماء وانہ ینزل ویقتل الدجال
بلکہ خدا نے اسے (عیسیٰ
(۱۳۱) مصنف تفسیر خلاصۃ التفاسیر ج ۱ ص ۳۷۳ میں لکھتے ہیں
(بل رفعہ اللہ الیہ کے معنی کیے)
علیہ السلام کو) اپنی حضوری بلایا اور آسمان پر اٹھایا
ج ۱ ص ۲۲۹ میں فلما توفیتنی
(۱۳۲) امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی مفسر نے کتاب الوجیز
الی السماء تو نے مجھے آسمان کی طرف اٹھایا
کی تفسیر یوں کی ای قبضتنی ورفعتنی الیک ای
وکان عمرہ
(۱۳۳) مصنف سراج المنیر ج ۱ ص ۱۲۱ میں لکھتے ہیں رفع عیسیٰؑ الی السماء
اور آپ کی عمر ۳۳ سال تھی
۳۳ سنۃ حضرت امام عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا
قال کثیر من المتکلمین ان
(۱۳۴) شیخ محمد نووی نے سراج لبید ج ۱ ص ۱۸۳ میں لکھا
بہت سے علم کلام والوں نے اس امر کی
الیہود لما قصدوا قتلہ رفعہ اللہ الی السماء
تو اللہ تعالیٰ نے ان کو
تصریح فرمائی ہے کہ جب یہود نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا
آسمان کی طرف اٹھا لیا۔
میں لکھا ہے حق تعالیٰ
(۱۳۵) شیخ رؤف احمد مجددیؒ نے تفسیر رؤفی ج ۱ ص ۲۸۸
نے عیسیٰ علیہ السلام کو رات کے وقت آسمان پر پہنچایا تھا۔
کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ
(۱۳۶) تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۶ میں حضرت حسنؓ
علیہ وسلم نے فرمایا ان عیسیٰ لم یمت وھو راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ عیسیٰ نے وفات
نہیں پائی قیامت سے پہلے واپس تمہارے پاس آجائیں گے۔

(۱۲۷) تفسیر روح المعانی ص ۲۱۳ پ ۲۲ میں سید آلوسیؒ نے لکھا اجمعت الامۃ واشتہرت الاخبار۔ ولعلہا بلغت التواتر المعنوی ونطق بہ الکتاب علی قول ووجب الایمان بہ واکفر منکرہ کالفلاسفۃ من نزول عیسٰی علیہ السلام آخر الزمان تمام امت کا اس پر اجماع بھی ہے اور اس بارہ میں اس قدر احادیث مشہورہ ہیں کہ تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہوں گی اور قرآن حکیم میں بھی واضح بیان ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا منکر جیسے فلاسفہ ہیں کافر ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے

(۱۲۸) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۰۴ میں لکھا ہے کہ انہ رفع بتمامہ الی السماء بروحہ وبجسدہ حضرت عیسیٰؑ بتمامہ روح وجسم سمیت آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔

(۱۲۹) خازن نے تفسیر ج۱ ص ۲۴۳ میں لکھا زعمت النصاری ان المسیح رفع لاھوتہ یعنی روحہ وبقی فی الارض ناسوتہ یعنی جسدہ فرد اللہ علیہم بقولہ انی متوفیک ورافعک الیّ فاخبر اللہ انہ رفع بتمامہ الی السماء بروحہ وجسدہ جمیعا بعض نصاریٰ کا یہ خیال تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی روح مبارک تو آسمان کی طرف اٹھائی گئی ہے اور جسم مبارک زمین میں رہ گیا۔ تو اس زعم باطل کا رد اللہ تعالیٰ نے انی متوفیک ورافعک الیّ کہہ کر کر دیا۔ اور بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ روح وجسم سمیت بتمامہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔

(۱۳۰) تفسیر ابوالسعود برحاشیہ تفسیر کبیر ج۲ ص ۲۸۶ طبع مصر میں ہے والصحیح ان اللہ تعالیٰ رفعہ من غیر وفاۃ ولانوم قال الحسن وابن زید وھو اختیار الطبری وھو الصحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر موت اور نیند کے اٹھا لیا۔ حسن بصری وابن زید نے یہی کہا اور محدث ومفسر طبری نے بھی اسی کو اختیار فرمایا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی صحیح سند کے ساتھ یہی ثابت ومروی ہے

ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک

الی الآیہ

○ شاہ ولی اللہؒ نے یوں ترجمہ کیا "وبدسگالیدند کافران ذبدسگالید خدا - وخدا قوی ترست از ہمہ بدسگالاں آنگاہ کہ گفت خدا اے عیسیٰؑ ہر آئینہ من برگیرندۂ توام و بردارندۂ توام بسوئے خود و پاک کنندۂ توام از صحبت کسانیکہ کافر شدہ"

○ شاہ رفیع الدینؒ نے یوں ترجمہ کیا "اور مکر کیا انہوں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ بہتر ہے مکر کرنے والوں کا جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ تحقیق میں لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں تجھ کو طرف اپنے الخ"

○ شاہ عبد القادر صاحبؒ نے ترجمہ یوں کیا "جس وقت کہا اللہ نے اے عیسےٰ میں تجھ کو بھر لوں گا اور اٹھا لوں گا اپنی طرف الخ" فائدہ: یہود کے عالموں نے اس وقت کے بادشاہ کو بہکایا کہ یہ شخص ملحد (بے دین) ہے۔ تورات کے حکم سے خلاف بتاتا ہے۔ اس نے لوگ بھیجے کہ ان کو پکڑ لائیں۔ جب وہ پہنچے تو حضرت عیسیٰؑ کے یار سرک گئے۔ اس شتابی میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسےٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا الخ

(۱۳۴) ابن عطیہ کا عقیدہ بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳ میں ذکر ہے "اجمعت الامۃ علی ما تضمنہ الحدیث المتواتر من ان عیسیٰؑ فی السماء حی وانہ ینزل فی آخر الزمان" اس عقیدہ پر سب امت محمدیہ کا اتفاق ہے جو متواتر حدیثیں اس کو متضمن ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ آسمان میں زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں اتریں گے۔

(۱۳۵) شیخزادہؒ نے حاشیہ بیضاوی ج ۱ ص ۶۳۳ میں لکھا "ومکر اللہ انہ رفع عیسیٰؑ الی السماء" اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور یہود آپؑ کو کسی قسم کا شر نہ پہنچا سکے "وذلک ان یہودا ملک الیہود اراد قتل عیسیٰؑ وکان جبریلؑ لا یفارقہ ساعۃ وہو معنی قولہ وایدناہ بروح القدس فلما

اراد واذٰلک امرہ جبریل ان یدخل بیتا فیہ روزنۃ فی سقف البیت فلما دخل البیت اخرجہ من تلک الروزنۃ اس رفعِ عیسیٰؑ کا واقعہ یوں ہوا کہ جب یہود کے بادشاہ نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو چونکہ حضرت جبریلؑ ہر وقت حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے کبھی آپؑ سے جدا نہ ہوتے تھے اس لیے حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ آپ ایسے مکان میں چلے جائیں جس کی چھت میں روزن ہو۔ جب آپؑ ایسے ایسے گھر میں گئے تو جبرائیلؑ اس روزن میں سے آپ کو نکال لے گئے

(۱۳۶) درمنثور ۲ : ۲۴۱ میں بحوالہ ابن جریر ۶ : ۱۴ و عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن المنذر۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری تابعی سے یہی تشریح نقل ہے

(۱۳۷) ابن جریر ۶ : ۱۴ نے محمد بن زید بن مہاجر المدنی تابعی جلیل کی تفسیر آیت یوں کرتے وقت یوں فرمایا اذا نزل عیسیٰؑ فقتل الدجال لم یبق یہودی فی الارض الا آمن بہ جب عیسیٰؑ اتر کر دجال کو قتل کریں تو تمام کے تمام یہودی مومن ہو جائیں گے

(۱۳۸) ابن جریر نے اسی صفحہ پر غزوان ابو مالک غفاری تابعی جلیل سے آیت کی تفسیر یوں کی ذلک عند نزول عیسیٰ بن مریم لا یبقی احد من اھل الکتاب الا آمن بہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی اس پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا؛

ارطاۃ کی روایت سیوطی نے الحاوی ۲ : ۸۰ میں نعیم بن حماد کی کتاب الفتن کے حوالے سے لکھا کہ آخری خلیفہ محمد کے عہد میں دجال نکلے گا اور اسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ بھی نزول فرمائیں گے

(۱۳۹) ابن سیرین کا اثر حاوی ۲ : ۹۵ میں بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ذکر ہے کہ مہدی اس امت میں سے ہوں گے اور وہی امامت کرائیں گے عیسیٰ بن مریم کی؛

(۱۴۰) برزنجی نے الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ ص ۲۴۷، ۲۴۸ میں، عینی نے عمدۃ القاری ۹ : ۲۲۳ کتاب الحج فی باب قول اللہ تعالیٰ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام ... میں بہ حوالہ

کتاب الفتن نعیم بن حماد عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کا اثر لکھا کہ حضرت عیسیٰ ع کے
اترنے کے بعد حبشی خروج کریں گے تو حضرت عیسیٰ ع ایک پلٹن فوج کی ان کی طرف
روانہ کریں گے جو انہیں شکست دے کر آئے گی۔

(۱۴۱) وہب بن منبہ کا اثر درمنثور ۲: ۲۳۹، ۲۴۰ میں ہے کہ یہود سمجھے کہ ہم نے
عیسیٰ ع کو قتل کر دیا۔ نصاریٰ نے سمجھے کہ واقعی ایسا ہی ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے
آپ کو اوپر اٹھا لیا۔

(۱۴۲) ابو عبدربہ عبدالجبار بن عبیداللہ بن سلیمان تابعی دمشقی کا اثر ابن کثیر نے ۴:
۲۶۹ میں اور درمنثور ۲: ۲۳۹ میں ہے بحوالہ ابن عساکر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو اٹھایا گیا اس رات آپ نے اپنے حواریین کو وصیت فرمائی کہ کتاب اللہ کی
تبلیغ کے بارہ میں کچھ نہ کھانا

(۱۴۳) مجاہد کا اثر درمنثور ۲: ۲۳۸ و ابن جریر ۶: ۱۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت
عیسیٰ ع کو زندہ ہی اپنی طرف اٹھا لیا۔
اور دابۃ الارض اور یاجوج و ماجوج کا خروج اور آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا
اور ان کے علاوہ دوسرے نشان یہ سب کے سب ٹھیک اور درست ہیں۔

(۱۴۴) شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی مجمع البیان ۲: ص میں لکھتے ہیں
انی متوفیک کے معنے میں کئی قول ہیں ایک تو یہ ہے کہ انی متوفیک کا مطلب یہ
ہے کہ انی قابضک برفعک من الارض الی السماء من غیر وفات بموت عن الحسن
وکعب وابن جریج وابن زید والکلبی وغیرھم میں تجھے اپنے قبضے میں لینے والا ہوں
جس کی صورت یہ ہے کہ زمین سے اٹھا کر آسمان کی طرف لے جاؤں گا بغیر موت دینے
کے۔ اور یہ مطلب حسن بصری کعب ابن جریج ابن زید کلبی اور ان کے علاوہ
دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ تفسیر مظہری ص ۲ میں متطرف تی و محمد بن جعفر بن برکا یہی بیان کیا

(۱۳۵) ثناء اللہ امرتسری نے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ص میں لکھا انی متوفیک ای انی ممیتک حتف انفک بعد نزولک الی الارض مرۃ ثانیۃ لقولہ تعالیٰ وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ انی متوفیک کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے زمین کی طرف دوبارہ آنے کے بعد اپنی موت سے مارونگا اس کی دلیل خدا پاک کا فرمان ہے وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ:

(۱۳۶) مرزا حیرت نے اپنے ترجمہ میں وانہ لعلم للساعۃ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے حضرت عیسیٰ ؑ قیامت کا نشان ہے اور انی متوفیک کے معنے یوں کیے ہیں بیشک ہم تمہاری زندگی کی مدت پوری کریں گے۔ اور پھر ہم تم کو اپنی طرف اس جہان سے اٹھا لیں گے ص:

(۱۳۷) مقبول احمد دہلوی کا ترجمہ یہ ہے عیسیٰ میں تمہاری مدت پوری کرنے والا ہوں اور تم کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں نہ اس کے معنے یہاں زمین سے اٹھانے والا

(۱۳۸) ملا احمد جیون استاذ سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی التفسیرات الاحمدیۃ ص ۶۵۲ میں لکھا انہ لعلم للساعۃ..... ھذہ ھی الاٰیۃ التی یفھم منھا ان نزول عیسیٰ علیہ یدل علی قرب القیٰمۃ وذٰلک لان اکثر المفسرین علی انہ ضمیر" وانہ" راجع الی عیسیٰ ؑ المذکور سابقا. وقولہ تعالیٰ لعلم کما ھو الاکثر کان معنا وانہ علم للساعۃ ای یُعلم من نزولہ دنو الساعۃ وقرب القیامۃ وان قرئ علم کما قرأ ابن عباس رض کان معناہ انہ علامۃ لقرب القیٰمۃ فلا تمترن بھا ای لا تشکن بالساعۃ لان الشیٔ یتحقق عند تحقق العلامۃ: انہ لعلم للساعۃ..... یہی وہ آیت ہے جس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کا نزول قرب قیامت کی دلیل ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اکثر مفسرین ؒ کے نزدیک" انہ" کی ضمیر عیسیٰ ؑ کی طرف راجع ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آرہا ہے۔

اور دوسرے اکثر قراء کی قراءت لَعَلَمٌ ہے اس کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت قیامت کا قرب معلوم ہو جائے گا اور اگر لَعَلَمٌ پڑھیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ قربِ قیامت کا نشان ہیں اس لیے قیامت کے بارے شک نہ کرو کیونکہ چیز کے نشانات ہونے لگ جاتے ہیں تو چیز خود بھی ہو ہی جاتی ہے

(۱۴۹) امام قرطبی نے التذکرۃ القرطبیہ ص ۱۳۲ میں علاماتِ قیامت بیان کرتے کر تے فرمایا ثم یھبط نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے:

صاحب روح المعانی نے مفسر قرطبی کے بارے فرمایا کہ جو کچھ مفسر قرطبی نے فرمایا ہے کہ ان اللہ رفعہ من غیر وفاۃ ولا نوم اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر وفات دیئے اور بغیر سلانے کے اٹھالیا" یہی صحیح ہے اور یہی طبری کا مختار و پسندیدہ مسلک ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ سے بھی یہی روایت صحیح ہے

(۱۵۰) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے اپنی تفسیر مظہری ج۲ ص ۵۹ میں فرمایا المراد بالتوفی ھو الرفع الی السماء بلا موت یشھد بہ الوجدان بعد ملاحظۃ قولہ تعالیٰ وما قتلوہ وما صلبوہ ولولا نفی الموت عنہ لما کان من نفی القتل فائدۃ اذ الغرض من القتل الموت توفی سے مراد بغیر موت کے آسمان کی طرف اٹھانا۔ وجدان خود اس کا شاہد ہے بعد غور کرنے کے وما قتلوہ وما صلبوہ میں۔ کیونکہ اگر آپؑ سے موت کی نفی مقصود نہ ہوتی تو قتل کی نفی کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا کیونکہ قتل سے غرض تو موت ہی ہوتی ہے۔

(۱۵۱) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک الخ کے معنے یوں کیے اسی زمانہ میں اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے عیسیٰ دنیا میں تمہارے رہنے کی مدت پوری کر کے ہم تم کو اپنی طرف اٹھالیں گے: ف ... عیسیٰ ..... صحیح سلامت آسمان پر اٹھالیے گئے"؛ مشہ ترجمہ ا پھر ص ۱۶۳ میں ف میں لکھا کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اسلامی شریعت کے مطابق کارروائی کریں گے اور تمام دنیا میں اسلامی شریعت قائم کریں گے؛ پھر ص ۸۹، میں انہ لعلم للساعۃ کے تحت لکھا حضرت عیسیٰ کا دوبارہ دنیا میں آنا قرب قیامت کی دلیل ہے جیساکہ احادیث میں آیا ہے

(۱۵۲) ترجمہ فرمان علی شیعی وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ اور جب عیسیٰ مہدی موعود کے ظہور کے وقت آسمان سے اتریں گے تو اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو ان پر ان کے مرنے سے قبل ایمان نہ لائے لئے ہیں ہے صحیح حدیثوں میں ہے کہ جب حضرت مہدی موعودؑ ظہور کریں گے تو حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے اور دجال قتل ہو جائے گا تو سب اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائیں گے اور سمجھیں گے کہ یہ سچے پیغمبر تھے اس وقت تمام مذاہب کے لوگ ایک مذہب ہو جائیں گے۔ اور دین اسلام کے سوا کوئی دین نہ ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰؑ حضرت مہدی کی متابعت کریں گے اور دین محمدی کے مطابق عمل کریں گے اور چالیس برس زندہ رہ کر دنیا سے رحلت کریں گے۔ اور مومنین ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے الخ

(۱۵۳) تفسیر وجیز برحاشیہ جامع البیان میں ہے والاجماع علی انہ حی فی السماء ینزل ویقتل الدجال ویؤید الدین اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں جو نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور دین اسلام کی مدد کریں گے

(۱۵۴) تفسیر تبصیر الرحمٰن مہائمی ص ۱۷۲ میں ہے ثم اشار الی ان من کان یفتخر بقتلہ سیتذلل لہ قبل موتہ پھر خدا تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر فخر کرتے ہیں وہ عنقریب اس کی موت سے پہلے اس کے تابع ہو کر اس کے سامنے عاجز و ذلیل ہوں گے؛

فقہاء ائمہ مجتہدینؒ کا عقیدہ درباره حیاۃ عیسٰے علیہ السلام

(۱۵۵) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رح نے فقہ اکبر ص ۱۲ میں لکھوایا خروج یاجوج وماجوج وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء وسائر علامات یوم القیمۃ علی ما وردت بہ الاخبار الصحیحۃ حق کائن یاجوج ماجوج کا نکل آنا۔ اور سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور عیسیٰ کا آسمان سے

(۱۵۶) امام مالک بن انس رح امام دار الہجرۃ مدینہ طیبہ کا عقیدہ عتبیہ کے حوالے سے شرح اکمال الاکمال ج ۱ ص ۲۶۶ میں نقل ہے کہ بینما الناس قیام یستمعون لاقامۃ الصلوٰۃ فتغشاھم غمامۃ فاذا نزل عیسیٰ علیہ السلام الخ لئے میں کہ لوگ کھڑے ہوں گے اور نماز کے لیے اقامت سن رہے ہوں گے تو اسی وقت ان کو ان پر بادل چھا جائے گا اور اچانک ہی حضرت عیسیٰؑ نزول فرما ہوں گے:

(۱۵۷) امام احمد بن حنبل نے مسند احمد ج ص ۳۱۸ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر باسند ذکر فرمائی ہے کہ انہ لعلم للساعۃ یعنی اس سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم کا روز قیامت سے پہلے نکلنا ہے:

(۱۵۸) امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اگر ان کا مسلک وفات عیسیٰ ؑ کا ہوتا؛ تو ضرور نقل ہوتا اور اُن کے مقلدین بھی وفات عیسیٰؑ کا عقیدہ رکھتے لیکن کوئی مقلد شافعی وفاۃ عیسےٰ ؑ کا معتقد نہیں اور نہ ان کا عقیدہ وفات عیسیٰؑ کا کسی نے نقل کیا تو یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ امام شافعی کا عقیدہ بھی وہی ہے جو دیگر ائمہ مسلمین کا ہے۔

(۱۵۹) امام ابو جعفر محمد بن احمد بن سلامہ طحاوی رح نے اپنے رسالہ عقیدۃ طحاویہ ص ۲۶ میں لکھا ہے ونؤمن بخروج الدجال ونزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام عن السماء وبخروج یاجوج وماجوج الخ اور دجال کے نکلنے اور عیسیٰ علیہ السلام

کا آسمان سے نزول فرمانے اور یاجوج و ماجوج کے نکلنے پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔

(۱۹۰) اور یہی عقیدہ حضرت امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری

(۱۹۱) اور حضرت امام ابو عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی رح کا ہے جو دونوں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد رشید ہیں۔

کیونکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ نے اپنے اس رسالہ کے شروع میں لکھا ہے هذا ذکر بیان عقیدة اهل السنة والجماعة علیٰ مذهب فقهاء الملة ابی حنیفة نعمان بن ثابت الکوفی وابی یوسف یعقوب بن ابراهیم الانصاری وابی عبد الله محمد بن الحسن الشیبانی رحمهم الله تعالیٰ

اس رسالہ میں اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ملت اسلام کے فقہاء یعنی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابو عبداللہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب حق کے مطابق ذکر کیا جائے گا۔ اس سے یہ صاف صریح طور پر معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ تمام اہل والجماعت کا ہے جس میں ان ائمہ ثلثہ (تین اماموں) کے سوا تمام کا ذکر اجمالی طور پہ آگیا مثلاً امام زفر[162] امام حسن بن زیاد[163] امام عبداللہ بن المبارک[164] امام سفیان ثوری و امام سفیان بن عیینہ و امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری و امام وکیع و امام اوزاعی و امام نافع و امام عطاء بن ابی رباح و امام طاؤس و امام مسروق والمۂ سبعہ فقہاء مدینہ قاسم بن محمد بن ابی بکر و ابو زید خارجہ بن زید بن ثابت وشقیق واسود بن ہلال و یحیی بن یعمر و زید بن وہب و سعید بن جبیر و ابو عثمان نہدی و ابراہیم نخعی وحماد و عطاء بن یسار و قیس بن ابی حازم و موسیٰ بن نصیر و طلحہ بن عبداللہ و عمر بن عبد العزیز و ابو صالح سمان ذکوان و عامر بن شراحیل و ابو بردہ وغیرہ علماء اہل السنۃ والجماعت سب کا یہی عقیدہ تھا (۱۹۶)

ماہرین عقائدؒ کا عقیدہ دربارۂ حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام

(۱۹۷) شیخ ابوالحسن اشعریؒ نے کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ ص ۴۶ میں لکھا ہے و اجمعت الامۃ علی ان اللہ عزوجل رفع عیسیٰؑ الی السماء تمام امتِ محمدیہ اس عقیدہ پر متفق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

(۱۹۸) شیخ خاریؒ نے عقیدۃ اہل الاسلام ص ۱۱ میں کتاب اللوامع للسفارینیؒ کے حوالے سے لکھا ہے وقد اجمعت الامۃ علی نزوله ولم یخالف فیه احد من اهل الشریعة تمام امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اس میں اہلِ شریعت میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

(۱۹۹) شرح عقیدہ سفارینیہ ج ۲ ص ۹۰ میں اور کتاب الاذاعۃ ص ۷۷ میں لکھا ہے: ولیس ینزل بشریعۃ مستقلۃ عند نزوله من السماء وان کانت النبوۃ قائمۃ به و هو متصف بها حضرت عیسیٰؑ اگرچہ آسمان سے اترتے وقت نبوت کی وصف کے ساتھ متصف اور اپنی سابقہ نبوت پہ بدستور قائم رہیں گے تاہم مستقل شریعت لے کر نہ آئیں گے بلکہ شرع محمدی کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے مطابق آیت کریمہ لتؤمنن به ولتنصرنه اے انبیاء کرام! تم اس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر دل وجان سے ایمان لاؤ گے اور دست و زبان سے اس کی نصرت کرو گے وقد انعقد اجماع الامۃ علی انه ینزل ویحکم بهذه الشریعۃ المحمدیۃ ساری امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زمین پر اتریں گے اور اسی شریعتِ محمدیہ ہی کے موافق فیصلے فرمائیں گے وانما انکر ذلك الفلاسفۃ والملاحدۃ ممن لا یعتد بخلافه صرف فلسفیوں اور ملحدوں بے دینوں نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ اور ایسے بے دین اور ملحد لوگوں کی مخالفت اہلِ شریعت کے اجماع کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۲۰۰) علامہ نسفی رحمہ نے عقائد نسفیہ میں اور علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ نے اس کی شرح میں ص ۱۵۵ میں لکھا ونزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء فھو حق حضرت عیسیٰ کا آسمان سے اترنا یہ برحق ہے

(۲۰۱) عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس شرح شرح العقائد النسفیہ میں لکھا کہ قد صح فی الحدیث ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل من السماء الی الارض صحیح حدیث ہے کہ عیسیٰ آسمان سے زمین کی طرف اتریں گے۔ نیز لکھا حیوۃ عیسیٰ ثابتۃ بالاحادیث المتواترۃ حیات حضرت عیسیٰ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

(۲۰۲) کفایۃ العوام ص ۸۲ میں ہے ویجب ان یعتقد ان عیسیٰ بعد نزولہ یحکم بشرع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے اترنے کے بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع شریف کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے؛

پھر اس کلام پر اعتراض پیدا ہوتا تھا کہ احادیث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کافروں سے جزیہ لینا قبول نہ کریں گے حالانکہ ہماری شریعت محمدیہ میں کافروں سے جزیہ لینے کا صریح حکم موجود ہے۔ پھر کیونکر کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ شرع محمدی کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے؛ تو اس اعتراض کا جواب باصواب

(۲۰۳) شارح کفایۃ العوام نے دیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول جزیہ کی مدت بتادی ہے کہ جزیہ کا حکم نماز روزہ کی طرح ابدی حکم نہیں ہے۔ یہ حکم صرف حضرت عیسیٰ کے نزول من السماء الی الارض تک ہے جب آپ زمین پر اتر آئیں گے اس وقت جزیہ کا حکم بند ہو جائے گا فان قلت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزولہ لا یقبل الجزیۃ الخ

(۲۰۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۱۲ میں فرمایا اللہ عزوجل عیسیٰ علیہ السلام را بہ آسمان بر داشت؛ لمعات ج ۳ ص ۳۴۴ میں فرمایا فرود آید عیسیٰ علیہ السلام از آسمان بہ زمین؛

(۲۰۵) علامہ الکمال ابن الہمام مصنف فتح القدیر شرح ہدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور

(۲۰۶) علامہ الکمال ابن ابی شریف نے المسامرہ والمسایرہ میں لکھا ہے کہ

ج ۲ ص ۷۶ : واشراط الساعۃ من خروج الدجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام بن مریم من السماء وخروج یاجوج وماجوج الخ اور نیز برحق ہیں قیامت کے نشان یعنی دجال کا نکلنا اور حضرت عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے اترنا اور یاجوج ماجوج کا نکلنا الخ

(۲۰۷) قرۃ کمال بر ہامش خیالی حاشیہ شرح عقائد نسفیہ ص ۱۴۲ میں ہے انما خص عیسیٰ علیہ السلام لان حیٰوتہ ونزولہ الی الارض واستقرارہ فوق الارض مدۃ قد ثبت بالاحادیث الصحیحۃ بحیث لم یبق فیہ شبہۃ ولم یسمع فیہ خلاف غیرہ ھذا ؛ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص صرف اس لیے کی کہ آپؑ کی زندگی اور آپؑ کا زمین کی طرف اتر آنا اور پھر آپؑ کا زمین کے اوپر قرار پکڑنا کچھ مدت یہ سب کا سب اس قدر احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہا اور نہ ہی اس میں کسی کا اختلاف سُنا گیا ہے۔

تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام للسید محمد انور شاہ صاحب رحمہ مستقل کتاب ہے

(۲۰۸) الجواب المقنع المحرر فی الرد علی من طغی وتجبر بدعوی انہ ہو عیسیٰؑ او المہدی المنتظر للشیخ محمد حبیب اللہ شنقیطی یہ بھی اسی موضوع پر مستقل کتاب ہے

(۲۰۹) الطلقۃ الشہبات العظام فی الرد علی منکر نزول عیسیٰ علیہ السلام للشیخ محمد علی اعظم اور

(۲۱۰) اعتقاد اہل الایمان بالقرآن بنزول المسیح بن مریم فی آخر الزمان للشیخ محمد عربی التبانی المغربی یہ بھی اسی موضوع پر مستقل کتابیں ہیں۔ اسی طرح

(۲۱۱) التوضیح فی ما تواتر فی المنتظر والدجال والمسیح للقاضی الشوکانی رحمہ نیز

(۲۱۲) فتوی العلامۃ الشیخ محمد بخیت مفتی مصر فی نزول عیسیٰ علیہ السلام

(۲۱۳) ابوالحسین الآبری کا عقیدہ نزول عیسیٰؑ متواتر سے ثابت ہے ابن حجر عسقلانی رحمہ

نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے

(۲۱۴) فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۷ باب ذکر ادریس میں لکھا ان عیسیٰ رفع وہو حی حضرت عیسیٰ کو زندہ ہی اٹھا لیا گیا۔

(۲۱۵) مفسر ابن عطیہ غرناطی اندلسی کا قول مفسر ابوحیان اندلسی نے بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳ میں نقل فرمایا اجمعت الامۃ علی ما تضمنت الاحادیث المتواتر من ان عیسٰی علیہ السلام فی السماء حی وانہ ینزل فی اخر الزمان فیقتل الخنزیر وتظھر بہ ملۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ویحج البیت ویعتمر تمام امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے جو متواتر احادیث کے ضمن میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ آسمان میں زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں وہ نزول فرمائینگے پھر خنزیر کو قتل کرنے کا حکم دیں گے..... اور آپؑ کے آنے پر ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہوگا اور آپؑ حج بیت اللہ اور عمرہ بھی کریں گے۔

(۲۱۶) میر سید سندؒ نے مشکوٰۃ شریف ص ۴۷۹ کے حاشیہ ۵ میں لکھا ہے قولہ وان من اھل الکتاب استشھد بالآیۃ علی نزول عیسٰی علیہ السلام فی اٰخر الزمان مصداقا للحدیث والمعنی لیؤمنن بعیسٰی علیہ السلام قبل موت عیسٰی علیہ السلام وھو بعد نزولہ فیکون الملۃ واحدۃ وھی ملۃ الاسلام اس آیت کریمہ وان من اھل الکتاب سے امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک کی مصداق میں آخر زمانہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے (آسمان سے زمین پر) اتر آنے پر بطور استشہاد کے دلیل پکڑی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات سے پہلے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ اور ان کے ایمان لانے کا وقت وہ وقت ہوگا جب آپؑ آسمان سے زمین پر) اتر آئیں گے تب دنیا پر صرف ایک ہی دین ہوگا یعنی دین اسلام۔ دنیا پر اس وقت باطل مذہبوں میں سے کوئی ایک مذہب بھی نہ رہیگا۔ اس وقت مذہب

اسلام آخری سنبھالا لے گا؛ پھر آپ کی وفات کے بعد پھر حالات میں تغیر و تبدل شروع ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ جائے گا کہ تمام روئے زمین پر کوئی ایک بھی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا سب شرار الخلق ہو جائیں گے تب قیامت قائم ہو جائے گی

(۲۱۷) عثمان بن حسین کا عقیدہ درۃ الناصحین ص ۰۷ ج ۲ میں لکھا نزول عیسیٰ فی الشام فی المنارۃ البیضاء ویقتل الدجال حضرت عیسیٰؑ کا اترنا شام کے ملک میں (جامع مسجد دمشق کے سفید منارہ سے ہوگا اور وہ دجال کو قتل کریں گے؛

(۲۱۸) مولوی محمد صاحب لکھوکے احوال الآخرت ص ۳۰ میں لکھتے ہیں شعر

آسماناں تھیں حضرت عیسیٰ مونڈھے ملکاں آ دے

اور منارے شرقی مسجد جامع آن ملا دے

(۲۱۹) مولانا محمد مظہر اللہ صاحب دہلوی مظہر العقائد ص ۱۷ و ۲۴ میں کہا ہے: عیسیٰؑ آخر زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔

(۲۲۰) علامہ عبدالرحمٰن بن علی الربیع الشیبانی زبیدی شافعی نے تیسیر الوصول الی جامع الاصول ط مصر ج ۴ ص ۲۱۴ کتاب القیامت فصل ۴ میں لکھا اخرج مسلم عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول امیرھم تعال صلّ لنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان مذکورہ واقعات کے بعد حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں گے پھر مسلین کا امیر ان سے کہیگا آیئے ہمیں نماز پڑھائیے

(۲۲۱) قاری خلیل الرحمٰن سہارنپوری نے قصص الکاملین ص ۴۳ میں لکھا ہے کہ عیسیٰؑ قرب قیامت کے آسمان سے نزول فرما کر امت حبیب خدا میں داخل ہوں گے

(۲۲۲) محمد بن عبدالرسول برزنجی ثم المدنی نے اشراط الساعۃ ص ۸۷ میں علامات قیامۃ لکھیں اولھا خروج المھدی وانہ یاتی فی اٰخر الزمان من ولد فاطمۃ یملأ الارض

عدلا کما ملئت ظلما وانہ یقاتل الروم وینزل عیسیٰ ویصلی خلفہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک تو ہے مہدی کا خروج جو آخر زمانہ میں آئے گا اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے۔ زمین جو پہلے ظلم سے پُر تھی اب وہ آکر عدل و انصاف سے پُر کر دے گا اور وہ روم کے ساتھ جہاد کرے گا اور حضرت عیسیٰؑ بھی نزول فرمائیں گے اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

(۲۲۳) شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید رحمہ نے شرح ابن حجرؒ علی متن الہمزیہ فی مدح خیر البریہ ص ۲۳ میں لکھا ولما رفع عیسیٰ علیہ السلام الی السماء کانت مریم بعمر ۵۳ جب حضرت عیسیٰؑ آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے اس وقت حضرت مریمؑ کی عمر ۵۳ برس تھی۔

(۲۲۴) شیخ محمد الحفنی رحمہ نے اس کتاب کے حاشیہ ص ۳۲ میں لکھا وحکمۃ نزول عیسیٰ دون غیرہ من الانبیاء الرد علی الیہود فی زعمھم انہم قتلوہ فبیّن اللہ کذبہم حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی حکمت یہود کا رد کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم نے عیسیٰؑ کو قتل کر دیا ہے تو ان کا نزول ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کو ظاہر کر دیگا

(۲۲۵) علامہ ابن حزم ظاہری نے کتاب الفصل ج ۴ ص ۱۰۰ میں لکھا ہے فکیف یستجیز مسلم ان یثبت بعدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نبیاً فی الارض حاشا ما استثناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الآثار المسندۃ الثابتۃ فی نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فی آخر الزمان پھر کیسے ایک مسلمان آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین میں کسی نبی کے آنے کا جواز تلاش کر سکتا ہے سوائے اس کے کہ جس کو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مستثنیٰ فرمایا اس کا ذکر مستند اور پختہ احادیث میں آچکا ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نزول فرمائیں گے۔

(۲۲۶) نیز اسی کتاب میں لکھا کہ وامامن قال ان بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً غیر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فانہ لایختلف اثنان فی تکفیرہ جو کہیگا کہ حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے کوئی اور نبی بھی ہے تو اس کے کافر کہنے میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا۔

(۲۲۷) اور المحلّٰی ج ۱ ص ۹ میں لکھا ان عیسٰی بن مریم علیہ السلام سینزل حضرت عیسٰی علیہ السلام اتریں گے عیسٰی علیہ السلام ضرور اتریں گے

(۲۲۸) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ نے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ص ۱۱۹ و ۱۶۵ میں لکھا بعث المسیح علیہ السلام رسلہ یدعونہم الی دین اللہ فذھب بعضہم فی حیاتہ فی الارض وبعضہم بعد رفعہ الی السماء فدعوھم الی دین اللہ پس حضرت عیسیٰ نے لوگوں کو دین خدا کی طرف دعوت دینے کے لیے اپنے ایلچی بھیجے جن میں سے بعض تو جب ہی چلے گئے تھے جب آپ ابھی زمین میں اپنی زندگی گذار رہے تھے اور بعض اس وقت گئے جب آپ آسمان کی طرف اٹھالیے گئے تھے پھر انہوں نے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دی (طبع جدید ج ۱ ص ۱۱۵ و ۱۱۶) آگے چل کر ج ۱ ص ۲۸۷ طبع جدید میں لکھا ویقال ان انطاکیۃ اول المدائن الکبار الذین آمنوا بالمسیح علیہ السلام وذلک بعد رفعہ الی السماء کہتے ہیں کہ بڑے شہروں میں سے پہلا شہر جہاں کے باشندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ انطاکیہ شہر تھا۔ اور یہ واقعہ اس وقت کے بعد کا ہے جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا۔

(۲۲۹) علامہ ابن قیم نے کتاب التبیان (ص ۲۲ طبع قدیم و ص ۳۷ طبع جدید) میں لکھا ہے وانہ تعالیٰ رفع عیسٰی علیہ السلام الیہ حضرت حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھایا اور ص ۱۳۹ طبع قدیم و ۲۳۲ طبع جدید فصل ۱۱۹ میں لکھا ھذا المسیح بن مریم حی لم یمت وغذاؤہ من جنس غذاء الملٰئکۃ اور یہ مسیح بن مریم ابھی زندہ ہیں ان کی وفات نہیں ہوئی۔ اور آپ کی غذا فرشتوں کی غذا کی جنس میں سے ہے۔ اور ہدایۃ الحیارٰی مع ذیل الفارق ص ۴۳ طبع مصر میں اور اسی طرح

(۲۳۰) نواب صدیق حسن خانؒ نے حجج الکرامۃ ص ۴۲۲ باب ۰ میں لکھا ہے وھو نازل من السماء فیحکم بکتاب اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے پھر قرآن مجید کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔

(۲۳۱) شرح عقائد جلالی ج۲ ص ۱۰۸ میں جلال دوانی نے لکھا ہے واما نزول عیسیٰ علیہ السلام فھو متابعۃ لشریعۃ صلے اللہ علیہ وسلم فھو مما یؤکد کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول پھر ان کا شریعت محمدیہ کی اتباع کرنا سو ان امور میں سے ہے جن سے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی اور زیادہ تائید و تاکید ہو جاتی ہے۔

(۲۳۲) کتاب الاسلام میں بحوالہ توضیح الکلام ص ۲۳۵ میں لکھا ہے انہ یحکم لشرع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و وردت بہ الاحادیث وعلیہ الاجماع حضرت عیسیٰؑ اتریں گے اتر کر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شرع شریف کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے اور اس بارے میں احادیث بھی وارد ہیں اور اسی عقیدہ پر تمام کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے

(۲۳۳) شرح فقہ اکبر ص ۹۲ مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ و طبع مصر ۱۹۲۶ء ص ۱۶ و طبع دہلی ص ۱۳۶ میں ملا علی القاریؒ نے لکھا ہے انہ (الدجال) یذوب کالملح فی الماء عند نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کے وقت دجال ایسا پگھلنے لگ جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ اسی طرح مرقاۃ ج۵ ص ۱۶۰ میں ہے فینزل عیسیٰ ابن مریم من السماء پس عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے اتریں گے:

(۲۳۴) عقیدۃ الاسلام ص ۱۲۳ میں بحوالہ کشف الاسرار مطبوعہ مصر لکھا ہے کہ جُبّائی باوجود معتزلی ہونے کے کہتا ہے انہ لما رفع عیسیٰؑ بات یہ ہے کہ جب عیسیٰؑ اٹھائے گئے الخ

(۲۳۵) امام تورپشتیؒ نے المعتقد فی المعتقد میں لکھا بعد از ظہور دجال و فساد وے در زمین نزول عیسیٰؑ از آسمان خواہد شد:

(۲۳۶) مولانا صدر الدین صاحب بر دو دو ٹی عقائد اسلام ص ۱۲ میں لکھتے ہیں عیسیٰ جو تھے آسمان سے اتر کر امام مہدی کی مدد کریں گے

(۲۳۷) مولانا نجم الغنی صاحب مترجم تہذیب العقائد مذاہب اسلام ص ۶۵ میں لکھتے ہیں دجال اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا اور یاجوج ماجوج کا خروج کرنا اور حضرت عیسیٰ بن مریم کا مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے اترنا اور تین خسوفوں کا ہونا۔ یہ سب باتیں ہونے والی ہیں۔

(۲۳۸) شیخ عبد الغنی النابلسی الدمشقی (متوفی ۱۱۴۳ھ) نے رشحات الاقلام شرح کفایۃ العوام ص ۱۸ میں لکھا ویہزم الدجال ثم یہبط عیسٰی علیہ السلام الی الارض وھو متعمم بعمامۃ خضراء متقلد بسیف راکب علی فرسہ وبیدہ حربۃ فیاتی الیہ فیطعنہ بہا ویقتلہ وقد بسطنا الکلام علی ذلک وامثالہ من اشراط الساعۃ فی کتابنا المطالب الوفیۃ وغیرہ دجال کو شکست ہوگی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سبز رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے زمین کی طرف اتریں گے تلوار گلے میں لٹکائے ہاتھ میں ہتھیار لے کر گھوڑے پہ سوار ہو کر دجال کی طرف بڑھیں گے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیں گے۔ یہ اور دیگر علاماتِ قیامت کا بیان ہم نے المطالب الوفیہ وغیرہ کتابوں میں بسط سے کیا ہے۔

(۲۳۹) رمضان آفندی نے شرح شرح عقائد نسفیہ ص ۳۱۸ میں دس نشانِ قیامت کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ا۔ دخوان ۲۔ دجال ۳۔ دابۃ الارض ۴۔ مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا۔ ۵۔ عیسٰی بن مریم کا نزول ۶۔ یاجوج و ماجوج الخ

(۲۴۰) محشی نے اس کے حاشیہ پر لکھا پھر مہدی لشکرِ اسلام لے کر دجال کی طرف بڑھے گا اس سے مٹھ بھیڑ ہوگی مہدی کے ساتھی ۳۰ ہزار فوجی دجال کے ماریں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ ؑ زمین کی طرف اتر آئیں گے۔ سبز رنگ کی پگڑی باندھ رکھی ہوگی الخ

(۲۳۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے تکمیل الایمان ص ۳۶ میں لکھا خبر دادہ مخبر صادق از علاماتِ قیامت خبر دادہ است مثل برآمدنِ آفتاب از مغرب کہ روز بستن درہائے توبہ است وخروج دجال و دابۃ الارض ونزولِ عیسیٰؑ .... حق است

(۲۳۲) شیخ محمد بن احمد الاسفرائنی الحنبلی رح نے اپنی کتاب لوائح الانوار البہیہ ج ۲ ص ۹۰ میں لکھا من علامات الساعۃ العظیمۃ العلامۃ .... الثالثۃ ان ینزل من السماء عیسی بن مریم. ونزولہ ثابت بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ قیامت کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے .... تیسری نشانی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں گے۔ اور آپؑ کا آسمان سے اترنا کتاب (قرآن) وسنت (حدیث نبوی) سے بھی ثابت ہے اور اجماعِ امت سے بھی ثابت ہے۔

(۲۳۳) شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۱۰۰ میں ہے واما نزول عیسیٰؑ فہو ومتابعتہ لشریعتہ فہو مما یؤکد کونہ علیہ السلام خاتم النبیین حضرت عیسیٰؑ کا نزول اور پھر آپؑ کا شریعتِ محمدیہ کی پیروی کرنا ایسی بات ہے جس سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مسئلہ اور زیادہ مؤکد ہوجاتا ہے۔

(۲۳۴) عصام الدین اسفرائنی رح نے حاشیہ شرح عقائد نسفیہ ص ۳۳۶ میں لکھا ورد فی الحدیث من انہ ینسخ حکم الجزیۃ وقت نزول عیسیٰؑ علیہ السلام ولایبقی الا الاسلام او السیف حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت جزیہ کا حکم نہ رہیگا اس وقت یہی ہوگا یا اسلام لاؤ یا تلوار لو۔

(۲۳۵) عبدالحکیم سیالکوٹی رح نے خیالی کے حاشیہ ص ۳۴۰ میں لکھا حیاتہ ونزولہ الی الارض واستقرارہ علیہ قد ثبت باحادیث صحیحۃ بحیث لم یبق فیہ شبہۃ ولم یختلف فیہ احد عیسیٰؑ کا زندہ رہنا اور آپؑ کا زمین کی طرف اترنا اور ٹھیرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے، ایسے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں رہا اور نہ ہی اس میں کسی ایک کا اختلاف ہے۔

صوفیائے کرام رح کا عقیدہ دربارۂ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام

(۴۴۶) ابن عربی مالکی نے فتوحات مکیہ باب ۳۶۷ جلد ۳ ص ۳۴۱ میں لکھا ہے انہ علیہ السلام لم یمت الی الآن بل رفعہ اللہ الی ھذہ السماء واسکنہ فیھا حضرت عیسیٰ کے بارے کچھ شک وشبہ نہیں کہ وہ ابھی تک فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آسمان کی طرف اٹھا لیا اور وہیں آپ کو سکونت کی جگہ دی۔ نیز

(۴۴۷) فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۱۲۵ میں لکھا ہے کہ ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل فی ھذہ الامۃ فی اخر الزمان ویحکم بشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت میں آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔

یہی مضمون فتوحات مکیہ ج ۱ باب ۴۴ ص ۱۳۵ و ج ۲ باب ۴۹ ص ۳ و ۱۳۵ و ج ۳ ص ۵۱۰ میں مذکور ہیں

(۴۴۸) زرقانی مالکی رح نے المواہب اللدنیہ میں لکھا ہے رفع عیسیٰ علیہ السلام وھو حی الآن علی الصحیح یعنی صحیح مذہب کے مطابق یہی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا اسی حال میں کہ وہ زندہ تھے۔ اور اب بھی وہ زندہ ہیں۔ نیز ج ۲ ص ۲۴ میں ہے ثبت انہ علیہ السلام رفع بجسدہ یہ بات پایۂ ثبوت وتحقیق کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت اٹھا لیا گیا۔

(۴۴۹) عبدالوہاب شعرانی رح نے طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۶ میں لکھا ہے وانہ علیہ السلام رفع بجسدہ وانہ حی الآن وسیرجع الی الدنیا فیکون ملکا ثم یموت کما یموت الناس اور یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم سمیت اٹھائے گئے ہیں اور ابھی وہ زندہ ہیں اور پھر دنیا کی طرف واپس آئیں گے پھر وہ حکومت

کریں گے پھر جیسے دوسرے لوگ مرتے ہیں ایسے وہ بھی وفات پائیں گے۔

(۲۵۰) نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۷۰ میں ہے رفع اللہ عیسٰی علیہ السلام الی السماء اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

(۲۵۱) شیخ فریدالدین عطار نے مثنوی عطار ص ۲۰ میں لکھا شعر

عشق عیسٰی را بگردوں می برد ؛ یافت ادریس جنت از عمل

(۲۵۲) خطیب شربینی رح عرائس البیان ج ۱ ص ۳۴۸ میں لکھتے ہیں وقیل یکلم الناس فی المھد صبیا وعند نزوله من السماء وکهلا یکلم الناس فی المھد کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ اے مریم! تیرا بیٹا گود میں لوگوں سے بات کرے گا یعنی بچہ ہونے کی حالت میں اور آسمان سے اترنے کے وقت ادھیڑ عمر کا ہو کر بھی لوگوں سے باتیں کرے گا۔

(۲۵۳) سید الطائفہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رح نے غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۶۱ میں فرمایا والتاسع رفع اللہ عزوجل عیسٰی علیہ السلام بن مریم الی السماء اور نویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسٰے بن مریم علیہما السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

(۲۵۴) محمد برکوی رح نے طریقہ محمدیہ میں فرمایا ہے ونزول عیسٰی علیہ السلام من السماء...... حق اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان سے اترنا برحق ہے۔

(۲۵۵) امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکتوبات کے دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۷ میں لکھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کہ از آسمان نزول خواہد فرمود متابعت شریعت خاتم الرسل خواہد نمود حضرت عیسٰے علیہ السلام جو آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی فرمائیں گے۔

(۲۵۶) خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ انیس الارواح ص ۹ میں فرماتے ہیں حضرت عیسٰے علیہ السلام از آسمان فرود آید۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے اتریں گے

(۲۵۷) صوفی علاؤ الدین خازن نے تفسیر ج۱ ص ۴۱۳ میں لکھا فی هذا الحديث دليل على ان عيسىٰ عليه السلام ينزل في آخر الزمان في هٰذه الامة ويحكم بشريعة محمد صلى الله عليه وسلم وانه لا ينزل نبيًا برسالة مستقلة ناسخة بل يكون حاكمًا من حكام هٰذه الامة سو اس حدیث پاک میں اس عقیدہ کی دلیل ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت میں اتریں گے اور حضرت رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمائیں گے اور اس حدیث میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر بھی مستقل رسالت لے کر نہ اتریں گے جو شرع محمدی کی ناسخ ہو بلکہ عیسیٰؑ بحالت نبوت یعنی نبی رہ کر بھی اس امت کے حاکموں میں سے ایک اعلیٰ حاکم ہوں گے

(۲۵۸) امام عبدالوہاب شعرانی رہ الیواقیت والجواہر ج۲ ص ۱۹۱ بحث ۶۵ میں لکھتے ہیں والحق ان المسيح رفع بجسده الى السماء ۔ والايمان بذٰلك واجب قال الله تعالىٰ بل رفعه الله اليه اور امر حق ومذہب حق یہی ہے کہ حضرت مسیح (عیسٰے بن مریم علیہ السلام) اپنے جسد (عنصری) سمیت آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں ۔ اور اس بات پر ایمان رکھنا واجب اور فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے بل رفعه الله اليه؛

(۲۵۹) علامہ ابو طاہر قزوینی کا عقیدہ الیواقیت والجواہر ج۲ ص ۱۹۱ میں ذکر ہے قال ابوطاهر القزويني واعلم ان كيفية رفع عيسىٰ ونزوله وكيفية مكثه في السماء الى ان ينزل من غير طعام ولا شراب مما يتقاصر عن ادراكه العقل، اور یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے اوپر اٹھائے جانے اور ان کے اترنے کی کیفیت اور بغیر کھائے پیئے آسمان میں آپ کے ٹھیرنے کی کیفیت یہاں تک کہ آپ اتریں ان امور میں سے ہے جن کا ادراک کرنے سے عقل قاصر ہے۔

(۲۶۰) حضرت خواجہ علی ہجویری (المعروف فی العوام بہ داتا گنج بخش) نے اپنی کتاب کشف المحجوب کے اردو ترجمہ مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور کے ص ۵۲ میں لکھا ہے کہ

حضرت عیسٰےؑ مرقع لکھنے تھے جس کو وہ آسمان پر لے گئے ؛ (مرقع ابی گودڑی)

(۲۶۱) خواجہ عثمان ہرونی رہ کا عقیدہ انیس الارواح مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹ میں لکھا ہے محمد بن عبداللہ یعنی امام مہدی بیروں آید از شرق تا غرب عدل دے بگیرد و حضرت عیسٰے علیہ السلام از آسمان فرود آید

(۲۶۲) خواجہ محمد پارسا رہ کا عقیدہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۵۵ میں لکھا کہ "حضرت خواجہ محمد پارسا رہ در کتاب فصول ستہ نقل معتمد می آرد کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بعد از نزول عمل بہ مذہب امام ابو حنیفہ رہ خواہد کرد ۔

(۲۶۳) قاضی عیاض رہ کا عقیدہ امام نووی ؒ نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۳ میں ذکر کیا قال القاضی رہ نزول عیسٰےؑ وقتل الدجال حق وصحیح عند اھل السنۃ بالاحادیث الصحیحۃ حضرت عیسٰے علیہ السلام کا اتر کر دجال کو قتل کرنا یہ عقیدہ احادیث صحیحہ کی رُو سے اہل السنۃ کے نزدیک برحق اور صحیح ہے ۔

(۲۶۴) شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رہ نے اپنی کتاب "علامات قیامت" مترجم اردو ص ۱۰۰ میں لکھتے ہیں "حضرت عیسٰے علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ لگائے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر جلوہ افروز ہوں گے

(۲۶۵) شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی ؒ نے موضح القرآن میں لکھا ہے حضرت عیسٰی ؑ ابھی زندہ ہیں ۔ جب یہود میں دجال پیدا ہو جائے گا تب اس جہان میں آکر اس کو ماریں گے ؛

(۲۶۶) حضرت محمود چراغ دہلوی رحمہ اللہ نے تحفہ نصائح ص ۱۵ میں لکھا دانی قیامت را نشاں دجال دیگر دابہ ہم ؛ عیسٰی فرو آید کشد دجال را از بیشتر خر دجال اور دابۃ الارض کو بھی قیامت کا نشان جان ۔ عیسٰی علیہ السلام بھی اتر کر دجال کو گدھے

کی پشت سے کھینچ قتل کریں گے :

(۲۶۷) شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے چہار باب ص ۴ میں لکھتے ہیں عقیدہ ۱۸ : روز قیامت با اشراط و علامات آن کہ در کتب مسطور و مذکور است چنانچہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام و خروجِ دجال و دابۃ الارض و یاجوج و ماجوج و طلوعِ آفتاب از طرف مغرب و غیر ذلک ہمہ راست و درست است۔ کتابوں میں جو جو قیامت کے نشان مذکور ہیں سب ٹھیک اور درست ہیں جیسے عیسیٰ ؑ کا اترنا دجال کا ظہور

(۲۶۸) مولانا جلال الدین مولائے روم رح نے مثنوی معنوی جز و اول ص ۱ میں لکھا
ع جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد ؛ بآیتِ کریمہ کہ در سورۃ النساء است در شانِ حضرتِ عیسےٰ علیہ السلام بل رفعہ اللّٰہ الیہ یعنی بر داشت او را خدا بسوئے خود الخ

(۲۶۹) حضرتِ معروف کرخی رحمہ اللہ کا عقیدہ علامہ دمیری رح کی کتاب حیاۃ الحیوان ج ۱ ص ۳۰۶ میں ہے عن ابی نعیم قال سمعت المعروف الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ یقول فاوحی اللہ عزوجل الی جبرئیل ع ان ارفع عبدی الیّ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل ؑ کی طرف وحی کی کہ میرے بندے کو میری طرف اٹھا لا۔

(۲۷۰) شیخ ابو علی زین الدین علی العیری الفنانی نے سراج القلوب ص ۲۰۰ میں نشاناتِ قیامت میں لکھا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہا لن تقوم الساعۃ حتی ترد قبلہا عشر آیاتٍ فذکر الدخان و الدجال والدابۃ وطلوع الشمس من مغربہا و نزول عیسیٰ ابن مریم نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس نشان آنے سے پہلے قیامت برپا نہ ہوگی۔ دھوآں۔ دجال۔ دابۃ الارض۔ سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع کرنا اور حضرت عیسےٰ بن مریم کا اترنا۔

مؤرخین کا عقیدہ درباره حیات عیسیٰ علیہ السلام

(۲۷۱) مؤرخ ابن اثیر تاریخ الکامل ج ا ص ۱۰۹ میں لکھتے ہیں فرفع عیسیٰ علیہ السلام الی السماء من تلك الروزنة پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس روزن سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا

(۲۷۲) مؤرخ مسعودیؒ تاریخ مروج الذہب (برحاشیہ ابن اثیر ج ۱ ص ۵۸) میں لکھتا ہے رفع الله عیسیٰ علیہ السلام وھو ابن ثلث وثلثین سنة اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ۳۳ سال کی عمر میں اٹھایا

(۲۷۳) مؤرخ خادم علی فاروقی نے تاریخ جدولیہ ص ۵۰۹ میں کہا حضرت عیسیٰؑ ۵۶۱۲ سنہ ہبوط آدمؑ میں آسمان پر اٹھائے گئے۔

(۲۷۴) مؤرخ ابن خلدون اپنی تاریخ ج ۲ ص ۲۰۷ میں لکھتے ہیں ان المهدی الاکبر الذی یخرج فی اخرالزمان وان عیسیٰ علیہ السلام یکون صاحبه ویصلی خلفه مہدی کبیر جو آخر زمان میں نکلیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھی ہونگے اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

(۲۷۵) ابو القاسم اندلسی کا مذہب صاحب عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۳۱۳ میں لکھتے ہیں قال ابو القاسم الاندلسی لا شك ان عیسیٰؑ فی السماء وھو حی اس عقیدہ میں کسی قسم کا کوئی شک شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان میں ہیں اور وہ زندہ ہیں؛

(۲۷۶) تاریخ مدینہ دمشق میں ابن عساکر نے لکھا ہے (ص ۴۷) ان الله رفعه بجسده وانه حی الأن وسیرجع الی الدنیا فیکون فیها ملکا ثم یموت کما یموت الناس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اُن کے جسد مبارک سمیت اٹھالیا اور وہ یقیناً ابھی زندہ ہیں اور دنیا کی طرف واپس آکر بادشاہت کریں گے پھر دوسرے لوگوں کی طرح وفات پائیں گے

(۲۷۷) محمد بن سعد نے بھی اپنے طبقات ج۱ ص ۲۶ میں اسی طرح لکھا ہے۔

اہلِ لغت کا عقیدہ دربارۂ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام

(۲۷۸) علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے قاموس ج۱ ص ۳۴۸ میں لکھا (وفی الحدیث یقتل عیسیٰ الدجال عند باب لُدّ الخ) عیسیٰؑ دجال کو لد کے دروازہ کے پاس قتل کریں گے۔

(۲۷۹) مولوی فیروز الدین ڈسکوی نے لغات فیروزی ص ۳۰۰ میں لکھا ہے خدا نے عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا۔ قیامت کے نزدیک مسیحؑ پھر اتریں گے

دیگر علماء کرام کا عقیدہ درباره حیات عیسیٰ علیہ السلام

(۲۸۰) فقیہ ابو الولید ابن رشد کا قول ابو عبداللہ الابّی نے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۵ میں نقل کیا ولا بد من نزول عیسیٰ لتواتر الاحادیث فی ذلک . وفی العتبیۃ کان ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ یلقی الفتی الشاب فیقول یا ابن اخی انک عسی ان تلقی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فاقرأہ منی السلام فحقیقا لنزوله متواتر احادیث کی رو سے حضرت عیسیٰؑ کا نزول لازمی ہے۔ عتبیہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کو تحقیق و قطعی بتانے کے لیے نوجوان کو ملتے تو کہتے بھتیجے! ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم سے تیری ملاقات ہو تو میرا اسلام انہیں پہنچا دینا۔

(۲۸۱) علامہ دمیری رح کا عقیدہ حیات الحیوان ج ۱ ص ۴ میں ہے ینزل عیسیٰؑ الی الارض وکان راسہ یقطر الماء حضرت عیسیٰ ؑ زمین کی طرف اتریں گے اور ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوں گے۔

(۲۸۲) جمع الوسائل د مصر ص ۵۶۳ میں لکھا ان عیسیٰ علیہ السلام یدفن بجنب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بینہ وبین الشیخین حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پانے کے بعد ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آپ کے اور شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے درمیان دفن ہوں گے!

(۲۸۳) یوسف بن اسمٰعیل النبہانی نے حجۃ اللہ علی العالمین ص ۳۹۳ میں لکھا ان اللہ تعالیٰ رفع عیسیٰ علیہ السلام الی السماء وھو ابن ثلث وثلثین سنۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ۳۳ برس کی عمر میں آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

(۲۸۴) مصنف تحفۃ الباری ج ۲ ص ۲۰۹ میں لکھتے ہیں باب نزول عیسیٰؑ ای من السماء الی الارض یعنی یہ بیان ہے عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کا یعنی آسمان سے زمین کی طرف

(۲۰۵) محمد بن عبداللہ کا عقیدہ: عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۳ میں لکھا ہے تواترت الاخبار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نزول عیسیٰ من السماء بجسدہ العنصری الی الارض عند قرب الساعۃ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ ؑ کا اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان سے نزول فرمانے کے بارے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر کثرت سے احادیث مروی ہیں جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں پھر لکھا ان عیسیٰ حی فی السماء ینزل فی آخر الزمان بذاتہ الشریف یہ امر محقق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ موجود ہیں۔ آپ آخر زمانہ میں بذات خود نزول فرمائیں گے۔ نیز لکھا اتفق اھل السنۃ علی ان عیسیٰ ؑ الآن حی فی السماء لم یمت تمام اہل السنۃ کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب اس وقت زندہ آسمان میں موجود ہیں ان پر موت نہیں آئی

(۲۰۶) مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵ کتاب التفسیر کے حاشیہ ۳ میں لکھا فلما توفیتنی بالرفع الی السماء۔ نیز ص ۱۴۰ حاشیہ ۱۰ میں لکھا لا شک ان عیسیٰ علیہ السلام فی السماء وھو حی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ نیز ص ۱۰۵۵ حاشیہ ۶ میں لکھا ان عیسیٰ علیہ السلام یقتل الدجال بعد ان ینزل من السماء فیحکم بالشریعۃ المحمدیۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد دجال کو قتل کریں گے پھر شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے:

(۲۰۷) مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۵ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ان عیسیٰ یقتل الدجال بعد ان ینزل من السماء فیحکم بالشریعۃ المحمدیۃ حضرت عیسیٰ ؑ آسمان سے اتر کر دجال کو قتل کریں گے پھر شریعت محمدؐ کے موافق فیصلے فرمایا کریں گے

(۲۸۸) مولوی وحید الزمان حیدر آبادی نے لمنتقطات علی تیسیر المشکوٰۃ ج ۳ ص ۹۹ میں لکھا: قیامت کے قریب امام مہدی کے وقت میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے:

(۲۸۹) علامہ کاشفی نے معارج النبوۃ قلمی ورق ۳۰ صفحہ اول میں لکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام را بآسمان چہارم بردند۔ بل رفعہ اللہ الیہ نیز ورق ۱۸۲ میں لکھا اول عیسیٰ علیہ السلام بامداد خداوند تعالیٰ بآسمان رفت۔

(۲۹۰) محمد بن نصر الدین بن جعفر نے مجرد... فی مرکبات ... میں عیسیٰ علیہ السلام من السماء الی الارض حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان سے اتریں گے

(۲۹۱) مولانا عبد الحی لکھنوی نے کتاب زجر الناس ص ۵ میں لکھا یاتی عیسیٰ ابن مریم فی اخر الزمان علی شریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو نبی حضرت عیسیٰ آخر زمانہ میں آئیں گے شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کار بند ہوں گے اور وہ نبی بھی بدستور رہیں گے۔

(۲۹۲) یحییٰ بن اشرف محی الدین علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۳ میں کہ فیبعث اللہ عیسیٰ بن مریم ای ینزلہ من السماء حاکما بشریعتنا یعنی حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا یعنی ان کو آسمان سے بدل کر ہماری شریعت کا حاکم امام بنائے گا۔

(۲۹۳) شیخ شہاب الدین الحافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۳۱۹ میں لکھا واما رفع عیسیٰ علیہ السلام فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ رفع ببدنہ حیا یعنی اہل احادیث واہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اسی بدن (عنصری) کے ساتھ اٹھائے گئے!

(۲۹۴) علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۵ ص ۵۴۲ میں

لکھا ہے ان عیسٰی علیہ السلام دعا اللہ لما رأی صفۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ ان یجعلہ منہم فاستجاب اللہ دعاءہ وابقاہ حتی ینزل فی آخر الزمان ویجدد امور الاسلام حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جب صفۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کی صفت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو باقی رکھا حتیٰ کہ آخر زمانہ میں ان کو اتارے گا اور وہ امور دین اسلام کی تجدید فرمائیں گے

عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۳۱ میں ہے الصحیح ان عیسٰی علیہ السلام رفع وھو حی صحیح یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہونے کی حالت میں اٹھائے گئے۔

عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۳۷ میں لکھا ان عیسٰی ع یقتل الدجال بعد ان ینزل من السماء حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نزول فرمانے کے بعد دجال کو آ قتل کریں گے۔

(۲۹۵) علامہ قسطلانیؒ نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۱۳ میں کہا ظاہر توفیتنی ای بالرفع الی السماء اور ج ۵ ص ۴۱۹ میں کما ینزل عیسٰی ع من السماء الی الارض

(۲۹۶) مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان باب دوم ص ۱۳۱ میں لکھا ہے۔ قیامت کے دن حضرت عیسٰی علیہ السلام خدا کے آگے یوں عرض کریں گے۔ میرے آسمان پر جانے کے بعد ان لوگوں نے مجھ کو اور میری ماں کو پوجا اور پرستش کی جب تو نے مجھ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور میں آسمان پر گیا الخ

(۲۹۷) علامہ مناویؒ کا مشارق الانوار ص ۱۰۹ میں عقیدہ لکھا قال المناوی فی جوہم المعتقدین وفی مسلم خروج الدجال فیبعث اللہ عیسٰی علیہ السلام

(۲۹۸) علامہ نفراویؒ کا عقیدہ مشارق الانوار ص ۱۱۰ میں ہے ان جبریل ع ینزل علی عیسٰی علیہ السلام بعد نزول عیسٰی علیہ السلام من السماء حضرت عیسٰی ع کے آسمان سے اترنے کے بعد آپؐ پر حضرت جبریل علیہ السلام اتریں گے۔

(۲۹۹) علامہ زرقانی رح نے شرح مواہب لدنیہ میں لکھا فاذا نزل سیدنا عیسیٰ ع فانہ بحکم بشریعۃ نبینا م جب ہمارے سردار عیسیٰ م اتریں گے تو وہ ہمارے نبی م کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمایا کریں (نہ اپنی پہلی شریعت پر جو انجیل میں تھی۔

(۳۰۰) شیخ محمد اکرم صابری کا عقیدہ اقتباس الانوار ص ۷۲ میں ہے در اکثر احادیث صحیح و متواتر از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ورود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بود۔ و عیسیٰ م باو اقتدا کردہ نماز خواہد گذارد۔ و جمیع عارفان صاحب تمکین برایں متفق اند

(۳۰۱) رضی الدین حسن بن الحسن صغانی رح کا عقیدہ مشارق الانوار مصر ۱ میں ہے ان عیسیٰ حی فی السماء الثانیۃ لا یاکل ولا یشرب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان میں بغیر کھانے پیے زندہ تشریف فرما ہیں۔

(۳۰۲) شیخ محمد حبان رح کا عقیدہ اسعاف الراغبین بر حاشیہ مشارق الانوار مصر ص ۱۲۷ میں ہے ان عیسیٰ یقتل الدجال بباب لد بارض فلسطین حضرت عیسیٰ دجال کو ارض فلسطین میں لُد کے مقام پر قتل کریں گے۔

(۳۰۳) آل حسن کا عقیدہ استفسار بر حاشیہ ازالۃ الشکوک مطبوعہ سید المطابع ص ۲۵۸ میں ہے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔

(۳۰۴) سید نذیر حسین دہلوی نے فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۸ میں لکھا "جو شخص اپنے کو عیسیٰ موعود کہتا ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا قائل ہے وہ بڑا دجال کذاب منکر قرآن و احادیث متواترہ ہے۔ آگے دلائل لکھ کر خلاصہ نکالتے ہیں۔ بالجملہ جمیع اہل السنۃ والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں!

(۳۰۵) نظم المتناثر من الاحادیث المتواترۃ ص ۱۴۷ میں محمد بن جعفر کتانی رح نے لکھا ہے "وقد ذکروا ان نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ثابت بالکتاب والسنۃ والاجماع ...

علماء کرام نے ذکر فرمایا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ ۔ ۔ ۔ پھر پوری بحث سے فارغ ہو کر حاصل بحث لکھتے ہیں الحاصل ان الاحادیث الواردۃ فی المھدی المنتظر متواترۃ وکذا الاحادیث الواردۃ فی الدجال وفی نزول سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حاصل اس ساری مذکور کلام کا یہ ہے کہ مہدی منتظرؑ اور دجال اور سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے بارے متواتر احادیث وارد ہیں (جن میں کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے)

(۳۰۶) شیخ محمد رحمت اللہ صاحب مکی رح نے ازالۃ الشکوک ج۱ ص ۳۴۵ میں اپنا عقیدہ لکھا "آسمان کی طرف حضرت عیسیٰ ؑ کی روح مع بدن کے اٹھائی گئی۔ کوئی روح کو بغیر بدن کے نہ سمجھے۔

(۳۰۷) مولانا خرم علی جونپوری رح تحفۃ الاخیار اردو ترجمہ مشارق الانوار ص ۳۴۶ میں لکھتے ہیں قیامت کے قریب امام مہدی کے وقت میں حضرت عیسیٰ ؑ آسمان سے اتریں گے۔ اور نصرانی دین کو مٹا دیں گے

(۳۰۸) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند ہدیۃ الشیعہ ص ۲۱ میں لکھتے ہیں حضرت عیسیٰ ؑ حافظِ انجیل باتفاقِ شیعہ و سنی آسمان پر زندہ موجود ہیں

(۳۰۹) زجاج کا عقیدہ بحر محیط ج ۲ ص ۳، ۴۷۳ میں ذکر ہے کان عیسیٰ فی بیت له کوۃ فدخل رجل لیقتله فرفع عیسیٰ ؑ من البیت حضرت عیسیٰ ؑ سوراخ والے مکان میں تھے تو ایک آدمی آپ ؑ کو قتل کے ارادے سے اندر گیا تو آپ ؑ اس مکان سے اٹھائے جا چکے تھے

(۳۱۰) ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؓ نے فرمایا رفع اللہ عیسیٰ ؑ من روزنۃ کانت فی البیت (بحر محیط ج ۲ ص ۳، ۴۷۳) مکان کے روشن دان میں سے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ؑ کو اٹھا لیا؛ نیز آپ ؓ سے روایت ہے رفعه الی

السماء وسماء الدنیا فھو فیھا یسبح مع الملائکۃ ثم یھبطہ اللہ عند ظھور الدجال علی صخرۃ بیت المقدس اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ع کو آسمان دنیا کی طرف اٹھایا جس میں آپ فرشتوں کے ساتھ تسبیح میں لگے ہوئے ہیں پھر جب دجال کا ظہور ہوگا تب آپ کو اللہ تعالیٰ صخرۂ بیت المقدس پر اتارے گا:

(۳۱۱) امام بخاری رح نے تاریخ کبیر ۱ قسم ۱ ص ۲۶۳ میں محمد بن یوسف بن عبداللہ بن سلام کے ترجمہ میں عبداللہ بن سلام کی روایت لکھی کہ یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول اللہ وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعا حضرت عیسیٰ ع نبی پاک اور ابوبکر و عمر کے ساتھ دفن ہوں گے پھر آپ کی قبر چوتھی ہوگی:

صاحب مجمع الزوائد نے ج ۸ ص ۲۰۶ میں

(۳۱۲) طبرانی سے یہی روایت بطریق عثمان بن ضحاک ذکر کی جس کو گو ابوداؤد نے ضعیف کہا ہے مگر ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے دیکھو درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵

(۳۱۳) سعید بن مسیب سے بھی یہی روایت ابن نجار نے الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ ج ۲ ص ۳۹۱ ذکر کی اور

(۳۱۴) الزین المراغی نے بھی تحقیق النصرۃ ص ۱۰۰ میں یہی روایت بیان کی ہے۔

(۳۱۵) حضرت ابوسعید خدری رض کی روایت کنز العمال ج ۷ ص ۱۸۷، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۶۴، ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منا الذی یصلی عیسیٰ بن مریم خلفہ ہم اہل بیت نبوت میں سے وہ شخص ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز ادا کریں گے دہلوی کہتا ہے کہ اس سے واماکم منکم کی تائید ہوگئی۔ اور مرزا طاہر کی تاویل باطل ہوگئی جس نے کہا تقدیر عبارت یوں ہے وھو امامکم منکم)"

(۳۱۶) امام بخاری رح نے تاریخ کبیر ج ۳ ق ۱ ص ۲۳۳ و ۲۳۴ فقرہ ۲ ترجمہ کیسان میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد ۸: ۲۰۵ میں کنز العمال ۷: ۲۶۷ میں، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۱

ص ۲۱۴ ـ ۲۱۷ میں کیسان بن عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے
ینزل عیسی ابن مریم عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق

(۳۱۷) سلمۃ بن نفیل رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لاینقطع الجہاد حتی ینزل عیسٰی بن مریم (عیسےٰ بن مریم کے نزول تک جہاد کا حکم جاری رہیگا (نسائی ج ۲ ص ۲۱۴ ومسند احمد ۴ : ۱۰۴)

(۳۱۸) ابو یعلی نے جابر بن عبداللہ رض سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ میری امت حق پر ہوگی غالب رہیگی حتے کہ عیسیٰ ابن مریم اتریں گے۔ ان کا امام کہیگا آگے بڑھیں نماز پڑھائیے تو حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے تم زیادہ لائق ہو الخ

(۳۱۹) سلمۃ بن نفیل سکونی رض نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عیسیٰ ابن مریم ع کے نزول تک جہاد کا حکم بند نہ ہوگا (سنن نسائی ۶ : ۲۱۴ و مسند احمد ۴ : ۱۰۴) *

(۳۲۰) ابن عباسؓ کا اثر طبقات کبریٰ ۱ : ۲۶ طبع جرمنی میں ہے اخبرنا ھشام محمد بن السائب عن ابیہ عن ابی صالح عن عبداللہ بن عباسؓ قال کان بین موسٰی ابن عمران وعیسٰی ابن مریم علیہما السلام الف سنۃ وتسع مائۃ سنۃ فلم یکن بینھم فترۃ (وستۃ اشھر) وان عیسٰی علیہ السلام حین رفع کان ابن اثنین وثلاثین سنۃ وکانت نبوتہ ثلاثون شھراً وان اللہ رفعہ بجسدہ وانہ الاٰن حی وسیرجع الی الدنیا فیکون فیھا ملکاً ثم یموت کما یموت الناس حضرت ابن عباس رض کی روایت محمد بن سائب وابی صالح کے واسطے سے ہشام نے بتائی کہ حضرت موسےٰ بن عمرانؑ اور عیسٰی بن مریمؑ کے درمیان ایک ہزار نوسو سال اور چھ مہینہ کا عرصہ گذرا جو نبوت سے خالی نہیں گذرا اور حضرت عیسٰی بن مریمؑ بعمر ۳۳ برس اٹھائے گئے اور ان کی نبوت کا زمانہ ۳۰ ماہ تھا اور اللہ نے ان کو جسم سمیت اٹھالیا اور وہ ابھی زندہ

ہیں اور ضرور اس دنیا کی طرف واپس آئیں گے حکومت کریں گے پھر جس طرح اور لوگ مرتے ہیں وہ بھی وفات پائیں گے

نوٹ: اس حدیث سے مرزا کے تمام توہمات رفع ہو جاتے ہیں باین طور کہ

I حضرت عیسٰیؑ کا رفع جسمانی ہوا ۔ رفع روحانی کا ڈھکوسلا غلط ہوا

II " " " " " " ۳۳ برس کی عمر میں ہوا ۱۲۰ برس یا قبرِ کشمیر کا رد ہوا

III " " " زندہ اٹھایا جانا ثابت ہوا ۔ وفاتِ مسیح کا ڈھکوسلا غلط ہوا

IV وہی حضرت عیسٰی بذاتِ خود واپس تشریف لائیں گے جو آسمان کی طرف اٹھائے گئے نہ یہ کہ ان کا کوئی مثیل آئے گا۔

V حضرت عیسٰیؑ آپ عادل بادشاہ ہوں گے اور جزیہ معاف کر دیں گے۔ اور جزیہ وہی معاف کر سکتا ہے جو بادشاہ ہو۔ اور مرزا بادشاہ نہ تھا بلکہ انگریز کا محکوم تھا!

VI حضرت عیسٰیؑ کا نزول کے وقت تک زندہ رہنا ثابت ہوا کیونکہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ثم یموت کما یموت الناس یعنی نزول سے کافی دیر بعد آپؑ وفات پائیں گے جس طرح اور لوگ فوت ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ ہرگز عقیدہ نہ تھا کہ حضرت عیسٰیؑ دوسرے نبیوں رسولوں اور انسانوں کی طرح وفات پا چکے ہیں ۔ نیز اس عبارت سے آپؓ کے ممیتک فرمانے کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ گیا کہ آپؑ نزول کے بعد اپنی طبعی موت سے وفات پائیں گے ۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ وعدہ فرما رہا ہے کہ اے عیسٰیؑ تم بے فکر رہو۔ یہ یہود نہ تو آپ کو قتل کر سکیں گے نہ سولی پر چڑھا سکیں گے بلکہ آپؑ تک یہود کا ہاتھ تک نہ پہنچ سکے گا۔ سرِ دست آپؑ کو آسمان کی طرف اٹھاؤں گا پھر ایک وقت آئے گا آپ کو واپس دنیا میں لاؤں گا پھر حکومت کر کے میں ہی آپ کو مارونگا

آپ نے یہ حوالجات تو دیکھ لیے ان کے علاوہ بڑے بڑے علماء نے مستقل کتابیں اس عقیدہ پر لکھیں وہ خدا کو معلوم ہے کہ ان چودہ صدیوں میں کتنے علماء نے کتنی کتب

لکھی ہیں۔ معمولی نظر کے ساتھ دیکھنے سے ہمارے سامنے یہ مطبوعہ کتابیں ہیں

عقیدۃ الاسلام از سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام از مولنا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

التصریح بما تواتر فی نزول المسیح از سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رح

نظرۃ عابرۃ فی مزاعم من ینکر نزول عیسیٰؑ قبل الآخرۃ طبع قاہرہ ۱۳۶۳ھ للعلامۃ الکوثری

عقیدۃ اہل الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام للشیخ عبد اللہ بن صدیق الغماری رح

اقامۃ البرہان علی نزول عیسیٰؑ فی آخر الزمان " " " " "

محمد مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۹۳ میں اور زمخشری نے اساس البلاغۃ میں لکھا ومن المجاز ادرکتہ الوفاۃ ای الموت والمنیۃ وتوفی فلان اذا مات وتوفاہ اللہ عزوجل اذا قبض نفسہ وفی الصحاح روحہ یعنی ادرکہ الوفات میں وفات کے معنے موت کے مجاز ہیں اسی طرح تُوُفِّیَ فلاں کے معنے مرگیا مجازی ہیں اسی تَوَفَّاہُ اللہ عزوجل کے معنے اللہ تعالیٰ نے اس کی جان (روح) قبض کر لی یعنے وہ مرگیا مجازی ہیں۔ حقیقی معنے نہیں ہیں۔ اور حقیقی معنے اسی سطر میں لکھے استوفاہ وتوفاہ ای لم یدَعْ منہ شیئًا یعنی اس کو پورے کا پورا لے لیا اس میں سے ذرہ سی چیز بھی بغیر لیے نہیں چھوڑی۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ توفاہ اللہ کے دو معنے ہیں ایک حقیقی دوسرا مجازی تو قرآن کریم میں جب یہ لفظ آیا تو اس میں بھی یہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہاں بھی دونوں معنوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ مگر قانونی طور پہ دونوں معنے حقیقی و مجازی بیک وقت مراد نہیں لے سکتے اب سوچنا یہ ہے کہ یہاں کونسے معنے مراد ہیں؟

تو زبان عربی سمجھنے کے لیے علماء نے جو قاعدے بتائے ہیں ان میں سے یہ قاعدہ بتایا کہ حقیقی معنے اگر محال ہو یا مہجور عرفی یا شرعی ہو تو اس وقت مجازی معنے ہی لیا جاتا ہے حقیقی معنے نہیں لیا جاتا

جب حقیقی معنے مستعمل ہوں اور مجاز متعارف نہ پایا جائے تو بالاتفاق حقیقی معنے مراد لینا ہوتا ہے کیونکہ کلام میں اصل حقیقت ہے اور جب کوئی اس کا معارض نہ کرتا ہو تو اسی حقیقت پر عمل واجب ہوگا

مجاز متعارف وہ ہوتا ہے کہ بہ نسبت حقیقت کے عرف میں اس کا استعمال

زیادہ ہوا اور معنے حقیقی بھی متروک نہ ہوں

اور اگر حقیقت مستعمل تو ہے مگر مجاز متعارف ہے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ایسی حالت میں بھی حقیقت اولیٰ ہے کیونکہ جب اصل پر عمل ممکن ہے تو اس کے ہوتے ہوئے غیر اصل کی طرف بغیر دلیل کے رجوع کرنا مناسب نہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک حقیقت مراد لینے کی بجائے عموم المجاز مراد لینا اولیٰ ہے۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی ہے کہ میں اس گیہوں میں سے نہ کھاؤں گا تو امام اعظم رح کے نزدیک اگر وہی گیہوں کھائے گا جن کے کھانے کی قسم کھائی تھی تو قسم ٹوٹ جائے گی اور ان کے آٹے کی روٹی کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔ لیکن امام ابو یوسف وامام محمدؒ کے نزدیک بطریق عموم المجاز دونوں طرح کھانے سے قسم ٹوٹ جائیگی۔ خود گیہوں کھانے سے بھی اور ان کے آٹے کی روٹی کھانے سے بھی۔

اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں جہلم دریا سے پانی نہ پیوں گا تو امام اعظمؒ کے نزدیک منہ سے پانی پینا مراد ہوگا بغیر کسی برتن کے۔ پس اگر اس نے جہلم دریا کا پانی کسی برتن میں ڈال کر پیا تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ دریا میں منہ لگا کر پانی پینا مستعمل ہے جو اس کا حقیقی معنے ہے۔ گاؤں والے اکثر اسی طرح پیتے ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک مجاز متعارف مراد ہوگا۔ پس جہلم دریا کا پانی جس طرح پیے منہ لگا کر یا کسی برتن میں ڈال کر۔ قسم ٹوٹ جائے گی۔ جیسے کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں علاقہ کے لوگ جہلم کا پانی پیتے ہیں۔

اسی طرح توفی کا مسئلہ ہے کہ توفی کے دو معنے ہیں ایک حقیقی معنے دوسرا مجاز متعارف۔ جنہوں نے اخذ الشئی وافیا (چیز کو پورا پورا لینا) معنے لیے وہ حقیقی ہیں اور عرب میں مستعمل ہیں اور جنہوں نے موت معنے کیے ہیں وہ مجازی ہیں جو عام عرف میں ان معنوں میں بولا جاتا ہے۔

لیکن باوجود اس کے کہ وہ اگرچہ توفی کے معنے موت کے کرتے ہیں مذہب ان کا بھی یہی ہے کہ دوبارہ آپؑ کو زندہ کر کے آسمان پر اٹھایا گیا۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ وفات پا گئے اور ان کو غسل دے کر کفن دے کر جنازہ پڑھ کر قبر کھود کر اس میں آپؑ کو دفن کیا گیا۔ البتہ عیسائیوں کا قول جو بھی ہے وہ غلط ہے

یہ الگ بحث ہے کہ ان کا قول مقبول ہے یا مردود۔ قرآنی دیگر آیات کو دیکھا جائے تو یہ معنے صحیح نہیں بیٹھتے۔ البتہ جو موت کا معنے اس طرح لیتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر ہے جب واپس زمین پر تشریف لائیں گے اس کے بعد وفات پائیں گے۔ خوش قسمت مسلمانوں کے ہاتھوں غسل دیئے جائیں گے کفن دیئے جائیں گے آپؑ پر نماز جنازہ پڑھیں گے آپؑ مسلمانوں کے ہاتھوں مقبرۂ نبویؐ میں دفن ہوں گے۔ لیکن سر دست آپؑ کو آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ اور یہ تقدیم و تاخیر یہودیانہ تحریف نہیں[1] بلکہ بڑے بڑے جید علماء متقدمین و سلف صالحین کا ہے دیکھو تنویر المقیاس ص ۴۵ و در منثور ج ۱ ص ۳۶ و معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۶۲ عن ضحاک؛ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۹ عن قتادہ؛ فتح القدیر و مجمع البحار ج ۳ ص ۳۵۴ عن الفراء؛ و مدارک ج ۱ ص ۱۲۷ و کبیر ج ۲ ص ۳۶۵ و خازن ج ۱ ص ۲۳۵ و ابو السعود ج ۱ ص ۱۳۷ و فتوحات الٰہیہ ج ۱ ص ۳۳۴ و کشاف ج ۱ ص ۳۰۶ و بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳ و فتح البیان ج ۱ ص ۳۹۸ وغیرہ

اور تقدیم و تاخیر کے نظائر قرآن و سنّت میں بکثرت ملتے ہیں مثلاً ان ھی الا

---

[1] جیسے ازالہ اوہام ج ۲ ص ۹۲۳، ۹۲۶ اور عسل مصفّٰی ص ۱۳۰۲ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ رافعک الیّ مقدم ہے اور متوفیک مؤخر ہے سو یہ یہودیوں کی طرح تحریف ہوگی کہ جن پر بوجہ تحریف کے لعنت ہو چکی ہے۔ لیکن مرزا تحریف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ تحریف وہ ہے جو قواعد صرف و نحو و بلاغت کے خلاف ہو اور نہ اس کی نظیر ہو نہ دلیل؛

حیٰوتنا الدنیا نموت ونحیی یہی تو دنیا کی زندگی ہے جو ہم مرتے اور جیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہلے زندہ ہوتے ہیں پھر مرتے ہیں۔

طحاوی ص ۳۴۰ میں ہے فقام علیہ السلام فطرح السکین جب بلال نے عرض کی کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے پھر چھری پھینک دی

تفسیر بیضاوی ج ۴ ص ۱۴۵ میں ہے: فما الدھر الا تارتان فمنھما : اموت واخری ابتغی العیش اکدح :

تو گویا اللازم من الواو ھو الاجتماع فی اصل الثبوت واو کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ واو سے پہلے اور بعد دونوں کا ثبوت ہے تقدیم تاخیر کا لحاظ نہیں ہوتا

اور جو قاعدہ مستنبط کیا گیا ہے صرف عیسیٰؑ کی موت ثابت کرنے کے لیے گھڑا گیا ورنہ تو خود

مرزا جی کی طرف توفی کی نسبت ہو تو موت مراد نہیں ہوتی

چنانچہ براہین احمدیہ باب ۱ ص ۵۹۸ میں مرزا کی الہامی کتاب میں حاشیہ در حاشیہ میں ہے

انی متوفیک ورافعک الیّ وجاعل الذین اتبعوک.......................

میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔

مرزا کا خلیفہ اول حکیم نورالدین بھیروی تصدیق ۵ میں آیت قرآنیہ یا عیسیٰ انی متوفیک کا ترجمہ اس طرح کیا "جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں لینے والا ہوں تجھ کو اور بلند کرنے والا ہوں اپنی طرف" معلوم ہوا کہ یہ قانون خلیفہ اول کو مسلم نہیں۔

بلکہ خود "سراج منیر" ص ۲۰ میں مرزا نے انی متوفیک کے معنے لکھے کہ میں تمہیں ذلیل اور لعنتی موتوں سے بچاؤں گا اور کہا کہ اس وقت آیت کے معنے خوب کھلے ہیں۔

تو یہ الہام ہوا اور وحی۔ اور نبی کی وحی غلط نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وحی قطعی ہوتی ہے جس پہ ایمان لانا ضروری ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وحی نے قانون کو رد کر دیا۔

الزامی جواب

نیز مرزا نے ازالہ اوہام ج۲ ص ۱۳۱ میں لکھا: "مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجہ کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے۔ اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پلہ اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی۔ تواتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے اور انجیل بھی اس کی مصدق ہے"

جواب

مرزا حضرت عیسیٰؑ کی موت پر تو بہت زور دیتا ہے۔ اور قد خلت من قبلہ الرسل اپنے استدلال میں پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب کے سب رسول وفات پا چکے ہیں، مگر یہی مرزا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ ص ۲۰ طبع دوم و نورالحق جزو اول ص ۵۰ میں صریح طور پر لکھا ہے کہ ھذا ھو موسیٰ فتی اللہ الذی اشار اللہ فی کتابہ الیٰ حیاتہ وفرض علینا ان نؤمن بانہ حی فی السماء ولم یمت ولیس من المیتین واما نزول عیسیٰ من السماء فقد اثبتنا بطلانہ فی کتابنا الحمامۃ۔ اس کا ترجمہ بھی خود ہی لکھا جو درج ذیل ہے

یہ وہی موسیٰ مردِ خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہم پر فرض ہو گیا کہ ہم اس بات پر ایمان لاویں کہ وہ زندہ آسمان میں موجود ہے۔ اور مُردوں میں سے نہیں۔ مگر یہ بات کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہوں گے سو ہم نے اس خیال کا باطل ہونا اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ میں بخوبی ثابت کر دیا ہے

مرزائیوں کا استدلال اس آیت کریمہ سے اگر وفات عیسیٰؑ کے لیے ہے کہ الرسل کے عموم میں حضرت عیسیٰؑ بھی آ گئے۔ تو اگر عموم آیت کو دیکھیں تو بزعم امت مرزا جیسے وفاتِ عیسیٰؑ ثابت ہوتی ہے ایسے ہی وفات موسیٰ بھی ثابت ہوتی ہے اور مرزا کا جھوٹ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کو آسمانوں پر زندہ مان چکا ہے۔ اور

اگر مرزا الرسل کے لفظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ سمجھتا ہے تو حضرت عیسیٰؑ کو الرسل کے عموم سے مستثنیٰ کہنے میں کونسی رکاوٹ ہے جب کہ قرآن پاک کی دوسری آیات اور احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے بھی آپؑ کا آسمانوں پہ زندہ ہونا صراحت سے ثابت ہے۔ اور عقلِ سلیم بھی آپؑ کو زندہ صحیح سلامت آسمانوں پر ہونے سے ابلہ اور انکار نہیں کرتی۔ بلکہ

خود مرزا نے چشمۂ معرفت ص ۲۱۹ میں اس عقیدہ کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا کہ

"ہماری طرف سے یہی جواب کافی ہے کہ اوّل تو خدائے تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ انسان مع جسمِ عنصری کے آسمان پر چڑھ جائے الخ

نیز اسی کتاب کے ص ۹۶ پر لکھا "خدا تعالیٰ کے قانون کی حد بست کرنا بے ایمانی ہے۔ کیونکہ اپنا قانون اپنے خاص بندوں کے لیے بدل لیتا ہے۔ مگر وہ بدلنا بھی اس کے قانون میں داخل ہے۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ "چشمۂ معرفت" وہ کتاب ہے جس کو مرزا نے اپنی وفات سے کچھ ہی پہلے چھپوایا یعنی ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء میں

ایسا لگتا ہے کہ مرزا اپنے عقیدہ وفاتِ مسیحؑ سے رجوع کر گیا اور اپنے سابقہ عقیدہ کو پھر سے اپنا لیا جو حاشیہ براہین احمدیہ ص ۴۹۹ میں لکھا تھا کہ

"هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق یہ آیت جسمانی اور سیاست کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبۂ کاملہ دینِ اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے جمیع آفاق و اقطار میں دینِ اسلام پھیل جائے گا۔

نیز براہین احمدیہ ص ۳۶۱ میں کہا حضرت مسیح نے کہا تھا کہ میرے بعد ایک

دوسرا آنے والا ہے وہ سب باتیں کھول دے گا اور علم دین کو بمرتبۂ کمال پہنچا دے گا۔ سو حضرت مسیح انجیل کو ناقص کی ناقص چھوڑ کر آسمان میں جا بیٹھے۔

اور ص ۳۶۹ میں لکھا کہ مسیح ایسے ایسے دکھ اٹھا کر باقرار عیسائیوں کے مرگیا!

پھر مرزا نے ۲۲ جنوری ۱۸۹۱ء کو توضیح المرام لکھی تب بھی وہی عقیدہ تھا جو مسلمین کا اجماعی عقیدہ ہے۔ ص ۳ میں لکھا کہ اب ہم صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے لیے یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ بائیبل اور ہماری احادیث اور اخبار کی کتابوں کی رُو سے جن نبیوں کا اسی وجودِ عنصری کے ساتھ آسمان پہ جانا تصور کیا گیا ہے' وہ دو نبی ہیں ایک یوحنا جن کا نام ایلیا اور ادریس بھی ہے۔ اور دوسرے مسیح بن مریم جن کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔ کیا مرزائی بتا سکتے ہیں کہ یہ دیکھو حدیثوں میں "جسم عنصری" کا لفظ"

فائدہ:۔ توضیح المرام کی اس عبارت سے دو مزید فائدے ہاتھ لگے ایک تو یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن حکیم میں آیا ہے ورفعناہ مکانا علیا سو اس رفع سے مراد مرزا نے جسم عنصری کے ساتھ آپؑ کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا لیا ہے اور مرزا صاحب کے نزدیک رفع کے یہی معنے صحیح ہیں جو بائیبل' قرآن' احادیث' اخبار سے ثابت ہیں۔ باوجودیکہ مکانا علیا کے صریح الفاظ ورفعناہ کے بعد مذکور ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ نکلا کہ یسوع اور عیسیٰ دونوں ایک ہی ہستی کے نام ہیں اور وہ ہیں المسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے و لقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لھم ازواجا و ذریۃ بجز اپنی ذاتِ کبریائی کی قسم کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہتیرے پیغمبر بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں بھی دیں اور اولاد بھی دی۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نہ بیوی تھی نہ اولاد۔ خود مرزا جی نے بھی تریاق القلوب حاشیہ ص ۲۰۱ میں اسی بات کی تصدیق کی اور لکھا "ظاہر ہے کہ دنیوی رشتوں کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ی کرلی آل نہ تھی۔

پھر آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۳ کے حاشیہ میں لکھا کہ "اس عبارت انجیل کے بعد اشارات سے پایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح بھی جورو کرنے کی فکر میں تھے۔ مگر تھوڑی سی عمر میں اٹھائے گئے؛ ورنہ یقین تھا کہ اپنے باپ دادے کے نقش قدم پہ چلتے۔ (مرزائی بتائیں "تھوڑی سی عمر" سے کیا مراد ہے؟ — نیلوی)

پس اس بناپر ضروری ہے کہ حضرت المسیح عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ابھی زندہ ہوں۔ پھر آسمان سے نزول فرمانے کے بعد شادی کریں اور صاحب اولاد ہوں پھر اس کے بعد وفات پائیں۔ جیسے مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۰ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری حضرت عیسیٰ آسمان سے زمین کی طرف نزول فرمائیں گے۔ پھر شادی کریں گے۔ اور آپ کی اولاد بھی ہوگی پھر جب آپ کی عمر مبارک ۴۵ سال کی ہوگی تب وفات پائیں گے۔ پھر میرے مقبرے میں میرے ساتھ کی جگہ میں دفن ہونگے

اور اس بات کو خود مرزا جی نے بھی حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۳ وحاشیہ آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۸ میں تسلیم کیا ہے کہ یتزوج ویولد له یعنی اتر کر نکاح کرینگے

پھر چونکہ اس دوران میں مرزا صاحب کے خیالات میں تبدیلی رونما ہوچکی تھی۔ اس لیے ازالہ اوہام ص ۱۹۶ میں یوں لکھ دیا "ممکن ہے کوئی مثیل مسیح ایسا بھی آجائے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے پاس مدفون ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه اے پیغمبر! ہم نے تم پہ یہ کتاب مستطاب اسی غرض سے اتاری ہے کہ جن باتوں میں یہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے رہے ہیں وہ ان کو اچھی طرح سمجھا دو

اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے یہود و نصاریٰ وغیرہ کا اختلاف تھا۔ تو فصاحت و بلاغت کا تقاضا یہ تھا کہ مطابق مقتضیٰ حال کے صریح عبارت کے ساتھ قرآن مجید میں اس طرح ارشاد ہوتا ما المسیح ابن مریم الا رسول وقد مات کسائر الرسل حضرت مسیح ابن مریم جو آخر رسول ہی تو ہیں خدا تو نہیں جو زندہ نہ میرندہ ہے اور مسیح بن مریم دوسرے رسولوں کی طرح وفات بھی پا چکے ہیں۔

دیکھیے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں موت و حیات کا اختلاف نہ تھا پھر بھی صریح الفاظ میں فرمایا ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت بھلا کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی۔

اسی طرح حضرت سلیمان ؑ کے بارے فرمایا فلما قضینا علیہ الموت ما دلہم علی موتہ الا دابۃ الارض پھر جب ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری فرمایا تو جنات کو کسی چیز نے اُن کے مرنے کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے!

اسی طرح حضرت یوسف ؑ کے بارے میں فرمایا ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتیٰ اذا ھلک الآیۃ؛ خط کشیدہ لفظ کے یہ معنے ہیں یہاں تک کہ جب وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) فوت ہو گئے۔۔۔

مگر حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں موت کا صریح لفظ کہیں نہیں آیا۔ بلکہ بل رفعہ اللہ الیہ فرمایا۔ جو ایسا لفظ ہے جس سے بظاہر نصاریٰ کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہ لفظ سن کر فوری طور پر ذہن اسی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگرچہ دوسرے معنیٰ کا ایک موہوم سا احتمال نکالا جا سکتا ہے۔ مگر اس کی تائید میں کوئی چیز نہیں ملتی

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو اول مفسر قرآن ہیں نے بھی ایسی ارشادات فرمائے ہیں جو نصاریٰ کے عقیدہ کی تائید کرتے ہیں جیسے شروع رسالہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

اگر رفع منزلت مراد ہوتی تو حق تعالیٰ خود ہی ایسی عبارت فرماتے جس سے

رفع منزلت کا مفہوم واضح ہو جاتا یا خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم رفع منزلت کے ساتھ اس عبارت کی تفسیر فرما دیتے تاکہ آنے والے مغالطہ میں نہ رہتے۔ پھر آپ کا یہ بیان صحابہ کرام رض ضبط اور محفوظ فرما لیتے۔ پھر وہ ضبط و محفوظ کیا ہوا بیان ہم امتیوں تک من وعن پہنچا دیتے کیونکہ یہ ان کا فرض منصبی تھا چنانچہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جیسے الفاظِ قرآنِ مجید کی تعلیم پر مامور تھے ویسے ہی قرآن پاک کے معانی کی تعلیم پر بھی مامور من اللہ تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ تو اس آیۂ کریمہ میں جیسا کہ الفاظ کے بیان کرنے کا حکم ہے ویسا ہی معانی کے بیان کرنے کا بھی حکم ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابو عبد الرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم سے ان بزرگوں نے بیان کیا جو قرآن کے پڑھنے والے تھے جیسے حضرت عثمان رض اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رض اور ان کے ماسوا کہ جب ہم حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں نہ سیکھ لیتے تب تک آگے نہ بڑھتے یہاں تک کہ ہم سیکھ لیتے تمام وہ کچھ جو اُن میں علم و عمل ہوتا۔ اسی لیے ان بزرگوں کو ایک سورت کے حفظ کرنے میں مدتِ دراز لگ جاتی جیسا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے آٹھ برس کی مدت میں صرف ایک سورۂ بقرہ حفظ کی۔ تو

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کے صرف وہی معنی معتبر ہیں جو صحابہ کرام رض نے کیے ہیں اور ان معانی کے خلاف جو معانی کسی اور نے کیے وہ مردود ہیں (اتقان)

اور مسئلہ متنازع فیھا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معنے فرمائے ہیں وہ آپ شروع رسالہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ع زندہ آسمان پر موجود ہیں۔

اُن پر تا حال موت نہیں آئی۔ آپ آخر زمانہ میں نزول پھر مملکت وسلطنت وقتل دجال وغیرہا کے بعد وفات پائیں گے

خدا معلوم مرزا جی کو اس انوکھے معنے کی کیا سوجھی جو نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی' نہ صحابہ کرام سے ثابت' نہ سلف وخلف سے منقول۔ حالانکہ مرزا جی موصوف نے خود ازالۂ اوہام ص ۷۲۶ میں کہا" میں کہتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسے اجنبی معنے نہیں کیے جو مخالف ان معنوں کے ہوں جن پر صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کا اجماع ہو۔

پھر کمال ڈھٹائی کی بات کرتے ہیں کہ اکثر صحابہ مسیح کا فوت ہو جانا مانتے رہے ..... پھر مخالفانہ اجماع کہاں سے ثابت ہوا دیکھو ازالۂ اوہام ص ۷۲۶۔

پھر ہم سے مرزا جی کا مطالبہ ہے کہ" اگر (حیاتِ مسیح پر صحابہ کا اجماع) ہے تو کم سے کم تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیجیے جو اس بارہ میں اپنی شہادت ادا کر گئے ہیں۔ ورنہ ایک یا دو آدمی کے بیان کا نام اجماع رکھنا سخت بد دیانتی ہے۔

کیا ہم بھی اسی طرح مرزا جی سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ تم بھی وفاتِ مسیح پر صحابہ کا اجماع دکھا سکتے ہو کہ کم سے کم تین سو یا چار سو صحابہ اس بارہ میں شہادت دیں۔

آپ مرزا جی اپنے زعم میں بخاری ص ۶۶۵ میں منقول ہے اور وہ بھی بے سند قال ابن عباس رضی متوفیك ممیتك قطع نظر سند اور مرادی معنے کے ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہی معنے کم از کم تین سو یا چار سو صحابہ سے دکھائیں ورنہ ایک یا دو آدمی کے بیان کا نام اجماع رکھنا سخت بد دیانتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا جی کے اس دعوی کی بنیاد بالکل کھوکھلی ہے کیونکہ تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۲۰۳ و ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۶ میں اس قول کو با ابن سند بیان کیا حدثنی المثنی ثنی معاویۃ عن علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قولہ انی متوفیك

بقول انی ممیتک ۔ اس سند میں علی بن ابی طلحہ ہیں لہ اشیاء منکرات جو ایسی حدیثیں بیان
کرتا تھا جو دوسرے ثقہ راویوں کے خلاف ہوتیں یہ امام احمد بن حنبلؒ نے بتایا ۔ اور ابن
دُحیم بتاتے ہیں کہ علی بن ابی طلحہ نے تو عبداللہ بن عباس رضؓ سے تفسیر سُنی ہی نہیں بلکہ علی و
ابن عباس رضؓ کے درمیان واسطہ ہے ۔ یعقوب بن سفیان نے تو یہ بھی بتایا کہ علی بن ابی طلحہ
ضعیف الحدیث اور منکر ہونے کے ساتھ ساتھ بد مذہب بھی تھا لیس بمحمود المذہب
تقریب ص ۲۴۸ میں تو ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا تک نہیں ۔ یہ تحقیق
ابن عباس سے مرسل روایتیں بیان کرتا ہے ۔ خلاصہ میں قرلوزی نے بھی علی بن ابی طلحہ
کو ضعیف الحدیث کہا (تفصیل کے لیے دیکھو میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۷ ، تہذیب التہذیب
ج ۷ ص ۳۳۹ ، ۳۴۰)

پھر سوچنے کی بات ہے کہ جب توفی کا لفظ بزعم مرزا بین دلیل ہے وفات مسیح
کی اور قرآن مجید کی ۳۰ آیات میں موت کے معنوں میں استعمال ہوا تو ایسے واضح الدلالۃ
کی تشریح کی کونسی ضرورت پڑی تھی کہ ابن عباس جیسے اہل لسان بھی اس کی تشریح
پہ مجبور ہو گئے ۔ پس یہ وہ کوئی اور بات ہے جس کو راوی نے بیان نہیں کیا یا راوی نے
کسی وجہ سے اختصار کر لیا ۔ اور یہ بات دل کو لگتی بھی ہے کیونکہ شروع رسالہ میں
خود حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت گذر چکی ہے جس میں پوری بات بیان ہے انی متوفیك
ممیتك بعد انزالك من السماء فی اخر الزمان

تو مطلب حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ تھا کہ وفات دینا میرا کام ہے مگر وفاۃ دوں گا اس وقت
جب آخر زمانہ میں آسمان سے اتارے جاؤ گے ۔ ابھی نہیں ۔ اور اس میں کئی مصالح ہیں ۔
اور اگر یہ مطلب نہ ہوتا تو صحابہ کرام میں یہ اختلاف مشہور ہوتا اور علماء اس روایت
کا کچھ نہ کچھ جواب دیتے اور یہ ایک مبحث شہیر ہوتا

بخاری رحؒ جو اس قول کو ذکر فرماتے ہیں وہ صرف متوفیک میں احتمال معنی ممیتک

کا بیان کرنا چاہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ متوفیک کے معنی ممیتک لیے جائیں تو اس ایت کا مطلب اس وقت کیا ہوگا تو یہ دوسری روایات کے سمجھنے سے حاصل ہوگا۔ سو بخاری رح امتحان لیتے ہیں کہ دوسری روایات کو تلاش کرو۔ اور ان روایات کو ملحوظ رکھ کر آیت کا مطلب حل کرو جبکہ متوفیک بمعنے ممیتک کے ہوں۔

نیز امام سخاوی نے فتح المغیث ص ۱۹ میں لکھا واقطع بصحة ما قد اسندا ای اث الذی اوردہ البخاری ومسلم مجتمعین ومنفردین باسنادیھما المتصل دون ماسیاتی استثناؤہ من المنتقد وشبھہ مقطوع بصحته کذا الذی لابن صلاح حدیث صح باختیارہ لہ والجزم بانه ھو الصحیح منتقد وغیرہ آنے وہ مستثنیات کے ماسوا بخاری ومسلم دونوں میں ایک کی بسند صحیح لائی ہوئی حدیث قطعاً صحیح ہے مقدمہ ابن صلاح ص ۳۰ میں بھی یوں ہی ہے۔ آگے چل کر فتح المغیث ص ۲۰ میں ہے وبما تقدم تاید حمل قول البخاری ما ادخلت فی کتابی الا ما صح علی مقصودہ بہ وھو الاحادیث الصحیحة المسندة دون التعالیق والآثار الموقوفة علی الصحابة فمن بعدھم والاحادیث المترجم بھا بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی اس کتاب "صحیح البخاری" میں صرف وہ حدیثیں درج کیں جو صحیح مسند ہوں ماسوائے تعلیقات کے اور ان آثار کے جو صحابہؓ یا ان کے بعد والوں پر موقوف ہوں، نیز ماسوائے ان احادیث کے جو ترجمہ وغیرہ کی زینت ہیں

تو بخاریؒ نے ہمیں سمجھا دیا کہ ابن عباسؓ کی طرف منسوب کردہ یہ قول متوفیک ممیتک صحت کے معیار سے گرا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ تعلیق ہے پھر صحابی کا اثر موقوف ہے۔ یہ بسند متصل حدیث صحیح مرفوع نہیں۔

اس لیے اس قول کو اپنے باطل مذہب کی دلیل اور ثبوت میں پیش کرنا بے انصافی اور ظلم یعنی وضع الشئ فی غیر محلہ ہے

نیز جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک

تمام امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے کہ آپؑ آسمانوں میں ابھی تک زندہ ہیں قیامت کے قریب آپؑ آسمان سے زمین کی طرف نزول فرمائیں گے دجال کو قتل کریں گے سلطنت کریں پھر ان پہ موت طاری ہوگی تو معلوم ہوا کہ یہی ہے سبیل المؤمنین

اور فرمان الٰہی ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا[4] (اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا اور مسلمانوں کا رستہ (سبیل المؤمنین) چھوڑ کر دوسرے رستہ پر ہو لیا تو جو کچھ وہ کرتا ہے ہم اس کو کرنے دیں گے۔ اور (آخرکار) اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ جگہ رہنے کی ہے بہت بُری۔

اب یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰؑ ۱۲۰ سال کی عمر پاکر کشمیر میں وفات پاگئے ہیں اور وہیں دفن ہیں اور وہیں آپؑ کی قبر ہے یہ عقیدہ مؤمنین نہیں ہے اور غیر سبیل المؤمنین ہے جس پر چلنا وعید کا سامنا کرنا ہے اعاذنا اللہ من شر الناس وشر الشیاطین

خصوصاً جب کہ ان میں وہ وہ ہستیاں بھی ہیں جن کے نام پر مرزا جی سر دھنتے ہیں اور ان کے مداح ہیں مثلاً امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کے بارے میں ازالۂ اوہام ص ۲۲۰ میں لکھا

"مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب موصوف (امام اعظم کوفیؒ) اپنی قوتِ اجتہادی اور اپنے علم اور درایت اور فہم وفراست میں ائمہ ثلٰثہ باقیہ سے افضل واعلیٰ تھے۔ اور ان کی خداداد قوتِ فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت وعدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے اور ان کی قوتِ مدرکہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی۔ اور ان کی فطرت کو کلام الٰہی سے ایک خاص مناسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے اسی وجہ سے اجتہاد واستنباط میں ان کے لیے وہ درجہ علیا مسلم تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے لوگ قاصر تھے۔ سبحان اللہ اس زیرک وامام ربانی نے الخ

ازالۂ اوہام ط ۲ ص ۱۳۱ میں ابن حزم ظاہری کے بارے میں لکھا (ط ۵ ص ۱۱۰)

جناب حافظ ابن کثیر ان اکابر و محققین میں سے ہیں جن کی آنکھوں کو خدا تعالیٰ نے نورِ معرفت عطا فرمایا تھا۔

اب جب مرزا صاحب ان حضرات کی اس قدر مدح سرائی کرتے ہیں تو پھر اُن کو چاہیے کہ انکی باتیں بھی تسلیم کریں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں مرزا کی کیفیت اس کے برعکس ہے۔

بحث توفی بانداز دیگر

توفی کے حقیقی معنی ہیں ایک چیز کو پورا پورا قبضہ میں کر لینا مکمل اٹھا لینا۔

لسان العرب میں ہے توفیت المال منہ و استوفیتہ اذا اخذتہ کلہ، جب انسان دوسرے سے پورے کا پورا سارے کا سارا مال لے لے تو کہتے ہیں کہ توفیت المال منہ میں نے اس سے پورا پورا مال لے لیا وصول کر لیا اب اس کے پاس باقی کچھ نہیں رہا۔ صحاح ج ص   میں ہے التوفی اخذ الشئ وافیا چیز کو پورا پورا لے لینا جس میں سے کچھ باقی نہ رہے۔ دیکھو عسل مصفٰے ص ۲۶۳

صاوی حاشیہ جلالین ج۱ ص ۳۱۵ میں ہے یستعمل التوفی فی اخذ الشئ وافیا ای کاملاً توفی کا استعمال کسی چیز کو کامل و مکمل طور پر لے لینے میں ہوتا ہے

جامع البیان ص ۱۱۱ میں ہے التوفی اخذ الشئ وافیاً

مجمع البحار میں بھی اسی طرح ہے

مغرب ج۲ ص ۲۵۶ میں ہے استوفاہ و توفاہ اخذہ کلہ پورا پورا اس کو لے لیا

آگے لکھتے ہیں لان الترکیب دال علی التمام والکمال یہ و۔ف۔ی حرفوں کا جوڑ تمام اور کمال کے معنے کی نشان دہی کرتا ہے۔ مقاییس اللغۃ میں ابن فارس نے بھی لکھا

تاج العروس ج ص ۳۹۴ میں ہے استوفاہ و توفاہ ای لم یدع منہ شیئاً فہما

مثلا وعان بأذفاه ووفاه ووافاد۔ استوفاه اور توفاه دونوں کے یہ معنی ہیں کہ چیز کو اس طرح اپنے قبضے میں لیا کہ اس میں سے کچھ بھی باقی نہ چھوڑا۔

مجمع البحار میں ہے ویکون الوفاة قبضا لیس بموت۔ وفاة ایسے قبض (قبضے میں لے لینے) کو بھی کہتے ہیں جو موت نہ ہو (مثلاً نیند اور آسمان کی طرف اٹھا لینا)

صافی نے لکھا والموت نوع منہ وفات کے معنے جنس قبض۔ موت بھی قبض اور توفی کے انواع میں سے ایک نوع ہے

بیضاوی: التوفی اخذ الشئ وافیا والموت نوع منہ فان اصلہ قبض الشئ بتمامہ

ابوالسعود: ...

رازی: ...

قسطلانی: ...

حسینی: پس آن ہنگام کہ مرا فرا گرفتی یعنی رفع کردی بآسمان

تفسیر بحر مواج: پس آنگاہ کہ مرا متوفی گردانیدی وبہ جہانے دیگر رسانیدی

تفسیر خازن: فلما توفیتنی یعنی فلما رفعتنی الی السماء فالمراد بہ وفاة الرفع لا الموت

تفسیر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی: فلما توفیتنی جب تو نے مجھے محجوب کیا (نفس عیسوی)

شاہ اسمٰعیل شہید نے یہ معنے کیے پھر جب تو نے مجھ کو اپنی طرف پھیر لیا اور میں آسمان پہ گیا پھر مجھ کو خبر نہیں کہ انہوں نے میرے بعد کیا کیا (تذکیر الاخوان ص ۱۲۹)

یاد رہے ہمارا تنازع اس وفات میں ہے جو نزول عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے سمجھی گئی ہے جس کے مدعی مرزا جی ہیں کہ وہ عیسیٰ بن مریم ناصری نبی جس کے نزول کی خبر حدیثوں میں ہے وہ مرزا کے نزدیک ایک سو بیس برس کی عمر پا کر فوت ہو چکا ہے وہ اب نہیں آسکتا۔ اس کی جگہ مرزا کہتا ہے میں آیا ہوں

یہ مرزا کی بات غلط ہے کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اُن کی وفات کی خبر دیتے (کیونکہ بزعم مرزا حضرت عیسیٰ ابن مریم کی وفات نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساڑھے چار سو سال پہلے ہو چکی۔ لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موت کی خبر دی نہیں بلکہ حیات عیسیٰ کی خبر دی اور نزول من السماء الی الارض کے بعد وفات کفن دفن ان کا بتایا۔ اگر مرزا کی بات صحیح مانیں تو حضورؐ کی بات کو جھوٹ کہنا ہوگا جو صریح کفر ہے بلکہ والعیاذ باللہ ہمارے نبیؐ نے اپنی امت کو مغالطہ میں رکھا۔ اور مجہول پہیلیوں میں پڑا چھوڑ گئے۔ کہ مسیح ؑ سے مراد مثیل مسیح لیا۔ عیسیٰ بن مریم سے مراد غلام احمد بن چراغ بی بی لیا اور ملک شام سے مراد ملک پنجاب لیا۔ بیت المقدس سے مراد قادیان لیا لد سے مراد لدھیانہ لیا نزول سے مراد خلق لیا وغیرہ وغیرہ۔ پھر صحابہ کرام رضؓ جو آپ کے اولین مخاطب تھے ان کو ظاہری مفہوم سمجھ آیا وہ بھی اسی مغالطہ کا شکار رہے پھر سلف وخلف محدثین و مفسرینؒ ائمہ مجتہدینؒ متکلمینؒ مورخینؒ صوفیائے کرامؒ فقہاء عظامؒ مصنفینؒ شارحینؒ سب کے سب اسی مغالطہ میں رہے اور لوگوں کو بھی اسی مغالطہ میں ڈالا تیرہ صدیاں اسی غلط عقیدہ پر گذر گئیں۔ اب چودھویں صدی کے سر پر ایک شخص انگریزی سیاست میں ملوث پنجابی قادیان کا باشندہ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ جو میں سمجھا ہوں وہی صحیح ہے باقی سب نظریئے غلط ہیں۔ جب دلیل پوچھی جائے تو اپنا کشف والہام پیش کرتا ہے جو ظنی اور وہمی بات ہے۔ پھر یہ بات کی جاتی ہے کہ کشف والہام تو ظنی ہیں عقیدہ کے لیے کارآمد نہیں تو جواب ملتا ہے کہ میں نبی ہوں میرا کشف والہام قطعی ہے اس پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسے تورات انجیل قرآن پر بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اور اس کی حالت ایسی ہے کہ مراق مالیخولیا ذیابیطس ہسٹریا وغیرہ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہے جن سے پیغمبروں کی ذات پاک اور منزہ رہے ہیں۔ اور فاسق فاجر زناکار شرابی کبابی کھاؤ پیو جھوٹا ہیری پھیری کرنے والا چالاک عیار اس ملک میں موجودہ

دور میں انسانوں کی کمی نہیں ہے۔ کئی اندر باہر سے ایک ہی ہوتے ہیں اور کئی تقدس کے بھیس میں لوگوں کو خراب کرتے ہیں۔ اللہ ان سے محفوظ رکھے۔

جو خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں ان کے کشف و الہام کے بارے تو مرزا کا نظریہ یہ ہے کہ "پیشگوئیوں کی تاویل و تعبیر میں انبیاء علیہم السلام بھی کبھی غلطی کھاتے ہیں" اس سے پہلے کہا "کئی پیشگوئیاں ان کی بہ سبب غلط فہمی کے پوری نہیں ہوسکیں"۔ آگے لکھا "چونکہ وہ (نبی) انسان ہیں، اس لیے تفسیر میں کبھی احتمال خطا کا ہوتا ہے۔" دیکھو

ازالۂ اوہام ط ۵ ص ۲۸۱ -

مگر مرزا اپنے کشف و الہام میں غلطی کا احتمال نہیں سمجھتا

آگے چلیے۔ مرزا کا نظریہ ہے کہ نبیوں پر شیطانی الہام بھی ہوتے ہیں۔ ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۰۷ میں لکھا "والعیاذ باللہ عیسیٰ کو تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا جس کی وجہ سے خدا سے منکر ہونے کے لیے تیار ہوگئے"

کیا مرزا پر شیطانی الہام نہ ہوتا تھا؟ یقیناً شیطانی الہام ہوتا ہے جس کی دلیل ہے قرآن و سنت اور اجماع صحابہ و سلف و خلف کے خلاف ہونا۔

یاد رہے کہ نبی رسول کا کشف و الہام قطعی ہوتا ہے۔ غیر نبی اگر ولی ہے تو اس کا کشف و الہام ظنی ہوتا ہے اگر شرع شریف کے موافق ہو تو مقبول۔ ورنہ مردود اور فاسق و فاجر بلکہ کافر کو بھی کشف ہو جاتا ہے وہ البتہ شیطانی ہے جو استدراج ہے گمراہی کی طرف جانے کا سبب بنتا ہے۔

امام مالک کا عقیدہ نمبر ۱۵ میں گزر چکا اب امام مالکؒ کی طرف نسبت کرنا کہ وہ وفاۃ عیسیٰؑ کے قائل تھے بہتان عظیم ہے۔ اس رسالہ کا صفحہ ۴۹ دوبارہ دیکھیں تسلی ہو جائیگی امام بخاری نے باب نزول عیسیٰؑ بن مریم منعقد کیا ہے وہ اگر وفاۃِ مسیح قبل نزول من السماء کے قائل ہوتے تو یہ باب منعقد فرماتے خاص کر جب کہ بزعم مرزا مسئلہ مختلف فیہ تھا

ابن جریر کا عقیدہ نمبر ۲، میں گذر چکا اب ان کی طرف وفاۃ مسیح کی نسبت بہتان ہے
جبائی معتزلی کا عقیدہ نمبر ۲۳ میں گذر چکا ان کی 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
امام حسن رض کا عقیدہ نمبر ۳ میں گذر چکا۔ ان کی 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
شیخ عبدالحق محدث رح 〃 نمبر ۲۰ میں گذر چکا۔ ان کی 〃 〃 〃 〃 〃 〃
حافظ محمد لکھوی کا 〃 نمبر ۲۱ میں گذر چکا ان کی 〃 〃 〃 〃 〃 〃
نواب صدیق حسن خان کا عقیدہ نمبر ۳۳ میں گذر چکا۔ ان کی طرف وفاۃ مسیح کی نسبت بہتان ہے
ابن تیمیہ رح کا عقیدہ نمبر ۲۲ میں گذر چکا ان کی طرف وفاۃ مسیح کی نسبت بہتان ہے۔
ابن قیم رح کا عقیدہ نمبر ۲۲ میں گذر چکا 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

کیا مسیح ناصری اور مسیح محمدی دو شخصیتیں ہیں؟

ازالۃ الاوہام حصہ اول ص ۲۱ میں ہے کہ مسیح اول اور ہے اور مسیح ثانی اور۔

بخاری ص ۴۸۹ میں بروایت ابن عمر رض مسیح ناصری کے بارے حضور ص کا فرمان ہے رأیت عیسٰی و موسٰی وابراھیم فاما عیسٰی فاحمر جعد میں نے عیسٰی ع موسٰی ع و ابراہیم کو دیکھا۔ تو عیسٰی ع سرخ رنگ کے اور گھنگریالے بالوں والے ہیں۔ اور مسیح محمدی کے بارے بروایت ابن عمر رض آپ کا فرمان ہے تضرب بین منکبیہ رجل الشعر حضرت عیسٰی کے بال دو کندھوں کے درمیان اور سیدھے تھے اور رنگ گندمی تھا۔

جواب: رَجِل کے معنے "سیدھے بال" نہیں۔ لسان العرب ج ۴ ص ۹ میں ہے الجعد من الشعر خلاف السبط وقیل ھو القصیر منہ جعد وہ بال ہیں جو خلاف سبط ہوں۔ بعض نے جعد کے معنے کیے "چھوٹے بال"

ج ۱۳ ص ۲۸۹ میں ہے الرّجل بین السبوطۃ والجعودۃ وہ بال رَجِل کہلاتے ہیں جو نہ سیدھے ہوں اور نہ بہت پیچیدہ۔ وفی صفتہ صلی اللہ علیہ وسلم کان

شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم رَجِلًا ای لم یکن شدید الجعودۃ ولا شدید السبوطۃ بل بینھما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال رَجل تھے یعنی درمیانے خمدار۔

مختار الصحاح ص ۲۳۱ میں ہے شعر رَجْلٌ و رَجِلٌ لیس شدید الجعودۃ ولا سبط شعر رَجْلٌ رَجَلٌ رَجِلٌ جو بال نہ بہت پیچیدہ ہوں اور نہ بالکل سیدھے

قاموس ج ۳ ص ۳۸۲ میں ہے شَعْرٌ رَجْلٌ وکَجَبَل وکَتِف بین سبوطۃ والجعودۃ اسی طرح تاج العروس ج ۷ ص ۳۳۶ میں ہے

اقرب الموارد ج ص ۳۰۵ میں ہے شعر رَجْلٌ بین السبوطۃ والجعودۃ۔

فقہ اللغۃ ص ۶۶ میں ہے و رَجِلٌ اذا کان غیر جعد ولا سبط

منجد ص ۲۵۲ میں ہے الرَّجِل من الشعر ما بین الجعودۃ والاسترسال

اساس البلاغۃ ص ۱۶۱ میں ہے شعر رَجِل بین السبوطۃ والجعودۃ۔

غیاث اللغات ص ۱۹۳ میں ہے رَجل بالفتح را وکسر جیم موئے فرو ہشتہ خلاف جعد۔ از منتخب، مصباح اللغات ۲۵۰ میں ہے الرَّجِل من الشعر کم گھنگھریالے بال؛

مصباح اللغات ص ۱۰۵ میں ہے الجعد من الشعر گھنگھریالا

اقرب الموارد ج ۱ ص ۱۲۵ میں ہے الجعد من الشعر ما فیہ التواء وتقبض او القصیر منہ جعد وہ بال ہیں جن میں موڑ کنڈل اور سکڑنا پایا جائے یا چھوٹے بال،

منتہی الارب ج ص ۱۶۰ میں ہے جعد کے معنے موئے مرغول یا موئے کوتاہ؛

یعنی پیچ وخم والے بال یا چھوٹے بال

غیاث اللغات ص ۱۲۰ میں ہے جَعْد بالفتح موئے مرغول سرو بالضم خطا است از منتخب و سروری و مؤید و سراج و کشف؛

منجد ص ۳۲۵ میں ہے السبط الشعر السہل واسترسل وھو ضد جعد

سیدھے بال نیچے لٹکے ہوئے ہیں۔ جعد کے الٹ

منتھی الارب ج ۲ ص ۴۹۷ سبط موئے فروہشتہ نقیض جعد

اقرب الموارد ج ۱ ص ۴۹۰ سبط الشعر سھل واسترسل

مختار الصحاح ص ۲۸۴ میں ہے شعر سبط ای مسترسل غیر جعد نیچے لٹکے ہوئے بال جو گھنگریالے اور خم دار نہ ہوں

فقہ اللغۃ ص ۲۶ میں ہے سبط اذا کان مسترسلا لٹکے ہوئے بال۔

غیاث اللغات ص ۲۱۷ میں ہے سَبِط بالفتح و بفتحتین و بہ فتح اول و کسر ثانی موئے

یعنے موئے کہ جعد نباشد یعنی فروہشتہ باشد۔ از منتخب و لطائف

مصباح اللغات میں ہے شعر سبط سیدھے بال

بخاری ص ۵۲۳ میں ہے کان شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا لا جعد ولا سبط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ چاہتے تھے یعنی درمیانے خدار کسی قدر بل کھائے ہوئے

ابن ماجہ ص ۲۶۶ میں ہے کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعرا رجلا حاشیہ انجاح الحاجہ میں رجل کا مفہوم لکھا ای بین الجعودۃ والسبوطۃ درمیانے خم دار آپ کے بال تھے۔

مسلم میں ہے کان شعرا رجلا لیس بالجعد ولا السبط

نسائی ج ۲ ص ۲۹۱ میں ہے رجلا وھو الذی بین الجعودۃ والسبوطۃ قالہ الاصمعی وغیرہ رجل وہ بال ہیں جو نہ پورے پیچ و خم والے اور نہ سیدھے ہوں اصمعی وغیرہ نے کہا۔

یہ روایۃ حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ، انسؓ، براء بن عازبؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابن ابی ہالہؓ، ابو جحیفہؓ، جابرؓ، ام معبدؓ، ابن عباسؓ، معرض بن معیقیبؓ، ابو الطفیلؓ، عداء بن خالدؓ، خریم بن فاتکؓ، حکیم بن حازمؓ، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے۔

....

تطبیق

تطبیق: جَعد کے دو معنے ہیں ۱۔ پیچیدگی ۲۔ چھوٹا پن۔ اس لئے ممکن تھا کہ کوئی شخص جَعد سے دوسرا معنے مراد لے جو کہ بالوں کے عیبوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے سبط کا لفظ بڑھایا تاکہ لمبائی اور استرسال پر بھی دلالت کرے جس کے ملانے سے جعد السبط ہوئے یعنی لٹکے ہوئے اور تھوڑے خمدار جو بالوں کی غایت درجہ وصف حسن ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے واذا قالوا رجل جعد السبوطة مدح۔

اس کی تشریح دوسرے عنوان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجل الشعر یعنی حضرت عیسےٰؑ کے بال قدرے گھنگریالے تھے

(۲) احمر (سرخ) آدم (گندمی رنگ) سو اس طرح دونوں کا اجتماع ممکن ہے، خود امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا فاذا رجل آدم کاحسن ماتریٰ من اُدم الرجال (حضرت عیسےٰ علیہ السلام گندمی رنگ والوں میں سے نہایت عمدہ رنگ والے تھے) تو جب گندمی رنگ احسن طریق پر ہو تو ضرور سرخی دے گا۔ نہ کہ گو ہڑا سرخ رنگ ہو؛

عن سالم عن ابیه قال لا واللہ ما قال النبی صلی اللہ علیه وسلم لعیسٰی علیه السلام احمر ولکن قال بینما انا نائم اطوف بالکعبة فاذا رجل آدم بخدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسٰی علیہ السلام کو احمر نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ میں نیند میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی نظر آیا گندمی رنگ کا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے بھی دو قسم کے لفظ آتے ہیں۔ مگر یہاں سے کسی نے دو محمد نہیں سمجھے۔

نہایت درجہ کا اتصال یہ ہے کہ ایک شخص بعینہ وہی ہو جائے جس میں وہ ظاہر ہوا اور خود نظر نہ آئے جیسا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے ابو محمد بن حزم محدث سے معانقہ کیا پس ایک دوسرے میں غائب ہو گیا۔ بجز ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظر آیا۔

خدا بخش قادیانی منظور نظر اصحابی مرزا قادیانی عسل مصفٰے ج ۱ ص ۱۹۱ میں لکھا

امام حسن بصری۔ دنیائے اسلام میں صوفیائے کرام کے سلسلے کے سرتاج مسلّمہ جیسیوں مجددینِ امت کو ان کی غلامی کا فخر حاصل ہے۔ امام حسن بصری بن عباسؓ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور تم یہود یو اکسی ایک بزرگ کے فرمان کو تو قبول کرو۔ میں نہ مانوں میں نہ مانوں کی رٹ کب تک لگاؤ گے۔

امام بخاریؒ کے بارے میں ازالہ اوہام کے مختلف مقامات میں لکھا

امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری شریف اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے یعنی قرآن کریم کے بعد اس کا درجہ ہے۔ امام بخاری فن حدیث میں ناقد بصیر ہیں۔ امام بخاری نیر علوم دین تبلیغ رسالت ج ۲ ص ۲۵ میں ہے: صحیحین بخاری اور مسلم کو تمام کتب پر مقدم رکھا جائے۔ اور بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے لہٰذا اس کو مسلم پر مقدم رکھا جائے۔

ازالہ اوہام ط ۵ ص ۳۶۰ میں ہے: میرے پر یہ بہتان کہ گویا میں صحیحین کا منکر ہوں آپ کے لیے کچھ بھی مفید نہ ہوگا...... اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنے تائیدی دعویٰ میں کیوں بار بار ان کو پیش کرتا؟

ابن جریر کے بارے آئینہ کمالات اسلام ص ۱۶۸ میں لکھا کہ " اور ابن جریر بھی جو رئیس المفسرین ہے۔ اور چشمہ معرفت کا حاشیہ ص ۲۵۰ میں ہے: ابن جریر جو نہایت معتبر اور ائمہ حدیث میں سے ہے۔

ابن کثیر کے بارے آئینہ کمالات اسلام ص ۱۵۸، ۲۵۰ میں لکھا

۱ کانما صیغ من فضۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر مطہر معطر ایسا قد مضید تھا کہ گویا چاندی سے ڈھالا گیا ہے۔ اور

۲ ابیض مشرب ۔ والمشرب الذی فی بیاضہ حمرۃ آپ گورے رنگ کے مشرب تھے۔ اور مشرب وہ رنگ ہے جس کی سفیدی میں سرخی بھر دی گئی ہو

تو جس طرح ان دو قسموں کے اوصاف سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ذاتیں تصور نہیں کی سکتیں۔ اسی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام کی بھی دو ذاتیں تصور نہیں کی جاسکتیں۔

کثرت یا قلت استعمال کا بہانہ

کہتے ہیں کہ توفاہ اللہ کے معنے تمام قرآن وحدیث وغیرہ ہزاروں جگہ موت ہی کے معنے میں استعمال ہوا۔ پھر ازالہ اوہام حوالہ ص ۴۰۰ کے حاشیہ میں مرزا جی نے لکھا ہے "قرآن شریف میں اول سے آخر تک جس جس جگہ تَوَفّی کا لفظ آیا ہے ان تمام مقامات میں توفی کے معنے موت ہی لیے گئے ہیں ۱۲ منہ"

پھر ص ۲۶۲ میں لکھا "کم سے کم ۲ ہزار مرتبہ توفی کا لفظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بعثت کے بعد اخیر عمر تک نکلا ہے اور ہر ایک لفظ توفی کے معنے قبض روح اور موت تھی"

مع ہذا براہین احمدیہ ۔ باب ص ۵۹۸ میں اپنی الہام شدہ عبارت انی متوفیک ورافعک الیّ..... اپنے متعلق فِٹ کی ہے اس کا ترجمہ خود لکھا "میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا

۳ نیلوی کہتا ہے کہ یہ کونسا قاعدہ ہے کہ جب فعل توفّی ہو اور فاعل اللہ ہو اور مفعول مرزا جی ہوں تب توفی کے معنے ہوں گے پوری نعمت دینا ہوگا۔ لیکن جب

منقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں پھر بار چون و چرا معنے وفات دینے کے ہونگے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی ذی روح نہیں تبھی لیتے تو یں توفی کا لفظ موت کے معنے نہیں لیتے

پھر کثیر الوقوع ہونے کو آڑ بتاتے ہیں حالانکہ قلیل الاستعمال ہونا ایک لفظ کا مانع نہیں بن سکتا۔ دیکھو قرآن کریم میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ ان کو ایک معنے میں بکثرت استعمال کیا گیا ہے مگر ایک دو مقام میں دوسرے معنے میں استعمال ہو مثلاً بَعْل کا لفظ قرآن پاک میں کئی جگہ ذکر ہے سب جگہ شوہر کے معنے ہیں مگر اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا میں بَعْل سے مراد بُت ہے

اسف کے لفظ سے قرآن میں ہر جگہ حزن و غم کے معنے لیے گئے ہیں مگر فلما اٰسفونا انتقمنا منھم میں غصہ دلانے کے معنے لیے گئے ہیں یعنی پھر جب ان لوگوں نے اپنی نافرمانیوں سے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا

مصباح سے مراد قرآن میں عموماً ستارہ ہے مگر سورۂ نور میں مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح میں مصباح سے چراغ مراد ہے یعنی اس کی نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ رکھا ہو

قنوت سے مراد قرآن میں ہر جگہ اطاعت ہے مگر کل لہ قانتون میں قانتون سے مراد اقراری ہے

صلوٰۃ سے مراد قرآن میں ہر جگہ نماز، دعا، شاباش ہے مگر لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد میں صلوات سے یہود کے عبادت خانے مراد ہیں۔

بروج کے معنے قرآن میں ہر جگہ "ستارے" ہیں مگر ولو کنتم فی بروج مشیدۃ میں بروج کے معنے پختہ مکانات کے ہیں

فحشاء کے معنے قرآن میں ہر جگہ بے حیائی کے ہیں مگر الشیطٰن یعدکم الفقر

دیا ہو کہ بالفحشاء میں فحشاء سے بخل مراد ہے۔ شیطان تم کو بخل کرنے کا حکم دیتا ہے
یقین کے معنے قرآن میں ہر جگہ پختہ اعتبار کے ہیں مگر واعبد ربک حتی یاتیک
الیقین میں موت معنے ہیں موت آنے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔

اسی طرح اگر توفی کا لفظ مجاز متعارف ہونے کی وجہ سے دوسرے مقامات پر
موت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے تو کیا ہوا اس مقام پر بہرحال زندہ آسمان کی
طرف اٹھائے جانے کے ہی معنے ہیں کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہی معنے
بتائے ہیں اور بڑی وضاحت کے ساتھ اس کا مفہوم سمجھایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم خود بھی اوپر سے ہو آئے ہیں جنت دوزخ بھی دیکھ آئے ہیں اور آپ سے پہلے
بھی بائیبل وغیرہ کے کہنے کے مطابق کئی آدمی آسمان کو زندہ اٹھالیے گئے جنہیں مرزا
جی بھی تسلیم کرتا ہے

دبستان مذاہب ص ۸۹ میں ہے چوں زردشت بکنار آب آمد سر و تن را چوں
دلِ خویش فرو شست باجامہائے پاک مشغولِ نماز گشت ہمدراں روز بہمن کہ بزرگترین
ملائکہ ہست و اہلِ اسلام او را جبرئیل نامند بیاید با جامہائے نورانی از زردشت نام
پرسیدہ گفت از دنیا چہ کام جوئی؟ زردشت جواب داد کہ مرا بجز رضائے یزدان
آرزوئے نیست وغیر از راستی دلِ من نمی پژوہد و گمانم کہ تو مرا بہ نیکی راہ نمائی۔ پس
بہمن گفت برخیز تا نزد یزدان شوی۔ و آنچہ خواہی از حضرت او سوال کنی کہ از کرم ترا
پاسخ سود مند دہد۔ پس زردشت برخاست بفرمودہ بہمن یک لحظہ چشم فروبست
چوں چشم بکشاد خود را در روشن منیر یافت الخ

سلاطین باب ۲ آیت ۱۔ اور یوں ہوا کہ جب خداوند نے چاہا کہ ایلیا کو بگولے میں
اڑا کر آسمان پر لے جاوے۔ تب ایلیاس الیسع کے ساتھ جلجال سے چلا ..... آگے آیت ۱۱
میں لکھا اور جب وہ دونوں چلے جاتے اور باتیں کرتے جاتے تھے تو دیکھو ایک آتشی

گاڑی اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی اور الیاس بگولے میں آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ اور الیسع نے اسے دیکھا اور چلایا ......

اور الیاس کی چادر جو اُس سے گر گئی تھی اس نے اُٹھا لی۔ اور واپس چلا

تکوین ۵: ۲۳: اور حنوک (ادریس) کے کل ایام تین سو پینسٹھ برس ہوئے اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اور خدا نے اسے اٹھا لیا۔ اور وہ نمودار نہ رہا۔

اور یشوع بن سیراخ ۴۴: ۱۶: حنوک نے خداوند کو خوش کیا۔ اور فردوس میں منتقل کیا گیا۔ وہ تمام پشتوں کے لیے تعجب انگیز صاحب عرفان ہے؛

عبرانیوں کے نام ۱۱: ۵: ایمان ہی سے حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے اور وہ نمودار نہ رہا۔ اس لیے کہ خدا نے اسے اٹھا لیا تھا

مرزائیوں کے اعتراض کا جواب

اعتراض: رفعہ اللہ الیہ کے ساتھ الی السماء کا اضافہ تحریف قرآن ہے

جواب الزامی: رفعہ اللہ الیہ کے ساتھ رفع روحانی کا اضافہ بھی تحریف قرآن ہے بلکہ بہت سے الفاظ بڑھانے پڑتے ہیں مثلاً وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وصلب جسدہ ورفع روحہ یہ تحریف بھی ہے اور عیسائیوں کا مذہب بھی یہی ہے جیسے گذر چکا تو قرآن میں جیسے آسمان کا لفظ نہیں ایسے ہی روح کا لفظ بھی نہیں

جواب تحقیقی: انجیل میں آسمان کا لفظ موجود تھا اور اب بھی موجود ہے قرآن مجید واقعات گذشتہ کو اختصاراً بیان کر دیتا ہے۔ جو کتب سابقہ میں غلطی ہو اس کی اصلاح فرما دیا کرتا ہے اب جو اُن کتب میں حضرت عیسیٰؑ کا صلیب دیا جانا ذکر تھا اس کی تردید کر دی اور رفع آسمان کا ذکر تھا اس کی تصدیق رفعہ اللہ الیہ کہہ کر کی کیونکہ متبادر رفع سے رفع جسم ہی ہوتا ہے اور انجیل میں اس کی تفصیل بھی ہوئی پھر سنت و اجماع امت سے

تائید بھی ہوئی۔ اس لیے الیہ سے مراد اِلیٰ سمائی ہوگا جیسے صاحب کشاف معتزلی کو بھی تسلیم ہے حالانکہ معتزلہ فرقہ عقل سے نص کی تاویل کرتے ہیں مگر یہاں تاویل نہیں کی

اس سے یہ بات بھی سمجھ آگئی کہ جسم عنصری کا آسمان پر جانا خلاف عقل نہیں ہے

اعتراض: کیا خدا آسمان پر ہی ہے زمین پر نہیں ہے؟ خدا تو ہر جگہ ہے!

الزامی جواب: مرزائیوں کا خدا تو واقعی آسمان پر ہے۔ جس نے مرزا کا نکاح آسمان پر پڑھا۔ پھر حقیقۃ الوحی ص ۹۵ میں ہے (بیٹے کے بارے) کَاَنَّ اللّٰہ نزل من السماء گویا آسمان سے خدا اتر آئے گا۔ حقیقۃ الوحی ص ۹۰ میں ہے قال ربك انی نازل من السماء ما یرضیك تیرا رب فرماتا ہے کہ ایک امر آسمان سے نازل ہوگا کہ تو خوش ہو جائے گا

اس قسم کی بہت سی عبارتیں مرزا جی کی کتب میں موجود ہیں

تحقیقی جواب: خدا کی حکومت، علم، قدرت، جلوہ، تصرف ہر جگہ ہے زمین میں بھی آسمانوں میں بھی۔ مگر آسمانی کتابوں کا یہ محاورہ ہے کہ علو شان خداوندی اور غایت شرف کے اظہار کے لیے السماء کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسی محاورہ میں بل رفعہ اللہ الیہ فرمایا۔ جیسے ثم استویٰ علی العرش اور ءَ امنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا ھی تمور ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصبا اس کا ترجمہ مرزائی عبدالحکیم خان ایم۔ بی نے اس طرح کیا کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے..... کیا تم نڈر ہو گئے اس سے جو بلندیوں میں ہے۔

پھر کہتے ہیں رفع روحانی تو سب نیکوں کا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی کیا خصوصیت تھی؟

پھر کہا جاتا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جو صلیب مرا وہ لعنتی موت مرا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لعنتی موت سے بچ گیا اور روحانی رفعت اسے حاصل ہوئی۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہود کا ہرگز یہ اعتقاد نہ تھا کہ اگر کوئی بے گناہ بھی پھانسی دیا جائے تو ملعون ہوتا ہے۔ کیونکہ تورات میں صاف لکھا ہے "اور اگر کسی نے

کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور وہ مارا جائے اور تُو اسے درخت پر لٹکا دے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تُو اسی دن اسے گاڑ دے۔ کیونکہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے۔ اس لیے چاہیے کہ تیری زمین جس کا وارث خداوند تیرا خدا تجھ کو کرتا ہے، ناپاک نہ کی جائے" (استثناء ۲۱: ۲۲-۲۳)

مگر پولوس جس کے نزدیک شریعت لعنت ہے۔ ماقبل عبارت کو نظر انداز کر کے مطلق کہہ دیتا ہے "جو کوئی دار پہ لٹکایا گیا وہ ملعون ہے" (غلاطیوں کے نام ۳: ۱۳)

مرزائی صاحبان نے بھی پولوس کی بات تسلیم کر لی جو ایک جھوٹا نبی تھا۔ سچ کہتے ہیں،

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ؛ کبوتر با کبوتر باز با باز

سو جھوٹے نبی نے جھوٹے نبی کی اتباع، اقتداء، و تقلید میں کی اور نام الہام کا۔

رفع الی السماء کو توفی سے تعبیر کرنے کا نکتہ

نکتہ رفع الی السماء کی توفی سے تعبیر کرنے کا یہ ہے کہ لما علم اللہ ان من الناس من یخطر بباله ان الذی رفعه الله هو روحه لا جسده ذکر هذا الکلام لیدل علی انه علیه السلام رفع بتمامه الی السماء بروحه وجسده (رازی ج ۲)

چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کسی شخص کے دل میں خیال بھی گذرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف روح کو اٹھایا تھا اور جسم کو نہیں اٹھایا تھا اس لیئے اللہ نے انی متوفیك فرمایا تاکہ اس امر پہ دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتمامہ مع جسم اور روح کے زندہ آسمان پہ اٹھالیا

رفع کے معنے "عزت کی موت" کہیں نہیں ہے۔ نہ کسی محاورہ میں اس معنی میں مستعمل ہے۔ اعزاز و اکرام کے معنے بھی نہیں

صراح میں رفع کے معانی لکھتے لکھا و نزدیک گردانیدن کسے را بہ کسے صلتہ بالی ومن ذلك قولهم رفعته الى السلطان کسی کو کسی کے نزدیک کرنا۔ اس کا صلہ الی ہوتا ہے محاورہ ہے رفعته الى السلطان میں اس کو بادشاہ کے سامنے لے گیا اس محاورہ میں عزت واحترام ملحوظ ہے نہ ذلت وامتحان۔ اگر وہ شخص بادشاہ کا منظور نظر ہے تو حضور شاہی میں اس کی عزت ہوگی اور اگر کوئی مجرم ہے تو مستوجب سزا ہوگا۔ بادشاہ کے حضور میں عزت و ذلت یعنی اپنی حیثیت کے لحاظ سے ہے۔

فتح الباری مصری جزء ۹ ص ۱۳۴ میں رفعه الى الحاكم کے معنے احضرہ للشکوی لکھے یعنی شکایت کے لیے حاکم کے حضور میں لے گیا۔

رفع کا صلہ الی ہو تو ضروری نہیں کہ اعزاز ہی مراد ہو۔ بغیر ارادۂ اعزاز کے صرف رفع جسمی بھی مراد لیتے رہتے ہیں۔ جیسے فیومی نے المصباح المنیر میں لکھا ہے رفعت الزرع الى البيدر صراح نے لکھا بر داشتن غلہ در دروہ و بجز من گاہ آوردم۔ میں کھیت کو کاٹ کر اور غلہ اٹھا کر کھلیان میں لے آیا۔ قاموس میں ہے والزرع حملوه بعد الحصاد الى البيدر یعنی دفعوا الزرع کے یہ معنے ہیں کہ کسان کھیت کاٹنے کے بعد اٹھا کر کھلیان میں لے آئے

علامہ محمود جار اللہ زمخشری نے بھی اپنی تصنیف اساس البلاغۃ میں یونہی لکھا؛ مشکوٰۃ ص ۱۷۶ میں ہے رفع رأسه الى السماء اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا یہاں بھی بلا ارادۂ رفع منزلت رفع جسمی مراد ہے

مشکوٰۃ ص ۱۴۲ میں فرفع الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبی وہ لڑکا (نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس اٹھا کر لایا گیا۔ یہاں اس بچے پر موت کی حالت طاری ہے اور بغیر ارادۂ موت اعزازی کے صرف رفع جسمی مراد لیا گیا ہے۔

سورۂ فاطر میں اليه يصعد الكلم الطيب والعمل الصالح يرفعه کی تفسیر صاحب فتح البیان

نے یوں لکھی الیہ تعالیٰ لا الی غیرہ یصعد الکلم الطیب الصعود ھو الحرکۃ الی فوق و ھو العروج ایضا۔ وموضع الثواب فوق وموضع العذاب اسفل۔ ومعنی صعودہ الیہ قبولہ لہ اوصعود الکتبۃ من الملئکۃ بما یکتبونہ من الصحف کلمہ طیبہ صرف خدا ہی کی طرف چڑھتا ہے، اور صعود اس حرکت کو کہتے ہیں جو اوپر کی طرف ہو۔ اور اُسے عروج بھی کہتے ہیں۔ اور ثواب کی جگہ اوپر کو ہے۔ اور عذاب کی جگہ نیچے کو ہے۔ اور خدا کی طرف کلمہ کے صعود کے معنے ہیں خدا کا اس کو قبول کر لینا۔ یا اُس کے معنے ہیں کہ اعمال کاتبین فرشتوں کا ان صحیفوں کہنے کو چڑھانا جو وہ لکھتے ہیں؛ اور اس دوسرے معنے کی تائید میں حدیث بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ان العبد المسلم اذا قال سبحٰن اللّٰہ وبحمدہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وتبارک اللہ قبض علیھن ملک فضمھن تحت جناحہ ثم یصعد بھن الی السماء فلا یمر بھن علی جمع من الملئکۃ الا استغفروا لقائلھن حتی یحیی بھن وجہ الرحمٰن ثم قرء الیہ یصعد الکلم الطیب جس وقت کوئی مسلمان سبحان اللہ وبحمدہ الخ پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ جو ان کلمات پر موکل ہوتا ہے ان کلمات کو لیتا ہے۔ اور اپنے بازوؤں کے نیچے لگا کر آسمان پر لے چڑھتا ہے۔ پس فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے وہ گذرتا ہے وہ سب اس کے قائل کے لیے دعاءِ استغفار کرتے ہیں۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں تحفۃً پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ حدیث سنا کر پھر یہ آیت الیہ یصعد الکلم الطیب الآیہ پڑھی۔

یہاں صعود کا اسناد الیٰ ہے اور مراد صعود حقیقی ہے نہ کنائی نہ مجازی۔ اور صعود الی اللہ سے کنائی معنے قبولیت بھی مجازاً مراد لے سکتے ہیں۔ البتہ حقیقۃً مجاز مجازاً مراد نہیں لے سکتے

بہرحال رفع کے حقیقی اور وضعی معنے نیچے سے اوپر کو حرکت وانتقال کے ہوتے ہیں فالرفع فی الاجسام حقیقۃ فی الحرکۃ والانتقال (المصباح المنیر) اور رفع اللہ...

کے معنے ہیں ایک شے کا دوسری شے کی طرف اٹھانا۔ پس رافعك الی کے معنے ہوئے تجھے مع جسد و روح کے آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں۔

اور جہاں محاورہ میں ایک فقرہ استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ فقرہ اپنے حقیقی معنے پر کبھی استعمال ہوتا ہی نہیں ہے

مثلاً کشفت عن ساقیھا کنایہ ہے شدت مستعدی پر مگر یہ محاورہ مانع نہیں حقیقی معنے (پنڈلی کو برہنہ کرنا) کے مراد لینے سے۔ چنانچہ بلقیس کے بارہ میں وکشفت عن ساقیھا اپنے حقیقی معنے مراد ہیں

کسی لفظ کا کسی معنے میں زیادہ مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ان معنوں میں مخصوص ہو گیا ہے۔ اور اس کے دوسرے معنے متروک ہیں، جیسے دآبۃ اصل لغت میں ہر جاندار چیز کو کہتے ہیں جو زمین پہ چلے مَادَبَّ من الحیوانات اور غالب استعمال اس کا سواری والے جانوروں پہ ہوتا ہے (قاموس)

تو صاحب قاموس کے اس لکھنے سے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ اللہ تعالٰی صرف سواری کے جانوروں کا رازق ہے۔ بلکہ یہ لفظ اپنے وسیع معنوں میں لیا گیا ہے جو اس کا اصلی وضعی معنے ہے

اسی طرح اگر کتبِ لغت میں توفی کے معنے مستعمل موت لکھے ہیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لفظ صرف انہی معنوں کے لیے موضوع ہے یا انہی معنوں میں بند ہے بلکہ کتبِ لغت میں ہر قسم کے معنے وضعی، مجازی، منقول (منقول شرعی، منقول عرفی، منقول اصطلاحی) سب لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی خاص مقام پر معانی مخصوصہ کا چسپاں کرنا سلسلۂ عبارت و قرائنِ حالیہ و مقالیہ و عقلیہ پر موقوف ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ جملہ قرائن کتب لغت میں صراحتاً ذکر ہوں کیونکہ قرائن کی کوئی حد بندی نہیں۔ بلکہ موقع و محل کے مطابق سلسلۂ عبارت و مفہوم کلام میں مختلف قرینے ہوتے ہیں

رفع الی السماء کی حکمت

حکمت رفع الی السماء کی علامہ عثمانی نے تفسیر تیسیر الرحمٰن میں یہ لکھی ہے کہ
وھی حفظہ لتقویۃ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین انتھاء ہ الی غایۃ الضعف لظھور الدجال فیقتلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع میں یہ حکمت ہے کہ خدا نے آپ کو دینِ محمدی کی تقویت کے لیے محفوظ رکھا۔ جب کہ وہ دینِ محمدی دجال کے ظہور سے بہت ہی ضعف میں ہو جائے گا۔ تو آپ اس دجال کو قتل کریں گے

منتخب کنز العمال میں ہے فعند ذلک ینزل اخی عیسیٰ بن مریم من السماء الخ
ان مذکورہ واقعات کے وقت میرا بھائی عیسیٰ بن مریم آسمان سے اترے گا۔

رہا یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماسوا کوئی اور اس کی نظیر دکھاؤ جو آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا ہو۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر پیغمبر کا الگ الگ معجزہ ہوا ہے جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے غنیۃ الطالبین ص ۵۵ میں لکھا ہے وانما لم یؤت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل عصا موسیٰ ویدہ البیضاء واحیاء الموتٰی و ابراء الاکمہ والابرص ومثل ناقۃ صالح بل خص کل نبی بمعجزۃ غیر معجزۃ من کان قبلہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور ید بیضاء جیسا معجزہ اور حضرت عیسیٰؑ کے مردوں کو زندہ کرنے اور اندھے مادر زاد کو بینا کرنے اور کوڑھی کو چنگا کرنے کا معجزہ اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا سا معجزہ نہ لائے

نیلوی کہتا ہے کہ مرزائی تو یہ سوال اٹھا ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کے نبی یا مجدد ایلیا کے زندہ آسمان پر جانے کے قائل ہیں۔ پھر اور کس قسم کی نظیر کا مطالبہ ہے۔
نیز یہ کہ جیسے حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اب کوئی مطالبہ کرے کہ اس کی نظیر پیش کرو۔ اور آدمؑ کے سوا کوئی ایسا انسان بتاؤ جو بغیر والدین کے پیدا ہوا ہو

بقیہ بحث تقدیم و تاخیر

تقدیم و تاخیر تحریف نہیں ۔

معالم التنزیل ضحاک اور جماعت مفسرین نے کہا ان فی ھذہ الآیۃ تقدیما و تاخیرا

اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے

ابن کثیر نے اور سیوطی نے اتقان میں قتادہ سے نقل کیا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے

فتح القدیر میں فراء سے نقل کیا ان فی الکلام تقدیما و تاخیرا آگے لکھا مُتَوَفِّيكَ

بَعْدَ اِنْزَالِكَ یعنی پہلے تو آپ کو یہاں سے اٹھانے جاؤں گا پھر اتاردوں گا۔ اتارنے کے

بعد میں تجھے وفات دوں گا

جلالین میں ہے قال ابن عباس رض انی متوفیک مُمِيْتُكَ بَعْدَ اِنْزَالِكَ مِنَ السَّمَاءِ فِي

اٰخِرِ الزَّمَانِ انی متوفیک کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں آسمان سے آپ کو اتارنے

کے بعد میں آپ کو وفات دوں گا ؛

مجمع البحار ۳ : ۴۵۳ میں ہے متوفیک و رافعک الیّ علی التقدیم والتاخیر

تنویر المقیاس مقدم و مؤخر یقول انی رافعک الیّ ثم متوفیک قابضک بعد

النزول یعنی پہلے تو میں تجھ کو اپنی طرف اٹھاؤں بعد میں میں تجھ کو زمین پر اتاروں گا پھر تجھے قبض کروں گا

مدارک ۱ : ۲۶۱ ای ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء تجھے اپنے وقت میں یعنی

آسمان سے اترنے کے بعد وفات دوں گا۔

تفسیر کبیر ۲ : ۴۶۵ لَا يَقْتَضِي التَّرْتِيْبَ فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ فِيْهَا تَقْدِيْمٌ وَّتَاْخِيْرٌ

وَالْمَعْنٰى اِنِّيْ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمُتَوَفِّيْكَ بَعْدَ اِنْزَالِيْ اِيَّاكَ فِي

الدُّنْيَا یعنی ترتیب کا تقاضا ان الفاظ میں نہیں ہے۔ ترتیب نہ رہی۔ بلکہ تقدیم و تاخیر ہے

مطلب یہ ہوا کہ اے عیسیٰ ! میں تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اور تجھ کو کافروں سے

پاک کرنے والا ہوں پھر تجھ کو دنیا میں اتار کر فوت کرنے والا ہوں۔

خازن ۱: ۲۹۹ ان فی الآیۃ تقدیما و تاخیرا تقدیرہ انی رافعک الی و مطھرک من الذین کفروا و متوفیک بعد انزالک الی الارض آسمان سے زمین پر آنے کے بعد میں تجھ کو وفات دوں گا۔

قرآن حکیم میں اور کئی مقامات پر تقدیم و تاخیر ہے مثلاً ۱۔ و اوحینا الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط و عیسٰی و ایوب و یونس و ھارون و سلیمان و آتینا داؤد زبورا۔ کیا حضرت عیسٰے حضرت ایوب سے پہلے ہوئے۔ کیا عیسٰے و سلیمان حضرت داؤد سے پہلے ہوئے؟

۲۔ کذبت قبلھم قوم نوح و عاد و فرعون ذو الاوتاد و ثمود و قوم لوط و اصحٰب الایکۃ اس آیت میں بھی ترتیب نہیں۔

۳۔ و لقد خلقنا السمٰوٰت و الارض میں ترتیب نہیں آسمان سے پہلے زمین بنی۔

۴۔ نموت و نحییٰ میں بھی ترتیب نہیں پہلے انسان جیتا ہے پھر مرتا ہے۔

سوالوں کے جوابوں کا خلاصہ اور حاصل

(۱) خلاصہ اور حاصل اس سارے جواب کا یہ ہے کہ تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ کا اجماع ہے کہ قرآن و حدیث سے بطریق تواتر ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بجسدہ و بروحہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور آیت کریمہ بل رفعہ اللہ الیہ رفع آسمانی میں نص قطعی ہے جو چھٹے پارہ کے دوسرے رکوع میں واقع ہے۔

(۲) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وانہ لعلم للساعۃ کا یہی مفہوم سمجھا اور بتایا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کا بجسدہ و بروحہ بنفس نفیس آسمان سے اترنا قرب قیامت کا نشان ہے

(۳) اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بجسدہ و بروحہ بنفس

نفیس آسمان پر اٹھا لئے گئے

(۴) اور احادیث متواترہ ہی سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہٖ و بجسمہ بنفس نفیس آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے :

(۵) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی آیت کریمہ و ان من اهل الکتٰب الا لیؤمنن به قبل موته کی تفسیر بیان فرماتے تھے اور ان کے عہد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ کسی نے اس تفسیر پر اعتراض نہیں کیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس تفسیر کی صحت پر اجماع ہو گیا

(۶) یہ کہنا کہ توفی کے معنی میں اختلاف ہے سائل کو مفید نہیں اور مجیب کو مضر نہیں کیونکہ اول تو اس آیت کریمہ میں جمہور علماء توفی سے رفع جسمانی آسمان کی طرف مراد لیتے ہیں اور جنہوں نے نیند یا موت کا معنی کیا بھی ہے جمہور نے اس کی پر زور تردید کر دی ہے

دوسرے یہ کہ جنہوں نے نیند کے معنی کیے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سلا کر اور زندہ آسمان پر پہنچا دیا گیا تاکہ بشری تقاضا سے آپ ڈر نہ جائیں۔

اور جنہوں نے موت کے معنی کیے ہیں ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ صولی پانے کے بعد نیم مردہ سے ہو گئے پھر زخموں کا علاج کرتے رہے پھر اچھا ہونے کے بعد کشمیر گئے وہاں بقیہ زندگی گزار کر ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے

بلکہ توفی کا معنی جنہوں نے موت کیا ہے وہ دو گروہ ہیں

ایک گروہ تو کہتا ہے کہ کچھ گھنٹوں کے لیے آپ کو موت دی (نہ صولی کے ذریعے اور کسی کے ہاتھ سے بلکہ اللہ نے ان پر موت طاری فرمائی پھر زندہ کر کے آسمانوں کی طرف اٹھا لیے۔ مگر اس قول کی سب نے تردید کی ہے

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ توفی سے مراد وہ موت ہے جو قرب قیامت کو آپ آسمان سے زمین پر اتریں گے اس کے بعد کچھ سال حکومت کر کے وفات پائیں گے !
اور جو معنی مرزا جی سمجھے ہیں یہ معنی کسی عالم کتاب و سنت نے نہیں سمجھے

الحاصل جن علماء نے توفی کے معنی موت کیے ہیں وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بجسدہٖ و روحہٖ زندہ آسمانوں پر مانتے ہیں پھر آخر زمانہ میں آپ کا آسمان سے زمین

یہ اتنا بھی مانتے ہیں پھر کچھ سال حکومت کرنے کے بعد وفات پانا اور نبی پاک محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ میں جو مدینہ منورہ ملک عرب میں واقع ہے دفن ہونا مانتے ہیں
اور سوال میں توفی کے بارے جو اصول بیان ہے یہ خانہ زاد اور من گھڑت ہے ۔
کسی اہل لغت نے یہ اصول لکھا ہی نہیں۔ محض کشید ہے۔ بلکہ خود اہل لغت قرآن مجید کی اس
آیت کریمہ کی تفسیر میں توفی کے معنے رفع جسمانی آسمان کی طرف کرتے ہیں۔ اگر اہل لغت
کے ہاں یہ من گھڑت اصول مسلم ہوتا تو یہ معنے کبھی نہ کرتے بلکہ وہ معنے کرتے جو مرزا نے
معلوم ہوا کہ مرزا نے جو معنے کیے ہیں وہ ان کی اپنی کشید ہے
کیے ہیں؛
بلکہ مرزا جی کو اپنے متعلق جب الہام ہوتا ہے انی متوفیک تو اس وقت موت
اب یہ چیلنج خود مرزا جی کو مضر ہے
کے معنے نہیں کرتے۔
نیز مرزا جی کے خلیفہ اول جناب حکیم نورالدین صاحب بھی توفی کے معنے اسی
قاعدہ کے مطابق موت نہیں کرتے
تو یہ چیلنج مرزائیوں کو ہر طرح مضر ہے۔ اور کسی حال میں مفید نہیں ہے۔
(۷) اسی توفی کی طرح رافعک کا مسئلہ ہے کہ تمام امت کا اجماع ہے اس مسئلہ پر
کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں کی طرف اٹھا لیے گئے ہیں۔ اور رفع منزلت
کا کوئی منکر نہیں ہے اور رفع منزلت کے معنے کنائی طور پر ہیں جو رفع جسمانی کے
خلاف نہیں بلکہ دونوں معنے بیک وقت مراد لیے جا سکتے ہیں جیسے کنایہ کا قاعدہ ہے۔
مجاز نہیں جو حقیقت کے ساتھ جمع نہ ہو سکتا ہو۔
تو خود مرزا جی نے دو ہستیوں کا زندہ آسمانوں پہ اٹھائے جانے کا اقرار کیا ہے۔
نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عیسیٰ ؑ کو زندہ آسمانوں پہ
مانتے ہیں اور وفد نجران کے سامنے آپ ؐ نے یاتی علیہ الفناء فرما کر انہیں خاموش
کیا اور صحابہ کرام رض کو بھی یہی سمجھایا کہ آپ ؑ کو زندہ آسمانوں پہ اٹھایا گیا اور اب چھٹی صدی
اور ساتویں صدی عیسوی میں زندہ آسمانوں پہ موجود ہیں میری ان سے ملاقات اور
گفتگو ہوئی جس میں عیسیٰ ؑ نے فرمایا کہ مجھے خدا پاک نے فرمایا ہے کہ قیام قیامت سے
پہلے پہلے میں تم کو پھر زمین پر واپس بھیجوں گا۔ لہٰذا آپ ؑ آخر زمانہ میں ضرور تشریف

لائیں گے دجال کو قتل کریں گے۔ حکومت شریع محمدی کے مطابق کریں گے۔ حاکم عادل اور بادشاہ ہوں گے (کسی بادشاہ کی رعیت اور محکوم نہ ہوں گے) پھر شادی کرینگے اور ان کی اولاد بھی ہوگی۔ وہ ملک شام میں دمشق کے جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر جو پہلے بنا ہوا ہوگا آسمان سے وہاں اتریں گے۔ ان کی حکومت میں شریع محمدی کے مطابق تمام روئے زمین پر حکم چلیگا۔ اس وقت تمام دنیا کے باشندے مسلمان ہوں گے۔ کوئی کافر روئے زمین پر نہ ہوگا۔ اسی لئے نہ کسی سے جزیہ لیا جائے گا اور نہ جہاد رہیگا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کا حکم منسوخ ہو جائے گا۔ بلکہ اس وقت جہاد کی علت ہی نہ رہے گی یعنی فتنہ فساد و کفر و شرک۔

آیات قرآنی کے اصول قائم کرنا ہمارا کام نہیں۔ نہ ہم اپنی طرف سے قرآن حکیم کی تفسیر کرنے کے مجاز ہیں۔ یہ کام صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ قرآن فہمی اور تفسیر کا کام خدا نے کسی دوسرے کے سپرد ہی نہیں کیا تاکہ لوگوں کے مابین اختلاف وقوع پذیر نہ ہو۔ اور جس نے تفسیر نبوی سے ہٹ کر قرآن فہمی میں کوشش کی اور اپنی سمجھ کو قرآن فہمی کا معیار بنایا وہ بہک گیا۔ خود بھی گمراہ ہوا اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور اس طرح فساد مچا اور لوگوں میں فرقے بنے

مشاہدہ ہے کہ خود مرزائیوں میں اٹھارہ فرقے ہو چکے ہیں۔ ہر فرقہ اپنی سمجھ کے مطابق تفسیر کرتا ہے۔ یہی دیکھو کر بعض آیات سے مرزا بشیر الدین نے اجرائے نبوت مستنبط کیا۔ اور محمد علی لاہوری نے اس کی تردید کر دی۔ اسی طرح دوسری پارٹیوں کا حال ہے۔

غلام احمد پرویز نے اپنی سمجھ کو دخل دیا اور قرآن مجید کی تفسیر کی مفہوم القرآن نام رکھ غلام نبی چکڑالوی نے اپنی سمجھ کو دخل دے کر قرآن مجید کی تفسیر کی۔

اگر فتنہ فساد اور اختلاف سے بچنا ہے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے اور اپنی رائے کو دخل نہ دیا جائے

والسلام خیر ختام

احقر الثقلین محمد حسین عین الشین مدرس
جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہ واصحٰبہ القادۃ البررۃ الکملۃ ذوی المودۃ امابعد۔ اس وقت دیکھا جارہا ہے کہ جہالت عوام سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر باطل مذہب سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگارہا ہے سادہ مسلمانوں کو علماء کی صحبت کم نصیب ہوتی ہے پھر علماء حق سے متنفر کرنے والے بھی بہتیرے ہیں۔ اس لیے خیال ہوا کہ کچھ مختصر سے رسالے لکھے جائیں تاکہ باطل مذاہب کی قلعی کھول دی جائے اور سادہ مسلمان سبز باغ باطل کا دیکھ کر دل لچانے نہ لگ جائیں والہدایۃ بید اللہ یؤتی من یشاء

مرزا قادیانی کی چند متضاد باتیں درج کی جاتی ہیں۔ سچا آدمی ایسی متضاد کلام نہیں کرتا۔

(۱)

ازالۂ اوہام حصہ دوم صفحہ ۶۴۷، ۶۴۸ میں لکھا "

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سوال حضرت مسیح سے عالم برزخ میں ان کی وفات کے بعد کیا گیا تھا۔ نہ یہ قیامت میں کیا جاوے گا

اس کے برعکس نصرۃ الحق صفحہ ۴۰ میں لکھا

اس تمام آیت کے اول آخر کی آیتوں کے ساتھ یہ معنے ہیں کہ خدا قیامت کے دن حضرت عیسیٰ کو کہے گا کہ کیا تو نے ہی لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اپنا معبود ٹھیرانا؟

(۲)

ازالۂ اوہام صفحہ ۶۰۲ میں لکھا

"اور ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے قبل اِذْ موجود ہے جو خاص ماضی کے واسطے آتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانۂ ماضی کا ایک قصہ تھا، نہ زمانۂ استقبال کا"

اس کے برعکس ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ صفحہ ۶ میں لکھا

"جس شخص نے کافیہ یا ہدایۃ النحو بھی پڑھی ہوگی وہ خوب جانتا ہے کہ ماضی مضارع کے معنوں پر بھی آجاتی ہے۔ بلکہ ایسے مقامات میں جب کہ آنے والا واقعہ متکلم کی

نگاہ میں یقینی الوقوع ہو مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں تا اس امر کا یقینی الوقوع ہونا ظاہر ہو۔ اور قرآن شریف میں اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون اور جیسا کہ فرمایا ہے واذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریمؑ انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ

(۳)

نصرۃ الحق صفحہ ۴۰ میں لکھا

دوسری یہ کہ آیت میں صریح طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ عیسائیوں کے بگڑنے کی بابت لاعلمی ظاہر کریں گے اور کہیں گے کہ مجھے تو اس وقت تک ان کے حالات کی نسبت علم تھا جب کہ میں ان میں تھا۔ اور پھر جب مجھے وفات دی گئی تب سے میں ان کے حالات سے محض بے خبر ہوں۔ مجھے خبر نہیں کہ میرے پیچھے کیا ہوا!

اس کے برعکس آئینۂ کمالاتِ اسلام ص ۲۵۴ میں لکھا

اور میرے پر کشفاً ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی ہے حضرت عیسیٰؑ کو اس کی خبر دی گئی۔ تب ان کی روح روحانی نزول کے لیے حرکت میں آئی اور اس نے جوش میں آکر اور اپنی امت کو مفسدہ پر پاکر زمین پر اپنا قائم مقام اور شبیہ چاہا جو اس کا ہم طبع ہو کہ گویا وہی ہو۔

(۴)

۴ نزول المسیح ص ۵۷ میں لکھا

بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں کچھ نمونہ ان کا لکھا گیا

اس کے برعکس چشمۂ معرفت ص ۲۰۹ میں لکھا

اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور

الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ کچھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔ اور ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہو

(۵)

۵ حاشیہ ازالہ اوہام ص ۳۰۷ میں لکھا

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایۂ ثبوت نہیں پہنچتا۔

اس کے برعکس آئینہ کمالات اسلام میں لکھا

اور حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھی۔ اور کہیں خدا تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہو گئیں

(۶)

۶ حاشیہ ازالہ اوہام ص ۳۱۳، ۳۱۴ میں لکھا

خدا تعالیٰ اپنی ہر ایک صفت میں واحد لاشریک ہے اپنی صفات الوہیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ فرقان کریم کی آیات بینات میں اس قدر اس مضمون کی تائید پائی جاتی ہے جو کسی پر مخفی نہیں ..... اور صاف فرماتا ہے کہ کوئی شخص موت اور حیات اور ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵ اور براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۹۵ میں لکھا

انما امرت اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون ۔ تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے (اے مرزا) وہ تیرے حکم سے فوراً ہو جاتی ہے

خطبہ الہامیہ ص ۲۳ میں لکھا واعطیت صفۃ الافناء والاحیاء من الرب الفعال اور مجھ کو فانی کرنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے۔ اور یہ صفت خدا کی طرف سے مجھ کو ملی ہے۔

(۷)

۷ حمامۃ البشریٰ مترجم ص ۷۷ میں لکھا

ہاں بعض احادیث میں عیسیٰ بن مریم کے نزول کا لفظ پایا جاتا ہے۔ لیکن کسی حدیث میں نہیں پاؤ گے کہ اس کا نزول آسمان سے ہو گا

اس کے برعکس اخبار "بدر قادیان" ۷ جون ۱۹۰۶ء ص ۵ میں لکھا

فرمایا کہ دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی۔ اور اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول۔

(۸)

۸ ازالہ اوہام حصہ ۲ ص ۶۲۳ میں لکھا

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح بن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں

اس کے برعکس ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۱۹۲ میں لکھا

اور جو شخص امتی کی حقیقت پر نظر غور ڈالے گا وہ بہ بداہت سمجھ لیگا کہ حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر ہے۔ کیونکہ امتی اس کو کہتے ہیں کہ جو بغیر اتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور بغیر اتباع قرآن شریف محض ناقص اور گمراہ اور بے دین ہو۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور قرآن شریف کی پیروی سے اس کو ایمان اور کمال نصیب ہو۔

(۹)

۹ ازالہ اوہام حصہ ۲ ص ۵۸۶ میں لکھا

خدا وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائیگا

اس کے برعکس دافع البلاء ص ۱۱ میں لکھا

سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرزا قادیانی

کی

تضاد بیانی

ماخوذ از اختلافات مرزا قادیانی

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت العلامہ السید محمد حسین النیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، حال صدر مدرس ضیاء العلوم سرگودھا

(۱۰)

۱۰ سرمہ چشم آریہ ص ۲۸۰ میں لکھا

مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ بعض نے حال کے زمانہ میں تین سو برس سے زیادہ عمر پائی ہے جو بطور خرقِ عادت ہے

ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۹ میں لکھا

اور لبید کے فضائل میں سے ایک یہ بھی تھا جو اُس نے نہ صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا۔ بلکہ زمانہ ترقیات اسلام کا خوب دیکھا اور ۴۱ھ میں ایک سو ستاون (۱۵۷) برس کی عمر پاکر فوت ہوا۔

اس کے برعکس ازالہ اوہام حصہ ۲ ص ۶۲۵ میں لکھا

اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ جو شخص زمین کی مخلوقات سے ہو وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہیگا۔ اور ارضی کی قید سے مطلب یہ ہے کہ تا آسمان کی مخلوقات اس سے باہر نکالی جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مسیح بن مریم آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور مَا عَلَی الْاَرْض میں داخل ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہوا اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا

(۱۱)

۱۱ براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۲۲۸ میں لکھا

ماسوا اس کے وہ لوگ شہزادہ نبی کا نام یوز آسف بیان کرتے ہیں۔ یہ لفظ صریح معلوم ہوتا ہے کہ یسوع آسف کا بگڑا ہوا ہے۔ آسف عبرانی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو قوم کو تلاش کرنے والا ہو۔ چونکہ حضرت عیسیٰ اپنی اس قوم کو تلاش کرتے کرتے جو بعض فرقے یہودیوں میں سے گم تھے۔ کشمیر میں پہنچے تھے اس لیے انہوں نے اپنا نام یسوع آسف رکھا گیا

اس کے برعکس ست بچن حاشیہ متعلقہ ص ۱۶۴ میں لکھا

دراصل یہ لفظ یسوع آسف ہے۔ یعنی یسوع غمگین۔ آسف آزردہ اور غمگین کو

کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت مسیح نہایت غمگین ہو کر اپنے وطن سے نکلے تھے اس لیے اپنے نام کے ساتھ آسف بڑھا لیا۔

نوٹ :۔ لغت کی کتابوں مثلاً لسان العرب' قاموس' تاج العروس' منتہی الارب' مفردات امام راغب' مجمع البحار' وغیرہ میں لفظ آسف کے معنے قوم کو تلاش کرنے والا نہیں لکھے۔ بلکہ اس کے معنے ہیں افسوس اندوہ غم وغصہ

(۱۲)

۱۲ کشتی نوح ص ۱۵ میں لکھا

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ بلکہ حضرت مسیح نے بھی انجیل میں یہ خبر دی ہے۔ اور ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئی ٹل جائے۔

اس کے برعکس اعجاز احمدی ص ۱۴ میں لکھا

ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔ اور آج کون زمین پر ہے جو اس عقدہ کو حل کر سکے۔

(۱۳)

۱۳ توضیح المرام ص ۹ میں لکھا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسیح کا مثل بھی نبی چاہیے کیونکہ مسیح بھی نبی تھا تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لیے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھیرائی۔

اس کے برعکس نزول المسیح ص ۴۸ میں لکھا۔

میں مسیح موعود ہوں اور وہی ہوں جس کا نام سرور انبیاء نے نبی اللہ رکھا ہے۔ اور اس کو سلام کہا ہے۔

(١٤)

١٤ ازالہ اوہام ص ۲۲۰، ۲۲۱ میں لکھا
پھر حضرت ابن مریم دجال کی تلاش میں نکلیں گے اور لُد کے دروازہ پر جو بیت المقدس کے
دیہات میں سے ایک گاؤں ہے اس کو جا پکڑیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔
ازالہ اوہام ص ۷۳۰ میں اس کے برعکس لکھا۔
پھر آخر (دجال) باب لُد پر قتل کیا جائے گا۔ لُد اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو بے جا
جھگڑا نے والے ہوں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جب دجال کو بے جا جھگڑے کمال
تک پہنچ جائیں گے تب مسیح موعود ظہور کرے گا اور اسکے تمام جھگڑوں کا خاتمہ کرے گا۔

(١٥)

١٥ ازالہ اوہام ص ۷۴۳ میں لکھا
آخری زمانہ میں دجال معہود کا آنا سراسر غلط ہے
اس کے برعکس اسی کتاب ازالہ اوہام ص ۷۲۲ میں لکھا
دجال معہود یہی پادریوں اور عیسائی مشنوں کا گروہ ہے جس نے زمین کو اپنے ساحرانہ
کاموں سے تہ و بالا کر دیا ہے۔ اور صفحہ ۴۹۶ میں لکھا دجال پادری ہیں یا اور کوئی دجال نہیں آئیگا

(١٦)

١٦ اعجاز احمدی ص ۷۱ میں لکھا
له خسف القمر المنیر وان لی غسا القمران المشرقان اتنکر
اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے
لیے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔
اس کے برعکس چشمہ معرفت حصہ دوم ص ۲۱۱ میں لکھا۔
قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند دو
ٹکڑے ہو گیا، اور کفار نے اس معجزہ کو دیکھا۔

۱۶ نوٹ :- قرآن مجید اور کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا۔ بلکہ سورۃ القمر میں ہے اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۲۱، ۷۲۲، وسلم وسنن ترمذی ومسند احمد کی صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اور دارقطنی کی جو حدیث دکھائی جاتی ہے اس کا یہ مطلب ہی نہیں نیز وہ بسند صحیح نہیں

(۱۷)

۱۷ حاشیہ چشمۂ معرفت ص ۷۵ میں لکھا

اور یہ کہنا کہ وہ کتابیں محرف مبدل ہیں ان کا بیان قابل اعتبار نہیں ایسی بات وہی کہیگا جو خود قرآن شریف سے بے خبر ہے

اس کے برعکس اسی کتاب چشمۂ معرفت کے ص ۲۵۵ میں لکھا

سچ تو یہ بات ہے کہ وہ کتابیں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ردی کی طرح ہو چکی تھیں اور بہت جھوٹ ان میں ملائے گئے تھے جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ کتابیں محرف ومبدل ہیں اور اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہیں چنانچہ اس واقعہ پر اس زمانہ میں بڑے بڑے محقق انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے پس جبکہ بائبل محرف ومبدل ہو چکی ہے الخ

(۱۸)

۱۸ الحکم مؤرخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵ میں لکھا ہے

بڑے ہی تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ جب یہ لوگ مانتے ہیں کہ یہ امت خیر الامم ہے تو کیا ایسی ہی امت خیر الامم ہوا کرتی ہے جس میں کسی کو مخاطبات ومکالمات الٰہیہ کا شرف حاصل نہ ہو۔ حضرت موسیٰ کی اتباع سے ان کی امت میں ہزاروں نبی ہوئے لیکن اس امت میں ایک بھی ان کا مثیل نہ ہوا۔ تو یہ امت کیونکر خیر الامم ہوئی۔

اس کے برعکس حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۹۷ میں لکھا۔

اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے۔ مگر ان کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وہ نبوتیں براہ راست خدا کی ایک موہبت تھیں۔ حضرت موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ دخل نہ تھا۔

(۱۹)

۱۹ الوصیت ص ۱۱ میں لکھا

پس ان دونوں خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے خدا تعالیٰ نے مکالمہ مخاطبۂ الٰہیہ تامہ مطہرہ مقدسہ کا شرف ایسے بعض افراد کو عطا کیا جو فنا فی الرسول کی حالت تک اتم درجہ تک پہنچ گئے اور کوئی حجاب درمیان نہ رہا۔ اور امتی ہونے کا مفہوم اور پیروی کے معنے اتم اور اکمل درجہ تک ان میں پائی گئی۔۔۔۔ پس اس طرح پر بعض افراد نے باوجود امتی ہونے کے نبی ہونے کا خطاب پایا۔ کیونکہ ایسی صورت کی نبوت نبوت محمدیہ سے الگ نہیں۔

اس کے برعکس حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔

"پس اسی وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔

(۲۰)

۲۰ ازالہ اوہام حصہ ۲ ص ۵۱۸ میں لکھا۔

اگر مہدی کا آنا مسیح بن مریم کے زمانہ کے لیے ایک لازم غیر منفک ہوتا اور مسیح کے سلسلۂ ظہور میں داخل ہوتا تو دو بزرگوار شیخ اور امام حدیث کے یعنی حضرت محمد اسمٰعیل صاحب صحیح بخاری اور حضرت امام مسلم صاحب صحیح مسلم اپنی صحیحوں سے اس واقعہ کو خارج رکھتے۔ لیکن جس حالت میں انہوں نے اس زمانہ کا تمام نقشہ کھینچ کر سلیمنے رکھ دیا اور خلاصہ کے طور پر دعویٰ کر کے بتلا دیا کہ فلاں فلاں امر کا اس وقت ظہور ہوگا لیکن امام محمد مہدی کا نام تک بھی تو نہیں لیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح اور کامل تحقیقات کی رو سے ان حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا جو مسیح کے آنے کے ساتھ مہدی کا آنا لازم غیر منفک ٹھہرا رہی تھیں۔

اس کے برعکس شہادۃ القرآن ص ۴۰ میں لکھا

اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجے بڑھی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی کہ ھٰذا خلیفۃ اللہ المھدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ یا کس مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے

(۲۱)

۲۱ ضمیمہ انجام آتھم کا حاشیہ ص ۷ میں لکھا

اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔

اس کے برعکس ریویو جلد اول نمبر ۴ ص ۱۵۹ میں لکھا

یہ قرآن شریف کا مسیح اور اس کی والدہ پر احسان ہے کہ کروڑہا انسانوں کی یسوع کی ولادت کے بارے میں زبان بندی کر دی اور ان کو تعلیم دی کہ تم یہی کہو کہ بے باپ پیدا ہوا

(۲۲)

۲۲ حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۶ میں لکھا

عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزے لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ (یعنی یسوع) سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔

اس کے برعکس ریویو جلد ۱ نمبر ۶ ص ۲۲۲ میں لکھا۔

اور مسیح صرف اسی قدر رہ گئے کہ یسوع مسیح نے بھی بعض معجزات دکھلائے جیسے نبی دکھلاتے ہیں۔

(۲۳)

۲۳ براہین احمدیہ ص ۲۳۳ میں لکھا

انبیاء سے جو عجائبات اس قسم کے ظاہر ہوتے ہیں کہ کسی نے سانپ بنا کر دکھلا دیا،

اور کسی نے مردے کو زندہ کر کے دکھلا دیا۔ یہ اس قسم کی دست بازیوں سے منزہ ہیں جو شعبدہ باز لوگ کیا کرتے ہیں

اس کے برعکس حاشیہ ازالہ اوہام ص ۹۲۲ میں لکھا ہے

یہ سچ ہے کہ قرآن کریم کی سولہ آیتوں سے کھلے کھلے طور پر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص یفوت ہو جائے پھر ہرگز دنیا میں نہیں آتا۔ اور ایسا ہی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

(۲۴)

۲۴ الحکم جلد ۵ نمبر ۲۷ ۱۹۰۱ء و ملفوظات احمد ص ۳۹ میں لکھا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ جو مہدی آنے والا ہے اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام اور اس کی ماں کا نام میری ماں کا نام ہوگا اور میرے خلق پر ہوگا۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ وہ میرا مظہر ہوگا۔

اس کے برعکس حقیقۃ الوحی ص ۲۰۸ میں لکھا

پھر مہدی کی حدیثوں کا حال یہ ہے کہ کوئی بھی جرح سے خالی نہیں اور کسی کو صحیح حدیث نہیں کہہ سکتے۔

(۲۵)

۲۵ ازالہ اوہام حصہ ا ص ۲۰۳ میں لکھا

اور واقعی یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ امت کے اجماع کو پیش گوئیوں کے امور سے کچھ تعلق نہیں۔

پھر اسی ازالہ اوہام ص ۱۸۵ میں اس کے خلاف لکھا

ہاں تیرھویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا آنا ایک اجماعی عقیدہ معلوم ہوتا ہے!

(۲۶)

۲۶ ازالہ اوہام ص ۴۰۹ میں لکھا

اگر خدا تعالیٰ کو خلق اللہ کو منظور نہ ہوتا اور ہر طرح سے کھلے کھلے طور پر پیش گوئی کا

بیان کرنا ارادۂ الٰہی ہوتا تو پھر اس طرح بیان کرنا چاہیے تھا کہ اے موسیٰ! میں تیرے بعد بائیسویں صدی میں ملک عرب میں بنی اسماعیل میں ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہوگا۔

حاشیہ راز حقیقت ص ۱۵ میں لکھا

وہ نبی جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے چھ سو برس پہلے گذرا ہے' وہ حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ اور کوئی نہیں

اس کے برعکس کشتی نوح ص ۱۳۲ میں لکھا

مسیح بن مریم موسیٰؑ کے بعد چودہویں صدی میں ظاہر ہوا تھا

نوٹ :۔ بقول مرزا صاحب کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بائیسویں صدی میں ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو برس پہلے ہوئے ہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت موسیٰؑ کے بعد سولہویں صدی میں ہوئے ہیں۔ مگر مرزا صاحب اپنے آپ کو مثیل مسیح اس بناء پر کہتے ہیں کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی کے سر پہ آیا ہوں جیسے حضرت موسیٰؑ کے بعد چودھویں صدی کے سر پہ حضرت عیسیٰؑ آئے تھے

(۲۷)

۲۷ ازالہ اوہام ص ۶۲۵ میں لکھا وما جعلنا ھم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خلدین یعنی کسی نبی کا ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانے کا محتاج نہ ہو۔ اور وہ سب مر گئے۔ کوئی ان میں سے باقی نہیں

اس کے برعکس نور الحق ج ۱ ص ۵۰ میں لکھا

یہ وہی موسیٰ مرد خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہم پر فرض ہو گیا کہ اس بات پر ایمان لائیں کہ وہ زندہ آسمان میں موجود ہے۔ اور مُردوں میں سے نہیں۔

(۲۸)

۲۸ "مسیح ہندوستان میں" ص ۶۸ میں لکھا
اور ساتھ اس کے یہ بھی خیال ہے کہ کچھ حصہ اپنی عمر کا افغانستان میں بھی ہے ہوں گے
اور کچھ بعید نہیں کہ وہاں شادی بھی کی ہو۔ افغانوں میں ایک قوم عیسیٰ خیل کہلاتی ہے کیا
تعجب ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اولاد ہوں۔
اس کے برعکس حاشیہ تریاق القلوب ص ۹۹ میں لکھا
اور ظاہر ہے کہ دنیاوی رشتوں کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کی کوئی آل نہیں تھی۔
ریویو جلد ۱ نمبر ۳ ص ۱۲۴ میں لکھا
اور کوئی اس کی بیوی نہ تھی
مواہب الرحمٰن ص ۷۶ میں لکھا
بودن عیسیٰ بے پدر و بے فرزنداں دلیلے بریں واقعہ بود بدلالۃ قطعیہ واشارت بود
سوئے قطع ایں سلسلہ۔

(۲۹)

۲۹ الحکم مورخہ ۳۰ جون ۱۹۰۱ء ص ۳ میں لکھا
اور پھر قرآن کہتا ہے کہ مسیح کو جو کچھ بزرگی ملی وہ بوجہ تابعداری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے ملی کیونکہ مسیح کو آں حضرت صلی اللہ علیہ السلام کے وجود کی خبر دی گئی۔
اور مسیح آں جناب پر ایمان لایا۔
اس کے برعکس اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۸ رمضان ۱۳۲۰ھ ص ۶۸ میں لکھا

(۳۰)

۳۰ کرامات الصادقین ص ۸ میں لکھا
خدا تعالیٰ کا قانون قدرت ہرگز نہیں بدل سکتا
اس کے برعکس چشمہ معرفت ص ۹۶ میں لکھا
اور خدا اپنے خاص بندوں کے لیے اپنا قانون بھی بدل لیتا ہے مگر وہ بدلنا بھی اس

کے قانون میں ہی داخل ہے۔

(۳۱)

۳۱ تبلیغ رسالت جلد ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۳ میں لکھا

حضرت مسیح نے ابتلا کی رات میں جس قدر تضرعات کیے وہ انجیل سے ظاہر ہیں تمام رات حضرت مسیح جاگتے رہے اور جیسے کسی کی جان ٹوٹتی ہے۔ غم و اندوہ سے ایسی حالت ان پر طاری تھی وہ ساری رات رو رو کر دعا کرتے رہے کہ وہ بلا کا پیالہ جو ان کے مقدر تھا ٹل جائے باوجود دیکہ اس قدر گریہ وزاری کی پھر بھی دعا منظور نہ ہوئی۔ کیوں کہ ابتلا کے وقت کی دعا منظور نہیں ہوا کرتی

اس کے برعکس کتاب "مسیح ہندوستان میں" ص ۲۸، ۲۹ میں لکھا

اور من جملہ ان شہادتوں کے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے محفوظ رہنے کے بارے میں ہیں۔ انجیل سے ملتی ہیں۔ وہ شہادت ہے جو انجیل متی باب ۲۶ میں یعنی ۳۶ تا ۴۶ تک مرقوم ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار کیے جانے کا الہام پاکر تمام رات جناب الٰہی میں رو رو کر سجدے کرتے ہوئے دعا کرتے رہے۔ اور ضرور تھا کہ ایسی تضرع کی دعا جس کے لیے مسیح کو بہت لمبا وقت دیا گیا تھا قبول کی جاتی۔ کیونکہ مقبول کا سوال جو بیقراری کے وقت کا سوال ہو ہرگز رد نہیں ہوتا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ اس دعا کو قبول کرتا۔ یقیناً سمجھو کہ وہ دعا جو تمام رات مانگی گئی تھی ضرور قبول ہو گئی تھی۔

(۳۲)

۳۲ کتاب البریہ ص ۱۴۹ میں لکھا

بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا، تو ایک فارسی خوان معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔

اس کے خلاف ایام الصلح ص ۱۴۷ میں لکھا۔

سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان

سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہو۔

(۴۳)

۴۳ حمامۃ البشریٰ ترجمہ ص ۶۶، ۶۷ میں لکھا

کیا تو نہیں جانتا کہ اس محسن رب نے ہمارے نبی کا نام خاتم الانبیاء رکھا ہے اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طالبوں کے لیے بیان واضح سے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور اگر ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز رکھیں تو لازم آتا ہے کہ وہ نبوت کے دروازہ کا انفتاح بھی بند ہونے کے بعد جائز خیال کریں اور یہ باطل ہے جیسا کہ مسلمانوں پر پوشیدہ نہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کیونکر آوے حالانکہ آپ کی وفات کے بعد وحی نبوت منقطع ہو گئی ہے اور آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا ہے

اس کے برعکس تجلیات الٰہیہ ص ۲۵ میں لکھا۔

میں بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے

(۴۴)

۴۴ ازالۃ الاوہام ص ۳۰۸ میں لکھا

مسیح ایک بے کس کی طرح دنیا میں چند روزہ زندگی بسر کر کے چلا گیا اور یہودیوں نے اس کی ذلت کے لیے بہت سا غلو کیا

اس کے خلاف "مسیح ہندوستان میں" ص ۵۳ میں لکھا

اور احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ایک سو پچیس برس کی ہوئی ہے۔" اور ص ۵۲ میں لکھا

مسیح کو خدا نے ایسی برکت دی کہ جہاں جائے وہ مبارک ہوگا۔ سو ان کے سکون سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے خدا سے بڑی برکت پائی اور وہ فوت نہ ہوا جب تک اس کو ایک شاہانہ عزت نہ دی گئی۔

(۴۵)

۴۵ نزول المسیح کا حاشیہ ص ۴۵ میں لکھا

یہودیوں اور عیسائیوں اور مسلمانوں پر بباعث ان کے کسی پوشیدہ گناہ کے یہ ابتلاء آیا کہ جن راہوں سے وہ اپنے موعود نبیوں کا انتظار کرتے رہے ان راہوں سے وہ نبی نہیں آئے بلکہ چور کی طرح کسی اور راہ سے آگئے۔

اس کے خلاف چشمۂ معرفت حصہ ۲ ص ۱۸ میں لکھا

اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے اور سب پر ایمان لانا فرض ہے پس مسلمانوں کو بڑی مسلمانوں کو بڑی مشکلات پیش آتی ہیں کہ دونوں طرف ان کے پیارے ہوتے ہیں بہرحال جاہلوں کے مقابل پر صبر کرنا بہتر ہے کیونکہ کسی نبی کی اشارہ سے بھی تحقیر کرنا سخت معصیت ہے اور موجب غضب الٰہی۔

(۴۶)

۴۶ مرزا صاحب کے مرید سید مولوی محمد سعید صاحب طرابلسی کے الفاظ مرزا صاحب کی کتاب اتمام الحجہ ص ۲۰ و ۲۱ کے حاشیہ پر یوں ہیں " اور حضرت عیسیٰؑ کی قبر بلدۂ قدس میں ہے اور اب تک موجود ہے اور اس پر ایک گرجا بنا ہوا ہے اور وہ گرجا تمام گرجوں سے بڑا ہے اور اس کے اندر حضرت عیسیٰ کی قبر ہے اور اسی گرجا میں حضرت مریم صدیقہ کی قبر ہے۔

اس کے خلاف حقیقۃ الوحی کا حاشیہ ص ۱۰۱ میں لکھا۔

خدا کا کلام قرآن شریف گواہی دیتا ہے کہ وہ مرگیا ہے اور اس کی قبر سری نگر کشمیر میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واٰوینا ھما الیٰ ربوۃ ذات قرار و معین یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو یہودیوں کے ہاتھ سے بچا کر ایک ایسے پہاڑ میں پہنچا دیا جو آرام اور خوشحالی کی جگہ تھی۔ اور مصفی پانی کے چشمے اس میں جاری تھے سو وہی کشمیر ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مریم کی قبر زمین شام میں کسی کو معلوم نہیں"

نتیجہ

۱ حاشیہ نسیم دعوت ص ۶۸، ۶۹ و حاشیہ ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ اپریل ۱۹۰۳ء ص ۱۵۴ میں لکھا ہے۔ "حافظہ اچھا نہیں۔ یاد نہیں رہا"

۲ فتح اسلام ص ۱۷ حاشیہ پر ہے: مرض ضعف دماغ کے سبب سخت دورے پڑتے تھے۔

۳ بدر مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء ص ۵ میں مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ مجھے بیماری مراق اور کثرتِ بول کی ہے۔

۴ سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ ۱۳ میں مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے مرزائی نے لکھا ہے کہ مرزا صاحب کو دورانِ سر اور ہسٹریا کا دورہ پڑتا تھا۔

۵ مرزا غلام احمد دائم المرض آدمی تھا ۶ مرزا صاحب کو درد سر اور دوران سر تھا۔

۷ مرزا صاحب کو اسہال کی بیماری تھی ۸ مرزا صاحب کو ذیابیطس شکری تھی۔

۹ مرزا صاحب کو سوء ہضم، کمی خواب، تشنج دل کی بیماریاں تھیں۔

خدا کا نبی اور رسول مراقی نہیں ہوتا اور نہ کسی نبی و رسول نے خود کہا کہ مجھے مراق ہے۔

پس مرزا غلام احمد قادیانی نہ نبی تھا نہ رسول۔

ہماری مطبوعات

١ الدرر المنثورۃ از مولانا محمد امیر مرحوم طبع ۲ ۲۲/-
۲ دعوۃ الحق 〃 طبع ۳ ۱۵/-
۳ التوحید 〃 〃
۴ الاقوال المرضیہ 〃 ۲ 〃 ۱۰/-
۵ القسبر الشرعی از علامہ نیلوی ۱ 〃
۶ شفاء الصدور (عربی) 〃 ۲ 〃 ۱۸/-
۷ فتح الرحمٰن فی قیام رمضان 〃 ۲ 〃 ۵/-
۸ رد منکرات حیات الاموات 〃 ۲ 〃 ۴/-
۹ بشریت نبوی 〃 ۲ 〃 ۱۵/-
۱۰ معراج النبی 〃 ۴/-
۱۱ ندائے حق جلد ۱ جزء ۱ 〃 ۲ 〃 ۹۰/-
۱۲ ندائے حق جلد ۱ جزء ۲ 〃
۱۳ ندائے حق جلد ۲ 〃 زیر طبع
۱۴ درّ منثور فی تحقیق الحور 〃 طبع ثانی ۱۲/-
۱۵ غیب دانی 〃 ۳/-
۱۶ فرائض کے بعد دعا کا ثبوت 〃 طبع دوم ۴/-
۱۷ ضیائے حق 〃 〃 ۵/-
۱۸ پیر صاحب بنگہ کی ڈھول کی پول 〃 〃 ۱/-
۱۹ 〃 طبع اول
۲۰ خیر الکلام فی تقبیل الابہام 〃 طبع ۲

۲۱ شجرۂ برکات از سید طریقت شاہ عنایت اللہ طبع جدید ۵/-
۲۲ عید میلاد النبی خاتم النبیین از علامہ نظیری زیر طبع
۲۳ انوار الصلوٰۃ فی ذات الصلوٰۃ 〃 〃
۲۴ فیض المغیث فی اصول الحدیث 〃 〃
۲۵ وفیات المشاہیر 〃 〃
۲۶ التعریفات 〃 〃
۲۷ المصطلحات المختلفہ 〃 〃
۲۸ جمیع الفنون علی شرح القانون 〃 〃
۲۹ تلخیص الاصول 〃 〃
۳۰ نظم الاصول فی علم الاصول 〃 〃
۳۱ نظم الصفات فی سلک الابیات 〃 〃
۳۲ الازہار الناضرۃ فی جمیع الفرق المنتشرۃ 〃 〃
۳۳ شجرۂ صرف و نحو 〃 〃
۳۴ شجرۂ منطق 〃 〃
۳۵ شجرۂ اصول 〃 〃
۳۶ القائد فی العقائد (عربی) 〃 〃
۳۷ خلاصۃ القرآن الکریم مع اصطلاحات 〃 〃
۳۸ تفسیر قرآن مجید مع ترجمہ از علی زیر تالیف
۳۹ اصول کتب ستہ
۴۰ غایۃ المنیٰ فی وجوب اعفاء اللحیٰ زیر طبع

مکتبہ گلستان اہل سنت

جناح مارکیٹ ○ سرگودھا

ردِ رافضیت پر حضرت نیلویؒ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

تلمیذ رشید
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

و تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
امام اہلسنت حضرت مولانا [illegible]
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد ہشتم
ردِ رافضیت

- حضرت امیر معاویہ پر اعتراضات کے جوابات
- تسلیۃ الطالب فی دفاع ثعلبہ بن حاطب
- مظلوم کربلا
- پنج تن پاک اور حق چار یار
- رد ذیل عادتیں
- اہر نیل فول
- روافض کے متعلق شرعی فیصلہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امیر المومنین

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

پر اعتراضات

اور

ان کے جوابات

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد ہشتم

مضامین	صفحہ نمبر
رد رافضیت	
حضرت امیر معاویہ پر اعتراضات کے جوابات	1
تسلیۃ الطالب فی دفاع ثعلبہ بن حاطب	29
مظلوم کربلا	53
پنج تن پاک و حق چار یار	237
رذیل عادتیں	261
اپریل فول	271
روافض کے متعلق شرعی فیصلہ	277

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و العاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبینا محمد وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

اما بعد۔

صحابہ کرامؓ کے بارے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بہت احسن طریق سے محاسن بیان کیے اوران کے کارناموں کو سراہا ہے۔ان کے حق میں

- اُولٰئک ھم المؤمنون حقاً
- اُولٰئک ھم المتقون۔
- اُولٰئک ھم الصادقون۔
- ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔
- اُولٰئک ھم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم۔
- اُولٰئک ھم خیر البریۃ۔
- کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ۔
- امۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم

يَسْجُدُونَ يُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔

◇ قَوْمٌ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ.

◇ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ.

◇ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ.

◇ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ رِزْقٌ كَرِيمٌ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَرِيمٌ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ آتَوُا الزَّكٰوةَ وَ أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ.

◇ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا.

◆ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ.

◆ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ.

◆ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ.

◆ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ وَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ.

◆ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

وغیر ذلک من الآیات

جیسے ریمارکس دیئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے بڑھ کر سچا اور کون ہے۔ ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ اور انکی نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں تغیر و تبدیل کا امکان ہی نہیں بلکہ وہ اس کی

حفاظت آپ ہی کرتا ہے۔ انّا نحنُ نزّلنا الذکرَ وانالہٗ لحافظون و تمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا ۔ لا مبدل لکلماۃ. لا تبدیل لکلمات اللہ یہاں تک کہ خود نبی آخرالزمان ﷺ بھی اس میں ذرا سی بھی کمی بیشی نہیں کر سکتے۔قل ما یکون لی ان ابدلہٗ من تلقاء نفسی ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ.

اور اس قرآن شریف کے علاوہ آسمانی کتب الہیہ بھی تحریف سے مبرا نہیں رہیں یہود ونصاریٰ کے پیروں اور مولویوں نے اپنے پیٹ کی خاطر ان میں تحریف لفظی اور معنوی کی یُحَرِّفُونَ الکَلِمَ عَن مَواضِعِہٖ ثُمَّ یُحَرِّفُونَہٗ مِن بَعدِ مَاعَقَلُوہُ وَھُم یَعلَمُونَ. یَشتَرُونَ بِعَھدِ اللّٰہِ وَاَیمَانِھِم ثَمَناً قَلِیلاً.

انسانی کتابیں تاریخی ہوں یا دوسری کیونکر قابل اعتماد ہو سکتی ہیں کہ قرآن کا مفہوم ان مدسوس و مدخول بہ کتب کے سہارے بے دردی سے بدل دیا جائے اور مغالطہ فی المراد دے کر بیچارے کم فہم مومنین کو دھوکے میں ڈالا جائے لَبِئسَ مَا کَانُو ایعمَلُون خاص کر کے جو کتب تاریخ کتب احادیث کے مقابلہ میں دور فتن میں لکھ کر بیچارے نومسلم بھائیوں کو جو حدیث عہد بالکفر تھے بڑی پھرتی اور چالاکی سے علیحدگی میں خفیہ طریق سے پھسلاتے رہے اور احادیث صحیحہ متعددہ کے مقابل میں انہوں نے بھی احادیث کی کتابیں لکھ ماریں

تا کہ لوگ شکوک کی وادیوں میں بھٹکتے پھریں اور زہر پر میٹھا چڑھا کر کھلانا شروع کیا اور وہ زہر کھا کر لوگ مسموم ہو گئے

مگر بمطابق مثل مشہور لکل فرعون موسی (اے لکل مبطل محق) اللہ تعالی نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے حق دین کی بقاء کے لیے ورثاء انبیاء کرام کو اٹھا کھڑا کیا ولو کرہ الکافرون جنہوں نے حسب فرمان خداوندی وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ دعوت الی الخیر کا بیڑا اٹھایا تو حیدٌ مَا تَبِعَهُ مِنَ الْمَعْرُوْفِ کا امر جاری رکھا اور جو غیر مسلم لوگ اسلام میں داخل ہو کر اسلام میں رخنہ اندازیاں کرنے میں لگے رہے اور غیر دین کو دین اور دین کو غیر دین بتا کر لوگوں کو بدراہ کیا ان کا تعاقب ان وارثان انبیاء کرام علیہ السلام نے خوب کیا تحریری طور پر بھی اور تقریری طور پر بھی لسانی طور پر بھی۔ اور جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ کے مطابق انہیں پاک طینت ہستیوں کی محنت مشقت سعی سے ان ملحدوں کے مکر وفریب پر مطلع ہو کر عوام کو آگاہ کیا اور ان کو سمجھایا کہ ان کے فریب میں نہ آنا

دوسرے ممالک میں جن علماء حق نے اس کام کو احسن طریق سے نبھایا ملک ہند کے علماء حق بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمدؒ سرہندی نے تن من دھن کی بازی لگا کر جان جوکھوں میں ڈال کر باطل مذاہب کا جو مقابلہ کیا ہے وہ کسی لکھے پڑھے سے مخفی نہیں ہے اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ وشاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ وشاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ و شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ بن شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ بن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ اور شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ بن شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے بھی تحریرا اور تقریرا اور تدریسا، لسانا وسنانا اشاعت مذہب حق اور ابطال مذاہب باطلہ میں ساری زندگی وقف کر دی۔ حتیٰ کہ بعض کو اپنے وطن مالوف کو خیر آباد کہنا پڑا اور ہجرت کر کے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ چلے گئے۔

پھر انہی کے حکم سے مصائب سہتے ہوئے ان کے تلامذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ اور مرشدی مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ اور مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ اور سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ اور مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ اور سید مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ شکر اللہ سعیہم نے دین حق کی صحیح ترجمانی کی۔ اور باطل کے پجاریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان سانپوں کا سر کچلا الحمد للہ علی ذلک۔ پھر ان کے جانشین

مولانا قریشی دوست محمد صاحب ومولانا قائم الدین وشیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ اور مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ اور قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ اور قاضی نور محمد رحمۃ اللہ اور مولانا عبدالعزیز سہالویؒ اور مولانا عبدالرؤف رحمۃ اللہ اور سید عطاء اللہ بخاری رحمۃ اللہ کو ہم اپنی ان آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں کہ ابطال باطل میں ماریں کھائیں جیلیں کاٹیں گالیاں مول لیں مگر اپنا یہ مشن نہیں چھوڑا حتی کہ اللہ تعالی نے ان پیاروں کو اپنی طرف بلالیا شکر اللہ سعیہم۔

اسلام پر دھبہ لگانے والے اور اعتراض کرنے والے اور شارع علیہ السلام اور ان کے بالواسطہ اپنے پیارے اور مخلص سرفروش اور صحبت میں رہ کر فیض حاصل کرنے والی بزرگ ہستیوں پر پھبتیاں کسنے والے اس زعم میں نہ رہیں کہ ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالنے والے تو چل بسے، اب میدان صاف ہے اب ہم اپنی من مانی کرنے میں آزاد ہیں۔ اس لیے کہ بفضلہٖ تعالی ان لوگوں کا سرتوڑ جواب دینے والے اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک انشاء اللہ العزیز موجود رہیں گے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ او کما قال

آمدم برسرِ مطلب

روافض نے ۱۲ سو سال سے اودھم مچا رکھا ہے اور قرآن وسنت اور ان کے محافظوں پر لعن طعن کرنے میں رات دن ایک کر رکھا ہے۔ ایک موقعہ پر علماء حق کی دندان شکن تقریر سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو شرماتے نہیں بلکہ وہی اعتراض دوسرے مقام پر بیان کریں گے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ پہلے مناظرہ والی شکست کا ان لوگوں کو کیا علم تھا۔ ڈینگ مارتے ہیں کہ ہم نے فلاں مقام پر مناظرہ کیا تھا مگر ہمارا مخالف مبہوت اور لاجواب ہو گیا اور ساتھ ہی اشتہار چھاپ دیے کہ فلاں مقام پر فلاں مولوی نے شکست کھائی ہے اور اپنے ہم خیال چوہدریوں، رئیسوں، امیروں، لینڈ لارڈوں کو چرب زبانی سے اپنے ساتھ ملا لیا اور ان سے تحریری دستخط لے لیے یا ان کی زبان سے مجلس خاص میں اعلان کرا دیا کہ میں اس مناظرہ سے پہلے غلط مسلک پر تھا اب مجھ پر حق واضح ہو گیا ہے۔ اس لیے میں پہلے مسلک سے تائب ہوتا ہوں اور اب یہ مسلک صحیح سمجھ کر اسی پر تادمِ زیست قائم رہوں گا۔

اور یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں تاکہ بھولے بھالے مسلمان اس سے متاثر ہو کر اپنا پہلا مسلک چھوڑ کر ہمارے مسلک پر آ جائیں۔

قرآن مجید میں ان کے اسلاف یہود کا یہی انداز بیان فرمایا وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ الآیہ جس انداز کو ان لوگوں نے اب تک ترک نہیں کیا۔

بہر کیف ہندو، پارسی، آریہ، مجوسی، دہری، مسیحی اور یہودی اگر قرآن و اسلام پر اعتراض کرتے ہیں تو معدودے چند جاہلوں کے سوا کسی پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

سب سے زیادہ زہریلا اثر ان لوگوں کا ہے جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں کلمہ پڑھتے ہیں اور اپنے زہد و تقویٰ کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ حربہ محض عوام کو پھسلانے کے لیے کرتے ہیں۔ اس طرح بہت لوگ ان کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کید (مکر) سے بچائے۔

ان کے بہت سے مکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں بیان فرمائے ہیں اور صحابہ کرام پر ان کے گھڑے ہوئے طعنوں کا ایسا دندان شکن جواب دیا جس کا انہوں نے آج تک جواب نہیں دیا اور نہ قیامت تک جواب دے سکتے ہیں۔ مگر ایک مشہور مثل ہے کہ "ملا آن باشد کہ چپ نہ شود" یہ لوگ مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لیے محفلوں میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں مگر علماء حق ان کا دندان شکن جواب مسلسل دیتے رہتے ہیں، مار یں کھا لیتے

ہیں، گالیاں سہہ لیتے ہیں، جیلوں کی بند کوٹھریوں میں رہ لیتے ہیں، ان کے کوڑے کی مار برداشت کر لیتے ہیں جان جائے تو جائے ایمان نہ جائے۔ ایمان جان سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں کو استقامت اور ربط قلب نصیب فرمائے اور ایمان پر ہی خاتمہ کرے۔ إِنَّمَا الْعِبْرَةُ بِالْخَوَاتِيم.

اعتراضات تو بہت سے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک اعتراض کا جواب کسی نے میری طرف سے بذریعہ خط مانگا ہے جو حضرت امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیانؓ کے بارے میں ہے۔ اور وہ یہ ہے

سوال نمبر ۱

بعض کتب اہل تشیع میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نے عائشہ زوج النبی ﷺ کو دعوت کے بہانے بلایا اور مقام دعوت میں کنواں کھود ا۔ اور اوپر کی جگہ ہموار کر کے خوب سجادی اور اوپر چار پائی بچھادی اور پھر ام المومنین کو بلا کر چار پائی پر بیٹھنے کو کہا سو ام المومنینؓ نے جونہی چار پائی پر پاؤں رکھا چار پائی سمیت کنوئیں میں جا گریں اور اوپر سے پتھروں کی بوچھاڑ کی گئی اور کنوئیں کو پتھروں اور مٹی سے اٹ دیا گیا۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے یا یونہی من گھڑت اور دشمنوں کے ذہن نانجار کی ایجاد للفساد ہے بینوا توجروا

المستفتی محمد اقبال

الجواب بالصواب بعون الملک الوہاب

حضرت امیر المومنین معاویہؓ بن ابی سفیانؓ صحابی بن صحابی ہیں۔ خاندان بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے یعنی خالص عرب تھے۔ عرب میں جس قدر اوصاف حمیدہ ہوتے تھے وہ اوصاف تمام کے تمام علی الوجہ الاکمل پائے جاتے تھے۔

اور مندرجہ بالا سوال میں جس قسم کی رذیل اور کمینی حرکت کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کی حرکت عرب قوم کا دماغ ایجاد نہیں کرتا۔ ایسی دغا بازی خداع اور دھوکہ بازی کی تولید ایرانی اور عجمی دماغ ہی کر سکتا ہے

پھر تاریخ نے اس نازیبا حرکت کے نہ تو وجوہ واسباب اور علل بتائے اور نہ ہی اس کا کچھ پسِ منظر بتایا کہ پھر اس کا ردِ عمل کیا ہوا۔

پھر امیر المؤمنین معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے دورِ خلافت میں کوئی ایسے ناگوار حالات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے جن کی وجہ سے ایسی رذیل حرکت حضرت معاویہؓ سے سرزد ہوتی۔

بلکہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین معاویہؓ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ ام المؤمنین! میرا برتاؤ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟

تو حضرت ام المؤمنینؓ بولیں کہ ٹھیک ہے۔

ایک دفعہ حضرت امیر المؤمنین معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ حبیبۂ حبیب رب العالمینؓ کو خط لکھا کہ ام المؤمنین! مجھ کو مختصری نصیحت کیجیے۔ تو حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

"السلام علیکم اما بعد میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص انسانوں کی ناراضمندی کی پروانہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کریگا اللہ تعالیٰ انسانوں کی رضامندی کے نتائج سے اس کو محفوظ رکھے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کو ناراضمند کر کے انسانوں کی

ناراضمندی کا طلب گار ہوگا ، اللہ تعالیٰ اس شخص کو انسانوں کے ہاتھ میں سونپ دے گا و السلام علیک"

اب فہیم آدمی ایسے واقعہ کی تردید اپنی سمجھ سے بھی کر سکتا ہے ۔کم از کم اتنا تو کہہ سکتا ہے کہ عقل نہیں مانتی کہ صحابیٔ رسول ﷺ کے دور میں اس قسم کا واقعہ ہوا ہو۔اور صحابہ کرام یہ واقعہ دیکھ کر خاموش بیٹھے رہے ہوں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی (دور حاضر کے مورخ) نے اپنی کتاب "سیرہ عائشہ صدیقہؓ" کے ص ۱۵۳ میں بعنوانِ "وفات" حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی وفات حسرت آیات کا اصل واقعہ طبقات محمد بن سعد کی جز ءنساء صفحہ ۵۱ کے حوالے سے اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

"امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا اخیر زمانہ ہے، اس وقت ان کی عمر سرسٹھ برس کی تھی۔

۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں، چند روز تک علیل رہیں، کوئی خیریت پوچھتا، فرماتیں، اچھی ہوں، جو لوگ عیادت کو آتے، بشارت دیتے، فرماتیں "اے کاش! میں پتھر ہوتی، اے کاش! میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی"

حضرت ابن عباس نے اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ

کو تامل ہوا کہ وہ آ کر تعریف نہ کرنے لگیں، بھانجوں نے سفارش کی، تو اجازت دے دی۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا" آپ رضی اللہ عنہا کا نام ازل سے ام المؤمنین تھا۔ آپ آنحضرت ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں، رفقاء سے ملنے میں اب آپ کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ روح بدن سے پرواز کر جائے۔ خدا نے آپ ہی کے ذریعہ تیمم کی اجازت فرمائی۔ آپ کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جواب ہر محراب و مسجد میں شب و روز پڑھی جاتی ہیں۔"

فرمایا: ابن عباس! مجھے اپنی تعریف سے معاف رکھو، مجھے یہ پسند تھا کہ میں معدوم محض ہوتی۔

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

۵۸ھ تھا اور رمضان کی ۱۷ تاریخ مطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی، ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے، جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔

ذرا آگے چل کر لکھا

حضرت ابوہریرہؓ ان دنوں مدینہ کے قائم مقام حاکم تھے، انہوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی، قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عتیق، عروۃ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ

بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا اور حسب وصیت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

سید صاحب نے حاشیہ میں لکھا:

تمام واقعات حاکم کی مستدرک سے ماخوذ ہیں۔ حاکم نے ان میں سے اکثر روایتوں کی نسبت لکھا ہے کہ علی شرط الصحیحین ہیں۔ یعنی روایت کی جن جن شرطوں کو ملحوظ رکھ کر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کی ہے وہی وہی شرطیں ان روایات میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ان مستند اور صحیح روایات سے اصل واقعہ صحیح صحیح حق حق کھل کر سامنے آ گیا آپ کی مرض الوفاۃ کا سنہ اور وفاۃ کی تاریخ، مع ، ماہ ، سال ، مقام وفاۃ اور نماز جنازہ مع تعیین امام، اور مقام دفن، اور قبر میں اتارنے والے بھتیجوں، اور بھانجوں کے نام، اور تعداد سب محقق طریق سے ثابت ہو گئے۔ بخلاف اس واقعہ کے جو سوال میں درج ہے کہ اس میں کوئی ذکر نہیں کہ اس قسم کے حالات کب کہاں اور کیونکر پیدا ہوئے اور دعوت کس جگہ کی گئی اور ایسے ناگزیر حالات میں حضرت عائشہؓ جیسی ، فہیمہ ، زکیہ ، عقیلہ ، مجتہدہ ، مدبرہ نے امیر معاویہؓ کی دغا بازی دھوکہ دہی کی اطلاع پا کر اس کی دعوت کیوں کر قبول کر لی جب کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی معصوم زبان سے یہ فرمان بھی سن رکھا ہو کہ لَا يَلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْن

پھر ام المومنین کے ساتھ اس قدر ذلیل حرکت ہونے کے بعد بھی تمام اسلامی مملکت کے مسلمانوں کا خاموش بیٹھے رہنا خاص کر بھتیجوں بھانجوں کی خاموشی بہت ہی تعجب انگیز ہے۔

ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیانؓ کئی کئی لاکھ کی رقم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ و دیگر امہات المومنین کو بطور عطیہ کے پیش فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر ان پر کبھی قرض ہو جاتا تو وہ بھی حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ خود ہی ادا کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک لاکھ کی مالیت کا گلوبند امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو ارسال کیا جسے ام المومنین نے بخوشی قبول فرمایا۔ حوالے کے لیے دیکھو حافظ ابن کثیرؒ کی کتاب البدایہ والنہایہ۔

سوال نمبر۲

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا "تمہارے جسم سے مجھے بدبو آتی ہے۔ تمہاری اولاد، ہماری اولاد کے ساتھ ظلم کرے گی۔

الجواب بالصواب بعون الملک الوہاب

ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب الموضوعات الکبیر ص ۱۰۶ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں لکھا ہے۔

ومن ذلك الأحاديث في ذَمِّ معاوية وَ ذَمِّ عَمْرِو بنَ العَاص و ذَمِّ بَنِي أُمَيَّة و مدح المنصور والسفاح۔ و كَذَا ذَمِّ يَزِيدُ وَالوَلِيدُ وَ مَرْوَانَ بن الحكم الى آخر ماقال یعنی اسی موضوع اور من گھڑت باتوں کے قبیل سے وہ حدیثیں بھی ہیں جو حضرت امیر المؤمنین معاویہؓ اور عمرو بن العاص جو خلیفہ عباسی منصور اور سفاح کی مدح سرائی میں وضع کی گئی ہیں اور تمام وہ حدیثیں بھی موضوع اور من گھڑت ہیں جو یزید بن معاویہ اور ولید اور مروان بن الحکم کے بارے گھڑی گئی ہیں۔

اور سوال میں جو مذمت نقل کی گئی ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے جو کسی عدو اللہ نے دشمنی میں یہ بات گھڑی ہے جس کا تصور ہی کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔

سوال نمبر۳

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب پیشاب پر بیٹھے تو عضو تناسل (عضو مخصوص) کو کاٹ ڈالا۔ حکیم کے پاس علاج کے لیے گئے تو حکیم نے کہا کہ اس کا علاج شادی ہے۔ آپ کے جسم اطہر پر دانے نکل آئے۔ آپ نے مجبور ہو کر شادی کی۔

الجواب بالصواب بعون الملک الوہاب

یہ بھی بے سند واقعہ کسی عابد المذاکیر و الفروج کا گھڑا ہوا ہے۔ کسی حدیث و آثار کی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں اور اسماء الرجال کی کتب کا دامن بھی اس خبیث قصے سے پاک ہے۔

فائدہ　بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ معاویہ کے معنے کیا ہیں؟ کوئی علم ادب کا مبتدی طالب علم اپنی کم علمی کے سبب غلط معنے بیان کر دے تو بغلیں بجاتے ہیں اور خوب ہنستے ہیں اور تالیاں بجاتے اور لوٹ پوٹ ہوتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ معاویہ باب مفاعلہ سے اسم فاعل ہے جس کے اخیر میں ۃ مبالغہ کی بڑھائی گئی ہے۔ جیسے علامۃ کے آخیر میں ۃ مبالغہ کی بڑھائی گئی ہے۔ مادہ اس کا عوی ہے (ع و ی لَفیف مَقرون) اس کے معنے جب مجرد کے باب میں استعمال ہوتا ہے (عَوی یعوی

عبا) تو اس کے معنے ہیں "بھونکنا" جیسے ایک شاعر نے انشاد کیا۔

جزی ربّهٗ عنّی عدی بن حاتم

جزاءَ الکلاب العاویاتِ وَقد فعل

یعنی عدی بن حاتم کو (والعیاذ باللہ) اس کا رب میری طرف سے اس طرح سزا دے جس طرح بھونکنے والے کتوں کو سزا دی جاتی ہے۔ اور اس کے رب نے اس کے ساتھ ایسا ہی کر بھی دیا۔

لیکن جب یہ مادہ (ع۔و۔ی) باب مفاعلہ میں استعمال کیا جاتا ہے تو پھر اس کے معنے بھونکنے کے نہیں رہتے کیونکہ اصول ہے کہ زیادۃُ اللفظ تفید زیادۃ المعنے یعنی لفظ سے بڑھنے سے معنے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ تو اسی طرح یہاں باب مفاعلہ کے الف بڑھنے سے معنے بھی بڑھ گئے۔ یعنی جب مجرد تھا تو لازم تھا اب جب ثلاثی مزید باب مفاعلہ میں استعمال ہوا تو متعدی ہو گیا۔ یہ معنے بھونکانا (یعنی کتوں کو بھونکانا) اہل لغت نے بھی یہی معنے لکھے ہیں چنانچہ المنجد ص ۵۳۹ میں ع وی مادہ کے تحت لکھا ہے عاوی معاواۃُ الکلاب: صایحها یعنی اس نے کتوں کو بھونکایا۔ اب اس باب سے اور کئی الفاظ ایسے لغت عرب میں مستعمل ہیں۔

جیسے عاجز (ثلاثی مجرد سے اسم فاعل) کے معنے ہیں ہارنے والا اور معاجز (ثلاثی مزید باب مفاعلہ سے اسم فاعل) کے معنے ہیں دوسرے

علمبردار مقرر کیا گیا۔

- وفاتِ یزید بن ابی سفیان کے بعد حضرت عمرؓ نے آپؓ کو شام کا گورنر مقرر کیا
- آپؓ عہدِ عثمانی میں شام اور اردن کے گورنر بنائے گئے۔
- آپؓ کے حق میں رسول اللہ کی دعا تھی۔ اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً
- یکم محرم ۱۹ ہجری کو آپؓ امیر بنائے گئے۔
- حضرت حسنؓ بن علیؓ نے بھی خلافت ان کے سپرد کر دی تو آپؓ باجماعِ امت امیر المؤمنین ہو گئے۔
- آپؓ ۴۱ ربیع الاول ۴۱ھ سے ۲۲ رجب ۶۰ھ (۱۹ برس ۵ ماہ ایک دن) ۶۴ لاکھ ۵۵ ہزار مربع میل پر خلیفہ رہے۔
- آپؓ کے دورِ خلافت میں کابل، قندھار، خضدار، قزدان، طخارستان، غزنی، زرنج، کوہ بین، سندھ کے قریب دیوار کے علاقے اور روم کے زیرِ تسلط علاقے، جزیرہ ارواد، جزیرہ قبرص، قسطنطنیہ، روڈس (سسلی) صیدا، عرقہ، جبیل، بیروت پر حکومت رہی۔

تسلیۃ الطالب

فی دفاع

ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

تسلیۃ الطالب فی دفاع ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ

سوال: قرآن مجید کی آیات مبارکہ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ ...(۹: ۷۵-۷۸) کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیات مبارکہ ایک منافق ثعلبۃ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولت مند ہوجانے کی دُعا فرمادیجیے؛ آپ نے فرمایا کہ: ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تُو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اُس بہت چیز سے اچھی ہے جس کے حقوق ادا نہ کرسکے۔ اُس نے پھر وہی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقشِ قدم پر چلے؟ آپ کے انکار پر اس کا اصرار بڑھتا رہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مال دے گا تو میں پُوری طرح حقوق ادا کروں گا۔ آخر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔ اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہُوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اتنا پھیلاوا ہُوا کہ ان میں مشغول ہوکر رفتہ رفتہ جمعہ وجماعات بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے تحصیل پہنچے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ دو ایک دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے صاف اِنکار کردیا۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: وَیْحَ ثعلبہ کہ ثعلبہ پر سخت افسوس ہے۔ اور یہ آیات نازل ہُوئیں، جب اس کے بعض اقارب نے اس کی خبر پہنچائی تو بادلِ ناخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہُوا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ یہ سُن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زکوٰۃ قبول نہ فرمانا اس کے لیے بڑی عار کی بات تھی۔ بدنامی کے تصور سے سر پر خاک ڈالتا تھا مگر دل میں نفاق چھپا ہُوا تھا۔ الخ

○ اس کے باوجود بعض کتبِ تفسیر میں لکھا ہے کہ ثعلبۃ بن حاطب بدر اور اُحد میں حاضر تھے۔ جبکہ بدری صحابہؓ کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبانِ مبارک سے جنت کی بشارت دی ہے۔ جیسا کہ مسند احمد میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لن یدخل النار رجل شہد بدرا والحدیبیۃ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۲)

کہ بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہونے والا آدمی کبھی دوزخ میں نہ جائے گا۔

○ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ثعلبہ مذکور بدر میں حاضر ہوئے یا نہیں؟ اور اگر یہ بدری صحابہؓ میں شامل ہیں تو محولہ بالا قرآنی آیات کے شانِ نزول میں زکوٰۃ سے انکار کرنے والا منافق بھی یہی بدری صحابی کس طرح ہوسکتا ہے؟

(مولانا حافظ ولی سید 'دار القرآن لاشاعۃ التوحید والسنۃ' کالوخان صوابی)

جواب: سیدنا ثعلبۃ بن حاطب بن عمرو بن عبید بن امیۃ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف انصاری اوسی رضی اللہ عنہ بدر اور اُحد میں حاضر موجود تھے جیسا کہ:

① علامہ محمد بن سعد نے الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۴۶۰ میں' ② علامہ ابن حبان نے الثقات ج ۳ ص ۳۶ میں' ③ علامہ ابوالقاسم طبرانی نے معجم کبیر ج ۲ ص ۸۷ و ۸۸ میں' ④ علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب ج ۱ ص ۲۰۰ بر ہامش اصابہ میں' ⑤ علامہ ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب ص ۳۳۴ میں' ⑥ علامہ واقدی نے مغازی الواقدی ج ۱ ص ۱۵۹ میں' ⑦ علامہ ابن الاثیر نے اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۸۳ و ۲۸۵ میں' ⑧ علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۱۶ میں' ⑨ علامہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۶۶ میں' اور ⑩ علامہ ابن سید الناس نے عیون الاثر ج ۱ ص ۲۷۵ میں تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح ⑪ ابن مندہ ⑫ ابونعیم ⑬ محمد بن اسحٰق اور ⑭ موسیٰ بن عقبہ نے بھی سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا شمار بدری صحابہؓ میں کیا ہے۔

○ اور دوسری طرف اکثر مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیاتِ مبارکہ ثعلبۃ بن حاطب کے حق میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً: ① تفسیر جلالین ② تفسیر جامع البیان بر جلالین

⑩ تفسیر بیضاوی ⑪ تفسیر مدارک ⑤ تفسیر خازن ⑥ تفسیر بغوی ④ تفسیر طبری
○ تفسیر ابن کثیر ○ تفسیر ابوالسعود ○ تفسیر رازی ○ تفسیر تیسیر الرحمٰن،
○ تفسیر کشاف' اور ○ تفسیر واحدی وغیرہم۔ اسی طرح اُردو مترجمین میں سے
○ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی ○ مرزا حیرت دہلوی ○ ڈپٹی نذیر احمد
○ علامہ شبیر احمد عثمانی ○ مفتی محمد شفیع دیوبندی ○ عبدالماجد دریا بادی
○ احمد رضا خان بریلوی ○ امیر علی ملیح آبادی ○ وحید الزمان وغیرہ نے بھی
یہی لکھا ہے کہ یہ آیات مبارکہ ثعلبۃ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئیں۔

○ لیکن بعض مفسرین نے اس قول سے اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے اس کے اور کئی اسباب بیان کیے ہیں۔ مثلاً:

○ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب بعض وہ منافق ہیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرکے اس کی خلاف ورزی کرتے تھے' جیسا کہ احکام القرآن للکیا ہراسی ج ۴ ص ۱۰۰ میں ہے۔

○ بعض نے کہا کہ اس آیت کے نزول کا سبب ثعلبۃ بن ابی حاطب ہے جو کہ بدری نہیں' بلکہ "وہ ان منافقین میں سے تھا' جنھوں نے مسجد ضرار بنائی تھی' جیسا کہ صاحب المغازی محمد بن اسحاق کے حوالے سے حضرت حافظ ابن حجر نے الاصابہ ج ۱ ص ۱۹۸ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ بعض نے کہا کہ ان آیات کے نزول کا سبب حاطب بن ابی بلتعہ ہے۔ جیسا کہ کیا ہراسی نے احکام القرآن ج ۴ ص ۱۰۰ میں دیگر اقوال کے ساتھ ساتھ ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ نیز حضرت امام رازی نے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

○ بعض نے کہا کہ ان آیات کے نزول کا سبب معتب بن قشیر ہے۔ جیسا کہ زاد المسیر لابن الجوزی ج ۳ ص ۴۷۲، و تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۲۰۹ میں ہے۔

○ بعض نے کہا کہ ان آیات کے نزول کا سبب نبتل بن الحارث ہے۔ جیسا کہ زاد المسیر و قرطبی میں منقول ہے۔

○ بعض نے کہا کہ ان آیات کے نزول کا سبب جد بن قیس ہے۔ (قرطبی)

- بعض نے کہا کہ کوئی (نا معلوم) انصاری اس آیت کے نزول کا سبب ہے، جس نے عہد کر کے ایفاء نہ کیا تھا۔ (قرطبی ج ۸ ص ۲۰۹)
- تاہم اکثریت کا کہنا یہی ہے کہ ان آیات کے نزول کا سبب ثعلبۃ بن حاطبؓ مگر اس اکثری قول کی تصحیح کسی نے نہیں کی۔ بلکہ بڑے بڑے محققین نے اس کی تردید کی ہے۔ مثلاً:
- حضرت علامہ حافظ ابن حجر نے تحریر فرمایا کہ حضرت ثعلبۃ بن حاطب کے بارے میں جو یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۱۹۸)
- نیز تخریج احادیث الکشاف میں ثعلبۃ بن حاطب کے متعلق اس روایت کے متعلق آپ نے فرمایا: ضعیف جدًا کہ یہ پرلے درجے کی ضعیف روایت ہے۔
- نیز فتح الباری میں آپ نے فرمایا: ضعیف لایحتج بہ کہ ثعلبۃ بن حاطب کے بارے میں یہ روایت اس قدر ضعیف ہے کہ اس کو دلیل نہ بنایا جائے۔
- حضرت علامہ ذہبی نے فرمایا کہ ثعلبۃ بن حاطب کے بارے میں یہ قصہ منکر ہے' یعنی ثقہ راویوں کے خلاف ہے۔ (تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۶۶)
- حضرت علامہ بیہقی نے فرمایا کہ سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قصہ باطل ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۸۹)
- حضرت علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ مانع زکوٰۃ تھے' اور یہ آیات ان کے بارے میں اتری ہیں' تو اس کا یہ قول درست نہیں۔ (الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۱۲۲ و ۱۲۳)
- حضرت علامہ سیوطی نے لباب النزول میں تحریر فرمایا ہے کہ جس روایت میں یہ آیا ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیاتِ مبارکہ سیدنا ثعلبۃ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' اس کی سند ضعیف ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کا سبب سیدنا ثعلبۃ بن حاطب نہیں' وہ کوئی اور ہی ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۱)

- حضرت علامہ مناوی نے جامع صغیر کی شرح میں اس روایت کو باطل اور بے بنیاد قرار دیا ہے۔
- حضرت علامہ قرطبی نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ آیت ثعلبۃ بن حاطب کے بارے میں اتری ہے اور یہ کہ وہ نعوذ باللہ مانع زکوٰۃ تھے، تو اس شخص کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۲۱۰)
- حضرت علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی یہی فرمایا ہے کہ حضرت ثعلبۃ بن حاطب کی وجہ سے اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے سے متعلق حدیث باطل ہے۔ جیسا کہ ج ۱۱ ص ۲۰۷ و ۲۰۸ میں ہے۔

اس حدیث کی سند

تفسیر طبری اور تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۷ میں کئی سندوں کے ساتھ اس آیت کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے ایک سند اس طرح ہے:
حدثنی محمد بن سعد قال حدثنی ابی قال حدثنی عمی قال حدثنی ابی عن ابن عباس۔ اس سند میں محمد بن سعد نے بتلایا ہے کہ یہ بات مجھے میرے والد صاحب نے بتلائی تھی۔ جبکہ ان کے والد کا نام سعد بن محمد بن الحسن بن عطیۃ بن سعد بن جنادۃ ابوجعفر عوفی ہے۔ اور یہ روایت ان کی خاندانی روایت ہے۔

- یعنی محمد بن سعد نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے چچا یعنی حسین بن الحسن بن عطیہ ابوعبداللہ عوفی سے اور انھوں نے اپنے والد یعنی حسن بن عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی جدلی کوفی سے یہ روایت سُنی۔ اور خیر سے یہ سب چاچے باپے اہل علم کے نزدیک مجروح ہیں۔ مثلاً:
- محمد بن سعد کے والد سعد بن محمد بن الحسن بن عطیہ ابوعبداللہ عوفی کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ یہ فرقہ جہمی کا مُبتدع ہے۔ اور یہ شخص اس قابل ہی نہیں کہ اس کی روایت کردہ حدیث کو لکھا جائے۔ (لسان المیزان ص ۱۸/۳)
- پھر سعد بن محمد کے اُستاذ کا نام حسین بن الحسن بن عطیہ ابوعبداللہ عوفی ہے، اور یہ

سعد بن محمد کے چچا بھی ہیں۔ ان کے متعلق بھی محقق علماء کچھ اچھی رائے نہیں رکھتے۔ مثلاً:

- حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ اس سے روایت کردہ حدیث ذلکھی جائے۔
- حضرت امام ابن حبان اور ابن عدی نے فرمایا کہ یہ شخص ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے جس کا متابع اور کوئی نہ ہو۔
- نیز آپ فرماتے ہیں کہ یہ شخص حدیثوں کو اُلٹ پلٹ کرکے بیان کرتا تھا۔
- نیز آپ فرماتے ہیں کہ یہ شخص بارہا مرسل حدیثوں کو مرفوع کر دیا کرتا، اور موقوف کو مسند بیان کرجاتا تھا۔ اس لیے اس کی بیان کردہ حدیث کو دلیل میں پیش کرنا جائز نہیں۔
- حضرت امام ابن معین نے یہ بھی فرمایا کہ ابو عبداللہ عوفی جس طرح قضا میں ضعیف ہے اسی طرح حدیث میں بھی ضعیف ہے۔
- اسی طرح حضرت امام نسائی، اور ابو حاتم رازی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔
حضرت امام جوزجانی نے فرمایا کہ ابو عبداللہ عوفی واہی الحدیث ہے۔
- ان اکابر نقاد محدثین کے علاوہ خود محمد بن سعد نے بھی اپنے دادا استاذ اور اپنے باپ کے چچا ابو عبداللہ عوفی کو ضعیف فی الحدیث کہا ہے۔
- پھر ابو عبداللہ عوفی کے استاذ کا نام حسن بن عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی جدلی کوفی ہے، جو کہ ابو عبداللہ عوفی کے والد بھی ہیں۔ اکثر نقاد محدثین کرام نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ دیکھیے: التاریخ الکبیر للبخاری ج ۲ ص ۳۰۱ و الجرح والتعدیل والمجروحین ج ۱ ص ۲۳۴ و ۲۸۲ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۰۳ و سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۳۹۶ و تھذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۹۴ و تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۸۔
- نیز امام ابن حبان نے فرمایا کہ اس کا ترک کرنا واجب ہے۔
- نیز امام ابو حاتم رازی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
- پھر حسن بن عطیہ کے اُستاذ اور والد کا نام ابو الحسن عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی ہے۔ گو کہ یہ صدوق تھا، مگر کثرت سے غلطیاں کرنے کا عادی تھا، اس کے

ساتھ ساتھ مدلس اور شیعہ بھی تھا۔

- حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابوالحسن عوفی ضعیف الحدیث ہے۔
- اسی طرح حضرت ہُشیم، ثوری اور ابن معین بھی اس کی روایت کی ہُوئی حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔
- اسی طرح حضرت امام نسائی نے بھی ابوالحسن عوفی کو ضعیف قرار دیا ہے۔
- حضرت امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ الحسن عوفی معتمد علیہ آدمی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شخص قصداً تدلیس سے کام لیتا تھا، اس لیے اس کی بیان کردہ حدیث کو دلیل میں پیش کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کی حدیث کو لکھنا بھی جائز نہیں۔
- یاد رہے کہ "ایک تو کڑوا کریلا دُوسرے نیم چڑھا" کے مصداق ابوالحسن عوفی کوفی ضعیف اور مدلس ہونے کے ساتھ ساتھ کوفہ کے رہنے والے شیعوں میں سے تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۳۵۹ و المجروحین ج ۲ ص ۱۷۹ و الکامل ج ۵ ص ۲۰۰۷ و میزان الاعتدال ج ۳ ص ۷۹ و سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۳۲۵ و تہذیب التہذیب ج ۔ ص ۲۲۴ و تقریب التہذیب ص ۲۹۵۔

اب چونکہ ابوالحسن عوفی سمیت زیر بحث روایت کے چاروں راوی ضعیف ہیں، اس لیے دُنیا بھر کے تمام مفسرین بھی اگر اس روایت کو نقل کر ڈالیں تب بھی قابلِ استدلال نہیں ہو سکتی۔

اس روایت کی دُوسری سند

مذکور بالا سند کے علاوہ یہ روایت ایک دُوسری سند سے بھی مروی ہے۔ فہو ہذا:

حدثنی المثنی قال حدثنا ھشام بن عمار قال حدثنا محمد بن شعیب قال حدثنا معان بن رفاعة السلمی عن ابی عبد الملک علی بن یزید الالھانی انه اخبرہ عن ابی امامة الباھلی عن ثعلبة بن حاطب الانصاری۔ اس سند میں طبری کا استاذ مثنیٰ ہے۔

- علامہ عذاب محمود الحشن نے تحریر فرمایا ہے کہ ان کا نام مثنیٰ بن ابراہیم آملی ہے،

جس سے تفسیر اور تاریخ میں علامہ طبری بکثرت روایت کرتا ہے۔

○ نیز علامہ عُلاب نے تحریر فرمایا ہے کہ میں اس کے حالات معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مثنیٰ بن ابراہیم آملی شہر آمل کے علماء میں سے کوئی عالم ہوگزرے ہیں۔ (ثعلبۃ بن حاطب الصحابی المفتریٰ علیہ)

○ لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ شخص، شیعہ تھا یا سُنی۔ اسی طرح یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ واقعی مثنیٰ بن ابراہیم آملی نے یہ روایت حضرت امام ہشام بن عمار سے سُنی بھی تھی، یا اپنے پاس سے گھڑ کر یا کسی اور گپّی سے سُن کر بڑے مُحدّث امام ہشام کی طرف جھوٹ موٹ منسوب کر دی تھی۔ کیونکہ جب تک اس بات کا یقین نہ ہو کہ فلاں راوی ضعیف یا کذّاب تھا' اس وقت تک یہ تو ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ محض اس راوی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف یا موضوع ہے، کیونکہ ہمیں تو اس کا حال ہی معلوم نہیں۔

○ بہرحال مثنیٰ بن ابراہیم نے کہا ہے کہ مجھے اور میرے دیگر ساتھیوں کو بھی حضرت امام ہشام نے یہ روایت سنائی تھی۔

○ یاد رہے کہ جب امام ہشام بن عمار نے یہ روایت مثنیٰ بن ابراہیم آملی وغیرہ کے سامنے بیان کی تھی تو نہ جانے کس انداز میں کی ہو۔ اس لیے ممکن ہے کہ انھوں نے شکوٰی کے طور پر یہ روایت بیان کی ہو کہ ایک نامعلوم عہد شکن اور منکرِ زکوٰۃ انصاری (مدنی) منافق کے اس واقعے کو اغیار نے کس ڈھٹائی کے ساتھ ایک جلیل القدر اور مبشّر بالجنّۃ بدری صحابی سیدنا ثعلبۃ بن حاطبؓ کی طرف منسوب کرکے لوگوں میں مشہور کر رکھا ہے' جیسا کہ ہمیں حضرت امام محمد بن شعیب نے بتلاتے ہُوتے فرمایا تھا کہ ہمیں یہ بات معان بن رفاعہ نے سُنائی تھی۔ الخ

○ اس روایت میں مثنیٰ بن ابراہیم آملی نے اپنے استاذ کا نام ہشام بن عمار بتلایا ہے' جبکہ حضرت ہشام بن عمار ابوالولید سلمی کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۵۳ھ اور وفات ۲۴۵ھ میں ہوئی۔ محدثین کے نزدیک آپ

صدوق تو ضرور ہیں لیکن جب بڑی عمر کے ہوگئے تو اُن کی قوتِ حافظہ میں تغیر واقع ہوگیا تھا، حتیٰ کہ ان کو تلقین کی جاتی تھی۔ (تقریب التہذیب ص ۳۸۱)

- پھر ان کے استاذ حضرت امام محمد بن شعیب بن شابور اموی سولاہم دمشقی نزیل بیروت ہیں اور صحیح الکتاب ہیں۔ ابن مبارک اور دحیم نے ان کی توثیق کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۱۶ و تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۲۲ و تقریب التہذیب ص ۳۲۳)
- پھر ان کے اُستاذ کا نام معان بن رفاعہ سلمی ہے۔ ان کے متعلق محدثین کی رائے میں اختلاف ہے۔ مثلاً:
- حضرت علی بن مدینی اور دحیم نے تو معان بن رفاعہ کو ثقہ کہا ہے۔
- حضرت امام احمد بن حنبل، محمد بن عوف اور ابوداؤد نے لا باس بہ کہا ہے۔ مگر باقی علماء کا بیان ان کے ضعف کو ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً:
- حضرت محدث دوری نے یحییٰ بن معین کے حوالے سے فرمایا کہ معان بن رفاعہ سلمی ضعیف ہے۔
- حضرت محدث یعقوب بن سنان نے معان بن رفاعہ کو لین الحدیث کہا ہے۔
- حضرت محدث ابن عدی فرماتے ہیں اس کی بیان کردہ اکثر روایات میں اس کا متابع کوئی دوسرا راوی نہیں ہوتا۔
- حضرت محدث ابن حبان فرماتے ہیں کہ معان بن رفاعہ سلمی منکر الحدیث ہے'
- نیز آپ نے فرمایا کہ یہ اکثر اوقات مرسل حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اور مجہول لوگوں سے بھی روایت بیان کرتا رہتا ہے، جبکہ اس کی بیان کردہ حدیث ثقہ راویوں کی بیان کردہ حدیث کے ساتھ مشابہت بھی نہیں رکھتی۔
- حضرت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ لین الحدیث اور کثیر الارسال ہے۔
- حضرت علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ صاحب حدیث، متقن اور پختہ راوی نہیں۔
- حضرت امام عقیلی نے معان بن رفاعہ کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے۔
- حضرت محدث ابوحاتم رازی نے فرمایا ہے کہ معان بن رفاعہ سلمی کی بیان کردہ

حدیث لکھ تو لیں مگر اس حدیث کو دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح

- حضرت محدث جوزجانی نے بھی یہی فرمایا کہ یہ حجت نہیں ہے۔
- پھر اس کے استاذ کا نام ابو عبدالملک علی بن یزید بن ابی زیاد الہانی شامی دمشقی ہے۔ اس کا شمار ضعیف راویوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ:
- حضرت امام بخاری نے ایک جگہ تو اسے ضعیف کہا ہے جبکہ دُوسرے مقام پر منکر الحدیث تک فرمایا ہے۔
- حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے علی بن یزید کے بارے میں کلام کیا اور اسے ضعیف کہا ہے۔
- نیز آپ نے ایک جگہ فرمایا کہ علی بن یزید ذاہبُ الحدیث ہے۔
- حضرت امام نسائی نے فرمایا کہ علی بن یزید متروک الحدیث ہے۔ اسی طرح
- حضرت امام دارقطنی نے بھی اسے متروک قرار دیا ہے۔
- حضرت علامہ ابن حجر نے تقریب التہذیب ص ۲۷۵ میں فرمایا ہے کہ علی بن یزید ضعیف ہے۔
- حضرت علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳ میں اسے متروک کہا ہے۔
- بہرحال یہ روایت جیسا کہ پہلی سند کی رو سے ضعیف ہے اسی طرح دُوسری سند کے لحاظ سے بھی یہ روایت ضعیف اور ناقابلِ استدلال ہے۔

اس روایت کی تیسری سند

مذکورہ بالا دونوں سندوں کے علاوہ یہ روایت ایک اور سند سے بھی آئی ہے فہو ہذا:
حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة عن ابن اسحاق عن عمرو بن عبید عن الحسن. قرآن مجید کی آیتِ مُبارکہ "وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ..... (۹:۷۵)" کی شانِ نزول سے متعلق روایت کی اس تیسری سند میں محمد بن حمید رازی کا نام بھی آتا ہے جو کہ محقق محدثین کے نزدیک غیر ثقہ، کثیر المناکیر اور بد مذہب تھا۔ بلکہ حضرت امام نسائی، صالح بن محمد، ابونعیم، ابن عدی، ابن خراش، ابن وارہ، اسحاق الکوسج، ابوزرعہ،

اور فضلک رازی کے نزدیک تو محمد بن حمید رازی سرے سے کذّاب اور جھوٹا ہے۔
اس لیے اس کی بیان کردہ روایت کو دلیل میں پیش کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

- پھر اس کے استاذ کا نام سلمۃ بن الفضل الابرش ابوعبداللہ الازرق الانصاری مولے الانصاریین ہے۔ جو شہر رَیّ کا ایک ظالم قاضی تھا۔
- حضرت امام نسائی اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک سلمۃ الابرش حدیث میں ضعیف ہے۔
- حضرت امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ غیر ثقہ ہے۔
- حضرت امام دوری فرماتے ہیں کہ اس میں تشیّع یعنی شیعہ پن تھا۔
- حضرت امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ اس کی بیان کردہ حدیث کو دلیل میں پیش نہیں کرنا چاہیے۔
- پھر اس کے اُستاذ کا نام محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار قرشی مطلبی مولاہم المدنی ہے اس کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں۔ تاہم اکثر علماء کے نزدیک ضعیف ہے مثلاً:
- حضرت امام احمد بن حنبل، ابو حاتم، یحییٰ بن معین وغیرہ محمد بن اسحاق کو ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن بعض علماء کے نزدیک محمد بن اسحاق کو سرے سے کذاب ہی کہتے ہیں۔ مثلاً:
- حضرت محدث ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید قطان، سلیمان تیمی، اعمش، وہیب بن خالد اور حضرت امام مالک نے محمد بن اسحاق کو کذاب کہتے ہیں۔ بلکہ:
- حضرت امام مالک نے تو محمد بن اسحاق کو دجّال تک کہا ہے۔
- محمد بن اسحاق اور اس کے شاگرد سلمۃ الابرش اور اس کے شاگرد محمد بن حمید رازی یعنی اس روایت کی تیسری سند کے ان تینوں راویوں کے متعلق محدثین کرام کی آراء "اطیبُ الکلام فی نکاح یوسف علیہ السلام" میں بیان کر دی گئی ہیں۔[1]
- پھر اس روایت میں محمد بن اسحاق کے استاذ کا نام عمرو بن عبید بن باب ابوعثمان بصری ہے جو کہ تارکِ دُنیا اور عبادت گزار ہونے کے باوجود معتزلی اور قدری یعنی شرائطِ ایمان میں سے وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی کا منکر تھا۔ محقق محدثین اس کے متعلق بھی اچھی رائے نہیں رکھتے۔ مثلاً:

[1] [illegible]

- حضرت امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ ابوعثمان بصری ضعیف الحدیث ہے۔
- حضرت امام نسائی فرماتے ہیں کہ ابوعثمان بصری متروک الحدیث ہے۔
- حضرت محدث ایوب سختیانی اور یونس نے فرمایا کہ یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔
- حضرت محدث حسین فرماتے ہیں کہ عمرو بن عبید بن باب ابوعثمان بصری
- حضرت امام حسن بصری پر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ اور اس نے زیر بحث روایت کو بھی حضرت حسن بصری کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔ البتہ:
- حضرت امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ ابوعثمان بصری قصداً تو جھوٹ نہ بولتا تھا تاہم وہم کا شکار ہو کر جھوٹ بول جاتا تھا۔
- حضرت علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ عمرو بن عبید بن باب لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا تھا۔
- محقق محدثین کرام کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت سرے سے من گھڑت اور موضوع ہے۔ خصوصاً اس تیسری سند سے مروی روایت میں تو ایک اور خباثت بھی ہے کہ "یک نہ شد دو شد" کے بمصداق اس روایت میں سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ ایک اور جلیل القدر صحابی رسول سیدنا معتب بن قشیر رضی اللہ عنہ کو بھی انکارِ زکوٰۃ جیسے جرمِ عظیم کا مرتکب اور منافق ثابت کیا گیا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) حالانکہ:
- جس طرح سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ جنت کی بشارت یافتہ بدری صحابی ہیں، اسی طرح سیدنا معتب بن قشیر رضی اللہ عنہ بھی مُبشر بالجنۃ بدری صحابی ہیں۔ جیسا کہ الاصابہ ج ۳ ص ۴۴۳ و اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۹۴ و ۳۹۵ و استیعاب میں ہے۔
- نیز اس روایت کے ایک نامور راوی محمد بن اسحاق نے خود اس حقیقت کا بھی اقرار کیا ہے کہ سیدنا معتب بن قشیر رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں، جو بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ دیکھیے: الاصابہ ج ۳ ص ۴۴۳ و استیعاب و اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۹۴ و ۳۹۵۔

- یاد رہے کہ زاد المسیر اور تفسیر قرطبی میں بھی سند کے بغیر زیر بحث یہی روایت منقول ہے، لیکن اس میں نہ تو سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا نام ہے اور نہ ہی سیدنا مُعتِّب بن قشیر رضی اللہ عنہ کا نام آیا ہے۔ بلکہ ان کی جگہ دیگر دو صحابۂ کرامؓ سیدنا نبتل بن الحارث اور سیدنا جد بن قیس رضی اللہ عنہما کے نام موجود ہیں۔ لیکن یہ بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ دونوں ہستیاں بھی مبشر بالجنۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست میں شامل ہے۔ کیونکہ تمام صحابۂ کرام مبشر بالجنۃ ہیں۔ (دیکھیے: ۵۷:۱۰)
- اس میں شک نہیں کہ بعض علماء نے نبتل بن الحارث کا شمار منافقین میں کیا ہے لیکن ابو عبید القاسم بن سلام نے اپنی کتاب النسب میں ان کے بھائی حضرت ابو سفیان کے ساتھ ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عبید القاسم کو نبتل بن الحارث کی توبہ کا علم ہوگیا تھا۔ اور ان کا مخلص مومن ہونا ثابت ہوگیا تھا۔ لہٰذا یہ بدری صحابی جنت کے بشارت یافتگان کی فہرست میں شمار کیا جائے گا۔ دیکھیے: الاصابہ ج ۵ ص ۵۳۹۔
- اسی طرح جد بن قیس بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمۃ الانصاری سلمی ابو عبد اللہ جو کہ براء بن معرور کے چچا زاد بھائی ہیں، اور ان سے سیدنا جابر بن عبد اللہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہما روایت لیتے ہیں مگر ان کے متعلق بھی بعض لوگ نفاق کی بدگمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي (۹:۴۹) ان کے حق میں ہی نازل ہوئی۔
- اور یہ بات ابو نعیم اور ابن مردویہ نے بسند ضحاک حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے، حالانکہ ضحاک نے براہ راست سیدنا ابن عباسؓ سے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ضحاک کی سیدنا ابن عباس سے ملاقات تک نہیں ہو سکی تھی۔ البتہ ضحاک سچا تو ہے مگر عام طور پر وہم کا شکار ہوتا رہتا تھا۔ اور یہ روایت بھی یقیناً اسی وہم کا نتیجہ ہے۔
- اسی طرح اس سلسلہ میں ابن مردویہ نے ایک روایت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کی ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

- اسی طرح اس سلسلہ میں ایک روایت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر اس کی سند میں بھی مبہم راوی ہیں۔ جیسا کہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۷۴ میں ہے۔
- اسی طرح علامہ ابوعمرو ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب تمام لوگوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی تو اس وقت ایک شخص نے بیعت نہیں کی تھی اور وہ اپنی اونٹنی کی اوٹ میں چھپا رہا اور وہ شخص جد بن قیس تھا۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا تھا: لیدخلن الجنۃ من بایع تحت الشجرۃ الا صاحب الجمل الاحمر (ترمذی کتاب المناقب) کہ واللہ! جن جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے مجھ سے بیعت کی ہے وہ سب کے سب ضرور جنت میں جائیں گے سوائے لال اُونٹ والے کے۔
- نیز ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کلکم مغفور لہ الا صاحب الجمل الاحمر (مسلم صفات المنافقین) کہ لال اُونٹ والے کے علاوہ تم سب کے سب بخشے ہوئے ہو۔
- ان دونوں حدیثوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان میں شامل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے لال اُونٹ والے ایک منافق کو اس بشارت سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اہلِ جنت میں سے نہیں ہے۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا نام نہیں بتلایا۔ اس لیے مناسب تو یہی تھا کہ ہم بھی اس کا نام معلوم کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ تاہم چونکہ بعض لوگوں نے بعض ضعیف روایات کی وجہ سے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ بدر و احد اور حدیبیہ جیسے عظیم جنگی معرکوں میں شمولیت کرنے والے مخلص مومنین کو منافقین کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا مصداق قرار دیا ہے، اس لیے

یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ جس طرح بعض اسلام دشمن شرپسندوں نے بدری صحابی سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ پر ضعیف بلکہ موضوع روایات کا سہارا لے کر منافقت کا جھوٹا الزام عائد کیا ہے، بالکل اسی طرح سیدنا جد بن قیس وغیرہ پر بھی منافقت کا بے بنیاد اور جھوٹا الزام لگایا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ وہ لال اونٹنی والا ایک اعرابی یعنی دیہاتی شخص تھا، جبکہ سیدنا جد بن قیس اعرابی نہیں بلکہ اہلِ مدینہ کے سرداروں میں سے ایک نامور اور مشہور و معروف سردار تھے؛ لہٰذا محقق اور پختہ بات یہی ہے کہ بیعتِ رضوان کے موقع پر اپنی لال اونٹنی کے پیچھے چھپ کر بیعت سے بچنے والا منافق کوئی اور نامعلوم شخص تھا۔

○ بہرحال جن روایات میں سیدنا ثعلبۃ بن حاطب اور بعض دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق منافقت کی نسبت کی گئی ہے وہ اوّل تو موضوع اور من گھڑت ہیں، یا کم از کم ضعیف اور ناقابلِ استدلال تو ضرور ہیں۔

○ تاہم جن مفسرین نے موضوع یا ضعیف ہونے کے باوجود اس قسم کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے جنت کے بشارت یافتہ بدری صحابی سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ یا اسی قسم کے بعض دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو منافق سمجھا ہے تو وہ اُن کا تسامح سمجھا جائے گا۔ ورنہ اُن موضوع اور ضعیف روایات کو بھی درست اور قابلِ استدلال سمجھنا ہوگا جن میں آتا ہے کہ چند مخلص مومنین کے علاوہ باقی تمام صحابۂ کرام منافق تھے۔ نعوذ باللہ۔

○ اسی طرح ان تمام روایات کو بھی قابلِ استدلال سمجھنا پڑے گا جن میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین یا چار ہستیوں کے علاوہ باقی تمام صحابۂ کرامؓ نعوذ باللہ مُرتد ہو گئے تھے۔

○ یاد رہے کہ جس طرح بخل سے کام لیتے ہوئے صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ سے انکار کرنے والے عہد شکن منافقین کا نام قرآن مجید میں نہیں آیا، اسی طرح اس سلسلے میں حسن سند کے ساتھ جو حدیث ملتی ہے اُس میں بھی کسی کا نام نہیں آیا۔ چنانچہ:

بسندِ حسن مروی روایت

تفسیر طبری میں ہی بسندِ حسن ایک وہ روایت بھی منقول ہے جس میں نہ تو کسی مُنافق کا نام آتا ہے اور نہ ہی اس بات کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے کہ اس مُنافق نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں فراخئ رزق اور مال دار ہونے کی دُعا کے لیے عرض کیا تھا۔ بلکہ اس روایت میں صرف اس قدر آتا ہے:

○ قوله وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ (الآیۃ)، ذکر لنا ان رجلا من الانصار اتی علی مجلس من الانصار فقال لئن اٰتاہ اللہ مالا لیؤدین الی کل ذی حق حقہ فاٰتاہ اللہ مالا فصنع فیہ ما تسمعون قال فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ.... کہ فرمانِ باری تعالیٰ وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ ...کے شانِ نزول سے متعلق ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری شخص انصاریوں کی مجلس میں آکر کہنے لگا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مال و دولت عطا فرمادے تو میں ہر حق والے کو اس کا حق ادا کردوں گا، تو جب اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سا مال عطا فرمادیا تو اس نے وہی کیا جو تم سُنتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں محض اپنے فضل وکرم سے مال و دولت عطا فرمادیا تو بخل سے کام لیتے ہوئے مُنہ موڑ کر چلتے بنے۔ کی مصداق بخل سے کام لیتے ہوئے مُنہ موڑ کر چلتا بنا۔

○ اس حدیث کی سند مفسر ابن جریر طبری نے اس طرح بیان کی ہے: حدثنا بشر قال حدثنا یزید قال حدثنا سعید عن قتادۃ (تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۲۱۳)

○ اس کے پہلے راوی کا نام بشر بن معاذ عقدی ابوسہل بصری الضریر ہے، جو کہ نابینا تھے۔ یہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ حضرت محدّث ابوحاتم فرماتے ہیں کہ یہ صالح الحدیث اور صدوق تھے۔ حضرت علامہ ابن حجر نے بھی اسی طرح فرمایا کہ یہ صدوق ہیں۔ (دیکھیے: الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۳۶۸ و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۵۸ و تقریب التہذیب ص ۵۲ و سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۳۶۲)

○ پھر ان کے اُستاذ کا نام یزید بن زریع ابومعاویہ تیمی بصری ہے۔ یہ حافظ الحدیث، صحاحِ ستہ کے راوی اور ثقہ ثبت تھے۔ (دیکھیے: تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۵، وتقریب التہذیب ص ۳۹۷ و سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۲۹۶)

○ پھر ان کے استاذ حضرت مُحدّث سعید بن ابی عروبہ مہران یشکری مولاہم البصری ہیں، جوکہ حافظ الحدیث اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ یہ بھی صحاحِ ستہ کے ایک مشہور راوی ہیں۔ البتہ اکثر اوقات تدلیس سے کام چلا لیتے تھے، مگر جو روایت قتادہ سے نقل کرتے ہیں تو دُوسروں سے زیادہ پختہ تھے۔ البتہ عمر کے آخری حصہ میں ان کے دماغ میں اختلاط واقع ہوگیا تھا۔ (دیکھیے: تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۶۳ و تقریب التہذیب ص ۱۲۷ و سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۴۱۳)

○ پھر ان کے اُستاذ حضرت قتادۃ بن دعامہ سدوسی ہیں۔ اور یہ بھی صحاحِ ستہ کے ایک مشہور راوی ہیں۔ اور محقق محدثین کے نزدیک آپ ثقہ ثبت ہیں۔ (دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۶۹)

○ سند کے لحاظ سے یہ حدیث "حسن" ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اس میں کسی مُنافق کا کوئی نام نہیں آیا، صرف انصاری کا لفظ ہے، جس کا اِطلاق مخلص یا منافق کا اِمتیاز کیے بغیر مدینہ منورہ کے باشندوں پر ہوتا ہے۔

○ نیز یہ روایت جس میں کسی منافق کا نام نہیں ہے، محولہ بالا آیات مبارکہ (۹: ۷۵-۸۰) کے سیاق و سباق کے لحاظ سے بھی منطبق ہے۔ کیونکہ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ ... (۹: ۴۹) سے منافقین کی اقسام و اصناف کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ آیت ۱۲۲ تک جاتا ہے۔ یعنی مُنافقین کی پہلی قسم آیت ۴۹ تا ۵۷، دُوسری قسم آیت ۵۸ تا ۶۰، تیسری قسم آیت ۶۱ تا ۶۶، چوتھی قسم آیت ۶۷ تا ۷۳، پانچویں قسم آیت ۷۴، چھٹی قسم آیت ۷۵ تا ۸۰، ساتویں قسم آیت ۸۱ تا ۸۵، آٹھویں قسم آیت ۸۶ تا ۸۹، نویں قسم آیت ۹۰ تا ۹۶، دسویں قسم آیت ۹۷ تا ۱۰۶، گیارھویں قسم

آیت ۱۰۷ تا ۱۱۰۔ اور اس کے بعد آیت ۱۱۱ سے ۱۲۲ تک مخلص مومنین کے لیے ترغیب جہاد کے سلسلے میں بشارتوں وغیرہ کا بیان ہے۔ اس لیے سیاق وسباق کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہنا چاہیے کہ یہ آیات (۹: ۷۵ تا ۸۰) بھی ماقبل اور مابعد والی آیتوں کی طرح کسی منافق کے بارے میں ہی ہیں، خواہ وہ جو کوئی بھی ہو۔ اس کا نام معلوم کرنا کوئی ضروری نہیں، کیونکہ فہم آیت تعیین منافق کی ہرگز محتاج نہیں، اس لیے موضوع یا ضعیف روایت کے سہارے خواہ مخواہ ایک جشر بالجنۃ بدری صحابی سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں۔

مُفسّرین کے تسامح کی وجہ

اس تمام بحث کے بعد اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر کثیر تعداد میں مفسرین نے یہ بات کیونکر لکھ دی کہ اس آیت کا مصداق سیدنا ثعلبۃ بن حاطب ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

- محدثین کا دستور ہے کہ انھیں جہاں سے جس طرح بھی کوئی روایت ملتی ہے تو وہ اسے جوں کا توں نقل کر دیتے ہیں۔ اور اس پر تبصرہ و تنقید کرنے کی بجائے اس روایت کی سند بیان کر دیتے ہیں، جس میں سب راویوں کے نام ہوتے ہیں، اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس روایت میں فلاں فلاں راوی ہیں۔
- اب اگر کسی کو اس کے قابل استدلال ہونے یا نہ ہونے میں کچھ شبہ ہو تو وہ اسماء الرجال کی کتب میں اس روایت کے راویوں کا حال دیکھ کر اس بات کا فیصلہ خود ہی کرلے کہ یہ روایت قابل استدلال ہے یا نہیں۔
- لیکن بعد میں آنے والے ناقلین نے اختصار سے کام لیتے ہوئے سندوں کو حذف کر دیا، اور ان کے بعد والوں نے اس بلاسند روایت کو صحیح سمجھتے ہوئے اپنی کتابوں میں نقل کر دیا، اور اصل کتاب کی طرف مراجعت نہ کی۔ اور اس قسم کی روایات بے شمار ہیں، جن کی سند کو دیکھے بغیر لوگوں نے اسے اپنے ایمان کا حصہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ ان کا یہ طریقہ اصول حدیث کے خلاف ہے۔

- یاد رہے کہ بعض صاحبِ تصنیف جید علماء نے بھی وسیع مطالعہ کے باوجود بطورِ تسامح سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا نام منافقین میں لکھ دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم انھیں معذور سمجھتے ہوئے ان کے حق میں دعائے مغفرت ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ:
- یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تمام کتب کے مطالعہ کا ہر عالم کو موقع نہیں ملتا نیز ذخیرۂ کتب کے حصول اور مطالعہ کی جو سہولت اس دور میں موجود ہے پہلے وقتوں میں ایسا نہیں تھا، اور بعض کتب بعض بڑے بڑے جید محدثین اور علماء کے کتب خانوں میں نہیں تھیں اور نہ ہی انھیں ان کے مطالعہ کا موقع ملا۔ مثلاً:
- امام المحدثین حافظ جلیل ابوبکر احمد بن الحسن بن علی البیہقی کے پاس سنن نسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد جیسی اہم کتابیں نہیں تھیں۔ دیکھیے: حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۱۲۵ و بستان المحدثین ص ۱۳۳ و الحاوی فی سیرۃ الطحاوی ص ۲۵۔
- اسی طرح اہلِ ظواہر کے امام علامہ ابن حزم ظاہری کے پاس سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی نہیں تھی۔ (حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۱۲۴)
- علامہ تقی الدین ابن دقیق العید کے پاس کتاب العبر نہ تھی۔ (نخبۃ الفکر ص ۱۲۰)
- امام الشہیر ملا علی القاری کے پاس مشکل الآثار للطحاوی نہ تھی۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۲۴)
- امام نووی کے پاس الترغیب والترہیب نہیں تھی۔ (لواقح الانوار المقدسہ علی لطائف المنن ص ۱۲۵ و ۱۲۶)
- امام شوکانی کے پاس صحیح ابن خزیمہ نہ تھی۔ (اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۶۷)
- اسی طرح امام الہند شاہ ولی اللہ کے پاس شیعہ کی اکثر بڑی بڑی کتابیں مثلاً کافی کلینی وغیرہ نہیں تھیں۔ (ایرانی انقلاب ص ۶۴)
- علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے پاس مختصر طحاوی نہ تھی۔
- مولانا اشرف علی تھانوی کے پاس مصنف عبدالرزاق نہ تھی۔
- اسی طرح علامہ سید محمد سلیمان ندوی کے پاس بھی مصنف عبدالرزاق نہ تھی۔
- مولانا خلیل احمد کے پاس جامع الفصولین، ظہیریہ اور نہر الفائق نہیں تھیں۔ (فتاوے

مظاہر العلوم ص ۱۱۵ و ۳۲۷)

- علامہ شبلی نعمانی کے پاس البدایہ والنہایہ اور مستدرک حاکم نہ تھی۔
- اسی طرح اور بہت سے علماء کے پاس بھی بعض اہم قابل مطالعہ کتب نہ تھیں۔
- یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضؓ کا نام منافقین میں لکھ دیا۔ اور جن علماء کو یہ معلوم ہُوا کہ ثعلبۃ بن حاطب تو ایک بدری صحابی کا نام تھا، تو ان علماء میں دو گروہ ہو گئے۔ چنانچہ:
- ایک گروہ نے تو یہ سمجھا کہ ثعلبۃ بن حاطب نام کے دو شخص ہُوئے ہیں جن میں سے ایک تو بدری صحابہ کرام میں سے تھا، اور دُوسرا وہ منافق تھا جس نے عہد شکنی کی۔
- اور دُوسرے گروہ نے یہ سمجھا کہ ثعلبۃ بن حاطب تو یقیناً بدری صحابی ہیں لیکن جو مُنافق تھا اس کا نام ثعلبۃ بن ابی حاطب تھا۔ جیسا کہ حضرت حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۵)
- حالانکہ یہ دونوں توجیہیں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ کتب سیر میں ثعلبۃ بن حاطب یا ثعلبۃ بن ابی حاطب نام کا کوئی مُنافق نہیں ملتا۔
- نیز حضرت مفسر ابو عبداللہ محمد انصاری قرطبی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ آیات ثعلبۃ بن حاطب کے متعلق نازل ہوئیں۔ (قرطبی ص ۲۱۰/۸)
- نیز حضرت علامہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۶۶ میں، علامہ ابن حجر نے الاصابہ ج ۱ ص ۱۹۸، تخریج احادیث الکشاف اور فتح الباری میں، محدث بیہقی نے دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۸۹ میں، محدث ابن عبدالبر نے الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۱۲۲ و ۱۲۳ میں، علامہ جلال الدین سیوطی نے لباب النزول اور الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۲۶۱ میں، علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں اور علامہ ابن حزم نے المحلی ج ۱۱ ص ۲۰۷، ۲۰۸ میں اس روایت کو ضعیف، موضوع اور روایت باطلہ قرار دیا ہے جس میں سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ ان آیات (۹: ۷۵-۷۹) کا مصداق قرار دے کر منافق بتلایا گیا ہے۔

- سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق بے سروپا روایت ایسے غلط واقعات میں سے ہے جنہیں صدیوں تک درست سمجھا جاتا ہے' اور اس قسم کے بے سروپا واقعات سے تاریخ عالم بھری پڑی ہے۔ مثلاً:
- کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جس درخت کا پھل سہواً کھالیا تھا وہ گندم کا درخت تھا۔ حالانکہ گندم درختوں پر کبھی نہیں ہوتی۔
- اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو وہ گل و گلزار ہوگئی اور ایک لمحہ میں ہی اس آگ سے پھل دار اور پھول دار پودوں کا ایک باغ بن گیا۔
- اسی طرح بابل شہر کے دو بگڑے ہوئے شہزادوں ہاروت اور ماروت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے تھے اور لوگوں کو جادو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔
- اسی طرح حضرت خضر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اب بھی زندہ موجود ہیں، اور پانیوں پر ان کی حکومت ہے۔ اور یہ کہ کبھی کبھی کسی اللہ والے کو ان کی زیارت بھی ہوتی رہتی ہے۔
- اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ جس طرح حضرت خضر کی پانی پر حکومت ہے' اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کی خشکی پر حکومت ہے۔ اور ان دونوں کی ہر سال باہم ملاقات بھی ہوتی ہے اور یہ دونوں ہر سال حج بھی کرتے ہیں۔
- چاند میں بیٹھ کر چرخا کاتنے والی بڑھیا کی پہچان رکھنے والوں میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ عزیز مصر کی بدچلن اور فاحشہ بیوی سے حضرت یوسف علیہ السلام نے نکاح کر لیا تھا، اور اس سلسلے میں لاتعداد نثری و شعری داستانیں مشہور ہیں۔
- اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے کہ وفات کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ کرکے آسمانوں پر اٹھا لیا۔
- اسی طرح اور بھی لاتعداد بے سروپا' جھوٹے اور غلط واقعات نہ صرف عوام بلکہ بعض خواص اور تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی صدیوں سے مشہور چلے آرہے ہیں۔

○ چند روز قبل روزنامہ "جنگ" لاہور میں ایک ایسی ہی خبر شائع ہوئی ہے جسے سطور ذیل میں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ اخبار لکھتا ہے کہ:

"کیسے ایک غلط بات مشہور ہوتی ہے اور صدیوں تک اسے درست سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال: "مذہب افیون ہے۔" کا قول ہے، جسے ایک مشہور اشتراکی فلسفی "کارل مارکس" سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ بات اس نے کہی تھی، جبکہ حقیقۃً مارکس نے یہ بات نہیں کہی۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ قول جرمن فلسفی "دولباخ" کا ہے۔ جس نے یہ بات اپنی کتاب "عیسائیت کا کچا چٹھا" (Chrstianity Exposed) میں لکھی تھی، جو مارکس کی پیدائش سے بھی پہلے شائع ہوئی تھی۔ مارکس نے اپنی تحریر میں محض اس کا حوالہ دیا تھا۔ اور قطعاً یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ یہ قول اس کا ہے۔ لیکن یہ بات اس سے ایسی منسوب ہوئی کہ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں اسے مارکس ہی کا قول سمجھا جاتا ہے اور اس بنا پر اسے مذہب کا دشمن بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مارکس پوری دنیا میں جانا جاتا ہے، جبکہ دولباخ کے نام سے شاید گنتی کے چند لوگ آشنا ہوں گے۔" (روزنامہ جنگ لاہور یکم شوال ۱۴۱۷ھ / ۹ فروری ۱۹۹۷ء)

○ اسی طرح ایک جشر بالجنۃ بدری صحابی سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی اگر صدیوں سے یہ بات مشہور چلی آرہی ہے کہ انھوں نے نعوذ باللہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا تو یہ کوئی عجوبہ نہیں۔

○ بہرحال اب تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ واقعہ جو بعض ضعیف روایات میں سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے، جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ بات تو تمام محدثین کے یہاں مسلّم ہے کہ سیدنا ثعلبۃ بن حاطب رضی اللہ عنہ ان صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جنھیں میدانِ بدر میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اسلام کی نصرت کے لیے لڑنے کا سب سے پہلے موقع ملا اور انھیں جنت کی بشارت دی گئی۔ رضی اللہ عنہم۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں اصل حقیقت

شہداء
و
مظلوم کربلا

امامنا فی الدین

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

نیز شیعہ کے متفرق سوالات اور ان کے جوابات

مؤلفہ:
شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمہ اللہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی شیخ التفسیر والحدیث کی وضاحت

بعض لوگوں نے خدا معلوم کس عداوت کی بنا پر مجھ پر ہر کوچہ ہر بازار میں یہ الزام لگایا ہے کہ حضرت سیدنا امامنا فی الدین امام حسینؓ بن علیؓ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نے گستاخی کی ہے اور یہ کہتا ہے کہ آج کا جنرل ضیاء الحق معاذ اللہ سیدنا حسینؓ سے بہتر ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین ۔ میں جنرل ضیاء الحق تو کجا پوری امت کو بھی سیدنا حسینؓ سے کم تر سمجھتا ہوں' میرا ہرگز یہ عقیدہ نہیں بلکہ میں ایسے عقیدہ کو کفر اور اس عقیدہ والوں کو کافر سمجھتا ہوں۔

حضرت امامنا فی الدین امام حسین رضی اللہ عنہ کی منقبت اور عظمت میں مظلوم کربلا کا مکمل مطالعہ کیا جائے۔

مظلوم کربلا صفحہ ۱۰۰ میری عبارت پر اعتراض کیا گیا حالانکہ اس صفحہ کو مکمل پڑھ لیں میں نے اسے تاریخ کی غلطی بتایا ہے کہ تاریخ والے جھوٹ بولتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کہ ۸ ذی الحجہ جو حج کا عین موقعہ تھا روم وفارس وغیرہ کے لوگ تو دور دراز سے مکہ مدینہ جا رہے ہیں اور نواسۂ رسول اللہ حج چھوڑ کر مکہ سے کوفہ جا رہے ہیں۔ یہ بیان غلط ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ حضرت امام حسینؓ کے بارے یہ نظریہ کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے؟ کہ برکت اور قبولیت دعا کا وقت اور جگہ چھوڑ کر وہاں جائیں جہاں اُن کے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید کر دیئے گئے تھے۔

یہ سب تاریخی غلطیاں ہیں ہم قرآن وسنت کے متبع ہیں تاریخ کوئی حجت نہیں۔

جیسا کہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ اپنی مشہور کتاب میں شہید کربلا کے صفحہ نمبر ۱۰ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخ کی مستند روایات بھی تاریخ ہی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مستند تاریخ کا بھی وہ درجہ نہیں جو مستند ومعتبر احادیث کا کہ ان پر احکام ' عقائد وحلال وحرام کی بنیاد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جیسے نقاد حدیث کی تاریخ کبیر وصغیر کا وہ درجہ نہیں جو صحیح بخاری کا ہے۔

محمد حسین عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوۃ و السلام علی سیدنا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔

وھم السادۃ القادۃ الذین اشترو العقبیٰ بالدنیا و اقاموا الصلوۃ واتوا الذکوۃ والذین اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتو کلون الذین یقیمون الصلوۃ و مما رزقنا ھم ینفقون اولئک ھم المؤمنون حقا الذین لایدعون مع اللہ الھًا اخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق و لا یزنون الذین لایشھدون الزور و اذا امرو اباللغو مرو اکراماً وقال تعالیٰ فی شانھم والذین امنوا و اتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم و ما التنا ھم من عملھم من شیئ اما بعد

محترم قارئین کرام!

اسلام دین فطرت ہے جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام پر رکھی گئی اور محمد رسول اللہ ﷺ پر اسے پورا کیا گیا۔ اب اسلام میں نہ تو کسی طرح کی کمی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی زیادتی اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو تسلیم کیا جا سکتا ہے جو قرآن کریم کے اسلامی تصورات کے خلاف کوئی دوسری راہ پیش کرے۔ اسلام میں نہ تو کوئی شخص بڑا ہے اور نہ ہی چھوٹا۔ جب کوئی شخص اسلام پر ایمان لے آتا ہے تو اس پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے احکام پر عمل کرے جو رب کائنات نے نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود اور بہتری کے لئے صادر فرمائے ہیں۔

جو کوئی شخص خواہ وہ دنیاوی لحاظ سے بلند تر حیثیت کا مالک ہو یا وہ کسی نبی یا ولی اور کسی بہت بڑے بزرگ کا باپ یا بیٹا یا سُسر یا داماد یا نواسہ ہو۔ اگر قرآن کریم کے

اصولوں کے خلاف عمل کر رہا ہوگا یا محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم اور عمل سے ہٹ کر کوئی دوسری راہ تجویز کر کے اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہوگا۔ اس شخص نے خود ساختہ راہ پر اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کا لیبل بھی کیوں نہ لگا رکھا ہو۔ ایسا ہر شخص ہر حالت میں دین اسلام سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ یوم آخرت اور رسول اللہ ﷺ پر اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے لوگ ایسے شخص کو کسی صورت بھی مسلمان سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ مسلمان صرف وہی لوگ کہلانے کا حق رکھتے ہیں جو قرآن مجید پر پورا پورا ایمان رکھتے ہوں اور جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو خود سمجھا، لوگوں کو سمجھایا، اور اس پر عمل کیا، لوگوں سے اس پر عمل کرایا، اپنی زندگی میں ہر مسئلہ پر اس کے مطابق حدود اللہ جاری کرنے کا حکم جاری فرمایا، دوسروں کو بھی اسی کے مطابق فتوے دیئے اور حدود اللہ جاری کیں، اور ان کے مطابق عمل کرتے ہوں،

اگر انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کا ایک سرسری جائزہ لیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی پیہم دعوت حق اور تبلیغ کا ان کی قوم پر رتی برابر اثر نہ ہوا تو سخت ملول ہو کر اور پریشان خاطر اپنے پروردگار سے ان کی ہلاکتوں کی تمنا کرتے ہوئے فرمایا: اے پروردگار! تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ اگر تو ان کو یوں ہی چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہیں کی طرح نافرمان ہوگی (سورہ نوح)

حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا انہوں نے قوم کو دھمکاتے ہوئے فرمایا: میں تمہارے اور بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (الشعراء) قوم نے نہایت بیزاری سے کہا "اے ہود! ہم سے تیری روز روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں

ہم ایسے ناصح مشفق سے باز آئے اگر تو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو وہ عذاب جلد لا تاکہ ہمارا تیرا قصہ پاک ہو (الاعراف) اور بالآخر خدا تعالیٰ نے اس قوم کو بھی تباہ کر دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کے چند نصائح کو درخور اعتناء نہ سمجھا بلکہ تعجب سے کہا " کیا ہماری موجودگی میں اس پر (خدا کی) نصیحت اترتی ہے" سرکشی میں اس حد تک گزر گئی کہ ناقۃ اللہ کو ہلاک کر ڈالا۔ ناچار حضرت صالحؑ کو ان کیلئے بربادیاں مانگنی پڑیں اور وہ قوم برباد ہو گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی سالہا سال کی جدوجہد کے باوجود کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے بلکہ ان کی قوم نے یہاں تک کہہ دیا "اس ابراہیم کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو" (الصافات)

حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم نے جیسا برتاؤ کیا وہ اس حد تک ناگفتہ بہ تھا کہ وہ قوم آپ کے مہمانوں تک کے ساتھ بداخلاقی پر تل گئی اور کسی طرح ان کو حیا، مروت اور انسانیت کا پاس نہ تھا چنانچہ آپ نے نہایت رنجیدہ خاطر ہو کر فرمایا "کاش میرے پاس تم سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا پناہ ملتی کسی زبردست قوت کے ساتھ"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرعون سے نجات دلائی، انھیں من وسلویٰ عطا فرمایا لیکن انہوں نے باقلا، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز طلب کیا۔ آپ کی تبلیغ وہدایت کے باوجود آپ کی غیر موجودگی میں بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ پھر جب آپ نے انھیں فتح وغلبہ کی طرف رغبت دلائی تو صاف کہہ دیا کہ "اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے" (مائدہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی میں صرف بارہ ہم خیال حواری پیدا

کئے ان میں سے بارہویں یہود القریوتی نے انھیں پکڑوانے کی سازش کی۔

ان سب انبیاء علیہم السلام میں امام الانبیاء، افضل الرسل حضور سرورِ کائنات ﷺ ، کامران و بامراد رسول تھے جنہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اللہ جل شانہ نے امام الانبیاء، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو جزیرہ نمائے عرب کے اسی لاکھ ستائیس ہزار دو سو نناوے مربع میل پر دین اسلام کا غلبہ دیا اور وہاں پر خدا اور اس کے رسول کا حکم نافذ کیا۔

آپ ﷺ نے اپنے بعد دوستوں، ساتھیوں اور پیروؤں کی ایک اعلیٰ عظیم الشان، مستقل مزاج اور مضبوط جماعت چھوڑی کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رحلت فرمانے تک جنوبی عراق اور شام کے سرحدی علاقوں کا مزید ۷۵،۵۹۳ مربع میل رقبہ مسلمانوں کی حکومت میں شامل ہو چکا تھا اور اسلام کا پرچم روئے زمین کے ۱،۵۲،۸۸۳ مربع میل پر لہراتا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں اللہ کے سپاہیوں نے شمالی عراق، بقیہ شام، اردن، ایران، لبنان اور مصر کے وسیع و عریض علاقوں کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندڈالا اور مزید ۱۲،۳۰،۴۵۶ مربع میل رقبہ فتح کرلیا۔

قیصر و کسریٰ کی مستحکم اور عظیم الشان حکومتیں صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹادی گئیں اور امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت تک مسلمان ۲۲،۳۵۱،۲۸۸ مربع میل رقبہ پر قابض تھے۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ حکومت میں طرابلس الغرب، تیونس، مراکش، الجزائر، قبرص، طبرستان، خراسان، تخارستان، کرمان اور سجستان اہل ایمان کے قبضے میں آئے۔ اسلامی فوجوں نے کوہ ہندوکش تک یلغاریں کرکے مزید ۲۱،۲۵،۵۹۳ میل

مربع میل علاقہ فتح کر ڈالا اور خدا اور اس کے رسول کا حکم ۴۴،۶۵،۸۸۶ مربع میل پر نافذ ہو گیا۔

اس کے بعد بنو اُمیہ کے جذبۂ ایمان اور خارا شگاف تلواروں نے اسلام کے ڈانڈے استنبول سے سندھ اور ملتان تک ملا دیئے۔

اس والہانہ خدا پرستی، بے نظیر قربانیوں اور محیّر العقول فتوحات پر رب العزت نے تمام اہل ایمان پر بار بار اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ان سے حور و غلمان کے وعدے کیے گئے ان کو جنت کی بشارتیں دیں

چونکہ اسلام کی ان طوفانی یلغاروں اور عالمگیر فتوحات سے یہودیت، مجوسیت اور زرتشتیت کی بنیادیں ہل گئی تھیں اور ان میں اتنی سکت ہی نہ رہی تھی کہ وہ بزورِ شمشیر مسلمانوں سے اپنی ہزیمت کا انتقام لے سکیں اس لئے انہوں نے منافقانہ اور عیارانہ راہیں اختیار کیں بظاہر مسلمان ہو کر اہل ایمان میں شامل ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں میں بدگمانی اور منافرت پھیلائی۔ استحقاق خلافت کا فتنہ کھڑا کیا حُب علیؓ و حُب اہل بیت کی آڑ میں لاکھوں مسلمانوں کے گلے مسلمانوں ہی سے کٹوائے۔

خلفائے ثلٰثہ اور بنو اُمیہ پر لعن طعن کا آغاز کیا۔ چونکہ وہ اسلام کی صحیح صورت ہی بگاڑ دینا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے خدا پرستوں میں شخصیت پرستی کی وبا پھیلائی۔ حضرت علیؓ کے ایسے الٰہیاتی اوصاف بیان کیے کہ وہ خدا کے ہم نشیں نظر آنے لگے۔ ان سے ایسی فوق الادراک صلاحیتیں اور قوتیں منسوب کیں کہ فسانہ عجائب اور طلسم ہوش ربا ماند پڑ گئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں

قرآن کی رو سے آپ کے دوست ساتھی اور جماعت یعنی صحابہ کرام ہی معیار حق اور معیار ایمان ہیں چونکہ یہود و نصاریٰ اور منافق لوگ صحابہؓ کرام کو عقل کے کورے سمجھتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام جو کہیں وہ بغیر سوچے سمجھے اور صرف ان کی بات سن کر ہی اس کو معمول بنا لیتے ہیں موقعہ محل نہیں دیکھتے اور نہ عقل سے سوچتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی خباثتوں میں سے ایک خباثت یہ بیان فرماتے ہیں۔

وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ یعنی یہ منافق اتنے خبیث ہیں کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے یہ لوگ یعنی صحابہ کرامؓ ایمان لائے ہیں تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان احمقوں کی طرح ایمان لائیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگو! سنو حقیقت یہ ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ کو احمق کہنے والے خود ہی احمق ہیں لیکن ان کو خود اپنی حماقت کا علم ہی نہیں

اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں جس کا ایمان صحابہؓ کے ایمان کے معیار پر صحیح اترا تو وہ ایمان والا ہے ورنہ نہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ صالحین کو برا کہنا اہل باطل کا قدیم طریقہ ہے خصوصاً صحابہ کرامؓ پر طعن جیسے کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت عمرؓ کے بیٹے ابو بکر نے زنا کیا ثبوت ملنے پر اس کو کوڑے لگانے شروع کیے اسی اثنا میں مر گیا جب کہ ابھی کوڑے پورے سو نہ لگے تھے۔ تو عمر نے کہا کہ اس کے بے جان جسم پر کوڑے مارو تا کہ سو پورے ہو جائیں حالانکہ یہ واقع من گھڑت ہے۔

اور وہ جیسے اپنے آپ کو مومن کہتے تھے دل میں بھی ان کا ایمان کامل تھا شوائب

نفاق سے پاک تھا اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے اس کو ان کا ایمان مقبول اور پسندیدہ ہے۔

یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جواب سمجھایا کہ تم ان کو یوں جواب دو قولوٓا امنا باللہ........ہم تو اللہ پر ایمان اور ان کتابوں آسمانی صحیفوں پر بھی جو اللہ نے ہماری طرف اور ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اتاری ہیں اور ان سب پر بھی جو موسیٰ جیسے اور دوسرے نبیوں پر رب کی طرف سے ملی ہیں۔ ہم ان نبیوں میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح بھی فرق نہیں سمجھتے اور ہم صرف ایک اللہ ہی کے فرمان بردار ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ یعنی اب تمہارے اس وضاحتی بیان کے بعد اگر انہی چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تب تو راہِ راست پر آ گئے۔ اور اگر اس عقیدہ سے سرِ مو انحراف کریں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ محض تمہاری ضد میں ہیں۔ تو یہاں بھی صحابہ کرامؓ کو معیارِ حق بتایا۔

نیز فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی ان مومنوں کو اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہے۔

نیز فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ ....

یعنی حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے صحبت یافتہ اور ہمراہی ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تو ان کی ایذاؤں سے بچنے کے لئے بڑے سخت ہیں۔ مگر آپس میں بڑے رحم دل اور مہربان ہیں۔ تو ان کو کبھی رکوع میں دیکھتا ہیں اور کبھی سجدے میں وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ مَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔

یعنی سچے کامل مسلمان وہی ہیں کہ جب بھی ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کو اللہ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو احکام کی آیات ان کے ایمان کو قوی تر کر دیتی ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں نہ جتھے پر نہ اسلحہ پر اور وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے ہماری راہ میں خرچ بھی کرتے رہتے ہیں۔ بس ایسے ہی لوگ پکے ایمان دار ہیں جن کے لئے بڑے بڑے درجات ہیں ان کے رب کے ہاں اور عفو اور بخشش ہے اور با عزت روزی۔

ترمذی ص ۲۲۶ باب فضل من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحبہ میں ہے کہ

رسول اللہؐ نے فرمایا لا تمس النار مسلما رانی اورای من رانی
یعنی کہ جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا اس کو آگ مس نہ کرے گی۔

اس حدیث کی رو سے اس میں حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ بھی آ گئے جنہوں نے اسلام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور یزید بھی آ گئے۔ جنہوں نے حضرت علیؓ اور حسنینؓ اور اپنے باپ دادا اور چچا اور پھوپھی یعنی ام المؤمنین حضرت رملہ اُم حبیبہؓ کو دیکھا اور اس خوشخبری میں امام اعظم امام ابوحنیفہؒ بھی آ گئے جنہوں نے حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت کی اور حضرت عبداللہ بن عوفؓ اور واثلہ بن اسقع ؓ سے تو امام ابوحنیفہؒ نے احادیث نبویہ کے سبق بھی پڑھے ہیں۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ

اسلامی معاشرے کی تشکیل کے بعد حضور اکرم ﷺ نے والہانہ انداز میں ارشاد فرمایا

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ

(کتاب بخاری و مسلم)

یعنی بہتر دور میرا ہے جس میں میں رہتا ہوں پھر دوسرا بہتر وہ اس کے ساتھ والا اور پھر تیسرا دور جو اس کے ساتھ والا ہے

- ا اُمت کا سب سے اچھا زمانہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ حضور کے بعد صحابہ کرامؓ کا مبارک دور خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے عہد ۹۶ھ تک رہا۔
- ب پھر تابعین کا زمانہ ہے جو ۹۶ھ سے ۱۵۰ھ تک ہے۔
- ج پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے جو کہ ۱۵۰ھ سے ۲۲۰ھ تک ہے۔

ان تینوں ادوار میں

1. مسلمانوں کی ملی وحدت قائم رہی۔
2. وہ قرآنی احکام پر بذریعہ سنت متواتر کاربند رہے اور زندگی کے جملہ اُمور میں وہ قرآن کے سوا کسی اور کتاب کے تابع نہیں رہے۔ اِن کا متفقہ قول یہی تھا۔ حَسْبُنَا کِتَابَ اللّٰہِ ۔

۳ ان میں کوئی سیاسی یا اصلاحی تحریک کبھی نہ اُٹھی۔ تمام اُمورا کابرِ ملّت کے مشورے سے طے ہوتے تھے۔

۴ اُنہوں نے ملّت کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے حکومت کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا رکھا۔

۵ انہوں نے اسلام کی عسکری قوت میں اضافہ کیا۔

۶ انہوں نے نظامِ ربوبیت اور نظامِ عدل کو مضبوط کیا۔

۷ انہوں نے اپنے اپنے وقت کے اُولی الامر کی قیادت میں کشور کشائی اور اشاعت دین میں حصہ لیا۔

۸ مومنین کی جماعت میں وحدت، فکر اور جوش عمل کی وجہ سے اسلام کی شوکت و عظمت کا سکہ ایشیاء، شمالی افریقہ اور جنوبی یورپ تک بیٹھ گیا۔

۹ ہر شہر اور قریہ میں مساجد تعمیر ہوئیں جہاں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی تھیں اور ہر صبح قرآن خوانی کے زمزموں سے فضائیں گونجتی تھیں۔

۱۰ قرآن کے عملی نظام کے ماتحت صدیوں تک اسلامی معاشرے میں

ا نہ علمی حیثیت سے کسی خاندان کی اجارہ داری تھی۔

ب نہ روحانی سربلندی کیلئے کسی خاندان یا کسی شخص سے وابستگی لازم تھی۔

ج نہ من گھڑت، فرضی اور جعلی تواریخ، روایات اور تفاسیر نے ابھی بار پایا تھا۔

د نہ مذہبی پیشوائیت ابھی نمو کر پائی تھی۔

ر نہ ملت ابھی شخصیت پرستی سے آشنا ہوئی تھی۔

س نہ مغالات فی البشر کا رواج تھا۔

(ی) نہ مقبروں اور روضوں کی تعمیر کا کسی کو خیال تھا اور نہ قبر پرستی کی مشرکانہ رُسوم ابھی جاری ہوئی تھیں۔

(ک) نہ اصولِ اسلام سے ہٹ کر تفرقہ بازی کے متعلق کسی نے سوچا تھا۔

(ل) نہ گروہ سازی کی کسی میں جرأت تھی۔ بلکہ جمہور صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے دور میں بزرگانِ دین کو دین اسلام کا مقتداء سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کے اجماع کو دینی حجت تسلیم کیا جاتا تھا۔ کیونکہ جماعت مومنین صرف قرآنی احکام کی متابعت اور قوانین کی مطابقت میں صراط مستقیم پر گامزن تھی ان میں کوئی فرقہ نہ تھا۔ بلکہ رشد و ہدایت کا دور دورہ تھا۔ اور کسی شخص کے واجب التعظیم ہونے کا صرف ایک ہی قرآنی معیار تھا۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(ا) راسخ العلم ہونا۔ احکامِ الٰہی کی نافرمانی سے بچنا اور آئین خداوندی کی حدود کی نگہداشت کرنا اور

(ب) معاشرتی زندگی میں ہر انسان کا درجہ اس کی اہلیت، صلاحیت حسن کارکردگی اور تجربہ کی بناء پر متعین ہوتا تھا۔ نہ کسی نسلی تفاخر پر۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا (سورۃ احقاف ۱۹ : ۲)

درجت

۱

حضرت حسینؓ اور یزید دونوں مظلومیت میں یکساں ہیں۔ حضرت حسینؓ تو اس لئے کہ وہ اپنی شرافت اور سادگی کی وجہ سے کوفی سبائیوں کی فریب کاریوں اور اسلام دشمن منصوبے کا شکار ہو کر بے بسی اور بے کسی کے عالم میں شہید ہوئے۔

اور یزید اس لئے کہ اس کو بعد میں آنے والے سبائی منافقین نے خاندان بنی امیہ سے اپنے بڑوں کی ناکامیوں کا بدلہ لینے اور مسلمانوں کو باہمی الجھا کر کمزور کرنے اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کی خاطر اپنی مکاریوں اور منافقانہ سازشوں کا ذمہ دار ٹھہرا کر بدنام کیا۔

رفتہ رفتہ اس زیرزمینی زہریلے پراپگنڈے نے ایک مستقل شکل اختیار کر لی اور عراق و عجم کے عوام کو غیر شعوری طور پر بڑا متاثر کیا نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ صدیوں بعد سبائیوں کے اس سوچے سمجھے منصوبے کا وہ لوگ بھی شکار ہو گئے۔ جو اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ کی قدسی جماعت کا شیدائی سمجھتے تھے۔ اور اس امر کی طرف مطلق توجہ نہ کی کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ امیر یزید کو برسرِ اقتدار لانے والے وہی بزرگ صحابہ کرامؓ ہی تو تھے۔ جنہوں نے خلفاء راشدین کو چنا تھا۔ اب اگر حسین بن علیؓ صحابہؓ کے متفقہ فیصلے کے خلاف یزید کی اطاعت نہ کرتے تو گردن زدنی قرار پاتے ہیں اور اگر صحابہ کرام کا متفقہ فیصلہ غلط قرار دیا جائے۔ تو انکا اپنا کوئی مقام نہیں رہ جاتا۔ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مشن کی ناکامی تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اگر صورت حال یہی ہے تو پھر نہ اسلام باقی ہے اور نہ ہم مسلمان ہیں اور اگر حقیقت یہ نہیں تو پھر ہم ان باتوں کو بالکل غلط گمراہ کن اور ناممکن الواقع قرار دیتے ہیں۔ اور عوام کو روایتی عقیدت اور شخصیت پرستی کی بجائے نصِ قرآنی اور دلیل و برہان سے واقعات کو پرکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ تاکہ غور و فکر کرنے والے اصحاب دانش صحیح نتائج اخذ کر سکیں۔

۲

کربلا کے مقام پر حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے یعنی کوفہ کے شیعانِ علی بھی یزید سے نہیں بلکہ ابن زیاد اور خاص کر ان کوفی لوگوں سے خونِ حسینؓ کا بدلہ لینا چاہتے تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا تھا۔

لیکن عبداللہ بن سبا، یہودی کی جماعت کے بعض عجمی چیلوں نے اپنے بڑوں کی لاف مٹانے اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی خاطر الٹا امیر المومنین یزید کو مطعون اور بدنام کرنا شروع کر دیا۔

(تاریخ اسلام جلد دوم اکبر شاہ نجیب آبادی و تاریخ اسلام صادق حسین)

پھر دنیا جہان کی جھوٹی اور موضوع روایات محض اسے بدنام کرنے کے لئے گھڑی گئیں۔اور نا کردہ گناہ بھی اس غریب کے سر تھوپے گئے۔حالانکہ یہ ایک خوش اخلاق نیک اطوار۔مجاہد حکمران اور مومنین کرام وصحابہ عظام کا متفقہ امیر تھا۔وہ مملکت اسلامیہ کا خود مختار۔صاحب سیف ناقابل شکست فاتح اور طاقت ور حاکم تھا اور اپنے احکام کے اجراء کی پوری قوت رکھتا تھا۔اس نے مشرق ومغرب میں کفار پر جہاد کئے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مطابق شرعی حدود قائم کیں۔مساجد تعمیر کرائیں۔قرآن کی اشاعت کی اور سمرقند سے مراکش تک اسلام کا ڈنکہ بجایا۔

۳

مسلمانوں کی تاریخ میں کئی بادشاہ اور حاکم ایسے بھی گزرے ہیں جن کی برائیوں کے مقابلے میں یزید کی طرف منسوب برائیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔لیکن ان سب کے اعمال سے درگزر کر کے کسی خاص مقصد کے تحت صرف یزید کو تقریباً چودہ سو سال سے خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے اور اُمت مسلمہ کے ایک طبقے کو اس قضیہ نامرضیہ میں اُلجھا کرا سے جادہ مستقیم سے بالکل ہٹا دیا گیا۔

یزید کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس کی خلافت میں حسین بن علیؓ بے وفا اور غدار عبداللہ بن سبا یہودی اور کوفیوں کی سازشوں کا شکار ہو گئے اور اپنی تین شرطیں پیش

کرنے کے باوجود ان ظالموں کے ہاتھوں بے دردی سے شہید ہو گئے۔

۲

یزید کی جہادِ قسطنطنیہ پر لشکر کشی۔ ۳ سالہ امارات حج۔ ملکی فتوحات اور دیگر قابلِ فخر اسلامی کارنامے ایسے ہیں جو کہ اس المیے کے باوجود ناقابلِ فراموش ہیں۔ کیونکہ ہر انسان کی قدر و منزلت اس کی ملی و ملکی خدمات کی بنا پر ہوتی ہیں۔ نہ کہ حسب و نسب کے لحاظ سے

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (سورۃ احقاف ۱۹ : ۲)

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے آخری خطبہ میں خاص طور پر اس بات پر زور دیا تھا کہ:

آج سے ہم نے تمام امتیازات مٹا دیئے۔ گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔

انسانوں کے معظم و مکرم ہونے کا صرف ایک ہی معیار قرآن کے الفاظ میں یوں فرمایا کہ

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (سورۃ فتح ۴۸)

اور پھر اپنے اپنے اعمال کی ذمہ داری اور جواب دہی سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ

اے چچا عباس! پھوپھی صفیہ اور بیٹی فاطمہ!

تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ رسول خدا کے چچا یا پھوپھی یا بیٹی ہونے کی وجہ سے قیامت کو تمہارے اعمال کی پرسش نہیں ہوگی۔ یہ تو ضرور ہو کر رہے گی اور اپنے اپنے

اعمال کے نتائج تمہیں خود بھگتنے پڑیں گے۔ وہاں تو میں بھی بے بس اور عاجز کھڑا ہونگا اور تمہاری کوئی شفاعت نہ کر سکوں گا۔

۵

حسینؓ اور یزید کے درمیان کوئی دینی جھگڑا نہ تھا اور نہ ہی ان دو چچازاد بھائیوں میں سیاسی اختلاف تھا۔ وہ باہم شیر و شکر تھے۔ لیکن مسلمان کی بدبختی سے عجمی مجوسیوں نے دو صدی بعد کسی سیاسی مصلحت سے خود ایک مسئلہ گھڑا اور اسے مذہبی رنگ دے کر مستقل پروپیگنڈہ کے ذریعے عقیدہ میں شامل کر دیا اور ایک جدی امویوں اور عباسیوں میں مناقشت کا ایک شاخسانہ کھڑا کر دیا۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جو چیز ایک دفعہ اعتقاد میں شامل ہو جائے اور انسان اسے اپنے خود ساختہ مذہب کا جزو بنالے (خواہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو) اس کے خلاف کوئی آواز سننے اور برداشت کرنے کی اس میں تاب نہیں ہوتی۔ خواہ وہ آواز کتنی ہی حقیقت پر مبنی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا کسی غلط عقیدے کے خلاف آواز اٹھانا بڑا ہی مشکل کام ہے۔

۶

عربی مسلمانوں نے اس (عجم ساختہ) سیاسی نزاع کو نہ کبھی اعتقادی مسئلہ بنایا اور نہ ہی عجم کے غیر اسلامی تاثرات کو قبول کیا۔ لیکن شعوری طور پر سب سے پہلے عجمیوں نے اور پھر ان کے ذریعہ سے ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی اس مسئلے کو تقلیداً مسلمات بلکہ معتقدات میں شامل کر لیا اور دیکھا دیکھی ایک فریق کو اچھا اور دوسرے کو بُرا کہنا شروع کر دیا۔

بُرا

اگر یہ کوئی واقعی دینی مسئلہ ہوتا تو کسے مجال تھی کہ اس کے ماننے میں اختلاف کرتا، تفریق بین المسلمین کے جرم عظیم کا مرتکب ہوتا؟

ظاہر ہے کہ یہ ایک مشاورتی نظام کا سیاسی مسئلہ تھا جس میں اختلاف رائے کا حق بھی موجود تھا۔ لیکن جب اکابر ملت اور جمہور عوام کا ایک بات پر متفقہ فیصلہ ہو جائے تو پھر اختلافات وہیں ختم ہو جاتے ہیں اور سب کا فرض یہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اسے کامیاب بنانے کیلئے بھرپور کوشش کریں تاکہ ان کے خوشگوار نتائج سے سب کو یکساں بہرہ یاب ہونے کا موقع ملے۔

لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص پھر اسی اپنے ذاتی اختلاف پر بضد قائم رہے اور مخالفت کرے تو وہ بقول امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ گردن زدنی اور واجب القتل ہے

۷

کوفہ (ایران اور عراق کی سرحد پر) ایک فوجی چھاؤنی تھی اس میں مختلف علاقوں کے عجمی و عراقی خانہ بدوش اور بدو لوگ آباد ہو گئے تھے۔ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو اُجڈ نسلوں اور اکھڑ قبیلوں سے تھے وہ تہذیب و تمدن اور علم و عرفان سے نا آشنا اور دینا وی اصولوں اور معاشرتی اقدار سے قطعاً بے بہرہ تھے انہیں دراصل نہ حسینؓ سے کوئی ہمدردی تھی۔ نہ یزید سے کوئی لگاؤ تھا۔

وہ صرف اسلام کے دشمن اور عرب حکومت کے مخالف تھے اور منافقانہ طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے صدقِ دل سے اسلام کو قبول ہی نہ کیا تھا۔ بلکہ وہ تو عربوں اور اسلام کے خلاف ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنا

انتقام لینے کی خاطر بظاہر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوفی منافقین حضرت حسینؓ اور یزید دونوں کے دشمن تھے انہوں نے سیاسی لحاظ سے اپنے آپ کو کمزور پا کر عربوں میں باہمی نفاق ڈالنے کا منصوبہ بنایا آپس میں لڑوا کر ایک دوسرے کو دشمن بنا دیا اور یوں ان کو بیرونی فتوحات اور تعمیری کارناموں سے روک دیا۔

عجمی مفسدین اور کوفی منافقین اپنے منصوبے میں بخوبی کامیاب ہو گئے اور جب ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ ان ظالموں نے حسینؓ کو دھوکے سے اغوا کر کے شہید کیا عمال یزید کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور خود محبان حسینؓ بن بیٹھے۔ خونِ حسینؓ کے دعویدار بننے کی صورت میں انہیں جماعت مومنین اور یزید کو برملا سب وشتم کرنے اور اہل اسلام کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس کے لئے انہوں نے شہادتِ حسینؓ کو بڑے غلو اور مبالغہ آمیز لہجے میں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر مشرقی ممالک میں جا بجا بیان کرنا شروع کیا

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستان کیلئے

۸

فسانۂ کربلا کو عجمی منافقین نے ڈرامائی انداز میں مسلمانوں کی تاریخ بنا کر پیش کیا ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں یہ سراسر ایک من گھڑت افسانہ ہے جسے بعد میں آنے والے عجمی تاریخ نویسوں نے چار سو سال بعد اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی زبانی سن سنا کر کسی

خاص مقصد کی تکمیل کے لئے گھڑا تھا۔ اس میں حقیقت کم اور کذب وافترا مزید زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے لئے قومی سطح پر یہ ایک نزاعی مسئلہ کی شکل اختیار کر گیا اور اختلاف رائے سے بڑھ کر مخالفت میں تبدیل ہو گیا اور تقریباً چودہ سو سال سے مسلمانوں کی باہمی رنجش انتشار اور خون خرابے کا موجب بنا ہوا ہے۔ جو خون حسین ؓ کی طرح ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

سبائیوں کی سازش

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی وفات ۲۱ رجب ۶۰ھ کی خبر سنتے ہی کوفہ (عراق) کی سبائی جماعت ایک نئے منصوبے کے تحت حرکت میں آ گئی۔ اور قصاص عثمان کی پاداش میں خلافت معاویہ میں جو سبائی مارے گئے تھے یزید بن معاویہؓ سے ان کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہیں حسین بن علیؓ کو آلہ کار بنانے کی سوجھی۔

چنانچہ ۶۰ھ میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں تقریباً چالیس سبائی نمائندوں کا ایک وفد حضرت حسینؓ سے خلوت میں ملا اپنے حسن ارادت وعقیدت کا اظہار کر کے بڑے خلوص ومحبت سے پیش آیا۔ اور کئی کوفی اکابر مثلاً شعیب بن ربی۔ حجاج بن حجر۔ قیس بن اشعث۔ سلیمان و زید بن حرث وغیرہ کے خطوط بھی خفیہ طور پر دیئے جن میں حسن ارادت کے ساتھ ان کی زیارت کی خواہش کے جذبہ سے انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی کہ:۔

حضرت علی کے بعد ہم آپ کے دیدار کو ترس رہے ہیں ایک دفعہ ضرور تشریف لا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ شیعان علی آپ کے ساتھ بھی ویسے ہی حسن عقیدت اور جان نثاری کا جذبات رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علی کے ساتھ رکھتے تھے۔

وفد کے ارکان نے آپ کو اہل مکہ و مدینہ کے مقابلے میں اہل کوفہ کی حضرت علیؓ اور ان کی فاطمی اولاد سے بے پناہ محبت وفا شعاری اور دیرینہ خدمات گن گن کر بتائیں اور کہا کہ کوفہ حضرت علی کا مسکن و دار الخلافت تھا۔ آپ کو کوفہ سے ایک گونہ محبت ضرور ہوگی کیونکہ ان کا مدفن بھی یہی شہر ہے۔ اور ان کی قبر کی زیارت کرنا آپ جیسی نیک اولاد کا اولین فرض ہے۔ اگر

آپ اب ہمارے قافلے کے ساتھ ہی چلیں تو ہر قسم کی سہولتیں مہیا ہیں اور ہم اسی عزت احترام کے ساتھ آپ کو واپس چھوڑ جائیں گے۔ حضرت حسینؓ اتنے بھولے بھی نہ تھے کہ ان کے کہنے میں آ کر خود ہی چل پڑتے مگر سبائی پارٹی موقع دیکھ کر آئی تھی کہ تمام لوگوں کی توجہ حج پر مرکوز ہے اس لئے انہوں نے حضرت حسینؓ کو زبردستی عورتوں بچوں سمیت اغواء کر لیا۔ اور ۸ ذی الحجہ کو اونٹوں پر بمع مال و متاع رات گئے روانہ ہوئے۔

۹ محرم ۶۱ھ کو جب یہ قافلہ کوفہ کے قریب پہنچا تو کوفی وفد کے ارکان نے اپنے مہمان کو وہیں ٹھہرایا اور خود کوفہ جا کر سبائی جماعت کے اکابر کو حسین کی آمد کا اطلاع دی۔ باہمی مشورے کے بعد سبائی جماعت (جن میں عجمیوں کی اکثریت تھی) حسینؓ کے پاس آئی اور خاطر و مدارات کے علاوہ یزید کے خلاف زبان طعن و دشنام دراز کرنی شروع کر دی۔ اس کو ظالم، غاصب اور بدکردار قرار دے کر اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ پیش کیا حضرت علیؓ کا صحیح جا نشین تسلیم کر کے آپ کو طلب خلافت پر اکسایا اور اپنی پوری مالی و جانی امداد کا یقین دلایا۔ لیکن حضرت حسینؓ تو انکے اکسانے کے سبب ان سبائیوں کے کہے میں آنے والے نہ تھے۔

حضرت حسینؓ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ یزید کی بیعت عامہ کے ذریعے خواص و عوام نے اپنا امیر و امام تسلیم کر لیا ہے۔ اور معہ صحابہ کرام اس کے دست و بازو بن چکے ہیں۔

آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اب اگر کسی قسم کی کوئی مخالفت یا بغاوت اس کے خلاف کی جائے گی تو وہ شرعی لحاظ سے ناجائز ہوگی۔

خانہ جنگی کی بنا پر بدامنی کا سبب ہوگی اور خدا کی رحمتوں سے محرومی کا سبب بنے گی۔ (سورۃ نساء ۴:۱۴)

پھر بھلا آپ اس بغاوت میں کیونکر شریک ہو سکتے تھے؟

آپ نے جب سبائی منافقین کی باتیں خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی سنی اور ان کی بد نیتی کے آثار دیکھے تو آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آپ نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق یزید کے خلاف اقدام خروج کو اپنے ایمان کے خلاف سمجھا اور ان کے منصوبے میں شامل ہونے سے صاف انکار کر دیا۔

سبائیوں نے آپؓ کو مفید مطلب نہ پا کر آگے جانے سے روک دیا۔ آخر آپ نے مدینہ چلے جانے یا یزید کے پاس دمشق جانے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ حکم کے مطابق جہاد میں شریک ہو کر شرقی ولایات میں غیر مسلموں کے مقابلے میں لڑ کر شہادت حاصل کی جائے۔ یہ دیکھ کر کہ شکار ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اور اب یہ یزید سے مل کر ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ڈھائے گا۔ اُن ظالموں نے۔

ا گھیرا ڈال کر حضرت حسینؓ کو مع ان کے ساتھیوں کے وہیں شہید کر دیا

ب ان کے خیموں کو آگ لگا دی

ج اپنے نوشتہ خطوط ان سے چھین کر جلا دیئے۔

عمال حکومت کو قتل حسینؓ کا ذمہ دار ٹھہرانے کیلئے ضروری تھا کہ کوفہ کے سبائی فتنہ پردازوں کی جماعت خود خون حسینؓ کی دعویدار بنے گویا قائم عرب حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے اور عراق و عجم میں فتنہ و فساد اور انتشار پھیلا کر اس کا سیاسی اقتدار ختم کرنے کیلئے انہوں نے خون حسینؓ کا ایک معقول بہانہ تراشا اور اسے اپنے سیاسی مقاصد کی تشہیر میں خوب استعمال کیا چنانچہ

1 عبید اللہ مختار ثقفی اسی نعرے سے جمعیت بہم پہنچا کر کوفہ شہر پر قبضہ کر لیا اور خون حسینؓ

کے حقیقی دعویداروں (علی بن حسین، عبداللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، عبداللہ بن جعفر وغیرہ تمام طالبی حضرات کو بدستور بوریہ نشین رہنے دیا گیا، پھر خود نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

۲ اہل عجم بھی اس سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھانے اور عربوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر دوبارہ اپنی حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھنے لگے

لیکن نہ تو مختار ثقفی کی حکومت چلی اور نہ عجمیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اگر کچھ چلتا رہا تو صرف سبائی پراپیگنڈا چلتا رہا۔ اس منافقانہ پراپگنڈے نے اموی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی طرح ڈال دی اور آل عباس کی عباسی تحریک کو ابومسلم خراسانی نے مشرقی ولایات میں پروان چڑھایا۔ اور خلافتِ اموی کی تباہی کا موجب اور بنوعباس کو برسر اقتدار لانے کا ذمہ دار بنا۔

امام منافی الدین حضرت حسینؓ بن علیؓ

آپ ۷ شعبان ۶ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے

جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو آپ کی عمر ۵ سال کی تھی۔ اس کے ۶ ماہ بعد شفقت مادری سے بھی محروم ہو گئے۔

۱ خلافت راشدہ میں آپ کو صحابہ کرامؓ کی صحبت میں دینی علوم حاصل کرنے کے مواقع میسر تھے۔ جب آپ جوان ہو گئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے حسنین کا بھی صحابہ کرامؓ کے برابر بیت المال سے پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر کے ان کو خوش حال کیا اور فکر معاش سے آزاد رکھا۔ کیونکہ آپ ام کلثوم بنت علیؓ کے خاوند تھے۔

۲ جب حضرت معاویہؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے حضرت حسنؓ کو ایران کے علاقہ اہواز کی ۱۱ لاکھ درہم سالانہ آمدنی کے علاوہ کوفہ کے خزانہ سے ۲ کروڑ درہم بھی لینے کی اجازت دیدی۔ اور حضرت حسینؓ کے لئے ۵ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا جو آپ تا حیات وصول کرتے رہے۔ حضرت حسنؓ ۵۰ھ میں وفات پا گئے۔

۳ ۵۶ھ میں جب امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ یزید کی ولایت عہد کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنین سے مشورہ کیلئے مدینہ گئے تو کچھ رد و قد کے بعد سب نے بیعت کر لی اس بیعت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن جعفر طیار اور حضرت حسینؓ سب شامل تھے۔ جو آخر دم تک اس بیعت پر قائم رہے۔ گویا حضرت حسینؓ نے بھی ملت کے اس متفقہ فیصلے کو بسر و چشم قبول کیا۔

ورنہ وہ جماعت مومنین سے الگ ہو کر اپنے ہم خیالوں کی ایک الگ جماعت

قائم کرتے انہیں حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتے اپنے عزیز و اقارب کو خلیفہ کی اطاعت سے روکتے اور خلیفہ سے پانچ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیتے مگر آپ کی عملی زندگی سے اس قسم کا کوئی فعل ثابت نہیں۔

۴ حضرت حسینؓ بڑے دلیر، بہادر، جوشیلے اور نڈر انسان تھے۔ اگر یزید اور ان کے درمیان ذاتی یا سیاسی سطح پر کوئی رنجش ہوتی۔ تو اس کا اظہار کرتے (یا) یزید کے کردار میں انہیں کوئی دینی یا اخلاقی کمزوریاں نظر آئیں تو بلا خوف و خطر اصحاب رسولؐ کے سامنے برملا اس کا اظہار کرتے۔

یا پھر اپنے مدمقابل کی خامیوں اور کمزوریوں سے ملت اسلامیہ کو علی الاعلان آگاہ کرتے اور اس طرح اپنے کسی اقدام کا جواز پیدا کرتے۔ کہ چونکہ:۔

- ا یزید میں فلاں فلاں ذاتی عیب ہے۔
- ب وہ عقل و فکر کی کمی کے باعث خلافت کے نااہل ہے۔
- ج وہ عسکری اور انتظامی امور کے صلاحیت نہیں رکھتا۔
- د خواص و عوام اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتے نہ اس کے حکم پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔
- ہ اس نے جبر و تشدد، ظلم، یا خیانت وغیرہ کا ارتکاب کیا ہے
- و اس نے شرعی اُمور کی خلاف ورزی کی ہے۔

اس لئے ہم اس کی بیعت اطاعت سے منحرف ہیں۔ اس کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اس سے بہتر صلاحیتوں کے مالک کسی اور انسان کو کھڑا کرتے ہیں۔........ لیکن آپ نے امیر موصوف کے ذاتی اوصاف یا اسلامی مملکت

کے انتظامی اُمور کے خلاف کسی قسم کا بہتان باندھنا یا الزام تراشی کرنا اپنے ایمان کے خلاف سمجھا۔ کیونکہ امیر موصوف کا انتخاب تو بیعتِ عامہ کے ذریعے خود صحابہ کرامؓ کے مشورے سے ہوا تھا۔ اس میں اس قسم کے عیوب اور خامیاں ہو ہی کیسے سکتی تھیں؟

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ بھی جمہور کے فیصلے کے بعد اپنے رائے کے اختلاف سے درگزر کر کے ۵۶ھ میں ہی یزید کی ولی عہدی پر رضامند ہو کر امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کر چکے تھے۔ اور ان سے پانچ لاکھ درہم سالانہ وظائف کے علاوہ عطایا حاصل کر کے بڑی امن و آسائش کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد یزید کی بیعت پر قائم رہے۔

یزید نے حضرت حسینؓ کی سابقہ مراعات کو بحال رکھا۔ بلکہ ہاشمی خانوادے کو مزید عطایا سے خوشحال کیا۔ اور ان سے ازدواجی تعلقات بھی قائم کیے۔

۵ یزید ۲۲ رجب ۶۰ھ کو منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس کے چار ماہ بعد حج کا موسم آ گیا۔ اور لاکھوں مسلمان مملکت کے اطراف و اکناف سے حدودِ حرم میں جمع ہوئے۔ حضرت حسینؓ بن علیؓ بھی اس وقت اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں دارالعباس مکہ میں مقیم تھے۔ آپ کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت قدر رکھنا وابستہ تھے۔ اگر انہیں یزید سے کوئی شکایت ہوتی تو بلا خوف و خطر مرکزِ اسلام مکہ معظمہ میں دنیائے اسلام کے لاکھوں مسلمانوں کے مجمع کے سامنے یزید کے نااہل یا بدکرداری کا ثبوت بہم پہنچا کر احکام شریعت کے مطابق اقدام خروج کا جواز پیش کرتے تاکہ خواص و عوام آپ کے دعویٰ کی صداقت پر لبیک کہتے ہوئے حکومت الٹنے میں دیر نہ کرتے ...... لیکن ابن علیؓ کا اس قسم کا کوئی اعلان کتب التواریخ میں مذکور نہیں بلکہ آپ نے:-

- (ا) نہ اربابِ حل وعقد سے اس بارے میں کوئی مشورہ کیا۔
- (ب) نہ اپنے ہم خیالوں کی کوئی جماعت پیدا کی۔
- (ج) نہ اپنے عزیز و اقارب کو اقدام خروج پر آمادہ کیا۔
- (د) نہ کوئی عسکری تنظیم قائم کی۔
- (ر) نہ جنگی ساز و سامان اکٹھا کیا۔
- (س) نہ کسی گورنر یا کمانڈر سے ساز باز کی۔
- (ص) نہ ہی مکہ و مدینہ کے رحیم و کریم صحابہ کرامؓ کی حمایت حاصل کی۔
- (ط) نہ اظہار ناراضگی کے طور پر یزید کے خزانہ سے عطایا اور وظیفہ لینے سے انکار کیا۔
- (ع) نہ یزید کے حامی و ناصر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کا ہی بائیکاٹ کیا۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائم حکومت کے خلاف آپ کا کوئی عزم نہ تھا۔ اس لئے حکومت نے بھی:۔

- (ا) آپ کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا۔
- (ب) آپ کی نگرانی کے لئے کوئی پولیس مقرر نہ کی۔
- (ج) آپ اور آپ کے متعلقین کا وظیفہ بند نہ کیا۔
- (د) آپ اور آپ کے لواحقین میں سے کسی کو قید و بند میں نہ ڈالا۔
- (ر) آپ کی جائیداد و املاک ضبط نہ کیں۔
- (س) آپ اور آپ کے ساتھیوں کو گرفتاری کا وارنٹ جاری نہ کیا۔
- (ص) آپ کے خروج کی نہ کوئی اطلاع دمشق میں پہنچی اور نہ حکومت نے آپ کے قتل کا کوئی حکم دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ سارا قصہ سبائی منافقین نے اپنی سازش کو چھپانے اور عوام کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کیلئے گھڑا ہے۔

۲ حضرت حسینؓ کو مرکز اسلام مکہ و مدینہ اور اپنے خیر خواہوں اور بزرگوں کی رفاقت کو چھوڑ کر فریب کار اسلام دشمن سبائیوں کی پناہ میں کوفہ جانیکی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیونکہ یزید کے انتخاب کا اختیار تو مرکز اسلام مدینہ کو ارباب حل وعقد کو حاصل تھا نہ کوفہ کے سبائی مفسدین کو۔

۳ حضرت حسینؓ سبطِ رسولؐ تھے اور صحابہ کرامؓ کی قدسی جماعت کی صحبت سے ۵۰ سال تک فیض یاب ہوئے تھے۔

ا وہ قرآن کے حامل اور اسوۂ رسولؐ کے پیروکار۔ ارشاد نبویؐ کے مطیع اور اسلام کے فدائی تھے۔

ب وہ قرآن مجید کے منشاء اور اُسوۂ رسولؐ کے خلاف نہ کچھ کہہ سکتے تھے اور نہ کر سکتے تھے کیونکہ قرآن کا یہ حکم ہے کہ:-

کو نوا مع الصا دقین یہ ہمیشہ ان کے پیش نظر تھا۔ اور و لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا سے وہ کبھی غافل نہ ہو سکتے تھے۔

ج وہ ملی وحدت کو پارہ پارہ ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے۔ نہ امت میں تفرقہ کے مؤید تھے۔ اور نہ مرکز اسلام کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

د وہ اسلام کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے نہ ان کا آلہ کار بن کر قوم کو تباہ کرانا پسند کرتے تھے۔

ہ وہ شرعی حجت پر نہ اعتراض کر سکتے تھے نہ قومی نقصان کو برداشت کرنے والے تھے

س وہ متفقہ طور پر قائم شدہ حکومت کے خلاف کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتے تھے۔ جس سے اہل اسلام میں انتشار پیدا ہو۔ مملکت کا امن تباہ ہو جائے اور ملت کا شیرازہ بکھر جائے۔

ع وہ مومنین کے آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لینا پسند نہیں کرتے تھے۔

ط ان کے سامنے اطاعت یزید اور خروج سے مخالفت کو نبوی حکم موجود تھا۔ اور قرآن کی سورہ نساء ۴ آیات نمبر ۹۳ بھی یقیناً ان کے مدنظر تھی جس کی خلاف ورزی کی سزا ابدی جہنم اور خدا کی رحمتوں سے دوری ہے۔

(خلیفۂ ششم) امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر المؤمنین معاویہؓ بن ابی سفیان القرشی الاموی قبل اسلام میں شرافت ونجابت وسداوت میں پورے عرب میں ممتاز تھے۔ بدر، احد، خندق، حدیبیہ کے معرکوں میں حاضر نہیں ہوئے۔ لیکن ان کا دل گواہی دیتا تھا کہ اسلام مذہبِ حق ہے فتح مکہ کے موقع پر کھل کر مسلمان ہوئے۔ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لگ گئے اور کتابت وحی کے مقدس کام پر آنحضرت ﷺ نے اہل تجھ کر ان کو مامور فرمایا جو بہت نازک امانت داری اور ذمہ داری کا کام تھا اور آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

اللهم اجعله ها ديا مهد يا و اهد به (ترمذی)

اے اللہ! معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدیت دینے والا بنادے اور اس کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنادے۔ نیز دعا بھی کی

اللهم علم معاويه الكتاب والحساب وقه العذاب

اے اللہ! معاویہ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذابِ جہنم سے بچا۔ نیز دعا فرمائی

اللهم عالمه الكتاب و مكن له في البلاد وقه العذاب

اے اللہ! معاویہ کو علم قرآن سکھا دے اور شہروں میں اس کو ٹھکانا بنا دے اور عذاب سے اسے بچا۔

آپ ﷺ نے معاویہ کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا۔ پھر فرمایا معاویہ! تیرے جسم کا کونسا حصہ میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے؟

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا پیٹ اور سینہ۔

تو آپؐ نے دعا فرمائی اللھم املاہ علما اللہ اس کو علم سے بھر دے

آپؐ مستجاب الدعوات تھے ان کی دعا قبول ہوئی

نبی کریم ﷺ نے ایک خوشخبری سنائی تھی کہ

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِی یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَھُمْ ۔

میری امت کے پہلے لشکر نے جو بحری لڑائی لڑے گا اپنے اوپر جنت واجب کر لی

(بخاری ۴۱۰)

اس خوشخبری کے مصداق حضرت معاویہؓ جو ۲۷ھ میں بحری بیڑا لے کر روانہ ہوئے اور ۲۸ھ میں آپ کے ہاتھوں قسطنطنیہ قبرص بحیرہ روم فتح ہوا۔

آپ ہی کے دور میں دوسرے ممالک میں شعبۂ دعوت وارشاد اور شعبۂ جہاد دوبارہ شروع ہوا۔ کسی مفسد نے حضرت حسنؓ کے معاویہؓ سے صلح کرنے پر حضرت حسنؓ کو برا بھلا کہا آپؓ نے فرمایا مجھے برا بھلا مت کہہ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ معاویہ امیر نہ ہو جائیں گے۔ بہت ممالک ہیں جہاں ایمان اسلام سے دنیا متعارف ہوئی دین اسلام پھیلا۔

ایمان والوں کی اولاد جو ایمان لائیں وہ بھی والدین کے ساتھ جنت میں جائیں گے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والذین امنوا واتبعتھم ......اور مؤمن لوگ اور ان کی وہ اولاد جو ایمان لائی گو عمل میں ان سے کسی قدر قصور بھی ہوا ہو تاہم جنتیوں کے پاس خاطر سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ لے جا شامل کریں گے اور ان سابقہ مومنوں میں سے کسی کو کم نہ کریں گے۔ یعنی اولاد کو بھی آباؤ اجداد والے درجے دیں گے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد مہاجرین و انصار مومن اور ان کی تابع اولاد ہیں۔ (قرطبی و بحر محیط)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی اولاد کے درجے بلند کرے گا اگرچہ عمل میں ماں باپ سے کم ہوں تاکہ ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (بیضاوی) نیز فرمایا کہ یہ مومن اور ان کی اولاد جنت میں ہوں گے اور کافر اور ان کی اولاد دوزخ میں ہوں گے

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ صحابی تھے اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان دونوں باپ بیٹا صحابی مہاجر تھے اور حضرت معاویہؓ کا بیٹا یزید تابعی تھا جو ۲۲ھ میں پیدا ہوا اور تابعین و تبع تابعین کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا انہ ابنۃ یزید لمن صالحی اھلہ حضرت معاویہ کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالح بندوں میں سے ہے۔ (الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص ۲۰۲)

اور حضرت حسین ؓ کے علاتی بھائی محمد بن الحنفیہؒ نے فرمایا کہ میں یزید کے

پاس مقیم رہا تو میں نے اسے پابند نماز پایا۔ علماء سے فقہی مسائل دریافت کرتا اور سنت طریقہ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا خیر کا متلاشی تھا (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۳۳)

پھر دور بھی خیر القرون کا تھا جس دور کی خیریت کی شہادت خود خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے کہ

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

بہتر دور میرا ہے جس میں میں رہتا ہوں پھر بہتر دور اس کے ساتھ والا پھر بہتر دور ہے اس اس کے ساتھ والا ہے۔

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ

یزید ۲۲ھ میں عہد فاروقی میں دارالامارت دمشق (شام) میں پیدا ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیان کے نام پر آپ کا نام یزید رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت معاویہؓ پورے صوبہ شام کے ایک طاقتور اور پروقار گورنر تھے۔ جب یزید نے آنکھ کھولی تو دولت اور حکومت کو اپنے قدموں میں دیکھا۔ آپ کی ابتدائی زندگی بڑے آرام و آرائش سے گزری علوم اور فنون سپاہ گری، جانبازی بڑے لائق اساتذہ سے سیکھے۔ گو جوانی میں یزید کو سیر و شکار کا شوق تھا۔ لیکن عوام کے ساتھ مل جل کر رہنا اور ان کو خوش رکھنا اس کا جزو ایمان تھا۔

جس سن میں یزید پیدا ہوا تھا۔ اسی سن میں عبدالملک بن مروان بھی پیدا ہوئے۔ اور یہ دونوں بچے سن رشد کو پہنچ کر علمی فضائل اور نسبی اکتسابی خوبیوں سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ اپنے اپنے وقت میں خلافت اسلامیہ کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۲۵)

مادری نسب

یزید کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً یمنی کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں۔ اس قبیلہ کے اکثر لوگ۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ بن عوف، کی تبلیغی کوششوں سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ چنانچہ بنو کلب کے کئی بزرگ مثلاً قطن بن زائر، فرائلہ کلبی وائل بن حجر وغیرہ رسول اللہؐ کے صحابی تھے۔ اور قریشی خاندانوں کے ساتھ ان کلبیوں کی رشتہ داریاں بھی قائم تھیں۔ مثلاً

- الف حضرت عثمانِ غنیؓ کی زوجہ بی بی نائلہ بنت الفرافصہ کلبیہ
- ب حضرت معاویہؓ کی زوجہ میسون بنت بجدل بن انیف کلبی
- ج حضرت علیؓ کی زوجہ محیاۃ بنت امراء القیس بن عدی
- د حسن بن علی کی زوجہ سلمیٰؓ بنت امراء القیس بن عدی
- ر حسین بن علی کی زوجہ (باب، ام سکینہ) القیس بن عدی
- س بی بی سکینہ بنت حسین کے شوہر مصعب کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں

اس سے ثابت ہوا کہ اکابر صحابہؓ اور قریشی بزرگ بنو کلب کی خواتین سے نکاح کرنا پسند کرتے تھے کیونکہ یہ نسوانی صفات کے اعتبار سے ایک امتیازی شان رکھتی تھیں۔

بی بی میسون بھی حسن و جمال کے ساتھ عقل و دانش میں ممتاز بڑی دیندار اور نیک خصائل خاتون تھیں۔ حضرت معاویہؓ (گورنر شام) نے بنو کلب کے اس طاقتور قبیلے کے ساتھ رشتہ کرنا سیاسی اغراض کے لئے بھی بڑا مفید سمجھا کیونکہ۔ بی بی میسون کے والد جلیل لبی دومۃ الجندل کے رئیس اکیدر بن عبدالملک الکندی کے ماموں تھے اہل مکہ نے اسی

اکیدر کے بھائی بشیر بن عبدالملک سے لکھنے پڑھنے کا فن حاصل کیا تھا۔

یزید کی بہن رملہ حضرت عثمانؓ کے بیٹے عمرو بن عثمان کے عقد میں آئیں اور اسی رملہ کی بہو سکینہ بنت حسین تھیں۔ جو زید بن عمرو بن عثمان کی زوجیت میں آئیں۔

(کتاب المعارف مطبوعہ مصر ص ۱۴)

بچپن

قریشی گھرانوں کے دستور کے مطابق یزید کا زمانہ رضاعت بھی ننھیال قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں بسر ہوا۔ یزید کی دایہ کا کنبہ بادیہ شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا۔ جو ایک صدی تک اموی خلفاء کے بچوں کی پرورش گاہ بنا رہا تھا۔ جو خلیفہ عبدالملک اور ولید کے محلات تعمیر کرانے کے وجہ سے البادیہ کہلاتا تھا۔ اس طرح یزید نے محنت مشقت بے تکلف زندگی میں بھاگ دوڑ شتر سواری۔ گھوڑ دوڑ شہسواری اور سید افگنی کی مہارت یہیں حاصل کی۔ گویا کہ بچپن ہی سے آپ میں آثار نجابت وعلو مرتبت پائے جاتے تھے۔

تعلیم و تربیت

یزید ایک غیر معمولی ذہانت کا طالب علم تھا۔ ثقہ مورخین نے بہ تفصیل تذکرہ لکھا ہے۔ کہ یزید نے نوعمری ہی میں لسانیات اور دینیات میں امتیازی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ قرآن مجید حفظ تھا۔ اور قرأت بڑے اچھے قاری کی طرح کرتا تھا۔ خطبات جمعہ وعیدین میں قرآنی آیات اور سورتیں مسلسل پڑھتا جاتا تھا۔ خوش بیانی اور حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

یزید کی طالب علمی کے زمانہ میں درسی کتابیں ابھی مدون نہیں ہوئی تھیں۔ قرآن و حدیث کے علاوہ ادبیات (یعنی شعروشاعری) اور علم نساب صرف علماء کی صحبت اور خطبات سے حاصل کیئے جاتے تھے۔ صحابیؓ رسول حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی ساکن بصرہ یزید کے استاد تھے جو بڑے عالم تھے لیکن عالم الانساب کا ان پر غلبہ تھا (تہذیب التہذیب) جس کی وجہ سے وہ دِغفل النسابہ کے نام سے مشہور تھے ان ہی کے چچیرے بھائیوں میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہوئے ہیں۔

حضرت دِغفل النسابہ جب بصرہ سے دمشق آئے تو امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے ان کے تبحر علمی اور قوت لسانی کے پیش نظر یزید کے پاس رہنے اور اسے اپنی علمی صحبت سے مستفیض کرنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ یزید کو عرصہ تک ان کے علمی خرمن سے خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے۔ دینی علوم اور ادبیات کے علاوہ مجاہد اسلام کی رومی عیسائیوں کی زبردست فوجی طاقت کے مقابلے میں، بہادرانہ تہورانہ اور مجاہدیانہ جہادی سرگرمیوں کے کارنامے آج تک تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں۔

۴۱ھ میں جب دمشق (شام) کو دارالخلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا۔ تو یزید کی عمر اس وقت انیس سال کی تھی۔ حجاز اور دوسرے علاقوں سے اکثر صحابہؓ رسولؐ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق آئے اور مقیم ہوئے۔ یزید کو ان صحابہؓ رسول اللہؐ کی خدمتیں کرنے اور ان کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوئے۔

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی (یعنی رسول اللہ کے چچازاد بھائی) خلافت فاروقی میں مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ یزید سے اس کی صلاحیتوں کی بناء پر ان سے بہت محبت کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے یزید کو اپنا وصی اور وارث بنایا۔

(جمہرۃ الانساب ص ۶۴ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۳)

صحابہ کرامؓ و علماء و صلحاء کی صحبتوں کے علاوہ یزید اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جو ایسے ذہین فطین اور اخاذ طبیعت کا نوجوان کیلئے درسگاہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔

خطابت

۱۰ رجب ۶۰ھ میں والد محترم حضرت معاویہؓ کی اچانک وفات پر یزید کو بڑا رنج و ملال ہوا۔ چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جب آپ امیر المومنین کی حیثیت سے جامع مسجد دمشق میں خطبہ دینے آئے۔ تو صحابہ رسول حضرت ضحاک بن قیس الفہری جو اسوقت عامل دمشق تھے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر منبر کے پاس آ بیٹھے کہ شاید مافی الضمیر پوری طور ادا نہ کر سکیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۴۷)

لیکن یزید نے ان کے اس شبہ کا احساس کر کے ان سے کہا کہ: اے ضحاک! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں؟

اس کے بعد مندرجہ ذیل خطبہ دیا جن میں نہ کسی کی ستائش ہے۔ نہ کسی مزعومہ حق کا ارشاد ہے:-

(۱) سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے۔ جس کو چاہے ذلیل کرے۔ جس کو چاہے سربلند کرے۔ معاویہ بن ابو سفیانؓ کو چاہا اسے دراز کیا جب اس کو قطع کرنے کا ارادہ کیا اسے قطع کر دیا۔ وہ اپنے پیشروؤں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے۔ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کا تذکیہ نہیں کر رہا ہوں۔ وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے جو اگر ان کو معاف کرے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر سزا دے تو یہ گناہ کا بدلہ ہوگا۔

ان کے بعد میں اس امر خلافت کا ولی بنایا گیا ہوں۔ میں جہل کا عذر نہیں کرتا اور طلب علم سے مایوس نہیں۔ آپ لوگ سنبھل کر رہیں اور یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ

جس چیز کو پسند کرتا ہے اسے بدل دیتا ہے اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہے۔ اسے آسان کر دیتا ہے۔

۲. امیر یزید اپنے خطبات میں اکثر بیشتر قرآنی آیات اور سورتیں تلاوت کرتے اور فرماتے اِنَّ اَحْسَنَ الحدیث وَاَبلغ الموعظة كتاب الله یعنی بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے (العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۵۸)

۳. امام احمد بن حنبل اپنی کتاب "الزہد" میں یزید کے ایک خطبے کے دوران ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یزید موصوف نے فرمایا

تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پا کر صحت یاب ہونے لگے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ ان نے کونسا اچھا عمل کیا تھا کہ پھر اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کونسا برا عمل اس نے کیا تھا کہ اسے ترک کر دے:

۴. امام شہاب الدین متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی کتاب العقد الفرید جلد ۲ کے ص ۳۱۵ پر خلفائے راشدین کے خطبات کے آخر میں یزید کے خطبات بھی شامل کئے ہیں۔

۵. امام غزالی کے خلیفہ اور شاگرد قاضی ابوبکر بن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام احمد حنبلؒ کے نزدیک امیر المومنین یزید کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے اس قول کو لے کر اس مقام پر نقل کیا۔ جہاں صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات اور مؤعظ اور ان کو طبقہ زہاد صحابہؓ و تابعین میں داخل کیا۔

(کتاب العواصم من القواصم صفحہ ۲۳۳)

۶. علامہ بلاذری نے ایک موقع پر یزید کا یہ حکیمانہ قول درج کیا ہے کہ

ندیم وجلیس کا تحفظ اور اس کی عزت وتوقیر کرنا خلیفہ کے کرم نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔ (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۰ مطبوعہ یوروشلم)

یزید قریش کے خطباء میں امتیازی شان رکھتا تھا وہ اپنی برجستہ اور زوردار تقریروں کی وجہ سے (الخطیب الاشدق) کہلاتا تھا۔

حلم وکرم

یزید بڑا حلیم وکریم تھا۔ یہ اوصاف اسے اپنے والد محترم کی پاکیزہ سیرت سے وراثت میں ملے تھے۔ ایک موقع پر حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید سے فرمایا تھا کہ:

فرزند عزیز! علم وبردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سب کی مخالف رام ہوجاتا ہے اور معاند کی زبان گنگ ہوجاتی ہے۔ یزید نے اپنے والد کے اس ارشاد پر ہمیشہ عمل کیا اور حلم وکرم کیساتھ مخالفین اور معترضین سے درگزر فرماتا مثلاً

(۱) ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن حسان یزید کے پاس آئے امیر نے ان کے حسب توقع خاطر ومدارات نہ کی اس پر انہوں نے امیر کی ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ امیر یزید کے اعیان میں سے مسلم بن عقبہ نے آپ کو کہا۔ آپ ان کو قتل کر دیجیے کیوں کہ امیر المومنین کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے

امیر یزید نے فرمایا کہ! ہم نے ان کے ساتھ خشکی ہوتی تھی اور محروم رکھا تھا۔ اس لئے اس ہجو کے ہم مستحق ہوگئے۔

ان کے بعد آپ نے انہیں تیس ہزار درہم بھجوائے تو آپ کی مدح کی۔
(انساب الاشراف جلد ۶ ص ۱۱ مطبوعہ یروشلم)

(۲) مورخ ابوالحسن المدائنی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شاعر ابن ہمام السلولی نے ایک قصیدے میں بنوامیہ کی دشمنی میں چند شعر کہے۔ امیر المومنین کے حکم پر ابن زیاد حاکم بصرہ نے ابن ہمام کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا۔

ابن ہمام نے خلیفہ یزید کی خدمت میں حاضر ہو کر امیر معاویہ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارک باد دی۔ پھر ان کے صاحبزادہ معاویہ ثانی کی خدمت میں جا کر ان سے امان طلب کی۔ اس کی سفارش پر ابن ہمام کو معاف کر دیا گیا۔ اس معافی کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجو گو معاند مداح وثنا خواں بن گیا۔

غرض کہ والد محترم حضرت معاویہؓ کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کے سنوارنے اور خیر القرون کے بقیہ صحابہ کرام وتابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول کے اثرات نے امیر یزید میں وہ پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم مورخ بھی ان کے حلم وکرم۔ رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔

یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری

اس رحمدلی کے جذبہ کا اثر تھا کہ یزید نوعمر ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بنی عدی کے یتیموں کو لا کر اپنے مکان میں رکھا۔ اور ان کی خبر گیری وخدمت اپنی ذات پر لازم کر لی۔ اپنی جیب خرچ کی رقم اس کار خیر میں صرف کرتا تھا۔ یزید نے ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ سے درخواست کی کہ بنی عدی، بنی سہم اور بنی جمح کے یتیموں کی پرورش کیلئے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ حضرت معاویہؓ نے یزید کے سر پر بوسہ دیکر یہ درخواست قبول کر لی۔

دینی حرارت وملی خدمات

زمانہ شباب میں مجاہدین، شہدا اور صحابہ کرام کی عظیم جہادی سرگرمیوں کی قدر، قیمت اور فدا کارانہ دینی خدمات کی پیروی کیلئے یزید کو ان ہی جیسے تاثرات نے مجاہدانہ اقدامات کی غرض سے تیغ بکف میدان جہاد میں لا کھڑا کیا۔

۱۔ امیر المومنین حضرت معاویہ کا دورِ خلافت زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اعلائے کلمۃ الحق کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ غیر صالح نظام اور عادلانہ نظام قائم کرنے کی جذبہ سے سرشار غازیانِ اسلام کا سیل رواں بڑھتا جارہا تھا۔

یہ تھا وہ ماحول جس میں امیر یزید نے شعور کی آنکھیں کھولیں امیر المومنین حضرت معاویہ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ۱۶ مرتبہ غزوات اور جہاد کئے وہ قسطنطنیہ پر گرمیوں اور سردیوں میں خدا اگانہ عسکری مہمیں بھیجا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۳)

امیر یزید جیسے پر جوش قریشی نوجوان کو جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین رکھتی تھی آخر کار اپنے والد سے درخواست کی کہ اس سال ۴۹ھ کی گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کیا جائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۷)

۲۔ ایرانی سلطنت کا تو عہد فاروقی (۱۵ھ) ہی میں قلع قمع ہو چکا تھا۔ اب اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت (قسطنطنیہ کی بازنطینی رومی حکومت) باقی تھی۔ خلیفۃ الرسول حضرت صدیق اکبر نے یزید بن ابوسفیان۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ سیف اللہ خالد بن ولید اور دیگر امراء کو جہاد شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے رومیوں کو شکست دے کر شام اور

فلسطین کو فتح کر لیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے یزید بن ابو سفیان کی وفات پر ان کے بھائی معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو حاکم شام مقرر کیا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں رومیوں کو بری و بحری معرکوں میں شکستیں دیں۔ لیکن مدینۃ قیصر قسطنطنیہ پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے غازیانِ اسلام رومی سلطنت کے صدر مقام کو فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔ ۳۶ھ میں صفین میں عربوں کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لئے ملتوی کر دیا۔ لیکن آپ نے ۴۱ھ میں خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتے ہی کئی سال کی مسلسل جدوجہد سے جہازوں کا ایک عظیم بحری بیڑا تیار کیا۔ جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑا تھا۔ اس میں ۱۷۰۰ جنگی کشتیاں مع ساز و سامان ہر وقت تیار رہتی تھیں۔

جہادِ قسطنطنیہ

۶۶۸ء بمطابق ۴۸ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کے لئے بری، بحری حملوں کا انتظام کیا۔ اور رومی سلطنت کی سیاسی طاقت کے استیصال کے لئے مجاہدین کی دو فوجیں تیار کیں۔ سردیوں میں لڑنے والی فوج شواتی اور گرمیوں کی فوج سوائف کہلاتی تھی۔ اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئیں۔ مختلف قبائل قریش اور انصار کے پاس قاصدوں کے ذریعے چٹھیاں بھیجیں اور خواہش کی گئی کہ وہ یزید کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ اس وقت قیادت یزید پر کسی شخص نے بھی اختلاف نہ کیا۔

سب سے پہلے ۴۹ھ میں شامیوں کی ایک شامیہ فوج سفیان بن عوف کی سرکردگی میں جہاد قسطنطنیہ پر روانہ کی گئی یہ فوج راستہ میں ایک جگہ دلدل میں پھنس کر رہ گئی اس کے پیچھے آپ نے مہم صائفہ پر اپنے جوان سال بیٹے یزید کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ اس لشکر میں حجازی قبائل کے غازیوں کے علاوہ بڑے بڑے صحابہؓ رسول مثلاً عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ ابو ایوب انصاری۔ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی جیسے قریشی نوجوان بھی شامل تھے۔ جو مغفرتِ موعودہ حاصل کرنے کے لئے شامل جہاد ہوئے اسلامی بحری بیڑہ جنادہ بن ابی امیہ کی کمان میں درہ دانیال پہنچا اور رومی بیڑے کو شکست دے کر شہر سائیزکس پر قبضہ کر کے اسے اپنا فوجی کیمپ بنا لیا۔ پھر باسورس کی ناکہ بندی کر کے ۴ سال تک محاصرہ جاری رکھا۔

حدیث بشارت مغفرت

صحیح بخاری (جلد ا ص ۴۱۰، نیز ۳۹۱، ۳۹۲، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۹، ۴۱۰، ۹۲۹، ۱۰۳۶) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِي يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ ۔

میری امت میں سے پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر جا کر جہاد کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ اس کی مغفرت ہوگی اور بخاری (جلد ا ص ۱۵۸) میں ہے کہ محمود بن الربیع فرماتے ہیں کہ جس لشکر کے غزوہ کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہؓ تھا۔ روم کے ملک میں و یزید بن معاویہ علیهم بارض روم

اس حدیث (جلد ا ص ۴۱۰) کے بارے میں شارح صحیح بخاری نے لکھا ہے کہ مدینۂ روم کا پہلا غازی یزید بن معاویہ تھا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تھی۔ جیسے عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر اور ابوایوب انصاری وغیرہم۔

فتح الباری میں ہے کہ المہلب نے کہا کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ اور ان کے بیٹے یزید بن معاویہؓ کے منقبت ہے۔

لیکن ابن تین اور ابن منیر نے اس پر اعتراض کیا کہ ضروری نہیں کہ اس عموم میں یزید بھی داخل ہو کیونکہ اہل علم میں کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے۔ کیونکہ غزوہ میں شریک ہونے والا اس کے بعد اگر مرتد ہو جائے وہ قطعاً اس عموم سے خارج ہوتا ہے۔ تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس جہاد میں شریک ہونے والا مغفور لہ ہے

بشرطیکہ مغفور لہ ہونے کی شرط اس میں موجود ہو۔

مگر یہ ان کا قول اس وقت درست ہے جب کہ یزید کا مرتد ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو جائے جب دلیل قطعی ارتداد یزید کی نہ ملے تو خواہ مخواہ اس کو مرتد ہونے کی گالی دینا حرام ہے

نیز عموم کو خصوص میں بدلنا تغییر حکم رسول ہے جس کا حق امتی کو نہیں۔ نیز یہ شرط لگانے سے صرف یزید ہی اس ارتداد کا مصداق ہے یا اور بھی کوئی ہے اگر ہے تو واضح کیا جائے کہ اس غزوہ میں شریک کتنے مرتد ہو گئے تھے۔ جب کوئی ثبوت نہیں تو صرف یزید کی وجہ سے حکم رسولؐ میں تغیر کی جا رہی ہے جب کہ عام غیر مخصوص منہ البعض میں سے بعض کو مستثنیٰ کرنا قطعی حکم کو ظنی بنانا ہے اور اصولی قاعدہ ہے کہ شرط و استثنا سے بیان تغییر ہوتا ہے۔ جیسے اصولی مسئلہ ہے۔ اگر یزید مستثنیٰ ہوتا تو نبی کریم ﷺ خود استثنا فرما دیتے اور یہ فرما دیتے کہ اس لشکر کا سپہ سالار اس بشارت سے مستثنیٰ ہوگا۔

جیسے بیعت الرضوان کے موقع پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیدخلن الجنة من بايع تحت الشجرة الا صاحب الجمل الاحمر (ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۵)

جس جس نے اس درخت کے نیچے بیعت لے لی تو وہ ضرور جنت میں جائیگا مگر یہ لال اونٹ والا نہ جائیگا اسی لیے مدینہ قیصر والی حدیث کی بابت امام سیوطیؒ نے الحاوی للفتاوی (جلد ۲ ص ۲۷۳) میں فرمایا کہ

ومن يدعى الخصوص فيه بغير مخصص عنه صلى الله عليه وسلم فمتعسف

یعنی نبی کریم ﷺ نے جس کی تخصیص نہ کی ہو پھر اس میں تخصیص کا دعویٰ کرنے

والا ضعف اور بے راہ رو ہے یعنی ایسے معنے پر محمل کرنا جس پر دلالت ظاہرہ ہو۔

پھر حضرت اما منا فی الدین حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں کبھی یزید کے بارے کفر یا فسق کا ذکر نہیں کیا۔ خاص کر جو تقریریں سفر کے دوران کربلا تک کیں ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس میں یہ ذکر ہو۔ اور نہ ہی کوئی عینی شاہد ملتا ہے جس نے کہا ہو کہ فلاں جگہ میں نے فلاں وقت میں یزید کو کفر بکتے سنا یا فلاں مجلس میں میں نے یزید کو شراب پیتے ہوئے دیکھا یا غیر محرم عورت کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے دیکھا کالمیل فی المکحلہ

اس دور میں شیعہ کا پروپگنڈا بہت تھا تو فسق یزید کی خبریں بہت اڑائی جا رہی تھیں۔ تو مؤرخین نے وہ باتیں لکھ ماریں پھر اس پر تبصرے کرنے شروع کر دیے عامی آدمی سچ سمجھنے لگ گئے جیسے اما منا فی الدین حضرت حسنؓ کے بارے میں مشہور کر دیا کہ بہت طلاقیں دینے والا۔ کہ انہوں نے بہت نکاح کئے اور پھر طلاقیں بھی بہت دیتے تھے۔

سچ یہ ہے کہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا صحابہ کرام کی بڑی جماعت بھی موجود تھی اس دور میں ایسا فاسق فاجر اور بے دین تخت خلافت پر بیٹھ ہی نہ سکتا تھا۔ بلکہ ایسے فاسق فاجر کا تخت خلافت پر بیٹھنا صحابہ کرامؓ کے ضعف ایمانی کی غمازی کرتا ہے (جو کہ صرف شیعہ مذہب کا ایمان ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے امۃ محمدیہ کو فرمایا

جیسے تم ہو گے تم پر امیر بھی ایسے ہی ہوں گے۔ ہاں البتہ یہ الگ بات ہے کہ فاضل کی بجائے مفضول کو کسی وجہ سے ترجیح دی جائے اور کسی کے زبانی نہیں سنا کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ فاسق تھا۔ اس حدیث کو سامنے رکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہ کے دور کے بعد پھر سے اچھا دور پلٹ آیا کہ امت کو خلیفہ راشد مل گیا۔ مگر ہمارا خیال یقین کی حد تک

ہے کہ اہل سنۃ والجماعت میں سے کوئی بھی ایسا نہ کہہ سکے گا۔ بس حضرت محمد رسول اللہ کا فرمان سولہ آنے ٹھیک ہے کہ خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلونھم
میرے دور کے لوگ یعنی صحابہ کرامؓ سب سے بہتر ہیں پھر دوسرے نمبر پر وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے بعد والے ہیں یعنی تابعین پھر ان کے بعد وہ ہیں جو ان کے بعد متصل آئیں گے یعنی تبع تابعین۔ ان تین دوروں کے بعد ایسا دور آ جائیگا جس میں حالات بدل جائیں گے۔

حاشیہ بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰ میں قسطلانی کے حوالے سے اور عینی نے عمدۃ القاری میں جلد ۱۴ ص ۱۹۹ اور ابن حجر نے فتح الباری جلد ۲ ص ۸۷ میں لکھا ہے کہ غزوۂ قسطنطنیہ (مدینہ قیصر) میں یزید بن معاویہؓ کے ساتھ جہاد میں عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ۔ ابوایوب انصاری اور دیگر کثیر جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی۔

بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳ میں حضرت عبداللہ بن عمر کا قول منقول ہے انا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ

بلاذری جلد ۴ ص ۴ اور الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۲۰۴ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا انہ ابنۃ یزید لمن صالحی اھلہ معاویہؓ کا بیٹا یزید اس کے گھر والوں کے صالحین میں سے ہے

تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۳۳ میں ہے قال محمد بن الحنفیہ و قد حضرتہ واقمت عندہ فرأیتہ مواظباً علی الصلوۃ متحریا للخیر یسال عن الفقہ وملازما للسنۃ

تاریخ ابن کثیر جلد ۱۲ ص ۱۷۳ میں بھی ہے۔

یہی وہ پہلا اسلامی لشکر ہے جس نے رومی دار الحکومت قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی لشکر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے قریباً ۴۰ سال پیشتر فرمایا کہ

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ ۔

یعنی میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی اس کے لئے مغفرت ہے۔ (حدیث بخاری مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

لہٰذا اس حدیث کے مطابق ان سب بری و بحری غازیوں کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث مغفرت کی خاطر امیر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۵۲)

حضرت ابوایوب انصاری کی وفات

اسی جہاد قسطنطنیہ کے دوران ۸۰ سالہ میزبان رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوب انصاری کی وفات ہوئی۔ اس بڑھاپے میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیث نبوی کی بشارت مغفرت کیوجہ سے کی تھی۔ جب کہ آپ کا آخری وقت آ پہنچا تو آپ نے سالار لشکر امیر یزید کو وصیت کی کہ میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جتنی دور لے جاسکو لے جا کر دفن کرنا۔ مسلمانوں کو میرا اسلام پہنچانا اور یہ حدیث سنانا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔ کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہوا اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرتا تھا۔ اللہ اسے جنت نصیب کریں گے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ص ۵۹)

جب فوت ہوئے تو یزید نے اس محترم صحابی رسول ﷺ کی نماز جنازہ پڑھائی اور حسب وصیت شہر قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا جہاں آج کل آپ کا عالیشان مزار واقع ہے۔ عثمانی ترکوں نے مزار کے قریب ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جو اب تک جامع ابوایوب کہلاتی ہے اسی مسجد میں خلفائے آل عثمان کی تاجپوشی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔

اب ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو یزید کے لشکر میں شامل تھے۔ بشمول صحابہ کرامؓ و حضرت حسین بن علیؓ نے جنازہ کی نماز یزید کی امامت میں پڑھی اور میزبان رسول کی تدفین میں شریک رہے۔

امیر آشکیب ارسلان اپنی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" میں زیر عنوان محاضرات العرب القسطنطنیہ بحوالہ طبقات ابن سعد لکھتے ہیں کہ :-

ابو ایوب انصاری بیمار پڑے تو امیر لشکر یزید بن معاویہ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش یہ ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تمہیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو امیر ان کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں گئے۔ جب آگے راہ نہ پائی تو ان کو شہر پناہ کے پاس دفن کر دیا اور لوٹ آئے۔ ابو ایوب انصاری نے مرتے وقت یہ بھی کہا تھا۔ کہ میرا اسلام لوگوں کو پہنچا دینا اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پس یزید نے لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو انہوں نے فرمائیں ان کی وفات اس سال ہوئی جب امیر یزید نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جہاد کیا تھا۔ یزید بن معاویہؓ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انکی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے۔ یہ واقعہ ۵۰ھ بمطابق ۶۷۲ء کا ہے۔

مؤلف کتاب تاریخ التواریخ لکھتا ہے کہ

ابو ایوب انصاری نے جہاد قسطنطنیہ میں یزید کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے ان کی تدفین کا انتظام کیا۔ جب قسطنطنیہ کے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں؟ تو اس نے رومی عیسائیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا!

اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ممتاز صحابی کا جنازہ ہے۔ جس کو ہم نے دفن کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچا تو یاد رکھو کہ سرزمین اسلام میں ہر

کلیسہ اور گرجا کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائیگا اور خطۂ عرب میں پھر ناقوس کی آواز سنائی نہ دے گی۔ (جلد ۲ کتاب دوم ص ۶۶ ناسخ التواریخ)

موئف عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۳۳ پر لکھتا ہے کہ:-

جب ابوایوب انصاری کو ان کی حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کر رہے تھے تو قیصر روم نے امیر یزید کے پاس پیغام بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اور کیوں کر رہے ہو۔ تو امیر یزید نے جواب دیا کہ یہ ہمارے نبیؐ کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔ انہوں نے تمہارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اگر تم مانع ہو تو ہم دفن ضرور کریں گے۔ خواہ ہم کو اپنی جانیں اس پر دینی پڑیں "

امیر یزید کی یہ بات سن کر قیصر کے منہ سے یہ خباثت آمیز جملہ نکلا کہ:-

" تم لوگ جب یہاں سے لوٹ جاؤ گے تو یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے "

میزبان رسول کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق یہ الفاظ سن کر امیر یزید میں برداشت کی تاب نہ رہی عرب غازیوں کا فوجی دستہ بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف لپکا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہونا پڑا۔ قلعہ کے پھاٹک پر پہنچ کر امیر یزید نے لوہے کے گرز سے اس زور سے ضربیں لگائیں کہ پھاٹک میں کئی شگاف پڑ گئے۔ (آغانی جلد ۱۶ ص ۳۳)

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزید نے باب قسطنطنیہ پر قیصر روم کو للکارا اور کہا کہ:-

اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان (ابوایوب) کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مسخ کیا گیا ہے تو یاد

رکھو کہ میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا زندہ نہ چھوڑونگا اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کئے رہنے دونگا۔

قیصر روم بوغا ناتس کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزید کے بے باکانہ حملہ سے کچھ ایسا خوف دامنگیر ہوا۔ کہ حضرۃ مسیحؑ کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔ بعد میں قیصر روم نے اس قبر پر قبہ بھی بنوادیا تھا۔

(عقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳۳)

قلعہ قسطنطنیہ کی فصیل چونکہ بڑی مضبوط اور قدرتی طور پر محفوظ تھی اس لئے مسلمان اسے فتح کر کے قبضہ نہ کر سکے۔ رومیوں نے آتش زنی کر کے اسلامی بیڑے کی بہت سی کشتیاں جلا دیں علاوہ ازیں وہاں کی سردی کی شدت عربوں کے لئے ناقابل برداشت تھی اس لئے مجبوراً ۵۱ھ میں واپس لوٹنا پڑا

مؤرخ المسعودی اپنی تالیف تنبیہ الاشرف کے ص ۱۴۰ پر لکھتا ہے کہ

زمانہ اسلام میں ساحل سمندر سے چل کر تین امراء نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا۔ ان میں سب سے اول یزید بن معاویہؓ بن ابوسفیانؓ ۴۹ھ دوم مسلمہ بن عبدالملک بن مروان ۹۸ھ اور تیسرا ہارون الرشید بن مہدی تھا۔

مشہور یورپین مورخ ایڈورڈ گبن اپنی تالیف (تاریخ روم کا عروج وزوال کے ص ۲۸۶ پر لکھتا ہے کہ

قسطنطنیہ کے معرکہ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزید کی موجودگی اور اس کی شجاعت و بسالت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی۔

فتی العرب (یعنی عرب کا بہادر نوجوان)

امیر یزید نے متواتر ۴۹ھ تا ۵۶ھ عیسائیوں کے خلاف جہادوں اور عظیم معرکوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے جزیرہ قبرص۔ جزیرہ رہوڈز۔ جزائر ایجیرو ابیض اور بلاد ایشیائے کوچک فتح کر لئے حتیٰ کہ خود مدینہ قیصر روم قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے میں اسے آزمایا جا چکا تھا۔ لہٰذا اس کے حسن انتظام اور ذاتی شجاعت و شہادت کے پیش نظر ملت کی طرف سے اسے فتی العرب کا خطاب دیا گیا۔ امیر یزید ہی اسلام میں وہ پہلے اور آخری شخص ہیں جنہوں نے بہادر ترین عرب کا خطاب حاصل کیا۔
(پروفیسر فلپ ہٹی تاریخ عرب ص ۲۰۱) (طبقات ابن سعد طبری)

امارتِ حج

امیرالمؤمنین حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ سے واپسی پر اپنے جوان سال بیٹے یزید کو امیرِ حج مقرر کیا اور متواتر تین سال تک یزید نے امیرِ حج کے فرائض انجام دیئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۳)

اسلامی دنیا کے جو مسلمان مکہ معظمہ میں جمع ہوئے وہ امیرِ حج کے خطبات سے مستفیض ہوتے۔ خطبہ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریات ملیہ پر ہدایات اور نصائح حاصل کرتے۔ پھر حاجی لوگ ان سے ملاقات کرتے اور امیرِ حج ان کی شکایات رفع کر کے ان کی حاجتیں پوری کرتے۔

ان تین سالوں ۵۱ھ تا ۵۳ھ کے دوران بہت سے صحابہؓ رسولؐ اکابرین ملک مجاہدین عظام اور مملکتِ اسلامیہ کے لاکھوں مسلمانوں نے ہر سال یزید کی امارت میں مناسک حج ادا کئے۔ ان کے خطبات سنے۔ ان کے پیچھے پانچوں وقت نمازیں ادا کیں اور ان کی معیت میں روضۂ رسول کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

دارالیزید

امیر یزید کو مدینہ کی ارض پاک سے اتنی محبت تھی کہ وہیں اپنا ایک مکان دارالیزید تعمیر کرایا اور ۵۳ھ میں آخری حج کے موقع پر مدینہ کے قریشی گھرانوں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ نکاح میں لائے۔ ان میں سے ایک تو ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار تھیں اور دوسری ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق تھیں۔

یزید بطور ولی عہد

یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ یزید کی ولی عہدی کا خیال نہ حضرت معاویہؓ کے ذہن میں تھا اور نہ خود یزید اس کا خواہاں تھا بلکہ اس امر کا خیال سب سے پہلے گورنرکوفہ اور مدبر صحابی رسولؐ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ذہن میں آیا جب کہ ۵۱ھ میں یزید جہاد قسطنطنیہ سے واپس آیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ وہ دمشق گئے اور دوران گفتگو خلیفہ کی خدمت میں یہ تحریک پیش کی کہ

امیر المؤمنین !

اکابر صحابہؓ اعیان قریش اور عمر رسیدہ اصحاب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔ میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد امت میں جو اختلاف اور خون ریزی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اس کے پیش نظر میں یہ کہوں گا کہ آپ اپنے لائق فرزند یزید کو ولی عہد مقرر کر کے عام بیعت لے لیں تا کہ بعد میں فتنہ وفساد اور ہلاکت کا ظہور نہ ہو۔ آپ رائے و تدبیر یں اور سنت و سیاست سے آگاہی میں افضل و احسن ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کو اس کی ولی عہدی کی بیعت لینے سے کیا چیز روک رہی ہے؟

حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں یزید کی جنگی اور انتظامی امور کی اہلیت و قابلیت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ لیکن اس مسئلہ میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے۔ اور جو کام امت کی مصلحت کے تحت کیا جارہا تھا وہ اصول نہ بن جائے۔

اس لئے حضرت معاویہؓ جیسے خیر خواہان ملت یہ گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ اس بار

میں پوری امت سے استصواب رائے نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام شہروں اور صوبوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔ چنانچہ یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ ساری مملکت میں صرف بصرہ اور کوفہ ہی دو ایسے صوبے تھے جہاں باشندے باغی طبیعت کے اور فتنہ پرور تھے اور جہاں اکثر شورشیں پھیلتی رہتی تھیں۔

1 حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کہا کہ کوفہ جا کر لوگوں کو اپنا ہم خیال بناؤ۔ چنانچہ حضرت مغیرہؓ نے کوفہ جا کر دس پندرہ سر کردہ لوگوں کا ایک وفد عراق سے دمشق بھیجا تا کہ خلیفہ سے یزید کو اپنا جانشین بنانے کی درخواست کریں۔ چنانچہ اس وفد نے حضرت معاویہؓ کو یقین دلایا کہ ہماری اور اہل کوفہ کی رائے ہے کہ یزید آپ کا جانشین ہو اس سے حضرت معاویہؓ کا عزم پختہ ہو گیا اور انہوں نے اس امر کے متعلق تمام صوبوں میں گشتی مراسلہ جاری کر دیا۔

2 اسی دوران میں بصرہ سے ایک وفد احنف بن قیس کی سرکردگی میں دمشق پہنچا۔ تو حضرت معاویہؓ نے انہیں بلا کر کے حاضرین مجلس کے روبرو یزید کی فوجی و انتظامی اہلیت اور علمی فضائل بیان کئے۔ پھر چند شامی معززین نے بھی اس کی حمایت میں تقریریں کیں۔

عراق کے علاوہ مملکت اسلامیہ کے تمام صوبوں، فارس، خراسان، جزیرہ، شام، فلسطین، مصر، یمن، اردن، ہرات، آذربائیجان اور حجاز وغیرہ کے ہر ہر مقام سے لوگوں نے وفود بھیج کر بلا جبر و اکراہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی۔ اس طرح امت کی بھاری اکثریت کا فیصلہ یہی تھا کہ امیر یزید کو ولی عہد المسلمین بنایا جائے۔

3 اس فیصلہ کن اجتماع کے باوجود حضرت معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ

وہ مدینہ کے بعض ممتاز صحابہ کا مشورہ لینا ضروری سمجھتے تھے۔ اگرچہ حضرت علی کے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنانے اور اس کے بعد دمشق کو دارالخلافت کا مرتبہ حاصل ہو جانے سے اہالیان مکہ و مدینہ کا حل وعقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا۔ جو شیخین کے عہد میں تھا۔ لیکن باجود اس کے حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک مکہ اور مدینہ کے لوگ بھی اس فیصلے پر متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے آپ نے مدینہ کے والی مروان بن حکم کو لکھا کہ:۔

میری عمر ڈھل چکی ہے اور ہڈیاں چور ہو چکی ہیں۔ مجھے اپنے بعد اختلاف امت کا ڈر ہے کہ کہیں میرے بعد کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے میری رائے ہے کہ لوگوں سے پوچھ لوں کہ میرے بعد جانشین کون ہو؟

امیر مروان نے اہل مدینہ کے سامنے خلیفہ کے عندیہ کا اظہار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین نے درست بات کہی ہے کہ جسے چاہیں ولی عہد نامزد کر دیں اور دیر نہ کریں۔

امیر مروان نے اس امر کی اطلاع حضرت معاویہؓ کو دمشق میں بھیج دی۔ حضرت معاویہؓ نے اسے دوسرا خط لکھا جس میں بتایا کہ:۔ میں اپنے بعد یزید کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں۔ امیر مروان نے جب یہ اعلان مدینہ میں کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق (متوفی ۵۳ھ) نے مخالفت کی اور فرمایا کہ:۔

تمہیں اور امیر المومنین کو اُمت کی خیر خواہی منظور نہیں۔ تم خلافت کو روم کے ہرقل" کی سلطنت بنانا چاہتے ہو کہ ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اٹھ کھڑا ہو" حالانکہ اس سے پہلے حضرت علی کے بعد حسن خلیفہ ہوئے اور حسین خلافت کے امیدوار تھے۔ ان کے

اس خیال کے تائید عبدالرحمن بن عمر۔ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی نے بھی کی (یہ دونوں آخری بزرگ خود خلافت کے دعویدار بننا چاہتے تھے)

4 حضرت معاویہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام کی اس متفقہ بیعت عامہ کے بعد مکہ اور مدینہ سے لوگ کسی طرح مخالفت نہ کریں اور مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے۔ چنانچہ ۵۱ھ میں آپ خود مدینہ پہنچے اور ایک بھرے مجمع میں اہل مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ اے اہل مدینہ! میں نے جب یزید کی بیعت ولی عہدی کا ارادہ پختہ کر لیا تو کسی قریہ اور جھونپڑی کو بھی نہ چھوڑا جہاں بیعت کیلئے وفد نہ بھیجا ہو۔ چنانچہ تمامی دیار و امصار میں لوگوں نے یہ بیعت کر لی تھی۔ (الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۱۹۸)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان

5 اس کے بعد آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بیعت یزید کے بارے میں تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ اور بتایا کہ تمام صوبوں کے لوگ جن میں صحابہ کبار صحابہ صغار اور تابعین سب شامل ہیں) متفقہ طور پر بیعت کر لی ہے۔ اس تفصیل اور اُمت کے متفقہ فیصلہ کو سن کر ام المومنین نے اظہار پسندیدگی فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ اب اگر کوئی شخص یہاں اختلاف کرے تو تم عجلت سے کام نہ لینا۔ اور نرمی اختیار کرنا وہ انشاءاللہ آپ سے موافقت کرے گا۔

حضرت معاویہؓ نے عرض کی ام المومنین! بہت اچھا۔ میں آپ کی فرمائش کے مطابق عمل کروں گا۔

امیر المومنین کے پیش نظر تو وہ تمام حالات تھے جو کہ حضرت علی کی ناکام سیاست کے نتیجے میں اہل حجاز کا سیاسیات ملی میں وہ مقام باقی نہ رہا تھا جو پہلے تین خلفاء راشدین کے عہد میں تھا۔ علاوہ ازیں بمقتضائے زمانہ خلافت اب لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی ایک باضابطہ ریاست تھی جس کے گوناگوں مسائل اور انتظامات کا اہل مدینہ میں سے کسی کو نہ کوئی عملی تجربہ تھا نہ واقفیت ان حالات میں اور خطرہ کے پیش نظر کہ حضرت معاویہؓ کے بعد حصول خلافت میں پھر خونریزی کی نوبت نہ آ جائے جس کا تلخ تجربہ امت کو ہو چکا تھا امیر المومنین نے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی کاروائی کو پسند فرمایا

2 اس کے بعد امیر المومنین نے چاروں قریشی حضرات (عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ ۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ) کو بلا بھیجا اور انہیں اکثریت کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اور فرمایا

1 آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میری کیا روش رہی ہے؟ آپ میری قرابت داری اور رضا جوئی کے بھی واقف ہیں۔ یزید تمہارا بھائی اور عم زاد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خلافت اس کے نام پر ہو اور سر رشتہ کار آپ کے ہاتھ میں رہے۔" یہ تقریریں سن کر عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ ذی النورین کے طریق انتخاب کے خلاف کوئی اور طریقہ ہمیں منظور نہیں

یہ الفاظ سن کر آپ نے جواب دیا کہ مجھے جو کچھ آپ لوگوں سے کہنا تھا کہہ چکا۔ اب جو کچھ میں نے ارادہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا خواہ تم پسند کرو یا نہ کرو۔ کیونکہ

میں یزید کی جانشینی کی بیعت باقی ولایت سے لے چکا ہوں اور آپ کے سوا دیگر سب لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔ کیا اب میں بیعت کی تکمیل کے بعد اسے توڑ دوں؟

پھر حسین بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں یزید سے حسب ونسب کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ اس لئے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اللہ کی قسم! امت محمدیہ کے انتظامی امور میں یزید تم سے بہت بہتر ہے

(الامامت والسیاست)

ازاں بعد حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس نے بطیب خاطر بیعت کر لی اور اس پر آخر دم تک مستقیم رہے۔

دراصل حضرت معاویہؓ نے یہ سفر ہی اس لئے کیا تھا کہ حج و زیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کر لیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے (جن میں امہات المومنین۔ بدری۔ رضوانی اور دیگر اصحاب رسول۔ حدیث شریف کی راوی۔ ممتاز لیڈر اور عوام شامل تھے) اس فیصلے کا خیر مقدم کیا اور امت کی فلاح و بہبود اور مصلحتوں کے تحت اس کی منظوری اسے دی۔

بعض کذابین نے

یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں یہ فضا پیدا کی گویا اس وفد میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں صرف یہ تین چار بزرگ ہی ذی وقار اور باحیثیت تھے۔ ان کے علاوہ پوری امت عوام الناس پر مشتمل تھی۔ حالانکہ اس زمانے میں سینکڑوں کی تعداد میں اور بھی بلند پایہ اور ممتاز ترین ہستیاں اور دیگر معمر اصحاب رسول کی خاصی تعداد موجود تھی۔ جنہوں نے اس ولی عہدی کو پسند فرمایا تھا۔

اس وقت زندہ اصحابِ رسول ﷺ کی فہرست

اب ذیل میں ان اُمہات المومنین اور اصحاب بیعت عقبہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان کی فہرست مع سن وفات درج ہے۔ جو یزید کی ولی عہدی بلکہ خلافت کے زمانے کے بعد تک بھی زندہ تھے اور انہوں نے یزید کی ولی عہدی پر اتفاق کیا تھا۔

ا۔ امہات المومنین ازواج رسول ﷺ

ا۔	ام المومنین حضرت حفصہؓ	متوفیہ ۵۴ھ (بزمانہ عہدی یزید)
۲۔	ام المومنین حضرت جویریہؓ	متوفیہ ۵۶ھ (بزمانہ عہدی یزید)
۳۔	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	متوفیہ ۵۰ھ (بزمانہ عہدی یزید)
۴۔	ام المومنین سلمہؓ	متوفیہ ۵۱ھ (بزمانہ عہدی یزید)
۵۔	ام المومنین میمونہؓ	متوفیہ ۶۱ھ (بزمانہ عہدی یزید)

۲۔ بدری اصحاب رسول ﷺ

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (رسول اللہؐ کے ماموں) فاتح ایران متوفی ۵۹ھ

۲۔ حضرت سعید بن زیدؓ (بہنوئی حضرت عمر فاروقؓ) متوفی ۵۱ھ

۳۔ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ (میزبانِ رسولؐ) جہادِ قسطنطنیہ میں شریک متوفی ۵۰ھ

۴۔ ابواسید مالک بن ربیعہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۶۰ھ

۵۔ ابوبردہ ہانی الحارثی رضی اللہ عنہ متوفی ۵۳ھ

۶۔ ابوعبداللہ انصاری السلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۶۱ھ

۷۔ ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ

۸۔ ابوطلحہ بن معاذ بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ

۹۔ ارقم بن الارقم بن عبدالمناف بن اسد مخزومی رضی اللہ عنہ متوفی ۵۵ھ

۱۰۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۶۵ھ

۱۱۔ حارثہ بن النعمان بن نفیع انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ

۱۲۔ ربیعہ بن کعب بن مالک ابوفراس اسلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۶۳ھ

۱۳۔ زید بن سہل ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ

۱۴۔ سائب بن خلاء ابوسہلہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۱ھ

۱۵۔ شداد بن اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۶۴ھ

۱۶۔ عتبان بن مالک بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۱ھ

۱۷۔ عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۰ھ

۱۸۔ عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۶ھ

۱۹۔ کعب بن عمرو ابوالیسر انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۵ھ

۲۰۔ نعیمان بن عمرو بن رفاعہ رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۴ھ

۳۔ اصحابِ بیعت رضوان

۱۔ ابو ثعلبہ بن جرہم رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۵ھ

۲۔ ابو زمعہ البلوی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۳ھ

۳۔ ابو الحصین الجہنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۳ھ

۴۔ ثابت بن ضحاک انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۳ھ

۵۔ سلمہ بن عمرو بن الاکوع بن سنان انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۴ھ

۶۔ ثعلبہ بن دہر البلوی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۳ھ

۷۔ عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۰ھ

۸۔ عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۴ھ

۹۔ عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۱ھ

۱۰۔ عبداللہ بن یزید بن حسین انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۶ھ

۱۱۔ علقمہ بن خالد ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۰ھ

۱۲۔ عمرو بن الاخطب انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۰ھ

۱۳۔ فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۹ھ

۱۴۔ مغیرہ بن شعبہ بن عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۱ھ

۱۵۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۷ھ

۱۶۔ عائذ بن عمرو بن ہلال المزنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۱ھ

۱۷۔ ایہان بن اوس اسلمی رضی اللہ عنہ — متوفی

۴۔ دیگر صحابہ کرامؓ

۱۔	ابواروی الدوسی حجازی رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ
۲۔	ابوامامہ الباہلی صدی بن عجلان رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۰ھ
۳۔	ابوبرزۃ الاسلمی فضا بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۴ھ
۴۔	ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۵ھ
۵۔	ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۲ھ
۶۔	ابوجہم بن حذیفہ القرشی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۷ھ
۷۔	ابوحدرد اسلمی سلامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ
۸۔	ابوحثمہ انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ
۹۔	ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۱ھ
۱۰۔	ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ	متوفی ـــھ
۱۱۔	ابوسعید المقبری رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۴ھ
۱۲۔	ابوسنان العبدی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۱ھ
۱۳۔	ابوشیبہ الخدری رضی اللہ عنہ	متوفی ۳۹ھ
۱۴۔	ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۱ھ
۱۵۔	ابوالعالیہ الریاحی رضی اللہ عنہ	متوفی ۹۰ھ
۱۶۔	ابوعقبہ الخولانی رضی اللہ عنہ	متوفی ۱۰۰ھ
۱۷۔	ابوالعمال بن ابی عتبہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۰ھ

۱۸۔	ابوعیاش الزرقی ؓ	متوفی ۵۱ھ
۱۹۔	ابولغادیہ الجہنی ؓ	متوفی ۷۹ھ
۲۰۔	ابوفراس الاسلمی ؓ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۔	ابوقتادہ بن ربعی انصاری ؓ	متوفی ۵۳ھ
۲۲۔	ابوقیس الجہنی ؓ	متوفی ۵۹ھ
۲۳۔	ابوکاہل الاحمسی ؓ	متوفی ۷۹ھ
۲۴۔	ابولیلٰی النابغہ الجعدی ؓ	متوفی ۶۸ھ
۲۵۔	ابومحذورہ القرشی ؓ	متوفی ۵۹ھ
۲۶۔	ابوہریرہ الاوسی عمرو بن عامر بن عبداللہ ؓ	متوفی ۵۹ھ
۲۷۔	ادہم بن محرز الباہلی ابومالک ؓ	متوفی ۷۶ھ
۲۸۔	ارطاۃ بن زفر المزنی ؓ	متوفی ۷۴ھ
۲۹۔	اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبی ؓ	متوفی ۵۹ھ
۳۰۔	اسماء بن خارجہ بن حصین ؓ	متوفی ۶۵ھ
۳۱۔	اسلم مولٰی عمر فاروق ؓ	متوفی ۵۸ھ
۳۲۔	الاسود بن ہلال المحاربی ؓ	متوفی ۸۴ھ
۳۳۔	الاسود بن یزید قیس ؓ	متوفی ۷۴ھ
۳۴۔	اسید بن احیحہ بن امیہ القرشی ؓ	متوفی ۵۸ھ
۳۵۔	اسید بن ظہیر بن رافع انصاری الحارثی ؓ	متوفی
۳۶۔	امیر بن عمرو الکندی ؓ	متوفی ۶۳ھ

۳۷۔	انس بن مالک الکعبی رضی اللہ عنہ	متوفی ۲۰ھ
۳۸۔	انس بن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۶ھ
۳۹۔	اوس بن حذیفہ ثقفی رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ
۴۰۔	اوس بن ضمعج حضرمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۳ھ
۴۱۔	اہبان بن صیفی غفاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ
۴۲۔	براء بن عازب بن الحارث انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۲ھ
۴۳۔	بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۴۴۔	بشر بن ارطاۃ القرشی العامری رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۶ھ
۴۵۔	بشر بن عاصم بن سفیان الثقفی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۶ھ
۴۶۔	بشر بن عامر بن مالک بن جعفر رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ
۴۷۔	بشیر بن عمرو رضی اللہ عنہ (دیدار رسول سے شرف ہوئے)	متوفی ۸۵ھ
۴۸۔	بشیر بن عبید بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ	یوم حرہ میں شہید ہوئے
۴۹۔	بلال بن الحارث ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۰ھ
۵۰۔	ثعلبہ بن الحکم اللیثی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۶ھ
۵۱۔	ثوبان بن مجد رضی اللہ عنہ جنگی قیدی بند کرآئے آزاد ہوئے	متوفی ۵۴ھ
۵۲۔	جابر بن سمرہ بن جنادہ العامری رضی اللہ عنہ	متوفی ــــھ
۵۳۔	جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ــــھ
۵۴۔	جابر بن عبداللہ قبطی رضی اللہ عنہ	متوفی ــــھ
۵۵۔	جبیر بن مطعم بن عدی القرشی رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ

۵۶۔	جبیر بن نفیر مالک الحضرمی شامی ؓ	متوفی ۸۰ھ
۵۷۔	جرید بن خویلد مدنی ؓ	متوفی ۶۳ھ
۵۸۔	جریر بن عبداللہ البجلی ؓ	متوفی ۵۴ھ
۵۹۔	جعفر بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب ؓ	متوفی ۵۱ھ
۶۰۔	جنادہ بن ابی امیۃ الازدی شامی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۶۱۔	جنادہ بن امیہ بن مالک الدوسی ؓ	متوفی ۷۰ھ
۶۲۔	جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی ؓ	متوفی ۶۹ھ
۶۳۔	زراہ بن جزء بن عمرو الکلابی ؓ	متوفی ۷۳ھ
۶۴۔	حارث بن اوس بن المعلی انصاری ؓ	متوفی ۸۴ھ
۶۵۔	حارث بن سوید التیمی ؓ	متوفی ۷۲ھ
۶۶۔	حارث بن عمرو بن غزیہ حزنی ؓ	متوفی ۷۰ھ
۶۷۔	حارث بن عوف بن اسید ؓ	متوفی ۶۶ھ
۶۸۔	حارث بن نفیع بن معلی انصاری ؓ	متوفی ۶۴ھ
۶۹۔	حارث بن بدر بن حصین التمیمی ؓ	متوفی ۶۵ھ
۷۰۔	حسان بن ثابت انصاری ؓ (شاعر رسول ﷺ)	متوفی ۵۴ھ
۷۱۔	حسین بن الحر ؓ	متوفی ۶۷ھ
۷۲۔	حسین بن نمیر اسکونی الکندی ؓ	متوفی ۷۲ھ
۷۳۔	الحکم بن عمرو بن مجدع غفاری ؓ عامل خراسان	متوفی ۵۱ھ
۷۴۔	الحکم بن حزام بن خویلد اسدی ؓ	متوفی ۵۴ھ

۷۵۔ حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ — متوفی ۶۱ھ

۷۶۔ حویطب بن عبدالعزیٰ العامریؓ — متوفی ۵۴ھ

۷۷۔ حیدہ بن معاویہ القشیریؓ — متوفی ۶۵ھ

۷۸۔ خویلد بن عمرو کعبی الخزاعیؓ (علمبردار فتح مکہ) — متوفی ۶۸ھ

۷۹۔ خرشہ بن الحر الفزاریؓ — متوفی ۶۶ھ

۸۰۔ خبابہ بن کعب العبسی دمشقیؓ — متوفی ۶۷ھ

۸۱۔ دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ — متوفی ۶۸ھ

۸۲۔ رافع بن خدیج ابوعبداللہ حارثیؓ — متوفی ۶۹ھ

۸۳۔ الربیع بن زیادہ الحارثی عامل خراسانؓ — متوفی ۵۳ھ

۸۴۔ رویفع بن ثابت انصاری حاکم طرابلسؓ — متوفی ۵۶ھ

۸۵۔ زمل بن عمرو العذریؓ (علمبردار صفین) — متوفی ۶۴ھ

۸۶۔ زبیر بن قیس البلویؓ — متوفی ۷۶ھ

۸۷۔ زید بن ارقم انصاری خزرجی کوفیؓ — متوفی ۶۸ھ

۸۸۔ زید بن خالد الجہنیؓ (علمبردار فتح مکہ) — متوفی ۶۸ھ

۸۹۔ سائب بن ابی وداعہ الحارث القرشیؓ — متوفی ۵۷ھ

۹۰۔ سائب بن جناب مدنی ابوعبدالرحمٰنؓ — متوفی ۵۷ھ

۹۱۔ سائب بن یزید الکندیؓ — متوفی ۸۰ھ

۹۲۔ سعد بن ایاس ابوعمرو الشیبانیؓ — متوفی ۹۵ھ

۹۳۔ سعد بن زید انصاریؓ — متوفی ۷۹ھ

۹۴۔	سعد بن مالک بن سنان انصاری الخدری رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۴ھ
۹۵۔	سعید بن العاص بن سعید ابی احیحہ بن العاص اموی رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۹ھ
۹۶۔	سعید بن نمران الہمدانی جرجانی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۰ھ
۹۷۔	سعید بن وہب الجیوانی رضی اللہ عنہ	متوفی ۹۸ھ
۹۸۔	سعید بن یربوع مخدومی الصرام رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۴ھ
۹۹۔	سفیان بن عوف الاسلمی انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۳ھ
۱۰۰۔	سفینہ مولیٰ رسول اللہ آزاد کردہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۰ھ
۱۰۱۔	سلمہ بن ابی سلمہ مخذومی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۹ھ
۱۰۲۔	سمرہ بن جنادہ عمرو بن جندب رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۰ھ
۱۰۳۔	سمرہ بن جندب بن ہلال الفزاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۸ھ
۱۰۴۔	سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۰ھ
۱۰۵۔	سندر بن ابوالاسود رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۷ھ
۱۰۶۔	سنین بن واقد الظفری رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۱ھ
۱۰۷۔	سہیل بن ابی حثمہ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۱ھ
۱۰۸۔	سہل بن حنیف انصاری ابوامامہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۱۰۰ھ
۱۰۹۔	سہل بن سعد بن مالک الساعدی رضی اللہ عنہ	متوفی ۹۱ھ
۱۱۰۔	شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجبی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۱ھ
۱۱۱۔	صعصعہ بن ناجیہ الداری رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۳ھ
۱۱۲۔	صفوان بن المعطل السلمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ

۱۱۳۔ ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ (عامل دمشق) — متوفی ۶۴ھ

۱۱۴۔ طارق بن شہاب البجلی احمسی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۳ھ

۱۱۵۔ عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۳ھ

۱۱۶۔ عامر بن واثلہ لیثی ابوالطفیل رضی اللہ عنہ — متوفی ۱۰۰ھ

۱۱۷۔ عابنہ بن عمرو مزنی ابوہریرہ بصری رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۵ھ

۱۱۸۔ عبداللہ بن ابی حدرد الاسلمی رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۱ھ

۱۱۹۔ عبداللہ بن انیس الجہنی ابویحییٰ مدنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۴ھ

۱۲۰۔ عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ — متوفی ۹۶ھ

۱۲۱۔ عبداللہ بن ثعلبہ العذری رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۹ھ

۱۲۲۔ عبداللہ بن جزء بن انس بن عباس السلمی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۰ھ

۱۲۳۔ عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۷ھ

۱۲۴۔ عبداللہ بن حارث بیدی مصری رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۶ھ

۱۲۵۔ عبداللہ بن الحارث بن نوفل رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۸ھ

۱۲۶۔ عبداللہ بن حازم اسلمی ابوصالح رضی اللہ عنہ (نیشاپوری) — متوفی ۷۳ھ

۱۲۷۔ عبداللہ بن حوالہ الاردنی شامی رضی اللہ عنہ — متوفی ۸۰ھ

۱۲۸۔ عبداللہ بن خالد بن اسید الاموی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۳ھ

۱۲۹۔ یسار بن بلال ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

۱۳۰۔ یسیر بن العصری رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۷ھ

۱۳۱۔ عبداللہ بن زمعہ القرشی الاسدی رضی اللہ عنہ — متوفی ۶۷ھ

۱۳۲۔ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری ؓ	متوفی ۶۳ھ
۱۳۳۔ عبداللہ بن سائب المخزومی ؓ	متوفی ۷۱ھ
۱۳۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی شرح القرشی محاصری ؓ	متوفی ۵۹ھ
۱۳۵۔ عبداللہ بن سعدۃ الفزاری ؓ	متوفی ۶۵ھ
۱۳۶۔ عبداللہ بن سعد انصاری ؓ	متوفی ۷۳ھ
۱۳۷۔ عبداللہ بن السعدی القرشی العامری ؓ	متوفی ۵۷ھ
۱۳۸۔ عبداللہ بن سندر الجذامی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۱۳۹۔ عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی ؓ	متوفی ۸۱ھ
۱۴۰۔ عبداللہ بن عامر کریز اسوی ؓ	متوفی ۶۰ھ
۱۴۱۔ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۱۴۲۔ عبداللہ بن مصام الاشعری ؓ	متوفی ۶۸ھ
۱۴۳۔ عبداللہ بن علقمہ ابی ادنی ؓ	متوفی ۸۷ھ
۱۴۴۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص قریشی ؓ	متوفی ۶۹ھ
۱۴۵۔ عبداللہ بن قتم الاشعری شامی ؓ	متوفی ۶۷ھ
۱۴۶۔ عبداللہ بن قیس ابوموسیٰ الاشعری ؓ (گورنر کوفہ)	متوفی ۵۳ھ
۱۴۷۔ عبداللہ بن کعب انصاری ابوفضالہ ؓ	متوفی ۹۰ھ
۱۴۸۔ عبداللہ بن مالک لاموری ؓ	متوفی
۱۴۹۔ عبداللہ بن معقل انصاری ؓ	متوفی ۷۰ھ
۱۵۰۔ عبداللہ بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی ؓ	متوفی ۶۶ھ

۱۵۱۔	عبداللہ بن یزید الدوسی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۸ھ
۱۵۲۔	عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۱۵۳۔	عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی طبقہ اللخمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۸ھ
۱۵۴۔	عبدالرحمٰن بن زید الخطاب العدوی رضی اللہ عنہ (عامل مکہ)	متوفی ۲۶ھ
۱۵۵۔	عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۳ھ
۱۵۶۔	عبدالرحمٰن بن مل ابوعثمان النہدی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۵ھ
۱۵۷۔	عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۰ھ
۱۵۸۔	عبیداللہ بن العباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۱۵۹۔	عبیداللہ بن عدی بن الخیار بن عدی بن نوفل القرشی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۳ھ
۱۶۰۔	عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی ابوعاصم المکی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۳ھ
۱۶۱۔	عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ (حمص شام)	متوفی ۸۰ھ
۱۶۲۔	عثمان بن ابی العاص الثقفی ابوعبداللہ الطائی رضی اللہ عنہ	متوفی ۵۵ھ
۱۶۳۔	عثمان بن عبیداللہ التیمی برادر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۳ھ
۱۶۴۔	العداء ابن خالد بن ھوذۃ العامری رضی اللہ عنہ	متوفی ۱۰۳ھ
۱۶۵۔	عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۸ھ
۱۶۶۔	العرباض بن ساریہ السلمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۵ھ
۱۶۷۔	عطیہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۵ھ
۱۶۸۔	عفان بن وہب الخولانی ابوایمن مصری رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۳ھ
۱۶۹۔	عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ (شامی)	متوفی ۶۳ھ

۱۷۰۔ عقبہ بن نافع الفجری ربانی ﷛ (قیروان شہر) متوفی ٦٣ھ
۱۷۱۔ عقیل بن ابی طالب ہاشمی ﷛ (برادر اکبر حضرت علیؓ ابو یزید) متوفی ٦٠ھ
۱۷۲۔ علقمہ بن جنادہ الازدی ﷛ (اموی امرے الجر) متوفی ٥٩ھ
۱۷۳۔ علقمہ بن خالد الجزاعی ﷛ متوفی ٧٨ھ
۱۷۴۔ علقمہ بن وقاص الیثی ﷛ متوفی ٧١ھ
۱۷۵۔ عکراش بن ذویب بن نزال بن مرہ ﷛ متوفی ٧٧ھ
۱۷۶۔ عمر بن ابی سلمہ مخدومی ﷛ متوفی ٧٦ھ
۱۷۷۔ عمر بن اخطب انصاری ابو یزید ﷛ متوفی ٦٢ھ
۱۷۸۔ عمران بن حصین الجزاعی ابونجیہ ﷛ متوفی ٥٣ھ
۱۷۹۔ عمران بن ملحان ابو جالعطاروی ﷛ متوفی ٧٩ھ
۱۸۰۔ عمرو بن ابی اراکہ الثقفی ﷛ متوفی ٦٠ھ
۱۸۱۔ عمرو بن حریث القرشی المخذومی ابوسعید ﷛ متوفی ٨٥ھ
۱۸۲۔ عمرو بن حزم بن زید انصاری ﷛ متوفی ٦٣ھ
۱۸۳۔ عمرو بن سفیان البکائی ﷛ متوفی ٦٣ھ
۱۸۴۔ عمرو بن سفیان بن عبد شمس ابوالاعور اسلمی ﷛ متوفی ٧٩ھ
۱۸۵۔ عمرو بن عوف المزنی ﷛ (مدنی) متوفی ٥٩ھ
۱۸۶۔ عمرو بن غیلان الثقفی ﷛ متوفی ٦٣ھ
۱۸۷۔ عمرو بن مرۃ بن عبس ﷛ متوفی ٧٦ھ
۱۸۸۔ عمرہ بن میمون الاتردی ﷛ متوفی ٧٩ھ

۱۸۹۔	عوف بن مالک اشجعی ابوعمرو ؓ	متوفی ۷۳ھ
۱۹۰۔	قبیصہ بن ذویب الجزاعی ؓ	متوفی ۸۱ھ
۱۹۱۔	قثم بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی ؓ (عامل مدینہ)	متوفی ۵۹ھ
۱۹۲۔	قیس بن ثور السولی ؓ (دمشق)	متوفی ۶۳ھ
۱۹۳۔	قیس بن سعد بن عبادہ انصاری ؓ	متوفی ۶۰ھ
۱۹۴۔	قیس بن خرشہ القیسی ؓ (کوفہ)	متوفی ۶۱ھ
۱۹۵۔	قیس بن بایعہ الخولانی ؓ	متوفی ۵۸ھ
۱۹۶۔	کعب بن عجرۃ انصاری ابومحمد ؓ	متوفی ۵۳ھ
۱۹۷۔	کعب بن مالک السلمی ؓ (حضرت عثمان کے مرثیہ گو)	متوفی ۵۶ھ
۱۹۸۔	کعب بن مرہ السلمی ؓ (اردن)	متوفی ۵۷ھ
۱۹۹۔	اللجلاج العامری ؓ	متوفی ۶۷ھ
۲۰۰۔	مالک بن اوس النفری ؓ	متوفی ۵۲ھ
۲۰۱۔	مالک بن الحویرث اللیثی ؓ (بصری)	متوفی ۹۳ھ
۲۰۲۔	مالک بن عبداللہ بن سنان الخثعمی ؓ	متوفی ۶۵ھ
۲۰۳۔	مالک بن ہبیرہ بن خالد الکندی ؓ	متوفی ۶۳ھ
۲۰۴۔	مجمع بن جمادیہ بن عامر انصاری ؓ	متوفی ۵۹ھ
۲۰۵۔	محجان بن الادرع اسلمی ؓ (بصری)	متوفی ۵۹ھ
۲۰۶۔	کرہ بن الخطاب القرشی الجمحی ؓ	متوفی ۶۰ھ
۲۰۷۔	محمود بن الربیع انصاری الاشہلی ؓ	متوفی ۹۶ھ

۲۰۸۔	محمود بن لبید بن رافع انصاری الاشہلی رضی اللہ عنہ	متوفی ۹۶ھ
۲۰۹۔	مروان بن الحکم الاموی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۵ھ
۲۱۰۔	مسلم بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ (عامل افریقہ)	متوفی ۶۳ھ
۲۱۱۔	مسلم رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۲۔	مسور بن مخرمہ بن نوفل القرشی الازہری رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۴ھ
۲۱۳۔	معاویہ بن خدیج بن جفنہ بن قیترہ انصاری رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۴۔	معاویہ بن الحکم السلمی کوفی رضی اللہ عنہ	متوفی ۱۰۰ھ
۲۱۵۔	معبد بن خالد الجہنی ابوزرعہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۲ھ
۲۱۶۔	معبد بن سیہ بوع مخزومی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۱ھ
۲۱۷۔	معقل بن سنان اشجعی ابویزید رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۸۔	معقل بن یسار المزنی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۱۹۔	معن بن یزید السلمی رضی اللہ عنہ	متوفی ۷۳ھ
۲۲۰۔	مقدام بن معدی کرب الکندی ابوکریمہ رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۷ھ
۲۲۱۔	مولہ بن کثیف بن حمل الضبابی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۲۲۔	نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ (والی کوفہ)	متوفی ۶۷ھ
۲۲۳۔	نوفل بن معاویہ الدیلی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ
۲۲۴۔	واثلہ بن الاسقع کنانی اللیثی رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۵ھ
۲۲۵۔	الولید بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ	متوفی ۸۱ھ
۲۲۶۔	الولید بن عقبہ بن ابی معیط القرشی الاموی رضی اللہ عنہ	متوفی ۶۳ھ

۲۲۷۔ وہب بن عبداللہ ابوجحیفہ العامری رضی اللہ عنہ — متوفی ۷۴ھ

۲۲۸۔ بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ (بصری) — متوفی ۶۰ھ

۲۲۹۔ یزید بن الاسود الجرشی السکونی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۷ھ

۲۳۰۔ یزید بن شجرہ الرہاوی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۸ھ

۲۳۱۔ یزید بن رکانہ بن عبد یزید بن ہاشمی القرشی رضی اللہ عنہ — متوفی ۵۹ھ

ان کے علاوہ بھی متعدد صحابہ کرامؓ ایسے تھے جو یزید کے عہد تک زندہ تھے۔ لیکن ان کے سنین وفات کتب سیر اسماء الرجال میں کہیں درج نہیں۔

ان صحابہ کرام اور امہات المومنین

کے علاوہ ۸۷ اصحاب رسول تو یزید کی ولی عہدی ۵۱ھ تا ۶۰ھ کے مختلف سنین میں شہید ہوئے یا طبعی موت وفات پا گئے۔ لیکن ام المومنین حضرت میمونہؓ اور باقی ۱۹۰ اصحابہ یزید کے عہد خلافت میں سلامت تھے اور بعض تو اس کے بعد بھی زندہ رہے۔

ان تمام بزرگانِ اُمت میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی ولی عہدی کے فیصلے پر مطلق اختلاف نہ کیا۔ بلکہ سب کے سب اس کے حامی اور ممد ہوئے۔ اور حضرت مغیرہ کی تحریک کے مطابق امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، امام المتقین، ہادی و مہدی حضرت معاویہؓ کے جانشین کے مسئلہ کو ملت کے مشورے اور اتفاقِ رائے سے طے کرنے کے عمل کو سراہا۔

اجماع حجت شرعی

جب کہ تمام اصحاب رسولؐ یزید کی ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے۔ تو امیر المومنین حضرت معاویہؓ اس معاملے میں متہم نہیں ہو سکتے۔ خواہ وہ یہ کاروائی اپنے بیٹے کے حق میں ہی کیوں نہ کریں۔

اس لئے کہ جب آپ کی خیر اندیشی اور نیک کوشی پر سب صحابہؓ رسول کو آپ کی زندگی میں اعتماد تھا۔ تو آپ کی موت کے بعد تو بدرجۂ اولی اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیے۔ آپ کا صحابہ کبار میں شامل ہونا۔ کاتب وحی ہونا۔ رسول اللہ کا معتمدِ خاص ہونا۔ مبلغ اسلام ہونا۔ حاکم عادل ہونا۔ امام المتقین وخلیفہ صالحین ہونا ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ لہٰذا کسی ایسے موقع پر جب کہ کسی ملی وملکی مصلحت کا تحفظ یا کسی فتنہ وفساد کا ازالہ اس میں مضمر ہو۔ تو امیر المومنین کی نیت پر کسی طرح کے سوء ظن کی کوئی وجہ ہی نہیں اور حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی تعاون اور اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے۔

پھر آپ کے اس مبنی بر فلاحِ ملت فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ رسول کا موجود ہونا اور اس پر ان کا تائید کرنا۔ یا سکوت اختیار کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ امر خلافت میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی نیت خیر تھی۔ کیونکہ یہ صحابہؓ حق کے معاملہ میں چشم پوشی رعایت اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہ تھے۔

یہ وہی صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے کوفی منافقین اور سبائی مفسدین کے ہتھے چڑھ جانے کی وجہ سے حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی بیعت اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔

شرعی حجت پر اعتراض کیوں؟

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اجماع امت ایک شرعی حجت ہے اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

1. اول یہ کہ صحابہ رسولؐ کا اجماع کبھی اور کسی صورت میں بھی غلط اور جھوٹی بات پر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی وہ اظہار حق سے ڈرتے تھے۔
2. دوم یہ کہ جس چیز کو تمام مسلمان صحابہ رسولؐ کے مشورے سے باتفاق رائے تسلیم کر لیں اور اس پر راضی ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کام کو پسند فرماتا ہے۔

بقول علامہ ابن خلدون

صحابۂ رسولؐ نے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے میں اتفاق فرمایا اور کسی نے بھی اس فیصلے پر اعتراض نہ کیا لہٰذا خلافت یزید پر صحابہ کرامؓ کے اجماع سے شرعی حجت قائم ہے۔ اور اس پر اعتراض کرنا عقل اور دینداری کے خلاف ہے۔ ان حالات سے ثابت ہے کہ امیر یزید کا ولی عہد ہونا اور پھر خلیفہ مقرر ہونا ضروری اور لازمی امر تھا۔

اس متفقہ فیصلے کے بعد اگر کسی دوسرے کو مسند خلافت پر لایا جاتا تو قوم میں پھر ایسی خانہ جنگی برپا ہو جاتی کہ سنبھالے نہ سنبھل سکتی اور اشاعت اسلام و ملکی فتوحات کا سلسلہ رک جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین،،،،،،،،

راہ حق معلوم ہو جانے کے بعد جو بھی ہمارے اس رسول کی مخالفت کرے گا یعنی

اعتقاد اور عمل چھوڑ کر مسلمین کی راہ کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو اسی کے اختیار کردہ راہ کے سپرد کردیں گے اور آخر کار اس کو جہنم میں ڈالیں گے جو بری جائے باز گشت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ

1. جب صحابہ کرام ؓ کا اجماع حجت قائم ہوئی تو پھر ابن زبیر اور ابن علی جو سلسلہ وحی کے اختتام کے وقت ابھی کمسن بچے تھے۔ ان بزرگوں کے مقابلے میں دین حق میں حجت کیسے مانے جا سکتے ہیں؟ اور ان سینکڑوں صحابہ کرام ؓ کے مسلک کو چھوڑ کر ان دو کے عمل کو دین کیوں کر سمجھا جائے؟ جب کہ وہ حسنِ اعمال۔ ملی خدمات۔ جہادی سرگرمیوں اور مالی قربانیوں کی وجہ سے بلند مرتبہ کے مالک تھے اور رسول اللہ ؐ کی تعلیم و تربیت سے دین حق کا مظہر بن چکے تھے۔
2. جب یہ سینکڑوں اصحاب رسول ؐ، امہات المومنین، اور باقی تمام ایمان والوں نے یزید کی خلافت کو بطیب خاطر منظور فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ یزید نیک سیرت اور صالح ہونے کے علاوہ مومنین کی قیادت سنبھالنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں تو پھر تقریباً ۱۴۰۰ سال بعد میں آنے والے بداندیشوں کو اعتراض کا کیوں حوصلہ ہے۔

کیا یہ مفسد اور بداندیش لوگ اس دور کے ملی حالات اور واقعات کو صحابہ کرام سے بھی زیادہ جانتے ہیں؟ اور کیا صحابہ کرام ؓ امر خلافت میں یزید بن معاویہ کے

مقابلے میں ابن زبیر اور حسن بن علیؓ کی اہلیت وصلاحیت کی تمیز نہیں کر سکتے تھے؟

کیا صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں ہم بہتر جج ہیں؟

صحابہ کرام کی قدسی جماعت کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ حسنہ کر رکھا ہے۔ اور وارث جنت ہیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت تو کفار و مشرکین ہی کر سکتے ہیں۔

٣ حضرت معاویہؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ کاتب وحی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے حسن و عمل سے خوش ہو کر آپ کو ہادی و مہدی کا خطاب دیا تھا۔ آپ سالار مجاہدین تھے۔ امیر المومنین۔ امام المتقین اور خلیفۃ المسلمین تھے۔ انہوں نے ٥٠ سال تک اسلام کی خدمت کی مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔ اسلامی نظام کو دوبارہ قائم کیا اور شوکت اسلام کو ترقی دی۔ اور سب سے زیادہ فتوحات بھی آپؓ کے دور میں ہوئیں۔ جو آج تاریخ کا حصہ ہے۔

اب جو کوئی اصحاب رسولؐ پر اعتراض کرتا ہے وہ خدا رسول کو جھٹلاتا ہے۔ اور خود جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

٤ جب یزید کی ولی عہدی کی بیعت عامہ کی تکمیل مکمل ہو چکی تو امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی

"اے خداوند کریم! تو جانتا ہے اگر میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی عہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولی عہدی کو پورا کرنا اور اگر میں نے اپنی محبت کی وجہ سے اسے ولی عہد کیا تو اسکی ولی عہدی کو پورا نہ کرنا"

غرضیکہ یزید کی ولایت اور اسکے بعد خلافت کا انتخاب کسی وقتی حادثہ کا نتیجہ یا کسی اندرونی انتشار کا ثمرہ نہ تھا۔ بلکہ اس کے زمانہ میں پوری امت کی رضا مندی اور اجلہ صحابہ کرامؓ کی تحریک و تائید سے پورے دس سال کے عرصہ (۵۰ھ تا ۶۰ھ) میں ہوا تھا اور رضا مندی صرف ملی مصلحت کے تقاضا کی بنا پر تھی یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے رفقاء اور رشتہ دار عمر بھی اس کے مستقیم رہے۔ انہوں نے اس انتخاب کو درست تسلیم کیا اور اس کے خلاف خروج نہ کیا۔ بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے اسے صحیح سمجھ کر قبول کیا تھا۔

الدعوۃ والتبلیغ قبل القتال

نبی کریم ﷺ نے دحیہ کلبی کے ہاتھ چٹھی دے کر بھیجا جس میں قیصر روم کو دعوت دی تھی (مشکوۃ ص ۳۳۰) مشکوۃ ص ۵۶۳ سطر آخری میں ثم ادعھم الی الاسلام

نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن حذیفہؓ کے ہاتھ چٹھی دے کر بھیجا جس میں کسریٰ کو دعوت اسلام دی تھی (مشکوۃ ص ۳۳۱)

نبی کریم ﷺ نے کسریٰ قیصر نجاشی اور ہر جابر بادشاہ کی طرف چٹھیاں بھیجیں جن میں یہ وصیت اور ان کو دعوت اسلام کی دی (ص ۳۳۱)

نبی کریم ﷺ جس کسی کو لشکر پر امیر بنا کر بھیجتے تو اس کو وصیتیں کرتے جن میں یہ وصیت بھی ہوتی کہ پہلے اُن کو تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دو یعنی پہلے تو اسلام کی دعوت دو۔ مان لیں تو ہاتھ روک لو اور کہو کہ دار مہاجرین میں آ جاؤ تو جو برتاؤ ان کے ساتھ ہوگا وہی ان کے ساتھ کیا جائے گا۔ اگر انہیں ترک وطن منظور نہ ہو تو اعراب مسلمین کی طرح رہیں گے اور بغیر جہاد کے ان کو غنیمۃ وفے میں سے کچھ مال ملے گا۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہو جزیہ دیتے رہو اگر جزیہ دینا مان لیں تو ہاتھ روک لو اگر جزیہ دینا قبول نہ کریں تو اللہ سے مدد لے کر ان کے ساتھ لڑو۔ (ص ۳۳۱)

خالد بن ولیدؓ نے اہل فارس کو قتال سے پہلے چٹھی لکھی جس میں دعوتِ اسلام تھی اور کہا کہ اگر اسلام نہ لاؤ تو جزیہ دینا قبول کرو۔

1 **عبادۃ بن صامتؓ**: ہم نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اس شرط پر کہ۔۔۔ جب تک کہ تو صاف کفر نہ دیکھ لیں امیر سے امر خلافت میں اس

کے ساتھ نزاع نہ کرو۔

۲ ابن عباسؓ: جو امیر کی کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے۔ جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

۳ ابو ہریرہؓ: جو طاعتِ امیر سے نکل کر جماعت سے الگ ہو کر مرا تو جاہلیت کی موت مرا

۴ عوف بن مالک اشجعیؓ:۔۔۔۔ شرار ائمہ کے ساتھ عہد شکنی کر کے ان کے ساتھ قتال مت کرو جب تک وہ نماز کے پابند رہیں۔۔۔۔ جو شخص والی (امیر) میں اللہ کی نافرمانی میں سے کچھ بات دیکھے تو اس کو ناپسند تو سمجھے مگر اس کی طاعت سے ہاتھ نہ ہٹائے۔

۵ ام سلمہؓ: امیروں کے منکر کاموں کو منکر سمجھے۔۔۔۔۔ مگر ان کے ساتھ قتال نہ کرے جب تک نماز کے پابند رہیں۔ یعنی مسلمان رہیں،

۶ ابن مسعودؓ: منکر کام کرنے والے امیروں کو اُن کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حق اللہ سے مانگو۔

۷ ابن عمرؓ: امیر کی طاعت سے جو ہاتھ کھینچے گا اگر اسی حالت میں گیا تو جاہلیت کی موت مرا (ص ۳۲۰)

۸ ابو سعیدؓ: دو خلیفوں میں سے پہلے خلیفہ کی بیعت مکمل رکھو پھر بھی دوسرا بیعت کرے تو اسکو توڑ کہ وہ باغی ہے

۹ عرفجہؓ: اس امیر کے مجتمع امیر کو بکھیرنے کا جو ارادہ کرے گا تو اسے تلوار سے مار دو ہو جو بھی ہو۔

۱۰ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ: جس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اس کے بعد جو بھی اس کے ساتھ نزاع کرنے آئے تو اس کی گردن اڑا دو۔

۱۱ ابوذر غفاریؓ: میرے بعد امیر مال فئے میں اپنے کو ترجیح دیں گے مگر تم بجائے تلوار اٹھانے کے صبر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے آ ملو (ص ۳۲۲)

ہمارے چند سوالات

سوال ۱: ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کا بیٹا یزید مسلمان تھا یا کافر۔

﴿۱﴾ اگر اصلی کافر تھا تو صحابہؓ ضرور اس کے خلاف ہو جاتے کیونکہ حضرت عبادۃ بن صامت فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ تمہیں قطعی دلیل کے ساتھ امیر کا صریح اور صاف ظاہر باہر کفر نہ دیکھیں اس سے تنازع نہ کریں بایعنا رسول اللہ ﷺ ۔۔۔۔علیٰ ان لاتنازع الامراء الاان تروا کفرا بواحاًعندکم من اللہ فیہ برھان ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۳۱۹)۔ نیز اگر کافر تھا تو اس کو حضرت حسین نے موافق احادیث نبویہ مذکورہ بالا کے دعوت اسلام کی دی تھی؟

ا اگر دی تھی تو علم تاریخ پر ایمان رکھنے والے کسی مورخ کی عبارت بتائیں جس میں صحیح سند کے ساتھ ثقہ راویوں کے حوالے سے منقول ہو کہ آپؓ نے یزید کافر و منکر الاسلام کو دعوت اسلام دی تھی۔

ب اگر دعوت نہ دی تھی تو احادیث نبویہ کی روشنی میں بتایا جائے کہ شریعت کے کونسے اصول کے مطابق اس کو دعوتِ اسلام دینا ضروری نہ تھا؟

﴿۲﴾ اور اگر مرتد تھا۔ا۔ تو حضرت حسینؓ نے اس مرتد کے اشکالات اور شکوک کو معلوم کر کے ان کا ازالہ فرمایا؟

ا اگر ازالہ فرمایا ہے تو مؤرخین علم التاریخ بتائیں کہ حضرت حسینؓ نے یزید کو فرمایا تھا کہ تو اپنے شکوک و شبہات پیش کر جس کا میں ازالہ کر دوں؟

ب اگر مؤرخین نے یہ چیز نہیں بتائی تو اس میں کیا حکمت تھی۔

ج اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو یہ نہیں فرمایا تو احادیث نبویہ کی رو سے ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس مرتد کے اشکالات زائل نہ کرنے کا کونسا اصول تھا۔

سوال ۲ اور اگر یزید مسلمان تھا

ا تو اس کے امیر ہونے کی بیعت صحابہ کرامؓ نے کیوں کی؟

ب کیا وہ صالح تھا یا فاسق اگر فاسق تھا تو اس کا فسق صحابہ شام پر جو یزید کے قریب رہتے تھے ظاہر تھا یا مخفی تھا؟ اگر ظاہر تھا تو صحابہ شام نے اس کے ظہور فسق کے باوجود اس کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی؟ اگر یزید سے ڈر کر بیعت کی تو یہ بات غلط ہے کیونکہ جو صحابہ کرامؓ مشرکین و دیگر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو کر لڑتے تھے وہ ایک اور صرف ایک بندے سے کیونکر ڈرتے۔ جب کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ نافع وضار صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی فتح وشکست کا مالک ہے۔ کیا وہ کشمیر کے حریت پسندوں سے بھی گئے گزرے تھے؟

اور اگر یزید سے بیعت کسی نہ کسی طرح کر لی تھی تو مسلمان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد تعلیم نبوی تو یہ ہے کہ جب تک امیر سے صاف صاف کفر نہ دیکھ لیں تو امر خلافت میں اس کے ساتھ نزاع نہ کرو کیونکہ جو امیر کی طاعت سے ہاتھ کھینچے گا اور وہ پھر اسی حال میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا نیز فرمایا کہ امیر کے منکر کاموں کو منکر سمجھے مگر ان کے ساتھ قتال نہ کرے جب تک کہ وہ نماز کے پابند یعنی مسلمان ہیں۔

نیز جب دوسرے صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ کی یہ تعلیم ہے تو کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس تعلیم سے مستثنیٰ تھے اور ان کو نبی کریم ﷺ کا یہ حکم تھا کہ صرف تیرے لئے یہ حکم ہے کہ فاسق امیر کے خلاف جہاد کرنا تجھ پر فرض ہے۔ اگر یہ خصوصی حکم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے تھا تو اس کا ثبوت درکار ہے

ہر آں چیز گفتی دلیلش بیار۔

اور اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے الگ کوئی مخصوص حکم (قتال بالامیر الفاسق) نہ تھا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو تعلیم نبوی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس عمومی حکم میں داخل ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تعلیم نبی کریم ﷺ کے برعکس ایک مومن امیر کے خلاف علم بغاوت اٹھا کر برسر پیکار ہوئے؟

اور اگر فسق یزید مخفی تھا تو سوال ہوتا ہے کہ یزید کے قریب رہنے والے شام کے باشندے صحابہ کرام پر سے تو فسق یزید مخفی رہا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا جو شام سے دور مدینہ اور مکہ میں رہتے تھے۔

اور اگر کشف والہام سے معلوم ہوا تو غیر نبی کا کشف والہام حجت نہیں

اور اگر کسی کے اعلام سے معلوم ہوا تو اس مُعلِن نے اپنے قریب کے صحابہ (شام کے باشندوں) کو کیوں نہیں بتلایا

اور مکہ مدینہ کے دوسرے صحابہ کرام کو کیوں نہ بتایا صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بتانے کا کیا مطلب تھا

اگر دوسروں کو اس نے بتایا تو اس جہاد کے لئے صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کیوں تیار ہوئے دوسرے صحابہ کیوں تیار نہ ہوئے۔

اور یہ سوال اس صورت میں ابھرتا ہے جب کہ تاریخ کو قطعی دلیل (مثل القرآن والحدیث المتواتر) قرار دے کر اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے منکر کو کافر بے ایمان اور واجب القتل یا کم از کم قابل تعزیر کہا جائے۔

مگر ہر چہ بادا باد۔ کم از کم میں تو اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ باوجود تعلیم نبی کریم ﷺ کے خود آپ ﷺ کا پیارا جنتی نواسہ۔ علیؓ و فاطمہؓ کا صاحبزادہ فقاہت واجتہاد کا پتلا۔ آپ کی تعلیم کو ٹھکرائے۔ اور اپنا حکم چلائے۔ اگر تمام مؤرخین اس بات پر اجماع ہی کیوں نہ کر لیں۔ کیونکہ ان کا اجماع اسی طرح کا ہے جس طرح کا اجماع صلب عیسیٰ پر یہود و نصاریٰ کا ہے اور وہ اس کے تواتر کے مدعی ہیں جیسے شرح عقائد میں ہے۔

اور اگر اس مفروض اجماع کو تسلیم کر لیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے خلاف کرتے رہے۔ پھر کوئی یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خود خلیفہ بننے کا شوق تھا اور خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جس میں وہ ناکام ہو کر رخصت ہوئے۔ جان گئی اور خلافت بھی نہ مل سکی۔ حسرت دل ہی دل میں رہی۔

میرا نظریہ یہ ہے

کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا یزید کی طرف سے والی مکہ کے ہاتھ پر بیعت کا ذکر تو مؤرخین کے قلم سے نکل ہی گیا ہے۔ اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی

بیعت کرلی تھی اگر چہ مؤرخین اس سے خاموش ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم یہ ہی تھی کہ مَنْ شَذَّ شُذَّ

نیز امر خلافت کوئی معمولی کام نہیں ایسے اہم امر کے لئے مجلس شوریٰ بلائی جاتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی علامت بتائی ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اصحاب سے مشاورت کا حکم فرمایا (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ) اور اس دور میں مکہ شریف میں بڑے بڑے اور اولوالعزم اصحاب کرام موجود تھے جن کو امور سلطنت کی سمجھ بوجھ بخوبی تھی جیسے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حضرت جابر ؓ جو عمر میں بھی حضرت امام حسین ؓ سے بڑے تھے ان سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ آپ ؓ نے تعلیم الٰہی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان بزرگوں سے ضرور مشورہ کیا ہوگا اگر چہ تاریخ اس سے خاموش ہے۔ مگر حقیقت اسی طرح ہے۔ پھر ان اکابر نے مشورہ یہی دیا کہ خروج مناسب نہیں کیونکہ تعلیم نبوی یہ نہ تھی یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام ؓ میں سے کوئی خروج کے لئے تیار نہ تھا اور نہ ہی خروج کیا۔ اور صرف حضرت امام حسین ؓ کا ان اکابر صحابہ کرام کی آراء کے علی الرغم ان کے ہوتے ہوئے اور ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جہاد پر نکل پڑنا ان کی شان کے خلاف تھا۔ اور پھر تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان اکابر نے آپ کو روکا تھا۔

اور اگر آپ نے اکابر کے مشورہ کو ٹھکرانے کے باوجود جهاد عدو الله کے لئے جانا ہی تھا تو ایسے پر خطر حالات میں اپنے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں اور عورتوں کو ہمراہ لے جانے کی کیا وجہ تھی۔ کیا معصوم بچے جہاد کے مکلف تھے؟ یا وہ

تلوار لے کر کسی ایک کافر کو فی النار کر سکتے تھے۔ اور حضرت خود جہاد کرتے یا معصوم بچوں کو سنبھالتے کہ ان کو صدمہ نہ پہنچے۔ پھر معقول فوج بھی ہمراہ نہ تھی ساتھ بڑی حکومت سے ٹکر جبکہ فوج کے آدمی عورتیں بچے ملا کر صرف بہتر ۷۲ افراد۔ یہ بات تو ایک ادنیٰ سی سمجھ بوجھ رکھنے والے کو بھی کھٹکتی ہے کہ امام الانبیاء جو اَعقلُ النّاس فِی الدُّنیا و الآخِرَۃِ ۔ کے پیارے نواسے جن کو آپ نے گود میں لے کر تربیت کی ہو وہ ایسا اقدام کریں جو آپ کی تعلیم اور قرآن وسنت اور عقل انسانی کے بالکل خلاف ہو۔

نیز جہاد کرنا بغیر حکم امیر کے کہ جو چاہے اور جب چاہے چلے جاؤ جبکہ بمع معصوم بچوں اور عورتوں کے یہ کہاں کا طریقہ ہے۔ (جبکہ حدیث کی رو سے عورت کے لئے جہاد حج ہے) کیا اسلام میں یہی حکم ہے۔ جبکہ ساتھ کوئی قابل ذکر جنگ کرنے والے بھی نہ ہوں۔ اکیلے ہی جنگ کرنے نکل پڑیں اور ہتھیار بھی نہ ہوں۔

باندازِ دیگر

کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے ہیں اور ۸ ذی الحجہ کو باہر کے دور دراز اسلامی علاقوں کے باشندے (روم۔ فارس۔ یمن۔ وغیرہ کے ہزاروں لوگ) سمٹ کر حرم پاک میں عبادت یعنی فریضہ حج ادا کرنے کے لئے آ کر مکہ مکرمہ سے منیٰ میں جانے کی تیاری میں لگ جائیں گے پھر میدان عرفات میں عظیم الشان اسلامی ملی اجتماع ہوگا پھر قربانی وطواف زیارت و رمی جمار جیسی عبادتیں ہوتی ہیں وہاں اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر گڑگڑاتے ہوئے فتح ونصرت کی دعا کی جاتی ہے۔

عقل تو تقاضا کرتی ہے کہ امام منافی الدین حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر اتنی بڑی سلطنت سے ٹکر لینے گئے تھے تو چار پانچ روز کی تاخیر ہو جاتی تو کیا تھا آخر شعبان تا ۸ ذی الحجہ اتنا وقفہ تو گزر رہی تھا آپ میدان عرفات میں جا کر رو رو کر دعا کرتے کہ یا اللہ اس غاصب سے ہماری جان چھڑا اور اس کافر پر ہمیں فتح عطا کر دینا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ پھر مقام مزدلفہ میں رمی جمرین کے بعد لمبی چوڑی دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کی دعا رد نہ فرماتا أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ اور پھر میدان عرفات میں کھڑے ہو کر قرآن وحدیث سے لبریز تقریر بلیغ اس عظیم الشان اجتماع میں اپنی ہاشمی فاطمی جوش وخروش کے ساتھ اپنی فصیح وبلیغ زبان سے بیان فرماتے جس سے اُن مسلمانوں کے دل موہ لیتے اور تمام عوام کا دل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف ایسا مائل ہوتا کہ اپنا مال وجان واولاد سب کچھ آپ پر قربان کرنے کو تیار ہو جاتے وہاں آپ کو اس کافر کے ساتھ قتال کرنے کی نوبت ہی نہ آتی وَكَفَى اللهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ کا سا معاملہ

ہوتا۔اسی وقت یزید کی نفرت کی لہر تمام عالم اسلام میں پھیل جاتی۔یزید کا تختہ کیا الٹتا اس کی بوٹی بھی کہیں نظر نہ آتی اور اس کے تمام کنبہ والوں کو کہیں پناہ ہی نہ ملتی اور ابن زیاد تو خود ہی ختم ہو گیا ہوتا۔

نیز یہ دیکھیں کہ آج پندرھویں صدی کے دور میں اگر ایک پاکستانی مکہ معظمہ پہنچا ہوا ہوتا اور کوئی اس کو جا کر پیغام پہنچاتا کہ اسمبلی ٹوٹ گئی ہے اور نئے انتخابات میں آپ کے نام کی درخواست دی جا چکی ہے آپ جلدی تشریف لائیں تو یہ پاکستانی اپنے ووٹوں کی خاطر حج چھوڑ کر نہ جاتا بلکہ کہتا کہ اللہ بھلی کرے گا میں حج تو کرلوں یہ مبارک موقعہ اپنے ہاتھ سے کیوں نکالوں۔ان مقامات میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا مجھے اللہ تعالیٰ پر امید واثق ہے کہ مجھے کامیابی عطاء فرمائے گا۔

مگر نواسہ رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ خلافت کا ایسا نشہ تو نہ تھا کہ ایام حج جیسے مبارک ایام چھوڑ کر تحصیل خلافت کے لئے بے چین ہو کر بجائے شام کی طرف رخ کرنے کے کوفہ کو رخ کیا پھر کوفہ سے بھی رخ موڑ کر شام کی طرف رخ کر لیا۔اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے تو جنرل ضیاء الحق ہی اچھا رہا کہ جب بھی اسے کوئی اہم پیش آتی تو سیدھا مکہ شریف جا پہنچتا اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرتا۔

مگر میرے دل میں یہ سوال بار بار ابھرتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہو کر نواسہ رسول ﷺ اور شیر خدا کا بیٹا فاطمہ کا لاڈلہ عین حج کے موقعہ پر حرم شریف سے باہر جا رہے ہیں صحرا نوردی کر رہے ہیں۔جا بھی وہاں رہے ہیں جہاں ان کے والد ماجد رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں اور ان لوگوں کے ہمراہ جا رہے ہیں جو سب عجمی ہیں جن کے دلوں میں عرب دشمنی جاگزین ہے اور اپنے ساتھ نہ بہنوئی ہے نہ چچا ہے نہ کوئی صحابی رسول ﷺ۔

کیا وہ عجمی لوگ اپنے برادری کے لوگوں سے زیادہ پیارے تھے؟ صحابہ کرامؓ سے زیادہ پیارے تھے؟ جن کو سالہاسال کی صحبت نبوی حاصل تھی اور قرآن و حدیث سے خوب واقف اور عامل بالوحیین تھے۔ پھر طرہ یہ کہ کسی صحابی سے مشورہ بھی نہ لیا باوجود حافظ و عالم قرآن ہونے کے جس میں مومنین کی صفات میں سے یہ بھی ہے وَ اَمْرُهُمْ شوریٰ بینهم ۔اور جس بدمعاش (بقول شیعہ) قرآن وسنت کے پامال کرنے والے کے خلاف جہاد کرنے جارہے ہیں اس کو آگاہ بھی نہیں کیا۔ نہ خط سے نہ پیغام سے تو اچانک اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اٹھے بھی تو جو سرا تھا فسق و فجور کا اس کی طرف نہیں بلکہ اس کے والی کی طرف جو اس کا مقرر کردہ تھا والی بھی صرف کوفہ کا۔ نہ بصرہ کے والی کی طرف رخ کیا نہ یمن کے والی کی طرف نہ کسی اور کی طرف۔

اور پھر کوفہ بھی تو تجربہ سے ثابت ہو چکا تھا کہ مفسدین کا مقام ہے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور اس قدر وہ سرکش لوگ تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قدیمی دارالخلافۃ مدینہ شریف کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنانا پڑا کہ ان لوگوں کے سر پر جب تک نہ بیٹھیں اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے پھر بھی آپ کو شہید کیا گیا اور وہ اتنے مفسد کہ باتیں ایسی چکنی چپڑی کرتے تھے کہ غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کی طرف توجہ کرنے سے مانع رہے اور آپس کی خانہ جنگی میں ان کی خلافت کا سارا وقت لگا دیا اور یہ باتیں حضرت اما منا فی الدین حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم بھی تھیں پھر باوجود ان تمام امور کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف بذات خود سفر کرنے کے لئے صرف ۷۲ بندوں کو ہمراہ لے کر چلنا جن میں سے بعض شیر خوار بچے ہیں بعض عورتیں ہیں اور ان کے پاس ہتھیار بھی نہیں ہیں اور پھر بزعم روافض آپ غیب دان بھی ہیں آئندہ کے تمام حالات ایسے معلوم ہیں جیسے

ہتھیلی پر کوئی چیز رکھی ہو باوجود اسکے پھر بھی اُن کا نکلنا عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مسئلہ شرعی بھی ان کو معلوم تھا کہ نابالغ بچہ جہاد میں نہ جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے ۱۴ سال کے بچے (ابن عمرؓ) کو بھی جہاد کے لئے منتخب نہیں کیا (مشکوٰۃ ص ۲۹۲) ۔اور حدیث میں ہے عن عائشۃؓ استاذنت النبی ﷺ فی الجہاد فقال جہاد کن الحج متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۲۲۱) عورتوں کا جہاد حج ہے مسئلہ شرعی معلوم ہونے کے باوجود پھر بھی شیر خوار بچوں اور عورتوں کو ساتھ کیونکر لے چلتے ہیں۔

الحاصل

ان تمام حالات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ حضرت امام حسین ﷺ باوجود عالم فاضل ہونے کے بغیر اس کے کہ یزید یا ابن زیاد کو خطوط یا پیغام بھیجے اور اطلاع دیئے دیتے اور ان کو دعوت اسلام دینے کے بغیر اور صحابہ، مکہ و مدینہ سے مشورہ لئے بغیر محض ان مفسدین کے کہنے پر جن کا افساد زمانہ قدیم سے واضح تھا اور ان کے متعدد خطوط پر اعتماد کر کے چند افراد عورتوں اور شیر خوار بچوں کو ساتھ لے کر ایک طویل اور مشکل سفر پر نکلے اور ایک بڑی حکومت کے ساتھ ٹکر لی اور پھر مزید براں یہ امر کہ اس جہاد سے جس کا عزم بالجزم کر کے نکلے ہوں اس سے رجوع کر لیا اور کہا ہو کہ

1. مجھے مکہ یا مدینہ واپس جانے دو
2. یا کسی سرحد پر بھیجو
3. یا یزید کے پاس پہنچاؤ۔ جیسے مؤرخین کا بیان ہے۔

معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اگر بنظر غائر سوچے تو یہ سب تاریخی مغالطہ سمجھ لیگا

کہ تاریخ والوں کا یہ سب بیان ہی غلط ہے کیونکہ

- اس سے یا تو حضرت امام حسین ؓ کی قرآن وسنت سے جہالت ثابت ہوتی ہے۔
- یا قرآن وسنت کی تغلیط نکلتی ہے۔
- یا حضرت امام حسین ؓ کی سیاسی نالائقی ثابت ہوتی ہے۔

والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ

اور ہمارا (اہل السنۃ والجماعۃ کا) قطعی عقیدہ ہے کہ نہ تو حضرت امام حسین ؓ قرآن وسنت سے جاہل تھے بلکہ بہت بڑے محقق صحابی عالم تھے اور ان کے علم دین کا پایہ بلند تھا اور نہ ہی قرآن وسنت کی تغلیط جائز ہے بلکہ کفر بواح ہے۔ اور نہ حضرت امام حسین ؓ اس دور کی سیاست سے ناواقف تھے۔

اس لئے قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر اور حضرت امام حسین ؓ کا علمی پایہ بلند سمجھتے ہوئے اور سیاستِ زمانہ سے بخوبی واقف سمجھ کر تاریخ کو بائیں پاؤں سے ٹھکراتے ہوئے ہم بہانگ دہل کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین ؓ خروج اور بغاوت کے جرم سے پاک ہیں وہ ایسے موقعہ پر بذات خود کبھی آمادہ نہیں ہوئے اور نہ خطوط پر ان کو اعتماد تھا اور نہ ہی ان بدمعاشوں پر اعتماد تھا۔

دراصل ہوا یہ تھا

کہ ان کو مع بال بچوں کے اغوا کیا گیا۔ آپ امارت کے طالب نہ تھے کیونکہ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَاتَسْاَلِ الْاَمَارَۃَ .

اصل واقعہ قرآن وسنت کی روشنی میں

اصل واقعہ قرآن وسنت کی رو سے اس طرح ہے۔ جسے مؤرخین نے اپنے سانچے پر ڈھال کر قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر الٹ لکھ دیا۔

وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ عشاء کی نماز تہائی رات گزرنے پر پڑھتے تھے (کان یصلیھا (العشاء) لِسُقُوطِ الْقَمَرِ للثالثة (مشکوٰۃ ص ۶۱) لولا ان اشق علی امتی لَاَمَرْتُھم اور نماز عشاء سے فارغ ہو کر باتیں کرنے کی ممانعت تھی سوجانے کا حکم تھا والعشاء اذا غاب افق الی ثلث اللیل فمن نام فلا نامت عَیْنُہٗ ثلثاً (مشکوٰۃ ص ۶۰)

و کان یکرہ النوم قبلھا والحدیث بعدھا پھر سحری کے وقت مرغ کی پہلی اذان پر تہجدوں کی نماز کے لئے اٹھتے تھے۔ اور صحابہ کرام جس طرح متبع سنت تھے اتنی اتباع اور کون کرسکتا ہوگا۔

کیونکہ جیسے حدیث میں سالم کہتے ہیں ھل یتبعون ذلک الاسنتہ (ص ۲۴۰ مشکوٰۃ)

انا احب ان استن بسنتہ ص ۲۱۲ نفعل کما کان یفعل علیہ السلام (مؤطا ص ۵۱)

کوفہ کے مفسرین مکہ شریف میں آکر صحابہؓ کے معمولات کا مطالعہ کرتے رہے

انہوں نے باہم مشورہ کر کے سوچا کہ حضرت امام حسینؓ کو مع بال بچوں کے دن میں لے جانا مشکل امر ہے اس میں صحابہ مانع بنیں گے الٹا ہمیں اذیت پہنچائیں گے اس لئے نماز عشاء اور تہجدوں کے درمیان والا وقت اغواء حضرت امام حسینؓ کے لئے نہایت موزون ہے ۔چنانچہ اسی مشورہ پر عمل ہوا اور ساٹھ آدمیوں نے اپنی سیاست سے اونٹوں پر سفر کیا اور کسی کو

بولنے نہ دیا راتوں رات بھگایا ۵۶ میل کا سفر ایک دن میں کیا اور بستان بنی عامر میں جادم لیا تاکہ تعاقب کرنے والے اتنے وقت میں تعاقب نہ کرسکیں گے اس کے بعد کی منزلیں آرام سے چلتے گئے۔

حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لعن رسول اللہ ﷺ من فرق بین الوالدو ولدہ وبین الاخ وبین اخیہ (مشکوٰۃ ص ۲۹۲)

پھر تمام دنیا اسلام کو چھوڑ کر صرف ۶۰ بدمعاشوں کے کہنے پر چلنا جب کہ مکہ مکرمہ میں بڑی جماعت صحابہ کرامؓ کی موجود تھی اور ان سے اس امر میں مشورہ لیا جا سکتا تھا۔ عقل ونقل کے خلاف ہے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی محفوظ شخصیت سے اس کا صدور کیسے ممکن ہے۔ والعیاذ باللہ

اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اغواء تسلیم نہ کریں تو یہ کہنا پڑیگا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ والعیاذ باللہ تمام جماعت صحابہؓ سے علیحدہ ہو گئے اور صابر نہ تھے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا من رایٰ من امیرہ شیئاً یکرھہ' فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الاماتَ میتۃً جاھلیۃً متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۳۱۹)

اس تاریخی ڈھکوسلے کو مان لیں تو کہنا پڑے گا کہ حضرت امام حسینؓ خروج کا ارادہ کر کے متبع غیر سبیل المومنین ہوئے والعیاذ باللہ تو آپ سوچیں کہ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دوستی ہے یا عداوت اور پھر نہ حضرت مسلم بن عقیل نے بیعت لی کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اس حدیث سے ناواقف نہ تھے جو ابوسعید خدریؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو خلیفوں کی یکے بعد دیگرے بیعت ہوئی ہو تو دوسرے کو قتل کرو۔ اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۳۲۰)

اور اگر بیعت تسلیم کریں تو حضرت مسلم کو قصوروار کہنا ہوگا اور یہ بھی ماننا ہوگا کہ ان کا قتل والعیاذ باللہ برحق تھا۔ مگر کم از کم میں تو اس حدیث کی رو سے اور مسلم بن عقیل کے کامل الایمان ہونے کی وجہ سے اس تاریخی واقعہ کا منکر ہوں کیونکہ اس کے تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ مسلم بن عقیل اہل کوفہ کی بیعت کر کے اس محمدی امت میں تفریق ڈالنا چاہتے تھے۔ تو حسب فرمان نبوی واجب القتل ماننا ہوگا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا من اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنامن کان (مشکوۃ ص ۳۲۰)

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یزید نہ بے نماز تھا اور نہ شرابی تھا کیونکہ اگر یزید بے نماز ہوتا تو صحابہ کرام جو بیعت کر بھی چکے تھے وہ بیعت توڑ دیتے کیونکہ (مشکوۃ ص ۳۱۹) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر بعض ایسے امراء ہوں گے کہ جن کے بعض افعال کو تم صحیح سمجھو گے اور بعض کو خلاف شرع۔ تو جو ان کے خلاف شرع اعمال کو خلاف شرع ہی سمجھے گا اور بتائے گا۔ تو وہ مداہنت ونفاق سے پاک ہے اور اگر ناپسند سمجھے گا وہ بھی سالم رہا ذرا دروبال سے۔ لیکن جو شخص ان کے افعال شنیعہ پر راضی رہا اور عمل میں ان کے تابع رہا تو وہ گناہ میں ان کا شریک ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا ہم اس وقت ان کے ساتھ قتال نہ کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہ۔ جب تک وہ نماز پڑھیں (دوبار فرمایا)

اب اگر اس حدیث کو مدنظر رکھیں تو کہنا پڑے گا کہ جو تاریخ میں بتاتے ہیں کہ یزید بے نماز تھا وہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر یزید کو تاریخ کے مطابق بے نماز مانیں تو صحابہؓ پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے (سوائے حضرت امام حسین ؓ کے) یزید سے قتال کیوں نہ کیا۔ جب انہوں نے قتال نہ کیا تو حضور کے حکم کی مخالفت کی اور اس مخالفت پر سوائے حضرت امام حسین ؓ کے سب متفق ہیں۔ تو گمراہی پر اجماع ہوا۔ اور نبی کریم ﷺ نے

فرمایا لاتجتمع امتی علیٰ الضلالہ ۔ اگر کہیں صحابہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو یہ بدیہی البطلان ہے۔ اور اگر کہیں کہ ساتھ نہ تھے تو صحابہؓ نے بے نماز کے ساتھ جہاد نہ کرکے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی اور ضلالت پر اجماع کیا تو یا نبی کریم ﷺ کی تکذیب لازم آئے گی یا صحابہؓ کو مخالفِ حکمِ نبی کہنا پڑے گا اور جو مخالف ہو حکم رسول اللہ ﷺ کے اس کے بارے قرآنی فیصلہ ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۔

نیز معلوم ہوتا ہے کہ یزید شرابی بھی نہ تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِنْ لَّمْ يَتْرُكُوْهُ فَاقْتُلُوْهُمْ (مشکوٰۃ ص ۳۱۸)

یعنی اگر لوگ شراب خوری ترک نہ کریں تو ان سے قتال کرو۔

تو اگر یزید شرابی ہوتا تو صحابہ کرام اس کو منع کرتے پھر بھی اگر وہ شراب خوری سے نہ رکتا تو حسب ارشاد نبوی صحابہ کرامؓ اس کے ساتھ لڑ پڑتے لیکن وہ تو نہیں لڑے تو پھر یا تو کہنا ہوگا کہ صحابہ نے حکمِ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی ہے۔ یا کہنا ہوگا کہ یزید شرابی نہ تھا۔ لیکن پہلی بات غلط ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام کی سعی بلیغ ہی یہ تھی کہ آپ کی پوری پوری اتباع حتی الوسع کریں۔ پس دوسری بات صحیح ہوئی کہ یزید شرابی نہ تھا۔

حدیث کی رو سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کی تھی

نیز حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کی ہے اور آپ کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی (مشکوۃ ص ۳۲۰) کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی تو معاذ اللہ آپ جاہلیت کی موت مرے۔ لیکن آپ کی موت تو شہادت کی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کی گردن میں بیعت تھی۔ اگرچہ مؤرخین نے اس کا ذکر اپنی کتب تاریخ میں نہیں کیا۔

مسئلہ کی وضاحت ایک دوسرے انداز سے

اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے کفِ لسان ہی ٹھیک ہے ہمارے اساتذہ کرامؒ نے بھی یہی سمجھایا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون دیو بندی ہے جو یک طرفہ فیصلہ کرسکتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اس کا ذہن ایسا ہی ہو پھر بدل گیا ہو اور وہ مرجوع الیہ قول نقل ہوکر نہ آیا ہو۔ اور اس کا عکس بھی ممکن ہے۔ مگر حق وہی ہے، جو حضرت نبی کریم ﷺ ہمیں سمجھا گئے ہیں کہ خاموش رہو۔

تاریخ چونکہ صدیوں کے بعد لکھی گئی ہے اس میں بھی زیادہ تر ہاتھ غلاۃ (غالی کی جمع ہے) کا ہے اور بظاہر ان کے تشیع سے متاثر ہوکر بعض اہل السنۃ مورخ بھی مکھی پر مکھی مارتے گئے ہیں۔ جو بعد کے آنے والوں کے لئے موجب نزاع بن گئے ہیں اس لئے تاریخ کو حجتِ شرعیہ نہیں سمجھا جاتا۔ حجتِ شرعیہ صرف چار ہیں نصِ قرآن، احادیث صحیحہ، اجماع امت، قیاس مجتہدین، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر صحابہؓ کے مناقب بیان کئے ہیں۔ اور ان کے بارے فرمایا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا نیز فرمایا رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔ اور اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے اور وہ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ۔ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ اللہ تعالیٰ کو ان صحابہ کرام کے دلی ایمان کا بخوبی علم ہے اسی لئے کہا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا فرمایا۔

اب ان کے پکا مومن ہونے میں کون سا شک رہ گیا۔ اب جو شک کرے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کا ایمان بالقرآن نہیں۔

اب رہے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سو وہ ان صحابہ کرامؓ میں سے ایک فرد

ہیں جو رقیہؓ بھی صحابی ہیں اور رولیہؓ بھی صحابی ہیں آپؓ نے اپنے نانا جان نبی اکرم ﷺ سے 8 حدیثیں سنی ہیں اور ان کے برادر بزرگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے نانا جان سے 19 حدیثیں یاد کیں اور یہ دونوں مسندین حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں جمع کی ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۲۸ سے صفحہ نمبر ۳۳۱ تک دیکھیے

حضرت حسنؓ طالب خلافت نہ تھے لوگوں کے مجبور کرنے پر صرف ۶ ماہ خلافت کی پھر اپنی عبادات میں خلل سمجھتے ہوئے حضرت معاویہؓ کو خلافت سونپ دی پھر یہی حال حضرت حسینؓ کا تھا وہ بھی طالب خلافت نہ تھے اسی لئے انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ مدینہ سے چلا جاؤں پھر یہی مناسب سمجھا کہ مکہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں وہاں بیت اللہ ہے جس میں ایک نماز کا مسجد نبوی میں لاکھ نماز پڑھنے سے بھی زیادہ درجہ ہے۔ اس لئے مدینہ چھوڑ کر مکہ پہنچ گئے۔

کوفہ والوں کو علم ہوا کہ حضرت حسینؓ مکہ میں مقیم ہیں انہوں نے خطوط کا سلسلہ شروع کر دیا ساتھ ہی آدمیوں کا تانتا بھی لگ گیا۔ ان دنوں مکہ میں بعض صحابہ کرامؓ بھی رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے حضرت حسینؓ کے پاس کوفیوں کی آمد و رفت کو دیکھ کر محسوس کیا کہ معاملہ کچھ ٹھیک نہیں اس لئے حضرت حسینؓ کو سمجھایا کہ بھتیجے! خیال کرنا ان آدمیوں کا تیرے پاس آنا جانا اچھا نہیں۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آنا۔ حضرت حسینؓ نے انہیں یقین دلایا۔ چچا جی! میں ان کا کہا نہیں مانوں گا۔ وہ کوئی بھی بڑے چالاک تھے صحابہؓ کا نظام الاوقات مرتب کیا ۸ ذی الحجہ کی رات کا انتظار کیا جب کہ سب حجاج منیٰ میں جانے کے لئے احرام باندھنے میں مصروف ہوں گے تہائی رات کے وقت صحابہ کرامؓ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں پھر تہجد پڑھنے کے لئے اتنے وقفے کے بعد جاگ اٹھتے ہیں۔ اس

درمیانی وقفے میں حضرت حسینؓ کو گھر سے اٹھایا اور عورتوں بچوں سب کو کجاووں میں ڈال کر اونٹوں کو بھگایا اتنا بھگایا کہ ایک دن میں دو دن کا راستہ طے کرتے ہوئے بستان بنی عامر میں جادم لیا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف خروج نہیں کیا۔ اگر خروج کرتے تو بجائے کوفہ جانے کے شام کو جاتے جہاں یزید کا قیام تھا وہاں افہام وتفہیم سے مسئلہ حل ہو جاتا یزید میں اگر کچھ کجی ہوتی تو افہام وتفہیم سے ختم ہو جاتی۔ مگر کوفیوں نے تو یہ سوچا کہ رات کی تاریکی میں ہمارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ پھر شیر خوار بچوں اور عورتوں کو نکال کر لے جانے کا کیا مطلب تھا بس یہ سب کوفیوں کا منصوبہ تھا جو آپؓ کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ابن زیاد حضرت حسینؓ کا مخالف تھا اس کو پیش کر دیں گے وہ آپ ان سے نمٹ لے گا۔ مگر ابن زیاد نے یہ سمجھا کہ کہیں کوئی حضرت حسینؓ کو مار نہ دیں اس نے اس ارادہ سے فوج بھیجی کہ حضرت حسینؓ کو صحیح سلامت میرے پاس پہنچا دیں میں خود اس سے بات کرلوں گا۔ مگر فوج پہنچتے ہی کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا۔ اور ایک آدمی آپؓ کا سر مبارک تن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس اس خیال سے لے گیا کہ ابن زیاد میرے اس کارنامہ پر مجھے انعام واکرام سے نوازے گا۔ چنانچہ ابن زیاد کے پاس سر مبارک لے جا کر انعام کا مطالبہ کیا ابن زیادہ اپنی لاٹھی کبھی حضرت حسینؓ کے دائیں رخسار پر کبھی بائیں رخسار پر لگاتا اور کہتا کہ تو حسین ہے۔ اتفاق سے کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے بصرہ سے آئے ہوئے حضرت انسؓ بن مالک اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہ برداشت نہ کر سکے انہوں نے کھڑے ہو کر کہا اے ابن زیاد جن رخساروں پر تو لاٹھی لگا رہا ہے ان رخساروں کو حضرت محمد رسول ﷺ بوسہ دیا کرتے تھے کچھ شرم کر۔ ابن زیاد موقع

شناس تھا فوراً پینترا بدل کر کہنے لگا کہ تو نے قتل کیا وہ بولا ہاں۔ ابن زیاد نے کہا فلاں آدمی کو بلاؤ۔ وہ آدمی سمجھا کہ مجھے انعام دینے کے لئے اس کو بلایا جب وہ آیا تو ابن زیاد نے کہا اس آدمی نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا ہے لہٰذا قصاص میں اس کا سر قلم کر دیا جائے۔

چنانچہ مؤرخین نے رأس الحسین کے بارے ۱۳۵ اقوال لکھے ہیں اب معلوم نہیں کونسا قول صحیح ہے۔ اہل تاریخ نے بھی تاریخ کو خوب گدلا کیا۔

باندازِ دیگر

حضرت معاویہؓ کا بیٹا یزید مسلمان تھا یا کافر (اصلی یا مرتد) اگر کافر تھا تو اس دور میں جب صحابہ کرام کثیر تعداد میں تھے وہ اپنا فرض سمجھتے ہوئے ایک صحابیؓ بن صحابی کے بیٹے کو سمجھاتے ضد کرتا تو اس کو موافق حکم شرع کے قتل کرتے خاموش نہ رہتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے فرمایا لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ ان صحابہ کرام میں حضرت حسینؓ موجود تھے جن کے متعلق حضرت علیؓ و حسنؓ کے بعد خلافت کا اہل ہونا متوقع تھا ان کا بھی فرض بنتا تھا کہ یزید کو دعوتِ اسلام دیتے اب تاریخ پر ایمان رکھنے والے بتائیں اور صحیح سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے ثابت کریں

کہ آپ نے کافر اور منکر الاسلام یزید کو اسلام کی دعوت دی تھی؟ اور اس کے جو جو شبہات اسلام میں تھے وہ زائل کیے؟ اس کو اس بارے خطوط لکھے؟۔ خطوط سے کام نہ سنورتا نظر آتا تو خود شام میں تشریف لے جاتے اور مشافہۃً اس سے بات کرتے آخر شیر خدا کے بیٹے تھے۔ اگر انہوں نے نہیں سمجھایا تو حسینؓ خود معاذ اللہ مجرم بنتے ہیں جنہوں نے

فلو اعنی ولو آیۃ پر عمل نہ کیا۔ اگر ان کے کہنے سے نہ سمجھتا تو بڑے بڑے اولو العلم اولو العزم صحابہ موجود تھے ان کو اکٹھا کرتے اور ان کے بیانات سے اس کو فائدہ ہوتا اور وہ کفر یا ارتداد سے توبہ کرکے مخلص مسلمان ہو جاتا۔ اگر اس کے کفر و ارتداد کا علم ہونے کے باوجود صحابہ نے خاموشی اختیار کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان الساکت عن الحق شیطان اخرس کے مطابق مع حضرت حسین کے تمام صحابہ کرام مجرم بنتے ہیں پھر اس کافر مرتد واجب القتل کو حسین کی بھتیجی ام محمد (عبداللہ بن جعفر طیار کی بیٹی) یزید کے نکاح میں دینے پر خاموش کیوں رہے کیا ابن شیر خدا ایسے مغلوب ہوتے ہیں۔

پھر صحابہ کی موجودگی میں ۵۲ھ میں یزید کو امیر حج کیوں بنایا گیا۔

نیز اگر یزید مسلمان تھا تو صالح تھا یا فاسق اگر فاسق تھا تو اس کا فسق صحابہ کرامؓ پر ظاہر تھا یا مخفی خاص کر وہ صحابہ جن کی رہائش شام میں تھی اگر فسق ظاہر تھا تو صحابہؓ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی اگر کہو کہ ڈر گئے تو یہ بات بغض صحابہؓ کی واضح علامت ہے کیونکہ مسلمان صحابہ کرامؓ کے بارے میں کوئی تصور ہی نہیں کر سکتا جو مشرکین اور دیگر کفار کے ساتھ سینہ سپر ہو کر لڑتے رہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتے تھے كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ تو ایسے اصحاب صرف ایک بندے سے کیونکر ڈرتے جب کہ ان کا عقیدہ تھا کہ نافع و ضار صرف اللہ کی ذات ہے وہی ہے فتح و شکست کا مالک۔ کیا وہ صحابہ پندرھویں صدی ہجری میں حریت پسند کشمیریوں سے بھی گئے گزرے تھے؟ صحابہ کرام کا عزم و جزم تو ضرب المثل ہے۔

اور اگر صحابہؓ سے یزید کا فسق بوقت بیعت مخفی تھا اس کے بعد ظاہر ہوا اور اس کی غیر شرعی حرکات پر اطلاع ملی تو ایسی حالت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کا فرمان تو یہ ہے کہ

اس کے منکر کام کو منکر سمجھتے رہو۔ مگر ان کے ساتھ قتال نہ کرنا۔ جب تک کہ وہ نماز کے پابند رہیں یعنی مسلمان رہیں۔

ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد امراء مال فے میں اپنے کو ترجیح دیں گے مگر تم بجائے تلوار اٹھانے کے اس پر صبر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے ملو۔

عوف بن مالک اشجعیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے شرار ائمہ کے ساتھ عہد شکنی کر کے ان کے ساتھ قتال نہ کرنا جب تک کہ نماز کے پابند رہیں۔

نیز فرمایا جو شخص والی یعنی امیر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سے کوئی بات دیکھے تو خود تو اس کو ناپسند ہی سمجھے مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ ہٹائے۔

عبادۃ بن صامتؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم نے حضرت نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اس شرط پر کہ تم لوگ جب تک اپنے امیر سے صاف کفر نہ دیکھ لیں تو امر خلافت میں اس کے ساتھ نزاع نہ کرو۔

بلکہ یہاں تک آپ ﷺ کی تعلیم ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اطاعتِ امیر سے نکل کر جماعت میں الگ ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے امیر کی اطاعت سے جو ہاتھ کھینچے گا پھر اسی حالت میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا۔ اور اگر دو مدعی خلافت ہوں اور ان میں سے پہلے کی بیعت مکمل رکھو اس کے بعد دوسرے سے بیعت کی گئی تو اس بیعت کو توڑ دو کیونکہ وہ باغی ہے

اور حضرت عرفجہؓ نے فرمانِ نبوی ﷺ سنایا کہ جو شخص اس امت کے مجتمع امر کو بکھیرنے کا ارادہ کرے تو اس کو تلوار سے مار دو۔ ہو جو بھی ہو

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے جس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اس کے بعد جو بھی اس کے ساتھ نزاع کرنے آئے تو اس کی گردن اڑا دو۔

ان احادیث مبارکہ کو جو مستند اور متواتر ہیں سامنے رکھو پھر تاریخ کی یاوہ گوئی پر نگاہ کریں تو معاذ اللہ وثم معاذ اللہ حضرت حسینؓ کو مجرم اور باغی کہنا پڑے گا جس کے تصور سے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ جو بڑے پریم میں مکہ شریف رہتے تھے بڑے بڑے اجلاء صحابہ کرامؓ جو ان کی صحبت حاصل تھی ۸ ذی الحجہ کی صبح کو حج کی تیاری کرنے کو سوچ رہے تھے کہ بارہ ایک بجے کے قریب اچانک کوفہ کے بلوائیوں نے حضرت حسینؓ کو مع بال بچوں اور ازواج مطہرات کے اغواء کر کے بھگا لے گئے اور واضح حقیقت ہے کہ باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں کثیر تعداد میں صحابہ کرام موجود تھے۔ مگر حضرت حسینؓ کے کربلا میں پہنچنے تک ایک صحابی بھی ساتھ نہ تھا۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ در پردہ رافضی لوگ تمام صحابہ کرامؓ کو کافر سمجھتے ہیں اسی لئے ان کے شاعر کی زبان بے لگام سے یہ الفاظ نکلے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

لعنة الله على الكذبين الكافرين المفرقين الأمة المسلمة

اگر کہیں کہ یزید کا فسق صحابہ پر مخفی رہا اگر چہ یزید کے پاس ہی رہتے تھے تو یہ جلایا

جائے کہ

شام سے دور مدینہ کے باشندوں کو اس کے فسق کا کیسے علم ہوا ظاہر ہے کہ وحی کے ذریعے تو علم ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ وحی نبیوں پر ہوتی تھی۔ جو نبی اکرم ﷺ کے بعد منقطع ہو گئی۔ ہاں ایک صورت کشف والہام ہے۔ اور کشف والہام کوئی حجت قطعیہ نہیں اور اگر کسی کے بتانے سے یزید کا فسق معلوم ہوا۔ تو اس بتانے والے کا فرض تھا کہ اس مدینہ میں اس کے فسق کی خبر پہنچانے سے پہلے وہیں شام کے مقامی باشندوں صحابہ کرام کو بتاتا اور پھر مکہ مدینہ اور دوسرے بلاد میں رہنے والے صحابہ کو کیوں نہ بتایا۔ صرف حضرت حسینؓ کے کانوں میں کانا پھوسی کرنے کی کیا وجہ تھی۔ اور اگر دوسروں کو پہلے بتا دیا تھا اور خروج ضروری تھا تو صرف حسینؓ نے یہ آواز کیوں اٹھائی دوسرے کیوں خاموش بیٹھے رہے۔

اصل بات وہی ہے جو فرمانِ نبوی سب کو یاد تھا اور حضرت حسینؓ نے بھی سن رکھا تھا اسی لئے خاموش رہے نہ مدینہ میں بات چھیڑی اور نہ ہی مکہ میں۔ اس لحاظ سے ہم واشگاف الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ اگر کتاب تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد حضرت حسینؓ نے مخالفت شروع کر دی تھی تو یہ غلط اور حضرت حسینؓ پر الزام ہے جس کا ثبوت نہیں مل سکتا اور صحابہ کرام اور حضرت حسینؓ کے کردار کو داغدار بنانے کی ناپاک کوشش ہے۔ ہم قرآن وحدیث کو چھوڑ کر تین صدیوں بعد کی اعاجم مؤرخین کی تاریخ کے کوئی پابند نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا پیارا جنتی نواسہ اور امیر المومنین حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کا صاحبزادہ فقاہت وعلم کا پتلا رسول اللہ ﷺ کی پیاری تعلیم کو ٹھکرا کر اپنا حکم چلائے۔ اس لئے تمام مؤرخین نے اگرچہ اس بات پر اجماع کر لیا ہو وہ اجماع مردود ہے۔ بلکہ اس اجماع کی حیثیت اس اجماع کی سی ہے جو یہود اور

نصاریٰ کا اجماع ہوا ہے اس بات پر کہ واقعی (معاذ اللہ) عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی اور وہ سارے صلیب دیے جانے پر تواتر کے مدعی ہیں (دیکھو شرح العقائد النسفیہ) اگر یہود و نصاریٰ کے اس جعلی اجماع کی طرح تین صدیوں کے بعد والے مؤرخین کا اجماع مان لیں تو معاذ اللہ حضرت حسینؓ پر الزام عائد ہوگا کہ معاذ اللہ حضرت حسینؓ تعلیم نبوی ﷺ کے خلاف کرتے رہے نیز کوئی من چلا یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت حسینؓ خود خلیفہ بننے کے خواہشمند تھے اور خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ جان گنوائی اور خلافت بھی ہاتھ نہ لگی۔ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

لیکن میرا نظریہ یہ ہے

اور ان شاء اللہ سولہ آنے ٹھیک ہوگا کہ مؤرخین نے اتنا تو لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے والی مکہ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی تھی بالکل اسی طرح حضرت حسینؓ نے بھی والی مکہ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم تھی مَنْ شَذَّ شَذَّ

نیز امر خلافت کوئی معمولی کام نہیں ایسے اہم امر کے لئے مجلس شوریٰ بلائی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی علامات یہ بھی بتائی ہے کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو حکم دیا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ یعنی اپنے اصحاب کرام سے مشورہ لے لیا کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ان دنوں مکہ معظمہ میں بڑے بڑے اولوالعزم اَعْلَمُ الدین صحابہ کرام کی جماعت موجود تھی جن کو امور خلافت کی بخوبی سمجھ بوجھ تھی۔ جیسے عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ جابرؓ وغیرہم۔

پھر وہ ہستیاں عمر میں بھی بڑی تھیں جنہوں نے خلافت کے اتار چڑھاؤ سے خوب واقفیت حاصل کر رکھی تھی۔ ایسے اہم کام کیلئے مشورہ لینا ضروری تھا اگر وہ خلافت کے طالب بالفرض ہوتے تو انہوں نے ضرور مشورہ لیا ہوگا اور صحابہؓ نے مشورہ دیا ہوگا اور انہوں نے یہی کہا ہوگا کہ یہ خلافت کا خام خیال چھوڑ دیجیے آپ کے برادر حسنؓ نے خلافت کو لات ماری نیز یہ بھی کہا ہوگا کہ خروج ٹھیک نہیں کیونکہ ایسے حالات میں نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے بتانے سے تاریخ بالکل خاموش ہے حالانکہ یہ بات بہت اہم تھی۔

الحاصل قرآن وحدیث کی رو سے یزید کافر و فاسق نہ تھا

قرآن وسنت سے ہمیں سبق یہی ملتا ہے کہ یزید کافر نہ تھا مسلمان تھا صحابی بن صحابی کا بیٹا پوتا تھا ام المومنین کا بھتیجا تھا۔ حضرت حسینؓ کی بھتیجی اس کی بیوی تھی اگر کوئی بات اتفاق سے غلط صادر ہوگئی تو اصلاح کرنے والے بہت تھے صحابی تو نہ تھے مگر تابعی تھے۔ بڑے بڑے صحابہ نے اس کی بیعت کی اگر کسی مؤرخ نے نہیں لکھا مگر ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ اکابر صحابہؓ کی طرح حضرت حسین نے بھی بیعت کر لی تھی اور جب کوفہ کے بلوائی مکہ آئے تھے اور حضرت حسینؓ کے پاس ان کی آمدورفت دیکھ کر صحابہؓ کبار سمجھ گئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حسینؓ کو لینے آئے ہوں انہوں نے حضرت حسین کو متنبہ کیا اور کہا کہ حسین بھتیجے! خیال کرنا ان بلوائیوں کے کہنے میں نہ آنا پھر حضرت حسینؓ نے بھی انہیں یقین دلایا کہ چچا جی! میں ان کی باتوں میں نہیں آتا۔

یہ واقعات صاف گواہ ہیں اس بات کے کہ حضرت حسینؓ نہ تو خلافت کے خواہاں

تھے اور نہ ہی ان بلوائیوں کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھے اور ایسے حالات میں اگر بالفرض تیار بھی ہو جاتے تو عورتوں کو کبھی ساتھ نہ لے جاتے عورتوں کا اس سفر میں کیا کام خاص کر شیر خوار بچوں اور ان کی ماؤں کو ایسے دور دراز سفر میں لے جانے کو عقل تسلیم نہیں کرتی پھر فوج بھی ساتھ نہیں عورتیں اور معصوم بچے تمام ملا کر کل ۷۲ افراد بنتے ہیں اور حضرت کو یہ بھی پتہ ہے کہ کوفہ والے میرے والد ماجد کے قاتل ہیں وہ میرے محب کیونکر ہو سکتے ہیں پھر ابن زیاد والی کوفہ کی میرے ساتھ چپقلش ہے اس کو میرا علم ہوا تو میرے خلاف ہزاروں یا سیکڑوں کی تعداد میں مسلح فوج بھیج دے گا اور ہماری ٹولی غیر مسلح اور جوان ان میں کوئی بھی نہیں۔ وہاں جا کر مار ہی کھانی ہے لہٰذا میرا وہاں جانا موزوں نہیں پھر خلیفہ وقت یزید ہے اس سے بات چیت کرنی چاہیے خطوط لکھے جائیں یا خود اس سے ملاقات کر کے مذاکرات کرنے مناسب ہیں۔

یہ تمام حالات وضاحت کے ساتھ بتاتے ہیں کہ اعقل الناس نواسۂ رسولؐ ابن شیر خدا کی شان نہ تھی کہ خروج کریں اور وہ بھی بجائے دار الخلافہ شام کے ولایت کوفہ کی طرف رُخ کریں۔

ہونہ ہو رات کے وقت جب کہ سب لوگ سوئے ہوئے تھے بلوائیوں نے موقع پا کر بڑی سیاست کے ساتھ سوچ سمجھ کر راتوں رات اغواء کر لیا۔

نیز حسینؓ کا خروج خلافت حاصل کرنے کے لئے خاص اس موقع پر جب کہ روم فارس یمن وغیرہ دور دراز علاقوں کے لوگ فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے حرم پاک میں آرہے ہیں پھر کل منیٰ پرسوں میدان عرفات میں وقوف ہوگا اور اس وقت دعائیں مانگیں گے پھر مشعر الحرام میں دعا مانگیں گے۔ پھر منیٰ میں رمی جمار کر کے قربانی کریں گے۔ پھر

احرام کھول کر بیت اللہ شریف کا طواف افاضہ کر کے منیٰ کی طرف رمی جمار کرنے کے لئے
لوٹیں گے۔ان پانچ چھ دنوں میں حج کا ثواب بھی حاصل کر لیتے۔اتنی بھی جلدی کیا تھی کہ
ایسا نہیں ہوا اس سے بھی عقل مند سمجھ لیتا ہے کہ حضرت حسینؓ دنیادار قسم کے نہ تھے وہ تو مدینہ
چھوڑ کر مکہ معظمہ میں آئے ہی اس غرض کیلئے تھے کہ مکہ شریف میں قیام کروں گا وہیں
نمازیں پڑھوں گا۔جس کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے لاکھ گنا زیادہ ہوگا پھر مکہ
معظمہ اہل علم اکابر صحابہ کرام کا مرکز ہے ان کی صحبت میں رہ کر قرآن وسنت کے مواعظ سے
افادہ استفادہ کا موقعہ ملتا رہیگا۔ایام حج میں حج کرنے کی بھی نعمت غیر مترقبہ حاصل کرتا
رہوں گا ایسی عالی مقام ہستی کے بارے یہ تصور قائم کرنا کہ بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے
علماء کرام کی علمی مجالس سے افادہ استفادہ سے اور پھر خاص کر خوش قسمتی سے ایام حج بھی
شروع ہو گئے ہیں ان دنوں سے فائدہ حاصل کرنے سے بھی خلافت اہم ہے اگر چہ خروج
کے طریقے سے ہو یہ غیر شرعی اور فاسقانہ تصور ہے جو عجمیوں کا خانہ ساز ہے اور خلافت کے
نام سے ملوکیت کی طرف ملک کو دھکیلتا ہے۔

حضرت حسینؓ کے ذہن میں کبھی تصور نہ تھا آپؓ فخر عرب تھے اور دنیادار نہ تھے ان
کا بچپن سے اس وقت تک آخرت سنوارنے میں ذہن رہتا تھا۔اب اسکے سوا اور کچھ نہیں کہا
جا سکتا کہ آپ کو خاص اس وقت میں عورتوں بچوں سمیت اغوا کیا گیا جس وقت آپ حج کی
نعمت سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر اصحاب تک کی ملاقات نہ کر سکے۔پھر اتنی
تیزی کی کہ دو دن کی منزلیں صرف ایک دن میں طے کر کے بستان بنی عامر میں جا دم لیا۔

اب رہا معاملہ یزید کا جس کو شیعہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ہمارے
سنی بھی اس بارے میں شیعہ کے اندھے مقلد ہیں۔

ایک مختلف طریقہ سے

اب میں ایک مختلف طریقہ سے بات کرتا ہوں کہ

1. یزید کے والد ماجد کاتب وحی حضرت معاویہؓ۔
2. یزید کے دادا ابوسفیان صخر بن حربؓ جن کو بمع ان کے گھر والوں کے نبی اکرم ﷺ نے امان دی اور یہ بھی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔
3. یزید کا چچا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔
4. یزید کی پھوپھی رملہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ زوجہ رسول اللہ ﷺ جو قرآن کی زبان میں اہل بیت میں سے ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو فرشتوں نے اس طرح سلام کہا رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم اهل البیت اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔

تو سارا خاندان یزید کا صحابی اور خود یزید تابعی جو ۲۴ھ کو عہد صحابہ میں پیدا ہوا اور اس نے سوائے شیخین (ابوبکر و عمر) اکثر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی صحبت میں رہ کر بہت کچھ حصہ دین کا حاصل کیا یہی وجہ ہے کہ جو صحابہؓ شام کے ملک میں رہتے تھے ان سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسرے علاقوں میں جو صحابہ کرامؓ تھے انہوں نے ولاۃ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کی کوئی صحابیؓ ایسا نظر نہیں آتا جس نے یزید کی بیعت نہ کی ہو اگر ہم کہیں کہ حسینؓ نے بیعت نہیں کی تو معاذ اللہ اجماع صحابہؓ کے خلاف کر کے مجرم بنتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۔

ترجمہ: جو شخص بعد اس کے کہ اس کو راہ ہدایت معلوم ہو چکی ہے ہمارے اس رسول کی مخالفت کریگا یعنی عقیدہ عمل چھوڑ کر مسلمانوں کی راہ سے الگ دوسری راہ اختیار کریگا تو ہم اس کو اس کے اختیار کردہ راہ کے سپرد کردیں گے اور آخر کار اس کو جہنم میں جھونکیں گے۔

اور اگر کہیں کہ حسینؓ حق پر تھے کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تمام صحابہ جنہوں نے بیعت کی وہ (نعوذ باللہ) کافر ہو گئے اگر یہ بات مان لیں تو اللہ تعالیٰ کی بات جو عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ ہے (نعوذ باللہ) جھوٹ ثابت ہوتی ہے جس نے قرآن میں فرمایا اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لیکن اللہ کی بات تو جھوٹ قطعاً نہیں ہو سکتی وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا پس معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ جو الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا ہیں یزید کی بیعت کر کے کافر نہیں ہوئے نیز معلوم ہوا اور قرآن کی رو سے حضرت حسینؓ نے بھی سبیل المؤمنین سے ہٹ کر غیر سبیل المؤمنین کو اختیار نہیں کیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تاریخ کا بیان اس بارے میں جھوٹ اور افتراء ہے جو صدیوں بعد عجمی سازش تھی۔

کچھ اعتراضات اوران کے جوابات

نیز مخالفین یزید پر کئی طرح کے الزام دھرتے ہیں من جملہ ان کے

1 یہ کہ یزید بے نماز تھا۔ مگر یہ محض الزام ہے کیونکہ اگر یزید بے نماز ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس کے اس عمل کو کبھی برداشت نہ کرتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر بعض امراء ایسے ہوں گے جن کے بعض افعال کو تو تم صحیح سمجھو گے اور بعض کو شرع کے خلاف تو جو شخص ان کے خلافِ شرع کو خلاف شرع ہی سمجھے گا اور بتاتا رہے گا تو وہ مداہنت اور نفاق سے پاک ہے اور اگر ناپسند سمجھے گا تو وہ بھی سالم رہا وزر اور وبال سے لیکن جو شخص ان افعال شنیعہ پر راضی رہا اور ان کے تابع رہا تو وہ گناہ میں اس کا شریک ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا ہم اس وقت ان کے ساتھ قتال نہ کریں؟ تو فرمایا نہ جب تک وہ نماز پڑھیں (مشکوۃ صد ۳۱۸) اور یہ بات دوبارہ دہرائی اب اس حدیث کو مدنظر رکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ جو تاریخ کی کتب میں ہے یزید بے نماز تھا یہ غلط ہے کیونکہ اگر یزید کو تاریخ کی بات مان کر بے نماز تسلیم کریں تو صحابہ کرام پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے قتال کیوں نہ کیا۔ اگر وہ بے نماز تھا اور صحابہؓ نے قتال نہ کیا تو تمام صحابہ مجرم ہوئے اور بلوائیوں کا مقصد ہی ہے صحابہؓ کو مجرم قرار دے کر تبرا کرنا۔ نیز تمام صحابہؓ کا اجماع ضلالت پر ہوا جب کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ لا یجتمع امتی علی الضلالۃ اور نبی کا فرمان بلاشک حق اور سچ ہے۔ معلوم ہوا نہ صحابہ کرامؓ مجرم تھے اور نہ ہی یزید بے نماز تھا۔

2 نیز مخالفین کا یزید پر شراب نوشی کا الزام لگانا بھی غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ان لم یترکوه فاقتلوهم (مشکوۃ ص ۳۱۸) یعنی اگر لوگ شراب خوری ترک نہ کریں تو ان سے قتال کرو تو اس حدیث کے پیش نظر اگر یزید شرابی ہوتا تو صحابہ کرام اول تو اس کو شراب نوشی سے منع کرتے پھر بھی اگر وہ باز نہ آتا تو صحابہ کرامؓ اس کے ساتھ قتال کرتے لیکن صحابہ کرامؓ نے شراب نوشی کی وجہ سے یزید کے ساتھ قتال نہیں کیا۔ کیا وجہ؟ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو صحابہؓ نے حکم رسول ﷺ کی مخالفت کی۔ یا یزید شرابی نہیں تھا لیکن پہلی بات تو غلط ہے جس کا تصور کوئی مسلمان نہیں کر سکتا لہٰذا یہی بات صحیح ہے کہ یزید شرابی نہ تھا۔ بلکہ حدیث شریف سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ نے دوسرے صحابہ کی طرح یزید کی بیعت کی تھی اور حضرت حسینؓ کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں لی کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة (مشکوۃ ص ۳۲۰) اس حدیث کی رو سے اگر آپؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی تو کہنا پڑے گا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپؓ جاہلیت کی موت مرے۔ لیکن آپؓ کی موت تو شہادت کی تھی اس لئے نتیجہ یہی نکلا کہ آپ کی گردن میں بیعت یزید کا ہار تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یزید بیعت کے قابل تھا اگرچہ اس کا مقام حضرت حسینؓ کے مقام سے بہت ہی کم تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ مفضول افضل کا امام ہوتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

پھر یزید کے والد حضرت معاویہؓ بھی صحابی تھے اور انکے دادا دادی بھی صحابی تھے اور اس کی پھوپھی رملہ اُم حبیبہؓ اُم المؤمنین زوجہ مطہرہ حضرت محمد رسول اللہؐ تھیں اور انکے حق میں اس کے والد ماجد دعاء کرتے ہوں گے کیونکہ حضرت معاویہؓ کاتب وحی تھے اور عباد الرحمٰن میں سے تھے جو دعا کرتے رہتے تھے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا. اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور سب ایسے پابند شریعت ہوں کہ دوسرے اہل تقویٰ بھی ہم سے ہدایت پائیں۔

اور نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اللهم اجعله ها دیا میهدیا

اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے مومنوں کے بارے فرمایا تھا والذین امنو و اتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم وما التنهم من عملهم من شئ (لفظة الحقنا تقتضى ان للملحق بعض التقصير في الاعمال۔

(البحر المحيط ص ۱۳۹ ج ۸)

ترجمہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا۔ پھر ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ ہونے دیں گے۔ یعنی اولاد کو آباؤ اجداد والے درجے دیں گے اگرچہ عمل میں ان کے کسی قدر قصور بھی ہوا تاہم جنتیوں کے پاس خاطر سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ لے جا کر شامل کریں گے۔ (ڈپٹی نذیر احمد مترجم)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا (رواہ ابن عباس) ان اللہ یرفع ذریۃ المومن درجۃ وان کانو دونہ لتقر بھم عینہ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی بیضاوی ص ۹۹ ج

ایک مشہور اعتراض اور اس کا جواب

میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی

(بخاری کتاب الفتن ۵۰۹-۱۰۵۶) میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ :

هلكة امتي على ايدي غلمة من قريش

ترجمہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی

کچھ لوگوں نے اس کا مصداق اول یزید کو اور اس کے والیوں کو بتایا بہت سے علماء نے بھی یہاں سے دھوکہ کھایا ہے مگر یہ مراد صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ غلمہ جمع ہے غلام کی اور غلام نابالغ لڑکے کو کہتے ہیں۔ اور یزید پر غلام کا لفظ صادق نہیں آتا۔

کیونکہ جب یزید والی ہوا اس وقت اس کی عمر تقریباً ۳۸ سال تھی اور اس وقت وہ زمانہ کہولت کے قریب تھا۔ بلکہ اس کے مصداق وہ چھوکرے ہیں جو خلافت عباسیہ میں تخت خلافت پر بیٹھائے گئے تھے اور اسی طرح ایک لڑکا بنو امیہ میں سے تھا۔

جو ۱۱۳۳ء ۵۲۸ھ مغرب میں قائم شدہ خلافت کا آخری حکمران ہشام بن حکم کا نابالغ بچہ تھا دیکھو (تذکرہ مشائخ قادریہ ۹۹)

اور باقی بغداد میں عباسی خاندان کی خلافت رہی چنانچہ ۵۲۵ھ ابوعلی آمر کے

بیٹے طیب کو حکمران بنایا گیا جو ۵ سال کا بچہ تھا۔ (حقیقت مذہب شیعہ ۴۱۷ و ۴۳۹)

پھر محرم ۵۴۹ میں نصیر الدین عباسی نے ظافر عبیدی کو قتل کر کے اس کے بیٹے عیسیٰ کو گود میں اٹھا کر لایا اور فائز بنصر اللہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ (حقیقت مذہب شیعہ ص ۴۳۹) ۵۵۵ھ میں فائز بنصر اللہ مر گیا وزیر السلطنت صالح نے حکم دیا کہ شاہی خاندان کے لڑکوں کو پیش کیا جائے چنانچہ ابو محمد بن عبداللہ بن یوسف بن حافظ عبیدی کو منتخب کر کے عاضد الدین کے لقب سے تخت نشین کیا ۴۲۴ھ میں ۴ سالہ ولی عہد کی سواری نکلی۔ تمام بازار آراستہ کیا گیا اور لوگ زمین بوس ہوئے۔

۱۵ شعبان ۴۲۷ میں المستنصر باللہ (مولود ۶ جمادی الاخری ۴۲۰) سات سال ۲ ماہ کی عمر میں خلیفہ بنایا گیا۔

۲۳ ربیع الاول ۵ ۳۷ھ میں الحاکم بامر اللہ پیدا ہوا آٹھ سال کی عمر میں اس کی خلافت کا اعلان ہوا۔ ۱۱ سال ۵ ماہ ۶ دن خلیفہ رہا ۳۵۷ھ میں ملک کا فور فوت ہوا پھر کئی گورنر کم سن اور نا اہل گزرے۔

۳۸۶ھ میں منصور بن یوسف بلکین فوت ہوا پھر اس کا بیٹا باحکام اللہ بارہ سالہ بادلیس مغرب کا والی مقرر ہوا۔

۴۹۵ھ میں المستعلی احمد کا پانچ سالہ بیٹا الآمر با حکام بادشاہ ہوا الولد رہا پھر ۵۲۴ھ میں قتل ہوا۔

ابو الحسن ابو معد الظاہر لاعزاز دین اللہ (مولود ۸ رمضان ۴۱۱ء سولہ سال کی عمر میں خلیفہ بنا اور اس کی پھوپھی ست الملک اور اس کی ہمشیرہ اس کو مشورہ دیتی تھیں۔ اس کے دور حکومت میں شراب خوری کی عام اجازت تھی لہو و لعب عام تھا ملک میں سخت گرانی تھی لوٹ

مار عام بیماریوں کا زور۔ لوگ شاہی محل کے گرد الجوع الجوع کرتے گائے کی قیمت ۵۰ دینار مصر میں پانی کی سطح کم۔

شاہ ایران شاہ اسماعیل ۹۰۷ھ ۱۳ برس کی عمر میں بادشاہ بنا اس کے دور حکومت میں جو شخص شیعہ مذہب اختیار نہ کرتا اس کے لیے قتل کا حکم جاری کر دیا جاتا تھا (کتاب اصلاح شیعہ ۱۲۸)۔

بیجاپور کے حکمران علی عادل بادشاہ کا بھتیجا بعمر ۹ سال وارث تخت ہوا اور چاند بی بی اس کی نگران مقرر ہوئی (عورت کی سربراہی ۹۲)۔

۴۲۶ھ میں معد بن ظاہر ۸ ماہ کی عمر میں خلیفہ بنایا گیا جبکہ ظاہر ۱۵ شعبان ۴۲۷ھ میں بعمر ۳۲ سال مر گیا۔

امام ذہبی کے ارشادات

﴿۱﴾ یزید ایک ایسا حکمران ہے کہ نہ تو ہم اس سے محبت کرتے ہیں نہ برا بھلا کہتے ہیں خلفاء بنو امیہ اور بنو عباس میں اس جیسے بہت سے خلفاء گزرے ہیں۔ اسی طرح دوسرے خطوں میں بہت سے حکمران گزرے ہیں بلکہ ان میں سے بہت ایسے تھے جو امیر یزید کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خرابیوں کا شکار تھے۔ امیر یزید کو ایک اعزاز یہ حاصل ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے ۴۹ برس بعد ولی عہد ہو گئے (صحیح روایت کے مطابق یہ ولی عہدی قریباً ۵۶ برس بعد ہوئی) اس اعتبار سے اس کا زمانہ نبوت کے قریب ہے۔ اس وقت بہت سے صحابہ کرام موجود تھے جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو حکومت کے یزید ہی نہیں اس کے باپ دادا سے بھی زیادہ مستحق تھے۔

﴿۲﴾ امیر یزید کی خوبیوں اور کمالات میں ایک بڑی نیکی غزوہ قسطنطنیہ ہے کہ امیر یزید اس لشکر کے سپہ سالار تھے اور اس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے حضرات شامل تھے۔

(سیر اعلام النبلا جلد ۴ ص ۳۶)

﴿۳﴾ شباک بن عائذ القیسی اپنے قبیلہ کے بزرگوں سے ایک وفد کا ذکر کرتے ہیں جو امیر یزید کے پاس آیا تو امیر کی جانب سے ایک منادی نے پوچھا کہ اہل بصرہ کا وفد کہاں ہے؟ وہ سامنے آیا تو اس نے کہا امیر المومنین نے تمہارے لئے فلاں فلاں مراعات کا اعلان کیا پھر دوبارہ اہل بصرہ کو آواز دے کر مزید مراعات کا اعلان کیا۔ اہل بصرہ نے اپنی مخصوص سرشت کے مطابق چہ میگوئیاں کیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر پاس بیٹھا پردہ میں شراب نوشی میں مشغول ہے اللہ کی شان اسی وقت ہوا کا تیز جھونکا آیا

جس سے پردہ اٹھ گیا تو سب نے دیکھا کہ امیر وہاں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ (تاریخ کبیر جلد ۴ ص ۲۷۰)

العلامہ محمد کرد علی

جب ہم ان بہت سی باتوں پر غور کرتے ہیں جو یزید بن معاویہ کے متعلق بعض لوگوں جیسے مسعودی وغیرہ نے کہیں ہیں۔ تو تاریخی حقائق ان کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ ایسے حضرات نے دانستہ رفض وسبائیت کی خدمت کی۔ ایسی خدمت جس کا تو ثقہ مؤرخ حضرات نے کیا۔ (کنوز الاجداد ص ۱۰۸)

المؤرخ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ

ابن عساکر نے یزید کی مذمت میں بہت سی احادیث نقل کیں یہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہم نے ان تمام روایات کا ضعیف اور منقطع ہونا ثابت کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (البدایۃ والنھایۃ جلد ۸ ص ۲۳۱)

یزید اور روایتِ حدیث

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

یزید نے اپنے والد گرامی سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا

"مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ "

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس بندے کے حق میں خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطاء فرما دیتے ہیں"

دوسری حدیث وضو کے ضمن میں آتی ہے جسے یزید سے ان کے فرزند جناب خالد بن یزید اور عبدالملک بن مروان نے روایت کیا۔ اس کو امام ابو زرعہ دمشقی نے ذکر کیا جو اس طبقہ کے فرد ہیں جس کا زمانہ صحابہ سے ملا ہوا ہے (تابعین کا طبقہ) اس روایت کا درجہ بہت بلند ہے اور امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ " یزید سے اور بھی روایات منقول ہیں"

غلافِ کعبہ

خلافت پر متمکن ہونے کے بعد امیر المومنین یزید ہر سال باقاعدہ اپنی طرف سے ایک امیر حج مقرر کرتے جو مناسک حج ادا کراتے تھے۔ خلفاء اسلام میں آپ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا۔

(تاریخ الکعبۃ المعظمہ ص ۲۷۱ و فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ کا فتویٰ

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اپنے رسالہ "یزید بن معاویہ" (شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تحقیق کے مطابق) کے ص ۲۳ پر لکھا ہے کہ امام غزالی سے سوال کیا گیا کہ جو لوگ یزید پر لعنت کو جائز کہتے ہیں وہ کس حد تک درست ہے۔ آیا وہ فاسق تھا اور یہ کہ ایسا کرنے کی جازت ہے؟ اور یہ کہ وہ سیدنا حسینؓ کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتا تھا یا اس کا مقصد محض دفاع تھا اور یہ کہ اس پر رحم کی دعا کرنا کیسا ہے یا خاموشی اختیار کی جائے؟

امام غزالی نے جواب میں فرمایا

کسی مسلمان پر لعنت بھیجنا کسی طرح جائز نہیں اور جو ایسا کرے وہ خود ملعون ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے کہ " مسلمان لعنت کرنے والا نہیں "اور سوال یہ ہے کہ مسلمان پر لعنت کرنا کیونکر جائز ہے جبکہ اسلام میں تو چوپایوں پر بھی لعنت جائز نہیں اور اس سلسلہ میں باقاعدہ ممانعت آئی ہے۔ اور مسلمان کی عزت واحترام تو کعبہ سے بڑھ کر ہے۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے۔

یزید کا مسلمان ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے۔

جبکہ یہ قطعاً ثابت نہیں کہ قتل حسین میں اس کا حصہ ہے نہ اس نے ایسا کیا نہ اس کا حکم دیا نہ وہ اس سے خوش تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی نسبت اس کی طرف مشکوک ہے اور اس کا گمان کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ ایک مسلمان سے بدگمانی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"بدگمانیوں سے بچو بلاشبہ بدگمانی گناہ کا کام ہے"

اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے مسلم کا خون، مال وعزت کو دوسرے کے لئے حرام قرار دیا اور اس بات کو بھی کہ اس کے معاملہ میں بدگمانی سے کام لیا جائے۔

جس کا یہ خیال ہے کہ شہادتِ حسین کا حکم یزید نے دیا یا اس سے وہ راضی تھا تو مناسب ہوگا کہ وہ اس کی انتہائی درجہ میں تحقیق کرے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے دور کے کسی حکمران وزیر یا بڑے آدمی کے متعلق جاننا چاہے کہ کسی کے قتل وغیرہ میں اس کا کتنا حصہ ہے تو اس کا معلوم کرنا مشکل ہوگا اگر چہ وہ قتل اس کے پڑوس میں ہوا ہو اور وہ اس کا گواہ بھی ہو۔ پھر جو بات بہت پہلے کی ہے اور جس پر زمانہ گزر چکا اس کا فیصلہ کس طرح ممکن ہے؟ ہمارے دور سے ۴۰۰ سو برس قبل جو ہوا اس کا فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اس قصہ کے معاملہ میں حد درجہ تعصب برتا گیا دونوں طرف بہت کچھ گھڑا گیا اس لئے حقیقت کا پہچاننا بہت مشکل ہے اور جب حقیقت کی معرفت مشکل ہے تو ہر مسلمان سے حسن ظن لازم ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا ممکن ہونا آسان ہے اور اگر ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا تو پھر بھی اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اس سے کافر نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ گناہ کی بات ہے اور اس پر لعنت درست نہیں چہ جائے کہ قاتل مسلمان پر لعنت کی جائے جبکہ اس کی توبہ کا احتمال ہو اور ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت حسینؓ کے قاتل نے مرنے سے قبل توبہ کی ہو اور اس کی توبہ مقبول نہ ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اللہ کی ذات وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بہر نوع قبول کرتی ہے"

اس لئے جو مسلمان مر گیا اس پر لعنت درست نہیں اور جس نے لعنت کی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہے اور اگر کسی پر لعنت جائز ہو اور جواز کے باوجود کوئی ایسا نہ کرے تو امت کے اجماع کے مطابق وہ گنہگار نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی شخص ابلیس جیسے ملعون پر مدۃ العمر لعنت نہ کرے تو اس سے قیامت کے دن نہیں کہا جائے گا کہ تم نے ابلیس پر لعنت کیوں نہ کی؟

اور کسی پر لعنت کرنے والے سے ضرور سوال ہوگا کہ تم نے لعنت کیوں کی اور تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فلاں ملعون ومطرود ہے؟

ملعون اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور یہ بات کہ کوئی اللہ تعالیٰ سے دور ہے ایک مخفی امر ہے ہاں البتہ کسی کا کفر پر مرنا واضح ہو پھر الگ بات ہے یہ بات شرعی ضابطوں سے معلوم ہوتی ہے۔

رہ گئی یزید کے لئے رحم کی دعا تو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ یہ بات ہماری ہر دعا کا حصہ ہے جب ہم دعا کرتے ہیں

" اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ "

تو چونکہ وہ مومن ہے اس لئے وہ بھی اس دعا میں شامل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم........

کتبہ الغزالی

خلاصۃ الکلام

آج کے اس جدید دور میں جبکہ عالمی تحقیق و تدقیق انتہائی عروج پر پہنچ گئی ہے۔ ہماری تواریخ و روایات کے راوی ابھی تک ہمارے دل و دماغ پر سوار ہیں اور قوم کو جہالت کے گڑھے میں دبائے رکھنے پر مُصِر ہیں۔ لیکن نئی نسل میں جدید علوم اور سائنس کی ترقی سے انکار تو کا دور دورہ ہے۔ اور وہ پرانی تنگ نظری۔ اندھی تقلید اور نقالی کو جھٹک کر اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینے کے عادی ہو رہے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اب قوم بیدار ہو رہی ہے۔ ہمارے نوجوان اب نقد و نظر کے آلاتِ جدیدہ سے آراستہ ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ملت تقریباً ان چودہ سو سالہ بے معنی و بے مقصد اختلافات سے تنگ آ چکی ہے۔ اور اب وہ بغاوت پر آمادہ ہیں۔ فضاء میں۔ ادب میں۔ آفاق میں۔ صنعت اور معاشرے میں وحدت نسلِ انسانی کا تصور رواں دواں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب لکیر کے فقیر اور اندھی تقلید کے علمبردار، واعظوں، ذاکروں اور خطیبوں سے (جن کے واعظوں میں نفرت، اقوال میں بغض و عناد اور اعمال میں تفرقہ بازی ہے) دور ہوتے جاتے ہیں۔ اور انسانیت کا کارواں ایک ایسی منزل کی طرف رواں ہے جہاں صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہو گی۔ حق کی روشنی ہو گی۔ شاہراہوں پر نور و ضیاء کے بڑے بڑے قمقمے نصب ہونگے۔ نیکی اور بدی کے امتیازی نشان لگے ہونگے۔ اور اپنی اپنی فلاح و بہبود کے راستے کھلے ہونگے۔ کسی کے پھسلنے کا امکان نہ رہے گا اور ہر ساز سے ایک ہی صدا بلند ہو رہی ہو گی کہ

محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی منزل کا پتہ دیا تھا کہ نسلِ انسانی ایک گھرانا ہے

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا کہ ساری خدائی ہے کنبہ خدا کا (حالی)

اگر ہم اپنے جھگڑوں کو ہندوستانی برہمنوں کی طرح لے کر بیٹھ جائیں تو پھر دنیا کے باقی کام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور زندگی کا یہ سارا کا سارا تانا بانا ہی ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا ہمارا بھلا اسی میں ہے کہ ہم مسلمین (خدا کے فرمانبردار بندے) ہونے کی حیثیت سے اور قرآن پر ایمان رکھنے کی بناء پر بطیب خاطر اس کے فیصلے کے سامنے جھک جائیں۔ کیونکہ وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر انسانی عقل اندھی ہے اور منشائے ربانی کی اطاعت کے بغیر ہمارے فیصلے ہرگز صحیح نہیں ہو سکتے۔

ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے کہ امامنا فی الدین حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں تاریخ ہماری صحیح رہنمائی نہیں کرتی اس لئے محض بداندیش اگلوں کے نوشتوں پر ظن و تخمین کی پیروی گمراہی کا موجب اور ہمارے لئے گناہوں کے ارتکاب کا سبب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس ذمہ داری سے بچنا چاہیے اور ذہن میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اگر ہم یزید کو لعنت کرتے ہیں تو یہ لعنت یزید کی بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سب پر ہوتی ہے۔ (والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

اور ویسے بھی حضرت حسینؓ و یزید ہمارے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور نہ ہم ان کے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ وہ دونوں اپنے اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہونگے اور ہم اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہونگے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ. (القرآن)

قیامت کو ان کے اعمال کی پرسش ہم سے ہرگز نہیں ہوگی اس لئے ہمیں ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہ کرنی چاہیے بلکہ صرف اپنے اقوال و اعمال پر نظر رکھنی چاہیے۔

ہاں اگر ہم من گھڑت تاریخ کو تاریخی حقائق کا نام دے کر یزید اور یزید کی آڑ میں

صحابہ کرامؓ ، تابعین وتبع تابعین پر لعنت بھیجتے رہے تو ہم سے قیامت کے دن ضرور سوال ہو گا۔ کہ تم نے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر جھوٹی تاریخ سے میرے صحابہ پر یزید کی آڑ میں لعنت بھیجی اور ہوسکتا ہے کہ ہم پر جنت کی دروازے بند کردیے جائیں۔ اور اس دن نہ تو ہمارا کوئی سفارشی ہوگا اور نہ ہی مددگار۔

ہم کو ان کے اچھے یا برے اعمال کی جانچ پڑتال کے لئے کسی نے جج مقرر نہیں کیا۔ نہ ہم اُن پر حاکم ہیں۔ وہ بہرحال ہم سے بہت ہی بہتر تھا اور ان کے معاملے کا خدا تعالیٰ ہی مالک ومختار ہے۔

گذشتہ بزرگوں اور علماء کے متعلق اپنے اپنے ظن وتخمین میں الجھے رہنے کی بجائے قرآن کا یہ فاصلہ ہر وقت مدِّ نظر رکھنا چاہیے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۔ (القرآن)

یعنی وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق پوچھا ہی نہیں جائیگا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو صرف اپنے ہی اعمال واقوال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے سے کبھی غافل نہیں رہتے

والسلام

سیّد محمد حسین نیلوی غفرلہ

۲۷ ذی الحج ۱۴۲۳ھ

الفرق بین علم التاریخ وعلم الحدیث

(۱) علم حدیث منسوب ہے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف
اور علم تاریخ منسوب نہیں کسی نبی یا صحابی کی طرف۔

(۲) علم حدیث کے حاملین اولین نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگرد ہیں جو پاک طینت صالح اور صحبت نبی ﷺ سے مشرف اور متخلق باخلاقہ تھے۔
علم تاریخ کے حاملین، اولین، سلف صالحین، کے بعد یہود، و، نصاریٰ، کفار، یا ان سے متاثر لوگ اصحاب الھویٰ اور بے دین لوگ تھے۔

(۳) علم حدیث مستند ہے جس کی سند صاحب کتاب سے حضرت نبی کریم ﷺ تک یا صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین تک پہنچتی ہے
علم تاریخ میں اول تو سند ہی نہیں ہوتی۔ اگر سند ہو بھی ہو تو اس میں راوی کذاب منکر مجہول اصحاب الھویٰ بھی ہوتے ہیں۔

(۴) علم حدیث میں خوب کوشش اور محنت سے کام لیا گیا ہے رواۃ کے حالات پر مکمل اور ٹھوس بحث کی گئی ہے تاکہ صحیح و سقیم میں امتیاز کیا جا سکے۔
علم تاریخ میں ہر کہ ومہ کی بات کو لیا گیا ہے۔

(۵) علم حدیث اصول شرع میں سے ایک اصل ہے۔ جس پر عمل کرنا واجب ہے اگر صحیح معیار پر اترے تو قرآن مجید کے بعد اس کا درجہ ہے
اور علم تاریخ اصول شرع میں سے نہیں ہے اسی لئے کسی مجتہد نے تاریخ سے کوئی مسئلہ مستنبط نہیں کیا۔

(۶) علم حدیث کا منکر کافر ہے
علم تاریخ کا منکر کافر نہیں ہے

(۷) علم حدیث کے حاملین کو محدث کہتے ہیں
علم تاریخ کے حاملین کو مورخ یا اخباری کہتے ہیں

(۸) علم حدیث کی کتب کو بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہے
علم تاریخ کی کتب کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے

(۹) علم حدیث سے غرض عمل واصلاحِ حال وتحصیل سعادتِ ابدیہ ہے
علم تاریخ سے غرض محض معلومات حاصل کرنا۔ اور عبرت لینا امم سابقہ سے

(۱۰) علم حدیث وتاریخ کا باہم تعارض آجائے تو علم حدیث میں ثابت شدہ بات کو لیں گے اور تاریخ سے ثابت شدہ بات کو رد کر دیں گے۔

(۱۱) علم حدیث کی کتابت وجمع وتدوین کا اہتمام عہد تابعین ہی میں پہلے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ہوا تھا۔
علم تاریخ کی کتابت وجمع وتدوین خلفاء عباسیہ کے دور میں ہوئی جب کہ دوسرے علوم کے تراجم بھی ہونے لگے تھے جیسے کتب فلسفہ وغیرہ

(۱۲) علم حدیث پڑھنے کا مقصد نیک عمل اور ثواب کا حصول ہے
علم تاریخ پڑھنے کا یہ مقصد نہیں ہوتا

(۱۳) علم حدیث کے مؤلفین مسلم علماء صلحاء قرآن وحدیث کے ماہر تھے
اور علم تاریخ کے اکثر مؤلفین یہود ونصاریٰ مجوس ودیگر غیر مسلموں کا گروہ ہے جن کا نہ تو قرآن وسنت سے کچھ تعلق اور نہ تاریخ وجغرافیہ سے۔

ضمیمہ

شیعہ کے سوالات اور ان کے جوابات

باسمہ سبحنہ وتعالیٰ

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ ومحبیہ وناصر بہ ومشیدی دینہ ومؤیدیہ واولیاءہ واحبائہ واودائہ اجمعین ۔ امابعد

مرکز تحقیقات اسلامیہ سرگودھا کی طرف سے لکھا ہوا ایک مضمون بندہ کوموصول ہوا جس میں کسی اہلسنت والجماعت کے شخص نے شیعہ سے متفرق سوالات کئے تھے کہ ان کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں دیں۔ چنانچہ اہل تشیع کے مرکز کی طرف سے ان کے جوابات موصول ہوئے۔

ہمارے بعض علماء واحباب نے مجھ سے کہا کہ آپ ان کے جوابات قرآن وسنت کے حوالہ جات سے لکھ دیں۔ تاکہ سائل کو دیدیں۔ اور اسکی تشفی ہو جائے۔ چنانچہ بندہ نے یہ مضمون لکھا تھا۔ اب عام لوگوں کے فائدہ کیلئے اس کو شائع کیا جارہا ہے تاکہ تمام اہلسنت والجماعت کو اصل صورت حال سے آگاہی ہو۔ اور تاریخ پر یقین کرنے والوں کو یہ بھی معلوم ہو کہ قرآن وسنت کے مطابق حضرات صحابہ کرام نے خلافت کو کیا جانا۔ اور اس پر کیسے عمل کیا۔ اور حضرت امام حسینؓ اور ان کے خاندان کے افراد کے ساتھ کیا حالات پیش آئے۔ اور ان کا موقف خلافت کے متعلق کیا تھا۔

سائل نے سوال کیا تھا کہ

سوال۔ شیعہ کے نزدیک توحید اور رسالت کی طرح امامت وخلافت اصول دین ہے اور اصول دین کا منکر کافر مرتد ہے۔ تو جب توحید لا الہ الا اللہ اور رسالت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سورۂ فتح پارہ نمبر ۲۶ میں نصوص صریحہ کے ساتھ صاف موجود ہے

تو اب شیعہ "علی ولی اللہ خلیفۃ بلا فصل" سے لے کر بقایا "گیارہ" ائمہ کی امامت مع اسماء قرآن سے ثابت کریں۔

اس تین سطری سوال کا جواب مرکز تحقیقات اسلامیہ بلاک نمبر ۲ سرگودھا کی طرف سے تیرہ لمبے صفحوں میں لکھا ہوا موصول ہوا جس کے نیچے مجیب کا نام ندارد۔ معلوم نہیں کہ کس نے یہ جواب لکھا ہے۔ لکھنے والا کوئی ذمہ دار آدمی ہے بھی یا نہیں۔

سوال صرف یہی تھا کہ جب مسئلہ توحید جو مسلمہ اصول دین ہے قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے اور بار بار مختلف انداز کے ساتھ مذکور ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

لَاتَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْرَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖ اَحَدًا ۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا۔

وغیر ذلک من الآیات القرانیہ اور یہ آیات اپنے مطلب میں اس قدر واضح ہیں کہ ان کے لئے حدیثی تشریح کی بھی کچھ ضرورت نہیں۔

اور جب مسئلہ رسالت جو مسلمہ اصول دین میں سے ہے وہ بھی قرآن مجید میں

بلوری وضاحت سے موجود ہے مثلاً

محمد رسول اللہ ﷺ۔

قل یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔

وارسلناک للناس رسولا (وغیرھامن الأیات)

اور جب معاد اور قیامت جو مسلمہ اصول دین سے ہے قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ مذکور ہے مثال کے طور پر

قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ۔

ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تُبْعَثُوْنَ ۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ بَلٰی وعدًا علیہ حَقًّا ۔

لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۔

فَذَرْھُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلَاقُوْا یَوْمَھُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعاً ۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَاھُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ (الآیہ۔)

(وغیرھا من الأیات القرآنیۃ) اور یہ آیات بھی اپنے مطلب میں اس قدر صریح ہیں کہ ان کے لئے کسی حدیثی تشریح کی کچھ ضرورت نہیں۔

اب یہ مسئلہ امامت وخلافت کا قرآن شریف میں پوری وضاحت کے ساتھ کیوں

نہ بیان کیا گیا مثلاً یوں فرمایا ہوتا عَلِیٌّ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِلَا فَصْلٍ - یا اطیعوا الائمۃ الاثنا عشر اماماً من ولد فاطمۃ الحسن و الحسین و علیا ومحمدا وجعفر او موسیٰ کاظم والرضا والتقی والنقی والعسکری ومحمدا فانہم ہم الائمۃ المہدیون وجب علی الناس کافۃ اطاعتہم ومن لم یطعہم فاولئک ہم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مہینا

تو ہمیں مجبوراً احدیث کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

مگر مجیب نے ۱۳ صفحے تو کالے کردیے مگر بیچارے سائل کا گھر پورا نہیں ہوا کیونکہ اس کا سوال صرف اس قدر تھا کہ علی ولی اللہ خلیفہ بلا فصل جو شیعہ کا عقیدہ ہے صریح عبارت قرآن سے دکھا دیں اور گیارہ اماموں کی امامت نام بنام قرآن مجید سے ثابت کریں۔ سو مطلب سائل کا حل نہ ہوسکا۔ سائل بیچارہ اور زیادہ الجھنوں میں پھنس گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجیب مجہول الاسم والحال قرآن شریف سے بارہ اماموں کے نام دکھا دیتے مگر جیسے مجیب صاحب خود مجہول الاسم والحال ہیں کہ اپنا نام بھی انہوں نے صراحت کے ساتھ نہیں بتایا اور نہ اپنا حال بتایا ایسے ہی متقدمین شیعوں نے قرآن مجید کے ذمے یہ عیب لگایا کہ امامت وخلافت کے مسئلہ کو جہالت میں رکھا اور کسی مصلحت سے اس کو صیغہ راز میں رکھا صاف صاف صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا جیسے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۸۷ میں ہے قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبریل و اسرھا جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ والہ واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسر

ھا علی الیٰ من شاء ثم انتم تدعون ذلک۔ صرف یہی ایک روایت نہیں بلکہ بے شمار روایتیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے کہ جس کو اللہ نے بھی، رسول نے بھی، ائمہ نے بھی راز ہی میں رکھا۔ پھر بتاؤ قرآن مجید میں اس کی تصریح کیوں کر ہوتی۔

مگر مجیب صاحب ہیں جنہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ "امت محمدیہ کے لئے امامت وخلافت" کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے

"خلاقِ عالمین نے امت محمدیہ کے لئے بھی مسئلہ خلافت وامامت کو بلوری وضاحت سے یوں بیان فرمادیا ہے تاکہ کوئی الجھن نہ رہے"

اب ہم حیران ہیں کہ متقدمین شیعہ مثل "کلینی" وغیرہ کی بات کو سچ کہیں یا پندرھویں صدی کے مجہول الاسم والحال شیعہ کو سچ کہیں جو کہ اپنے دعویٰ کو ثابت بھی نہیں کر سکے۔ نام تو ہے بلوری وضاحت مگر معلوم ہوتا ہے جیسے مثل مشہور ہے برعکس نہند نام زنگی کافور۔ یہ بلوری وضاحت بھی اسی طرح "تارکول" جیسی تاریک وضاحت ہے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔

سوال ۱ مابین خلافت وامامت کے مسئلہ پر تنازعہ کا حل الائمۃ من قریش پر ہی طے پایا تھا

جواب ۱ قرآن حکیم کو فیصل قرار نہ دیا گیا۔ قرآن کریم میں یہ عبارت کہیں نہیں ہے

الخلیفۃ بعد رسول اللہ علیؑ وولدہ اگر ہے تو مجیب کے ذمے ہے کہ دکھائے۔

جواب ۲ جب قرآن میں یہ مسئلہ تھا تو حضرت علیؓ نے وہ آیت قرآنی کیوں پیش نہ فرمائی انہوں نے کیوں سکوت فرمایا۔

جواب ۳ الائمۃ من قریش (اصل مضمون میں مجیب نے من القریش لکھا ہے۔) کسی نے اپنا قول تو پیش نہ کیا تھا بلکہ فرمان نبوی پیش کیا تھا۔ اگر یہ غلط تھا تو بھری مجلس میں اس کی

تردید ضروری تھی۔ خاص کر کے جب کہ بزعم شیعہ وہاں مخالفین بھی موجود تھے۔

اگر یہ فرمان نبوی نہ ہوتا تو اختلاف بدستور قائم رہتا۔ مگر یہ فرمان نبوی ہی تھا جس کے ہوتے ہوئے سب صحابہ کرام کا اس مسئلہ پر اتفاق ہوگیا۔ تو شیعہ یہ بتائیں کہ یہ حدیث الائمۃ من قریش اتفاق کی سبب بنی یا اختلاف کی۔ اتفاق اچھا ہے یا اختلاف اچھا ہے۔ اگر "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" خلافت بلافصل حضرت علی کی بتاتی ہے۔ تو یہ بتائیں کہ

1. اگر اس میں نص ہے تو اس مجلس میں براء بن عازب۔ ابن عباس۔ زید بن ارقم وغیرہ ہستیاں بھی تشریف فرما تھیں تو انہوں نے خلافتِ علی کے اثبات میں اس متواتر (بزعم شیعہ) حدیث کو کیوں نہ پیش کیا۔

2. اور جب روایت کرنے والے خود اس حدیث کو بھری مجلس میں پیش نہیں کرتے تو اس کی وجہ کیا ہے یا تو نعوذ باللہ وہ مرتد ہو چکے تھے (جیسے شیعہ کا دعوٰی ہے کہ سوائے تین یا چار کے سب مرتد ہو چکے تھے) اور یا یہ روایت ان حضرات کی بیان کردہ نہیں ہے بلکہ کسی بعد کے راوی نے ایک مجمل حدیث گھڑ کے ان کی طرف غلط نسبت کر دی۔ اور یا پھر حدیث واقعی انہوں نے روایت کی اور نبی کریم ﷺ سے براہ راست مشافہۃً سنی تھی لیکن اس کا مفہوم ان کے نزدیک وہ نہ تھا جو شیعہ کشید کر رہے ہیں کہ اس میں بلافصل خلافت حضرت علیؓ کی ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم کوئی اور تھا۔ اسی لئے اس موقعہ پر جب خلافت کی بحث چھڑی ہوئی تھی اس حدیث کو بلافصل خلافت علی کے لئے پیش نہیں کیا۔ اگر وہ لوگ پہلی شق کے مطابق مرتد تھے تو مرتدین کی روایت پر شیعہ لوگ کیوں کر

اعتماد کر لیتے ہیں۔ جب کہ ائمہ معصومین سے کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا۔

۳ اگر یہ حدیث حضرت علی کی بلا فصل خلافت کی دلیل ہے اور یہ اس میں نص ہے اور یہ یوم غدیر خم ہی میں وارد ہوئی ہے تو آپ نے آیت کے شان نزول میں جن مفسرین کے نام لئے ہیں مثلاً ابن جریر طبری، ابن مردویہ، ابونعیم، خطیب بغدادی، ابوسعید سجستانی، ابوالحسن ابن المغازلی، ابوالقاسم وغیرہم کیا ان کا یہی عقیدہ تھا کہ حضرت علی بلا فصل خلیفہ رسول ہیں اگر یہی عقیدہ تھا تو آپ کے ذمے اس کو ثابت کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ تھا تو کیا وجہ ہے کہ جو جو وجوہ اس حدیث کو صحابہ کرامؓ کے بلا فصل خلافت علی کے استدلال میں پیش نہ کرنے میں گزرے ہیں وہ سب وجوہ یہاں بھی متصور ہو سکتی ہیں

اس سے ثابت ہو گیا کہ مجیب نے جو کہا ہے کہ ان جملہ شواہد کی موجودگی میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کی خلافت بلا فصل منصوص من اللہ ورسولہ میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ یہ سب مجیب کی اپنی فہم ہے جس کا حقانیت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

سوال ۲ پھر تیسری خلافت کا فیصلہ تو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور سیرت شیخین (حضرت ابو بکر و حضرت عمر) پر عمل درآمد کی شرط پر ہوا۔ گویا کہ کتاب وسنت کے ساتھ سیرت شیخین کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔

جواب یہ اضافہ اپنی طرف سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ اضافہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو سامنے رکھ کر کیا گیا۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر (مشکوٰۃ ص ۵۶۰ رواہ الترمذی عن حذیفہؓ) اور اس حدیث کو سن کر کسی نے انکار نہیں کیا خود حضرت علیؓ

نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگر یہ حدیث غلط ہوتی تو حضرت علیؓ کبھی حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔

سوال ۱۳ مقام حیرت ہے کہ جناب سائل صاحب اہل سنت ہونے کے باوجود اپنے سوال میں صرف اور صرف کتاب اللہ سے ہی (اس سے آگے فقرہ مکمل نہیں کیا بہرحال مفہوم اس کا یہی ہے کہ سائل کا اہلِ سنت ہونے کے باوجود صرف کتاب اللہ سے دلیل کا مطالبہ کرنا یہ اسکی غلطی ہے کیونکہ اہل سنت کے ہاں صرف کتاب اللہ میں دلیل کا انحصار نہیں۔ اہل سنت تو سنت رسول اللہ ﷺ کو بھی دلیل مانتے ہیں۔

جواب عقیدہ کا مدار اہل سنت کے نزدیک صریح قطعی الدلالتہ آیت قرآن شریف پر ہے حدیث غیر متواتر پر ان کے نزدیک عقیدہ کی مدار نہیں اور تواتر کا وجود اصول اعتقادیات کے ساتھ متعلق ہو یہ کہیں نہیں ہے اس لئے سائل نے یہ سمجھ کر پوچھا ہے کہ ہمارے نزدیک تو اصولِ دین صرف تین ہیں توحید رسالت اور معاد مگر شیعہ عقائد میں اصولِ دین دو اور بھی ہیں یعنی امامت و عدل۔ اور سائل نے جہاں تک قرآن مجید میں غور کیا ہے اسے یہ دونوں عقیدے قرآن مجید کی کسی آیت میں نہیں ملے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی حدیث متواتر ملی ہے اس لئے اس نے سوال کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کا ہمیں نشان دیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سائل حدیث کا منکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی آیات بتاتی ہیں کہ امام کی ضرورت صرف چند اعمال کی انجام دہی کے لئے ہے ورنہ امامت مقصودِ اصلی چیز نہیں اور نہ یہ اصولِ دین میں سے ہے بلکہ فروعِ دین میں سے

ہے جیسے اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کی
ضرورت احکام خداوندی کے معلوم کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ قتال فی سبیل اللہ
جو بندوں کا اپنا فرض تھا اس کی انجام دہی کے لئے ہے۔ نبی کی طرح امام پر
ایمان لانا مقصود اصلی نہیں ہے ورنہ حضرت شمویل پیغمبر کے ہوتے ہوئے
حضرت طالوت کی کیا ضرورت تھی نیز نہج البلاغہ قسم اول ص ۱۰۰ میں حضرت علیؓ
کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے خلیفہ کا ہونا ضروری تو ہے مگر نبی
کی طرح مخلوق کو ہدایت کرنا خلیفہ کا کام نہیں بلکہ خلیفہ کا کام فرائض جہاد کو انجام
دینا اور امن وانصاف کو قائم رکھنا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ خلافت نہ تو اصول دین میں سے ہے اور نہ ہی خلیفہ کیلئے عصمت
شرط ہے بلکہ حضرت علیؓ کے نزدیک تو فاسق وفاجر کی خلافت بھی درست ہے
عبارت یہ ہے ومن كلام له عليه السلام في الخوارج لما سمع
قولهم لاحكم الالله قال عليه السلام كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَبِهِ الْبَاطِلُ نعم
انه لاحكم الا لله ولكن هئولاء يقولون لا امرة الالله وانه
لابدللناس من امير بَرٍّ اَوْفَاجِرٍ يعمل في إمرته المؤمنُ ويستمع
فيها الكافر ويبلغ الله فيها الاجل ويقاتل به العدو وتامن به السبل
ويوخذللضعيف من القوى حتى يستريح برٌّ و يستراح من فاجر

مجیب صاحب نے اپنے زعم میں جن آیات کو اپنی دلیل بنایا ہے اور دعویٰ کیا ہے
کہ ان آیات میں امامتِ ائمہ معصومین کا مسئلہ بڑی بلوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہے ان
آیات میں سے پہلی آیت اپنے ثبوت میں یہ پیش کی ہے اور عنوان یہ دیا "شیعہ کے اصول

ف۔ پر قرآنی دلیل "ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یا ایھا الذین امنو اطیعو ا اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم (الآیہ) پھر اس کا معنے کیا ہے اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں۔

جواب اس استدلال میں مغالطہ سے کام لیا گیا ہے۔ وہ مغالطہ فی المراد ہے کہ اولوالامر سے مراد امامت ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل مطلوب ہے ہر آنچیز گفتی دلیلش بیار۔ دعوی بلا دلیل مسموع نہیں کل مالا دلیل علیہ لایقبلُ اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں الخ۔ یہاں اولی الامر میں آلْ کونسا ہے؟ اور امر سے کیا مراد ہے ان میں آلْ کو چھوڑ دیا۔ اولی الامر سے کون مراد ہیں؟ مجیب نے ان سے مراد ائمہ معصومین لئے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ خود شیعہ کا اس میں بہت اختلاف ہے۔ اور اہل سنت نے کہا ہے کہ

1. امراء المسلمین مراد ہیں رواہ ابن جریر عن ابی ھریرۃ بسندٍ صحیح ورجحہ الشافعیؒ۔ اور کہا گیا کہ قریش امارت کو نہیں پہچانتے تھے اور امیر کے فرماں بردار نہیں ہوتے تھے۔ پس ان کو امیروں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو اگر چہ تم پر حبشی غلام سردار ہو کہ گویا اس کا سر زبیبہ جیسا۔ (بخاری)
حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ سنوں اور اطاعت کروں اگر چہ مجھ پر حبشی غلام ہاتھ پاؤں کٹا ہوا سردار ہو (مسلم)

2. اولوالامر سے مراد اہل فقہ و دین ہیں (ابن عباس۔ مجاہد۔ عطاء۔ حسن بصری۔ ابوالعالیہ

(رواہ ابن جریر وابن المنذر والحاکم عن ابن عباس) وہ جو لوگوں کو ان کے دین کے معانی سکھلائیں اور ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کریں

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔

۳ نبی کریم ﷺ نے اپنی دنیوی زندگی میں تقریباً ۵۰ سرایا مختلف علاقوں میں بھیجے جن پر امیر مقرر فرمایا اور وہ امیر اہل بیت میں سے نہ ہوتے تھے

حضرت معاذ بن جبل کو امیر اور عامل بنا کر یمن کی طرف بھیجا وہ بھی معصوم نہ تھے

اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کو وائل بن حجر کے ساتھ حضرموت کی طرف مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔

اور بھی کئی مقامات کی طرف صحابہ کرامؓ کو مبلغ بنا کر بھیجا۔

وفد عبد القیس کو احکام بتا کر بھیجا کہ اپنے علاقہ میں جا کر تبلیغ کرو۔

ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم کو احکام لکھ کر بھیجے کہ ان احکام پر عمل کرو کراؤ۔ حالانکہ وہ معصوم نہ تھے تو اگر امامت کے لئے اہل بیت میں سے ہونا اور معصوم ہونا شرط ہوتا تو ان کو امیر نہ بناتے۔ یا پھر کہو کہ امیر تو بنائے تھے اور تھے بھی غیر معصوم مگر ان کی اطاعۃ واجب نہ تھی تو پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امیر بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز حضرت علیؓ نے اپنے عوامل وقاضی مقرر کیے تھے جو غیر معصوم تھے لوگ ان کی بات مانتے تھے خود شیعہ اس کے اقراری ہیں

۴ اگر امیر کا معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہے تو امام نماز (پیش نماز) کی عصمت کیوں ضروری نہیں جب کہ ایمان کے بعد تمام امور دین میں سے نماز اہم امر ہے اور باعتراف مجیب صاحب امام کا تقیٰ اعلم ہونا اولیٰ بتایا گیا ہے اور خود نبی کریم ﷺ

نے عبدالرحمن بن عوف کی اقتداء میں نماز پڑھی جو باتفاق فریقین معصوم نہ تھے
پاکستان وغیرہ ملکوں میں امام معصوم موجود نہیں تو فیصلے کس سے طے کیے جائیں گے
جب شیعوں کا باہمی تنازع ہو جائے تو فیصلے کیلئے کس کے پاس جائیں گے اگر آپ
جیسے مجتہدین معصوم نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ نہ کریں گے تو المنتظر کی انتظار میں
بیٹھے رہیں۔

نیز آپ جیسے مجتہد فتویٰ نہیں دے سکتے۔ اگر فتویٰ دیں تو واجب العمل نہیں اور ممکن
الرد ہے تو آپ لوگوں کا علم اور فتویٰ کس کام کا۔

پھر پیش نماز بھی معصوم ہونا چاہئے۔

پھر خمینی ائمہ معصومین میں سے نہ تھا اُسے ۱۳واں امام کیوں مانا۔

سوال ۴ اطیعوا اللہ اور تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ سے توحید

جواب کیا صرف توحید میں اطاعۃ اللہ وایمان باللہ بند ہے؟ اور قرآن کریم میں
جس قدر مسائل عبادات معاملات ومعاشرہ کے ذکر ہیں ان کو ماننا یہ اطاعۃ اللہ
وایمان باللہ سے خارج ہے؟

۱ ان اللہ یا مرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا کس کو حکم ہے۔ یہ خطاب
اگر نبی اور اولوا الامر ہی کو ہے تو ان کا ذکر پہلے آنا چاہیے تھا۔

قرآن کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے احادیث وتفاسیر سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا" مگر
اصول دین کو تو اللہ تعالیٰ نے آسان عبارت میں ادا کیا جس کے لئے کسی حدیث یا
تفسیری تشریح کی ضرورت نہیں ہے فرمان الٰہی ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ

فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ کیا اللہ تعالیٰ کی قسم پر بھی آپ کو اعتبار نہیں؟ کہ اللہ کی قسم ہم نے قرآن بہت آسان بنا دیا۔ کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا

سوال ۵ رسول اللہ اور اولی الامر و حکم بالعدل ان تحکموا بالعدل

جواب اگر یہ مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا و علی الرسول و اولی الامر ان یحکموا بالعدل حالانکہ پہلے حکم عام ہے اس کے بعد مومنین کو خطاب کر کے فرمایا یایہا الذین امنو اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم۔۔۔

سوال ۶ خداوند قدوس نے اپنی اطاعت کا حکم علیحدہ فرمایا اور رسول واولی الامر کی اطاعت کو بحکم واحد جمع فرمایا"

جواب بقول آپ کے معلوم ہوا اللہ کا حکم رسول کے حکم کے مغایر ہے اور رسول واولوالامر کا حکم الگ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ رسول کی اطاعت عین اطاعت اللہ ہے۔ پھر دوسری جگہ جو بغیر اعادہ لفظ اطیعوا آیا ہے واطیعو اللہ والرسول لعلکم ترحمون (سورۃ ال عمران) اس سے بھی مغایرت معلوم نہیں ہوتی۔

نیز اللہ نے اولی الامر کا لفظ استعمال فرمایا جس میں علماء نے اپنی اپنی فہم کے مطابق مختلف مرادیں لیں۔

سیدھا صاف لفظ غیر مشتبہ استعمال کرنے سے کونسا امر مانع ہے جیسے لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ صریح صاف اور واضح عبارت ہے ایسے ہی صاف فرما دیتے عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِیْفَتُهٗ بِلَافَصْلٍ

جب کہ یہ عقیدہ کا مسئلہ تھا جس کو صریح عبارت میں ادا فرمانا تھا تا کہ کسی کے دل میں اشتباہ واقع نہ ہو۔ صریح عبارت عقائد میں نہ استعمال کرنا اور عقیدہ کی بات اشارہ کنایہ میں بولنا اللہ تعالیٰ کے کلام کا انداز نہیں دیکھو کیسے صاف انداز میں توحید بتائی مثلاً

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔

لَاتَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

اور رسالت کے متعلق صریح فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

اور قیامت کے متعلق صراحۃً حلفیہ طور پر فرمایا

قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

اور جس انداز سے مجیب نے اصول خمسہ ثابت بلکہ کشید کیے ہیں ایسے اور کئی اصول ثابت کیے جا سکتے ہیں اگر عدل کا اس آیت سے اصول ہونا ثابت ہوتا ہے تو قرآن، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا دوسری آیتوں سے اصول ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے جیسے

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِىْ اَنْزَلْنَا،

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا تو چاہئے کہ اصول دین پانچ میں منحصر نہ ہوں بلکہ اصول دین یہ سب ہوں مثلاً

١ ایمان باللہ

٢ ایمان بالرسول

٣ ایمان بالملائکہ

٤ ایمان بالقرآن

٥ ایمان بالکتب السماویہ

٦ ایمان بالیوم الآخر

٧ ایمان بالصلوٰۃ اقامۃِ الصلوٰۃ

٨ وایتاء الزکوٰۃ

٩ جہاد فی سبیل اللہ (فقاتل فی سبیل اللہ)

١٠ احسان۔

١١ اِیْتَاءِ ذی القربیٰ۔

نیز آپ لوگ جہاد کو اصول دین میں کیوں شمار نہیں کرتے جب کہ اللہ کا حکم ہے

وجاھد وافی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم۔

پھر امر سے امامت سمجھنے کا کونسا قرینہ ہے جب کہ امر کا اطلاق دین پر عام شائع ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِ نَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنی جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکال ڈالے جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود

ہے۔اور دوسری روایات میں دینیـــا کی تصریح بھی آئی ہے۔تو اس معنی کی رو سے آیت کا مطلب واضح ہے کہ جو امـر دین والے ہوں یعنی دین کے ماہر ہوں قرآن وسنت کے عالم اور عامل ہوں تو ان کا کہا مانو۔اب امــر کے مفہوم میں کم از کم اشتباہ تو پیدا ہو گیا تو احتمال کئی امور کا ہوا اور اصولی قاعدہ ہے اذاجـــاء الاحـتـمــال بـطـل الاسـتـدلال تو اس سے استدلال کرنا ٹھیک ہی نہ ہوا۔

پھر یہ دعوی کہ ائمہ اثنا عشر معصوم ہوتے ہیں یہ دعوئی بلا دلیل ہے اس کے لئے قطعی الثبوت قطعی الدلالت ثبوت کی ضرورت ہے اور وہ دلیل یا تو قرآن سے معلوم ہوگی یا حدیث متواتر سے یا اجماع امت سے

1. اب ظاہر ہے کہ ائمہ معصومین کی عصمت قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہے
2. اور ائمہ کی عصمت کے بارے کوئی متواتر حدیث بھی نہیں
3. ائمہ کی عصمت پر امت کا اجماع بھی نہیں

اور جو امامت ائمہ کے قائل ہیں ان میں بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

1. کوئی امام حسن کو ائمہ میں شمار کرتے ہیں اور کوئی نہیں شمار کرتے۔پھر
2. کوئی محمد بن حنفیہ کو امام مانتے ہیں کوئی نہیں مانتے۔پھر
3. کوئی تو موسی کاظم کو امام مانتے ہیں کوئی ان کی جگہ اسمٰعیل کو امام مانتے ہیں۔پھر کوئی موسی کاظم کے بعد
4. کوئی تو علی بن موسی رضا کو امام مانتے ہیں کوئی محمد بن اسماعیل کو اور
5. کوئی احمد بن موسی کو۔کوئی موسی کی جگہ عبداللہ بن جعفر کو اور پھر

۶ کوئی اسحاق بن جعفر کو۔ تو کوئی محمد بن حنفیہ کے بعد ابو ہاشم کو اور پھر

۷ کوئی اس کی اولاد کو۔

قرآنی ثبوت ان میں سے کسی کے پاس نہیں اور نہ ہی کوئی حدیث متواتر دکھا سکتا ہے تو اب ایسے اختلافات کے ہوتے ہوئے اجماع کا قول کس طرح کیا جا سکتا ہے اور ان مختلف ائمہ میں سے کس کو قطعی طور پر امام معصوم عن الخطاء کہہ سکتے ہیں۔

نیز کیا حضرت حسینؓ اور ان کی اولاد ہی اہل بیت سے ہیں یا حضرت حسنؓ کی اولاد بھی اہل بیت سے ہے اگر وہ بھی اہل بیت سے ہیں تو ان کی عصمت کیوں مسلم نہیں اور صرف حضرت حسینؓ کی اولاد میں عصمت کیوں بند ہے؟

اور پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ عصمت نبی و ائمہ اہل بیت کے غیر میں نہیں پائی جاتی اس کے لئے بھی قرآنی دلیل یا حدیث متواتر کی ضرورت ہے۔

سوال ۷ اہل سنۃ کے مفسرین علامہ زمخشری:۔

جواب یہ اہل سنۃ میں سے نہیں بلکہ اہل اعتزال میں سے ہے۔

سوال ۸ وہ (شیعہ) سوائے معصوم عن الخطاء کے کسی کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے۔

جواب اب جب کہ امام منتظر مخفی ہے تو اب مسائل پیچیدہ کا حل کس طرح ہوگا جب کہ تمہارے نظریہ کے مطابق معصوم عن الخطاء کے سوا کسی کی اطاعت مسلّم نہیں۔

سوال ۹ آیت مجیدہ میں نیک یا بد حاکم کی کوئی تشریح ہی نہ ہے۔

جواب قرآن مجید کی تشریح حدیث ہے جس میں بروایت حضرت علیؓ فرمان نبی ﷺ ہے کہ لَاطَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ. حجۃ الوداع میں نبی پاک ﷺ

نے فرمایا تھا جو تم کو کتاب اللہ کے موافق چلاوے تو اس کی مانو اور اطاعت کرو۔

سوال ۱۰ بیشک شیعہ کسی ایسی امامت وخلافت کے قائل نہیں ہیں کہ عوام مل جل کر امام یا خلیفہ منتخب کرلیں۔

جواب ۱ امام خمینی کو کیوں کر منتخب کیا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے منتخب کیا؟ یا عوام نے؟ بلکہ وہ اُسے ایسا منصب سمجھتے ہیں جس کا تقرر خداوند تعالیٰ یا اس کا نبی یا رسول فرمائے اب ان ائمہ معصومین کا تقرر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا نہیں ورنہ ان کے نام دکھاؤ جیسے سائل نے سوال میں کہا ہے۔

جواب ۲ اور اگر نام ہوتے تو شیعہ کے اختلافات اماموں کے بارے نہ ہوتے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اگر تقرر فرمایا ہے تو وہ بھی براہ کرم حدیث متواتر کے ساتھ ثابت فرمائیں یا اجماع امت سے ثابت کریں۔

سوال ۱۱ مسئلہ امامت وخلافت کو بلوری وضاحت سے یوں بیان فرمایا ہے تا کہ کوئی الجھن نہ رہے ارشاد ہوتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الآیۃ)

جواب کیا اس آیت کریمہ میں ائمہ معصومین کے نام ذکر ہیں؟ ہاں اوصاف ذکر ہیں جن میں سے

(۱) پہلی صفت ایمان باللہ ہے جو ائمہ معصومین میں پائی جاتی ہے کیا خلفاء ثلٰثہ اس وصف سے محروم تھے کیا وہ مرتد تھے بتوں کو پوجتے تھے؟

(۲) دوسری صفت عمل صالح جو ائمہ معصومین میں پائی جاتی ہے کیا خلفاء ثلٰثہ اس وصف سے محروم تھے؟ کیا وہ معاذ اللہ سود خور مرتشی تھے ڈاکو چور تھے زانی یا قاتل تھے؟

3 تیسری وصف کہ اللہ تعالیٰ ان کو خلیفہ کرے گا زمین میں۔ کیا ائمہ معصومین سے کوئی ایک بھی خلیفہ ہوا ہے سوائے حضرت علی و حسن بن علیؓ کے؟

4 چوتھی وصف جیسا کہ پہلوں کو خلیفہ کر چکا ہے۔ کیا پہلوں کو خلیفہ اسی طرح کیا تھا کہ زمام حکومت تو مرتدوں کے ہاتھ میں ہوا اور وہ خلفاء تقیہ کرکے زیر سایہ حکومت چپ چاپ بیٹھے رہے ہوں۔

5 پانچویں وصف کہ محکم کرے گا ان کے واسطے ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند کیا۔ کیا محکم کرنے کا یہی مطلب ہے کہ

1 دارالخلافہ مدینہ پاک چھوڑ کر کے حجاز سے نکل گئے عراق میں جا ڈیرہ لگایا۔

2 بقول روافض متعہ جیسی پاک عبادت کو اپنے دور حکومت میں رائج نہ کر سکے اور

3 تراویح جیسی بدعت قبیحہ شنیعہ کو مٹا نہ سکے اور

4 جہاد کر کے کفار کے ملک کا ایک گاؤں بھی فتح نہ کر سکے۔

5 اور تھوڑے سے وقت (تقریباً ۵ سال) باہمی تین لڑائیاں ہوئیں جس میں ۸۶ ہزار فوج مسلمین کی کام آئی۔ کیا یہی استحکام ہے۔

6 چھٹی وصف ان کے خوف کے بعد ان کو امن میں بدل دے گا۔ کیا آپس میں خانہ جنگی امن ہے اپنوں میں سے بہتوں کا خروج کر کے اپنی جماعت علیحدہ بنا لینا جس کی وجہ سے جنگ کی نوبت پہنچ جائے اسی کا نام امن ہے؟ باغیوں کے ساتھ صلح کر لینے کا نام امن ہے؟ آخر کار جام شہادت نوش فرمانا امن کی حالت میں ہوا تھا۔

نیز حضرت علیؓ سے حسن عسکری تک کونسا امام ہوا ہے جو امن کی حالت میں رہا ہو اور اپنی موت سے مرا ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ سب نے جام شہادت نوش فرمایا اور زندگی چین سے کسی کی نہیں گزری تھی ہاتھ پاؤں بہت مارے حکومت نہ ملی۔

⑦ ساتویں شرط ہے وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے کیا خلفاء ثلثہ میں سے کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا۔ لات، عزیٰ، منات، کی پوجا کی یا ودسواع، یعوق، یغوث، نسر، کی پوجا کی یا عیسی ابن مریم، روح القدس، کی پوجا کی یا عزیر، موسیٰ، کو حاجات میں پکارا کیا نماز نہیں پڑھتے تھے روزے نہ رکھتے تھے یا اسلام کا کونسا کام ہے جسے انہوں نے چھوڑا ہو کیا جہاد نہ کر گئے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ سب اوصاف خلفاء میں بوجہ اتم پائے جاتے ہیں دین اسلام کو دور دور تک پھیلایا کفار مشرکین و یہود و نصاریٰ کی حکومتوں کو ختم کر کے وہاں اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرایا مساجد بنائیں منبر بنائے قرآن مجید کے نسخے دوسرے ممالک میں لکھ لکھ کر بھیجے قرآن وسنت کو ہر طرح لوگوں تک پہنچایا وغیر ذلک من الفضائل۔

سوال ۱۲ نبی یا رسول ﷺ جسے امامت وخلافت کے لئے منتخب فرمائیں وہ بالواسطہ کہا جاتا ہے اور جسے خداوند تعالیٰ فرماوے اسے بلاواسطہ کہا جاتا ہے

جواب جیسے امامت کے بارے کہتے ہو کہ خدا منتخب کرتا ہے ایسے ہی ملوکیت کو بھی خداوند تعالیٰ ہی منتخب فرماتا ہے جیسے فرمایا وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا ۔ موسیٰ

علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا بھائیو تم پر اللہ کی نعمت جو ہوئی ہے اسے یاد کرو جب کہ اللہ نے تم میں پیغمبر بنائے اور اللہ نے ہی تم کو بادشاہ بنایا اسی طرح وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے واسطے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔

پھر اس سے لازم آتا ہے۔ بزعم شیعہ بادشاہ بھی معصوم عن الخطاء ہوں۔

امام کا مفہوم اہلسنت والجماعت کی نظر میں

امام اسم آلہ ہے بروزن فعال بمعنے من یو تم بہ (جس کی پیروی کی جائے یا جس کا قصد کیا جائے۔ جیسے نماز کسی امام کی اقتداء میں پڑھتے ہیں اسی کی پیروی کرتے ہیں۔

لفظاً واحد مذکر ہے مگر جمع کے موقع پر بھی امام کا لفظ بولا جاتا ہے اور ائمہ بھی استعمال ہوتا ہے مؤنث پر امام بولتے ہیں اور کھلا راستہ کو امام مبین کہتے ہیں۔ لوح محفوظ اور صحیفۂ اعمال پر امام کا اطلاق کیا گیا ہے کہ جیسے اس میں تحریر ہوگی اسی کے مطابق جزاء سزا ہوگی۔ تمام صحابہؓ امت محمدیہ کے امام ہیں ان کی پیروی کرنا امت کا فرض ہے۔

خصوصاً خلفائے راشدین جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین

میرا طریقہ اور خلفاء راشدین کا طریقہ لازم کر پکڑو اور ان میں ثانی اثنین یار غار و مزار ابوبکر صدیقؓ جو مردان امت میں اول المؤمنین ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے خود اپنے مصلے پر کھڑا کر گئے تھے اور سترہ نمازیں ان کی اقتداء میں پڑھیں اور نماز وہ عمل ہے جس کا مقام تمام اعمال حسنہ میں اول ہے پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے خود ہی حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے متعین کیا تھا۔

خلافت کی وراثت

بقول تاریخ امامت کے قائل حضرات بھی تو اسے خاندانی وراثت ہی تصور کرتے ہیں مثلاً

۱۔ اسماعیلیہ میں حضرت علی سے لے کر موجود پرنس کریم آغا خان ہی کو اپنا پچاسواں حاضر امام تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ بوہروں میں ملا نجم الدین کو اپنا حاضر امام تصور کرتے ہیں۔

۳۔ کیسانیہ میں محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کو ہی امام تسلیم کیا جاتا ہے۔

۴۔ یمن کے زیدیوں میں زید بن علی عابد اور ان کی اولاد کو ہی امام تسلیم کیا جاتا ہے۔

۵۔ اثنا عشریوں میں بھی حضرت علی سے لے کر حسن عسکری تک ہی کو امام اور خاندانی خلافت کا حق دار تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت حسن بن علی نے اپنی خاندانی خلافت کو دارالحکومت کوفہ میں عوامی خزانہ سے ۲ کروڑ درہم نقد اور گیارہ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ کے عوض ربیع الاول ۴۰ھ میں حضرت معاویہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔

امامت کا مفہوم

پھر بحث یہ ہے کہ امامت کا کیا مفہوم ہے؟ سو شیعہ کا آپس میں اس بارے میں بہت اختلاف ہے چنانچہ

1. غالی شیعہ کہتے ہیں کہ امامت حکومت کو کہتے ہیں کہ احکام اوامر نواہی جاری کیے جائیں اور یہ ایک شان ہے الوہیت کی۔
2. بعض شیعہ کہتے ہیں کہ امامت نام ہے نیابت پیغمبر کا دینی و دنیوی امور میں۔
3. زیدیہ فرقہ کہتا ہے کہ امامت میں نہ نص شرط ہے نہ عصمت نہ افضلیت بلکہ تلوار اور اظہار امامت کے ساتھ خروج کرنا "مدہ شرط امامت کی ہے۔
4. نزاریہ (اسماعیلی شیعہ کا فرقہ) کہتے ہیں امام کے لئے عصمت شرط نہیں نہ اس کو فروعات شرع کا مکلف کہتے ہیں چاہے زنا کرے چاہے اغلام چاہے شراب پیئے سب جائز ہے۔

جب امامت کا مفہوم ہی شیعہ کے ہاں متعین نہیں ہوسکا تو کس کی بات تسلیم کریں۔

سوال ۱۳ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو اس جملہ میں ایک مسئلہ خاص کا حکم ہوا ہے۔

جواب اس آیت مجیدہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ پہنچا دے جو کچھ کہ اتارا گیا ہے تیری طرف۔ اس میں ما عموم کیلئے ہے کہ جو کچھ بھی آپ کی طرف اترا ہے وہ سب ہی پہنچا دے۔ اس عموم کے لفظ سے بلا قرینہ صارفہ کے خصوص مراد لینا لسانی قانون کے خلاف ہے اور پھر اس خاص مسئلہ کی تعیین ایک من گھڑت

قول سے کر لینا بڑا جرم ہے۔ من گھڑت اس کو اس لئے کہا کہ محققین علماء نے اس کو رد کیا جیسے ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے اَمَّا قَوْلُہٗ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کتب صحاح میں نہیں ہے بخاری و ابراہیم حربی و دیگر علماء حدیث نے اسے ضعیف کہا اور ابن حزم نے بھی کہا کہ ثقہ راویوں کے طریق سے مروی نہیں۔ ابن حجر مکی نے کہا ابو داؤد سجستانی و ابو حاتم رازی جیسے محدثین نے بھی اس پر طعن کیا۔

۲ دوسرے مولیٰ کے معنے حاکم کسی لغت میں نہیں۔

۳ تیسرے اس آیت کا غدیر خم کے دن نازل ہونا ہی غلط ہے یہ آیت تو غدیر خم سے بہت پہلے اتر چکی تھی اور یہ مدینہ میں اتری تھی جب کہ عبداللہ بن ابی منافق زندہ تھا۔ اور شیعہ کی کتاب کافی کلینی ص ۱۷۸ میں لکھا ہے کہ یہ آیت بروز جمعہ میدان عرفات میں اتری۔

۴ چوتھے اس میں تصریح نہیں ہے کہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلافصل جیسے شیعہ لوگ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی طرح پڑھتے ہیں اگر یہ عقیدہ کا اہم مسئلہ اور اصول دین میں سے تھا تو اس کا ذکر صراحت کے ساتھ ہونا تھا نہ کہ اشارے کنایہ سے ہوتا تھا۔

سوال ۱۲ اس سے قبل ہزار مسائل کی تبلیغ ہو چکی ہے الخ

جواب اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس مسئلہ کی تبلیغ کرنی ہو ایک دفعہ تبلیغ کرنے سے فرض ادا ہو گیا بار بار ایک ہی مسئلہ کو دہرانا ٹھیک نہیں۔ یہ فرمائیں کہ

۱ نماز کے بارے جو بار بار حکم اتر تا رہا ہے یہ اسی لئے اترتا رہا کہ حضور اکرم ﷺ معاذ اللہ چھپائے رکھتے تھے

۲ اسی طرح زکوۃ دینے کا حکم کئی بار ہوا۔

۳ اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول کئی بار قرآن میں آیا۔کیا تاکید کے لئے تکرار ٹھیک نہیں۔یہاں بھی یہی حکم ہے کہ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ کو پہنچاتے رہو۔نئے نئے اسلام لانے والوں تک بھی پہنچادو۔اپنا وظیفہ جاری رکھو

سوال ۱۵ بعض لوگ جو اولوا الا مرمنکم کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ وہ صاحبان امر یعنی حکام یا بادشاہ جو مسلمانوں میں سے ہوں ان کی اطاعت فرض ہے تو وہ کیا کریں گے۔جب وہ فاسق وفاجر ہوں۔

جواب سو وہ لوگ وہی کہیں گے جو حضرت امام علیؓ نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے روایت فرمائی ہے کہ لا طاعة للمخلوق فی معصية الخالق .انما الطاعة فی المعروف .

رہا عطف ''اولی الامر'' کا ''الرسول'' پر سو اس میں معطوف و معطوف علیہ کا ہر بات میں مماثلت ضروری نہیں ہے صرف جنس یا نوع میں مماثلت چاہیے کیت و کیفیت میں مماثلت ضروری نہیں اور عصمت کیفیت کے قبیل سے ہے نیز دیکھو کلیات ابوالبقاء۔عصمت کی شرط لگانا ذہنی اختراع ہے قرآن شریف میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے بلکہ قرآن کریم سے اولوالامر کا معصوم نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس سے نزاع کی اجازت دی گئی ہے کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ (الآیۃ) ہے کہ در صورت

شیعہ مذہب شریعت "اولوا الامر" سے نزاع جائز ہے جو عصمت کے منافی ہے اور رسول سے نزاع کسی حال میں جائز نہیں کیونکہ رسول معصوم ہوتا ہے۔ نہ کتاب اللہ سے نزاع جائز ہے۔

اور بعد نبی پاک ﷺ کے کسی کو معصوم مفترض الطاعۃ ماننا در اصل ختم نبوت کا انکار ہے۔

سوال ۱۶ جناب سائل جو اہل سنت مکتب فکر سے تعلق رکھنے کے باوجود حدیث رسالت مآب ﷺ سے بے رخی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔

جواب مسئلہ عقیدہ کا ہے جیسے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه ـ مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ـ ثُمَّ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ وغیرہ صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے سائل کا سوال یہ ہے کہ اسی طرح مسئلہ امامت صراحت کے ساتھ قرآن میں کہاں ہے کہ عَلِيٌّ خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِلَاقَصْلٍ ۔ آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں تو یہ مسئلہ توحید و رسالت و معاد و جہاد کی طرح کہیں ثابت نہیں۔ البتہ ہم شیعہ لوگوں کی کتابوں میں امامت کی حدیثیں ہیں۔ اگر یہ کہہ دیں تو سائل کو جواب صاف صاف مل جاتا۔

سوال ۱۷ کیا وہ کتاب اللہ سے بتا سکیں گے کہ اس آیہ مبارکہ کا شان نزول کیا ہے؟

جواب قرآن مجید شان نزول کا محتاج نہیں ہے قرآن بغیر شان نزول کے حل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ہاں عملی صورت کی جہاں بات ہوتی ہے وہ عمل نبی اکرم ﷺ پر چھوڑا گیا صرف

اقیموا الصلوٰۃ فرمادیا اور عمل کر کے حضور اکرم ﷺ نے نماز پڑھنا دکھادیا اور فرمایا صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ یعنی نماز پڑھو جیسے تم مجھے دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں، اسی طرح روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، نکاح وغیرہ احکامات۔

سوال ۱۸ بقول مفسرین ومحدثین اہلسنت یہ آیت شریفہ غدیر خم کے مقام پر ولایت حضرت علیؓ بن ابی طالب کی تبلیغ کے لئے نازل ہوئی الخ

جواب ۱ یہ شان نزول واحدی کا بیان کردہ ہے۔ جس کو سند کے ساتھ مفسرین ومحدثین نے نقل فرمایا اور اس میں راوی کذاب ہیں اور کئی کثیر الغلط ہیں واحدی خود حاطب لیل ہے صحیح غلط کا امتیاز نہ کرتا تھا۔ کلبی کذاب ہے۔ ابوبکر بن عیاش کثیر الغلط ہے اس کے بعد جو علامہ رازی نے اس کا رد کیا ہے اس کو کیوں نہیں نقل کیا۔ تمہاری مثال تو ان یہود کی سی ہوئی کہ تورات لا کر رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اوپر نیچے سے پڑھنے لگ گئے تھے اور نبی کریم ﷺ کو کہہ دیا دیکھو لو رجم کی آیت ہماری تورات میں نہیں ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا یہ ہاتھ کیوں رکھ رکھا ہے ہاتھ ہٹا۔ یہ پڑھ کیا لکھا ہے۔ ہاتھ اٹھایا نیچے رجم کی آیت موجود تھی۔

جواب ۲ نیز آیت کے شان نزول میں مفسرین نے دس قول نقل کیے ہیں آپ بتائیں کہ کونسی حجت قویہ آپ کے پاس ہے۔ جس سے ثابت ہو کہ باقی اقوال جھوٹے ہیں اور صرف یہ قول سچا ہے جب بقول امام رازیؒ آیت کا سیاق وسباق بتارہا ہے کہ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے مکر کے بارے اتری ہے (ص ۴۹/۱۲ وص ۵۰/۱۲ رازی)

آیۃ. اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ کے نزول کے بارے اختلاف ہے۔

پھر اس سے مراد یا تو ۱۔ عامۃ المومنین ۲۔ معین شخص ابو بکر۔ ۳۔ علیؓ

پھر ولی لفظ مشترک ہے ایسے الفاظ سے دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا امام رازی نے اس پر بحث کی ہے

نوٹ: یاد رہے کہ غدیر خم کی احادیث شیعہ راویوں کی وضع کردہ ہیں جن میں سے سالم بن ابی حفصہ ابو یونس، عبداللہ بن عبدالقدوس سعدی۔ اصبغ بن نباتہ، جعفر بن سلیمان ضبعی، حارث بن حصیرہ، تلید بن سلیمان محاربی، محمد بن فضیل جو جلا بھنا شیعہ تھا (ابو داؤد) غالی شیعہ تھا (ابن حبان) عطیہ۔ عدی بن ثابت، علی بن زید، یزید بن ابی زیاد، سلمہ بن کہیل، شیعہ تھے

جواب ۳ پھر اس آیت کے شان نزول کے بارے خود کلینی نے اپنے اصول ص ۱۷۸ میں لکھا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نہیں اتری بلکہ عرفات کے میدان میں اتری ہے۔ تو جب اذا تعارضا تساقطا۔ لہٰذا نہ کلینی کی بات کہ یوم عرفہ میں یہ فرمان اترا صحیح ہوئی نہ خم غدیر کہنے والوں کی بات ٹھیک ہوئی۔

سوال ۱۹ مسند احمد کا حوالہ

جواب ۱ یاد رہے مسند احمد جو امام احمد بن محمد بن حنبل نے خود اپنے ہاتھ سے لکھی ہے وہ بہت مختصر سی ہے اس کے بعد ان کے صاحبزادہ نے کچھ احادیث کا اضافہ کیا اس کے بعد پھر ابو بکر قطیعی نے کئی اضافے کیے جس سے کتاب کا حجم بڑھ گیا اور اہمیت گھٹ گئی اس میں کئی حدیثیں ضعیف ہیں اور کئی منکر۔ لہٰذا وہ مستند نہ رہی۔ پھر

اس سے حوالہ پیش کرنا اسی کا کام ہے جو خود غیر معتبر ہو۔

جواب دوسرے یہ کہ اس میں صریح عبارت جس سے عقیدہ بلوری وضاحت کے ساتھ معلوم ہو جائے نہیں ہے اس حدیث میں کوئی نہیں کہ عَلِیٌّ خَلِیْفَتِیْ مِنْ بَعْدِیْ بِلَافَصْلٍ یا لَاخَلِیْفَةَ بَعْدِیْ اِلَّاعَلِیٌّ وَوَلَدُہٗ اس میں جو لفظ مولی ہے وہ لفظ مشترک ہے اس کے ۱۴ معنے علماء لغت نے لکھے ہیں اس میں سے

1. حاکم معنے کشید کرنا غلط ہے کیونکہ مولی کے معنے حاکم کسی لغت میں نہیں۔
2. عبارت کے سباق وسیاق کے خلاف ہے
3. اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہٗ یہ معنے حاکم کی تردید کرتا ہے اور دوست کے معنے کی تائید کرتا ہے اور عَلٰی سَبِیْلِ التَّسْلِیْمُ ایسے محتمل المعانی لفظ سے استدلال باطل ہے کیونکہ اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ۔
4. پھر یہ حدیث ہے جو خبر واحد ہے قرآن کا مقام نہیں رکھتی کیونکہ قرآن قطعی ہے اور حدیث ظنی۔

سوال ۲۰ کم و بیش تیس صحابہ کرام سے یہ روایت منقول ہے۔

جواب:

1. ان ۳۰ صحابہ کا نام بتا سکتے ہیں؟
2. جب آپ کے عقیدہ کے مطابق سب مرتد ہو گئے تھے تو مرتد کی روایت کا کیا اعتبار؟

③ اس حدیث کو سقیفہ بنی ساعدہ میں بطور دلیل کے کیوں نہ پیش کیا گیا۔

④ چوتھے اس روایت کی کل سندیں ہیں ایک میں اسفندیار بن موفق ہے جو غالی شیعہ تھا (لسان المیزان ص ۳۸۷/۱) ایک راوی حسین بن محمد بن خسرو بلخی معتزلی تھا (ص ۳۱۲/۲) خالد بن عامر بن عیاش جس کا کوئی متابع نہیں (۳۷۹/۲) اسی طرح اور اسانید کا حال ہے۔

⑤ پانچویں اس حدیث کو میدان عرفات میں سنانے کا موقع تھا جہاں لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ پھر طواف صدر کے بعد بعض وہیں رہے۔ یمنی یمن کو چلے گئے جدہ والے جدہ کی طرف طائف والے طائف کی طرف پھر مدینہ کی طرف جاتے ہوئے جہاں جہاں کسی کا راستہ جدا ہوتا تھا وہ اپنے اپنے رستہ سے اپنے مقام پر پہنچنے کے لئے الگ ہوتے گئے پھر غدیر خم میں جب کافی تعداد میں مجمع چھٹ چکا تھا اس اعلان کا کیا فائدہ رہا جس سے بکثرت مسلمان محروم رہے حالانکہ تمہارے زعم میں یہ اصول دین میں سے تھا جس پر عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر فرض تھا اب یہ عقیدہ غیر حاضروں تک پہنچایا نہ اگر نہیں پہنچا تو اصول میں سے اس اصول پر ایمان نہ ہوا تو مومن ہوئے؟ اور اگر ان کو یہ عقیدہ پہنچا تو کس ذریعہ سے پہنچا معصوم کے ذریعے یا غیر معصوم کے ذریعے اگر معصوم کے ذریعے پہنچا تو اس وقت معصوم صرف یہی تھے (کیوں کہ حضرت حسن حضرت حسین تو بچے تھے اور بہت ہی چھوٹے تھے) کیا کوئی ثبوت ہے کہ اس اعلان کو پہنچانے کے لئے نبی پاک ﷺ اور حضرت علیؓ ان کے علاقہ میں ہر ہر شہر میں ہر ہر گھر میں

گئے۔ اگر آپ نہیں گئے اور غیر معصوم کے ذریعے یہ پیغام پہنچایا تو آپ کے عقیدہ کے مطابق غیر معصوم کی اطاعت جائز نہیں اس لئے ان لوگوں نے غیر معصومین کی بات مانی ہوگی۔ اب مسلمان ہوئے یا کافر۔ اگر وہ لوگ باوجود اس کے ایک اصل دین پر ایمان نہ رکھنے کے مسلمان ہیں تو کیوں؟

مجیب نے اپنی طرف سے بلوری وضاحت قرآنی کا دعویٰ کیا اور قرآنی آیات سے عصمت ائمہ اور حضرت علی کا خلیفہ بلافصل ثابت بتایا پھر، خلافت وامامت ائمہ اثنا عشر کا عنوان قائم کر کے اپنی گذشتہ توصفہ کی لکھی ہوئی تحقیق پر ناز کر کے کہتا ہے سائل کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت بلافصل کے علاوہ گیارہ ائمہ کی امامت وخلافت کا قرآن حکیم سے ثبوت بمعہ قید اسماء کے پیش کریں۔ قرآن حکیم نے تمام مسائل کا حل فرما دیا ہوا ہے اور تدبر وتفکر سے انہیں سمجھنے کی دعوت دی ہے۔

مجیب نے تو اپنے زعم میں تمام مسائل کا حل کر دیا ہے مگر سائل کہتا ہے کہ میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔ اب میرا آخری سوال قرآن مجید سے جو حل کیا جائے گا وہ بھی میرے پلے کچھ نہیں پڑے گا۔ مگر کوشش کروں گا شاید مجیب صاحب بارہ اماموں کے نام قرآن مجید میں سے دکھا دیں تو مجیب صاحب اپنے پہلے بلوری وضاحت کی طرح اس مسئلہ کی وضاحت بھی قرآن شریف سے کرتے ہیں۔ چنانچہ تحریر کیا۔

ارشاد ربانی ہوتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلاً شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً "ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے"

جواب اس تشبیہ سے مسئلہ نکالا بارہ اماموں کا۔ مگر اس چیز کا کیا ثبوت ہے کہ تشبیہ بارہ خلیفہ ہونے میں ہے۔ کیا قطعی دلیل اسی طرح کی ہوتی ہے کوئی کہے۔

1. کہ پہلے خلیفے حضرت موسیٰؑ کے حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے کیا حضرت علی کو حضور اکرم ﷺ اپنی زندگی میں خلیفہ بنا گئے پھر زندگی ہی میں حضرت علی فوت ہو گئے تھے؟
2. پھر حضرت موسیٰؑ کے سگے بھائی تھے حضرت ہارون کیا حضرت علی حضور اکرم ﷺ کے سگے بھائی تھے؟
3. پھر حضرت موسیٰؑ چھوٹے تھے اور ہارون بڑے تھے کیا حضور اکرم ﷺ بھی حضرت علیؓ سے چھوٹے تھے۔
4. پھر حضرت موسیٰؑ فرعون قبطی کے گھر رہے تھے جو بنی اسرائیل کا دشمن تھا اور حضرت علی حضرت رسول اللہ کے گھر میں پلتے رہے۔ جو چچازاد بھائی تھے۔
5. پھر حضرت ہارون پیغمبر تھے کیا حضرت علی بھی پیغمبر تھے؟
6. پھر حضرت ہارون کی اولاد کو خلافت نہیں ملی بلکہ خادم موسیٰؑ یوشع کو خلافت ملی۔ اور نبی اکرم ﷺ کے خلیفے بزعم شیعہ علی تھے جس کے بعد خلافت علی کے دو بیٹوں میں سے پہلے حسن کو پھر حسین کو ملی۔ تو مماثلت صرف بارہ میں دیکھ کر مسئلہ خلافت بارہ اماموں میں چسپاں کرنا کتنی جسارت ہے جب کہ یہ سب امام علی کی اولاد۔۔

اولاد ہیں اور حضرت موسیٰ کے خلفاء کا یہ حال نہ تھا۔

نیز وہ پیغمبر تھے اور یہ پیغمبر نہ تھے

نیز قرآن شریف میں ہر پیغمبر کے بعد ۱۲ خلفاء ہونے کا قاعدہ نہیں لکھا صرف حضرت موسیٰ کے بعد یہ ذکر فرمایا اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ۱۲ خلیفے ضرور ہی ہوں گے اور تشبیہ صرف ۱۲ خلیفوں کے ہونے میں ہے جب کہ ۱۲ انقباء کے ذکر کے بعد یہ نہیں فرمایا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ۱۲ خلفاء ہوں گے اور حضرت علی کی اولاد میں سے ہوں گے اور ان کے یہ یہ نام ہوں گے نیز کوئی کہہ سکتا ہے کہ ٹھیک ہے وہ بارہ خلفاء یہ ہوئے ہیں ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ حسنؓ معاویہؓ یزیدؓ مروانؓ عبداللہؓ بن زبیرؓ عبدالملکؒ بن مروان عمرؒ بن عبدالعزیز جو پہلی صدی میں گزر چکے ہیں اب اس کی آپ قرآن پاک کی آیات سے کس طرح تردید کرو گے کیونکہ قرآن مجید میں نہ نام ان کا ہے نہ نام ان کا۔ آپ اپنے دعویٰ کو کس طرح ثابت کرو گے جب مذکورہ بالا لوگوں نے واقعی طور پر حکومتیں اور خلافتیں بھی کی ہیں تاریخ بھی گواہ ہے اور مسلم وغیر مسلم سب میں مسلّم ہیں اور تھے بھی نسل ابراہیم نبی سے اور الائمۃ من قریش جو فرمایا ہے قریش بھی تو نسل ابراہیم رسول سے ہیں۔

جواب ۲ اور تشبیہ دلائل قطعیہ میں سے نہیں ہے اہل معقول تمثیل و استقراء کو دلائل ظنیہ میں شمار کرتے ہیں۔ برہان نہیں جو قطعی دلیل ہوتی ہے جو ان قضایا سے مرکب ہوتی ہے جو قطعی ہوتے ہیں مثل قضایا فطریہ و جدانیات، حدسیات، مشاہدات

متواترات اولیات کے اور عقیدہ مثالوں سے ثابت نہیں ہوتا۔ عقیدہ تو دلائل قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہاں تو تمثیل بھی نہیں نہ کوئی لفظ تمثیل کا ہے اور وجہ تشبیہ کی وجہ جامع بھی صراحۃً نہیں ہے ہر کوئی اپنے اپنے فہم کے مطابق وجہ شبہ کی بیان کر سکتا ہے جس طرح مرزا قادیانی بھی یہی آیت انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ہی پڑھ کر اپنا مدعا ثابت کرتا ہے۔

اصل مطلب تو آیت کریمہ کا واضح ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو توحید کے مسئلہ کی شہادت دیتا ہے تم پر جس طرح ایک رسول ہم نے فرعون کی طرف بھیجا تھا یعنی موسیٰ ؑ نے بھی فرعون کو مسئلہ توحید سمجھایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تمہاری طرف مسئلہ توحید سمجھانے کے لئے بھیجا ہے۔ یہاں سے خواہ مخواہ ۱۲ خلفاء کا مسئلہ کشید کرنا تلعب بالقرآن (کھیل بنانا) ہے دین نہیں ہے

سوال ۱۲ حضرت موسیٰ ؑ کو حضرت ہارون ؑ وزیر عطا فرمایا جو بھائی اور اہل بیت تھا شریک امر و مددگار تھا الخ

جواب حضرت ہارون ؑ حضرت موسیٰ ؑ کے بڑے بھائی تھے اور سگے بھائی تھے بخلاف حضرت علی ؓ کے کہ سگے بھائی نہ تھے بلکہ چچا زاد بھائی تھے پھر جب حضرت کو نبوۃ ملی تو اس وقت حضرت علی ۵ سال کے تھے ۵ سالہ بچہ شریک امر و مددگار کیسے ہو سکتا ہے پھر حضرت علی ؓ حضور اکرم ﷺ کے داماد تھے اور ہارون ؑ موسیٰ ؑ کے داماد نہ تھے

سوال ۲۲ جس نے تمام بوجھ بدر احد۔۔۔۔تک کے لئے اٹھائے۔

جواب کیا دوسرے صحابہ ان لڑائیوں میں چوڑیاں پہنے کھڑے رہے تھے۔عفراء کے وہ دو بیٹے ان کو بھول ہی گئے جنھوں نے ابو جہل جیسے بڑے کبر کو گرایا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی گردن کاٹی تھی جیسے حضرت داؤدؑ نے جالوت جیسے کبر کو قتل کیا جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا وقتل داوٗد جالوت حالانکہ دوسری فوج نے بھی بڑے کارنامے دکھائے تھے مگر کبر کو مارنے والے کا تذکرہ خصوصیت سے کیا۔تو چاہیے تو یہ تھا کہ عفراء کے دو بیٹوں کو ذکر کیا جاتا مگر ان کا نام تک تم نہیں لیتے اور حضرت علیؓ ہی ذکر کرتے ہو

سوال ۲۳ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے حدیث رسالت مآب ﷺ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جواب ٹھیک ہے کہ جہاں کلام اللہ کی تشریح کی ضرورت ہو وہاں حدیث کے محتاج ہیں جیسے اقیموا الصلوۃ میں حدیثی تشریح کی ضرورت ہے اور آتوا الزکوۃ میں حدیثی تشریح کی ضرورت ہے اور یہ ہیں فروعی امور۔مگر اصول دین میں قرآن نے حدیثی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رکھی اصول دین کی وضاحت خود ہی کر دی۔اگر امامت کا مسئلہ اصول دین میں سے ہوتا تو اس کے لئے حدیثی تشریح کی ضرورت نہ ہوتی۔

الحاصل

اس تمام سمع خراشی کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل تشیع کی طرف سے جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ پانچ اصول دین قرآن حکیم سے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہیں۔

ان کا بلوری وضاحت کے ساتھ تو کسی طرح بیان نہیں بس اس کو طفل تسلی کہیے یا کوئی اور نام دیجئے۔ وضاحتی دلیل نہیں ہے جیسے کسی بھوکے سے سوال ہوا کہ بتا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو اس بھوکے نے جواب دیا کہ چار روٹیاں۔

مشتے نمونہ از خروارے آپ اہل تشیع کے دعاوی کو قیاس کرلیں کہ وہ بھی اس طرح بلوری وضاحت کے ساتھ مدلل ثابت ہوں گے

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یزید کے حکم سے مدینہ کی بے حرمتی کی گئی؟

کہا جاتا ہے یزید کے دور میں اموی فوج نے یزید کے کہنے پر مدینہ منورہ کی بے حرمتی کی۔ اور واقعہ حرہ میں جب مدینہ منورہ کے فسادی لوگوں کو شکست ہوگئی۔ امیر یزید کے حکم سے مسلم بن عقبہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اور ان کے لئے تین دن کی مدت مقرر کی۔ اہل مدینہ کے ساتھ بے ہودگی کی گئی۔ ساتھ ہی وہاں کے مردوں کا قتل عام کیا گیا اور تمام مال و متاع لوٹ کر انہیں کھلی چھٹی دے دی گئی۔

بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہاں کی عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں۔ اور اگر کوئی شخص جب اپنی بچی کی شادی کرتا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ کنوارہ پن سے محروم ہو چکی ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اور پھر ساتھ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ حرہ کے زمانہ میں پیش آیا۔

تمام تاریخ کی کتب میں اس واقعہ کے بیان میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم اگر تمام کتب تاریخ پر نظر ڈالیں اور اس واقعہ کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہیں تو ہمیں اپنی بنیادی تاریخ کی کتب پر نظر ڈالنا پڑے گی۔ سب سے پہلے تو تاریخ طبری ہی ہے۔ جو تمام مؤرخین کا اصل ماخذ ہے لیکن اس کے مصنف امام ابو جعفر طبری نے خود ہی اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

ہم نے اپنی کتاب میں ماضی کے بعض واقعات ایسے ذکر کئے ہیں جنھیں ایک عام قاری ناپسند کرے گا اور سننے والا اسے مکروہ تصور کرے گا اور ایسا اس لئے ہو گا کہ

ان واقعات کی صحت درستگی کو ماننا مشکل ہو گا اور نہ ہی ان میں حقیقت کا جوہر ہو گا۔ ہر شخص کو جان لینا چاہیے کہ ہم سے پہلے ان واقعات کو کسی نے ذکر نہیں کیا ہم نے ان بعض ناقل حضرات پر اعتبار کر کے انہیں لے لیا جنہوں نے یہ واقعات ہم سے بیان کئے۔

پہلی بات جو واقعہ حرہ کے حوالہ سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے تمام تر انحصار ابو مخنف یحییٰ الازدی پر ہے جس کا کہنا ہے

"امیر یزید کا لشکر یہاں پہنچا (مدینہ منورہ میں) اس لشکر کا قائد مسلم بن عقبہ تھا اس سے یزید نے کہا تھا کہ اگر تمہیں حادثہ پیش آ جائے تو لشکر کی قیادت حصین بن نمیر کے سپرد کر دی جائے۔ اسے حکم دیا گیا کہ اہل مدینہ کو اطاعت خلیفہ کی دعوت دینا وہ اس دعوت کو مان لیں تو اچھا ورنہ ان کے ساتھ جنگ کرنا۔ جب ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس شہر میں لوٹ مار کی تین دن اجازت دے دینا یعنی مال اسلحہ اور اشیائے خوردنی جو میسر آئے اس پر سپاہیوں کا حق ہو گا "

مزید لکھا ہے

" مسلم بن عقبہ نے انہیں طلب کیا (اہل مدینہ کو) اور کہا کہ امیر یزید محسوس کرتے ہیں کہ تم لوگ دین اسلام کے حوالہ سے اور مسلم تاریخ کے حوالہ سے بہت اہم لوگ ہو۔ میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا اس لئے تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔

آگے کہتا ہے

" مسلم نے مدینہ منورہ کے بے حرمتی کو تین دن کے لئے جائز قرار دے دیا۔ لوگوں کو قتل کیا گیا مال چھین لیا گیا اور جو صحابہ اس وقت وہاں موجود تھے انہیں خوف زدہ کیا"

مدینہ کی بے حرمتی کے حوالہ سے ابو مخنف نے جو کہا وہ تاریخ طبری سے آپ

معلوم کر لیا یہی بنیادی روایت ہے اور یہی ماخذ جس سے ہر شخص نے اس واقعہ کو قبول کیا۔

یاد رکھنا چاہیے ابو مخنف ایک ایسی شخصیت کا نام ہے کہ تراجم و تذکرہ کی کتابوں میں ذمہ دار حضرات نے اس کی ثقاہت کو چیلنج کیا اور اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی ذمہ دار اور دیانت دار شخص تسلیم نہیں کیا

چنانچہ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں

ابو مخنف گپ باز شخص تھا۔ باتیں گھڑتا۔ اس کی توثیق نہیں کی جا سکتی۔

ابو حاتم وغیرہ نے اس کی روایت قبول نہیں کی۔

امام دار قطنیؒ کے بقول یہ ضعیف تھا اور ابن معین کہتے ہیں یہ ثقہ نہ تھا

ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ شخص جلا بھنا شیعہ تھا۔

ایک ایسا شخص جو خبریں گھڑتا تھا۔ اس کی ثقاہت کا یہ حال ہے کہ کوئی شخص بھی اس کو مستند ماننے کو تیار نہیں۔ اس پر شیعہ ہونے کی تہمت ہے اس وجہ سے اس کی خبروں اور روایات کی حقیقت کھل جاتی ہے

استاذ محب الدین خطیبؒ اس کے مصادر کو غیر ثقہ کہتے ہیں "عبدالمنعم ماجدؒ استاذ محب الدینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ صاحب شیعہ تھا علوی بزرگوں سے اسے ایسی عقیدت تھی جس میں غلو کا عنصر حاصل تھا۔

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ تاریخ طبری والا شیعہ کی جانبداری کرتا ہے اور کوئی بھی محقق کسی روایت کو قبول کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کرے۔ پھر فیصلہ کرے۔ خاص کر ایسے واقعات کے متعلق جو اموی دور میں پیش آئے اور خصوصاً جو یزید کے دور میں

پیش آئے۔ کیونکہ یہ دور شیعہ حضرات کے لئے انتہائی ناپسندیدہ دور ہے۔ اور ایسا واقعہ جسکا راوی بھی صرف ایک یعنی ابومخنف ہو۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

نیز مدینہ کی بے حرمتی اور وہاں کے بسنے والوں کے ساتھ زیادتی کا واقعہ ایسا ہے کہ جس کو سواء ابومخنف شیعہ کے اور کوئی راوی بیان نہیں کرتا۔ اور پھر خود طبری صاحب بھی ذاتی طور پر اس واقعہ کے معاملہ میں ابومخنف کی روایت سے مطمئن نہیں ہیں۔ اسی لئے انہوں نے دوسری روایات نقل کیں۔ انہوں نے ایک روایت نقل کی جس میں اس وفد کی عزت وتکریم کا ذکر ہے۔ جو اہل مدینہ کی طرف سے یزید کے پاس آیا تھا۔

اس روایت میں یزید کی طرف سے مسلم بن عقبہ کو اس حکم کا ذکر بھی نہیں جس میں مدینہ منورہ میں تین دن تک لوٹ مار کی اجازت ہے۔

اس میں یہ ذکر ہے "لوگ شکست کھا گئے اس ضمن میں خندق میں گر کر پریشانی اٹھانے والوں کی تعداد مقتولین سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد یزید کا لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہوا وہاں کی آبادی سہم گئی اور گویا شکست کھا گئی۔ اس کے بعد مسلم بن عقبہ مدینہ منور میں داخل ہوئے انہوں نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب کیا اور بتلایا کہ جو ایسا کرے گا اس کیلئے امیر یزید کی طرف سے مکمل امان ہوگی بلکہ اس کو عطایا سے بھی نوازا جائے گا"

تیسری روایت جس کو طبری نے نقل کیا وہ ابومخنف کی روایت سے بالکل مختلف ہے یہ روایت عوانہ بن حکیم کی ہے۔ اس میں ہے کہ مسلم بن عقبہ نے لوگوں کو قباء میں بیعت کیلئے جمع کیا۔ (نہ کہ مدینہ میں) تو تمام لوگوں نے بیعت کرلی۔ اور جن چند لوگوں نے کچھ گڑبڑ کی ان کو سزا دی گئی اور بس۔

تو وہب بن جریر اور عوانہ بن حکیم کی روایت میں کہیں ذکر نہیں کہ یزید نے مسلم بن

نے کو مدینے میں تین دن قتل و غارت کا حکم دیا ہو۔ تو اس قسم کا حکم تو مشکوک ہے کہ جس میں کہا گیا ہو کہ تین دن وہاں قتل و غارت کی گئی۔ عزتیں لوٹیں گئیں اور خواتین کو باندھیاں بنایا گیا۔ یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے۔

کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی بھی تاریخ لکھنے والا لکھتا ہے تو وہ صرف طبری پر اعتماد کر کے لکھتا ہے۔ اور طبری کا دار و مدار صرف ابو مخنف ہے۔

نیز ایک کتاب ابن اثیر کی ہے "الکامل فی التاریخ" اور ابن اثیر کی وفات ۶۳۰ھ ہے۔ تو گویا ابن اثیر کا زمانہ ۵۲۶ سال بعد کا ہے۔

اور ابن اثیر کی کتاب کا مآخذ بھی وہی طبری ہے۔ چنانچہ خود ابن اثیر اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ

" میں نے اس تاریخ کبیر کے ذریعہ اپنی کتاب کی ابتداء کی جسے امام ابو جعفر طبری نے مرتب کیا۔ وہ کتاب (طبری) ایسی ہے کہ بھی لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اختلاف کے وقت اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ جو اس کتاب میں ہے وہ سارے کا سارا میں نے اس طرح لے لیا کہ راویوں تک کا پورا لحاظ رکھا اور کسی ایک راوی کے معاملہ میں بھی خلل انداز نہیں ہوا۔ طبری نے اکثر حوادث و واقعات کے ضمن میں کئی کئی روایات نقل کی ہیں میری جمع کردہ روایات قریب قریب وہی ہیں۔ جہاں روایات کم ہیں یا نقص کا احساس ہوا وہاں میں نے تکمیل کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل ماخذ بھی طبری ہی ہے اور ابن اثیر اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابن اثیر نے ابو مخنف کی روایت بھی طبری سے ہی نقل کی۔ اور پھر ابن اثیر نے وہی انداز رکھا چنانچہ لکھتے ہیں کہ

مسلم بن عقبہ نے مدینہ منورہ کو تین دن کیلئے مباح کر دیا۔ لوگوں کو قتل کیا گیا۔ ان کے مال و متاع کو لوٹا گیا۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ خوف زدہ ہو گئے۔ اس میں ذکر نہیں کہ آبرو ریزی کی گئی۔ اور عورتوں کو لونڈیاں بنایا گیا وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا یہ تمام تاریخ والے طبری پر ہی اعتماد کرتے ہوئے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے لکھتے چلے جاتے ہیں۔

ہاں ایک ماخذ اور بھی ہے اور وہ ہے تاریخ یعقوبی۔ یہ شخص بھی تفضیلی شیعہ ہے اس نے اپنی کتاب میں جابجا شیعہ عقائد کا ذکر کیا اور شیعہ کے اماموں سے بہت روایات اور اقوال نقل کئے۔ لہٰذا اس کی تاریخ پر اعتماد کرنا بھی ٹھیک نہیں۔

ایک اور مسعودی کی کتاب مروج الذہب ہے۔ جس پر بہت سے مورخین نے اعتماد کیا ہے۔ اس واقعہ میں وہ بھی صرف یہ لکھتے ہیں کہ لوگوں سے اس بات پر بیعت کر لی گئی۔ کہ وہ یزید کے غلام ہیں اور جس نے اس سے انکار کیا۔ اس کا فیصلہ تلوار سے کیا۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں لکھا۔

نیز کتاب الامامۃ والسیاست جو کہ ابن قتیبہ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن جیسے کہ تمام مؤرخین جانتے ہیں کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں۔ ان کی طرف منسوب ہے

نیز ابن عربی العواصم من القواصم میں لکھتے ہیں کہ

ابن قتیبہ کا معاملہ جہالت پر مبنی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق جو اس میں لکھا ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیں تو کہنا پڑے گا کہ یہ صحابہ کرامؓ کے نام تھوپ دیا گیا ہے۔

اس کتاب کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف مشکوک ہے

علامہ ابن عربی لکھتے ہیں کہ کتاب الامامۃ والسیاست ' جہل ' غباوت ' رکاکت کا

مجموعہ ہے۔اس کے مؤلف مصر کے دو بزرگ علماء سے بکثرت روایات نقل کرتے ہیں۔جبکہ ابن قتیبہ مصر میں گئے ہی نہیں۔اور نہ ان دونوں عالموں سے انہوں نے کچھ لیا۔

لہٰذا یہ بات مشکوک ہے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی ہے۔تو اب اس کا اعتبار بھی کچھ نہ رہا۔

مارغلیوث مستشرق کا کہنا ہے کہ ایک دوسری کتاب " الامامۃ والسیاسۃ " "المعارف" کے مؤلف کی ایسی ہے جس میں سے دونوں کا اختلاف ہر اعتبار سے بڑا واضح ہے۔یہ کتاب "الامامۃ" حکومت اسلامی کی تاریخ ہے جس میں مؤلف نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہارون الرشید عباسی مرحوم کی وفات تک کے حالات درج کیے ہیں۔اس کو دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں۔صورتِ حال یہ ہے کہ اس کتاب میں بنوامیہ کے کھاتہ میں بہت کچھ ڈالا گیا خاص طور پر واقعہ حرہ کے حوالہ سے جلد اول کے آخر میں خوب نمک مرچ لگا کر اس واقعہ کو بیان کیا گیا اور بنوامیہ کے لشکریوں کو خوب خوب متہم کیا گیا کہ انہوں نے تین دن کے اندر یہ کیا اور وہ کیا اور جب ہم دوسری جلد کو دیکھتے ہیں تو اسی واقعہ کے متعلق ایک نئی تصویر سامنے آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جناب مؤلف پہلی جلد میں اپنا لکھا بھول گئے اسی کو کہتے ہیں "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔

تاریخ کی ایک کتاب الفخری فی آداب السلطانیہ۔اس کے مصنف موصل (شام) لوحظہ کے رہنے والے ہیں اس کا زمانہ بھی بہت بعد کا ہے۔اور پھر یہ بھی شیعہ ہے ان کی کتاب سے بھی کا شیعہ ہونا ثابت ہے۔

بہر حال ماخذ سب کا وہی طبری ہی ہے۔اور طبری کا ابو مخنف کی روایت پر انحصار

ہے اور ابو مخنف کا حال آپ دیکھ چکے ہیں۔

آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ تمام مؤرخین کا زمانہ اس واقعہ کے بہت بعد کا ہے۔ اس لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ پھر مؤلف حضرات اور راویوں کے شخصی رجحانات کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے تب جا کر اصلی صحیح بات کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

اب دورِ حاضر کے مؤرخین بھی جو لکھتے ہیں وہ بھی طبری پر اعتماد کرتے ہیں اور طبری اس ابو مخنف کی روایات کا سہارا لیتے ہیں اور وہ بھی اکیلا ہے۔ اور جو راویات اس کے علاوہ ہیں اس میں اس قسم کے الفاظ ہی نہیں۔

لہٰذا تاریخ تاریک ہے اور جب اصل ہی تاریک ہو تو نقل در نقل تمام ہی تاریک ہو گی۔

کعبۃ اللہ کا جلایا جانا

اموی عہد میں یزید کے دور میں ایک واقعہ اور بھی ہوا جس کو تمام مؤرخین نے بہت اُچھالا۔ وہ واقعہ ہے کہ کعبۃ اللہ کا جلا جانا۔ اور اموری فوج پر یہ بہتان لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ کام اس وقت کیا جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا انہوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔

مؤرخین نے اس واقعہ کو بھی بگاڑ کر پیش کیا اور اصل حقیقت کو نظر انداز کر دیا

اس واقعہ میں جو روایات آتی ہیں وہ بھی طبری کے حوالہ سے ہیں

طبری نے تین روایات نقل کی ہیں

﴿۱﴾ واقدی کی راویت جس میں انہوں نے کہا کہ

"عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں نے کعبہ کے اردگرد آگ جلادی اس سے شعلے بھڑک کے تو ہوا ان کو اڑا کر لے گئی۔ اس کے نتیجہ میں بیت اللہ کا غلاف اور چھت کی لکڑیاں جل گئیں۔

﴿۲﴾ دوسری روایت عروۃ بن اذینہ سے منقول ہے اس میں ہے کہ

"میں اپنی والدہ کے ساتھ مکہ معظمہ آیا یہ اس دن کی بات ہے جس دن کعبہ جل کر راکھ ہوا میں نے کعبہ کی طرف آگ بڑھتی دیکھی۔ میں نے مزید دیکھا کہ جل جانے کی وجہ سے وہ غلاف کے بغیر رہ گیا۔ رکن یمانی سیاہ ہو گیا اور تین جگہ دراڑیں پڑ گئیں۔ میں نے اس کا سبب معلوم کیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے احباب میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اور بتلایا کہ اس کی وجہ سے کعبہ جلا ہے۔ اس شخص نے اپنے نیزہ کی انی پر ایک انگارا باندھا اور اسے کعبہ کے پردہ میں ڈال دیا۔ رکن یمانی اور حجرہ اسود کے درمیانی حصہ میں آگ بھڑکی جس سے یہ سب کچھ راکھ ہو گیا"

﴿۳﴾ تیسری روایت عوانہ بن الحکم کے حوالہ سے ہے جس میں ہے کہ

"جب ربیع الاول کے تین دن گزر گئے یہ ۶۴ھ کا قصہ ہے اور ہفتہ کا دن تھا تو ان لوگوں نے بیعت اللہ کو منجنیق سے اڑا دیا اور آگ سے جلا دیا"

ان تین راویات میں سے آخری روایت جو عوانہ بن الحکم کی ہے اس میں اموی لشکر کو کعبۃ اللہ جلانے کا الزام دیا گیا ہے۔ لیکن یہ راویت اس قابل نہیں کہ اسے دوسری دونوں روایات کے بالمقابل تحقیق و نظر کے پیمانہ سے معتبر سمجھا جائے۔ ان دونوں روایتوں میں اس بات کی کم از کم تصریح ہے اور وہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کام حضرت ابن زبیرؓ کے لشکریوں کے ہاتھوں ہوا۔ یہ تصریح اس ابو مخنف کی طرف سے ہے جو شیعوں کا معتبر راوی ہے اور جسے امام طبری اس حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ اس دور و زمانہ (عصر بنی امیہ) کے واقعات کے حوالہ سے ابو مخنف ہی سب سے بڑھ کر باتیں کرتا ہے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اسے بنوامیہ سے بال برابر محبت و دوستی کا تعلق نہیں ان صاحب نے بنوامیہ کے حوالہ سے کعبہ کی مطلق بات نہیں کی جس طرح کہ دوسرے

مصادر سے معاملہ سامنے آتا ہے۔

صاحب فتوح البلدان نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ

"جب جناب عبداللہ بن زبیرؓ مسجد حرام میں قلعہ بند ہو گئے اور وہاں پناہ چاہی حصین بن نمیر السکونی اہل شام میں سے وہاں مصروف قتال تھا۔ ایک دن ان کے احباب میں سے ایک شخص نے اپنے نیزے کی انی پر آگ کا فتیلہ باندھا۔ اس وقت ہوا خوب چل رہی تھے۔ اس سے شعلے بلند ہوئے۔ یہی شعلے کعبۃ اللہ کے پردے کو جلانے کا سبب بنے۔ ساتھ ہی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں اور دیواریں سیاہ ہو گئیں۔ یہ قصہ ۶۴ھ میں پیش آیا"

بلاذری کی روایت بڑی واضح ہے اس میں اس بات کی نص ہے کہ محاصرہ کے دوران کعبۃ اللہ کو جو حادثہ پیش آیا اس کا باعث عبداللہ بن زبیرؓ کے لشکری تھے۔ بلاذری نے اموی لشکر پر اس اتہام والزام کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔

تیسرا مصدر "اخبارِ مکہ" ہے جس کے مؤلف ازرقی ہیں جن کی وفات قریباً ۲۲۳ھ میں ہوئی۔ طبری میں جن روایات کا تذکرہ ہے وہ ذرا تفصیل کے ساتھ یہاں سامنے آتی ہیں ان کے ذکر کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ کعبۃ اللہ کے جلنے کا باعث اصحاب ابن زبیرؓ تھے انہی کی طرف سے یہ سانحہ رونما ہوا۔ بنو امیہ کی طرف سے منجنیق سے ڈھانے یا جلانے کا کوئی قصہ ہی نہیں۔

﴿۱﴾ محمد بن یحییٰ سے مؤلف نے نقل کیا انہوں نے واقدی سے۔ واقدی نے عبداللہ بن جعفر سے پوچھا کہ اے ابوعون۔ کعبہ کب اور کیسے جلا؟ تو انہوں نے فرمایا ہفتہ کے دن جب کہ چند راتیں ربیع الاول کی گزر گئی تھیں اور یہ قصہ امیر یزید کی خبر وفات سے ۲۹ دن قبل کا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس کا سبب کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک صاحب مسلم

بن ابی خلیفہ المذحجی تھے وہ اور ان کے رفقاء کعبہ کے ارد گرد آگ جلاتے تھے۔ اس دن ہوا چل رہی تھی۔ ان صاحب نے ایک انگارہ اپنے نیزہ کی انی پر اٹھایا۔ وہی انگارہ کعبہ کے غلاف کو جلانے کا باعث بنا اور آگ چھت کی لکڑیوں تک پہنچ گئی۔

﴿ب﴾ مؤلف کہتے ہیں کہ میرے دادا نے مجمعہ سے بیان کیا ان سے سعید بن سالم نے اور ان سے عثمان بن ساج نے' وہ کہتے ہیں کہ مجمع سے اہل مکہ کی ایک بڑھیا نے بیان کیا جو محاصرہ کے دوران عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھیں۔ میں نے جب اس خاتون سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا مسجد حرام میں بہت سے خیمے نصب تھے ایک خیمے سے آگ جو اٹھی تو تمام خیموں کو جلاتی ہوئی کعبۃ اللہ تک جا پہنچی یہاں تک کہ کعبہ جل گیا"

چوتھا ماخذ" الکامل " ہے جس کے مؤلف ابن اثیر ہیں۔ ابن الاثیر نے جن دو روایات کا ذکر کیا وہ مختلف اور متناقض ہیں

﴿ا﴾ پہلی روایت "انہوں نے کعبہ پر منجنیق ماری اور آگ سے جلا دیا"

﴿ب﴾ دوسری روایت ہے

" کعبہ اس آگ کی وجہ سے جلا جو ابن الزبیرؓ کے احباب نے کعبہ کے ارد گرد جلا رکھی تھی۔ ایک شرارہ ہوا کی وجہ سے غلاف کعبہ پر جا پڑا۔ جس سے غلاف ہی نہ جلا بلکہ چھت کی لکڑی بھی جل گئی

دونوں روایات نقل کرنے کے بعد ابن اثیر کہتے ہیں

" پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کا ذکر کیا کہ ابن الزبیرؓ نے کعبہ کو چھوڑ دیا تا کہ لوگ اس کو جلا ہوا دیکھ سکیں۔ ابن الزبیرؓ برابر لوگوں کو اہل شام کے خلاف لڑنے پر بھڑکا رہے تھے"

یہ دلیل (جیسا کہ واضح ہے) ضرورت آئی ہے تاکہ بتلایا جاسکے کہ اموی لشکر کی منجنیں کعبۃ اللہ کو جلانے کا باعث بنی۔ اکثر و بیشتر اسی دلیل کو ابن الزبیرؓ کی ضد میں استعمال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیت الحرام کو اس لئے آگ لگائی تا کہ اپنے لشکر کو جنگ کے لئے بھڑکا سکیں"

ابن الاثیر نے جو پہلی روایت نقل کی ہے یہ وہی روایت ہے جو عوانہ ابن الحکم کے ذریعہ نقل کی گئی جیسا کہ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے۔

"بیت اللہ پر مسلسل منجنیق کے ذریعہ پتھر برسائے گئے اور پتھروں کے ساتھ ہی آگ برسائی گئی اور روئی وغیرہ کے فلیتوں پر آگ لگا کر اس سے بھی کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کعبہ منہدم ہو گیا اور اس کی بنیادیں ڈھے گئیں۔

یاد رہے کہ مسعودی ایک ایسا ماخذ ہے کہ ایک مؤرخ بالخصوص یزید بن معاویہ کے عہد کے واقعات کے حوالہ سے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ واضح طور پر شیعہ ہے بلکہ جیسا کہ پہلے ہم نے واضح کیا کہ وہ شیعہ کے اکابرین میں شامل ہے۔

اس حالت میں تنہا اس پر اعتماد کی کوئی گنجائش نہیں تاوقت کہ دوسرے ماخذ کی روایات سے اس کی روایات کا موازنہ نہ کرلیا جائے۔ جیسے وہ روایات جو اس ضمن میں طبری 'اخبار مکہ' فتوح البلدان اور کامل وغیرہ میں آئی ہیں۔ ان کا ہم ذکر کر چکے ہیں آپ موازنہ کر سکتے ہیں۔

الحاصل ان تمام حوالہ جات سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ یزید کے زمانہ کے واقعات پر گہری نظر ڈالی جائے اور دقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کا جلنا اموی لشکر کی کارستانی نہیں۔ بلکہ اکثر روایات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حادثہ جناب ابن الزبیرؓ کے لشکریوں کی وجہ سے پیش آیا اور یہ کہ بنو امیہ کا لشکر اس سے بری الذمہ ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ
وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ
الْعِصْيَانَ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

پنج تن پاک

اور

حق چار یار

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

پنج تن پاک اور حق چار یار

سوال: پنج تن پاک اور حق چار یار کی اصطلاحات کا استعمال شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟

(مفتی) عظمت شیر لوہانہ حافظ آباد ضلع گوجرانوالا۔

جواب: پنج تن پاک عرفِ عام میں جب کہ اہلِ تشیع کا پروپیگنڈا غالب اور عوام و جہال رسمی مسلمانوں اور نام کے اہل السنت والجماعت کے قلوب پر بہت زیادہ اثر کیے ہوئے ہے، اس لفظ کا اطلاق ہمارے یہاں عموماً ان پانچ ہستیوں پر کیا جاتا ہے ① خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ② امیر المومنین سیدنا علی بن عبد مناف (ابی طالب) رضی اللہ تعالیٰ عنہ ③ بنتِ رسول سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ④ امیر المومنین سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما ⑤ شہید کربلا سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما۔ جو کہ کسی طرح شرعی دلائلِ حقہ سے ثابت نہیں۔ ویسے بھی "پنج تن پاک" فارسی زبان کا لفظ ہے، عربی نہیں کہ اسے قرآنِ پاک سے تلاش کرنے کی زحمت گوارا کی جائے اور نہ ہی صحاحِ ستّہ و دیگر کتبِ احادیث میں اس کا کہیں ذکر ملتا ہے۔ نیز اس لفظ کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مذکورہ پانچوں ہستیاں تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہستی یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول ہیں، اس لیے قبل از بلوغ و بعد از بلوغ، اسی طرح قبل از بعثت و بعد از بعثت وہ معصوم اور صغائر و کبائر سب طرح کے گناہوں سے پاک منزہ و مطہر ہیں۔ اور انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دوسری کسی ہستی کو معصوم اور گناہوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا اگرچہ کوئی نبی زادہ یا نبی زادی

ہی کیوں نہ ہو۔ اور جہاں تک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے معاملہ کا تعلق ہے تو جب تک یہ حضرات نابالغ تھے تو ان کو معصوم کہا جاسکتا تھا لیکن بعد از بلوغ ان کو معصوم نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ علماء حق فرماتے ہیں کہ ان کو محفوظ کہہ سکتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معصوم اور محفوظ کی اصلاحوں میں فرق ہے۔ اور اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی معصوم نہیں بلکہ محفوظ کہہ سکتے ہیں نیز اس اصلاح کے ضمن میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تذلیل و تحقیر اور توہین کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس اصطلاح کے محرک و موجد کا مقصد وحید اس کا مخالف مفہوم لے کر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پلید، نجس اور ناپاک کہنا ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں کا شعار ہے کہ اذان میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے بعد کہتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ وَ قَاتِلَ الْمُشْرِكِيْنَ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ وَصِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِيْفَتُهٗ بِلَا فَصْلٍ اور اصل میں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین صرف علی ہی ہیں، شیخین اور حضرت عثمان امیر المؤمنین نہ تھے بلکہ غاصب تھے۔ اور امام المتقین سے بھی اسی طرح مفہوم مخالف لیتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ شیخین اور حضرت عثمان امام المتقین نہ تھے۔ بلکہ امام الضالین المضلین تھے۔ اور قاتل المشرکین سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ دیگر صحابہ کرام قاتل المشرکین نہ تھے۔ اور علی ولی اللہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ باقی سب عدو اللہ تھے۔ اور خلیفہ بلا فصل کہنے کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ شیخین و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین خلیفہ نہ تھے بلکہ ان کا غاصبانہ تسلط و اقتدار تھا۔ نعوذ باللہ من ھذہ الاباطیل۔ نیز در پردہ یہ مفہوم مراد لیا جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں جن کے دو صاحبزادے تھے۔ اور سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن نہ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں اور نہ ان کی کوئی اولاد یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نواسیاں تھے۔ جو بالکل حقیقت واضحہ اور ان کی اپنی کتب کے بھی خلاف ہے۔ جیسا کہ کافی کلینی، تہذیب الاحکام و حیات القلوب

وغیرہ کتبِ شیعہ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔ اور اب اگر ان کو کتبِ مذکورہ کے حوالے سے دیگر بناتِ رسولؐ کا ذکر دکھایا جائے تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں سُنیوں نے دسیسہ کاری کرکے اس قسم کی باتیں لکھ دی ہیں۔ حالانکہ دسیسہ کاری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ اپنی کتب مسلمانوں کی نظروں سے چھپاکر رکھنے کا اہتمام کرتے تھے کسی مسلمان کو اپنی کتابوں کی خبر نہ دیتے تھے تو اہلِ سُنت مسلمان ان میں تدسیس کیسے کرسکتے تھے۔ پھر دورِ حاضر کی کتابوں میں بھی دخترانِ رسولؐ کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً ایران کا متعصب شیعہ حسن عمید اپنی کتاب فرہنگِ عمید میں سیدہ رقیہ و سیدہ اُمِ کلثوم کے ناموں کے متعلق توصاف لکھتا ہے نام دخترِ رسول۔ دیکھیے فرہنگ عمید ص ۱۱۲۱ و ۱۱۲۹۔

اور جہاں تک لفظ پنج تن کا تعلق ہے تو اس سلسلے اتنی بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ اصلاح صرف شیعوں کے یہاں ہی مستعمل نہیں ہے گو لفظ پنج تن دسمی بات پانچ اجسام کی ہے۔ یعنی ایسی پانچ ہستیاں جن کو مقرب بارگاہِ الٰہی اور غائبانہ پکارکے لائق سمجھا جاتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے اور اسی شرک کی تردید اور توحید کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا

یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے ہماری بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے رب! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ان نابکار لوگوں کے کہنے پر چلتے ہیں جن کو ان کے مال و اولاد نے فائدہ کی بجائے اُلٹا ان کے نقصان اور خسارے میں مزید اضافہ ہی کیا ہے اور انھوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے فریب کیے ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ اپنے ان پانچ معبودوں کو پکارنا ہرگز نہ چھوڑو۔ نہ ① وَدّ کو

نہ ② سواع کو، نہ ③ یغوث کو، نہ ④ یعوق کو، اور نہ ہی ⑤ نسر کو اپنی حاجات میں غائبانہ پکارنا چھوڑو۔ اور یہ لوگ ایسی ایسی باتیں لوگوں کو سمجھا سکھا کر بہت سے لوگوں کو گمراہ کرچکے ہیں۔ اور اے ہمارے رب! ان ظالموں کو گمراہی میں اور بڑھنے دیجئے تاکہ بالآخر مستوجب سزا ہوں۔ چنانچہ اپنی ہی شرارتوں کی وجہ سے ان کو غرق کردیا گیا اور پھر ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا۔ پھر ان کو اپنے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں سے کوئی امداد کرنے والے بھی میسر نہ آئے (۷۱: ۲۱ تا ۲۵)

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اُن پنج تنوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم لائق پرستش سمجھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس قوم کی اصلاح پر مامور فرمایا تو حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو (۹۵۰) سال تک تبلیغ کرتے رہے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور حسب دستور پنج تن کی پُوجا کرتے رہے۔

پنج تن کی پکار ابتداءً کیسے شروع ہُوئی

بخاری شریف ص ۷۳۲ میں ہے کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر یہ سب اہل اللہ اور نیک و صالح بزرگ تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے پہلے ہوگزرے ہیں۔ اور جب یہ بزرگ صالحین وفات پاگئے تو ان کی قوم کے دِلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ یہ بزرگ جہاں جہاں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اُن مقامات پر ان بزرگوں کی مُورت بنا کر رکھو، اور ان مورتیوں کا نام بھی ان بزرگوں کے نام پر رکھا جائے۔ لوگوں نے یادگار کے طور پر ایسا ہی کیا لیکن اس موقع پر ان مورتیوں کی عبادت نہیں کی گئی۔ بلکہ وہ مورتیاں محض یادگار کے طور پر قائم کی گئیں، اور یہ مورتیاں اپنے مسمّٰی کی صورت پر تھیں۔ اور پھر جب ان بزرگوں کی یادگار کے طور پر مورتیاں بنانے والی یہ نسل مرگئی اور ان کے بعد مدّتِ دراز گزر گئی اور نئی نسل کے لوگوں کو ان مورتیوں کی اصلیت کا علم نہ رہا تو اس نئی نسل کے جاہلوں نے ان یادگاروں کے ساتھ وہ وہ تعظیمی

کام شروع کردیے جن کا تعلق عبادت سے ہے۔ یہ روایت جس کا مفہوم یہاں بیان کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت قتادہؒ، ضحاکؒ، عکرمہؒ اور ابن اسحاقؒ وغیرہم سے بھی مروی ہے۔

نیز ابن جریرؒ نے حضرت محمد بن قیس تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وہ صالح اہل اللہ تھے جو سیّدنا حضرت آدم اور سیّدنا حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان والے دور میں ہوگزرے ہیں۔ ان بزرگوں کے مُریدین ان کی زندگی میں عبادت و ریاضت وغیرہ اُمورِ دینیہ میں ان کی پیروی اور اقتدا کیا کرتے تھے۔ پھر ان بزرگ ہستیوں کے فوت ہوجانے کے بعد ان بزرگوں کے مُریدین وخلفاء کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے پیروں اور شیوخ کی تصاویر بنا کر سامنے رکھ لیں اور ان بزرگوں کی تصویروں کی زیارت کیا کریں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زیادہ مزہ آئے گا اور عبادت کا شوق بڑھے گا۔ پس ان مُریدین نے اسی نیت و ارادے سے پتھروں پر اپنے پیروں کی تصویریں بنائیں۔ پھر جب یہ لوگ بھی مرگئے اور کافی عرصہ گزر گیا تو ابلیس نے بعد میں آنے والی نسلوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے بزرگ ان پیروں کی مورتیوں کی تعظیم کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ انہیں بارش دیتا تھا۔ یعنی ان لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ بزرگ لوگ جن کی یہ مُورتیاں بنی ہوئی ہیں جب یہ دُعا کرتے تھے تو بارش ہوتی تھی۔ پس ابلیس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارے باپ دادا جب ان مورتیوں کے سامنے التجا کرتے تھے تو بارش برستی تھی یعنی وہ ان کے آگے التجا کرتے تھے اور یہ پیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اب بھی دُعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ لہٰذا تم بھی انہی کے سامنے التجا کرو اور ان کی تعظیم کرو تو تم کو بھی ملے گا۔

نیز مفسّر ابن کثیرؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوا دُوسروں یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو اپنے عقیدہ

میں حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز سمجھا اور اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت نوح علیہ السلام سے اختلاف کیا۔ آخر کار پانی میں غرق ہوکر برزخی آگ میں داخل کیے گئے۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن پنج تن کا کچھ وجود سمجھتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ان پیارے ولیوں وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو اپنا کارساز سمجھتے تھے ان پنج تن میں سے کسی ایک کو بھی کارساز نہ پایا کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچتا اور ان کو عذابِ الٰہی سے بچاتا۔ اور جو لوگ پنج تن کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ کو کارساز سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں بچالیا۔

یاد رہے کہ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا میں مِنْ دُونِ اللهِ سے مراد یہی پنج تن یعنی ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ہیں۔ جو اولیاء اللہ، خدا رسیدہ اور بزرگ و صالح ہستیاں تھیں۔ محض بُت مُراد نہیں ہیں، جیسا کہ امام بخاریؒ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

مذکورہ بالا پنج تنوں کے علاوہ اہلِ عرب کے ہاں اور بھی کئی پیغمبروں اور اولیاء اللہ کی مورتیوں کی تعظیم و پرستش جائز سمجھی جاتی تھی۔ ان میں سے چند مشہور ہستیوں کا مختصر تعارف اور ان کی مورتیوں کا اجمالی تذکرہ بھی اس مقام پر کر دینا مناسب اور مفید سمجھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم و اسماعیل

قریش مکہ نے سیدنا حضرت ابراہیم و اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام جیسی اولوالعزم ہستیوں کی مورتیاں بھی بنائی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں اس قسم کی لکڑیاں پکڑائی ہوئی تھیں جس قسم کی لکڑیوں سے قبیلہ قریش کے لوگ فال نکالنے کا کام لیتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی ان مورتیوں کو گرایا تھا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ان مشرکین پر تعجب ہے کہ یہ کم بخت خوب جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کبھی پانسہ نہیں پھینکا پھر بھی یہ حرکت کر رکھی تھی۔

لات بابا ستو والا

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنداً روایت کیا ہے کہ لات ایک (بزرگ) شخص تھا جو حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔ قریش اس کے نام کی قسم کھالیتے تو اسے ہر حال میں پورا کرتے تھے۔

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور ربیع بن انسؒ سے مروی یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ "لات بابا" مرگیا تو اس کی قبر پر چڑھاوے چڑھائے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ اس کی صورت کا بت بناکر یہ تصور قائم کرلیا گیا کہ لات بابا کی روح پتھر کی اس مورتی میں حلول کرگئی ہے۔

مائی عزیٰ فتح کی دیوی

یہ بی بی ایک بوڑھی مائی تھی۔ قریش کے دلوں میں اس مائی کی بڑی عظمت وشان تھی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے قبولِ اسلام سے پہلے حالتِ کفر میں خیال کیا تھا کہ ہمیں غزوۂ احد میں اسی مائی عزیٰ کی مدد سے فتح حاصل ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں قبیلۂ قریش کے لوگ "لات بابا" کی طرح "مائی عزیٰ" کے نام کی قسم کھایا کرتے تھے اور اس قسم کو ہر حال میں پورا کیا کرتے تھے۔

منات بی بی

یہ بھی ایک عورت تھی۔ عرب کے مشہور قبیلے خزاعہ، اوس اور خزرج کے علاوہ دیگر قبائلِ عرب بھی قبولِ اسلام سے پہلے عہدِ جاہلیت میں "منات بی بی" کی پوجا کرتے تھے۔ اور سمندر کے ساحل کے ایک گوشے میں مقام قدید پر منات بی بی کی مورت نصب کی ہوئی تھی۔ اور اس بی بی کی تعظیم میں وہ اقوام عرب حج اللہ کا احرام بھی منات بی بی کی مورتی کے مقام پر پہنچ کر باندھتے تھے۔

ہبل: اولاد، رزق اور صحت کا دیوتا

اس کے متعلق بھی یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ بھی کوئی پتھر کا نام نہیں تھا بلکہ ہبل اور اس طرح کے دیگر سینکڑوں بت بھی آدمیوں ہی کے تھے۔ مشہور مفسرِ قرآن

سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مواہب الرحمٰن پ۳۰ ص ۷۸۹ میں تحریر فرمایا کہ ہبل کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک آدمی تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا پھر وقت مقدر پر اس کو موت دے دی۔ مشرکوں نے ایک پتھر تراش کرکے رکھا اور کہا کہ یہ ہمارا ہبل ہے۔ اور اپنے زعم میں کہا کہ اے ہبل تم اس پتھر میں آجاؤ۔ اور دعویٰ کرلیا کہ وہ آگیا۔ اور دعویٰ کیا کہ اس میں یہ قدرت ہے کہ ہم کو بیٹا، رزق اور صحت وغیرہ دیتا ہے اور اگر کوئی اہم کام ہوا تو خدا کو اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے مدد لے کر دلاتا ہے۔ پھر ص ۷۹۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مشرکین درحقیقت اس پتھر یا صلیب کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس چیز میں فلاں میت کی روح سما گئی۔ جیسا کہ اس زمانے میں تعزیہ والے، جب تک وہ ٹھاٹھ بنانے والے کی دکان پر ہے تب تک بے قدر ہے اور جب اس کو خریدا تو اس وقت سے اپنا تصور جمالیا اور اس کو ادب سے سلام کیا اور تاشے باجے کے ساتھ لے چلے۔ اور یہ سب ان لوگوں کے خیالات ہیں۔ اور جن لوگوں کا نام لیتے ہیں کہ وہ اس میں آگئے یا اس سے تعلق حاصل ہوگیا۔ وہ لوگ بالکل بری ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔ محل قدس یعنی آسمانِ دوم یا جنت میں ہیں، اور نادانوں کے کہنے سے وہ اس چیز میں نہیں آتے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی جانب سے ہدایت کرتا ہے۔

اساف و نائلہ

کتاب السیر کے حوالے سے سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر مواہب الرحمٰن پ۲ ص ۲۷ میں تحریر فرمایا ہے کہ اساف و نائلہ عورت و مرد تھے، اور قریش میں بہت نیک مشہور تھے۔ ان دونوں نے کعبہ کے اندر باہم زنا کیا، پس مسخ کرکے پتھر کر دیئے گئے۔ پس قریش نے (کعبہ کے اندر سے نکال کر) ان کو کعبہ کے سامنے رکھ دیا تھا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ پھر جب زمانہ دراز گزر گیا تو ذریات اولاد ان کی پرستش کرنے لگے۔ پھر دونوں کو صفا و مروہ

پر اٹھا لائے اور یہاں نصب کیا اور صفا و مروہ کی سعی میں انھیں کو استلام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو عمرو بن لحی نے صفا مروہ پر لاکر رکھا تھا اور شعبیؒ نے کہا کہ صفا پر اساف تھا اور مروہ پر نائلہ تھی۔ اور جاہلیت میں لوگ طواف میں انھیں دونوں کو چوم کر جاتے تھے۔

کنیسہ ماریہ (کلیسا) کی تصاویر صالحین

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ انھوں نے ملک حبشہ میں کنیسہ دیکھا جس کو کنیسہ ماریہ کہتے تھے اور اس میں بکثرت تصویریں تھیں تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان ذلك اذا كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجدا وصوروا فيه تلك الصور واولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة کہ یہ لوگ ایسے تھے کہ ان میں جب کوئی مرد صالح فوت ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا کر اس میں یہ تصویریں نقش کر دیتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بدتر ہوں گے۔ (بخاری ص ۶۱۔۶۲)

یسوع مسیح

یہ اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم رسول اور صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ یہودیوں نے آپؑ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں اور مقدمہ قائم کرکے ان کو صلیب کی سزا کا مستحق قرار دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ ہی آسمانوں پر اٹھا لیا اور قوم کو شبہے میں مبتلا کر دیا۔ بعض نے کہا کہ وہ صلیب پر مقتول ہوگئے اور تیسرے روز مُردوں میں سے جی اٹھے اور آسمانوں پر چلے گئے۔ اور ان کے خیال میں جس صلیب پر انھوں نے جان دی تھی بطور علامت اس کی شبیہ گھروں، عبادت گاہوں اور اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں۔ بعض نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (یسوع مسیح) اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کی مورتیاں یا تصاویر گھروں وغیرہ میں آویزاں کرتے ہیں، جن کے سامنے مراسم پرستش بجالاتے ہیں۔

اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (خداوند باپ) نے اپنے اکلوتے بیٹے کو آسمانی مقاموں پر سرفراز کیا اور ہر طرح کی حکومت، اختیار، قدرت، ریاست اور ہر ایک نام سے اس کو بلند و بالا کیا اور سب کچھ اس کے پاؤں تلے کر دیا اور اسی کو سب چیزوں کا سردار بنایا گیا اور وہی ہر طرح سے سب کا معمور کرنے والا ہے (افسیوں ۱:۲۰-۲۳)

نیز کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ (متی ۱۸:۱۸)

نیز یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ باپ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی عدالت نہیں کرتا، بلکہ اس نے عدالت کا سارا کام بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا ہے۔ سب لوگ بیٹے (یسوع) کی عزت کریں جس طرح باپ (اللہ تعالیٰ) کی عزت کرتے ہیں۔ جو بیٹے کی عزت نہیں کرتا' وہ باپ کہ جس نے اُسے بھیجا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) کی عزت نہیں کرتا۔ جس طرح باپ مُردوں کو اُٹھاتا' اور زندہ کرتا ہے اسی طرح بیٹا بھی جنھیں چاہتا ہے زندہ کرتا ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ ہمیں یسوع نے یہ تعلیم دی ہے کہ باپ (اللہ تعالیٰ) مجھ میں اور میں باپ میں ہوں۔ میں اور باپ ایک ہیں۔ یسوع نے کہا کہ میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ بیٹا آپ سے (یعنی خود اپنی مرضی سے) کچھ نہیں کر سکتا' سوا اس کے کہ جو باپ کو کرتے دیکھتا ہے۔ آپؑ کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ مسیح خدا کے ساتھ ایک ہے اور جو خدا کے ساتھ ایک ہے وہ خود خدا ہے۔ خداوند المسیح تو جلال کا بادشاہ اور خداوندوں کا خدا ہے۔ (ماخوذ از الوہیتِ مسیح)

نیز اسی کتاب میں بحوالہ انجیلِ مقدس یہ اعتقادات بھی درج ہیں کہ وہ تمام پیغمبروں، رسولوں، نبیوں، مرسلوں، ولیوں، قطبوں، ابدالوں اور اوتاروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ کلمۃ اللہ ہے، خالق ہے، مظہر اللہ ہے، آدمِ ثانی ہے۔ جو بغیر باپ کے پیدا ہُوا ہے۔ وہ حی و قیوم ہے۔ کُل ملائک اور بنی نوعِ اِنسان کا

معبود ہے۔ وہ خدا کی رحمت ہے۔ وہ ذبیح اللہ ہے۔ وہ ہی واحد شفیع برزخ، وسیلہ درمیانی اور نجات دہندہ ہے۔ وہ واحد زندگی بخشنے والا، قادرِ مطلق ہے۔ وہ قدرت کاملہ کا مالک اور سرب شکتی مان ہے۔ اور وہ حاضر کل، ناظرِ کل، عالمِ کل، جمتعِ کل کا مالک اور عالم الغیب ہے۔ اور وہ لامبدّل ہے اور ہمیشہ یکساں ہے۔ اس کی نبوت کامل، افضل اور اعلیٰ ہے۔ وہ خود بھی اکمل، افضل اور اعلیٰ ہے۔ نبی کے کام کا ایک ضروری حصّہ ہے کہ وہ خدا کو مشورہ دے سکے۔ وہ نبی تھا۔ (الوہیت مسیح)

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں اس نبی کی بابت بہت کچھ قلمبند ہے اس نے ایک نبی کی طرح اپنے لوگوں کو تعلیم دی اور نبی کا طریق بھی استعمال کیا، اور اپنے اختیار کو بھی استعمال کیا۔ وہ کل عالموں سے بیشتر تھا اور ابد تک رہے گا اور اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ سب باتوں کو جانتا ہے۔ اور وہ سمندر کی مچھلیوں سے بھی واقف تھا۔ خداوند اپنے پکڑنے والے کو بخوبی جانتا تھا۔ اور وہ نہ صرف انسان کے موجودہ خیالوں سے آگاہ تھا بلکہ آنے والے واقعات کو اچھی طرح جانتا تھا، وہ نہ صرف اپنے قریب والے انسان کے حالات سے آگاہ ہوتا تھا بلکہ جو لوگ کوسوں دُور ہوتے تھے ان کا بھی اس کو علم تھا کہ وہ کیا کرتے تھے اور انسان کے مستقبل کے کاموں کو جو انھوں نے کرنے تھے بخوبی جانتا ہے۔ باپ نے بیٹے کو اس لیے اختیار دیا ہے کہ وہ آدم زاد ہے (ملخصاً از الوہیت مسیح)

اس کے علاوہ مسیحیوں کی کتاب "حقیقی عرفان" میں ہے کہ آدم ثانی (حضرت نوح علیہ السلام مراد نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں) میں الوہیت بھی تھی اور انسانیت بھی۔ خود مسیح ان (اپنے ایماندار بندوں) کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ خدا نے دوسرے آدم کو جس میں پہلے آدم کی طبیعت کا کچھ بھی اثر نہ تھا، بلکہ ذات الٰہی سے متصف اور اس کی عین ذات کا عکس اور پرتو تھا بھیجا، تاکہ ابدالآباد تک زمین پر حکومت کرے۔ باپ نے بھی اس سے خوش ہوکر ساری حکومت، اختیار، قدرت، بادشاہت اور انصاف اس کے ہاتھ میں دے کر اس کو ہمارا بادشاہ بنا دیا۔

خدا باپ نے بھی خوش ہوکر اس کو زمین کا کل اختیار دے دیا۔ اور عدالت بھی اُسی کے ہاتھ میں سونپ دی، آدم زاد ہوتے ہوئے وہ آدمیوں کا انصاف کرے۔ خدا نے اسی مسیح کو کل اختیار دے کر آسمان پر سرفراز فرمایا۔ مسیح باختیار خود قدرت دکھاتا رہا۔ وہ قادر مطلق تھا۔ یعنی باعتبار الوہیت وہ ہر طرح صاحب قدرت تھا۔ اپنے اختیار سے سب کچھ کرتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو خدا کے برابر کہا۔ وہ عالم الغیب بھی تھا۔ وہ آپ جانتا تھا کہ انسان کے دل میں کیا کیا ہے۔ مسیح نے کہا گردوں اور دلوں کا جاننے والا میں ہوں۔ عالم الغیب خدا نے ذاتی طور پر خداوند یسوع المسیح پر یہ سب باتیں منکشف کر دی تھیں۔ کیونکہ وہ خدا میں سے خدا، نور میں سے حقیقی نور ہے۔ جب کوئی شخص اپنے گناہوں سے شرمندہ ہوکر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور خداوند یسوع مسیح سے امداد طلب کرتا ہے، تب خداوند تعالیٰ اس پر فضل کرتا ہے اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اس صورت میں خداوند یسوع مسیح کی روح اس شخص کی طرف توجہ فرماتی ہے۔ استعانت مسیح کی عین استعانت اللہ پاک کی ہے، یہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام سے مدد مانگتے ہوئے کہتے ہیں، اے خداوند یسوع مسیح! میری مدد کر۔ اے خداوند ابن داؤد! ہم پر رحم کر۔ اے خداوند! اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ جو اس مسیح کو پکارتے ہیں ان کے لیے وہ رحم اور شفقت سے معمور ہے۔ وہی سب کا خداوند ہے اور اپنے سب دعا کرنے والوں کے لیے فیاض ہے۔ جو کوئی خداوند یسوع کا نام لے گا نجات پائے گا۔

نیز مسیحی حضرات سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگنے کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم خدا پر ایمان رکھیں۔ ہمیں اس سے ڈرنا چاہیے۔ ہمیں اس کے حکموں پر عمل کرنا چاہیے۔ ہمیں اس پر بھروسہ رکھنا چاہیے ہمیں اس کی پرستش کرنی چاہیے۔ ہمیں اس کا شکر علانیہ اور پوشیدگی میں کرنا چاہیے۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ کاش ہم ہمیشہ خداوند یسوع المسیح کے ساتھ رہ کر

اس زندگی کو پاویں جس کے دینے کا وعدہ خداوند یسوع المسیح نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ (ملخصاً از حقیقی عرفان)

اب چونکہ سطورِ بالا میں یسوع مسیح سے مدد مانگنے کا ذکر آیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کچھ اشارۃً اس کا ذکر بھی ہوجائے۔ گو کہ مسئلہ استعانت الگ موضوع ہے اور اس کا بیان الگ ہی ہونا چاہیے لیکن سرِراہ ہم اتنا بتلاتے چلیں کہ فیصل آباد میں شیعوں کا ایک "ایمان بنگلا" ہے محلہ ڈگلس پورہ میں کوتوالی روڈ پر۔ اس کے شرقی جانب انھوں نے گزشتہ سال ایک مینار تعمیر کیا ہے جس پر انھوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق تمام ائمہ کرام کے نام لکھے ہیں اور اسی طرح تمام مشہور پیغمبروں کے نام بھی لکھے ہیں۔ اور ہر نام کے شروع میں حرفِ ندا یا لکھ کر آخر میں مدد کا لفظ لکھا ہے۔ مثلاً یا آدم مدد، یا شیث مدد، یا نوح مدد، یا ابراہیم مدد یا اسماعیل مدد، یا اسحاق مدد، یا لوط مدد، یا موسیٰ مدد، یا المسیح مدد وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی طرح یا علی مدد، یا حسن مدد، یا حسین مدد وغیرہ۔ لیکن ان بدبختوں نے جہاں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہے تو اس کے ساتھ نہ حرفِ ندا یا ہی لگایا اور نہ مدد۔ اور تعجب کی بات ہے کہ آج تک کسی نے اس شرانگیزی و فتنۂ عظیمہ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔

بہر حال تمام غیور مسلمانوں اور پاکستان کی حکومت کو چاہیے کہ فیصل آباد کے اس "منارۂ شرک" کے انہدام کا انتظام کیا جائے۔

چونکہ یہاں پر پنج تن سے متعلق بات ہو رہی ہے اس لیے اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ قدیم اصطلاح ہے۔ مختلف ادوار میں دُنیا کی مختلف قوموں کے پنج تن جو ہمیں معلوم ہو سکے ہیں، ان میں سے سب سے پہلے پنجتن تو وہی ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان پنج تنوں کی پرستش قومِ نوح سے شروع ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک ہوتی رہی۔ ان پنج تن کے علاوہ بعض دیگر اقوام کے پنج تن ذیل میں درج کیے جاتے ہیں؛

مختلف اقوام کے دیومالائی پنج تن

① قوم سمرین کے پنج تن: ان لیل، ان کی، ننتا، اتو، ماما۔
② قوم اکادی کے پنج تن: ننگے، موکلے، ہیتا، اردگو، ادو۔
③ اہل بابل کے پنج تن: شمس، سنی، نیبو، امرتوک، انی۔
④ اشوریوں کے پنج تن: اشور، انو، بعل، ہیا، ودل۔
⑤ قدیم مصریوں کے پنج تن: ایرس، ہورس، اسلیس، را، اتیم۔
⑥ چینی قوم کے پنج تن: یانگ، آسمان، سورج، چاند، ہوا۔
⑦ ہندوؤں کے پنج تن: پاربتی، ہری ہرا، برہما، وشنو، مہیش ریشو۔
⑧ رام بھگتیوں کے پنج تن: رام، لچھمن، لود، کیشو، سیتا۔
⑨ قدیم ایرانیوں کے پنج تن: اموراشرفا، انگرمینو، آتش، آفتاب، زمین۔
⑩ یونانیوں کے پنج تن: زیوس، پوزیدان، ایرش، اپولو، ڈیمیٹر۔
⑪ رومیوں کے پنج تن: مرکری، اپالو، سیروفا، بیکی کش، سرتونو۔
⑫ ٹیوٹانیوں کے پنج تن: تھور، وریون، فریج، بالدور، فریر۔
⑬ مالویوں کے پنج تن: پرکوس، ایڈگوسٹ، سوان، دوادس، ڈیمی ودل۔
⑭ بابلی اہل فلکیات کے پنج تن: عطارد، زہرہ، تھرسا، مشتری۔ زحل۔

مذکورہ بالا پنج تنوں میں کچھ انسان مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ دیگر اشیا جن میں چاند، سورج، زمین، آسمان اور ہوا کے علاوہ کچھ سیارے بھی شامل ہیں یہ قومیں ان کو لائق پرستش سمجھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کے لفظ سے ان تمام کے معبود اور لائق پرستش ہونے کی نفی فرمادی ہے۔

رسمی مسلمان پنج تن کی پکار کی ترغیب کس طرح دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے!

آج کی رات مل کر دعا مانگ لو — آج کی رات ہر مدعا مانگ لو
جو بھی مانگو گے مل جائے گا آپ کو — واہ در پنج تن آج کی رات ہے

آپ کے خیال میں آرہا ہوگا کہ مذکورہ شعر شیعہ کہلانے والے کسی رسمی مسلمان کے ہوں گے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ شعر صوفیوں کے مشہور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے پیر صاحب کے ہیں، جو خود کو سُنّی کہلانے کے علاوہ پیر طریقت اور رہبر شریعت بھی کہلاتے ہیں۔ ان کا نام محمد فاروق اقبال ہے اور رحمانی پیر کے عُرفی نام سے معروف ہیں، عام طور پر کوزہ گروں کو رحمانی کہا جاتا ہے جیسا کہ بافندے انصاری کہلاتے ہیں۔ خیر ذات پات میں کیا رکھا ہے۔ ہمیں اس سے کیا مطلب۔ بات تو ہم کر رہے تھے ان رحمانی پیر صاحب کی جو کہ آستانہ عالیہ رحمانیہ فاروقیہ نقشبندیہ سرگودھا روڈ فیصل آباد کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ عام سادہ لوح مُسلمان ان کی شکل وصُورت اور ان کے نعروں سے اندازہ لگاتا ہے کہ یہ سُنّی مسلمان ہوں گے اور ان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ شیعہ ہیں اور سادہ لوح سُنّیوں کو پہلے تفضیلیت کا درس دیتے ہیں، کیونکہ تفضیلیت اہلِ سُنّت مسلمانوں کو شیعیت کی طرف لانے کی پہلی سیڑھی کا کام کرتی ہے۔ اور تفضیلیت کے لیے سب سے پہلے پنج تن پاک، اہلِ بیتِ رسول کے مناقب اور کربلا کے جھوٹے سچے واقعات کے ذریعے پھانسا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی باتیں اگر کوئی شیعہ اپنی اصل شکل میں بیان کرے تو کام نہیں بنتا، اس لیے ان کو بہروپ دھار کر سنی مُسلمان کی شکل بنانی پڑتی ہے تب کہیں ان کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

یہ حضرات بعض اوقات امام مسجد اور پیش نماز بن کر بھی جمہور اہلِ سنّت کی مساجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے اور اس طرح اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ ایک مشہور شیعہ مشنری لقا حیدری بدایونی (ف ۱۹۶۴ء) اپنی خود نوشت سرگزشت میں لکھتے ہیں: رنگون کی مجالس کے سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پہلے دن چاندو صاحب (مہتمم مجالس) نے فرمایا کہ بنگالی مسجد کے امام چاہتے ہیں کہ آپ کی تقریر سے قبل کچھ بیان کریں۔ میں نے

منظور تو کرلیا لیکن یہ اندیشہ ہوا کہ اگر انھوں نے کچھ ہمارے عقیدے (شیعی مسلک) کے خلاف بیان کیا تو مجبوراً جواب دینا پڑے گا۔ بہرحال وہ جناب مجلس میں تشریف لائے۔ ان کا حلیہ یہ تھا، بہت لانبی داڑھی، عبا و قبا و جبہ (دستارے مزین) لاتعداد ہاتھ میں، متعدد رنگ برنگ کی تسبیحیں گلے میں ڈالے۔ لوگ تعظیم کو کھڑے ہوئے، میں نے بھی تعظیم کی دُعا دی۔ چند منٹ کے بعد منبر پر تشریف لے گئے۔ پہلے ایک فارسی قصیدہ حضرت امیرالمومنین (علیؓ) کی شان میں شمس تبریز یا کسی دوسرے نامی صُوفی کا پڑھا۔ پھر چند منٹ کچھ فضائل اہلِ بیت اور خاتمہ پہ جناب علی اصغر کی شہادت بیان کی۔ تقریر کے بعد کہنے لگے: میں تقریر کرنے نہیں آیا تھا، صرف حیدری صاحب کا بیان سُننے آیا ہوں۔ وہ منبر سے اترے اور میں نے ایک گھنٹے کے قریب فضائل و مصائب حضرات اہلِ بیتِ اطہار بیان کیے۔ لوگ بے حد متاثر ہوئے۔ ختمِ تقریر کے بعد مجھ سے گلے ملے اور میرے کان میں کہا: نجم الحسن سے کہ دینا کہ علی حسین ملا تھا۔ جب میں نے لکھنؤ پہنچ کر قبلہ و کعبہ سے یہ سارا واقعہ بیان کیا تو بے ساختہ کھِل کھِلا کر ہنس پڑے۔ اور فرمایا، یہ مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے شاگرد ہیں۔ (سرگزشت از آقا علی حیدری ص ۳۶، ۳۷)

اور یہ بھی یاد رہے کہ شیعیت کا پہلا زینہ تفضیلیت ہے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کو شیخین السیدین حضرت صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر من حیث الوجوہ فضیلت دیتے ہیں۔ پنج تن پاک اور چہاردہ معصوم کا عقیدہ رکھتے ہیں، ائمۂ طاہرین کا دم بھرتے ہیں۔ اور کسی اہم کام کے ہونے کے لیے کہتے ہیں اللہ اور پنج تن پاک کرے تو ایسا ہو۔ اللہ اور پنج تن پاک کے حکم سے یہ کام ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول نے چاہا تو ایسے ہوگا۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی نہ بھولیے کہ شیعیت و تفضیلیت کا پرچار جس قدر متصوفین بناوٹی صوفیوں اور پیروں نے کیا ہے اتنا خود شیعوں نے بھی نہیں کیا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری ؒ نے ہندوستان میں مسلم فرقہ واریت ص ۵۶ میں تحریر

فرمایا ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں تفضیلی عقائد کی نشر و اشاعت میں شاہ فخرالدین دہلوی (ف ۱۱۹۹ھ) نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ وہ باقاعدہ شیعہ حضرات کو بیعت کرتے تھے۔ امام باڑے جاتے، ایک روپیہ نذر کرتے اور پانی کی سبیل لگاتے۔ بلکہ شیعہ لوگ ان کو شیعہ اور سنّی ان کو سنّی سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیزؒ نے شیعوں کے بیعت کرنے پر شاہ فخر صاحب پر اعتراض کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ شیعہ اس طرح (یعنی بیعت کرنے سے) سبّ وشتم اور تبرّاء سے باز آجاتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات کسی حد تک درست ہو لیکن شیعوں کے دُوسرے معتقدات کی اشاعت بھی عام سُنّیوں میں اسی اختلاط کی وجہ سے ہوئی اور عوام اہلِ سُنّت میں پنج تن پاک، ائمہ معصومین، چہاردہ معصومین، بارہ امام، امام ضامن، بی بی کی صحنک، (امام جعفر کے کونڈے) اور دُوسرے شیعہ معتقدات و معمولات نے جڑ پکڑی اور پھر اس کا نقطۂ عروج مراسم محرم اور تعزیہ داری کی شکل میں ظاہر ہُوا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین اپنی کتاب "اردو مرثیہ اور شاہی سرپرستی" میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان (بشمول پاکستان و بنگلہ دیش) میں جن حضرات نے تصوّف کے پردہ میں تبلیغِ دین فرمائی ان کو تمام تر سُنّی المذہب قرار دینا غلط ہے۔ اس لیے کہ اثنا عشری اور اسماعیلی شیعہ بھی تصوّف کے بھیس میں ایران سے ہندوستان آتے رہے ہیں اور اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ (تصوّف کے بھیس میں سُنّی بن کر اور پیر کہلا کر) کرتے رہے ہیں۔ نزاری اور مستعلی اسماعیلیوں کی تبلیغ تمام تر تصوف کے پردے میں ہُوئی ہے چنانچہ نزاریوں کے پیر صدرالدین اور حسن کبیرالدین اس سلسلہ میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اثنا عشری علماء و مبلغین بھی تصوّف کے پردے میں ہندوستان میں تبلیغ کرتے رہے، جن کا ایک واضح اشارہ ابوالفضل نے بھی آئینِ اکبری میں کیا ہے۔

شیعیت اور تفضیلیت کی اشاعت میں جہاں متصوفین اور مصنوعی پیروں نے بڑھ چڑھ کر کام کیا ہے وہاں سلاطین، نوابوں اور امراء نے بھی اپنے اپنے انداز میں اس

سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کیا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ لیکن جہاں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مٹانے کی کوششیں ہورہی تھیں؛ وہاں کچھ دلیر اور بہادر و نڈر علماء حق نے بھی توحید کی اشاعت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ان علماء حق کی فہرست بھی بڑی طویل ہے۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ صرف ایک نڈر اور بے باک عالم دین کا واقعہ لکھا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح جان ہتھیلی پر رکھ کر حق کی آواز کو بلند کیا۔

شیخ عبداللہ ملتانیؒ کا دہلی میں اعلانِ حق

تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۱۲۱، ۱۲۲ میں شمس العلماء مولوی ذکاء اللہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ فرخ سیر کے دور میں خانِ دوراں خان بخشی کے بھائی خواجہ محمد جعفر ایک متصوف (مصنوعی صُوفی و پیر) تھے۔ ان کے حالات میں تحریر ہے کہ ان کے گھر میں ائمۂ طاہرین کی منقبت میں قوالیاں گائی جاتی تھیں۔ بعض مُریدین و مُعتقدین سلام کی بجائے زمین بوس آداب کرتے تھے اور ائمۂ اثنا عشریہ کی منقبت گاتے تھے۔ ملتان کے ایک واعظ شیخ عبداللہؒ دارالسلطنت دہلی پہنچے تو انھوں نے اس رجحان پر گرفت کی اور کہا کہ: سجدہ سوائے معبودِ برحق (اللہ تعالیٰ) کے کسی کو سزاوار نہیں۔ اور سُرود (قوالیوں) کا سُننا بھی شریعت کے طریقہ کے خلاف ہے۔ فقط مدح و منقبت اہلِ بیت کا سُننا اور اصحابِ کبار (یعنی شیخین و عثمان وغیرہ رضی اللہ عنہم) کے اسم اور ذکر کا نہ ہونا اسلام کے آئین اور طریقہ سے دُور ہے۔

اور شیخ عبداللہ ملتانی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے مسجدِ جامع (دہلی) میں جمعہ کے دِن وعظ (کے دَوران) کہا کہ: حضرت علیؓ داخلِ عبا نہیں ہیں۔ اور علوی کو سیّد نہیں کہہ سکتے۔ اور جن "پنج تن" کو "پاک" کہتے ہیں؛ اہلِ سُنت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کیا اور صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) "پاک" نہ تھے۔؟ (ماخوذ از مقدمہ پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم)

پنج تن کی اصطلاح کہاں سے آئی ؟

طبّی اصطلاح میں ایک لفظ ہے "پنچانگ" اس کا مطلب ہے کہ کسی پودے کے پانچ انگ یعنی اجزا مثلاً پتے، پھل، پھول، جڑ اور چھال۔ اسی طرح ایک لفظ ہے "پنجپا" اسے "پنج پوڑ" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک پانی کا کیڑا ہے جو کہ شکل میں بچھو کے مشابہ ہوتا ہے، اسے کیکڑا یا سرطان بھی کہتے ہیں۔ نیز ایک لفظ ہے "پنج شاخہ" اور اسے "پنجی" بھی کہتے ہیں، اس کی پانچ بتیاں ہوتی ہیں اور اس سے روشنی کا کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک لفظ "پنجیری" ہے جو کہ ایک بھربھرا سا حلوا ہوتا ہے اور اس میں پانچ چیزیں ڈالی جاتی ہیں مثلاً سوجی، گھی، سونٹھ، گوند اور میوہ۔ اسی طرح "پنجمی" چاند کی پانچویں تاریخ کو کہتے ہیں۔ اور "پنج ند" پاکستان میں وہ مقام جہاں پانچوں دریا باہم مل جاتے ہیں۔ اور "پنج آیت" سورۂ فاتحہ اور چاروں قل کو کہا جاتا ہے۔ "پنج سورہ" پانچ سورتوں کو کہتے ہیں۔ اور "پنج گانہ" پانچوں وقت کی نماز کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک لفظ ہے "پنج عیب شرعی" جو چوری، حرامکاری، شراب خوری، جُوا اور جھوٹ کو کہا جاتا ہے۔ اور لفظ "پنج تن" کا مطلب ہے "پانچ جسم" اور جب کہا جائے کہ "پنج تن پاک" تو عموماً اس کا مطلب ہوتا ہے "پانچ پاک اجسام" یعنی جو گناہوں سے پاک و معصوم ہوں لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو "پنج تن پاک" سے جو ہستیاں مراد لی جاتی ہیں تو ان کے علاوہ دُوسری تمام شخصیات کو اگر ناپاک نہیں تو اور کیا کہا جائے گا۔ لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ پاک سے مُراد ہے گناہوں سے معصوم۔ اور واقعی اگر یہ معنی معصوم ہیں تو چودہ معصوموں کا عقیدہ کہاں جائے گا ؟

بہرحال لفظ "پنج تن" پانچ اجسام کے معنوں میں فارسی الفاظ سے بنایا گیا ہے۔ اس کے باوجود ۱۱۴۴ صفحات پر مشتمل ضخیم فارسی لغت کی کتاب فرہنگِ عمید میں یہ لفظ سرے سے لایا ہی نہیں گیا، جبکہ اس کا مصنّف

ایک خالص ایرانی شیعہ حسن عمید ہے۔ جس سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ لفظ ایرانی شیعوں کا ایجاد کردہ نہیں ہے۔ البتہ یہ لفظ پاکستان کی مطبوعہ کتب لغت مثلاً فیروز اللغات وغیرہ میں موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ برصغیر پاک و ہند کے ان لوگوں کا ایجاد کردہ ہے جو ہندو مت چھوڑ کر بظاہر مسلمان ہوئے، تو جب انھوں نے مسلمانوں کے ہاں بھگوان (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی دیوی دیوتا نہ پایا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارشی ہو، نہ یہاں رام تھا نہ لچھمن و سیتا، اور نہ برہما نہ وشنو اور پاربتی۔ پھر جب اُنھوں نے مُتصوّفین اور جعلی پیروں سے اہل بیت کے مناقب و فضائل اور مصائب سُنے تو انھیں اپنے ہاں کے سیتا و رام یاد آگئے اور اُنھوں نے سمجھ لیا ہماری خواہش کے مُطابق بھگوان تک رسائی کے لیے دیوی دیوتا تو یہاں بھی موجود ہیں تو پھر کیا تھا، انہی سے لگے اپنا کام چلانے۔ پھر چلتے چلتے ان پانچوں کے نام کو مختصر کرکے "پنج تن پاک" کرلیا گیا اور پھر جس طرح بھگوان کے ساتھ رام و سیتا کا نام جپنے کی عادت تھی اسی طرح بات بات میں مولا اور پنج تن کہنے لگے۔ اور پھر جس طرح دیوی دیوتاؤں سے مدد مانگتے تھے، اسی طرح پنج تن سے مدد مانگنے لگے، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چھوڑ ہی دی، جیسا کہ فیصل آباد کے "مینارۂ شرک" کی تحریر سے ظاہر ہے، جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اور جب ایرانی شیعوں نے یہ دیکھا کہ ہندوستانی رسمی مسلمانوں نے ہندؤوں کے دیوی دیوتاؤں کی جگہ نئے معبود دریافت کرلیے ہیں اور انھیں یہاں مورتیوں کی کمی بھی شدت سے محسوس ہورہی ہے تو ہزارہا سال سے بُتوں اور مورتیوں سے مانوس اس قوم کے لیے پنج تن کی تصاویر بنا کر پاک و ہند کے رسمی مسلمانوں کے لیے یہاں بھیجنی شروع کردیں، یہ رسمی مسلمان اب ان تصاویر کے سامنے مراسم پرستش بجا لاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ لفظ "پنج تن پاک" کی ایجاد کا سہرا برصغیر پاک و ہند کے رسمی مسلمانوں کے سر ہے۔

کیا قرآن میں پنج تن پاک کا ذکر آیا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (۲:۲۵۳) نیز فرمایا: وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ (۱۷:۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور پھر ان پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر خصوصیت سے فرمایا ہے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (۳۳:۷) نیز فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ (۴۲:۱۳) تو ان آیات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ پانچ اولوالعزم پیغمبر "پنج تن پاک" ہیں، اس لیے کہ تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم اور چھوٹے بڑے سب گناہوں سے پاک ہیں۔ اور یہ پنج تن جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ فرمایا ہے اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ ان کو "پنج تن پاک" کہا جائے۔ اور ان پانچ عظیم الشان پیغمبروں کے بارے میں "پنج تن" کے لفظ کا استعمال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی عقائد کی کتاب تکمیل الایمان میں فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں: و این "پنج تن" اولوالعزم اند کہ بزرگ ترین و فاضل ترین رسل اند، و صبر و مجاہدۂ ایشان در راہِ حق از ہمہ بیشتر است۔ (تکمیل الایمان فارسی ص ۳۳)

مگر اس کے باوجود ہم ان انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے پنج تن کی اصطلاح کا استعمال نہیں کرتے، کیونکہ اب یہ لفظ شیعوں کا شعار بن چکا ہے اور ارشاد نبوی من تشبہ بقوم فھو منھم بھی آڑے آتا ہے۔

حق چار یار کی اِصطلاح بھی مبہم ہے

"پنج تن پاک" کی طرح "حق چار یار" کا لفظ بھی مبہم اور موہم ہے۔ کیونکہ شیعہ بھی "حق چار یار" کہتے ہیں اور اس سے حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت ابوذر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم مُراد لیتے ہیں اور مفہوم پر انھوں نے کئی کتب و رسائل لکھے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان چار کے علاوہ باقی تمام صحابی ناحق تھے۔ تو اگر اہلِ سُنّت "حق چار یار" سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم مُراد لیتے ہیں تو کیا ان چار کے علاوہ باقی تمام صحابہؓ کو ناحق کہیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ کو جنھوں نے ایمان کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فرمائی ہے 'صادق اور برحق فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (٢: ١٧٧) نیز فرمایا: أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (٤٩: ١٥ و ٥٩: ٨) نیز فرمایا: الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (٣: ١٧) پھر فرمایا: إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ الیٰ اٰخر الآیۃ (٣٣: ٣٥)

ان آیاتِ بینات میں خلفاء کی تخصیص نہیں ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صادق، مسلم، مومن، صابر وغیرہ اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہیں۔ لہٰذا ہمارا عقیدہ ہے کہ کُل اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق اور سچے ہیں اور کُل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے تو غیر مسلموں کے حق میں بھی ترغیب الی التوحید کے طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ اے صحابہؓ کی جماعت! اگر یہ غیر مسلم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے کہ تم ایمان لائے تو وہ بھی راہِ حق پر آ گئے۔ (٢: ١٣٦) اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارا امام و پیشوا ہوں تم میری اتباع کرو، لوگ تمہاری اتباع کریں گے۔ بہر حال تمام صحابہؓ ہادی و مہتدی ہے۔ الحاصل "حق چار یار" کی بجائے "حق کُل یار" کی اصطلاح کو اپنانا چاہیے۔

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ (قرآن)

شیطان اور کافر قوموں کی کچھ

رذیل عادتیں

مؤلف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت العلامہ مولانا محمد حسین النیلوی مد ظلہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، حال صدر مدرس ضیاء العلوم سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی قال فی کتابہ المجید الذی اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبہم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون۔ والصلوٰۃ علی النبی الامی الذی یامرھم بالمعروف و ینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث وعلیٰ آلہٖ وصحبہ الذین اقاموا الدین

اما بعد زمانہ حال کے عوام کو دیکھ کر یہ خیال گزرا کہ گزشتہ اقوام کی رذیل عادات لکھ دی جائیں تاکہ انہیں دیکھ کر شرم کریں اور ایسے کاموں سے باز آئیں، مختصراً اس لیے لکھا تاکہ انہیں ضبط کر کے ان کاموں کو چھوڑیں اور پھر کچھ سبق میں اضافہ کیا جائے گا تاکہ تدریجاً ان بری عادتوں کو ترک کر کے صحیح مسلمان بن جائیں۔

شیطان کے کرتوت

خدا تعالیٰ کے بارے کہنا کہ اس نے مجھے گمراہ کیا

خدا پاک پر افتراء کرنا

سود اور فحشاء کا حکم دینا

دھوکہ دہی

تکبر

سبز باغ دکھانا۔ اغواء کرنا

دل میں وسوسے اور شبہات ڈالنا اور اپنے آپ کو ناصح بتانا

خدا کا نام لے کر جھوٹی قسم کھانا

وقت پڑنے پہ ساتھ چھوڑ دینا

امیدیں دلانا اور جھوٹے وعدے

اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو بدلنا

بزرگوں کا نام کر کے جانوروں کے کان چیرانا

بزرگوں کا نام کر کے خود کو پجوانا

اپنا حصہ مال وغیرہ میں مقرر کروانا

سود اور فحشاء کا حکم کرنا

حسد

حرص

خواہشات نفسانیہ کی طرف راغب کرنا۔ حکم خدا کی نافرمانی کرنا اور کروانا۔

عاداتِ قومِ لوطؑ

- رستہ میں گذرنے والوں کو کنکریاں مارنا
- رستہ میں گذرنے والوں سے مسخری کرنا اور مزاح میں فحش گوئی کرنا
- سیٹیاں بجانا
- تالیاں بجانا
- کبوتر بازی
- اغلام بازی
- راگ گانا
- پیغمبروں اور فرشتوں کی توہین کرنا
- مصیبت کے وقت سر پر راکھ ڈالنا
- " " " کپڑے پھاڑنا
- " " " ٹاٹ اوڑھنا
- ایک دوسرے پر تھوکنا
- ایک دوسرے کے سامنے پاد مارنا اور پھر ہنسنا
- مُحاگ ملنا (مَردوں کا)
- ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی لگانا
- ہاتھ کی انگلیاں دبا کھینچ کر ان میں سے آواز نکالنا
- ڈاڑھی منڈوانا
- کوٹ کے پیچھے کی طرف چاک کھولنا
- بُت پرستی کرنا
- حب دنیا و مال و دولت
- حرص امتداد حیات دنیا
- سحر و کہانت

فرعون کی عادات

- سیاہ خضاب لگانا
- خدائی دعویٰ کرنا
- پکی اینٹوں کے مکان تیار کرنا
- لوگوں میں پھوٹ ڈالنا
- اپنے آپ کو ہادی اور مرشد کہنا
- سبطیوں کے نوزائیدہ بچوں کا قتل عام
- " کی عورتوں کی عزت لوٹنا
- " سے بیگار لینا اور گندے کام لینا
- اپنے مخالفین کو بدمذہب، ضال اور کافر کہنا
- خدا کے نبیوں کی توہین کرنا اور مجنون کہنا

یہود کی عادتیں

۱ کتمانِ حق
۲ حق و باطل کا گڈمڈ کرنا
۳ آسمانی کتابوں میں لفظی یا معنوی تحریف
۴ عبارات کتب کو اپنے مقام سے ہٹانا
۵ آسمانی کتب میں کمی بیشی اور قطع برید
۶ غلط مسائل اور فتوے لکھنا پیٹ کی خاطر
۷ تقیہ بازی
۸ عہد شکنی
۹ سود خوری
۱۰ رشوت خوری
۱۱ ناحق طریق سے لوگوں کا مال کھانا
۱۲ ریاء کاری
۱۳ قول و فعل میں تضاد
۱۴ سکے پر بادشاہ وغیرہ کی تصویر
۱۵ اولیاء و انبیاء کی قبروں کو حریر یا اطلس آراستہ کرتے رہنا اور سجانا
۱۶ اکابر اور انبیاء کرام علیہم السلام پر تہمتیں لگانا
۱۷ ان کے علماء کا اپنے آپ کو ربی (شیخ الشیوخ مولانا) کہلانا
ہیکل میں خرید و فروخت کرنا
۱۸ پہلا پھل کاہن (پروہت) کو دینا
۱۹ ہیرودلیس وغیرہ کسی بڑے کی سالگرہ منانا اور عرس کرنا
۲۰ اجنبی عورتوں کا اجنبی مردوں کے سامنے رقص اور ناچ کرنا
۲۱ غلط سلط مشہور کردہ بزرگوں اور واعظوں کی بتائی ہوئی روایات پر عمل کرنا
۲۲ لمبے پائجامے اور لمبے چغے پہننا
۲۳ پوشاک کناسے چوڑے بنانا
۲۴ ریاء کاری سے لمبی لمبی نماز پڑھنا
۲۵ عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیوں پر بیٹھنا
۲۶ ضیافتوں میں صدر نشینی
۲۷ قیامت کا انکار کرنا
۲۸ دہ یکی (عشر) پہ زور دینا ایمان و رحم اور انصاف کا ترک کرنا
۲۹ فروعی مسائل میں غلو کرنا مثلاً بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا حرام ہے
۳۰ خدا تعالیٰ کو عاجز اور بے کس سمجھنا
۳۱ کاہنوں کو حرام کام کرنا جائز ہے

ماتم کرنا - نوحہ کرنا

عورتوں کا چھاتی پیٹنا اور رونا زور کی آواز کے ساتھ

نرسنگا بجا کر عبادت کرنا

گا کر عبادت کرنا

عبادت اور خدا تعالیٰ کی مدح سرائی میں دس تاروں کا ساز سارنگی بربط اور ارغنوں کا استعمال کرنا

عبادتِ ماثورہ میں تبدیلی کرنا

عزیر علیہ السلام کو پکارنا یا عزیر یا عزیر

قبلہ سے رخ ہٹا کر نماز پڑھنا

نماز پڑھتے وقت روشنی کرنا ضروری سمجھنا

نماز میں سدل

مغرب کی نماز دیر سے پڑھنا

پردہ کرنا کسبی عورتوں کا کام ہے

کوکھ پہ ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا

مردوں کا ہاتھوں اور پاؤں پہ مہندی لگانا

سر کے بال لمبے لمبے رکھنا

مونچھیں بڑھانا

خواہشات نفسانیہ کی اتباع

کوئی نصیحت کرے تو قلوبنا غلف کہنا۔

جھوٹ اور مغرب مستحبات سے ہے بسا اوقات جھوٹ بولنا مستحب ہو جاتا ہے

جبرائیل علیہ السلام سے عداوت

انبیاء و اولیاء و ناصحین سے عداوت

انبیاء، اولیاء اور ناصحین کو قتل کرنا اور اس قتل کو جائز اور برحق سمجھنا

حق بات سے اعراض کرنا

عذابِ جہنم سے نڈر رہنا

حضرت نوح و لوط وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے یہ کہنا کہ انہوں نے متعہ کیا تھا نعوذ باللہ

یہ عقیدہ کہ آل داؤد کے بغیر کوئی دوسرا امامت کے لائق نہیں ہے

دجال آنے کے بعد جہاد واجب ہوگا اس سے پہلے ہم پر جہاد واجب نہیں ہے

یوشع حضرت موسیٰ کے وصی ہیں

فرشتوں کو انسانوں پر فضیلت ہے

کئی عیدیں مناتے ہیں عید جشن، عید فصح، عید فوریم، عید خیام، عید خمسین، عید میلاد، عید تجدید

چلنے میں عجب

انگلی کے اشارے سے سلام کرنا

قبر پہ ہاتھ رکھنا

قبر پہ بوسہ دینا

حکم خدا کو حیلے بہانے سے ٹالنا
حکم رسول میں تامل قبول کرنا اور مجبول سمجھنا
معجزے دیکھ کر منہ موڑنا یعنی اعتراض کرنا
اپنے ہم دینوں کو وطن سے نکالنا۔
دیگراں را نصیحت خود را فضیحت
مسلمانوں کو باہم لڑانے کی یاد اور ان میں پھوٹ ڈالنے کی مختلف تدبیریں سوچنا
اور ان پر عمل درآمد کرنا
مسلمانوں کے قلوب میں شبہات ڈال کر گمراہ کرنے کی سعی (فری میسن)
امانت میں خیانت

لے کر نہ دینا
اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی
بادشاہ غیر خاندانی آدمی اور دولتمند بھی ہو سکتا ہے
کوئی بشر آسمان پر نہیں جا سکتا
گھر کی صفائی ستھرائی نہ کرنا
تین طلاقیں دی جائیں تو واقع نہیں ہوتیں، رجوع درست ہے
پاکی پلیدی کا خیال نہ رکھنا
عورتوں پر عدت فرض نہیں
ذخیرہ اندوزی

پولوسی مسیحیوں کی عادات

عیسیٰ خداوند خدا کا اکلوتا پہلوٹا بیٹا اول مولود ہے
عیسیٰ نورِ خدا ہے جو انسان کے روپ میں آیا ہے
عیسیٰ کے معجزات کو دیکھ کر انہیں خدا مان لیا
خدا باپ ہے بیٹا باپ بیٹے سے روح القدس
فرشتوں اور نبیوں کو رب سمجھنا
کوئی بشر آسمان پر نہیں جا سکتا
کھڑے کھڑے پیشاب کرنا

خدا کی (والعیاذ باللہ) بے وقوفی، جھوٹ اور پچھتانا
عقیدۂ تثلیث
غیر نبی کو نبی سمجھنا
پولوس کو نبی سمجھنا اور اس کو معصوم سمجھنا
عقیدۂ کفارہ
انجیل میں لفظی و معنوی تحریف کرنا
تفسیر کا حق پوپ کے سوا کسی کو نہیں
ان کے سربراہ جس چیز کو حلال کہیں وہ حلال ہے اور جس کو حرام کہیں وہ حرام ہے

ناقوس بجانا دائمی و ابدی رسم ہے
ترغیب و ترہیب کے لیے موضوع
حدیثیں بنانا اور بیان کرنا جائز ہے
پاکوں کے لئے سب کچھ پاک صاف ہے
مذہبی چندوں کیلئے صرف لاوی کی اولاد مخصوص ہے
عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے الوہیت کا رتبہ عطا فرمایا ہے
ایوبؑ و داؤدؑ کا راکھ میں بیٹھنا
پیر کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عید میلاد منانا
کسی کے استقبال میں درختوں کی ڈالیاں کاٹ کر رستے میں پھیلانا، لٹکانا۔
نماز کی کتابوں میں سے دیکھ دیکھ کر نماز پڑھنا

آدم علیہ السلام کی مغفرت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے ہوئی
عقیدۂ صلیب
عیسیٰؑ تمام مخلوق کا حساب کتاب خود لیں گے
عیسیٰؑ خدا کے نائب ہیں
عیسیٰؑ زمین و آسمان کے مختار کل ہیں
ابن آدمؑ (عیسیٰؑ) سبت کا مالک ہے
عیسیٰؑ عالم الغیب والشہادۃ ہیں
عیسیٰؑ کا میلاد منانا ضروری ہے
اپنے دین کو رواج دینے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔
امام کے لئے علیحدہ اور اونچی جگہ مقرر کرنا
عبادت کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے گھنٹہ بجانا

مشرکین کی عادات

نائبوں کے تعاون کے بغیر اکیلا خدا یہ دنیا کا تمام نظام نہیں چلا سکتا
ناصحین سے استہزاء۔
ناصحین کو ایذا پہنچانا
بے ناحق کی حجت بازی
تکبر
آبائی رسوم و عقائد باطلہ کو نہ چھوڑنا

کوئی بشر رسول وہادی من اللہ نہیں ہو سکتا
کوئی بشر آسمان پہ نہیں جا سکتا
کوئی رسول ہو کر یوں بازاروں میں کھاتا پیتا چلتا پھرتا نہیں نہ کھاتا پیتا ہے
رسول وہی ہو سکتا ہے جو رئیس کبیر ہو
قیامت کا انکار

[illegible]

[illegible]

اپریل فول

گناہ کبیرہ

مؤلف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت العلامہ مولانا محمد حسین النیلوی رحمہ اللہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، حال صدر مدرس ضیاء العلوم سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا خاتم النبیین وعلیٰ الہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

امّا بعد! بندہ احقر الفقیر محمد حسین غفر اللہ لہ ولوالدیہ واساتذتہ عرض کرتا ہے کہ ماہ اپریل کے اوائل میں جھوٹ بولنا، لکھنا، شائع کرنا یورپین مذہب میں فقط جائز ہی نہیں۔ بلکہ مستحسن ہے۔ اور یورپ کے اخبار اس پر عامل ہیں۔ ان کے دیکھا دیکھی ہمارے مسلم اخبارات نے بھی ان کی نقل اتارنا عادت سے شروع کر رکھا ہے۔ چونکہ چند روز تک اپریل کا مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق ذیل کی معلومات مسلمانوں کے انتباہ کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

جب سے پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں یورپین رسم و رواج اور وضع و تراش کی اشاعت ہوئی اور بہت سے مسلمان اندھا دھند یورپ کی رسوم پر شریعت کی طرح عامل ہو گئے۔ اور جو کام کسی یورپین نے کر لیا وہی مایۂ اعزاز و افتخار بن گیا۔ تجربہ شاہد ہے کہ اسی وقت سے مسلمانوں کا نہ فقط علمی۔ عملی اخلاق۔ اقتصادی نشوونما بند ہوا۔ بلکہ ہر قسم کا انحطاط اور تنزل شروع ہو گیا۔

اسلامی اصول میں سے ہے کہ مسلمان اپنی طرز و وضع، تراش و خراش اور رسوم و رواج میں ہر غیر مسلم قوم سے ممتاز ہو کر رہے۔ غیر مسلموں کی کوئی وضع خاص یا رسم خاص اگرچہ دنیوی اور معاشی امور ہی میں ہو مسلمان کے لئے اس کا قصد اور اختیار کرنا جائز نہیں جیسا کہ بے شمار نصوص شرعیہ قرآن و حدیث کی اس سلسلہ میں وارد ہیں اور لیکن اگر یہ رسم و رواج غیر مسلموں کے کسی مذہبی عقیدہ یا عبادت سے تعلق رکھتا ہے تو مسلمان کے لئے اس کا اختیار کرنا اور بھی زیادہ شدید ترین مذہبی جرم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بعض خاص صورتوں میں انسان اپنی عزیز ترین دولت یعنی مذہب اسلام ہی سے محروم ہو جاتا ہے۔ جس کی مثالیں زنار گلے میں ڈالنا۔ بت کو سجدہ کرنا۔ صلیب کے سامنے نصاریٰ کی طرح عبادت کی شکل بنانا، وغیرہ تمام کتب فقہ و عقائد میں مشہور و معروف ہیں۔

اپریل فول: اپریل فول کے متعلق میں یہ خیال کرتا تھا کہ یہ بھی یورپ کے انہیں لغو بیہودہ رسوم میں سے ہے۔ جو ان کی عیاشی اور تفریح طبع کے لئے آئے دن ایجاد ہوتی رہتی ہیں۔ یہی نہیں کہ یہ یورپ کی ایک تفریحی نمائش ہے بلکہ یہ درحقیقت نصاریٰ کی ایک مذہبی رسم ہے۔ اور مسلمان اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو گئے۔

ماہ اپریل مذہب نصاریٰ میں جہالت کا مخصوص مہینہ ہے! سترھویں صدی عیسوی سے پہلے فرانس میں بجائے جنوری کے اپریل ہی سے شمسی سال شروع ہوتا تھا ۱۶۵۴ء میں شاہ فرانس شارل تاسع نے اس کو بدل کر جنوری

کو پہلا مہینہ قرار دیا۔ اہل رومان نے ماہِ اپریل کو بدل کر اپنے معبود وینس کے لئے خاص کر رکھا تھا۔ اس دن اس کا جلوس نکالتے اور گاتے بجاتے تھے (دائرۃ المعارف للعلامۃ الفرید الوجدی ج۱)۔

اپریل فول: اس کی اصل اور حقیقت میں مورخین مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ انیسویں صدی عیسوی میں رائج ہوا ہے۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ اپریل چونکہ اس زمانہ میں سال کا شروع مہینہ تھا اس کی پہلی تاریخ میں یہ لوگ خوشی اور عید مناتے تھے اور آپس میں ہدایا اور تحفے بھیجتے تھے۔ اس میں بڑھتے بڑھتے ہنسی مزاح جاری ہوا جس کی نوبت دروغ بافی تک پہنچ گئی۔ لیکن علامہ فرید وجدی جس نے انیسویں صدی عیسوی میں "دائرۃ المعارف" لکھی ہے ان کی تحقیق اس معاملہ میں اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے اسی کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ اوائل اپریل میں یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو عذاب و تکلیف دینے کے لئے مختلف محکموں میں منتقل کیا تھا جس کا مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکا دینا اور ان کے ساتھ (معاذ اللہ) استہزاء اور تمسخر تھا۔ اب نصاریٰ میں اس قوم کی یادگار کے طور پر اسی قسم کا مزاح و خداع جاری ہوئے جس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس تاریخ میں جھوٹ بولنا اور لکھنا جائز کر لیا گیا۔ اور نصاریٰ میں یہ ایک مذہبی رسم بن گئی۔ اور دورِ حاضر میں تو جس قدر زیادہ جھوٹ بولا جائے اسی قدر زیادہ کمال سمجھا جاتا ہے۔ (دائرۃ المعارف ج۱ ص۲۲)

انتباہ: نصاریٰ کی اس خرافات کا تو ہم کیا شکوہ کریں کہ انہوں نے جھوٹ بولنے کو مذہبی شعار بنا لیا۔ اور جو کام ان کے پیغمبر مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے کیا تھا، وہ آج اس کی نقل اتار کر خود بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین کرنے والوں میں داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ حضرت مسیح کے فعل کی نقل اور یادگار ہے۔ یا ان کے دشمنوں کے فعل کی۔ بلکہ ہمیں تو اپنے افعال و اعمال اور یورپ کی جاہلانہ تقلید کا رونا ہے۔ کیونکہ ؎

وردِ سر ما ہمیں سر ماست   بارے کہ بدوش ماست دوش است

آج مسلمان اخبارات و جرائد بھی نصرانیوں کی اس رسم میں پورا حصہ لیتے ہیں اور چند ناعاقبت اندیش لوگوں کی تھوڑی دیر کے لئے تفریح طبع کے واسطے اس گناہ عظیم کو سر رکھ لیتے ہیں۔ کہ اوّل

ف حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں حکومت دراصل ایک بت پرست قوم کی تھی۔ مگر یہودیوں نے کچھ تغلب کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی قومی عدالتیں علیحدہ حکومت کی عدالتوں کے علاوہ قائم کی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر جرم لگا کر آپ کو کبھی ملکی عدالت میں بھیجا اور بغاوت کا الزام ان پر لگایا اور کبھی قومی عدالت میں لایا گیا اور بدینی اور الحاد کے تحت ملزم بنایا گیا۔ اس طرح مختلف عدالتوں میں ان کو پھرایا گیا جس سے اُن کا مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانا اور آپ کے ساتھ تمسخر کرنا تھا۔

جھوٹ بولنا دھوکہ دینا خود کبیرہ گناہ ہے۔ پھر اس خاص جرأت وجسارت سے اس کو شائع کرنا دوسرے مسلمانوں کے لئے گناہ کا سامان مہیا کرنا اور اس سے زیادہ یہ کہ ان مخصوص ایام میں ایسا یہ نصاریٰ کی مذہبی رسم میں شرکت ہے جو شدید ترین گناہ ہے۔ حدیث میں ایسے کلمات کے متعلق ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض کلمات آدمی معمولی سمجھ کر محض مجلس کو ہنسانے کیلئے بے پروائی سے کہہ دیتا ہے مگر یہی کلمہ اس کے لئے آخرت کے عذاب شدید کا سبب بن جاتا ہے۔

اس لئے مسلم اخبارات وجرائد سے میری درخواست ہے کہ اس مضمون کو اپنے صحائف میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔ اور اس گناہ عظیم اور نصاریٰ کی تقلید سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کریں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان

والسلام مع الاکرام خیر ختام

طالب الخیر فی الکونین محمد حسین صانہ اللہ عن الشین

نیلوی

مدرس ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا

ناشر: ادارہ گلستان اہل سنت سرگودھا
طابع: سید حسن واسطی
مطبع: گلستان پریس جناح مارکیٹ سرگودھا
ہدیہ: دعائے خیر

قال اللہ تعالیٰ

وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ

اور ہماری آیات کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں

رفض و اس کے متعلق

شرعی فیصلہ

قرآن، حدیث، اجماع، فقہاء اُمت کے
فتاویٰ کی روشنی میں

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

الاستفتاء

قرآن وسنت اور علماء مجتہدین محققین امرِ دین اولی الامر کا ان لوگوں کے بارے کیا فیصلہ ہے جو اس معروف قرآن مجید کو نہیں مانتے۔ اماموں کا رتبہ نبیوں سے بڑھاتے ہیں صحابہؓ کو مرتد کہتے ہیں اور ان کو سب و شتم اور لعن کرتے ہیں۔ ازواج مطہرات کو سبّ بکتے ہیں۔ شیخین کو دوزخی بتاتے ہیں۔ علی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ ائمہ اثنا عشر کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ موت وحیات کا ان کے اختیار میں ہونا مانتے ہیں۔ تقیہ کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ متعہ کو حلال بلکہ کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور دبر میں اپنی بیوی کے وطی کرنا جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء کرام اپنے مشن میں ناکام رہے ہیں۔ اور صحابہ رضؓ پر بھی الزام تراشی کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے جھوٹ بہتان باندھتے ہیں۔ کذاب۔ غدار۔ خائن ظالم و غاصب کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ائمہ کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ائمہ کو اختیار ہوتا ہے جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں

آیا ایسا عقیدہ رکھنے والے قرآن و حدیث صحیح کے رو سے مسلمان ہیں یا دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ سلف صالحین نے ان کے متعلق کیا فیصلہ فرمایا ہے ائمہ مجتہدین نے ان کے بارے کیا فتویٰ دیا ہے

بینوا بالدلائل والبراھین القاطعہ الساطعۃ توجروا یوم الحساب۔

المستفتی: عبد الستار توحیدی

فاروقہ ضلع سرگودھا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولٰنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ وعترتہ ومحبیہ وناصریہ ومشیدی دینہ ومؤیدی شرعہ واولیاءہ واحباءہ واعداءہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

امابعد :- الجواب بعون الملک الوھاب

ویسے تو مذہب شیعہ کے بیسیوں فرقے اور گروہ ہوتے ہیں - جن میں سے بعض تو بہت ہی غالی ہوئے - پھر ان غالیوں میں سے کئی تو ایسے ہو گذرے ہیں جنہوں نے اپنے محبوبوں کو الٰہ مانا - چنانچہ ان میں سے ایک فرقہ وہ تھا جو کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت علی بن حسین زین العابدینؒ، حضرت محمد بن علی باقرؒ، و جعفر بن محمد صادق رحمہم اللہ تعالیٰ کو الٰہ مانتا تھا

اور ایک فرقہ وہ تھا جو حضرت محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کو الٰہ مانتا تھا -

اور ایک فرقہ ابو سعید حسن بن بہرام جبائی کو الٰہ مانتا تھا

اور ایک فرقہ منصور ابو القاسم نجار کو، اور ایک فرقہ عبید اللہ اور اس کی اولاد کو اور ایک فرقہ ابو الخطاب محمد بن ابی زینب مولائے بنی اسد الکوفی کو اور ایک فرقہ معمر حناط کوفی کو، اور ایک فرقہ حسین بن منصور حلاج کو اور ایک فرقہ محمد بن علی بن الشلمغانی کو، اور ایک فرقہ شباس المضیم بصری کو

اور سبائیہ نے حضرت علی کو، اور راوندیہ نے ابو جعفر منصور کو، اور بعض نے ابو مسلم السراج کو، اور بعض نے مقنع، عور قصار کو، اور حربیہ نے عبداللہ بن الحرب الکندی کو اِلٰہ مانا جو تناسخ ارواح کا قائل تھا۔ اور رات دن میں ۱۹ نمازوں کو فرض کہتا تھا اور ہر نماز کی ۱۵ رکعتیں بتاتا تھا۔

اور غالیوں میں سے بہت سے ایسے ہوئے ہیں جو اپنے اکابر بزرگوں کو نبی اور رسول مانتے۔ چنانچہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک مانتے۔ اور ان میں سے غرابیہ فرقہ تھا جو اصل نبی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے جاتے رہے ان میں سے بعض کا تو یہ خیال تھا کہ اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں وہ معذور ہیں اور ان میں سے بعض وہ تھے جو جبرئیل علیہ السلام کو قصور وار ٹھہراتے اور کہتے کہ معاذ اللہ جبرئیل ؑ کافر ہو گیا۔ اور بعض نے جسارت کر کے یہاں تک بات پہنچا دی کہ یہ سب (معاذ اللہ) محمد صاحب کی غلطی تھی جو آپ ہی نبوۃ سنبھال بیٹھے۔ اور بعض نے کہا کہ مختار ثقفی نبی تھا، بعض نے عمار خداش کو، بعض نے عمیر تبان کو بعض نے معمر حناط کو، بعض بزیع الحائک کو، بعض نے منصور مستنیر عجلی کسف کو بعض نے بیان بن سمعان تمیمی کو، بعض نے مغیرہ بن سعید مولی البجلیہ کوفی کو، اور کیسانیہ میں سے ایک گروہ نے حضرت علی و حسن و حسین و محمد بن الحنفیہ کو نبی مانا، اور بعض نے محمد بن اسماعیل بن جعفر کو نبی مانا اور یہ قرامطہ میں سے ایک گروہ ہے اور بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی، حسن، حسین، زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق، موسیٰ کاظم، علی بن موسیٰ، محمد بن علی، حسن عسکری، محمد بن حسن

امام غائب منتظر یہ سب کے سب انبیاء ہیں

اور یہ عقیدہ رکھنے والے آج بھی موجود ہیں چنانچہ سید محمد یاد رحسین جعفری ناشر ادارہ علوم الاسلام نے اصغری منزل ساندہ کلاں لاہور سے بسلسلہ علوم الاسلام ایک رسالہ "سولہ مسئلے" نمبر ۵۸ لکھا ہے۔ اور اس میں ہے "بہرکیف حضرت علی رسول بھی ہیں، امام بھی ہیں، اور حضرت محمدؐ کے وزیر بھی ہیں، اور صرف یہی نہیں بلکہ بارہ کے بارہ ہی رسول تھے اور امام تھے" اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا إلٰہ کہنا کسی کو صریح کفر ہے۔ إلٰہ کہنے والے کے بارے حضرت حق تعالیٰ کا صریح ارشاد ہے وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ یعنی اور جو کوئی ان میں سے یہ کہہ بھی دے کہ میں بھی معبود ہوں اللہ کے سوا، سو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔

امِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ کیا انہوں نے اللہ کے سوا إلٰہ اختیار کر رکھے ہیں؟ آپ فرما دیں تم اپنی دلیل تو پیش کرو۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَخْذُولًا اللہ کے ساتھ کوئی اور إلٰہ نہ بنا۔ ورنہ بیٹھ رہیگا بدحال بے یار و مددگار ہو کر۔

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا اور اللہ کے ساتھ کوئی اور إلٰہ نہ بنا۔ ورنہ تو جہنم میں ملامت زدہ اور راندہ کر کے جھونک دیا جائے گا۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۲ و ۳۹۔)

اور حضرت سی

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ البتہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں یعنی آخری نبی ہیں۔ مطلب یہ ہے

ہے کہ آپؐ کے بعد کسی کو نبوۃ نہیں ملے گی۔ یہ آیت اس مسئلہ پر نص قطعی ہے اور اس بارہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث بھی وارد ہیں اور اس پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ اور جو یہ بات نہ مانے گا اس پر امت مسلمہ کے علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالشکور صاحب سالمیؒ رحمہ اللہ نے کتاب التمہید ص۱۷۲ میں فرمایا ومن یدی الوحی والنبوۃ لاحد بعد محمد صلے اللہ علیہ وسلم غیر عیسیٰؑ بن مریم فانہ یصیر کافرا یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے سوا کسی ایک کے بارے وحی اور نبوت کا عقیدہ رکھیگا سو اس میں شک نہیں کہ وہ کافر ہو جائیگا۔

اور ان ۳۱ غالی فرقوں کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں شیعہ کے فرقے ہیں۔ اور یہ یاد رہے کہ شیعہ کے جتنے فرقے ہیں تمام کے تمام قرآن کریم کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن مجید نازل ہوا تھا وہ یار لوگوں نے بدل دیا۔ اس میں وہ باتیں بڑھا دیں جو قرآن مجید میں نہ تھیں اور اور وہ تو بہت سا حصہ ہے جو قرآن مجید میں سے نکال کر قرآن مجید کو کم کیا گیا جو اور جو بدل دیا گیا ہے وہ بھی بہت ہے (دیکھو الملل والنحل لابن حزم الاندلسی ص۱۸۴ ج۳)

سید ظفر حسین امروہی شیعہ نے لکھا ہے کہ اصل قرآن جو موافق تنزیل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا تھا، وہ نسلاً بعد نسل ہمارے ائمہ کے پاس محفوظ رہا، اب وہ ہمارے بارھویں امام علیہ السلام کے پاس ہے (عقائد الشیعہ ص۳۰)

صاحب صافی شارح اصول کافی نے لکھا ہے بسیارے از قرآن ساقط شدہ و در مصاحف مشہورہ نیست (صافی شرح اصول کافی جزء ششم مطبوعہ لکھنؤ ص۷۵)

حسین بن محمد تقی نوری طبرسی نے فصل الخطاب ص۲ میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے،

توراۃ و انجیل کی طرح قرآن میں بھی تحریف و تغییر واقع ہوئی ہے۔

نوٹ:- یہ فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب وہ کتاب ہے جس میں صرف اور صرف یہی مضمون ہے کہ اس موجودہ قرآن مجید میں تغیر و تبدل ہوا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس قرآن مجید کا تغیر و تبدل احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین کفروا وکذبوا بآیٰتنا اولئک اصحٰب النار ہم فیہا خٰلدون اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے

اور فرمایا انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحٰفظون یعنی اس نصیحت نامہ (قرآن مجید) کو ہم نے خود آپ ہی نازل فرمایا ہے اور ہم آپ ہی اس کے محافظ ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کفر بآیۃ من القرآن فقد کفر (معجم کبیر ج ۱۱ ص ۲۵۵، ۲۵۶)

یعنی جو شخص قرآن شریف کی ایک آیت کا بھی انکار کرے گا سو وہ کافر ہو جائیگا۔

عبدالوہاب شعرانی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بواسطہ عکرمہ نقل کی ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا من جحد آیۃ من القرآن فقد حل ضرب عنقہ یعنی جو شخص قرآن مجید کی ایک آیت کا بھی انکار کرے گا اس کی گردن مارنا حلال ہے

اسی لیے علماء شریعت مقدسہ نے متفقہ طور پر یہی فتویٰ دیا ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے من جحد القرآن کلہ او سورۃ منہ او آیۃ کفر۔ یعنی جو قرآن کا انکار کرے سارے کا یا قرآن مجید کی کسی ایک سورۃ کا یا ایک آیہ کا سو وہ کافر ہو گیا۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۳)

قاضی عیاض مالکی نے لکھا وکذلک من انکر القرآن او حرفا منہ او غیر

شیئًا منه او زاد فیه (کتاب الشفاء ص ۲۴۹/۲) یعنی جو شخص قرآن مجید کا انکار کرے
یا قرآن مجید کے ایک حرف کا بھی انکار کرے یا قرآن مجید میں سے کچھ بھی تغیر تبدل
کرے یا اس میں کچھ بڑھائے تو اسی طرح (کافر ہو گیا)

سیف الدین ابوالمعین النسفی نے لکھا کل من انکر آیة من مصحف
عثمان رضی الله عنه فانه یکفر لان مصحف عثمان رضی الله عنه هو
الذی اجمعت علیه الصحابة (بحر الکلام ص ۹۵) یعنی جامع القرآن حضرت عثمانؓ
کے مصحف کی ایک آیت کا بھی جو انکار کرے گا یقینًا وہ کافر ہو جائیگا کیونکہ تمام
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس مصحف کے قرآن ہونے پر اجماع ہے۔

ابن قدامہ محدث فقیہ حنبلیؒ نے لکھا ہے والردة تحصل بجحد.....
کتاب الله تعالیٰ او شیئٍ منه (الکافی ص ۱۵۶/۴) اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کرنے
یا اس میں سے ذراسی چیز کا انکار کرنے سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے۔

امام ابویحییٰ زکریا انصاریؒ نے اسنی المطالب ص ۱۱۸ و ۱۱۹/۴ میں لکھا ہے من..... جحد
آیة من المصحف مجمعًا علیها او زاد فیه کلمة ...... کفر یعنی جو شخص متفق
علیہا آیتِ قرآنی کا انکار کرے یا اس میں کوئی کلمہ بڑھائے تو وہ کافر ہو گیا

نوٹ: شیعہ کی معتمد علیہ قدیم کتاب کافی کلینی میں بہت سی آیات ایسی
لکھی ہیں جن میں اپنی طرف سے اضافہ کیا اور نسبت حضرت جعفر صادق جیسی
معتبر ہستی کی طرف کر دی۔ چنانچہ بطور نمونہ کے وہ آیات درج ذیل ہیں۔
زائد کردہ الفاظ پر خط کھینچا جائے گا۔ اخیر میں اصول کافی کا صفحہ درج ہوگا۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علیٍّ فأتوا ۴۱۷

ولقد عهدنا الی آدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمة والحسن و
الحسین والائمة من ذریتهم فنسی ولم نجد له عزمًا ۴۱۶

ومن يطع الله ورسوله في ولاية علي والائمة من بعده فقد فاز
فوزاً عظيما ۳۱۶
يا ايها الناس قد جاءكم الرسول بالحق من ربكم في ولاية علي فآمنوا
خيرا لكم وان تكفروا بولاية علي فان لله ما في السموات... ۳۱۶
ان الذين ظلموا آل محمد حقهم لم يكن الله ليغفر لهم ولا ليهديهم
طريقا الا طريق جهنم ۳۲۳
فاستمسك بالذي اوحي اليك في ولاية علي وعلي على صراط مستقيم ۳۱۸
فان آمنوا بمثل ما آمنتم به يعني عليا وفاطمة والحسن والحسين
والائمة فقد اهتدوا ۳۱۶
يا ايها الذين اوتوا الكتاب آمنوا بما نزلنا في علي نورا مبينا ۳۱۸
ولو انهم فعلوا ما يوعظون به في علي لكان خيرا لهم ۳۱۷
بئسما اشتروا به انفسهم ان يكفروا بما انزل الله في علي بغيا
ان ينزل الله من فضله ۳۱۷
يا ايها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة ولا تتبعوا خطوات
الشيطان انه لكم عدو مبين في ولايتنا ۳۱۷
بل تؤثرون الحيوة الدنيا في ولايتهم والآخرة خير وابقى ولاية امير المومنين
ان هذا لفي الصحف الاولى ۳۱۸
افكلما جاءكم رسول بما لا تهوى انفسكم بموالاة علي فاستكبرتم
ففريقا من آل محمد كذبتم.... ۳۱۸
كبر على المشركين بولاية علي ما تدعوهم اليه يا محمد من ولاية علي ۳۱۸
سأل سائل بعذاب واقع للكافرين بولاية علي ليس له دافع ۳۲۲

فبدل الذین ظلموا آل محمد حقهم قولا غیر الذی قیل لهم فانزلنا
علی الذین ظلموا آل محمد حقهم رجزا من السماء
ولو انهم فعلوا ما یوعظون به فی علیٍ لکان خیرا لهم ٣٢٣
قل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمأمونون ونحن المامونون ٣٢٣
حیات القلوب میں بھی اسی طرح اضافہ کیا چنانچہ مشت نمونہ از خروارے پیش خدمت ہے
فابی اکثر الناس بولایة علی بن ابی طالب الا کفورا ٣٢٣
وقل الحق من ربکم فی ولایة علی فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا ٢١٥
اعتدنا للظالمین آل محمد نارا

اسی طرح انہوں نے قرآن مجید میں سورۃ الولایۃ کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے
سورۃ الولایۃ بسم الله الرحمن الرحیم سبع آیات
یا ایها الذین آمنوا آمنوا بالنبی و بالولی الذین بعثناهما
یهدیانکم الی صراط مستقیم نبی و ولی بعضهما من بعض
وانا العلیم الخبیر ان الذین یوفون بعهد الله لهم جنات النعیم
والذین اذا تلیت علیهم آیاتنا کانوا بآیاتنا یکذبون ان لهم
فی جهنم مقاما عظیما ء اذا نودی لهم یوم القیمة این الظالمون
المکذبون للمرسلین ما خلفهم المرسلین الا بالحق وما
کان الله لیظهرهم الی اجل قریب وسبح بحمد ربك و
علی من الشاهدین

اور فرقہ زیدیہ کے سوا تمام شیعہ شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو
گالیاں دیتے ہیں اور سب بکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر اور ان کے

رضاء عثمان، ابوعبیدہ وغیرہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع اور ہوس میں انھوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا (خمینی در کشف الاسرار ص ۱۳۱)

نیز لکھا خلفاءِ ثلٰثہ (ابوبکر۔ عمر۔ عثمان) مرتد ہو گئے (اصول کافی ص ۲۶۵)

خلفائے ثلٰثہ جہنم کے صندوق ہیں (حق الیقین ص ۵۰۳)

عبد المطلب نے نُثیلہ سے باندی کے مالک کی اجازت لیے بغیر وطی کی جس سے عباس پیدا ہوئے (روضہ کافی ص ۲۶۰)

ابوبکر و عمر پر اللہ کی لعنت۔ بغیر توبہ کے مرے (روضہ کافی ص ۱۱۵)

جبت و طاغوت سے مراد فلاں و فلاں ہیں یعنی ابوبکر و عمر (شافی ص ۵۷۸)

تیمی، عدوی، بنی امیہ، ابلیس کے مظہر ہیں (روضہ کافی ص ۵۲۳)

شیخین (ابوبکر و عمر) نے مرتے دم تک اپنے جرائم سے توبہ نہیں کی۔ فعلیہما لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین (روضۂ کافی ص ۲۳۶)

عمر کافر و زندیق تھا (کشف الاسرار ص ۱۱۹ از خمینی)

عمر ایسی بیماری میں مبتلا تھا جو انسانی پیشاب کے بغیر شفا نہیں پاتی (کتاب الزہراء)

چاروں بُت یعنی ابوبکر عمر عثمان اور معاویہ (حق الیقین ص ۵۱۹)

وفاتِ نبی کے بعد سلمان مقداد اور ابوذر کے سوا سب صحابہ مرتد ہو گئے (روضہ ص ۲۳۵)

فرعون و ہامان سے مراد ابوبکر و عمر ہیں (حق الیقین ص ۲۱۲)

ہیچ عاقل را مجال این نیست کہ شک کند در کفرِ عمر۔ پس لعنتِ خدا و رسول بر ایشان باد و بر ہر کہ ایشان را مسلمان داند و ہر کہ بر لعن توقف نماید (حق الیقین ص ۳۵)

جہنم میں ایک وادی ہے اس وادی میں ایک ایسی آگ ہے جس میں سوائے

بجنت عمر کے اور کوئی نہیں جائے گا (حق الیقین ص ۳۲۷)

صحابہ بدترین خلائق ہیں (حق الیقین ص ۵۱۹) ۔

دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحابِ ثلٰثہ کے بارے میں ہے۔ اہلِ سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحابِ امت میں سے افضل جانتے ہیں۔ اور ہم اُن کو دولتِ ایمان و ایقان و اِخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں...... جنابِ امیر خلافتِ ثلٰثہ کو غاصبانہ و جائرانہ اور خلفاء ثلٰثہ کو گنہگار، کذاب، غدار، خیانت کار، ظالم، اور غاصب، اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافتِ نبویہ کا حق دار سمجھتے تھے۔ (تجلیاتِ صداقت مؤلفہ شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو مقام سرگودھا ص ۲۰۶)

عمر اور اس کا باپ ولدالزنا تھے۔ کسی نے قبیلہ بنی عذرا سے ام سعد سے زنا کیا وہ اس نطفۂ زنا سے پیدا ہوا

عبیداللہ بن زیاد ولدالزنا تھا۔ اس کا باپ بھی ولدالزنا تھا۔ اس کی ماں سمیہ بھی زناکار مشہور تھی چنانچہ ایک قبیلہ ثقیف کے غلام نے اس سے زنا کیا۔ اور زیاد اسی نطفۂ زنا سے پیدا ہوا۔ ابوسفیان نے بھی سمیہ سے زنا کیا۔

یزید بن معاویہ بھی کلبی کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا اور ولدالزنا تھا۔

شراب خور خلفاء کی خاطر معنے بدل دیا گیا (وفیہ یعصرون پر حاشیہ مقبول ص ۴۸۳)

ان دونوں (عائشہ و حفصہ) منافقات نے اس بارے میں اتفاق کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کر دیا جائے (حق الیقین ص ۳۴۵)

امام مہدی عائشہ کو زندہ کرے گا۔ اس پر حد جاری کرے گا۔ اور فاطمہ کا بدلہ لے گا (حق الیقین ص ۳۴۷)

ابوبکر کو خلیفہ ماننے والے کتے اور ولدالزنا سے بھی بدتر ہیں (روضہ کافی ص ۱۳۵)

ائمہ اثنا عشر کے منکر (سنی مسلمان) خنزیر ہیں (شافی ترجمہ اصول کافی ۳۳۳)

مہدی کے منکر (سنی مسلمان) امت ملعونہ ہے (" ")

سنی کی نماز زنا کے برابر ہے (روضہ کافی ۱۲۶)

سنی واجب القتل ہیں (" " ۵۰)

ثم قال لعن الله اباحنیفۃ (شافی ۱/۶۱)

حق تعالیٰ نے کتے سے بدتر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ اور ناصبی (سنی) خدا تعالیٰ کے ہاں کتے سے بھی خوار تر ہے (حق الیقین ۵۱۶)

ہمارے شیعہ کے ماسوا سب کے سب لوگ زناکار عورتوں کی اولاد ہیں

ان الناس کلھم ذریۃ البغایا ما خلا شیعتنا (روضہ کافی ۲۸۵)

اور ان کے علاوہ اور بے شمار یاوہ گوئیاں ہیں۔ جمع کرنے سے مستقل کتاب بن جائیگی

اور حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت امام اعظم خلیفہ بلا فصل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہے جس کا یارانہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچپن ہی سے تھا۔ اور بچپن اور جوانی میں بھی بت نہیں پوجے اور بت کو سجدہ بھی نہیں کیا حالانکہ کفر گڑھ میں زندگی گذاری۔ اور ساری عمر آپ نے نہ شراب پی نہ زنا کیا نہ شعر کہے لم یعبد صنما قط وکان یعتقد ان الکفر باطل... ولم یسجد صنماً؛ السیوطی عن عائشۃ رض قالت واللہ ما قال ابوبکر شعرا قط فی الجاھلیۃ ولا فی الاسلام ولقد ترکہ ھو وعثمان شرب الخمر فی الجاھلیۃ (ابن عساکر بسند صحیح ۳۸۵ نبراس)

ونبراس ۳۳۶)

نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر فی الجنۃ ابوبکر کا مقام جنت ہے
نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وھذا سیدنا بلال حسنۃ من حسناتہ

(سیر اعلام النبلاء للامام الذہبی ۲۵۵/۱) یعنی یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک مجسم نیکی ہے۔

اور خود حضرت بلال (مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ ان ناسا یفضلونہ علی ابی بکرؓ کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ تو حضرت بلالؓ نے یہ سن کر فرمایا کیف یفضلونی علیہ وانما انا حسنۃ من حسناتہ (سیر اعلام النبلاء ۲۵۵/۱) یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مجھے کیونکر فضیلت دیتے ہیں۔ حالانکہ میں تو اُن کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہوں۔ اور حضرت بلالؓ نے یہ بات اس لیے فرمائی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلالؓ کو ان کے ظالم مولیٰ کو خطیر رقم دے کر خرید لیا تھا اور پھر ان کو فی سبیل اللہ آزاد کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء وجزاءً موفوراً

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے حضرت زبیر بن العوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہم اجمعین مسلمان ہوئے (سیر اعلام النبلاء ۲۹/۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین میں صالح المؤمنین سے مراد حضرت ابوبکر و عمر ہیں (جامع صغیر ۴۳/۱) اور مراد وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے حضورؐ سے یہ مراد سنی ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا یا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے وہ ذات جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

تمام لوگوں سے بہتر ذات ہے (ازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ ص ۲۶/۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کان ابوبکر سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب کے سردار تھے اور ہم سب سے بہتر تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے (مستدرک حاکم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدر کی لڑائی میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابوبکر کو فرمایا کہ تم دونوں میں سے ایک کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے کے ساتھ حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں۔ یہ حدیث مسند احمد و بزار میں ہے اور حاکم ابو عبداللہ نے مستدرک میں اس کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اسے صحیح کہا ہے رجالہ رجال الصحیح اور یہ روایت مسند ابی یعلی ص ۲۸۳ و ص ۲۸۴ میں بھی ہے

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے صدیق اتارا ہے (طبرانی بسند جید)

سابقین مہاجرین میں سے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوئے ہوں لم یسلم ابوا احد من السابقین المھاجرین سوی عمار و ابی بکر (سیر اعلام النبلاء ص ۲۹۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان اللہ یکرہ فوق سمائہ ان یخطا ابوبکر (معجم طبرانی کبیر ص ۲۰/۲۵)

حضرت علی اور حضرت بردو نے فرمایا ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر (طبرانی معجم اوسط) یعنی ہم جس نیکی کی طرف بھی جھپٹے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم سے سبقت لے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وحی مجھ پر نازل فرمائی گئی میں

لے اس کو ابوبکر کے سینہ میں نچوڑ دیا (الریاض النضرۃ)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارحم امتی بامتی ابوبکر (جامع ترمذی و مسند احمد)
میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکرؓ ہیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الٰہی ابوبکرؓ کو قیامت کے دن جنت میں میرے ہی درجہ میں جگہ دینا (مستدرک حاکم)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دیا ہو۔ مگر ابوبکرؓ کہ اُن کا جو احسان ہمارے ذمے ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا۔ اور کبھی کسی کے مال نے وہ نفع مجھ کو نہیں دیا جو ابوبکر رضہ کے مال نے دیا (جامع ترمذی)
نیز فرمایا اگر تم مجھ کو نہ پاؤ تو (مسائل دریافت کرنے کے لیے) ابوبکرؓ کے پاس آجانا (بخاری)
مرضِ وفات میں آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکر کو کہو کہ امامت کرائیں (بخاری)
باوجودیکہ پاس ہی عمرؓ علیؓ عباسؓ بیٹھے تھے (شرح معانی الآثار للطحاوی)
نیز فرمایا سوائے انبیاء کرامؑ کے ابوبکر تمام آدمیوں سے بہتر ہیں (طبرانی)
نیز فرمایا ابوبکر میرے رفیق حوض (کوثر) و رفیقِ غار (ثور) ہیں (ترمذی)
نیز فرمایا میں نے کسی کو اسلام کی دعوت نہیں مگر اس کی طرف سے ایک گونہ تردد اور فکر پائی۔ مگر ابوبکرؓ سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو اس نے بلا توقف و تردد اس کو قبول کیا (ابن اسحاق)
سیاحِ عالم دین باب الابواب سید حمید الدین اپنی معتم بالشان کتاب "راحۃ العقل" میں فرماتے ہیں کہ یا ایھا المدثر قم فانذر کی سورت اترتے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ تم لا الٰہ الا اللہ محمد

رسول اللہ کہو۔ حضرت خدیجہؓ نے ایسا ہی کیا۔ یہ پیر کے دن کا واقعہ ہے۔ منگل کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا علیؓ کو اسلام کی دعوت دی، اور فرمایا کہ تم بھی لا الٰہ الا اللہ کہو۔ مولانا علیؓ نے ایسا ہی کہا۔ پھر آپؐ نے فرمایا محمد رسول اللہ بھی کہو۔ مولانا علیؓ نے فرمایا کہ اچھا! مہلت دیجیے! کہ میں اپنے والد سے مشورہ کر لوں" (بحوالہ ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام ص۹۶)

سیدنا حمید الدین کرمانی اپنی کتاب تنبیہ الہادی والمستہدی کے صفحہ ۱۸۳ و ص۱۸۶ پر لکھتے ہیں کہ مولانا ابو طالب باوجود اپنی فضیلت اور عقل کے انتقال کے وقت جب ان سے ایمان لانے اور کلمۂ شہادت پڑھنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر لوگوں کے کہنے کا خوف نہ ہوتا کہ میں موت سے ڈر گیا تو ضرور میں ایمان لاتا اور کلمۂ شہادت پڑھتا (ص۳۳) ابو طالب نے کہا اے برادر زادے! جو تمہارے جی میں آئے کہو اور کرو۔ لیکن میں بخدا کبھی ایمان نہ لاؤں گا۔ اور نہ اپنے آبائی دین کو ترک کروں گا (تاریخ ابن خلدون مترجم ص۱۱) (بشکریہ ادبیاتِ صدیق ص۴)

شب معراج واپسی پر جب آپؐ مقام ذی طوی پر پہنچے تو آپؐ نے فرمایا "اے جبرائیل! میری قوم میری تصدیق نہیں کرے گی" حضرت جبرائیلؑ نے کہا "آپؐ کی تصدیق ابو بکر کریں گے۔ وہ صدیق ہیں (بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء ص۳۱)

حضرت علیؓ نے فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر و عمر سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔ میری محبت اور ابو بکر و عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے (طبرانی)

ابو بکر کی وفات کی خبر سن کر فرمایا الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ آج نبوۃ کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا (سیرۃ الصدیق ص۱۳۰، خلفائے راشدین ص۵۵)

میں اس وقت ایمان لایا جب ابوبکر ایمان لا چکے تھے (۔ ص ۱۵۸)

ابوبکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے جو مجھے حاصل نہیں ۱۔ انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکارا کیا۔ ۲۔ مجھ سے پہلے ہجرت کی ۳۔ نبی کے یار غار ہوئے ۴۔ نماز قائم کی جب کہ میں گھروں میں تھا ۵۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے تھے اور میں چھپاتا تھا (تنزیہ المکانیۃ الحیدریہ ص ۲۴)

سب سے زیادہ اجر قرآن مجید کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق کو ملے گا کیونکہ اول آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے قرآن مجید کو کتابی صورت میں کیا (مسند ابی یعلی)

محمد بن حنفیہ، محمد باقر، زین العابدین، جعفر صادق سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کرتے ہیں

ابوبکر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر کے سامنے مسجد بنائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد از وفات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پریشان دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ نکاح میں دے دی۔ ۲۷ غزوات میں حضور پاک کے ہم سفر رہے۔ نبی کریم نے مرض موت میں ابوبکر ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ ۱۷ نمازیں نبی کی زندگی میں ابوبکر نے پڑھائیں۔ ۱۱ لاکھ مربع میل پر خلافت کی۔ مسیلمۃ الکذاب کو شکست دی۔ مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا۔ منکرین کی سرکوبی کی۔ دمشق اور شام کے علاقے مکمل طور پر اسلام کے زیر نگین آ گئے۔ بیت المال میں سے صرف قوت لایموت لیتے۔ کفن کے لیے وصیت کی کہ نئے کپڑے نہ خریدنا۔ میرے انہی تن کے کپڑوں میں کفنا کر مجھے دفن کر دینا۔ وفات کے وقت ان کے گھر کوئی چیز نہ تھی

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر فی الجنۃ (جامع صغیر ص ۵۹ ج ۲ ۔ صحیح) حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کو کہا صحبت رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم وھو عنک راض آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور وہ آپؓ سے راضی تھے (معجم کبیر للطبرانی ۲۰۲/۱۲) آپ کے ہی مطالبہ پر شراب جیسی نجس چیز حرام ہوئی (کتب تفسیر) آپ ہی کے مطالبہ پر آپ کی رائے کے مطابق ۱۸ احکام اترے (الحاوی للفتاوی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ جعل الحق علی لسان عمر نیز فرمایا عمر بن الخطاب سراج اھل الجنۃ (جامع صغیر ۶۵/۲) نیز فرمایا عمر معی وانا مع عمر والحق بعدی مع عمر حیث کان (۵) نیز فرمایا فان یک فی امتی احد منھم محدثین فھو عمر بن الخطاب (۵ متفق علیہ صحیح) نیز فرمایا ارفق امتی لامتی عمر بن الخطاب (معجم صغیر طبرانی ۲۱۱)

آپ مکہ میں ۷ سال اور مدینہ میں ۱۰ سال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ۲۷ غزوات میں نبی کریمؐ کے ہم سفر رہے۔ خانہ کعبہ میں اسلام کا نام سب سے پہلے انہوں نے بلند کیا۔ ۲۲ لاکھ مربع میل پر خلافت کی۔ آپ کے دور میں ۱۰۳۶ علاقے فتح ہوئے ۹۰۰ جامع مسجدیں ۴۰۰۰ عام مساجد تعمیر ہوئیں۔ ۴۰۰۰ کنیسے ویران کیے۔ قیصر وکسریٰ کی دو عظیم سلطنتیں ختم کیں۔ عراق، ایران، روم، ترکستان ودیگر بلادِ عجم پر اسلامی عدل کا پرچم لہرایا۔ فوجی ڈسپلن قائم کی۔ لشکر بنائے۔ قیصر وکسریٰ کی ہیبت اور رعب جو لوگوں کے سینوں میں تھی، اسے دُور کیا۔ آپ کے بعد جو خلفاء نے جہاد کیے اور ممالک فتح کیے۔ وہ سب فاروقی قائم کردہ بنیادوں پر ہی ہو سکے۔ وہ حضرت عمرؓ ہی تھے جنہوں نے سنہ ہجری لکھنے کا رواج ڈالا۔ بیت المال مقرر کیا۔ دفتر قائم کیے۔ لشکریوں کے وظائف مقرر کیے۔ مصر اور مدینہ میں غلہ کی درآمدگی۔ حدود وتعزیرات قائم کرنے کے لیے دُرّہ استعمال کیا۔ ہجو گوئی کو جرم قرار دیا۔ ہرمزشاہ اہواز حضرت عمرؓ کے ہاتھ پہ مسلمان ہوا۔ دمشق۔ بعلبک۔ حمص۔ انطاکیہ۔ اہواز۔ موصل۔ طوس۔ تستر۔

مصر۔ آذربائیجان۔ نہاوند۔ دینور۔ ہمدان۔ طرابلس۔ جرجان۔ حلب۔ اصفہان۔ کوفہ اصطخر وغیرہ ممالک فتح ہوئے۔ ۱۹۰۰ منبر خطبۂ جمعہ کے لیے رکھے۔

سوادِ عراق پر جزیہ و خراج ڈالا۔ مسلمانوں میں بلحاظ مراتب کے عطایا بانٹے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ غیور یحب الغیور وان عمر غیور (جامع صغیر ص) اللہ غیور ہے غیور کو محبوب رکھتا ہے عمر بھی بڑا غیرت مند ہے

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان فی الجنۃ (جامع صغیر ص۵۹ صحیح) وابن عساکر عن جابر صحیح جامع صغیر ص ۵ نیز فرمایا عثمان حیی تستحیی منہ الملائکۃ (ابن عساکر عن ابی ہریرۃ۔ جامع صغیر ص) عثمان اس قدر باحیا ہے کہ فرشتے بھی اس سے حیا کرتے ہیں۔ نیز فرمایا عثمان احیی امتی واکرمھا (عن ابن عمر۔ جامع صغیر ص ۱۲۳) اصدق امتی حیاء عثمان (معجم صغیر ص۲)

جنگ بدر کے سوا آپ سب غزوات میں نبی ص کے ہمسفر تھے۔ بدر میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت میں نبی ص کے حکم و اذن سے مصروف رہے۔ ۴۴ لاکھ مربع میل پر خلافت کی۔ بیر رومہ رقم خطیر کے ساتھ یہود سے خرید کر مسلمین کے لیے وقف کر دیا۔ مسجد نبوی کی توسیع کے لیے مزید زمین خرید کر وقف کر دی۔ قرآن مجید کی اشاعت تمام صوبوں میں کی۔ ان میں جذبۂ اشاعتِ اسلام بہت تھا۔ مسلمانوں میں خوشحالی پیدا کی۔ قرآن و حدیث کی رعایت میں اور صفات حلم و حیا و سخا میں حصۂ وافر رکھتے تھے اور مناسک میں بڑے ماہر تھے۔ آدم ع سے اب تک کسی کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں سوائے عثمان رض کے نہیں رہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اول اول حضرت عثمان رض نے مع اہل و عیال کے ہجرت کی ہجرت حبشہ کے بارے یہ ارشاد ہوا۔

خراسان، طوس، نیشاپور، ہرات، شیراز، اور ایران کے دیگر باقی ماندہ

علاقے، اسکندریہ، آذربیجان، افریقی ممالک، جزیرۂ قبرص، اور کئی بڑی بڑی حکومتیں اسلام کے سامنے میں آگئیں۔ سواحل روم تا قسطنطنیہ بلاد ارمینیہ

اب اسلام کے ایسے اعلام اور ستونوں کو سب بکنا اور اس کو کارِ ثواب سمجھنا یہ مسلمان کا شیوہ نہیں بلکہ مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ (پارہ ۷ آخر رکوع) غیر اللہ کو پکارنے والے مشرکوں کو بھی گالی نہ دو اور ان کے باطل معبودوں کو بھی گالی نہ دو۔ نیز نبی ؐ نے فرمایا لا تسبوا الشیطٰن و تعوذوا باللہ من شرہ یعنی شیطان کو بھی گالی نہ دو بلکہ کہو کہ اس کے شر سے ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں (جامع صغیر ص ۱۹۹/۲ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

نیز فرمایا لا تسبوا ماعزا (طبرانی۔ جامع صغیر ص ۱۹۹/۲ عن ابی الطفیل) یعنی ماعز اسلمی کو بھی گالی مت دو۔ جن سے زنا کا صدور ہو گیا تھا۔

نیز فرمایا لا تسبوا الاموات (معجم طبرانی اوسط ص ۱۱۴/۲ و جامع صغیر ص ۱۹۹/۲ عن المغیرۃ بن شعبہ) یعنی مُرے ہوؤں کو گالی مت دو۔ زید بن ارقم سے بھی اور اسی طرح جابر بن عبداللہؓ اور عائشہ صدیقہ رضی سے بھی مروی ہے (جامع صغیر ص ۱۹۹/۲)

نیز فرمایا من سب العرب فاولٰئک ھم المشرکین (بیہقی فی شعب الایمان جامع صغیر ص ۱۴۱ عن عمر رض) جو عرب مسلمین کو گالی دیں وہ مشرک ہیں۔

نیز آپ نے جابر بن سلیم الہجیمی رض کو وصیت فرمائی تھی لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا (مشکوٰۃ ص ۱۶۹) یعنی کسی ایک کو گالی نہ دینا

نیز فرمایا سباب الموتی کالمشرف علی الھلکۃ (طبرانی۔ جامع صغیر ص ۲۹/۲ عن عبداللہ بن عمرو) مرے ہوئے لوگوں کو گالی دینا ہلاکت کو جھانکنا ہے۔

نیز فرمایا لا تسبوا اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (عقیدۃ طحاویہ ص ۵۲۹ عن ابن عباس رض) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب مت کرو۔

نیز فرمایا لا تسبوا اصحابی (معجم اوسط طبرانی ص ۳۹۳ عن ابی ہریرۃ رض) یعنی میرے اصحاب رض کو گالی مت دو۔

نیز حضرت ابن عباس رض کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا یا غلام ایاك و سب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (معجم کبیر ص ۳۰۹/۱۱) اے لڑکے! اپنے آپ کو اصحاب رسول اللہ کو سب کرنے سے بچا۔

نیز فرمایا لعن اللہ من سب اصحابی (طبرانی جامع صغیر ص ۲۹ عن ابن عمر رض) اللہ تعالیٰ لعنت (اپنی رحمت سے دور) کرتا ہے ہر اس شخص کو جو میرے اصحاب کو سب کرتا ہے

نیز فرمایا لا تسبوا اصحابی فمن سبهم فعلیه لعنة الله (بخاری و مسلم ص ۳۱۰/۲ والعقیدۃ الطحاویہ مع شرحہا ص ۵۲۹) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ

نیز فرمایا اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم (ترمذی ص ۲۲۵/۲ مشکوٰۃ ص ۵۵۴ و جامع صغیر ص ۲۶ عن ابن عمر رض) جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو سب کرتے ہوں تو تم کو تمہارے شر پر لعنۃ اللہ کہو

نیز فرمایا فلا تسبوهم لعن الله من سبهم (مسند ابی یعلیٰ ص ۱۳۳/۳ عن جابر بن عبد اللہ رض) پس ان (اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالی مت دو۔ جو ان کو گالی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرتا ہے۔

نیز فرمایا حب ابی بکر و عمر من الایمان و بغضهما کفر و حب الانصار من الایمان و بغضهما کفر و حب العرب من الایمان و بغضها کفر و من سب اصحابی فعلیه لعنة الله الخ (ابن عساکر عن جابر رض) ابوبکر و عمر کے ساتھ پیار رکھنا ایمان کی جزء ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے اور انصار

کے ساتھ پیار رکھنا بھی ایمان کی جزو ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے۔
اور ان عرب مسلمین کے ساتھ پیار رکھنا بھی ایمان کی جزو اور ان کے ساتھ بغض کفر ہے
اور جو میرے اصحاب کو سب کرے گا سو اس پر اللہ کی لعنت

نیز فرمایا مَن سَبَّ عَلِيًّا فقد سَبَّنِي ومن سبني فقد سَبَّ الله (مسند احمد۔ حاکم۔ جامع صغیر ص۱۷۲) من ام سلمۃ رضی اللہ عنہا یعنی جس نے حضرت علی رضؓ کو گالی دی اس نے دراصل مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔

مسند ابی یعلی ص۳۴۲ کے حاشیہ میں ہے هو حديث متواتر کہ یہ متواتر حدیث ہے۔ اور صحابہ کرام رضؓ کو گالی دینے والے اور گالی دینے کو بجائے جرم کے کار ثواب سمجھنے والے کو علماء کرام نے کافر کہا ہے

چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا من شتم احدًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر او عمر او عثمان او معاویۃ او عمرو بن العاص فان قال کانوا علی کفر و ضلال قُتِلَ (نبراس شرح شرح العقائد النسفیۃ ص۵۵۱) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر یا عمر یا عثمان یا معاویہ یا عمرو بن العاص وغیرہ میں سے کسی ایک کو جو سب و شتم کرے پھر اگر یوں کہے کہ یہ صحابہ کفر اور گمراہی پر تھے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

قاضی عیاض مالکیؒ نے لکھا ہے نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل به الی تضلیل الامۃ و تکفیر جمیع الصحابۃ (کتاب الشفاء ص۲۸۶/۲) یعنی ہم ہر اس قائل کو قطعی کافر کہتے ہیں جو ایسی بات کہتا ہے جس سے ساری امت محمدیہ کی تضلیل یا تمام صحابہؓ کی تکفیر لازم آئے۔

محمد بن یوسف فریابیؒ سے سوال ہوا کہ جو شخص حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ

کوشش کرے وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کافر ہے۔ پھر سوال ہوا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہ؟ تو فرمایا نہ! (الصارم المسلول ص۵۶۵)

قاضی ابو یعلیٰ نے فرمایا تمام فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ صحابہ کرامؓ کو جائز سمجھ کر گالی دینے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے (۶)

امام ابو زرعہؒ نے لکھا ہے: جب تو دیکھے کہ کوئی شخص اصحاب رسولؐ میں سے کسی ایک کی تنقیص بیان کر رہا ہے تو سمجھ لے کہ وہ زندیق اور بے دین ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید برحق ہے اور رسول بھی برحق ہیں۔ اور جو کچھ بھی وہ لائے ہیں وہ بھی برحق ہے۔ اور یہ سارے کا سارا ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا کسی نے نہیں پہنچایا۔ تو جو شخص ان کی جرح کرتا ہے تو اس کا اصل مطلب ہے قرآن وسنت کو باطل قرار دینا۔ تو ایسا شخص اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی جرح کی جائے اور اس پر زندقہ اور گمراہی کا حکم لگایا جائے اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذلك ان القرآن حق والرسول حق وما جاء به حق وما ادی ذلك الینا کلا الا الصحابۃ رضی اللہ عنہم فمن جرحهم انما اراد ابطال الکتاب والسنۃ فیکون الجرح به الیق والحکم علیه بالزندقۃ والضلالۃ اقوم واحق۔ (فتح المغیث ص۳۷۵ ومظاہر حق ص۵۶۸)

شیخ شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا اس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں جو ان کے اصحاب کی توقیر وتعظیم نہیں کرتا ما اٰمن برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یوقر اصحابہ (مکتوبات امام ربانی ص۲۶ مکتوب ۲۴)

اسی طرح سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا (نسیم الریاض ص۵۰۳)

خلیفہ عباسی ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا جواب دیتے ہوئے عمرو بن حبیب نے فرمایا کہ اس کلام میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے تمام اس پیغام (قرآن و سنت) کی توہین ہے جو آپ (خدا پاک کی طرف سے ہم تک) لے کر آئے ہیں۔ جب آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کذاب اور جھوٹے ہوئے تو شریعت سب ہی باطل ہوئی اور فرائض اور نماز روزہ طلاق نکاح اور حدود کے سب احکام مردود و نا مقبول ٹھہرے۔ فیه ازدراء علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ما جاء به، اذا کان اصحابه رضی اللہ عنہم کذابین فالشریعة باطلة والفرائض والاحکام فی الصلوٰۃ والصیام والطلاق والنکاح والحدود کله مردود غیر مقبول (تفسیر قرطبی ص ۲۹۹ ج ۱۶)

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ جو کسی صحابی کو جھوٹا کہتا ہے تو وہ شریعت (دین اسلام) سے خارج ہے۔ قرآن کو باطل قرار دینے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والا ہے فمن نسبه او واحداً من الصحابة الی الکذب فهو خارج عن الشریعة مبطل للقرآن طاعن علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر قرطبی ص ۲۹۸ ج ۱۶)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور ان کو مطعون کرنا کفر ہے الطعن فیهم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة فکفر (شرح العقائد النسفیہ ص ۱۲۶)

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ شیخین (ابوبکر و عمر) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں بلکہ ان سب سے افضل ہیں پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص موجب کفر و ضلالت دے دیتی ہے۔ و شک نیست کہ شیخین از اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اند بلکہ افضل ایشان۔ پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشان موجب کفر و زندقہ و ضلالت باشد کما لا یخفی (مکتوبات ص ۳۱)

مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے (شیعہ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر و عمر اور جملہ اصحاب مرتد ہو گئے، یہ صریح کفر ہے اور شیعہ

آیاتِ قرآن کا انکار جو کہ صریح ہیں کہ صحابہؓ کا خاتمہ بالخیر ہوا زرجر سیف المسلول ص۱۹۹
مالابد منہ ص۱۳۲ میں لکھا از سبِ شیخین کافر شود۔

مصنف اتحاف نے لکھا جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی کو گالی دے اور شیخین یا ان میں سے ایک کو سب کہے وہ کافر ہے اس کی توبہ دنیا و آخرت میں مقبول نہیں کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا والآخرۃ الا جماعۃ الکافر بسبّ النبیّ و سائر الانبیاء و بسبّ الشیخین او احدہما ص۱۸۶
اتحاف البصائر والابصار مطبوعہ مصر

شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی رح نے بھی یہی فتویٰ دیا اور فتویٰ خیریہ مطبوعہ مصر ص۹۴ و ص۹۵ میں بھی یہی مسئلہ ہے

نظم الفرائد منظومہ علامہ ابن وہبان مع حاشیہ مطبوعہ مصر ص۳۶ میں ہے

؎ و من لعن الشیخین او سبّ ، کافر ؎

علامہ شرنبلالیؒ نے تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ کی کتاب السیر میں لکھا ہے
الرافضی اذا سبّ ابا بکر و عمر و لعنہما یکون کافرا۔ اور اسی طرح
طحطاوی نے حاشیہ در مختار مطبوعہ مصر ص۲۴۴ میں لکھا
ابن نجیم نے اشباہ والنظائر فن ثانی کتاب السیر ص۲۶۳ مطبوعہ ہند میں لکھا ہے

سبّ الشیخین و لعنہما کفر......

تنویر الابصار متن در مختار مطبوعہ مطبع ہاشمی ص۳۱۹ میں ہے کل مسلم ارتد فتوبتہ مقبولۃ الا الکافر لسبّ النبی او الشیخین او احدہما۔

عقود الدریہ مطبوعہ مصر ص۹۲، ۹۳ میں الروافض کفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر منہا انہم ینکرون خلافۃ الشیخین و منہا انہم یسبّون الشیخین سوّد اللہ وجوہہم فی الدارین فمن اتصف بواحد من ہٰذہ الامور

فهو كافر رافضی کافر ہیں ان میں کفر کے کئی اصناف جمع ہیں ایک تو وہ شیخین کی خلافت کے منکر ہیں دوسرے شیخین کو سب بکتے ہیں دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ ان کے چہرے سیاہ کرے تو جس شخص میں ان باتوں میں سے ایک بات بھی پائی گئی تو وہ کافر ہے۔

صدر الشہید نے بھی یہی لکھا: من سب الشيخين او لعنهما كفر۔

اسی طرح جو اُن کی خلافت کا انکار کرے اس پر علماء نے فتویٰ لگایا مثلاً علامہ احمد شلبیؒ نے حاشیۃ التبیین مطبوعہ مصر ص ۱۳۵ میں لکھا ہے وان انكر خلافة الصديق او عمرؓ فهو كافر

امام کردریؒ نے الوجیز مطبوعہ مصر ص ۳۱۸ میں لکھا من انكر خلافة ابي بكر فهو كافر في الصحيح ومن انكر خلافة عمرؓ فهو كافر في الاصح

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۰۵ میں ہے وان انكر خلافة الصديق فهو كافر نیز ص ۶۳۱ میں ہے يكفر بانكاره صحبة ابي بكرؓ وبانكاره امامته رضي الله عنه على الصحيح وبانكاره صحبة عمرؓ على الاصح

بحر الرائق مطبوعہ مصر ص ۱۳۱ میں بھی بعینہٖ یہی عبارت مرقوم ہے

مراقی الفلاح مطبوعہ مصر ص ۱۹۸ کے حاشیہ میں طحطاویؒ نے لکھا ہے ان انكر خلافة الصديق كفر۔

طحطاوی نے حاشیہ درمختار مطبوعہ مصر ص ۲۴۴ میں بھی یہی لکھا اور درمختار مطبوعہ ہاشمی ص ۶۳ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ اور خزانۃ المفتین میں بھی یہی عبارت ہے۔

علامہ کمال ابن ہمام رحمہ نے بھی فتح القدیر ص ۳۰۴ میں بھی اسی طرح لکھا۔

خلاصۃ الفتاوی ص ۳۸۱ میں بھی یہی لکھا الرافضي ان كان يسب الشيخين

ویلعنهما (العیاذ باللہ) فهو کافر

فتاوٰی بزازیہ میں بھی یہی عبارت ہے۔

فتاوٰی غرائب قلمی ورق ۱۳۳ میں بھی یہی عبارت ہے

فتاوٰی عالمگیری کے ۵۰۰ مؤلفین علماء عہد سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین نے یہی عبارت لکھ کر اس پر مہر تصدیق وتصویب ثبت فرمائی۔

تحفۃ الاخوان ص۵۲ میں بھی یہی عبارت لکھی۔

علامہ سید ابن عابدین شامیؒ نے لکھا نعم لاشك فی تکفیر من...... انکر صحبة الصدیق (ردالمحتار ص۲۹۴ ج۳)

ابن حجر ہیثمیؒ نے لکھا ہے صحابہ کرام کو کافر کہنا بھی کفر کی انواع میں سے ایک نوع ہے من انواع الکفر.... تکفیر الصحابة (کتاب الزواجر ص۲۳ ج۲)

امام ابوجعفر طحاویؒ نے فرمایا صحابہ کرام کے ساتھ بغض رکھنا کفر ونفاق و طغیان ہے وبغضهم کفر و نفاق وطغیان (العقیدۃ الطحاویہ مع شرحہا ص۵۲۸)

التنویر کے حوالے سے تحفۃ الاخوان ص۵۲ میں لکھا ہے ان الکافر بسب الشیخین اواحدهما لاتقبل توبته

علامہ دیوسی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے

اور فقیہ ابواللیث سمرقندی نے یہی فرمایا

اور واقعات المفتین میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

فتاوٰی برہنہ میں ص۱۶ ہے پس سب شان کفر باشد۔

حاشیہ تحفۃ الاخوان ص۵۳ میں ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ سب صحابہ کرامؓ مباح ہے یا اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے یا یہ عقیدہ رکھے کہ صحابہ کرامؓ نے کفر کیا

...... تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے اذا اعتقد انہ (سب الشیخین) مباح کما علیہ بعض الشیعۃ واصحابہم او یترتب علیہ ثواب کما ھو دأب کلامہم او اعتقد کفر الصحابۃ..... فانہ کافر بالاجماع ولا یلتفت الیٰ خلاف مخالفیہم فی مقام النزاع۔

علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ

"فتاویٰ بدیعیہ میں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی امامت کا انکار کرے وہ کافر ہے...... اسی طرح جو حضرت عمر رضؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ بھی کافر ہے وفی الفتاویٰ البدیعیۃ من انکر امامۃ ابی بکر رضؓ فھو کافر....... وکذالک من انکر خلافۃ عمر رضؓ (تحفۃ الاخوان ص۴۹)

امام ابویحییٰ زکریا الانصاری الشافعی رحمہ اللہ نے شرح روض الطالب من اسنی المطالب ص۱۱۹ ج۴ میں لکھا ہے کہ جو صحابہ کرامؓ کو کافر کہے وہ کافر ہے، فمن...... کفر الصحابۃ...... کفر۔

عبداللہ بن عبدالعزیز العنقری الحنبلی نے الروض المربع کی شرح ص۳۳۱ میں لکھا جو تمام صحابہ کرام رضؓ کو یا ان میں سے کسی ایک کو سبّ کرے..... تو اس کے کفر میں کچھ شک نہیں ہے بلکہ جو شخص اس کے کافر کہنے میں توقف کرے تو اس کے کفر میں بھی کچھ شک نہیں ومن سب الصحابۃ او واحداً منہم....... فلا شک فی کفر ھذا۔ بل لا شک فی کفر من توقف فی تکفیرہ۔

حضرت شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "چہار باب" ص۸ میں لکھا ہے" زہے حماقت فرقہ ہائے ضالہ کہ سبّ اصحابؓ ولعن احبابؓ را کیش خود قرار دادہ امیدوار اجر جزیل می باشند۔ وعداوت احباء رسولﷺ را موجب ثواب جبلی می شناسند۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص میں لکھا ہے رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ اکثر صحابہ رضؓ کافر تھے اس لیے وہ سب بالاجماع کافر ہیں۔ اس میں کسی کا کوئی نزاع نہیں ہے۔

نیز یہ لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالی دیتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو مقیم سرگودہا نے اپنی کتاب تجلیات صداقت ص۲۷۶ میں لکھا ہے: "باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہے۔ ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے؟ مگر اس سے ان کا مومنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔ ماں ہونا اور ہے اور مومنہ ہونا اور ہے۔

شیعہ محقق لعین نے حق الیقین ص۵۰۰ میں لکھا ہے ان دونوں (عائشہ وحفصہ) منافقات نے اس بارے میں اتفاق کیا کہ حضورؐ کو زہر دے کر شہید کر دیا جائے۔ اور ص۳۴۷ میں ہے کہ "امام مہدی عائشہ کو زندہ کرے گا اس پر حد جاری کریگا اور فاطمہ کا بدلہ لے گا۔ نوٹ: مارنا جلانا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت مختص ہے)

حیات القلوب ج۲ میں ہے عائشہ وحفصہ آں حضرت را بہ زہر شہید کردند

تذکرۃ الائمہ ص۶۶ میں لکھا "عائشہ غدارہ"

حیات القلوب میں لکھا "آن دو منافقہ۔ عائشہ ملعونہ۔

ضمیمہ حاشیہ ترجمہ مقبول احمد پارہ ۲ آل عمران ص۱۳۴ میں ہے کہ خدا ان (عائشہ وحفصہ) پہ اور ان کے باپوں (ابوبکرؓ وعمرؓ) پر لعنت کرے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پارہ ۲۱ سورۂ احزاب رکوع ۱ میں فرمایا وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں وجوب تعظیم واحترام کے لحاظ سے مومنوں کی مائیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الجنة تحت اقدام امهاتكم جنت تو تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ماں کی

خدمت ہی سے جنت ملتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما ان (والدین) سے بھول بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا اور ان کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پرورش کیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَلْعُونٌ مَنْ سَبَّ اَبَاهُ مَلْعُونٌ مَنْ سَبَّ اُمَّهُ (جامع صغیر ۱۵۵ عن ابن عباس رض) اپنے باپ کو جو گالی دے وہ بھی ملعون اور جو اپنی ماں کو گالی دے وہ بھی ملعون ہے

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الذين يرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا في الدنيا والآخرة ولهم عذاب عظيم جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن ایسی بے خبر ایمان والیوں کو اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اور اس آیت کا مصداق اولاً و بالذات حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر امہات المؤمنات والمؤمنین ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا اور ضحاک، ابو الجوزاء، سلمۃ بن نشیط، عوفی نے بھی یہی فرمایا۔ ویسے لفظ کے اعتبار سے سب عفیفہ صالحہ مومنہ کو شامل ہے اور

حضرت ابو ہریرہ رض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجتنبوا السبع الموبقات (بخاری مسلم مشکوٰۃ ۱۷) مہلک سات چیزوں سے بچو شرک باللہ۔ جادو۔ کسی جان کو ناحق مارنا۔ سود خوری۔ یتیم کا مال کھانا۔ لڑائی کے دن کافروں سے پیٹھ پھیرنا۔ اور محصنہ غافلہ مومنہ عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا (مسلم۔ بخاری)

حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محصنہ

عورت کو قذف کرنا اسّی برس کے اعمال کو ڈھا دیتا ہے (طبرانی)

اسی لیے علماء کرام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ بہتان باندھنے والے کو کافر کہا۔ چنانچہ

ردالمحتار ص۲۹۳ / ص۳۲ میں ہے نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة ہاں بیشک حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان باندھنے والے کے کفر میں کچھ شک نہیں ہے۔

شرح عقائد نسفیہ ص۱۳۶ اور

نبراس ص میں ہے صحابہ کو گالی دینا اور مطعون کرنا کفر ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قذف کرنا

اسی طرح فتاویٰ برہنہ ص میں ہے

فتاویٰ غرائب ص ورق ۲۳۸ قلمی میں ہے قذف نسوة النبی صلی اللہ علیہ یستحق اللعنة نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو قذف کرنے والا لعنت کا مستحق ہے

اسنی المطالب ص۱۱۹ میں ابویحییٰ زکریا انصاری شافعی نے لکھا ہے او قذف عائشة رض کفر یا حضرت عائشہ رض کو گالی دی تو کافر ہوگیا

ابن حجر ہیثمی نے کتاب الزواجر ص۲۳ میں لکھا من انواع الکفر ...
.... قذف عائشة کفر کے اقسام میں سے ایک قذف عائشہ ہے۔

ملا احمد اللہ پشاوری نے تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ بین الکفر و بین الایمان ص۵۳ میں لکھا ہے لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رض۔

فتاویٰ بزازیہ ص۳۱۹ میں ہے یجب اکفارھم باکفار عثمان وعلی وطلحة والزبیر وعائشة رافضیوں کو، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عائشہ کو کافر کہنے کی وجہ

سے کا ذکر کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ابراہیم حلبی کبیر نے غنیہ شرح منیہ مطبوعہ قسطنطنیہ ص۵۱۳ میں لکھا ہے وکذا

من یقذف الصدیقۃ اسی طرح کافر ہے جو حضرت صدیقہ کو قذف کرے

طحطاوی نے مراقی الفلاح مطبوعہ مصر کے حاشیہ ص۱۹۵ میں لکھا ہوا

یقذف الصدیقۃ یا حضرت صدیقہؓ کو قذف کرے تو وہ بھی کافر ہے۔

انوکھی بات

آپ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان پڑھ لیا ہے کہ حضرت علیؓ کو جس نے سب کیا درحقیقت اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کیا اور جس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کیا اس نے اللہ کو سب کیا

اب آئیے شیعوں کے مذہب کی معتمد علیہ کتاب کافی کلینی کا ص۲۱۹ ج۲ مطبوعہ ایران پڑھ کر دیکھیں۔ اور فیصلہ خود کریں۔ عبارت یہ ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

یا ایھا الناس انکم ستدعون الی سبی، فسبونی ثم تدعون الی البراء منی فلا تبرأوا منی۔ یعنی لوگو! تمہیں کہا جائیگا کہ مجھے گالی دو۔ تو تم مجھے گالی دے دینا۔ پھر تمہیں مجھ سے تبرا کرنے کو کہا جائے گا تو تم تبرا نہ کرنا۔

نوٹ: یاد رہے کہ یہ وہ حالت نہیں جو حضرت عمار بن یاسر والی بیان کی گئی ہے جس سے اضطراری اور بے بسی کی حالت سمجھی جائے۔ صرف اتنا ہے کہ اگر تمہیں گالی دینے کو کہا جائے تو بیشک مجھے گالی دے لیا کرو

اِدھر اہلِ سنت وجماعت جن کو اہلِ بیت کا دشمن کہا جاتا ہے ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ خاکم بدہن اگر کوئی بے ایمان کہہ دے کہ علی مرتضیٰ کو سب کرو تو اس کی زبان کٹ تو سکتی ہے جل کر

رکھ تو ہو سکتی ہے مگر حضرت امام و خلیفہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے گستاخانہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو شیعانِ علی کا ہی دِل گُردہ ہے جو تقیہ کی آڑ لے کر حضرت علی جیسی عظیم ہستی کو بھی اپنے سب و شتم کرنے کا جواز نکال لیتے ہیں۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ پر بلکہ حضرت فاطمۃ الزھرا پر بھی وحی ہوتی رہی۔ چنانچہ بمعلث الدہل والکفر فی نفریحات الخمینی الاخیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ بلکہ جبریلؑ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لاتے تھے اور ان کو آیندہ کے واقعات کا علم پہنچاتے تھے۔ حضرت علیؓ اس وحی فاطمہؓ کے کاتب تھے جس طرح کہ حضورؐ کی وحی لکھتے تھے۔

نیز لکھا ہے کہ حضرت جبریلؑ نے حضرت فاطمہؓ کو ایران کے حالات کے بارے میں بھی وحی کی۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی منقطع کردی ہے۔ چنانچہ بعد از وفاتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ حضرت ام ایمنؓ کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ وہ رو رہی تھیں۔ صحابہ کرامؓ کے استفسار پر فرمایا قد علمت ان ما عند اللہ خیر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن ابکی علی ان خبر السماء قد انقطع (کنز العمال ج ۱۴۳) یعنی میں بھی یہ بات سمجھتی ہوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ مقام عالی شان بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ مگر میں روتی اس بات پر ہوں کہ آسمان سے خیر و برکت کی جو خبریں آیا کرتی تھیں ان کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا ہے۔

اسی لیے علماء اہلِ حق نے لکھا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ مجھ پر وحی اترتی ہے وہ کافر ہو گیا۔ چنانچہ

ابن حجر ہیثمیؒ نے کتاب الزواجر ص۲۳ میں لکھا ہے من انواع الکفر والشرک ان ..... یقول ..... انہ یوحیٰ الیہ وان لم یدع النبوۃ یعنی کفر و شرک کے انواع میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے اگرچہ نبوۃ کا دعویٰ نہ بھی کرے ۔ پھر بھی کافر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح الاعلام بقواطع الاسلام ص۱۳۲/۲ میں بھی مرقوم ہے۔

فتاویٰ ابن حجر مکی شافعی میں ہے من اعتقد وحیاً بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفر باجماع المسلمین جو شخص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر وحی آنے کا عقیدہ رکھے تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ کافر ہے

ابن حجر کنانی عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں ابویعلیٰ کے حوالے سے حضرت انس رضؓ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا نبی ولا رسول بعدی رسالۃ اور نبوت کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا ہے اس لیے میرے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول ۔

نسائی ص ۔ الریاض النضرۃ ص۹۸ و تاریخ الخلفاء ص۹۴ میں حضرت خلیفہ بلا فصل امام اعظم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان منقول ہے آپؓ نے فرمایا قد انقطع الوحی و تم الدین اَیُنقص و انا حیّ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور دین تمام اور مکمل ہو چکا ۔ بھلا میرے جیتے جی اس میں نقصان آسکتا ہے؟

بخاری ص۳۶۰/۱ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ منقول ہے آپؓ نے فرمایا ان اناساً کانوا یاخذون بالوحی فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و ان الوحی قد انقطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو لوگ حضورؐ سے وحی اخذ کر لیا کرتے تھے اور اب تو وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے ۔

کنز العمال ص۵۰/۲ میں ابواسماعیل ہروی محدث کی کتاب دلائل التوحید

کے حوالے سے لکھا الیوم فقدنا الوحی و من عند اللہ الکلام آج کل تو ہم نے وحی کو مفقود پایا اور کلام تو خدا کے پاس سے ہمارے ہاں موجود ہی ہے۔

المواہب اللدنیہ ص۲۵۹ میں قرطبی کا قول نقل ہے لان بموت النبی انقطع الوحی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ معصوم ہیں اور ائمہ کو رسولوں سے بڑا درجہ دیتے ہیں چنانچہ الولایۃ التکوینیہ ص۵۲ میں خمینی نے لکھا ہے وان من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاماً لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل یعنی ہم شیعہ کا بنیادی عقیدہ ہے کہ ہمارے ائمہ کے مقام کو نہ تو کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی نہ رسول

اصول کافی ص۱۳۱ ج۱۲۲ میں ہے الامام المطھر من الذنوب والمبرأ من العیوب یعنی امام ہر طرح کے گناہوں اور عیوب سے پاک اور مبرأ ہوتا ہے۔

نیز لکھا فھو معصوم مؤید موفق مسدد قد امن من الخلل والزلل العثار یخصہ اللہ بذلک لیکون حجۃ علی عبادہ وشاھد علی خلقہ وہ معصوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و توفیق اس کے ساتھ ہوتی ہے اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے۔ وہ غلطی بھول چوک اور لغزش سے محفوظ و مامون ہوتا ہے اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔

حیاۃ القلوب ص۱۰ میں ہے امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است

حالانکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام جہان والوں پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر (پارہ ۷ رکوع) فرماکر فرمایا

وکلا فضلنا علی العالمین ہم نے ان سب انبیاء کرام میں سے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

نیز فرمایا انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا یعنی آخرت ہی کے ذکر اور بحث ہی کے لیے ان کو مخصوص کیا اور یہ بندے بے شک ہمارے ہاں منتخب اور سب اچھے اور نیک لوگوں میں ہیں۔ ف یعنی اللہ نے ان کو ازل ہی سے نیک بندوں میں برگزیدہ فرمایا۔

امام رازی و دیگر علماء محققین نے کہا ہے کہ اس آیت میں صریح دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں (مواہب الرحمن ص ۱۹۲/۲۳)

اور عبدالشکور سالمیؒ نے کتاب التمہید ص ۱۶۳ میں لکھا ہے وجوب العصمۃ من خصائص اوصاف النبوۃ عصمت نبوۃ کا خاصہ ہے

اسی طرح ہامش مسامرہ ص ۳۲۱ میں ہے العصمۃ من خواص النبوۃ عصمت نبوۃ کا خاصہ ہے اور خاصہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ (حاشیہ الیسا غوجی) یعنی صرف اسی چیز میں موجود ہو جس کا وہ خاصہ ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری چیز میں موجود نہ ہو۔

اب اگر کافی کلینی کی بات مانیں کہ ائمہ اثنا عشر معصوم ہیں تو ان کو نبی ماننا پڑے گا حالانکہ قرآن پاک کی نص ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور ختم نبوۃ کا منکر کافر ہے

کتاب التمہید ص ۱۶۲ میں عبدالشکور سالمی نے لکھا ہے من یری الوحی و النبوۃ لاحد بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر عیسیٰ بن مریم فانہ یصیر کافراً جس کا عقیدہ ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے عیسیٰؑ بن مریم کسی کے بارے میں

وحی اترنے یا نبی ہونے کا، تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی کہا کہ اللہ یا جبرئیل کی طرف سے امام کا لوگوں کو تعلیم دینا امام کے حق میں نبوۃ ثابت کرنا ہے کیونکہ اللہ یا جبرئیل کی تعلیم ہی تو وحی کہلاتی ہے تعليم الامام من الله او من جبرئيل يوجب النبوة لان تعليم الله او تعليم جبرئيل يكون وحيًا؛

اور اس بات پر سب امت کا اجماع ہے کہ انبیاء افضل ہیں اولیاء سے دیکھو شرح مقاصد علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی تالیف ص ۱۳۵/۲

اسی طرح علامہ برکوی رحمہ اللہ نے طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے

اور علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد نسفیہ میں اسی طرح لکھا ہے اور علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ ولی افضل ہوتا ہے نبی سے وہ کافر ہے۔ چنانچہ

منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر مطبع حنفی ہند ص ۱۴۲ میں ہے "ما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولى افضل من النبي كفر و ضلالة والحاد و جهالة بعض کرامیہ سے جو منقول ہے کہ نبی سے ولی افضل ہو سکتا ہے یہ کفر اور گمراہی ہے اور بے دینی اور جہالت ہے

طریقہ محمدیہ و حدیقہ ندیہ ص ۲۱۵ میں ہے تفضيل الولى على النبي مرسلاً كان اولاً كفر و ضلال كيف وهو تحقير النبي بالنسبة الى الولى و خرق للاجماع حيث اجمع المسلمون على فضيلة النبي على الولى یعنی ولی کو نبی پر فضیلت دینا خواہ وہ نبی رسول ہو یا رسول نہ ہو، کفر اور گمراہی ہے۔ یہ عقیدہ کیونکر کفر اور گمراہی نہ ہو جب کہ ولی کو نبی پر فضیلت دینے میں نبی کی توہین ہے۔ پھر ولی کا نبی پر فضیلت دینے کا عقیدہ اجماع امت

کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کو ولی وغیرہ سب پر فضیلت ہے۔

ارشاد الباری شرح صحیح البخاری ص۱۴۵ میں ہے النبیؐ افضل من الولی وھو امر مقطوع بہ والقائل بخلافہ کافر لانہ معلوم من الشرع بالضرورۃ۔ ولی سے نبی افضل ہوتا ہے اور یہ عقیدہ قطعی اور یقینی ہے۔ اور جو شخص اس عقیدہ کے مخالف عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ تو شریعت کا بدیہی معلوم اور یقینی ہے

شرح الشفاء مطبوعہ قسطنطنیہ ص۵۲۶ج۲ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے قولھم (غلاۃ الرفضۃ) ان الائمۃ افضل من الانبیاء ھذا کفر صریح غالی رافضیوں کا کہنا کہ ائمہ انبیاء سے افضل ہیں یہ صریح کفر ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۷۳ج۱۱ میں بھی ملا علی قاریؒ نے اسی طرح لکھا ہے۔

اور الاعلام بقواطع الاسلام ص۱۳۳ج۲ میں ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے او قال: الائمۃ افضل من الانبیاء۔ یعنی ائمہ کو انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل کہنے سے بھی بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

نیز ان شیعہ کا عقیدہ ہے کہ ائمہ تمام ماکان ومایکون (جو کچھ ہو چکا، اور جو کچھ آئندہ ہوگا) کا علم رکھتے ہیں چنانچہ

کافی کلینی ص۲۶۰ج۱ میں باب منعقد کیا باب ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون ماکان ومایکون وانہ لایخفی علیھم شیئ صلوات اللہ علیھم یعنی اس باب میں بیان ہے اس بات کا کہ ائمہ علیہم السلام تمام وہ کچھ جانتے

ہیں جو ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا نیز اس بات کا بیان ہے کہ ان ائمہ علیہم السلام
پر کوئی ایک چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

پھر حضرت سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں
کہ جعفر صادق نے کہا انی اعلم منہما یعنی حضرت موسیٰ ؑ اور خضر ان دونوں سے
میں زیادہ جانتا ہوں

پھر ۲۵۵ میں باب منعقد کیا باب ان الائمۃ یعلمون جمیع العلوم التی
خرجت الی الملٰئکۃ والانبیاء والرسل علیہم السلام یعنی ائمہ علیہم السلام
ان تمام علوم کے عالم ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں اور انبیاء و
رسل علیہم السلام کو عطاء ہوئے ہیں

اسی طرح اور بہت سے دعاوی ہیں جن کا ذکر موجب طوالت رسالہ ہے
حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے للہ غیب السمٰوٰت والارض۔ انما الغیب للہ۔
قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ ۔ وعندہ مفاتح
الغیب لا یعلمہا الا ھو ۔ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون وغیر ذلک من الآیات
ان کا خلاصہ یہ ہے کہ علم غیب خاصہ ہے اللہ تعالیٰ کا
اور مالا بد منہ کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے ارشاد الطالبین
ص۱۹ میں لکھا ہے علم غیب مر اولیا را گفتن کفر ست
شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ میں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے العلم بالغیب امر تفرد
بہ سبحنہ ولا سبیل الیہ للعباد الا باعلام منہ والہام بطریقۃ المعجزۃ
او الکرامۃ علم غیب خاصہ خدا تعالیٰ کا ہے بندوں کا علم غیب تک پہنچنے کا
کوئی رستہ نہیں ہے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ بطور معجزہ یا کرامت کے اپنے
ہاں سے اس کو جتلا دے اور اس کے دل میں ڈال دے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ

کی طرف سے اس کو مل جائے گی تو پھر وہ غیب نہ رہیگا۔ جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ ص میں لکھا ہے لم یبق بعد الاطلاع غیبا یعنی جو بات اطلاع پانے سے پہلے غیب تھی اب اطلاع پانے کے بعد غیب نہ رہی کیونکہ غیب کی تعریف یہ ہے الخفی الذی لایدرکه الحس ولایقتضیه بداهة العقل خلاصہ یہ کہ جو چیز حواس خمسہ اور عقل سے باہر ہو۔ پھر جب وہ چیز حس میں آگئی یا سمجھ میں آگئی اب وہ غیب نہ رہی بلکہ وہ شہادت ہو گئی۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے عالم الغیب والشهادة

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار ص۱۳۵ میں لکھا ہمہ دان غیر علام الغیوب کسے نیست

مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ نے مجموعہ تصوف ص۲۴ میں لکھا ہے علم غیب اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں

اشباہ والنظائر مع شرح حموی الفن الثانی کتاب السیر والردة طبع مند ج۱ ص۲۶۵ میں ہے ویکفر بادعاء علم الغیب علم غیب کا دعوی کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے

مسامرہ و شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ میں ہے ثم اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمهم الله احیانا۔ و ذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالی قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا الله

تفسیر مظہری ص۳ ج۷ میں ہے ما کان النبی صلی الله علیه وسلم عالما بجمیع اللغات۔

فتاویٰ قاضی خان ص۳۲۶ ج۴ میں ہے۔ بغیر گواہوں کے ایک آدمی ایک عورت

سے نکاح کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے خدا اور رسول کو گواہ کر لیا ہے۔ علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے کیونکہ عقیدہ اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہیں حالانکہ جب آپ دنیا کے اندر زندوں میں تھے غیب دان نہ تھے پھر وفات کے بعد آپ غیب دان کیسے ؟

علامہ مفسر حقانی رحمۃ تعبیر الرحمٰن ص۳۰ میں ہے ولکن الرسل لا یطلعون علی جمیع الغیوب لیبقیٰ الاختصاص الالٰہی بحالہ لیکن رسول تمام امور غیب پر مطلع نہیں کیے جاتے تاکہ خصوصی صفت اللہ تعالیٰ کی برحال رہے۔ اس علاوہ بھی بے شمار حوالے ہیں

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں۔ اور ان کی ان کے اپنے اختیار میں ہوتی ہے۔ چنانچہ

اصول کافی مطبوعہ تہران ص۲۵۹ میں باب منعقد کیا باب ان الائمۃ یعلمون متی یموتون. وانہم لا یموتون الا باختیار منہم یعنی ائمہ علیہم السلام جانتے ہیں کہ ان کی وفات کب ہوگی اور ان کی وفات ان کے اختیار ہی سے ہوتی ہے

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا یملکون لانفسہم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیوٰۃ ولا نشورا یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ انہوں نے جن جن کو سفارشی سمجھ رکھا ہے وہ خود اپنے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کی زندگی کا اور نہ کسی کے دوبارہ اٹھانے کا

نیز دوسری جگہ فرمایا وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس

باتی ارض تموت اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔ اور نہ کوئی یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا ان اللہ علیم خبیر بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والا سب کی خبر رکھنے والا ہے

تو قرآن کی ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے وما یجحد بایاتنا الکافرون یعنی ہماری آیتوں کے بجز کٹے کافروں کے اور کوئی بھی منکر نہیں ہوتا۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا امام کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی چنانچہ کافی کلینی ص۱۰۴ میں ہے عن ابی حمزۃ قال قلت لابی عبد اللہ تبقی الارض بغیر امام ؟ قال لو بقیت الارض بغیر امام لساخت یعنی ابو حمزہ نے جعفر صادق سے پوچھا کہ زمین بغیر امام کے بھی باقی رہ سکتی ہے؟ تو جعفر صادق نے جواب دیا کہ اگر بغیر امام کے زمین رہتی تو رہ کیا دھنس جاتی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ان اللہ یمسک السموٰت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکہما من احد من بعدہ - یعنی بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹلنے لگیں بھی تو پھر اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں تھام نہ سکے گا۔

دوسری جگہ فرمایا و یمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ اور وہی آسمان کو اس سے روکے ہوئے ہے کہ وہ زمین پر گرے۔ مگر ہاں کہ اسی کا حکم ہو جائے۔

اب اماموں کے بارے ایسا عقیدہ رکھنا قرآن مجید کا انکار کرنا ہے جو بلاشک کفر ہے۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ تمام دنیا و آخرت کے مالک ائمہ ہیں وہ جس کو چاہیں دے دیں اور بخش دیں۔ چنانچہ

اصول کافی کتاب الحجہ ص۲۴۰ میں ایک باب بایں عنوان منعقد کیا ہے باب ان الارض کلھا للامام ...... اما علمت ان الدنیا و الآخرۃ للامام یضعھا حیث شاء و یدفعھا الیٰ من شاء ۔ یعنی امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ دنیا اور آخرت سب امام ؑ کے ملک میں ہے وہ جس کو چاہیں دے دیں اور بخش دیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ بیشک یہ زمین صرف اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دے۔

نیز فرمایا فللہ الآخرۃ و الاولیٰ دنیا و آخرت کی سب چیزیں صرف اللہ کی ہیں۔

نیز فرمایا الحمد للہ الذی لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ولہ الحمد فی الآخرۃ ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کی حمد ہے آخرت میں۔

نیز فرمایا کہ اللہ کے بندے یوں دعا کرتے ہیں اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر اے اللہ سارے ملک کے مالک! تو جس کو چاہے سلطنت دیوے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی ہے جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ صرف تیرے ہاتھ میں

ہے ہر بھلائی۔ تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔
اور جو شخص صریح قرآن کی مخالفت اور انکار کرے تو اس کے کفر میں کیا شک ہے۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ معصومین کو اختیار ہے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال
یا حرام قرار دیں چنانچہ
اصول کافی کتاب الحجہ باب مولد النبی علیہ السلام ص ۴۴۱ میں ہے......
ثم خلق جمیع الاشیاء فاشہدھم خلقہا واجری طاعتہم علیہا وفوض
امورھا الیہم ، فھم یحلون مایشاءون ویحرمون مایشاءون ولن
یشاءوا الا ان یشاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اس کے بعد پھر اللہ نے دنیا کی تمام
چیزوں کو پیدا کیا پھر ان مخلوقات کی تخلیق پر ان ائمہ کو شاہد بنایا اور ان کی اطاعت
وفرمانبرداری ہر ان تمام مخلوقات پر فرض کی۔ اور ان کے تمام معاملات ان کے
سپرد کر دیئے۔ تو اب یہ حضرات ائمہ جس چیز کو چاہتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں حرام کرتے ہیں
حلال کر دیتے ہیں۔ اور چیز کو چاہتے ہیں۔ اور یہ نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ
چاہتا ہے۔
پھر الصافی شرح اصول کافی جزء سوم حصہ دوم ص ۱۴۹ میں تشریح سے قزوینی نے
لکھا کہ یہاں محمد وعلی وفاطمہ سے مراد یہ تینوں اور ان کی نسل سے پیدا ہونے
والے تمام ائمہ ہیں
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار نہیں دیا چنانچہ ارشاد فرمایا یاایہا النبی لِمَ تُحَرِّمُ
مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ اے نبی ﷺ! آپ کے لیے جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال فرمائی ہے وہ
آپ اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔

اسی لیے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی لا احل ما حرمہ اللہ ولا احرم ما احلہ اللہ عہ (بخاری و مسلم)

عہ یعنی اللہ کی حرام کردہ چیز کو میں حلال نہیں کہہ سکتا اور اس کی حلال کردہ کو حرام نہیں کہہ سکتا

مسلم ج۲ ص۲۰۹ میں ہے قال علیہ السلام یا ایہا الناس انہ لیس لی تحریم ما احل اللہ لی اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنا میرا کام نہیں ہے

جامع صغیر ج۲ ص۳ میں ہے ما احللت الا ما احلہ اللہ وما حرمت الا ما حرمہ اللہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی چیز کو حلال بتاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہو۔ اور اسی چیز کو حرام بتاتا ہوں جسے اللہ نے حرام کیا ہو

ابوداؤد ج۲ ص۲۰۹ میں ہے وانی لست احرم حلالا ولا احل حراماً یعنی میں حلال چیز کو حرام نہیں کہہ سکتا اور حرام چیز کو حلال کہہ سکتا نہیں ہوں

معجم کبیر ج۶ ص۳۲ میں امام طبرانی نے حضرت سلمان فارسی کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحلال ما احلہ اللہ فی کتابہ والحرام ما حرمہ اللہ وما سکت عنہ فہو ما عفا عنہ حلال وہی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے اور حرام وہی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے اور جس سے کتاب اللہ خاموش ہے وہ معفو ہے

نوٹ :۔ حدیث شرح ہے قرآن مجید کی اس لیے حدیث شریف میں جن حرام اشیاء کا ذکر ہے وہ کتاب اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں ہی داخل ہے۔

اب یہ عقیدہ رکھنا کہ ائمہ کو حلال حرام کرنے کا اختیار ہے قرآن اور حدیث کا انکار ہے۔ اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بھی ہے کہ نبی کو تو تحلیل و تحریم کا اختیار نہیں۔ مگر ائمہ کو اختیار ہے اور اس میں ائمہ کو الوہیت کا مقام دینا ہے جو صریح شرک و کفر ہے۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ متعہ کرنا حلال ہے۔ بلکہ کارِ ثواب ہے چنانچہ
عجالۂ نرمہ میں ہے "حضرت سید عالم ؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے زن مؤمنہ
سے متعہ کیا گویا اس نے ،، مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کی۔
تفسیر منہج الصادقین ۔۔۔ پارہ ۵ میں ہے جو ایک دفعہ متعہ کرے گا
وہ امام حسینؓ کا درجہ پائے گا۔ اور جو دو دفعہ متعہ کرے گا وہ امام حسنؓ کا درجہ
پائے گا اور جو تین دفعہ متعہ کرے گا وہ امام علیؓ کا درجہ پائے گا اور جو چار دفعہ
متعہ کرے گا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درجہ پائے گا۔
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا قد افلح المومنون الذین
...... هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملكت ايمانهم
فانهم غير ملومين فمن ابتغى وراء ذلك فاولئك هم العادون یعنی اپنی
مراد کو پہنچ گئے ایمان والے ...... جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے
ہیں مگر اپنی بیبیوں یا اپنی لونڈیوں پر۔ کیونکہ ان دونوں میں ان پر کچھ
ملامت نہیں پھر جو کوئی طلب کرے اس کے علاوہ تو وہی لوگ ہیں حد سے
تجاوز کرنے والے یعنی فاسق و فاجر ہیں
پس اس آیت میں صریح دلالت ہے کہ ماسوا ان دونوں کے جو فروج
سے شہوت رانی کے طریقے ہیں وہ سب حرام ہیں۔ پس زنا، لواطت،
جانوروں سے وطی، مشت زنی، اغلام بازی، اور متعہ یہ سب حرام ہیں
اور حضرت عائشہ صدیقہؓ و قاسم محمد تابعیؒ نے حرمت متعہ پر اسی آیت سے
استدلال کیا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات پر جہاں جہاں
علاقے فتح ہوتے گئے ان کے اس غلط کاری کی تردید فرماتے رہے چنانچہ

ترمذی ص۱۳۵ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح ہونے کے بعد حرمت متعہ کا اعلان عام فرمایا تھا نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن متعۃ النساء - پھر فرمایا کہ
سبرۃ الجہنی اور ابوہریرہ سے حرمت متعہ کے بارے میں مرفوعاً روایت ہے۔
اور یہ روایتیں مؤطا امام مالک ص۱۹۶ و ابوداؤد ص۲۹ و ابن ماجہ ص۱۴۲ و نسائی ص۸۹ و معجم طبرانی کبیر ص۳۰۹ و مسند حمیدی ص۲۹۵ و مسند دارمی ص۲۸۲
اور محدث بیہقی رح نے ص۲۰۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتناعی فرمان متعہ کے بارے میں نقل کیا
اور پھر ص۲۰۶ پر حضرت عائشہ صدیقہ رض سے مرفوعاً روایت کی
اور پھر ص۲۰۷ پر حضرت ابوذر غفاری اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت نقل کی
اور صحیح ابن حبان ص۱۷۹ میں حضرت سلمۃ بن الاکوع سے مرفوعاً روایت ہے
اور معجم کبیر للطبرانی ص۳۰۹ میں حضرت حارث بن غزیہ سے مرفوعاً روایت ہے
اور اس میں واقعہ فتح مکہ کا ہے جیسے سبرہ جہنی مکہ کے فتح کے سال کا واقعہ بتاتے ہیں
اور معجم کبیر للطبرانی ص۲۹۳ میں زید بن خالد جہنی رض سے روایت ہے
اور بیہقی ص۲۰۷ میں حضرت جعفر صادق کا ارشاد منقول ہے کہ آپ رح نے متعہ کے بات سن کر فرمایا ذلک الزنا - وہ تو زنا ہے۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کرنا جائز ہے چنانچہ الاستبصار ص۲۴۳ میں شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی یعفور نے کہا سالت اباعبد اللہ علیہ السلام عن الرجل

یاتی المرأۃ فی دبرھا ؟ قال لا باس بہ یعنی میں نے حضرت جعفر صادق سے پوچھا کہ آدمی عورت کی دبر میں وطی کر سکتا ہے ؟ تو فرمایا اس کا کچھ حرج نہیں
تحریر الوسیلہ ص ۲۴۱ ج ۲ میں خمینی صاحب نے لکھا ہے مشہور اور قوی مذہب یہ ہے کہ اپنی بیوی سے لواطت کرنا جائز ہے

حالانکہ آیت قرآنیہ جو پہلے گزر چکی ہے فمن ابتغی[1] وراء ذلك فاولئك هم العادون اس کے ضمن میں اس کی حرمت بھی آجاتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا فأتوا حرثكم انى شئتم[5] (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں یعنی کھیتی کرنے کا محل ہیں کہ فرزند حاصل ہوں) سو تم صرف اپنے کھیت میں آؤ جیسے چاہو (کھڑے، بیٹھے، چت، و کروٹ سے)

اور ظاہر ہے کہ دبر گندگی کا مقام ہے۔ کھیتی کا مقام نہیں۔

دیکھو بیہقی نے ص ۱۹۷ ج ۴ میں خزیمہ بن ثابت سے اور ص ۱۹۸ ج ۴ میں عمر[2] وابن عمر وابی ہریرہ[3] سے اور ص ۱۹۹ میں علی بن طلق وعلی[6] وابن عباس وابو الدرداء سے اس کی حرمت صراحۃً مذکور ہے۔ عبد[9] اللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مرفوعاً حرمت ثابت ہے۔

حسن بن عرفہ نے حضرت جابر[1] رض سے مرفوعاً روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ شرم رکھو اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے شرم نہیں فرماتا عورتوں کی دبر میں کبھی جماع نہ کرو۔

ابوبکر اثرم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد[11] اللہ بن مسعود رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ محاش النساء یعنی عورتوں کے دبر حرام ہیں

دارمی نے کہا سعید بن یسار نے ابن عمر رض سے کہا ما تقول فی الجواری یتحمض لهن ؟ تم باندیوں کے بارے کیا کہتے ہو ؟ آیا ان سے تحمیض کی

جائے؟ تو فرمایا تحمیض کیا چیز ہے؟ تو عرض کیا کہ دبر میں وطی کرنا! تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا مسلمانوں میں کوئی ایسا بھی کرتا ہے؟

امام ثوریؒ نے فرمایا کہ کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ عورت کی دبر میں وطی کرنا جائز ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا تو نیچے گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ تجھے نیچے گرا دے ارے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا اتأتون الفاحشة ما سبقکم بها من احد من العالمین الآیۃ تم تو ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ سو تم سے پہلے اسے دنیا جہان والوں میں سے کسی نہ کیا

معن بن عیسیٰ نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا کہ عورتوں سے وطی کرنے کے بارے میں آپؒ نے فرمایا عورتوں سے دبر میں وطی کرنا حرام ہے

ابوبکر بن زیاد نیشاپوری نے اسرائیل بن روح سے روایت کی ہے کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ عورتوں سے دبر میں وطی کرنے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ تو فرمایا کہ تم لوگ نرے گنوار قوم ہو۔ بھلا حرث موضع زراعت کے بغیر کوئی اور ہوتا ہے؟ کبھی فرج سے تجاوز نہ کرو! میں نے عرض کی کہ بعض کہتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ فرمایا معاذ اللہ لوگوں نے مجھ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے

امام شافعیؒ نے اس کی حرمت پر اپنی چھ کتابوں میں نص فرمائی۔ اور یہی قول ہے سعید بن المسیب، ابو سلمہ، عکرمہ، طاؤس، عطاء، سعید بن جبیر، عروۃ بن زبیر، مجاہد، حسن، احمد بن حنبل اور تمام سلف وخلف اور علمائے مجتہدین محدثین ومفسرین وقدیم وجدید فقہاء حنفیہ و مالکیہ وحنابلہ وشوافع کا۔

نیزان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح دوسری چیزیں ایک دوسرے کو عاریۃً یعنی مانگے کے طور پر دے سکتے ہیں، اسی طرح اپنی بیوی بھی دوسرے مرد کو جماع کرنے کے لیے دے سکتے ہیں چنانچہ

الاستبصار ص۱۳۶ ج۳ میں شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی نے لکھا ہے کہ محمد بن مضارب کو حضرت جعفر صادق نے کہا یہ (میری) جاریہ (باندی) لے جا۔ یہ تیری خدمت کرے گی تو اس سے جماع کر سکتا ہے پھر جب تو جانے لگیگا تو یہ جاریہ ہمیں واپس کر دینا

اسی طرح اور کئی روایات اس بارے میں شیخ الطائفہ نے نقل کی ہیں۔
حالانکہ یہ صریح زنا ہے اور دو چیزوں میں سے نہیں جن کی اجازت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دی ہے۔

نیزان کا عقیدہ ہے کہ تقیہ کا نام رکھ کر جھوٹ (خلافِ واقع کے خبر دینا) جائز ہے۔ صرف جائز ہی نہیں بلکہ ثواب ہے بلکہ دین کا ۹/۱۰ حصہ ہے اور فرض واجب ہے چنانچہ

اصول کافی ص۲۱۷ ج۲ میں ہے جعفر صادق نے ابوعمر اعجمی کو خطاب کرتے ہوئے کہا ان تسعۃ اعشار فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہٗ دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں۔ اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے

اسی صفحہ پہ جعفر صادق کا قول ہے کہ کوئی چیز بھی مجھے تقیہ سے زیادہ محبوب نہیں پھر کہا جو تقیہ کریگا اللہ اس کو بلند کریگا اور جو تقیہ نہ کریگا اللہ اس کو پستی میں گرائیگا؛
حالانکہ جو واقع کے خلاف بات ہو وہ جھوٹ کہلاتا ہے اور کوئی مذہب

(آسمانی ہو یا غیر آسمانی) ایسا نہیں جس میں جھوٹ جائز ہو بلکہ جزو دین اور کار ثواب ہو۔ مکہ کے مشرک ہندو سکھ بھی جھوٹ کو برا جانتے تھے اور جھوٹ بہت منحوس اور بدبودار چیز ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اذا کذب العبد تباعد عنہ الملک میلا من نتن ما جاء بہ رواہ ترمذی عن ابن عمرؓ (مشکوٰۃ ص۴۱۳) جھوٹ بولنے سے فرشتہ میل دور چلا جاتا ہے اس بدبو کی وجہ سے جو جھوٹ سے آتی ہے۔

نیز ان لوگوں کا کام ہے نیک لوگوں پر بہتان باندھنا چنانچہ
کشف الاسرار ص۱۱۹ میں لکھا عمر نے رسول اللہ کی شان میں گستاخی کی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو انتہائی صدمہ ہوا۔
سہم مسموم ص۲۲۵ تا ص۲۳۴ میں ہے عمر شراب پیتا تھا۔ اس کی آخری غذا بھی شراب تھی۔
کلید ص۳۳ میں ہے عمر تمام عمر کھڑے کھڑے پیشاب کرتا تھا
نیز لکھا کہ عمر جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لیا کرتا تھا
عائشہ وحفصہ نے نبی علیہ السلام کو زہر دے کر مارا

حالانکہ حق تعالیٰ نے غیبت سے بھی روکا۔ اور بہتان تو غیبت سے بھی زیادہ سنگین ترین جرم ہے۔ غیبت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ یعنی ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کسی کو پسند آتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت ایسے حال میں نوچ کھائے کہ وہ مر چکا ہو۔ پس تم خود ہی اس کو مکروہ جانو گے۔ اور اس سے نفرت کرو گے۔ تو جیسے مردے کا گوشت کھانا نفرت کی چیز ہے اسی

طرح غیبت کو بھی مکروہ اور نفرت کی چیز سمجھو

ابوداؤد میں مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مسلمان کی غیبت کا ایک نوالہ بھی کھایا تو اللہ تعالیٰ جہنم میں اس کو ایسا ہی نوالہ کھلائے گا۔

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب مجھے معراج میں لے گئے تو میرا گزر ایک قوم پر ہوا جن کے ناخن لوہے کے تھے جن سے وہ اپنے منہ نوچتے تھے اور اپنے گھونٹتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیلؑ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے اور ان کی آبرو ریزی کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے مسلمان بھائی کا حال اس طرح بیان کرنا جس کو وہ ناگوار سمجھے۔ عرض کی گئی کہ اگر ہمارے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو ذکر کی جاتی ہے۔ تو کیا اب بھی وہ غیبت ہی ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تیرے بھائی میں وہ بات موجود ہے جو تو بیان کرتا ہے تب تو یہ غیبت ہے (یہی پرانا وعید ہے) اور اگر اس میں یہ بات موجود ہی نہ ہو جو تو بیان کرتا ہے تب تو تو نے اس پر بہتان باندھا اور یہ بہتان، غیبت سے ڈبل گناہ ہوا (یعنی جھوٹ + غیبت)

امامنا والخلیفۃ الرابع حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک ایسے آدمی پر بہتان باندھنا جو اس عیب سے بری ہو آسمانوں سے بھی زیادہ وزنی جرم ہے البھتان علی البریٔ أثقل من السماوات (کنز العمال ص۳۶ از حکیم ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری وحضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ بہتان کا

تو اور بھی زیادہ گناہ ہوا

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دو آدمیوں نے جو روزے سے تھے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی۔ فراغت کے بعد حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوبارہ وضوء بھی کرو اور یہ نماز بھی دُہراؤ اور یہ روزہ تو پورا کرو۔ اور پھر ایک دن اس کی قضا کرنا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا تم نے فلاں آدمی کی غیبت کی ہے (مشکوٰۃ ۱۹۵)

مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ علماء امت کا اجماع ہے کہ غیبت حرام ہے۔ تو اب بتائیے کہ بہتان کی حرمت کتنی ہوگی۔ بہتان بھی ان پاک طینت ہستیوں پر جن کی بدولت ہمیں نعمتِ ایمان نصیب ہوئی۔ جیسی قرآن مجید جیسی جاودانی نعمت ملی۔ ہمیں انہیں صحابہؓ کی سعی بلیغ کی بدولت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا علم حاصل ہوا۔ جیسی ذات باری تعالیٰ کی پہچان ہوئی۔ ہم نے جو کہا ہے کہ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ پہ بہتان باندھا گیا ہے کہ عمرؓ نے رسول اللہ کی شان میں گستاخی کی۔

اگر اس سے مراد دہی واقعۂ قرطاس ہے تو عمرؓ کا حسبنا کتاب اللہ کہنے میں کیا گستاخی ہے جب خود اللہ پاک نے ارشاد فرما دیا ؕ الیوم اکملت لکم دینکم

پھر باتفاقِ فریقین حضرت علیؓ کاتب وحی تھے انہیں کے پاس کاغذ اور قلم دوات موجود تھے صلح نامہ حدیبیہ بھی حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا تھا۔ اور حضرت علیؓ کا گھر بھی دور نہ تھا اور حکم خاص کسی ایک آدمی کو تو نہ تھا۔ ہر وہ شخص جو کاغذ قلم دوات لانے پر قادر تھا اس کا فرض تھا کہ بھاگ کر کاغذ اور قلم دوات لے آتا۔ کیوں نہ اس وقت کوئی اٹھا۔ کیا عمرؓ کے صرف حسبنا

کتاب اللہ کہنے پر حضرت علیؓ جو بزعم شما فاتح خیبر تھے خیبر کے قلعہ کا دروازہ اکیلے اکھیڑ کر میلوں دور پھینک دیا جو اسداللہ اور شجاعت میں ضرب المثل تھے اور قاتل المشرکین تھے، چپ سادھ کیوں بیٹھے رہے۔ کیوں نہ وہاں بیٹھے ہوئے منافق لوگوں کو بیک جنبشِ تلوار فی النار کر کے کاغذ قلم دوات فوراً لا کر خلافت نامہ لکھوا لیتے۔ مگر ایسا نہ ہوا معلوم ہوا معاملہ کچھ اور تھا سبائی پارٹی نے اسے غلط رنگ دے کر عوام کو دھوکا دیا۔ اور اب تک بہت بڑی چالاکی کے ساتھ پروپیگنڈا کی آگ میں تیل ڈالتے آ رہے ہیں اعاذنا اللہ۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ عمر شراب پیتا تھا یہ بھی بہتان ہے کیونکہ شراب کی حرمت تو عمرؓ کے مطالبہ اور بار بار کے مطالبہ کے بعد ہوئی ہے جیسے کتب تعلل الآیات سے واضح ہے۔ بھلا شراب کا عادی بندش شراب کا مطالبہ کر بھی سکتا ہے؟

اور یہ جو کہتے ہیں کہ عمر تمام عمر کھڑے کھڑے پیشاب کرتا تھا یہ بات تو بالکل بہتان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت کے دور میں مشرک لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو عیب نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ یہ کہتے تھے کہ عورتیں بیٹھ کر پیشاب کرتی ہیں۔ جب حضرت عمرؓ مشرف باسلام ہوئے تو اپنے اسے پرانے دستور کے مطابق کھڑے کھڑے پیشاب کیا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تو فرمایا یا عمر لاتبل قائماً اے عمر کھڑے کھڑے پیشاب مت کر۔ بس وہ دن تھا۔ اس کے بعد عمرؓ نے فرمایا فما بلت قائماً بعدُ پھر اس کے بعد میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا (دیکھو جامع ترمذی ص۹)

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیہ میں سب وشتم (گالی گلوچ) لعن طعن، قذف وتہمت، متعہ، تقیہ، لواطت، بہتان تراشی، اپنی بیوی یا جاریہ (بطور مانگے کے) کسی کو دینا، اور بدگمانی، بدظنی جو کہ سب کے سب حرام قطعی حرام ہیں۔ ان کو جائز ومباح سمجھنا حلال ہونے کا عقیدہ رکھنا بلکہ ان کو جزوِ دین اور موجبِ ثواب سمجھنا کفر ہے۔ کیونکہ علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ ایمان کی سات شرطیں ہیں ۱۔ غیب پر ایمان رکھنا (جو الذین یؤمنون بالغیب سے ماخوذ ہے) ۲۔ علمِ غیب خاصہ اللہ تعالیٰ کا جاننا (جو انما الغیب للہ سے ماخوذ ہے) ۳۔ اپنے اختیار سے ایمان لانا (جو لا اکراہ فی الدین سے ماخوذ ہے) ۴۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حلال سمجھنا (جو یا ایہا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم سے ماخوذ ہے) ۵۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا (جو یا ایہا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعائر اللہ سے ماخوذ ہے) ۶۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہنا (جو انہ لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون سے ماخوذ ہے) ۷۔ اللہ تعالیٰ کے قہر اور غضب سے ڈرتے رہنا (جو انہ لا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون سے ماخوذ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شرط نہ پائی جائے تو اس چیز کا وجود نہیں ہو سکتا جس کی وہ چیز شرط ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ نماز کی شرطیں ہیں جسم کا پاک ہونا جامہ کا پاک ہونا۔ جگہ کا پاک ہونا۔ وقت پہچاننا۔ ستر عورت۔ نیت کرنا۔ قبلہ رُخ ہونا۔

۲ ججس نوق

اگر ان میں سے ایک شرط نہ ہو باقی شرطیں سب موجود ہوں تو نماز نہیں ہوگی۔
اسی طرح ایمان کی شرطوں میں سے ایک شرط نہ ہو اور باقی سب شرطیں موجود ہوں تو ایمان نہ ہوگا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاایھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا مومنو! پاکیزہ اور لذیذ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خاطر حلال فرمائی ہیں وہ اپنے اوپر حرام نہ کرو
اور فرمایا یاایھا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعائر اللہ مومنو! جو امور اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں ان کو حلال مت کرو۔
اور مشکوٰۃ ص۱۹۱ میں بحوالہ ترمذی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما اٰمن بالقراٰن من استحل محارمہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا، اس کا قرآن مجید ہی پر ایمان نہیں ہے
اور مذکورہ بالا چیزیں نص قطعی کے ساتھ حرام ہیں اب جو بھی ان کو حلال سمجھیگا تو شرط ایمان کی مفقود ہونے کی وجہ سے اس کا ایمان بھی مفقود ہوگا۔
اور حرام چیزوں کو حلال سمجھنے کے بارے پیش گوئی موجود ہے
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان امتی یشربون الخمر فی اٰخر الزمان یسمونھا بغیر اسمھا آخر زمانہ میں میری امت (میں ہونے کا دعویٰ کرنے والے) نام بدل کر شراب پییں گے (عن ابن عباس وحجر بن عدی بن ادبر الکندی وعبادۃ بن الصامت وعائشہ صدیقہ وابو مالک اشعری وعبد اللہ بن عمر ورجل من الصحابہ (کنز العمال ج۳ ص۱۴۶)
نیز عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار فتنے ہوں گے جنمیں سے ایک فتنہ وہ ہوگا جس میں لوگ خون حلال سمجھینگے

اور ایک فتنہ وہ ہوگا جس میں لوگ خون کو بھی حلال سمجھیں گے اور مال کو بھی

اور ایک وہ فتنہ ہوگا جیس لوگ خون، مال، اور فرج کو بھی حلال سمجھیں گے

بہر حال یہ باتیں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیلاً بیان کی ہیں۔
کہ ان کے علاوہ بھی بہت سی حرام چیزیں ہیں جن کو لوگ نام بدل کر حلال سمجھتے ہوئے کرتے ہیں مثلاً

زنا کا نام متعہ رکھ کر اس کو حلال بلکہ کارِ ثواب سمجھ کر مزے اڑاتے ہیں

جھوٹ کا نام تقیہ رکھ کر اس کو حلال اور جزوِ ایمان سمجھتے ہیں

سود کا نام منافع رکھ کر اس کو حلال سمجھ کر غیر قوموں کو فائدہ دے رہے ہیں

رشوت کا نام حق خدمت رکھ کر اس کو حلال سمجھ کر خوب پیٹ بھرتے ہیں

شرک کا نام تعظیمِ اولیاء اللہ رکھ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں

ما اہل بہ لغیر اللہ کو ایصالِ ثواب کا نام دے کر نذر غیر اللہ کو جائز کہتے ہیں

بدعت کو سنت کا نام دے کر لوگوں کو بدعت کا خوگر بناتے ہیں

ریشم کا نام بدل کر اس کو حلال سمجھتے اور پہنتے ہیں

رسالت کا نام امامت رکھ کر ائمہ کو معصوم واجب الاطاعت قرار دیتے ہیں

ہمارے پاکستان میں شیعہ کا ایک فرقہ شیخیہ کے نام سے موسوم ہے اور اس کو احسائی اور احقاقی بھی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد بھی عجیب و غریب اور مشرکانہ ہیں چنانچہ کہتے ہیں

۱ خدا سے صرف ایک چیز صادر ہوئی (عقل اول یا حضرات محمدؐ و آلِ محمدؑ) باقی تمام چیزیں انہوں نے پیدا کیں

۲ موت و حیات، رزق و تدبیر کائنات خدا کی طرف سے نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ آلِ محمدؐ کی طرف سے ہے (وہی خالق و رازق و مدبر کائنات ہیں)

۳ جہان کی علتِ فاعلی خدا نہیں۔ بلکہ آلِ محمد ہیں (یعنی کائنات کے خالق ہی یہی بزرگوار آلِ محمد ہیں

۴ بلا واسطہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی صرف محمد و آلِ محمد ہیں باقی سب مخلوق ان کی پیدا کردہ ہے

۵ نیکیاں اور بدیاں آلِ محمد اور رکنِ رابع کی دوستی کی موجودگی میں کوئی نقصان دہ نہیں۔ لہذا دعاءِ محبت کے ساتھ بدیوں سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں

۶ عالم کی علت صوری و مادی آلِ محمدؐ ہیں

۷ آلِ محمد ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں

۸ آلِ محمدؐ ہر چیز کے بالفعل عالم ہیں۔

۹ آلِ محمدؐ ایجادِ خلق کے آلے ہیں (اللہ جو کچھ کرتا ہے ان کے ذریعہ سے کرتا ہے)

۱۰ اہلِ بیت کا علم حضوری ہے (ہر چیز کا ان کو اس طرح علم ہے کہ ان کو ارادہ اور توجہ کی بھی ضرورت نہیں)

۱۱ انبیاء سابقین کی مدد محمد رسول اللہ کی طرف سے کی جاتی تھی

۱۲ آلِ محمد بشر نہ تھے بلکہ صرف جامۂ بشری میں ملبوس تھے

۱۳ تمام نبی اپنی اپنی شکل میں علیؑ ہی تھے

۱۴ علی بیک وقت متعدد مقام (مکان) رکھتے ہیں

۱۵ ایاک نعبد وایاک نستعین میں خطاب آلِ محمدؐ کو ہے اور نماز میں پڑھتے
وقت ائمۂ طاہرینؑ کا قصد کرنا چاہیے۔ (توثیق حق ص۱۴۲)

۱۶ شیخ احمد احسائی کو وحی ہوتی تھی (شرح زیارت ص۲۷ و ص۳۶)

۱۷ مروان بن حکم کی شکل بن کر علیؑ نے طلحہ کو تیر مارا تھا (شرح زیارۃ جامع ص۳۶۹)

۱۸ محمد وآل محمدؐ نفس ملکوتیہ الٰہیہ ہیں

۱۹ اللہ تعالیٰ ازل سے عالم نہ تھا

۲۰ ائمہ طاہرینؑ امہات المؤمنین ہیں، نبیؐ کی ازواج مطہرات ہیں۔

۲۱ مدینۃ العلم آسمان پر ہے جو حقیقۂ محمدیہ ہے۔

۲۲ ائمۂ معصومین ذات اللہ العلیا ہیں

۲۳ ائمۂ معصومین شجرۂ طوبیٰ وسدرۃ المنتہیٰ ہیں

۲۴ ائمۂ معصومین نے شیعہ کے گناہ اپنے گردن میں لے لیے۔

۲۵ انبیاء کے معجزے آلِ محمد کی طرف سے تھے یعنی معجزوں کے فاعل حقیقی
یہی بزرگوار ہستیاں ہیں۔

۲۶ فرشتوں کی حرکت اور اُن کا سکون اِماموں کے حکم کے تحت ہے۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت اہلِ بیت کی مرضی اور مشیت سے متحد ہے۔

۲۸ سب اہلِ بیت کی جان ایک ہے جو مختلف بدنوں میں بدلتی رہتی ہے۔

۲۹ آلِ محمد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

۳۰ اللہ تعالیٰ کی صفات حضرت محمدؐ کی صفات ہیں۔

۳۱ پیغمبر خدا تمام حیاتِ ابدی کی کان ہیں

یف رسالہ ہے جس کا نام ہے "اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں"
اس رسالہ کے ص۱۵ میں لکھا ہے

"جو نبی بھی آئے، وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے۔ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ختم المرسلین (ص) جو انسان کی اصلاح کے لئے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے، انسان کی تربیت کے لیے آئے تھے، لیکن وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے

وہ آدمی جو اس معنے میں کامیاب ہوگا اور تمام دنیا میں انصاف کا نافذ کرے گا وہ اپنے اس انصاف کو نہیں جسے عام لوگ سمجھتے ہیں کہ زمین میں انصاف کا معاملہ صرف لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہو بلکہ یہ انصاف انسانیت کے تمام مراتب میں ہو وہ چیز جس میں انبیاء کامیاب نہیں ہوئے، باوجود اس کے کہ وہ اس خدمت کے لیے آئے تھے

یہ ایک تقریر کی کاپی ہے جسے ان کے مزعوم امام خمینی نے نیمہ شعبان ۱۴۰۰ھ میں کی تھی۔ اور نیشنل ٹیلویژن ایران کے افتتاح کے موقعہ پر ہوئی۔ جس کو "تہران ٹائمز" نے شائع کیا

یہ سوچنے کی بات ہے کہ ختم المرسلین سید الرسل افضل الانبیاء رحمۃ للعلمین جن پر آخری سال حجۃ الوداع میں عرفات کے میدان میں آیۃ" الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے پسند کیا اسلام کو دین) اتری تھی وہ ابھی لیے اتری تھی اور

دنیا کو یہ بات بتلانے کے لیے اتری تھی کہ میرا آخری پیارا پیغمبر اپنے مشن میں فیل ہو چکا ہے اور تیئیس سالہ زندگی اس کی ناکامی کے ساتھ گزری ہے اس لیے اے دنیا کے رہنے والو! میری طرف سے آخری بار مژدہ جاں سن لو الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ قرآن شریف پر ان کا مزعومہ امام ہاتھ بھی صاف کرتا جا رہا ہے پھر بھی پکا مسلمان حامی دین واسلام اور مجتہد اور ماہر عالم قرآن وحدیث ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مشرق کی طرف سے فتن کثیرہ اٹھیں گے۔ ہم نے آپ کی پیش گوئی کو جو وحی منزل من اللہ تھی اور اس پر ہمارا ایمان بالغیب تھا اور اب اس دور (پندرھویں صدی ہجری) میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کر لیا کہ ایران جو مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف ہے فتنہ عظمیٰ اٹھا اور فساد عظیم برپا کیا۔

قرآن، حدیث، رسول، صحابہ، سلف، خلف کوئی ایک بھی نہیں ایسا بچا جو اس کی گرفت اور جرح سے مجروح نہ ہوا ہو اور دشمنانِ دین کی مدح سرائی کی گئی۔ ائمہ کو نبیوں سے بڑھایا گیا نبیوں کو ائمہ سے نیچے گرایا گیا اور ان کی ساری زندگی کی کوشش کو ناکام بتایا گیا اور اپنی تعلّی کی جنہوں نے ممالک میں جہاد کر کے اسلام کا جھنڈا گاڑا ان کو مرتد بتا دیا اور مفسدین کو مصلحین کے زمرے میں شمار کیا اور یارانِ نبی کو بت کہا اور ان پر طرح طرح کے الزام لگائے اور قرآن کریم کی تکذیب کی اور دعوٰی یہ کہ ہم مومن بالقرآن ہیں، تو ایسے لوگوں کو مومن کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ نعوذ باللہ منہم اجمعین

بقیہ سب و شتم

مقبول احمد شیعی ترجمہ قرآن مجید کے ضمیمہ ص۵۹۰ میں لکھا ہے۔
خدا تعالیٰ نے تو اس شصرے کا نام گمراہ کرنے والی فہرست میں درج فرمایا...... اسی شصرے کے ہمسر خسر اول میاں ابوبکر.....

ضمیمہ ص۶۳۸ : زمانۂ رجعت میں وہ پاخانہ کھائیں گے
ضمیمہ ص۶۴۴ : اس شیطان نے اپنے دونوں ایجنٹ ابوبکر و عمر بھیج دیے
ضمیمہ ص۱۰۱۶ : ان سب (منافقوں) کا سرگروہ عمر بن الخطاب ہیں۔
ضمیمہ ص۱۰۱۵ : الشیطان سول لکم شیطان سے مراد ثانی ہیں۔
ضمیمہ ص۱۱۹ : زید ہو یا عمر یا بکر کہ ان پر دوامی لعنت ہوتی رہے گی۔
ضمیمہ ص۸۴۰ : جنگ جمل میں بصرہ کی جنرل کمانڈنگ حضرت عائشہ اس آیت کی رو سے فاحشۃ مبینہ کی مرتکب ہوئیں۔
ضمیمہ ص۵۱۳ : تفسیر قمی و عیاشی میں ہے قرآن میں شیطان جہاں بھی آیا ہے وہیں ثانی مراد ہے۔

آغاخانیت ص۲۴۳ : جھوٹے سنی کتے بھی روئیں گے
تاریخ نواصب طبع اول ص۲۰ : معاویہ تو شراب فروشی کا کاروبار بھی کرتا تھا
" " ص۱۰۲ معاویہ خود عمر کو خلیفہ برحق نہیں مانتا تھا

اصول کافی ص۲۳۶ مطبوعہ طہران میں ہے ھذہ الامۃ اشباہ الخنازیر یہ امت خنزیروں کی مشابہ ہے
اور اسی کتاب کے ص۲۴۳ میں ہے ھذہ الامۃ الملعونۃ یہ ملعون امت
اب اگر یہ لوگ از روئے تقیہ یہ کہیں کہ ہم ان لوگوں کو مسلمان نہیں سمجھتے جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کہیں تو

ہمیں بھی اجازت ہو اور ہمیں سرکاری عدالت سے گرفت نہ ہونی چاہیے جب ان کے اکابر کھلا بندوں ایسے سوقیانہ الفاظ استعمال کریں جیسے انہوں نے صحابہ، ازواجِ مطہرات، ابوحنیفہ، امت محمدیہ کے بارے استعمال کیے ہیں ہمارے اکابر ہمارے جسمانی ماں باپ سے زیادہ عزیز ہیں۔ اگر ہمارے ماں باپ کے متعلق کوئی کہہ دے کہ تیری ماں ایسی تیسی تھی، تیرا باپ ایسا تیسا تھا تو ہم آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور برداشت نہیں کر سکتے۔ پستول رائفلیں بندوقیں اور چھرے نکل آئیں گے تو اُن روحانی ماں باپ کے متعلق گستاخیاں اور سوقیانہ الفاظ سن کر ہم کیوں کر خاموش رہ سکتے ہیں جب کہ ان کی قدر و منزلت اپنے جسمانی ماں باپ سے ہماری دلوں میں کہیں بڑھ کر ہے۔ ہماری جان جا سکتی ہے مگر اکابر کا تقدس ہمارے دلوں سے نہیں نکل سکتا۔ اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی بات برداشت کر سکتے ہیں۔

والسلام خیر ختام مع الاکرام

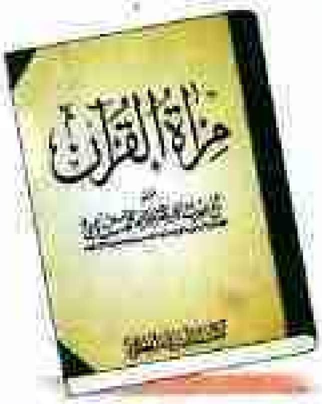
طالب الخیر فی الکونین محمد حسین عفا اللہ عنہ الشین
خادم جامعہ ضیاء العلوم بلاک ۱۸ سرگودھا
پاکستان



احسن التفاسیر



تفسیر
تبیین القرآن
کامل چار حصے



مرآۃ القرآن

اہم متفرق شرعی مسائل پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ



المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد نہم

- خلاصۃ البیان من کلام الرحمٰن
- تحفۃ علامہ قرآن حکیم
- ادعیہ بجائے ذکر
- قرآنی تعویذ کے متعلق اہم فتویٰ
- معراج النبی ﷺ حقائق کی روشنی میں
- اطیب الکلام فی نکاح یوسف علیہ السلام
- حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کس عورت سے ہوا
- التبیین فی ان اعفاء اللحیۃ فی الدین
- غسل رجلین
- عربی نماز پر اعتراض کا جواب
- کلمہ طیبہ اور نماز کا تشریحی ترجمہ
- الفاتحہ سے قبل بسم اللہ الرحمٰن

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم شیخ الحق ... محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی

حسین علی الوانی

مکتبۃ اشاعۃ العلوم

اہم متفرق شرعی مسائل پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

تلمیذ رشید مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

و تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز امام اہل السنت شیخ القرآن
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد نہم

- حلاوت البیان من کلام الرحمٰن
- مختصر فضائل قرآن حکیم • [illegible]
- قرآنی تعویذ کے متعلق اہم فتویٰ
- معراج النبی ﷺ سماوات کی بلندی تک
- اطیب الکلام فی نکاح [illegible]
- [illegible]
- التبیین فی ان العقائد الصحیحۃ فی القرآن
- غسل رجلین
- مرزائی کے اعتراض کا جواب
- [illegible] ترجمہ
- [illegible]

مکتبہ اشاعۃ العلوم

اجمالی فہرست

جلد نہم

کوائف مترجم قرآن

مترجم قرآن کے لیے کم از کم چند اوصاف کا جامع ہونا واجب ہے۔

۱ عربی زبان خوب سمجھتا ہو کہ عربی سے ترجمہ کر سکے۔ کیونکہ ترجمہ سے ترجمہ کرنے میں اصل سے بُعد ہو جاتا ہے

۲ فنونِ عربیہ (صرف۔ نحو۔ بلاغت۔ لغت) میں ماہر ہو۔ تاکہ ترجمہ میں صیغہ و ترکیب و اسالیبِ کلام و دقائقِ وضع کی رعایت رکھ سکے۔ کیونکہ ان کے اہمال سے ترجمہ میں سخت غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں

۳ اصطلاحاتِ شرعیہ سے واقف ہو۔ کیونکہ مصطلحات کا ترجمہ معانی لغویہ سے کرنے میں متکلم کی مراد بدل جاتی ہے۔

۴ حدیث کو شیوخ سے حاصل کیا ہو تاکہ تفسیر کرنے میں مخالفتِ صاحبِ وحی باثباتِ نزول کی لازم نہ آئے

۵ مذاہبِ مجتہدین پر نظر ہو تاکہ فقہیات کی تفسیر میں اجماع کی مخالفت نہ کرے

۶ علم کلام و تفصیلِ عقائدِ اہلِ سُنّت جانتا ہو تاکہ عقائد کی تفسیر میں بدعت سے بچ سکے۔

۷ مفسرین محققین کے اقوال پیشِ نظر ہوں تاکہ ناسخ و منسوخ و زیادت و حذف وغیرہ پر اطلاع ہو جن میں نقل کی احتیاج ہے۔

۸ اصول و معقول بقدرِ ضرورت حاصل کیا ہو۔ تاکہ عقلیات و شرعیات کی تفسیر میں تقریرِ استدلال پر قادر ہو۔

۹ مواضعِ مغلقہ و مجملہ میں تاویلِ مشترک یا رفعِ تعارض یا بیانِ نسخ یا تفسیرِ مبہم یا تفصیلِ مجمل وغیرہ کے اظہار کے لیے صرف ترجمہ پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ بطورِ شرح یا حاشیے کے امورِ مذکورہ کی توضیح کر دے۔

۱۰ جس زبان میں ترجمہ کرنا ہے اس میں پورا مذاق ہو۔ صرف استعداد کتابی پر قناعت نہ کرے تاکہ مطالب قرآنیہ کو احسن عبارت میں ادا کر سکے۔

۱۱ صحیح العقیدہ صالح الاعمال ہو۔ تاکہ تفسیر میں تائید بدعت و ہوائے و خیانت تبدیل سے امن رہے۔

۱۲ علمائے محققین معاصرین کی ایک معتدبہ جماعت کی نظر میں مقبول و مسلّم و معتبر ہو۔

۱۳ ذہین و ذکی ہو۔ بلید و غبی نہ ہو تاکہ اقوالِ مختلفہ میں سے مناسب قول کو ترجیح دے سکے، دقائق کلام کو سمجھ سکے، مخالف لوگوں کے شبہات کو شائستگی سے رفع کر سکے۔

۱۴ ترجمہ حامل المتن ہو۔ صرف تراجم کے شائع ہونے سے ماخذہ اصل کے ضائع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

۱۵ خود رائے و متکبر نہ ہو۔ تاکہ جس مقام پر شرح صدر نہ ہو علماء وقت کی رجوع کرنے سے عار و ننگ نہ کرے۔ اگر کوئی اس لغزش پر اطلاع دے تو اس کو قبول کرکے اصلاح کر دے۔

جو شخص شرائط مذکورہ کا جامع نہ ہوگا۔ وہ ترجمہ پر مبادرت کرنے سے عاصی و خاطی اور بانیٔ ضلالت و جہالت ہوگا۔ اور کئی ایسے شخصوں کا جمع کر لینا جس میں ایک ہی وصف ہو کافی نہیں ہے۔ جیسا کہ اب تک انگریزی اور اردو ترجموں میں ہوا۔

(منقول از اصلاحِ ترجمہ دہلویہ مصنفہ حضرت حکیم الامت مولانا و مرشدنا الشاہ محمد اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ وافیۃ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ وصحابہ اجمعین۔

کیسان ابوبکر معلیٰ ہشام بن حسان نے فرمایا کہ میں نے قتادہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب سے میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تب سے میں نے بندی کھانا چھوڑ دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۲۰۱)

عبداللہ بن عون نے فرمایا کہ حضرت محمد بن سیرین کو اس طرح قرآن مجید پڑھنا ناپسند تھا جو اس کے مخالف ہو جس طرح اتارا گیا۔ اور اس طرح بھی پڑھنا مکروہ ہے کہ کچھ پڑھے پھر باتیں کرنے لگے پھر پڑھنے لگے (〃)

بغیر تدبر کے قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے (البرہان فی علوم القرآن ۴۵۵ ص ۳)

کیونکہ قرآن مجید پڑھنے سے مطلوب ہی ہے اس میں تدبر کرنا (نووی ص ۲۷)

حسن بصری رح نے فرمایا کہ قرآن مجید تو اس لیے اترا تھا کہ لوگ اسے سمجھ کر پڑھنے کے بعد اس پر عمل کریں۔ اور اب ہو یہ گیا کہ لوگوں نے اس کی تلاوت کو عمل سمجھ لیا (الدلیل المبین ص ۴۳)

محمد بن سیرین رح نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس قرآن مجید اور سنۃ الرسول جیسی عظیم نعمت موجود ہے تو چھوڑ دو دوسری کتابوں کو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ آسمانی کتب الٰہیہ کو چھوڑ کر دوسری کتابوں کو معمول بہا بنا لیا تھا (طبقات ابن سعد ص ۱۹۴)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ الحان کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا بدعت ہے اس طرح پڑھنے والے کا قرآن مجید نہ سنا جائے (طبقات حنابلہ ص ۵۷ و ص ۶۰)

نقل کے خلاف عقل کی اتباع کرنا ضلالت کی بنیاد ہے (مرقاۃ ص ۵)

جس حدیث کو قرآن مجید کی صریح عبارت دفع کرے ایسی حدیث کو معمول بہ بنانا ناجائز اور ممنوع ہے (شرح معانی الآثار للطحاوی ص ۸۳)

نص قرآنی قطعی ہے اس حکم کا معارضہ اسی کی مثل ہی کر سکتا ہے (ازالۃ الجہود ص ۲۴۳)

خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی کرنا ناجائز ہے (ہدایہ اولین ص۳)
عمومِ لفظ کو دیکھا جاتا ہے خصوصِ سبب کا اعتبار نہیں (کلیات ابی البقاء ص۳ و نووی ص۱۸۱ و توضیح مع التلویح ص۱۵۳ طبع مصر)

جو ایسی نقل ہو جو ممتنعات میں وارد ہو اس کی تاویل کرنا واجب ہے (خیالی)

قرآن مجید کی تعریف یہ ہے الکتاب المنزل علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلاً متواتراً بلا شبہۃ (المنار ص)

قرآن مجید کا موضوع التوحید وما یتبعہ من الرسالۃ والمعاد والجہاد فی الانفاق واصول الاحکام الشرعیۃ من العبادات والمعاملات والمعاشرۃ والاخلاق

قرآن مجید کی فضیلت کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز پر قرآن مجید کو افضلیت حاصل ہے نیز فرمایا کہ قرآن مجید کی ہر آیت آسمان و زمین میں جس قدر چیزیں ہیں ان سب سے بہتر ہے (مقامات حسنہ ص)

ثمرہ قرآن مجید پڑھنے کا یہ ہے کہ اس کو سمجھ کر پڑھنے سے اس پر عمل کرے گا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سعادۃ ابدیہ نصیب ہو گی۔ قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا۔ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے سے کروڑوں مشرک کافر موحد اور مومن بن گئے رذیل شریف بن گئے۔ مفلس محتاج غنی و متمول بن گئے۔ محکوم حاکم بن گئے۔ جہیل عقیل و جلیل بن گئے

قرآن مجید کے بہت نام ہیں الحرالی نے کچھ اوپر نوّے نام گنائے ہیں۔ جیسے البرہان فی علوم القرآن ص۲۷۳ میں علامہ بدر الدین زرکشی نے لکھا ہے من جملہ ان ناموں کے ایک نام ہے کلام اللہ (حتی یسمع کلام اللہ۔

۲ البرہان (قد جاءکم برہان من ربکم

۳ نور۔ (وانزلنا الیکم نوراً مبیناً)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ نیز آج کے دور میں جو بات حدیث سے مستند طریق سے ملے اس پر جرح کر کے دفع کر دیتے ہیں اور جو بات تاریخ سے ثابت ہو اگرچہ اس کی سند نہ ملے پھر اس کو معتبر سمجھ کر سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ اور اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے بائبل جیسی تحریف سے پُر شدہ اور مسلمہ لاکھوں غلطیوں والی کتاب کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر تاریخی غلطیاں بتائی ہیں مثلاً بنی اسرائیل کی تواریخ میں ہے کہ ہامان فرعون و حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں نہ تھا بلکہ زمانہ طویلہ کے بعد پیدا ہوا اور ہامان نام کا آدمی ان کے دور میں ہوتا تو کوئی نہ کوئی مورخ تو اسے نقل کرتا۔ لیکن قرآن مجید نے ثابت کیا کہ فرعون کے دور میں ہامان تھا ومن اصدق من اللہ حدیثا اور یہود کی تاریخ بے سند ہے اور جو کوئی کہتا ہے بے سند کہتا ہے دیکھو تفسیر نیشاپوری (۳۶/۲۲)

پھر مفسرین نے قرآن کی تفسیر میں قصے بیان کرتے ہیں کہ قرآن فہمی میں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ عہد نبوی میں ایسی کوئی قصہ گوئی تھی اور نہ عہد شیخین و عہد عثمان میں تھی جیسے صحیح ابن حبان ۶۵ میں ہے عن ابن عمر قال لم یکن یقص فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ابی بکر ولا عمر ولا عثمان۔ وانما کان امر القصص فی زمن الفتنۃ۔

بعض لوگ حدیث کو چھوڑ کر لغت محضہ سے قرآن کا حل سوچتے ہیں اور یہ ان کی غلطی ہے قال ابو العباس ثعلب السنۃ تقضی علی اللغۃ واللغۃ لا تقضی علی السنۃ دیکھو مجالس ثعلب ج۱ و ص۱۴۹) اسی طرح العرف قاض علی القیاس و حجۃ یترک بہ القیاس (ہدایہ اخیرین ص۳۳)

مفسرین اپنی تفسیروں میں روایات نقل کرتے ہیں ابن جریر و ابن ابی حاتم تو سند سے بیان کرتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد! یوں تو اللہ تعالیٰ کے انعامات انسان پر بے شمار ہیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوہا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کو تم پورا پورا نہ گن سکو گے۔ اور اس کو عدم سے وجود میں لایا حالانکہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھا انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئًا۔ اور اول انسان کو مٹی سے بنایا خلقہ من تراب۔ وبدأ خلق الانسان من طین۔ پھر اس کی نسل کو مٹی کے نچوڑ یعنی منی سے چلایا جو ایک حقیر پانی ہے ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مہین۔ جو عورت کے رحم میں ٹپکائی جاتی ہے نطفۃ من منی یمنیٰ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے ثم کان علقۃ پھر اس لوتھڑے (خون منجمد) سے گوشت کی بندھی ہوئی بوٹی بنائی فخلقنا العلقۃ مضغۃ پھر اس بندھی ہوئی بوٹی کی ہڈیاں بنائیں فخلقنا المضغۃ عظامًا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا فکسونا العظام لحمًا۔ پھر ایک مدت مقررہ تک رحم میں رکھا ونقر فی الارحام ما نشاء الیٰ اجل مسمی پھر جیسے چاہا رحم مادر میں بہت ہی اچھی صورت بنائی ہو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ وصورکم فاحسن صورکم۔ پھر آخر کار وہ دوسری ہی مخلوق کی صورت میں بنا کھڑا کیا ثم انشأناہ خلقًا آخر۔ پھر اس پتلے کو درست کیا ثم سوّٰہ پھر اس میں اپنی قدرت کاملہ سے بنائی ہوئی روح اس میں پھونک دی ونفخ فیہ من روحہ جب کہ پہلے وہ بے جان تھا وکنتم امواتًا پھر بچہ بنا کر اس کو باہر نکالا ثم نخرجکم طفلا واللہ اخرجکم من بطون امہٰتکم اور اس وقت

وہ کچھ بھی نہ جانتا تھا لا تعلمون شیئا۔ پھر کان آنکھیں اور دل دیے وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ پھر اس کی خوراک کا انتظام کیا اور ماں کو حکم دیا کہ دو سال اس کو دودھ پلائے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ پھر انسان کی پرورش کے اور بھی انتظام کیے کہ اوپر سے پانی اتارا انزل من السماء ماء جس میں سے ... کچھ تو پینے کے کام آتا ہے ماء لکم منہ شراب اور اسی پانی سے درخت اگتے ہیں جو جانور چرتے ہیں ومنہ شجر فیہ تسیمون اور اسی پانی کے ذریعے انسان کے کھانے کو پھل پیدا کیے فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم جیسے کھیتی زیتون کھجوریں انگور ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب اور غلہ فانبتنا فیہا حبا اور ترکاری وقضبا اور میوے وفاکھۃ

اور سردی گرمی سے بچاؤ کے لیے کرتے بنائے وسرابیل تقیکم الحر اور لڑائی میں بچاؤ کے لیے زرہیں بنائیں وسرابیل تقیکم باسکم اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے درختوں کے سائے بنائے وجعل لکم مما خلق ظلالا۔ اور گھر بنائے رہنے سہنے کے لیے واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا اور چوپاؤں کی کھالوں سے خیمے بنائے جو سفر میں کوچ کرتے اور مقام کرتے وقت اٹھانے لگانے میں ہلکے ہوں وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونہا یوم ظعنکم ویوم اقامتکم اور بھیڑوں اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے ایک مدت تک کے لیے گھروں کا اثاثہ (سامان) اور برتنے کی چیزیں بنائیں ومن اصوافہا واوبارہا واشعارہا اثاثا ومتاعا الی حین۔ اور انسان ہی کی خاطر چوپائے بنائے جنہیں گرمی حاصل کرنے اور سردی سے بچاؤ کا سامان ہے والانعام خلقہا لکم فیہا دفء اور ان چوپاؤں

میں انسان کے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں ومنافع بکثیرۃ
ان میں سے ایک یہ فائدہ ہے کہ انسان ان میں سے بعض کو کھاتا ہے۔
ومنھا تاکلون اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کے گوبر اور خون
کے درمیان سے جو ان کے پیٹوں کا ہوتا ہے ایسا خالص دودھ نکال کر
پلاتا ہے جو پینے والوں کے لیے خوش گوار ہوتا ہے نسقیکم مما فی بطونہ
من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین اور گھوڑے خچر اور گدھے
بنائے جو سواری کے لیے بھی ہیں اور زینت کا موجب بھی والخیل والبغال و
الحمیر لترکبوھا وزینۃ اور کئی جانور ایسے بنائے جو ایک شہر سے دوسرے
شہر تک بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں انسان اپنی جان کو مشقت
میں ڈالے بغیر وہاں تک نہیں پہنچ سکتا وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا
بالغیہ الا بشق الانفس اور علاوہ ان منافعوں کے ان چوپاؤں میں
انسان کی رونق اور آبرو بھی ہے جب صبح وشام ان کو چرانے کے لیے
چراگاہ میں لے جاتا ہے اور پھر واپس لاتا ہے ولکم فیھا جمال حین تریحون
وحین تسرحون اور جب آدمی بیمار پڑ جاتا ہے تو شفا اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے
واذا مرضت فھو یشفین اور کئی ایسی چیزیں بنائیں جن میں اللہ تعالیٰ نے
شفاء رکھ رکھی ہے جیسے شہد کی مکھی کے پیٹ سے وہ شہد نکالتا ہے و
اوحی ربک الی النحل...... یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ
شفاء للناس سمندر جیسی مہیب چیز انسان کے لیے مسخر کر دی تاکہ اس
میں سے مچھلی کا تازہ گوشت نکال کر کھا سکے وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ
لحما طریا اور اسی سمندر میں سے زینت و آراستگی کا سامان بھی نکال کر
پہن سکے وتستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونھا جس میں سے موتی اور مونگے بھی ہیں

یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان اور سمندری سفر کے لیے کشتی اور سمندری جہاز
بنائے جو سمندر کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں وتری الفلک مواخر فیہ تاکہ انسان
سمندری سفر کے لیے ملکی تجارت کر سکے ولتبتغوا من فضلہ اور انسان ہی کے
فائدہ کے لیے زمین کو ایسا مسخر اور تابع کر دیا کہ اس کی اطراف وجوانب
میں آسانی چل پھر سکیں ہو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبہا۔
اور تاکہ اللہ کی دی ہوئی روزی تلاش کر سکے ولتبتغوا من فضلہ۔ ولعلکم
تشکرون رات دن اور سورج و چاند بھی انسان کے لیے مسخر کر دیے وسخر لکم اللیل
والنہار والشمس والقمر ندیاں بھی مسخر کر دیں وسخر لکم الانہار اور کشتیاں بھی
مسخر کر دیں تاکہ اللہ کے حکم سے دریا میں چلیں وسخر لکم الفلک لتجری فی
البحر بامرہ بلکہ آسمان زمین میں تمام چیزیں انسان کے کام میں لگا رکھی ہیں الم
تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض۔ زمین میں بھاری بھاری
پہاڑ رکھ دیے تاکہ زمین انسان کو لے کر ہلنے نہ لگے والقی فی الارض رواسی
ان تمید بکم اور ندیاں اور رستے بنائے تاکہ انسان ان رستوں کے ذریعے
منزل مقصود تک پہنچ سکے وانہارا وسبلا لعلکم تہتدون اور ستارے بھی
رستہ معلوم کرنے کے لیے بنائے وبالنجم ہم یہتدون اور زمین میں اور بھی
بہت سے نشانات بنائے وعلامات۔ نیز انسان کی حفاظت کرنے کے لیے
اس کے آگے پیچھے باری باری سے پہرے والے محافظ موکل لگا رکھے ہیں
جو بحکم اللہ اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور اس کا ہر عمل محفوظ کرتے رہتے
ہیں لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔ بہرحال اللہ
تعالیٰ نے انسان پر تمام ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں واسبغ
علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ یہ نعمتیں تو ہر انسان کو ملی ہوئی ہیں خواہ وہ

اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو فمن کفر فامتعہ قلیلا
مگر مومن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی نعمت دی ہے کہ باوجود عام ہونے کے کافر اس سے منتفع نہیں ہوتا۔ صرف مومن اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور وہ ہے نعمتِ عظیم یعنی قرآن مبین' قرآن کریم' قرآن حکیم' قرآن مجید' جو رب کی طرف سے اتمام حجت کے طور پر نصیحت اور قلبی امراض کفر و شرک وغیرہ کی لاثانی دوا ہے قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور جو ان تمام چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جو عام لوگ اپنے دنیوی فائدہ کے لیے جمع کیا کرتے ہیں ہو خیر مما یجمعون اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ مؤمنین کو کہہ دو کہ اسلام جو اللہ کا فضل ہے اور قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ مخصوص رحمت ہے سو ان دونوں چیزوں کو حاصل کر کے مومنین کو خوش ہو جانا چاہیے قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا اور اس خوش ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کی سمجھ حاصل کی جائے لعلکم تعقلون اور اس کے معانی میں تدبر کیا جائے لیدبروا آیاتہ اور اس سے نصیحت حاصل کی جائے ولیتذکر اولوا الالباب اور اس کی اتباع اور پیروی کی جائے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم اور اس سے نیچے درجے کی کسی کتاب کی پیروی نہ کی جائے اگرچہ وہ انبیاء سابقین میں سے کسی ایک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آسمانی کتاب ہی کیوں نہ ہو ولا تتبعوا من دونہ اولیاء

اس کلام اللہ کے بارے خود حضرت حق جل شانہ نے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان کو ضبطِ تحریر میں لایا جا رہا ہے ان شاء اللہ العزیز و بہ نستعین

حکمتِ نزولِ قرآن

تاکہ آگاہ کرے تمام اہلِ مکہ اور تمام اہلِ دنیا کو جن جن تک پہنچ گیا۔
واوحی الی ہذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ / لتنذر ام القری ومن حولہا۔
تاکہ اختلافات مٹیں وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لہم الذی اختلفوا فیہ
ان ہذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ہم فیہ یختلفون
تاکہ اس میں تدبر اور غور و فکر کریں کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ
تاکہ اس سے لوگ نصیحت حاصل کریں ولیتذکر اولوا الالباب
تاکہ لوگ اس سے ہدایت پائیں ولکن جعلناہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا
تاکہ لوگ اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف آئیں لتخرج الناس من الظلمات الی النور
تاکہ غافل کافروں کو خبردار کیا جائے لتنذر قوما ما انذر آباؤہم فہم غافلون۔
تاکہ اللہ کا خوف اور تقویٰ حاصل ہو ولکن ذکریٰ لعلہم یتقون
ولعلہم یتفکرون
تاکہ لوگ فکر کریں
تاکہ لوگ سمجھیں انظر کیف نصرف الآیات لعلہم یفقہون
تاکہ حضرت نبی اکرم ﷺ اس کی وضاحت فرمائیں وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس.....
تاکہ اللہ کی وحدانیت معلوم ہو ہذا بلاغ للناس ولینذروا بہ ولیعلموا انما ہو الٰہ واحد
تاکہ مجرمین کا طریق معلوم ہو جائے اور اس سے بچ سکیں ولتستبین سبیل المجرمین۔
تاکہ اس کی اتباع سے لوگ رحمت کے مستحق ہوں فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون
تاکہ کفار یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم بے ہدایت رہ گئے ان تقولوا انما انزل........ غافلین
تاکہ لوگ اس کے موافق فیصلہ کریں انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس....

آداب قرآن حکیم

قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سنو وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا

قرآن مجید سنتے وقت اپنی زبان کو نہ ہلاؤ لا تحرك به لسانك لتعجل به

قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھو ورتل القرآن ترتيلا

قرآن مجید جلدی مت پڑھو لا تعجل بالقرآن

قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ پڑھو فإذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم

قرآن مجید پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھو اقرأ باسم ربك الذي خلق

قرآن مجید بہت بلند آواز سے نہ پڑھو لا تجهر بصلاتك

قرآن مجید اتنا پست بھی نہ پڑھے کہ خود نہ سنے ولا تخافت بها

قرآن مجید ایسے پڑھے جیسے پڑھنے کا حق ہے الذين آتيناهم الكتاب يتلونه حق تلاوته

قرآن مجید پر ایمان رکھا جائے أولئك يؤمنون به

قرآن مجید کو مخول نہ بنایا جائے ولا تتخذوا آيات الله هزوا

قرآن مجید تدبر سے پڑھیں أفلا يتدبرون القرآن

قرآن مجید کی اتباع کریں اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم

قرآن مجید کے خلاف کوئی بات نہ کہو لا تقدموا بين يدي الله ورسوله

قرآن مجید پڑھتے وقت دل میں اللہ کا خوف ہو واتقوا الله

قرآن مجید کو باوضو ہاتھ لگائیں لا يمسه إلا المطهرون

قرآن مجید جتنا آسانی سے پڑھ سکے اتنا ہی پڑھے فاقرءوا ما تيسر من القرآن

قرآن مجید پڑھنے پر اجرت مت لو قل لا أسألكم عليه من أجر

قرآن مجید تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے — ہدی للناس (بقرہ آیت —

قرآن مجید موعظت ہے — وموعظۃ

قرآن مجید یاددہانی ہے — وذکری

قرآن مجید بیمار دلوں کی شفاء ہے — وشفاء لما فی الصدور

قرآن مجید برحق ہے — وھو الحق

قرآن مجید فضل اللہ ہے — قل بفضل اللہ

قرآن مجید رحمت ہے — وبرحمتہ

قرآن مجید دوٹوک بات کرتا ہے — انہ لقول فصل

قرآن مجید من گھڑت بات نہیں — ما کان حدیثا یفتری

قرآن مجید پہلی کتابوں کا مصدق ہے — ولکن تصدیق الذی بین یدیہ

قرآن مجید شاہد ہے — ویتلوہ شاہد منہ

قرآن مجید حجت واضحہ ہے — قد جاءکم بینۃ من ربکم

قرآن مجید کامل مکمل بڑے شان والا ہے — ذلک الکتاب

قرآن مجید سے روشنی ملتی ہے — والنور الذی انزلنا

قرآن مجید سے اندھیرے چھٹتے ہیں — لیخرجکم من الظلمات الی النور

قرآن مجید سے شکوک رفع ہوتے ہیں — لاریب فیہ

قرآن مجید سے منیب فائدہ اٹھاتے ہیں — ہدی للمتقین

قرآن مجید منیبوں کو خوشی سناتا ہے — وبشری للمسلمین

قرآن مجید منیبوں کے باعث رحمت ہے — ورحمۃ للمحسنین

قرآن مجید کافروں کو خبردار کرتا ہے — لینذر الذین ظلموا

قرآن مجید منکروں پر حجت ہے — ویحق القول علی الکافرین

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے — یسمعون کلام اللہ

قرآن مجید پوشیدہ کتاب میں ہے — قرآن کریم فی کتاب مکنون

قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے — قرآن مجید فی لوح محفوظ

قرآن مجید اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہے بل ہو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم

قرآن منزل من اللہ ہے — تنزیل من رب العلمین

قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے اتارا — انا نحن نزلنا الذکر

قرآن مجید کا محافظ بھی اللہ تعالیٰ ہے وانا لہٗ لحافظون

قرآن مجید اللہ کے علم سے اترا ہے — فاعلموا انما انزل بعلم اللہ

قرآن مجید کو جیسے اتارنا چاہیے تھا ویسے اتارا وبالحق انزلناہ

قرآن مجید کو جیسے اترنا چاہیے تھا ویسے اترا وبالحق نزل

قرآن مجید لانے والا نہایت قوی ہے — علمہ شدید القویٰ ذو مرۃ

قرآن مجید لانے والا امین ہے — نزل بہ الروح الامین

قرآن مجید لانے والے کا نام جبرائیل ہے قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک

قرآن مجید لانے والا اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاتا ہے باذن اللہ

قرآن مجید فرشتوں کی نگرانی میں اترتا ہے فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا

قرآن مجید شیطان سے محفوظ رہتا ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ

قرآن مجید کو پاک ہی چھوتے ہیں — لا یمسہ الا المطہرون

قرآن مجید اللہ نے اپنے خاص بندے پر اتارا انزل علی عبدہ الکتاب

قرآن مجید حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اتارا گیا وآمنوا بما نزل علی محمد

قرآن مجید عدل و انصاف کا کلام ہے وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا

قرآن مجید ہی صراط مستقیم ہے، وان ہٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ

قرآن مجید سب پر حاوی ہے — وانزلنا الیک الکتاب ..... مھیمنا علیہ
قرآن مجید والا ہے — قرآن مجید فی لوح محفوظ
قرآن مجید کریم ہے — قرآن کریم فی کتاب مکنون
قرآن مجید کتاب مبین ہے — الر تلک آیات المبین
قرآن مجید کتاب حکیم ہے — الر تلک آیات الکتاب الحکیم
قرآن مجید بشیر و نذیر ہے — قرآنا عربیا لقوم یعلمون بشیرا و نذیرا
قرآن مجید برہان ربی ہے — یا ایھا الناس قد جاءکم برہان من ربکم
قرآن مجید تبیان ہے — ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء
قرآن مجید قیم ہے — ولم یجعل لہ عوجا قیما
قرآن ہی اصل کتاب ہے — الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب
قرآن مجید ہی مجسم حکمت ہے — ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ۔
قرآن مجید نبأ عظیم ہے — قل ہو نبأ عظیم۔
قرآن مجید مبلغ ہے — ہذا بلاغ للناس۔
قرآن مجید احسن القصص ہے — نحن نقص علیک احسن القصص
قرآن مجید اصل علم ہے — ولئن اتبعت اھواءھم بعد ما جاءک من العلم
قرآن مجید مکرم ورقوں میں لکھا ہوا ہے — فی صحف مکرمۃ
قرآن مجید کا مقام بلند و کلام غیر سے پاک ہے — مرفوعۃ مطھرۃ
قرآن مجید کی باتیں اور مضامین بار بار تکرار سے بیان ہوتے ہیں — مثانی
قرآن مجید نری نصیحت ہے — ان ہو الا ذکر
قرآن مجید تمام جہان کے لیے نصیحت ہے — ان ہو الا ذکر للعلمین
قرآن مجید تمام جہان کے لیے راہ نما ہے — ہدی للعلمین

کتاب عزیز

قرآن مجید ایک نادر الوجود کتاب ہے

قرآن مجید کی تمام کتابوں سے شان عالی ہے وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی

قرآن مجید کی بعض آیات محکم ہیں منہ آیات محکمات ہن ام الکتاب

اور بعض آیات متشابہ ہیں واخر متشابہات

قرآن مجید روئے زمین پر تمام بسنے والوں کو خبردار کرنے کے لیے اترا

واوحی الی ہذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ

قرآن مجید وزنی کلام ہے سنلقی علیک قولاً ثقیلاً

قرآن مجید روح پرور کتاب ہے وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا

قرآن مجید وحی ہے قل انما انذرکم بالوحی

قرآن مجید حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے وانزل الفرقان۔

قرآن مجید مبارک اور کثیر المنافع ہے وہذا کتاب انزلناہ مبارک

قرآن مجید احسن الحدیث ہے اللہ نزّل احسن الحدیث

قرآن مجید ہی اصل پڑھنے کی کتاب ہے ان ہذا القرآن یہدی

قرآن مجید اللہ کی رسی (اللہ تک پہنچانے والی) کتاب ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا

قرآن مجید کی آیات بصیرت افروز ہیں ہذا بصائر للناس

قرآن مجید مضبوط کڑا ہے فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ

قرآن مجید ایمان افروز گویا مجسم ایمان ہے سمعنا منادیاً ینادی للایمان،

قرآن مجید کو اہل علم سن کر ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں ان الذین اوتوا العلم من

قبلہ اذا یتلی علیہم یخرون للاذقان سجدا

قرآن مجید کو اہل علم سن کر روتے ہیں اور زیادہ خشوع و عاجزی ان میں آجاتی ہے

اذا تتلی علیہم آیات الرحمٰن خروا سجداً و بکیاً

قرآن مجید کو اہل علم سن کر مان جاتے ہیں الذین آتینا ہم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئک یؤمنون بہ

قرآن مجید کو علماء بنی اسرائیل بھی حق سمجھتے ہیں یعلمہ علماء بنی اسرائیل

قرآن مجید پہاڑ پر اترتا تو وہ بھی دب پھٹ جاتا لو انزلنا ہذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ

قرآن مجید سے قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

قرآن مجید میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف ہے وانہ لذکر لک

قرآن مجید میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا بھی ذکر ہے ولقومک

قرآن مجید میں آپ سے پہلی اقوام کا بھی ذکر ہے کذلک نقص علیک من انباء ما قد سبق

قرآن مجید میں آپ سے پہلے بعض انبیاء کا بھی ذکر ہے ولقد جاءک من نبأ المرسلین

قرآن مجید پر ایمان لانا مامور بہ اور فرض ہے آمنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی نزل علی رسولہ

قرآن مجید سے اعراض کرنے والا بڑا ظالم ہے ومن اظلم ممن ذکر بآیات ربہ ثم اعرض عنہا

قرآن مجید سے اعراض کرنے والے کی دنیوی زندگی تنگ ہے ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا

قرآن مجید سے اعراض کرنے والا روز قیامت اندھا اٹھے گا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ

قرآن مجید سے اعراض کرنے والا قیامت کے دن بھاری بوجھ تلے دبا رہے گا

ومن اعرض عنہ فانہ یحمل یوم القیامۃ وزرا خالدین فیہ

قرآن مجید سے اعراض کرنے والا قیامت کے دن سخت عذاب میں رہے گا۔

ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذابا صعدا

قرآن مجید کا منکر خاسر ہے ومن یکفر بہ فاولئک ہم الخاسرون

قرآن مجید کا مکذب اور رد کنے والا بڑا ظالم ہے فمن اظلم ممن کذب بآیات اللہ وصدف عنہا

قرآن مجید کے منکر کے لیے وعدہ دوزخ ہے ومن یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ

قرآن مجید کا منکر بد عہد و ناقدرا ہے وما یجحد بآیاتنا الا کل ختار کفور

قرآن مجید کا منکر ظالم ہے • وما یجحد بآیاتنا الا الظالمون

قرآن مجید کا منکر پرلے درجے کا گمراہ ہے ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ... فقد ضل ضلالا بعیدا

قرآن مجید کا منکر کافر ہے وما یجحد بآیاتنا الا الکافرون

قرآن مجید کی اتباع سب پر فرض ہے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم

قرآن مجید نبی ؐ کی معصوم زبان پر آسان کیا گیا ولقد یسرناہ بلسانک

قرآن مجید نصیحت کے لیے آسان کیا گیا ولقد یسرنا القرآن للذکر

قرآن مجید سمجھ کر پڑھنے سے شک و شبہات اعتقادی دور ہو جاتے ہیں لا ریب فیہ

قرآن مجید کوئی مشرکانہ شبہ بغیر جواب دیے نہیں رہنے دیتا لم یجعل لہ عوجا۔ غیر ذی عوج

قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں لا ریب فیہ من رب العلمین

قرآن مجید کا قلب النبی ؐ میں جمع کر دینا اللہ کا کام ہے ان علینا جمعہ وقرآنہ

قرآن مجید کا وضاحت سے بیان کرنا اللہ کا کام ہے ثم ان علینا بیانہ

قرآن مجید کی آیات مفصل ہیں وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا۔

قرآن مجید میں کھلی کھلی آیات ہیں بل ھو آیات بینات

قرآن مجید کی آیات پر از حکمت اور منسوخ نہ ہونے والی محکم ہیں

کتاب احکمت آیاتہ

قرآن مجید ہی سے نبی ؐ کو علم الشرائع ملا وان اہتدیت فبما یوحی الی ربی۔

قرآن مجید کا مضمون پہلی کتابوں میں بھی ہے وانہ لفی زبر الاولین

قرآن مجید کے مضامین باہم ملتے جلتے ہیں اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا

قرآن مجید کے بارے کافر کہتے ہیں کہ کسی کا تعاون سے حاصل ہے واعانہ علیہ قوم آخرون

قرآن مجید کے بارے کافر کہتے ہیں کسی کا کلام لکھ لیتا ہو اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ و اصیلاً

قرآن مجید کو کافر پریشان خواب اور خیالات کا مجموعہ کہتے ہیں بل قالوا اضغاث احلام

قرآن مجید کو کافر انسانی کلام کہتا ہے ان ہذا الا قول البشر

قرآن مجید کو کافر کسی عجمی کا تعلیم کردہ بتاتا ہے انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی

قرآن مجید کفار کے لیے خسارے کا موجب ہے ولا یزید الظالمین الا خسارًا

قرآن مجید کفار کے لیے موجب حسرت ہے وانہ لحسرۃ علی الکافرین

قرآن مجید زندہ دل کے لیے فائدہ مند ہے لینذر من کان حیًا

قرآن مجید منیبوں کے لیے فائدہ مند ہے ویھدی الیہ من اناب

قرآن مجید اہل علم کے لیے فائدہ مند ہے قرآنا عربیا لقوم یعلمون

قرآن مجید عقلمند دل کے لیے فائدہ مند ہے انما یتذکر اولوا الالباب

قرآن مجید خوف خدا رکھنے والوں کے لیے فائدہ مند ہے الا تذکرۃ لمن یخشی

قرآن مجید ان لوگوں کے لیے جو کان لگا کر سنیں مفید ہے ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید

قرآن مجید ان کان لگا کر سننے والوں کے لیے مفید ہے جو اس پر عمل کریں فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

قرآن مجید ایمانداروں کے لیے مفید ہے ان فی ذلک لذکری لقوم یؤمنون

قرآن مجید سن کر فرشتے آتے ہیں ان قرآن الفجر کان مشہودًا

قرآن مجید سے جن ہدایت پاتے ہیں انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد

قرآن مجید سن کر خدا کا خوف رکھنے والوں کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم

قرآن مجید سن کر خدا کا خوف رکھنے والوں کا تن من جین نرم ہو کر ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہیں ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ۔

قرآن مجید ماہِ رمضان المبارک میں اترا   شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔
قرآن مجید مبارک رات میں اترا   انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ
قرآن مجید لیلۃ القدر میں اترا   انا انزلناہ فی لیلۃ القدر
قرآن مجید بلد امین (مکہ) میں اترا   والتین والزیتون ... وھٰذا البلد الامین
قرآن مجید عربی زبان میں اترا   بلسان عربی مبین
قرآن مجید شیطان کا کلام نہیں   وما ھو بقول شیطان رجیم
قرآن مجید کسی شاعر کا کلام نہیں   وما ھو بقول شاعر
قرآن مجید کسی کاہن کا کلام نہیں   ولا بقول کاہن۔
قرآن مجید کو شیطان لا ہی نہیں سکتے   وما تنزلت بہ الشیاطین
قرآن مجید شیاطین کو سجتا ہی نہیں   وما ینبغی لھم
قرآن مجید شیاطین کے بس کا بھی نہیں   وما یستطیعون
قرآن مجید کے سننے سے شیطانوں کو ہٹا رکھا گیا   انھم عن السمع لمعزولون
قرآن مجید کو کافر سُن کر بھاگتے ہیں   وما یزیدھم الا نفوراً
قرآن مجید کو کافر سنتا ہے منہ پھیر کر اکڑتا ہوا چلا جاتا ہے   واذا تتلی علیہ آیاتنا ولی مستکبرا
قرآن مجید کو کافر نہیں مانتا   وقال الذین کفروا لن نؤمن بھٰذا القرآن
قرآن مجید سننے سے کافر روکتے ہیں   وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھٰذا القرآن
قرآن مجید پڑھتے وقت کافر شور مچاتے ہیں   والغوا فیہ
قرآن مجید کو کافر جادو کہتے ہیں   وقال الذین کفروا للحق لما جاءھم ھٰذا سحر مبین
قرآن مجید کو کافر پہلوں کے افسانے کہتے ہیں   واذا قیل لھم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین
قرآن مجید کو کافر شعر کہتے ہیں   وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ
قرآن مجید کو کافر من گھڑت جھوٹ کہتے ہیں   وقالوا ما ھٰذا الا افک مفتری۔

سند تفسیر القرآن

محمد حسین بن گل محمد بن محمد افضل بن بدرالدین بن سلطان محمد بن الطف نے ترجمہ قرآن مجید کا اپنے چچا حضرت سید سند محمد شاہ صاحب قدس اللہ سرہ سے پڑھا اور انہوں نے اپنے ... و مرشد مولٰنا حسین علی الوانی رح سے پڑھا۔ اور انہوں نے حضرت مولٰنا محمد مظہر صاحب نانوتوی رح سے پڑھا اور حضرت پیر خواجہ محمد عثمان صاحب (موسٰی زئی شریف) سے اجازت لی۔ اور انہوں نے حاجی دوست محمد قندھاری سے اجازت لی۔ اور انہوں نے شاہ ابو سعید صاحب رح سے اجازت لی اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور انہوں نے امام السند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے سارا قرآن حضرت محمد فاضل سندھی سے پڑھا اور انہوں نے شیخ القراء حضرت عبدالخالق سے انہوں شیخ بقری رح سے انہوں عبدالرحمٰن یمنی رح سے اور انہوں نے اپنے والد سجاد یمنی رح سے۔ انہوں نے شیخ ابو النصر طبلاوی رح سے انہوں نے شیخ الاسلام زکریا رح سے۔ انہوں برہان قلقشی و ابی نعیم عقبی رح سے انہوں نے محمد بن محمد بن علی بن یوسف جزری سے۔ انہوں نے ابو العباس احمد بن الحسین رح سے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد سے۔ انہوں نے ابو محمد قاسم بن محمد سے انہوں نے احمد بن علی و محمد بن سعید و محمد بن ایوب سے۔ ان تینوں نے علی بن محمد طلبنس سے۔ انہوں نے سلیمان بن نجاح سے۔ انہوں نے ابو عبداللہ الدانی سے انہوں نے طاہر بن غلبون سے انہوں نے ابن محمد مقری سے۔ انہوں نے احمد بن سہل سے انہوں نے عبید بن صباح سے۔ انہوں نے عاصم سے۔ انہوں نے عبد بن حبیب ابی مریم زر بن حبیش اسدی سے۔ انہوں نے حضرت عثمان و علی و ابی و زید بن ثابت و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے انہوں نے صاحب الوحی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین امابعد

قرآن حکیم میں ہمیں مندرجہ ذیل چند باتوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو سارے قرآن حکیم میں ہمیں کام آئیں گی

۱ لغت اور ترجمہ تحت اللفظ
۲ ترجمہ بامحاورہ
۳ ترجمہ ربطی مع نظم معانی
۴ آیۃ کا آیۃ کے ساتھ سورۃ کا سورۃ کے ساتھ ربط
۵ خلاصہ کلام ربانی وحاصل
۶ تقسیم سُوَر ابواب و فصول میں
۷ شان نزول بقدر ضرورت
۸ رد مذاہب باطلہ از آیات
۹ دفع اوہام باطلہ
۱۰ توافق بائیبل با کلام اللہ
۱۱ کتب سابقہ میں تحریف بُغاۃ
۱۲ فضائل آیات اللہ و کلماتہ
۱۳ فوائد القرآن
۱۴ اعراب القرآن
۱۵ استنباط الاحکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وّاٰلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

قبل ازیں درس قرآن کے نام سے خدائے رحمٰن کے کلام عزیز کا مسلسل بیان لکھا تھا جس میں مربوط بیانِ قرآن من اولہ الی آخرہ سمجھ میں آجاتا تھا اب اسی کو خلاصہ کر کے پیش کیا جا رہا ہے

سورۃ الفاتحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہو کہ میں صرف اللہ کے نام سے غائبانہ فوق الاسباب امور میں مدد مانگتا ہوں۔ سب بادشاہی اور نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر وقت، ہر شے جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ تسلط فوق الاسباب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ علم غیبی فوق الاسباب خاص اللہ تعالیٰ کو ہے۔ پس کہو یہی حمدیں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں نہ اور شرکاء کے لیے۔ پس ہم خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور خاص اسی کو پکارتے ہیں۔ اے اللہ! اسی سیدھی منعم علیہم والی راہ پر پختہ رکھ۔ اُن کی راہ پر نہ چلیں جن پر غضب الٰہی کی وجہ سے مہر جباریت لگ چکی ہے اور نہ ان کی راہ پر جو صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں

سورۃ البقرۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہدایت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو یہ کامل کتاب تو جو پوری رہنمائی کرتی ہے۔ اور اس کتاب سے فائدہ اسی کو ہوگا جو سیدھی اور صاف نیت کے ساتھ حق سمجھنے کے ارادے سے اس کو پڑھے۔ ضد پر قائم رہنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ ضد کرنے سے مہر جباریت لگ جاتی ہے۔

اور زبانی ایمان بھی دل کے کھوٹے لوگوں کیلئے بیکار ہے جو دغا بازوں اور دو غلے لوگوں کا کام ہے جو صلح کلی کے بہانے سے فساد مچاتے ہیں اور سچے پکے مومنوں کو بے وقوف بتاتے ہیں انہیں اپنی اس بد حرکت سے باز آجانا چاہیے ورنہ ان پر بھی مہر جباریت لگنے کا خطرہ ہے۔ لہذا جو اس کتاب ہدایت سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ ضد بھی نہ کرے اور منافقانہ چال بھی نہ چلے۔ منیب بن کر اس کتاب ہدایت کو پڑھے اور سمجھے

ع ۲

اور دنیا جہان کے انسانو! اور جنو! اپنے صاف دل سے متوجہ ہو کر میرا ایک ضروری اہم اور مفید ترین اعلانِ عام سنو اور وہ اعلانِ عام یہ ہے کہ مافوق الاسباب امور میں غائبانہ قضائے حاجات اور حل مشکلات کے لیے صرف یگانہ ذات کو پکارو جو تمہارا مربی ہے اور تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کا خالق ہے اور اسی نے تمہاری خاطر آسمان زمین بنائے اور اوپر سے پانی اتار کر قسم قسم کے پھل پیدا کیے۔ جب اس یگانہ ذات نے تم پر اس قدر احسانات کیے اور اس کو تم سمجھتے بھی ہو تو پھر اس یگانہ کا کسی اور کو ہمسر اور مد مقابل تو بنا ڈ کر لگو اس کسی کو پکارنے۔

میرا بندہ جو میری طرف سے تم کو اعلانِ عام سنا رہا ہے اس میں تم کو کسی طرح تردد نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ اپنی طرف سے اعلان نہیں کر رہا بلکہ میں نے خود اس پر یہ حکم اتارا۔ اگر تمہیں کچھ تردد ہے تو جیسے میرا یہ بندہ فصیح بلیغ انداز میں یہ مسئلہ توحید دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ باوجود امی ہونے کے بیان کرتا ہے ایسے ہی تم بھی اس کے مقابلے میں فصیح بلیغ انداز میں دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ شرک ثابت کرو۔

اور اگر تم میں اتنی ہمت نہیں تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان امداد کرنے والی ہستیوں کو بلالو جن کو تم حاجت روا مشکل کشا اور حاضر ناظر سمجھتے ہو۔ تو جیسے تم اپنے زعم میں دوسری باتوں میں مشکل کشا سمجھتے ہو یہ مشکل بھی حل کر دیں۔ اور اگر نہیں تو پھر ضد چھوڑ دو اور مسلمان ہو ورنہ جہنم تیار ہے۔ مان لوگے تو جنت ملے گی۔

اگر تم یہ کہو کہ ہم ایسا کلام لا تو نہیں سکتے مگر ہم اِس کو کلام اللہ اس لیے نہیں مانتے کہ اس میں گھٹیا چیزوں کا نام آتا ہے جو رب عظیم و اعلیٰ کی شان عالی سے بعید ہے تو تمہارے اس کہنے سے ایسی چیزوں کا ذکر چھوڑ نہ دیں گے۔ منیب تو سمجھ جاتے ہیں کہ ایسی مثالیں اپنے مقام پر فٹ ہیں اور من جانب اللہ ہیں اور ضدی اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں کہ اللہ کو ایسی مثالیں بیان کرنے کا کیا مطلب تھا۔ میں بتاؤں ان مثالوں کے بعد گمراہ اور منیب نکھر کر سامنے آجاتے ہیں

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کا کوئی تُک بھی نہیں دیکھو پہلے تم بے جان تھے پھر تم میں جان ڈالی پھر جان نکالے گا پھر تمہیں زندہ بھی کرے گا جس کے پاس جواب دہی کے لیے جاؤ گے

اور ذات یگانہ و یکتا کے سوا پکار کے لائق حاجت روا مشکل کشا کوئی اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ اس کام کرنے والے میں دو صفتوں کا ہونا ضروری ہے ۱۔ ہمہ کُن ہونا ۲۔ ہمہ دان ہونا۔ تو یہ دونوں صفتیں صرف یگانہ ذات اللہ میں پائی جاتی ہیں اس کے سوا جو بھی کوئی ہے اس میں یہ دو صفتیں نہیں۔ کیونکہ وہ ماسوا اللہ یا نوری ہوگا یا ناری یا خاکی۔ نوریوں کی سوجھ سمجھ رکھنے والے فرشتے ہیں وہ اپنی لاعلمی کا خود اقرار کرتے ہیں اور ع ۳

کہتے ہیں سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا اور اللہ ہی کو علیم و حکیم سمجھتے ہیں۔

اور ناری مخلوق میں سب سے بڑا سرغنہ ابلیس تھا اس کو اپنے انکار کا انجام معلوم نہ ہوا پھر یہ بھی انسان کا ابدی پشتی دشمن۔ اور خاکی مخلوق میں انسان اشرف المخلوقات زمین پر حکمرانی کرنے والا ہے اس کے آدم جد بھولے سے شجرہ ممنوعہ میں سے کھا بیٹھے نادم ہوئے توبہ کرنے کے لیے کوئی الفاظ ان کو نہ سوجھے آخر اللہ نے ان کو وہ کلمات بتائے پھر توبہ کے بعد اللہ نے ان کو اپنا مجتبیٰ بنایا۔

جب ثابت ہوا کہ ہمہ کن بھی اللہ ہی ہے اور ہمہ دان بھی اللہ ہی ہے تو پھر اسی کو پکارو بابا آدم نے بھی اسی کو اپنی مشکل میں پکارا اور مجتبیٰ ہوئے اور ان کو مع اولاد کے یہی حکم ہوا کہ یہی راہ ہدایت ہے جو اس پر چلے گا اس کو دنیا و آخرت میں کوئی خوف اور حزن نہ ہوگا اور ضدی و مکذب جہنم میں رہیگا ع ۴

اور بنی اسرائیل تم تو اچھے خاصے لکھے پڑھے ہو تم تو میرا احسان یاد کرتے میرا عہد پورا کرو جو تورات میں تھا اسی کی تصدیق کر رہا ہے یہ قرآن مجید۔ ریاست جاتی ہے تو جائے عوام میں کتمان حق اور گڈمڈ نہ کرو خاص اللہ کو پکارو دل سے شرک کا خیال نکالو سیدھے مسلمان بنو۔ تمہیں پتا ہے کہ لوگوں کو کہنا اور خود نہ کرنا کس قدر قبیح ہے تو لوگوں کو جس طرح بتاتے ہو اسی طرح خود بھی کرو۔ اگر مصائب آئیں صبر کرو گو یہ مشکل کام ہے اور اللہ سے دعا میں مانگو اللہ مشکلیں حل کر دے گا ع ۵

پھر سنو میرے احسان مانو میں نے تمہیں فضیلت دی تھی اور آخرت کے عذاب سے ڈرو۔

دیکھو فرعونیوں کی سزا سے تم کو میں نے چھڑایا بحر قلزم تمہاری خاطر میں نے

پھر فرعون کو غرق ہم نے کیا۔ اور چالیس راتوں کا وعدہ موسیٰؑ سے
ہم نے کیا۔ پھر تمہاری گوسالہ پرستی جیسے ظلم عظیم کو معاف بھی ہم نے کیا،
تمہاری ہدایت کے لیے موسیٰؑ کو تورات بھی ہم نے دی۔ تمہاری گوسالہ
پرستی کی وجہ سے توبہ کے ساتھ قتل کا حکم جو تھا وہ بھی ہم نے موقوف کیا۔
تم نے رؤیت باری فی الدنیا کا گستاخانہ مطالبہ کیا تھا جس کی وجہ سے تم
پر بجلی گری اور مر گئے پھر تمہیں دوبارہ اسی دنیا میں جبکہ عام معمول جدا، تمہیں
زندہ کر اٹھایا۔ اور تیہ میں تم پر بادلوں کا سایہ ہم نے کیا اور تمہارے
کھانے کو ترنجبین اور بٹیرے ہم نے اتارے۔ مگر تم نے حکم عدولیاں کر کے
اپنا ہی نقصان کیا ہمارا تو کیا بگاڑا۔ چنانچہ ہم نے کہا جہاد کر کے بیت المقدس
میں جاؤ اور مسجد کے دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا
حکم ہم نے دیا اور ہم نے یوں دعا کرنے کو کہا کہ ہمارے گناہوں کا اتارا
ع ٦ ہو مگر ظالموں نے حکم عدولی کی جس پر وہ سزایاب ہوئے۔

پانی مانگنے پر پتھر کو عصا مارنے سے بارہ چشمے ہم نے نکالے۔ من سلویٰ
جیسے خداداد نعمت کو رد کر کے ساگ ترکاریاں تم نے مانگیں محکوم
رہنا پسند کیا جہاد تم نے چھوڑا تو کفر و قتل کی پاداش میں تم مغلوب ہوئے
ع ٧ یہ سب بے حکمی کی سزا ہے ورنہ ہمارا تو قاعدہ ہے کہ کوئی ہو میرا حکم دل سے
مانے اور اعمال صالحہ کو معمول بنائے تو ثواب پائے گا اور خوف و حزن نہ ہوگا

تم اس قدر ڈھیٹ ہو کر تم سے پختہ عہد لینے میں پہاڑ تک اکھیڑ کر تمہارے اوپر
اٹھا کھڑا کیا مان لینے کے بعد تم نے حکم عدولی کی۔ ایک تو سبت کی بے حرمتی
ع ٨ کی جس کی سزا میں بندر بنائے گئے۔ تم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو تم نے
ٹال مٹول کی۔ تم نے آدمی کو قتل کر کے ایک دوسرے پر دھرا۔ پھر ہم نے

اس کو زندہ کر دیا مگر اتنا بڑا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر پھر بھی پتھر
سے زیادہ قسی القلب ہو گئے

مسلمانو! ایسے پلید لوگوں کے ایمان کی تمہیں امید لگی ہوئی ہے جو کلام
اللہ کو سمجھ کر بدلاتے ہیں اور جب ان کا ایک گروہ مومنوں سے ملتا ہے تو
آمنا کہتا ہے اور جب اپنے مشایخ کے پاس جاتا ہے تو وہ اس سے کہتے ہیں کہ
کیا تم مومنوں کو وہ کہہ دیتے ہو جو اللہ نے تم کو کھول بتایا اور کئی ان پڑھ ہیں جو
جھوٹے علماء کے بنائے ہوئے اکاذیب سن کر گمراہ ہوتے ہیں اور کئی اپنے
دل سے گھڑ کر موضوع باتیں لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے ہے محض
پیٹ کی خاطر۔ پھر اتنے کرتوتوں کے باوجود کہتے یہ ہیں کہ ہم جنتی ہیں ہم
ع ۹ کو دوزخ کی ہوا بھی نہ لگے گی الا ایاما معدودۃ

موجودہ عہد کے بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہم تو شریعت موسویہ کے
پورے پابند ہیں یہ ان کا بھی دعوی غلط ہے دیکھو ہم نے ان سے عہد لیا
تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کرنا تم نے وہ وعدہ پورا نہ کیا۔ نیز عہد لیا تھا
کہ باہم سلوک سے رہنا تم نے یہ وعدہ بھی پورا نہ کیا۔ پھر عہد لیا تھا کہ
نہ باہم لڑنا اور نہ اپنے ہم دین بھائیوں کو جلاوطن کرنا سو تم نے اس
حکم کی مخالفت کی۔ پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم شریعت موسویہ کے
ع ۱۰ پابند ہیں

پھر ان کے آباؤ اجداد کی حکم عدولی تو تھی ہی مزید برآں ہمارے انبیا
اور مبلغین میں سے بعض کو جھوٹا کہا اور جہاں داؤ لگا بعض کو قتل کر
دیا۔ وہ اسلاف تو تھے ہی ایسے اب لے موجودہ دور کے یہودیو تمہارے
پاس میرا پیغمبر آیا جس کے آنے سے پہلے تم ہی لوگ فخر سے کہا کرتے تھے

کہ ہمارا ایک رسول آنے والا ہے تو اب اس کی تم تکذیب کر رہے ہو اور اس کے قتل کے مشورے کر رہے ہو اور اللہ کے نازل کردہ کلام اللہ کا انکار کرنے لگے کس قدر بری بات ہے اور جب ان سے کہا جائے کہ قرآن کو مانو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اپنی کتابوں کے بغیر اور کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ اچھا یہ بتائیں کہ اگر تم اپنی ہی کتابوں کو مانتے ہو تو انبیاء اللہ کو قتل کیوں کرتے رہے ہو

میرے اس مرسل نبی کی تکذیب کی مانیں جب موسیٰ نبی کی نہ مانیں جس کے امتی ہونے کا انہیں دعویٰ ہے وہ طور کو گئے کتاب لینے۔ انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی پھر طور اٹھایا عہد لینے کو۔ اقرار کر کے پھر گئے۔

یہودیو اب تو مان لو۔ اگر نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارا ہی مذہب سچا ہے اور ہم ہی جنت جائیں گے تو مرنے کے بغیر جنت ملتی نہیں تو مرنے کی آرزو کرو اور مباہلہ ہی کر لو۔ اس طرف بھی نہیں آتے تو سمجھ لو کہ تمہارا مذہب غلط ہے اور میرا پیغمبر سچا ہے

ع ۱۰

اگر تم یہ کہو کہ اس پیغمبر پہ وحی لانے والا ہمارا دشمن جبریل ہے تو چلو بھر پانی لے کر ڈوب مرو۔ وہ تو اللہ کے حکم سے وحی لاتا ہے۔ اور توراۃ کا مصدق ہے اور ہدایت کی وحی لاتا ہے اور وہ فرشتہ بشارت ہے اور اس کا دشمن کافر ہے۔ ہم نے دعویٰ توحید کے اثبات کے کھلے دلائل اتارے ہیں صرف ضدی ہی نہ مانیں گے۔ کیا مار پڑ گئی ہے اہل کتاب کو کہ جب دفع عذاب کے لیے اطاعت کا وعدہ کیا تو وہ وعدہ ان کے بڑے گروہ نے توڑ دیا

اگر یہود کو شبہ ہو کہ سلیمان ؑ کے اوراق میں غیر اللہ کی پکار جائز لکھی ہے تو یہ شبہ دل سے نکال دو کیونکہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ ہم

توحید وغیرہ کے اثبات کے لیے کھلے دلائل اتارتے رہے اور یہ یہود عہد شکنی ہی کرتے رہے اور جب اب ہمارا رسول اس پہلے دعوی کا مصدق آگیا تو یہود اپنے پارینہ دستور کے مطابق عہد شکنی کرتے ہوئے سحر اور منتر کے تابع ہو گئے اور وہ کلمات شرکیہ سلیمان کی طرف منسوب کر دیے حالانکہ سلیمانؑ نے کبھی شرکیہ کلمات نہیں کہے ہاں عہد سلیمانؑ میں شیطانوں نے شرکیہ کلمات سکھائے۔ اور ہاروت ماروت کی طرف منسوب کلمات بھی اللہ نے نہیں

۱۲ ع ۱۲ اتارے۔ اور وہ انما نحن فتنۃ کہے بغیر کسی کو جادو بتاتے ہی نہ تھے

مسلمانوں! یہود کے داؤ میں نہ آنا یہ تو اس کوشش میں ہیں کہ مسلمان پھر سے رفتہ رفتہ مشرک بن جائیں چنانچہ ان کی ناروا کاوشوں میں سے ایک کاوش یہ ہے کہ مسلمانوں کی مجلس میں نبیؐ تشریف فرما ہوں تو ذرا زبان موڑ کر کہتے ہیں راعنا جو موہم ہے شرک کا یعنی ہمارا نگہبان۔ مقصد یہ تھا تھا کہ مخلص مومن بھی یہ لفظ بولیں اور رسول کو اپنا نگہبان سمجھنے لگیں۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ آیندہ یہ لفظ نہ کہنا انظرنا کہو جسمیں شائبہ شرک نہیں اور میں جو حکم بدلتا ہوں اس میں بہتری ہوتی ہے جب میں ہر بات پر قادر بھی ہوں اور ملک بھی سب میرا ہے اور میرے سوا نہ کوئی محافظ ہے اور نہ عذاب ٹالنے والا تو دوسروں کو راعنا کہنے کا کیا مطلب؟

موسیٰؑ سے سوال کرنے کی رسم چلی تو انہوں نے موہم شرک الفاظ استعمال کیے رفتہ رفتہ موسیٰؑ و عزیرؑ کی پکار شروع ہو گئی

اب یہی اہل کتاب ہیں جن کی دلی خواہش ہے کہ تمہیں کافر کر دیں اب انہیں زیادہ کچھ نہ کہو۔ صرف ان کی رسم چھوڑ دو۔ ابھی نماز زکوۃ سے اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو۔

تعجب ہے کہ باوجود شرک کے یہودی جنت کے دعویدار بنتے ہیں۔
۱۳ ع ۱۴ جنت میں تو وہی جائے گا جو شرک نہ کرے اور صرف اللہ کی پوجا کرے
پھر تعجب ہے کہ کتاب پڑھ کر بھی اُن اَن پڑھوں کی طرح ایک دوسرے پر فتوے
لگاتے ہیں اور مسجدوں میں خالص توحید بیان نہیں کرنے دیتے اور آپ مسجدوں
میں مشرکانہ رسمیں جاری کرتے ہیں۔ غیراللہ کو پکارتے ہیں اور انہیں حاضر ناظر جان
کر ان سے حاجتیں مانگتے ہیں اور ان کو یہ حق تو نہ تھا

اب پھر پوچھتے ہیں کہ چلو ہم صرف اللہ کو پکارتے ہیں مگر یہ بتاؤ کہ اس کو کہاں
پکاریں جواب وہ ہر جگہ اس کی ہے مسجد ہو یا مسجد سے باہر جہاں بھی اس کو
پکارو وہاں ہی اس کی توجہ تمہاری طرف ہوگی۔

پھر احمق کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بندوں کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ خدا کے
نائب ہیں اللہ نے سب کچھ ان کے حوالے کر دیا ہے سو یہ ان کا غلط خیال ہے
بھلا کہو جس کی یہ زمین و آسمان ہے سب کچھ اسی کا ہے اسی نے یہ سب رکھا ہے نائب و
ولی وارث اس کا کوئی نہیں سب اس کے آگے ادب سے ہیں آسمان زمین کو
ابتدا نے بنایا وہ کہ مثال کچھ نہ تھی سو جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کن
کے ارادہ و حکم سے ہی ہو جاتا ہے تو پھر اس کو نائبوں کی کیا ضرورت ہے

جب ان احمقوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا کوئی نائب نہیں تو پھر یہ سوال
اٹھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے ساتھ بات کرتا ہے اللہ کوئی ہم کو معجزہ و
کرامت دیتا ہے اور ان بزرگ ہستیوں کو معجزے و کرامات بھی دیتا ہے
اور ان سے کلام بھی کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کے نائب ہی ہیں سو
یہ کوئی بات نئی نہیں پہلے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا جیسی کہ انہیں ان سب کے
دل ملتے جلتے ہیں۔ ہم نے خوب کھول کر حق بات ان کو بھی سب جگہ

لوگ اگر نہ مانیں تو آپ سے ان کی بابت باز پرس نہ ہوگی کہ آپ نے ان سے
کیوں نہ منوایا۔ کیونکہ آپ کے ذمے محض تبلیغ ہے جو آپ کر چکے۔

اور آپ ان کی خواہشات کے تابع نہ ہونا اگر یہ یہود ونصاریٰ آپ سے اتفاق
نہیں کرتے تو ان کا مطلب یہی ہے کہ ان کی ملتِ مخترعہ کی اتباع کریں کہ
عزیر وعیسیٰ ومریم وغیرہ کو حاجات ومصائب میں پکاریں۔ تم نے اگر ایسا
کیا تو تمہارا کوئی حامی نہ ہوگا

اب یہ مانیں یا نہ مانیں صحیح سمجھ کر تورات انجیل پڑھنے والے تو مان جائیں گے ع
بہرحال خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ خاص اللہ کو پکارو اس کے
ہمسر اور مدمقابل مت بناؤ ملائکہ کو کیوں پکارتے ہو وہ غیب دان نہیں۔
جنات کو کیوں پکارتے ہو وہ تمہارے دشمن ہیں اور اہلِ کتاب تمہاری کتب کا
کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ پکار کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں اور اوراد وسلیمانی
اور ہاروت ماروت کا عمل سب غلط ہیں اور شیطانی عمل ہیں۔ سب کچھ اللہ کے
قبضے میں ہے اس نے کچھ بھی کسی کے حوالے نہیں کیا جو کہتے ہیں وہ غلط ہے

خلاصہ بقرہ باب دوم

اور حضرت محمد صلعم وہ نبی ہیں جن کی بشارت ابراہیم و اسمٰعیل دے گئے ہیں اور دعا بھی کر گئے ہیں۔ لہٰذا محمد کا یہ دعویٰ مان لو ان کا اور باقی سب انبیاء کا یہی مذہب اسلام تھا ان صلوتی ونسکی.... یعنی اقرار کرنا کہ موت و حیات و نفع و نقصان کا مالک خاص اللہ ہے زبانی جانی و مالی عبادت خاص اللہ کے لیے ہے تو اس ابراہیم کا نفع معاذ کو نہیں ہوگا اس لیے تم معاذ نہ ہو۔

دیکھو ابراہیم و یعقوب ہر دو نے اپنی اولاد کو بھی وصیت کی تھی کہ صرف یگانہ ذات اللہ کی عبادت مرتے دم تک کرتے رہنا اور تمہارے آباؤ اجداد حاضر بھی تھے پھر بھی تعجب ہے کہ یہود و نصاری* ہونے کو ہی ہدایت سمجھتے ہیں تم کہو دین ابراہیم پر ہم تو چلیں گے اگر وہ ایسا ایمان رکھیں تو ہدایت یافتہ ہیں ورنہ ضدی ہیں ع

تحویل قبلہ کی وجہ سے ان کو آپ کی رسالت پر شبہ ہے۔ تم کہو مشرق مغرب شمال جنوب کا مالک اللہ ہے اسی نے حکم دیا ہے پھر اس حکم کو قبول کرنے کی ہمت بھی اسی نے ہم کو دی ہے تم کو نہیں دی۔ اب رہا یہ کہ اس نے ہم کو ہمت کیوں دی سو اللہ کہتا ہے کہ ہم نے تم کو امت وسط معتدل مختار اور معتبر بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کو بتاؤ اور یہ رسول تم کو بتا دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تحویل قبلہ ایک امتحان ہے

اور ہمیں اے نبی م! علم ہے کہ آپ پریشان ہو کر اوپر کو دیکھتے ہو گر جس قبلہ کی طرف ہم آپ کا رخ پھیریں گے آپ خوش ہو جاؤ گے۔ لو ابھی سے

* یہودی و نصرانی

مسجد حرام کی طرف منہ پھیر دو اور امت کو بھی یہی حکم ہے ۔ اہل کتاب کو ہر
قبلہ کا خوب علم ہے کہ برحق ہے مگر مانتے نہیں ۔ حق چھپاتے ہیں سوائے اہل حق
منیبوں کے ۔ تمہیں بار بار کہہ رہا ہوں کہ تحویل قبلہ کا حکم مان لو تا کہ اہل کتاب
یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ اگر نبی سچا ہوتا تو اس کا قبلہ بیت الحرام ہوتا ۔
نیز یہودی یوں بھی نہ کہہ سکیں کہ محمد ؐ تو کرتا ہے ہمارے قبلہ کی طرف اور ہمارے
دین کی کرتا ہے مخالفت ۔ نیز مشرک یوں نہ کہہ سکیں کہ محمد ؐ دعویٰ تو کرتا ہے
دین وملت ابراہیم کا مگر ان کے قبلہ کی کرتا ہے مخالفت ۔ نیز تحویل قبلہ ہے اس
لیے کہ میں تم پر اپنا انعام تام کروں اور راہ نمائی بھی جیسے رسول بھیج کر تم پر احسان کیا ع
مومنو ! اب اہل کتاب تحویل قبلہ کی وجہ سے تم سے لڑیں گے ۔ تم صبر کرنا اگر انہوں
نے تم میں سے کسی کو مار دیا تو شہید ہوگا اسے مردہ نہ سمجھنا اسے وہ برزخی حیات حاصل
ہے جس کا تم ادراک نہیں کر سکتے ۔ اور بھی کئی طرح کی تم پر آزمائشیں آئیں گی صبر کرنا ۔
یہود کو میرے پیغمبر کی رسالت پر یہ شبہ بھی ہے کہ یہ توحید میں خام ہیں کیونکہ یہ
لوگ حج وعمرہ میں صفا و مروہ کی سعی کرتے ہیں جہاں بت پرستی ہوتی رہی ہے ۔ سو
اس کا جواب یہ ہے کہ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں پس بت پرستی کی پلیدی
سے بحکم الٰہی صفا مروہ کی سعی میں شرک نہیں ۔ یہود کو یہ بات معلوم ہے مگر چھپاتے
ہیں اس لیے یہ ملعون ہیں ۔ ہم توحید میں خام نہیں دلائل سمجھ کر توحید پر قائم ہیں
یہود و نصاریٰ میں سے کئی ایسے ہیں کہ عزیر عیسیٰ مریم وغیرہ من دون اللہ
کو اللہ کے ہمسر سمجھتے ہیں یعنی اللہ کی طرح ان کی تعظیم کرتے ہیں یہ دوزخی ہیں
پھر شیطان کی اتباع میں حلال طیب چیزیں بحیرہ سمجھ کر نہیں کھاتے تم کھاؤ
پھر جب ان کو کہیں کہ توحید اور تحلیل طیبات میں منزل من اللہ کی اتباع کرو تو کہتے ہیں
کہ ہم تو آباؤ اجداد کی مانیں گے ۔ مومنو ! تم ایسے نہ ہو اللہ نے تو مردار خون

ظہر، عصر، مغرب اور فجر اور عشاء کی ہیں۔ زکوٰۃ، وراثت، وصیت وغیرہ پر بہت سے بھی احکام بھی تم کو معلوم ہے مگر جس کی خاطر مجھیجا گیا ہے وہ ہیں جن کی وجہ سے تم دوزخ سے محفوظ رہو اور ہمیشہ رہو گے ہمیشہ جنت میں جائے گا کہ جنت الفردوس کی طرف منزل کے سب اہل کتاب

نماز تو پڑھتے ہیں۔ کیا نیکی کا کام یہی رہ گیا؟ ایمان باللہ ..... سنو تو نیکی کس

شہیں کہ مسعود کیا ہیں جن کا عقیدہ صحیح ہو اخلاق درست ہوں، معاملات

درست ہوں کافروں سے لڑائی کے مقابلہ میں ڈٹ جائے بہ حال نیکی نام ہے

حکم مان لینے کا

خلاصہ سمجھنے کا یہ ہوا کہ اللہ کا حکم مانو شرک نہ کرو نہ اعتقادی نہ عملی۔

آپس میں مت لڑو مسلمان کی جان کی حفاظت فرض ہے اور قاتل کا قصاص

لو۔ قصاص حیات کا سبب ہے

مسلمان کے مال کی بھی حفاظت ضروری ہے اگر مرنے لگے تو موافق حکم شرع

کے تقسیم ترکہ کی وصیت کر جائے خلاف کرنے والا مجرم ہوگا۔ پرایا مال کھانا

حرام ہے میرے حکم سے جیسے میرے حکم سے حلال چیز کھانا بھی روزہ میں حرام

جیسا اعتکاف میں اپنی بیویوں کو استعمال کرنا بھی میرے حکم سے روزوں کی

راتوں میں کھانا پینا اور جماع حلال ہے میرے حکم سے۔ بہر حال ناجائز طریقہ

پر ایک دوسرے کا مال نہ لو اور نہ رشوت لو دو۔ بہر حال میرا حکم مانو اور میرے

حکم سے جاہلی رسم چھوڑ کر گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ جان و مال کی

حفاظت جیسے میرے حکم سے ہے ایسے ہی کافروں سے قتال بھی میرے حکم سے کرو

مگر وہ بھی میری بتائی ہوئی قیود کو سامنے رکھ کر اور اپنے ہاتھ سے مال نکالو تو

میری رہنمائی میں اور حج کرو میری رہنمائی میں پھر بیت اللہ کے پاس جا کر

دونوں جہانوں کی بھلائی مانگو ثواب پاؤ گے۔ جھگڑا فساد نہ کرنا۔ اللہ کی

رضا میں اپنی جان پیش کرو سب مل کر اعتقادی و عملی ہر لحاظ سے اسلام میں داخل ہو جاؤ شیطان کی نہ مانو۔ یہود کی طرح حکم عدولی نہ کرو۔ دنیا میں اگرچہ کفار عیش میں ہیں مگر قیامت میں مومن ہی بالا ہوں گے۔ دنیا میں کثرت رزق کوئی معیار نہیں حق و صداقت کا۔ حق تو ہے توحید جس کو چھوڑ دیا گیا دنیا میں شرک ہی شرک پھیل گیا۔ توحید کے ساتھ اختلاف کرنے والوں کو نبیوں نے سمجھایا ضدی لوگوں کے ساتھ جہاد کیا۔ مومنوں کو فتح ہوئی لہٰذا تم بھی منظم ہو کر کفار سے لڑو۔ مرو مت۔ بغیر جہاد کے جنت نہ ملے گی۔ پہلوں کی طرح تم پر بھی آزمائش آئیگی۔ اور جہاد میں مال بھی لگتا ہے۔ مال بھی دو۔ دفع شرک کے لیے قتال کرو اگرچہ اشہر حرم ہی میں کرنا پڑے۔ دفع شرک کے لیے سارا مال دینا پڑے تو دے ڈالو۔ کیونکہ شرک ڈبل گناہ ہے جیسے شراب اور جوا میں فائدہ بھی ہے مگر ڈبل گناہ ہے پینا حرام جوا کھیلنا حرام ہوا اسی طرح یتیموں سے مخالطت بغیر نیت اصلاح کے منع ہے ہاں بوقت نقصان ان کو کچھ مال زائد از حاجت دے سکتے ہو مگر دفع شرک کے لیے سب کچھ خرچ کرنا پڑے گا۔ نکاح بھی مشرک مرد کو نہ دو نہ مشرک عورت سے نکاح کرو حسن و جمال کو نہ دیکھو شرک کی گندگی کو دیکھو جیسے حیض گند ہے بحالت حیض عورت کے پاس جانا منع ہے اسی طرح شرک کی گندگی ہٹاؤ۔ جس طرح میرے حکم سے جان و مال کی حفاظت تم پر ضروری ہے اسی طرح میرے حکم سے زبان کی حفاظت کرو۔ بے موقع قسمیں نہ کھاؤ خاص کر بیوی سے ایلاء اور طلاق۔ اگر طلاق کی نوبت آئے تو میرے حکموں کو ملحوظ رکھا کرو۔ میرے حکم سے فروج کی بھی نکاح کے ذریعے حفاظت کرو۔ مگر نکاح بھی عدت کے اندر نہ کرنا۔ اور اپنے مولود کی بھی رضاعت کے ذریعے حفاظت کرنا۔ خاص کر دل کی حفاظت اور اصلاح پنجگانہ نمازوں کے ذریعے میرے حکم کے مطابق کرنا۔ اور سب سے اہم امر حفاظت دین

ع ع

حفاظت زبان
حفاظت فروج
حفاظت اولاد
اصلاح دل بنماز

توحید ہے جس کا ذریعہ جہاد جانی و مالی ہے اور اپنی قلت تعداد و ناداری کو نہ دیکھو
میں ایک نادار ٹولی کو بڑے مسلح لشکر پر فتحیاب کرسکتا ہوں جیسے طالوت
کی ٹولی کو جالوت کے بڑے لشکر پر فتحیاب میں نے کیا تھا۔ اللہ چاہے تو بغیر جنگ
کے بھی موحدین کو کامیاب کرسکتا ہے مگر مصلحت اسی میں ہے کہ تمہیں آزمائے
اس لیے جہاد کرو اور مال بھی لگاؤ کہ شرک مغلوب ہو اور توحید اس خدا کی جو ع
ان صفات عالیہ کے ساتھ متصف ہے غالب ہو۔ اور یہ سمجھنا کہ جہاد کر کے لوگوں کو
توحید پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ جہاد سے مقصود اکراہ فی الدین نہیں بلکہ جہاد اس لیے
ہے تاکہ کوئی کافر مومن کو ایمان سے روک نہ سکے اور کوئی کافر مومن کو جبراً کافر
نہ بنالے ورنہ دلائل سے رشد و غی الگ الگ راہ کھل چکے ہیں مومن کو اللہ تعالیٰ ع
ربط قلب کی دولت عطا فرماتا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کو نمرود کے مقابلہ میں
اور عزیرؑ کو اپنی قدرت کا بڑا نمونہ دکھلا کر ان کو ربط قلب کی دولت دی۔ اور
ضدی کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر جباریت لگا دیتا ہے جیسے نمرود ضدی پر مہر لگی
اور ابراہیمؑ کو بھی اپنی قدرۃ احیاء کا نمونہ دکھا کر ربط قلب کر دیا۔ ع

پس دفع شرک کے لیے مال بھی لگاؤ اللہ راضی ہوگا دوگنی جزا دیگا اور
من و اذی نہ کرنا ورنہ صدقات کا ثواب جاتا رہیگا۔ اور عمدہ مال اللہ کی راہ میں دو
شیطان وسوسے ڈالیگا خیال رکھنا خاص کر ان فقراء کو دو جو دین حاصل کر
رہے ہوں اس وجہ سے وہ تحصیل رزق کے لیے نہ ادھر ادھر جاتے ہیں اور
نہ کسی سے مانگتے ہیں اس لیے بے خبر یہی سمجھتا ہے کہ اسے کوئی ضرورت نہیں یا ع
اور جو رات دن سراً و علانیۃً مال دیتے رہتے ہیں ان کو بڑا ثواب ملے گا۔ اس لیے فقراء
مجاہدین کو مفت دو۔ اگر مفت نہیں دیتے تو بطریق قرض کے ہی دو۔ مگر سود نہ لینا
کہ سود لینا حرام ہے البتہ بیع سلم جائز ہے اور ایک بات سمجھے کہ بیع سلم کرنے لگو

یا قرض لینے دینے لگو تو لکھ لیا کرو اچھا ہوتا ہے لکھنے لکھانے والا میری ہدایت کو ملحوظ رکھے اگر لکھت نہ ہو سکے تو کوئی چیز رہن رکھ لو۔ اگر ایک دوسرے پر اعتماد کر کے نہ لکھت ہو نہ رہن تو مقروض کا فرض ہے کہ امانت سمجھ کر اپنے رب سے ڈرتے ہوئے دائن کو اپنا قرض ادا کر دے۔ اور گواہ کا بھی فرض ہے کہ گواہی دیتے وقت کوئی بات نہ چھپائے ورنہ وہ دل کا کھوٹا ہے اللہ کو تو علم ہے اور اسی کے بس اور اختیار میں آسمان زمین کی ہر شے ہے تم شرک یا توحید یا کتمان شہادت غرض کوئی چیز تم ظاہر کر دو یا چھپاؤ اللہ اس کا محاسبہ کرے گا بخشے یا سزا دے اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

بہرحال میرا یہ رسول اور مومن تو میرا ہر نازل کردہ حکم مانتے ہیں۔ توحید رسالت امور آخرت میں اتفاق انفاق جہاد اور فتح وغیرہ اللہ سے مانگتے ہیں۔ غیر اللہ کو نہیں پکارتے نہ یہود کی طرح گوسالہ پرستی کرتے ہیں۔ بلکہ غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔

ع

سورۃ آل عمران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید کے دلائل واضح ہیں مان کر اسی یگانہ ذات کو پکارا کرو۔ منکر کو سزا ملے گی ۔ جو تم کو ہماری کتب میں عیسیٰ کو ابن اللہ لکھا ہے تو جواب یہ ہے کہ کلام اللہ میں متشابہات بھی ہوتے ہیں جن کے معنے محکمات کے موافق لینے برحق ہیں اور محکمات کے مخالف لینے میں کفر ہے اور عیسیٰ بن اللہ اسی قبیل متشابہات سے تھا۔ سو اب یہ صحیح جواب ملنے ع کے بعد مسئلہ مان لو ضد نہ کرو ورنہ دنیا و آخرت میں خوار ہو گے اور مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں جیسے فرعون وغیرہ تباہ ہوئے تم بھی مغلوب ہو کر جہنم جاؤ گے اس مغلوبیت کا ایک نمونہ تم نے بدر میں تو دیکھ ہی لیا کہ کس طرح اللہ نے مٹھی بھر مسلمانوں کو دشمنوں کی نظر میں حجم غفیر دکھا کر فرشتوں کی جماعت کے ساتھ تائید فرما دی کفار کو ناز تھا بیویوں بیٹیوں سونے چاندی کے ڈھیر پلے ہوئے گھوڑوں چوپاؤں اور کھیتیوں پر مگر وہ کچھ کام نہ آئے۔ مسلمانو! تم ان چیزوں کی طرف راغب نہ ہونا نہ توحید چھوڑنا کیونکہ یہ چیزیں تو عارضی طور پر دنیا میں برتنے کے لیے ہیں اور بس۔ اور احسن ٹھکانا تو اللہ کے ہاں مومنوں کی خاطر تیار رکھا ہے وہ ہے جنت جو شرک سے بچنے والوں اور صرف اللہ سے مانگنے والوں کو ملے گی

اور توحید تو وہ چیز ہے کہ کتب سابقہ میں اللہ تعالیٰ بھی بیان کر چکا ہے کہ پکار کے لائق صرف اللہ ہے اور ملائکہ بھی جہاد میں انبیاء کی امداد کر کے شہادت دے چکے ہیں اور انبیاء و مومنین اہلِ علم بھی اسی مسئلہ کی تبلیغ کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ حاکم انسان کا وہی یگانہ ذات ہے۔ اور سب کتب میں دین تو تھا ہی اسلام۔ مگر باغی

اہل کتاب ضد میں آکر مخالف ہوگئے۔ اس قدر بیان کے بعد اگر یہ لوگ اب بھی
نہ مانیں تو کہہ دو کہ ہمارا مذہب تو ہے اسلام۔ اور تم بھی مان لو۔ اچھے رہو گے
یہ اختلاف چھوڑ دو۔ ورنہ تم اللہ کی نگاہ میں ہو۔ سزا پاؤ گے۔ ع
یہود نے کیا ماننا ہے ان کی تو عادت ہے اللہ کے احکام نہ ماننا۔ قتل انبیاء
اور ہر مبلغ توحید کا قتل۔ اس لیے سزا پائیں گے۔
دیکھو تو جب ان علماء یہود کو کہا جاتا ہے کہ تورات میں اپنے دعوٰی کا ثبوت دکھاؤ
تو پیچھے ہٹ رہتے ہیں اور حکم سے دلی کرنا تو ان کی پرانی عادت ہے یہ جو کرتے
یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جنت ہماری ہے اچھا قیامت جو آرہی ہے سب کو بدلہ مل جائیگا۔
جب دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ الٰہ خاص اللہ ہے تو اور کوئی مانے
یا نہ مانے تم تو حاجت براری اور حل مشکلات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے
ہوئے یوں کہا کرو اے اللہ ایسے اوصاف والے مالک الملک متصرف فی الامور
قدیر مطلق مختار کل عالم الغیب فعال لما یرید خالق ورازق ہماری فلاں حاجت
پوری فرما۔ اور جو نہیں مانتا اس سے بائیکاٹ کر دو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے ع
اور اگر ان سے بائیکاٹ کرو گے اور صرف اللہ سے محبت رکھو گے اور نبی ؐ کی
اتباع میں زندگی گزارو گے تو یحببکم اللہ اور یغفر لکم ذنوبکم کے مستحق ہو جاؤ گے
بس اللہ و رسول اللہ کی مانتے جاؤ ورنہ کافر ہو جاؤ گے اور خدا کے مبغوض۔
اگر کہو کہ کیا حضرت عیسیٰ و مریم وغیرہ نبی و ولی اللہ کے برگزیدہ ہستیاں نہیں ہیں؟
اگر ہیں تو ان کو پکارنا کیوں منع ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی آدم نوح آل ابراہیم
آل عمران دوسری مخلوق سے افضل ہیں اللہ نے ان کو فضائل کمالات معجزات و
کرامات سے نوازا ہے یہ لوگ اپنے اپنے دور میں لاثانی ہو گزرے ہیں مگر ہیں تو مخلوق اور
والد و مولود لیکن سمیع لکل صوت و علیم بکل شئی تو وہ نہیں یہ صفت مخصوص اللہ کی

جواب ازالہ شبہ

ہے۔ ان بزرگوں کو سمیع علیم سمجھنا شرک ہے

دیکھو عمران کی بیوی (عیسیٰؑ کی نانی) کس طرح اللہ کے حضور عاجزی سے دعا مانگ رہی ہیں وہ بھی صرف اللہ کو سمیع علیم کہہ رہی ہیں وہ کس طرح معبود ہو سکتی ہے

حضرت زکریاؑ بھی اللہ کے حضور مانگ رہے ہیں اور سمیع الدعاء اللہ ہی کو کہہ رہے ہیں اور پھر اللہ کے حکموں کے مامور ہیں

ع

اور مریمؑ بھی اوامر بجا لا رہی ہیں مامور من اللہ اور تابع امر الٰہی ہیں خود عبادت گزار ہیں وہ معبود کیونکر ہو سکتی ہیں

اور حضرت عیسیٰؑ خود مولود ہیں اور کوئی کام بغیر حکم الٰہی کے نہیں کرتے پھر وہ معبود کیونکر ہو سکتے ہیں جب کہ خود اقرار فرماتے ہیں ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ۔

پھر حضرت عیسےؑ کو خطرہ محسوس ہوا یہود کی طرف سے ایذا رسانی کا تو اللہ تعالیٰ نے

ع تسلی دی کہ یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو اب عیسیٰؑ معبود کیسے بن سکتے ہیں

اب اگر یہ کہیں کہ عیسیٰ ابن اللہ نہیں تو پھر عیسےؑ کا باپ بتاؤ جب عیسیٰ کا باپ نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ اللہ ہی کے بیٹے اور نائب ہیں تو جواب یہ ہے کہ عیسیٰؑ اگر باپ نہیں تو ماں تو ہے اور حضرت آدمؑ کے نہ باپ تھا نہ ماں وہ براہ راست مٹی سے بنا اگر باپ کا نہ ہونا الوہیت کی دلیل ہے تو آدمؑ بطریق اولیٰ الٰہ ہونا چاہیے جس کا نہ باپ نہ تھا نہ ماں۔ اتنے سمجھانے کے بعد پھر نہ مانیں تو کہو آؤ میدان میں۔

ع مباہلہ کر لو۔ نہیں تو مان لو کہ یہ بیان برحق ہے کہ اللہ کے برگزیدہ نبی ولی کوئی بھی پکار کے لائق نہیں۔ صرف اللہ پکار کے لائق ہے آؤ سبھی ایک بات پر اتفاق کر لیں کہ الٰہ صرف اللہ ہے نہ عیسیٰ نہ مریم نہ عزیر وغیرہ۔ نہیں تو لاتم تو گواہ رہو کہ ہم موحد ہیں

او یہود! تم ابراہیمؑ کو یہودی کہتے ہو اور نصاریٰ! تم ابراہیمؑ کو نصرانی کہتے

ہو اور مشرکو! تم کہتے ہمارا دین ابراہیمی ہے یہ سب غلط ہے ابراہیم یہودی نصرانی
کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ توراۃ انجیل حضرت ابراہیمؑ سے مدتوں بعد اتری ہیں
ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی نہ مشرک۔ وہ تھا پکا موحد ایک خدا کی طرف کا۔
تم کیا لگتے ہو ابراہیم کے۔ ابراہیمؑ کے ساتھ لگاؤ ان کا تھا جو ابراہیمؑ کے دور
میں ان کے پیروکار تھے اور زمانہ حال میں یہ نبی اور مومن اور اللہ ہی مومنوں کا
ناصر و حامی ہے۔ اپنی خباثت سے بعض اہل کتاب تمہیں گمراہ کرنے کی فکر میں ہیں
ع لیکن نقصان ان کا اپنا ہے۔ بعض اتنے پلید ہیں کہ اپنے بعض کو کہتے ہیں کہ صبح کو
مومن بن جاؤ شام کو منکر۔ اس طرح مومن شک میں پڑ جائیں گے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں
کہ صدقِ دل سے نبی اسی کو ماننا جو تمہارا ہم مذہب ہو۔ یہ نہ سمجھنا کہ کسی کو تمہاری
طرح کوئی کتاب ملے گی۔ یہ اس قدر پلید ہیں کہ ایک دینار بھی بطور امانت کے
ان کے پاس رکھا ہو کھا جائیں گے اور کوئی کوئی ایسا بھی ہے کہ ڈھیر مال امانت
بھی ادا کر دیتا ہے اور کئی علماء یہود اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں
جواب شبہ اور نصاریٰ بھی کہہ دیتے ہیں کہ عیسیٰ ہمیں کہہ گئے ہیں کہ مجھے پوجنا۔ جواب یہ ہے
کہ اللہ کا مقبول بندہ یہ کبھی نہیں کر سکتا۔ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ۔ اور وہ
یہ بھی نہیں کہتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو متصرف سمجھو۔ بھلا وہ ہدایت بتا کر کفر کا حکم
کیسے دے سکتا ہے۔

ع ارتباط رسالت نبی
تمہارے اعتراضوں کے تسلی جواب مل گئے آؤ اس رسولِ مصدق کو مان لو یہ
وہی رسول ہے جس کا تم سے عہد لیا گیا تھا۔ اور عیسیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔ یہی اللہ کا دین
اسلام ہے کیا اسے چھوڑ کر کوئی اور دین تلاش کرتے ہو حالانکہ ہر شے اللہ کی منقاد
ہے۔ اور اس عہد کو توڑتے ہو اور نبی موعود کو نہیں مانتے اور غیر اللہ کو پوجتے ہو۔
ہم تمہاری نہیں مانتے۔ ہم ان انبیاء کی مانیں گے نجات تو دینِ اسلام میں منحصر ہے

اور دین سب مردود ہیں۔ یہود اس رسول کو برحق مان کر پھر گئے اگر توبہ نہ کی تو معذب ہوں گے۔ اگر سمجھانے اور شبہات کے دفعیہ کے بعد بھی ضد پر قائم ہے تو توبہ کی ہمت بھی ان سے سلب کر لی جائے گی۔ اب بھی باز آجاؤ ضد چھوڑ دو اس رسول کی مان لو۔ یہودیت اور ریاست کے ساتھ پیار چھوڑ دو ع

البتہ تمہارے دل میں اس رسول کی صداقت کے بارے اگر تردد ہے کہ ہمارا مذہب ابراہیمی ہے جس میں اونٹ کا دودھ و گوشت حرام ہے اور محمدؐ تو اسے حلال سمجھتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز ملت ابراہیم میں حرام نہ تھیں صرف یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم نے کسی وجہ سے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر دیا تھا تورات اترنے سے ہزار سال پہلے۔ تورات پڑھ دیکھو کیوں اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہو۔ اللہ سچا ہے تو ملت ابراہیمی مان لو۔

اگر یہ کہو کہ ہم اس لیے نہیں مانتے کہ ہمارا قبلہ قدیم ہے تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ سب سے پہلے تو بیت اللہ شریف ہے جہاں مقام ابراہیم ہے۔

اب تو اس رسول کی رسالت میں جو تمہیں شبہات تھے وہ دور ہو گئے اب کیوں نہیں مانتے اور لوگوں کو مسئلہ توحید سے کیوں روکتے ہو!

سو سنو! تم خبردار رہنا۔ یہود کے شبہات سے گمراہ نہ ہو جانا بلکہ مرتے دم تک اپنا مذہب اسلام نہ چھوڑنا۔ اہل کتاب کی بات ہی نہ سننا یہی علاج ہے۔ نہیں تو شبے سنتے سنتے اپنی راہ سے نکل جاؤ گے۔ اور اللہ کا خوف مرتے دم تک دل میں رکھو اور باہم متفق رہو دین اسلام پر مضبوط رہو۔ اور ایسے کام ذکر دین سے تشادے باہمی تفرقہ پیدا ہو اور ایک دوسرے کو تبلیغ کرنے والا طائفہ تم میں ہے تاکہ تم میں تفرق فی الدین نہ ہو۔ یہود کی طرح مختلف فی الدین نہ ہو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو کفار سے نہ ڈرو۔ ہر چیز یہی ہے۔ جہاد میں اظہار حق کی جان

وہاں تلف ہو تو پالک کے حکم سے ہے
ع سوچو گے کہ امر بالمعروف کرنے سے لوگ گالی دیں گے۔ تو کیا ہو گیا پڑ تو نہ سکیں گے۔ اگر قتال پہ آمادہ ہو بھی گئے تو دُم دبا کر پشت دے کر بھاگ جائیں گے اور ان پہ ذلت کی مار ہے۔

اور یہود و نصاریٰ سب کافر ہیں۔ بعض عبداللہ بن سلام جیسے نیک بھی ہیں اور اکثر یہود جو چیہ لگا رہے ہیں وہ ایسا سمجھو جیسے سخت سردی میں سخت سرد ہوا چل کر کھیتی تباہ کر دے

تو کفار محاربین کے ساتھ دوستی نہ رکھو بلکہ جہاد کرو کیونکہ وہ تمہارے دشمن ہیں تمہارا فائدہ نہیں چاہتے بلکہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے تمہیں تکلیف دینے کے خواہش مند ہیں۔ منہ سے ان کی دشمنی ظاہر ہو پڑی اور اکیلے ہوں تو دشمنی سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔ تمہیں غنیمت ملے تو رنج ہوتے ہیں تمہاری تکلیف پر خوشیاں مناتے ہیں اللہ پر توکل کر کے ان سے جہاد کرو۔ مدد اللہ دے گا جیسے بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی تھی بزدل نہ ہو اور نہ ایسے کام کرو جن سے بزدلی پیدا ہو اسی واسطے سود کی لین دین چھوڑ دو بلکہ اللہ کی راہ میں مفت دو۔ اور جہاد کرنے میں سست نہ ہو اور دکھ تکلیف کی وجہ سے غمگین نہ ہو آخر فتح تمہاری ہو گی بشرطیکہ تم ایمان پر مضبوط رہے ہاں کبھی کبھی آزمانے کو اور دیگر کئی حکمتوں کی وجہ سے شکست بھی دیتا ہے اور جنت بغیر آزمائش کے تو نہیں مفت بخشی بالمکارہ۔ موتِ محمد کی خبر سن کر بزدل ہو گئے ہو۔ ع
کیا جب وہ نہ ہوں گے تو کافر ہو جاؤ گے؟ موت سے کیا ڈرنا۔ ایک دن موت کا آنا تو لازمی ہے لہٰذا بزدل نہ بنو جہاد کرو۔ دیکھو پہلے دور میں جہاد کے اندر نبی بھی مرتے تھے تو ان کی قوم سست نہ ہوتی تھی بلکہ ثبات قدم اور نصرت علی

الکفار کی دعائیں مانگتی تھی لہذا تم بھی سست نہ ہو اور اللہ سے فتح و نصرت
کی دعائیں مانگو۔ اُن کی طرح تم بھی دین و دنیا میں کامیاب رہو گے۔ محسن بنو۔ ع
اور جہاد سے بزدل ہو کر کفار کے ساتھ صلح کا عہد نہ کر بیٹھنا۔ بلکہ جہاد کرو وہ اللہ
فتح دیگا اور کفار کے دلوں پر تمہارا رعب ڈالیگا۔ اللہ کی ماننا۔ کافروں کی نہ
ماننا۔ اب وہ خیال جو تمہارے دلوں میں گھوم رہا ہے کہ نبی صادق تو فرماتے
تھے کہ تمکو جہاد کو فتح ہوگی۔ مگر فتح نہ ہوئی۔ یہ کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی
کی صداقت میں کچھ شک نہیں۔ کیونکہ چلے تو غلبہ تمہیں ہی ہوا تھا۔ پھر تمہارے
ہی قصور سے تم کو شکست ہوئی۔ لیکن پھر بھی اللہ نے اونگھ ڈال کر تمہارا غم دور
کر دیا۔ اور قصور معاف کر دیا۔

دراصل جنگ احد میں مسلمانوں نے حکم رسول کو چھوڑ دیا تھا اور بھاگ گئے۔ یہ
سب شیطان کی ذلت تھی جو ان کے گناہ کی شامت سے ہوئی۔ آئندہ کے لیے ع
مومنو! جہاد سے سستی نہ کرنا۔ موت تو جہاد کے بغیر بھی آسکتی ہے۔ پھر جو موت
اللہ کے راستے میں آجائے تو کیا کہنے پھر بہشت میں پہنچ جاؤ گے۔ لہذا تم
قتال کرو۔ اور بہشتی بنو۔

اے رسول آپ تو بہ رحمۃ اللہ ان کو نرم دل ہی ملے ہو اگر بالفرض آپ بد زبان
یا سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد سے کبھی کے منتشر ہو گئے ہوتے۔
لہذا آپ اپنے اخلاق عالیہ سے کام لیتے ہوئے ان کا قصور معاف کر دو۔ اور
ان کو مشوروں میں بھی شامل رکھو۔ پھر اللہ پر توکل رکھ کر کام شروع کر دو
کیونکہ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اللہ فتح دے تو شکست کوئی نہیں
دے سکتا۔ جو اللہ شکست دے تو فتح کوئی نہیں دے سکتا
نبی ہم تو تمہارے اونچے اخلاق کے ساتھ متصف مگر اپنے گندے ہیں کہ ایسے نبی پر

غلول کا الزام لگاتے ہیں۔ پیغمبر کا کام غلول نہیں ہے اور منافق اس گندے
الزام کی وجہ سے خود مغضوب ہو گئے۔ اللہ نے تو مومنین پر بہت بڑا احسان کیا
ہے کہ ایسا نبی ان کو دیا

ہاں تو احد میں جو کچھ ہوا ہے اس کی بابت سنو کہ رسولؐ نے جو وعدہ دیا تھا وہ
سچا تھا اور جو مصیبت تم پر آئی تو وہ تمہارے اپنے قصور کی وجہ سے آئی نیز تمہارے
آزمانے کو کہ مومن کون ہے اور منافق کون۔ جبھی تو منافقین کے منہ سے نکلا کہ یہ تو
خونخواری ہے قتال تو نہیں۔ یا ہمیں لڑنا نہیں آتا۔ اگر لڑنا آتا ہوتا تو ہم تمہارے
یعنی تم
ساتھ چلتے۔

تم ان منافقین کی طرح نہ بنو۔ قتال کرو۔ موت سے نہ ڈرو۔ جو اللہ کی راہ میں
مارا جائے گا اس کے لیے ابدی حیات ہوگی۔ اور جو قتال کریں گے ان کو اجر عظیم ع
ملے گا جیسے بدر صغریٰ والوں کو اجر ملا تھا۔ اور یہ حکم جہاد آزمائش کے لیے ہے یعنی تمیز
بین الخبیث والمومن۔ اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ تمیز کے لیے کسی کو غیب دان بنا دے اس
بات کا کہ فلاں فلاں منافق ہے۔ لیکن رسول پر حکم جہاد نازل فرماتا ہے تاکہ امتیاز
بین الخبیث والطیب (المنافق والمومن) ہو جائے۔

اور فی سبیل اللہ خرچ بھی کرو بخل نہ کرو سب کچھ اللہ کا ہے۔ بخل کرنے
سے قیامت کو گلے میں طوق پڑے گا۔
ع
دیکھو انفاق فی القتال کی بات ہوتی ہے تو یہود مذاق کرتے ہوئے کہتے ہیں
کہ اللہ فقیر ہے اور ہم اغنیاء ہیں۔ ان کی بات کا اللہ کو خوب علم ہے ہم انہیں جلنے
کی مار دیں گے اس وجہ سے بھی اور کئی دیگر کرتوتوں کی وجہ سے بھی۔ یہ صرف
تمہاری تکذیب نہیں ہو رہی آپ سے پہلے بڑے بڑے اولوالعزم رسولوں کی تکذیب
ہوتی آئی ہے آپ تسلی رکھیں۔

تو ان یہود و منافقوں کی باتوں پر کان نہ دھرو جہاد و انفاق کرو۔ موت سے نہ ڈرو۔ جنت ملے گی۔ موت تو آنی ہی آنی ہے۔ اور مصائب پر صبر کرنا بڑی نیک بختی ہے۔ یہود کو بھی ان مسائل کا علم ہے ان سے عہد کیا گیا تھا کہ حق بات کو نہ چھپائیں گے اب وہی ہیں جو حق نہیں بتاتے اور خواہش ان کی یہ ہوتی ہے کہ لوگ ہماری تعریفیں کریں۔ ان کو مار پڑے گی۔ ع

حاصل ساری سورت کا یہ ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے نہ عزیر و عیسیٰ مریم وغیرہ کا اس کا کوئی شریک نہیں۔ شرک دور کرنے کے لیے قتال و انفاق کرو جنت ملے گی۔ کافروں کے پاس مال اسباب ہونا دلیل رضائے الٰہی کی نہیں۔ دھوکہ میں نہ رہیے اعتقاد رکھ کر ایک اللہ کو پکارو اور اس مسئلے کے لیے جہاد کرو۔ اکثر اہل کتاب پلید ہیں وہ نہیں مانتے۔ کچھ منیب ہیں مان لیتے ہیں

مختصر یہ کہ مومنو! توحید و رسالت کے ماننے والو اس مسئلہ کی اشاعت پر مصائب آئیں تو ثابت قدمی سے برداشت کرو۔ دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ سینہ سپر ہو جاؤ اور باہم منظم ہو کر قتال کے لیے مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔ تو چار مضمون اس سورۃ میں ہیں۔ نفی معبودیت عن غیر اللہ۔ صداقت الرسول۔ ترغیب علی الجہاد والانفاق ع

سُوْرَۃُ النِّسَاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب توحید کا بیان مکمل ہو گیا۔ اور شبہات دور ہو گئے تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مومنین کو منظم کیا جائے اس لیے اب سورۃ نساء میں امور

انتظامیہ کا بیان سنو۔ دیکھو تم سب ایک ہی کی اولاد ہو اور تمہاری بیویاں بھی انسان ہی تھی پھر تم میں اتحاد کیوں نہ ہو اللہ سے ڈرو۔ قطع رحمی نہ ہونے پائے جس کے لیے اصول ہیں ان کے پابند رہو اللہ کو سب پتہ ہے

۱ ایک تو یتیموں کا مال نہ کھاؤ

۲ اگر یتیمہ سے انصاف کر سکو تو کسی اور عورت سے نکاح کر لو چار تک اجازت ہے

۳ منکوحہ کو ان کا مہر خوشی سے دو

۴ یتیموں کے عاقل بالغ ہشیار ہونے کے بعد مال ان کے حوالے کرو گواہوں کے روبرو۔ اس سے پہلے ان کو نرمی سے سمجھا دو کہ مال تمہارا محفوظ ہے

۵ مال تھوڑا ہو یا بہت سب وارثوں کا اس میں حق ہے۔ مرد ہوں یا عورتیں اگر یتیم وارث وراثت بانٹتے وقت اپنا حق مانگنے آجائیں تو کچھ دے کر اُن کا دل خوش کر دو اور احسن طریقے سے سمجھا دو کہ تمہارا مال محفوظ ہے وقت آنے پر تمہیں مل جائے گا یتیموں کا مال کھانا آگ کھانا ہے۔ ع

۶ اولاد، والدین، زوجین اور خیفی بہن بھائیوں کا ورثہ میری ہدایت کے مطابق تقسیم کرو۔ میری حدیں نہ توڑنا۔ خبردار ع

۷ کوئی محصن عورت کا زنا چار گواہوں سے ثابت ہو جائے تو تاحکم ثانی فی الحال اسے گھر میں بند رکھو

۸ وہ بدکار توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو خیر۔ ورنہ بدکاری کے ثابت ہونے پر اس کو سزا دو

۹ وراثت مال میں ہوتی ہے عورتیں وراثت میں نہیں ملتیں،

۱۰ جو مال عورتوں کے ملک کر دیا وہ واپس نہیں لے سکتے۔ اگرچہ تم اسے طلاق دے کر دوسری عورت کرنا چاہو۔ بہرحال معقول طریقے سے دونوں

میاں بیوی گذران کریں

۱۱ منکوحۃ الاب والجد سے نکاح حرام ہے اسی طرح ماں بیٹی بہن پھوپھی خالہ ع
بھتیجی بھانجی رضاعی ماں بہن وغیرہ ساس بہو اور اس بیوی کی بیٹی جس سے
دخول کر چکے ہو اور ایک نکاح میں دو بہنوں کا ہونا اور دوسرے کی بیوی البتہ
اگر کافروں سے ان کی بیویاں جہاد میں چھین کر لائے ہو اور تم ان کے مالک بن گئے
ہو بعد استبراء کے وہ تم پر حلال ہیں۔ اور ان محرمات کے ماسوا باقی عورتوں سے
نکاح حلال ہے بشرطیکہ مہر میں مال دو اور فائدہ اٹھانے کے بعد مہر لازمی دینا
ہوگا۔ ہاں بیوی مہر معاف کر دے خوشی سے تو اس کی مرضی اور یہ بھی شرط
ہے کہ نکاح گھر میں رکھنے کے لیے ہو نہ کہ صرف مستی نکالنے کو

۱۲ باندیوں سے نکاح کرو تب بھی مہر واجب ہے۔ ہاں مالکوں سے اجازت ع
لیے بغیر باندیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا

۱۳ باہمی رضامندی سے جائز خرید و فروخت کے علاوہ ناجائز طریق پر
ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ نہ اپنے ہم دینوں کو قتل کرو۔ بلکہ جمیع
حرام انواع سے اجتناب لازمی ہے خاص کر کفر و شرک۔ اور ممنوع کاموں کے
ارتکاب کے بعد نجات کا امکان ہے مگر کفر شرک کے ارتکاب سے نجات ناممکن ہے

۱۴ چونکہ مال میں اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس لیے
پورا پورا حق دو۔ پورا حق نہ دینا ظلم ہے لہٰذا حق سے زیادہ لینے کی کوشش نہ
کرو کیوں کہ یہ کام اللہ کے ہاتھ میں ہے

تقریر دوم: وراثت والی فضیلت کی تمنا نہ کرو۔ کیونکہ ہر ایک کے لیے حصہ
اس کی محنت مشقت کے موافق رکھا ہے۔ مردوں پر مشقت زیادہ ہوتی ہے
اس لیے اس کا حصہ بھی زیادہ ہے۔ عورت کی مشقت کم ہوتی ہے اس لیے اس

کا حصہ بھی کم ہے۔

مرد عورت کا ایک دوسرے کے مال میں حق ہے اور موالی کا حق مفروض نہیں ہے ہاں اگر مرتے وقت ان کے حق میں وصیت کر جائے تو اچھا ہے ع

مردوں کی رعایت زیادہ اس لیے ہے کہ مرد عورتوں کے منتظم ہیں ایک تو اس لیے کہ مرد کو اللہ نے عورت پہ فضیلت بخشی ہے (یعنی جسمانی توانائی دل کی مضبوطی اور دماغی قوتوں میں خلقی برتری) اور دوسرا اس لیے کہ مرد نے عورت پر اپنا مال (نان نفقہ سکنٰی مہر) خرچ کیا ہے عورت مرد کے دست نگر رہتی ہے خرچہ میں۔ نیک عورتیں تو فرمانبردار ہوتی ہی ہیں۔ نافرمانوں کے ساتھ میرے بتائے ہوئے تدریجی اصول کے موافق برتاؤ کرو

اور اپنے معاشرہ کی اصلاح کرو جس سے تمہاری تنظیم قائم ہو اور اصلاح معاشرہ کا اصل سنگ بنیاد تو ہے توحید تو صرف اللہ کو پکارو کسی کو اس میں اللہ کا شریک نہ بناؤ اس کے بعد والدین وغیرہ سے نیک سلوک کرو۔ اور ایمان داری کے ساتھ بغیر ریا کے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ بخل نہ کرو۔ اللہ تمہارا حق نہیں مارتا۔ رسول کی مانو ورنہ قیامت کو پچھتاؤ گے۔ یہ کام مشکل ہے اس کی مشق ڈالنے کے لیے میرے ع بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نماز قائم کرو۔ نہ نشے میں نماز پڑھو نہ بے وضو پانی استعمال نہ کر سکو تو تیمم کر لو۔ تیمم کا حکم سن کر یہود تو مخول اڑائیں گے مگر تم ان کی نہ سننا ان کی شرارتیں ظاہر ہیں حکم عدولی وہ کرتے ہیں شرک وہ کرتے ہیں ع جو ناقابل معافی جرم ہے پھر افتراء علی اللہ کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو پاکیزہ و پاکباز بتلاتے ہیں اور بت پرستوں کو کہتے ہیں کہ مومنوں سے تم زیادہ راہ یاب ہو ایسے ملعونوں کو عذاب سے کون چھڑائے گا مزید برآں بخیل ہیں اور حاسد بھی۔ اکثر بے ایمان ہیں جو دوزخ میں جلتے رہیں گے۔ ایمان دار تھوڑے ہی ہیں جو

انصار

جنت میں رہیں گے۔ تم اللہ کے حکموں کے مطابق تدبیر منزل کے اصولوں پہ عمل
کرو اور ملکی سیاست بھی میرے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہو یعنی
۱ حق داروں کو ان کے حق دلواؤ اور فیصلے انصاف کے ساتھ کرو۔ اللہ
اور رسول کی مانو اور جو مسلمان عاقل بالغ حر عادل عالم صاحب حکم ہو اس کی [illegible]
تنازع کی صورت میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے حکم دیکھ کر تنازع ختم کرو ع
اور منافقوں کی طرح غیر شرعی آدمی کی طرف اپنے فیصلے نہ لے جاؤ
۲ اٹھو ہتھیار پکڑو۔ جہاد کر کے مظلوم مسلمانوں کو کفار کے پنجے سے چھڑاؤ ع
وہ دعائیں کر رہے ہیں ربنا اخرجنا من ہذہ القریۃ..... موت سے ڈر کر قتال نہ ع
چھوڑو۔ موت تو ضرور آئے گی اگرچہ تم چونہ گچ پختہ مضبوط اونچے قلعوں میں
محفوظ بیٹھے رہو اور میدان جنگ میں نہ جاؤ۔ اور جہاد پہ جانے کی ایک دوسرے
کو ترغیب دو اس کا بھی تمہیں اجر ملے گا۔ ترغیب جہاد کے لیے جو مبلغ آپ کے پاس
آکر السلام علیکم کہے تم اس کا احسن طریقے سے جواب دو اللہ اس کا ثواب دیگا
قیامت کے دن۔ کیونکہ حاکم جو وہ آپ ہی ہے جزا سزا کا مالک کوئی اور نہیں ہے ع
۳ یہ منافق جو بہانہ بنا کر مکہ جا بیٹھے ہیں ان کے بارے اختلاف مت کرو
یہ اگرچہ کلمہ گو ہیں مگر پکے کافر ہیں ان کو مسلمان نہ سمجھو ان سے لڑو
۴ البتہ جو منافق تمہارے ہم عہدوں کے پاس پناہ پکڑ چکے ہیں یا تمہارے
ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تم ان کو نہ مارو
۵ اور جو منافق محض اپنی جان بچانے کے لیے تمہارے سامنے اسلام
ظاہر کرتے ہیں اور اپنی قوم میں جا کر کفر کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر تم
سے لڑتے ہیں ان کو بے شک مارو
۶ مومن مومن کو قتل نہ کرے لیکن اگر مثلاً جہاد کرتے وقت کوئی

مسلمان خطاً (لاعلمی میں) مارا جائے اور اس کے وارث مسلمان ہوں تو اُن کو دیۃ دے اور مومن باندھا بھی آزاد کرے بطور کفارہ کے۔ اگر وارث دیۃ معاف کردیں تو مضایقہ نہیں۔

۷ اور اگر اس مقتول خطأ کے وارث کافر محارب ہوں تو صرف مومن رقبہ آزاد کرے

۸ اور مقتول تمہارے ہم عہدوں میں سے ہو تو اُن کو دیۃ بھی دو اور مومن رقبہ بھی آزاد کرو۔ نہ ملے تو دو ماہ مسلسل روزے رکھو۔ اور مومن کو معمولی سمجھ کر مار ڈالنا منافقوں اور کافروں کا کام ہے۔

۹ اور اگر کوئی کہے کہ میں مسلمان ہوں تو مال کی لالچ میں اس کو قتل نہ کرو اور کافروں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ اچھا موقعہ ہے ہاتھ سے نہ جانے دو۔ درجات پاؤگے۔ معذور مستثنیٰ ہیں

مکہ میں رہنے والے مومن اگر کمزور ہیں یا ان کو اور کوئی شرعی عذر ہے تو ان کے نہ نکلنے میں مواخذہ نہیں۔ لیکن بغیر ضعف و عذر شرعی کے ان کو مکہ سے نکلنے کی کوشش کرنا فرض ہے ورنہ موت کے فرشتے قبض روح کے وقت ڈانٹ کر پوچھیں گے کیا اللہ کی زمین تنگ تھی؟ ہجرت کیوں نہ کی؟ تب کیا جواب دوگے؟ ضرور ہجرت کرو اللہ کے دین کی خاطر۔ رزق اللہ دیگا۔ اگر رستہ میں مرگئے تب بھی اجر ملے گا

۱۰ اگر دشمن کا خطرہ ہو تو میری ہدایت قرآنی کے مطابق جلدی جلدی نماز پڑھ لیا کرو۔ اور جب خطرہ جاتا رہے تو پھر اطمینان کے ساتھ نماز قائم کرو اور اپنے اپنے وقتوں میں۔ جہاد کے وقت جب نماز میں بھی تخفیف کردی گئی ہے تو سمجھ لو کہ جہاد کو بہت اہمیت حاصل ہے اس لیے

جہاد میں اور دشمنوں کی تلاش میں سستی نہ کرو اور مصائب تو مشترک ہیں
کافروں پر آتے ہیں تم پر بھی آتے ہیں۔ لیکن جنت تو صرف تمہیں ملے گی۔
لہٰذا جہاد کے لیے سستی نہ کرو۔ ع

۱۱ حکم انصاف کے ساتھ کرو۔ لیکن محض حسن ظن سے نہ کرو بلکہ موافق
قواعد الٰہیہ کے فیصلے کیا کرو تاکہ خائن کے معاون نہ ہو کیونکہ عمل بالرائی کرنے
میں احتمال ہے کہ خائن کا مدد ہو جائے۔ اور تم خواہش سے حکم کرنے لگے ہو
کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگو

اور یہ منافق جو رسول کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں اللہ نے ان
پر مہر لگا دی ع

خلاصہ ساری بحث کا یہ ہے نہ خود ظلم کرو نہ کسی کو ظلم کرنے دو اور
جہاد کر کے مظلوموں کو ظالموں کے پنجوں سے چھڑاؤ اور ظلم عظیم جو شرک ہے
باقی احکام کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب کے ساتھ ساتھ اس شرک
سے لازمی بچو یہ بہت بڑی بلا اور ناقابل معافی ہے۔ اور شرک کرواتا ہے
تو شیطان جس نے عہد کر رکھا ہے کہ میں بنی آدم سے شرک کرواؤں گا۔ شیطان
کی نہ ماننا۔ جو اس کی مانے گا خسارہ میں رہیگا۔ اور جو موحد بن کر مقرب
خدا بنانے والے کاموں کو اپنا معمول بنائے گا وہ جنت میں جائے گا۔ نجات
کی مدار خواہشات پر نہیں اعمال صالحہ پر ہے۔ بس شیطان کی نہ مانو ابراہیمؑ کی
اتباع کرو جو پکا موحد خلیل اللہ تھا جس کا یہی مذہب تھا کہ سب کچھ کرنے جاننے
والا صرف اللہ ہے للہ ما فی السموٰت وما فی الارض وکان اللہ بکل شیء محیطاً۔ ع

اب میرے بیان کردہ قوانین سے بعض ایسی باتیں ہیں جن سے سامع کم فہم
کی سمجھ میں الجھاؤ پیدا ہو سکتا ہے اس کے لیے ذرا تشریح سن لیں۔

۱ قانون تھا وان خفتم ان لا تقسطوا ..... اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شاید اشارۃً یتیم عورتوں سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا ہوگا۔ کیوں کہ یتیم عورتوں سے نکاح منع نہیں بلکہ ظلم منع ہے۔ جب بے انصافی کا خطرہ ہو تب منع ہے

۲ قانون تھا آتیتم احدٰھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شاید اشارۃً خلع سے ہی روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ خلع منع نہیں، البتہ ان کو معلق (ادھر میں چھوڑ دینا) رکھنا منع ہے۔ باہم صلح سے رہو ایک دوسرے پر زیادتی سے بچے رہو۔ اگر احیاناً کوئی بے اعتدالی ہو بھی جائے تو اللہ غفور رحیم ہے۔ اگر طلاق تک نوبت پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ اپنی گنجائش کی برکت سے ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا کیونکہ ہر چیز میری ہے میں اپنے علم و حکمت سے سب کچھ کر سکتا ہوں لہٰذا ہر موقع پر تم مجھے ہی پکارا کرو کسی کو میرے ساتھ شریک نہ بناؤ۔ یہود و نصاریٰ کو بھی میں نے یہی کہا تھا کہ شرک سے بچو۔ اللہ ہی ہے سب کا کارساز۔ اور یوں بھی کر سکتا ہے کہ تمہیں مار کر دوسری مخلوق لا بسائے اسے سب طاقتیں ہیں۔ دونوں جہانوں کا ثواب اسی کے پاس ہے

۳ قانون تھا تحکم بین الناس۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ شاید مومنوں کی خیر خواہی کرنے میں ناحق فیصلہ جائز ہوگا کیونکہ میرا حکم ہے انصاف کرو خواہ کسی کے خلاف ہو کیونکہ اللہ تم سے زیادہ خیر خواہ ہے اس کو ظاہر و باطن کی پوری خبر ہے۔ لہٰذا تم اپنے جی کی چاہ پر نہ چلو۔ انصاف سے کام لو۔ اللہ نے پہلے قرآن اور کتب سابقہ کو مانو خواہ دفعۃً اتری ہوں خواہ تدریجاً۔ اگر نہ مانو گے اور جدال باباطل کرو گے تو مہجوریت لگ جائے گی۔ اور منافق بھی نہ بنو۔

شاہی، نبوت، نصرۃ وغیرہ نعمتیں ان سے چھین لیں۔ اور پھر بھی اپنے کرتوتوں اور پلیدیوں سے باز نہیں آئے یہاں تک کہ اب بھی قرآن و رسول کا انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن سلام جیسے راسخ فی العلم مان چکے ہیں۔

ہاں تو یہود کا سوال ہے کہ دفعۃً قرآن کیوں نہ اترا تو بات یہ ہے کہ آپ کی طرف کوئی انوکھی وحی نہیں نوح وغیرہ انبیاء کی طرف بھی تدریجاً وحی آتی تھی اور موسیٰ کے ساتھ بھی تدریجاً کلام ہوتی۔

اب بھی نہ مانیں تو کیا ہے اللہ تو گواہ ہے کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں۔ ایسے مضامین کی حامل کتاب غیر اللہ کی طرف سے آ ہی نہیں سکتی۔ او یہود نہ مانو گے اور اعتراض ہی کرتے رہو گے تو یاد رکھو میرا غضب بے انتہا ہے سب کچھ چھین لوں گا تو دوزخ میں ہمیشہ ڈال دوں گا

اے اہل کتاب! دین میں غلو نہ کرو۔ عزیر کو نہ پکارو۔ عیسیٰ کی توہین نہ کرو۔ وہ اللہ کے رسول ہیں اور نصاریٰ نے بسبب خباثت کے تثلیث نکالی ہے یہ بھی نہ مانو۔ اور محمدؐ کے حق میں بھی برا نہ کہو یہ بھی اسی طرح رسول اللہ ہیں اور فرشتوں کو بھی برا نہ کہو وہ بھی اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ اور عیسیٰ اور فرشتوں کو عبد کہیں تو ایسے برا نہ مانیں گے نہ فرشتے۔ برا ماننے والے جہنمی ہیں آؤ قرآن و رسول کو مان لو جنت ملے گی

۵ کلالہ کی وراثت ذکر کی تھی۔ عینی بہن بھائیوں کو خیفی بہن بھائیوں کی طرح نہ سمجھ بیٹھنا کیونکہ کلالہ کی اگر علّی یا عینی بہن ہو تو اس کے لیے کل مال کا نصف ہے۔ اور اگر بہن فوت ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کا عینی یا علّی بھائی وارث ہوگا۔ اور اگر ایک سے زائد ہوں بہنیں تو ان کو ثلثان ملیں گے اور مرد و عورت بہن بھائی ملے جلے ہوں تو للذکر مثل

حظ الانثیین کے قاعدہ پر حصہ ملے گا۔
سورۂ نساء میں رعایا و قضاۃ کے بارے امور انتظامیہ کے قوانین تفصیل سے سن لیے اور مرکزی مسئلہ نفی شرک فی التصرف و نفی شرک فعلی کا اجمالی ذکر رکوع ۱۸ میں آیا۔ اس لیے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ یہی مرکزی مسئلہ نفی شرک فی التصرف و نفی شرک فعلی بالتفصیل مع الدلیل بیان ہو سو اس بحث کے لیے سورۂ مائدہ نازل ہوئی

سورۃ المائدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مومنو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تم نے عہد باندھا ہے کہ ہم اس کا التزام کریں گے وہ عہد پورا کرو یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی تم پڑھ چکے ہو ان کی طرح تم نہ ہو جانا۔ اور وہ ہیں چار مسئلے

۱ تحریمات العباد غلط ہیں احلت لکم بہیمۃ الانعام

۲ تحریمات اللہ بجا اور برحق ہیں جیسے شکار بحالت احرام غیر محلی...

۳ نذر اللہ درست بلکہ عبادت ہے اس کی نہ خود ہتک کرو نہ کرنے دو

۴ نذر نیاز غیر اللہ کی حرام ہے ان سے بچو حرمت..... وما اہل بہ لغیر اللہ

تقریر ۱ ایفاء عہد کرو تحریمات خود ساختہ مت کرو۔ کوئی حلال چیز کسی بندے کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہوتی۔ تحریمات الٰہیہ کو بحال رکھو اللہ کی حرام کردہ چیز کسی بندے کے حلال کرنے سے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور نذر اللہ کی برحق ہے اس کی ہتک نہ خود کرو اور نہ کسی کو ہتک کرنے دو

مردار، خون، خنزیر حرام ہیں۔ اور نذر غیر اللہ ان سے بڑھ کر حرام ہے

9/5 طرح اسی جو گلا گھٹ کر یا چوٹ سے یا اوپر سے گر کر یا کسی کے سینگ مارنے سے
یا کسی درندے کے کھانے سے مرجائے وہ بھی حرام ہے یا جو جانور کسی تھان
پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم
کرنا بھی حرام ہے اور استقام کے لیے جو مال بتوں یا مجاوروں کو دیتے ہیں
وہ بھی حرام ہے خواہ جانور ہو یا غیر جانور۔ اور حلال شکار میری بتائی ہوئی
شرطوں کے ساتھ حلال ہوگا۔ نذر اللہ کی حلال ہے اور اہل کتاب کا ذبیحہ
بھی اور پاکدامن حرہ مومنہ و کتابیہ بھی حلال ہیں بشرطیکہ ان کو مہر دو اور
جائز نکاح میں لانا مقصود ہو نہ صرف شہوت رانی اور نہ خفیہ آشنائی۔
جن کی حلت و حرمت ہم نے بیان کی اس کا منکر کافر ہے۔ ع

ان امور کا ادادی حکم یہ ہے کہ بے وضو آدمی نماز سے پہلے وضو کرلے
نہانا ضروری ہو تو نہالے پانی کے استعمال کی طاقت نہ ہو تو تیمم کرلے اس طرح
نمازیں پڑھو گے تو آپس کا بغض جاتا رہیگا پہلی عداوت چھوڑ دو۔ اجر عظیم
ملے گا اور اللہ پر توکل کرو اللہ مدد دے گا۔ محکم ہو جاؤ حق بیان کرنے والے
اور امور الٰہیہ کی بھنک دیکھ کر پیچھے نہ بیٹھو۔ پیچھے بیٹھے رہنا ظلم ہے

ڈاکوؤں سے نہ ڈرو بلکہ جہاد کرو۔ اگر جہاد نہ کیا تو جس طرح بنی اسرائیل
پہلے انبیاء کے دور میں ترک جہاد کی وجہ سے ملعون ہوئے اسی طرح تم بھی
ملعون ہو جاؤ گے اور جس طرح نصاریٰ میں اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے بغض
و عداوت ڈالی گئی اسی طرح تمہارے دلوں میں بھی عداوت ڈال دیں گے۔
پس جہاد کرو ورنہ ملعون و ذلیل ہو جاؤ گے۔

اے اہل کتاب حضرت عیسیٰ کو معترف سمجھ کر پکارنا چھوڑ دو۔ یہ
کتاب آگئی ہے اس کو مان لو۔ اس کتاب نے وضاحت سے مسئلہ بیان

دشمنوں کے ساتھ جہاد کرو تا کہ وہ حاجیوں کو لوٹ مار نہ کر سکیں

سورۃ: جب بنی اسرائیل ترک جہاد کی وجہ سے خوار ہو گئے۔ بائبل چھپا بیٹھا سو تو ملا گیا۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، جہاد کے ذریعے ذلت و خواری سے بچ جاؤ۔ جہاد کا منکر کافر ہے۔ محاربین کفار کو قتل کرو۔ قطاع الطریق کے ہاتھ پاؤں کاٹو۔ چور کا ہاتھ کاٹو۔ اور پکارو صرف اللہ کو کیونکہ ہر چیز اللہ کی ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اے رسول! آپ گھبرائیں مت۔ یہ منافق گو یہود کے ساتھ ملے ہوئے ہیں آپ سے باتیں سن سن کر یہود کو جا بتاتے ہیں اور غلط تقریریں بنا کر یہ جوڑ کر ان کے آگے جا پیش کرتے ہیں۔ ایسے یہودیوں سے جہاد کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ آپ کے پاس فیصلے کے لئے آئیں تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں اور اگر وہ آپ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوں تو ان کے ساتھ جہاد و جنگ کرو۔ یہود آپ کے فیصلہ پر کیسے راضی ہوں گے وہ تو اپنی کتاب تورات کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے۔ اور آپ کا فیصلہ تو وہی ہے جو تورات میں ہے۔ جیسا یہ یہود ایسے ہیں کہ شادی کر کے چھینیاں کرتے ہیں اور تمہارے فیصلہ پر راضی نہیں تو ان سے جہاد کرو۔ اور تورات میں یہی حکم ہے کہ ان کا بدلہ دو۔ حضرت کے بعد اعضا کاٹو۔ اور انجیل میں بھی یہی مسئلہ تھا۔ اب آپ کے قرآن میں بھی یہی حکم ہے جو سب کتابوں کا متفقہ فیصلہ ہے تو آپ بھی فیصلہ کریں۔ یہود نہ مانیں تو ان سے جہاد کرو۔ اور یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ رکھو۔ جو بھی تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا وہ کافر ہے یہود تو چاہتے ہیں کہ تم مصیبت میں پھنسو۔ پھر تم انہیں دوست بناتے ہو بلکہ ان کے ساتھ جہاد کرو اللہ مدد کرے گا۔

ان کو دوست ہرگز نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہاری اذان کا مذاق اڑاتے ہیں اور
تمہارے ایمان کی وجہ سے تم کو دشمن سمجھتے ہیں۔ اور تمہارے پاس آکر تو آمنّا
کہتے ہیں مگر جیسے ایمان سے خالی آئے خالی گئے اور پھر یہ بھی حرام کو اور
غیر اللہ کی حلال سمجھتے ہیں۔ اور پھر ان یہود کی بڑی خباثت یہ ہے کہ کہتے ہیں
کہ اللہ کا ہاتھ بند ہے کچھ نہیں کر سکتا سب کچھ عزیر کے حوالے کر دیا۔ ایسے
خبیثوں کے ساتھ دوستی سمجھتے ہو۔ نہیں بلکہ ان کے ساتھ جہاد کرو۔ ان
کی آپس میں دشمنی اور بغض و عداوت ہے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اے رسول! آپ کو جو حکم ربی ہوا وہ من و عن پہنچا دو۔ وہ حکم یہ ہے کہ اے
اہل کتاب! جب تک تم توحید پر قائم نہ ہو گے تو تم پکے کافر ہو۔ صرف اپنے آپ
کو مومن کہلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہماری دار عمل صالح پر ہے جس کی بنیاد
توحید پر ہے۔ اور جو حضرت عیسیٰ کو مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ پکے کافر ہیں
کیونکہ حضرت مسیح عیسیٰ نے تو خود فرمایا اعبدوا اللہ ربی و ربکم انہ من یشرک ...
اور تثلیث کے قائل بھی پکے کافر ہیں کیونکہ ما من الٰہ الا اللہ۔

اور مسیح ابن مریم تو رسول ہیں مگر رسول ہونے کی بنا پر مسیح کو الٰہ بنایا جا
رہا ہے تو ان سے پہلے بہت رسول ہو گذرے ہیں پھر ان کو بھی الٰہ بنا لو۔

اور مسیح کی والدہ صدیقہ تھیں [illegible] تو نہ تھیں وہ خود ماں بیٹا
آخر کھانا کھاتے تھے الٰہ کیوں کر بن گئے۔ کیا تم ایسوں کو پکارتے ہو جو کر
کچھ نہیں سکتے۔ کریں تو تب کہ وہ سننے جانتے ہوں اور سننے جاننے والا
سمیع علیم تو صرف اللہ ہے تو پھر اسی کو پکارو۔ نہ عزیر عیسیٰ مریم وغیرہ کو۔ کیونکہ
یہ غیر کو پکارنا غلو فی الدین ہے۔ غلو فی الدین نہ کرو اور ان سے مقلد نہ بنو
پہلے دور کے بنی اسرائیل اسی غلو فی الدین کی وجہ سے داؤد و عیسیٰ کی زبان

مومنو! جو حکم اللہ کی طرف سے آئے۔ اس پر عمل کیے جاؤ۔ اپنے آپ سے نہ
پوچھا کرو۔ ہر ایک حکم تدریجاً تدریجاً اپنے اپنے وقت میں بتایا جائے گا بحیرہ اب
تم نے بحیرہ وغیرہ کی حلت وحرمت کے بارے سوال کیا ہے سو اس کا جواب دے دیتا
ہوں کہ ان کا حکم یہ ہے کہ یہ چیزیں حلال ہیں انہیں تم نے اللہ نے انہیں حرام
نہیں کیا۔ اور حلال چیز بندوں کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہوتی۔
مگر کافروں کا عجیب حال ہے کہ پہلے پوچھتے ہیں پھر حکم ملتا ہے تو کہہ دیتے
ہیں کہ ہم کو اپنے آباؤ اجداد کی رسم کافی ہے ـــ مومنو! تم اپنے آپ کو خوب
مضبوط رکھو۔ اور تسلی رکھو۔ یہ یہود وغیرہ تمہیں نقصان نہیں دے سکیں گے
جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ تحریمات غیر اللہ اس لیے غلط ہیں کہ غیب دان
اور نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو اب یہ بھی
سمجھ لو کہ اللہ کے سوا کسی کے نام کی قسم بھی نہ کھاؤ۔ غیر اللہ کی قسم بھی اسی لیے
حرام ہے کہ مقسم بہ میں ان دونوں صفتوں (علم غیب ونافع وضار ہونا) کا ہونا
ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفتیں ہیں اور کسی میں نہیں پائی جاتیں
تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین مخلوق اس کے رسول ہیں ان کا
بھی یہ حال ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان کو جمع کر کے ان سے پوچھیگا کہ تمہارے
مرنے کے بعد تمہاری امت نے تمہاری دعوت قبول کی؟ تو وہ اپنی لاعلمی کا
اظہار کریں گے خاص کر حضرت عیسیٰؑ جن کے نام پر تم اولاد ذبح کرتے ہو جب
اللہ ان کو انعامات اپنے یاد کرا کے ان سے پوچھے گا ءانت قلت للناس
اتخذونی .... تو حضرت عیسیٰ یہی جواب دیں گے اے اللہ! میں نے تو ان سے
یہ کہا تھا۔ میں تو جب تک ان میں رہا یہی کہتا رہا اعبدوا اللہ ربی و
ربکم اور نگرانی کرتا رہا۔ بعد کا مجھے علم نہیں

تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام برگزیدہ بندے غیب دان نہ تھے۔
اور سب کچھ کرنے والا بھی صرف اللہ ہے اور غیب دان بھی صرف اللہ ہے
نہ برگزیدہ ہستیاں تو پھر ان کی تعظیم کے لیے تحریمات العباد و نذر غیر اللہ
مقرر کرنا اور ان کو پکارنا بے سود ہوا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ صرف اللہ ہی مالک و مختار اور متصرف و کارساز ہے
نہ مریم و مسیح نہ روح القدس نہ عزیر نہ کوئی اور آسمان زمین کی شاہی بھی
اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے اختیار اپنا کسی کے حوالے نہیں کیا۔
نذر و نیاز کا مستحق بھی وہی ہے۔ قسم بھی اسی کی۔ پس اسی کو پکارو۔
نذر بھی اسی کی دو قسم بھی اسی کی کھاؤ۔

سورہ مائدہ میں شرک کی دونوں قسموں کو بیان کیا۔ انعام میں زیادہ
تفصیل ہو گی یہاں جانوروں کو نیاز میں دینے کا ذکر تھا۔ انعام میں جانوروں
کے علاوہ اناج وغیرہ کو نیاز میں دینے کا بھی ذکر ہے کہ یہ بھی حرام ہے۔ اور نفی
شرک فی التصرف پر عقلی دلائل بیان ہوں گے

سورۃ الانعام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خوبیاں کس خالق جہان ہونا عالم غیب ہونا حلال حرام کرنے کا اختیار نافع ضار
ہونا متصرف ہونا ان خوبیوں کا سزاوار تو صرف اللہ ہے نہ عزیر نہ عیسیٰ نہ مریم نہ
روح القدس نہ کوئی اور سب کچھ کرنے والا وہی ہے ارض و سما ظلمت نور
اور انسان کو اسی نے بنایا۔ موت کا وقت بھی اسی کو معلوم ہے اور خود موت بھی

اسی نے بنائی ۔ ارض و سماء میں وہی متصرف ہے اور ہمہ دان بھی وہی ہے جب ہمہ کن و ہمہ دان وہی ہے تو پھر ما فوق الاسباب ہو۔ میں غائبانہ حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے اسی کو پکارو۔ یہ دلائل سن کر حق تو یہ تھا کہ مسئلہ مان لیتے مگر یہ تکذیب پر ڈٹے ہوئے ہیں اگر ان کا یہی حال رہا تو پہلی تکذیب کرنے والی امتوں کی طرح ہم ان کو ہلاک کر دیں گے ۔ پھر کہتے ہیں کہ اگر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب لاؤ تو ہم مان لیں گے ۔ غلط کہتے ہیں کیونکہ اگر ہم اس طرح کی لکھی ہوئی کتاب بھیج بھی دیں تو انہوں نے یہی کہنا ہے کہ یہ کھلا جادو ہے

پھر کہتے ہیں کہ واقعی تو سچا رسول ہوتا تو تیرے ساتھ تیری نبوۃ کی تصدیق کرنے والا فرشتہ ہوتا ۔ یہ بھی غلط کہتے ہیں کیونکہ یہ پھر بھی نہ مانتے پھر تباہ ہو جاتے ۔

پھر کہتے ہیں کہ اللہ نے خود فرشتہ کو ہی پیغمبر بنا کر کیوں نہ بھیجا ۔ تو بات یہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے تو آدمی کی صورت میں بھیجتے تو پھر اس کے رسول ہونے میں بھی یہ وہی شبہ کرتے جو اب آپ کے بارے کر رہے ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ یہ بڑے ہی ضدی واقع ہوئے ہیں ۔ مگر اے میرے نبی ان کے ایسے ایسے لغو قسم کے شبہات پیش کرنے کی وجہ سے دل تنگ نہ ہونا ۔ ایسے ایسے شبہات تو پہلے انبیاء پر بھی کیے گئے تھے آخر ہلاک کر دیے گئے اور ان کو کہہ دو کہ اگر شبہات کے ان جوابات سے تمہاری تشفی نہیں ہوتی تو پہلے مکذبین کا انجام سوچ لو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ۔ اس سے عبرت حاصل کرو ۔ ہمارے دیے ہوئے دلائل توحید اور ہمارے رسول کی رسالت پر تمہیں شبہ ہے تو چھوڑو ۔ تم آپ ہی بتاؤ کہ یہ ارض و سماء میں کل چیزیں کس کی ہیں ؟ جب تم خود مانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے تو خواہ مخواہ شبہے کیوں نکالتے ہو آؤ مسئلہ مان لو ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو ہو گے ۔ اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے ۔ دیکھو ناں ہر چیز اسی کی

ہے اور سمیع لکل شے بھی وہی ہے اور علیم بکل شی بھی وہی ہے۔ آؤ دعوی ان لو
بائیں بائیں اس فاطر السمٰوٰت والارض کو چھوڑ کر میں دوسروں کو
متصرف سمجھ لوں تب تم راضی ہوگے؟ تب میں تو یہ شرک نہیں کرتا۔ میں تو
عذاب سے ڈرتا ہوں۔ سنو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ضرر پہنچائے تو وہ ضرر
اس سے ہٹا کوئی نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو خیر دے تو بھی کر سکتا ہے۔
غرضیکہ وہی القاہر فوق عبادہ ہے اور وہی حکیم خبیر ہے پھر اس کے سوا کسی اور
کو متصرف سمجھ کر کیوں پکارا جائے۔ واللہ! یہ قرآن مجھ پر وحی ہوتا ہے میں اپنے
پاس سے گھڑ کر یہ دعویٰ نہیں سنا رہا۔ پھر اگر تمہاری جرأت ہے تو ان مع
اللہ آلہۃ اخری کہے جاؤ۔ میں تو یہ بات نہیں کہتا۔ میں تو یہی کہوں گا کہ لائق
پکار کے صرف اللہ ہے۔ تمہیں اگر شک ہے تو ہو مگر اہل کتاب جن کو اللہ نے
کتاب کی سمجھ دے رکھی ہے اور ایسا پڑھتے ہیں جیسے حق ہے پڑھنے کا وہ بھی
تو یہی کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ برحق ہے۔ اب تو شک کی گنجائش ہی نہ رہی۔ اب جو
ع ان دلائل عقلیہ ونقلیہ و وحی کے بعد بھی شرک کرے گا وہ آگ سے نہ بچ
سکے گا اور قیامت میں تو صاف منکر ہو کر کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین
لہٰذا ان کو مناسب ہے کہ ابھی سے دعویٰ مان لیں اور جھگڑا نہ کریں۔

پھر بھی تعجب کا مقام ہے کہ مشرک سن کر ضد کرتے ہیں اور جھگڑتے ہیں
اور مسلمانوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ قیامت میں ان کا برا
حال ہوگا اور کہیں گے کاش ہم پھر واپس جاتے اور اب مسئلہ کی تکذیب کریں گے
بلکہ مسئلہ مان لیں گے یہ قول ان کا محض عذاب کو دیکھ کر ہوگا

قیامت کے احوال سن کر اب تو تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی دنیا کا جینا ہے
پھر اٹھنا نہیں پر بروز قیامت ان سے رب پوچھیگا الیس ھذا بالحق تو حسرت

کریں گے۔ پس چاہیے کہ دنیا کے مزہ میں آکر توحید سے اعراض نہ کریں کیونکہ یہ دنیا کھیل تماشا ہے۔

اے نبی! آپ گھبرائیں نہیں اول تو یہ لوگ آپ کی تکذیب آپ کی نہیں کررہے ع
بلکہ تکذیب میری توحید کی کررہے ہیں اور اگر آپ کی تکذیب کرتے بھی ہیں تو آپ صبر کریں جیسے اولوا العزم رسل نے صبر کیا۔ دعویٰ توحید کا تو ہرگز نہیں چھوڑنا اور اگر ان کا انکار آپ کو گراں معلوم ہوتا ہے تو جو کچھ آپ سے ہوسکتا ہے کر لو یہ تو پھر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اور مجبوری کا ایمان ہم کو منظور نہیں ورنہ سب کے سب مسلمان ہوگئے ہوتے۔ اور ہر ایک معجزہ آپ ان کو دکھا بھی نہیں سکتے۔ بہرحال ان کی تکذیب سے آپ تنگ نہ ہوں اور ایمان دینا آپ کے بس میں نہیں۔

پھر یہ کافر یہ بھی کہتے ہیں کہ معجزہ اس پر کیوں نہیں اترتا تم کہو کہ اللہ تو قادر ہے مگر مقصود آزمائش ہے۔ معجزہ سے مسئلہ نہ سمجھیں دلیل سے سمجھو یہ دلیل تھوڑی ہے کہ ہر چیز کا مربی اللہ ہے تو اب بھی دعویٰ مان لو۔ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر خدا کا عذاب یا قیامت آگئی تب بھی غیر اللہ کو پکارو گے؟ ہرگز نہیں! بلکہ تم صرف اللہ کو پکارو گے اور اپنے معبودانِ باطلہ کو بھول جاؤ گے۔ تو پھر ابھی سے مان لو کہ پکار کے لائق صرف اللہ ہے۔ کیسی وضاحت سے مسئلہ بیان ہوا اب بھی نہ مانیں تو آپ کو کیا غم ہے۔

آپ سے پہلے انبیا کی تکذیب بھی ہوتی آئی۔ پھر ہم نے ان کی امتوں کو مال جان کے نقصان سے آزمایا تاکہ شرک سے باز آجائیں۔ مگر الٹا سخت دل ہوگئے پھر ان کو کفر میں ترقی دینے کے لیے نعمتوں کے دروازے کھول دیے۔ جب لائق عذاب کے ہوگئے تو اچانک ہم نے پکڑ لیا پھر کوئی بھی نہ رہا۔ اور نجات دہندہ و ہلاک کنندہ تو ہے ہی صرف اللہ۔ اور اگر نجات دہندہ اور کوئی ہوتا تو انہیں بچا لیتا

او مشرکو! یہ بتاؤ کہ اگر اللہ اپنی دی ہوئی نعمتیں تم سے چھین لے تو اللہ کے سوا

ایسا اللہ کون ہے جو وہ اللہ کی چھینی ہوئی نعمتیں تمہیں واپس دے۔ جب نہیں تو پھر اس کا شریک کون ہو سکتا ہے۔ اور بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے تو اس عذاب سے بچانے والا اللہ کوئی ہے؟ آؤ ظالم نہ ہو۔ مشرک ظالم عذاب سے ہلاک ہوتے ہیں

اور اگر تمہیں یہ شبہ ہو کہ رسول ہو کر معجزہ کیوں نہیں دکھاتا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے کیونکہ پیغمبر بشیر و نذیر ہوتے ہیں الٰہ نہیں ہوتے۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ یہ رسول ہوتا تو دولتمند ہوتا تو یہ بھی ان کی غلط فہمی ہے کہ رسالت کو غنا لازم نہیں اور اگر یہ شبہ ہو کہ اگر یہ رسول ہے تو آئندہ کو ہمارے نفع و نقصان کی خبر دے تو یہ بھی ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ رسول غیب دان نہیں ہوتا اور اگر یہ شبہ ہو کہ رسول ہو کر کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا ہے تو یہ بھی غلط فہمی ہے کیونکہ نبی آخر انسان ہی ہے فرشتہ تو نہیں۔ اللہ کی وحی کردہ بات سن کر اس کی پیروی کرتا ہوں۔ پھر اگر کہیں کہ ہمارا اور اس کا فرق کیا ہوا سو فرق یہی ہے کہ رسول آنکھوں والا ہے اور تم اندھے۔ لہذا اندھے نہ بنو کچھ سوچ سمجھو۔ دین کی سمجھ حاصل کرو۔ بینائی والے منیب لوگ سمجھتے ہیں کہ مشرکوں کا کوئی حمایتی اور شفیع نہ ہوگا۔ آپ ان منیبوں کو تبلیغ کرتے رہو ان کو اپنے پاس سے دور نہ کرنا ان کے ساتھ کچھ آپ کا دنیوی تعلق تو ہے نہیں (نہ لینا نہ دینا) محض للہ آپ کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ بجائے دور ہٹانے کے ان کو اپنی طرف راغب کر اور کہہ کَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔۔۔

ایک قاعدہ ہے کہ ضعیف تو مسلمان ہوتے ہیں اور غنی کہتے ہیں أَهٰٓؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنۢ بَيْنِنَا۔ نیز ایک قاعدہ ہے کہ ہم آیات کھول کر بیان کر دیتے ہیں تاکہ توحید واضح ہو جائے اور مجرم مشرکوں کا رستہ کھل جائے یعنی شبہات

دور ہو جائیں۔ اور وحی کے ذریعے کہو کہ مجھے غیر اللہ کی پکار سے منع کیا گیا ہے۔
اب میں اگر تمہارے پیچھے چلوں تو میں کافر ہو جاؤں گا۔ یہ بات اللہ نے مجھ
پر ظاہر کر دی اور تم نہیں مانتے۔ میں کیا کر سکتا ہوں میرے ہاتھ میں کچھ
نہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں ہوتا، تو
کب کا فیصلہ ہو گیا ہوتا

تو جس طرح سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اسی طرح اللہ ہمہ دان بھی ہے
دیکھو رات کو وہی تم کو سلاتا ہے اور اس میں تمہیں کچھ خبر نہیں ہوتی اور
آئندہ دن کے کاموں کو بھی وہی جانتا ہے وھو القاہر فوق عبادہ اور
تمہارے اعمال کی حفاظت کے اسی نے محافظ فرشتے مقرر فرما دیے ہیں اور
جب تم پر موت آتی ہے تو ہمارے فرستادہ تمہاری جان قبض کرتے ہیں اور
تمہارے معبود تمہیں نہیں بچا سکتے پس معلوم ہوا کہ سب کچھ کرنے جاننے والا صرف
اللہ ہے (یعنی) دنیا میں بھی میں غالب ہوں سب کچھ میرے ہاتھ میں اور میرے
فرستادے تمہاری جان نکالتے ہیں پھر میرے ہی فرستادے تم کو پکڑ کر میرے
حضور پیش کریں گے کوئی دم نہ مار سکیگا

تم خود ہی بتلاؤ۔ دریاؤں اور جنگلوں کی سختیوں میں پھنس کر تم کس کو
بلایا کرتے ہو جو کہتے ہو لئن انجانا من ہذہ ۔۔۔۔ اللہ ہی کو بلاتے ہو ناں۔
پھر باہر نکل کر شرک کرنے لگ جاتے ہو۔ حالانکہ اسی کو قدرت ہے اوپر سے
عذاب بھیجے یا نیچے سے یا تم میں کئی فرقے کر کے لڑا دے۔ اب بھی نہ مانو گے تو
ہلاک کر دوں گا۔ مشرک لوگ یہ سچی بات نہیں مانتے تو آپ کہہ دیں کہ میں تم پر
داروغہ نہیں۔ ہر چیز کا وقت مقرر ہے تمہیں پتہ لگ جائے گا
نیز آپ اتنا کہہ دیں کہ جب مشرک ہماری آیات کا مذاق اڑائیں تو ان سے کنارہ

کر دیا ہے۔ پہلی کتب کی جو باتیں تم چھپاتے تھے اب اس پیغمبر نے آ کر وہ ظاہر کر دیں اور تمہاری طرف نور جیسی کتاب قرآن مجید بھیج دی۔ منیب اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور یہ کتاب صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ اس واسطے اس کو مان لو

جو حضرت عیسیٰؑ کو معروف کہہ کر پکارتے ہیں وہ کافر ہیں۔ کہو۔ اگر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو مع اس کی ماں اور جمیع من فی الارض کو ہلاک کر دے تو وہ اس پر قادر ہے۔ ہر چیز اللہ کے قبضے میں ہے نہ حضرت عیسیٰ کے۔ اور اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے نہ عیسیٰ۔ تخلیق اشیاء صرف اللہ کی صفت ہے نہ حضرت عیسیٰؑ کی

اور یہود و نصاریٰ کرتے تھے شرک اور پھر کہتے ہیں نحن ابناء اللہ و احباؤہ۔ پھر اللہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے سزا کیوں دیتا ہے؟ تم ابناء اللہ نہیں ہو بلکہ تم بھی دوسری مخلوق کی طرح ہو

اے اہل کتاب! تم تو غنیمت سمجھو کہ تم کو مدت کے بعد تم کو رسول کی صحبت نصیب ہوئی۔ اب لگے ہو پیچھے کرتوت کرنے۔ اب بھی باز آ جاؤ تو مسلمان ہو کر عذاب سے بچو۔

موسیٰ بولے! عمالیق کفار کے ساتھ جہاد کرو اب پیچھے مت بیٹھو۔
دیکھو یہود جہاد نہ کرنے کی وجہ سے چالیس سال تک بیت المقدس سے محروم رہے۔ ابلیس کی طرح کافروں کے مقابلے میں پیچھے کر کے نہ بیٹھو۔ ورنہ ابلیس کی طرح مارے جاؤ گے۔ جو عذاب شاتم رسول صاحبی کو قتل کرے اس کو قتل کر دو۔ اگر قتل بھی کرے اور مال بھی لے تو اسے سولی دو۔ اگر صرف مال لوٹے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹو۔ اگر صرف ڈراوے تو اسے جلا وطن کر دو۔ غرضیکہ

کریں اور قرآن کے ساتھ نصیحت کرتے رہیے کہ سب کچھ کرنے جاننے والا غرض
اللہ ہے اسی کو پکارو۔ یہی ہدایت ہے اگر اس دعوی پر محکم رہو
تو اب تک اس سورۃ انعام کی گذشتہ آیات کا یہی خلاصہ نکلا کہ سب کا
خالق وہی ہے ایک ارادہ کن سے چیز ہو جاتی ہے۔ اس کا کہنا اور کہنے کے
مطابق ہو جانا یہ ظاہر بات ہے۔ پھر قیامت کے دن بھی وہی متصرف ہے غرض
سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
تمہارا جد ابراہیم اور باقی سب انبیاء اسی ہدایت پر تھے فبھدٰھم اقتدہ
سب نے غیر کی عبادت سے روکا۔ یہ رسول بھی وہی بتا رہا ہے مگر
تعجب کا مقام ہے کہ انہوں نے اللہ کی اس نعمت عظمٰی ارسال رسول کی کچھ قدر
نہیں جو یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی شے نہیں اتاری۔ بھلا یہ
بتائیں کہ موسیٰ پہ کتاب کس نے اتاری ؟
اور قرآن کا دعوی بھی پہلے انبیاء سے موافق ہے لہٰذا اب تو مان لو مگر تعجب کا
مقام ہے کہ باوجود قرآن آنے کے شرک کرتے ہیں اور بعض خبیث ایسے ہیں
کہ وحی ان کے پاس آتی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں وحی ہوئی اور کوئی خبیث
کہتا ہے کہ اس قرآن کی مثل میں بنا سکتا ہے۔ ایسے خبیثوں کی روح بُری
طرح نکالی جائے گی اور کہا جائے گا کہ نکالو اپنی جان۔ اور بلاؤ اپنے باپوں
اور شرکاء کو تاکہ وہ تمہیں چھڑائیں۔ اور قیامت کے دن بھی ان کو کوئی سفارشی
ع نہ چھڑا سکیں گے
پھر سنو بیج اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہی ہے جلاتا مارتا بھی وہی ہے صبح
کی روشنی پھاڑ نکالنے والا بھی وہی ہے رات دن سورج چاند ستارے کس
نے بنائے بارش وہی برساتا ہے جس کے ذریعے وہی میوے نکالتا ہے جب سب

کچھ وہی کرتا ہے تو مقام تعجب ہے کہ لوگوں نے جنوں کو شرکار بنا لیا یعنی ان کے
وسوسے ڈالنے کی وجہ سے کسی کو بیٹوں کی طرح پیارا بنا لیا اور کسی کو بیٹیوں کی
طرح پیارا بنا لیا۔ اللہ تو ایسی باتوں سے پاک ہے۔ وہ تو آسمان کا موجد ہے
اس کی اولاد کیوں کر ہو سکتی ہے جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں اور تم بھی تسلیم
کرتے ہو۔ وہ تو ہر کن بھی ہے اور ہمہ داں بھی تو پھر اسی کو پکارو ناں

یاد رکھو حقیقت خدا کو کوئی ادراک نہیں کر سکتا

ہم آیات کو بار بار اس واسطے بیان کرتے ہیں تا کہ معاند طعن نہ کریں کہ کہیں
سے پڑھ کے آیا ہے اور تا کہ منیب تسلیم کریں

اے نبی اس دعوٰی وحی کو بیان کرتا رہ یعنی لا الٰہ الا اللہ۔ مشرکوں کی پروا
نہ کر۔ اور مجبوری کا ایمان منظور نہیں اس لیے آپ تبلیغ کرتے رہیں اور تبلیغ
کا طریقہ یہ ہو کہ مشرکین کے پیروں کو گالی نہ دو مسئلہ دلائل حسنہ سے سنا دو
کوئی مانے یا نہ مانے یہ تو ہیں ڈھیٹھ ان کو ہزار معجزے دکھاؤ یہ مانیں گے اس
لیے کہ ان پہ مہر جباریت لگ چکی ہے

اور موحدین کے ساتھ تو ہمیشہ سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔ یہ شیطان جن و انس
مبلغ توحید کے خلاف مشورے دیتے رہتے ہیں تا کہ عوام کو حق سے پھسلائیں

اے نبی آپ ان سے فرما دیں کہ اس مفصل کتاب کو چھوڑ کر غیر کو حکم بنانے
کا کام میں تو ہرگز نہیں کروں گا پھر خود اہل کتاب کے مولوی بھی معلوم کرچکے
ہیں کہ یہ قرآن واقعی برحق منزل من اللہ ہے۔ یہ کامل درجہ کی صادق و عادلانہ
بات ہے کہ سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے۔ یہی دعوی ہے اور یہ مشرک
محض ظن کے تابع ہیں اللہ انہیں خوب جانتا ہے انہیں سزا دے گا۔

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی کہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہے پھر اسی اللہ

کے نام پر ذبح کی ہوئی چیزیں کھاؤ اور تحریمات غیر اللہ کو توڑ دو۔ البتہ جو چیزیں ہیں نے حرام کی ہیں خصوصًا نذر غیر اللہ سو اس سے بچو یعنی جس پہ اللہ کا نام نہ لیا جائے یعنی اللہ کے نام پر مشہور نہ کیا جائے یا بوقت ذبح قصدًا اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس سے بچو۔ اور غیر کی نیاز شیطان کرواتا ہے اور اپنے تابعین کے دلوں میں اس کو حلال بتاتا ہے ان شیطانوں کی مانو گے تو مشرک ہو گے اور مومن و مشرک کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور ہر بستی کے مشرک سردار اہل توحید کی مخالفت ہی کرتے آئے ہیں اور جب ان کو معجزے بھی دکھاتے ہیں تو صاف انکار کرتے ہیں۔ اچھا! اگر نہیں مانتے تو نہ مانیں اللہ تعالیٰ تو آپ کی رسالت کو جانتا ہے۔ یہ منکرین قیامت کے دن خوب ذلیل ہوں گے اور ان کو سخت مار پڑے گی۔

اور یہ نذر کا مسئلہ منیب ہی سمجھ سکتا ہے اور مانتا ہے اور معاند نہیں مانتا اور نہ اس کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور یہ طریقہ کہ سب کچھ کرنا جاننا صرف اللہ کی صفت ہے اور نذر اللہ کی حلال اور پیروں کی نیاز حرام ہے یہی ہے صراط مستقیم۔ جو مان جائے بہشتی ہے اور جو نہ مانے وہ دوزخی ہے۔ منکروں ع کو قیامت کے دن کہا جائیگا کیا مسئلہ بتانے والے دنیا میں تمہارے پاس نہ آئے تھے۔ تو کہیں گے ہاں آئے۔ ہم نے مان لیا ہم قصور وار رہے۔ اس دن یہ کہیں گے کہ واقعی ہم کافر تھے

یہ کافر ہیں کہ کھیتی مواشی پیدا تو اللہ نے کیے مگر انہوں نے معبودان باطلہ کے حصے بھی ان میں مقرر کر کے تقسیم بنا رکھی ہے کہ یہ اللہ کی نیاز اور یہ پیر کی نیاز۔ بہر ان مشرکین کے لیے ان کے مزعومہ شرکاء نے قتل اولاد کی رسم مزین کر دکھائی تاکہ ہلاک ہوں اور ان کا دین خلط ملط ہو

پھر کھیتی مواشی اپنے زعم میں حرام الاکل سمجھ لیتے ہیں اور بعض مواشی
پر افترائی طور پر اللہ کا نام نہیں لیتے بعض مواشی صرف عورتوں پر
حرام اور سب کے لیے حلال۔ یہ سب ان کے خرافات ہیں
ع
باغات، کھجوریں، کھیتی زیتون انار۔ پیدا خدا نے کیے کہ کھاؤ اور اللہ کا حق
نکالو اور غیراللہ کا حق نکال کر حد سے نہ بڑھو اسی طرح چھوٹے بڑے چوپائے
بھی مگر انھوں نے پیروں کی نیازیں شروع کر دیں اور بعض چیزیں حرام سمجھ لیں
ع شیطان کا کہنا نہ مانو۔ اللہ نے بحیرہ سائبہ وغیرہ حرام نہیں کیے ہیں۔ اللہ نے
تو مردار بہتا خون خنزیر اور نذر غیراللہ حرام کیے ہیں یہ وحی کے ذریعے حرام
ہیں عقلی دلیل سے حرمت نہیں بن سکتی
اگر اب کوئی پوچھے کہ بعض حلال چیزیں یہود پر حرام نہ ہوئی تھیں تو یہ سائل
کی غلط فہمی ہے کیونکہ ہم نے ان کی شرارت کی وجہ سے بعض حلال چیزیں ان
پر حرام کی تھیں یہ سچ ہے پھر بھی ۔۔۔ یں تو ان سے کہہ دو کہ رب مہربان تو ہے
مگر اس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے
دلائل سے ہٹ کر مشرک کہتے ہیں کہ ہمارے مشرکانہ کاموں پر اللہ تعالیٰ
راضی نہ ہوتا تو ہم اور ہمارے آباؤ اجداد ایسے کام کرتے ہی کیوں؟ تو ہمارا کرنا
ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے۔ سو یہ ان کا وہم ہے
کیونکہ پہلی امتیں شرک اور تحلیل حرام و تحریم حلال کی وجہ سے معذب ہوئیں اگر
اللہ ان پر راضی ہوتا تو ان کو عذاب کیوں دیتا۔ دوسرے اگر شرک پر اللہ
کی رضا کا کوئی ثبوت اور سند ہے تو پیش کر دو۔ یونہی انکلیں نہ کر دو۔ تیسرے
اگر شرک مشیت الٰہی سے ہے تو تعذیب بھی مشیت الٰہی سے ہے۔ اور چوتھے یہ کہ
یہود اپنے مولوی بلالیں وہ اپنی کتاب سے ثابت کریں کہ یہ چیزیں اللہ نے حرام

ع کہیں۔ یا اور کہو جس چیز کو تم اپنے زعم میں حرام سمجھتے ہو وہ حرام نہیں ہیں۔ آؤ
میں تم کو حرام بتاؤں۔ سنو حرام یہ ہیں۔ شرک۔ والدین کا عقوق۔ بھوک کے خوف
سے اولاد کا قتل۔ فواحش۔ ناحق قتل۔ یتیموں کا مال کھانا۔ کم تولنا۔ سچی گواہی
نہ دینا۔ عہد شکنی۔ یہ ہے میری صراط مستقیم اس پر چلو۔ اور تورات میں بھی یہی
مسئلہ ہے کہ نیاز غیر اللہ کی حرام ہے اور بندوں کے حرام کرنے سے حلال چیز
حرام نہیں ہو جاتی۔ اور یہ قرآن بھی اسی کے موافق کہتا ہے کہ غیر کی نیاز حرام
اور غیروں کے حصے ماننے اور تحریم حلال و تحلیل حرام سب شرک ہیں

ایسے واضح بیان کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو کیا وہ اس انتظار میں بیٹھا ہے
کہ اس کے پاس فرشتے آئیں یا رب کا عذاب یا اور کوئی خارق عادت معجزہ
جو دین میں تفرقہ بازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے نمٹ لے گا۔

الحاصل کوئی مانے یا نہ مانے آپ ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تو
صراط مستقیم یعنی دین ابراہیم کی سمجھ دی ہے۔ اور وہ دین ابراہیم یہ ہے
کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ میرا نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے میں اسی کو پکاروں گا
اور اسی کی نذر و نیاز دوں گا۔ وہی ہے سب کچھ کرنے والا۔ مطلب یہ ہے
کہ شرک نہ اعتقادی کرو نہ عملی۔ ابراہیمؑ اعتقاداً و عملاً حنیف تھے۔

مختصر خلاصہ یہ ہوا ساری سورہ انعام کا اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو۔ کسی
پیر فقیر کے نام کی نذر و نیاز نہ دو۔ خواہ جانور ہو یا غلہ یا دودھ مٹھائی یا درہم
و دینار۔ یہ شرک اور حرام ہے یہی مسئلہ ابراہیم اور باقی انبیا بیان کر گئے ہیں

سورۃ الاعراف

انعام میں نفی شرک فی التصرف کے دلائل عقلیہ تفصیلاً اور دلیل نقلی ابراہیم سے تفصیلاً اور باقی انبیاء سے اجمالاً بیان ہوئے۔ اب اعراف میں باقی انبیاء سے تفصیل کے ساتھ دلائل نقلیہ بیان ہوں گے۔

نیز انعام میں نفی شرک فعلی کے متعلق تحریمات غیر اللہ و نذر غیر اللہ کو با تفصیل بیان کیا گیا۔ اعراف میں تحریمات العباد کی چند باقی ماندہ صورتیں بطور تتمہ و متعلقات کے بیان کیا جائے گا۔

نیز انعام میں مسئلہ سمجھایا اب اعراف میں کہا جب مسئلہ سمجھ چکے ہو اب بہادر ہو کر مردانہ یہ مسئلہ دوسروں تک پہنچاؤ مصائب کا خیال نہ کرنا۔ انبیاء سابقین کی طرح مصائب برداشت کرنا۔ چنانچہ فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے میرے محبوبؐ! مسئلہ توحید کا مرد ہو کر سمجھاؤ۔ یہ کتاب آپ کی رنج کشی کے لیے نہیں اتری بلکہ تبلیغ کے لیے اتری۔ اگر مسئلہ پیش کرنے میں کوئی تکلیف بھی آجائے تو دل تنگ نہ ہونا کیونکہ یہ بڑے بادشاہ کا حکم ہے اور مرد ہو کر یہ بات کہدو کہ ایک اللہ کا حکم مان لو شیطان کے تابع نہ بنو ما انزل الیکم کے تابع بنو تحریمات خود ساختہ نہ کرو۔ جو شیطان کی تبع ہوتے ہیں وہ دنیا میں بھی خوار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی معذب ہونگے لہٰذا اللہ کے حکم کے تابع بنو اولیاء الشیطان کے تابع ہو کر بحیرہ وغیرہ کی

تحریم نہ کرو۔ ننگے طواف کرنا یہ عبادت تم نے کہاں سے افتراء کر لی ہے
یہ ننگا ہونا تو بطور تنبیہ کے تھا جو تمہارے باپ آدمؑ کے ساتھ معاملہ کیا ع
گیا وہ بھی اس وقت جب ان سے قصور ہوا۔ تو اب ننگا ہونا تقوے
کے موجب کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ لباس پہننا موجب تقویٰ ہے۔
شیطان تمہارا جدی پشتی دشمن ہے تم اس کے تابع کیوں ہوتے ہو۔
تمام تعجب ہے کہ جب مجالس میں ننگے بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کیا کریں اللہ نے
اسی طرح حکم دیا ہے۔ دیکھو خدا تو ایسی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیوں غلط
بات کرتے ہو وہ تو توحید کا حکم دیتا ہے یعنی بیت اللہ کی طرف منہ کر کے صرف
اللہ کو پکارو اور ہر عبادت کے وقت لباس پہنو اور تحریمات خود ساختہ نہ کرو۔
یہ لباس اور طیبات حلال ہیں پہنو اور کھاؤ۔ ہاں فواحش اور حکم شرع کی مخالفت
اور ظلم ناحق خالص شرک یہ ہیں حرام! ان کو ضرور حرام سمجھو۔

پہلے لوگ نافرمانی کر کے تباہ ہوئے تم نافرمان نہ ہو ورنہ تم بھی ان کی طرح
تباہ ہو جاؤ گے۔ دیکھو عہد لیتے وقت آدم سے کہا گیا تھا کہ بہشت میں وہ
جائے گا جو اس کی اتباع کرے گا لہٰذا شیطان کے تابع نہ ہو۔ رسول کے تابع ہو۔
اور جو شرک کرتا ہے وہ شیطان کے تابع ہے وہ موت کے وقت فرشتوں کے پوچھنے
پر کہ این ما کنتم تدعون من دون اللہ جواب دیں گے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے اور
مشرک مرید مشرک پیروں کو دیکھ کر کہیں گے کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا انہیں دگنی
سزا دے۔ اللہ فرمائے گا ہر فریق کو دگنی سزا ہے۔ اس لیے آؤ اب ما انزل کے
تابع ہو شیطان کے تابع نہ ہو۔ کیونکہ اولیاء شیطان کے متبعین کا جنت میں داخل ہونا
اس طرح محال ہے جس طرح سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا نکلنا۔ اور جو ما انزل
کے تابع ہیں وہ جنت میں جائیں گے ان کو کہا جائے گا یہ جنت ہے تمہیں جنت

کے بیلے میں ملی ہے وہاں بہشتیوں دوزخیوں کا مکالمہ ہوگا اور ایک اعراف والے بھی ہوں گے جو آخر کار جنت میں جائیں گے۔

پس ہم نے کتاب بھیج کر خوب تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ نذر غیر اللہ کے نام کی نہ مانو۔ بندے حرام نہیں کر سکتے۔ اور روز قیامت نہ ماننے والوں کا انجام و یدنی ہوگا وہاں کہیں گے ہائے اب ہے کوئی ہماری سفارش کرنے والا۔ یا کیا صورت ہے کہ واپس دنیا میں جا کر توحید والے کام کریں اور شرک چھوڑ دیں۔ تو اس رونے سے یہ اچھا ہے کہ ما انزل کی اتباع کرو ع

دیکھو زمین و آسمان اللہ نے بنائے پھر تخت شاہی پر آپ ہی قائم ہے۔ کسی کے حوالے کچھ نہیں کیا۔ وہی رات کو چھوٹا بڑا کرتا ہے۔ چاند سورج ستارے اسی نے بنائے۔ الحاصل سب کچھ کرنے والا رب العلمین ہے پھر برکات دہندہ بھی وہی ہے۔ جب یہ باتیں مسلم ہیں تو پھر اسی کو پکارو۔ غیروں کا پکارنا فساد ہے فساد مت کرو بلکہ امید و بیم ہر حال میں اسی کو پکارو۔ بارشیں وہی برساتا ہے تمام پھل وہی نکالتا ہے جب سب کچھ وہی کرتا ہے تو اسی کو پکارو۔ منیب بنو اور ع معاند نہ بنو۔

دیکھو نوحؑ نے اپنی قوم کے سامنے یہی دعویٰ پیش کیا۔ مگر قوم نے نہ مانا۔ تم بھی نہ مانو گے تو تباہ کر دونگا ع آخر ہم نے ان کو تباہ کیا اور نوح و من معہ کو بچا لیا
ہودؑ نے بھی اپنی قوم کے سامنے یہی دعویٰ رکھا۔ اس قوم نے نہ مانا تباہ ہوئی ع
صالحؑ نے بھی اپنی قوم کے سامنے یہی دعویٰ رکھا۔ یہ قوم بھی نہ مانی۔ تباہ ہوئی
لوطؑ کی قوم شرک کے ساتھ ساتھ بدکاری کی مرتکب تھی جس سے لوطؑ نے روکا ع وہ باز نہ آئی۔ ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ تم بھی اگر شرک فعلی سے باز نہ آئے تو ہلاک ہو گے
شعیبؑ کی قوم میں شرک اعتقادی و فعلی دونوں تھے جن سے شعیبؑ نے

روکا۔ وہ باز نہ آئے۔ ہم نے انہیں بھی ہلاک کر دیا۔ اگر تم بھی باز نہ آئے تو تمہیں بھی ہلاک کر دیا جائے گا ع

قصہ کوتاہ یہ ہے کہ ہم نے تمام انبیاءؑ کو یہی مسئلہ دے کر بھیجا۔ مگر قوموں نے نہ مانا۔ پھر ہم نے ان کو تنگدستیوں اور بیماریوں میں مبتلا کیا تاکہ کسی طرح مسلمان ہوں۔ پھر تنگدستیوں اور بیماریوں کے بعد ہم نے ان پر نعمتوں کی بھرمار کر دی بطور استدراج کے۔ پھر جب وہ ہلاک ہونے کے لائق ہو گئے تو ہم نے ان کو دفعۃً گرفت میں لے لیا۔ اگر وہ مسلمان ہو لیتے اور شرک سے باز آجاتے تو ہم ان کو ہلاک نہ کرتے بلکہ ان پر آسمان زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو آؤ مسئلہ مان لو۔ ورنہ پہلے لوگوں کی طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔ ع

پہلے پیغمبروں کے حالات جو اس اُمّی نے تم کو حق حق سنا دیئے ہیں تو اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ سچا پیغمبر ہے۔ اگر یہ لوگ اس سچے پیغمبر کی نہ مانیں گے اور شرک سے باز نہ آئیں گے تو پہلے مکذبینِ توحید کی طرح یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے

اے میرے محبوب! تو نفی شرک کرتا رہ اور مرد ہو کر دلیری کر یہ مسئلہ پہنچا مصائب آئیں تو برداشت کر۔ دیکھ موسیٰؑ نے اسی مسئلہ کے پہنچانے میں کس قدر بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کیں پہلے فرعون کے ساتھ مقابلہ کیا پھر فرعونیوں کو چھوٹے چھوٹے عذاب دے کر پکڑا کہ کہیں نصیحت پکڑیں مگر پھر بھی انہوں نے نہ مانا۔ تو پکڑ کر سمندر میں غرق کر دیا۔ ع

اس کے بعد موسیٰؑ کو خود اپنی قوم سے مقابلہ کرنا پڑا ایک مقابلہ تو یوں ہوا کہ جب بنی اسرائیل سمندر پار پہنچے تو ایک مشرک قوم کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ان کی طرح ہمارے لیے بھی ایک بت بنا دے

اس کے بعد جب موسیٰؑ تورات لینے گئے تو بعد میں بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کردی

اور پھر جب موسیٰؑ اپنی قوم کے ستر مرد میقات پر لے گئے تو انہوں نے گستاخانہ سوال کیا جس کی پاداش میں ان کو وہیں ہلاک کر دیا گیا۔ موسیٰ نے دعا مانگی ربا! تو چاہتا تو یہاں آنے سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک کر دیتا ہماری دستگیری فرما بخشش دے اور دنیا وعقبیٰ کی بہتری ہمارے لئے لکھ دے۔ تو اللہ نے فرمایا میرا عذاب بڑا ہے جس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا اور میری رحمت اس سے بھی وسیع تر ہے مگر وہ ان کا ہی ہوگا جو ایمان لائے گا اور میرے آنے والے نبی امی کی اتباع کرے گا اور اس کی مدد کرے گا اور اس پر منزل قرآن کی اتباع کرے گا وہی فلاح پاکر جنت جائے گا۔ اور وہ رسول یہی تو ہے جو آپ میں رہتا ہے جس کی صفات موسیٰؑ نے بیان کی تھیں۔ ع

اے نبیؐ اعلان کردو اس طرح کر اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے تصرف میں سب کچھ ہے۔ مجھے مان لو۔ میری مخالفت نہ کرو۔ لیکن مقام تعجب ہے کہ اکثر یہود اس رسول کی مخالفت ہوئے کیا انہیں ڈر نہیں لگتا کہ ان کے ساتھ وہ کردوں جو ان کے اسلاف کے ساتھ ہوا۔ ان کے آباؤ اجداد کو ہم نے من وسلویٰ جیسی نعمتیں اتار دی تھیں لیکن ان کی سرکشی کرنے کی وجہ سے وہ چھین لیں۔ پھر ہم نے کہا تھا جہاد کر کے بیت المقدس میں داخل ہو وہ انہوں نے وہاں بھی نافرمانی کی تھی تو ہم نے اوپر ع
سے عذاب اتارا۔ فکر نہیں کرتے کہ سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کا کیا حال ہوا؟ نافرمانی کی وجہ سے بندر بن گئے تھے

پھر ان کے بعد ایسے گندے گدی نشین یہود ہوئے جو رشوت لیتے اور تائب

ہوتے تھے مگر باوجود اس جرم عظیم کے کہتے تھے کہ ہم بخش دیے جائیں گے
۱ اتنا نہیں سوچتے کہ اگر یہی بات ہوتی تو ہم ان سے میثاق الکتاب کیوں لیتے
کہ خبردار خلافِ شرع و خلافِ حق ہرگز کوئی کام نہ کرنا
ع ۲ نیز اگر یہی بات ہوتی تو اخذ عہد کے وقت تمہارے سروں پر پہاڑ کیوں اٹھاتے
۳ نیز اگر یہی بات ہوتی تو عالم ارواح میں تم سے الست بربکم کا عہد کیوں لیتے
۴ نیز اگر یہی بات ہوتی تو بلعم باعور کو ہانپنے والے کتے کی طرح کیوں کرتے
بس بات یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر اللہ ہی کے حضور عجز و
انابت کرنی چاہیے اللہ کے حکم کی مخالفت نہ کرنی چاہیے کہ کہیں گمراہ ہو جائیں
بہرحال ما انزل کے تابع ہو و تحریفات خود ساختہ نہ کرو ورنہ انجام جہنم
ہوگا اور وہ ایسے لوگ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں جو عقل
و شعور کے ہوتے ہوئے ننگے طواف کرنے سے ذرا نہیں شرماتے
او یہود و نصاریٰ و کفار عرب عزیرؑ عیسیٰؑ مریمؑ لات عزیٰ وغیرہ کو مت
پکارو۔ لائق پکار کے صرف اللہ ہے اسی کو پکارو اس کے سوا کوئی کارساز و
غیب دان نہیں اور ایسے لوگوں سے بائیکاٹ کرو جو اللہ کے ناموں میں الحاد
و کجروی کرتے ہیں یعنی اللہ کے ناموں کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر
ع پکارتے ہیں یا اللہ کے مخصوص نام دوسروں پر اطلاق کرتے ہیں
میرے پیغمبر مسئلہ توحید بتاتے ہیں تو یہ لوگ انہیں مجنون بتاتے ہیں۔ اتنا
نہیں سوچتے کہ آسمان زمین کی بادشاہی اور یہ سب کارسازی اس بات کی دلیل
ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے پھر تعجب کا مقام ہے کہ جو بات تسلیم کرتے
کی ہے وہ تو تسلیم کرتے نہیں۔ الٹا ضد میں آکر پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئیگی
آپ صاف فرمادیں کہ قیامت کا وقت تو خاص اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ قیامت کا

وقت معلوم کرنا تو رہا ایک طرف خود میں اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں، اور نہ اپنے لیے آنے والے خیر و شر کو جانتا ہوں

جب اللہ کے سوا کسی کو کل شے کا علم نہیں اور نیز کل پر کسی ماسوا اللہ کو قدرت بھی نہیں تو نتیجہ ٹوکہ نذر غیر اللہ بھی حرام ہے اور اللہ کے سوا کسی کو متصرف سمجھ کر غائبانہ مافوق الاسباب پکارنا بھی حرام ہے۔ اور اللہ کی چیزیں جو حلال ہیں ان کو حرام سمجھنے والے شیطان کے ساتھی ہیں۔ میں تو قرآن کا تابع ہوں تم بھی قرآن چپ کر کے غور سے سنو تاکہ مسئلہ کی حقانیت سمجھو اور پھر تم پر رحمتیں ہوں گی اور وہ مسئلہ یہی ہے کہ صرف اللہ کو اپنی حاجات میں پکارا کرو اور کبھی بھی اس سے غافل نہ ہو مشرکین مسئلہ توحید سے چڑ کر اور دلائل سے عاجز آکر تم سے جنگ کریں گے تم سینہ سپر ہو کر کفار سے لڑو۔ اور بصورت فتح جو تمہیں غنیمت کا مال ملے وہ موافق حکم اللہ کے تقسیم کرو۔ اس میں اپنی مرضی کو شامل نہ کرو تاکہ تمہارا نظم و نسق قائم رہے اس کے لیے سورۂ انفال کا مطالعہ کرو۔

سورۃ الانفال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مال غنیمت ہے تو اللہ کا اور رسول اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کرے گا رسول جس طرح وہ تقسیم کرے گا تم اسی پر خوش ہو جاؤ اور اطاعت شعار بنو۔ کیونکہ مومن ہوتا ہی وہ ہے جو رسول کی اطاعت کیے جائے۔

وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو طائفوں میں سے ایک پر تم غالب ہو جاؤ گے اور تم چاہتے تھے تاجر طائفہ پر غالب ہونا نہ کہ محارب طائفہ پر۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری ملاقات محارب طائفہ سے کرا دی اور پھر تم کو ملائکہ امداد کے لیے بھیج کر غالب کر دیا۔ اور لڑائی میں تمہاری تسلی کیلیے

تم نیند طاری کر دی۔ پھر کفار کو قتل بھی اللہ ہی نے کیا نہ تم نے جب قتل اللہ نے کیا تو انفال بھی اللہ کی ہوں گی نہ تمہاری۔

پس انفال کے بارے اللہ کا جو حکم ہو وہ مانو۔ اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ ایک خمس اللہ کا ہے اور چار خمس غانمین کے اگر تمہیں اس بات کا یقین ہے جو بدر کے دن اللہ نے اپنے بندوں پر ظاہر فرمائی تھی یعنی کفار اچانک عدوۃ القصویٰ پر آ گئے اور ابوسفیان کا قافلہ دریا کے راستے چلا گیا۔ اور اللہ نے تمہیں وہ کفار تھوڑے دکھائے اور کفار کو تمہاری تعداد کم دکھائی پس تم کو چاہیے کہ اللہ و رسول اللہ کی اطاعت کرو اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو بلکہ اتفاق پیدا کر کے مشرکین کے ساتھ جہاد کرو وہ بھی محض اللہ کی رضا کے لیے۔ نہ ریا کے لیے جہاد کرو۔ ورنہ بزدل ہو جاؤ گے۔ منافقوں اور بجاے عقیدہ والوں کی پرستش ان کو سزا دوں گا۔ اے نبی تمہیں اور تمہارے متبعین مومنین کو اللہ کافی ہے مدد دینے کو اس لیے مومنوں کو جہاد کی ترغیب دو کفار کے مقابلہ میں اگر تمہاری تعداد کم بھی ہو اللہ تم کو مدد دے گا اور جہاد ضرور کرو تا کہ کوئی کافر مومنوں کو ایمان سے نہ روک سکے

جہاد کے قانون سیکھو ایک قانون یہ ہے کہ کفار سے بھاگا نہ کرو۔ اور جو بھاگے گا وہ مغضوب ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اللہ و رسول اللہ کی اطاعت کرو اور غنائم میں مت جھگڑو ورنہ اللہ ایمان کی توفیق چھین لے گا۔ تیسرا یہ اللہ و رسول جو بھی بلائیں فوراً مانو۔ چوتھا یہ کہ مکہ میں کفار کے مکر سے اللہ ہی نے تمہیں چھڑایا تھا اس لیے اللہ ہی پر توکل کر کے جہاد کرو۔ پانچواں یہ کہ مال کی رعایت کرتے ہوئے امر رسول کی خلاف ورزی کر کے اجر عظیم کو فوت نہ کر بیٹھنا۔ بلکہ رسول کی تابعداری کرتے رہو

انفال میں تھا جہاد کے لیے قوانین سیکھ لو اور غنائم کی تقسیم میں نزاع ع
نہ کرنا۔ اب براءۃ میں مقصود ہے اعلانِ جہاد

سورۃ التوبۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جن جن مشرکین نے عہد توڑا ہے ان کی طرف براءت نامہ بھیج دو اور یہ
کہہ دو کہ ہمارا تمہارے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں رہا۔ چار ماہ تک مہلت
ہے تم کو۔ پھر حج اکبر کے دن بھی اعلان کیا جائے کہ ہمارا تمہارے ساتھ
کوئی معاہدہ نہیں۔ اور آیندہ سال کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئیگا
جنہوں نے اپنا عہد نہیں توڑا ان کو کچھ نہ کہو اور جنہوں نے عہد توڑا ع
ہے ان کا اب کوئی عہد نہیں۔ کیونکہ وہ تمہارے سخت دشمن ہیں ان کے
ساتھ جہاد کرو۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ پہلے انہوں نے عہد توڑا ہے
اور الرسول کو گھر سے نکالنے کا ارادہ کیا اور لڑائی کی ابتداء بھی ان ہی
کی طرف سے ہوئی۔ پھر ان سے ڈرو مت۔ بلکہ ان کو مارو۔ اور ان کے ع
اعمال صالحہ اور قرابت کا بھی اب لحاظ مت کرو۔ بلکہ جہاد کرو۔ تو جس ع
طرح اللہ تعالیٰ نے مواطنِ کثیرہ میں تمہیں مدد دی ہے اسی طرح اب بھی تمہیں
مدد دے گا۔ یہ مشرک پلید ہیں۔ آیندہ سال ان کو حج نہ کرنے دو۔
اہلِ کتاب کے ساتھ بھی جہاد کرو کیونکہ یہ مومن نہیں اور اللہ کے حراموں
کو حرام نہیں سمجھتے اور دینِ حق کو قبول نہیں کرتے۔ ہاں اگر جزیہ قبول کرلیں ع
تو پھر ان کو کچھ نہ کہو۔ دوسری وجہ ان سے لڑنے کی یہ ہے کہ عزیرؑ و عیسیٰؑ کو
متصرف فی الامور سمجھتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عزیرؑ و عیسیٰؑ کے علاوہ بھی اپنے
مولویوں اور پیروں کو متصرف سمجھتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دینِ حق کو عرض

اعتراض کر کے نابود کرنا چاہتے ہیں۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ ان یہود کے احبار و رہبان کتمان حق کر کے لوگوں سے حرام مال وصول کر کے کھاتے ہیں۔ اور دین حق سے انہیں روکتے ہیں۔ پس ایسے پلیدوں سے جہاد کرو۔ مال بھی خرچ کرو۔ بارہ ماہ میں سے گو چار ماہ حرمت والے ہیں پھر بھی ان میں مشرکین کے ساتھ جہاد کرو۔ آپس میں نہ لڑو۔ بہت بڑا گناہ ہے

چھٹی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی لڑائیوں کا جواز نکالنے کے لیے محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیتے ہیں۔ بہت بڑے کافر ہیں۔

ع

جہاد کرنے کے لیے کہا جائے تو فوراً نکل کھڑے ہو۔ رسول کی مدد

ع کرو۔ منافق نہ بنو۔ آپؐ نے (اے نبیؐ) جو ان منافقین کو رخصت دی، سو رخصت نہ دینی چاہیے تھی امتیاز کرنا تھا۔ اور رخصت منافق ہی مانگتے ہیں۔ اللہ نے ان کی فسادنیت کی وجہ سے ان کو جہاد کی طرف نکلنے ہی نہیں دیا۔ یہ منافق کئی طرح کے ہیں بعض تو وقوع فتنہ کا بہانہ کر کے جہاد سے جان چھڑاتے ہیں۔ بعض نبیؐ پر غلط تقسیم کا اعتراض کرتے ہیں۔ بعض نبیؐ کو کان کا کچا کہتے ہیں۔ اور پھر یہ سب اتنے خبیث ہیں کہ شرک کی تبلیغ

ع کرتے ہیں اور توحید سے روکتے ہیں اور مال خرچ نہیں کرتے۔ ان کے لیے

ع جہنم تیار ہے۔ اقوام سابقہ کی طرح ان کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔ اور بعض وہ ہیں جو رسول کے خلاف اس کی شہادت کے مشورے کر کے پھر جھوٹی قسمیں بھی کھا جاتے ہیں اللہ ان مشوروں میں ان کو کامیاب نہ کرے گا۔

ع

پیغمبر کی دعا سے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے رزق دیا اور مالدار بنایا۔ پھر یہ حرکت؟ بعض ایسے ہیں کہ ایفاء عہد کا وعدہ کر کے اعراض کر لیا ان کے دلوں میں نفاق ڈالا گیا۔ منفقین فی سبیل اللہ پر طعن کرتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں۔ ایسے

خلاصہ توبہ

ز لوگوں کی نماز جنازہ اگر ۷۰ بار بھی پڑھو گے پھر بھی بخشش کے قابل نہیں ہیں
کیوں کہ یہ کافر ہیں ع

بعض وہ ہیں جو پیغمبر کے ہمراہ جہاد پر نہ جاکر مخالفت کرتے ہیں اور خوش
ہیں کہ مال و جان کو بچائے بیٹھے ہیں۔ گرمی برداشت نہیں کر سکتے۔ ایسوں کو
کسی موقع پر اپنے ہمراہ نہ لے جانا۔ اور ان منافقوں سے بائیکاٹ کر دو۔
ان میں سے بعض اہل ثروت ہیں تو جب ان کو حکم سنایا جاتا ہے تو جہاد
سے جی چراتے ہیں اور گھروں میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ ان پر مہر جباریت
لگ چکی ہے ع

اور ان میں سے بعض جھوٹے بہانے بناتے ہیں تاکہ جہاد پر نہ جانا پڑے۔
اور ان میں سے گنوار ہیں جو سخت منکر اور منافق ہیں۔ اور بعض گنوار
خرچ کرنا چٹی سمجھتے ہیں اور تم پر بری گردش آنے کی تاک میں ہیں۔ البتہ
بعض گنوار مومن بھی ہیں جو خرچ کو باعث قرب الٰہی سمجھتے ہیں اور رسول کی ع
دعائیں لیتے ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر قدیم مہاجرین و انصار اور ان کے بعد کے
موحد۔ اور مدینہ کے گرد و نواح میں کئی گنوار منافق ہیں اور خود مدینہ میں بھی
ہیں جو آپ کے علم میں نہیں۔ کئی نفاق سے تائب ہو گئے ان سے صدقے لے کر
ان کو دعائیں دو۔ اور بعضوں کا حکم اللہ نے کچھ وقت کے لیے موخر رکھا ہے
آگے اللہ کی مرضی بخشے یا نہ۔ اور بعض ایسے منافق ہیں جنہوں نے نقصان پہنچانے ع
کو اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کو مسجد ضرار بنائی۔ اس مسجد میں نہ جانا۔
اللہ مجاہدین مقابلین منفقین کا مال جان لے کر جنت دے گا۔ اور جو شرک کریں
ان کے مرنے کے بعد ان کے حق میں استغفار نہ کرو۔ اور ابراہیم نے وعدہ کی وجہ
سے باپ کے حق میں استغفار کی تھی لیکن جب ان کو اس کے کفر پر مرنے کا یقین ہو

گیا۔ اور جو مشکل وقت میں غزوۂ تبوک میں گئے اللہ نے ان کو ربط قلب کی نعمت دی
اور جو تین پیچھے رہ گئے آخر ان کی توبہ بھی منظور ہے۔ ع

مومنو جہاد کرو اپنی جان کو پیارا رکھ کر پیچھے نہ رہو۔ بھوک پیاس تھکن وغیرہ کا بڑا اجر ملے گا۔ البتہ سارے کے سارے ہی نہ نکل پڑو کچھ جائیں اور کچھ یہیں رہ کر حضورؐ سے دین سیکھیں پھر جب مجاہدین واپس آئیں گے ان کو سمجھا دیں ع

الحاصل مومنو! جہاد کرو۔ منافقوں کی طرح نہ بنو اور ایسے رسول نیکو خصال کو مانو ورنہ اے رسولؐ! تم خود فرما دو کہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے اسی پر ہے میرا توکل۔ کیونکہ تخت پر وہ آپ ہی ہے کسی کے حوالے کچھ نہیں کیا ع

سورۃ توبہ میں ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کرنے کا حکم دیا تھا جو غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور حاجات میں غیروں کو پکارتے ہیں اور انہیں حاجت روا سمجھتے ہیں اب سورہ یونس میں بتایا کہ اگر کوئی مشرک یوں کہہ دے کہ ہم غیر اللہ کو حاجت روا نہیں سمجھتے ہم تو نبی ولی پیر فقیر کو شفیع غالب سمجھ کر پکارتے ہیں تو اس کو یوں جواب دو کہ غیر اللہ کو شفیع غالب سمجھ کر پکارنا بھی شرک ہے۔

سورۃ یونس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنے والی آیات بڑے محکم دعوٰی کی آیات ہیں اور مشرک ان کو نہیں مانتے۔ کہ اس کی کیوں کر مانیں کہ مرد ہو کر اپنے آپ کو رسول کہتا ہے یہ تو جھوٹا ہے۔ عقل سے سوچتے تو اس کو جھوٹا نہ کہتے اور اس کے دعوٰی کو مان لیتے کہ اللہ کے سوا کوئی پکار کے لائق نہیں کیونکہ اسی اکیلے نے بغیر کسی کے کہنے کے کسی سے امداد لیے بغیر آسمان زمین بنائے پھر تخت شاہی پر خود ہی قائم ہوا اور سب کام آپ ہی کرتا ہے۔ اسی کی اجازت کے بغیر اس کے حضور کوئی شفاعت

نہیں کرسکتا۔ یہ بات ذہن نشین کرکے مسلہ مان لو اور اسی کو پکارو جب
کسی کام میں اس کا کوئی شریک نہیں تو تم پکار میں اس کا شریک کیوں بناتے ہو
ضد نہ کرو۔ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور ضدیوں کو سخت سزا دیگا
اور منیب کو جزائے خیر دے گا لہذا منیب بنو ضدی نہ بنو۔ ضد کیوں کرتے ہو
دعویٰ تو محکم اور مضبوط ہے دیکھو شمس کو ضیا اور قمر کو نور بنایا تو اللہ ہی نے
پھر اسی کو پکارو۔ پھر نظام شمسی سب اسی کے اختیار و تصرف میں ہے۔ وہی
نظامِ عالم میں مدبر و متصرف ہے۔ رات دن کو چھوٹا بڑا کرنے والا بھی وہ
آپ ہی ہے جب سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے تو ادعوہ خامشہ۔ اور دنیا کی
زندگی پر مغرور ہو کر جو لوگ ہمارے دعویٰ توحید سے غافل ہیں ہم نے ان کے لیے
آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور جو اس دعویٰ کو مانتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ دنیا
میں ایمان پر پختہ رکھیگا اور آخرت میں جنت دے گا اور جنت میں جاکر کہیں گے
سبحانک اللھم یعنی فی الواقع اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جو لوگ ضد میں آکر ع
اس دعوٰی کے مقابلہ میں کہتے ہیں اللھم ان کان ھٰذا ھو الحق من عندک فامطر
علینا حجارۃ .... اگر ہم ان کی اس بددعا پر ان کو عذاب دیدیتے تو ان کا
مقررہ وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔ لیکن ہم جلدی عذاب دیا نہیں کرتے۔
یوں تو مشرک ہمارا دعوی نہیں مانتے لیکن جب کسی مشرک کو کوئی
تکلیف آپہنچے اور پیروں فقیروں کو پکارنے سے بھی کام نہ بنے تو ہمیں پکارتا
ہے۔ اور پھر جب تکلیف دور ہو جاتی ہے تو پھر اپنی مصیبت کو بھول جاتا ہے
اور انداد بنانے لگ جاتا ہے۔ او۔ دعوٰی مان لو ورنہ پہلے کفار کی طرح
ہلاک ہو جاؤ گے
تعجب کا مقام ہے کہ بیانِ تام سن لینے کے بعد بھی یہ کہتے ہیں کہ یا تو اس

قرآن کے ماسوا کوئی اور قرآن لے آ۔ یا پھر اسی میں ترمیم کر دے۔ آپ فرمادیں کہ یہ میرے بس کا کام نہیں کہ اس میں ترمیم کروں یا اور قرآن لاؤں۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ قرآن نہ اتارتا تو میں نہ پڑھتا۔ آخر ۴۰ سال پہلے بھی تو آپ میں رہ چکا ہوں۔ اب بھی جو نہ مانے وہ جہنمی ہے

اور یہ جو مشرک کہتے ہیں کہ ہم پیروں فقیروں نبیوں ولیوں کو حاجت روا نہیں سمجھتے ہم تو ان کو شفعاء سمجھ کر پکارتے ہیں۔ آپ ان سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو بتلاتے ہو اور اس کو خبر دیتے ہو اس کے شریک کی کہ وہ بیچارہ ارض وسماء میں اپنا شریک نہیں جانتا۔ میں شریکوں سے پاک ہوں میرا کوئی شریک نہیں اسی لیے میں نے شریک بنانے سے منع کیا ہے۔

اب اگر کوئی یوں کہے غیر اللہ کی پکار جائز ہے کیوں اللہ نے ہمیں تو غیر اللہ کے پکارنے سے منع نہیں کیا۔ تو آپ فرمادیں کہ تمام انبیاء غیر اللہ کی پکار سے منع کرتے رہے پھر باغیوں نے بغاوت وضد کی وجہ سے اختلاف کر دیا۔ پھر تم کو اجازت کہاں سے مل گئی؟

پھر اگر کوئی کہے کہ اگر تم توحید کے مدعی سچے ہوتے تو مشرکین پر دنیا ہی میں عذاب آجاتا تو آپ فرمائیں اگر فیصلہ کا دن مقرر نہ ہوتا تو دنیا ہی میں فیصلہ کر دیا جاتا۔

پھر اگر یہ مشرک کہیں کہ ہم کو بتاؤ کہ وہ فیصلہ کا دن کب آئے گا؟ تو آپ فرمائیں میں غیب دان نہیں غیب دان صرف اللہ ہے۔ البتہ میرے سچا ہونے کو بتانے کے لیے اللہ تم کو کسی عذاب سے آزمائیگا

ع

اور مشرکوں پہ تعجب آنا چاہیے کہ اگر میں ان کو آزمانے کے بعد رحمت دیدوں تو پھر ہماری آیات میں استہزاء و تخول کرنے لگ جاتے ہیں۔

تعجب کا مقام ہے کہ اگر مشرکوں کو دریا میں مخالف ہوا تیز جھونکا پہنچے
تب تو صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ یا اللہ اب اس تکلیف کو
دور کر ہم شکر گزار ہوں گے یعنی تیرے رسول پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن
جونہی ان کو نجات مل جاتی ہے تو فوراً توحید بتانے والوں کے ساتھ شرارتیں
شروع کر دیتے ہیں اور شرک پر مصر ہو جاتے ہیں۔ لوگو! مسئلہ توحید کا
ماننا نہ ماننے کا تم کو نقصان ہوگا۔ حیات دنیا پر مغرور نہ ہو یہ کوئی
چیز نہیں ہے۔ مان لو گے تو جنت ملے گی دیدار الٰہی بھی نصیب ہوگا۔ شرک کرو گے
تو دوزخ میں رسوا ہو گے۔ اور جن کو شفعاء سمجھ کر تم پکارتے ہو وہ قیامت
کے دن صاف مکر جائیں گے کہ تم ہمیں نہ پکارتے تھے اللہ گواہ ہے ہمیں تمہاری
پکار کا کچھ علم نہیں ع

اور تم خود بھی تو مانتے ہو کہ رزق کا مالک سب کچھ دیتا ہے وہی سب
کچھ کرتا ہے سب چھوڑ کر دوسرے کو پکارنے کا کیا مطلب۔ مشرک تو ایمان نہیں لائیں گے
مشرک کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں وہ محض رسمی طور پر دیکھا دیکھی
اور اپنے بڑوں کے بیان کردہ شبہات واہیہ کی اتباع کرتے ہوئے شرک
کرتے ہیں۔ اور قرآن جیسی کامل و مدلل کتاب کو افترا بتاتا ہے۔ ایسے یہ
افترا نہیں ہے اگر یہ افترا شدہ کتاب ہے تو تم بھی اس طرح کی کتاب لے آؤ
جس میں عقلی و نقلی دلائل سے دعویٰ شرک کا بیان ہو۔ نہیں ہے۔ اس کتاب
ع کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں مشرک لوگ محض بے سمجھ تکذیب کرتے
ہیں۔ نہ تو اس کو کوئی سمجھا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی شبہ دیکھا ہے۔ بعض
تو مانتے ہی نہیں۔ بعض سنتے ہیں اور بعض سنتے تو ہیں مگر ان میں اثر نہیں تو
اس لیے ان کو ایسے سننا فائدہ مند نہیں۔ آخرت کی سزا تو ہے ہی اور اس

دنیا میں بھی دکھا سکتے ہیں۔

ہم عذاب کی بات کرتے ہیں تو عناداً یہ مشرک پوچھتے ہیں کہ یہ عذاب کب کو آئیگا۔ آپ فرمائیں کہ میں تو اپنے نفس کا بھی مالک نہیں ہوں تمہیں عذاب کس طرح دے سکتا ہوں۔ عذاب دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ جب چاہے گا عذاب دے گا۔ یہ بتاؤ کہ اب تم عذاب کیوں مانگتے ہو! کیا جب عذاب آگیا تو تم بچ جاؤگے یا ایمان لاؤگے؟ نہیں بلکہ اس وقت کہا جائیگا کیا اب یقین آگیا تھی تو اسکے آنے سے پہلے شک کرکے اس کی جلدی مچاتے تھے۔ ڈرو عذاب اخروی سے اور مسلمان ع

لوکہ پکار کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ جب سب کچھ کرنے جاننے والا اور متصرف فی الامور بھی صرف اللہ ہے تو اس قرآنی نصیحت رحمت و ہدایت کی آمد پر تمہیں خوش ہونا چاہیے اور اس ہدایت کے مطابق تحریمات العباد اور نذر غیر اللہ ترک کردو ورنہ اللہ چونکہ سب کچھ جانتا ہے تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں تمہیں سزا دیگا۔ دیکھو جب ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے تو تحلیل و تحریم اپنی طرف سے نہ کرو اور سمیع علیم بھی اللہ ہی ہے لہٰذا پکار کے لائق بھی وہی ہے

مشرکو! شرک کرکے اللہ پر کیوں جھوٹ گھڑتے ہو۔ جھوٹ گھڑنے والے ہدایت نہ پائیں گے بلکہ اللہ ان پر مہر جباریت لگاکر عذاب دیگا ع

دیکھو نوح موسیٰ ہارون وغیرہ انبیاء نے یہی دعویٰ بیان کیا۔ لوگوں نے تکذیب کی اس لیے ان مکذبین پر مہر جباریت لگی پھر معذب ہوئے ع

اسی طرح بنی اسرائیل کو مبارک ملک میں جگہ دی پھر انہوں نے اختلاف کیا باوجودیکہ دین کی حقیقت انہیں معلوم ہو چکی تھی۔ ان پر بھی مہر جباریت لگی ع

اے رسول آپ پہلی کتب کے مصدق ہیں یعنی آپ کا دعویٰ کتب سابقہ میں موجود ہے لہٰذا شک نہ کرنا۔ مشرکین پر ضد کی وجہ سے مہر جباریت لگ گئی

خلاصہ ہود

کیے گئے شرک کی اللہ سے معافی مانگو اور سب کچھ جاننے والا بھی وہی ہے
ہر جی کو روزی پہنچانا بھی اسی کا کام ہے سب کچھ کرنے والا بھی وہی ہے
مرنے کے بعد زندہ ہو کر پھر اللہ کے حضور حساب کتاب کے لیے پیش ہونا ع
بھی برحق ہے۔ مگر یہ مشرک ضد کی وجہ سے نہیں مانتے۔ اس دعویٰ کو
وضاحت کے ساتھ بیان کرو گے تو مصائب آئیں گے لوگ طرح طرح
کے اعتراض کریں گے۔ اس سے دل تنگ نہ ہونا اور منکرین دعوے
توحید کو صاف کہہ دینا کہ تم کافر ہو۔ کہ بیانِ تام کلام الٰہی کا قصداً محض
ضد کی بنا پر نہیں مانتے۔ نہ مانو گے دوزخ جاؤ گے۔ مان لوگے تو جنت
ملے گی۔ لہٰذا دعویٰ مان لو اندھے بہرے نہ بنو۔ دیکھو سنو ع

نوح نے اپنی قوم پہ یہی دعویٰ پیش کیا قوم نے ضد کی نہ مانا پس
غرق ہو گئی۔ ہود و صالح نے بھی اپنی قوم کو یہی سمجھایا انھوں نے بھی نہ
مانا آخر تباہ ہوئی۔ دیکھو ابراہیمؑ باوجود پیغمبر ہونے کے فرشتوں کو نہ پہچان سکے
مہمان آدمی سمجھ کر کھانا لائے، فرشتوں نے نہ کھایا۔ ابراہیمؑ ڈر گئے۔ اور لوطؑ
پیغمبر بھی فرشتوں کو نہ پہچان سکے۔ پس معلوم ہوا کہ سب کچھ جاننے والا صرف اللہ ہے
شعیبؑ نے بھی اپنی قوم کو یہی سمجھایا اعبدوا اللہ اور فرمایا حرام کام چھوڑ دو۔ مگر
قوم نے نہ مانا جدال یا ابطال کیا۔ تباہ ہوئی۔ ع

اے نبیؐ! یہ مسئلہ دلیری کے ساتھ بیان کرو دیکھو موسیٰ کیس قدر دلیری
کے ساتھ مسئلہ فرعون جیسے ظالم بادشاہ کے سامنے بیان کیا۔ ان پر
مصیبتیں آئیں۔ برداشت کرتے رہے۔ اور منکرین کی پرواہ نہ کرو ان کفار
کی عادت چلی آرہی ہے کہ عمداً انکار کرتے رہتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کو ع
کتاب دی گئی تھی اور انھوں نے پڑھ کر سنائی پھر ان لوگوں نے عمداً اس کا

انکار کر دیا۔ لہٰذا آپ ان کفار کے انکار کی وجہ سے مسئلہ توحید کا بیان کرنا نہ چھوڑیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور بس۔

مشرک کہتے ہیں کہ اگر قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے تو سب نے کیوں نہ مانا۔ اور لوگ اس کے ماننے میں مختلف الرائی کیوں ہیں؟ جواب یہ ہے کہ موسیٰؑ کی کتاب کتاب تورات کو بھی ماننے میں لوگ مختلف الرائی رہے ہیں حالانکہ تورات کو تم لوگ واقعی اللہ کا کلام مانتے ہو۔ نیز کہتے ہیں کہ جب ہم مانتے نہیں تو ہم پر مواخذہ کیوں نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ مواخذہ کا وقت مقرر ہے جس کا علم اللہ کو ہی ہے۔

الحاصل ؐ ہمہ دان صرف اللہ ہے تو اسی کو پکارو۔ آخر سورہ پر اعتماد رکھ کر مرد بن کر دلیری کے ساتھ مسئلہ بیان کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہیں اللہ کو سب خبر ہے وقت آنے پر سزا دے گا۔

سورۂ ہود میں دوسرا دعویٰ علت ہے پہلے دعویٰ کی کیونکہ غائبانہ حاجات میں اسی کو پکارا جاتا ہے جو غیب دان بھی ہو اور متصرف فی الامور بھی ہو لہٰذا جب غیر اللہ سے دوسرے دعویٰ کی نفی کی گئی تو پہلے دعویٰ کی نفی خود بخود ہو جائیگی سورۂ یوسف میں ہود کے دعویٰ ثانیہ پر نقلی دلیل تفصیل سے ذکر ہوئی اور اس دعویٰ کی دو جزئیں بیان ہوئیں۔ یوسف میں دو بڑے دعویٰ ہیں اور دو چھوٹے بڑے دعویٰ ہیں ۱ ہمہ دان اللہ ہی ہے ۲ ہمہ کن بھی اللہ ہی ہے۔ دو چھوٹے دعوے ۱ آپ برحق رسول ہیں ۲ آزمائش کے طور پہ مصائب آئیں گے صبر کرنا۔

① اگر یعقوبؑ غیب دان ہوتے تو روتے نہ رہتے ② اگر یعقوبؑ سب کچھ کر سکتے تو اپنے بیٹے کو چھڑا لیتے

سورۃ یوسف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورہ صاف صاف عربی زبان میں قرآنی حکم نامہ ہے تاکہ سمجھو۔ بہترین بیان آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں جس سے آپؐ قبل ازیں بے خبر تھے۔

یوسفؑ نے خواب دیکھا۔ باپ کو بتایا۔ خواب کی تعبیر تو بیان کر دی مگر اس کی تفصیلی حالات کا پتہ نہیں اور نہ ہونے والے مصائب کا دفعیہ سوچا نہ کچھ کر سکے۔ پھر یوسف و برادران یوسف کے باہم جو حالات ہوئے یعقوبؑ اللہ کے برگزیدہ بندہ ہونے کے باوجود یہ معلوم نہ کر سکے کہ میرے لڑکے کے ساتھ اس کے برادران دھوکا کر رہے ہیں پھر یوسفؑ کا کنوئیں میں پڑا رہنا معلوم نہ کر سکے۔ اور کنوئیں سے قافلہ کا یوسفؑ کو نکال کر لے جانا اور مصر میں جاکر فروخت کرنا معلوم نہ کر سکے۔ پھر مصر میں یوسفؑ پر تہمت والی مصیبت آئی اسے بھی معلوم نہ کر سکے۔ پھر جیل میں گئے وہ بھی معلوم نہ کر سکے پھر بادشاہ کے مقرب بنے معلوم نہ کر سکے بلکہ اپنے بیٹے کے فراق میں رو رو کر نابینا ہو گئے (بقول مفسرین ۸۰ سال بعد) جب اللہ نے خبر دی تو کنعان ہی میں بیٹھے بٹھائے خبر و اطلاع دی جب کہ مصر اور کنعان کے درمیان ۲۴۰ میل کا فاصلہ ہے یہاں سے دو دعوے بڑے سامنے آگئے کہ ہمہ دان بھی اللہ ہے اور ہمہ کن بھی اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔

اور یوسفؑ کو یہ علم نہ تھا کہ برادران لے جاکر میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے نہ یہ معلوم ہوا کہ جس گھر میں پلا ہوں اس کی عورت بدمعاش ہے جس سے بچنے کی کوئی تدبیر ہی سوچ لیتے کہ نہ عورتوں کا جلسہ ہوتا نہ جیل جاتے۔ پھر عورتوں کے مکر سے بچنے کے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ مجھے قید منظور ہے مگر عورتوں کا کید ناپسند۔ پھر جیل میں قیدیوں کو تعبیر خواب پر مسئلہ توحید کو اہمیت دی

خلاصہ یوسف

اب یہ مدت مدید گزرنے کے بعد آپ کا صحیح صحیح خبر دینا اس بات کی واضح
دلیل ہے کہ آپ سچے رسول ہیں اس لیے آپ کا دعویٰ مان لینا چاہیے۔
لیکن مقام تعجب ہے کہ معاندین اس قصہ سے ان ہر دو دعووں (لله
غیب السمٰوٰت والارض اور والیہ یرجع الامر کلہ) کو نہ مانیں گے کیونکہ ان
کو بہت سی آیات جو زمین و آسمان میں موجود ہیں دکھائی جاتی ہیں پھر بھی
نہیں مانتے۔ اللہ کو مان کر اللہ سے شریک کرنا نہیں چھوڑتے
جو لوگ اس قدر دلائل و حجت تام کے بعد بھی اس دعویٰ کو نہیں مانتے اگر
اللہ نے چاہا تو ان کو اس جہان میں بھی عذاب دے گا اور قیامت میں تو ضرور ہی
عذاب ہوگا۔ انہیں ڈر نہیں لگتا؟ مانتے کیوں نہیں۔ اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو
ہمارا تو یہی مذہب ہے کہ ہمہ دان و ہمہ کن صرف اللہ ہے۔ ہم خاص اسی کو پکاریں گے
اور تمام انبیاء نے بھی یہی دعویٰ پہنچایا۔ مکذبین نے تکذیب کی۔ اللہ نے ان کو
ہلاک کر دیا۔ اور جب میرے انبیاء نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا تو ان پر بھی مصائب
آئے تھے۔ اور نصرت بڑی دیر کے بعد آئی۔ تو اس لیے اے میرے محبوب!
مصائب کی وجہ سے دل تنگ نہ ہونا۔ اس مسئلہ توحید کے پہنچانے میں تکالیف
ضرور آئیں گی۔ صبر کرنا۔ آخر نصرت آئے گی۔ اور یہ قصۂ یوسف بیان ہوا ہر
منیب کے لیے تو عبرت ہے اور دعویٰ اس قرآن سے پہلی کتب کے موافق
بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہمہ دان ہمہ کن صرف اللہ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو
چاہتا ہے بتلاتا ہے۔ اور آپ برحق رسول صادق ہیں۔ تبلیغ کرنے میں دل تنگ
نہ ہونا۔ آخر اللہ فتح دے گا ان مع العسر یسرا۔
سورہ یوسف میں ایک بڑی دلیل نقلی سے ثابت کیا گیا کہ غیب دان کارساز
صرف اللہ ہے نہ نبی ولی پیر فقیر۔ اب سورہ رعد میں بتایا جائے گا کہ یہ توحید کے دونوں

دعوے نظری نہیں۔ بدیہی ہیں البتہ یہ احتمال تھا کہ بدیہی ہونے کے باوجود یہ دونوں دعوی مخفی ہوں۔ اس لیے اس خفا کو دور کرنے کے لیے سورۂ رعد میں تنبیہات بیان کی جائینگی تاکہ یہ توحید کے دونوں دعوے کسی پر مخفی نہ رہیں۔ بلکہ سب پر واضح جلی اور ظاہر ہوجائیں

سورۂ رعد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ آیات محکم دعویٰ کی ہیں خیال سے سننا۔ یہ دعویٰ کہ مشکل میں مدد کے لیے اعتقاد کرکے صرف اللہ کو پکارو ایسا ظاہر الثبوت ہے جس کے لیے دلائل دینے کی ضرورت ہی نہیں لیکن اکثر لوگ ضد کرکے نہیں مانتے۔ ذرا سی توجہ کرو کہ آسمان زمین بغیر ستون کے اللہ نے ہی بنائے تخت شاہی پر بھی خود ہی قائم ہے سورج چاند بھی اللہ نے کام میں لگا رکھے ہیں قیامت تک تمام امور کا منتظم بھی آپ ہی ہے۔ زمین اسی نے پھیلا کر اس میں پہاڑ دریا بنائے ہر قسم کے پھل جوڑے بنائے رات دن بنائے زمین میں کئی کھیت ہیں ملے ہوئے انگوروں کے باغات کھیتی کھجوریں دو شاخی ایک شاخی پانی سب کو ایک ہی لگتا ہے مزہ الگ الگ۔ ان نشانیوں سے منیب کو تو یقین آتا ہے کہ جو یہ کام کر سکتا ہے وہ مردے بھی زندے کر سکتا ہے مگر ضدی کے ہاں یہ کام تعجب انگیز ہے۔ وہ دوزخ میں جائیگا۔

ضدی بدیہی دعوے کو مانتے نہیں جب کہ خفا بھی دور کردی ہے پھر تعجب کا مقام ہے کہ الٹا عذاب کا طالب ہے بایں طور کہ ان کان ہٰذا ہو الحق ...... حالانکہ ان سے پہلے سزاؤں کی باتیں تاریخ میں ثبت ہیں۔ پھر بھی ضدی کہتے ہیں عذاب کیوں نہیں آتا جب ہم مسلسل انکار کررہے ہیں یہ سب ضد ہے۔ تیرا کام خبردار کرنا ہے اور سب کی رہنمائی کردینا اور بس۔ ع

جیسے تنبیہات سابقہ سے معلوم ہوا کہ ہمہ کُن صرف اللہ ہے اسی طرح ذرا سی توجہ سے یہ خفا بھی دور ہو کر ظاہر ہو جائیگا کہ ہمہ دان بھی اللہ ہی ہے دیکھو بر ماؤں کا حمل اور رحم کا سکڑنا بڑھنا یہ سب اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہر چیز کا اسی کو علم ہے وہی ہے عالم الغیب والشہادۃ اس کے آگے دھیمی اونچی آواز رات دن میں چلنا سب یکساں، معلوم ہوا کہ ہمہ دان بھی اللہ ہی ہے

منکرو! چوکیدار مقرر ہیں منکروں کی باتیں لکھ رہے ہیں اور اللہ کا قانون ہے کہ عذاب جب دیتا ہے جب دعویٰ ظاہر الثبوت کو نہ مانے اور جب پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ سے چھڑانے والا بھی کوئی نہیں ہوتا

پھر وہی بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل بھی بناتا ہے اور رعد و ملائکہ بھی اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہی اوپر سے آگ بھیجتا ہے پھر اس آگ سے جس کو چاہے ہلاک کر دیتا ہے۔ پھر بھی یہ مشرک اللہ کی توحید میں جدال کرتے ہیں۔ اتنا نہیں سوچتے کہ جو ذات یہ کام کرتا ہے وہ ہمیں عذاب بھی دے سکتا ہے۔ غرضیکہ وہ شدید المحال (سخت گرفت والا) ہے۔ اس سے ڈرنا چاہیے۔ جب ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ پکارنے کا حق بھی خاص اسی کو ہے فادعوہ خاصۃً ولا تجعلوا للہ انداداً۔ اور جن جن کو یہ مشرک لوگ پکارتے ہیں وہ تو پکارنے کا حق ہی نہیں رکھتے۔ ان کو بلانا تو اس طرح ہے جیسے کوئی کہے آ پانی آ پانی۔ وہ پانی اس کی طرف نہیں آتا

دیکھو ہر چیز اسی کے تصرف کی منقاد ہے۔ پھر تم دوسروں کو کس طرح متصرف سمجھتے ہو۔ بھلا تم خود ہی بتاؤ کہ آسمان زمین کا رب کون ہے؟ اللہ ہی ہے ناں! اب جب ہر چیز اسی کے تصرف کی منقاد بھی ہے

اور تم خود بھی جانتے ہو کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے تو پھر تم پر بڑا افسوس ہے کہ غیر کو متصرف مانتے ہو حالانکہ وہ غیر اللہ خود اپنے لیے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ پس کچھ ہوش کرو موحد بنو۔ مشرک نہ بنو۔

بھلا یہ بتاؤ جن کو اللہ کا شریک بناتے ہو، انہوں نے کوئی چیز بنائی بھی ہے؟ کہ ان کی مخلوق اللہ کی مخلوق سے مل کر مشتبہ ہو گئی ہو کہ یہ کس کی پیدا کی ہوئی ہے اسی وجہ سے ان کی خدائی کے قائل ہو گئے ہو۔ بس سمجھو کہ ایک اللہ ہی ہے جو بلا شرکت غیرے ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور با وجود اس کے سب پر اس کا دباؤ ہے۔ تو چاہیے کہ اسی کو پکارو

دیکھو اوپر سے بارش بھی اللہ ہی برساتا ہے پھر نالے بہتے ہیں پھر اس پانی پر جھاگ اٹھتی ہے۔ اور جو سونا چاندی تم پگھلاتے ہو اس پر بھی جھاگ اٹھتی ہے پھر وہ جھاگ بے کار جاتی ہے اور نافع چیز باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ جو وساوس شرکیہ تمہارے دلوں میں شیطان ڈالتا ہے وہ ناپائیدار ہیں اور ایک اللہ ہی حی و قیوم ہے پھر اس حی و قیوم کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف دوڑنا سراسر بے وقوفی اور ضد ہے۔ یاد رکھو مشرک و موحد یکساں نہیں موحد جنت میں جائے گا اور مشرک دوزخ میں۔ اس لیے یہ دعوی ظاہر الثبوت مان لو اور حقیقی بنو۔

ذرا سی توجہ کرو مسئلہ ظاہر الثبوت ہے۔ تم اتنا خیال نہیں کرتے کہ رزق فراخ اور تنگ کرنے والا صرف اللہ ہے۔ مگر یہ مشرک دنیا کی اسی زندگی پر غرہ ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کی زندگی ہیچ ہے

تعجب کا مقام ہے کہ بدیہی دعویٰ ظاہر الثبوت کا خفا دور کرنے کیلیے اس قدر تنبیہات پیش کر رہے ہیں مگر یہ مشرک بجائے ماننے کے معجزوں کا

مطالبہ کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہدایت کی مدار معجزات پر نہیں۔ بلکہ منیب کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔ منیب کو قیامت کے دن مبارک ہوگی۔ اے نبیؐ! ہم نے آپ کو معجزے دکھانے کیلیے نہیں بلکہ مسئلہ پہنچانے کے لیے بھیجا ہے کہ یہ بات سنا دو ہو ربی لا الہ الا ہو علیہ توکلت والیہ متاب اگر ان کو قرآن کی تاثیر سے پہاڑوں کا چلنا، زمین کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا دکھا دیں یا قرآن کی تصدیق مُردوں سے کرا دکھائیں پھر بھی ضدی لوگ نہ مانیں گے۔ کیونکہ معجزات سے کچھ نہیں بنتا جب تک اللہ کا امر نہ ہو۔ اور سب کچھ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے اور مجبوری کا ایمان اللہ کو منظور بھی نہیں۔ الحاصل معجزات پہ مدار نہیں، انابت پہ مدار ہے۔ اور آپؐ کا کام محض تبلیغ کرنا ہے، ایمان دینا آپ کا کام نہیں۔

یہ لوگ ذرا توجہ کریں اور نیک نیتی سے مسئلہ سمجھنے کا ارادہ کریں تو کوئی مشکل نہیں اتنا تو سوچیں کہ ایک وہ ذات ہے جس کو ہر چیز کا علم ہے اور ایک وہ ہے جس کو کچھ خبر نہیں۔ کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ تعجب کا مقام ہے کہ مشرکوں نے ایسی عالی ذات جامع الصفات الکاملہ کے لیے شریک بنا لیے ہیں۔ بھلا ان کے کوئی کمالات تو بیان کریں کہ انھوں نے بنایا کیا ہے؟ یا تم اللہ کو خبر دیتے ہو کہ یہ شرکاء ہونے کی؟ یا محض ظنی اور وہمی بات ہے۔

ایسے مشرکوں کو دنیا و آخرت میں عذاب ہوگا جس سے کوئی بچا نہ سکے گا۔ اور شرک سے بچنے والا جنت میں جائے گا۔

ذرا سوچیں تو سہی یہ مسئلہ صرف میں نے نہیں اٹھایا تمام اگلے نبی اپنی اپنی امتوں کو یہی مسئلہ بتاتے رہے اور اس پر راضی تھے اگرچہ بعض ضدی منکر بھی رہے

جب عقلی نقلی تنبیہات سے ثابت ہوگیا کہ ہمہ کن وہمہ دان صرف اللہ ہے تو کہہ مجھے تو حکم ملا ہے کہ صرف اللہ کو پکاروں۔ شریک کسی کو نہ کروں۔ کیونکہ

مجھے اللہ نے کہا ہے کہ آپ کو یہ حکم عربی (قرآن) دیدیا ہے۔ پس ان کے لیے معجزات
کا مطالبہ نہ کرو اور اس دعوٰی کو بیان کرنا نہ چھوڑ۔ معجزات اللہ کے قبضے میں ہیں۔
کہتے ہیں اگر تو نبی ہوتا تو تیری اہل و اولاد نہ ہوتی۔ یہ غلط ہے پہلے نبی سب اہل
و اولاد والے تھے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارے ایمان کے لیے منہ مانگا معجزہ دکھا۔ یہ
بھی غلط کہتے ہیں معجزے نبیوں کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ پھر کہتے ہیں کہ جب
ہم تیرا مسئلہ حقہ نہیں مانتے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ یہ انکا کہنا بھی غلط ہے
کیونکہ عذاب کا وقت مقرر ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ جب ہم کو عذاب ہی
ملنا ہے تو عذاب رُک نہیں سکتا پھر ہمارے ماننے کا کیا فائدہ؟ یہ ان کی
کم فہمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو مٹانا چاہے تو مٹا بھی سکتا ہے اور جو باقی
رکھنا چاہے تو باقی بھی رکھ سکتا ہے اسی طرح اگر تم ایمان لے آئے تو عذاب ٹل
بھی سکتا ہے۔

اب انہیں سمجھاتے رہو مانیں یا نہ مانیں نہ ماننے پر عذاب یا تو آپ کی زندگی ہی
آجائے گا اور آپ دیکھ لو گے اور یا آپ کی وفات کے بعد۔ اور یہ کوئی ہم پہ
مشکل نہیں۔ اتنا نہیں دیکھتے کہ زمین کے اطراف میں ہم کفر کی بیخ کنی، اور
اسلام کی ترقی کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح ہم عذاب بھی لے آئیں گے و
اللہ یحکم لا معقب لحکمہ۔ الحاصل تمام کام اور عجائبات ارض و سماء کے وہی
ایک اللہ کرتا ہے۔ وہی ہے ہمہ دان اور حاضر و ناظر پس اسی کو پکارو لہ دعوۃ الحق
سورہ رعد میں بتایا کہ مسئلہ تو بدیہی ہے مگر ضدی نہیں مانتے۔ سورہ ابراہیم
کی ابتداء میں بتایا کہ ان کے سامنے وقائع بیان کرو جیسے موسیٰ نے وقائع بیان
کیے تھے شاید یہ لوگ ظلمات سے نکل کر نور کی طرف نکل آئیں۔ یہی ہے سورۃ
ابراہیم کا دعوٰے۔

سورۃ ابراھیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ حکم نامہ اخراج من الظلمات الی النور کے لیے رب کے حکم سے اترا
اور جو نور سے ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں اور حق میں شبہے ڈالتے ہیں ان
کے لیے ذلیل ہو گی وہ بڑے کافر ہیں۔ ان کے مقابلے میں آپ اخراج من الظلمات
الی النور کریں جیسے انبیاء سابقین کو ان کی قومی زبان میں وحی بھیج کر حکم
دیا تھا کہ تم اخراج من الظلمات الی النور کرو۔ ان میں سے حضرت موسیٰ کو ہی
مثال کے طور سمجھ لو ان کو یہی حکم ہوا کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف
نکال لاؤ اور اُن ایام اللہ (مشہور اور قابل یادگار واقعات مثلاً طوفانِ
نوح و بادِ عاد و رجفۂ ثمود وغیرہ) یاد دلاؤ اور کہو الم یاتکم نبأ الذین . . .
اور کہو اے میری قوم تمام انبیاء نے یہی دعویٰ بیان کیا تھا مگر قوم نے نہ مانا
الٹا انبیاء کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ اللہ نے اُن مکذبین کو ہلاک کیا۔
اب تم نے بھی اگر نہ مانا تو تم پر بھی عذاب آئے گا۔ اب آؤ۔ ڈرو۔ مسلمان ہو۔
اے میری قوم دنیا میں بھی وہ مکذبین ہلاک ہوئے اور آخرت میں بھی ان کی جگہ
جہنم ہو گی جس میں ان کو قسم قسم کے عذاب دیے جائیں گے اور ان کے نیک عمل
سب برباد ہو جائیں گے۔ پس آؤ۔ ڈرو۔ جہنم کے عذاب سے بچ جاؤ۔
کیوں اتنا نہیں سوچتے کہ اللہ ہی نے اظہارِ حق کے لیے ارض و سماء بنائے پھر کیوں
نہیں مانتے۔ اگر تم نے نہ مانا تو اللہ تم کو ہلاک کرکے اور نئی مخلوق تمہاری جگہ
پیدا کر دے گا۔ مان لو۔ یہ تمہارے معبود عذاب آخرت سے تم کو نہ بچا سکیں گے
اور یہ شیطان بھی صاف بیزار ہو جائے گا۔ لہٰذا ڈرو۔ مانو۔ شرک چھوڑ دو۔
دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمۂ توحید کی مثال عمدہ درخت کے ساتھ دی ہے

جس کی جڑ بھی محکم ہے اور شاخیں بھی بلند۔ اور اپنے موسم میں پھل دیتا ہے۔ اسی طرح اس کلمہ طیبہ کے اثبات کے لیے ہمیشہ پیغمبر آئے انہوں نے ثابت کیا۔ اور جس کا بدلہ اللہ کے ہاں ہے جو اپنے وقت میں ان کو دے گا جنہوں نے کلمہ طیبہ قبول کر لیا

اور کلمہ شرکیہ کی مثال ردی درخت کی سی ہے جس کا اکھاڑنا آسان ہو بلکہ اکھڑا ہوا ہو اس کو کہیں قرار نہ ہو۔ اسی طرح اس کلمہ شرکیہ ردیہ کو ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں رد کرتا رہا اور مٹاتا رہا کہیں اس کو قرار نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ متبعین کو دنیا میں اس کلمہ طیبہ پر محکم رکھتا ہے اور آخرت میں ان کو جزائے خیر دے گا۔ پس آؤ اس کلمہ کو مان لو۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ مشرکوں کی جگہ جہنم ہوگی۔ شرک چھوڑ دو جہنم سے بچو۔ اور جہنم سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ صرف اللہ کی عبادت پر پختہ رہو اور اپنے ہم دینوں پر احسان کرو۔ صبر کرو اور اللہ واحد سے دعائیں مانگو۔ جہنم سے بچ جاؤ گے

دیکھو ارض وسماء کو پیدا بھی اسی یگانہ ذات اللہ نے کیا۔ رزق بھی وہی دیتا ہے۔ بے شمار انعامات اسی نے کیے اور قبولیت دعاء کے لائق بھی وہی ہے۔ پس اسی کو پکارو وادعوہ خاشعا ولا تجعلوا للہ اندادا

ع

شرک اتنی بری بلا ہے کہ خلیل اللہ ابراہیم نے بھی اسی شرک سے بچنے کے لیے دعا مانگی تھی اور ہمیشہ اللہ ہی کو پکارتے آئے اور فرماتے تھے کہ ہمہ کن وہمہ دان صرف اللہ ہے اور فرمایا انی ربی لسمیع الدعاء پس تمہیں بھی چاہیے کہ اللہ ہی کو پکارو شرک چھوڑ دو۔ قیامت کے دن مشرکوں کا برا حال ہوگا۔

اسی طرح اے نبی ان مشرکین کو ایام اللہ یاد دلا کر اور عذاب سے ڈرا کر عقیدہ [illegible] شرکیہ سے بچاؤ

یہ مشرک اتنے بےحیا ہیں کہ اتنے بڑے بڑے بکواس کرتے ہیں کہ ان بکواسوں کی وجہ سے پہاڑ بھی اکھڑ جائیں۔ ان کو تو ضرور عذاب دوں گا۔

یہ مشرک قیامت کے دن زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے کرتے گندھک (ایک بودار تیل) کے ہوں گے اور ان کے منہ کو آگ جلائے گی۔ ان کو اپنے شرک کی سزا ملے گی۔ پس آؤ، شرک چھوڑ دو

اب سورۃ ابراہیم میں وقائع بیان ہو چکے تو اب یہ بتایا جائے گا کہ اب مسئلہ مان لو ورنہ پچھتاؤ گے

سورۃ الحجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ آیات دعویٰ اور قرآن مبین کی ہیں۔ خیال کیجئے معمولی بات نہیں اب یہ مشرک لوگ کھا پی لیں نفع اٹھا لیں۔ خواہشات کی وجہ سے ایمان سے غافل ہو گئے ہیں۔ پس عذاب کے وقت جان لیں گے کہ ہائے ہم غلطی پر تھے اور پچھتائیں گے اور کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے

تعجب کا مقام ہے کہ معاندین آپ کو مجنون کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی تو رسول ہوتا تو تیرے بارے فرشتے بآواز بلند کہتے کہ یہ برحق نبی ہے۔ یہ غلط کہتے ہیں ان کو سمجھ نہیں کہ فرشتوں کا آنا تو آخری درجہ ہوتا ہے۔ اور استہزا و تکذیب تو جباریت کی وجہ سے ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے تاکہ یہ ایمان نہ لا سکیں پھر اس کے بعد ان کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

مشرک کہتے ہیں کہ اگر تم ہمارا ایمان چاہتے ہو تو معجزہ دکھاؤ۔ سو یہ دفع الوقتی ہے۔ اگر ہم تو معجزہ بھی دکھا دیں مثلاً آسمان کے دروازے کھول کر تم کو ان پر چڑھا دیں۔ پھر بھی تم نہ مانو گے تم اتنے ضدی ہو بلکہ تم کہو گے کہ ہماری نظر بندی کی

گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

نالائق معجزے مانگتے ہیں دعویٰ کے دلائل میں غور کیوں نہیں کرتے۔

دیکھو نا ں آسمان میں ستاروں کے منازل بلا شرکت و تعاون غیرے صرف ہم نے بنائے۔ آسمان کو ستاروں سے مزین ہم نے کیا۔ شیاطین مرجومین سے آسمان کی حفاظت ہم کرتے ہیں۔ زمین ہم نے بچھائی۔ اس میں پہاڑ ہم نے جمائے۔ زمین میں ہر چیز ہم نے اگائی۔ ہر چیز کے رازق ہیں۔ ہر چیز قبضے میں ہمارے ہے۔ بارشیں ہم برساتے ہیں۔ مارتے جلاتے ہم ہیں۔ فنا خلق کے بعد ہم ہی ہوں گے۔ دعویٰ ماننے والوں کو ہم ہی جانتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو بھی۔ انس و جان کو بھی ہم ہی نے پیدا کیا۔ پس آؤ۔ ضد نہ کرو۔ دعویٰ مان لو۔ خبردار! شیطان کے پھندے میں نہ پھنسنا۔ اس کی اتباع نہ کرنا یہ تمہارا جدی پشتی دشمن ہے۔ شیطان کے متبعین جہنم میں جائیں گے۔ اور دعویٰ مان لینے والے جنت میں جائیں گے

دیکھو قوم لوط کو نافرمانی اور تکذیب دعویٰ کی وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا۔

اصحاب الایکہ و اصحاب الحجر کو بھی تکذیب دعویٰ کی وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا ان سب میں سے کسی کو بھی ان کے پیر فقیر نہ بچا سکے۔ تو آؤ میرا مسئلہ مان لو ورنہ پچھتاؤ گے اور کھو گے لوکالوا مسکین۔

دیکھو ہم نے ارض و سماء اظہار حق کے لیے بنایا تو تم اس حق کو کیوں نہیں قبول کرتے۔ قیامت بھی تو آنے والی ہے۔ چلو اسی سے ڈر کر ہی ایمان لے آؤ اب بھی کافر ضد پر ڈٹ گئے تو تم اچھی طرح ان سے اعراض کرو۔ اور خود یہی بتاتے جاؤ کہ رب ہی ہے ہمہ کن اور ہمہ دان۔ اور آپ تسلی رکھیں آپ پر تو اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ پس تم معاندین کی عیش دیکھ کر دھوکا

دیکھنا اور ان کے ایمان نہ لانے سے غم نہ کرنا۔ مؤمنوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور صاف کہدینا انی انا النذیر المبین۔ اور تسلی رکھو

جس طرح ہم نے مکہ کے رستوں میں تقسیم ہو کر بیٹھنے والے گمراہ کن لوگوں کو ہلاک کیا تھا' اسی طرح ہم تمام معاندین کو ہلاک کر دیں گے۔ اور اگر یہ کافر ضد پر آگئے تو مسئلہ صاف صاف بیان کر دے مشرکین کی پرواہ نہ کر ہم خود ان کو ہلاک کر دیں گے

اور جو مشرک آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور سخت کلمات کہتے ہیں ان کو میں ہلاک کر دوں گا آپ دل تنگ نہ ہوں اپنا تبلیغی کام جاری رکھیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہمہ دان اور ہر امر میں متصرف صرف اللہ ہے۔ تم سے شرک شیطان کرواتا ہے جو تمہارا جدی پشتی قدیمی دشمن ہے اس کی نہ ماننا۔ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہیں فائدہ نہ دیں گے۔ قرآن جیسی نعمت میں نے تم کو دی ہے۔ دنیا جیسی حقیر چیز کا خیال نہ کرنا۔ مسئلہ توحید کو نہ چھوڑو۔ موت تک اسی پر عامل رہنا۔

مختصر خلاصہ آؤ۔ مان لو۔ شیطان کے تابع نہ بنو۔ ورنہ قوم لوط وایکہ وحجر والوں کی طرح اور مقتسمین کی طرح ہلاک ہو جاؤ گے اور پچھتاؤ گے اور کہو گے لو کانوا مسلمین۔ اے نبی تنبیہ وتذکیر بایام اللہ کر کے تبلیغ کرو

مختصر المختصر اگر اب بھی نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے

سورۃ النحل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب بھی تم نے دعویٰ توحید نہ مانا اور عذاب ہی مانگتے رہے تو لو اب عذاب آیا ہی آیا جلدی نہ کرو۔ لائق تو یہی تھا کہ اللہ کا شریک نہ بناتے۔ اللہ ہر پیغمبر پر یہی دعویٰ بھیجتا رہا۔ خدا کا خوف کرو۔ اللہ کا شریک نہ بناؤ اور دلائل توحید بغور سنو۔ کہ آسمان زمین اظہار حق کے لیے اللہ ہی نے بنائے۔ انسان کو اسی نے بنایا چوپائے اسی نے بنائے جس میں بڑے فائدے ہیں۔ گھوڑے خچر گدھے سواری اور زینت کے لیے اسی نے بنائے اور بھی بہت کچھ بنایا۔ ان دلائل کو دیکھ کر توحید مذکور کو تسلیم کرنا پڑتا ہے یہی سیدھی راہ ہے اس کے سوا سب راہ ٹیڑھے ہیں۔ دلائل میں غور کرو معجزے نہ مانگو دیکھو بارشیں وہی برساتا ہے جو اگاتا ہے کھیتیاں زیتون کھجور انگور اور ہر قسم کے پھل اسی نے پیدا کیے۔ رات دن سورج چاند ستارے اسی نے کام میں لگائے۔ سمندر اسی نے تابع کیا جس میں سے مچھلی کھانے کو زیور پہننے کو نکالتے ہو۔ کشتی اس نے مسخر کی پہاڑ دریا راستے اس نے بنائے۔ کیا خالق و مخلوق یکساں ہو سکتے ہیں۔ اس کی نعمتیں بے شمار سب کچھ کرنے والا وہ۔ اور تم جن کو اپنی حاجات میں پکارتے ہو وہ تو کچھ نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ سمیع علیم ہیں پس الٰھکم الٰہ واحد اسی کو پکارو ند نہ بناؤ

مگر مقام تعجب ہے کہ اگر معاندین کو کہا جائے کہ دیکھو خدا تم کو کیا کہہ رہا ہے تو کہتے ہیں چھوڑو جی! یہ اگلوں کی نقلیں ہیں۔ اچھا کہہ لو آخرت میں اس کہنے کا بوجھ اٹھاؤ گے۔ اور جس طرح پہلے معاندین کو عذاب دیا تھا اسی طرح ان کو بھی عذاب دیا جائے گا پھر قیامت کے دن تو اللہ ان کو رسوا کریگا اور کہیگا اب

بلاؤ اپنے باپ دادوں اور شریکوں کو جن کی حمایت میں تم ہمارے دعویٰ کے دلائل کو شش کر اساطیر الاولین کہا کرتے تھے۔

اور اب بھی جب دنیا میں مشرکوں کو فرشتے موت دیتے ہیں تو یہ مشرک ان کی طرف انقیاد کا پیغام ڈالیں گے یعنی کہیں گے ما کنا نعمل من سوء تب فرشتے کہیں گے۔ نہیں! بلکہ اللہ کو معلوم ہیں تمہارے کرتوت چلو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اور منیب متقین بہشت میں جائیں گے فرشتے ان کو سلام کرینگے

معاندین کے عناد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ عذاب کی انتظار میں ہیں۔

ان پہلے معاندین نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ آخر ہلاک ہو گئے تھے

اور یہ معاندین اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اگر ہمارا مذہب حق نہ ہوتا تو غیر اللہ کی عبادت اور تحریمات العباد کبھی ہم سے اللہ تعالیٰ نہ کرواتا۔ اے رسول! یہ ان کا انوکھا اعتراض نہیں پہلے معاندین بھی ایسے ہی کہتے آئے ہیں آپ اپنی تبلیغ جاری رکھو۔ ہر امت میں اللہ نے رسول بھیجا اس نے یہی بتایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ پھر تمہارا لو شاء اللہ ما اشرکنا.... کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پہلے مکذبین کو ہلاک کیا گیا ہے اور اگر اللہ راضی ہوتی تو ان کو کیوں ہلاک کرتا پس تمہارا لو شاء اللہ ما اشرکنا... کتنا غلط ہے!

اے نبی! ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی امید میں نہ رہو کیونکہ ان پر مہر جباریت لگ چکی ہے اور ہدایت دینا آپ کا کام نہیں اور یہ لوگ اس قدر ضدی ہیں کہ ضد میں آ کر قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جائے اسے اللہ زندہ کر کے ہرگز نہ اٹھائے گا۔ بات یہ ہے کہ اول تو ان کا قسمیں کھانا ہی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ من یموت کو پھر سے زندہ کر کے ضرور اٹھائیگا تا کہ انہیں سمجھ آجائے کہ واقعی ہم جھوٹے تھے دوسری بات یہ ہے کہ مخلوقات کو دوبارہ زندہ کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

خلاصہ نحل

مشرک کہتے ہیں کہ تُو رسول نہیں کیونکہ تُو بندہ ہے۔ بات یہ ہے کہ پہلے رسول بھی سارے ہی بندے تھے۔ مولویوں سے پوچھ لو۔

تم ضد میں آکر دعویٰ نہیں مانتے، تمہیں ڈر نہیں لگتا کہ اسی ضد کی وجہ سے نہ ماننے پر اللہ تعالیٰ تم کو دنیا ہی میں ہلاک کر دے۔ ضد نہ کرو۔ ٹھنڈے دل سے سوچو کہ تمام چیزوں کے سائے بھی اللہ تعالیٰ کے منقاد ہیں اور تمام چوپائے اور فرشتے بھی اسی کے منقاد ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ فرماتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کو الٰہ نہ بناؤ انما ہو الٰہ واحد۔ اور سنو ہر چیز میری ہے اور حکم بھی ہمیشہ میرا ہی چلتا ہے۔ پھر بھی تم دوسروں کو الٰہ بناتے ہو؟ تم کو سب کچھ میں نے دیا ہے اور پھر جب تم کو کوئی سختی پہنچتی ہے تو مجھے ہی بلاتے ہو تو پھر جب سختی دُور ہو جاتی ہے تو پھر اس کے شریک بنانے لگ جاتے ہو۔ ایسا تو تمہیں نہ کرنا چاہیے تھا اچھا نہیں مانتے تو عنقریب تمہیں اپنے آپ سمجھ آجائے گی

صرف یہی نہیں کہ مشرکین اپنی حاجات میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں بلکہ غیروں کے نام کی نذر و نیاز بھی مانتے ہیں اور اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں فرشتوں کو۔ حالانکہ خود اپنے لیے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی صفات تو بہت ہی بلند و بالا اور ارفع ہیں۔ ایسے نابکاروں کو خدا پکڑنا چاہتا تو اس کے قابو سے بھاگ تو نہ سکتے لیکن اجل معین تک دیر ہے

اور مقام تعجب ہے کہ کرتے تو ہیں یہ شرک مگر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جنتی ہیں۔ نہیں! — بلکہ ان کے لیے آگ تیار ہے۔

یا رسول اللہ! ان مشرکین کا دلائل سننے کے بعد بھی شرک کرنے کی وجہ سے آپ مغموم نہ ہوں۔ تکذیب ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے اور یوں سمجھاؤ کہ اے مشرکو! دیکھو تو بارشیں برسا کر زمین کو آباد اللہ ہی کرتا

ہے اور گوبر اور خون سے خالص دودھ اللہ ہی پلاتا ہے۔ ہر قسم کے میوے بھی وہی دیتا ہے۔ شہد کی مکھی سے شہد بھی وہی نکالتا ہے۔ تمہیں بھی اسی نے بنایا ہے پھر موت بھی وہی کرتا ہے اور کسی کسی کو ارذل عمر تک بھی وہی پہنچاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علیم و قدیر وہی ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ ایک شخص سردار ہو اور ایک غلام ہو۔ کیا وہ سردار اپنا رزق اپنے غلام کو دے کر اپنے برابر کر سکتا ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیارے بندے کو تمام علم دیا قدرۃ دے کر اپنے برابر نہیں بنایا۔ پس اب تو شرک سے باز آجاؤ

اور دیکھو تمہاری ہی جنس سے عورتیں ہیں اور تمہاری عورتوں سے بیٹے پوتے بنائے اور پاکیزہ رزق بھی تمہیں وہی دیتا ہے۔ کیا پھر بھی شرک کرتے ہو۔

اور جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے فلا تضربوا للہ الامثال یعنی اس کا برابر کسی کو نہ سمجھنا چاہیے نہ علم میں نہ تصرف میں ــــ سنو ایک ہو غلام جو کسی چیز پر قادر نہ ہو اور ایک ہو سردار جو ہر چیز پہ قادر ہو کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں! پس کہو الحمد للہ یعنی تصرف اور علم الکل صرف اللہ کے لیے ہے۔ اور سنو ایک ہو گونگا غلام جو کچھ بھی نہیں کر سکتا ایناما یوجہہ لا یات بخیر اور ایک ہو سردار جو امر بالعدل کرے اور وہ صراط مستقیم پر ہو کیا یہ دونو یکساں ہیں؟ اسی طرح معبودانِ باطلہ نہ تو وہ کسی چیز پر قادر ہیں اور نہ وہ کسی چیز کا علم کر سکتے ہیں کہ وہ ان کے حکم سے ہو جائے الحاصل للہ غیب السموات ..... یعنی ہمہ دان و ہمہ کن صرف اللہ ہے۔ پس تمہیں چاہیے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ

دیکھو تو جب ماں کے پیٹ میں سے اللہ ہی تمہیں نکالتا ہے جب تم کچھ نہ جانتے تھے پھر کان آنکھ دل بھی اللہ ہی دے کر تمہیں سمجھدار بناتا ہے

پھر دیکھو اللہ ہی ہے جو پرندوں کو فضاء آسمانی میں روکے رکھتا ہے اور پہ
کے علاوہ سب کام اللہ ہی نے کیے

اور دیکھو اللہ ہی نے تمہاری خاطر بیوت کو آرامگاہ بنایا اور چوپاؤں کے
چمڑوں سے خیمے اسی نے بنائے اور چیزوں کے سائے اور پہاڑوں میں غاریں اور
قمیصیں اور زرہیں وغیرہ سب اشیاء اسی نے بنائیں ہٰذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق
الذین من دونہ۔ اگر اس قدر واضح بیانات کے بعد بھی یہ مشرک نہ مانیں تو اے نبی
آپ کچھ غم نہ کریں کیونکہ آپ پر پہنچا دینا فرض ہے جو آپ ادا کر رہے ہیں۔ ان آیات سے
مسئلہ توحید تو بخوبی سمجھ آجاتا ہے مگر معاندین ضدیں آکر عمداً انکار کرتے ہیں۔ اچھا
قیامت میں ان کی خوب درگت بنے گی۔ اس دن یہ لوگ بہتیرے عذر پیش کرینگے
لیکن ان کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے مزعومہ شرکاء قیامت کے دن ان کو
کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو

توحید کے واضح دلائل سن کر اب تو شرک سے باز آجاؤ اور تمام احکام شرعیہ کو
بجالاؤ۔ ورنہ اللہ کا عذاب آجائیگا۔

مومنو! تم مشرکوں کی طرح نہ کرنا۔ بلکہ رسول اللہ صلعم کے مبارک ہاتھ پر تم نے
بیعت کرکے عہد کیا تھا کہ ہم کو جو کچھ اللہ تعالیٰ فرمائیگا ہم بجا لائیں گے اب اس عہد
پہ پختہ رہو۔ کفار کی مال و اولاد میں بہتات دیکھ کر عہد شکنی نہ کر بیٹھنا۔ کافروں
میں مال و اولاد کی بہتات اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو
اجر تمہاری خاطر موجود ہے وہ بہت بہتر ہے۔ متاع دنیا تو قلیل اور فانی ہے ما
عندکم ینفد.... جو مومن اپنے عہد پہ پختہ رہیگا مرد ہو یا عورت۔ اللہ تعالیٰ دین پہ
اس کو استقامت بخشیگا۔

ہم نے جو آپ پہ قرآن اتارا ہے اسے پڑھتے وقت پہلے تعوذ من الشیطان ضرور کر

بنا کر دیتا کہ شیطان تمہارے دلوں میں شبہ نہ ڈالے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو شیطان کے شبہات سے محفوظ رکھیگا۔ لیکن جو اُس کو اپنا دوست سمجھتے ہیں ان کو کسی صورت میں بھی شیطان نہیں چھوڑتا اور نہ حق تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے اور وہ اس شبہات سے متاثر ہو جاتے ہیں مثلاً ایک حکم کے بجائے اور کوئی حکم آجائے تو اس شیطان کے شبہ ڈالنے کی بنیاد پر مشرک کہتا ہے انما انت مفتر تو اس شبہ کا جواب یوں دو کہ یہ کلام میں نے اپنے آپ سے گھڑ کر نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرائیل کے میری طرف اتاری ہے۔ اسی طرح شیطان کے شبہات سے متاثر ہو کر کافر کہتے ہیں کہ اللہ نے اس پر کتاب نہیں اتاری بلکہ اس کو کوئی آدمی سکھا جاتا ہے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ بھی آدمی اس قدر بلند فصاحت و بلاغت میں مع اپنی تمام خوبیوں کے نہیں لکھ سکتا جس سے سحبان جیسے عاجز ہو جائیں۔ اور جس کے متعلق تم نسبت کرتے ہو وہ ہے عجمی

یاد رکھو جو ہماری وحی پر اعتراض کرتے ہیں ان پر اللہ نے مہر جہالت لگا دی ہے

جو شخص ایمان کے بعد کفر کرے یعنی عہد توڑے اس پر اللہ کا غضب ہوگا پھر اوپر سے مہر جہالت لگ جاتی ہے پھر وہ کبھی ایمان نہیں لا سکتا پھر آخرت میں وہ بڑے خوار ہوں گے۔ ہاں جس کے دل میں تصدیق بالایمان ہو اس سے جبراً کلمہ کفر کا یعنی نقض عہد کرایا گیا تو وہ معاف ہے اس لیے ضرور اپنے عہد پر پختہ رہنا۔

اگر تم نے ان دلائل کے ہوتے ہوئے شرک چھوڑ کر توحید کو نہ مانا تو عذاب آ جائیگا جیسے مکہ شریف میں دیکھ چکے ہو کہ ایک عظیم الشان قحط آیا تھا جس کا سبب یہی مشرکین کی تکذیب تھی۔ اس لیے تم پر واجب ہے کہ شرک اعتقادی بھی

چھوڑ دو۔ اور شرک فعلی بھی چھوڑ دو۔ کیونکہ مشرک دوزخ سے بچ نہ سکیں گے دنیا میں کچھ تھوڑا سا میری نعمتوں کو برت لیں۔ بعد میں عذاب الیم ہوگا شرک فعلی کا مطلب یہ ہے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال مت بناؤ اور نذر غیر اللہ کی حرام سمجھو۔ البتہ یہود پر چند حلال چیزیں بطور سزا کے حرام ہوئی تھیں اور جو شرک سے توبہ کرے گا اس سے وہ ابدی عذاب ٹل جائے گا۔

شرک نہ کرو تمہارے جد امجد ابراہیمؑ نہ شرک اعتقادی کرتے تھے اور نہ شرک فعلی۔ اس لیے تم کو بھی چاہیے کہ ابراہیمؑ کے تابع بنو اور ہر قسم کے شرک سے اجتناب کرو۔

اگر تمہارے دل میں شبہ پیدا ہو کہ ابراہیمؑ تو سبت کی تعظیم کرتا تھا۔ اور تم جمعہ کو معظم سمجھتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ سبت کی تعظیم قوم معترضی پر فرض ہوئی تھی نہ کہ حضرت ابراہیمؑ پر۔

بہرحال اپنے دعویٰ کو احسن دلائل کے ساتھ سمجھاتے رہو اور ان کی برائی کو نرمی سے دور کرو اور ان کے بکواسوں پر صبر کرو۔ یہ بہت اچھا ہے۔ پس اللہ تم کو غالب کرے گا

سورۂ نحل میں بتایا کہ انکار توحید کی وجہ سے مشرکین مکہ پر اللہ تعالےٰ نے قحط کا عذاب ڈالا۔ بنی اسرائیل میں تمرقی ہے کہ دعویٰ ماننے کے لیے ایک عظیم الشان معجزہ دکھایا جائیگا۔ پھر بھی مشرکین مکہ نے نہ مانا تو ہلاک کر دیے جائیں گے جیسے بنی اسرائیل کو پہلے آگاہ کیا گیا تھا لیکن جب انہوں نے دعویٰ توحید کا انکار کیا تو ان کو عذاب میں مبتلا کیا گیا اسی طرح فرعون کو دعویٰ توحید منوانے کے لیے معجزات دکھلائے گئے تھے۔ پھر اس کو بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا۔

سورۃ بنی اسرائیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے میرے محبوب! فرما دیجیے کہ اللہ کو شریکوں معاونوں نائبوں وزیروں سفیروں شفعاء غالبہ سے پاک سمجھو جس نے اپنے بندہ توحید بیان کنندہ کو اثبات نبوت کے لیے ایسا بڑا معجزہ دکھایا کہ ایک رات کے تھوڑے سے حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرا دی پس اس معجزہ کو دیکھ کر اس دعویٰ توحید کو مان لو اور موسیٰ کو بھی یہی کہا تھا کہ لا تتخذوا من دونی وکیلا یعنی غائبانہ حاجات میں ایک اللہ کو پکارو۔ پس لوگو! دعویٰ مان لو۔

نوحؑ بسبب شکور ہونے کے عذاب الٰہی سے بچ گئے۔ تم بھی اس دعویٰ کو مان لو عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے ناقدری میرے اس مسئلہ کی نہ کرو۔

دیکھو بنی اسرائیل کو ہم نے کہا تھا کہ تم دو بار یا کئی بار فساد برپا کرو گے جب ایک دفعہ کرو گے تو تم پہ ایک بڑی سخت قوم مسلط کر دیں گے۔ پھر تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے ہم تمہیں غالب کریں گے اور جب تم لوگ پھر پیغمبر کے نافرمان ہو جاؤ گے تو تم پر پھر بڑی سخت قوم مسلط کر دیں گے جو تم کو ذلیل و خوار کرے گی یعنی تم کو قتل کرے گی اور آخرت میں تم کو جہنم میں داخل کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح اے مشرکین مکہ! تمہاری نافرمانی کی وجہ سے ایک دفعہ قحط کا عذاب آیا اب تم کو یہ معجزہ دکھایا گیا۔ اب بھی اگر نافرمانی کی تو دنیا میں ہلاک کر کے آخرت میں جہنم میں داخل کر دیں گے

پھر سن لو قرآن کا دعویٰ بڑا محکم ہے جس نے مان لیا اس کے لیے اجر عظیم ہوگا اور جس نے نہ مانا اس لیے عذاب الیم ہوگا

خلاصہ بنی اسرائیل

احمق لوگ بجائے دعوی ماننے کے مذاق کرتے ہوئے خیر کی طرح شر مانگتے ہیں جیسے کہتے ہیں فامطر علینا حجارۃ ۔۔۔۔ ان کا فرض تھا دعوی کی دلیل میں غور کرنا سنو اللہ ہی ہے جس نے رات دن بنائے ہل من خالق غیر اللہ فادعوہ خاصۃ وسجوہ سبحانہ ۔ جو یہ دعوی نہ مانیگا اس کا اپنا نقصان ہوگا ۔ اور جو مان لے گا اس کا اپنا فائدہ ہوگا ۔ سنۃ اللہ جاری ہے کہ مبلغین بھیج کر لوگوں کو حق بات پہنچائی جاتی ہے پھر مکذبین کو ہلاک کیا جاتا ہے اور ایسا نہیں کیا جاتا کہ معاندین کا رزق بند کر دے کیونکہ وما کان عطاء ربک محظورا

قیامت میں بڑے بڑے درجات ملیں گے اور بڑی فضیلتیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرو اور وہ درجات وفضائل اس وقت حاصل ہوں گے جب اللہ کے ساتھ اوروں کو الٰہ نہ بنا جائے اور احسان کیا جائے ظلم نہ کیا جائے یعنی قتل اولاد قتل نفس مع منہ زنا بڑا یا مال کھانا خصوصاً یتیم کا ناپ تول میں کمی بیشی بدگمانی کر کے کسی کا نقصان کرنا اترا کر چلنا ۔ یہ سب احکام واجب الترک ہیں اور شرک ان سے بھی زیادہ برا اور واجب الترک ہے

۔۔ دلائل سے واضح بھی ہو چکا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں پھر فرشتوں کو بنات اللہ ۔۔۔ سمجھ لینا کہ اللہ نے سب کچھ ان کے حوالے کر دیا ہے بہت بڑی نامعقول بات ہے جس سے اللہ کو بہت غصہ آتا ہے اور ہم نے تو ہر قسم کے دلائل سے یہ مسئلہ قرآن میں بیان کیا ہے لیکن یہ مشرک لوگ نفرت ہی کرتے ہیں ۔ یہ ان کا حق تو نہ تھا ۔ ان دلائل سے بڑی وضاحت سے پتہ لگ جاتا ہے کہ واقعی اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ۔ مگر مشرک نہیں مانتے اور اتنا نہیں سوچتے کہ اگر اور کوئی الٰہ ہوتا تو اللہ کے ساتھ اپنے پکارنے والوں کے حق میں جھگڑتا اور ان کے ہمیشہ کام ہوتے رہتے ۔ اس طرح تو کوئی بھی نہیں ہے ۔ معلوم ہوا

کہ الٰہ خاص اللہ ہے۔ دیکھو تو آسمان زمین اور تمام مخلوقات کا وجود دال ہے اس بات پر کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن تم ان کے حال سے بھی کچھ نہیں سمجھتے اور شرک کرتے ہو۔ اور ضدی کفار صرف عناد کی وجہ سے نہیں مانتے ان پر مہر جباریت لگ چکی ہے فلا یستطیعون سبیلاً۔

پھر معاند مشرک قیامت کا بھی انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا دوبارہ اٹھنا بعید از عقل ہے۔ آپؐ ان سے کہیں کہ تمہیں ضرور اٹھایا جائیگا۔
پھر کہتے ہیں کہ کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا تم کہو اللہ ہی ہے جو تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا پھر کہیں گے کب اٹھائے گا؟ کہو وقت قریب ہے۔
اب تو تم کہتے ہو کب؟ لیکن قیامت میں اسرافیل کے ذریعے تمہیں اللہ بلائے گا تو فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جی کر اٹھ کھڑے ہوگے۔ اور کہو گے کہ نہیں! جلدی آ گئی۔

میرے مومن بندوں کو سمجھا دو کہ تبلیغ کے وقت نرمی اور خوش خلقی سے کام لیں کافروں کی گالیوں کا نرمی سے جواب دیں سخت کلامی مضر ہے اس سے آپس میں پھوٹ اور فساد پڑ جائیگا جو اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں رکاوٹ ہے۔ اور نرمی سے سمجھانے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں سمجھاؤ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو واقعی بڑے بڑے درجے دیتا ہے لیکن پکار سننا صرف اللہ کا کام ہے۔ کیونکہ ہمہ دان جو وہی اللہ ہے۔ دیکھو سب کچھ کرنے والا بھی اللہ ہے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت اسی نے دی۔ داؤدؑ کو زبور اسی نے دی پھر اس داؤد کو متصرف اور عالم الغیب سمجھ کر کیوں پکارتے ہو؟ نیز جب سب کچھ کرنے جاننے والا اللہ ہی ہے تو تم اپنے مزعومہ شفعا کو کیوں بلاتے ہو۔ وہ تو کسی چیز کے مالک نہیں۔ مالک ہونا تو رہا ایک طرف وہ تو خود ہی اللہ کو پکار پکار کر اپنا قرب الٰہی کی تلاش میں ہیں اور اللہ ہی سے مانگتے ہیں اور

اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

یہ مشرک ہمارے بیان پر غور نہیں کرتے معجزے مانگتے ہیں۔ لیکن ہم نہیں دیتے کیونکہ معجزات تخویف کے لیے آتے ہیں کہ جب معجزات دیکھ کر بھی نہ مانیگا اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ہم نے آپؐ کو مبلغ بنایا اور معجزہ اسراء کا تخویف کے لیے دیا۔ اور شجرہ ملعونہ کا ذکر بھی تخویف کے لیے کیا۔ پھر بھی یہ لوگ، سرکشی کرتے ہیں اور مانتے نہیں۔ ان کو بھی پہلوں کی طرح ہلاک کیا جائے گا۔ تو اب اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر مان لو شیطان کے تابع نہ ہو۔ یہ تمہارا جدی پشتی دشمن ہے تم اسے دشمن ہی سمجھو اور اس کو ہم نے کہا تھا کہ میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی بس نہ چلے گا۔ اس لیے تم عباد اللہ بنو۔ پھر تم پر اس کا تسلط نہ ہوگا۔

دیکھو دریاؤں میں کشتیاں دبی چلا تا ہے۔ اللہ کی کونسی کونسی نشانیوں کا انکار کرو گے۔ پھر تم ایسے ہو کہ کشتیوں میں مصیبت آتی ہے تب تو صرف اللہ کو پکارتے ہو اور جب اللہ نجات دے دیتا ہے تو تب خاص اللہ کی پکاریں بند نہیں رہتے۔ ارے تمہیں کچھ خطرہ نہیں؟ تمہاری اس خباثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم کو اس دنیا میں بھی ہلاک کر سکتا ہے پھر تم اس خباثت سے باز کیوں نہیں آتے۔ او مشرکو! ذرا میرے انعامات کو تو دیکھو اور سوچو۔ پھر تم شرک سے باز کیوں نہیں آتے۔ اتنے دلائل کے بعد بھی جو شخص اس دعویٰ کو نہیں مانتا وہ قیامت میں جنت سے محروم رہیگا۔ لیپ آف۔ ڈرو۔ اور یہاں جا کر دعویٰ دلائل عقلیہ سے بھی ثابت ہو گیا اور اس دعویٰ کی سچائی کے لیے ایک بڑا معجزہ بھی دکھایا گیا۔ پھر بھی کفار کا یہ حال ہے کہ آپؐ کو اس دعویٰ کے خلاف کرانا چاہتے ہیں۔ شاید یہ کہتے ہوں گے کہ اللہ کا تصرف اور اللہ کا علم ہی بس

بیان کرتے رہو جو ایک متفق علیہ مسئلہ ہے اور ہمارے مذہب کی تردید نہ کرو۔

اور پھر ان کفار کا یہ حال ہے کہ میرے نبی کو مکہ سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں ذرا کان کھول کر سن لیں کہ اے نبی میرا وعدہ رہا کہ جب آپ یہاں سے نکل جاؤ گے تو ہم ان کو ہلاک کر دیں گے۔ یہ معاندین کو ہلاک کرنا اللہ کی سنت جاریہ ہے۔ اے نبی ! یہ مکہ والے جو آپ کو مصائب پہنچاتے ہیں سو ان مصائب کے ازالہ کا علاج یہ ہے کہ آپ نمازیں پڑھ کر دعائیں مانگیں۔ یہ فعل دافع ہے مصائب کا۔ اور یہ کہیں کہ اسلام آگیا۔ کفر جاتا رہا کیونکہ کافر ان کو ہلاک کیا جائے گا۔ قرآن فی الواقع رحمت تو ضرور ہے مگر کفار کے لیے ان کے انکار کی وجہ سے زحمت بن گیا

یہ مشرک اس قدر ڈھیٹھ ہیں کہ اپنے معبودوں سے مایوس بھی ہو جاتے ہیں پھر بھی ان کی پکار نہیں چھوڑتے۔ اچھا ! میں سب کو جان رہا ہوں پھر یہ ضدی کہتے ہیں کہ ہمیں روح کی حقیقت بتا دو، ہم مان لیں گے آپ کہو لوگو ! تم کو علم کم ہے تم اس چیز کو نہیں سمجھ سکتے۔ بس تمہارے لیے صرف معجزۂ قرآن کافی ہے جس میں ہم نے ہر قسم کے دلائل کے ساتھ توحید کو بیان فرمایا ہے اور یہ لوگ مسلسل انکار کیے جا رہے ہیں اور معجزے مانگتے ہیں اور پھر کہتے ہیں بھلا اللہ نے بشر کو رسول بنا بھیجا۔ اچھا اگر تم نہیں مانتے اور معجزات ہی مانگتے ہو اور بشر کا رسول ہونا تسلیم نہیں کرتے تو میں تمہیں جہنم میں داخل کر دوں گا۔ پھر سن لو سب کچھ کرنے والا اللہ ہے سب کچھ اسی کے قبضے میں ہے اور کسی کے قبضے میں کچھ نہیں۔ اور اگر اللہ کے خزانے کسی انسان کے ہاتھ میں ہوتے تو کسی کو کچھ نہ دیتا کیونکہ کان الانسان قتوراً اور دل کا تھوڑا تو معلوم ہوا کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے عیسیٰ عزیر وغیرہ کے ہاتھ میں کچھ نہیں

پس اسی کو پکارو و سجود سجانا۔

یہ مشرک جو آپؐ کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں ہیں انہیں علم نہیں کہ فرعون نے بھی موسیٰؑ کو اپنے شہر سے نکال دیا تھا۔ پھر فرعون اور اس کی قوم کو ہم نے ہلاک کر دیا تھا۔ اسی طرح جب آپؐ نکل جاؤ گے تو ہم ان کو بھی ہلاک کر دینگے نیز دعویٰ بالدلائل بیان ہو ضدی لوگوں نے معجزہ مانگا۔ معجزہ دیا گیا پھر بھی نہیں مانتے تو فرعون کی طرح اسی دنیا میں ان کو بھی عذاب دیا جائیگا۔

اور قرآن کو جس طرح اتارنا تھا اسی طرح ہم نے اتارا۔ اور اس کا دعویٰ بھی ایسا ہے جو بالکل سچ اور برحق ہے۔ آپؐ فقط مبلغ ہیں۔ الہٰ نہیں ہیں۔ اور قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا ہے تاکہ لوگ سمجھ کر مان لیں۔ آپ کہہ دو۔ او معاندین! تم مانو یا نہ مانو۔ مسلمان تو اس کو مانتے ہیں اور اس کو سن کر خشیہ طاری ہوتا ہے اور روتے ہیں۔ اب یہی دعویٰ بیان کرتے رہو اور یہی دعوت دیتے جاؤ کہ ایک ذات اللہ کو پکارو خواہ اس کے ناموں میں سے کسی نام سے پکارو کیونکہ اس کے سارے ہی اچھے اچھے نام ہیں اور وہی ہمہ دان اور ہمہ کن ہے نہ اس کا کوئی نائب ہے نہ شریک نہ وہ کسی کا محتاج۔ اللہ کے برابر کسی کو نہ سمجھو۔

ساری سورہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ کو شرکاء وغیرہ سے پاک کہو وہی سمیع و بصیر ہے موسیٰؑ کو بھی یہی دعویٰ دیا گیا تھا۔ لیل و نہار وغیرہ کل اشیا اسی نے بنائیں۔ اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو صاحب عرش پر غالب آنے کی سبیل نکالتا۔ ہمہ دان بھی اسی کی ہے اگر کسی بندے کے پاس خزانے ہوتے تو وہ کسی کو کچھ بھی نہ دیتا پس جب سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے تو اُدعوہ خاصۃً۔

مختصر یہ کہ اب ہم تمہیں مسئلہ توحید منوانے کے لیے ایک بڑا معجزہ معراج النبی م

دکھاتے ہیں۔ اب بھی نہ مانو گے تو قحط کی بجائے تمہیں فرعون وغیرہ کی طرح ہلاک کر دیا جائیگا۔

اب اگر کہو کہ ہم مسلمان ہیں گے مگر کچھ شبہات ہیں ان کا جواب مل جانا چاہیئے من جملہ ان شبہات کے ایک شبہ اصحاب کہف کے بارے ہے اور وہ یہ ہے کہ اصحاب کہف جو اس زمانے تھے ۳۰۹ سال غار میں صحیح سالم رہے ان کو دھوپ بھی نہ لگی ان کے نام کی نذر و نیاز مشروبات، روٹیاں ان کے نام کی اور ایک روٹی ان کے کتے کے نام کی یہ لوگ دیتے ہیں اور ان کا کام ہو جاتا ہے ان کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے سنتے ہیں، اور وہ ہمارے کارساز بھی ہیں۔

اور بعض حالات میں جنات کو پکارا جاتا ہے اور ان کا کام بھی ہو جاتا ہے معلوم ہوا جنات بھی غیب دان اور متصرف فی الامور ہیں۔ اور جو لوگ جنات کی پکار کو برا سمجھتے ہیں وہ اولیاء کرام کی قبروں پر جا کر ان کے درختوں کی ٹہنیاں وغیرہ نہیں کاٹتے اس خیال سے کہ یہ بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور کئی آدمیوں کو نقصان پہنچ بھی جاتا ہے۔ تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ متصرف اور غیب دان ہیں۔

اور موسیٰؑ اگرچہ غیب دان نہ تھے مگر حضرت خضر کے متعلق تو یقیناً یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیب دان تھے کیونکہ وہ موسیٰؑ کو امور غائب کے بارے خبر دیتے رہے

اور اسی طرح ذوالقرنین کے بارے کہا گیا مکنا له فی الارض و آتینه من کل شئ سببا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو طاقت دی

گئی تھی اور ہر شے کے اسباب ان کو دیے گئے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ذی القرنین اللہ کی دی ہوئی طاقت سے متصرف تھے تو ان کا جواب میں دیا

سورۃ الکہف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر شے اللہ کے حوالے ہے لہٰذا حمد بھی اسی کی کرنی چاہیے سب کچھ وہی کرتا ہے جانتا ہے کیونکہ اپنے بندہ توحید بیان کنندہ پر محکم اور پر از حکمت کتاب اتاری تاکہ وہ بندہ اُن کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے پیاروں کے بہت کچھ سپرد کر رکھا ہے حالانکہ یہ نہایت جھوٹ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شے اللہ کے حوالے ہے اسی دعوے کے اثبات کے لیے اللہ نے اپنے بندے پر کتاب بھیج دیا اصحاب کہف کے بارے شبہ تو ان سے جو امور خرق عادت کے طور پر سرزد ہوئے ہیں کہ وہ ایسی جگہ پر تھے جہاں دھوپ جا سکتی تھی لیکن وہ دھوپ سے محفوظ رہے یا غار میں ۳۰۹ سال سوئے رہے اس سے بعض احمقوں نے سمجھ لیا کہ شاید اللہ نے ان کو تسلط دے دیا تھا اور وہ متصرف تھے تو یہ ان کا سمجھنا غلط ہے کیونکہ دھوپ نہ لگنا ہمارے قبضہ میں تھا ان کو اس بات پر نہ ہم نے تسلط دیا اور نہ ہم نے ان کو مالکی دی کیونکہ غار میں خود انھوں نے ہم کو پکار کر کہا ربنا آتنا من لدنک رحمۃ ...... اگر ان کو تسلط و تصرف ہوتا تو بھی کاہے کو پکارتے۔ پھر ان کو چند سال ان کے کانوں پر تھپکی دے کر ہم نے سلایا تھا پھر ۳۰۹ سال کے بعد ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ پتہ لگے کہ غار میں ٹھیرنے کی مدت کس گروہ کو خوب یاد ہے ای الحزبین احصی ... پھر لگے ایک دوسرے سے پوچھنے کہ ہم کتنی مدت ٹھیرے ہیں آخر اسی بات پر آئے کہ ربکم اعلم بما لبثتم یعنی مدت کا انھیں کچھ علم نہ تھا۔ جب ان کو اپنے

حالات کی خبر نہیں تو پکارنے والوں کے حالات کی خبر ان کو کس طرح ہو سکتی ہے اور جب خبر نہیں تو اُن پکارنے والوں کو دے کیا سکتے ہیں۔

وہ تو خود اسی مسئلۂ توحید کے بیان کرنے کی وجہ سے قوم کو مسئلہ کا انکاری سمجھ کر انہیں چھوڑ ا اور بھاگ گئے اور وہ خود یہ وعظ کرتے رہے کہ غیر اللہ کو مت پکارو اور غیر اللہ کی نذر و نیاز مت دو

میرا اس قصہ کے بیان کرنے میں دو فائدے مدنظر ہیں ایک یہ کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے ارادے سے ہوتا ہے اسی لیے اگر کوئی کام کرو تو ان شاء اللہ کہا کرو دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کر لیا کرو اور یوں کہا کرو کہ اللہ بہت اچھا کرے گا جس کام سے میں بھول گیا ہوں

ہاں تو جب اصحاب کہف کو اپنے سونے کی مدت معلوم نہیں تو کہو ناں کہ اللہ ہی ہے جو دانا و بینا ہے سب کی سنتا سب کو دیکھتا سب کچھ کرنے والا۔

آپ اسی عجوبی پر خود بھی قائم رہو اور اسی مسئلہ کی تبلیغ کرتے رہو یہ بڑا مسئلہ ہے۔ اگر اس مسئلہ کی تبلیغ نہ کی تو آپ کو بھی عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ اور موحدین کے ساتھ رہو۔ اور کافروں دنیا داروں کی طرف التفات نہ کرو۔ اور ان کو دو باغوں والوں کا حال سنا دو کہ مشرک دنیا دار دنیا پہ غرہ ہو کر حق بات سے اعراض کیا تباہ ہوا۔ دنیا تو متاعِ قلیل اور فانی ہے۔ صرف حیاۃ دنیا کی رونق ہے۔ اور ایسا شخص آخرت میں پکڑا جائیگا۔ دنیا پہ غرہ ہونے والے مشرک کے انجام سے معلوم ہوا کہ کارسازی صرف اللہ ہی کی صفت ہے۔ اور جس طرح ابتداءً ہم نے پیدا کیا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کریں گے

خبردار! جنات اور ابلیس کے پھندے میں نہ آنا ابلیس تمہارا جدی دشمن ہے تم اس کو اور اس کی اولاد کو اپنا کارساز کیوں بناتے ہو؟ میں نے تو ان کو کارساز

اور مالک و متصرف نہیں بنایا۔ اور بروز قیامت اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو یہ فرمائے گا کہ اب بلاؤ اپنے آباء و اجداد و مزعومہ شرکاء کو کہ تم کو اس عذاب سے چھڑائیں۔ وہ نہ چھڑا سکیں گے۔

تعجب کا مقام ہے کہ قرآن میں ہم نے بار بار عجیب عجیب دلائل کے ساتھ دعویٰ کو ثابت کیا ہے پھر بھی نہیں مانتے اور جدال بالباطل کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عناد کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر مہر جباریت لگادی ہے ــــ اچھا! ــــ جدال کرلیں۔ ہم اپنے وقت مقررہ میں انہیں ہلاک کردیں گے

اب جو خضر و موسیٰ کے بارے جو شبہ ہے کہ انبیاء کے خوارق عادت دیکھ کر احمق یہ سمجھ بیٹھے کہ اللہ نے ان کو تسلط اور مالکی دی ہے سو یہ ان کی نادانی ہے۔

دیکھو موسیٰؑ باوجود میرے پسندیدہ بندہ ہونے کے اور باوجود اس کے کہ ان کو احکام نبوت مل چکے تھے خضر کے کاموں کی حقیقت نہ دیکھ سکے اور خضرؑ نے بھی ان کاموں کی حقیقت بتا کر فرمایا مافعلتہ عن امری یعنی ان کاموں کے اختیارات مجھے بھی نہیں دیئے گئے پس جب خود متصرف نہ ہوئے تو پھر دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں ؟

اب رہا ذوالقرنین تو اس کو بھی اللہ نے مالک و متصرف نہیں بنایا۔ کیونکہ ذوالقرنین کو باوجودیکہ بڑے بڑے کمالات دیئے تھے پھر بھی اللہ کے تمام ملک کا حاوی نہ ہوسکا مغرب کی طرف گیا تو دلدل کا مقابلہ نہ کرسکا۔ عاجز ہو کر پیچھے لوٹا۔ پھر مشرق کی طرف گیا تو دھوپ کا مقابلہ نہ کرسکا۔ عاجز ہو کر لوٹا۔ پھر ایک قوم یاجوج ماجوج کا مقابلہ نہ کرسکا آخر دیوار بنانی پڑی۔ غرضیکہ خوارق عادت سے یہ شبہ کرنا نہ چاہیے کہ اللہ نے ان کو مالک متصرف بنادیا ہے اب تو مشرکین ہماری توحید سے اعراض کرکے غیر اللہ کو غیب دان و متصرف

سمجھتے ہیں۔ قیامت کے دن ہم ان سب کو جہنم میں ڈالیں گے

الحاصل احمق لوگ میرے بندوں کو متصرف سمجھتے ہیں حالانکہ سب کچھ کرنے والا میں آپ ہوں۔ مشرک بلا تمام جہنم میں جائیں گے اور موحد جنت میں۔

دیکھو دان صرف اللہ ہے۔ اللہ کا اتنا وسیع علم ہے کہ اگر سمندر کو سیاہی بنایا جائے اور کئی سمندر سیاہی کے بنائے جائیں اور اللہ کے معلومات لکھے جائیں تو کبھی ختم نہ ہوں گے

جب حضرت محمدؐ کو قصص ماضیہ کا علم دیا گیا تو شاید اس سے بھی کوئی شبہ کرے کہ محمدؐ کو تمام علوم دیے گئے تو اے نبیؐ ان کے سامنے صاف اعلان فرما دو میں پیغمبر ہوں تمہارے جیسا ہی آدمی ہوں مجھے ہر چیز کا علم نہیں دیا ہاں دعویٰ توحید مع متعلقات کے میری طرف وحی کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جسے اللہ کی ملاقات کا یقین ہے اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے لیکن شرک سے ضرور بچے یعنی غائبانہ حاجات میں خاص اللہ کو پکارو کسی بندے مصطفےٰ کو اپنی حاجات میں نہ پکارے۔ یہ چند قصے بطور مثال کے بیان کیے گئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تمام مصطفےٰ بندوں کو ان پر قیاس لو اور کسی کو بھی اپنی حاجات میں مت پکارو

خلاصہ کہف کا: تمام عجائبات اور کارخانے اللہ کے جانے ہوئے ہیں ایسا ہی سب کچھ جاننے والا بھی وہی ہے۔ دیکھو اصحاف کہف جن کو لوگ پوجتے تھے ان کو اپنے ٹھہرنے کی مدت کا بھی اندازہ معلوم نہ تھا اصحاب جنتین میں سے منکر توحید کو کس طرح گرفت الٰہی ہوئی۔ شیطان کو مردود کر دیا اور موسیٰؑ بھی احاطہ علم نہ کر سکے۔ ذوالقرنین مشرق مغرب میں پھر کر ملک الٰہی کا احاطہ نہ کر سکے

تو اللہ کے سوا کون معبود ہو سکتا ہے ہل من خالق غیر اللہ
مختصر جب یہ مسئلہ ہر طرح سے واضح ہوگیا اور شبہات بھی زائل کر دیے گئے کہ غیب داں اور حاضر و ناظر اللہ کے سوا نہ اصحاب کہف ہیں اور کوئی اور۔ پس اللہ کے حکم میں کسی اور کو شریک مت کرو۔
سورۂ کہف میں چار شبہے دور کیے اب باقی شبہے

سورۂ مریم

میں دور کیے جائیں گے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شبہ ۱ زکریا کو آخر عمر میں فرزند ملا۔ اس خرق عادت کو دیکھ کر احمق سمجھے کہ اللہ اپنے پیاروں کو تسلط اور مالکی دیدیتا ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں کر سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ زکریا کو آخر عمر میں فرزند مل جانے سے عباد مصطفون کو مالک و متصرف ہونے کا اعتقاد رکھ لینا غلط ہے۔ کیونکہ زکریا نے تو مجھ کو پکارا تھا رب ہب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء۔ پھر میں نے اپنی بندے زکریا پر رحمت کی کہ آخر عمر میں ان کو بیٹا فرزند عطا فرمایا

شبہ ۲ مریم کو بغیر شوہر کے فرزند ملا اس خارق عادت امر کو دیکھ کر احمق سمجھے کہ عباد مصطفون کو اللہ تعالیٰ تسلط اور مالکی دیدیتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ مریم کو بغیر شوہر کے فرزند مل جانا ان کو تسلط و تصرف کی صفت مل جانے کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ان کے پاس فرشتہ آیا تو وہ اس کو بھی نہ پہچان سکیں اور فرشتہ سے کہنے لگیں انی اعوذ بالرحمٰن منک .... اگر متصرف ہوتیں تو مجھ سے پناہ کیوں مانگتیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس بے شوہر کے فرزند ملنے میں مریم کا کمال نہ تھا۔ بلکہ یہ ہمارا کمال تھا کہ ہم نے ان کو بغیر شوہر کے بھی فرزند دے دیا اس لیے کہ لوگ سمجھیں کہ اللہ بن باپ بھی لڑکے دے سکتا ہے

شبہ ۳: بعض حمقاء نے بن باپ کے علی سبیل خرق عادت عیسیٰ کا تولد دیکھ کر عیسیٰ کو متصرف سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو سب کچھ دے دیا ہے جواب یہ ہے کہ عیسیٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا ان کے متصرف ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ عیسیٰ نے تو خود فرمایا تھا انی عبد اللہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ نبی بنائیگا نیز انہوں نے خود کہا تھا ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ہذا صراط مستقیم یعنی میرا اور تمہارا متصرف خاص اللہ ہے اسی سے اپنی تمام حاجات مانگو ہذا صراط مستقیم اگر عیسیٰ مالک و متصرف ہوتے تو وہ خود اس طرح کیوں کہتے۔ ہاں ان کے بعد ان کو لوگوں نے متصرف سمجھ لیا

آج تو مشرک لوگ عباد مصطفین کے خوارق عادۃ دیکھ کر ان کو پکارتے ہیں، اور دفع شبہات کے بعد بھی ان کی پکار نہیں چھوڑتے لیکن بروز قیامت ان کے لیے عذاب ہوگا اور بڑے سمیع و بصیر ہو جائیں گے۔ اور اب دنیا میں دلائل عقلیہ و نقلیہ کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ وہ غفلت میں پڑے ہیں۔ اگر غفلت میں نہیں تو پھر ضدی ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ ہم خطۂ زمین کے مالک ہیں۔ مگر ان کا یہ زعم باطل ہے کیونکہ انا نحن نرث الارض کہ آخر کار زمین کے تو ہم وارث ہیں۔ ان کو اس دن سے ڈرا۔ آج تو غفلت میں پڑ کر مانتے نہیں بعد کو ہم ہی ہر چیز کے مالک ہوں گے اور یہ سب فنا ہو جائیں گے والینا یرجعون پس ان کو چاہیے کہ ڈریں اور عناد نہ کریں۔

شبہ ۴: جد انبیاء ابراہیمؑ کو بھی مالک و متصرف سمجھتے ہیں جواب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے باپ کو یہی سمجھایا تھا کہ غیر اللہ کو مالک و متصرف سمجھ کر مت پکارو صرف اللہ ہی نافع و ضار ہے پھر اس دعویٰ کے اظہار کی وجہ سے ان کو گھر سے نکالا گیا۔ اگر خود ابراہیمؑ مالک و متصرف ہوتے تو وہ یہ مسئلہ کیوں کر بیان

کرتے اور ان کو گھر سے کیوں نکالا جاتا

موسیٰ ہارون اسماعیل ادریس وغیرہ سب کے سب میرے برگزیدہ بندے تھے اس میں شک نہیں اور ان کو خوارق عادت چیزیں بھی دی گئیں مگر وہ متصرف و کارساز نہ تھے کیونکہ ان کا حال تو یہ تھا اذا تتلی علیہم .... جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیات پڑھی جاتیں تو یہ لوگ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں یعنی یہ تمام میرے آگے عاجزی کرنے والے تھے اور خاص مجھے ہی پکارتے تھے

اب اگر کوئی کہے کہ یہ شرک کارسازی کا کہاں سے آگیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عباد مصطفون کو پکارنے کا سبب یہ ہے کہ ان بزرگوں کے بعد ان کے جانشین گندے اور برے ہوگئے تھے انہوں نے اللہ کی پکار کو ضائع کر دیا اپنی خواہشات پر نذر و نیاز کے لیے۔ اور ہمیشہ یہی طریقہ چلا جائیگا۔

شبہ ۔ ملائکہ کو متصرف سمجھ کر پکارتے ہیں کام ہو جاتا ہے جواب یہ ہے کہ ملائکہ بھی پکارنے کے لائق نہیں کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ بغیر امر رب کے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر چیز اللہ کے قبضے میں ہے اور ہمہ دان بھی وہی ہے وہی ہے رب السمٰوٰت والارض پس اسی کو پکارو اور اسی کی پکار پر پختہ رہو کوئی اس جیسا نہیں اور اُن کے حوالے بھی کچھ نہیں

اور مقام تعجب ہے کہ مشرک ایک تو یہ مسئلہ نہیں مانتے دوسرے پھر سے اٹھنے کے بھی منکر ہیں۔ اچھا! اب نہیں مانتے اور قسم قسم کے بکواس بکتے ہیں۔ قیامت کے دن ان سب کو جہنم میں ڈالیں گے

پھر مقام تعجب ہے کہ آیات سن کر یہ بکواس بکتے ہیں کہ بتاؤ بھلا ہم بہتر ہیں یا تم حق پر ہو۔ کس کی مجلس میں رونق ہوتی ہے

جو لوگ دلائل کے بعد بھی ضد کرتے ہیں اور مانتے نہیں ان کے حق میں کہو کہ خدا کرے تم کو ہمیشہ گمراہی میں رکھے اور جب عذاب دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ واقعی ہم جھوٹے تھے۔ اور منیبین کو اللہ تعالیٰ دنیا میں تو استقامت بخشیگا اور آخرت میں ان کو اجر دیگا

پھر مشرکین اللہ کے سوا دوسروں کو اس لیے الٰہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے شفیع ہوں گے سو ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ جن معبودوں پر انہوں نے امید لگا رکھی ہے وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کو شفاعت کا کوئی حق نہ ہوگا ہاں مومنوں کے حق میں اللہ اجازت دیگا تب شفاعت کریں گے

احمق لوگ اللہ کا نائب بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے بہت کچھ ان کے حوالے کر دیا ہے یہ بہت بڑی نامعقول بات کہتے ہیں اس بھدی بات کی وجہ سے اللہ کو اتنا غصہ آتا ہے کہ قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اللہ کے لیے نائب ہونا ہرگز مناسب نہیں بلکہ قیامت کے دن سب لوگ دربار ایزدی میں عبد ہو کر حاضر ہوں گے۔ پس ان کا شفیع غالب اور نائب سمجھنا سراسر غلطی ہے

خلاصہ سورہ مریم کا یہ ہوا کہ زکریا مریم عیسیٰ ابراہیم موسیٰ ہارون اسمٰعیل ادریس وغیرہ نبی ولی سب خدا سے حاجات مانگتے تھے پھر وہ مالک و متصرف کیسے ہو سکتے تھے اور کس طرح شفیع غالب ہو سکتے ہیں۔ ہر چیز تو اللہ کے قبضہ میں ہے کسی کے حوالے کچھ نہیں کیا۔ یہ سب منعم علیہم تھے اور اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ ابتدائے خلق سے یہی دین صحیح تھا بعد میں لوگوں نے خراب کیا۔

مختصر خلاصہ: سب انبیاء اللہ کی دربار میں عاجزی کرتے ہیں اور روتے

ہیں۔ پھر وہ حاجت روا کس طرح ہو سکتے ہیں

کہف و مریم میں مسئلہ توحید پر کیے جانے والے شبہات کو دور کیا گیا

سورۃ طٰہٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں بتایا کہ اب مسئلہ توحید کا بہادر ہو کر سنجاؤ اور مصائب مردوں کی طرح برداشت کرو جیسے موسٰی نے برداشت کیے

آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ اس شخص کی نصیحت کے لیے اتارا جو اللہ کا خوف رکھتا ہو یعنی منیب ہو۔ اور اگر قدرے تنگی آ بھی جائے تو ضرور برداشت کرنا چاہیے کیونکہ یہ بڑے بادشاہ کا حکم ہے کہ تخت شاہی پر وہ آپ ہی قائم ہے سب کچھ اپنے قبضے میں رکھ رکھا ہے کسی کے حوالے کچھ نہیں کیا وہی ہمہ دان ہے فادعوہ خاصۃً کیونکہ لائق پکارنے کے اسے کے نام ہیں یعنی اس کے ناموں سے یہی بات نکلتی ہے کہ اسی کو پکارو کیونکہ سمیع علیم قدیر وغیرہ نام سب اسی پر دال ہیں کہ سب کچھ کرنے جاننے والا وہی ہے اور کوئی نہیں ہے۔

اب یہ دعوٰی مرد ہو کر پہنچاؤ۔ قرآن مصائب دینے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ نصیحت کے لیے بھیجا ہے اور بڑے بادشاہ کا حکم نامہ ہے اگر تکلیف آ بھی گئی تو کیا ہوا۔ دیکھو موسٰی نے اس دعوٰی کے پیچھے کتنے مصائب جھیلے اور تکالیف سہتے ہوئے بھی یہی فرمایا انما الٰھکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو وسع کل شیء علماً پہلے فرعون کے ساتھ مقابلہ کیا پھر اپنی قوم کے ساتھ مقابلہ کیا غرضیکہ مسئلہ توحید کے پیچھے بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں پس آپ بھی موسٰی کی طرح بہادر بنو اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جو مصائب آئیں برداشت کر لو۔ اور موسٰی کی طرح باقی

انبیاء کے حالات بھی سنائے گئے ہیں انہوں نے بھی اس دعوٰی کی وجہ سے بڑے بڑے مصائب برداشت کیے اور دعوٰی کو مرد ہوکر پہنچایا پس آپ بھی ان کی طرح بہادر بنو اور اس دعوٰی کو مرد ہوکر پہنچاؤ۔

اور دیکھو کہ قیامت میں مشرک اپنے شرک کا وبال اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو آہستہ سے کہیں گے تم تو صرف دس دن ٹھہرے تھے اور ان میں سے جو دنیا میں بڑا اعتقادہ کہیگا تم صرف ایک ہی دن ٹھہرے تھے۔

مقصود اس ترتیب سے یہ ہے کہ مشرکوں کو ڈرا کر اپنا دعوٰی سمجھاؤ۔

مشرکوں کو دیکھو کہ جب قیامت کا ذکر ان کو سنایا جاتا ہے تو پوچھتے ہیں کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ کہاں جائیں گے جواب دو کہ اللہ ان کو اڑا دیگا اور زمین کو چٹیل میدان بنا دے گا۔ جواب تو سن لیا۔ بڑا سوال و جواب کر کے معلومات میں اضافہ کرنا مقصود نہیں۔ اصل مقصد یہ سمجھانا ہے کہ اس دن لوگ ایک داعی کے تابع ہوں گے اور اللہ کے خوف سے آوازیں پست ہوں گی اور اس دن شفاعت کچھ نافع نہ ہوگی اور نہ کوئی اس اللہ سے اذن ملے بغیر شفاعت کرسکیگا یعنی جن کی شفاعت کرنے کو اللہ پسند کریگا اور وہ ہیں انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین۔ اور شفاعت بھی صرف ان کے حق میں کریں گے جو لائق شفاعت کے ہوں گے یعنی جو مومن ہوں گے الا من شھد بالحق وھم یعلمون۔ لا یشفعون الا لمن ارتضی۔ یعنی مومن گنہگار کے لیے جن کو اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے گا بلکہ سزا کا مرتکب بنا دیگا ان کے لیے اللہ کے اذن دینے کے بعد انبیاء و صالحین شفاعت کریں گے۔ اور کافر کے حق میں کوئی بھی شفاعت نہ کرے گا۔ اور اگر بالفرض کسی نے شفاعت کی بھی تو اس کو اس کی شفاعت سے نہ چھوڑا جائیگا۔

اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور شافعین سب کچھ جاننے والے نہیں ہیں
یہ تو دنیا میں بھی حی قیوم ذات کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں
آدم ؑ کی طرح بھول نہ جانا

الحاصل اے میرے محبوب! میرے دعویٰ توحید کو مرد بن کر پہنچاؤ
موسیٰ ؑ کی طرح مصائب برداشت کرو۔ آدم ؑ کی طرح نہ بننا اور کفار
کے بکواس پر صبر کرنا یعنی شرک کرتے رہنا۔ کافروں کی دنیا کا خیال نہ
کرنا۔ یہ تو آزمائش ہے

یہ مشرک یوں ہی بکواس کرتے ہیں اور ماننے کے لیے بہانہ بنا کر معجزے
طلب کرتے ہیں۔ کیا اس قرآن میں پہلی امتوں اور کتابوں کا حال بیان
نہیں کیا گیا۔ اور وہ صداقت کے لیے کافی نہیں؟ ہم نے عذاب سے پہلے ہی
لیے رسول بھیجا ہے تاکہ یہ مشرک لوگ یوں نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! تو نے ہمارے
پاس رسول کیوں نہ بھیجا کہ اس عذاب سے رسوائی سے پہلے ہم تیرے احکام کی
پیروی کر لیتے۔ اچھا نہیں مانتے تو ہم ان کو عذاب دیں گے۔ اس وقت انہیں
پتہ لگ جائے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر

خلاصہ سورۃ: قرآن نصیحت کے لیے اتارا ہے۔ اس کو گراں بار نہ سمجھنا
دیکھو موسیٰ ؑ نے کلمۂ توحید کی تبلیغ و اشاعت میں کس قدر تکالیف برداشت کیں
کیا ہوا اگر آپ پر بھی تبلیغ و اشاعت کلمۂ توحید کی وجہ سے کچھ تکلیف آگئی۔
آدم ؑ کی طرح نہ ہونا۔ دوسرا مسئلہ کہ سمجھ دان اللہ ہی ہے ہر شے کا علم اللہ ہی
کے پاس ہے۔ تخت شاہی پر وہ آپ ہی قائم ہے منعم علیہم کے حوالے کچھ نہیں کیا۔
سب کچھ اپنے ہی قبضہ میں رکھ رکھا ہے۔ یہ مسئلہ مرد ہو کر پہنچاؤ۔
مختصر خلاصہ یہ مسئلہ مرد بن کر بہادروں کی طرح پہنچاؤ جیسے موسیٰ نے پہنچایا

سورۃ الانبیاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے۔ تمام انبیاء صرف مجھے ہی متصرف و عالم الکل سمجھ کر پکارتے رہے وکانوا لنا عابدین۔ یدعوننا رغبا و رھبا وکانوا لنا خاشعین

مختصر المختصر سب انبیاء نے یہی اعتقاد بیان کیا کہ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں۔ باوجودیکہ حساب کا دن قریب آرہا ہے پھر بھی یہ لوگ اعراض ہی کر رہے ہیں اور غافل بیٹھے ہیں۔

سورۃ الحج

نذر و نیاز اللہ کی برحق ہے اس کو برقرار رکھو۔ اور غیر اللہ کی نذر و نیاز حرام ہے۔ اسے حرام سمجھو بت دو۔ حلال چیزیں بندوں کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہو جاتیں۔ ان کو حرام کہنا غلط اور گناہ ہے۔ وہ حلال ہیں کھاؤ۔ اور اللہ کی حرام کردہ چیزیں حرام ہی ہیں ان کو حرام ہی سمجھو۔

المختصر تمہیں چاہیے کہ غیر اللہ کو پکارنا بھی چھوڑ دو۔ اور غیر اللہ کی نذر و نیاز بھی چھوڑ دو ورنہ قیامت کا زلزلہ ایک سخت ترین عذاب ہوگا

سورۃ المومنون

اس زلزلے اور عذاب سے بچنے کے لیے شرک نہ کرو۔ ظلم بھی نہ کرو۔ اور نئی نئی رسمیں بھی نہ نکالو۔ بلکہ احسان کرو

المختصر: معبود ایک اللہ ہے۔ قضائے حاجات میں اسی کو پکارو۔ اور مغفرۃ اسی سے مانگو

سورۃ النور

مومنوں کی بد نامی مشہور کرنے کے حیلے نہ بناؤ۔ اور جو چیزیں مفضی الی الزنا ہیں ان سے بچو۔ اور سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہے۔ پس اسی کو پکارو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ

المختصر انبیاء کے اہلِ خانہ پر اتہامات نہ لگاؤ۔ اتہامات لگانے سے تبلیغ و اشاعت مسئلہ توحید رک جائے گی۔ نقصان ہوگا۔

سورۃ الفرقان

اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو تم نے برکات دہندہ سمجھ رکھا ہے وہ کسی چیز کے خالق و مالک نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی کو برکات دہندہ نہ سمجھو

المختصر برکتیں دینے والا صرف اللہ ہے برکتیں دنیویہ ہوں یا اخرویہ

سورۃ الشعراء

جب سورۂ فرقان میں ثابت ہوگیا کہ برکات دہندہ صرف اللہ ہے۔ تو پھر لاتدع مع اللہ الٰہا آخر یعنی غائبانہ حاجات میں اسی اللہ کو پکارو۔ اور اس دعویٰ کو نہ ماننے والے ہلاک ہوں گے

المختصر مشرکین کے سامنے امم سابقہ کے واقعات بیان کرو تاکہ نصیحت پکڑیں اور معبودانِ باطلہ کو برکات دہندہ نہ سمجھیں۔

سورۃ النمل

پیغمبر جب غیب دان بھی نہیں اور کسی کو عذاب سے بچا بھی نہیں سکتے تو پھر وہ برکات دہندہ کس طرح بن سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ تمہاری ہدایت کے لیے ہے اسے مان لو

المختصر: برکات دہندہ صرف اللہ ہے اس دعویٰ کو بیان کرنے میں اللہ پر توکل کرو اور اسی کو پکارو

سورۃ القصص

یہ مسئلہ کہ "برکات دہندہ صرف اللہ ہے" مرد ہو کر بیان کرتے رہو۔ اس مسئلہ توحید کے بیان کرنے میں کسی قسم کی لچک اور نرمی نہ ہو۔ اللہ کے سوا کسی کو الٰہ نہ بنانا لا الٰہ الا ھو اس کے سوا سب چیزیں فانی ہیں۔ حکم بھی اللہ ہی کا چلتا ہے۔ پھر اس کے سوا کوئی دوسرا معبود کس طرح بن سکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ اور مومنین کو تسلی دی گئی ہے کہ دل تنگ نہ ہوا تبلیغ واشاعت توحید میں مصائب آتے ہی رہتے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کامیاب فرماتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ ؑ کا حال۔ اور یہی مسئلہ بیان کیے جاؤ کہ لا تدع مع اللہ الٰہا آخر.......

المختصر: مسئلہ مرد ہو کر بہادری کے ساتھ پہنچاؤ۔ مصائب آتے ہی رہتے ہیں۔ صبر کرو۔

سورۃ العنکبوت

مصائب آئیں گے مگر تبلیغ واشاعت اس مسئلہ کی ہرگز نہ چھوڑنا اگرچہ اپنا ماں باپ ہی کیوں نہ کہے لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ کفار کی ایذا رسانی کو عذاب الٰہی کے مقابلہ میں کچھ نہ سمجھو۔ دیکھو تمام انبیاء پر تکالیف آئیں۔ پر انہوں نے اس مسئلہ کی تبلیغ واشاعت نہیں چھوڑی۔ آخر وہ فتحیاب ہوئے اور کفار ہلاک کیے گئے۔ مشرک شرک کرتے ہیں مگر ان کے مزعومہ معبود کر کچھ نہیں سکتے تو اس کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ اس کا گھر کتنا کمزور ہوتا ہے اور ان مشرکوں کا ضمیر مانتا ہے کہ دینی سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اسی لیے جب ان پر کوئی بڑی مصیبت آپڑتی ہے تو اس وقت آپ ہی اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اور اپنے مزعومہ معبودوں کو پکارنا چھوڑ دیتے ہیں۔

مختصر خلاصہ

المختصر: مومنو! ایمان لانے کے بعد تم پر بھی آزمائشیں آئیں گی مضبوط رہنا

سورۃ الروم

جب تم آزمائشوں میں پورے اترو گے اور مضبوط رہو گے تو آخرکار اللہ تعالیٰ تم کو فتحیاب کرے گا۔ کیا تم کو اطمینان نہیں آیا کہ پہلے دور میں مکذبین کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی نصرت فرمائی۔ اس واسطے تم مطمئن رہو اور دعویٰ توحید پر محکم رہو یعنی سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ کو سمجھ کر پکارو اور یہی مسئلہ لوگوں کو بتاؤ۔

المختصر: آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ تم کو فتحیاب کرے گا۔

سورۃ لقمان

عقلی دلائل سے یہ مسئلہ محقق ہو چکا ہے کہ ہمہ کن اور ہمہ دان صرف اللہ کی ذات پاک ہے اور حق پکارنے کا صرف اسی کے لیے ہے نہ کسی غیر کے لیے۔ لہٰذا اسی یگانہ و یکتا ذات باری تعالیٰ کو پکارو

المختصر: فتحیاب تب ہو گے جب توحید پر قائم اور مضبوط رہو گے

سورۃ السجدہ

سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے۔ پس اسی کو پکارو۔ نیز اللہ کا کوئی شفیع غالب نہیں تاکہ وہ پکار کے لائق ہو

المختصر: کامل موحد تب ہو گے جب کسی کو اللہ کا شفیع غالب سمجھو گے۔

سورۃ الاحزاب

اور کسی کو شفیع کہنے سے کوئی شفیع بن نہیں جاتا۔ جیسے کسی کو ماں کہنے سے وہ ماں بن نہیں جاتی ماں وہی ہوتی ہے جو جنتی ہے۔ اور جیسے کسی کے لڑکے کو بیٹا کہنے سے کہنے والے کا بیٹا بن نہیں جاتا۔

سورۃ السبا

سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے اسی کو پکارو۔ شفیع غالب سمجھ کر کسی کو نہ پکارو۔ انبیاء تو ہمارے مامور بندے تھے۔ اور جن غیب دان نہیں ملائکہ بھی پکارنے کے لائق نہیں کیونکہ نہ وہ مالک ہیں نہ غیب دان ہیں۔ اور قیامت میں تمہاری پکاروں سے انکار کریں گے۔

المختصر: پیغمبروں کو بے شک ہم نے کمال دیا تھا۔ لیکن ان کے قبضے میں کوئی چیز نہیں اور جنات غیب دان ہی نہیں اور ملائکہ خود گھبرا رہے ہیں تو یہ کس طرح شفیع غالب ہو سکتے ہیں

سورۃ الفاطر

سب کچھ کرنے والا سب نعمتیں دینے والا اور سب کچھ جاننے والا اللہ ہی ہے پھر اسی کو پکارو اسی سے عزت مانگو۔ جن کو تم پکارتے ہو وہ نہ تو کچھ کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری پکار سنتے ہیں ولو سمعوا ما استجابوا لکم

المختصر: لہذا کسی کو شفیع قہری سمجھ کر غائبانہ حاجات میں نہ پکارو۔

سورۃ یٰس

ہم نے مشرکین کو ہلاک کر دیا اور ان کے مزعومہ شفعاء نے ان کو نہ بچایا۔

سورۃ الصّٰفّٰت

کوئی شفیع قہری نہیں۔ جن کو یہ لوگ شفیع قہری سمجھتے ہیں وہ خود آپ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے لیے دعائیں اور فریادیں کر رہے ہیں پس وہ شفیع کس طرح ہو سکتے ہیں۔

المختصر: نبی ولی کا مصائب سے دوسروں کو چھڑانا تو رہا ایک طرف وہ خود مصائب میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کر رہے ہیں۔ اور

اسی ذات پاک کو پکار رہے ہیں۔

سورۃ ص

مشرک لوگ جن جن کو شفیع غالب سمجھ کر پکارتے ہیں ان کا اپنا یہ حال ہے کہ ان پر مصائب آتی تھیں پھر ان کو شفیع سمجھ کر کیوں پکارتے ہو۔ شیطان تو ملعون ہے۔ اس کے تابع کیوں ہوتے ہو؟

المختصر: عاجزی کرنا تو بجائے خود اللہ نے بطور آزمائش کے ان کو پکڑ لیا ہے۔

سورۃ الزمر

غائبانہ حاجات میں ایک اللہ کو پکارو۔ کیونکہ سب کچھ کرنے والا ایک اللہ ہے الیس اللہ بکاف عبدہ۔ اور جن جن کو مشرک پکارتے ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اور قیامت کے دن فرشتے کہیں گے الحمد للہ رب العلمین یعنی لائق پکارنے کے صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ دنیا و آخرت میں اسی کا تصرف ہے۔

المختصر: جب انبیا و ملائکہ وغیرہ کچھ نہیں کر سکتے تو اللہ ہی کو معبود سمجھو اور اس کے نبی و ولی فرشتوں وغیرہ کو معبود نہ بناؤ۔

سورۃ حم مؤمن

یہ حکم جو اس سورۃ میں بیان ہوگا وہ بڑے بادشاہ کا ہے۔ ماننا ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ غائبانہ حاجات میں غیر اللہ کو مت پکارو۔ صرف اللہ کو پکارو۔ کل انبیاء نے یہی دعویٰ بیان کیا۔ بھلا دیکھو اللہ کا سب کچھ کرنا برحق ہے۔ اور جن کو تم پکارتے ہو وہ کیا کر سکتے ہیں۔ فرعون اور اس کی قوم اس دعویٰ کو نہ ماننے کی وجہ سے غرق ہو گئی تھی اور قیامت میں مشرکین کو خزنہ جہنم کہیں گے کہ اب بلاؤ اپنے باپ دادوں اور مزعومہ شرکاء کو۔ موسیٰؑ کو بھی یہی ھدیٰ دی گئی تھی۔

المختصر پس اللہ ہی کو حاجات میں پکارو۔ غیر اللہ کو نہ پکارو

سورۃ حٰمٓ سجدۃ

شبہوں کا جواب ہے۔ شبہ ۱ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک شخص مصیبت میں پڑا ہوا ہے۔ پھر جب وہ کسی پیر فقیر وغیرہ غیر اللہ کو پکارتا ہے تو اس مصیبت سے چھوٹ جاتا ہے۔ یا مثلاً کوئی خواب دیکھتا ہے تو اس میں اس کو معبودانِ باطلہ (پیر فقیر وغیرہ) کہتے ہیں کہ تجھ پہ فلاں سختی ہماری وجہ سے آئی ہے کہ تو نے ہماری مخالفت کی ہے یا توہین کی ہے یا ہماری نذر و نیاز دینے میں قصور یا کوتاہی کی ہے۔ تو اس شبہ کا جواب دیا کہ یہ سب کچھ قرناء (شیاطین) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ شیاطین پکڑ لیتے ہیں پھر شرک کروانے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں۔ اور گمراہ کرنے کے بعد شیاطین خواب میں آتے ہیں۔

اور وہ خواب میں آنے والے عباد اللہ نہیں ہوتے بلکہ شیاطین ہوتے ہیں (وقیضنا لہم قرناء فزینوا.....) یعنی ہر قسم کے شبہات ڈال کر گمراہ کرتے ہیں

شبہ ۲ قرآن عجمی زبان میں کیوں نہ اترا؟ جواب دیا کہ اگر عجمی زبان میں قرآن اترتا پھر انہوں نے کونسا مان لینا تھا؟ پھر تو یہ کہتے کہ اس کی آیات ہم کو کھول کر کیوں نہ بتائی گئیں

شبہ ۳ قرآن دفعۃً کیوں نہ اترا؟ جواب دیا کہ اگر تم کہتے ہو کہ دفعۃً قرآن اترتا تو ہم مان لیتے تو یہ بتاؤ تورات شریف جو دفعۃً اتری تھی تو اس کے ماننے میں کیوں اختلاف ہوا۔

شبہ ۴ جب ہم نہیں مانتے تو عذاب کیوں نہیں آتا؟ جواب دیا کہ لکل اجل کتاب، کل امر مرہون باوقاتہا وعدہ الٰہی ہے کہ فیصلہ آخرت ہوگا اگر یہ وعدہ نہ ہوتا تو عذاب آ ہی جاتا

حاصل ان دونوں کا یہ ہے کہ اول تو مشرک لوگ سنتے ہی نہیں اور دوسروں کو کہتے ہیں شور مچاؤ اور سوالات واہیہ کرتے ہیں۔ اور اپنے معبودوں کو توڑ پھوڑ کر تباہ ہو کر پھر بھی ان کو پکارتے ہیں چھوڑتے نہیں۔ حاصل دلائل کا یہ ہے کہ پہلی دو دلیلوں میں فرمایا کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔ پھر دوسری دو دلیلوں میں فرمایا کہ سب کچھ جاننے والا اللہ ہی ہے جب سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے تو عقلاً و شرعاً فلا تجعلوا للہ انداداً

المختصر اگر خواب میں کوئی شخص کہے کہ میں محمد یا عیسیٰ یا موسیٰ یا فلاں بزرگ ہوں اور تجھے بتاتا ہوں کہ تو نے فلاں کو کیوں نہیں پکارا۔ یاد رکھنا یہ شیاطین ہوتے ہیں اس طریقے سے گمراہ کرتے ہیں

سورۃ الشوریٰ

اگر لکھا ہوا قرآن کے مقابلہ میں پیش کریں تو کہہ دو کہ یہ واضح ثبوت نہ دلیل ہے مشرکوں کو علم نہیں اور وہ اللہ کے بندے اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کو بھی شریک کرو اور وہ [illegible] یہ کہتے ہیں [illegible] و الشیطان [illegible]۔ پس اگر کوئی مقبول الٰہی کی طرف کلمات شرکیہ کی نسبت کرے تو کہہ دو کہ یہ مقبول الٰہی کی بات ہرگز نہیں۔ کسی دل کے خبیث نے ان کی طرف نسبت کر دی ہے اور کتابوں میں لکھ دیا ہے آج بھی قرآن کے مقابلہ میں اگر کسی کا قول کوئی پیش کرے تو اس کو مطلوب تحقیق ہی رد کر دو

المختصر اگر اس مسئلہ کے خلاف کسی کتاب میں لکھا ہوا مل جائے، تو سمجھ لو کہ یہ کسی دل کا لکھا ہوا ہے۔

نوٹ: اس میں میرا رسالہ "تنقیح [illegible]" [illegible]

سورۃ الزخرف

خود ان سے پوچھو کہ ارض و سما کس نے بنائے تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے۔
تو جیسے یہ بات مانتے ہیں اسی طرح سب کچھ کرنے والا بھی اللہ کو مانتے ہیں
اب کہتے ہیں کہ ہم ان کو اللہ کا شفیع سمجھ کر پکارتے ہیں نہ حاجت روا۔
تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شفاعت کے بھی مالک نہیں ہیں۔ ہاں البتہ
مومنوں کی شفاعت کریں گے اور وہ بھی اس وقت جب کہ اللہ کا اذن ہو
اور تم خود بھی ان کو اللہ کا پیدا کردہ مانتے ہو۔ پھر ان کے پکارنے سے باز
کیوں نہیں آتے۔

المختصر اگر شفعاء کو اس لیے پکارتے ہو کہ یہ ہمارا کام اللہ سے کروا
دیں گے تو ان کو صاف کہہ دو کہ شفاعت کا مالک کوئی نہیں۔

الدخان

اگر مشرک کہیں کہ ہم انہیں شفیع نہیں مانتے۔ بلکہ ہم ان کو اس لیے پکارتے
ہیں کہ ہمارے حق میں دعا کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اللہ ہی السمیع
العلیم ہے نہ کوئی اور۔ جب وہ ہستیاں جن کو تم پکارتے ہو سنتے ہی نہیں ہیں
جانتے بھی نہیں تو تمہارے حق میں دعائیں کس طرح کریں گے

المختصر اگر مشرک کہیں کہ ہم ان کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ ہماری ہر
بات سنتے ہیں تو کہہ دو کہ ہر بات سننے والا صرف یگانہ و یکتا اللہ ہے۔

الجاثیہ

جب معلوم ہو گیا کہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہے اور تورات کا بھی یہی دعویٰ
تھا تو پھر ہماری بات کے تابع بن جاؤ۔ اور مشرک لوگوں کے فاسد
عقیدہ کے پیروکار نہ بنو۔ کیونکہ ان پر تو جبارت کی مہر لگ چکی ہے الی اصل

لہ ملک السموٰت والارض فللہ الحمد فادعوہ خاصۃً ولا تجعلوا الا انذروا

المختصر اگر یہ مشرک کہیں کہ ہم انہیں اس لیے پکارتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو اطلاع دے دیتا ہے جب وہ چاہتا ہے۔ اگر چہ وہ ہماری بات نہیں سنتے تو ان کو کہہ دو کہ شریعتِ حقہ کا قانون مقرر ہو چکا ہے۔ اس لیے اب اپنی خواہشات نفسانیہ اور توہمات کی اتباع نہ کرو۔

الاحقاف

جب مشرکین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے نہ نقلی، تو پھر غائبانہ حاجات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ایسے کو پکارنے والا جو سنتا ہی نہیں؛ بہت بڑا کافر ہے۔ تورات کا بھی یہی دعویٰ تھا اور یہ کتاب (قرآن) بھی اس کی مصدق ہے پس غائبانہ حاجات میں صرف اللہ کو پکارو۔ اگر غیر کے پکارنے سے کچھ نفع ہوتا، تو عاد و ثمود وغیرہ کیوں تباہ ہوتے جنات نے بھی اپنی قوم کو یہی کہا تھا کہ غائبانہ حاجات میں صرف ذات اللہ کو پکارو

المختصر۔ مشرک اگر یہ کہیں کہ ہم تو اُن کو اس لیے پکارتے ہیں کہ ہمارے کام ہو جاتے ہیں اور ہماری مصیبتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ تو ان کے پکارنے میں اور ان کا نام جپنے میں برکات ضرور ہوتی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے ان مزعومہ شرکاء کے پکارنے والوں اور ان کا نام جپنے والوں کو تباہ کیا تھا اور ان کے وہ مزعومہ شرکاء معبودانِ باطلہ ان کو نہ چھڑا سکے۔ اور نہ ہی ان کے وظیفے کام آئے۔

محمد

محاربین کے ساتھ جہاد کرو تاکہ حکم توحید غالب رہے۔ اور چونکہ جہاد سوائے خرچ کے نہیں ہو سکتا اس لیے فی سبیل اللہ خرچ بھی کرو۔

الفتح

جہاد کرو۔ سستی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے گا

الحجرات

اپنے بادشاہ کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ بھی اچھی طرح برتاؤ کیا کرو۔ تاکہ تم میں اتفاق قائم رہے۔ اتفاق پیدا کرکے کفار کے ساتھ جہاد کرو

ق

کافروں کے ساتھ جہاد اس لیے بھی ہے کہ وہ قیامت کے منکر ہیں۔ حالانکہ قیامت کا آنا ضروری ہے سب انسان قبروں میں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ لوگوں کو چاہیے کہ قیامت سے ڈر کر توحید مان لیں

الذاریات

قیامت میں قبروں میں سے نکل کھڑے ہوں گے پھر اس دن جزا و سزا بھی ہوگی۔ اس لیے ڈرو اور اللہ کا بتایا ہوا دعویٰ توحید مان لو۔ ورنہ دنیا و آخرت میں معذب ہو گے۔

الطور

جب مشرکوں کو قیامت کے دن عذاب ہوگا تو کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس عذاب کو اس مشرک سے دفع کر سکے۔ آپ تبلیغ کرتے رہیے ہم آپ کے نگہبان ہیں۔

النجم

حضرت محمدؐ سچے رسول ہیں۔ اور جو کہتے ہیں وحی سے کہتے ہیں۔ تمہارا اللہ کے سوا کسی دوسرے کو شفیع غالب بنانا درست نہیں لیس لہا من دون اللہ کاشفۃ ای دافعۃ اللہ کے سوا کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ لہٰذا اسی کو پکارو۔

القمر

قیامت قریب ہے۔ ڈرو۔ اور توحید کا دعویٰ سچا ہے۔ مان لو۔ ورنہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نہ ماننے والوں کو ہلاک کرے گا۔

الرحمٰن

سب کچھ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے یسئلہ من فی السمٰوٰت والارض آسمان زمین میں جس قدر مخلوق ہے سب اسی سے مانگتے ہیں۔ پس اسی ذات کو برکات دہندہ سمجھ کر اسی کو پکارو۔

الواقعہ

قیامت میں کئی سابقون ہوں گے۔ کئی اصحاب میمنہ ہوں گے۔ ان کے تو درجات ہوں گے اور کئی اصحاب الشمال ہوں گے جن کو عذاب ہوگا اور ان کو کہا جائے گا انہم کانوا قبل ذٰلک مترفین وکانوا یصرون علی الحنث العظیم (اس سے پہلے بڑے خوش عیش اور ناز پروردہ تھے اور آسودگی کے غرے میں شرک جیسے بڑے گناہ پر اصرار کرتے رہتے تھے یعنی شرک برکتی۔ بعثت پر بھی اللہ تعالیٰ قادر ہے اس لیے فسبح باسم ربک العظیم یعنی اللہ تعالیٰ کو شرک برکتی سے پاک سمجھو۔ اور اصحاب الشمال میں سے نہ بنو۔ بلکہ اصحاب المیمنہ اور السابقون میں سے بنو۔

الحدید

سب کچھ کرنے جاننے والا صرف اللہ ہے پس اسی کو پکارو اور شریک بھی ہرگز کسی کو نہ بناؤ۔ اور اس دعوی کو ثابت کرنے میں جہاد و انفاق

المجادلۃ

ظہار کرنے سے بیویاں مائیں نہیں بن جاتیں۔ کفارہ دے کر رجوع کرو۔ منافقین اس بات کو نہیں مانتے۔ اور الرسول کے مخالف سرگوشیاں کرتے ہیں اور یہود کے ساتھ دوستیاں رکھتے ہیں اللہ تعالی ان کو خوب جانتا ہے ان کو عذاب دے گا۔ اور مومنین جو اس مسئلہ ظہار پر عمل کرتے ہیں ان کو جنت میں داخل کرے گا۔

الحشر

المجادلہ میں مخاطب منافقین سے کم درجہ منافقین کو زجر ہے جن کا نفاق پہلے منافقین سے اظہر تھا

الممتحنۃ

کمزور مومنین کو زجر ہے کہ خبردار! کافروں کے ساتھ دوستی نہ بناؤ

الصف

بلکہ جہاد کرو۔ قوم موسیٰ جہاد نہ کرنے کے سبب خوار ہوئی۔

الجمعۃ

مومنو! الرسول کی امداد کرو۔ موت سے نہ ڈرو فانہ ملاقیکم اور انفاق فی سبیل اللہ کرو۔

المنافقون

جو مسائل جہاد و انفاق کے جمعہ کے دن سنے ہیں ان پر عمل کرو۔ خود خرچ کرو خزائن سب اللہ کے ہیں تم کو اللہ دیگا مال و اولاد کی وجہ سے انفاق فی سبیل اللہ

الحاقۃ

تو یہ بات سُن کر ڈرو۔ اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک فی البرکات نہ بناؤ۔

المعارج

عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو ان امور مذکورہ فی السورۃ پر کاربند ہو جاؤ۔

نوح

نوح نے بھی اپنی قوم کو یہی کہا تھا یا قوم اعبدوا اللہ ای ادعوا اللہ خاصۃً۔
عذاب آنے سے پہلے اس دعویٰ کو مان لو۔ جب عذاب آئے گا۔ پھر مہلت نہ دی جائے گی۔

الجن

جنات نے بھی اپنی قوم کو یہ کہا تھا کہ شرک نہ کرو۔ پس مطلب یہ ہے کہ فلا تدعوا مع اللہ احدًا۔ قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احدًا کیونکہ وہی ہے عالم الغیب۔

المزمل

دعویٰ توحید پر اس وقت تک قائم رہو گے جب تک قرآن مجید پڑھتے رہو گے
اس دعویٰ توحید کے لیے مال خرچ کرو اور جہاد کرو

المدثر

خود بھی قرآن پڑھو اور پھر لوگوں کو بھی پڑھاؤ اور ڈراؤ۔ کہ

القیامۃ

قیامت ضرور آئے گی اور اس سے اعراض کرنا مناسب نہیں ہے

الدھر

تفکر یوم القیامۃ و تفکر نفس لوامہ کو چھوڑ دو۔ پہلے خود تمہارا پیدا ہونا ہی دوبارہ پیدا ہونے پر شاہد ہے۔ اس لیے آؤ۔ وقوع قیامت کو مان لو۔

الانشقاق

جب تم وہاں سے نکل نہ سکو گے تو وہاں تم پر کئی قسم کے حالات وارد ہوں گے لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ۔

البروج

مومن مشرکوں کو عذاب میں دیکھیں گے۔ یعنی مومن شاہد ہوں گے اور مشرک مشہود۔ (مومن مشرکوں کا تماشا دیکھیں گے)

الطارق

اور تم میں سے ہر ایک پر نگہبان ہوں گے۔ اب اگر یہ نہیں مانتے تو تم ان کو مہلت دے دو۔ میں ان کو دنیا میں بھی عذاب دوں گا اور آخرت میں بھی

الاعلیٰ

آپ شرک کی نفی کرتے رہیں۔ منیب تو مانے گا۔ ضدی معاند نہ مانے تو کیا ہو گیا۔ یہ مسئلہ توحید و قیامت کا کوئی نیا نہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی مذکور ہے

الغاشیہ

آپ کا کام تو صرف مسئلہ کی تبلیغ و اشاعت ہے آپ یہ کرتے رہیں لَسۡتَ عَلَيۡهِم بِمُصَيۡطِرٍ آپ ان پر داروغہ لگے ہوئے نہیں۔ ہاں جو شخص نہ مانے گا اس کو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو گا موت کے بعد ہماری طرف ہی ان کا رجوع ہو گا اور ہم ہی ان کا حساب لیں گے

الفجر

مال کی طرف رغبت نہ کرنا بلکہ مطمئن بالایمان ہو جاؤ۔ جب محب مال والے مالداروں کا حال سن لیا۔ تو پھر آرام طلب نہ بنو۔ مال کے ساتھ محبت نہ کرو۔ بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

المرسلٰت

جس کا وعدہ تمہیں دیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہو کے رہیگا۔ ڈرو۔

النبا

جس طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں انعامات وعذابات دیتا ہے اسی طرح آخرت میں دے گا اس لیے اس دن کے عذاب سے ڈر کر اور ثواب کے شوق میں مسئلہ توحید مان لو جنت ملے گی ورنہ دوزخ میں گر دوگے۔

النٰزعٰت

اور جس طرح دنیا میں تمہاری روح نکالنے کیلئے فرشتے مقرر ہیں جو مومنین کے ساتھ نرمی اور کافروں پر سختی کرتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن بھی تم پر فرشتے مقرر ہوں گے

عبس

پھر فرشتوں کے تسلط ہونے کے بعد عذاب کے وقت ایک دوسرے نفسی نفسی کہتے ہوئے بھاگو گے

التکویر

پھر نفسی نفسی کہتے ہوئے ایک دوسرے سے بھاگنے کے بعد اپنے اپنے مقامات کی طرف سیدھے جاکر وہیں رہ پڑو گے اور وہاں تم پر مختلف حالات بھی گذریں گے

الانفطار

اور وہاں سے تنگ پڑ کر کسی اور جگہ نکل جانے کی کوئی کوشش کرے تو وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیگا بلکہ ہمیشہ وہیں رہیگا وماہم عنہا بغائبین۔

المطففین

اور کسی سفارشی کی سفارش سے بھی نہ نکل سکو گے کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا دفتر مہر زدہ ہے کوئی شخص اپنا نام اس دفتر سے خارج نہ کرا سکے گا۔

البلد

کافر انسان کو میں سختی دے سکتا ہوں۔ لہٰذا مجھ سے ڈرو مسئلہ مان لو۔ اور تبلیغ و اشاعت مسئلہ میں دنیوی مشقت اٹھاؤ۔ اور مال بھی صحیح مصارف میں خرچ کرو۔ اجر دوں گا۔

الشمس

یاد رکھو ایمان اور کفر، مومن اور کافر یکساں نہیں ہو سکتے جس طرح چاند سورج رات دن، آسمان زمین، تقویٰ فجور یکساں نہیں۔ دیکھو ثمود نے رسولؑ کی مخالفت کی اللہ نے مشرکوں کو ہلاک کیا اور مومنوں کو بچا لیا۔

اللیل

اور تمہارے اعمال بھی یکساں نہیں انفاق و عدم انفاق میں بڑا فرق ہے جیسے رات دن، مذکر مؤنث یکساں نہیں

الضحیٰ

یارسول اللہ آپ تسلی رکھیں جس طرح ضحیٰ و لیل یکساں نہیں۔ کبھی ضحیٰ ہوتی ہے اور کبھی لیل ہوتی ہے اسی طرح وحی کا حال کبھی آتی ہے کبھی نہیں آتی۔ لہٰذا آپ غمگین نہ ہوں۔ آپ کو رب نے نہ چھوڑا ہے نہ ناراض ہے۔ اور کفار کی ثروت کی طرف خیال نہ کرو کیونکہ آخرت بہ نسبت دنیا کے اچھی ہے اور آخرت میں آپ کو بڑی بخشش عطا کرے گا اور آپ راضی ہو جاؤ گے

الانشراح

دیکھو آپ پر کتنا انعام ہم نے کیا آپؐ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور کفر و شرک آپؐ کے پاس آنے ہی نہیں دیا۔ وہ کفر و شرک اگر ہوتا تو آپ کی پیٹھ توڑ دیتا۔ اور آپ کا ذکر یعنی آپؐ پر جو قرآن نازل کیا ہے

ہی جاری رہیگا پس جب آپ پر اتنی نعمت ہے تو تنگی سے مت گھبرانا تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ اور جب اپنے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی عبادت میں لگ جاؤ اور اللہ ہی کے آگے عاجزی کرو۔

التین

اگر مشرکوں نے دنیا کی وجہ سے حق قبول نہ کیا تو آخرت میں ذلیل ہوں گے لیکن جو مان گئے ان کے لیے اجر غیر ممنون ہوگا۔ تمام انبیاء کو یہی کہا کہ منکر توحید کو ہم عذاب دیں گے

العلق

اتنے بیانات کے بعد بھی جو نہ مانے آپ پرواہ کریں آپ اپنا مشن نہ چھوڑیں قرآن پڑھ پڑھ کر سمجھاتے رہو اور اللہ کے انعامات کو یاد کرو۔

القدر

قرآن ضرور پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص رحمت کے وقت اپنے خاص فضل و کرم سے یہ قرآن نازل فرمایا ہے

البینة

جب تک ایسا رسول نہ آتا اور ایسی کتاب سے تبلیغ نہ ہوتی تو مشرکین واہل کتاب پر حجت قائم نہ ہوتی۔ اب تبلیغ ہو چکی۔ اب تو محض ضد اور عناد کی وجہ کر نہیں مانتے۔ یہ مسئلہ تو پہلی کتابوں میں بھی تھا۔ اب اس کے خلاف باغیوں نے نکالا ہے۔ چونکہ علماء ثقاۃ نے اس مسئلہ کو مان لیا ہے اور کتاب منزل من اللہ بھی آچکی ہے۔ لہٰذا اگر بعد میں آنے والوں کو باغیوں کا لکھا ہوا مل جائے تو وہ معذور نہ ہوں گے۔

الزلزال

مشرک اب تو ضد کرتے ہیں۔ قیامت میں جب زلزلہ آئیگا اور دوبارہ آدمی

پیدا ہو جائیں گے' اس دن ذرہ ذرہ کی جزا پائیں گے

العادیٰت

انسان کافر جو مال کی محبت میں بڑا حریص ہے یہ اتنا نہیں جانتا کہ مُردے جب قبروں سے نکلیں گے اور سینوں کی باتیں ظاہر کی جائیں گی تو ان کا کتنا بُرا حال ہوگا

القارعۃ

قیامت کے دن جب لوگ پروانے کی طرح پراگندہ ہوں گے اور پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے اس دن مومن تو جنت میں ہوں گے اور کفار ہاویہ میں جائیں گے

التکاثر

دنیا سے تو بے التفاتی چاہیے تھی مگر یہ لوگ رغبتِ دنیا کی وجہ سے آخرت سے غافل ہیں مگر تم بکثرت رغبتِ دنیا کر کے سچے دعوی سی غافل ہو جاؤ

العصر

کیونکہ راغب الدنیا تباہ ہوں گے سوائے ان کے جن میں چار صفات ہوں ایمان 'عمل صالح 'ایک دوسرے کو اتباع حق کی ہدایت 'ایک دوسرے کو مصیبت میں صبر کرنے کی ہدایت

الھمزۃ

اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ نصیحت پکڑتے اور مال سمیٹنے کی رغبت نہ کرتے مگر اس کے برعکس ہمیشہ مال سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں

الفیل

حالانکہ جو شخص اصحاب فیل کی طرح دنیا پر مغرور ہو کر شعائر اللہ کو مٹانے کی فکر میں رہتا ہے وہ مٹا دیا جاتا ہے۔

قریش

اصحاب فیل کا حال دیکھ کر اہلِ مکہ کو سوچنا چاہیے تھی کہ جس نے ان کو کھانے کو دیا خوف دشمن سے پرامن رکھا تو بیت اللہ کے رب کو ہی پکارتے اور گرما سرما کے سفر کے اتنے مگر وہ نہ سمجھتے

الماعون

گر دنیا سے نفرت کرنے کی بجائے یتیموں مسکینوں کو دھکے دیتے ہیں نہ تو خود کھلاتے ہیں اور نہ کسی کو دینے دیتے ہیں۔

الکوثر

آپ کو خیر کثیر (قرآن مجید) جیسی نعمت عظمیٰ مل چکی ہے لہٰذا آپ صرف اللہ کو ہی پکاریں اور اسی کے نام کی نذر و نیاز دیں اللہ آپ کے دشمن کو برباد کریگا۔

الکافرون

اگر کفار آپ کا دعویٰ نہیں مانتے تو ان سے آپ متارکت (بائیکاٹ) کر دیجیے اور صاف اعلان کر دو کہ میں تمہارے معبودانِ باطلہ کو کبھی نہ پکاروں گا تمہیں اپنے کیے کی سزا ملے گی اور مجھے اپنے کیے کی

النصر

اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی اور تم فتحیاب ہوگے بس مسلسل ہر قسم کے شرک کی نفی کرتے رہو اور اللہ سے دعائیں مانگتے رہو۔ اللہ کی نصرت ہوگی اور

تبت

آپ کے مخالفین جیسے ابولہب کو ہم دنیا میں بھی ہلاک کریں گے اور آخرت میں بھی آگ میں جھونک دیں گے اور آپ توحید کے مخالف کو صاف کہہ دو کہ تو جہنمی ہے اگرچہ آپ کا چچا ہو یا چچی

الاخلاص

آپ کا یہ اعلان ہمیشہ سے ہے کہ غائبانہ حاجات میں پکارنے کے لائق جس کی نذر و نیاز دی جائے وہ صرف اللہ ہے جس نے اپنی بادشاہی کسی کے حوالے نہیں کی۔ اور کسی کو اپنا نائب نہیں بنایا اور اس کے جوڑ کا بھی کوئی نہیں۔

الفلق

دنیا کی آفات سے اگر پناہ مانگنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو

الناس

اور دینی آفات سے اگر پناہ مانگنا چاہو تو بھی صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو

تمت

بالخیر

قرآن پاک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریمؐ کو حکم ہے کہ منافقوں سے مؤثر بات کرو وقل لہم فی انفسہم قولاً بلیغا

〃 〃 کہ مؤحد گنہگاروں سے صدقہ لو اور دعا دو خذ من اموالہم
صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا وصل علیہم

〃 〃 اسی دین پر قائم رہو واستقم کما امرت

〃 〃 〃 کی طرف دعوت دیتے رہو فلذلک فادع

〃 〃 کہ بتائے کہ ہر کتاب منزل من اللہ پہ میرا ایمان ہے قل آمنت
بما انزل اللہ من کتاب

〃 〃 کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو وامرت لاعدل بینکم

نبی کریمؐ کا مرسل ہونا اطاعت کے لیے ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

نبی کریمؐ کی اطاعت عین اطاعت اللہ ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ

نبی کریمؐ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ

نبی کریمؐ کی اطاعت موجب رحم ہے اطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون

نبی کریمؐ کی اطاعت ہی میں فوز وکامیابی ہے ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً

نبی کریمؐ کی اطاعت سے منعم علیہم کی معیت و رفاقت حاصل ہوتی ہے ومن یطع اللہ
والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین ... وحسن اولٰئک رفیقا

نبی کریمؐ کا مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے فان اللہ ہو مولاہ

〃 〃 جبریل و صالح مومنین ہیں وجبریل وصالح المومنین

〃 〃 تمام فرشتے ہیں والملائکۃ بعد ذٰلک ظہیر

نبی کریم کی اتباع موجب ہے حب اللہ کی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

- غفران ذنوب کا ویغفر لکم ذنوبکم
- نبی میں ہدایت ہے وان تطیعوہ تهتدوا

نبی کریم کا بلانا معمولی بلانا نہیں لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

نبی کریم جو حکم دیں فوراً عمل کرو استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم

نبی کریم کا فرمان سن کر سر تسلیم خم کرو ما آتاکم الرسول فخذوہ

نبی کریم نے جس سے روکا اس سے رک جاؤ وما نہاکم عنہ فانتہوا

نبی کریم کے حکم سے پیش قدمی حرام ہے لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ

نبی کریم کے حکم کی مخالفت موجب فتنہ یا عذاب الیم ہے کا ڈر ہے فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم

نبی سے فیصلہ کروا یا آپ کے فیصلے دل گیر ہونا مومن کا کام نہیں۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم

نبی کریم پر عمر بھر میں ایک بار درود شریف بھیجنا فرض ہے یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ

نبی کریم کی رسالت کے کفار قائل نہ تھے ویقول الذین کفروا لست مرسلا

نبی کریم کو کفار لوگ مفتری کہتے تھے قالوا انما انت مفتر

نبی کریم کے بارے کفار کہتے تھے کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا اور بازاروں میں پھرتا ہے وقالوا مال ہذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق

کافر نبی کو مجنون سمجھتے تھے قالوا انک لمجنون

کافر کہتے تھے کہ نبی انسان نہیں ہو سکتا قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا۔

نبی کریم کی وفات کے بعد ان کی پاک بیویوں سے نکاح حرام ہے

نبی کریم کو جسمانی معراج کرایا گیا سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا

نبی کریم کی تعظیم کا حکم مومنوں کو دیا گیا فالذین آمنوا بہ وعزروہ

نبی کریمؐ کی امداد کا حکم مؤمنوں کو دیا گیا ونصروہ .... اولئک ہم المفلحون
نبی کریمؐ کو اللہ نے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھا واللہ یعصمک من الناس
آپ بالخصوص مؤمنوں پر بڑے ہی شفیق مہربان تھے بالمؤمنین رؤف رحیم
آپ لوگوں کی بھلائی کے خواہاں تھے حریص علیکم
نبی کریمؐ بے حد نرم دل تھے فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم
نبی کریمؐ جبار نہ تھے وما انت علیہم بجبار
نبی کریمؐ انوکھے رسول نہ تھے ما کنت بدعا من الرسل
نبی کریمؐ مفتری نہ تھے قالوا انما انت مفتر بل اکثرہم لا یعلمون
نبی کریمؐ تکلف کر کے کچھ نہ بیان کرتے تھے وما انا من المتکلفین۔
نبی کریمؐ وحی کے بغیر کوئی شرعی حکم نہ لگاتے تھے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی
نبی کریمؐ کو وحی سے پہلے شرع کا علم نہ تھا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان
نبی کریمؐ کسی مرد کے باپ نہ تھے ما کان محمد ابا احد من رجالکم
نبی کریمؐ اللہ کے رسول ہیں محمد رسول اللہ
نبی کریمؐ برحق رسول ہیں وشہدوا ان الرسول حق
نبی کریمؐ ہمارے پاس برہان بن کر آئے یا ایہا الناس قد جاءکم برہان من ربکم
نبی کریمؐ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے وکان فضل اللہ علیک عظیما
نبی کریمؐ سیدھی راہ پر ہیں انک لعلی صراط مستقیم
نبی کریمؐ بشر رسول ہیں قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا
نبی کریمؐ کی بیویاں ہیں جو تمام مؤمنوں کی مائیں ہیں وازواجہ امہاتہم
نبی کریمؐ کی صاحبزادیاں ہیں یا ایہا النبی قل لازواجک وبناتک
نبی کریمؐ سچ لائے والذی جاء بالصدق
نبی کریمؐ حق لائے بل جاء بالحق

نبی کریمؐ نے تمام پہلے رسولوں کی تصدیق کی ومصدق المرسلین

نبی کریمؐ کو ابراہیمؑ کی ملت حنیفیہ پر چلنے کا حکم تھا واتبع ملۃ ابراہیم حنیفا

نبی کریمؐ لکھنے والے نہ تھے ماکنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک

نبی کریمؐ کفار پر داروغہ نہ تھے لست علیہم بمصیطر

نبی کریمؐ لوگوں کے اعمال کے نگران نہ تھے ما انت علیہم بحفیظ

نبی کریمؐ مختار کل نہ تھے وما انت علیہم بوکیل

نبی کریمؐ حاضر وناظر نہ تھے وماکنت من الشاہدین ۔ وماکنت لدیہم اذ یلقون اقلامہم ... وماکنت لدیہم اذ یختصمون ... وماکنت بجانب الطور

نبی کریمؐ کاہن نہ تھے فما انت بنعمۃ ربک بکاہن ولا مجنون

نبی کریمؐ مجنون نہ تھے ما انت بنعمۃ ربک بمجنون ۔ وما صاحبکم بمجنون

نبی کریمؐ شاعر نہ تھے وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہٗ

نبی کریمؐ کی شان بھی شاعری نہ تھی وما ینبغی لہٗ

نبی کریمؐ ضال نہ تھے ما ضل صاحبکم

نبی کریمؐ غوی نہ تھے وما غوی

نبی کریمؐ عالم الغیب نہ تھے ولا اعلم الغیب

مگر غیب کی کچھ باتیں آپؐ کو وحی ہوئیں تلک من انباء الغیب نوحیہا الیک

وحی کردہ باتیں بتانے پر آپؐ بخیل نہ تھے وما ہو علی الغیب بضنین

نبی کریمؐ جمیع خزائن اللہ کے مالک نہ تھے قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ

نبی کریمؐ فرشتہ (نوری مخلوق) نہ تھے ولا اقول لکم انی ملک

نبی کریمؐ سخت دل وبدخو نہ تھے ولو کنت فظا غلیظ القلب ....

نبی کریمؐ خائن نہ تھے ماکان لنبی ان یغل

نبی کریمؐ کسی غلطی پر اصرار کرنے والے نہ تھے

نبی کریمؐ کسی کی طرف سے دل میں کینہ یا رنج نہ رکھتے تھے
نبی کریمؐ کے بارے فرمایا گیا کہ آپؐ کا ابراہیمؑ کے ساتھ گہرا تعلق ہے ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوہ وہذا النبی والذین آمنوا
نبی کریمؐ کے فرائض ہے رستہ بتا دینا انک لتدعوہم الی صراط مستقیم۔ فانما علی رسولنا البلاغ المبین۔ انما علیک البلاغ و علینا الحساب
نبی کریمؐ کے فرائض جنت میں پہنچانا نہیں۔ لیس علیک ہداہم ولکن اللہ یہدی ... انک لا تہدی من احببت
نبی کریمؐ پر اللہ تعالیٰ نے کتاب اتاری انزل علیک الکتاب
نبی کریمؐ کو توحید کی شہادت دینے کے لیے بھیجا انا ارسلنا الیکم رسولا شاہدا علیکم
نبی کریمؐ خوشی سناتے ہیں ان کو جو آپؐ کی مان لیں ومبشراً
نبی کریمؐ ڈر سناتے ہیں ان کو جو آپؐ کی نہ مانیں ونذیراً
نبی کریمؐ انہی لوگوں میں سے ایک ہیں لقد جاءکم رسول من انفسکم
نبی کریمؐ پر شاق گزرتا تھا کہ لوگ اخروی تکلیف میں پڑیں عزیز علیہ ما عنتم
نبی کریمؐ اعلیٰ اخلاق والے تھے انک لعلیٰ خلق عظیم
نبی کریمؐ خاتم النبیین (آخری نبی) ہیں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین
نبی کریمؐ مومنوں کی جان سے بھی زیادہ مومنوں کے خیرخواہ ہیں النبی اولیٰ بالمومنین
بلکہ ہر اس پر مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں جو بھی ظاہراً ایمان کرے ویؤمن للمؤمنین ورحمۃ للذین آمنوا منکم
نبی کریمؐ کی دعا، امت کیلئے باعث حصولِ راحت و تسکین ہے ان صلوتک سکن لہم
نبی کریمؐ کی آمد پر تمام انبیاء سے آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کا تعاون کرنے کا وعدہ لیا واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ....
نبی کریمؐ کا اسم گرامی اور آپؐ کی آمد کی پیش گوئی کتب سابقہ میں تھی النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندہم فی التوراۃ والانجیل یا مریم

انبیاء کے متعلق
قرآن پاک اور بائیبل کا تقابل

موجودہ بائیبل میں انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین ہے چنانچہ پیدائش ۹: ۲۱
میں ہے نوح نے شراب پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔
۲۔ سموئیل ۱۱: ۲ تا ۱۵ میں ہے داؤد نے اوریا سے زنا کیا۔
سلاطین ۱۱: ۲ تا ۱۳ میں ہے سلیمان آخر عمر میں مرتد ہوئے۔ بت پوجے۔ بت خانے بنائے
پیدائش ۳۸: میں ہے داؤد و سلیمان و عیسیٰ حرام زادوں کی اولاد میں یعنی فارص بن یہودا کی (یہودا اپنی بہو تمر سے زنا کیا۔ فارص پیدا ہوا۔
پیدائش ۳۹: ۲ و ۳ میں ہے بنی یوسف غلام زادے ہیں۔
پیدائش ۱۹: ۳۳ تا ۳۸ میں ہے لوط کو بیٹیوں نے مے پلائی۔ اور ہم بستر ہوئیں۔ حاملہ ہوئیں۔ اولاد ہوئی۔
خروج ۳۲: ۲ تا ۳۵ میں ہے ہارون نے بچھڑا بنوایا اور پجوایا۔
گنتی ۱۱: ۱۱ تا ۱۶ میں ہے موسیٰ نے خدا سے بدکلامی کی۔
پیدائش ۲۷: ۳۰ میں ہے اس (خدا) نے کہا تیرا بھائی (یعقوب) دغا سے آیا۔ اور تیری برکت لے گیا۔
گنتی ۱۲: میں ہے اور موسیٰ نے ایک کوشی عورت سے بیاہ کر لیا۔ سو اس کوشی عورت کے سبب سے جسے موسیٰ نے بیاہ لیا تھا مریم اور ہارون اس کی بدگوئی کرنے لگے

نبی کریم ﷺ کی بشارت حضرت عیسیٰ ؑ نے بھی دی۔ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

نبی کریم ﷺ ایسے کام کی ہمیں دعوت دیتے ہیں جو ہماری روحانی زندگی کا سبب ہو
دعاکم لما یحییکم

نبی کریم ﷺ بحکم خدا سخت احکام کے بوجھ اور بندشیں ہٹاتے ہیں ویضع عنھم
اصرھم والاغلال التی کانت علیھم

نبی کریم ﷺ توحید اور نیکی کا حکم دیتے ہیں یامرھم بالمعروف

نبی کریم ﷺ کفر و شرک اور بدی سے روکتے ہیں وینھٰھم عن المنکر

نبی کریم ﷺ پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں ویحل لھم الطیبات

نبی کریم ﷺ خبیث چیزوں کو حرام بتاتے ہیں ویحرم علیھم الخبائث۔

نبی کریم ﷺ داعی الی اللہ ہیں باذن اللہ۔ انا ارسلنٰک ... وداعیا باذنہ

نبی کریم ﷺ سراج منیر ہیں وسراجا منیرا

نبی کریم کو حکم ہوا کہ امت کے حق میں اللہ سے معافی مانگو واستغفر لھم

نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کریں وشاورھم فی الامر

نبی کریم جس کے حق میں استغفار کر لیں اس کے گناہ معاف ولو انھم ظلموا انفسھم
جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما

نبی کریم ﷺ کی اطاعت فرض ہے اطیعوا الرسول

نبی کریم ﷺ کی چال قابل تقلید ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

نبی کریم کے حکم کے بعد بندہ اپنا اختیار استعمال نہیں کر سکتا وما کان لمومن
ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم

نبی کریم ﷺ کو حکم ہے کہ کھول کر اور صاف صاف حکم بیان کرو فاصدع بما تومر

نبی کریم ﷺ کو حکم ہے کہ منافقوں سے اعراض کرو فاعرض عنھم

نبی کریم ﷺ کو حکم ہے کہ ان کو نصیحت کیے جاؤ وعظھم

قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ

انبیاء کرام علیہم السلام سب سچے تھے راستباز تھے وصدق المرسلون

انبیاء کرام منصور ہوئے انهم لهم المنصورون

انبیاء برگزیدہ اور بہترین بندوں اور چیدہ بندوں میں سے تھے وانہم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔

حضرت آدمؑ کے بارے فرمایا کہ رب نے اس کو نوازا ثم اجتباہ ربہ

حضرت نوحؑ کے بارے فرمایا کہ وہ بڑے شکر گزار بندے تھے انہ کان عبدا شکورا

حضرت ادریسؑ کے بارے فرمایا کہ وہ بڑی راستی والے نبی تھے انہ کان صدیقا نبیا

ابراہیمؑ کے بارے فرمایا کہ وہ بڑی راستی والے نبی تھے انہ کان صدیقا نبیا۔

نیز فرمایا ابراہیمؑ بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے ان ابراہیم لاواہ حلیم۔

نیز فرمایا ابراہیمؑ بڑے مقتدا تھے اللہ کے فرمان بردار اور اس کی طرف یکرخ رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو چن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ پہ ڈال رکھا تھا ان ابراہیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ اجتباہ وھداہ الی صراط مستقیم۔

نیز فرمایا اللہ نے ابراہیم کو خوش فہمی عطا کی ولقد آتینا ابراہیم رشدہ من قبل۔

نیز فرمایا اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً۔

نیز فرمایا ابراہیم ہمارے ایمان داروں میں سے تھے انہ من عبادنا المومنین۔

نوح و الیاس، و موسیٰ و ہارون کے بارے بھی یہی فرمایا انہ من عبادنا المومنین۔

موسیٰ کے بارے فرمایا کہ اللہ کے ہاں وہ بڑے معزز تھے کان عند اللہ وجیہا۔

نیز فرمایا کہ موسیٰ اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے رسول نبی تھے انہ کان مخلصا وکان رسولاً نبیا۔

اسماعیلؑ کے بارے فرمایا کہ وہ وعدہ کے بڑے ہی سچے تھے انہ کان صادق الوعد
اور نبی رسول تھے وکان رسولاً نبیا
اور اپنے گھر والوں کو نماز وزکوٰۃ کا حکم دیتے رہتے تھے وکان یامراہلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ
اور اسماعیلؑ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے وکان عندربہ مرضیا۔
ادریسؑ کے بارے فرمایا ہم نے ان کو بلند مرتبہ تک پہنچایا ورفعناہ مکانا علیا۔
یونسؑ کے بارے فرمایا رب نے اس کو نوازا فاجتباہ ربہ
اور ان کو اور زیادہ اپنا مقرب بنایا فجعلہ من الصالحین۔
یحییٰ کے بارے پیش گوئی فرمائی کہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور مقتدا اور پاک دامن اور نبی اور خدا کا مقرب ہوگا مصدقا بکلمۃ من اللہ وسیدا وحصورا ونبیا من الصالحین۔
اور فرمایا ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ دی تھی اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ۔ اور سرکش و نافرمان نہ تھے وآتیناہ الحکم صبیا وحنانا من لدنا وزکوٰۃ وکان تقیا وبرا بوالدیہ ولم یکن جبارا عصیا۔
اور فرمایا انہیں سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے اور جس دن کہ وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔
یوسفؑ کے بارے فرمایا ہم نے اسے علم اور حکومت عطا فرمایا آتیناہ حکما وعلما۔
نیز فرمایا کہ یوسفؑ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے انہ من عبادنا المخلصین۔
یعقوبؑ کے بارے فرمایا کہ وہ بڑے صاحب علم تھے اس لیے کہ ہم نے ان کو علم عطا فرمایا تھا وانہ لذو علم لما علمناہ

داؤدؑ کے بارے فرمایا کہ وہ بڑی قوت والے بڑے رجوع الی اللہ کرنے والے تھے
واذکر عبدنا داؤد ذاالاید انہ اواب
نیز فرمایا ہم نے پہاڑ ان کے تابع کر رکھے تھے کہ ان کے ساتھ شام و صبح تسبیح کیا کرتے تھے انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق
اور پرندوں کو بھی ان کے تابع کیا جو اُن کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ سب ان کی وجہ سے بڑے رجوع کرنے والے تھے والطیر محشورۃ کل لہ اواب۔
نیز فرمایا ہم نے ان کی سلطنت کو قوت دی تھی اور ہم نے انہیں حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا کی تھی وشددنا ملکہ وآتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔
نیز فرمایا داؤدؑ کے واسطے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ۔ اور ان کے جوڑنے میں مناسب اندازہ رکھو والنا لہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد۔
نیز فرمایا کہ ہمارے ہاں داؤد کے لیے خاص قرب اور نیک انجامی ہے وان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن مآب۔
نیز فرمایا ہم نے داؤد کو زبور کتاب عطا کی وآتینا داؤد زبورا۔
نیز فرمایا ہم نے داؤد کو زمین پر خلیفہ بنایا یاداؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض
سلیمانؑ کے بارے فرمایا وہ بہت اچھے بندے تھے بہت رجوع الی اللہ کرنے والے تھے ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب
نیز فرمایا سلیمانؑ نے تو کبھی کفر نہیں کیا وما کفر سلیمان
نیز فرمایا ہم نے ہوا کو اُن کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب۔
نیز فرمایا سرکش جنوں کو بھی ان کا تابع کر دیا یعنی تعمیر کرنے والوں کو اور غوطہ

خوروں کو اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے والشیاطین
کل بناء و غواص و آخرین مقرنین فی الاصفاد۔
نیز فرمایا ان کے لیے بھی ہمارے ہاں قرب اور نیک انجامی ہے وان لہ عندنا
لزلفیٰ وحسن مآب۔
نیز فرمایا ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہادیا واسلنا لہ عین القطر
ایوبؑ کے بارے فرمایا ہم نے ان کو صابر پایا۔ کیا اچھے بندے تھے اور بڑے
رجوع الی الحق کرنے والے تھے انا وجدناہ صابرا۔ نعم العبد۔ انہ اواب۔
عیسیٰؑ کے بارے فرمایا عیسیٰ بن مریم تو بس اللہ کے ایک پیغمبر ہی ہیں اور اس کا
کلمہ جسے اللہ نے پہنچا دیا تھا مریم تک اور رحمت ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم وروح منہ۔
نیز فرمایا عیسیٰ تو بس ہمارے ایک بندہ تھے کہ ان پر ہم نے اپنا فضل کیا تھا۔
اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے ایک نمونہ بنایا تھا ان ہو الا عبد انعمنا علیہ
وجعلنا مثلاً لبنی اسرائیل
نیز فرمایا وہ تو ایک ذریعہ ہیں قیامت کے یقین کا وانہ لعلم للساعۃ
نیز فرمایا دنیا و آخرت دونوں میں معزز وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ
نیز فرمایا عیسیٰ مقرب بندوں میں سے تھے ومن المقربین۔
نیز فرمایا عیسیٰؑ صالحین (میں سے ہیں ومن الصالحین)
نیز فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنا، حکمت اور انجیل سکھائی ویعلمہ الکتاب والحکمۃ
والتوراۃ والانجیل۔ اذ علمتک الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل۔
نیز عیسیٰؑ کو مخاطب ہو کر فرمایا جب تم نے مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے
حکم سے وجود میں لاتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے

پر ندہ بن جاتا تھا واذ تخلق من الطین کہیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیہا فتکون طیرا باذنی
نیز فرمایا کہ تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے :
تبرئ الاکمہ والابرص باذنی
نیز فرمایا تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے واذ تخرج الموتی باذنی
نیز فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ کو تم سے میں نے روکا واذ کففت بنی اسرائیل عنک
نیز عیسیٰ نے انزال مائدہ کی دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر کے کھانا اتارا قال عیسی ابن مریم اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء ..... قال اللہ انی منزلہا علیکم۔
یوسفؑ کو ملکِ مصر میں تمکین اللہ ہی نے دی وکذلک مکنا لیوسف فی الارض۔
یوسفؑ سے سوء و فحشاء سے اللہ ہی نے ہٹایا لنصرف عنہ السوء والفحشاء
یوسفؑ کو اللہ نے ملک دیا لقد آتیتنی من الملک
یوسفؑ کو اللہ نے تعبیر رؤیا سکھائی • وعلمتنی من تاویل الاحادیث۔
پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ
پیغمبر اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں الذین یبلغون رسالات اللہ
پیغمبروں کی رفاقت بہترین رفاقت ہے وحسن اولئک رفیقا
پیغمبر کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ
پیغمبر کی مخالفت موجب جہنم ہے من یشاقق الرسول من بعد ..... ونصلہ جہنم
پیغمبر اُن کو خوشی سناتے ہیں جو مسئلہ مان لیتے ہیں مبشرین
• وہ ڈراتے ہیں جو مسئلہ نہیں مانتے ومنذرین
پیغمبر کا کام ہے مسئلہ لوگوں تک پہنچا دینا ما علی الرسول الا البلاغ
ہر پیغمبر لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم دینے آیا وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا

بشر مثلنا / ذلک بانہم کانت تاتیہم رسلنا بالبینات فقالوا ابشر یہدوننا
نوح م کو کہا تو بشر ہے ما نراک الا بشرا مثلنا
ہود م کو بشر کہا ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منہ ویشرب مما تشربون۔
صالح م کو بشر کہا فقالوا ابشرا منا واحدا نتبعہ
محمد م کو بشر کہا ءانزل علیہ الذکر من بیننا
قوم نے صالح کو بڑا جھوٹا شیخی باز کہا بل ہو کذاب اشر
موسیٰ م کو فرعون نے کافر کہا انت من الکافرین

" " ذلیل کہا ام انا خیر من ھذا الذی ہو مہین
" " نے کہا بات کھل کر نہیں کر سکتا ولا یکاد یبین۔
" " موسیٰ پر سونے کے زیور کیوں نہیں گرے تھے فلولا القی علیہ اسورۃ من ذہب
" " نے کہا فرشتے اس کے ساتھ کیوں نہیں آتے او جاء معہ الملائکۃ مقترنین
موسیٰ کے بارے فرعون نے کہا کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالیگا انی اخاف ان یبدل دینکم
یا ملک میں فساد پھیلائے گا او ان یظہر فی الارض الفساد۔
فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور موسیٰ اپنے رب کو پکار
دیکھے قال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربہ۔
موسیٰ کو فرعون نے جھوٹا کہا وانی لاظنہ کاذبا / وانی لاظنہ من الکاذبین
فرعون نے معجزات موسیٰ کو جادو کہا فلما جاءہم موسیٰ بآیاتنا بینٰت قالوا ما ھذا الا سحر مفتری
فرعون نے موسیٰ کو جادوگر کہا ان ھذا لساحر علیم
ہر نبی کے دشمن مجرم رہے وکذلک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیہا
" " " شیطان رہے ہیں وہ شیطان انسان ہوں یا جن وکذلک جعلنا لکل
نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض ....

انبیاء و رُسل مطاع ہوتے ہیں وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

ہر رسول کو طیب و حلال کھانا کھانے کو کہا گیا یاایہا الرسل کلوا من الطیبات

و عمل صالح کرنے کو کہا گیا واعملوا صالحًا۔

انبیاء کی بیویاں ہوتی تھیں ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لہم ازواجا و ذریۃ

• اولاد تھی وذریۃ

• سب کے سب مرد تھے وما ارسلنا من قبلک الا رجالًا نوحی الیہم

• کھاتے پیتے بھی تھے وما جعلناہم جسدا لا یاکلون الطعام۔ وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انہم لیاکلون الطعام

• بازاروں میں بھی جاتے تھے ویمشون فی الاسواق

• سدا رہنے والے غیر فانی نہ تھے وما کانوا خالدین

• ہر قوم میں آئے وما اہلکنا من قریۃ الا لہا منذرون ذکریٰ

مگر ہر قوم نے اپنے نبی کی تکذیب تو عذاب آیا ان کل کذب الرسل فحق عقاب

ہر قوم نے اپنے نبی سے استہزاء کیا ولقد استہزئ برسل من قبلک

ہر قوم نے اپنے نبی کو ساحر یا مجنون کہا کذٰلک ما اتی الذین من قبلہم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون

چنانچہ نوحؑ کو کہا یہ تو ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ان ہو الا رجل بہ جنۃ۔

موسیٰؑ کو کہا کہ یہ مجنون ہے قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون۔

عیسیٰؑ کو کہا کہ یہ جادو ہے فلما جاءہم بالبینٰت قالوا ہٰذا سحر مبین۔

محمد رسول اللہ صلعم کو بھی وہی کچھ کہا گیا جو دوسرے رسولوں کو کہا گیا ما یقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک

پہلے انبیاء کو کفار نے بشر ہونے کا طعنہ دیا اور کہا بشر نبی نہیں ہو سکتا قالوا ما انتم الا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر

خلاصۂ قرآن حکیم

[illegible]

با ربط

من

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ دہلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولٰنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحٰبہ واھل بیتہ وذریاتہ وعترتہ ومحبیہ وناصریہ ومشیدی دینہ واولیاءہ اجمعین

امابعد: یہ مختصر سے مختصر خلاصہ جات قرآن پاک کی سورتوں کے پیر طریقت مفسر قرآن رازی دوران فقیہ النفس حضرت مولٰنا حسین علی رحمہ اللہ العزیز القوی کے انداز بیان کے موافق مربوط طریقہ کے ساتھ شائقین طلبہ تفسیر قرآن حکیم کی سہولت کے لئے تحریر کر دئے گئے ہیں تاکہ سارے قرآن عزیز کا ماحصل ہر طالب قرآن کے ذہن میں رہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن حکیم کے سمجھنے سمجھانے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خاتمہ توحید وسنت پر ہو اور عالم قبر (برزخ) میں سرور اور خوشی نصیب فرمائے اور یوم آخر میں سعادت ابدیہ سرمدیہ نصیب فرمائے اور عذاب قبر اور عذاب جہنم سے دور رکھے آمین یا رب العلمین وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

طالب الخیر فی الکونین محمد حسین (النیلوی) سابق مدرس مدرسہ امینیہ دھلی (بھارت) حال صدر مدرس جامعہ ضیاء العلوم سرگودہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ ورسولہ محمد تولیٰ وعلیٰ الہ واصحابہ المتادبین بآدابہ

سورۃ الفاتحۃ

کہو کہ ہم صرف اللہ سے مافوق الاسباب امور میں مدد مانگتے ہیں اور آئندہ بھی صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگا کریں گے

سورۃ البقرۃ

یہود کی طرح گائے وغیرہ کی پوجا نہ کریں گے بلکہ ہر باطل کے پجاری کے ساتھ جہاد کریں گے

سورۃ آل عمران

اور نصاریٰ کی طرح آلِ عمران (عیسیٰؑ و مریمؑ وغیرہ) کو بھی قابلِ پرستش نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھیں گے۔ بلکہ معاندین کے ساتھ جہاد کریں گے۔

سورۃ النساء

لوگو! معاندین کے ساتھ جہاد کرنے سے پہلے پہلے تمہاری تنظیم اور باہمی اتحاد کی اشد ضرورت ہے لہٰذا توحید و رسالت و معاد پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ امورِ انتظامیہ کی تعلیم حاصل کر کے ان پر کاربند ہو جاؤ تاکہ منظم و متحد ہو کر مشرکین سے جہاد کر کے فتحیاب ہو سکو۔ اس طرح توحید کا مسئلہ

چاردانگ عالم میں پھیل جائے گا اور شرک کا زور ٹوٹ جائے گا

سورۃ المائدۃ

امور انتظامیہ پر مکمل کاربند ہونے کے بعد ابھی ٹھیرو۔ معاندین سے جہاد کرنے سے پہلے ان مشرکین کے روبرو ایک بار پھر پوری تفصیل کے ساتھ نذر اور شرک کی دونوں قسموں (شرک فعلی اور شرک اعتقادی) پر روشنی ڈالو یعنی انہیں سمجھا دو کہ غیر اللہ کی نذر میں جانور ذبح نہ کرو

سورۃ الانعام

صرف جانور ہی نہیں بلکہ جانوروں کے علاوہ اناج وغیرہ بھی غیر اللہ کی نذر نہ کرنا۔ کیونکہ وہ بھی مُردار، خون اور خنزیر کی طرح حرام ہے، اور شرکِ اعتقادی سے بھی بچو جس کو دلائل عقلیہ کے ساتھ واضح کر دیا ہے

سورۃ الاعراف

اے میرے پیارے نبی! یہ مسئلہ مردانہ وار بیان کرو۔ مخالفین کی طرف سے تکالیف آئیں گی مگر تکالیف برداشت کرنا اور مسئلہ توحید کی تبلیغ نہ چھوڑنا اور شرک اعتقادی و فعلی پر نقلی دلائل بالتفصیل سنا دو

سورۃ الانفال

اب جب دلائل عقلیہ و نقلیہ و وحیہ بیان کرنے کے ساتھ معاندین پر اتمام حجت ہو چکا پھر بھی یہ مشرک نہ مانیں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ معاند اور ضدی ہیں۔ اب وقت آ گیا کہ تم مسلمان موحد ان ضدی مشرکوں سے جہاد کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اپنی پوری تیاری کر لو اور اس سے پہلے جہاد کے

قوانین سیکھ لو۔ جہاد میں تمہیں فتح یابی ہو اور مال غنیمت ہاتھ لگے تو اس کے لئے آپس میں لڑ نہ پڑنا کیونکہ باہم تنظیم اور اتحاد اشد ضروری ہے

سورۃ التوبہ

قوانین جہاد کی پوری تعلیم حاصل کر چکے اور آپس میں تمہاری تنظیم بھی ہے اتحاد بھی ہے اب اللہ کا نام لے کر ان معاندین مشرکین کافرین سے جہاد کرنے کا کھلم کھلا اعلان کر دو۔

سورۃ یونس

ہاں اب اگر مشرک یوں کہیں کہ ابھی ٹھیرو۔ ہمارے ذہن میں کچھ شبہات ہیں۔ ہمیں اگر آپ تسلی بخش جواب دو گے تو ہم مان جائیں گے مثلاً ان شبہات میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ ہم جو اللہ کے سوا دوسرے بزرگوں کو پکارتے ہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہم ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ ہم ان کو صرف شفیع سمجھ کر پکارتے ہیں۔ تو تم مسلمان ان کے اس شبہ کا جواب یوں دو کہ یہ بھی شرک ہے اور اس کے ساتھ ہی نفی شرک فی التصرف پر بھی تفصیلی عقلی دلائل بیان کر دو

سورۃ ھود

عقلی دلائل کے بعد نقلی دلائل بھی بیان کر دو۔ اور مسئلہ بتانے کی وجہ سے مخالفین کی طرف سے تکلیفیں آئیں تو وہ برداشت کر و۔ اور مشرکین سے صاف کہہ دو کہ تم کا فرلوگ دراصل ضدی ہو جو بدیہی مسئلہ کا انکار کرتے ہو اور صاف صریح مسئلہ کو نہیں مانتے ہو

سورۃ یوسف

اور ان معاندین سے یہ کہو کہ ہمہ کن اور ہمہ دان نہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور نہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور نہ ہی کوئی دوسرا نبی پیغمبر پھر پیغمبر یا ان سے نیچے درجے کے پیر فقیر کیسے معبود بن سکتے ہیں

سورۃ الرعد

یہ میرا بیان کردہ دعویٰ تو بالکل بدیہی اور واضح ہے۔ نظری ہرگز نہیں جس کو ثابت کرنے کے لئے نظر و فکر اور استدلال کی ضرورت محسوس ہو۔ پھر بھی اگر کچھ خفاء باقی رہ گیا ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے اب ان معاندین کے سامنے تنبیہات بیان کر دو

سورۃ ابراھیم

اس قدر بدیہی اور واضح مسئلہ کے اندر جو خفاء تھا اسے تنبیہات کے ذریعے دور کرنے کے بعد بھی یہ ضدی کافر نہ مانیں تو ان کو گذشتہ اقوام کے واقعات یاد دلاؤ۔ شاید یہ لوگ ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آئیں،

سورۃ الحجر

تنبیہات اور اقوام گذشتہ کے واقعات یاد دلانے کے بعد بھی اگر یہ کافر اپنی اسی ضد پہ اڑے رہیں تو انہیں اب اتنا کہہ دو کہ اب بھی وقت ہے، مسئلہ توحید مان لو۔ ورنہ پچھتاؤ گے

٥

سورۃ النحل

اس قدر سمجھانے کے باوجود اب بھی اگر دعویٰ توحید کو تسلیم نہیں کرتے اما عذاب

کا مطالبہ کرتے ہیں تو پھر انہیں کہہ دو کہ لو اب تم پر قحط کا عذاب مسلط کر دیا جا رہا ہے

سورۃ بنی اسرائیل

اس قحط والے معمولی عذاب کے بعد عظیم الشان معجزہ (معراج النبی) دکھایا جا رہا ہے۔ تاکہ مافوق العادت چیز کو دیکھ کر دعویٰ مان لیں لیکن اگر اس کے بعد پھر بھی نہ مانیں تو قوم موسیٰؑ کی طرح ان کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔

سورۃ الکہف

پھر اگر یہ کافر کہیں کہ ذرا ٹھیرو ہمارے ذہن میں اور بھی کچھ شکوک ہیں جو اولیاء اللہ جنات اور شاہان وسلاطین کے بارے ہیں تو ان کے ان شبہات کا تسلی بخش قرآنی جواب سنا دو

سورۃ مریم

ان کے علاوہ باقی ماندہ دیگر شبہات کے بھی قرآنی جوابات بتا دو جو اُن کے ذہن میں انبیاء کرام علیہم السلامؑ اولیاء اللہ اور فرشتوں کے بارے ابھرتے ہیں۔

سورۃ طٰہٰ

شبہات کا کما حقہ جواب دینے کے بعد یہی مسئلہ توحید حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح جوانمردی کے ساتھ پھیلاؤ۔ تکالیف برداشت کرنی ہوں گی جیسے حضرت موسیٰؑ نے برداشت کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح عہد نہ بھول جانا۔

سورۃ الانبیاء

یہ وحی صرف حضرت موسیٰؑ ہی پر نہیں آئی بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر یہی وحی آتی رہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا مشکل کشا اور بگڑی بنانے والا کارساز نہیں ہے۔ خود انبیاء کرام علیہم السلام پر مصائب آئے تو وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے رہے۔ لہٰذا تم بھی حاجات و مصائب میں صرف ایک اللہ تعالیٰ کو پکارا کرو

سورۃ الحج

ان انبیاء کرام علیہم السلام جیسے تمہارے اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود حج بیت اللہ کے موقع پر یہی اعلان فرمایا تھا کہ غیر اللہ کی پکار بھی شرک ہے اور غیر اللہ کی نذر بھی شرک ہے نیز یہ اعلان فرمایا کہ حلال چیز مخلوق کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہوتی۔ اور حرام چیز مخلوق کے حلال کرنے سے حلال نہیں ہوتی۔

سورۃ المؤمنون

مگر جدِ امجد کی اس مبارک تعلیم کے باوجود ان مشرکوں کا حال یہ ہے کہ غیر اللہ کی تحریمات سے بھی باز نہ آئے۔ بلکہ الٹا نئی نئی تحریمات گھڑ لیں۔ اگر یہ لوگ شرک اور ظلم سے باز آجاتے اور عدل و احسان کرتے تو عذاب سے بچ جاتے

سورۃ النور

جب مسئلہ توحید کو دلائل عقلیہ و نقلیہ و وحییہ کے ساتھ کما حقہٗ مبرہن کر دیا اور مشرکین کے ہر طرح کے شکوک اور شبہات کے تسلی بخش جوابات بھی دے

چکے تو اب ان کو چاہیئے تھا کہ مسئلہ توحید تسلیم کر لیتے لیکن اس کے برعکس یہ مشرک اور منافق اس قدر پلید ہیں کہ تمہارے مقتدا آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی تہمتیں لگانا شروع کر دیں تاکہ جاہل لوگ تمہارے مقتدا سے بدظن ہو کر مسئلہ توحید کو سننا ہی چھوڑ دیں۔ لہٰذا مؤمنو! تم کو معاشرہ کے اصول سکھائے جاتے ہیں تاکہ تم ان اصول معاشرہ پر پوری طرح کاربند ہو جاؤ پھر کوئی شخص تم پر تہمت نہ لگا سکے گا اور مسئلہ توحید کی خوب اشاعت کرتے رہو

سورۃ الفرقان

اور جب تم نے مسئلہ توحید کو دلائل قاہرہ باہرہ کے ساتھ خوب سمجھا دیا تو اب ان کو اس کے نتیجہ اور ثمرہ سے آگاہ کر دو کہ غائبانہ برکات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہ سمجھو۔ اور اس پر بھی دلائل عقلیہ تفصیلاً اور دلائل نقلیہ اجمالاً سنادیں

سورۃ الشعراء

پھر اسی نفی شرک برکتی پر نقلی دلائل بھی لبسط کے ساتھ سنادیں، تاکہ یہ لوگ ماضی کے واقعات سن کر تدبّر اور غور و فکر کریں اور ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور اپنے مزعومہ معبودوں کو برکات دہندہ نہ سمجھیں۔

سورۃ النمل

اب اس دعویٰ نفی شرک برکتی کی علتیں بھی بتا دو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ کارساز ہے اور نہ غیب دان ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا

کوئی دوسرا برکات دہندہ بھی نہیں ہے

سورۃ القصص

اے نبی ص! یہ مسئلہ نفی شرک برکتی والا بھی حضرت موسیٰ ع کی طرح مُردوں کو پہنچاؤ۔ اور مشرکین کی ایذا برداشت کرو۔ انبیاء پر ایسی آزمائشیں تو آتی ہی رہی ہیں۔ آخر کار موسیٰ ع کی طرح فتح تمہاری ہی ہو گی۔ اس لئے مسئلہ نفی شرک برکتی کے بتلانے میں ہرگز نرمی نہ برتنا

سورۃ العنکبوت

مسلمانو! دعویٰ ماننے کے بعد تم پر بھی مصائب آئیں گے۔ تاکہ تم میں سے سچے جھوٹے ممتاز ہو جائیں۔

سورۃ الروم

جب تم آزمائشوں میں پورے اترو گے تو آخر کار فتح تمہاری ہی ہو گی

سورۃ لقمان

آخر میں پھر ان کو یہی مسئلہ توحید عقلی نقلی دلائل کے ساتھ مفصل طور پر علی وجہ الکمال سنا دو۔ خود بھی توحید پر پختہ رہو۔ کیونکہ تم کو فتح یابی بھی اسی صورت میں ہو گی جب اس مسئلہ توحید پر مضبوط رہو گے کہ ہمہ کُن، ہمہ دان، اور برکات دہندہ صرف اللہ تعالیٰ ہے

سورۃ الم سجدہ

جب یہ سبق یاد ہو گیا تو اب آؤ، اس مسئلہ کے بعد دوسرا مسئلہ یہ بھی یاد کرو کراؤ کہ خدا پاک کے آگے شفیع قہری بھی کوئی نہیں جو بچا لینے کے

لائق ہو۔ جب یہ مسئلہ بھی مان لوگے، تب مکمل موحد بنوگے۔ اور

سورۃ الاحزاب

مشرکین کے کہنے میں ہرگز نہ آنا کیونکہ کسی کے شفیع قہری کہہ دینے سے کوئی شفیع قہری بن نہیں جاتا، جیسے کسی کا اپنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ بیوی اس شوہر کی ماں نہیں بن جاتی۔ اور جیسے کسی غیر کو اپنا بیٹا کہہ دینے سے وہ غیر اس کا بیٹا نہیں بن جاتا۔

سورۃ سبا

مشرکین کو اس مسئلہ نفی شفاعت قہریہ پر بھی کچھ شکوک اور شبہات ابھرتے ہیں۔ اس لئے ان کو تسلی بخش قرآنی جواب دیں تاکہ ان کے ذہن میں یہ شکوک وشبہات پیش آنے والے زائل ہو جائیں۔

سورۃ الفاطر

اب جب تمام شبہات رفع ہو گئے اور یہ مسئلہ بغیر کسی شک کے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی شفیع قہری نہیں ہے تو اب ان سے کہو ارے نادانو! پھر غیر اللہ کو پکارتے کیوں ہو۔

سورۃ یٰسٓ

دیکھتے نہیں ہو کہ ماضی کے عہد میں جن لوگوں نے اپنے اپنے زعم کے مطابق شفعاء بنا رکھے تھے، تو جب ہم نے ان پجاریوں کو ہلاک کر دیا تھا تو ان کے وہ مزعومہ شفعاء ان کو نہ بچا سکے۔ پس ان ماضی کے حالات پر ان کو غور کرنا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی شفیع قہری نہیں

سورۃ الصّٰفّٰت (ترقی)

ان مزعومہ شفعاء کا ان مشرکین کو بچانا تو کجا رہا وہ مزعومہ شفعاء تو خود ہی مصائب میں رہ کر اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور کرتے رہے خواہ وہ نوری ہوں یا ناری ہوں یا خاکی ہوں۔ اب بتاؤ ایسے ایسے شفیع غالب کیسے بن سکتے ہیں؟

سورۃ صٓ (ترقی)

ادھر ان کفار کے مزعومہ شفعاء کا خدائے تعالیٰ کے حضور میں عاجزی کرنا تو رہا بجائے خود، ان کو تو اللہ تعالیٰ بطور آزمائش کے پکڑ بھی لیتا رہا جب ان مزعومہ شفعاء کا یہ حال ہے تو اب بتاؤ وہ شفیع غالب کیسے بن سکتے ہیں

سورۃ زمر

اب جب دلائل قاہرہ باہرہ سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی واحد ذات کے سوا نہ تو اور کوئی ہمہ کن ہے نہ ہمہ دان ہے اور نہ ہی برکات دہندہ نیز اس کے آگے شفیع غالب بھی کوئی نہیں تو اب غیر اللہ کو پکارنا چھوڑ دو۔ بلکہ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ

سورۃ حٰمٓ المؤمن

فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین کا مطلب یہی ہے کہ فادعوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کیونکہ عبادت کی جزو اعظم پکارنا ہے۔ اس لئے مافوق الاسباب حاجات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کسی کو نہ پکارو۔

سورۃ حٰمٓ سجدہ

اگر تمہیں یہ شبہ ہو کہ ہمیں بزرگ خواب میں ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تکلیف تمہیں فلاں گستاخی کی وجہ سے پہنچی ہے۔ لہٰذا یہ مشرکانہ وظیفہ پڑھو تب یہ تکلیف ہٹ جائے گی۔ یا فلاں بزرگ کے نام کی نذر و نیاز دو۔ تکلیف جاتی رہے گی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل شیطان پکڑو لیتے۔ بزرگ خواب میں نہیں آتے۔

سورۃ حٰمٓ شوریٰ

اور اگر کہو کہ ہمیں بڑوں کی کتب سابقہ میں لکھا ہوا یہ مسئلہ نداء غیر اللہ وغیرہ کا ملتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل وہ مسئلہ نداء غیر اللہ وغیرہ کا باغیوں کا لکھا ہوا ہے جو بعد میں آنے والوں کے لئے عذر نہیں بن سکتا

سورۃ زخرف

اور اگر کہو کہ ہم غیر اللہ کو حاجت روا مشکل کشا سمجھ کر نہیں پکارتے۔ بلکہ وہ ہماری سفارش خدا کے حضور پیش کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کو شفیع سمجھ کر پکارتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں شفیع غالب سمجھ کر پکارنا بھی شرک ہے۔

سورۃ دخان

اور اگر کہو کہ ہم ان کو شفیع غالب سمجھ کر بھی نہیں پکارتے۔ بلکہ یہ سمجھ کر پکارتے ہیں کہ وہ دور و نزدیک سے ہمیں دیکھتے ہیں اور ہماری ہر بات سنتے ہیں پھر وہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں پھر خدا کی مرضی قبول کرے یا نہ قبول کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی غلط ہے ہر کسی کی دیکھ بھال اور ہر کسی

کی ہر بات دور نزدیک سے سننا صرف خدا پاک کی صفت مختصہ ہے

سورۃ جاثیہ

اور اگر کہو کہ چلو ٹھیک ہے کہ وہ مزعومہ شفعاء کچھ نہیں سنتے۔ لیکن ہم ان کو اس امید پر پکارتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کو اطلاع دے تو وہ ہمارے حق میں بارگاہ ایزدی میں دعا کریں گے تو یہ بھی غلط ہے۔ شریعت میں عقلی و نقلی دلائل بیان ہو چکے ہیں۔ اس کے سوا باقی سب باغیوں کا لکھا ہوا ہے

سورۃ الاحقاف

اگر کہو کہ چلو ہمیں یہ بھی تسلیم ہے کہ خدا پاک ان کو اطلاع نہیں دیتا۔ مگر ان خدا رسیدہ بزرگوں کے نام جپنا اور وظیفہ کرنا برکت سے خالی نہیں ہے۔ ہم ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں تو ہمارے کاموں میں برکت ہوتی ہے اور ہمارے کام ہو جاتے ہیں اور ہم مصائب سے محفوظ رہتے ہیں۔ تو یہ بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہم نے جب یہی عقیدہ رکھ کر وظیفہ کرنے والے مشرکوں کو تباہ کیا تھا تو نہ ان کو ان کے مزعومہ شفعاء اس عذاب سے چھڑا سکے اور نہ ہی ان کے وظیفے ان کے کچھ کام آئے۔

سورۃ محمد ﷺ

جب توحید کا مسئلہ دلائل نقلیہ و عقلیہ و وحیتیہ کے ساتھ اور وقائع و علل کے بیان کے ساتھ اور تذکیر آلاء اللہ اور تذکیر بما بعد الموت کے ساتھ غرض ہر طرح سے سمجھا دیا گیا۔ پھر ذہن میں ابھرنے والے شکوک اور شبہات کا بھی تسلی بخش اور مُسکِت جواب دیا گیا پھر بھی نہیں مانتے تو معلوم ہوا کہ یہ ضدی

صرف اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو ناحق تنگ کرتے ہیں، اب ایسوں کا یہی علاج ہے کہ ان کو مارو اور ان کی سرکوبی کرو۔ لہٰذا ان کے ساتھ جہاد کا اعلان کر دو

سورۃ الفتح

آخر کار فتح تمہاری ہی ہوگی خوش ہو جاؤ اس لئے جہاد کرنا سستی نہ کرنا

سورۃ الحجرات

البتہ جہاد سے پہلے منظم و متحد و متفق رہنے کے لئے آداب سیکھ لو۔

سورۃ ق

اور جہاد صرف اسی لئے نہیں کہ وہ شرک کرتے ہیں۔ بلکہ وہ شرک کے ساتھ ساتھ قیامت کے بھی منکر ہیں۔ اس لئے ان کو یہ مسئلہ بھی سمجھا دو کہ مرکر ایک دن جی اٹھنا بھی ضرور ہے۔ اس لئے قیامت سے ڈر کر توحید مان لو

سورۃ والذاریات

اور صرف قبروں سے نکل کھڑا ہونا ہی نہیں بلکہ حشر بھی ہوگا جس میں جزا و سزا کے لئے سب کو جمع ہونا ہوگا۔

سورۃ والطور

پھر وہاں مشرکین میں سے کوئی ایک بھی عذاب اخروی سے جان بچا کر کہیں نہیں جا سکے گا۔

سورۃ والنجم

اور نہ ہی کوئی شفیع غالب وہاں ہوگا جو انہیں اس عذاب سے چھڑا سکے

سورۃ القمر

غیروں کی پکار اس لئے منع ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ہمہ دان ہے اور نہ ہی کوئی کارساز نہ بگڑی بنانے والا۔

سورۃ الرحمٰن

اور اسی طرح اللہ کے سوا اور کوئی برکات دہندہ بھی نہیں ہے

سورۃ الواقعۃ (ثمرہ ونتیجہ)

پس اس صفت (برکات دہندگی) میں بھی اللہ کو غیروں سے پاک سمجھو

سورۃ الحدید

اور جو یہ مسئلہ نہ مانے۔ الٹا ماننے والوں کو تنگ کرے زدوکوب کرے تو اس سے جہاد کرو اور جہاد کی خاطر انفاق فی سبیل اللہ بھی کرو جو اللہ ضروری ہے

سورۃ المجادلۃ

جہاد و انفاق میں کوتاہی کرنے والے کٹر منافقین کو زجرات سناؤ

سورۃ الحشر

جہاد و انفاق میں کوتاہی کرنے والے چھوٹے منافقین کو زجرات سناؤ

سورۃ الممتحنۃ

جہاد و انفاق میں کوتاہی کرنے والے کمزور مؤمنین کو بھی زجریں سناؤ

سورۃ الصف

جہاد و انفاق میں کوتاہی کرنے والے کمزور ترین مؤمنین کو بھی زجریں سناؤ۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو جہاد کرو۔ دنیا میں فتح پا بی

اور آخرت میں جنت دائمی ملے گی۔

سورۃ الجمعۃ

مومنو! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ کے ساتھ تعاون کرو۔ موت سے نہ گھبراؤ۔ موت سے تو مفر نہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کرو۔ خطبہ جمعہ میں اگر انفاق وغیرہ کے بارے ہدایات سنو۔

سورۃ المنافقون

تم نے جمعہ کے خطبہ میں انفاق کے جو مسائل سُنے ہیں ان پر بدل و جان عمل کرو۔ انفاق کرو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ دیکھو خزانے سب اللہ کے ہیں، وہی دے گا۔ مال اور اولاد کے خوف سے انفاق نہ چھوڑ بیٹھنا۔

سورۃ التغابن

چونکہ ہمہ کُن، ہمہ دان، اور برکات دہندہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے آگے کوئی شفیع غالب نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے نہ نائب نہ مُعین، نہ وزیر، نہ نظیر، نہ مُشیر تو اٰمِنُوا باللّٰہِ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔ اور کفار سے نہ ڈرو۔ اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھو۔ باہم منظم اور متحد رہو۔ انفاق فی سبیل اللہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اجر دے گا

سورۃ الطلاق

آپس میں متحد رہو۔ نا اتفاقی والے کام نہ کرو۔

سورۃ التحریم

اور اپنے نبی ﷺ کی اتباع کرو۔ اسی میں نجات ہے۔ ایمان کے بغیر نسبی تعلق کا کچھ

فائدہ نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آگ سے بچاؤ۔

سورۃ الملک

اور پھر نفی شرک بر کتی کی بھی کرتے رہو

سورۃ ن

اور کفار کے ایذا اور رسانی کی وجہ سے مسئلہ بتانے میں سست نہ بن بیٹھنا،

سورۃ الحاقۃ

بلکہ قیامت کے عذاب سے ڈر کر شرک بر کتی سے خود بھی باز رہو اور دوسرں کو بھی روکو۔

سورۃ المعارج

اور دفع عذاب کے اسباب پر عامل اور کاربند رہو

سورۃ نوح

حضرت نوح علیہ السلام کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اور اسی مسئلہ کی دعوت دیتے تھے

سورۃ الجن

جنوں نے بھی سن کر یہی مسئلہ اپنی جن برادری کو جا کر سکھایا

سورۃ المزمل

پس اے نبی! آپ بھی قرآن پاک کے اسی دعوٰی پر قائم رہو کہ لا الٰہ الا هو فاتخذه وكيلاً

سورۃ المدثر

اور دوسروں کو بھی جتاؤ قم فانذر

سورۃ القیامۃ

اور یہ بھی سمجھاؤ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس سے ڈر کر دعوی توحید کا مان لو۔ قیامت تو آکر ہی رہے گی۔

سورۃ الدھر

اور پھر حشر بھی ہوگا۔ اس کے یقین کیلئے بطور نمونہ کے انسان کی پیدائش کو ہی دیکھ لو

سورۃ المرسلٰت

اور اس کے علاوہ عذاب کے نمونے سُن لو۔

سورۃ النبأ

اور پھر اس کے دلائل بھی تفصیل کے ساتھ سُن لو

سورۃ والنّٰزعٰت

اور پھر یہ بھی سوچو کہ قیامت کے دن فرشتے مقرر ہوں گے جو اچھوں کے ساتھ نرمی برتیں گے۔ اور بُروں کے ساتھ سختی برتیں گے۔

سورۃ عبس

تو پھر اس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ بلکہ سب ایک دوسرے سے بھاگیں گے

سورۃ التکویر

پھر لوگ اپنے اپنے مقامات کی طرف سیدھے جا پہنچیں گے اور ان پر کئی طرح کے حالات وارد ہوں گے

سورۃ الانفطار

پھر وہ اپنی جگہوں سے نکل بھی نہ سکیں گے۔

سورۃ التطفیف

بلکہ نکلنے کے لئے کسی سفارشی کی سفارش بھی نہ چل سکے گی۔

سورۃ الانشقاق

پھر تم پر مختلف قسم کے کئی کئی حالات وارد ہوں گے

سورۃ البروج

پھر وہاں سے بھی نہ بھاگ سکو گے

سورۃ الطارق

بلکہ ہر ایک کے سر پہ فرشتہ نگران مقرر ہوگا

سورۃ الاعلیٰ

اس لئے ترکِ دنیا اختیار کرو۔ اور مسئلہ توحید مان لو

سورۃ الغاشیہ

اور عذابِ آخرت سے ڈرو۔

سورۃ الفجر

اور اسبابِ حبِ دنیا سے اعراض کرو۔ اور امورِ مصلحہ بجالاؤ تاکہ تمہارے دل سے دنیا کی محبت نکلے۔

سورۃ البلد

اور مال کو صحیح مصارف میں لگاؤ تاکہ تمہارے دل سے دنیا کی محبت نکلے۔

سورۃ والشمس

دیکھو موحّد اور مشرک یکساں نہیں

سورۃ واللیل

اور نیک و بد بھی یکساں نہیں

سورۃ والضحیٰ

یارسولؐ اللہ ! آپ تسلّی رکھیں

سورۃ الانشراح

اور آپ کے صحابہ کرام رضہ بھی تسلی رکھیں

سورۃ والتین

دنیا کوئی چیز نہیں

سورۃ العلق

قرآن بڑی دولت ہے قرآن پڑھ پڑھ سناؤ۔ کوئی مانے یا نہ مانے

سورۃ القدر

یہ قرآن وہ ہے جو برکت کی رات (لیلۃ القدر) میں اترنا شروع ہوا۔

سورۃ البینۃ

اور اس قرآن میں مسئلہ توحید کا بیان ہے اور یہ مسئلہ سب کو ملا ہے۔ اگر کافر معاند نہیں مانتے تو کیا ہوگیا

سورۃ الزلزال

آخرت میں ہر نیک و بد اپنے اپنے کئے کا بدلہ دیکھ لے گا

سورۃ والعٰدیٰت

مگر افسوس کہ قرآن جیسی غیر مترقبہ نعمت ملنے کے باوجود کافر نا قدر شناس ہیں

سورۃ القارعۃ

تو ایسے ناقدر شناس کافروں کا قیامت کے دن برا حشر ہوگا۔ البتہ نیک لوگ خوش ہوں گے

سورۃ التکاثر

کہ کافر اب حبّ دنیا میں غترہ ہیں

سورۃ العصر

مگر یہی محبت دنیا ان کو تباہ کرے گی

سورۃ الھمزۃ

جو کہ مال کے نشے میں مست ہیں

سورۃ الفیل

اتنا نہیں سوچتے کہ ہاتھی والوں کا کیا انجام ہوا

سورۃ قریش

قریشیو! انہیں اسی بیت اللہ کی بدولت عزت ہے۔ انہیں تو چاہیئے تھا کہ صرف اللہ پاک کو پکارتے

سورۃ الماعون

مگر ان پر افسوس ہے کہ عقائد کے علاوہ ان کا معاشرہ بھی خراب ہے کہ یتیموں اور مسکینوں کو دینے کی بجائے کسی کو کوئی چیز صرف برتنے کیلئے بھی نہیں دیتے۔

سورۃ الکوثر

اچھا! یارسول اللہ! آپ کو تو قرآن پاک مِلا ہے۔ آپ بدستور نفی شرک اعتقادی وعملی میں مشغول رہیں

سورۃ الکافرون

اور کافروں سے بائیکاٹ کریں

سورۃ النصر

اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے

سورۃ اللھب

اور کفار کو ہلاک کرے گا

سورۃ الاخلاص

اور کامل توحید کا اعلان کر دو

سورۃ الفلق

اور خود بھی اسی پہ بدستور قائم رہو اور اس کی تبلیغ کرتے رہو اور دنیوی آفات سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آؤ

سورۃ الناس

اور اخروی و دینی آفات سے بچنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آؤ

سورۃ الفاتحۃ

اور یہی کہو کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے رہیں گے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِصطِلاحات القرآن

(۱) دعویٰ یا موضوعِ سورۃ

سورت کا وہ مرکزی مضمون جو تمام سورۃ کے لئے بمنزلہ محور کے ہے اور سورۃ کے باقی مضامین اسی کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ دعویٰ کی مثال بیج کی سی ہے۔ تو جیسے درخت کے ہر پتے اور شاخ میں بیج کا اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر درخت دوسری نوع کے درختوں سے ممتاز نظر آتا ہے اسی طرح سورت کی ہر آیت کو اصل دعویٰ سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ اور اس دعویٰ کی بنا پر ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز نظر آتی ہے۔

(۲) دلیل

دلیل وہ بیان ہے جس سے دعویٰ ثابت کیا جائے۔ دلائل قرآنی تین قسم کے ہیں دلیل عقلی۔ دلیل نقلی۔ دلیل وحی۔ دلیل عقلی دو قسم ہے ۱۔ عقلی محض ۲۔ عقلی مع اعتراف الخصم۔ دلیل عقلی میں وہ امور ذکر ہوتے ہیں جن کا تعلق عقل سے ہو۔ دلیل عقلی مع اعتراف الخصم مخالف کے سامنے بطور استفہام کے بیان ہوتی ہے۔ پھر ساتھ ہی مخالف کے تسلیمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیا جاتا ہے۔

دعویٰ کے اثبات کے لئے کوئی نقل پیش کی جائے تو وہ دلیل نقلی ہے۔

دلیل نقلی کی سات قسمیں ہیں :-

○ گزشتہ آسمانی کتابوں سے ○ انبیاء سابقین کو اجمالاً ○ انبیاء سابقین سے تفصیلاً نام بنام ○ کتب سابقہ کے جاننے والے ان علماء سے جو عہد نبوی میں تھے ○ جنات سے ○ ملائکہ سے ○ ملحد سے

○ دلیل وحی: دعوے کے ساتھ حضورؐ کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہوتا ہے کہ کہہ دو کہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اللہ نے بذریعہ وحی مجھے حکم دیا ہے کہ تم یہ دعوے لوگوں تک پہنچاؤ۔

(۳) تنویر دعویٰ

بعض دفعہ مخالفین سے دعوے کا ایک حصہ تسلیم کرا کے اس کے باقی حصے نہایت وضاحت سے ان کے سامنے بیان کر دئیے جاتے ہیں جن کی وہ سراحۃً تردید نہیں کر سکتے۔ اس طرح گویا انہوں نے دعوٰی کے تمام حصے صراحۃً و ضمناً تسلیم کر لئے ہیں۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے کسی پہلو کو زیادہ واضح کرنے یا اس سے متعلق کسی شبہ کا ازالہ کرنے کے لئے کلام لایا جاتا ہے جو پہلے بیان کی تنویر کہلائے گا۔

(۴) تخویف

دعوٰی منوانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے ڈرانا۔

تخویف دو قسم ہے ۱۔ تخویف دنیوی اگر اس گرفت کا تعلق دنیا سے ہو ۲۔ تخویف اخروی اگر اس گرفت کا تعلق آخرت سے ہو۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی اصطلاح میں تذکیر بایام اللہ اور تذکیر بما بعد الموت ہے

⑤ بشارت یا تبشیر

دعوے ماننے والوں کے لئے انعامات کی خوشخبری کا بیان۔

تبشیر بھی دو قسم دنیوی و اخروی۔

⑥ شکوٰی

منکرینِ دعویٰ جب مقابلہ میں دعویٰ پیش کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے ذلیل و عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کے عجز کو دیکھ کر ان کے پیش کردہ دعویٰ کو چھوڑ دیں، تو ایسے لوگوں کے حالات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکایت کی جاتی ہے اس کا نام شکوٰی ہے۔ بعض اوقات جوابِ شکوٰی بھی ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات خالی شکوٰی ہوتا ہے۔

شکوٰی کی پہچان یہ ہے کہ اس کی ابتداء قَالَ یا قَالُوْا سے ہوگی

⑦ زجر

منکرینِ دعویٰ کو ان کی ناجائز حرکات اور نامعقول مطالبات پر جھڑکنا زجر ہے

تنبیہ

انبیاء کرام علیہم السلام سے خلافِ اولیٰ فعل سرزد ہو جائے اللہ کی طرف سے تنبیہ آتی ہے

⑧ تسلیۃ (تسلی)

دعویٰ توحید پیش کرنے والوں پر جب منکرینِ دعویٰ کی طرف سے طرح طرح کی تکالیف آتی ہیں اور نکتہ چینی بھی کرتے ہیں اس پر اللہ کی طرف سے دعویٰ پیش کرنے والوں کو تسلی دی جاتی ہے۔ جس سے ان کے دلوں کو مضبوط اور زیادہ مطمئن کرنا ہوتا ہے۔

(۹) امور مصلحہ

دعوی ماننے والوں کے لئے ضروری ہے کہ دعویٰ پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اور امور انتظامیہ کے بیان کردہ احکامات کے مطابق عمل کریں تاکہ مسلمین باہم منظم اور متحد اور اتفاق سے رہیں۔ اور یہ پابندیٔ احکام دشوار امر ہے اس لئے ان کے ساتھ کچھ ایسے امور کا بیان ضروری ہے جو استقامت اور عملِ صالح پر ممد ہوں اور جن سے باطن کی اصلاح ہو اور موحد ہر مشکل سے مشکل حکم پر آمادہ عمل ہو جائیں۔ ایسے امور کو امور مصلحہ کہتے ہیں۔

(۱۰) اندماج یا ادماج

کسی مثال یا واقعہ کے مقصودی حصے کو صراحۃً بیان کیا جائے اور غیر مقصودی حصے کو حذف کر دیا جائے جو معمولی غور و فکر سے سمجھا جا سکے اس کو اندماج یا ادماج کہتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں اندماج کثرت سے ہے۔

(۱۱) ادخالِ الٰہی

کوئی قصہ نقل ہو رہا ہو یا کوئی مضمون بیان ہو رہا ہو تو اثنائے کلام میں اللہ تعالےٰ اپنی بات ارشاد فرما دیتے ہیں جو اس قصہ یا مضمون کا حصہ تو نہیں ہوتا۔ مگر اس سے متعلق ضرور ہوتا ہے

(۱۲) اعادۂ بُعد عہد

ایک مضمون بیان ہو رہا ہو مگر اس کا نتیجہ اور حکم اس مضمون کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا اس سے پہلے اس مضمون کے متعلقات آجاتے ہیں پھر نتیجہ ذکر کرنے سے پہلے اس مضمون کو دہرایا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ مرتبط ہو جائے یہ اعادہ بعد عہد ہے

⑬ جبّاریّۃ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق سمجھنے، دیکھنے اور سننے کے لئے دل، آنکھیں اور کان دیے ہیں، اور حق سمجھانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کتابیں نازل کیں، ان تمام امور کے باوجود جو شخص حق کو نہ سمجھے نہ دیکھے اور نہ سنے بلکہ ضد اور عناد کی وجہ سے حق کا مقابلہ کرے اور اپنے عقائد باطلہ اور اعمالِ مشرکانہ پر ڈٹا رہے تو ایسے لوگوں کی حق سننے اور سمجھنے کی توفیق ماؤف ہوجاتی ہے۔ اور اس طرح ان سے ایمان لانے کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، اس حالت کا نام مہرِ جبّاریت ہے۔ اور یہ جبر نہیں۔ کیونکہ جبر تب ہوتا کہ حق سمجھنے کی قوت ہی نہ دی جاتی، اور حق پہچاننے کے وسائل مہیا نہ کیے جاتے۔ قال العارف الرومی

این نہ جبر و معنئ جبار نیست   معنئ جبّاریت رازاری است

⑭ ربط القلب

مہرِ جبّاریت کی ضد ہے۔ جب انسان ہدایت کی راہ اختیار کرلیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو یقینِ محکم اور اس کے ایمان کو دولتِ استقامت سے مالامال فرمادیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص گمراہی اور ضلالت سے محفوظ ہوجاتا ہے، دل کی اس کیفیت کا نام ربط القلب ہے۔

فائدہ

ہدایت کے چار درجے ہیں ایک انابت یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ اور ضد، عناد اور تعصب کو چھوڑ کر راہِ ہدایت کی تلاش کرنا۔ ہدایت صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن میں انابت الی اللہ کا جذبہ موجود ہو

دوسرا درجہ **ہدایت** (سیدھی راہ پانا) یہ درجہ انابت کے بعد حاصل ہوتا ہے
تیسرا درجہ **استقامت** ہدایت کے بعد ہے۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے استقامت عطا فرما دیتا ہے۔
چوتھا درجہ **ربط القلب** جو ایمان کی پختگی کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ جب یہ درجہ حاصل ہو جائے' دنیا کی کوئی طاقت اسے ایمان اور اسلام سے برگشتہ نہیں کر سکتی۔ مگر یہ درجہ اللہ کی ہدایت اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا؛

فائدہ

ضلالت کے بھی چار درجے ہیں۔ ریب، ضلال، جدال، مہر جباریت،
پہلا درجہ **ریب** شک، گمراہی کا پیش خیمہ ہے۔ پہلے پہلے آدمی کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جو اس کو صراط مستقیم اور راہِ ہدایت سے بھٹکاتے ہیں۔
دوسرا درجہ **ضلالت**: دینِ حق سے متعلق شکوک کا ازالہ نہ کیا جائے اور وہ شکوک کسی کے دِل میں بیٹھ جائیں تو ضلالت میں گر جاتا ہے اور راہِ حق کو چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کرتا ہے
تیسرا درجہ **جدال**: گمراہ آدمی اپنے غلط عقائد کو صحیح و حق ثابت کرنے کیلئے اہلِ حق سے جدال (جھگڑا) کرتا ہے اور ضد وعناد سے ہر حق بات کو رد کر دیتا ہے
چوتھا درجہ مہر جباریت (طبع علی القلب یا ختم علی القلب): جب آدمی حق کے مقابلہ میں جدال اور جھگڑا شروع کرتا ہے اور تمام عقلی ونقلی دلائل سے حق کے واضح اور ثابت ہو جاتے پر بھی حق کو نہیں مانتا اور اپنی ضد اور عناد پہ ڈٹا

رہتا ہے تو اب اس کے دل پر مُہر لگ جاتی ہے۔ یعنی اس کے دل میں جو کفر و نفاق اور شرک ہے وہ دل سے باہر نہیں نکل سکتا، اور جو اس کے دل سے باہر ہے یعنی ایمان و یقین اور توحید و اخلاص وہ اس کے دل میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جب آدمی گمراہی کے اس درجہ میں پہنچ جائے تو اس کا راہِ حق پر آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس درجہ میں اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے اسی کا نام ہے طبع علی القلب یا ختم علی القلب اور اسی کیفیت کو مُہر جباریت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پیرِ طریقت محدث و مفسر و فقیہ العصر حضرت مولانا حسین علی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے تفسیر بے نظیر صفحہ ۶ میں لکھا ہے کہ
تمام خلاصہ اور کتاب قرآن شریف کا لحم مومن میں ہے۔ خلاصہ لحم مومن کا فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ہے
تفسیر مواہب الرحمٰن اور تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضرت شاہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ تمام قرآن الحمد شریف میں ہے۔ اور سورتِ فاتحہ تمام بِسْمِ اللّٰهِ میں ہے اور بِسْمِ اللّٰهِ ب میں ہے۔

اَلْحَمْد شریف کا خلاصہ یہ ہے: صفتوں (مخصوصہ) کے لائق تمام اللہ تعالیٰ ہے۔ خاص اسی کو پکاروں گا۔

بِسْمِ اللّٰه شریف کا خلاصہ: خاص اللہ تعالیٰ ہی سے مانگوں گا غائبانہ، ب کا معنی اِسْتِعَانَۃ ہے۔ اس کا متعلق محذوف ہے۔ اخیر میں متعلق

نکالنا فائدہ حصر کا دیتا ہے (تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر)
یعنی خاص اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا

بس تمام قرآن ب میں آگیا۔

الحمد للہ رب العلمین سب بادشاہی اور نعمتیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ہر شے ہر وقت جاننے والا خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ تسلط فوق الاسباب خاص اللہ تعالیٰ کو ہے۔ علم غیبی فوق الاسباب خاص اللہ تعالیٰ کو ہے پس کہو ایسی حمدیں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں نہ اور شرکاء کے لئے۔ پس ہم خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور خاص اسی کو پکارتے ہیں۔ اے اللہ! اسی راستہ پر ثابت رکھ۔

عبادت کے معنے ہامش مدارج السالکین ص ۴۰ میں ہے العبادۃ ان یعتقد ان للمعبود (للمعظم) سلطۃ غیبیۃ ای فی العلم والتصرف فوق الاسباب ھذہ عبادۃ اعتقادیۃ۔ فکل مدح او ثناء او تعظیم ینشاء من ھذہ الاعتقاد فھو عبادۃ۔ یعنی تسلط غیبی فوق الاسباب تصرف میں یا علم میں کسی کے لئے ثابت کرنا عبادت اعتقادی ہے۔ پس ہر مدح یا تعظیم جو اس اعتقاد سے ہو وہ عبادت ہے۔ پس عبادت خاص اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اگر عبادت غیر کی بھی کرے تو مشرک ہو جائیگا۔ عبادت غیر اللہ کی کرنی شرک ہے۔ بڑی عبادت حاجات میں غائبانہ پکارنا قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی (ای دعائی)۔ ابن جریر و ابن کثیر و سندہ) سیدخلون جہنم داخرین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ اجمعین۔ کتبہ محمد حسین نیلوی غفرلہ

کیا قرآنی آیات
اسماء الحسنیٰ، ادعیہ مسنونہ
کا تعویز لکھ کر لٹکانا
جائز ہے یا نہیں؟

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال: کیا قرآنی آیات اور ادعیۂ مسنونہ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کو لکھ کر بطور تعویذ گلے میں لٹکانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ اس قسم کے تعویذوں کو شرک اور حرام کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا نظریہ کیا ہے۔ (صوفی محمد نواز نصرخیل میانوالی)

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا فزع احدکم فی القوم فلیقل اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیطین وان یحضرون فانہا لن تضرہ. وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمہا من بلغ من ولدہ ومن لم یبلغ منہم کتبہا فی صک ثم علقہا فی عنقہ (مشکوٰۃ ص ۲۱۷)

یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نیند میں گھبراہٹ ہو جائے اور وہ گھبرا اٹھے تو یہ دُعا پڑھے: اعوذ بکلمات اللہ

التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیطین وان یحضرون۔ اس طرح پڑھنے سے شیطان نہ آئیں گے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کا معمول تھا کہ وہ اپنے بالغ بچوں کو یہ دُعا زبانی یاد کرادیتے تھے کہ یہ دُعا مانگتے رہا کریں، اور نابالغ بچوں کے گلے میں یہی دُعا لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف کے علاوہ یہ حدیث ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۷، اور ترمذی ج ۲ ص ۱۹۹ میں بھی آئی ہے۔

نیز تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۳۱۶ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعوذ بکلمات اللہ التامات واسمائہ کلہا عامۃ من شر السامۃ والھامۃ ومن شر العین اللامۃ ومن شر حاسد اذا حسد ومن ابی فروۃ وماولد۔ یہ الفاظ زعفران یا گیرو کے ساتھ لکھنا برص، جنون، جذام، اسہال، سل، بخار اور تنگی نفس کی بیماریاں دُور کرنے کے لیے مفید ہیں۔ باذن اللہ تعالیٰ۔

اسی واسطے امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی آیت یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دُعا لکھ کر کھلائی پلائی جائے یا گلے میں لٹکائی جائے تو یہ جائز ہے۔ صحابۂ کرامؓ میں سے ① ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ② حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ③ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی روایات بھی ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں۔ اور تابعین میں سے ④ سعید بن المسیب ⑤ محمد بن سیرین ⑥ محمد باقر رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ⑦ امام مالک ⑧ امام شافعی ⑨ سفیان ثوری اور ⑩ ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی روایات موجود ہیں کہ قرآنی آیات یا ادعیۂ ماثورہ لکھ کر کھلانا پلانا یا گلے میں لٹکانا جائز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے علامہ زرکشیؒ کی اصول تفسیر "البرہان فی علوم القرآن" اور تفسیر قرطبی۔

ہمارے اکابرین میں ① حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ الف ثانی، ② شاہ محمد معصوم ③ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ④ شاہ عبدالعزیز ⑤ شاہ محمد اسحٰق جد علماء دیوبند،

⑥ شاہ قطب الدین صاحب مظاہر حق ⑦ مولانا رشید احمد گنگوہی ⑧ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ⑨ مولانا عبد الحی لکھنوی ⑩ مولانا سید حسین احمد مدنی ⑪ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن ⑫ مولانا مفتی محمد شفیع ⑬ مولانا عاشق الٰہی ⑭ مولانا احمد علی سہارنپوری کے علاوہ ⑮ استاذی المکرم مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی اور ہمارے پیر و مرشد ⑯ رئیس المفسرین والمحدثین مولانا شاہ حسین علی الوانی۔ اور ان کے پیر و مرشد ⑰ حضرت شاہ محمد عثمان دامانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ تمام قرآنی آیات سے تعویذ لکھنے کو جائز کہتے ہیں۔ چودہ صدیوں میں سب علماء جواز کے قائل ہیں۔ کسی نے قرآنی آیات کو شرک نہیں کہا۔ البتہ دو ہستیوں ① حضرت حسن بصری اور ② حضرت ابراہیم نخعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا نام پیش کیا جاتا ہے کہ وہ تعویذ لکھنے سے منع فرماتے تھے اگرچہ ان میں قرآنی آیات ہی ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایسے نو مسلموں میں رہتے تھے جو شرکیہ تعویذات لکھ کر لٹکاتے اور تعویذات کو ہی نافع اور موثر سمجھتے تھے۔ اس لیے ان بزرگوں نے تعویذات لکھنے اور گلے میں لٹکانے سے ان لوگوں کو مطلقاً منع فرمایا کہ "نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری" کیونکہ خدشہ تھا کہ اگر ان لوگوں کو تعویذات لکھنے کی اجازت دے دی گئی تو یہ لوگ آیاتِ قرآنیہ والے تعویذوں کو بھی مؤثر سمجھ کر شرکیہ عقائد میں ملوث و مبتلا نہ ہو جائیں، کیونکہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کی مثال اس طرح ہے جس طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تیمم کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا تھا۔ ان کا موقف تھا کہ یہ سُست اور کاہل لوگ ایسے ہیں کہ اس رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور معمولی سی تکلیف میں بھی تیمم کرنا شروع کر دیں گے۔

تمائم شرک کی حقیقت

ایک روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد حاضر ہوا، جس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر

شرک سے توبہ اور اسلام قبول کرنے کی بیعت کی۔ ان لوگوں میں سے ایک کے گلے میں تعویذ لٹک رہا تھا۔ آپؐ نے اس کے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملایا، اور فرمایا: التمائم شرک کہ تعویذ تو شرک ہے اور تم تو شرک سے توبہ کرنے کے لیے آئے ہو اس لیے پہلے اس تعویذ کو اپنے گلے سے اتار کر پھینکو، پھر مجھ سے بیعت کرنا۔ آج کل جو لوگ قرآنی آیات، اللہ تعالیٰ کے نام اور ادعیۂ ماثورہ کے تعویذوں کو شرک بتلاتے ہیں وہ اسی واقعہ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ اس واقعہ میں جس وفد کا ذکر ہے وہ وفد تو مشرکین کا تھا جو شرک سے توبہ اور اسلام کی دعوتِ توحید کو قبول کرکے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرکے مشرف با اسلام ہونے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے اگر کسی ایک کے گلے میں تعویذ تھا تو وہ یقیناً کسی مشرک، یہودی یا عیسائی کا لکھا ہوا ہی ہوگا اور اس میں یقیناً قرآنی آیت بھی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تعویذ جو تمہارے گلے میں لٹکا ہوا ہے چونکہ اس میں مشرکانہ الفاظ ہیں اس لیے اسے اتار پھینکو۔

اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہی ہوتا کہ قرآنی آیت اور اللہ تعالیٰ کے نام کا تعویذ بھی شرک ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو شرک سے کوسوں دور بھاگتے تھے اور شرک کے معاملہ میں ہم لوگوں کی نسبت بہت زیادہ حساس تھے، وہ تو کبھی بھی تعویذ لکھ کر گلے میں نہ ڈالتے۔ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کا نام، قرآنی آیات اور ادعیۂ ماثورہ لکھ کر گلے میں ڈالا تو یہ ہرگز شرک نہ ہوا۔ اور اب یہ لوگ جو ایسے تعویذوں کو بھی شرک کہتے ہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں تو اُن کا یہ کہنا در پردہ صحابۂ کرامؓ کو مشرک کہنا ہوا (نعوذ باللہ) اور یہ بڑی بیباکی اور جرأت کی بات ہے، جو گناہِ کبیرہ ہے۔ اللہ ہمیں اس بیباکی اور گناہِ عظیم سے محفوظ رکھے۔ آمین

اب رہی وہ حدیث جو ترمذی، ابو داؤد اور مشکوٰۃ کے حوالے سے تعویذوں کے جواز میں ہم نے تحریر کی ہے، تو اس حدیث کو مخالفین ضعیف کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی سند منقطع ہے جو ضعف کی علامت ہے لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے، کیونکہ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایسی احادیث کو جن میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ آتا ہے کئی مقامات پر حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت امام بخاری، حضرت امام احمد بن حنبل حضرت اسحٰق بن راہویہ اور اسی طرح کے دیگر بڑے بڑے اساطین اسلام اس حدیث کو دلیل میں پیش کرتے ہیں جس میں یہ سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ ہوتی ہے۔ اور اگر کسی محدث نے اسے ضعیف قرار دیا ہے تو اسے غلط فہمی ہوئی ہے، کیونکہ حضرت شعیب نے اپنے والد حضرت محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے چند احادیث سنیں، اس کے بعد ان کے والد وفات پا گئے، اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت شعیب اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے پڑھتے رہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جو احادیث رسول کا مجموعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں "الرسالۃ الصادقہ" کے نام سے تحریر فرمایا تھا، اور کسی دوسرے شخص کو اس کے مطالبے پر بھی نہ دیتے تھے، اپنے پوتے شعیب بن محمدؒ کو عنایت فرما دیا اور ہدایت کی کہ اس رسالۃ الصادقہ کو دیکھتے اور پڑھتے رہنا، اور یہ بھی فرمایا کہ اس میں سے آگے بیان کرنے کی بھی تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جو صحیفہ خود ایک صحابیٔ رسول نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ان کے سامنے بیٹھ کر تحریر فرمایا اور پھر اپنے شاگرد اور پوتے کو اس کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے دے دیا اور پھر پوتے نے بھی اسی صحیفہ کو دیکھ کر بے کم و کاست آگے اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کر دیا تو اس میں عیب، سقم یا ضعف کی کونسی

بات ہے، اسے کس اصول سے منقطع یا ضعیف کہا جاسکتا ہے۔ بہرحال تعویذات جو قرآنی آیات یا اسم ذات یا ادعیہ ماثورہ سے لکھے جائیں اور ان میں شرکیہ الفاظ بھی نہ ہوں تو ان میں کچھ حرج کی بات نہیں۔

ا

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں تو وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے

قرآن مجید کی بتائی ہوئی

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام

کی

اِدْعِیَۂ مبارکہ

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمہ اللہ

سابق صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی قال فی کتابہ الحمید العزیز المجید الکریم الحکیم الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین وقال واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلہم یرشدون وقال ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین وقال ومن یدع مع اللہ الٰہا آخر لا برہان لہ بہ فانما حسابہ عند ربہ انہ لا یفلح الکافرون وقال قل انما ادعو ربی ولا اشرک بہ احدا وقال قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض وما لہم فیہما من شرک وما لہ منہم من ظہیر ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ وقال قل اندعو من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرنا الآیۃ وقال تعالیٰ فی ذکر الانبیاء انہم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورہبا وکانوا لنا خاشعین وقال وکانوا لنا عابدین

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی ارسل الینا بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ وشہد انہ لا الٰہ الا اللہ وقال اللہ تعالیٰ لہ قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایہا الجاہلون ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین بل اللہ فاعبد وکن من الشاکرین

وعلی آلہ واصحابہ الذین کانوا معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم اشاعوا الدین واقاموہ وشادوہ

ما بعد آج ہم اس دَور سے گذر رہے ہیں کہ دنیا کی دوڑ دھوپ میں
اپنے خالق مالک رازق کو بالکل بھول گئے ہیں بعض تو سرے سے اللہ
تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ اور بعض خدا کے قائل تو ہیں مگر ساتھ
ہی اس کے شریک، معاون، نائب، ذیل دار، وزیر، مشیر اور شفیع
بھی کے قائل ہیں۔ اور جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہییں وہ اللہ
کی مخلوق سے مانگتے ہیں۔ اور کبھی مانگتے تو اللہ تعالیٰ سے ہی ہیں مگر مخلوق
میں سے کسی معظم ہستی کو وسیلہ پیش کرتے ہیں

جیسے مسیحی لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعائیں
مانگتے ہیں چنانچہ دعائے عام مسیحی کی نماز ص۲ میں مرقوم ہے

اے قادر مطلق خدا! ہم پر رحم کر، ہمارے سب گناہوں کو بخش دے ہمیں
ساری برائی سے بچا۔ ہر طرح کی نیکی میں ہم کو مستحکم و مضبوط کر۔ اور ہمیں ابدی
زندگی کو پہنچا ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین

۲: اے خداوند ہمارے آسمانی باپ! ...... تو نے ہمیں آج کی صبح تک
بسلامت پہنچایا ہے اپنی بڑی قدرت سے دن بھر ہماری حمایت کر۔
اور یہ بخش کہ آج نہ تو ہم کسی گناہ میں پھنسیں اور نہ کسی طرح کے خطرے میں
پڑیں۔ بلکہ تیری حکومت سے ہمارے سب کاموں کا ایسا انتظام ہو کہ جو
کچھ تیرے حضور راست ہے وہی ہمیشہ کیا کریں ہمارے خداوند یسوع مسیح
کے وسیلے سے۔ آمین

۳: اے خدا تمام پاک خواہشیں، سب اچھی تدبیریں اور کل نیک اعمال
تیری طرف سے آتے ہیں اپنے بندوں کو وہ اطمینان دے جو دنیا نہیں دے سکتی
تاکہ ہمارے دل تیرے حکم بجا لانے پر مستعد رہیں۔ اور ہم تیری پناہ میں اپنے

دشمنوں سے بے خوف ہو کر اپنا وقت امن اور چین سے گذاریں۔ یہ ہمارے منجی یسوع مسیح کے ثواب کے وسیلے سے ہو۔ آمین۔

ص ۳۰۹ : اے خداوند ہم تجھ سے منت کرتے ہیں کہ تو اس مقام پر توجہ کر۔ اور یہاں سے دشمن کے پھندوں کو دور کر۔ یہ بخش کہ تیرے پاک فرشتے یہاں رہ کر ہمیں صحیح سلامت رکھیں۔ اور تیری برکت ہم پر ابد تک قائم رہے ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے آمین۔

اے خداوند ہم اپنے عزیزوں اور دوستوں (خصوصاً فلاں) کو اس رات تیری حفاظت اور رحمت کے سپرد کرتے ہیں۔ ہم تجھ سے منت کرتے ہیں کہ تو ان کی تمام ضروریات پوری کر۔ اور انہیں سب آزمائشوں سے رہائی بخش اس زندگی میں ان کی رہنمائی کر۔ اور اپنی آسمانی بادشاہت میں انہیں صحیح سلامت پہنچا، ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین

اے قادر مطلق خدا ہم پر رحم فرما۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر، ہمیں نیک کاموں کے لیے قوت بخش۔ اور ابدی زندگی کی راہ پر ہمیں لے چل ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین

اسی طرح بیشمار دعائیں ہیں۔ آپ کتاب منگوا کر دیکھ سکتے ہیں کہ اکثر مقام میں دعا کے اخیر یہ لفظ ہیں "ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔"
اور کئی مقامات میں ہے "یسوع کی خاطر سے" مثلاً ص ۳۱۳ و ص ۴۳
اور کئی جگہ ہے "خداوند یسوع مسیح کا فضل" مثلاً ص ۳۱۴، ص ۳۱۳
اور کئی جگہ ہے "خداوند یسوع مسیح کا فضل و رحم" مثلاً ص ۳۵۲
اور کئی جگہ ہے "یسوع مسیح کے ثواب کے طفیل سے" مثلاً ص ۵۵ اور کئی جگہ ہے "یسوع مسیح کا واسطہ دے کر" مثلاً ص ۹۲ کہیں ہے "شفیع یسوع مسیح کی عزت کے واسطے" مثلاً ص ۹۲

اور خود حضرت عیسٰی ؑ کو براہ راست بھی پکارتے ہیں چنانچہ اسی دعائے
دعائے عام ۳۰؎ میں ہے اے مسیح! تو جلال کا بادشاہ ہے۔ تو باپ کا ازلی بیٹا
ہے..... ہم تیری منت کرتے ہیں کہ تو اپنے بندوں کی مدد کر جن کا فدیہ تو
نے اپنے قیمتی خون سے دیا ہے..... اے خداوند اپنی امت کو سلامت رکھ۔
اور اپنی میراث کو برکت بخش ان پر حکومت کر اور ابد تک انہیں سرفراز
فرما۔ روز بروز ہم تیری [illegible] کرتے ہیں۔ اور تیرے نام کی پرستش ابد الآباد
کرتے رہیں گے۔ اے خداوند مہربانی کر کے آج ہمیں گناہ سے بچائے رکھ۔
اے خداوند ہم پر رحم کر۔ ہم پر رحم کر۔ اے خداوند! اپنی رحمت ہم پر نازل کر
کیونکہ ہمارا بھروسہ تجھ ہی پر ہے.....

ق: خداوند! ہم پر رحم کر۔ مسیح! ہم پر رحم کر۔

۳۱؎: اے خدا بیٹے جہان کے فدیہ دینے والے! ہم عاجز گنہگاروں پر رحم کر۔

۳۲؎: اے خدا کے بیٹے! ہماری سن اے خدا کے برے تو جو جہان کا گناہ اٹھا
لے جاتا ہے اپنا اطمینان ہمیں بخش..... ہم پر رحم کر۔ اے مسیح ہماری سن۔

۳۳؎ اے مسیح! ہمیں دشمنوں سے پناہ دے، ہماری مصیبتوں پر مہر
کی نظر کر۔ ترس کھا کے ہمارے دل کے غموں پہ نگاہ کر۔ رحم کر کے اپنے
لوگوں کے گناہ معاف فرما۔ کرم کے ساتھ ہماری دعاؤں پر توجہ فرما۔
اے ابن داؤد ہم پر رحم کر۔ اے مسیح! اب اور ہمیشہ مہربانی کر کے ہماری سن
اے مسیح مہر سے ہماری سن۔ اے خداوند! تیری رحمت ہم پر نازل ہو کیونکہ
ہمارا تجھ پر ہی ہے۔

۳۴؎ اے خداوند یسوع مسیح! تو نے اپنے رسولوں سے کہا تھا کہ میں تمہیں
اپنا اطمینان دیئے جاتا ہوں۔ اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں۔ ہمارے گناہوں

پر نہیں بلکہ اپنی کلیسیا کے ایمان پر نظر کر۔ اور اسے وہ اطمینان اور یگانگی عنایت کر' جو تیری مرضی کے مطابق ہے۔ تو' باپ اور روح القدس کے ساتھ واحد خدا ابدالآباد جیتا اور سلطنت کرتا ہے۔ آمین۔

اسی طرح اور بہت سی دعائیں حضرت عیسیٰ کو ندا کر کے مانگی گئیں اور روح القدس کو ندا کر کے روح القدس سے دعائیں مانگتے ہیں

ش: اے خدا روح القدس! تو جو باپ اور بیٹے سے صادر ہے ہم عاجز گنہگاروں پر رحم کر۔

ش: اے خدا روح القدس! ہم پر رحم کر۔

اے روح القدس اپنے ایمان داروں کے دلوں کو بھر دے اور ان میں اپنی محبت کی آگ بھڑکا۔

اور اماں مریم کو ندا کر کے ان سے دعائیں مانگتے ہیں

اے خدا کی پاک والدہ! ہمارے واسطے دعا کر تاکہ ہم مسیح کے وعدوں کے لائق بنائے جائیں۔ اے ملکۂ آسمان کی! شادماں ہو ہلیلویاہ! اس لیے کہ جس کو تو رحم میں رکھنے کے لائق ہوئی ہلیلویاہ! وہ جی اٹھا جس طرح اس نے کہا تھا ہلیلویاہ! ہمارے واسطے خدا سے دعا کر ہلیلویاہ! خوش و خرم ہو اے کنواری مریم! ہلیلویاہ! کیونکہ خداوند در حقیقت جی اٹھا ہے ہلیلویاہ خوش و خرم ہو اے کنواری مریم! ہلیلویاہ

سلام اے ملکہ رحم کی ماں۔ ہماری زندگی ہماری شیرینی اور ہماری امید! تجھے سلام۔ ہم حوا کے جلاوطن فرزند تیرے آگے چلاتے ہیں۔ اس آنسوؤں کی وادی میں ہم روتے ہیں اور ماتم کرتے ہوئے تیرے سامنے آہ کھینچتے ہیں پس اے ہماری وکیلہ ہماری طرف اپنی پر رحم نگاہ کر۔

اور ہماری اس جلا وطنی کے بعد ہم کو اپنے رحم کا مبارک پھل یسوع دکھلا
اے رحم دل۔ اے مہربان۔ اے شیریں کنواری مریم۔ اے مریم جو بے داغ
حمل میں لی گئی ہمارے واسطے جو تیری طرف رجوع کرتے ہیں دعا کر۔
اے مبارک مریم! میری ماں بن۔ اے میرے مہربان اور نیک فرشتے!
سب راستوں میں میری حفاظت کر۔

اے خدا کے سب فرشتو! اور مقدسو! میرے واسطے دعا مانگو کہ ہمارا
خداوند ہمیں برکت دے اور سب بدی سے بچائے اور ہمیشہ کی زندگی میں
ہم کو پہنچائے۔ اور مرحوم ایمان داروں کی روحیں آرام میں رہیں۔ آمین

راجہ اندر دیوتا

اے اندر دیوتا جیسے گائیں گوسالے میں ٹھہری ہیں ویسے ہی میں بدن شالا
میں ٹھہرا تیرے وید منتر سناتا ہوں (رگ وید ۲۲)

اے سب کے خالق! اندر سے بڑھنے والے! تو نے اندر کو لاثانی محافظ
بنایا ہے۔ اسی لیے اس کو اگلے لوگوں نے سجدہ کیا۔ کیونکہ اندر طاقتور اور
پرستش کے لائق (یجروید ۹ شم)

سبز رنگ کے گھوڑوں کو اپنی رتھ میں جوتنے والے اندر دیوتا! ہم
تیری ثنا کرتے ہیں۔ اور تیری شان میں وید منتر بناتے ہیں۔ تو ہم کو اپنی کرپا
(مہربانی) سے وید منتروں کے بنانے کی عقل دے (رگ وید منڈل ا سوکت ۶۲ منتر ۱۳)

وشنو دیوتا

اناج والے دیوتا۔ دودھیل گایوں والے دیوتا۔ لذیذ کھانے والے دیوتا
وشنو تم زمین اور آسمان کے بنانے والے ہو اور تم ہی زمین کو ٹھیرائے
ہوئے ہو میخوں کے ساتھ تم کو یہ نذر پیش کی گئی ہے

زہجوری برآمد جانِ عالم | ترحم یا نبی اللہ ترحم
یا فرید و یا فرید و یا فرید | ہر زماں وردِ زبانے می کنم
اسم اعظم اسم پاکت یا فرید | کیمیا بود و عیا نے می کنم
عجز از ادراکِ تو ادراکِ تو | ناتوانی را توانے می کنم
روئے بت رشتے خدا دانستم | نقل از پیرِ مغانے می کنم
بت پرستی ہست ایمانِ دلم | کافرم گر خوفِ جانے می کنم
ما ہمہ بندگانِ درگاہش | ہست مولائے ما فریدالدین
حل مشکل گرہمی خواہی | ہست مشکل کشا فریدالدین

سلامی فیض کے دل میں ضیاء ایمان کی بھر دیجیے
گھرا ہے بحر ظلمت میں خدا را اک نظر کیجیے

یا فرید الزماں! کرم کرنا | کیا کمی ہے ترے خزانے میں
ترے کرنے جالے وہ کام کر ڈالے | کہ جن کے کرنے میں تقدیریات ہو گئے ہی
روزِ جزا کی فکر ہو کیونکر محمدا | بخشش ہے ان کے ہاتھ میں اپنے امم کی
حقؐ دی صورت ہے صورت خدا دی | ہر کے دل تو نقشہ مٹا کوئی نہیں سگدا
ستار ظلوم جہولاں دا | احمدؐ مرسل مختار ڈٹھم

تو خود رحمت مولا ہیں، وسعت پیچ بی سمجھا ہیں، ہر تھیلے ہر یک جا ہیں، شاہد جگ سارا من گھن بشری دیس وٹا کر آیا۔ احد ہا احمد سڈ وایا۔ اپنے ملک کو آپ وسایا۔ آ ڈیکھ شہنشہ بندے نوں۔

ہے حاضر ہر مکاں اندر تے ناظر ہر زماں اندر
مکان ولامکاں اندر وہ ہے ہر نال کیا چھیدیں

یا رسول اللہ کرم بے حال تے | ہیں تتی بدکار بداعمال تے

نصرت علی ہے جس نے بھی مانگی بوقتِ غم ٭ پہنچے مدد کو ضیغمِ داور علی ہو علی ہو

جو مانگنے پہنچا ہے درِ آلِ نبی پہ ٭ کچھ اس کی طلب سے بھی سوا اس کو ملا ہے

ہر مشکلے کہ حل نشود از تو حل شود ٭ حلّالِ مشکلاتِ کلی یا علی مدد

نورِ خدا بگشت عیاں صورتِ علی ٭ بے اختلاطِ آب و گلی یا علی مدد

اے منتہائے جملہ سلاسل چہ گوئمت ٭ دانائے رازِ جزو و کلی یا علی مدد

امداد یا علی مدد اے مرتضیٰ علی ٭ اے یا علی علی ولی یا علی مدد

بے قراروں کا اک قرار تم ہو ٭ دلِ مومن کا اعتبار تم ہو

آلِ طٰہٰ کا افتخار تم ہو ٭ نائبِ شبیرِ کردگار تم ہو

جو بلا آئی ہے تم نے رد کی ہے ٭ تم نے شبیر کی مدد کی ہے

بنی ہاشم کے چاند جلوہ کر ٭ اس اندھیرے میں اجالا کر

کام امت کا جو سنوارتا ہے ٭ وہ مدد کو تمہیں پکارتا ہے

غم سے سینہ ہے میرا شق فریاد ٭ اے علمدارِ فوجِ حق فریاد

اپنے دامن میں چھپا لیجیے ٭ مر رہا ہوں شہا بچا لیجیے

اے شہیدِ فلک وقار سنو ٭ ابنِ حیدر کے غمگسار سنو

(رسالہ شہید لاہور محرم نمبر ۱۱)

اے مولیٰ علی اے شیرِ خدا ٭ میری کشتی پار لگا دینا

امداد کن امداد کن از رنج و غم آزاد کن یا شیخ عبد القادرا

اسی طرح یہود میں سے ایک قوم حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ (نائب الہٰ) سمجھ کر پکارتے تھے اور باقی مشرک قومیں بھی کم نہ تھیں جیسے اللہ نے فرمایا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ (روم ۔ رکوع ۵)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فصیح بلیغ انداز کے ساتھ تردید فرمائی۔
ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ہو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو کوئی اس کا ہٹانے والا بجز اس کے سوا نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تیرے حق میں کسی قسم کی بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کے فضل کا روکنے والا نہیں۔ وہ آپ ہی ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فائدہ پہنچائے۔
من یہن اللہ فما لہ من مکرم ان اللہ یفعل ما یشاء۔ جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے تو پھر کوئی اس کو عزت دینے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے کہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔
ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وہو العزیز الحکیم۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا لنگر جو لوگوں کے لیے کھولے تو کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں۔ اور وہ بند کرلے تو اس کے بند کرنے کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں اور وہی آپ ہی ہے زبردست، اور حکمت والا۔
قل افرأیتم ما تدعون من دون اللہ ان ارادنی اللہ بضر ہل ہن کاشفات ضرہ او ارادنی برحمۃ ہل ہن ممسکات رحمتہ قل حسبی اللہ علیہ یتوکل المتوکلون اب تم ان لوگوں سے کہو کہ بھلا یہ تو بتاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے، کیا یہ معبود اس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنا فضل کرنا چاہے، کیا یہ معبود اس کے فضل کو روک سکتے ہیں؟ اے نبی! آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ کو تو صرف

اللہ تعالیٰ بس ہے۔ بھروسہ رکھنے والے تو صرف اسی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھا کرتے ہیں

ومن یضلل اللہ فمالہ من ہاد اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو اس کو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں۔

ومن یہد اللہ فمالہ من مضل اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے تو کوئی بھی اس کو گمراہ کرنے والا نہیں ہے

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر ہے تو پھر کوئی بھی تم پر غالب آنے والا نہیں۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ تم کو چھوڑ بیٹھے تو اس کے چھوڑنے کے بعد دوسرا کون ہے جو تمہاری مدد کو کھڑا ہو۔

ومن یغفر الذنوب الا اللہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا بندوں کے گناہوں کا معاف کرنے والا اور ہے ہی کون؟

ان اللہ ہو الرزاق ذو القوۃ المتین اللہ وہ آپ ہی ہے بڑا روزی دینے والا قوت والا زبردست

ان القوۃ للہ جمیعا اس میں شک نہیں کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کو ہے حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے کہلوایا واذا مرضت فہو یشفین۔ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی اللہ تعالیٰ ہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔

یہب لمن یشاء اناثا ویہب لمن یشاء الذکور اویزوجہم ذکرانا واناثا ویجعل من یشاء عقیما انہ علیم قدیر اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ جس کو چاہتا ہے نری بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نرے بیٹے عنایت کرتا ہے۔ یا بیٹے اور بیٹیاں ملا کر ان کو دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تو

ایسا کر دیتا ہے کہ اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ اولاد کی مصلحت سے
واقف، اور مرد و زن بنانے پر قادر ہے

امن ہٰذا الذی ہو جند لکم ینصرکم من دون الرحمٰن بھلا خدائے رحمٰن کے سوا
ایسا کون ہے جو تمہارا لاؤ لشکر بن کر تمہاری مدد کرے

امن ہٰذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک
لے تو بھلا ایسا کون ہے جو تم کو رزق پہنچا دے

قل ارایتم ان جعل اللہ علیکم الیل الآیہ کہو بھلا یہ بتاؤ تو سہی اگر اللہ تعالیٰ
روز قیامت تک ہمیشہ تم پر رات کیے رہے تو اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے
جو تمہارے لیے دن کا نور لائے

قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدا الی یوم القیمۃ من الہ الآیہ کہو
بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تک ہمیشہ تم پر دن کیے رہے تو
اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے جو تمہارے لیے رات کو لا موجود کرے کہ تم
اس میں آرام پاؤ قل من ینجیکم من ظلمات ....

.... قل اللہ ینجیکم منہا ومن کل کرب اے نبی! ان لوگوں سے پوچھو کہ تم کو خشکی
اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے کہ تم ایسے مواقع پر گڑگڑا کر اور
چپکے چپکے اس سے دعائیں مانگتے ہو اور عہد کرتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اس
مصیبت سے نجات دے تو ہم ضرور اس کے شکر گزار بندے ہو کر رہیں گے۔
اے نبی! یہ تو اس کا کیا جواب دیں گے تم ہی ان سے کہو کہ ان اندھیروں
سے اور ہر طرح کی سختی سے اللہ ہی تم کو نجات دیتا ہے ناں ....

قل ارایتم ان اہلکنی اللہ ومن معی او رحمنا فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم
اے نبی! ان سے کہو بھلا بتاؤ تو سہی اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اور جو لوگ میرے

ساتھ ہیں ان کو ہلاک کر ڈالے یا ہمارے حال پر رحم فرمائے، تاہم کون ہے
جو کافروں کو آخرت کے دردناک عذاب سے پناہ دے سکے؟

قل ہو الرحمٰن آمنا بہ وعلیہ توکلنا آپ ان سے کہہ دیں کہ وہی اللہ رحم کرنے
والا ہے۔ ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے الآیہ

قل ارأیتم ان اصبح ماؤکم غورا فمن یاتیکم بماء معین اے نبی ﷺ آپ ان سے
کہو تو سہی کہ یہ تمہارا پانی جو تم پیتے ہو اگر زمین کے اندر اتر جائے تو کون ہے
جو تمہارے لیے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے گا۔

قل من ذا الذی یعصمکم من اللہ ان اراد بکم سوءا او اراد بکم رحمۃ اے نبی ﷺ
آپ ان سے کہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہارے ساتھ برائی کرنی چاہے تو کون ایسا
سورما ہے جو تم کو اس کی پکڑ سے بچا سکے۔ یا اللہ تعالیٰ تم پہ اپنا فضل کرنا
چاہے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔

قل ارأیتم ان اخذ اللہ سمعکم وابصارکم وختم علی قلوبکم من الٰہ غیر اللہ
یاتیکم اے نبی ﷺ آپ ان سے پوچھیں تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان
اور تمہاری آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پہ مہر لگا دے تو اللہ کے
سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ نعمتیں تم کو لا دیوے

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ
مع اللہ بھلا کون ہے کہ جب کوئی شخص بے قرار ہو کر اس سے فریاد کرے
وہ اس بے قرار کی فریاد کو پہنچے اور اس کی مصیبت کو ٹال دے اور کون ہے
جو زمین میں تم لوگوں کو اگلوں کا جانشین بناتا آ رہا ہے یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ
ہی کرتا ہے اب بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے

افرأیتم ما تمنون ءانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ منی جو تم

عورتوں کے رحم میں پہنچاتے ہو کیا اس منی کا آدمی تم بناتے ہو یا ہم بنانے ہیں
افرایتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون بھلا یہ تو دیکھو کہ تم لوگ
جو کھیتی کرتے ہو کیا اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں
افرایتم الماء الذی تشربون ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون۔
بھلا دیکھو تو یہ پانی جو تم پیتے ہو کیا بادل سے اس کو تم نے برسایا ہے یا ہم
برساتے ہیں۔

قل من یرزقکم من السماء والارض الآیۃ اے نبی ! ان سے اتنا تو پوچھو کہ
تم کو آسمان و زمین سے کون روزی دیتا ہے یا حقیقت میں تمہارے کان
اور تمہاری آنکھیں کس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور کون ہے جو زندے
کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور کون دنیا
کا انتظام چلا رہا ہے تو بولیں گے اللہ

ولئن سالتہم من خلقہم لیقولن اللہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس
نے پیدا کیا تو چار و ناچار یہی کہیں گے کہ اللہ نے

ولئن سالتہم من خلق السموٰت والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ بھلا کس نے آسمان زمین بنائے اور چاند سورج
کو کس نے اپنے بس میں کر رکھا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے
ولئن سالتہم من نزل من السماء ماء فاحیا بہ الارض من بعد موتہا لیقولن
اللہ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کون اوپر سے پانی برساتا ہے اور پھر
اس پانی کے ذریعے سے زمین کو اس کے مرنے (خشک بنجر ہونے) کے بعد
سرسبز شاداب کر کے جلا اٹھاتا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ !
وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانہار وسخر لکم الشمس الآیہ

کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں
اور ندیاں بھی تمہارے اختیار میں کر دیں اور اسی طرح ایک اعتبار سے
سورج چاند بھی تمہارے اختیار میں کر دیئے کہ دونوں بڑے چکر کھاتے
ہیں اور ایسا ہی ایک طرح سے رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔
اور جو کچھ تم کو درکار تھا بقدرِ مناسب تم کو دے دیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی
نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو پورا پورا گن نہ سکو۔

والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوہم لا یسمعوا دعاءکم
الآیہ اور اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو ذرا سا بھی تو اختیار نہیں رکھتے
تم ان کو کتنا ہی بلاؤ اول تو تمہارے بلانے کو سنیں گے نہیں اور بالفرض
سنیں بھی تو تمہاری فریاد رسی نہ کر سکیں
ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرۃ فی السماوات الآیۃ
اللہ کے سوا جن نبیوں ولیوں اور فرشتوں کو تم ایک طرح پر خدائی میں کچھ
دخیل سمجھتے ہو ان کو بلاؤ اور تحقیق کر دو۔ تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ نہ
تو آسمانوں ہی میں ذرہ بھر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں اور نہ آسمان
اور زمین کے بنانے میں ان کا کچھ ساجھا اور نہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا
مددگار۔ اور اللہ کے ہاں ان میں سے کسی کی سفارش بھی کسی کے کچھ کام
نہیں آتی مگر ہاں اس کے کام آئے گی جس کی نسبت اللہ تعالیٰ سفارش
کی اجازت دے
والذین تدعون من دونہ لا یستطیعون نصرکم ولا انفسہم ینصرون اور اس
اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم اپنی مدد کے لیے بلاتے ہو نہ وہ تمہاری مدد

پر قادر ہیں اور نہ آپ اپنی مدد سکتے ہیں
ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم فادعوہم ..... اللہ کے سوا جن کو اپنی مدد کے لیے بلاتے ہو وہ بھی تم جیسے بندے ہیں تو ان کو بلا دیکھو پس اگر تم دعویٰ شرک میں سچے ہو تو وہ تمہاری فریاد کو پہنچیں۔
والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لہم بشیء الا کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ہو ببالغہ جو لوگ مصیبت پڑے پر اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ نہیں سنتے مگر ویسا ہی بیکار سننا جیسے ایک شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تاکہ پانی آپ سے آپ اس کے منہ میں اڑ کر آجائے حالانکہ وہ کسی طرح اس کے منہ تک اڑ کر آنے والا نہیں اور کافروں کی دعا تو یوں ہی بھٹکی بھٹکی پھرا کرتی ہے۔ کوئی اس کو سننے والا نہیں۔
قل افاتخذتم من دونہ اولیاء لا یملکون لانفسہم نفعا ولا ضرا ای نبی م! تم ان سے پوچھو کہ ~~تمہاری بخشش~~ کیا تم نے اللہ کے سوا دوسرے دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں جو اپنے ذاتی نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں
واتخذوا من دونہ الہۃ لا یخلقون شیئا وہم یخلقون ولا یملکون لانفسہم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیوۃ ولا نشورا اور کافروں نے اللہ کے سوا دوسرے دوسرے معبود اختیار کر رکھے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود دوسرے کے بنائے اور پیدا کیے ہوئے ہیں اور خود ان کا اپنا برا بھلا بھی ان کے اختیار میں نہیں اور نہ مرنا اور نہ جینا اور نہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ان کے اختیار میں ہے۔
قل اندعوا من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرنا آپ ان سے پوچھو کیا

تم یہ چاہتے ہو کہ ہم مسلمان اللہ کو چھوڑ کر ان معبودوں کو اپنی مدد
کے لیے جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں

قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم و لا تحویلا
آپ ان سے کہیں کہ اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو
حاجت پڑے پر ان کو بلا دیکھو تو یہ تمہارے معبود نہ تو تم سے تکلیف دور
کر سکیں گے اور نہ اس کو بدل سکیں گے

ءاتخذ من دونہ آلھۃ ان یردن الرحمٰن بضر لا تغن عنی شفاعتھم شیئا
ولا ینقذون کیا اللہ کے سوا دوسروں کو معبود مان لوں ؟ اگر اللہ
رحمٰن مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو اُن کی سفارش میرے کچھ بھی
کام نہ آئے اور نہ یہ مجھ کو اس مصیبت سے چھڑا سکیں۔

والذین یدعون من دونہ لا یقضون بشیء اور اللہ کے سوا جن معبودوں کو یہ
لوگ پکارتے ہیں وہ تو ٹھیک بے ٹھیک کسی طرح کا حکم بھی نہیں دے سکتے۔

گوسالہ بنی اسرائیل کے بارے فرمایا الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا
کیا ان احمقوں نے اتنی بات بھی نہ دیکھی کہ وہ ان سے بات چیت بھی نہیں کر
سکتا اور نہ ان کو کوئی راستہ دکھا سکتا ہے

افلا یرون ان لا یرجع الیھم قولا ولا یملک لھم ضرا ولا نفعا کیا ان لوگوں
کو اتنی بات بھی سوجھ نہ پڑتی تھی کہ بچھڑا ان کی بات کا نہ تو الٹ کر ان کو جواب
دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی نفع کا۔

ام لھم آلھۃ تمنعھم من دوننا لا یستطیعون نصر انفسھم ولا ھم منا یصحبون۔
کیا ہمارے سوا ان کے کوئی اور معبود ہیں جو اُن کو ہمارے عذاب سے بچا سکتے ہیں؟
بچا کیا سکیں گے وہ تو مصیبت پڑے پر آپ تو اپنی مدد کر نہیں سکتے۔ اور نہ ہی

ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے گا

اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ہل من شرکاءکم من یفعل من ذٰلکم من شیء۔ لوگو! اللہ ہی وہ قادر مطلق ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی دی۔ پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو جلائے گا۔ بھلا تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔

ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم کیا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھیرا رکھے ہیں کہ اسی کی سی مخلوقات انہوں نے بھی پیدا کر رکھی ہے اور اب ان کو مخلوقات کے بارے میں شبہ واقع ہو گیا ہے کہ کس کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اے نبی ﷺ! ان سے کہو کہ اللہ ہی ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا

قل ارأیتم ما تدعون من دون اللہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لہم شرک فی السمٰوٰت اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی کہ اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو ایک نظر مجھ کو تو دکھاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا ساجھا ہے؟

ہٰذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونہ یہ تو اللہ کی پیدا کی ہوئی پیدائش ہے تو اب تم لوگ مجھ کو دکھاؤ کہ اللہ کے سوا جو معبود تم لوگوں نے بنا رکھے ہیں انہوں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے؟

ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ الآیۃ اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کے پیدا کرنے کے لیے سب کے سب اکٹھے ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

وان یسلبہم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے کیسے

بودے وہ جو مکھی کے پیچھے پڑیں اور اس کو نہ پکڑ سکیں اور کیسی بودی وہ بیچاری مکھی کہ جس کا پیچھا کیا جائے اور پھر بھی ہاتھ نہ آئے۔

ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہٗ اللہ کے سوا جن معبودوں کی تم پرستش کرتے ہو تمہیں روزی دینے کا تو ذرا سا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ تو روزی بھی اللہ ہی سے مانگو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ اور اسی کی نعمتوں کا شکر بجا لاؤ

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وہم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں ان کو موت سے چارہ کار نہیں زندہ جاوید نہیں اور ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ کب قیامت ہوگی اور کب مردے اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔

ویعبدون من دون اللہ ما لا یملک لہم رزقا من السموٰت والارض شیئا ولا یستطیعون اور اللہ کے سوا ایسے لوگوں کی پرستش کرتے ہیں جو آسمان وزمین سے ان کو رزق دینے کا کوئی کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ ایسے اختیار پر دسترس پا سکتے ہیں۔

ایشرکون ما لا یخلق شیئا وہم یخلقون کیا وہ ایسے فرضی معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ تو خود ہی اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور نہ ان شرک کرنے والوں کی مدد کرنے کی قوت رکھتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد کر سکتے ہیں

الہم ارجل یمشون بہا ام لہم اید یبطشون بہا ام لہم اعین یبصرون بہا ام لہم آذان یسمعون بہا کیا ان کے ایسے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا ان

کے ایسے ہاتھ ہیں جن سے چیزوں کو پکڑتے ہیں یا ان کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے
دیکھتے ہیں یا ان کے ایسے کان ہیں جن سے سنتے ہیں

ویعبدون من دون اللہ مالم ینزل بہ سلطانا وما لیس لھم بہ علم اور یہ کافر
اللہ تعالیٰ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے لیے نہ تو خدا تعالیٰ
ہی نے کوئی سند اتاری ہے اور نہ ان ہی کے پاس اس کی کوئی عقلی دلیل ہے

ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الیٰ یوم القیامۃ
وھم عن دعائھم غافلون اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسے
معبودوں کو پکارے جو روزِ قیامت تک اس کو جواب تک نہ دے سکیں۔
اور جواب دینا تو درکنار ان کو تو ان کی دعا تک کی بھی خبر نہیں۔

قل ہل من شرکائکم من یبدء الخلق ثم یعیدہ الآیہ آپ ان سے پوچھو کہ تمہارے
ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرے
پھر ان کو مار کر دوبارہ پیدا کرے؟ یہ تو اس کا کیا جواب دیں گے۔ تم ہی
ان سے کہو کہ اللہ ہی مخلوقات کو اول بار کرتا ہے پھر ان کو مار کر دوبارہ پیدا
کرے گا۔

قل ہل من شرکائکم من یھدی الی الحق الآیہ آپ ان سے پوچھو کہ تمہارے
ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو دینِ حق کی راہ دکھا سکے
تم ہی ان سے کہو کہ اللہ ہی دینِ حق کی راہ دکھاتا ہے۔

قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احدا قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا
تا ملتحدا آپ ان سے کہو کہ میں تو حاجت روائی مشکل کشائی شفاء بیماراں
اور فتح و نصرت وغیرہ امور کے لیے صرف اپنے پروردگار کو ہی پکارا کروں گا
اور کسی کو اس کا شریک نہیں گردانتا۔ نیز کہو کہ تمہارا نفع و نقصان اور تمہیں راہ

راست پر لانا یا نہ لانا میرے اختیار میں نہیں۔ نیز کہو کہ اللہ کے غضب سے کوئی بھی مجھ کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ اس کے سوا کہیں مجھ کو ٹھکانا مل سکتا ہے۔

نوح ع نے فرمایا ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم اور میں تمہاری کتنی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں اگر اللہ ہی کو تمہارا راہِ راست سے بھٹکانا منظور ہے تو میری نصیحت کچھ بھی تمہارے کام نہیں آسکتی

وما یتذکر الا من ینیب اور سوچتا وہی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور صحیح نیت سے سمجھنے کا ارادہ رکھتا ہو اس واسطے معاند نہ بنو منیب بنو

فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون پھر اللہ یگانہ کی خالص پکار کا عقیدہ رکھ کر اسی واحد ذات اللہ کو پکارو۔ دوسروں کی پکار چھوڑ دو اگرچہ کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے

وکانوا لنا عابدین ابراہیم ع لوط ع اسحاق ع یعقوب وغیرہ تمام انبیاء علیہم السلام بھی صرف ہمیں ہی پکارا کرتے تھے

انہم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورہبا وکانوا لنا خاشعین یہ لوگ (انبیاء کرام جن کا اوپر ذکر ہوا) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو ہمارے فضل کی توقع اور ہمارے عذاب کے خوف سے پکارتے رہتے تھے اور ہمارے ہی آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔

ان ہذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون مسلمانو! مذہب کے لحاظ سے یہ (انبیاء کرام ع) تمہارے ہی گروہ کے ہیں اور تم سب ایک ہی گروہ ہو اور میں واحد ذات ہی تمہارا رب ہوں اس لیے صرف مجھے ہی پکارا کرو۔

فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ پھر آدم نے معذرت کے چند الفاظ اپنے رب

حضرت آدم ؑ سے بھول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے جس کام سے منع فرمایا تھا وہ بھولے سے کر بیٹھے تو اللہ ہی کو پکار کر (بہ تلقین الٰہی) معافی مانگتے ہیں

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ

اے ہمارے رب! ہم نے اپنا نقصان کیا اور اگر تُو ہماری مغفرت نہ کریگا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے

حضرت نوح ؑ نے قوم سے تنگ آکر اپنے رب کو پکارا

فدعا ربہ انی مغلوب فانتصر نوح ؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو تو بدلہ لے لے

قال رب انصرنی بما کذبون نوح ؑ عرض کیا اے میرے رب میرا بدلہ لے۔ کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

فافتح بینی وبینہم فتحا ونجنی ومن معی من المؤمنین سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا ہوا فیصلہ کر دیجیے۔ اور مجھے اور میرے جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجیے۔

رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی جیتا مت چھوڑ

رب اغفر لی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات ولا تزد الظالمین الا تبارا اے میرے رب مجھے بخش اور میرے باپ کو اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو بحیثیت مؤمن کے اور کل ایمان والوں اور ایمان والیوں کو۔ اور ان ظالموں کی ہلاکت تو بڑھاتا ہی جا

قوم کے شر سے بچانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نوح ؑ کو خود دعا سکھائی
کہ اس طرح دعا مانگو رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر
المنزلین اے میرے رب! مجھے برکت کا اتارنا اتاریو۔ اور سب اتارنے
والوں سے اچھا ہے
اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ بھی خود ہی بتایا کہ یوں کہو
الحمد للہ الذی نجٰنا من القوم الظلمین خوبی وکمال صرف
اس ذات اللہ کا ہے جس نے ہم لوگوں کو ان ظالم لوگوں سے نجات دی
نوح ؑ نے بیٹے کے غرق ہونے کے بعد رب سے درخواست کی تو اللہ
تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔ تب نوح ؑ نے اللہ ہی کو پکار کر عرض کی رب انی
اعوذ بک ان اسئلک ما لیس لی بہ علم وان لا تغفر لی وترحمنی
اکن من الخسرین اے میرے رب! میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ میں
آئندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو۔ اور
اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے
والوں میں آجاؤں گا (ہود ۴۷)

ہود ؑ نے بھی قوم سے تنگ اللہ ہی کو پکارا رب انصرنی بما کذبون
اے میرے رب! میرا بدلہ کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا (المومنون ۳۹)
ابراہیم ؑ نے صالح بیٹا پیدا ہونے کی دعا اللہ ہی سے کی رب ھب لی
من الصالحین اے میرے رب مجھے ایک صالح فرزند دے (الصفت ۱۰۰)
اپنے اور اولاد کے بارے پابند صلوٰۃ ہونے کی دعا بھی اللہ ہی سے کی رب اجعلنی
مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی اے میرے رب مجھ کو بھی نماز کا پابند رکھیے اور
اور میری نسل میں سے بھی کو (ابراہیم ۴۰)

اپنے فرماں بردار رہنے کی دعا بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کی ربنا واجعلنا مسلمین لک اے ہمارے رب ہم دونوں (ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام) کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھ (البقرہ ۱۲۸)

اپنی اولاد کے حق میں بھی ان کے فرماں بردار رہنے کی دعا اللہ ہی سے کی ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک اور ہماری نسل سے ایک فرماں بردار امت پیدا کر

اپنی نسل میں سے پیغمبر آخر الزماں کے مبعوث ہونے کی دعا اللہ تعالیٰ ہی سے کی ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم اے ہمارے رب ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب الٰہی اور دانائی کی پکی باتوں کی تعلیم دے اور انہیں شرک اور دوسری بدکرداریوں سے پاک و صاف کرے (البقرہ ۱۲۹)

حکم کے حصول کی دعا اللہ تعالیٰ ہی سے کی رب ھب لی حکما اے میرے رب مجھے حکم و حکمت عطا فرما (الشعراء ۸۳)

اپنے تئیں صالحین میں شامل ہونے کی دعا اللہ ہی سے کی والحقنی بالصالحین اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر (الشعراء ۸۳)

اپنا ذکر خیر آنے والی نسلوں میں جاری رہنے کی دعا بھی اللہ سے کی تاکہ وہ لوگ میرے طریق پر چلیں اور میرے لیے اضافہ حسنات و ثواب کا باعث ہوں واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین اور میرا ذکر خیر آیندہ آنے والی نسلوں میں جاری رکھ (الشعراء ۸۴)

جنت کا وارث ہونے کی اللہ ہی سے دعا، کی واجعلنی من ورثۃ
جنۃ النعیم اور مجھے جنت نعیم کے مستحقین میں سے کر دے (الشعراء ۸۵)
قیامت میں رسوا نہ ہونے کی دعا بھی اللہ سے کی ولا تخزنی یوم یبعثون
اور اس دن مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے (الشعراء ۸۷)
اپنی، والدین اور تمام مؤمنین کی بخشش کی دعا بھی اللہ ہی سے کی
ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب اے ہمارے رب
میری مغفرت کر دے اور میرے والدین کی اور تمام ایمان والوں کی جس
روز حساب کتاب قائم ہو۔

نوٹ: غفر کے معنے ہیں رحمت الٰہی کا ڈھانپ لینا۔ اور اس کی
حاجت جس طرح عاصی کو رہتی ہے، معصوم کو بھی رہتی ہے۔ اس لیے حضرت
ابراہیم ؑ کا اپنے حق میں مغفرت طلب کرنے سے ان کا غیر معصوم ہونا ہرگز
لازم نہیں آتا (ماجدی ص ۶۹ ج ۳)

ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادت اصنام سے سدا
بچائے رکھنے کی دعا بھی اللہ ہی سے کی واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام
اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتیوں
(یعنی غیر اللہ نبی ولی جن فرشتوں سورج چاند وغیرہ) کی پوجا کرنے لگیں۔

ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کرتے
وقت اپنے رب ہی کو پکار کر کہہ رہے تھے ربنا تقبل منا انک انت
السمیع العلیم اے ہمارے رب! یہ تو ٹوٹا پھوٹا ہمارا عمل تو ہم سے قبول
کر لے اس میں شک نہیں کہ تو ہی ایک ایسی ذات عالی ہے جو سب کچھ
سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (البقرہ ۱۲۷)

ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ (کعبہ) بنا کر اللہ ہی کو
پکار کر کہا رب اجعل هذا البلد آمنا اے میرے اس وادی غیر ذی زرع کو جو کہ
تیرے احترام والے گھر کے پاس ہے ایک شہر بنا دے۔ تاکہ لیقیموا الصلوٰۃ
تاکہ اس شہر کے باشندے پکار کی سوئی کا ہر اصرف اللہ کی طرف رکھیں
ادھر ادھر نہ ہلنے پائے (البقرہ ۱۲۶) (ابراہیم ۳۷)

ابراہیم نے اس شہر کے پُر امن ہونے کی دعا اللہ ہی سے کی رب اجعل
هذا البلد آمنا اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو بھی امن والا بنا دے (ابراہیم ۳۵)

اس شہر مکہ کے باشندوں کی طرف دوسرے لوگوں کے دل مائل
ہونے کی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے کی فاجعل افئدۃ من الناس تهوی
الیهم سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے (ابراہیم ۳۷)

شہر مکہ کے باشندوں کو کھانے کے پھل وغیرہ ملنے کی دعا بھی اللہ
تعالیٰ سے کی وارزقهم من الثمرات لعلهم یشکرون اور انہیں کھانے
کو پھل دے تاکہ یہ لوگ تیرے شکر گزار رہیں (ابراہیم ۳۷)

کافروں کا تختۂ مشق نہ بننے کی دعا بھی اللہ ہی سے کی ربنا لا تجعلنا
فتنة للذین کفروا اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا۔
(سورہ الممتحنہ ۵)

ابراہیم کا فرمانا کہ میں صرف اپنے رب کو پکاروں گا واعتزلکم وما
تدعون من دون اللہ وادعو ربی عسی الا اکون بدعاء ربی شقیا
اور میں کنارہ کرتا ہوں تم لوگوں سے بھی اور ان سے بھی جنہیں تم لوگ اللہ کے
سوا پکارتے ہو۔ اور میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ یقین ہے کہ میں
اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا (مریم ۴۸)

لوطؑ نے قوم سے تنگ آکر امداد کے لئے اللہ ہی کو پکارا رب انصرنی علی القوم المفسدین اے میرے رب! فسادی قوم پر مجھے مدد دے

یعقوبؑ نے ازالۂ غم کے لیے اپنے رب کو ہی پکارا انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ میں تو اپنے رنج اور غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں (یوسف ۸۶)

نیز فرمایا واللہ المستعان علی ما تصفون اور جو باتیں تم بناتے ہو اللہ ہی مدد دے (یوسف ۱۸)

یوسفؑ نے ایمان پر مرنے اور صالحین کی رفاقت کی دعا اللہ ہی سے کی رب قد اٰتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین اے میرے رب! تو نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا جو کہ علم عظیم ہے۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے مجھ کو پوری فرماں برداری ایمان و اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھالے اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل کرلے (یوسف ۱۰۱)

داؤدؑ نے اپنی لغزش سے بخشش کی دعا اللہ ہی سے کی فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب سو داؤدؑ نے اپنے رب ہی سامنے توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے (ص ۲۴)

سلیمان علیہ السلام نے ادائے شکرِ نعمت، عمل نیک کی توفیق اور صالحین کے زمرے شمولیت کے لیے اللہ ہی سے دعا کی رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحا

ترضٰه وادخلني برحمتك في عبادك الصالحين اے میرے رب مجھ کو اس پر مداومت دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور اس پر بھی مداومت دے کہ میں نیک کام کیا کروں جس سے تو خوش اور راضی ہو اور مجھ کو اپنی رحمتِ خاصہ سے اپنے اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں داخل رکھ (النمل ۱۹)

ملکِ اسلام ملنے کی دعا اللہ ہی سے کی رب اغفرلی و هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انك انت الوهاب اے میرے رب! میری لغزش اور قصور معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا میرے زمانہ میں کسی کو میسر نہ ہو۔ کیونکہ تو آپ ہی بڑا دینے والا (ص ۳۵)

موسیٰ ؑ نے قبطی کو گھونسا مارا۔ قبطی مر گیا۔ موسیٰ ؑ نے رب ہی کو پکارا رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی اے میرے رب! مجھ سے قصور ہو گیا ہے تو معاف فرما دے (القصص ۱۶)

پھر جب وہ ملک مصر سے بھاگنے لگے تو ظالموں سے نجات پانے کی دعا بھی اللہ ہی سے کی رب نجنی من القوم الظالمین اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچا لے (القصص ۲۱)

موسیٰ ؑ بھوکے تھے کھانا رب ہی سے مانگتے ہیں رب لما انزلت الیّ من خیر فقیر اے میرے رب اس وقت جو نعمت آپ مجھ کو بھیج دے، میں اس کا سخت حاجت مند ہوں (القصص ۲۴)

رسالت میں مددگاری کے لیے ہارون بھائی کو رب ہی سے مانگا رب انی قتلت منهم نفسا فاخاف ان یقتلون واخی هارون هو افصح منی لسانا فارسله معی ردءا یصدقنی انی اخاف ان یکذبون

اے میرے رب! میں نے ان (فرعونیوں) میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا۔ سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ جاتے ہی وہ مجھ کو قتل کر دیں۔ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دے دیجئے کہ وہ میری تقریر کی تائید و تصدیق کریں گے کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں (القصص ع ۴ پ ۲۰)

موسیٰ نے اپنی زبان کی لکنت دور کرنے کے لیے بھی اللہ ہی کو پکارا، سینہ فراخ کرنے اور تبلیغ کا کام آسان کرنے کے لیے بھی اسی کو پکارا

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی اے میرے رب! میرا حوصلہ فراخ کر دے اور میرا تبلیغ کا کام آسان فرما دے اور میری زبان پر سے لکنت کی بستگی ہٹا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں (طٰہٰ ع ۲ پ ۱۶)

موسیٰ نے ہلاکت دشمن کی دعا بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کی ربنا انک آتیت فرعون وملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم اے ہمارے رب ہم کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال اس دنیوی زندگی میں دیے ہیں اے ہمارے رب وہ اسی لیے دیا ہے کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو زیادہ سخت کر دے جس سے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کے مستحق ہو کر اس کو دیکھ لیں (یونس ع ۹ پ ۱۱)

فرعون نے کہا کہ میں موسیٰ کو قتل کرتا ہوں تو موسیٰ نے کہا انی
عذت بربی وربکم ان ترجمون میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا
ہوں اس سے کہ تم لوگ مجھ کو پتھر یا غیر پتھر سے قتل کرو (دخان ۲۰)
نیز کہا انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب
میں اپنے اور تمہارے یعنی سب کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خود دماغ
شخص کے شر سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا (حٰم مومن ۲۷)
پھر اپنے رب کو ہی پکارتے ہیں فدعا ربہ ان ھٰؤلاء قوم مجرمون
موسیٰ ؑ نے اپنے رب ہی سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں (دخان ۲۲)
بنی اسرائیل نے کہا تھا فوجِ فرعون کو پیچھے سے آتے دیکھ کر گھبرا کر کہ
اے موسیٰ ہم تو پکڑے گئے تب موسیٰ ؑ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں ان معی
ربی سیھدین میرا امدادی میرا رب ہے وہ دشمن سے نجات پانے کا
رستہ ابھی بتا دے گا (الشعراء ۶۲)
موسیٰ نے دیدار الٰہی کی خواہش ظاہر کی رب ارنی انظر الیک اے
میرے رب مجھے اپنا دیدار کرا دے کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں (اعراف ۱۴۳)
تنبیہ ہونے پر رب ہی کو پکار کر توبہ کی سبحانک تبت الیک
وانا اول المؤمنین بیشک تیری ذات شریکوں معاونوں نائبوں
وزیروں نظیروں شفعاء قہر جھوٹ ظلم جہل احتیاج عجز غفلت نیند
اونگھ مستقر مشورہ شبہ تحدید تصور اعتراض دنیوی دیدار وغیرہ ہر قسم کے
عیب سے پاک ہے اور میں تیری جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب
سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

دخول فی الرحمۃ کی دعا اسے ہی سکھائی کہ رب اغفرلی ولاخی و
ادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الراحمین اے میرے رب! میری اور
بھائی کی لغزشیں معاف فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما
اور تو ہی ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا (اعراف ۱۵۱)

تیہ کے میدان میں پانی ناپید تھا اس وقت موسیٰ نے استسقیٰ
موسیٰ لقومہ اپنی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ سے پانی کی دعا مانگی (بقرہ ۶۰)

قوم کے منتخب ستر آدمیوں کی گستاخی کی پاداش میں ہلاک ہونے تو
موسیٰ نے رب ہی کو پکار کر کہا رب لو شئت اھلکتھم من قبل و
ایای الآیۃ اے میرے رب اگر تجھے یہ منظور ہوتا تو اس سے پہلے ہی ان
کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کہیں تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت
پر سب کو ہلاک کر دے گا۔ یہ واقعہ تیری طرف سے محض ایک امتحان ہے
ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہ رکھے اور جس کو چاہے ہدایت پر
قائم رکھے۔ تو ہی ہمارا خبر گیران ہے ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے۔
اور تو بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی
نیک حالی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تو صرف تیری طرف رجوع
کرتے ہیں (الاعراف ۱۵۵، ۱۵۶)

بنی اسرائیل نے جہاد سے حکم عدولی کی تو موسیٰ نے رب ہی کو پکارا
رب انی املک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم
الفسقین اے میرے رب! میں اپنی جان اور اپنے بھائی پر البتہ
اختیار رکھتا ہوں سو اب تو ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے
درمیان فیصلہ فرما دے (المائدہ ۲۵)

یوسف ؑ نے زنانِ مصر کے کید و مکر و فریب سے بچنے کے لیے اپنے رب ہی کو پکارا رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ وان لا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین اے میرے رب! جس واہیات کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ اور اگر ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کرے گا تو ان کی صلاح کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ (یوسف ۳۳)

یوسف ؑ کے برادر خورد (بنیامین) اور کبیر بھائی جب مصر میں رک گئے تو صبر کرتے ہوئے فرمایا عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا انہ ھو العلیم الحکیم مجھ کو اللہ ہی سے امید ہے کہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے گا۔ کیونکہ وہ خوب واقف اور بڑی حکمت والا ہے (۸۳)

یوسف ؑ اپنے برادران کے لیے مغفرت کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے اور سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے (یوسف ۹۲)

برادرانِ یوسف ؑ کی درخواست پر یعقوب ؑ نے فرمایا سوف استغفر لکم ربی انہ ھو الغفور الرحیم یعنی عنقریب تمہارے لیے اپنے رب سے دعائے مغفرت کر دوں گا۔ وہ تو بیشک بہت ہی بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (یوسف ۹۸)

تحمید وتسبیح رب اور اپنی کوتاہی کا اقرار

یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں بھی رہ کر اپنے رب کو ہی پکارا وَ ذَا النُّونِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ
اور مچھلی والے پیغمبر یعنی یونسؑ کا تذکرہ کرو جب وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چل دیے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر اس چلے جانے میں کوئی دار وگیر نہ کریں گے پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ یا اللہ تیرے سوا کوئی مصیبت سے بچانے والا اور پکار سننے والا کوئی نہیں ہے تو سب نقائص سے پاک ہے میں واقعی قصوروار ہوں (الانبیاء ۸۷)
فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ
سو اگر وہ اس وقت تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

مصیبت سے خلاصی کی دعا

ایوبؑ نے ازالۂ تکلیف کے لیے اپنے رب ہی کو پکارا اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور اے میرے رب تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے (الانبیاء ۸۳)
اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے یعنی تو رحم فرما (ص ۴۱)

حق وباطل میں امتیاز کی دعا

شعیبؑ نے رب ہی کو پکارا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری اس قوم کے درمیان میں فیصلہ کر دے حق کے موافق اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے (الاعراف ۸۹)

زکریا نے بیٹے کی دعا اپنے رب سے کی وذکریا اذ نادی ربہ رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین جب زکریا نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھ کو لاوارث مت رکھیو یعنی مجھ کو فرزند دے کہ میرا وارث ہو اور سب وارثوں سے بہتر وارث تو ہی ہے (الانبیاء ۔)

رب انی وھن العظم منی واشتعل الراس شیبا ولم اکن بدعائک رب شقیا وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا اے میرے رب! میری ہڈیاں بوجہ پیری کے کمزور ہوگئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ اور اس سے پہلے کبھی بھی تجھ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں۔ اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ دارو کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو اس صورت میں آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث یعنی بیٹا دے کہ وہ میرے علوم خاصہ میں میرا وارث بنے اور میرے جد امجد یعقوبؑ کے خاندان کا وارث بنے۔ اور اس کو اے میرے رب! اپنا پسندیدہ بنا (مریم ۴ تا ۶)

رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء اے میرے رب عنایت کیجیے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد۔ اس میں شک نہیں کہ تو ہی ہے خوب سننے والا دعا کا (آل عمران ۳۸)

عیسیٰؑ نے مائدہ اترنے کی دعا اپنے رب ہی سے کی اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا وایۃ منک وارزقنا وانت خیر الرازقین اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان سے نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد میں ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی

ان ہو جائے۔ اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے اور تو ہی ہم کو رزق عطا فرما۔ اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا عطا کرنے والا ہے (مائدہ ۱۱۴)

ہمارے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا مانگنے کا طریقہ تعلیم فرمایا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین اے اللہ ہمیں اسی سیدھی راہ پر ثابت رکھ یعنی جو ان بزرگوں کی راہ جن کا دل مضبوط کرکے ان پر تو نے انعام فرمایا۔ نہ راہ ان کی جن پر سرکشی کرکے تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کی راہ جو صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں۔

قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔ تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر حساب

اے محمد! آپ اللہ تعالیٰ سے یوں دعائیں کیا کریں کہ اے اللہ تمام ملک کے مالک تو ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے پست کر دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی اختیار میں ہے۔ ہر چیز پر تیری پوری قدرت ہے رات کے اجزا کو دن میں داخل تو کرتا ہے اور بعض فصلوں میں دن کے اجزاء کو رات میں تو ہی داخل کرتا ہے اور بے جان سے جاندار چیز تو ہی نکالتا ہے (جیسے انڈے سے چوزہ) اور جاندار سے بے جان کو بھی تو ہی نکالتا ہے (جیسے پرندے سے انڈا) اور تو جسے چاہتا ہے بے شمار رزق عطا فرماتا ہے (آل عمران ۲۶ و ۲۷)

نیز فرمایا قل رب زدنی علما اے محمد! آپ یہ دعا کریں کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجیے (طٰہٰ ۱۱۴)

نیز فرمایا قل رب اما ترینی ما یوعدون رب فلا تجعلنی فی القوم الظالمین آپ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کیجیے کہ اے میرے رب! جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ اگر تو مجھ کو دکھا دے تو اے میرے رب! مجھ کو اُن ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا (المؤمنون ۹۳، ۹۴)

نیز فرمایا وقل رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون آپ یوں بھی دعا کیا کریں کہ اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے۔ اور اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں (المؤمنون ۹۷، ۹۸)

نیز فرمایا قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق اذا وقب ومن شر النفاثات فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد آپ اپنے استعاذہ کے لیے کہیے کہ صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور بالخصوص اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات چھا جائے اور رات میں شرور کا احتمال ظاہر ہے) اور بالخصوص گنڈے کی گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (الفلق)

نیز فرمایا قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس آپ اپنے استعاذہ کے لیے یوں بھی کہا کریں

کہ میں آدمیوں کے مالک مربی، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے
معبود کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والے شیطان
کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ
وسوسہ ڈالنے والا جن ہو یا آدمی ہو۔ (الناس)

نیز فرمایا وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین اور
آپ یوں بھی کہا کریں کہ اے میرے رب! میری لغزشیں معاف کر
اور رحم کر اور تُو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے
(المومنون پ۱۸)

نیز فرمایا قل اللھم فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغیب
والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فی ما کانوا فیہ یختلفون
آپ یوں کہا کریں کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے
والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے! تُو آپ ہی قیامت کے دن
اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ
باہم اختلاف کرتے تھے (الزمر پ۲۴)

نیز فرمایا وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج
صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا اور آپ یوں
دعا کیجیے کہ اے رب! مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی
کے ساتھ لے جائیو۔ اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس
کے ساتھ نصرت ہو (بنی اسرائیل پ۱۵)

اصحاب کہف نے بھی مصیبت کے وقت اپنے رب ہی کو پکارا ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا اے ہمارے رب ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرما۔ اور ہمارے لیے اس کام میں درستی کا سامان مہیا فرمادے (الکہف ۱۰)

اصحاب موسیٰؑ نے بھی مصائب کے وقت اپنے رب ہی کو پکارا علی اللہ توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین ونجنا برحمتک من القوم الکافرین ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافروں سے نجات دے (یونس ۸۵، ۸۶)

موسیٰؑ پر ایمان لانے والے نومسلم جادوگروں نے فرعون کی دھمکی سن کر اپنے رب کو پکارنے لگے ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما۔ اور ہماری حالت اسلام پر نکال (الاعراف ۱۲۶)

شعیبؑ کے اصحاب نے کفار کی دھمکیاں سن کر اللہ ہی کو پکارا ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری اس قوم کے درمیان میں فیصلہ کر دے حق کے موافق۔ اور تو آپ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (الاعراف ۸۹)

موسیٰؑ کی گوسالہ پرست قوم اپنے کرتوت پر نادم ہوئی تو اللہ سے دعا کی لئن لم یرحمنا ربنا ویغفر لنا لنکونن من الخاسرین اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا یہ گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے اور بڑے گھاٹے میں رہے (الاعراف ۱۴۹)

عیسیٰ ؑ کے حواریین نے رب ہی کو پکارا اور ایمان کو وسیلہ بنایا۔
ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین
اے ہمارے رب! ہم ان تمام احکام پہ ایمان لائے جو تو نے نازل کیے
اور ہم نے اس رسول کی پیروی اختیار کی ہے۔ سو ہم کو ان لوگوں کے
ساتھ لکھ دے جو تصدیق کرتے ہیں (آل عمران ۵۳)

ملکہ سبا نے یوں دعا کی رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع
سلیمان للہ رب العلمین اے میرے رب! میں نے اب تک اپنی نفس
پر ظلم کیا تھا کہ اب تک شرک میں مبتلا رہی ہوں اور اب میں سلیمان کے
کے ساتھ یعنی ان کے طریقے پہ ہو کر رب العلمین پر ایمان لاتی (نمل ۴۴)

عمران کی بیوی کی دعا رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا فتقبل
منی انک انت السمیع العلیم اے میرے رب! میں نے صرف تیرے
لیے نذر مانی ہے اس بچہ کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا
جائے گا تو ولادت کے بعد مجھ سے تو قبول کر لینا بیشک تو آپ ہی
ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا (آل عمران ۳۵)

ولادت مریم کے بعد یوں دعا کی وانی سمیتھا مریم وانی
اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم اور میں نے اس لڑکی
کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو اگر کبھی اولاد ہو تیری
پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے (آل عمران ۳۶)

طالوت کی فوج کی دعا (بوقت جہاد) ربنا افرغ علینا صبرا وثبت
اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین اے ہمارے رب! غیب سے
ہم پر صبر و استقلال عطا فرما اور ہمارے قدم جمائے رکھ۔ اور ہم کو اس کافر

قوم پر غالب فرما (البقرہ ۲۵۰)

انبیا سابقین کی امتوں کی دعا (بوقت) دعا ربنا اغفر لنا ذنوبنا و

اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین

اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہمارے کاموں میں ہمارے

حد سے نکل جانے کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو

کافر لوگوں پر غالب کر۔ (آل عمران ۱۴۷)

جبرائیل کو نامحرم مرد سمجھ کر مریم بنت عمران نے کہا تھا انی اعوذ بالرحمٰن

منك ان کنت تقیا میں تجھ سے اپنے اللہ رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر

تو کچھ خدا ترس ہے تو یہاں سے ہٹ جا۔ (مریم ۱۸)

امرأۃ فرعون (آسیہ) نے دعا کی رب ابن لی عندك بیتا فی

الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم الظالمین

اے میرے رب! میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنا۔

اور مجھ کو فرعون کے شر سے اور اس کے عمل یعنی کفر کے ضرر و اثر سے محفوظ

رکھ اور مجھ کو تمام ظالم یعنی کافر لوگوں سے محفوظ رکھ (التحریم ۱۱)

نجاشی (شاہ حبش) اور اس کے ہم مشرب لوگوں کی دعا ربنا آمنا

فاکتبنا مع الشاهدین اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے تو ہم کو بھی ان

لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں

حاجیوں کی دعا، ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کر اور آخرت میں بھی بہتری عنایت کر۔ اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا (بقرہ ۲۰۱)

مکہ میں محبوس مرد و زن اور بچگاں کی دعا ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا اے ہمارے رب! ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر۔ اور ہمارے غیب سے کسی حامی کو بھیج (النساء ۷۵)

عباد الرحمٰن کی دعا ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما انھا ساءت مستقرا ومقاما اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھ کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔ بے شک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے (فرقان ۶۶)

نیز: ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت عطا فرما۔ اور ہم کو شرک سے بچنے والے اماموں کا پیروکار بنا دے (فرقان ۷۴)

نیز: ربنا آمنا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحمت فرما اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے (مومنون ۱۰۹)

نیز: سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر ہم نے تمہارا ارشاد سنا اور خوشی سے مانا۔ ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے

رب! اور ہم سب کو صرف تیری ہی طرف لَوٹنا ہے (بقرہ ۲۸۵)

نیز: ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین اے ہمارے رب! ہم پر دار وگیر نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا چُوک جائیں۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیج جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر تُو نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی ایسا بار دنیا یا آخرت کا نہ ڈال جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔ اور درگذر کر ہم سے۔ اور بخشش دے ہم کو۔ اور رحم کر ہم پر۔ تُو ہی ہمارا کارساز ہے اور کارساز طرفدار ہوتا ہے۔ سو تُو آپ ہی ہم کو کافر لوگوں پر غالب فرما۔ (البقرہ ۲۸۶)

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیہ ان اللہ لا یخلف المیعاد اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو کج نہ کر بعد اس کے کہ تُو ہم کو ہدایت کر چکا۔ اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت خاصہ عطا فرما۔ اس میں شک نہیں کہ تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! تو بلاشبہ تمام آدمیوں کا میدانِ حشر میں جمع کرنے والا ہے اس دن میں جس میں ذرا شک نہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

ربنا اننا اٰمنا فاغفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو تو ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ اور

ہم کو عذاب دوزخ سے بچا۔

[illegible]

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم اے ہمارے رب ہم کو بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دے۔ اے ہمارے رب تُو بڑا ہی شفیق اور رحیم ہے (حشر ۱۰)

[illegible]

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضیہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین اے میرے مجھ کو اس پر مداومت دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو تُو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے تو خوش ہو۔ اور میری اولاد میں نیک بختی پیدا فرما کہ میرے لیے موجب راحت ہو۔ میں اپنی تمام حاجتوں میں صرف تیری طرف رجوع لاتا ہوں، اور میں تیرے فرماں بردار بندوں میں سے ہوں (احقاف ۱۵)

[illegible]

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیء قدیر اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھیے یعنی راہ میں گل نہ ہو جائے اور ہماری مغفرت فرما۔ تو ہر شے پر قادر ہے (التحریم ۸)

[illegible]

ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ وما للظلمین من انصار ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا

ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار ربنا وآتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک ولا تخزنا یوم القیمۃ انک لا تخلف المیعاد اے ہمارے رب! تونے اس کارخانۂ عالم کو بے فائدہ تو نہیں بنایا، تیری ذات ایسے فعلِ عبث کے کرنے سے پاک ہے۔ اور یہ کارخانہ خبر دے رہا ہے کہ آخرت میں نیکی کی جزا اور بدی کی سزا ہونی ہے تو اے ہمارے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔ اے ہمارے رب جس کو تونے دوزخ میں ڈالا اس کو بہت ہی خوار کیا اور وہاں گنہگاروں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کرنے والے یعنی پیغمبر کو سنا کہ وہ ایمان کی منادی کر رہے تھے اور لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے۔ پس اے ہمارے رب! ہم کو ہمارے قصور معاف فرما۔ اور ہم پر سے ہمارے گناہ دور کر۔ اور نیک بندوں کے شمول میں ہمارا بھی خاتمہ بالخیر کر اے ہمارے رب جیسے جیسے نعمتوں کے وعدے اپنے رسولوں کی معرفت تُو نے ہم سے فرمائے ہیں وہ ہم کو نصیب فرما۔ اور قیامت کے دن ہم کو رسوا نہ کر۔ تو کبھی وعدہ خلافی تو کیا ہی نہیں کرتا (آل عمران ۱۹۴)

باغ والوں سے غلطی سرزد ہوئی پشیمان ہوئے توبہ کی اور کہا کہ سبحان ربنا انا کنا ظلمین ہمارا رب پاک ذات ہے۔ بیشک ہم ہی قصوروار ہیں ..... عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیرا منہا انا الیٰ ربنا راغبون ○ شاید توبہ کی برکت سے ہمارا رب ہم کو اس سے اچھا باغ اس کے بدلے میں دے اب ہم اپنے رب ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں (قلم ۳۲)

[illegible]

عرش الٰہی کو اٹھانے والے فرشتے اور اس کے گرد اگرد فرشتے
مومنین کے حق میں استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا
کرتے ہیں ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما فاغفر للذین
تابوا واتبعوا سبیلك وقهم عذاب الجحیم ربنا وادخلهم
جنت عدن التی وعدتهم ومن صلح من اٰبائهم وازواجهم و
ذریاتهم انك انت العزیز الحکیم وقهم السیئات ومن
تق السیئات یومئذ فقد رحمته وذلك هو الفوز العظیم
اے ہمارے رب تیری رحمت عامہ اور علم ہر چیز کو شامل ہے۔ سو اُن
لوگوں کو بخش دے جنہوں نے شرک وکفر سے توبہ کرلی ہے اور
تیرے رستہ پہ چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔
اے ہمارے رب اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا تو
نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجیے اور ان کے ماں باپ اور
بیبیوں اور اولادمیں جو جنت کے لائق یعنی مؤمن ہوں ان کو بھی
داخل کردے بے شک تُو زبردست حکمت والا ہے۔ اور اُن کو
قیامت کے دن ہر طرح کی تکالیف سے بچا۔ اور تُو جس کو اس دن
کی تکالیف سے بچالے تو اس پر تو نے بہت مہربانی فرمائی اور یہ
بڑی کامیابی ہے (حم مومن ۷ تا ۹)

[illegible]

ماں باپ کے حق میں دعا رب ارحمهما کما ربیانی
صغیرا اے میرے رب ان دونوں (ماں باپ) پر رحمت فرما۔
جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا۔

بزرگوں سے دعا کروانا۔

بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر موسیٰؑ سے دعا کروائی لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربك یخرج لنا مما تنبت الارض اے موسیٰ ہم روز کے روز ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے آپ ہمارے واسطے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اُگا کرتی ہیں

ذبح گاؤ کا حکم ہوا تو اس کے اوصاف معلوم کرنے کے لیے حضرت موسیٰؑ سے دعا کروائی ادع لنا ربك یبین لنا ما هی اے موسیٰؑ! اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہم سے بیان کریں کہ اس گاؤ کے کیا اوصاف ہیں

رنگ معلوم کرنے کے لیے موسیٰؑ سے دعا کروائی ادع لنا ربك یبین لنا ما لونها اپنے رب سے درخواست کرو کہ یہ بھی بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہو

دوبارہ اوصاف کی دعا موسیٰؑ سے کروائی ادع لنا ربك یبین لنا ما هی ہمارے لیے اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہم سے بیان کردیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہیں؟

برادرانِ یوسفؑ نے اپنے والد یعقوبؑ کو کہا یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی دعائے مغفرت کیجیے ہم بیشک خطاوار تھے (یوسف ۹۷)

عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے والی کتب

الدر المنثورۃ از مولنا محمد امیر صاحب مرحوم	۲۴/-	تفسیر جواہر القرآن کامل از شیخ القرآن
دعوۃ الحق 〃 〃 〃	۶/۵۰	جواہر التوحید 〃
التوحید 〃 〃 〃		اقامۃ البرہان از سجاد بخاری
الاقوال المرضیہ 〃 〃 〃	۱۰/-	الآیات البینات از نعمان بن محمد گکھڑوی
القبر مع الشرعی از نیلوی		تحفۃ السند از مولنا عبید اللہ [illegible]
شفاء الصدور 〃	۱۶/-	کتاب التوحید جلد ۲ و ۳ از جلالپوری
فتح الرحمن فی تحقیق صیام رمضان 〃	۵/-	شجرۂ بدعات از سید عنایت اللہ شاہ
رد منکرات 〃	۴/-	تشریح کلمہ توحید از پیر الوانی
بشریت نبوی 〃	۱/۵۰	اپریل فول از نیلوی
معراج النبی ؐ 〃	۴/-	رذیل عادتیں
رق منشور 〃	۱۲/-	یوسف ؑ کا نکاح زلیخا سے؟ 〃
عید میلاد النبی ؐ 〃		فضل المعبود 〃
تفسیر بے نظیر بخشی 〃	۱۰/۷۵	مختصر خلاصۃ القرآن 〃
غیب دانی از الوانی مجیبہ 〃	۴/-	خلاصۃ البیان 〃
ضیائے حق (دو رسائل) 〃	۵/-	مسلسل مربوط بیان قرآن 〃
پیران پیر 〃	۷/-	ندائے حق جزء ۱ از جلد ۱ 〃
خیر الکلام 〃		〃 〃 ۲ 〃 〃 〃
المعارف 〃		〃 جلد ۲ 〃 〃
رفع عیسیٰ 〃		فیض الاستغاثہ 〃

مکتبۃ الفیصل جامعہ صدیقیہ جامع مسجد ذی النورین محلہ ظفر آباد جھنگ صدر

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حقائق کی روشنی میں

مؤلف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت العلامہ محمد حسین النیلوی مدظلہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، حال صدر مدرس ضیاء العلوم سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین یا اعز من کل عزیز ویا اجل من کل جلیل برحمتک یا ارحم الراحمین اھدنا وانجنا من الخطأ والزلل آمین یا رب العٰلمین ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

اما بعد محمد حسین نیلوی غفرلہ اللہ عارض ہے کہ جب ماہوار رسالہ گلستان اہل سنت شائع ہوتا تھا تب یہ مضمون شائع ہوا تھا یعنی رجب ۱۳۹۶ھ میں۔ اب ساتھیوں کے اصرار پر یہ مضمون دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مفید عام بنائے آمین یا رب العٰلمین

آیۃ اسراء

قال اللہ تعالیٰ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (یعنی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رات کے تھوڑے حصہ میں مسجد حرام (یعنی بیت اللہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ملک شام ہے ہم نے (دینی و دنیوی) برکتیں کر رکھی ہیں (دینی برکت یہ ہے کہ وہاں کثرت سے انبیاء کرام علیہم السلام مدفون ہیں۔ دنیوی برکت یہ ہے کہ وہاں نہریں درخت اور پیداوار کی بہتات ہے) الغرض اس مسجد اقصیٰ تک عجیب طور پر اس واسطے لے گیا تاکہ ہم اُن (بندہ) کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں (جن میں بعض تو خود وہاں کے متعلق ہیں۔ مثلاً اتنی بڑی مسافت تھوڑے وقت میں طے کرنا، سب انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنا، ان کی امامت کرنا وغیرہ۔ اور بعض آگے کے متعلق ہیں۔ مثلاً آسمانوں پر جانا اور عجائبات کثیرہ دیکھنا) بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سننے دیکھنے والا (چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو سنتے احوال کو دیکھتے تھے۔ اس لئے ان کو اس طرح مکرم و مقرب بنا لیا) سورۂ بنی اسرائیل پارہ نمبر ۱۵ رکوع ۱ آیت ۱ :

آیۃ معراج

وقال اللہ تعالیٰ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی یعنی ان (حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم) کو من جانب اللہ ایک فرشتہ وحی کی تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے اور کتاب سے طاقتور نہیں بلکہ پیدائشی طاقتور ہے۔ پھر ایک بار ایسا بھی ہوا کہ وہ فرشتہ اپنی اصل صورت پر آپ کے روبرو نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا۔ پھر وہ فرشتہ آپ کے نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا۔ پھر قرب کی وجہ سے وہ کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کے ذریعہ اپنے بندہ (محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانا تھی۔ دل نے دیکھی ہوئی چیز میں غلطی نہیں کی۔ تو کیا ان پیغمبر سے ان کی دیکھی بھالی ہوئی چیز میں جھگڑتے ہو؟ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی اور انہوں نے اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی صورت اصلیہ میں دیکھا ہے سدرۃ المنتہٰی کے پاس جس کے قریب جنۃ الماوٰی ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہٰی کو لپیٹ رہی تھیں جو چیزیں لپیٹ رہی تھیں۔ آپ کی نگاہ ان عجائب کی طرف نظر کرنے سے نہ ہٹی۔ بلکہ ان چیزوں کو خوب دیکھا۔ اور جن چیزوں کے دیکھنے کا حکم نہ تھا ان کی طرف دیکھنے کو آپ کی نظر بڑھی بھی نہیں۔ ان (حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پروردگار کی قدرت کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (سورہ والنجم پارہ نمبر ۲۷ رکوع ۵)

تشریح

قرآن مجید کے دو مقامات سے آیات آپ کے سامنے رکھی گئی ہیں۔ پہلی آیت اسراء یعنی رات کو مسجد اقصٰی تک لے جانے کی بابت ہے اور دوسری آیت معراج یعنی اوپر چڑھ جانے کی بابت ہے۔ یہ دونوں (اسراء و معراج) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے معجزے ہیں۔

اسراء کا مطلب ہے آپ کا کعبہ شریف سے بیت المقدس تک پورے ایک ماہ کا سفر رات کے مختصر حصے (چند منٹوں) میں طے کرنا۔ اور

معراج کا مطلب ہے آپ کا بیت المقدس سے آسمانوں بلکہ سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر چڑھ جانا۔ پھر اپنی ان عنصری جسمانی معصوم آنکھوں سے جنت اور دوزخ اور عالم مثال کا مشاہدہ کرنا اور خاطی زانیوں، ڈاکوؤں، شرابیوں، قاتلیوں، بے عمل خطیبوں، سود خوروں، غیبت کرنے والوں اور مشرکوں کافروں کے ساتھ جو بیت رہی ہے ان سب کو اپنی معصوم عنصری جسمانی آنکھوں سے دیکھنا اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ بلا واسطہ ملائکہ کے مکالمہ کرنا اور دل کی آنکھوں سے خدا کا دیدار کرنا پھر واپسی پہ خدا کی طرف سے مخصوص تحفہ پنجگانہ نماز کا ہمراہ لانا

اسراء و معراج کے متعلق ہمارا راسخ عقیدہ

اسراء اور معراج کے متعلق ہم تمام اہل السنۃ والجماعۃ ماتریدیہ و اشعریہ وحنابلہ کا از روئے قرآن و سنت و اجماع امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ یہ ٹھوس اور مضبوط عقیدہ راسخہ ہے کہ ہر دو برحق ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود بنفس نفیس یعنی بجسدہ و روحہ عالم بیداری میں (نہ خواب میں) کعبہ شریفہ سے بیت المقدس پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بھی اوپر جہاں تک لے جانے والی ذات باری تعالیٰ عز وجل آپ کو لے گئی آپ تشریف لے گئے۔ وہاں تک کسی فرزند آدم کا اس سے پہلے قدم نہیں پہنچا تھا۔ اور آپ نے وہاں اُن چیزوں کا مشاہدہ فرمایا جو دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا۔

اس عقیدۂ حقہ صحیحہ راسخہ کی بنیاد قرآن پاک کی یہ صریح آیات اور احادیث صریحہ صحیحہ متواترہ ہیں جنہیں ہماری یادداشت اور علم و دانش کے مطابق ۴۴ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت فرمایا ہے حضرت انس بن مالک رض۔ حضرت ابی بن کعب رض۔ حضرت بریدہ رض۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رض۔ حضرت حذیفۃ بن الیمان رض۔ حضرت سمرۃ بن جندب رض۔ حضرت سہل بن سعد رض۔ حضرت شداد بن اوس رض۔ حضرت صہیب رض۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رض۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رض۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رض۔ حضرت عبد اللہ بن اسعد بن زرارہ رض۔ حضرت عبد الرحمن بن قرط رض۔ حضرت علی بن

ابی طالب۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب۔ حضرت مالکؓ بن صعصعہ۔ حضرت ابو امامہؓ۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری۔ حضرت ابو حبہؓ۔ حضرت ابو الحمراءؓ۔ حضرت ابو ذرؓ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ۔ حضرت ابو سفیان صخر بن حربؓ۔ حضرت ابو لیلیٰ انصاریؓ۔ حضرت ابو ہریرہؓ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عابسؓ۔ حضرت ابو سلمہؓ۔ حضرت عیاضؓ۔ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ۔ حضرت عثمان بن عفانؓ۔ حضرت ابو الدرداءؓ۔ حضرت ابو سلمیٰؓ۔ حضرت بلال بن حمامہؓ۔ حضرت بلال بن سعدؓ۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ۔ حضرت ام کلثومؓ۔ حضرت ام سلمہؓ۔ حضرت ام ہانیؓ۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جن سے بڑے بڑے حفاظ حدیث ضابطین متقنین مجتہدین بطریق تواتر روایت کرتے ہیں۔ مثلاً عبد الرحمٰن بن جبیرؒ وقتادہؒ و سلمان تیمیؒ و علی بن زیدؒ و ثابت بنانیؒ و شریک بن عبد اللہؒ و یزید بن مالکؒ و ابو عمران جونیؒ و عبد الرحمٰن بن ہاشمؒ و ابو العالیہؒ و عکرمہؒ و سعید بن جبیرؒ و سلیمان تیمیؒ و ابو وہبؒ مولیٰ ابی ہریرہؓ و علقمہؒ و مرہ ہمدانیؒ و محمد بن غفارؒ و عبد الرحمٰنؒ و محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ و عمرو بن شعیبؒ عن ابیہ عن جدہ و محمد بن حنفیہؒ و زید بن علیؒ و عروہؒ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (دیکھو کتب صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث و سیر مثلاً خصائص الکبریٰ سیوطیؒ ج ۱ ص ۱۵۲ و الشفاء للقاضی عیاضؒ ص ۹۸ و ابن کثیرؒ در تفسیر ج ۲ ص ۱۴۱ و شرح صحیح مسلم از نوویؒ ج ۱ ص ۹۱ و تفسیر مفسر ابن جریرؒ ج ۱۵ ص ۱۳۰ وغیرہ)

زاد المعاد ج ۱ ص ۳۰۰ مصری میں ہے ثُمَّ اُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہٖ علی الصحیح اور کلیات ابی البقاء ص ۲۶۱ میں ہے اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ وفیہ اشارۃ الی العروج بالبدن والروح معا اذ العبد اسم للمجموع یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی اسریٰ بعبدہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج جسد مع الروح کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عبد نام ہے جسد مع روح مجموعہ کا۔

علامہ محدث و مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ج ۳ ص ۲۲ میں فرمایا ہے اجمع علیہ

يسلمون والغرض عند الزنادقة والملحدون یعنی جسمانی معراج والے عقیدہ پر تمام مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔ البتہ زندیقوں بے دینوں اور ملحدوں نے اس معراج جسمانی والے عقیدہ کو ماننے سے اعراض کیا ہے اور منہ پھیر لیا۔

اور اس اجماعی عقیدہ کی سند میں کئی امور ہیں۔ من جملہ ان کے ایک امر تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس قصہ عجیبہ کو جس اہتمام سے بیان فرمایا ہے اس سے خود اس قصہ کا عجیب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا سبحٰن الذی اسریٰ۔ اور محاورۂ عرب میں سبحان کا لفظ تنزیہ اور تعجب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ لے جانا بھی واقعی عجیب تھا جو حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر دلالت کرتا ہے۔ پھر لنریہ من اٰیٰتنا فرما کر اور عجائبات ارضیہ وسماویہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ کیونکہ عرف میں آیات کا لفظ جو عظمت وکمال پر دال ہے ارضیہ وسماویہ (زمینی اور آسمانی) ہر دو کو شامل ہے۔ کیونکہ آیات سماویہ (جیسا انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح طیبہ بھی ہیں اور دیگر مقرب مخلوق بھی ہے) ہر حال اور ہر صورت میں آیات ارضیہ سے نہایت ہی اعظم اور اکمل ہیں

بہرحال اگر بالفرض والتقدیر یہ معراج عالم خواب میں ہوتا یا روحانی طور پر ہوتا تو یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ اس طرح کلام الٰہی میں فصاحت وبلاغت نہیں رہتی جو بہت بڑا نقص ہے اور کلام الٰہی ہر طرح کے نقص اور عیب سے منزہ مبرا اور پاک ہے۔

۲ من جملہ ان امور کے دوسرا امر یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا یا روحانی طور پر معراج ہوا ہوتا تو معاندین ومخالفین کی تکذیب کے موقعہ پر جبکہ انہوں نے بیت المقدس اور اپنے قافلے کے حالات پوچھے تھے تو آپ بڑی سہولت سے ان کو جواب دے سکتے تھے کہ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں نے ان مقامات کی سیر بیداری میں کی ہے اور آپ بیت المقدس کی ہیئت وکیفیت کے بیان کرنے کے متعلق فکر میں نہ پڑتے

۳ معاندین ومخالفین کے پوچھ گچھ کے بعد بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے نظر آجانا پھر اسے دیکھ دیکھ کر آپ کا ان علامات کو بیان فرماتے جانا

۴ کفار کا خود ان علامات کے بارے پوچھنا۔

۵ مشرکین مکہ کا تعجب کے طور پر یہ الفاظ کہنا کہ ثُمَّ اَصْبَحْتَ بَیْنَ اَظْهُرِنَا (یعنی) ہیں! بیت المقدس جا کر پھر صبح ہوتے ہی آپ واپس بھی آگئے ہو؟ واہ بھئی واہ)

۶ کفار کا بطور استعجاب و تکذیب کے تالیاں بجانا اور بعض کفار کا آپ کے سر پر ہاتھ رکھنا

۷ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس مشرکین مکہ کا جانا اور پھر ان رضہ کی تصدیق کرنے پر ان کا تعجب ظاہر کرنا (بصورت صحت)

۸ حضرت ام ہانی (بنت ابی طالب) رضی اللہ عنہا کا یہ اصرار کرنا کہ آپ اس واقعہ کو مشرکین مکہ کے آگے بیان نہ فرمائیں۔ کیونکہ مشرکین مکہ آپ کی زبانی یہ واقعہ سن کر مزید استہزاء و تکذیب کریں گے اور آپ کو ان کی طرف سے اذیت پہنچے گی (بصورت صحت)

۹ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود غمگین ہونا کہ اگر قریش سنیں گے تو تکذیب کریں گے۔

۱۰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج شریف کی رات میں مکہ شریف میں موجود نہ ہونا۔ اور

۱۱ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ام ہانی رضی اللہ عنہا کا سخت پریشان ہونا اور ان کی نیند کا جاتا رہنا۔ (بصورت صحت)

۱۲ اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور بنی عبد المطلب کا آپ کی تلاش میں نکلنا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وادی ذی طویٰ تک یا محمد یا محمد کہتے جانا (بصورت صحت)

۱۳ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج بیان کرتے کرتے فرمانا اِنْصَرَفْتُ ثُمَّ اَتَیْتُ قَبْلَ الصُّبْحِ بِمَكَّةَ (میں لوٹا اور صبح سے پہلے ہی میں مکہ میں واپس آگیا)

۱۴ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بعد وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں اختلاف کرنا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خدائے تعالیٰ کو دیکھنا دل کی آنکھوں سے تھا یا سر کی آنکھوں سے

۱۵ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا ، لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ، اَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ، اور اس قسم کی دوسری آیات قرآنیہ اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں معراج ہوا۔ اور ان امور سابقہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس امر پر اجماع ہے کہ آپ کو اسی جسد عنصری کے ساتھ معراج ہوا۔

۱۶ لفظ اَسْریٰ بیداری کا ہی کہلات میں رات کے سفر پر بولا جاتا ہے۔ کشف اور خواب میں چلنے کو

اسرا نہیں کہتے جیسے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الشفاء ص ۹۵ میں لکھا ہے فلا یقال فی النوم اسری یعنی نیند کی حالت میں رات کے سفر کو اسرا نہیں کہتے۔

اسی طرح خدائے تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو بذریعہ فرشتوں کے فرمایا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (سو لے نکل اپنے گھر والوں کو کچھ رات سے) اور

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا (پس لے نکل رات سے میرے بندوں کو)۔ سو اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسراء و معراج بھی بیداری کی حالت میں تھا۔

۱۷ نیز یہ معجزہ مخصوص ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اور معمولی خواب کو معجزہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ معجزہ وہ چیز خارق عادت اور خلاف عادت ہے جو اللہ تعالیٰ مدعی نبوت کے ہاتھوں ظاہر فرمائے۔ اور خارق عادت چیز کا ظہور بیداری کی حالت میں ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کشف و خواب کی صورت میں۔

۱۸ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (یعنی اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے) اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش کی کونسی بات تھی اور اس پر ایمان لانا کونسا مشکل کام تھا، خواب میں تو کئی لوگ اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھتے ہیں۔ پاک و ہند میں بستر استراحت پر سونے والا آدمی کئی دفعہ خواب میں اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے صفا و مروہ کی سعی کرتے ہوئے عرفات کے میدان میں وقوف کرتے ہوئے رمی جمار کرتے ہوئے قربانی کرتے ہوئے مدینہ طیبہ منورہ میں روضہ مطہرہ کی زیارت کرتے ہوئے وہاں سلام پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے۔ لندن، جرمن، فرانس، روس، امریکہ وغیرہ دور دراز ممالک کی سیر کرتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھتا ہے لیکن نہ تو خواب دیکھنے والا خود اس کو انوکھا سمجھتا ہے اور نہ ہی کوئی سننے والا یہ بات سن کر تعجب کا اظہار کرتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے

۱۹ محاورۂ عام کی بناء پر کلام کا فطری قاعدہ یہی ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ واضح ذکر نہ کرے کہ خواب تھا تب تک ہر سننے والا طبعی طور پر یہی سمجھتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کی حالت کا ہے۔

سوال ۱۰

صحیح بخاری ص ۱۱۲۱ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام (پھر آپ بیدار ہوئے تو آپ مسجد حرام میں تھے۔ تو یہ الفاظ اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ واقعہ خواب کا ہے۔ بیداری کا نہیں ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں شریک بن عبد اللہ ایک راوی ہیں جن کے متعلق علمائے محدثین اچھی رائے نہیں رکھتے چنانچہ امام نسائی رح نے فرمایا یہ راوی قوی نہیں ہے۔ اسی طرح ابن الجارود نے بھی فرمایا۔ یحیٰی بن سعید اس سے روایت نہیں لیتے تھے۔ ساجی فرماتے ہیں کہ یہ شخص تقدیر کا منکر اور معتزلی تھا۔ اور ابن حبانؒ نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص بہت خطا کرتا رہتا تھا (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۷) واقعی ابن حبان کی بات صحیح ہے کیونکہ جس روایت میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں شریک نے غلطی کی ہے چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۲ میں یہی روایت اختصار سے ذکر فرمائی اور پھر اس کے بعد فرماتے ہیں وساق الحدیث بقصتہ نحو حدیث ثابت البنانی وقدم فیہ شیئا واخر وزاد ونقص یعنی شریک نے یہی حدیث اپنے قصہ کے ساتھ ثابت بنانیؒ کی طرح بیان کی مگر اس میں شریک نے کچھ واقعات آگے پیچھے کر دئے اور کچھ گھٹا بڑھا دئے۔ اور شریک کے ساتھیوں میں سے کسی نے یہ الفاظ روایت نہیں کئے جو سوال میں درج ہیں۔

امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ عبد الحق کی کتاب الجمع بین الصحیحین کا حوالہ دے کر ج ۱ ص ۹۱ میں فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں شریک نے مجہول زیادتی کی اور غیر معروف الفاظ لے آیا۔ پختہ ثقہ اور متقن حفاظ حدیث اور ائمہ مشہورین قتادہ ثابت بنانی اور ابن شہاب زہری جیسوں نے بھی اسراء و معراج کی یہی حدیث روایت کی ہے مگر ان میں سے کوئی ایک بھی وہ لفظ بیان نہیں کرتا جو شریک نے روایت کیا ہے۔ اور اہل حدیث (ماہرین فن)

محدثین کے نزدیک شریک حافظ بھی نہیں رہا۔

پھر اسی صفحہ پر امام محی الدین نووی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں کئی اوہام ہوئے ہیں جن کا علماء کرام نے انکار فرمایا ہے۔

پھر خود امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی خود اس پر تنبیہ فرمائی اور شریک کی کچھ غلطیوں کا ذکر بھی کیا ان میں سے ایک یہ غلطی بھی بتائی کہ معراج کا واقعہ بعثت سے بھی پہلے کا بتایا۔

سوال نمبر ۲

دلائل بیہقی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد کعبہ میں سو رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو آ جگایا۔ اس کے بعد معراج کی تفصیل دی۔ اخیر میں سونے کے بعد جگائے جانے کی تصریح ہے۔

تو یہ روایت شریک کی روایت کی موید ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ شریک صحیح کہتا ہے۔ اور اس نے روایت کرنے میں غلطی نہیں کی۔ اگرچہ اور مقامات میں غلطی کا شکار ہوتا ہو۔

جواب

حضرت محدث مفسر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے پارہ ۱۵ ص ۱۹ میں یہی حدیث باقاعدہ سند کے ساتھ بیان فرمائی ہے اور اس کے بعد بتایا کہ اس حدیث کی سند میں ابو ہارون عبدی نامی ایک راوی ہے جس کو تمام محدثین نے متفقہ طور پر ساقط الاعتبار قرار دیا۔ اور یہاں تک کہا کہ ھو اکذب من فرعون وہ تو فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے اور کہا کہ اس روایت میں جو نکارت اور امور غریبہ بیان ہیں وہ سراپا لغو ہیں

سوال نمبر ۳

حضرت ام المومنین حبیبۂ رسول اللہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اعلم الصحابہ تھیں وہ بھی معراج روحانی ہی کی قائل تھیں۔ چنانچہ محدث مفسر حافظ ابن جریر رحمہ نے یہ روایت اسی

سند کے ساتھ بیان فرمائی ہے حدثنا ابن حمید ثنا سلمة عن محمد ثنی بعض آل ابی بکر ان عائشة کانت تقول ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اُسْرِیَ بِرُوْحِہٖ (تفسیر ابن جریر پارہ ۱۵ ص ۱۳)

جواب

اس سند کا پہلا راوی محمد بن حمید ہے جو ابن جریر کا استاذ ہے اور سلمہ بن فضل کا شاگرد۔ اس راوی کے بارے حضرت عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اگر محمد بن حمید حضرت عبداللہ بن مبارک اور جریر سے روایت کرے تب تو واقعی اس کی وہ روایت صحیح ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر محمد بن حمید رے والوں سے روایت کرے تو وہ جانے۔ اور یعقوب بن شیبہ نے فرمایا کہ محمد بن حمید کثیر المناکیر ہے یعنی منکر حدیثیں کثرت سے بیان کرتا ہے یعنی خود بھی کوئی پختہ اور ثقہ نہیں اور جو ثقہ اور پختہ راوی روایت کرتے ہیں یہ ان کے خلاف روایت بیان کرتا ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی حدیثوں میں نظر ہے۔ امام نسائی نے فرمایا کہ یہ ثقہ اور پختہ راوی نہیں ہے۔ جوزجانی نے فرمایا کہ یہ ردی المذہب (بد مذہب) اور غیر ثقہ ہے۔ صالح بن محمد اسدی نے فرمایا کہ محمد بن حمید جو جو حدیثیں ہمیں بیان کرتا تھا۔ ہم ان میں اسے متہم کہتے تھے۔ یہ حدیثوں میں اضافہ کر دیا کرتا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر ہم نے کوئی ایسا آدمی نہیں پایا جو اتنی جرأت خدائے تعالیٰ پر کرے۔ اس کا یہ حال تھا کہ لوگوں سے احادیث اخذ کر کے پھر ان میں الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ سلیمان شاذکونی اور محمد بن حمید یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی ایسا آدمی مجھے نظر نہیں آتا جو جھوٹ بولنے میں حاذق اور ماہر ہو۔ ابوالقاسم نے فرمایا کہ میں نے اپنے چچا ابو زرعہ سے محمد بن حمید کی بابت سوال کیا۔ تو انہوں نے اپنے منہ کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ میں نے عرض کی کہ کیا وہ جھوٹ بولتا تھا؟ تو آپ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ پھر میں نے کہا کہ وہ بوڑھا ہو گیا تھا، شاید ایسے کرتا ہو؟ فرمایا نہیں۔ بیٹے! وہ قصداً جھوٹ بولتا تھا۔ ابو نعیم ابن عدی نے فرمایا کہ ابو حاتم

رازی کے پاس ابن خراش اور اہل الرازی مشائخ اور حفاظ تھے۔ تو میں نے محمد بن حمید کے متعلق ان کو مذاکرہ کرتے سنا۔ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ محمد بن حمید حدیث میں بہت ہی ضعیف ہے اور ان سنی بات بیان کر دیتا ہے اور بصرہ و کوفہ والوں کی حدیثیں لے کر رازیوں کی طرف نسبت کر کے بیان کرتا ہے۔ میں نے ابن خراش سے یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ واللہ! محمد بن حمید جھوٹ بولتا ہے۔ امام نسائی اور ابن وارہ نے فرمایا ہے کہ محمد بن حمید کذاب ہے اور ابوزرعہ نے بھی اسے کذاب کہا ہے۔ اور اسحاق کوسج نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن حمید کذاب ہے۔ اور بہت لوگوں سے یہ بات ہم تک پہنچی ہے کہ محمد بن حمید حدیثیں چراتا تھا اور قرآن پاک کا بھی حافظ نہ تھا۔ فضلک رازی نے کہا کہ میرے پاس محمد بن حمید کی روایت کردہ ۵۰۰۰۰ (پچاس ہزار) حدیثیں ہیں مگر میں ان میں سے ایک حرف بھی بیان نہیں کرتا۔ ابن حبان نے کہا کہ مقلوب یعنی الٹ پلٹ کی ہوئی حدیثوں کو ثقہ اور پختہ لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کرتا ہے جن کے بیان کرنے میں وہ منفرد اور اکیلا ہوتا ہے کوئی اس حدیث کے بیان کرنے میں اس کا ساتھی نہیں ہوتا۔ یہ تمام رجال کس علامہ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۲۷ تا ص ۱۳۱ میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس سند کا دوسرا راوی سلمۃ بن الفضل الابرش ابوعبداللہ الازرق الانصاری مولیٰ انصاریین کا ہے وہ رے میں قاضی تھا۔ محمد بن اسحاق کا تلمیذ اور محمد بن حمید الرازی جس کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے) کا استاذ تھا۔ اس راوی کے بارے امام بخاری نے فرمایا کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ اور علی بن المدینی نے اس کی کمزوری بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم سلمہ (ابن الفضل) کی حدیث کو پھینک کر رے سے نکلے۔ علامہ برذعی رح ابوزرعہ سے روایت فرماتے ہیں کہ کئی ایسی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے اہل رے سلمہ بن الفضل کی طرف رغبت نہیں کرتے تھے۔ ایک تو یہ وجہ تھی کہ اس کی رائے بری تھی۔ اور اس میں وہ ظالم تھا۔ اور ابراہیم بن موسیٰ سے میں نے بارہا سنا کہ ابوزرعہ زبان سے اشارے کر کر کے یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور نسائی نے اسے ضعیف کہا۔ اور دوری نے کہا کہ اس میں شیعہ پن (تشیع) تھا۔ اور

ابن حبان نے کتاب الثقات میں سلمۃ بن الفضل الابرش کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ غلطی کا عام شکار ہوتا رہتا تھا۔ اور دوسروں کے خلاف روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ اور امام نسائی نے فرمایا کہ امام اسحاق اس کو متکلم فیہ کہتے تھے۔ ابن عدی نے امام بخاریؒ سے یہ روایت کی ہے کہ اسحاق نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابو احمد حاکم نے فرمایا ہے کہ سلمۃ بن الفضل محدثین کے ہاں قوی نہیں ہے۔ ابن راہویہ نے بھی اس کو ضعیف کہا۔ امام بخاریؒ نے فرمایا اس کی حدیث میں بعض مناکیر ہیں۔ اور ابو حاتم رہ نے اس کے قول کو دلیل میں نہ پیش کیا جائے۔ یہ سلمۃ بن الفضل ۱۹۱ھ میں مرا۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۲ و تہذیب التہذیب ج ص ۱۵۳ و ص ۱۵۴ میں اسی طرح لکھا ہے۔

پھر اسی سند میں تیسرا راوی محمد بن اسحاق صاحب المغازی ہے۔ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ ثقفی کا شاگرد اور سلمۃ بن الفضل الرازی (مقدم الذکر) کا استاذ ہے۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کے فرمان کے مطابق مغازی کے فن میں اعلم الناس ہے۔ مگر حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق دجال من الدجاجلہ یعنی محمد بن اسحاق دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ ہشام بن عروۃ بن الزبیرؒ بھی اس کے بارے کلام کرتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رہ فرماتے تھے ابن اسحاق مدلس بھی تھا اس لئے جب محمد بن اسحاق روایت میں منفرد اور اکیلا ہو تو میں اس کی روایت کو قبول نہیں کروں گا۔ واللہ! میں نے اسے دیکھا ہے کہ محمد بن اسحاق کی عادت ہے کہ جب ایک ہی حدیث ایک جماعت سے بیان کرتا ہے تو ایک راوی کا کلام دوسرے راوی سے ممتاز نہیں کرتا۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ محمد بن اسحاق بغداد میں آکر کچھ بے پرواہ ہو گیا ہے۔ کلبی وغیرہ جیسے کذاب راویوں سے بھی روایت کر جاتا ہے۔ اور محمد بن اسحاق حجت نہیں۔ حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل رہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب سنن میں ابن اسحاق کے قول کو حجت نہیں مانتے تھے۔ (البتہ مغازی میں ان کا قول کچھ مانا جا سکتا ہے۔ نیلوی ن)۔ اور عباس دوری نے فرمایا ہے کہ ابن معین فرماتے ہیں کہ (میرے خیال میں) محمد بن اسحاق ثقہ تو ہے مگر حجت نہیں۔ حجت ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ اور ابن معین بعض اوقات محمد بن اسحاق کو ضعیف، لیس بذاک لیس بہ

بالقوی بھی کہہ دیتے تھے۔ ابن عدی نے کہا محمد بن اسحاق بہت دفعہ غلط اور وہم کا شکار ہو جاتا تھا۔ علی بن مدینی نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق اہل کتاب سے بھی روایات اخذ کر کے بیان کر دیتا تھا اس کے بعد ایک بات یہ بھی ہے کہ محمد بن اسحاق اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باہم ملاقات نہیں ہے۔ ان دونوں کے درمیان خاندانِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی راوی ہے اور محمد بن اسحاق نے اس راوی کا نام بھی نہیں بتایا۔ اب کچھ معلوم نہیں کہ وہ خاندان ابی بکر کا آدمی کون تھا۔ اور اس کا کیا نام تھا۔

اب اس تحقیق کے بعد آپ کو یہ بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ یہ روایت جس میں کذاب راوی راوی ہوں وہ عقیدہ حقہ صحیحہ قرآنیہ اجماعیہ میں کس طرح قابلِ قبول ہو سکتی ہے اور اس کی نسبت اعلم الصحابہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کیوں کر درست ہو سکتی ہے لہٰذا یہ روایت بلاشبہ موضوع اور من گھڑت ہے۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب کردہ حدیث پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی۔ کیونکہ اس حدیث کی متن پلیۃ قادح ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے۔ ابن دحیہ نے تنویر میں کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اپنی کتاب "معراج صغیر" میں کہا ہے کہ حضرت امام ابو العباس بن سریج رہ جو شافعی المذہب ہیں فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ کذابین وشامیین نے محض صحیح حدیث کو رد کرنے کے لئے یہ حدیث وضع کر لی اور گھڑ لی (زرقانی مقصد خامس ج ۲ ص ۳۴)

اور اسی کتاب میں حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ بھی اس کے ہمراہ درج ہے اور وہ توجیہ یہ ہے کہ اگر اس من گھڑت اور موضوع حدیث کو صحیح ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہم اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے خلاف نہیں۔ کیونکہ ہم اس حدیث کی توجیہ بایں طور کر سکتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم جسدِ اطہر اپنی روح مبارک سے مفقود اور گم نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مطہر و معطر و منور آپ کی روحِ اطہر کے ساتھ متصل و داخل ہی رہا۔ بہرحال اسراء و معراج جسم و روح ہر دو کے لئے منعقد ہوا (زرقانی ج ۲ ص ۳۴)

لیکن علامہ عبدالعزیز صاحب پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب نبراس شرح شرح العقائد النسفیہ ص ۲۰۰ میں اس تاویل کی تردید فرمائی ہے کہ محاورہ میں فقدِ جسم کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جس مقام میں جسم کے وجود کا گمان ہے وہ مقام اس جسم سے خالی ہو اور وہ جسم وہاں اس مقام میں موجود نہ ہو۔ تو اس محاورہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مخلوط زبان سے نکلے ہوئے یہی الفاظ تسلیم کر بھی لئے جائیں پھر بھی ان کا وہ مطلب اور مفہوم نہیں ہو سکتا جو علامہ تفتازانی نے بنایا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کا یہ مطلب صراحتاً صاف اور واضح ہے کہ رات کو آپ کا جسد مبارک جس مقام ذی شان میں تھا اسی مقام میں رہا وہاں سے منتقل ہو کر کسی دوسری جگہ نہیں گیا۔ لہٰذا اس موضوع و من گھڑت حدیث کی توجیہ و تاویل لا حاصل ہے خصوصاً جبکہ اس تاویل و توجیہ کا زمیر ہونا پاؤں

نیز اس توجیہ کی تردید کے لئے یہ الفاظ کافی ہیں کہ ولکن اسری بروحہ یعنی آپ کا جسم تو نہیں صرف آپ کی روح پر فتوح ہی رات کو لے جائی گئی

نیز اس حدیث کی ایک اور روایت میں مَا فُقِدَتْ جَسَدَہٗ کے الفاظ بھی وارد ہیں اور یہ الفاظ اس توجیہ کو رد کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ الفاظ بذاتِ خود اپنی جگہ غلط ہیں۔ کیونکہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ حالانکہ یہ اسراء و معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ شریف میں تبلیغی کام سرانجام دے رہے تھے اور ان دنوں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہ ہوتی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پاک میں تشریف لے گئے تھے اس کے بعد ام المؤمنین رضی آپ کے گھر آئیں۔ اب اس صورت میں یہ الفاظ مَا فُقِدَتْ جَسَدَہٗ صاف غلط ہو جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث گھڑنے والے کو تاریخ کا مطلق علم نہ تھا۔

نیز یہ حدیث اس لئے بھی مردود ہے کہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت موجود ہے جس میں معراج جسمانی کی تصریح ہے۔ ابن مردویہ اور حاکم نے ابن شہاب زہریؒ کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے

اسی طرح علامہ محدث بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت عروۃ بن زبیر بطریق ... ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے جس میں معراج جسمانی کی تصریح ہے۔

سوال ۴۳

یہ بھی معاندین و مخالفین کی طرف سے بطریق الغریق یتشبث بالحشیش (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت بیان کی جاتی ہے جسے مفسر کبیر ابن جریر رحمہ نے پارہ ۱۵ کی تفسیر ص ۱۳ میں بیان فرمایا ہے حدثنا ابن حمید ثنا سلمۃ عن محمد بن اسحٰق ثنی یعقوب بن عتبۃ بن المغیرۃ ان معاویۃ بن ابی سفیان کان اذا سئل عن مسریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ قال کانت رؤیا صالحۃ من اللہ صادقۃ یعنی حضرت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء (و معراج) کے بارے سوال ہوتا تھا کہ آپ کا اسراء اور معراج جسمانی جسد مع الروح ہوا یا محض روحانی ہوا کہ ایک خواب تھا جو آپ کو دکھایا گیا واقعی چیز نہ تھی جو بیداری کی حالت میں آپ بنفس نفیس آسمانوں کے اوپر تشریف لے گئے ہوں۔ تو آپ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) اس سائل کے جواب میں یہی فرما دیتے تھے کہ وہ اسراء و معراج دراصل خدا کی طرف سے ایک اچھا اور سچا خواب تھا (تفسیر ابن جریر پارہ ۱۵ ص ۱۳)

جواب

اس کا بھی وہی جواب ہے جو اس سے پہلے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب کردہ موضوع اور من گھڑت حدیث کا جواب دیا جا چکا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی پہلے کی طرح پہلا راوی محمد بن حمید رازی ہے اور دوسرا راوی اس کا استاذ سلمۃ بن الفضل ہے اور تیسرا راوی محمد بن اسحاق صاحب المغازی ہے جو سلمۃ بن الفضل کا استاذ ہے۔ البتہ اس حدیث میں محمد بن اسحاق نے حدثنی کہہ کر ایک ایسے استاذ کا نام لیا جو واقعی ثقہ اور پختہ آدمی ہے یعنی یعقوب بن عتبہ بن مغیرۃ الثقفی۔ لیکن اگر کوئی نیچے کا جھوٹا راوی ایک ثقہ اور پختہ راوی کے ذمے جھوٹی بات مڑھ دے تو اس ثقہ اور پختہ راوی کا کیا قصور؟ نیز کسی سچے پکے اور ثقہ آدمی کے سر جھوٹ مڑھ دینے سے وہ جھوٹ سچ نہیں بن سکتا۔

مزید براں یہ روایت بھی پہلی روایت کی طرح منقطع ہے کیونکہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ کا سماع حضرت امیر المؤمنین خلیفہ راشد سادس معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت نہیں ہے بلکہ یعقوب نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی نہیں پایا۔

سوال ۵

قرآن پاک نے بھی معراج کو رؤیا (خواب) سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۶ میں فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (یعنی ہم نے جو خواب آپ کو دکھایا تھا وہ محض لوگوں کے آزمانے کو تھا۔

غریب القرآن ص ۲۵۰ میں ابن قتیبہ نے فرمایا ہے ای ما رأی لیلۃ الاسراء یعنی جو خواب آپ نے اسراء کی رات دیکھا تھا' وہی خواب یہاں مراد ہے۔

جواب

رؤیا کا اطلاق جس طرح خواب پر آتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق جاگنے اور بیداری کی حالت میں دیکھنے پر بھی آتا ہے۔ جیسے عرب جاہلیت کے ایک گڈریے نے شعر کہا تھا۔

فکبّر للرؤیا وھشّ فؤادہ ۔۔۔ وبشّر نفساً کان قبل یلومھا

سو اس نے اس محبوب کا اپنی آنکھوں سے دیدار کرتے ہی اللہ اکبر کہا اور اس کا دل ہشاش بشاش ہو گیا۔ اور جس کی ملامت پہلے کرتا تھا اس نفس کو خوشخبری سنائی۔

اسی طرح ابو الطیب احمد متنبی نے اپنے دیوان متنبی میں کہا ع

ورؤیاک احلیٰ فی العیون من الغمض

یعنی تیرا دیدار آنکھوں کو آنکھیں میچنے سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

ابن منظور نے یہ محاورات لکھنے کے بعد کہا وعلیہ فُسّر قولہ تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا

(لسان العرب ج ۱۹۵ ص ۹) یعنی رؤیا کے معنوں میں سے ایک معنے بیداری میں ان سر کی جسمانی آنکھوں کے ساتھ دیکھنا بھی ہے اور وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ میں یہی معنے بطور تفسیر کے بیان کیا گیا ہے۔ اسی لئے رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی معنے کیا ہے جو صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۶ میں درج ہے قال ابن عباس رضی ہی رؤیا عین اریہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ یعنی اسراء والی رات میں جو آپ کو نظارہ کرایا گیا تھا وہ ان سر کی آنکھوں سے تھا۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں مرزا قادیانی نے ازالہ اوہام ص ۲۰۳ طبع ربوہ میں ان الفاظ مندرجہ ذیل کے ساتھ تعریف کی ہے کہ

"حضرت ابن عباس جو قرآن مجید سمجھنے میں اول نمبر والوں میں سے ہیں۔ اور اس بارے میں ان کے حق میں آن حضرت کی ایک دعا بھی ہے"

اب اس اقرار کے بعد مرزا قادیانی کے پیروکاروں کو چاہیے کہ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کو تسلیم کر لیں جو معراج کے جسمانی ہونے پر دال ہے۔

۲ اگر اسراء و معراج کا یہ واقعہ منامی یا کشفی ہوتا اسے فِتْنَةً لِّلنَّاسِ سے تعبیر نہ کیا جاتا

۳ رؤیا سے مراد اس جگہ رؤیا بصری ہے یعنی ان سر کی آنکھوں سے دیکھنا۔ جیسا کہ محاورہ عرب میں رؤیا مصدر بھی بروزن کشف بمعنی بیداری استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل محاورہ باہم گفتگو کرتے وقت کہتے ہیں کہ رَأَيْتُ بِعَيْنِي رُؤْيَةً وَرُؤْيَا

۴ رؤیا سے مراد خواب ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ بصری دیکھنے پر رؤیا (خواب) کا اطلاق ان جھٹلانے والے کفار مکہ کے زعم کے مطابق کیا گیا ہے کیونکہ کفار مکہ اس واقعہ اسراء و معراج کو ایک خواب و خیال ہی تصور کرتے تھے

اس کی مثال ایسی ہے جیسے سامری نے زیورات کو پگھلا کر بچھڑا بنایا پھر اس کو الٰہ سمجھا اور اسے خود بھی پوجا اور جن جن نے اس کی بات مان لی انہیں بھی پوجنے کا حکم دیا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس (سامری) کے اس زعم باطل کے مطابق فرمایا وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا یعنی اور غور سے دیکھ اپنے اس مزعومہ الٰہ کو جس پر تو سارے

دن جما بیٹھا رہا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود بھی والعیاذ باللہ اس بچھڑے کو سچ مچ کا سامری کا الٰہ ہی سمجھتے تھے

اسی طرح اس جگہ بھی یہی مطلب ہے کہ ہم نے کفارِ قریش کے اسراء والے منظر اور رؤیا و خیال کو لوگوں کے لئے ایک امتحان اور آزمائش والی چیز بنا دی۔ مُنیب تو اسے حقیقت واقعیہ سمجھتے ہیں نہ خواب و خیال۔ مگر ضدی، ورعنادی لوگ اسے اب تک خواب و خیال ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ توجیہ علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر پارہ ۱۵ ص ۵۵ میں بیان فرمائی ہے

۵ اس رُؤیا سے مراد اسراء و معراج والا واقعہ ہی نہیں۔ بلکہ اس سے وہ خواب مراد ہے جس میں حضرت حق تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی فتح و نصرت اور کفار کی شکست دکھائی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی آپ کو دکھایا گیا تھا کہ فلاں کافر فلاں جگہ گر کر مرے گا اور فلاں کافر فلاں جگہ گر کر مرے گا۔ کفارِ قریش نے یہ خواب سُن کر اسے مخول اور ہنسی بنالیا اور مسخری کرتے ہوئے کہتے تھے۔ کہ شتاؤ وہ وعدہ کب آئے گا۔ جلدی آئے تاکہ ہم بھی دیکھ لیں۔

۶ یا اس سے وہ خواب مراد ہے جو آپ کو دکھایا گیا تھا کہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا ہوں، تو آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ خواب بتایا۔ پھر حدیبیہ کے سال جب آپ کو حرم پاک میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے دل میں خیال دوڑا کہ نبی کا خواب تو سچا ہوتا ہے اور وحی ہوتا ہے (رؤیا الانبیاء وحیٌ) مگر اب یہ معاملہ ہماری سمجھ سے ورا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ذہن میں بھی یہی اشکال گھوم رہا تھا جس کا ازالہ امامنا خلیفہ بلا فصل جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بایں الفاظ فرمایا کہ اس خواب میں سال کی تعیین تو نہیں کہ ہمارا داخلہ مکہ مکرمہ میں اسی سال ہی ہوگا۔ اور ہوگا ضرور، خواہ دوسرے سال ہو یا تیسرے چوتھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ دوسرے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب ٹھیک

لیک۔ ضرور بالضرور تم داخل ہو کر ہو گے اور وہ والی مسجد کیا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا امن سے اپنے سروں کے بال مونڈتے اور کترتے ہوئے بے خطر و پھر اللہ کو تو سب علم ہے جو تم نہیں جانتے نیلوی کہتا ہے کہ اگرچہ یہ تاویلات وغیرہ مفسرین علماء سے منقول ہیں مگر حق بات وہی ہے جو جواب میں گذر چکی ہے اور امام احمد بن حنبل اور عبدالرزاق نے بھی امام بخاری کی طرح ابن عباس سے روایت کیا۔ عوفی نے بھی ابن عباس سے یہی روایت کیا۔ مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید اور بہتوں سے اسی طرح مروی ہے سلف میں

ہمارے اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ سورۃ جس میں رؤیا کا ذکر ہے یہ مکی ہے اور تاویل نمبر ۵ و ۶ میں جن واقعات کا ذکر ہے ان کا وقوع مدینہ منورہ میں ہوا ہے لہٰذا رؤیا سے مراد بصری ہوگی اور مراد واقعہ سے واقعہ اسراء و معراج ہی کا ہے:

ایک ضروری تنبیہ

ابن جریر نے ایک منقطع روایت نقل کی ہے کہ سہل بن سعید نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں قریب وفات کے دیکھا کہ آپ کے منبر پر بنو امیہ بندروں کی طرح کودتے ہیں تو اس سے آپ کو ناگواری پہنچی یہاں تک کہ اس کے بعد ہنستے نہیں تھے کہ وفات فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اسی بارہ میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ الآية

مگر مفسر کبیر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی سند بالکل ضعیف ہے اس کا راوی محمد بن الحسن بن زبالہ اور اس کا شیخ عبدالمہیمن دونوں بالکل متروک و ضعیف ہیں

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ آیت تو مکیہ ہے اور مذکور خواب بصورت صحت قریب وفات کا واقعہ ہے تو اس بارہ میں یہ آیت کریمہ کیونکر نازل ہو سکتی ہے

ایک پادری کا اعتراض

ایک پادری ہیکل سلیمانی کی بربادی بتا کر لکھتا ہے کہ "اب بتائیے کہ بیت المقدس جب بنا ہی نہ تھا تو محمد صاحب نے کیونکر اس میں دوگانہ پڑھی؟

جواب

مسجد نام ہے صرف اس زمین کے علو و سفل کا جو خدائے تعالیٰ کی عبادت بندگی کے لئے وقف کر دی گئی ہو، سو ایسی چیز میں کسی متصرف کے تصرف اور کسی مُخرّب اور برباد کرنے والے کی تخریب سے کچھ خلل نہیں آتا۔

جیسے بائیبل ۲۸ : ۱۰ — ۲۱ میں مذکور ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) بیر سبع سے حاران کی طرف جاتے تھے۔ تو شام کے وقت ایک میدان میں اترے اور رات بھر وہیں قیام کیا اور ایک پتھر سرہانے رکھ کر سو گئے تو رات کے وقت خواب میں دیکھا کہ ایک سیڑھی زمین پر دھری ہے اور اس کا سرا آسمان تک ہے۔ اور دیکھا خدا کے فرشتے اس پر سے اترتے چڑھتے ہیں۔ اور دیکھا خداوند اس کے اوپر کھڑا ہے۔ الغرض خدا نے یعقوب سے باتیں کیں بعد اس کے حضرت یعقوب نیند سے چونکے۔ اور کہا یقیناً خدا اس جگہ ہے اور میں نہ جانتا تھا۔ اور وہ ہراسان ہوا۔ اور بولا یہ کیا ہوا! ڈراونا مقام ہے۔ سو کچھ اور نہیں مگر خدا کا گھر اور آسمان کا آستانہ ہے۔ (دیکھا! میدان پر "خدا کا گھر" اطلاق کیا۔ نیلوی)

ایک اور پادری کا اعتراض

آسمان کا وجود ہی نہیں۔ اگر آسمان کا وجود مان لیں تو پھر فلسفہ کے اصول کی رو سے آسمانوں کا خرق والتیام (یعنی پھٹنا اور جڑنا) محال ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیں تو اس قدر تیز چال کیونکر ممکن ہے

جواب

پادری ولیم اسمتھ نے حضرت حنوک ۳۳۸۲ ق م کے حالات اپنی کتاب طریق الاولیاء میں لکھا ہے "اللہ نے ان کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا تا وہ موت کو نہ دیکھے جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ گم ہو گئے۔ کیونکہ ان کو خدا نے زمین سے آسمان کی طرف منتقل کر دیا۔ پس انہوں نے دنیا کو

ہو پیدا ہوا اور دو تکلیف و محنت کے چھوڑ دیا۔ اور جسم سمیت آسمانی بادشاہت میں داخل ہوئے۔ حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ غائب ہوگیا۔ خدا نے اسے اٹھا لیا۔
پیدائش ۵ باب ۲۴ آیت (حنوک کو حضرت ادریس کہتے ہیں۔ [illegible]

۲ سلاطین ۲: ۱ میں ہے اور ایسا ہوا جب خدا نے چاہا کہ ایلیاس کو ایک بگولے میں آسمان کی طرف لے جائے تب ایلیاس الیسع کے ساتھ جلجال سے چلا...... اور ایلیاس بگولے میں آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ اور الیسع نے اسے دیکھا اور چلایا اے میرے باپ! اے میرے باپ..... اور اس نے اس کو پھر نہ دیکھا۔ اور اس نے اپنے کپڑے [illegible] اور ان کو دو ٹکڑوں میں پھاڑا۔

[illegible] نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ [illegible] ایلیاہ (ایلیاس) زندہ آسمان پر چلے گئے۔

مرقس ۱۶: ۱۹ میں ہے غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی جانب بیٹھ گیا۔

مکاشفہ یوحنا ۴: ۱ میں ہے ان باتوں کے بعد جو میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان میں ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور وہ پہلی آواز جس کو میں نے نرسنگے کی سی آواز سے اپنے ساتھ باتیں کرتے سنا تھا کہتی ہے کہ یہاں اوپر آجا۔ تو میں تجھے وہ باتیں دکھاؤں گا جن کا ان باتوں کے بعد ہونا ضرور ہے۔

۲ کرنتھیوں ۱۲: ۲ میں ہے میں مسیح میں ایک شخص کو جانتا ہوں چودہ برس ہوئے کہ وہ شخص [illegible] تیسرے آسمان تک یکایک اٹھا لیا گیا۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ شخص بہشت تک اٹھا لیا گیا۔

ان کا جواب ایک ہندی پادری نے بھی [illegible] دیا کہ معراج کا [illegible] [illegible] جس قدر ایک کنواری لڑکی کا بغیر شوہر کے حاملہ ہونا [illegible] مشتبہ [illegible] کتب [illegible] ہے۔

اور یہ بھی آسمان کا وجود ثابت ہے اور آسمان کے دروازے بھی ثابت ہیں اور آسمان [illegible]

انبیاء کرام علیہم السلام کا چڑھنا بھی ثابت ہے۔ اگر یہ تینوں باتیں غلط ہوتیں تو قرآن مجید ان کا رد فرما دیتا۔ کیونکہ قرآن مجید بائبل کی غلطیوں کی اصلاح فرماتا ہے۔ لیکن یہاں تو قرآن مجید نے بجائے تردید کے تائید کی ہے۔ چنانچہ جگہ جگہ آسمان کی پیدائش کا ذکر فرمایا آسمان کے دروازے بنائے۔ آسمان کا پھٹنا بھی فرمایا۔ فرمایا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان بھی بنائے اور زمین بھی بنائی۔ اور یہ ہو بھی نہیں سکتا کہ خدائے تعالیٰ علیم و خبیر و قدیر تو آسمانوں کو پیدا فرمائے پھر بھی آسمان وجود میں نہ آئیں۔ کیونکہ اس طرح تو خدائے عزوجل کا عجز لازم آتا ہے حالانکہ سب اہل ملل کا عقیدہ ہے کہ خدائے تعالیٰ قادر علی الاطلاق اور مختار کل ہے اللہ پاک کا قرآن مجید میں بھی جگہ جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں کہ اللہ تو ہر چیز پہ قادر ہے اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ وہ تو ایسی کامل و قادر اور با عظمت ذات ہے کہ جب بھی کسی امر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا تو ذرا دیر نہیں لگتی فوراً بلا توقف وہ ہو جاتا ہے یہ اس کی کمال قدرت و عظمت کی خالقیت کے واسطے اسباب و مادہ مخلوقاتی کی ضرورت نہیں۔ اور جس جاہل نے مخلوقاتی قیاس دوڑائے وہ محض احمق ہے کہ خالق کو مخلوق پہ قیاس کرتا ہے۔

اور آسمان کے دروازے بھی ثابت فرمائے چنانچہ ان لوگوں کے بارے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ جب ان کی روحیں چڑھ کر آسمان کی طرف لے جائیں گے تو آسمان کے دروازے ان کے لئے نہ کھولے جائیں گے

پھر آسمان کا پھٹنا بھی ثابت فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ یعنی یہ آسمان جو آپ کو سامنے نظر آتے ہیں باوجود اس مضبوطی و استحکام و انتظام و بلندی کے پھٹ کر رخنہ دار ہو جائیں گے۔ نیز فرمایا یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ جس دن یہ آسمان بادلوں کی طرح جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا۔ نیز فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ جب یہ آسمان پھٹ جائیگا۔

اور حدیثوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے ذکر میں اس بات کی تصریح آئی ہے کہ آپ جس آسمان کے پاس پہنچتے تھے تو جبرائیل علیہ السلام آسمانوں کے دربانوں سے کہہ کے آسمان کے دروازے کھلواتے تھے۔

ہے۔ فلسفیوں کے قول سو اس کی کوئی قطعی دلیل ان کے پاس موجود نہیں ہے اور جو وہ اپنے زعم میں دلائل کھڑے کرتے ہیں وہ سب ظنی و تخمینی اور خیالی ہیں۔ مثلاً وہ اقوال فلاسفہ کی طرف سے ایسی ہی ہوئی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے خلاف ہیں پھر مثبت دلائل کی ترجیح میں ان کے قول اور ان کے دلائل کا پلہ بھاری نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ان کے پاس اس قسم کے ٹھوس دلائل موجود ہوں جن سے مثبت کے دلائل کا مقابلہ ہو سکے تب تعارض بن جائیگا پھر ایسی صورت میں دلائل کی قوت اور ضعف کو دیکھیں گے۔ جس طرف قوی دلائل ہوں گے اسی قول کو ترجیح ہوگی اور دوسرے کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے گا جیسے اصول فقہ میں یہ امر مبرہن ہے۔

مسجد اقصیٰ ــــ رسمی مسلمان کیا مراد لیتے ہیں

آج کل بعض نام کے مسلمان (رسمی مسلمان) علوم جدیدہ پڑھ کر قرآن حکیم کی تفسیر کے مدعی بن بیٹھے ہیں پھر قرآن و سنت کو مغربیت زدہ مسموم دماغ کے ساتھ سوچتے ہیں پھر اپنی رائے و اجتہاد سے وہ مفہوم بیان کرتے ہیں جو آج تک کسی محدث مفسر مجتہد عالم کے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا اور نہ ہی قرآن مجید کی کوئی آیت اور نہ ہی حدیث پاک کی کوئی روایت اس مفہوم کی تائید کرتی ہے اور پھر دعوٰی یہ ہے کہ ہم سے پہلے علماء مسلمین نے ساری عمر قرآن فہمی میں لگا دی اور باوجود اس قدر محنت اور کاوش کے کچھ نہ سمجھے۔ اور ہم نے معمولی سی محنت سے بہت کچھ سمجھ لیا۔

من جملہ ان امور کے ایک مسئلہ مسجد اقصٰی کا ہے جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں اسراء کے واقعہ میں ہے۔ جس کا اطلاق اب پندرھویں صدی ہجری میں بھی بیت المقدس ہی کے متبرک مقام پر ہی ہوتا ہے

مگر دور حاضر کے کچھ دعوے داران علم تحریفین قرآن حکیم اس لفظ مسجد اقصٰی سے بیت المقدس مراد لینے سے کتراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسجد اقصٰی سے بیت المقدس مراد لینا غلط ہے۔ خدا معلوم یہاں کونسا امر ہے جو بیت المقدس مراد لینے سے مانع ہے اور کونسا ایسا قرینہ ہے جو جدید معنے مراد لینے پر دلالت کرتا ہے

ایک رسمی مسلمان کا خیال

مسٹر غلام احمد پرویز نے معارف القرآن ج ۴ ص ۷۳۶ میں لکھا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت اسریٰ میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا، تاکہ وہاں اسے اپنی آیات دکھائے۔۔۔۔۔۔ خیال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کی شبِ ہجرت کا بیان ہے۔ اس طرح مسجدِ اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجدِ نبوی ہوگی جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر فرمایا۔

مرزائیوں کی تحریف فی القرآن

مرزائیوں نے انگریزی زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ لکھا اور تفسیر بھی لکھی اس میں لکھا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد ہے جو بننے والی تھی۔ یا خاص مدینہ کی طرف اشارہ ہے۔ مراد ہجرت ہے۔ یروشلم بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو نعمت اسرائیلی پیغمبروں کو ملی تھی وہ آپ کو ملے گی مع پاک زمین کے۔ یا برتری و بلندی اسلام ہے۔ معراج میں اختلاف ہے۔ بڑی جماعت جسمانی کی قائل ہے اور عائشہ و معاویہ روحانی کے قائل ہیں۔ انہی کی بات معتبر ہے۔ پہلی بات قابلِ اعتبار و التفات نہیں ہے۔

نوٹ: ٹیلوی کہتا ہے کہ اشکالوں کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے وہاں سے دیکھ لیا جاوے۔

رسمی مسلمانوں کے ایک اور گروہ کا خیال

اہلِ تشیع کا ایک بہت بڑا مجتہد ابو جعفر طوسی اپنی کتاب عُدّۃ الاصول ج ۲ ص ۱۴۱ مطبوعہ بمبئی لکھتا ہے کہ "نبوتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شبہ ہو سکتا ہے لہٰذا نبوت و معراج کو نہ مانا جائے۔

اظہارِ حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ عرفِ عام میں المسجد الاقصیٰ سے بیت المقدس ہی مراد ہے اور علمائے اصول کا قاعدہ ہے کہ العرف اقضیٰ علی الوضع یعنی اصل وضعِ لغت پر بھی عرف کی حکومت ہے دیکھو کتب

بحوالہ خیر پنی ص ۱۷۱

پھر علامہ مفسر ضیاء نوری رحمہ نے اپنی تفسیر پارہ ۱۵ ص ۴۲ میں لکھا ہے المسجد الاقصٰی ھو بیت المقدس بالاتفاق یعنی مسجد اقصٰی سے بیت المقدس ہی مراد ہے۔ اور اس میں سب علماء کا اتفاق ہے کسی کا کچھ اختلاف نہیں ہے

رسمی مسلمانوں کا ایک اور غلط عقیدہ

انہ ھو السمیع البصیر

بعض واعظین اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمیع بصیر ہیں وہ ہر کسی کی ہر بات ہر وقت سنتے ہیں اور ہر کسی کو ہر وقت ہر حال میں دیکھ بھال رہے ہیں

اور جب ان واعظین سے بڑے مؤدبانہ انداز میں انکساری کے ساتھ استفسار کیا جائے کہ جناب! یہ معنے جو آپ ارشاد فرماتے ہیں اس کی صحیح نقل دکھائیں تاکہ دل کو تسلی اور اطمینان حاصل ہو تو فوراً ہی بلا سوچے سمجھے گستاخ رسول کے کوڑوں کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جتنا کوئی غلو کرتا ہے اور عشق و محبت کی آڑ میں خدائے تعالیٰ کی مخصوص صفات میں آپ کو شریک کیا جائے اس پر اعتراض کرنا حرام اور اس کو بسر و چشم تسلیم کر لینا فرض ہے مثلاً اگر بالفرض کوئی عشق و محبت میں محو ہوا ہوا والہانہ طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا مُحَمَّدٌ کہہ دے تو اس غلو پر اعتراض کرنے والا گستاخ رسول ہے

جیسے صوفی محمد یار نے دیوان محمدی ص ۵۰۱ میں ایک شعر لکھا ہے

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا — پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں

پھر لکھا ص ۱۰۴ دیوان محمدی میں

احمد و احد میں فرق نہیں اے محمدا — غیر فرق یار رکھتے ہیں ایمان نخستے

نور زمین و مظہر انوار ھو اللہ — اللہ محمد ہست و آن یار ھو اللہ ص ۵۳

در خدا و مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم دانند فرق — بر فقیہا بر فرق اعدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص ۹۳

یکے بینم خدا و مصطفٰے را فاش می گویم — کہ ہر دل رفتہ ام زتعلیم فرق امتیاز این جا ص ۹۹

بت مسجود احمد ما — سجدہ در گہش عبادت ماہست رو

گر شد مسجودش محمد مصطفےٰ ست — این محمد یار قد است بود رو

اللہ محمدؐ محمدؐ بنگر — این است خدائے درود [illegible]

بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی — ست خداوند جہاں بندہ رسول اللہ کا رو

حق و قیوم ہے ہمارا مصطفےٰ صلی علی — تا ابد [illegible] رہے سبتہ رسول اللہ رو

خدا کی پاک صورت کو محمدؐ میر کہتے ہیں — محمدؐ پیر اللہ ہے کو خدا پیر کہتے ہیں

کہوں کیا عشق میں یارو کہ کیا معلوم ہوتا ہے — ہر صورت جہر [illegible] خدا معلوم ہوتا ہے [11]

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفےٰ معلوم ہوتا ہے — جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

حقیقت جو نہ کی عشق کی تماشا ابن کے جتنوں ہے — جسے کہتے ہیں بندہ قل ہو اللہ بنا کے نکلیں [illegible]

بجاتے تھے جو انی عبدہ کی بانسری ہر دم — خدا کے عرش پہ انی انا اللہ بن کے نکلے

لباس آدمی پہنا، جب انہوں نے آدمی سمجھا — مزمل بن کے آئے تھے تجلی بن کے نکلے تھے

بجا النفل مجبوریت بہ سر تاج الوہیت، — خدا کہتے ہیں یکتائی کا نقش بن کے نکلے

محمدؐ دی صورت ہے صورت خدا دی — میرے دل توں نقشہ بنا کوئی نہیں سکدا [12]

ہے حاضر ہر مکان اندر تے ناظر ہر زمان اندر — مکان و لامکان اندر ہے جس نال کیا محمدؐ یا [13]

تیڈی ذات کا انت نہ پاواں — محمدؐ ملواتے اندر ہے کوں

بشری دیس وٹا کر آیا — احد ہا احمد سدوایا

اپنے ملک نوں آپ وسایا — آ ڈیکھ شہنشہ بندے نوں

یاد رہے کہ جیسے یہی عقیدہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا اسی طرح ہندو کا اپنے اوتاروں کے متعلق یہی عقیدہ تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق بھی یہی خطرہ محسوس ہوا تھا کہ جیسے عیسائیوں نے عشق و محبت میں ڈوب کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدے تجاوز کر کے خدا یا خدا کا بیٹا اور ثالث ثلاثہ مان لیا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ محمدی لوگ اسی عشق و محبت میں ڈوب کر میرے متعلق بھی ویسا ہی عقیدہ رکھنے لگ جائیں۔ اسی خطرے کے پیش نظر آپ نے ارشاد فرمایا لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم۔

ایک سوال کا جواب

وہ (مخالفین) کہتے ہیں کہ ہم اپنی طرف سے یہ معنی نہیں کرتے بلکہ شیخ ثناء علیجری نے تبیان میں لکھا ہے
آنہ کی ضمیر بجائے آنہ کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوتی ہے جس کو آیت کریمہ
با قبلاد کے ساتھ تعبیر کیا ہے

سو اس کا یہ جواب ہے کہ قرآن پاک میں یہاں کلام صرف کو رشد دے کہ جتنا بھی معروف ہے اور جو بھی معروف
ہے اور بیان میں ھو ضمیر جو ہے تو آنہ کی ضمیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرتے
ہیں تو یہ ہوجائے گا کہ دو باتیں کا ہر وقت سننا اور ہر چیز کو ہر وقت دیکھنا یہ صفت صرف ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات پاک کی ہے انہیں کو خاص ہے یہ صفت آنحضرت کے سوا کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی حتی
کہ خدا کی ذات میں بھی والعیاذ باللہ یہ صفت نہیں پائی جاتی حالانکہ یہ عقیدہ کلمۂ کفر ہے اور دوسری آیت
ذریعہ ان صفات کا حصر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کیا جاتا ہے جیسے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ
إِلَيْهِ أُنِيْبُ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا
يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ یہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں نے
بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع لایا یعنی تمام امور میں میرا منہ اسی کی طرف جھکا ہوا ہے ذریعہ
حکم دینے والا وہی ہے پیدا کرنے والا وہی ہے کارساز حقیقی ہے آسمانوں اور زمین کو بنانے والا اسی نے
تمہارے لیے تمہی میں سے جوڑے بنا دیئے اور اسی نے تمہاری خاطر چارپایوں میں سے بھی جوڑے بنائے
اللہ پاک تم کو اس صفت پر پیدا فرماتا ہے کہ تمہاری نسل اور تمہارے چارپایوں کی نسل اس صفت سے
جاری ہے اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور ہر کسی کی بات سننے والا بھی ہر وقت وہی اللہ پاک ہے
اور ہر کسی کو ہر حال میں ہر وقت دیکھنے والا بھی صرف وہی اللہ پاک ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
... شرک و کفر ہوگا۔

اب اگر اسراء والی آیت میں ضمیر ... مرزا دے جائیں تو قرآن مجید کی آیات کو ...
ماننا پڑے گا حالانکہ قرآن تعارض و تخالف آیات سے منزہ اور پاک ہے کیونکہ قرآن پاک خدا پاک کا کلام ہے
کسی انسان کا کلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

یعنی اگر یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے یعنی اس کے مضمون میں باہم تناقض و تخالف ہوتا اور اس کے انتظام کلام میں باہم تباین پایا جاتا [illegible] غیب کی خبریں ہیں بسا اوقات ان میں خلاف واقع ہوتا اور بعض بات بعض دوسری بات سے متعارض ہو جاتی۔ لیکن چونکہ حق عز و جل کی طرف سے ہے اس لئے اس میں کوئی تفاوت نہیں۔

تقریر بالا سے یہ بات کچھ پہلے ہوں گے کہ جو ذات اپنی تمام صفات مختصہ میں دوسرے کو شریک کرانے سے منزہ ہے تو وہ ذات اپنی مخصوص صفت کو دوسری ہستی میں ثابت کرنے والی کیونکر ہو سکتی کیونکہ وہ ذات اصدق ہے جھوٹ سے منزہ ہے خود فرمایا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں کون سچا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی بہت صحیح ہے [illegible] کلام [illegible] نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں [illegible] جھوٹ کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ سب [illegible] پر قوی و غالب ہے نیز جھوٹ نقص اور عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک اور منزہ ہے۔

اگر [illegible] آیت میں [illegible] السمیع البصیر سے نبی [illegible] مراد ہوں تو باہم آیتوں کا تعارض لازم آئے گا اور [illegible] دو جملوں کا باہم تناقض ہو گا [illegible] ہو گا اور دوسرا [illegible] جھوٹا ہو گا دونوں سچے نہیں ہو سکتے۔ پس یہی کہنا ہو گا کہ [illegible] السمیع البصیر سے مراد صرف اللہ کی ذات ہے۔

انہ ھو السمیع البصیر لانے کی اصل وجہ

اور [illegible] ضمیر [illegible] کے ساتھ [illegible] اصل ایک شبہ کو دفع کرنے کے لئے لایا ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مراتب قرب و کمال قرب سے پہنچ کر [illegible] کہیں آپ بھی [illegible] صفات [illegible] میں کچھ شریک ہو گئے تھے۔ معاذ اللہ۔ سمیع و بصیر تو بلا شرکت غیرے [illegible] حق تعالیٰ ہی ہے۔

مقام تعجب ہے کہ جو [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] شرک کے [illegible] ان لوگوں نے اسی [illegible] کو شرک کی دلیل [illegible] پیش کر دیا۔

ایک گستاخانہ گپ

مولوی نور دریا نے ایک رسالہ معراج نامہ لکھا جس میں ایک گپ لکھی ہے

پھیر ڈھونڈے پیراں وچوں ہو حیران کھلوتے
ڈھونڈ بھی چل گئی پیراں تھیں ول متحیر ہوئے

تد وہ بے پرواہی والا اگے سی کجھ رمندا
پر رہبر اجہوں کون لنگھاوے پاک محمد کہندا

اوہ پھر آپ نبی دے اگے گھوڑا آن کھلوتا
جنس قسم نہ قدرت اس دا کلیاں نال پروتا

مجھے اس دے سارے وچوں شعلے جھڑن نورانی
صفت نہ کیتی جاوے اس دی اوہ قدرت سبحانی

جیہنے کہندے غوث الاعظم پیر بغداد دے والا
گھوڑا بن کے آن کھلوتا قدرت نال تعالیٰ

کر بسم اللہ گھوڑے تے حضرت قدم ٹکایا
پر وہ بے پرواہی والا گھوڑے اڈ گیا

پھر گیا ہو غائب اوتھوں پرسنگھا جیہا ہوں
پھیر اگوں سن آون لگے قدرت صد جیہا ہوں (معراج نامہ صفحہ ۳۰)

قدرت نال اللہ فرمایا پاک محمد تائیں
پنجہ وقت نماز گزارو پڑھ رسے اودھ جیا نائیں

جو آپ دیکھنے والے خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ یہ اشعار کہنے والا معراج نامہ کا مصنف دشمن رسول ہے یا گستاخ۔ پیر بغداد والے کی خوب ہی عزت کی کہ انہیں انسانیت سے گرا کر گھوڑا بنا لیا۔ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی تو یاں طور کہ اللہ کے سوا آپ اس وقت ایک پیر کی محتاجی ہوئی۔ وہ پیر بھی کون۔ جو خیر القرون کے صدیوں بعد پیدا ہونے

والا آپ امتی تھا جو انسانیت کے دائرہ سے نکل کر گھوڑے کی شکل میں آیا رہبری کرنے والو رہبری بھی کس کی؟ رہبری بھی اس پاک اور معصوم ہستی کی جو خود تمام رہبروں کا رہبر اعظم پھر غیر معصوم رہبر نے معصوم کو اس حرم میں معصوم ہستی کی کس قدر توہین ہے۔ اور اللہ نے انسان کو احسن تقویم میں بنایا وہ گھوڑے کے بدن میں تبدیل ہوگیا۔ یہی تناسخ اور آواگون کہلاتا ہے جو کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ اور اگر اسے تناسخ اور آواگون نہیں تو پھر حضرت پیر بغدادی رحمۃ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے خارج کہنا ہوگا کیونکہ انسان کی ذات متشکل باشکال مختلفہ نہیں ہوتی اس لئے اب انہیں فرشتہ مانو گے یا جن (کیونکہ فرشتہ کی تعریف ہے جسم نورانی متشکل باشکال مختلفہ اور جن کی تعریف ہے جسم ناری متشکل باشکال مختلفہ) جو بھی مانو گے تو آپ حضرت پیر بغدادی علیہ الرحمۃ کو حسنی حسینی اور فاطمی نہیں کہہ سکتے۔ اگر ان کو فرشتہ کہو تو آپ ان کا نسب نامہ نہیں بنا سکتے۔ اور یہ سب گیلانی سید ان کی اولاد نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مونث اور نہ ہی ان کا توالد و تناسل ہوتا ہے۔

اور اگر معاذ اللہ ان کو خاکم بدہن جنوں میں شمار کریں تب بھی گیلانی سیدوں کو ان سے خارج سمجھنا ہوگا۔ یا پھر ان گیلانی سیدوں کو بھی بصورت آدمی جن کہنا ہوگا۔

نیز جب پیر صاحب ولایت کے درجہ میں رہ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے راہبر مانے گئے تو گو بظاہر حضرت پیر صاحب کی تعظیم ہے مگر دوسری طرف دیکھو تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوگئی۔ یا پھر یوں کہنا ہوگا کہ حضرت پیر خدا تھے کیونکہ یہ عقیدہ تو بالکل بدیہی ظاہر اور واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی راہبر نہیں تھا۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا یھدیك صراطا مستقیما یعنی اللہ تعالیٰ ہی آپ کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

نیز پیر صاحب کو غوث الاعظم کہا۔ الاعظم مخلوق میں سے تو صرف نبی پاک ہی کی ذات گرامی ہے جو تمام مخلوق سے عظیم ترین ہستی ہے۔ مخلوق میں سے کوئی ایسی ہستی نہیں جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عظیم ترین اور بالاتر ہو۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریاد رس صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اب اس صورت میں غوث الاعظم کے معنے ہوگئے مخلوق میں سے سب سے زیادہ ..

عظیم ہستی کا فریاد رس۔ پس پیر صاحب کو غوث الاعظم کہنا ان کو خدا کہنے کے مرادف ہے
العیاذ باللہ من اللہ پھر دیکھو ادھر تو پیر صاحب کو خدا بنا دیا اور ادھر گھٹیا بنایا واہ بھئی واہ !
اور اگر الاعظم مخلوق میں سے کوئی فرد مراد نہ لیں بلکہ "مطلق" مراد لیں تو وہ اعظم یا عظیم
صرف ذات پاک ہے جیسے اللہ اکبر کا مطلب ہے اللہ اکبر من کل شیء اسی طرح اللہ اعظم
کا مطلب ہے اللہ اعظم من کل شیء۔ جب اللہ تعالیٰ سب عظمت والوں میں سے بڑا عظمت
والا ہوا تو "غوث الاعظم" کے معنے ہوں گے خدائے تعالیٰ کا فریاد رس۔ تو اس صورت میں
پیر صاحب کا درجہ خدا پاک سے بھی اونچا ہو گیا کہ پیر صاحب وہ ہستی ہے جس کے آگے والعیاذ
باللہ خدا پاک بھی فریادی ہے۔ کیا اس کلمہ کے کفر ہونے میں کوئی شک رہ گیا ہے۔

اگر یہ کہو کہ تمام اکابر علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت پیر
صاحب پر غوث الاعظم کا لفظ اطلاق فرمایا ہے کیا ان کو اس بات کا علم نہ تھا کیا تم لوگ
علم میں ان سے زیادہ ہو کہ تمہیں وہ بات سوجھی ہے جو ان کو نہیں سوجھی تھی

سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اکابر یا اکابر کی تصانیف دلائل شرع میں سے نہیں
ہیں کیونکہ دلائل شرع کے کل چار ہیں قرآن۔ سنت۔ اجماع امت محمدیہ کا۔ قیاس مجتہد کا۔
لہٰذا پیر صاحب پر غوث الاعظم کا لفظ بولنے کے جواز میں اکابر کی تصانیف پیش کرنا غلط ہے
دوسرے اکابر پر ہمیں اعتقاد ہے وہ کوئی ایسا غلط اور کفریہ لفظ اپنی تصانیف میں نہیں لکھتے
اور یہ الفاظ جو ان کی تصانیف میں لکھے ہوئے ہم پاتے ہیں یہ ان کے اپنے لکھے ہوئے نہیں ہیں
کسی احمق نے ان کی تصانیف کو نقل کرتے وقت ایسے ایسے لفظ لکھ دیئے تا کہ آنے والوں کا عقیدہ
خراب ہو اور دیکھنے والے باور کر لیں کہ اکابر کی تصانیف میں جب لکھا ہوا ہمیں مل گیا ہے تو
اب اس کے جواز میں کیا شک۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آسمانی کتابیں ہوں یا انسانی قرآن شریف ہی ان میں سے ایک
ایسی کتاب عزیز اور بے رنگ ہے کہ باطل اور غلط بات اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس میں کمی بیشی کرنے
کی کسی اور کو کیا مجال ہے جب کہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف سے
بھی ناممکن ہے اور جو کچھ اس میں منصوص ہے سب برحق ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وانہ

لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ وہ بڑی معزز کتاب ہے اس پر باطل نہ آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے یعنی اسی آسمانی کتاب میں کسی پہلو اور کسی جہت سے تحریف و تلبیس کا امکان نہیں۔

حضرت عبدالماجد صاحب دریابادی رحمہ نے لکھا ہے کہ بعض علماء راسخین نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اس طرح قرآن سے تمسک کرنے والے بھی باطل سے محفوظ رہتے ہیں (ص ۹۶)

بہر حال کہنے کی بات یہ ہے کہ انسانی کتابیں ایسی نہیں ہیں جن کے بارے گارنٹی دی جاسکے کہ ان کا ایک ایک حرف صحیح ہے اور اس میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔ خصوصاً غیر درسی کتابیں سوانح میں لوگوں نے دل کھول کر تدلیس تلبیس اور تدسیس کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے

یہی وجہ ہے کہ علماء محدثین نے احادیث نبویہ کے قبول کرنے کے لئے بڑی کڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں اور تدلیس و تلبیس و تدسیس کے جتنے دروازے تھے سب بند کئے تب کہیں جاکر احادیث نبویہ محفوظ رہ سکیں اور قابل عمل ہوئیں۔

پھر معراج نامہ کے مصنف نے کہا کہ معراج میں ۲۵ نمازیں اور ۶ ماہ کے روزے تحفہ دیا ملے تھے حالانکہ صحیح احادیث میں ۵ نمازوں کا ذکر آتا ہے جو ۵۰ سے گھٹتے گھٹتے ۵ ہوگئیں تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے بحسب فرمان لا یبدل القول لدیّ ثواب ۵۰ نمازوں کا برقرار رکھا۔

دیدار باری تعالیٰ

آپ کو سر کی آنکھوں سے الٰہی دیدار ہوا؟

اس مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف رہا ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اوپر عالم بالا میں تشریف لے گئے تھے تو آپ کو خدائے پاک عزوجل کی ذات پاک کا دیدار ان سر کی آنکھوں کے ساتھ ہوا یا نہ؟

قاضی عیاض مالکی رحمہ نے فرمایا کہ سلف و خلف کا اس مسئلہ میں اختلاف چلا آرہا ہے۔
صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت منقول

ہے کہ آپؐ منکر نہیں اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک بڑی جماعت محدثینؒ سے مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مشہور ہے اور ... محدثین و متکلمین کی ایک بڑی جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔

صحیح بخاری ص ۷۲۰ ج ۲ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے کہ آپؓ فرماتی ہیں مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۔ وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهٗ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۔ وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهٗ كَتَمَ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْاٰيَة ۔ وَلٰكِنَّهٗ رَاٰى جِبْرِيْلَ فِيْ صُوْرَتِهٖ مَرَّتَيْنِ یعنی جو تجھے یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا سو اس نے جھوٹ کہا۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی جس کے یہ معنے ہیں کہ یہ آنکھیں اس ذات باری تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ ذات پاک ان آنکھوں کا ادراک کر سکتی ہے اور وہ ذات پاک ہی ہے نہایت لطیف پورا خبردار اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ کسے بات حجاب کے پیچھے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے اور تجھے یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں سو اس نے بھی جھوٹ کہا۔ پھر یہ آیت کریمہ پڑھی جس کے معنے یہ ہیں کہ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کیا کمائے گی کل۔ اور جو تجھے یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خدائی حکم چھپا دیا اور کسی کو بتایا نہیں سو اس نے بھی جھوٹ کہا۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس کا مفہوم یہ ہے اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچا دو جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے آپ پر اترا الآیۃ (یہ کہہ کر آپؓ فرماتی ہیں) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اپنی اصل صورت میں دو بار مشاہدہ فرمایا۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۰ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۰ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۷ و ۹۸ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے۔

مسلم ج ۱ ص ۹۸ میں اسی کے موافق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۰ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۰ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۸ میں ہے کہ حضرت مسروق رح نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک دفعہ پوچھ لیا کہ اماں جان کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا؟ تو آپؓ فرمانے لگیں" یہ بات سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تین باتیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ آگے وہی باتیں ہیں جو پہلی روایت میں گذر چکیں

نوٹ: یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حجت نہیں ہے بایں وجہ کہ انہوں نے قرآن مجید سے صرف اپنی ذاتی رائے سے اور عقل سے استدلال کیا ہے۔ آپؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مرفوع روایت بیان نہیں کی کہ آپؐ نے خدا پاک کو نہیں دیکھا تھا (جیسے شرح مسلم میں علامہ نووی رح نے یہی سمجھا ہے) کیونکہ خود صحیح مسلم میں اسی مقام ج ۱ ص ۹۸ میں حضرت مسروق رح سے روایت ہے کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ انہوں نے فرمایا اے ابا عائشہ! (کنیت حضرت مسروق رح) تین باتیں ایسی ہیں جنہیں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا؟ میں نے پوچھا۔ وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا۔ جس نے یہ کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا پاک کو دیکھا اس نے خدا پاک پر بڑی تہمت لگائی۔ میں تکیہ لگائے ہوئے تھا۔ یہ بات سنتے ہی میں سیدھا ہو بیٹھا اور کہا اے ام المؤمنین! جلدی نہ کیجیئے۔ کیا اللہ پاک خود نہیں فرماتا، ولقد راٰہ بالافق المبین، اور محمدؐ نے اس کو افق مبین پر دیکھا، ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ، اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، تو آپ نے جواب میں مجھے بتایا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے، میں نے ان دو مرتبوں کے سوا ان کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا اھ

اب بتائیے اس سے زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہو سکتی ہے

البتہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق مشہور ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار فرمایا ہے، حضرت عکرمہ رحمہ کے سوال کے جواب میں آپؓ نے یہی فرمایا تھا۔

اسی طرح حضرت قتادہ رحمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے

امام ابوالحسن واحدی نے فرمایا ہے کہ مفسرین کا یہی قول ہے (نووی ج ۱ ص ۹۸)

مگر جیسے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہمیں تصریح ملی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ دیکھنے کے متعلق، ایسے ہی ان حضرات کی روایت سے یہ تصریح نہیں ملتی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح الفاظ میں یوں ارشاد فرمایا ہو کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار اپنے سر کی ان آنکھوں سے کیا ہے۔

بلکہ اس کے برعکس حضرت عطاء رحمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ رآہ بقلبہ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔ (دل کی آنکھوں سے دیکھا) صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۸)

اس سے بھی زیادہ صراحت و وضاحت اس روایت میں ہے جو ابن مردویہ نے عطاء کے طریق سے بیان فرمائی ہے جس میں یہ الفاظ آتے ہیں لم یرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہ انما راٰہ بقلبہ دیکھو فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۸ - یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار ان متعارف آنکھوں سے نہیں کیا۔ دراصل آپؐ نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل (کی آنکھوں) سے کیا۔

اس قدر واضح تشریح کے بعد اس باب میں نزاع کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا چیز ہے اور اس کی کیا کیفیت ہے؟ سو اس رمز کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں نور بصیرت ہو اور جس کے قلب میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

حضرت علامہ حافظ ابن حجر کنانی عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رؤیت قلب سے مراد صرف حصول علم ہی نہیں ہے کیونکہ یہ تو آپ کو دائماً حاصل تھا۔ بلکہ جو لوگ رؤیت قلبی کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دوسرے لوگوں کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ دیکھنے کی قوت پیدا فرماتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دل میں دیکھنے کی طاقت پیدا فرما دی۔ کیونکہ دیکھنے کے لئے عقلی طور پر کسی مخصوص عضو ہونے کی شرط نہیں ہے اگرچہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ آنکھوں میں دیکھنے کی قوت پیدا فرماتا ہے۔ کذا فی فتح الباری)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے المواہب اللدنیہ ص ۱۳۱ میں فرمایا ہے کہ سورۃ والنجم میں آیت کریمہ ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ میں صحیح بات یہی ہے کہ یہاں رؤیت (دیکھنے) سے مراد ہے آں حضرت کا حضرت جبرائیل کا دیکھنا

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد نسفیہ ص ۱۴۲ میں فرمایا والصحیح انہ علیہ السلام رأی ربہ بفؤادہ لا بعینہٖ رأسہ یعنی صحیح قول یہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا اپنے دل سے دیکھا ہے اور اپنے سر کی آنکھوں سے نہیں کیا

حضرت امام معظم ابو معین نسفی رحمہ اللہ نے بحر الکلام ص ۳۳ میں لکھا ہے ثم نقول .... سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام اللہ تعالیٰ لیلۃ المعراج من وراء الحجاب یعنی پھر ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ...... رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی مبارک رات میں اللہ تعالیٰ کا کلام پردہ کے پیچھے سے سنا۔

مولوی نعیم الدین مرادآبادی کا غلط حوالہ

مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے خزائن العرفان فی تفسیر القرآن میں لکھا ہے۔ کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلام حضور ﷺ سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنے استنباط سے ارشاد فرمایا۔ یہ حضرت صدیقہؓ کی رائے ہے

مولوی کہتا ہے کہ مولوی صاحب کا یہ کلام اندھی اور بے جا تقلید پر مبنی ہے جو ایک شافعی المسلک عالم حضرت نووی رحمہ اللہ کے کہے پر چلے گئے۔

کاش مولوی صاحب مرادآبادی تھوڑی سی تکلیف کر کے صحیح مسلم کا متن اپنی آنکھوں پر سے تعصب کی پٹی ہٹا کر دیکھ لیتے تو اتنی بڑی ڈبل غلطی نہ کر سکتے۔

پھر ان مولوی صاحب پر ہمیں افسوس اس بات کا ہوتا ہے کہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مسلم کی حدیث ہے رَأَيْتُ رَبِّيْ بِعَيْنِيْ وَبِقَلْبِيْ یعنی میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دل سے دیکھا۔

مگر ہمارے پاس مطبوعہ نسخے صحیح مسلم کے جو موجود ہیں ان میں تو یہ حدیث کہیں بھی نہیں، اب وہ مولوی صاحب خود تو وفات پا چکے ہیں البتہ ان کے شاگرد موجود ہیں ہم ان سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے استاذ نے کس نسخہ کے کونسے صفحہ کا حوالہ دیا ہے وہ نسخہ مطبوعہ ہے یا قلمیہ اگر مطبوعہ ہے تو کونسے مطبع کا طبع شدہ ہے اور اگر قلمیہ ہے تو کونسے کتب خانہ میں ہے۔ کیا وہ نسخہ تمہارے استاذ جی نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر صرف اپنے ذاتی کتب خانہ کی زینت بنایا تھا

اگر بالفرض کسی نسخہ میں یہ عبارت درج بھی ہو تو چونکہ وہ دوسرے تسلیم شدہ نسخوں کے خلاف ہے اس لئے کوئی اعتبار نہیں ہوگا

ذرا قرآن مجید ہی سے فیصلہ کرالیں

یہاں ایک بات اور بھی سنئے کہ یہاں دوسری بار دیکھنے کا ذکر ہے (ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ) اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی بار دیدار کہاں ہوا؟ اس سوال کا جواب حسب اصول و قاعدہ سب سے پہلے قرآن مجید سے پوچھتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ پاک نے سورۃ تکویر میں جواب دیا انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین

در صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین یعنی یہ قرآن پاک کلام ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا جو قوت والا ہے اور ذی مرتبہ ہے مالک عرش کے نزدیک۔ وہاں اس کا کہا مانا جاتا ہے اور وہ امانت دار ہے۔ اور یہ تمہارے ساتھی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی مجنون نہیں ہیں اور وہ اس فرشتہ کو آسمان کے روشن کنارہ پر دیکھ بھی چکے ہیں

یہاں سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں سے جبرائیل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ اور سورۃ تکویر نزول کے لحاظ سے ساتویں سورت ہے اور سورۃ والنجم نزول کے لحاظ سے تیئیسویں سورت ہے جس میں جبرائیل کی اس پہلی رؤیت کا بھی ذکر ہے اور پھر دوسری رؤیت کا بھی۔ فرق صرف تعبیر کا ہے سورۃ تکویر میں الافق المبین سے تعبیر کیا اور سورۃ والنجم میں الافق الاعلیٰ سے پھر ایک اور بات بھی کہنے کی ہے اور وہ یہ کہ

قرآن پاک میں عند سدرۃ المنتہیٰ ہے یعنی آپ کا دیدار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔ لیکن جو لوگ سر کی آنکھوں سے دیدار کے قائل ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیدار کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ

رسمی مسلمانوں کے ایک امام کا کلام

طور پہ کوئی کوئی چرخ پہ یہ عرش سے پار
سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائی دوست

یہ طور کجا سپہر تو کیا کہ عرش علا بھی دور رہا
جہت سے ورا وصال ملا یہ رفعت شان تمہارے لئے

اس سے معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی کا مقام سدرۃ المنتہیٰ نہیں تھا۔ بلکہ تمام بالاؤں سے بالا بالا تھا۔ اور جن احادیث سے خواہ وہ ضعیف ہی ہوں) دیدار الٰہی ثابت ہوتا ہے اس کا مقام یہ نہیں۔ تو اب ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ سے مراد دیدار الٰہی مراد لینا قرآن مجید کے سیاق کے بھی خلاف ہے، احادیث صحیحہ مرفوعہ کے بھی خلاف ہے اور ان کے اپنے معتقدات کے بھی خلاف ہے۔ پس ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا حق اور بجا فرمایا۔

خدا تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لب و لہجہ میں کلام کیا؟

رسالہ نور حق ص ۴۰ میں ہے :

قولِ علی کرد در شب معراج ہی شنید ۔۔۔ چیزے بجز حقیقت شان درمیاں نبود

اسی طرح بعض شیعی مسلمانوں کی تفسیر صافی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لب و لہجہ میں باتیں کیں

نیلوی کہتا ہے کہ افسوس آتا ہے ان لوگوں پر جو اس طرح کی بے تکی باتیں اپنی کتب میں لکھ مارتے ہیں

ہم مانتے ہیں کہ حضرت امامنا خلیفۂ رابع امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بہت اونچے درجے والے ہیں اس میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے مگر شریعت مطہرہ کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تعریف میں اس قدر غلو اور مبالغہ سے کام لیا جائے جس سے دوسری واجب التعظیم ہستیوں کی توہین لازم آئے۔

اور یہاں یہی معاملہ ہے کیونکہ یہ بات بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی شان سے بہت ہی بلند و بالا ہے اور آپ کی صورت و سیرت بھی امام علی رضی اللہ عنہ کی صورت و سیرت سے بہت ہی احسن و ارفع ہے اور آپ کا لب و لہجہ بھی حضرت امام رضی اللہ عنہ کے لب و لہجہ سے ارفع ہے۔ مگر

مصنف رسالہ کا خیال ہے کہ خدا نے بجائے اپنے نفسی کلام کے جو صوت آواز اور لب و لہجہ سے پاک اور منزہ ہے اور قدیم و لم یزل و لایزال ہے یعنی قول اور لحن نے آواز نے حضرت علی کے لب و لہجہ میں بات کی جو حادث ہے اور مخلوق ہے آواز ہے لحن و لہجہ ہے۔ اور اس صورت میں خدا پاک کی توہین لازم آتی جو کفر ہے یا علی کو خدا کا مقام دے دیا۔ پھر اگر بالفرض لب و لہجہ کی بات مانیں تو حضور کی توہین ہوئی کہ خدا کو نعوذ باللہ حضور کا لب و لہجہ نہیں بھاتا خالانکہ کسی نبی رسول کا لب و لہجہ نہ بھاتا تھا۔ اگر لب لہجہ خدا کو پسند آیا تو صرف علی رضی اللہ عنہ کا۔ یا لیکن

کہ خدا سے انتخاب نبوت میں والعیاذ باللہ غلطی ہو گئی۔ لہٰذا یہ سب من گھڑت باتیں غلط اور لغو
تنبیہ : مسلمانوں کو ایسی ایسی بے سند کتابوں کے پڑھنے سے احتراز کرنا ضروری
ہے؛ نیز یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتے ہیں لیس کمثلہ شیء کوئی چیز بھی
اس کی مثل نہیں ہے۔ یہ ایک اصل اصول ہے صفاتِ تنزیہیہ کی۔ کوئی شے بھی ہیئت کے لحاظ سے
اللہ کی ہم جنس، ہم نوع، ہم سر، ہم صفت غرض کسی طرح بھی مثل نہیں ہو سکتی۔ اس میں
فرقہ مشبہہ کی صریح طور پر تردید ہے اور یہودیوں کے ۷۲ فرقوں میں سے ایک فرقہ مشبہہ
بھی تھا۔ جس کی تردید اس آیت میں ہو گئی

اور آریہ سماجیوں کی بھی تردید ہو گئی جو روح اور مادہ کو قدیم مانتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ جیسے مخلوق بغیر مادہ کے کوئی چیز نہیں بنا سکتی ایسے ہی خدا بھی بغیر مادہ کے جہان نہیں
بنا سکتا خدا نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس مت کرو قیاس کی شرطوں میں سے ایک
شرط یہ بھی ہے کہ مقیس، مقیس علیہ کی نظیر ہو مگر یہاں خدا کی شان ہے لیس کمثلہ شیء:

ایک اور گپ ۔ نوے ہزار کلام الٰہی

قادر یار صاحب نے اپنے رسالہ معراج نامہ ص ۴۰ میں لکھا ہے

دونویں یار اکٹھے ہوئے لامکاں بلندی — رب محبوب نوں تے محبوب ہویا جگ بلندی
صاحب سر محمد تائیں دتا کھول تمامی — نوے ہزار کلام کیتی ایہ ہے مسئلہ عامی
تریہہ ہزار نہ کرنی ظاہر تریہہ ہزار سنائیں — تریہہ ہزار دلے وچ رکھیں دسیں جنہاں چاہیں

جواب از قرآن مجید

قرآن مجید نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک
یعنی اے رسول! جتنا بھی آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف اترا ہے وہ سب کا سب امت کو
پہنچا دو۔ اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں اکیونکہ بعض کا چھپا لیا

یا جز جیسے کل کا چھپانا - جلالین)

اس کلام میں رد آگیا ان غالی باطل پرستوں کا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نے نعوذ باللہ کسی خوف یا مصلحت سے قرآن مجید بتمام کمال پورے کا پورا نہیں بلکہ کسی قدر ناقص صورت میں پہنچایا ہے (تفسیر ماجدی ص ۲۶۲ حاشیہ نمبر ۲۳۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے اسی موقع پر فرمایا لو کان محمد کاتما شیئا من القرآن لکتم هذه الآیة (ابن کثیر رح) یعنی اگر آپ نے کوئی سا جزء قرآن شریف کا چھپایا ہوتا تو وہ یہ جزء ضرور چھپا لیتے۔ نیز فرمایا جو تجھ سے یہ کہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے احکام میں سے ذرہ بھی چھپایا تو اس نے بہت بڑا طوفان باندھا یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔ خدا نے آپ کے بارے میں فرمایا وما هو علی الغیب بضنین یعنی آپ غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں۔ پھر خبر ہی کا حکم

معراج کی رات آپ ام ہانی کے گھر تھے؟

ایک غلط روایت

بعض نیچے درجے کی روایتوں میں ہے کہ ام ہانی کا بیان ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی۔

ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب میں تھا

یہ روایت مشہور دروغ گو کلبی کی ہے اس میں حد درجہ لغو و غریب اور مظلمہ باتیں ہیں مسند ابی یعلی میں ام ہانی سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے۔ شب کو میری آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا رؤسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں، نیند نہ آئی صبح اٹھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ میں رؤسائے قریش سے یہ واقعہ کہنے جاتا ہوں، میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لئے ان سے یہ واقعہ نہ کہئے وہ تکذیب کریں گے اور آپ کی جان پر حملہ کریں گے لیکن آپ نے نہ مانا اور دامن جھٹک کر چلے گئے ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشاء اور صبح کی نماز باجماعت کی تصریح کس قدر

غلط ہے کیونکہ پنج گانہ نماز تو معین شب معراج میں فرض ہوئی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایات کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپ خانہ کعبہ میں تھے۔

البتہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ذر غفاری رض کی روایت میں ہے کہ میں گھر میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبرائیل ع آئے۔

ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپؐ آرام تو خانہ کعبہ ہی میں فرما رہے تھے لیکن مشاہدہ آپ کو یہ کرایا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں ہیں اور اس کی چھت کھلی۔ اور جبرئیلؑ نازل ہوئے

(حاشیہ سیرۃ النبی از سید سلیمان ندویؒ ص ۴۱۱)

براق پسینہ پسینہ ہوگیا

ترمذی اور ابن جریر طبری اور امام احمد بن حنبل نے بروایت انس رضی اللہ عنہ تعالیٰ لکھا ہے کہ جب آپ نے براق پر سوار ہونے قصد کیا تو اس نے شوخی کی۔ جبرائیل ع نے کہا کہ کیوں شوخی کرتا ہے۔ تیری پشت پر آج تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا

ابن جریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے اور غرابت ہے۔ ترمذی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے لا نعرفہ الا من حدیثہ۔ کذا فی سیرۃ النبیؐ ص ۴۱۱)

بستر پر آپؐ کو نہ پاکر اعزہ کا غاروں، پہاڑوں میں تلاش کرنا

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رات کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ نے آپؐ کو بستر پر نہ پایا تو ان کو تشویش تک کا خوف طاری ہوا کہ کہیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند تو نہیں پہنچایا۔ اور پہاڑوں اور غاروں میں آپؐ کو ڈھونڈنے لگے۔

واپسی پر آپ کو قریش کا تجارتی قافلہ کا ملنا

ایک اور روایت میں ہے کہ معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ کی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے۔ جب لوگوں نے جھٹلایا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تمہارا قافلہ کل پرسوں تک آجائے گا۔ اس سے پوچھ لینا، چنانچہ وہ آیا۔ اور اس نے تصدیق کی۔ انہیں روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے پاس گئے کہ آج جناب کعبہ میں بیٹھے تھے۔ لوگوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے فرمایا کہ کیا واقعی آپ یہ فرماتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں! حضرت ابوبکر رضہ نے کہا تو میں آپ کو سچا مانتا ہوں اور ان پر ایمان لاتا ہوں۔ کفار نے کہا تم کھلم کھلا ایسی خلاف عقل بات کیونکر صحیح سمجھتے ہو؟ جواب دیا میں تو اس سے بھی زیادہ خلاف عقل بات پر یقین رکھتا ہوں، میں تو یقین سے یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں۔ اسی دن سے حضرت ابوبکر رضہ کا لقب صدیق ہو گیا

لیکن یہ تمام قصے سرتاپا لغو اور باطل ہیں، ابن اسحاق اور ابن سعد نے تو سرے سے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے۔ ابن جریر طبری، بیہقی، ابن ابی حاتم، ابو یعلیٰ، ابن عساکر اور حاکم نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں۔ ان کے رواۃ ابوجعفر رازی، ابو ہارون عبدی، اور خالد بن یزید بن ابی مالک ہیں۔ جن میں سے پہلے صاحب گو بجائے خود بعض کے نزدیک ثقہ ہیں۔ مگر بے سروپا حدیثوں کے بیان کرنے میں بے باک ہیں۔ بقیہ دو "مشہور دروغ گو" کاذب اور قصہ خوان ہیں

انہی لغو قصوں کا اختتامی جزو یہ ہے کہ جب آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے اور مرتد ہو گئے فارتدکثیر ممن اسلم! یہ قصہ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے

وما جعلنا الرؤيا التي أريناك إلا فتنة للناس

ابن سعد اور واقدی نے اس کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے، طبری اور ابن ابی حاتم

اور بیہقی وغیرہ کے مستند ارکان وہی اصحاب ثلاثہ ہیں جن کے اوصاف گرامی ابھی اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جو روایتیں درج کی ہیں، ان میں سے حسن بصری، قتادہ اور ابن زید سے یہ واقعہ ارتداد کا مذکور ہے۔ لیکن ان کا سلسلہ آگے نہیں بڑھتا۔

اس واقعہ کے انکار کا سب سے پر زور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے وہ گنے چنے لوگ تھے، جو ہم کو نام بنام معلوم ہیں ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں

لوگوں کے لئے آزمائش

واقعہ کی صحیح صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپؐ کے سخت مخالف نہ ہوں گے اور گو آپؐ کو پیغمبر نہ مانتے ہوں مگر آپؐ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں۔ لیکن اس واقعۂ معراج کے بعد سے انہوں نے بھی آپؐ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کے خیال کو اٹھا دیا ہو۔ قرآن مجید نے اس کو فتنۃ للناس (لوگوں کے لئے آزمائش) کہا ہے، اور فتنۃ للمؤمنین یعنی مؤمنوں اور مسلمانوں کے لئے آزمائش نہیں کہا ہے۔ اور اگر ان کے لئے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے (سیرۃ النبی ص ۴۱۸ تا ص ۴۲۰)

کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً ابن ابی حاتم (تفسیر)، ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل)، بیہقی (دلائل النبوۃ) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیل ہے۔ ان روایتوں کے ناقل ابو ہارون عبدی، ابو جعفر رازی اور خالد بن یزید ہیں۔ ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغ گو ہیں۔ ابو جعفر رازی کو گو بعضوں نے ثقہ کہا ہے لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور راوی منکرات ہیں اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کی جاتی۔ نیز ان روایتوں میں بہت سی لغو اور منکر باتیں مذکور ہیں جن کو محدثین تسلیم نہیں کرتے۔

علاوہ ازیں یہ مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری (باب الرؤیا) میں ہے کہ معراج کے

سوا ایک اور موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے تھے۔ سرے سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں (حاشیہ سیرۃ النبی ج ۳ ص ۴۰۹)

ایک غلط روایت

مسند احمد اور سیرۃ ابن اسحاق کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیاء نے آپ کی اقتداء میں یہ نماز پڑھی تھی۔

صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں۔ مگر قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسی کو صحیح لکھا ہے (تفسیر سورۂ اسراء) نیز ترمذی (تفسیر سورۂ اسراء) اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں آتے جاتے سرے سے نماز ہی نہیں پڑھی۔ مگر صحیح مسلم کے مقابلہ میں اسے کون تسلیم کرے گا (حاشیہ سیرۃ النبی ج ۳ ص ۴۱۶)

ایک گپ کہ آپؐ جوتوں سمیت عرش پر گئے

عموماً واعظین معراج کا ذکر کرتے کرتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر جانے کا تقابل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر گئے تو نودی یاموسی انی انا ربك فاخلع نعليك خدا کی طرف سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بیشک میں تیرا رب ہوں، تو تُو اپنے جوتے اتار ڈال۔ (کہ اس میں تواضع اور بقعۂ معظمہ کا احترام اور وادیٔ مقدس کی خاک سے حصولِ برکت کا موقع ہے) لیکن جب حضرت محبوب کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں عرش معلیٰ پر چڑھنے لگے تو جوتے اتارنے کا قصد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے محبوب مع جوتوں کے میرے عرش پر تشریف لے آ۔

ملیوی کہتا ہے کہ پہلے تو یہ بات ہے کہ پیغمبروں کا باہم اس طرح کا تقابل شرعاً ممنوع ہے جس میں ایک پیغمبر کی شان میں کمی مفہوم ہو چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتفضلوا

بین انبیاء اللہ یعنی خدا کے پیغمبروں کے مابین اس طرح کی فضیلت نہ دو جس سے بعض کی حقارت لازم آئے یا کسی طرح حقارت کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ پیغمبر کی تحقیر کفر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت عرش پر تشریف لے گئے تھے یا خدا نے فرمایا کہ جوتوں سمیت میرے عرش پر تشریف لے آ، اگر صحیح سند کے ساتھ کتب احادیث میں لکھی ہوئی مل جاتی تو ہمیں اس کے ماننے میں کوئی عذر نہ تھا اور نہ ہی ہم کو اس کے انکار کرنے کی کوئی گنجائش تھی۔ لیکن ہم اس کے نہ ماننے میں اس لئے مجبور ہیں کہ یہ روایت سرے سے من گھڑت اور موضوع ہے اور موضوع روایات بیان کرنے والوں کے متعلق حضرت زید بن اسلم تابعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ علم ہوتے ہوئے جو شخص موضوع روایت بیان کرتا ہے وہ من خدم الشیطن شیطان کا ایجنٹ ہے لہٰذا وعظ بیان والوں کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ایسی روایات بیان نہ کریں بلکہ ان کی تردید کریں۔

اور یہ روایت صرف ہم ہی نہیں کہتے کہ موضوع ہے بلکہ رسمی مسلمانوں کے رہنما اور پیشوا اور پیر و مرشد

احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ ملاحظہ ہو

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں.......

(۱) حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا شب معراج عرش الٰہی پر مع نعلین مبارک تشریف لے جانا صحیح ہے یا نہیں؟......

الجواب........ (۱) یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(احکام شریعت ج ۲ ص ۱۳۹)

تیسری بات یہ ہے کہ اس میں عرش معلی کی توہین ہے کہ طور کی شان عرش معلی سے زیادہ ہے اور حضور کی بھی توہین ہوئی کہ آپ کو عرش معلی کے برکات سے روکا گیا جس میں طور جیسے مقدس و محترم مقام سے بہت زیادہ برکات ہیں اگر حضرت موسیٰ ؑ کو حصول برکات کیلئے جوتے اتارنے کا حکم تھا تو یہاں حضور کو بھی حصول برکات عرش حاصل کرنے کے لئے جوتے اتارنے کا حکم ہوتا۔

شق صدر یا شرح صدر

معراج کی رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک چاک ہوا یا نہ؟

اس مسئلہ میں آج کے تعلیم یافتہ لوگوں میں باہم نزاع چل رہا ہے۔ بعض تو سرے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سینہ کے شق (چاک) ہونے کے ہی منکر ہیں۔ اور بعض قائل ہیں مگر اس قائل ہونے میں انہوں نے افراط کی راہ اختیار کی ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ آپ کا شق صدر پانچ بار ہوا

1 جب آپ چار، پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہ رضہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔

2 جب عمر شریف دس برس کی تھی 3 جب آپ بیس برس کی عمر کو پہنچے

4 جب پہلی دفعہ جبرائیلؑ وحی لے کر آئے 5 معراج کے موقعہ پر

حقیقت یہ ہے کہ بلا شبہ صحیح و مستند روایات سے آپؐ کا شق صدر معراج کی رات میں ثابت ہے باقی یا تو صحیح سند سے ثابت نہیں یا اختلاط اور وہم راوی ہے۔ چنانچہ جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے کہ آپؐ کا شق صدر ہوا' وہ سات طُرق سے مروی ہے۔

1 پہلا طریق جہم بن ابی جہم کا جو خود بھی مجہول ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے کیونکہ اس کے استاذ عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہؓ سے ملاقات ثابت نہیں

2 دوسرا طریق واقدی کا ہے جو خود ساقط الاعتبار ہے

3 تیسرا طریق عبدالصمد بن محمد سعدی کا ہے جو وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک نامعلوم الاسم شخص سے روایت کرتا ہے اور یہ سارے کے سارے مجہول ہیں

4 چوتھا طریق محمد بن زکریا الغلابی کا ہے جو مشہور کذاب اور وضاع اور قصہ گو ہے

5 پانچواں طریق ابو العجفاء کا جس کو امام بخاری رہ نے تاریخ صغیر ص ۱۳۳ میں فرمایا فی حدیثہ نظر یعنی اس کی حدیث بحث طلب ہے، اور امام حاکم نے فرمایا ہے لیس حدیثہ بالقائم (اس کی حدیث ٹھیک نہیں ہے) اور اس سے نیچے کے راوی گم نام ہیں۔ اور ایک دوسرے سلسلہ میں مکحول اور شداد کے مابین راوی متروک ہے جو ذکر نہیں کیا پتہ کہ وہ راوی یہی ابو العجفاء ہی ہو جسے مکحول دلس راوی نے چھپا کر اپنا سلسلۂ اسناد اوپر کے راوی سے جوڑ دیا ہو

۶ چھٹا طریق بقیۃ بن ولید کا ہے جس کا سخت بے احتیاط ہونا متفق علیہ ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے مگر وہ دلیل میں پیش نہ کی جائے۔ احمد بن حنبلؒ حاکم (اسماء الرجال) نے کہا کہ بقیۃ بن ولید مدلس بھی ہے۔

۷ ساتواں طریق حماد بن سلمہ کا ہے جو بذریعہ ثابت بنانی رہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور آخر عمر میں ان سے حدیثیں خلط ملط ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کوئی شاگرد بلکہ حضرت حماد کا کوئی ہم عصر بھی نہیں کہتا کہ آپ کا شق صدر بچپن میں حلیمہ کے گھر رہنے کے زمانہ میں ہوا۔ بلکہ سب کے سب راوی معراج کے واقعات کے آغاز میں شق صدر کا ذکر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس کی روایتیں نہیں لیں۔

دس اور بیس کے سنہ میں شق صدر والی روایتوں میں معاذ بن محمد اور اس کا باپ محمد بن معاذ اور پھر اس کا باپ معاذ بن محمد یہ تینوں مجہول ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۳)

ابو نعیم نے کہا تفرد بذکر السن الذی شق فیہ عن قلبہ یعنی یحییٰ اس کی عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں یعنی اس روایت کی تائید کسی اور نے نہیں کی۔

آغازِ وحی کے موقعہ پر شق صدر کی روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہیں، مگر آغازِ وحی کی روایت جو کہ بخاری و مسلم و مسند احمد وغیرہ تمام مستند کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں کہیں بھی شق صدر کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ وہ روایات سب سے زیادہ مفصل صحیح اور محفوظ ہیں۔

نیز شق صدر والی اس روایت میں کئی خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ ایک سلسلہ میں ابو عمران جونی نے اپنے استاذ کا نام نہیں لیا۔ تو راوی مجہول ہوا۔ دوسرے سلسلہ میں یزید بن بابنوس کا نام لیتا ہے وہ بھی مجہول ہے جس سے ابو عمران جونی کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا۔ اور ایک تیسرا سلسلہ ہے جس میں داؤد بن المحبر کذاب راوی ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت میں اور بھی کئی ایسی نقص ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں

ایک اور روایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے جس کا راوی جعفر بن عبد اللہ

بن عثمان قرشی ہے اس کے متعلق عقیلی نے کہا ہے کہ اس میں وہم (کا مرض) تھا یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی اور اضطراب تھا یعنی ایک واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا۔ پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ یعنی اس لئے ہم شیوخ اور ہم دوسرے اس کی تائید نہیں کرتے۔

پھر بعض یہی واقعات شداد بن اوس کی روایت سے ابونعیم، ابویعلی اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے مرسلاً بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے مگر ان کا باہم تعارض واضح ہے۔

شق صدر اور اس کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے۔ آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبرائیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے۔ آپ کو اٹھا کر وہ چاہ زمزم کے پاس لے گئے یا آپ زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آگیا سینہ مبارک کو چاک کیا پھر آب زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا۔ پھر طشت کے سرمایہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد فرشتے آپ کو آسمان کی طرف لے چلے۔

معراج شریف کا صحیح واقعہ

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جب اسلام کی سخت اور پُرخطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان دلکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیشگاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رسول اللہ

کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہِ عالم آج یہاں مہمان بن کر آنے گا۔ روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور خلاء لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے حرم ابراہیم (مکی) خاص ... میں لے کر حاضر ہو۔ کاربکنانِ عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیئے جائیں اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رؤیت و سماعت، تخاطب و ہم کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔

اب تک تو ہم نے معراج شریف کے واقعہ پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے کئی غلط افسانوں غلط روایات اور اعتراضات کے جواب دیئے

اب آپ کے سامنے قرآن و سنت کی روشنی میں معراج شریف کا صحیح واقعہ پیش کیا جا رہا ہے

شروع واقعہ معراج شریف

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ شریفہ کی جو عمارت بنائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی۔ اور پھر بنی تھی۔ اسی طرح قریش کے عہد میں جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے، سیلاب سے گر گئی۔ قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرانا چاہا تو حلال سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا۔ اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی۔ اور اب تک اسی طرح ہے۔ اس حصۂ زمین کا نام حجر اور حطیم ہے۔

قریش کے نوجوان اور رؤسا، اکثر رات کو یہاں سویا کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے۔ نبوت سے پہلے بھی آپ کو حالتِ رؤیا میں فرشتے نظر آتے تھے (بخاری کتاب التوحید باب صفتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

جس شب کو معراج ہوئی۔ آپ اسی مقام پر استراحت فرما تھے۔ بیداری اور خواب کی ایک درمیانی حالت تھی کہ آپ نے دیکھا حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے پہلے وہ آپ کو چاہِ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلبِ اطہر کو نکال کر آبِ زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد بہشتی سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا

سے نیلوی کو اس میں کلام ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانہ کو لے کر آپ کے سینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا! اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا ایک لمبا سا جانور براق نامی لایا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق اس حلقہ میں باندھا گیا جس میں انبیاء کرام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے آپ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا، اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ یہاں سے نکلے تو جبرائیل علیہ السلام نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کئے، آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت کو پسند کیا اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

بعد ازیں حضرت جبرائیل علیہ السلام آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان پر چڑھے۔ پہلا آسمان آیا تو جبرائیل علیہ السلام نے دربان کو آواز دی۔ اس نے کہا کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں! یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا۔ اور مرحبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ اس خبر کو سن کر آسمان والے خوش ہوں گے۔ خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے۔ اب آپ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیاں تھیں جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا اور جب وہ بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر بولا مرحبا اے نبی صالح اے نبی صالح اے فرزند صالح! آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کے داہنی اور بائیں طرف جو پرچھائیاں ہیں یہ ان کی اولادوں کی روحیں ہیں۔ داہنی طرف اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لئے جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ادھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں۔

اسی آسمان میں آپ کو آمنے سامنے دو نہریں نظر آئیں۔ پوچھنے پر جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لؤلؤ و زبرجد کا محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک اذفر کی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ کے

لئے رکھا ہے۔

اسی طرح ہر آسمان پر گذرتے چلے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبرائیلؑ کی اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی اور ہر ایک آسمان میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے میں حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے ملاقات ہوئی۔ تیسرے میں حضرت یوسفؑ سے جن کو حسن کا ایک حصہ عطا ہوا تھا، چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی جن کا ذکر خدا پاک نے قرآن پاک میں فرمایا ورفعناہ مکانا اور ہم نے اس کو ایک مقام بلند تک اٹھایا ہے۔ اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ ملے اور ہر ایک نے اے پیغمبر صالح اے برادر صالح کہہ کر خیر مقدم کیا چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا مرحبا اے پیغمبر صالح اے برادر صالح جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے۔ آواز آئی کہ اے موسیٰؑ! اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ موسیٰؑ نے عرض کی خداوندا! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔

ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا مرحبا اے پیغمبر صالح اے فرزند صالح! جبرائیلؑ نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ بیت معمور یا دگھر سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے۔ جس میں ہر روز ۷۰ ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔

آسمانوں میں ان پیغمبروں کی ترتیب آسانی اس طرح یاد رکھی جا سکتی ہے

اَ غـیـا ھُـمـا | یہ ترتیب حضرت شیخ الحدیث و تفسیر مولانا قاضی شمس الدین صاحب سابق مدرس دار العلوم دیوبند متعنا اللہ بطول حیاتہ نے بتائی

اس کے بعد آپؐ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔ اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپؐ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچے اس درخت پر شانِ ربانی (امر اللہ) کا پر تو تھا۔ جس نے کہ جب اس کو چھپا لیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جو بیان نہیں ہو سکتی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سے امور نیچے زمین پر اترتے ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتے

تھا۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبرائیلؑ اپنی اصلی کمالی صفت و صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے۔ پچھلا پہر مستور ازل نے خلوت گاہ راز میں وہ پیغام سنے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ میں متحمل نہیں ہو سکتی فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ؎

تین عطیے

اس وقت آپ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے ۱ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے ۲ رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدیہ میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہوگا کرم مغفرت سے سرفراز ہوگا ۳ اور خدائی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی ہے

آپ ان عطیوں کو لے کر واپس ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطا ہوئے؟ فرمایا امت پر پچاس وقت کی نماز! موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے آپؐ کی امت سے یہ بوجھ نہ اٹھ سکے گا آپ واپس جا کر عرض کیجئے آپ نے رجعت کی اور عرض کی یا اللہ میری امت نہایت کمزور اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں۔ حکم ہوا دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں۔ لوٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا تب پھر اور دس معاف ہوئیں اسی طرح آپ چند بار حضرت موسیٰؑ کے مشورہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے یہاں تک کہ رات دن میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر بھی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجئے! فرمایا اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ ندا آئی اے محمد! میرے حکم میں تبدیلی نہیں۔ نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دوں گا یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی۔ میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دیا اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔

آپ آسمان سے اتر کر زمین پر تشریف لائے بیت المقدس میں داخل ہوئے دیکھا کہ یہاں انبیاؑ کا مجمع ہے موسیٰؑ و ابراہیمؑ نماز میں مصروف ہیں آپؐ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل و صورت بھی بیان کی کہ موسیٰؑ کا قد لمبا اور رنگ گندمی تھا اور الجھے ہوئے گھونگھریالے بال تھے جیسے قبیلہ شنوءہ کا آدمی ہو عیسیٰؑ میانہ قد سرخ و سفید، سر کے بال سیدھے اور لمبے جیسے ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہوں۔ عروہ بن مسعود ثقفی صحابی سے ان کی صورت ملتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی صورت تمہارے صاحب جیسی تھی یعنی خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بہر حال اسی اثناء میں آپؐ نے نماز پڑھائی اور تمام انبیاء ؑ پر منصب امامت سے سرفراز ہوئے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو ندا آئی اے محمد! دوزخ کا داروغہ حاضر ہے سلام کرو۔ آپؐ نے نظر کی تو داروغہ نے سلام کیا۔ بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ لیلۃ المعراج میں دجال بھی آپ کو دکھایا گیا۔

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپؐ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح سے پہلے پہنچ گئے خانہ کعبہ کے آس پاس روزانہ قریش کی نشست رہتی تھی۔ آپ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔ صبح کو آپ نے ان سے واقعہ بیان کیا۔ تو اُن کو سخت اچنبھا ہوا۔ جو زیادہ کور باطن تھے انہوں نے آپؐ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا۔ بعضوں نے مختلف سوالات کئے ان میں اکثر شام کے تاجر تھے۔ اور انہوں نے بیت المقدس کو بار بار دیکھا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس گئے ہوئے نہیں۔ اس لئے آخر میں خاتمہ دلائل کے طور پر سب نے کہا کہ اے محمد! تم کہتے ہو کہ صرف ایک رات میں تم خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے اور واپس آئے۔ اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا حیثیت ہے؟ آپؐ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں بیت المقدس کا صحیح نقشہ نہ تھا بہت بے قراری ہوئی کہ ناگاہ نظر کے سامنے ساری بیت المقدس جلوہ گر کر دی گئی۔ وہ سوال کرتے جاتے تھے اور میں اس کو دیکھ دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔

اس واقعہ معراج سے کئی مسائل مستنبط ہوتے ہیں من جملہ ان کے چند درج ذیل ہیں

۱ آپؐ بجسدہ و روحہ بحکم خدا اوپر تشریف لے گئے

۲ آسمانوں کا وجود ہے' ان کے دروازے بھی ہیں' دربان بھی ہیں جو بغیر حکم خدا کے کھولتے نہیں

۳ انبیاء علیہم السلام کے اپنے اپنے مقام و مراتب کے لحاظ سے ارواح مجسمہ آسمانوں پر موجود ہیں

۴ حضرت موسیٰ ؑ امت محمدیہ کے خیر خواہ ہیں ۵ جنت و دوزخ برحق اور پیدا شدہ ہیں

۶ آپؐ میں تسلیم و رضا غالب تھی ۷ آپؐ کو خدا کے بتائے بغیر علم غیب نہیں ہوتا تھا

۸ جو جگہ مسجد ہے وہ ماتحت الثریٰ سے مافوق تک مسجد ہی ہے اگرچہ اس کی بنا اور چھت نہ ہو

۹ آپؐ امام الانبیاء ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح متمثل ہو کر آپؐ کے مقتدی بنے

واللہ اعلم سبحان اللہ وبحمدہ سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک (ثلث) وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین (کتبہ محمد حسین النیلوی غفرلہ)

اطیبُ الکلام
فی
نکاح یُوسف علیہ السلام

از قلم

شیخ الحدیث و التفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اطیبُ الکلام
فی
نکاح یُوسف علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ وَصَفَ عِبَادَہُ الْمُرْسَلِیْنَ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ اَنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ. وَقَالَ اِنَّا اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ. وَقَالَ کُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ. وَقَالَ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ، اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ، خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ الْمُجْتَبٰی الْمُرْتَضٰی. وَعَلٰی اٰلِہِ الْکَامِلِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْعَالِمِیْنَ الْعَامِلِیْنَ الْبَرَرَۃِ الدُّعَاۃِ اِلٰی طَرِیْقِہِ الْمُسْتَقِیْمِ بِکِتَابِ اللّٰہِ الْمُبِیْنِ وَکَلَامِ رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ جَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ.

امابعد عموماً مجالسِ وعظ میں بعض مقررین اور نام نہاد خطیب حضرات حضرت یُوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہمُ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے "زلیخا" نامی اُس بدنام زمانہ مصری عورت کے ساتھ نکاح کرلیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں کچھ اس طرح آیا ہے کہ اس بدکار اور فاحش عورت نے عزیزِ مصر کی منکوحہ ہونے کے باوجود ایک معصوم اور گناہوں سے پاک ہستی حضرت یوسف علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی آتشِ نفسانی کو ٹھنڈا کرنا چاہا، یہاں تک اس حیاباختہ شیطان صفت عورت نے اپنی نفسانی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں، اپنے محل کے دروازے اور کھڑکیاں بند کیں، تالے لگائے، اور پھر اپنی ناپاک زبان سے ایک معصوم پیغمبر کو صاف لفظوں میں گناہ کی دعوت بھی دی تھی۔

اور جب حضرت یوسف علیہ السلام اس ناپاک و نجس فعل بد سے بچنے کے لیے بھاگے تو اس بدچلن عورت نے محل کے آخری دروازے تک اس معصوم کا تعاقب کیا اور آپ کی قمیص مُبارک بھی کھینچ کر پھاڑ دی۔ اور جب سامنے سے شوہر کو آتے ہوئے دیکھا تو شور مچا دیا اور اُلٹا حضرت یوسف علیہ السلام پر زیادتی کا الزام لگا دیا۔ اور مقدمہ حاکم کے سامنے پیش کیا گیا، جس کے فیصلہ کے مُطابق عزیز مصر کی بیوی ہی قصوروار اور مجرم قرار پائی۔

اور پھر خود اس عورت کے شوہر نے بھی عدالت کے سامنے اپنی بے حیا اور بدچلن بیوی کے گناہ گار ہونے کی تصدیق کر دی۔

نیز اس بے حیا عورت نے مصر کی متعدد عورتوں کے سامنے علی الاعلان نہ صرف اپنے سابقہ حیا سوز گناہ کا اقرار کیا' بلکہ آئندہ بھی اس کارِ بد کے ارتکاب کا عہد کرتے ہُوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر آپ میری یہ خواہش پوری نہ کریں گے تو میں آپ کو قید کروا دوں گی۔

اور آخر کار ناکردہ گناہ کی سزا میں اس معصوم ہستی کو اس شیطان صفت عورت نے زندان خانہ میں قید کروا دیا۔ اور پھر عرصۂ دراز تک ان کی خبر تک نہ لی' نہ ان کی رہائی کے لیے کوئی تدبیر کی اور نہ ہی اپنے گناہ پر پشیمان و شرمسار ہوئی۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا انتظام فرمایا تو اس موقع پر اس فاحشہ اور بدچلن عورت کی سہیلیوں نے بھی بادشاہِ مصر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اور پاکدامنی پر گواہی دی تو پھر ڈھیٹ ہو کر خود اس بے حیا عورت نے بھی بادشاہِ مصر کے بھرے دربار میں اپنے گناہ کا برسرِعام اِعتراف کرتے ہُوئے کہا کہ:

اب تو تمام لوگوں پر حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے تو پھر آج میں اس بھرے دربار میں اس حقیقت کا برملا اقرار کرتی ہوں کہ خود میں نے ہی حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا ناجائز مطلب حاصل کرنا چاہا تھا، اور

حضرت یوسف علیہ السلام اس بارے میں بالکل سچے اور بے گناہ ہیں۔ اور میں اس بات کا اظہار اس لیے کر رہی ہوں تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ میں نے ان کی عدم موجودگی میں، یعنی زمانۂ قید میں ان کی معصومیت اور پاکدامنی کے متعلق کوئی غلط بات کہہ کر خیانت نہیں کی، اور نہ ہی اپنے جرم کو اس معصوم اور بے گناہ ہستی کی طرف منسوب کیا۔

اس عورت نے اپنے جرمِ عظیم کا اعتراف کرتے ہوئے مزید یہ بھی کہا کہ: میں اپنے آپ کو پاکباز بھی نہیں کہتی اور مجھ سے جتنی غلطی سرزد ہوئی ہے، میں اس کا اعتراف کرتی ہوں۔ (دیکھیے: ۱۲ : ۵۱ ۔ ۵۳)

بہرحال عزیزِ مصر کی بیوی ایک فاحشہ، بدکار و بے حیا اور زانیہ عورت تھی، جس کے متعلق مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے حاکم نے بھی اسی کو مجرم قرار دیا، پھر اس کے شوہر عزیزِ مصر نے بھی اسی کو مجرم کہا، اپنی سہیلیوں کے سامنے خود اس بے حیا نے اپنے جرم کا اعتراف کیا، پھر عرصۂ دراز تک ایک معصوم پیغمبر کو قید کروائے رکھا، پھر بادشاہِ مصر کے دربار میں اس کی سہیلیوں نے بھی اسی بدچلن عورت کے خلاف گواہی دیتے ہوئے اسے مجرم ثابت کیا اور پھر خود اس عورت نے بھی دربارِ شاہی میں اقبالِ جرم کرلیا، تو ایسی حیا باختہ عورت کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ وہ بے گناہ تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس کا نکاح ہوا تھا اور یہ کہ وہ اس وقت باکرہ یعنی کنواری تھی، اور اس سے دو بچے پیدا ہوئے۔

آج کل کے نام نہاد واعظین جاہل عوام کے سامنے اس بے بنیاد قصے کو بڑے مزے لے لے کر اور مرچ مسالے لگا لگا کر طویل خطبات کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں درجِ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

تفسیرِ طبری کی روایت

حدثنا (محمد) ابن حميد قال حدثنا سلمة (الأبرش) عن (محمد) ابن إسحاق قال: لما قال يوسف (عليه السلام) للملك: ﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ

الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ. قال الملك قد فعلت فولاه مايذكرون عمل اطفير وعزل الاطفير عما كان عليه يقول الله: وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ. الآية. قال فذكر لي والله اعلم. ان اطفير هلك في تلك الليالي. وان الملك الريان بن الوليد زوّج يوسف (عليه السلام) امرأة اطفير راعيل. وانها حين دخلت عليه قال: اليس هذا خيرا مما كنت تريدين؟ قال: فيزعمون انها قالت: ايها الصديق لا تلمني فاني كنت امرأة كما ترى حسنا وجمالا ناعمة في ملك ودنيا. وكان صاحبي لا ياتي النساء، وكنت كما جعلك الله في حسنك وهيئتك فغلبتني نفسي على ما رأيت. فيزعمون انه وجدها عذراء. فاصابها فولدت له رجلين افرائيم بن يوسف وميشا بن يوسف. (تفسیر طبری ج ۱۳ ص ۴)

یعنی محمد بن حمید نے سلمۃ الابرش سے، اور اس نے محمد بن اسحاق سے نقل کر کے ہمیں (ابوجعفر محمد بن جریر طبری اور اس کے ساتھیوں کو) بتلایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا: اِجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ کہ آپ مجھے ملکی خزانوں پر مسلّط فرما دیجیے، کیونکہ میں خزانے کی حفاظت بھی اچھی طرح کر سکتا ہوں اور حساب کتاب سے بھی واقف ہوں، تو بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک ہے میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ تو لوگوں کے بقول بادشاہ نے اطفیر کو اس کے عہدہ سے معزول کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے کام کا متولی اور نگران بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ. الآیۃ. اور اس طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ملکِ مصر میں جگہ عطا فرمائی تاکہ وہ اس میں جہاں بھی چاہیں رہیں بسیں۔ الآیۃ۔ اس کے بعد محمد بن اسحاق نے کہا کہ مجھے بتایا گیا ہے۔ آگے اللہ جانے کہ اطفیر (یعنی عزیزِ مصر) انہی راتوں میں مر گیا ہو گا۔ اور مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے اطفیر کی بیوہ راعیل (جسے زلیخا بھی کہا جاتا ہے) کا

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور وہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ کام یعنی نکاح اس کام یعنی زنا سے بہتر نہیں جو تو چاہتی تھی؟ اس کے بعد محمد بن اسحٰق نے کہا کہ پھر لوگ کہتے ہیں کہ اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اے سچ بولنے والے مجھے ملامت نہ کریں، کیونکہ اُس وقت میں ایک حسین و جمیل عورت تھی، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اور ملک اور دُنیا میں ناز پروردہ تھی، جبکہ میرا خاوند نامرد تھا' وہ عورتوں کے پاس آنے پر قادر نہ تھا۔ اور حسن و جمال میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنایا ہے، میں آپ کو دیکھ کر بے اختیار ہوگئی۔ میرے نفس نے اُسی فعل کے لیے مجھ پر غلبہ پالیا' جو کہ آپ سمجھ گئے تھے۔ پھر لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے باکرہ پایا۔ پھر اس کے ساتھ صحبت کی' تو اس سے دو بچے افرائیم بن یوسف اور میشا بن یوسف پیدا ہوئے۔ (جامع البیان فی تفسیر القرآن از ابوجعفر محمد بن جریر طبری پارہ ۱۳ ص ۵)

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح سے متعلق مذکورۂ بالا روایت میں محمد بن حمید، سلمۃ الابرش اور محمد بن اسحاق کے نام نمایاں ہیں۔ سطورِ ذیل میں اسماء الرجال کے ماہر محدثین اور ناقدین کی آراء کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے، جنھیں حضرت محدث ابوالفضل احمد بن علی بن حجر کنانی عسقلانیؒ اور حضرت محدث شمس الدین محمد بن احمد ذہبیؒ اور دیگر ناقدین نے جمع فرمایا ہے۔

محمد بن حمید الرازی

- حضرت یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں: محمد بن حمید کثیر المناکیر کہ محمد بن حمید بہت زیادہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا شخص تھا۔
- حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن حمید کی بیان کردہ روایت میں نظر ہے۔
- یاد رہے کہ جب حضرت امام بخاریؒ فیہ نظر لکھتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ شخص معتمد علیہ نہیں ہے، یعنی اس کی روایت قابلِ قبول نہیں۔

○ حضرت امام نسائیؒ نے فرمایا: لیس بثقة کہ محمد بن حمید ثقہ راوی نہیں، بلکہ ایک موقع پر تو امام نسائیؒ نے اُسے "کذّاب" یعنی بڑا جھوٹا بھی قرار دیا تھا۔

○ حضرت علامہ جوزجانیؒ نے فرمایا کہ یہ شخص بد مذہب اور غیر ثقہ ہے، جس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔

○ حضرت محدث صالح بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن حمید رازی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر جرأت و جسارت کرنے والا کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا کہ محمد بن حمید میں ایک خباثت یہ بھی تھی کہ وہ دُوسرے لوگوں کی حدیثیں لے کر ان میں اُلٹ پھیر کر دیا کرتا تھا۔

○ نیز آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے دو لوگوں سے زیادہ جھوٹ بولنے میں حاذق و ماہر اور کوئی نہیں دیکھا، جن میں سے ایک کا نام سلیمان شاذکونی اور دُوسرے کا نام محمد بن حمید ہے۔

○ حضرت محدث ابو نعیمؒ اور حضرت محدث ابن عدیؒ نے فرمایا کہ "رَیّ" کے شیوخ اور حفاظ یعنی محدثین کی ایک جماعت نے ایک مرتبہ محمد بن حمید کا تذکرہ شروع کر دیا، جس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ یہ شخص حدیث کے معاملے میں بہت ہی ضعیف ہے۔ اور یہ کہ یہ شخص ایک ایسی انوکھی بات کرتا ہے جو اس نے کہیں سے بھی نہ سُنی ہو۔ یعنی موضوع اور من گھڑت قصے حدیث کے نام سے بیان کر دیتا ہے۔ اور کبھی تو ایسا بھی کرتا ہے کہ بصرہ اور کوفہ کے جھوٹے لوگوں کی من گھڑت روایات اخذ کر کے رَیّ کے محدثین کا نام لے کر بیان کر دیا کرتا ہے۔

○ حضرت علامہ ابن خراشؒ نے فرمایا کہ محمد بن حمید نے ہمیں ایک حدیث سُنائی جو جھوٹی اور من گھڑت تھی۔

○ نیز آپؒ نے قسم کھا کر فرمایا: وكان والله يكذب کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ محمد بن حمید ہمیشہ جھوٹ بولا کرتا تھا۔

- حضرت محدث محمد بن مسلم بن عثمان بن عبداللہ بن وارہؒ نے فرمایا کہ محمد بن حمید بہت بڑا جھوٹا آدمی ہے۔
- حضرت امام بخاریؒ کے اُستاذ حضرت امام اسحاق الکوسجؒ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید بہت بڑا جھوٹا آدمی ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ ہمیں محمد بن حمید نے محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی پڑھ کر سنائی اور دعویٰ کیا کہ اس نے یہ کتاب سلمۃ الابرش سے سُنی ہے۔ اس کے بعد میرا علی بن مہران کے پاس جانا ہُوا تو وہ بھی کتاب المغازی ہی پڑھ کر سُنا رہا تھا۔ اور وہ بھی یہی دعویٰ کرتا تھا کہ اس نے یہ کتاب سلمۃ الابرش ہی سے سُنی ہے۔ اس پر میں (امام اسحٰق الکوسج) نے دریافت کیا کہ کیا محمد بن حمید نے بھی یہ کتاب سلمۃ الابرش ہی سے پڑھی ہے؟ کیونکہ محمد بن حمید کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ اس نے یہ کتاب سلمۃ الابرش سے پڑھی ہے تو مجھ سے محمد بن حمید کی یہ بات سُن کر علی بن مہران حیرت زدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ یہ کتاب تو محمد بن حمید نے مجھ سے پڑھی ہے۔ اور علی بن مہران سے حقیقتِ حال سُننے کے بعد میں (اسحٰق الکوسج) نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید جھوٹا آدمی ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ متعدد لوگوں سے ہم تک یہ شکایت پہنچی ہے کہ محمد بن حمید حدیث چور ہے، وہ حدیثیں چراتا ہے۔
- نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ محمد بن حمید تو اس قدر نالائق شخص تھا کہ اُسے قرآن مجید بھی یاد نہیں تھا۔
- حضرت ابوزرعہؒ سے اُن کے بھتیجے ابوالقاسمؒ نے دریافت کیا کہ محمد بن حمید رازی کیسا آدمی تھا؟ تو انھوں نے اپنے مُنھ کی طرف اپنی اُنگلی سے چُپ رہنے کا اشارہ فرمایا۔ تو اس پر ابوالقاسمؒ نے دریافت کیا کہ کیا محمد بن حمید جھوٹ بولتا تھا؟ تو اس پر حضرت ابوزرعہؒ نے سر کے اشارے سے

فرمایا کہ ہاں وہ جھوٹ بولا کرتا تھا۔ اس پر ابوالقاسمؒ نے کہا کہ وہ بوڑھا ہوگیا تھا اس لیے شاید تدلیس سے کام لیتا ہو۔ اس پر حضرت ابوزرعہ نے فرمایا: نہیں بیٹے۔ ایسی بات نہیں، بلکہ وہ قصداً جھوٹ بولتا تھا۔

○ حضرت فضلک رازیؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ محمد بن حمید کے یہاں گیا تو وہ اس وقت اپنی من گھڑت اور سُنی سنائی روایات کی سندیں گھڑ رہا تھا۔

○ نیز آپ نے فرمایا کہ میرے پاس محمد بن حمید کی بیان کردہ پچاس ہزار روایات کا مجموعہ موجود ہے، لیکن ان روایات کی حالت یہ ہے کہ میں ان پچاس ہزار روایات میں سے ایک حرف بیان کرنے کو بھی جائز اور حلال نہیں سمجھتا۔ (دیکھیے: میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب)

سلمۃ الابرش

محمد بن حمید رازی کے اُستاذ کا نام سلمۃ بن الفضل الابرش ابو عبداللہ الازرق الانصاری مولی الانصار ہیں ہے جو رَیّ کا قاضی تھا۔ (شہر رَیّ خراسان میں واقع ہے اور اسی نسبت سے باشندگانِ رَیّ رازی کہلاتے ہیں)

○ حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا کہ سلمۃُ الابرش کے پاس منکر حدیثیں ہیں، یعنی اس کی بیان کردہ حدیثیں ثقہ راویوں کی بیان کردہ حدیثوں کے خلاف ہوتی ہیں۔

○ حضرت علی بن مدینیؒ نے فرمایا کہ ہم لوگ سلمۃ بن الفضل کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو پھینک کر شہر رَیّ سے نکل گئے تھے۔

○ حضرت ابوزرعہؒ نے کہا کہ شہر رَیّ کے باشندے کئی وجوہ کی بنا پر سلمۃ بن الفضل کو ناپسندیدہ شخصیت سمجھتے تھے۔ اور ان میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ اس کی رائے بُری تھی اور فیصلہ کرنے میں وہ ظالم تھا۔ حضرت ابوزرعہؒ یہ بات کرتے ہوئے اپنے لہجے اور زبان کے اشارے سے یہ بات سمجھانا چاہتے تھے کہ سلمۃ الابرش جھوٹا آدمی تھا۔

- حضرت امام نسائیؒ نے فرمایا کہ سلمۃ الابرش حدیث میں ضعیف ہے۔
- حضرت امام دُوری (ابوعمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز بن صہبان الازدیؒ) فرماتے ہیں کہ سلمۃ بن الفضل الابرش میں تشیع یعنی شیعہ پن تھا۔
- حضرت امام ابن حبانؒ نے فرمایا کہ سلمۃ بن الفضل الابرش عموماً غلطی کا شکار ہوتا رہتا تھا۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ سلمۃ الابرش دُوسرے راویوں کے خلاف روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔
- حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اسحٰق بن راہویہؒ اس (سلمۃ الابرش) کو متکلم فیہ بتلایا کرتے تھے۔
- حضرت امام حاکمؒ نے فرمایا کہ سلمۃ بن الفضل محدثین کے یہاں قوی نہیں۔
- حضرت امام اِسحاق بن راہویہؒ نے سلمۃ الابرش کو ضعیف کہا ہے۔
- حضرت امام ابوحاتمؒ نے فرمایا کہ سلمۃ بن الفضل الابرش کا قول دلیل میں پیش نہیں کرنا چاہیے۔ (میزان الاعتدال وتہذیب التہذیب)

مُحمد بن اسحاق

سلمۃ بن الفضل الابرش کے اُستاذ کا نام محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار قرشی مطلبی مولاہم المدنی ہے۔ اس کے بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں چنانچہ بعض علماء اس کے متعلق اچھی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

- محمد بن اسحاق فن مغازی میں اعلم الناس ہیں۔ (سفیانؒ و زہریؒ)
- محمد بن اسحاق جب تک مدینہ میں رہے گا تب تک علم زوال پذیر نہ ہوگا۔ (زہریؒ)
- محمد بن اسحاق ان چھ آدمیوں میں سے ایک ہے جن پر حدیث کا مدار ہے۔ (ابن مدینیؒ)
- محمد بن اِسحاق دُوسروں سے زیادہ حافظہ رکھتا تھا۔ (ابومعاویہ محمد بن خازم مرجیہؒ)
- محمد بن اسحاق کو مغازی یعنی جہادِ نبویؐ کے مواقع سے متعلق احادیث جمع کرنے میں اتنی مہارت تھی کہ بڑے بڑے متبحر علماء مغازی بھی اسی کے خوشہ چین ہیں۔ (امام شافعیؒ)

- محمد بن اسحاق کے بارے میں کچھ علماء تو اچھے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے برعکس اکثر محققین اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے مثلاً
- حضرت محدث محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق اگر معروف محدثین سے روایت کرے تو حدیث کے معاملے میں اچھا اور صدوق ہے، لیکن یہ عام طور پر مجہول اور غیر معروف راویوں سے باطل حدیثیں بیان کرتا ہے۔
- حضرت محدث ابن ابی خثیمہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کبھی تو محمد بن اسحٰق کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کی حدیث نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور کبھی فرماتے کہ وہ ٹھیک نہیں، اور کبھی فرماتے تھے کہ میرے نزدیک محمد بن اسحاق سقیم اور کمزور ہے قوی نہیں۔
- حضرت محدث یحییٰ بن معین نے ایک دفعہ تو محمد بن اسحاق کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ ثقہ ہے مگر حجت نہیں، لیکن اکثر اوقات اُسے ضعیف کہتے تھے۔
- حضرت محدث حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں اضطراری اور مجبوری کی حالت کے سوا کبھی محمد بن اسحاق کی حدیث بیان نہیں کیا کرتا۔
- حضرت محدث عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب اپنی مسند میں سے محمد بن اسحاق کی بیان کردہ حدیثیں تلاش کرکر کے نکالتے جاتے تھے، اور سنن میں اس کی حدیث کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے تھے۔[1]
- نیز آپ نے فرمایا کہ جس حدیث میں محمد بن اسحاق منفرد ہو وہ مقبول نہیں۔[2]
- حضرت محدث ابوالحسن دارقطنی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی بیان کردہ حدیث سے دلیل نہ پکڑی جائے۔ (خطیب بغدادی ج ۱ ص ۲۳۲)
- حضرت محدث ابن حجر نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایات میں بہت سی قابلِ اعتراض باتیں ہُوا کرتی ہیں۔
- حضرت محدث قاضی شوکانی نے ابن اسحاق کی روایت کو معلول قرار دیا۔
- حضرت امام احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن نسائی نے ابن اسحاق کو غیر قوی قرار دیا۔[4]

۱؎ بغدادی ص۲۳۱ ۲؎ تہذیب التہذیب ص۴۴ و سیر اعلام النبلاء ص ۳؎ بغدادی ص۲۳۳ ۴؎ ضعفاء صغیر ص۵۲

- بہت سے علماء محمد بن اسحاق کی روایت کو حجت نہیں مانتے کیونکہ اس میں کئی قسم کے عیب ہیں۔ مثلاً: ① اہلِ کتاب اور روافض سے روایت لے لیتا تھا۔ ② تقدیر کا منکر تھا۔ ③ امتِ محمدیہ کو فساد میں مبتلا کرنے کے لیے چٹکلے بنایا کرتا تھا۔ ④ مُرغ بازی کرتا تھا۔ ⑤ ورع اور تقویٰ اختیار نہ کرتا تھا۔ ⑥ کوئی اسے شیعہ کہتا ہے۔ ⑦ کسی کے نزدیک وہ معتزلی تھا۔ ⑧ روایتِ حدیث میں تدلیس سے کام لیتا تھا۔ ⑨ کئی علماء نے اسے کذاب کہا۔ ⑩ اور کئی دجال سمجھتے ہیں۔ چنانچہ:
- حضرت امام ابوداؤد نے محمد بن اسحاق کو منکرِ تقدیر اور معتزلی کہا ہے۔
- حضرت امام احمد بن حنبل نے محمد بن اسحاق کو بیاضی کہا۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کثیر التدلیس ہے۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق حجت نہیں۔ کیونکہ:
- محمد بن اسحاق (مدینہ سے نکالے جانے کے بعد) بغداد میں آکر کلبی جیسے کذاب لوگوں سے حکایت کرنے کی پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔
- حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کا بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ ہر سچے اور جھوٹے کی روایت لکھ لیا کرتا تھا اور اس بارے میں ورع اور تقویٰ اختیار نہ کرتا تھا۔
- حضرت امام مالک اور یحییٰ بن سعید انصاری اس پر جرح فرمایا کرتے تھے۔
- حضرت محدث محمد بن اسماعیل بن مسلم ابن ابی فدیک فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسحاق کو دیکھا ہے کہ وہ اہلِ کتاب سے اخذ کر کے حدیث لکھ دیتا ہے۔
- حضرت ابن ابی عدی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مُرغ بازی کیا کرتا تھا۔
- حضرت محدث ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام احمد اور دارقطنی کے علاوہ اور بھی بہت سے جید علماء محمد بن اسحاق کو مدلس کہتے ہیں۔ اور یہ ضعیفوں، مجہولوں بلکہ ان سے بھی بُرے لوگوں سے تدلیس کیا کرتا تھا۔

- حضرت محدث ابو حاتم نے محمد بن اسحاق کو ضعیف کہا۔ (کتاب العلل ج ۱ ص ۴۳۴)
- حضرت وہیب بن خالد نے ابن اسحاق کو کذاب کہا۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۲)
- حضرت جریر بن حمید فرماتے ہیں کہ میرا خیال نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا جس وقت کہ لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث سنیں گے۔ (تہذیب ص ۴۲)
- حضرت ابو زرعہؒ نے فرمایا کہ بھلا محمد بن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی نظریہ قائم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ تو لاشے ہے۔ (توجیہ النظر ص ۴۸۰)
- حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اس کا حافظہ کمزور تھا۔ (کتاب العلل ج ۲ ص ۳۴۷)
- حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶)
- حضرت امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایات درجۂ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ اس لیے حلال و حرام کے معاملے میں اس کی روایات کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۳)
- حضرت امام ابن حجرؒ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایات دلیل کے قابل نہیں، خصوصاً جبکہ وہ منفرد اور اکیلا ہو۔ اور جب کسی ثقہ راوی کی روایت اس کے خلاف ہو تو پھر اس کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ (درایہ ص ۱۹۳)
- حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت منکر ہے، یعنی ثقہ نہیں
- نیز آپ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق ضعیف ہے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۳)
- نیز آپ نے فرمایا کہ غزوات نبویہؐ کے متعلق تو ابن اسحاق سے روایت لی جاسکتی ہے لیکن جب حلال و حرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ثقہ اور ثبت راوی درکار ہیں، یعنی حلال و حرام کے معاملہ میں ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں۔ (ترغیب ج ۲ ص ۴۹۰)
- حضرت یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں رشوت لینے والا سب سے پہلا قاضی حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق دونوں برابر ہیں، اور میں نے عمداً انہیں چھوڑا ہے اور ان کی ایک حدیث بھی نہیں لکھی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۵۳ و ۷۰)

○ حضرت امام بخاریؒ نے محمد بن اسحاق کی کوئی روایت صحیح بخاری میں نقل نہیں فرمائی، البتہ کتاب المغازی میں اس کے بعض اقوال بطورِ تعلیق بلا سند ضرور نقل فرما دیے ہیں۔

○ حضرت امام مسلمؒ اس وقت تک محمد بن اسحاق کی روایت نہیں لیتے جب تک کوئی اس کا متابع نہ ہو۔

○ حضرت امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ بہت سے علماء محمد بن اسحاق کی حدیث کو حجت نہیں مانتے۔ کیونکہ اس میں کئی قسم کے عیب ہیں۔ مثلاً: ○ ایک تو یہ کہ وہ شیعہ تھا۔ ○ دوسرے یہ کہ وہ تقدیر کا منکر تھا اور ○ تیسرے یہ کہ اپنی حدیث میں تدلیس کرنا اس کی عادت تھی۔ البتہ سچا ضرور تھا۔ لیکن اس کی یہ سچائی اس کی مذکورہ بالا برائیوں کو اس سے دُور نہیں کرسکتی۔ (بسیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۳۹)

○ حضرت محدث ہشام بن عُروہؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کذّاب ہے۔

○ حضرت محدث یحییٰ بن سعید قطانؒ بھی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق کذّاب ہے۔

○ حضرت محدث سُلیمان تیمیؒ نے بھی محمد بن اسحاق کو کذّاب کہا ہے۔

○ حضرت محدّث اعمشؒ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق بھی جھوٹا ہے، اور اس کا استاذ ابن اسود بھی جھوٹا اور کذّاب ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۵۲)

○ حضرت امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق کو کذّاب کہا۔ (خطیب بغدادی ص ۲۳۲/۱)

○ نیز آپ اہلِ عراق سے فرمایا کرتے تھے کہ اے عراق والو! محمد بن اسحٰق کے بعد فساد میں ڈالنے والے چٹکلے تمھیں کون سنایا کرے گا؟۔ (السیر)

○ نیز آپ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں فرمایا کہ دجّالوں میں سے ایک دجّال ہے۔ (السیر ص ۵۰/۷، ۵۱ و میزان ص ۳۱/۳ و تہذیب ص ۴۱/۹)

○ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خود ہم لوگوں نے ہی اس دجّال (محمد بن اسحٰق) کو مدینہ منورہ سے نکالا تھا۔

کیا امام مالکؒ نے ابن اسحٰق پر جرح سے رجوع کر لیا تھا

حضرت امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی ثم سکندری ابن ہمام حنفیؒ نے شرح فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹ میں محمد بن اسحٰق کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے جو جرح منقول ہے وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، اور اگر واقعی حضرت امام مالکؒ کا اس پر جرح کرنا صحت کو پہنچ جائے تو دوسرے اہلِ علم نے اس جرح کو قبول نہیں فرمایا۔

○ نیز آپ نے تحریر فرمایا کہ حضرت امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق پر کلام کرنے سے رجوع کر لیا تھا، اور اس کے ساتھ صلح کر کے اس کی طرف ھدیہ اور تحفہ بھی روانہ فرمایا تھا۔ (شرح فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹)

○ لیکن حضرت امام ابن ہمامؒ کی اس توثیق اور حضرت امام مالکؒ کے رجوع کا قول اور کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، حتیٰ کہ حضرت علامہ ذہبیؒ نے بھی محمد بن اسحاق کے بارے میں جرح سے حضرت امام مالکؒ کے رجوع کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ جبکہ بقول حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ ان علماء میں سے ہیں جن کو نقدِ رجال اور ان کے احوال کی معرفت میں مکمل طور پر تتبع اور انھیں تلاش کرنے میں پوری دسترس ہے۔ (نخبۃ الفکر ص ۱۱)

○ نیز حضرت امام ابنِ ہمام نے یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ محمد بن اسحاق پر حضرت امام مالک کے رجوع کا قول ان تک کس ذریعہ سے پہنچا ہے۔ اس لیے حضرت امام ابن ہمام کا بلا دلیل دعویٰ قابلِ التفات نہیں۔

○ نیز یہ بات تو سب علماء کے نزدیک مسلّم ہے کہ ابن اسحاق مدلّس تھا۔ اور قاعدہ ہے کہ اگر کوئی مدلّس حدثنی کہہ کر روایت کرے اور اس کے شیوخ و تلامذہ میں ضعف نہ ہو تو مقبول ہے۔ اور اگر عن سے روایت کرے تو مقبول نہیں، جبکہ اس کے طبقہ کا کوئی ثقہ راوی بھی اس سے متفق نہ ہو۔

جس طرح محمد بن اسحاق کی شخصیت اور اس کے علمی مقام کے بارے میں علماء متقدمین میں سے بعض جلیل القدر محدثین اور ناقدین مختلف الخیال ہیں اور اکثر علماء کے نزدیک محمد بن اسحاق ایک ناقابلِ اعتماد شخصیت ہے۔ اسی طرح محمد بن اسحاق سے مروی روایات کے بارے میں بھی متقدمین علماء کرام مختلفُ الخیال ہیں۔ چنانچہ:

- حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی فتح الباری شرح صحیح البخاری کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن اسحاق کی روایات کے بارے میں بھی متقدمین علماء مختلف آراء رکھتے ہیں۔ مثلاً:
- ابن مدینی اور بخاری وغیرہ کے خیال میں ابن اسحاق کی روایت حجت ہے۔ لیکن یہاں یہ بات ضرور ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح البخاری میں تو کیا اپنی کسی کتاب میں بھی محمد بن اسحاق کی سند سے کوئی ایک روایت بھولے سے بھی نقل نہیں فرمائی۔ فافہم وتدبر۔
- ہشام، مالک، سلیمان تیمی وغیرہ کے نزدیک ابن اسحاق کی حدیث حجت نہیں۔
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایات مغازی یعنی غزوات کے بیان میں تو حجت ہیں، لیکن احکام شریعت میں اس کی روایات حجت نہیں۔
- امام احمد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت اس وقت حجت ہے جب کوئی اور راوی اس کا متابع ہو، جس کے ذریعے محمد بن اسحاق کی روایت کو تائید حاصل ہو سکے۔ اور اگر وہ منفرد ہو تو حجت نہیں۔ اور
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت اُس وقت منفرد ہونے کی صورت میں بھی حجت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے خلاف اور کوئی روایت نہ ہو۔ اور اگر اس کی روایت کے خلاف کسی دوسرے راوی کی روایت موجود ہو تو پھر محمد بن اسحاق کی روایت حجت نہیں بن سکتی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۶۸)

ابن اسحاق کی بعض ظاھرُ البطلان روایات

محمد بن اسحاق کی بعض روایات تو ایسی بھی ہیں جن کا باطل ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

- نیز یہ وہ روایات ہیں جو کثیر التدلیس راوی محمد بن اسحاق سے عن کے ساتھ مروی ہونے کے باعث اصولِ حدیث کے قانون کی رُو سے حجت نہیں ہو سکتیں۔ (دیکھیے نخبۃُ الفکر ص ۵۳)
- اور یہ وہ روایات ہیں جن کا ذکر محمد بن اسحاق کے علاوہ اور کسی بھی راوی نے نہیں کیا۔ بلکہ ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ مثلاً:

معراجِ جسمانی سے انکار والی روایت

محمد بن اسحاق نے سیرتُ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نازک اور حساس ترین موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی، جس کا ذکر محدثین و ناقدین نے فرمایا ہے۔ محمد بن اسحاق نے اپنی اس کتاب میں اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ اور امیر المومنین سیّدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو رُوحانی یا منامی طور پر معراج ہوئی تھی۔ اور ان روایات سے معراجِ جسمانی کا انکار ہوتا ہے۔ حالانکہ:

- روایاتِ مشہورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپنے جسدِ مُبارک اور رُوحِ اطہر کے ساتھ جیتے جاگتے بیتُ اللہ شریف سے بیتُ المقدس تک اور پھر بیتُ المقدس سے ساتوں آسمانوں سے اُوپر تک بہ نفسِ نفیس تشریف لے گئے تھے۔ اور تمام اہلِ سُنّت کا اس پر اتفاق ہے۔
- اور جو روایات محمد بن اسحاق نے حضرت ام المومنینؓ اور سیّدنا معاویہؓ کی طرف منسوب کر کے بیان کی ہیں انھیں علماء کرامؒ نے روایاتِ باطلہ میں شمار کیا ہے۔ (نبراس شرح شرح العقائد ص ۲۷۰ و بحر محیط ج ۶ ص ۵)

بکری کے قرآنی آیات کھانے سے متعلق روایت

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف محمد بن اسحاق نے ایک اور روایت بھی منسوب کی ہے، جس کی تائید اور کسی راوی نے نہیں کی، اور اس مدلس راوی کی یہ روایت بھی "عن" کے ساتھ ہی مروی ہے۔ چنانچہ:

○ محمد بن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رجم کے متعلق قرآن مجید کی آیت اور بڑے آدمی کی رضاعت کے بارے میں قرآنی آیاتِ مبارکہ ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی میری چارپائی کے نیچے رکھی ہوئی تھیں، اسی حالت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اور ہم ان کی وفات سے متعلقہ کاموں میں مصروف ہوگئے۔ اتنے میں ایک پالتو بکری آگئی اور اس بکری نے وہ صحیفۂ قرآنی کھالیا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۴۱)

○ اس روایت کے متن میں جہاں اور کئی خرابیاں ہیں وہاں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المؤمنین بلکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ حفاظتِ قرآن کے معاملے میں غفلت کا ارتکاب کیا، جس کے باعث قرآن مجید کا ایک اہم حصہ ضائع ہوگیا۔ جبکہ اہلِ بصیرت علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ ملحدین کی من گھڑت بات ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین نسفی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مدارکُ التنزیل ج ۳ ص ۸۲ سُورۂ احزاب کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں: واما ما یحکی ان تلک الزیادۃ کانت فی صحیفۃ فی بیت عائشۃ فاکلتہا الداجن فمن تالیفات الملاحدۃ والروافض۔

کہ یہ جو کہانی بنی ہوئی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایک صحیفہ میں رجم اور رضاعت کے متعلق احکام کا اضافہ تھا جسے بکری کھاگئی، سو یہ بے دین ملحدوں اور رافضیوں کی تالیفات میں سے ہے۔

مُحمّد بن اِسحاق کی قصّہ گوئی

حضرت علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المزہر فی علوم اللغۃ وانواعہا ج ۱ ص ۱۷۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن اسحاق بن یسار جو کہ آل مخرمۃ بن عبدالمطلب بن عبد مناف کا آزاد شدہ غلام تھا، اور سیرو مغازی کا بڑا عالم تھا۔ اس کے بیان کردہ اشعار لوگوں نے اخذ کیے اور ان کی تصدیق کی، حالانکہ خود اس نے شاعری سے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھے شعر گوئی کا کچھ علم نہیں' بس اتنا ہے کہ لوگ شعر کہتے ہیں اور میں انھیں نقل کر دیتا ہوں۔ حالانکہ محمد بن اسحاق کا یہ عذر اور بہانہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ خود اُس نے اپنی کتاب "السیرۃ" میں کئی ایسے مردوں ہی کے نہیں بلکہ عورتوں کے اشعار بھی لکھے ہیں جنھوں نے کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا۔ پھر ان اشعار کا سلسلہ عاد و ثمود تک پہنچایا، اور ان کی طرف منسوب بہت سے اشعار بھی لکھ ڈالے، جبکہ درحقیقت اُنھیں شعر بھی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ ایک طرح کی مؤلف کلام ہوتی ہے جس کی قافیہ بندی کی گئی ہو۔

کیا وہ اپنی اس بات کو نہیں دیکھتا جس میں وہ کہتا ہے کہ مجھے اس بات کا کچھ علم نہیں کہ یہ شعر کس نے نقل کیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (۶: ۴۵) کہ پھر ان ظالم لوگوں کی جڑ ہی کٹ گئی۔ یعنی ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی زندہ نہ بچ سکا۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۣ الْاُوْلٰى وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى کہ اسی اللہ تعالیٰ ہی نے عاد کی پہلی قوم کو ہلاک کر دیا تھا اور ثمود کو بھی اور پھر ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ (۵۳: ۵۰ و ۵۱)

نیز فرمایا: کہ کیا اب تمھیں ان میں سے ایک متنفس بھی دکھائی دیتا ہے؟ (۶۹: ۸)

نیز فرمایا: وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا (۲۵: ۳۸) کہ عاد اور ثمود کے درمیان اور اُمتوں کو بھی کثیر تعداد میں ہلاک کر دیا۔

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِمرأۃ العزیز سے نکاح کے بارے میں مذکورہ بالا مشہور و معروف روایت کی سند میں جہاں اس کے تینوں راوی محدثینِ کبار کے نزدیک مجروح ہیں، وہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس روایت کی سند محمد بن اسحاق تک پہنچ کر ہی دم توڑ جاتی ہے۔

اور اگر محمد بن حمید رازی کی یہ بات سچ ہو کہ اس نے یہ روایت سلمۃ الابرش ہی سے سُنی ہے اور خود اپنے گھر میں بیٹھ کر نہیں گھڑی، جیسا کہ اس کی عادت تھی، اور پھر سلمۃ الابرش کی بات بھی سچ ہو کہ اس روایت کو زیبِ داستان کے لیے خود اُس نے وضع نہیں کیا بلکہ واقعی اس نے یہ بات اپنے استاذ محمد بن اسحاق ہی سے سنی اور اپنے شاگرد محمد بن حمید کو بتائی تھی۔ لیکن محمد بن اسحاق سے اب یہ بات کون پوچھ سکتا ہے کہ خود اس نے یہ روایت کس سے سُنی ہے؟۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس روایت کے بارے میں محمد بن اسحاق نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نعوذ باللہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے، یا ان سے سُن کر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے، یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے سُن کر کسی تابعی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح راعیل یا زلیخا نامی عزیزِ مصر کی بیوہ سے ہُوا تھا۔ بلکہ محمد بن اسحاق نے واضح لفظوں میں یزعمون کا لفظ استعمال کر کے صاف بتلا دیا ہے کہ لوگ اس طرح سے کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح اِطفیر کی عورت راعیل سے ہُوا تھا۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ محمد بن اسحاق نے لوگوں یعنی اہلِ کتاب وغیرہ سے یہ بات سُن کر اپنے شاگرد سلمۃ الابرش کے سامنے بیان کر دی، اور اسے حدیث کہہ دیا، جیسا کہ حضرت محمد بن اسمٰعیل بن مسلم ابن ابی فدیک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسحاق کو اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے سنی سُنائی باتیں اخذ کر کے انھیں حدیث کے نام سے لکھتے ہُوئے دیکھا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ضعف کی نشاندھی

محمد بن اسحاق اور اس کے شاگردوں سے مروی مذکورہ بالا روایت کی سند کا مختصر حال ملاحظہ کر چکنے کے بعد اب اس روایت کے متن پر بھی ایک نظر ڈال لیں، تاکہ زیرِ بحث اس روایت کے بارے میں اچھی طرح ذہن صاف ہوجائے۔ چنانچہ:

محمد بن اسحاق کی سند سے محمد بن جریر طبری کی اس مذکورہ بالا روایت میں غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس روایت میں محمد بن اسحاق نے کہا ہے: فَذُكِرَ لِي وَاللهُ اَعْلَمُ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح محمد بن اسحاق کے سامنے لوگوں نے بیان کیا اسی طرح اس نے اپنے شاگردوں کے سامنے اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں اس بات کا برملا اظہار کر دیا کہ یہ باتیں غیر ذمہ دار لوگوں کی بتلائی ہوئی ہیں، جن کا ثبوت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور فرامین سے ہرگز نہیں ہوتا۔ کیونکہ:

اس قسم کے الفاظ محدثین وغیرہ صرف اسی موقع پر استعمال کیا کرتے ہیں جہاں انھیں وثوق اور اعتماد نہ ہو۔ مثلاً: رُوِيَ عَنْهُ كَذَا۔ جَاءَ عَنْهُ كَذَا۔ يُرْوٰى۔ يُذْكَرُ۔ يُحْكٰى۔ يُقَالُ۔ بَلَغَنَا۔ اور اس کے مشابہ الفاظ مثلاً قِيْلَ۔ ذُكِرَ۔ ذَكَرُوْا۔ وغیرہم۔ (دیکھیے شرح صحیح مسلم للنووی ص ۸ طامع المطابع)

اور محمد بن اسحاق نے اس روایت میں فَذُكِرَ لِي کے ساتھ وَاللهُ اَعْلَمُ کے الفاظ بڑھا کر دوسرا اشارہ بھی دے دیا کہ یہ واقعہ غیر ذمہ دار لوگوں کا بیان کردہ ہے، مجھے اس واقعہ کے صحیح ہونے کا یقین نہیں ہے اور یہ کہ اصل واقعہ کیا ہے اور یہ بات کہاں تک درست ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ محمد بن اسحاق نے کہا کہ انہی راتوں میں اطفیر ہلاک ہوگیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی راعیل کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا۔ الخ لیکن اس پر محمد بن اسحاق نے اپنے اعتماد کا اظہار ہرگز نہیں کیا۔

اس کے بعد خود محمد بن اسحاق نے اس روایت کی مزید تفصیلات بتلاتے ہوئے یہ بھی کہا: فَيَزْعَمُوْنَ أَنَّهَا قَالَتْ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ لَا تَلُمْنِيْ... کہ بعض لوگ یہ گپ بھی مارتے ہیں کہ اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے صدیق! مجھے ملامت نہ کیجیے... الخ

اسی طرح محمد بن اسحاق نے اپنی اسی روایت میں ایک مرتبہ پھر اسی طرح کہا فَيَزْعَمُوْنَ أَنَّهُ وَجَدَهَا عَذْرَاءَ... کہ بعض لوگ تو یہاں تک بھی کہہ جاتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے دیکھا تو کنوارا پایا۔ الخ

اس ایک روایت میں محمد بن اسحاق نے تین چار مرتبہ اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ اس روایت کی حقیقت گپ شپ سے زیادہ کچھ نہیں، نیز ان الفاظ کے استعمال سے محمد بن اسحاق نے اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ کر دیا ہے کہ خود مجھے ان بے بُنیاد اور من گھڑت و حیا سوز داستانوں کے صحیح ہونے پر کوئی اعتماد نہیں۔

زعم کا معنیٰ

مذکورہ بالا روایت میں محمد بن اسحاق نے دو مرتبہ یزعمون کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا معنیٰ ہم نے گپ شپ کیا ہے۔ کیونکہ یزعمون کا لفظ زعم یزعم زعمًا سے مشتق فعل مضارع ہے۔ جبکہ یہ لفظ ایسی چیزوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے جن کے جھوٹ اور خلافِ واقعہ ہونے کا پختہ یقین ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی زعم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا أَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا (۶۴: ۷) کہ کفار کا یہ غلط، جھوٹا اور بے بُنیاد خیال ہے کہ وہ اپنے مر جانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کر کے نہیں اُٹھائے جائیں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا. (۶: ۱۳۶) کہ وہ کافر اپنے غلط اور جھوٹے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ

یہ اس قدر مال تو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اور اس قدر ہمارے شریکوں کا حصہ ہے
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ. (۶:۱۳۸)

اسی طرح: وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ. (۶:۹۴)

اسی طرح: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ... (۱۷:۵۶)

اسی طرح: بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا. (۱۸:۴۸)

اسی طرح: وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ. (۱۸:۵۲)

اسی طرح: اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ. (۶:۲۲)

اسی طرح: قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ... (۶۲:۶)

اسی طرح: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... (۳۴:۲۲)

اسی طرح: اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ. (۲۸:۶۲ و ۷۴)

اسی طرح: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ .... (۴:۶۰)

ان تمام آیاتِ مبارکہ میں "زعم" کا لفظ کفار کی ان غلط اور بے بنیاد گپوں اور باطل نظریات و معتقدات کے لیے استعمال ہوا ہے جن کے جھوٹ ہونے کا یقین رکھنا ضروری ہے۔

اور زیرِ بحث روایت میں خود محمد بن اسحاق نے بھی دو مرتبہ یزعمون کا لفظ استعمال کرکے ان داستانوں کے غلط اور بے بنیاد ہونے کا پوری طرح اظہار کر دیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی اسی روایت کو بنیاد بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ امراۃ العزیز کے نکاح ہونے کی بات کو صحیح سمجھے تو اس میں وہ شخص خود قصوروار ہوگا۔

اکابر اہلِ لغت نے بھی زعم کا معنیٰ جھوٹ ہی بتلایا ہے۔ سطورِ ذیل میں چند اہلِ لغت کے بتلائے ہوئے معنے بھی ملاحظہ فرما لیجیے:

امام لغت محب الدین ابو الفیض سید محمد مرتضیٰ حسینی واسطی زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تاج العروس شرح القاموس ج ۸ ص ۳۲۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ ابن خالویہ نے فرمایا الزعم یستعمل فیما یذم۔ کہ زعم کا لفظ مذموم یعنی قابلِ مذمت باتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ "زعم" کا اصل معنیٰ ہے کذب اور جھوٹ۔ (دیکھیے: تاج العروس ج ۸ ص ۲۶۰)

حضرت ابو الفضل محمد بن عمر بن خالد جمال قرشی نے صراح ج ۲ ص ۳۰۰ میں تحریر فرمایا کہ حضرت ابو الحسن احمد بن فارس بن زکریا النحوی نے مجمل اللغۃ (ص ۴۳۲، ج ۱) میں فرمایا ہے: الزعم: القول من غیر صحۃ (ولا اعتقاد) کہ "زعم" اس غیر صحیح بات کو کہتے ہیں جس پر اعتماد نہ ہو۔

حضرت علامہ عبد الرشید نعمانی نے لغات القرآن ج ۳ ص ۱۳۶ میں تحریر فرمایا کہ ازہری نے یہ کہا ہے کہ "زعم" بیشتر اُس شے میں ہوتا ہے جس میں شک کیا جاتا ہو اور متحقق نہ ہو۔

نیز آپ نے فرمایا کہ بعض کا قول ہے کہ یہ "کذب" سے کنایہ ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ مرزوقی کا بیان ہے کہ اس کا استعمال اکثر اس شے کے لیے ہوتا ہے جو باطل ہو، یا جس میں شبہ ہو۔

نیز آپ نے فرمایا کہ ابن القوطیہ کہتے ہیں کہ زعم زعماً کے معنے ہیں ایسی بات کہی جس کے متعلق پتا نہیں کہ صحیح ہے یا غلط۔ (لغات القرآن ج ۳ ص ۱۳۷)

اہل لغت کے محققانہ فرامین کی روشنی میں نہایت آسانی کے ساتھ یہ بات محقق ہوجاتی ہے کہ محمد بن اسحاق اس داستان کو محض ایک جھوٹی کہانی ہی سمجھتے تھے۔ بلکہ جتنے مفسرین نے یہ روایات نقل کی ہیں اُن کے متعلق علامہ زبیدی لغوی نے فرمایا ہے کہ مفسرین کے زعم میں زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی تھی۔ یعنی یہ بات کہنا خلافِ واقعہ اور جھوٹ ہے۔ (دیکھیے: تاج العروس ج ۲ ص ۲۶۰)

تفسیر بغوی کی روایت

حضرت علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت ضحاک کی سند کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت نقل کی ہے، لیکن اس روایت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح سے متعلق اشارۃً بھی کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ:

حضرت علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو سعید الشریحی نے، اور انھیں ابو اسحاق ثعلبی نے، اور انھیں ابو عبداللہ الحسین بن محمد العنجوی نے، اور انھیں مخلد بن جعفر البافرحی نے، اور انھیں الحسن بن علویہ (القطان) نے، اور انھیں اسمٰعیل بن عیسٰی نے، اور انھیں اسحاق بن بشر نے یہ خبر سنائی ہے۔ جبکہ انھوں نے جویبر سے، اور انھوں نے ضحاک سے اور انھوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی سے سنا ہے، جو فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ نہ فرماتے تو شاہِ مصر اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو والی بنا دیتا، لیکن شاہِ مصر نے اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اس کام میں ایک سال کی تاخیر کی، اور حضرت یوسف علیہ السلام ایک سال تک شاہِ مصر کے گھر میں ہی رہے۔

نیز اسی مذکورہ بالا سند کے ساتھ ایک دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جس دن امارت کا مطالبہ فرمایا تھا اس سے ٹھیک ایک سال کے بعد بادشاہِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی کی.... اور تمام امورِ سلطنت حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیئے۔ اور قطفیر کو معزول کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ اور یہ بات محمد بن اسحاق نے بیان کی ہے۔ (یہاں سند بیان نہیں کی گئی)

اس کے بعد حضرت علامہ بغوی رحؒ نے بلا سند یہ بھی تحریر فرمایا کہ ابن زید نے کہا ہے کہ شاہِ مصر کے پاس بہت سے خزانے تھے اور یہ کہ اس نے اپنی

تمام سلطنت اور اس سے متعلق تمام امور حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام احکام اور فیصلوں کو نافذ العمل قرار دیا۔ (ان روایات میں نکاحِ یوسفؑ کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ فتدبّر)

اس کے بعد علامہ بغویؒ نے تحریر فرمایا کہ یہ تینوں یعنی ضحاکؒ، ابن زید اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قطفیر (عزیز مصر) انہی راتوں میں ہلاک ہو گیا، تو شاہِ مصر نے اس کی عورت راعیل کا حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح کر دیا۔ الخ

حضرت علامہ بغویؒ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح سے متعلق اس روایت کو ضحاک، ابنِ زید اور ابنِ اسحاق کے حوالے سے تحریر کرتے وقت ان تینوں میں سے کسی ایک کی سند بھی بیان نہیں کی۔ حالانکہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر روایت کو سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ مطالعہ کرنے والے اس روایت کی سند دیکھ کر کسی واقعہ کے صحیح وسقیم ہونے کا فیصلہ خود کر سکیں۔

البتہ محمد بن اسحاق کی سند جو گزشتہ اوراق میں تفسیرِ طبری کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں، اور اس کے تینوں راویوں کا حال بھی لکھا جا چکا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاحِ یوسفؑ سے متعلق اس روایت کا تعلق کسی طرح بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرامین و ارشادات سے نہیں ہے، بلکہ ابنِ اسحاق نے یہاں اس بات کا ذکر کیا ہے جو کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ میں مشہور تھی۔ حالانکہ یہ بات تورات شریف کے بھی خلاف ہے۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح علامہ بغویؒ نے ابن زید کی سند بھی بیان نہیں کی، نہ جانے اس کی یہ بات علامہ موصوفؒ نے کس کتاب میں دیکھی ہوگی۔ اس لیے اس کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ ابن زید نے بھی اسے حدیثِ رسولؐ سمجھ کر بیان نہیں کیا بلکہ یہود و نصاریٰ میں تورات شریف کے خلاف اس مشہور بات کا ذکر کیا ہوگا جس کی تصدیق قرآن و حدیث سے بھی نہیں ہوتی۔

اسی طرح علامہ بغویؒ نے اس مقام پر ضحاک کی سند بھی بیان نہیں کی، البتہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ضحاک کی سند اس روایت میں بھی وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی کے متعلق اُوپر درج کی گئی ہے۔ تب بھی پھر بھی ضحاک کی اس روایت کو درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ضحاک کی مذکورہ بالا روایت کی سند میں ایک آدھ نہیں، خیر سے پانچ راویوں کو محدثین نے مجروح قرار دیا ہے۔ سطورِ ذیل میں مختصراً ان "پنج تن" کا حال بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

مخلد بن جعفر الباقرحیؒ

معالم التنزیل میں سہوِ کتابت سے اس کے نام میں "باقرحی" کی بجائے "باقوحی" لکھا گیا ہے، اور اصل لفظ باقرحی ہے، جو بغداد کی ایک نواحی بستی باقرح سے مخلد بن جعفر کی نسبت ظاہر کرتا ہے۔ اس کے متعلق "العبر ج ۲ ص ۳۵۴" کے حاشیہ پر "اللباب" کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "یہ مخلد بن جعفر الباقرحی وہی فارسی دقاق ہے، جو ابونعیم اصبہانی، محمد بن علاف، اور ایک جماعت کا اُستاذ ہے۔"

- حضرت علامہ احمد بن علی ساویؒ نے فرمایا کہ مخلد بن جعفر باقرحی ثقہ اور صحیح السماع تو ضرور تھا، لیکن حدیث کے بارے میں کسی صحیح اور غلط چیز کو پہچاننے کی صلاحیت اس میں نہیں تھی۔
- نیز آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے بھی مخلد بن جعفر الباقرحی کی حدیث میں ادخال کر کے اسے خراب کر دیا تھا۔ (العبر ج ۲ ص ۳۵۴)
- حضرت ابونعیم نے فرمایا کہ ہم لوگوں کے بغداد سے چلے جانے کے بعد مخلد بن جعفر باقرحیؒ پر حدیثیں خلط ملط ہو گئی تھیں۔
- حضرت علامہ خطیب بغدادیؒ نے حضرت ابوالحسن بن فرات کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ مخلد بن جعفر کے اُصول تو صحیح تھے، لیکن آخر عمر میں اس کے بیٹے نے اسے چند چیزوں کے متعلق جھوٹا دعویٰ کرنے پر اکسایا،

جن میں سے ایک تو حضرت امام مروزیؒ سے مروی "المغازی" ہے۔ جبکہ دُوسری اُس کے اُستاذ حسن بن علویہ قطان سے مروی "المبتدا" ہے۔ اور تیسری علامہ ابن جریر طبریؒ کی "تاریخ کبیر" ہے۔ اور مخلد بن جعفر کو یہ بات بھی معلوم ہوتی اور اس نے اپنے بیٹے کے "ناجائز" مشورے کو قبول کرتے ہوئے مذکورہ بالا تینوں کتابیں خریدلیں اور پھر انہی کتابوں میں سے دیکھ دیکھ کر بیان کرنا شروع کردیا۔ اور اس طرح وہ ذلیل و رُسوا ہوگیا۔ اور اسے پردہ دری کی بھی کچھ پرواہ نہ ہوتی۔ (لسان المیزان وغیرہ)

اسماعیل بن عیسیٰ عطار

مخلد بن جعفر باقرحی کے اُستاذ حضرت محدث ابو محمد حسن بن علی بن محمد بن سُلیمان بن علویہ قطان بغدادی ہیں، جو محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ البتہ

○ مخلد بن جعفر باقرحی کے دادا اُستاذ کا نام اسمٰعیل بن عیسیٰ عطار ہے، اور یہ اسماعیل بن عیسیٰ وہی ہے جس نے ابو حذیفہ بخاری سے "المبتدا" روایت کی ہے۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۴۲۶)

○ حضرت محمد بن حسین بن احمد ابوالفتح موصلی ازدیؒ نے اسماعیل بن عیسیٰ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ دُوسروں نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ جبکہ اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح تعدیل سے مقدم ہوتی ہے۔ تو اس قاعدہ کی رو سے اس کی بیان کردہ روایت کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں، خصوصاً جبکہ اس کی روایت سے عصمتِ انبیاء متاثر ہوتی ہو۔

اسحاق بن بشر ابوحذیفہ البخاری

اسماعیل بن عیسیٰ کے استاذ کا نام اسحاق بن بشر ابوحذیفہ بخاری ہے، "المبتدا" اسی کی کتاب ہے، جس کی تصنیف کا جھوٹا دعویٰ مخلد باقرحی نے کیا تھا، جیسا کہ قبل ازیں لکھا جاچکا ہے۔

○ علماء نے لکھا ہے کہ لوگوں نے ابوحذیفہ بخاری سے حدیث لینا چھوڑ دیا ہے۔

- حضرت محدث علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ ابوحذیفہ بخاری کذاب ہے۔
- حضرت ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے بھی اسحاق بن بشر ابوحذیفہ بخاری کو کذاب کہا۔
- حضرت محدث نقاشؒ نے فرمایا کہ ابوحذیفہ بخاری حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔
- حضرت محدث ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر محدثین کا اجماع ہے کہ اسحاق بن بشر ابوحذیفہ بخاری کذاب ہے۔
- حضرت محدث ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن بشر کی بیان کردہ حدیث کو لکھنا حلال نہیں، البتہ اظہارِ تعجب کے طور پر لکھ سکتے ہیں۔
- حضرت امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن بشر ابوحذیفہ کذاب اور متروک الحدیث ہے۔ (لسان المیزان و سیر اعلام النبلاء)

جویبر بن سعید الازدی

اسحاق بن بشر ابوحذیفہ بخاری کے استاذ کا نام جویبر بن سعید الازدی ابوالقاسم بلخی ہے۔ اور اس کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے۔

- بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا اصل نام جابر تھا، اور جویبر اس کا لقب ہے۔
- حضرت محدث عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ وکیعؒ کی عادت تھی کہ جب وہ جویبر کی حدیث بیان کرتے تو فرماتے: سفیان عن رجل یعنی سفیانؒ ایک آدمی سے روایت فرماتے ہیں۔ تو اس رجل کا نام ظاہر نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ رجل جویبر تھا، جو ضعیف سمجھا جاتا تھا۔
- حضرت محدث دُوریؒ وغیرہ حضرت محدث یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں: جویبر لیس بشیء کہ جویبر کوئی معتمد علیہ شخصیت نہیں ہیں۔
- نیز حضرت دُوریؒ نے فرمایا کہ جویبر ضعف میں جابر جعفی (کذاب) اور عبیدۃ الضبی کے قریب قریب پہنچا ہوا ہے۔
- حضرت عبداللہ بن علی بن المدینیؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد حضرت

علی بن المدینی) سے جویبر کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اس کو نہایت درجے کا ضعیف قرار دیتے ہوئے ضعفہ جدًا فرمایا۔

○ نیز حضرت علی بن المدینیؒ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ جویبر تو ایسا آدمی ہے جو کہ اپنے استاذ ضحاک کے ذمے ایسی ایسی چیزیں لگا کر بیان کرتا ہے جو منکر ہوتی ہیں۔ یعنی جویبر اس قدر ضعیف ہے کہ وہ تمام ثقہ راویوں کے خلاف روایت کرتا ہے۔

○ حضرت یعقوب بن سفیان نے جویبر کا ذکر اس باب میں کیا ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کی روایت لینے سے لوگوں نے اجتناب کیا ہے۔

○ حضرت محدث آجریؒ نے حضرت امام ابو داؤدؒ سے روایت کیا ہے کہ جویبر اپنے ضعف پر قائم ہے۔

○ حضرت امام نسائیؒ، حضرت علی بن جنیدؒ اور حضرت محدث دار قطنیؒ نے جویبر کو متروک الحدیث قرار دیا۔

○ نیز حضرت امام نسائیؒ نے ایک اور مقام پر جویبر کے متعلق لیس بثقة کے الفاظ استعمال فرمائے، کہ جویبر ثقہ اور پختہ آدمی نہیں ہے۔

○ حضرت محدث ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ جویبر کی حدیث اور روایات پر ضعف واضح ہے۔

○ حضرت ابو قدامہ سرخسیؒ نے حضرت محدث یحییٰ بن سعید القطانؒ کا فرمان بتلایا کہ بعض لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیر ایسے لوگوں سے لینے میں بھی تساہل اور بے توجہی سے کام لیا ہے جن پر حدیث کے معاملے میں بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور پھر ان لوگوں کے نام بتلائے، اور وہ یہ ہیں:
○ ضحاک ○ جویبر ○ محمد بن سائب بن بشر کلبی۔

○ نیز آپ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگ ان کی حدیث کو تو برداشت نہیں کرتے لیکن ان کی تفسیر لکھ لیتے ہیں۔ (حالانکہ تفسیر میں زیادہ احتیاط چاہیئے)

- حضرت احمد بن سیار مروزیؒ نے جویبر کے بارے میں فرمایا کہ یہ تفسیر میں حسن ہے اور روایت میں نرم ہے۔ شاید ان کا مطلب یہ ہو کہ قرآن مجید کی وہ تفسیر جس کا تعلق روایت کے ساتھ نہ ہو، نفسِ مطلب کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں تو ان کا قول حسن ہے۔ مگر جب تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہو تو اس میں وہ نرم ہیں۔
- حضرت محدث ابن حبانؒ نے جویبر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ضحاک کے حوالے سے مقلوب اشیاء، یعنی توڑ مروڑ کر روایت بیان کرتا ہے۔
- حضرت امام حاکمؒ اور ابو احمدؒ فرماتے ہیں کہ جویبر "ذاهب الحديث" ہے، یعنی حدیث کے بیان میں ضعیف اور گیا گزرا آدمی ہے۔ الیٰ آخر ما قال۔ (دیکھیے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲۴۵)

ضحاک بن شرحبیلؒ

جویبر ازدی کے استاذ کا نام ضحاک بن شرحبیل بن عبداللہ بن نوف الغافقی ابو عبداللہ مصریؒ ہے۔ جو کہ سیدنا ابن عباسؓ سے روایت بیان کرتا ہے۔ لیکن سیدنا ابن عباسؓ سے ضحاک کی ملاقات تک نہیں ہو سکی۔ (سیر اعلام النبلاء)

- حضرت علامہ ابو محمد منذریؒ فرماتے ہیں کہ ضحاک کی روایت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مرسل ہوتی ہے۔ کیونکہ:
- حضرت امام بخاریؒ اور ابن یونسؒ نے ضحاکؒ سے کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی جو براہِ راست صحابۂ کرامؓ سے مروی ہو۔
- حضرت ابو حاتمؒ اور یعقوب بن سنانؒ نے بھی ضحاکؒ کی کسی ایسی روایت کا ذکر نہیں کیا جو اس نے کسی صحابیؓ سے روایت کی ہو۔ (تہذیب ج ۴ ص ۴۴۵)
- حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب میں ضحاکؒ کے متعلق تحریر فرمایا ہے: صَدُوْقٌ يَهِمُ یعنی ضحاکؒ سچا تو ہے، مگر عام طور پر وہم کا شکار ہوتا رہتا ہے۔

دیگر تفاسیر

گزشتہ اوراق میں تفسیر طبری اور تفسیر بغوی کی نکاح یوسفؑ سے متعلق روایتوں کی سندوں پر نہایت مختصر انداز میں بحث آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایتیں صحیح اور قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

ان کے علاوہ اس واقعہ کا ذکر دیگر کئی تفسیروں میں بھی موجود ہے، لیکن ان تفسیروں میں اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ اور انھوں نے اس واقعہ کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابیؓ یا کسی ذمہ دار مفسر یا محدث یا مجتہد کی طرف بھی نہیں کی۔ بلکہ اپنے مخصوص انداز میں اس بات کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ درحقیقت یہ واقعہ اس طرح نہیں ہے۔ اور اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس واقعہ کو قِیْلَ یا رُوِیَ کے ساتھ شروع کیا ہے۔ مثلاً:

- ○ تفسیر مفاتیح الغیب ج ۵ ص ۲۰۸ میں حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا: المسئلۃ الثانیہ رُوِیَ ان الملک توجہ ..... و زوجہ (اے یوسف) الملکُ امرأتہ (ای امرأۃ العزیز) الخ۔ یعنی دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ: روایت کی گئی ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سر پر تاج رکھا... اور بادشاہ نے عزیزِ مصر کی بیوی سے ان کا نکاح کر دیا۔ الخ۔
- ○ تفسیر ابی السعود ج ۵ ص ۲۱۵ میں ہے: وَقِیْلَ توفی قطفیر..... و زَوَّجَہ (الملک) راعیل۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ قطفیر مر گیا.... اور بادشاہ نے راعیل (عزیزِ مصر کی بیوی) کا نکاح حضرت یوسفؑ سے کر دیا۔
- ○ تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل ج ۳ ص ۱۳۷ میں حضرت امام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاویؒ نے فرمایا: وقِیْلَ توفی قطفیر فی تلک اللیالی فنصبہ منصبہ وزَوَّجَ منہ راعیل۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ انہی راتوں میں قطفیر مر گیا۔ پھر بادشاہ نے

اسی کے منصب پر حضرت یوسف علیہ السلام کو مقرر کر دیا اور اس کی بیوی راعیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح بھی کر دیا۔

○ تفسیر لبابُ التاویل فی معانی التنزیل ج ۳ ص ۲۶ میں حضرت علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی خازنؒ نے بھی اسی طرح کسی سند کے بغیر فرمایا: قالوا هلك قطفير عزيز مصر فی تلك الليالی فزوج الملك يوسف امرأة العزيز بعد هلاكه... الخ یعنی لوگوں نے کہا ہے کہ انہی راتوں میں عزیز مصر قطفیر ہلاک ہو گیا، تو بادشاہ نے عزیز کی ہلاکت کے بعد اس کی بیوی کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بیاہ دیا۔

○ تفسیر مدارکُ التنزیل وحقائق التاویل ج ۳ ص ۲۷ میں حضرت علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ نے فرمایا: رُوِیَ ان الملك توج يوسف.... وفوض الملك اليه امره وعزل قطفير ثم مات بعده فزوجه الملك امرأته. الخ یعنی روایت کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی کی ... اور امورِ سلطنت بھی ان کے حوالے کر دیے اور قطفیر کو معزول کر دیا۔ اور اس کے بعد قطفیر مر گیا۔ پھر اس کی بیوی کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بیاہ دیا۔

○ کتابُ التسہیل لعلوم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۲ میں علامہ محمد بن احمد بن جزی الکلبیؒ نے بھی نکاحِ یوسفؑ سے متعلق یہ واقعہ رُوِیَ کے لفظ سے شروع کر کے اس کے ناقابلِ استدلال ہونے کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے۔

○ تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۱۳ میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ نے ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ طعام کے علاوہ شاہِ مصر کے اور بھی بہت سے خزانے تھے، تو اس نے وہ سب کے سب حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیے اور انہی راتوں میں قطفیر مر گیا، پھر بادشاہ نے عزیزِ مصر کی بیوی راعیل سے حضرت یوسف

○ حضرت علامہ محمد بن احمد قرطبیؒ نے اپنی تفسیر الجامع لأحکام القرآن ج ۹ ص ۲۱۳ میں کسی سند کے بغیر حضرت وہب بن منبہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بادشاہ نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے حضرت یوسفؑ کا نکاح کر دیا۔

○ الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۴ ص ۵۵۳ میں حضرت علامہ سیوطیؒ نے ابو الشیخ کے حوالے سے عبد العزیز بن منبہ کے والد کا قول نقل کیا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کے راستے میں بیٹھ گئی، یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا تو وہ کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے گناہ کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنا دیا اور طاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت کو پہچان لیا اور پھر اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ الخ۔ مُنبہ کے اس قول میں جہاں امراۃ العزیز کے نام کا کوئی ذکر نہیں وہاں اس کی سند بھی بیان نہیں کی گئی کہ مُنبہ کو اس کا تنبہ کہاں سے ہوا۔

○ اسی طرح حضرت علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں جہاں دیگر رطب و یابس جمع کیے ہیں وہاں حکیم ترمذی کے حوالے سے وہب بن منبہ کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ امراۃ العزیز کو ضرورت پیش آئی تو کسی شخص نے اسے مشورہ دیا کہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کر۔ لیکن کچھ لوگوں نے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا، اور کہا کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ تیرے خلاف کوئی حکم جاری نہ کر دیں۔ تو اس نے کہا کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے، مجھے اس سے کوئی خوف نہیں۔" یہ کہہ کر وہ دربار یوسفؑ میں چلی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے مسند پر تشریف فرما تھے۔ تو وہ عورت انھیں دیکھ کر عرض کرنے لگی کہ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے غلاموں کو تو طاعت کی وجہ سے بادشاہ بنا دیا۔ پھر اپنی طرف نظر کر کے کہنے لگی کہ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے نافرمانی کے باعث بادشاہوں

علیہ السلام کو بیاہ دیا۔ لیکن اس کی کوئی سند بیان نہیں کی۔

- نیز علامہ قرطبیؒ نے کسی سند کے بغیر رُوِیَ کے ساتھ مقاتلؒ کا قول نقل کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر حضرت یوسف علیہ السلام اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ فرمادیتے تو اُسی وقت ان کو سلطنت مل ہوجاتی اور ڈیڑھ سال کی تاخیر نہ ہوتی۔" اس مقام پر ایک تو علامہ قرطبیؒ نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں فرمائی، اور دُوسرے یہ کہ کسی قسم کا حوالہ دیے بغیر اس کے بعد متصل یہ عبارت بھی ٹانک دی کہ: "پھر اِطفیر مرگیا، پھر ولید (شاہِ مصر) نے اِطفیر کی بیوی راعیل کا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ نکاح کردیا۔ الخ۔ (تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۱۸)

- تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ج۲ ص ۳۲۹ میں حضرت علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ زمخشری معتزلی خوارزمیؒ نے بھی رُوِیَ ان الملک توجہ کے الفاظ سے اس واقعہ کو شروع کیا۔ لیکن انھوں نے عزیزِ مصر کی بیوی کا نام "راعیل" کی بجائے "زلیخا" لکھا ہے جبکہ دیگر مفسرین نے عزیزِ مصر کی بیوی کا نام راعیل بیان کیا ہے۔

- اسی طرح بعض دیگر مفسرین نے بھی امرأۃ العزیز کا نام "زلیخا" ہی لکھا ہے۔ مثلاً

- تفسیر جامع البیان بر جلالین ص ۱۹۲ میں حضرت علامہ صفی الدین محمدؒ نے یہ قصہ قِیل کے ساتھ لکھا ہے اور امرأۃ العزیز کا نام "زلیخا" بیان کیا ہے۔

- تفسیر جلالین ص ۱۹۲ میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس واقعہ کو وفی القصۃ کے الفاظ سے شروع کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں یہ قصہ اس طرح مشہور ہے۔ یعنی اس واقعہ کی تصدیق قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ سے نہیں ہوتی کہ بادشاہِ مصر نے حضرت یوسفؑ کو تاج پہنایا اور عزیزِ مصر کی بیوی سے ان کا نکاح کردیا۔ وغیرہ۔ البتہ اس قصہ میں حضرت علامہ سیوطیؒ نے امرأۃ العزیز کا نام زلیخا بیان کیا ہے۔

کو غلام بنا دیا"۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت کی تمام ضروریات پوری فرمادیں۔ اور پھر ان سے نکاح بھی کرلیا۔ الخ۔ وھب بن منبہ کے اس قول کی بھی کوئی سند علامہ سیوطیؒ نے بیان نہیں کی۔ نیز ابن منبہ کا یہ قول مذکورہ بالا اقول منبہ سے بھی مختلف ہے اور دوسرے تمام اقوال سے بھی مختلف ہے جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے

○ اسی طرح حضرت علامہ سیوطیؒ نے ابوالشیخ کے حوالے سے حضرت زید بن اسلمؒ کی طرف منسوب قول نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا۔ لیکن اس کی سند بھی مذکور نہیں ہے۔

○ مذکور بالا تینوں اقوال بغیر کسی سند کے در منثور ج ۴ ص ۵۵۳ پر منقول ہیں، اس لیے کسی بے سند بات پر اعتماد کرکے اسے مشہور کرنا، اور اسے بنیاد بنا کر گھنٹوں وعظ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

○ گو کہ تلاش بسیار کے باوجود ہمیں مذکور بالا تمام "روایتوں" کی سندوں کا کچھ اتا پتا معلوم نہیں ہوسکا، تاہم یہ بات کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان روایتوں کی سندوں میں یقیناً غیر معتبر راوی موجود ہوں گے۔ کیونکہ یہ تمام کتابیں چوتھے طبقے کی ہیں۔ جن کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے عجالۂ نافعہ ص ۷ میں فرمایا ہے کہ ان کی روایات نہ عمل کے قابل ہیں اور نہ ہی اعتقاد کے۔ نیز:

○ حضرت امام ابوالحسن علی بن حبیب شافعی ماوردیؒ نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کا نکاح زلیخا سے نہیں ہوا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو اپنے شاہ سواروں کی جماعت میں بیٹھا دیکھا تو رو پڑی۔ اور کہنے لگی کہ شکر ہے اللہ کا جس نے ... پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس کے مرنے تک اُسے اپنے عیال میں کرلیا، اور نکاح نہیں کیا۔ علامہ ثعلبیؒ کا بھی یہی قول ہے، جو روایتِ وھبؒ کے خلاف ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۱۸)

حضرت علامہ ثعلبیؒ اور حضرت علامہ ماوردیؒ کا یہ قول بھی یقیناً بے سند ہی ہے
تاہم اس سے ہمیں اس مسئلہ پر کتب تفسیر کے مطالعہ کا موقع میسر آگیا۔ جن میں سے کئی کتب تفسیر سے اقتباسات گزشتہ صفحات میں لکھے گئے ہیں۔ جبکہ دیگر کتب میں چونکہ انہی مضامین کا تکرار تھا اور ان کا ماخذ بھی وہی تھا جو محولہ بالا کتب تفسیر کا تھا، اس لیے ان کے حوالہ جات کو قصداً نقل نہیں کیا گیا۔

اگر کوئی صاحب اس معاملہ میں مزید تحقیق کا ارادہ رکھتے ہوں تو بے شک دُنیا بھر کی کتب تفسیر کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے تمام تفاسیر کو کنگھال ڈالیں تو انھیں اس معاملے میں ہنسانے، رُلانے اور حیرت زدہ کر دینے والی تمثیلی انداز میں خوب لمبی چوڑی بے اصل اور بلا سند کہانیاں تو پڑھنے کو ضرور مل جائیں گی۔ لیکن اس سلسلہ میں مخبرِ صادق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک ہستی کا کوئی ایک فرمان بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں اس بات کی طرف معمولی سا اشارہ بھی موجود ہو کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح راعیل یا زلیخا نامی اس مصری عورت سے ہُوا تھا جو عزیز مصر کی بیوی تھی۔

نیز حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح سے متعلق یہ مختلف قسم کی داستانیں جو کہ بنی اسرائیل میں مشہور تھیں؛ اور انہی سے سُن کر محمد بن اسحاق وغیرہ نے بیان کر دیا ہے لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان علماء کا مقصد یہ بتلانے کا ہو کہ بنی اسرائیل کے جاہل طبقہ میں اس قسم کی بے ہودہ اور خلافِ واقعہ جھوٹی کہانیاں مشہور ہیں۔ اور پھر مفسرین نے ان داستانوں کو اپنی کتب تفسیر میں تنبیہ کی غرض سے نقل کر دیا ہو۔

نیز بعض مفسرین نے تو ان داستانوں کو سند کے ساتھ بیان کیا ہے، کیونکہ سند کسی روایت کی اصلیت کو معلوم کرنے کے لیے کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے، جبکہ بعض مفسرین نے پوری سند بیان کرنے کی بجائے اس کے ایک راوی کا نام بتادیا؛ تاکہ اسماء الرجال کو دیکھ کر قارئین ان روایات کی حیثیت معلوم کرلیں۔

نیز بعض مفسرین نے اپنے مخصوص انداز میں "قیل" اور "روی" وغیرہ کے

الفاظ استعمال فرما کر اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ فرما دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح سے متعلق ان مشہور داستانوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

نیز مفسرین کرام اس بارے میں مختلف اور باہم متضاد روایات اور اقوال تحریر فرما کر دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ؛ لیکن ان روایات و اقوال کا حقیقت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی مفسر نے بھی ان واقعات میں سے کسی ایک واقعہ کو بھی حقیقی واقعہ قرار دے کر اس پر اپنے پورے اعتماد کا اظہار قطعاً نہیں فرمایا۔

البتہ اگر کچھ لوگوں نے ان بے سروپا روایات کو غلطی سے درست مان لیا ہو تو یہ ان کا ذاتی خیال، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اسے اُن کا تسامح کہا جائے گا۔ کیونکہ؛

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی چھ ہزار دو سو چھتیس آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ نبویؐ کے بیش بہا ذخیرہ میں سے کسی ایک آیت یا روایت سے بھی ان داستانوں کی تصدیق نہیں ہوتی۔ البتہ اس سلسلہ میں جو روایات پائی جاتی ہیں محدثین اُن پر اعتماد نہیں کرتے۔ جیسا کہ حضرت علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ نے تفسیر رُوح المعانی مجز ۱۳ ص ۵ میں تحریر فرمایا ہے: وھٰذا مما لا اصل له وخبر تزوجها ایضا مما لا یعول علیه عند المحدثین۔ کہ امرأۃ العزیز سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہونے کی بات بھی اُن بے اصل باتوں میں سے ہے جن پر مُحدّثین اعتماد نہیں کرتے۔

حضرت مفسر عبدُالحق حقانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ: "زلیخا جو عزیز کی بیوی تھی حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق تھی" پر اس کا باقی حصہ نہ قرآن نے بیان کیا نہ توراتِ موجودہ نے، مگر اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ اس سے شادی ہوئی۔ الخ (تفسیر حقانی ج ۴ ص ۲۹۳)

حضرت علامہ حقانی رحمہ اللہ کے اس فرمان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے امرأۃ العزیز کے نکاح ہونے کا ذکر کسی حدیث میں نہیں۔ اور اہلِ سِیَر چونکہ سب رطب و یابس جمع کرتے رہتے ہیں اور ان کے یہاں صحتِ روایت کا اِلتزام نہیں ہوتا اس لیے ان کی روایات کا کچھ اعتبار نہیں۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ نے فوائد عثمانی ص ۳۱۳ ف ۵ میں تحریر فرمایا کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپؑ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ نیز اسی زمانہ میں عزیز مصر کا انتقال ہوا تو اس کی عورت زلیخا نے آپؑ سے شادی کرلی۔ واللہ اعلم (یہ تمام قصہ تحریر فرماتے کے بعد اس پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے واضح لفظوں میں تحریر فرمایا کہ "محدثین اس پر اعتبار نہیں کرتے"

حضرت مفسر عبدالماجد دریابادی ؒ نے تفسیر ماجدی ص ۴۸۸ ۳۳ میں لِاِمْـرَاَتِـهٖ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: عزیز کی اس بیوی کا نام توریت میں تو نہیں' البتہ روایاتِ یہود میں زلیخا آیا ہے، اور وہیں سے مسلمانوں میں بھی چل پڑا۔ ان کے لیے عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ بعد کو حضرت یوسفؑ کے عقدِ نکاح میں آگئی تھیں، لیکن اس کی سند نہ قرآن مجید سے ملتی ہے، نہ حدیثِ صحیح سے، نہ توریت سے۔

حضرت شیخ الحدیث محمد عبدہ الفلاح نے فوائدِ سلفیہ المسمٰی بہ اشرف الحواشی ص ۲۹۱ ف (۱۲: ۵۶) کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ: بعض روایات میں ہے عزیز مصر کی بیوی سے حضرت یوسفؑ کی شادی ہوگئی تھی' مگر محدثین کے نزدیک یہ روایات قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

بہرحال حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ "زلیخا" یا "راعیل" نامی عزیز مصر کی بیوی کے نکاح سے متعلق جو روایات اور کہانیاں یہود و نصاریٰ کے جاہل طبقہ میں مشہور تھیں' وہی کہانیاں غیر معتبر راویوں کے ذریعے مسلمانوں کے یہاں بھی مشہور ہوگئیں۔ اور جس طرح قرآن مجید اور احادیث نبویؐ سے ان روایات کے صحیح ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اسی طرح تورات اور دیگر آسمانی کتابوں سے بھی ان خرافات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ تورات شریف سے بھی ان لوگوں کے بلاسند اقوال، من گھڑت کہانیوں اور الف لیلائی داستانوں کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے۔

تورات شریف کی شہادت

تورات شریف کے متعلق سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ وہ آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی۔ اور ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے اس میں تحریف کر دی تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ بنی اسرائیل نے اس کتاب کے ہر ایک لفظ کو مکمل طور پر کسی دوسرے لفظ سے تبدیل کر دیا تھا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے حلال و حرام سے متعلق بعض شرعی احکام کو تبدیل کر دیا تھا۔

اور پھر اسی کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا، جس میں بنی اسرائیل کے مبدل و محرف واقعات اور احکامات کا رد کرتے ہوئے اصل واقعات و احکام بیان فرما دیے۔ اور جن واقعات اور شرعی احکام کو یہودیوں نے تبدیل نہیں کیا تھا اور تورات میں وہ جوں کے توں موجود تھے، قرآن مجید میں ان کی تصدیق کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ (سورۃ آل عمران آیہ ۳و۴)

یارسول اللہ! یہ کتاب (یعنی قرآن مجید) حکمت، راستی اور قوی دلائل کے ساتھ تدریجاً اسی اللہ تعالیٰ ہی نے آپ پر نازل فرمائی ہے، جو اُن مضامین اور احکام کی پوری پوری تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں، اس سے پہلے تورات اور انجیل بھی لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ ہی نے (حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر) نازل فرمائی تھیں۔

یعنی قرآن مجید میں ان تمام مضامین اور احکام کی تصدیق کی گئی ہے جو تورات شریف اور انجیل مقدس میں جوں کے توں موجود تھے۔ اور جن احکام میں بنی اسرائیل نے تحریف کر دی تھی قرآن مجید میں اس کی اصلاح کر دی گئی ہے اور تورات شریف میں مذکور کسی واقعہ پر قرآن مجید کی خاموشی ہی اس کی تصدیق ہے۔

اب غور کیجیے کہ تورات شریف کے محرّف نسخے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو واقعہ موجود ہے، اس میں جن باتوں کی اصلاح ضروری تھی' ان کا ذکر قرآن مجید نے کر دیاہے۔ حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے لے کر اس دور میں دُنیا کی ایک عظیم سلطنت کے حکمران بننے تک تمام اہم واقعات کو اصلاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمادیاہے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح اور ان کی اولاد کے متعلق ایک لفظ بھی بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ اس بارے اسی مضمون پر اکتفا کیا گیاہے جس کا ذکر تورات شریف میں موجود تھا۔

اس طرح یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نکاح واولادِ یوسفؑ کے بارے میں تورات شریف کا بیان ناقابلِ تردید اور یقینی وتحقیقی ہے۔ چنانچہ تورات شریف حصّہ تکوین (پیدائش) میں ہے: وَاَعْطَاہُ اَسْنَاتَ بِنْتَ فُوْطِی فَارَعَ کَاھِنِ اُوْنَ زَوْجَۃً۔ (تکوین ۴۱: ۴۵) کہ فرعون نے شہر اُون کے ایک کاہن (عابد وزاھد اور مذہبی پیشوا) فوطیفرع" کی بیٹی" اسنات" سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیاہ دیا۔

نیز اولادِ یوسفؑ کے بارے میں ہے: وَوُلِدَ لِیُوْسُفَ اِبْنَانِ قَبْلَ اَنْ تَاْتِیْ سَنَۃُ الْجُوْعِ، وَلَدَتْھُمَا لَہٗ اَسْنَاتُ بِنْتُ فُوْطِی فَارَعَ کَاھِنِ اُوْنَ۔ وَدَعَا یُوْسُفُ اِسْمَ الْبِکْرِ مَنَسِّیْ قَائِلًا لِاَنَّ اللہَ اَنْسَانِیْ کُلَّ تَعَبِیْ وَکُلَّ بَیْتِ اَبِیْ۔ وَدَعَا اِسْمَ الثَّانِیْ اَفْرَایِمَ قَائِلًا لِاَنَّ اللہَ جَعَلَنِیْ مُثْمِرًا فِیْ اَرْضِ مَذَلَّتِیْ۔ (تکوین ۴۱: ۵۰ - ۵۲) کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قحط سالی سے پہلے ہی اسنات بنت فوطی فرع کاہن اون سے پیدا ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے بیٹے کا نام "منسّی" رکھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میری اور میرے والد کے گھر کی ساری مشقت نسیًا منسیا فرمادی؛ اور دُوسرے کا نام افرایم رکھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ذِلّت کے مُلک میں بار آور فرمایا۔

محقق علماء کے نزدیک جہاں وہ روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں جن میں زلیخا یا راعیل نامی عزیزِ مصر کی بیوی سے، عزیز کے مرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح ہونے کا ذکر ہے، وہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ان محققین کے نزدیک تورات شریف میں مذکور اس بات پر اعتماد کرنا زیادہ صحیح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح شہر اُون کے ایک کاہن فوطیفرع کی دُختر اسنات سے ہُوا' اور اسی اسنات کے بطن سے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہُوئے۔ چنانچہ اس ضمن میں بعض علماء کرام کی آراء قبل ازیں تحریر کی جا چکی ہیں؛ جو اس معاملے میں تورات شریف کے بیان پر اعتماد' اور غیر معتبر راویوں کی روایات پر اپنے عدمِ اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔

نیز حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے بھی رحمۃ للعالمین ج ۳ ص ۱۲۲ میں تورات شریف کے اسی بیان کو اہلِ سیر اور مفسرین کی غیر معتبر روایات پر ترجیح دیتے ہُوئے واضح طور پر تحریر فرمایا کہ: "ان (یوسف علیہ السلام) کی شادی ملکِ مصر کے شہر اُون کے کاہن کی دُختر مُسماۃ آسناتھ (اسنات) سے ہُوئی تھی، ان کے ہر دو فرزند منسی اور فرائیم اسی خاتون کے ہیں۔"

نیز آپ نے تحریر فرمایا کہ: "امراۃ العزیز کے جوان بن جانے یا نکاحِ یوسفؑ میں آنے کی داستان صحیح نہیں ہے۔"... "لوگوں نے بنالیا ہے کہ پھر یہ عورت از سرِ نو جوان بنادی گئی تھی، پھر یوسفِ صدیق (علیہ السلام) کے نکاح میں آگئی تھی؛ مگر اس امر کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت اِسلامی یا اِسرائیلی موجود نہیں"۔ (دیکھیے: الجمال والکمال تفسیر سُورۂ یوسف ص ۱۵۹)

نیز آپ نے الجمال والکمال ص ۱۶۲ پر مزید یہ بھی تحریر فرمایا کہ: المختصر یہ یاد رکھیے کہ ایسی کوئی روایت صحیحہ موجود نہیں کہ امراۃ العزیز کا نکاح یوسفِ صدیق (علیہ السلام) سے ہُوا تھا۔

نیز آپ نے امام رازیؒ کے قول کی تردید بھی کی ہے۔ (دیکھیے الجمال والکمال ص ۱۱۰)

امرأۃ یوسفؑ

یاد رہے کہ قبل ازیں متعدد حوالہ جات پیش کیے جاچکے ہیں جن میں آتا ہے کہ عزیزِ مصر کا نام "قطفیر" تھا۔ جبکہ بعض روایات میں اس کا نام "اطفیر" آیا ہے۔ لیکن قرآن مجید اور حدیثِ نبویؐ میں اس کا کوئی نام نہیں آیا۔ البتہ تورات شریف میں اس کا نام "فوطی فار" بتلایا گیا ہے۔

ممکن ہے کہ اہلِ عرب یہود و نصاریٰ نے اسی "فوطی فار" کا نام مُعرّب کرکے اسے "قطفیر" یا "اطفیر" بنالیا ہو۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا جس عورت کے ساتھ نکاح ہونے کی شہادت تورات شریف میں موجود ہے وہ قطفیر، اطفیر یا فوطی فار کی بیوی نہیں بلکہ شہر اُون کے ایک کاہن فوطی فرع کی بیٹی آسنات ہے۔ جبکہ قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث میں نہ تو عزیزِ مصر کا کوئی نام بتایا گیا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی کا۔ بلکہ عزیزِ مصر کی بیوی کے نام سے تو تورات شریف بھی پاک ہے۔

اور جس عورت کو قرآن مجید میں محض امرأۃ العزیز کہا گیا ہے اور تورات میں بھی اس کے نام کی تعیین نہیں کی گئی، بلکہ محض امرأۃ السید کہا گیا ہے، تاہم وہ یہی عورت ہے جسے جاہل یہودیوں سے سُن کر کسی نے زلیخا کہا تو کسی نے راعیل۔ لیکن اسی عورت کو اسنات بنت فوطی فرع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

اور تورات شریف کی اسی شہادت کا رد بھی قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث سے نہیں ہوتا۔ اور جیسا کہ قبل ازیں لکھا جاچکا ہے کہ تورات شریف کی جن باتوں کا قرآن مجید نے رد نہیں کیا اُن باتوں کی گویا قرآن مجید اپنے مخصوص انداز میں تصدیق کرتا ہے۔ اور جن باتوں کا رد نہیں کرتا تو وہ گویا غیر محرف کلام الٰہی ہے۔ اس لیے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کی بیوی کا نام "اسنات بنت فوطی فرع کاہن اُون" ہی ہے۔ اور امرأۃ العزیز سے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی وغیرہ ہونے کی باتیں قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح جس عورت سے ہُوا قرآن مجید اور صحیح حدیث میں اس کا کہیں اشارہ بھی موجود نہیں۔ البتہ موجودہ محرف تورات شریف میں اگر یہ بات محرفین کی دستکاریوں سے محفوظ سمجھی جائے تو اس کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ایک کاہن یعنی عبادت گزار فوطی فرع کی بیٹی حضرت اسنات سے ہُوا، جو یقیناً ایک حیادار اور باپردہ خاتون تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نبیؐ کی بیوی بننے کی پوری اہلیت رکھتی تھی۔

نیز یہ کہ زلیخا یا راعیل نامی اس مصری عورت سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہرگز نہیں ہُوا جو قطفیر، اطفیر یا فوطی فار نامی عزیزِ مصر کی بیوی تھی۔ کیونکہ یہ بات کسی پیغمبرِ الٰہی کی شان کے خلاف ہے کہ کوئی بے حیا عورت اس کی بیوی ہو۔ بلکہ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ بے حیا عورتیں بے حیا مردوں کے قابل ہوتی ہیں، جبکہ حیادار اور ستھرے لوگوں کے ساتھ ستھری اور نیک سیرت عورتیں ہی سجتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں **قاعدہ کلیہ** بھی قرآن مجید میں بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (۲۴:۲۶) کہ گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اسی طرح ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق، اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہُوا کرتے ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ستھرے ہوتے ہیں اس لیے ان کے لائق صرف ستھری عورتیں ہی ہُوا کرتی ہیں۔ اس لیے یہ بات ناممکن ہے کہ کسی نبی یا رسول کی بیوی ایسی ہو جو فاحشہ اور حیا باختہ ہو۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی نبی یا رسول کی بیوی مذہبی لحاظ سے کافر تو ہو سکتی ہے، جس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذابِ جہنم کی صورت میں ہوگی، لیکن وہ حیا باختہ اور زانیہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ:

حضرت نوحؑ و لوطؑ کی بیوی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کے خائن ہونے کا ذکر بڑی صراحت کے ساتھ کیا ہے کہ انھوں نے اپنے میکے والوں اور اپنی قوم کو اپنے شوہروں کے خلاف امداد مہیا کی تھی۔ چنانچہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (۶۶: ۱۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کی عبرت کے لیے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پھر ان دونوں نے ان کے ساتھ دغابازی کرتے ہوئے اپنے شوہروں کے خلاف کافروں سے مل رہیں، تو دونوں کے شوہر پیغمبر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے کچھ کام نہ آئے۔ اور ان دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جس طرح باقی کفار جہنم میں داخل ہوتے ہیں، اسی طرح تم دونوں بھی انھی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوجاؤ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان انبیاء کرامؑ کی بیویاں اگرچہ کافر تو ضرور تھیں اور انھیں پیغمبروں کے خلاف کفار کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں عذابِ جہنم کی سزا بھی سنائی گئی ہے، لیکن یہ عورتیں اس جرمِ عظیم میں مبتلا ہونے کے باوجود زنا جیسی خباثت میں کبھی مبتلا نہیں ہوئیں۔ اور نہ ہی قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کے حیاسوز فعل میں کبھی مبتلا ہوئیں۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر درِ منثور میں سورۂ تحریم کی تفسیر کے دوران تحریر فرمایا ہے کہ عن ابن جریج قال كانتا كافرتين مخالفتين ولا ينبغي لامرأة تحت نبي ان تفجر۔ وعن ابن عباسؓ قال ما بغت امرأة نبي قط۔ یعنی حضرت ابن جریجؒ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت

نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تو تھیں اور ان پیغمبروں کی مخالف بھی ضرور تھیں، لیکن کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوئی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی نبی کی کسی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔

نیز سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فخانتا کی تفسیر میں فرمایا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک نے زنا نہیں کیا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ (معاذاللہ) نوح تو مجنون ہے۔ جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کی خبر کفار کو کر دیتی تھی۔

اس کے علاوہ پیغمبروں کی ان بیویوں میں اور کوئی عیب نہیں تھا۔ لیکن امرأۃ العزیز تو ایک فاحشہ اور بدکار عورت تھی، جس کے گناہگار ہونے کا نہایت واضح ثبوت قرآن سے اور احادیث نبوی میں موجود ہے اور تورات میں بھی اس کے گناہگار ہونے کی شہادت موجود ہے۔

اس کے علاوہ جن مفسرین نے یہ خلاف واقعہ داستانیں بیان کی ہیں، وہ بھی درحقیقت ان قصوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ قبل ازیں "تفسیر طبری کی روایت" پر بحث کے آخر میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف محمد بن اسحاق ہی کی ایک روایت اس سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، جس کی حقیقت ہم نے اپنے مقام پر واضح کر دی ہے (ایک مرتبہ اسے پھر پڑھ لیں تو زیادہ بہتر ہے) اور باقی سب روایات غالبا اسی کی نقالی ہیں، جس میں روایت کرنے والوں نے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مفسرین کا بھی بھلا کرے جنہوں نے ان روایات کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سندیں بھی بیان کر دی ہیں، تاکہ اہل علم کو معلوم کرنے میں آسانی ہو کہ اس روایت کی حیثیت کیا ہے، اور اس مزعومہ قصہ کو درست اور قابل استدلال سمجھنا چاہیے یا نہیں۔

خاتمہ

اللہ تعالیٰ کے فرستادہ انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان تو بہت ہی ارفع واعلیٰ ہوتی ہے، اس لیے انبیاء کرامؑ کے بارے میں یہ بات عام تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ معاذاللہ ثم معاذاللہ ان معصوم اور پاک دامن ہستیوں میں سے کسی ایک نبی کی بیوی بھی زندگی کے کسی موڑ پر بھی حیا باختگی و بے حیائی کا مظاہرہ کرچکی ہو، یا آشیانۂ نبوت کی زینت افروز ہونے کے بعد وہ اس قسم کے فعلِ بد میں مُبتلا ہوئی ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی نبی کے کسی ادنیٰ امتی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ فاحشہ اور زانیہ عورت کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلقات استوار کرے۔ کیونکہ کسی زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا تو کسی زانی یا مشرک ہی کو زیب دیتا ہے، کسی اچھے مسلمان کو نہیں۔ جیسا کہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (۲۴:۳) کہ زانی شخص کسی زانیہ یا مشرکہ ہی سے نکاح کرنا پسند کرتا ہے اور زانیہ عورت بھی کسی ایسے شخص ہی سے نکاح کرنا پسند کرے گی جو زانی یا مشرک ہوگا۔ اور مسلمانوں پر ایسے لوگوں سے نکاح کرنا حرام کیا گیا ہے۔

نیز اس سلسلے میں ایک صحابی کا واقعہ بیان کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا جس میں ایک صحابی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک زانیہ و مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اِنکار فرمادیا۔ چنانچہ:

سیدنا مرثد بن کنازؓ کا واقعہ

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سیدنا مرثد بن کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتلایا کہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے۔ آپ قوی الجثہ پہلوان تھے۔ اور مدینہ منورہ سے چھپ چھپا کر مکہ مکرمہ تک آیا جایا کرتے تھے۔ اور ان مسلمان

قیدیوں کو زندان خانوں سے نکال کر مدینہ منورہ لے جایا کرتے تھے جنہیں کفارِ مکہ اسلام قبول کرنے کے باعث قید کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سیدنا مرثدؓ یہی نیک ارادہ لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ اور رات کے وقت چاند کی چاندنی میں ایک مکان کے سائے میں گھات لگائے کھڑے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر مدینہ کو جاؤں۔

ابھی آپ کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے میں "عناق" آدھمکی، وہ ایک مشہور حیا باختہ اور فاحشہ عورت تھی۔ اور اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کا سیدنا مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا میل جول بھی رہا ہے۔

عناق نامی اس عورت نے جب سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو انہیں پہچان کر کہنے لگی: کیا آپ مرثد ہی ہیں؟

سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں، میں مرثد ہی ہوں۔

عناق نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے مَرْحَبًا اَھْلًا وَّسَھْلًا کے الفاظ کہے، اور کہنے لگی کہ آئیں، میرے گھر چلیں، رات کو میرے ساتھ ہی سونا۔

سیدنا مرثدؓ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: نہیں عناق، نہیں، اسلام میں زنا حرام ہے۔

سیدنا مرثدؓ کا انکار کرنا تھا کہ اس فاحشہ نے چلانا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگی: لوگو! آؤ، بھاگو، پکڑو۔ یہ وہ شخص کھڑا ہے جو تمہارے عقوبت خانوں سے مسلمان قیدیوں کو نکال کر لے جاتا ہے۔

عناق کی یہ بات سنتے ہی لوگ اکٹھے ہو گئے اور آٹھ جوانوں نے حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کو پکڑنے کے لیے ان کا تعاقب کیا۔

یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سیدنا مرثد غنوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے قریب خندمہ نامی ایک پہاڑی کے ساتھ ساتھ بھاگنا شروع کر دیا،

یہاں تک کہ میں ایک غار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور میں اُس غار کے اندر داخل ہوگیا۔

آپ نے فرمایا کہ میرا تعاقب کرنے والے آٹھ آدمیوں نے اسی غار کے اُوپر کھڑے ہوکر مجھ پر پیشاب کرنا شروع کر دیا، ان کا پیشاب بھی مجھ پر پڑا۔

سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ نے خاموشی کے ساتھ اس تکلیف کو برداشت کیا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سبھی کو گویا اندھا کر دیا اور وہ مجھے تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ واپس چلے گئے۔

آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں اپنے مسلمان قیدی کے پاس واپس لوٹ آیا پھر بڑی مشکل سے میں نے اسے اُٹھایا، وہ بہت وزنی شخص تھا۔ یہاں تک کہ اذخر نامی مقام پر پہنچ کر میں نے اس کے پاؤں کی بیڑی کھول دی۔ اور پھر ہم دونوں بڑی مشکلوں کے ساتھ مدینہ منورہ تک پہنچ آئے۔

اس کے بعد سیدنا مرثد رضی اللہ عنہ نے دربار نبویؐ میں حاضری دی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

یا رسول اللہ! کیا میں "عناق" سے نکاح کر سکتا ہوں؟

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اور میرے سوال کا کچھ جواب نہ دیا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً... نازل فرمائی، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اے مرثد! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زانی مرد ہی کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرنا پسند کرتا ہے اور زانیہ عورت بھی اپنے جیسا ہی کوئی مرد تلاش کرے گی اور اس کو زانی مرد یا مشرک کے سوا اور کوئی نکاح میں نہ لائے گا۔ اور مومنوں پر تو ایسے تعلقات حرام ہیں۔ اس لیے آپ عناق کے ساتھ نکاح نہ کریں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عام مسلمان کو بھی فاحشہ اور زانیہ عورت سے

نکاح کرنا مناسب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس قسم کی فاحشہ عورتوں سے تعلقات قائم کرنے کو اسی طرح حرام قرار دیا ہے جس طرح:

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے ناحق قتل کو حرام قرار دیا۔ (۱۷: ۳۳)

نیز شرک، والدین سے بدسلوکی اور قتلِ اولاد کو' (۶: ۱۵۱)

اور ظاہر و پوشیدہ فحش کاموں اور کسی سے ناحق زیادتی کو' (۷: ۳۳)

اور ربا یعنی سُود کو' (۲: ۲۷۵)

اور مُردار، دمِ مسفوح، لحمِ خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر مشہور کی ہُوئی چیزوں کے کھانے کو' (۲: ۱۷۳، ۵: ۳، ۱۶: ۱۱۵)

اور ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس، گیلڑ لڑکی، بہو اور ایک ساتھ دو بہنوں سے نکاح کو' (۴: ۲۳)

اور شراب وغیرہ جیسی تمام ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ (۷: ۱۵۷)

یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو ایک فاحشہ اور زانیہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ زنا ایک ایسا قابلِ نفرت کام ہے جس سے فطری طور پر ہر شخص نفرت کرتا ہے، بلکہ خود زانی اور زانیہ بھی اس فعلِ بد کو نہایت قابلِ نفرت کام سمجھتے ہیں۔ اور دُنیا کے کسی معاشرے میں بھی اس کام کو اچھا نہیں سمجھا جاتا؛ یہی وجہ ہے کہ جو بدبخت زنا جیسے فعلِ بد کا ارتکاب کرتا ہے، وہ اسے چُھپ چُھپا کر ہی کرتا ہے اور اسے ہر وقت اس بات کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کسی کو میری اس خباثت کا علم نہ ہوجائے۔

اور جہاں تک شادی بیاہ کا تعلق ہے تو کوئی سلیم الفطرت شخص بھی کسی زانیہ کے ساتھ شادی بیاہ رچانے پر آسانی کے ساتھ آمادہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اسے قابلِ نفرت سمجھتا ہے۔ جبکہ انبیاءِ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ہر قسم کے قابلِ نفرت کاموں سے منزہ اور پاک ہوتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ بے شک شرک بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بہت ہی قابلِ نفرت کام ہے، لیکن زنا کے برعکس مشرکین کے یہاں شرک کو نہایت مستحسن کام سمجھا جاتا ہے۔ جو شخص جس قدر غلو کے ساتھ شرک میں مُبتلا ہوتا ہے وہ خود کو اتنا ہی مقربِ بارگاہِ الٰہی سمجھتا ہے، اور دیگر مشرکین بھی اسی قدر اس کی تحسین اور تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔

مشرکین کا زعم ہے کہ ہم ان بزرگ ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ سمجھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا بہت اُونچا مقام ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے ہیں، انھوں نے اتنی عبادت کی تھی کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے بعض کام ان کے حوالے کردیے ہیں۔

یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں، اور ہم ان بزرگوں کی تعظیم کرتے ہیں تو اس کے بدلے میں، ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

یا یہ کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کرتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ ان کی بات فوراً مان لیتا ہے، جبکہ ہماری کوئی دُعا ان کے وسیلے کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

اور مشرکین کے ذہن میں اس قسم کے شرکیہ عقائد اس قدر راسخ ہوتے ہیں کہ اُن موحدین کو بُرا سمجھتے ہیں اور اپنے عقائدِ باطلہ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور اگر انھیں سمجھایا جائے تو پھر بھی شرکیہ عقائد اور اعمال سے باز نہیں آتے۔

بہرحال مشرک معاشرے میں شرک کو ایک مستحسن اور قابلِ تعریف کام سمجھا جاتا ہے، جبکہ زنا جیسے فحش کام کو کسی معاشرے میں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ دو انبیاءؑ کی بیویاں کفر میں تو مبتلا ہوئیں' جسے اُنھوں نے اچھا سمجھا ہوگا، لیکن زنا جیسے قابلِ نفرت کام میں کسی پیغمبر کی کوئی بیوی کبھی مبتلا نہیں ہوئی۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

اللهم صل على محمد وعلى ال محمد واصحاب محمد وبارك وسلم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت یوسف علیہ السلام

کا نکاح

کس عورت سے ہوا

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اما بعد ایک سوال نامہ آیا جس میں یوسف زلیخا کا باہم نکاح ہونے نہ ہونے کی بات دریافت کیا گیا تھا تو اس کے جواب دینے کے لیے تفاسیر وغیرہ کو دیکھا جس میں دو قول ملے ایک ثبوت کا اور ایک نفی کا۔ آیندہ تحقیق بتائیگی کہ نکاح نہ ہونے کی بات ہی صحیح اور قوی ہے،

عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ نے حاشیہ قرآن پاک ص ۲۹۲ میں لکھا ہے کہ

عزیز مصر کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی زلیخا سے یوسفؑ نے نکاح کر لیا۔ کنواری باکرہ پایا۔ دو صاحبزادے افراہیم و میشا تولد ہوئے۔

معارف القرآن ج ۵ ص ۸۲ میں مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے؛

مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر قطفیر کا انتقال ہو گیا تو شاہ مصر نے حضرت یوسفؑ سے ان کی شادی کر دی:

حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور آٹھواں حصہ ص ۳۱ میں لکھا؛ جب یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ ہوگئے اور وہ وزیر مرگیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن (بی بی زلیخا) سے نکاح کر لیا۔ اور ان سے دو لڑکیاں افرائیم اور منشائیم پیدا ہوئیں

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے فوائد عثمانی ص ۳۱۲ میں لکھا ہے کہ

بعض علماء نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ نیز اسی زمانہ میں والیٔ مصر کا انتقال ہوا تو اس کی عورت زلیخا نے آپ سے شادی کر لی۔ واللہ اعلم۔ محدثین اس پر اعتماد نہیں کرتے ؛

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے رحمۃ للعالمین جلد ۳ صفحہ ۱۰۷ میں لکھا ہے

"ان (یوسف علیہ السلام) کی شادی ملکِ مصر کے شہر اُون کے کاہن کی دختر مسماۃ آسناتھ سے ہوئی تھی۔ ان کے ہر دو فرزند منسی و افرائیم اسی خاتون کے ہیں"۔

بائبل میں (پیدائش باب ۴۱ آیت ۴۵) ہے

"اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہان پناہ رکھا اور اس نے شہر اون کے کاہن فوطی فرع کی بیٹی آسناتھ کو اس سے بیاہ دیا۔ اور یوسف مصر کی زمین پہ پھرا ۔ ۔ ۔ ۔ اور یوسف کے دو بیٹے شہر اون کے کاہن فوطی فرع کی بیٹی آسناتھ کے پیٹ سے کال سے پیشتر پیدا ہوئے۔ اور یوسف نے پہلوٹھے کا نام منسّی رکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور دوسرے کا نام افرائیم رکھا" !

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کونسی بات محقق ہے سو بغوی نے سند سے لکھا کہ یوسف اور زلیخا (امرأۃ العزیز) کا باہم نکاح ہوا تھا۔ ہم نے اس سند کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سند کے اعتبار سے یہ قول صحیح نہیں یہی حال ابن جریر کی سند کا ہے

معالم التنزیل کی سند میں مخلد بن جعفر الباقرحی فارسی دقاق ہے جو ابو نعیم اصبہانی و محمد بن علاف اور ایک جماعت کا استاد ہے۔ احمد بن علی ساوی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ صحیح السماع تھا مگر حدیث میں کسی چیز کو نہ پہچانتا تھا۔ اسی لیے لوگوں نے اس کی حدیث پر

داخل کرکے خراب کر دیا فادخلوا علیہ۔ وافسدوہ۔ العبر للذہبی ج۲ ص۳۵۴) ابو نعیم نے کہا کہ ہمارے بغداد سے نکلنے کے بعد اس پر حدیثیں خلط ملط ہو گئی تھیں۔ خطیب رہ نے ابوالحسن بن فرات سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ مخلد بن جعفر کے اصول تو صحیح تھے پھر اس کے بیٹے نے آخر عمر میں چند چیزوں کے ادعا پر اسے اکسایا جن میں سے ایک "المغازی" ہے جو مروزی سے روایت ہے اور ایک المبتدأ ہے جو ابن علویہ قطان سے روایت ہے۔ اور ایک تاریخ طبری کبیر ہے تو اس کو حرص لگی اس سے قبول کرتے ہوئے یہ کتابیں تحدیث اور بیان کرنا شروع کر دیا اس طرح وہ ذلیل و رسوا ہو گیا اس کو پردہ دری کی کچھ پرواہ نہ ہوتی (دیکھو لسان المیزان ج۲ ص۹)

پھر حسن بن علویہ القطان کا استاذ اسماعیل بن عیسٰے ہے جسے ازدی نے ضعیف کہا اور دوسروں نے اس کی تصحیح کی ہے اور جرح مقدم ہے تعدیل سے؛ اور یہ وہی ہے جس نے ابو حذیفۃ البخاری سے المبتدأ روایت کی ہے (دیکھو لسان المیزان ج۱ ص۴۳۶)

اور یہ ابو حذیفۃ البخاری صاحب کتاب المبتدأ اسحاق بن بشر ہے جس کے متعلق لکھتے ہیں "متروک" اور علی بن المدینی نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی بیان کردہ حدیث کا لکھنا حلال نہیں ہے الا علی جہۃ التعجب۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ کذاب اور متروک ہے (لسان المیزان ج۱ ص۳۵۵)

پھر ابو حذیفۃ البخاری اسحاق بن بشر کا استاذ جُویبر ہے (جُویبر بن سعید الازدی ابو القاسم

نوٹ: معالم التنزیل کے جن نسخوں میں محمد بن جعفر الباقوحی لکھا ہے یہ غلط ہے اصل صحیح لفظ الباقرحی (ب ق ر ح) (حاشیہ العبر ج۲ ص۳۵۴) میں ہے کہ نسبت "باقرح" کی طرف ہے۔ باقرح بغداد کی نواحی میں ایک بستی ہے جیسے اللباب میں لکھا ہے

بعض کہتے ہیں کہ اس کا اصل نام تو جابر تھا اور
البلخی، اس کو شو۔ کو نیو ںامیں ہے۔
ایک ضحاک ہیں جو حضرت عبداللہ بن
جو یبر اس کا لقب ہے۔ اس کے استاذوں میں سے
عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل فرماتے ہیں
عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔
"سفیان عن رجل" اس رجل کا نام ظاہر نہ
کہ وکیع جب جو یبر کی حدیث پر آجاتا تو کہتا
کو یہ ضعیف سمجھتا تھا؛ دوری وغیرہ ابن معین
کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ رجل جو یبر تھا جس
پھر دوری مزید اس پر کہتا ہے کہ ضعیف ما اقرب
سے روایت کرتے ہیں کہ جو یبر لیس بشئ
عبداللہ بن علی بن المدینی نے فرمایا کہ میں نے اپنے
من جابر الجعفی وعبیدۃ الضبی۔
تو انہوں نے اس کو بہت ہی ضعیف کہا
والد صاحب سے جو یبر کے بارے دریافت کیا
اور فرمایا کہ جو یبر ایسا آدمی ہے جو ضحاک کے ذمے ایسی ایسی چیزیں لگا کر
ضعفہ جدا۔
یعقوب بن سفیان نے اس کا ذکر اس باب میں کیا جس
بیان کرتا ہے جو منکر ہوتی ہیں۔
جن کی روایت لینے سے لوگوں نے روگردانی کی ہے۔ آجری
میں ان لوگوں کا ذکر ہے
نسائی، علی بن جنید، دارقطنی
نے ابوداؤد سے روایت کیا ہے کہ جو یبر اپنے ضعف پر ہے۔
اور ایک دوسری جگہ نسائی نے کہا لیس بثقۃ۔ ابن عدی نے کہا کہ
نے اسے متروک بتایا۔
اس کی حدیث اور روایات پر ضعف واضح ہے۔

بو قدامہ سرخسی نے یحیی القطان کی بات بتائی کہ لوگوں نے تفسیر قرآن ایسے لوگوں
سے اخذ کرنے میں تساہل برتا ہے جن پر حدیث میں اعتماد نہیں رکھتے۔ پھر ان کا نام لے
کر بتایا۔ ضحاک۔ جو یبر۔ محمد بن سائب۔ اور کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی احادیث کو
برداشت نہیں کرتے اور ان کی تفسیر لکھ لیتے ہیں (حالانکہ حدیث کی بہ نسبت تفسیر میں
زیادہ احتیاط چاہیے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے من فسر القرآن بالرأی فلیتبوأ مقعدہ

بن انار) مگر مع ہٰذا احمد بن سیار مروزی نے کہا کہ ضحاک کا شاگرد جویبر تفسیر میں حَسَن ہے اور روایت میں نرم ہے (شاید ان کا یہ مطلب ہو کہ قرآن کی وہ تفسیر جس کا تعلق روایت کے ساتھ نہ ہو نفسِ مطلب کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں ان کا قول حَسَن ہے۔ مگر جب روایت بیان کرتے ہیں تو اس میں نرم ہیں۔

ابن حبان نے کہا ہے کہ جویبر ضحاک سے مقلوب اشیاء روایت کرتا ہے۔

نیز ابو احمد نے کہا کہ جویبر ذاہب الحدیث ہے الخ (دیکھو تہذیب التہذیب ۲۲۴)

یہ جویبر کا استاذ ضحاک بن شرحبیل بن عبداللہ بن لوف الغافقی ابو عبداللہ مصری ہے جس کی روایت موافق قول حافظ ابو محمد المنذری کے صحابہ کرام سے مرسل ہے کیونکہ امام بخاری اور ابن یونس نے اس کی روایت جو صحابہ سے مروی ہے ذکر نہیں کی۔ اسی طرح ابو حاتم اور یعقوب بن سفیان نے بھی اس کی اس روایت کا ذکر نہیں کیا جو صحابہ کرام سے روایت کرتا ہو (دیکھو تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۴۵) اور تقریب التہذیب میں ضحاک کے بارے لکھا صدوق یہم ہے تو سچا مگر وہم کا شکار ہوتا تھا پھر

الغرض ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں جو روایت بیان کی ہے اس میں ابن جریر کا اپنا استاذ محمد بن حمید رازی ہے جس کے متعلق امام بخاری نے فرمایا ہے کہ اس کی حدیث میں نظر ہے اور یعقوب بن ابی شیبہ نے فرمایا ہے کہ محمد بن حمید کثیر المناکیر ہے۔ نسائی نے فرمایا کہ یہ ثقہ راوی نہیں ہے۔ جوزجانی نے فرمایا کہ یہ ردی المذہب اور غیر ثقہ ہے۔ صالح بن محمد اسدی نے فرمایا کہ محمد بن حمید جو جو حدیثیں ہمیں بیان کرتا تھا ہم ان میں اسے متہم کہتے تھے۔ یہ حدیثوں میں اضافے کر دیا کرتا تھا اور اس سے بڑھ کر ہم نے ایسا کوئی آدمی نہیں پایا جو خدا تعالیٰ پر اتنی جرأت کرے۔ اس کا یہ حال تھا کہ لوگوں سے

احادیث اخذ کر کے پھر ان میں الٹ پلٹ کر دیا تھا۔ نیز فرمایا کہ سلیمان شاذکونی اور محمد بن حمید یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی ایسا آدمی مجھے نظر نہیں آتا جو جھوٹ بولنے میں حاذق اور ماہر ہو۔ ابو القاسم نے فرمایا کہ میں نے اپنے چچا جان ابو زرعہ سے محمد بن حمید کی بابت سوال کیا تو انہوں نے اپنے منہ کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ میں نے عرض کی کہ کیا وہ جھوٹ بولتا تھا؟ تو آپ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں! پھر میں نے کہا کہ وہ بوڑھا ہو گیا تھا، شاید تدلیس کرتا ہو؟ فرمایا کہ نہیں بیٹے! وہ قصداً جھوٹ بولتا تھا۔ ابو نعیم و ابن عدی نے فرمایا کہ ابو حاتم رازی کے پاس ابن خراش و اہل الرأی مشایخ و حفاظ تھے۔ تو میں نے محمد بن حمید کے متعلق ان کا مذاکرہ سنا۔ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ محمد بن حمید حدیث میں بہت ہی ضعیف ہے اور اَن سنی بات بیان کر دیتا ہے۔ اور بصرہ و کوفہ والوں کی حدیثیں لے کر رازیوں کی طرف نسبت کر کے بیان کرتا ہے۔ میں نے ابن خراش سے یہ کہتے ہوئے بھی سُنا ہے کہ واللہ محمد بن حمید جھوٹ بولتا ہے۔ امام نسائی اور ابن وارہ نے فرمایا کہ محمد بن حمید کذاب ہے۔ اسحاق کوسج نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن حمید کذاب ہے۔ اور بہت لوگوں سے ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ محمد بن حمید حدیثیں گھڑتا تھا۔ اور قرآن پاک کا بھی حافظ نہ تھا۔ فضلک رازی نے کہا کہ میرے پاس محمد بن حمید رازی کی روایت کردہ پچاس ہزار احادیث ہیں مگر میں ان میں سے ایک حرف بھی بیان نہیں کرتا۔ ابن حبان نے کہا یہ مقلوب حدیثیں ثقہ لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کرتا ہے جن کے بیان کرنے میں وہ منفرد ہوتا ہے (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۳۰ و تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۲۷ تا ص ۱۳۱)

پھر محمد بن حمید رازی کا استاذ مسلمۃ بن الفضل الابرش ابو عبداللہ الازرق کا نمبر ہے

موالی الانصار میں قاضی رہتی ہے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ علی بن مدینی نے فرمایا کہ ہم سلمہ کی حدیثوں کو پھینک کر رَی سے نکلے۔ ابوزرعہ نے فرمایا کہ کئی وجوہات کی بنا پر اہل رَی سلمہ سے بے رغبت تھے جن میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ اس کی رائے بد تھی۔ اور اس میں وہ ظالم تھا اور زبان کے اشارے سے وہ یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے۔ نسائی نے اسے ضعیف کہا۔ دوسری نے کہا کہ اس میں تشیع تھا۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ عموماً غلطی کا شکار ہوتا رہتا تھا اور دوسروں کے خلاف روایتیں بیان کرتا تھا۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ امام اسحاق اس کو متکلم فیہ کہتے تھے۔ حاکم نے کہا سلمہ محدثین کے ہاں قوی نہیں۔ ابن راہویہ نے اس کو ضعیف کہا۔ ابوحاتم نے کہا اس کا قول دلیل میں پیش نہ کیا جائے۔ دیکھو میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۲ وتہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۵۳ تا ۱۵۴)

پھر سلمہ کا استاذ محمد بن اسحاق صاحب المغازی ہے جس کے متعلق امام زہری نے تو کہا ہو کہ محمد بن اسحاق فن مغازی میں اعلم الناس ہیں مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق دجّال من الدجاجلہ ہے ہشام بن عروۃ بن الزبیر بھی اس کے بارے کلام کرتے تھے حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ محمد بن اسحٰق مدلس بھی ہے۔ اس لیے جب کسی روایت میں محمد بن اسحٰق منفرد ہو تو میں اس کی روایت قبول نہیں کروں گا۔ واللہ! میں نے اس کو دیکھا ہے کہ اس کی عادت ہے کہ جب ایک ہی حدیث ایک جماعت سے بیان کرتا ہے تو ایک راوی کا کلام دوسرے راوی سے ممتاز نہیں کرتا۔ ابوعبداللہ نے کہا کہ محمد بن اسحاق بغداد میں آکر کچھ بے پرواہ ہو گیا ہے۔ کلبی وغیرہ کذاب راویوں سے بھی روایت لے لیتا ہے۔ اور محمد بن اسحاق حجت نہیں۔ عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرے والد رحمہ محمد بن اسحاق کو سُنن میں حجت نہ مانتے تھے۔ دوری

نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین کی رائے ہے کہ محمد بن اسحاق ثقہ تو ہے مگر حجت نہیں ہو ا، حجت تو امام مالکؒ ہیں۔ ابن معین بعض اوقات محمد اسحاق کو ضعیف، لیس بہ کی اور لیس بالقوی بھی کہہ دیتے تھے۔ ابن عدی نے کہا کہ محمد بن اسحاق بہت دفعہ خطا اور وہم کا شکار ہو جاتا تھا۔ علی بن مدینی نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق اہل کتاب سے بھی روایت اخذ کر کے بیان کر دیتا تھا۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ بعض محدثین نے اس کے حافظ کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے۔ امام نوذی نے فرمایا کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں سے ایک محمد بن اسحاق بھی ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی روایت درجۂ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال وحرام میں اس سے احتجاج درست نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ منفرد ہو اور جب کہ کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو محمد بن اسحٰق کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن قیم نے فرمایا کہ امام احمد نے محمد بن اسحاق کی روایت کو منکر کہا ہے۔ قاضی شوکانی نے کہا کہ ابن اسحٰق کی روایت حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ عنعنہ سے روایت کرتا ہو۔ امام ابن الجوزی نے لکھا کہ محمد بن اسحاق مجروح ہے اس کا جھوٹا ہونا امام مالکؒ، سلیمان تیمیؒ، وہیب بن خالدؒ، ہشام بن عروہؒ، یحییٰ بن سعید القطان نے گواہی دی ہے۔ ابن مدینی نے کہا کہ اس کا کام یہ ہے کہ باطل حدیثیں مجہول راویوں سے بیان کرتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر ص۱۳ طبع ۲ تفسیر جامع البیان میں فرمایا ہے وما افراط محمد بن اسحاق والواقدی والکلبی وما ذکروا تحت کل آیۃ من قصۃ فاکثرہ غیر صحیح عند المحدثین وفی اسنادہ نظر یعنی محمد بن اسحٰق و واقدی وکلبی کا افراط اور ان کا ہر آیت کے تحت قصہ کا بیان کرنا سو محدثین کے نزدیک اس کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے اور اس کی سندوں میں نظر ہے۔

یاد رہے کہ یہ محمد بن اسحاق اس روایت کا راوی ہے جس کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے اور جس کا یہ مضمون ہے کہ چارپائی کے نیچے قرآن پاک کا کچھ حصہ رکھا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کے موقع پر ان کے گھر کی پالتو بکری آئی تو اس میں سے کچھ کھا گئی۔ اس خوردہ میں سے ایک رضاعت کی آیت تھی اور ایک دوسری

اور یہی راوی ہے اس حدیث کا جو تفسیر ابن جریر میں معراج کے بارے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی نہیں ہوا اور اسی حدیث کو مرزائی بیان کرتے پھرتے ہیں حالانکہ علماء کرام نے اس کو موضوع اور باطل بتایا ہے۔ اس کی تفصیل میرے رسالہ معراج النبی میں دیکھیں

مؤلف رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم قاضی سلیمان منصورپوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر سورۂ یوسف مسمی بہ الجمال والکمال ص۱۵۹ و ص۱۶۰ میں لکھا ہے

امرأۃ العزیز کے جوان بن جانے یا نکاحِ یوسفؑ میں آنے کی داستان صحیح نہیں ہے

قرآن پاک میں اب اس عورت کا کوئی ذکر نہ آئے گا۔ لوگوں نے بنا لیا ہے کہ پھر یہ عورت ازسرِنو جوان بنا دی گئی تھی۔ پھر یوسف صدیقؑ کے نکاح میں آگئی تھی۔ مگر اس امر کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت اسلامی یا اسرائیلی موجود نہیں

فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہی امرأۃ العزیز حضرت یوسف علیہ السلام کے دونوں فرزندوں منشی و افرائیم کی والدہ ہے۔ لیکن تورات سے اس قیاس کی تردید ہوتی ہے۔

کتاب بائبل میں فرزندانِ یوسف کی والدہ کا نام

کتاب پیدائش ۴۱ باب ۵۰ تا ۵۲ درس میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر اون کے کاہن مسمّی فوطی فرع کی دختر مسماۃ آسناتھ سے نکاح کیا تھا۔ اور مذکورہ بالا دو پسر اسی کے بطن سے ہیں۔

ہمارے علماء بزرگ کو غالباً اس لیے مغالطہ ہوا کہ العزیز کا نام فوطی فار تھا اور اس کاہن کا نام فوطی فرع تھا۔ یہ دونوں نام بہت زیادہ مشتبہ الصوت ہیں۔

فوطی فار اور فوطی فرع کی شخصیتوں کا فرق

لیکن جب مؤرخ غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی شخصیت میں بہت بڑا فرق ہے۔ فوطی فرع کاہن تھا یعنی امام مذہب۔ اس کی دختر کنواری تھی۔ اس کا نام آسناتھ تھا۔ فوطی فار، فرعون کے جلوداروں کا سردار تھا۔ اس کی عورت بیوہ یا مطلقہ ہو سکتی ہے۔ اس کا نام لوگوں نے زلیخا یا راعیل بتایا ہے۔ پھر یہ دونوں عورتیں ایک کیوں کر سمجھی جا سکتی ہیں؟

الطیبات للطیبین کا اصول

استدلال بالا کے بعد جو تاریخی ہے اور بائبل کی تصدیق سے مضبوط ہے۔ ہم یہ بھی لکھ دینا چاہتے ہیں کہ الطیبات للطیبین اور الخبیثات للخبیثین کا اصول ایسا زبردست ہے جو ناممکن ٹھہراتا ہے کہ کسی نبی یا رسول کے پہلو میں ایسی عورت پائی جائے جو بے حیا یا خائنہ ہو۔

امرأۃ لوط علیہ السلام وامرأۃ نوح علیہ السلام

امرأۃ لوط و امرأۃ نوح علیہما السلام بھی ہم کو یاد ہیں۔ دونوں کی خیانت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو اور اپنی قوم کو اپنے اپنے شوہر کے خلاف مدد دی تھی۔ لیکن ان دونوں عورتوں کی عصمت کے خلاف تو کسی روایت میں ایک حرف بھی موجود نہیں۔

خاندانِ نبوۃ میں گناہ پر عذاب الٰہی کی سرعت

ہاں امرأۃ لوطؑ اور امرأۃ نوحؑ کے حالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سے جب ایک جرم صادر ہوا تب حق تعالیٰ نے اسی وقت ان کو پکڑا۔ اور دنیا ہی میں اور ان کے شوہروں کی آنکھوں کے سامنے ان پر عذاب بھیجا۔ اور ذرا بھی مہلت نہ دی۔ کیونکہ نبیؑ کی خیانت ایسی ہی تعجیل عذاب کی مستوجب ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں تو تمام صورت معاملہ ہی بگڑ جاتی ہے۔

امرأۃ العزیز کی صورت اس کے افعال میں

یہ ایک عورت ہے جو منکوحہ ہے پھر بھی کسی دوسرے جوان کو چاہتی ہے۔ اور جب اپنی تمام تدبیروں میں ناکام رہ جاتی ہے تب پاک معصوم نبیؑ کو زندان خانہ میں بھیج دیتی ہے۔ اور پھر سالہا سال تک کبھی بھی ان کی مصیبت کو یاد نہیں کرتی۔ کیا ایسی عورت نبیؑ کے پہلو میں بیٹھنے کی اہل ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں!

الجمال والکمال ص۱۱۱ میں امرأۃ العزیز کے بارے قاضی صاحب نے تحریر فرمایا ہے

"اس واقعہ کو پورے غور و تدبر سے پڑھنا چاہیے۔ عورت کا بیان تو وہ شوقِ وصال کو خود دروازے بند کیے۔ خود اپنی زبان سے درخواست کی۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام بھاگ چلے تو خود حویلی کے آخری دروازہ تک تعاقب کیا۔ اور جہاں یہ پلٹی کہ شوہر کو دیکھا تو خود مستغیثہ بن گئی اور خود ہی شوہر کو زندان یا تازیانہ کی سزا بھی سوجھا دی......... عشق شہوانی مبدل بہ انتقام شیطانی ہو گیا۔ اور شوہر کو تعذیب کی صورتیں بھی سجھانے لگی۔

پھر لیسجنن کے تحت ص۱۱۹ میں لکھا۔

یہ جنون کے لفظ کو غور کرو یہ عورت محبت صدق سے مدارج سے کہیں دور
دور تھی۔ وہ تو ایک عورت ہے جو گندے خیال میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے دل میں
یوسفؑ جیسے معصوم کی کوئی قدر و منزلت نہیں اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ یا تو یوسفؑ
اس کی بات کو مانے، یا وہ جیل میں جائے۔"

پھر ص۱۳۶ میں ارقام فرمایا ثم بدا لہم کے تحت

"لہم میں عورت کا خاوند اور وہ ہیئت دار جسے بلفظ ش ھد بیان کیا گیا ہے اور
خود عورت داخل ہیں۔ ضمیر مذکر بوجہ تغلیب لائی گئی ہے"

پھر ص۱۶۲ میں رقمطراز ہیں

المختصر، یہ یاد رکھیے کہ ایسی کوئی روایت صحیحہ موجود نہیں کہ امراۃ العزیز کا
نکاح یوسفؑ صدیق سے ہوا تھا

نیلوی کہتا ہے کہ پیغمبر کی تو بہت اونچی شان ہے۔ پیغمبر کے امتی کو بھی اجازت
نہیں کہ ایسی عورت سے نکاح کرے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثد
بن کنان بن حصین الغنوی رضی کو ایک مشہور حیا باختہ عورت مسماۃ عناق سے نکاح کرنے
کی اجازت نہ دی تھی۔ چنانچہ صاحب الجلال والکمال نے ص۱۱۱ میں لکھا ہے کہ

"حضرت مرثد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت مدینہ طیبہ کی تھی۔ یہ قوی پہلوان
تھے۔ مدینہ سے مکہ چھپ کر آیا کرتے تھے۔ اور مسلمان قیدیوں کو جن کو کفار مکہ اسلام لانے کے
جرم میں قید کر دیا کرتے تھے' زندان سے نکال کر لے جایا کرتے تھے۔ یہ ایک بار اسی ارادہ
سے مکہ میں پہنچے۔ ایک گھر کے دیوار کے سایہ میں رات کو چھپ کر کھڑے ہوئے تھے کہ اتنے میں
عناق آ گئی۔ یہ ایک مشہور حیا باختہ عورت تھی اور مرثد کا اس سے میل جول بھی قبل از اسلام
رہا تھا۔ عناق نے ان کو دیکھا اور پہچان لیا۔ بولی مرثد! انہوں نے کہا ہاں مرثد۔

...ں مرحبا اہلاً و سہلاً۔ چلو۔ میرے گھر چلو۔ رات کو میرے ساتھ ہی سونا۔ مرثد نے کہا ...ہی عناق! نہیں۔ اسلام میں زنا حرام ہے۔ یہ سن کر عناق نے چلانا شروع کیا۔ ...و! آؤ آؤ۔ دوڑو دوڑو۔ وہ شخص کھڑا ہے جو مسلمانوں کو تمہارے جیل سے نکال لے ...یا کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی آٹھ شخصوں نے مرثد کا تعاقب کیا۔ انہوں نے مشکل سے ایک ...باڑ تک پہنچ کر اپنی جان بچائی۔

مرثد کا قول ہے کہ مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ عناق سے نکاح کر لوں؟ تو حضورؐ نے مجھے اجازت نہ دی۔ بلکہ میرے ہی سوال پر اس آیت کا نزول ہوا الزانی لاینکح الا زانیة او مشرکة[1] آیہ

نیلوی کہتا ہے کہ حق سمجھنے کے لیے معیار کثرتِ اقوال رجال نہیں ہے بلکہ قوت ...ِ دلیل معیار ہے اب مولانا تھانویؒ، عاشق الٰہی میرٹھی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہم اللہ کی بات کی طرف اس لیے نہ دیکھنا چاہیے کہ وہ ہمارے اکابر ہیں علم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کیونکہ یہ ہستیاں اکابر اعلم ضرور ہیں مگر معصوم نہیں ہیں

ہم نے جب دیکھا کہ ان اکابر کے خلاف انہی اکابر میں سے جب ایک عالم فاضل نے لکھا کہ بعض علماء نے جو لکھا ہے محدثین اس پر اعتماد نہیں کرتے اس لیے ہمیں اس میں تردد پیدا ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ محدثین اعتماد نہیں کرتے تب ہم نے ان حدیثوں کی سند تلاش کی۔ سند کی نشان دہی ہو گئی۔ پھر اسماء الرجال کی کتب کے ذریعے راویوں کے حالات معلوم کیے۔ تب معلوم ہوا کہ واقعی محدثین حق بجانب ہیں جو ان روایات پر اعتماد نہیں کرتے۔ اور جو بات زبان زدِ عوام ہے وہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس قابل

---

[1] روایت ترمذی و نسائی و ابو داؤد میں بالفاظ متقارب موجود ہے

ہے کہ اس کو عقیدہ بنالیا جائے۔ کیونکہ عقیدہ کے ثبوت کے لیے قطعی اور یقینی دلیل کی ضرورت ہے۔ عقیدہ اس قسم کی کمزور واقعات سے ثابت نہیں کیا جاسکتا جن سے قرآن مجید کا سیاق وسیاق اور انداز بیان ہی خلاف جاتا ہو۔ جیسے آپ نے اس تحقیق سے سمجھ لیا۔ یعنی

ایسی حیا باختہ عورت جس کا ذکر حضرت حق تعالیٰ وجل شانہ نے جس انداز سے بیان فرمایا ہے کسی پیغمبر خدا کی شان سے بعید ہے کہ اس کے عقد نکاح میں آکر اس کے گھر کی زینت بنے

سبحٰنک اللہم وبحمدک لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

اللہم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ واہل بیتہ وذریاتہ وعترتہ ومحبیہ وناصریہ ومشیدی دینہ واولیائہ واوقاتہ اجمعین

وانا العبد الضعیف
محمد حسین خادم الجامعۃ العربیہ
ضیاء العلوم سرگودھا
۳ رجب سنۃ ۱۴۰۶ ہجری

اَلتَّبْيِيْنُ فِىْ اَنَّ اِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ فِى الدِّيْنِ

از قلم

شیخ المحدثؒ والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اَلتَّبْيِيْنُ فِيْ اَنَّ اِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ فِي الدِّيْنِ

سوال ایک آدمی نے دوسرے کو کہا کیا بات ہے کہ آپ نے داڑھی بڑھالی ہے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ داڑھی حضور ﷺ کی سنت ہے اس لیے ارادہ پوری کرنے کا ہے۔ پہلے نے کہا آپ داڑھی بڑھا رہے ہیں گھاٹے میں رہو گے، اس لیے داڑھی منڈوا دو۔ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا ایسا کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے؟

جواب یہ جو کہا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے یہ ناواقفیت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب اور فرض عملی ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ:

حدیث ۱ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: احفوا الشوارب واعفوا اللحی (نسائی صفحہ ۷ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۳۸) کہ مونچھیں کتراؤ اور داڑھیوں کو بڑھنے کے لیے چھوڑ دو۔

حدیث ۲ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: انه علیه الصلوٰة والسلام امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیة (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۹) کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے مونچھیں کترانے اور داڑھی کو بڑھنے کے لیے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔

حدیث ۳ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وفروا اللحی و احفوا الشوارب (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۷۵ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۵۲) یعنی داڑھیاں بڑھاؤ اور خوب اچھی طرح مونچھیں کتراؤ۔

حدیث ۴ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وفروا عثانینکم (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۳۶) یعنی اپنی داڑھیاں بڑھاؤ۔

حدیث ۵ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اوفوا اللحی و قصوا الشوارب (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۵۶) یعنی اپنی

ڈاڑھیاں پوری رکھو اور مونچھیں کتراؤ۔

٦ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: عشرۃ من الفطرۃ: قص الشوارب و اعفاء اللحیۃ..... کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت کی ہیں جن میں سے ایک ہے مونچھیں کترانا اور دوسرا ڈاڑھی بڑھنے کے لیے چھوڑ دینا۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ و ابن ماجہ صفحہ ۲۵ و مشکوٰۃ صفحہ ۴۴ و کنز العمال جلد ٦ صفحہ ٦٥۴)

٧ شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص اپنے دادا جان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احفوا الشوارب و اعفوا اللحیٰ (کنز العمال جلد ٦ صفحہ ٦۴٩) مونچھیں کتراؤ اور ڈاڑھی بڑھنے کے لیے چھوڑ دو۔

٨ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من الفطرۃ..... قص الشارب..... (کنز العمال جلد ٦ صفحہ ٦٥۴)

٩ حضرت حکیم بن عمیر رضی اللہ عنہ سے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جزوا الشوارب و اعفوا اللحیٰ خالفوا المجوس (کنز العمال جلد ٦ صفحہ ٦۴٩) یعنی مونچھیں قینچی سے کترواؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھنے کے لیے چھوڑ دو اور مجوس کے خلاف کرو۔

١٠ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احفوا الشوارب و اعفوا اللحیٰ و لا تشبھوا بالیھود (کنز العمال جلد ٦ صفحہ ٦۴٩) مونچھیں خوب اچھی طرح کترواؤ اور ڈاڑھی بڑھنے کے لیے چھوڑ دو اور یہود کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔

١١ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعفوا اللحیٰ و جزوا الشوارب و غیروا شیبکم و لا تشبھوا بالیھود و النصاریٰ (کنز العمال جلد ٦ صفحہ ٦٥٣) کہ ڈاڑھیاں چھوڑ دو اور مونچھیں کترواؤ اور سفید بالوں کو (سیاہ رنگ کے سوا) کسی رنگ سے بدل دو۔ اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبہ نہ کرو۔

۱۲ مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جاء رجل من المجوس الی رسول اللہ ﷺ و حلق لحیتہ و اطال شاربہ. فقال لہ النبی ﷺ ما هذا؟ قال هذا فی دیننا. قال فی دیننا ان نجز الشارب وان نعفی اللحیۃ. کہ ایک آدمی حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا جس نے ڈاڑھی مونڈ رکھی تھی اور مونچھیں دراز کی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ یہ کیا حلیہ ہے اس نے کہا کہ یہ حلیہ ہمارے دین مذہب میں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے دین میں تو یہ ہے کہ مونچھیں قینچی سے کترائیں اور ڈاڑھی بڑھنے کے لیے چھوڑ دیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۳۷۹)

۱۳ حضرت حسن بصریؒ نے مرسلاً بیان کیا ہے: قص اللحیۃ عمل قوم لوط (جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۵۹ بحوالہ ابن عساکر) یعنی ڈاڑھی کترانا قوم لوط کا معمول تھا۔

۱۴ حضرت عبداللہ بن عبداللہؓ سے مرسلاً مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امرنی ربی ان احفی شاربی و اعفی لحیتی۔ (کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۶۵۷) کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اپنی مونچھیں کم کروں اور اپنی ڈاڑھی بڑھنے کے لیے چھوڑ دوں۔

○ ان احادیث صحیحہ متواترہ سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے تاکیداً ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ جبکہ:

قاعدہ ہے: "اَلْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ" یعنی شرعی حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی:

قاعدہ ہے کہ شرعی حکم اگر قرآن مجید سے ثابت ہو تو وہ فرض ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہے۔ اور اگر بسند صحیح حدیث سے ثابت ہو تو اسے واجب کہا جاتا ہے۔ اور اس کے منکر کو فاسق کہتے ہیں۔

◙ علامہ عینیؒ نے بنایہ شرح ہدایہ جلد ۲ جنہ ۲ صفحہ ۱۳۲۵ میں لکھا ہے کہ مونچھیں کتراؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔ کیونکہ مجوس ڈاڑھیاں منڈاتے تھے اور مونچھیں چھوڑ دیتے تھے اور ان میں سے کچھ نہیں لیتے تھے۔

- تفسیر قرطبی میں ہے کہ بعض عجمی ڈاڑھی کترواتے ہیں اور مونچھیں بڑھاتے ہیں اور بعض ڈاڑھیاں بھی بڑھاتے ہیں اور مونچھیں بھی۔ اور یہ کام جمال اور نظافت کے بالکل خلاف ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے شیطان کے قدیمی منصوبہ سے مطلع کیا ہے۔ جس میں سے ایک یہ ہے : وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (۴ : ۱۱۹) یعنی میں انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کریں گے۔ اور ڈاڑھی منڈوا کر یا کتروا کر قبضہ سے کم کر دینا اور مونچھیں بڑھانا تغییر خلق اللہ میں داخل ہے۔ اور جو شخص ان کاموں کا مرتکب ہوتا ہے وہ شیطان کے قدیم سے طے کردہ منصوبہ کو مکمل کر کے شیطان کو خوش کرتا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کو ڈاڑھی منڈوانے کی تلقین کرنا شیطانی منصوبہ کی تکمیل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جو حرام ہے۔
- علماء نے تغییر خلق اللہ کی دو بڑی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ① خلق تشریعی میں تغییر۔ ② خلق تکوینی میں تغییر۔
- خلق تکوینی میں بعض تغییریں حکم شرع کے موافق ہیں۔ مثلاً: ختنہ کرنا۔ ناخن کتروانا۔ زیر ناف بال مونڈنا۔ مونچھیں چھوٹی کرانا۔ بڑھی ہوئی داڑھی کو شرعی مقدار تک کتروانا۔ چہرہ کے ماسوا حیوان کے کسی عضو کو داغنا۔ بُدنہ اور ہدی کا اشعار کرنا۔ سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو مہندی لگانا۔ عورت کا ہاتھ پاؤں کو مہندی لگانا۔ زیور لٹکانے کے لیے ناک اور کانوں میں سوراخ کرنا۔
- خلق تکوینی میں حکم شرع کے مخالف تغییر کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً: کسی جانور کی آنکھ پھوڑ دینا۔ یا کسی انسان کا ڈاڑھی منڈانا اور کتروانا قبضہ سے کم۔ مونچھیں بڑھانا۔ خصیے نکال کر زنخا ہیجڑا بن جانا۔ مرد کا عورت کی صورت بنانا خصوصاً جاہلیت جدیدہ کی ترقیوں نے یہ بات فیشن میں داخل کر لی ہے کہ مرد کا چہرے کے بال بالکل صاف کر کے طرح طرح کی نزاکتیں اختیار کرنا۔ عورتوں کا سر کے بال کٹا کر اور مردانہ وضع اور لباس اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک مرد بن جانا۔ ایسے اپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے۔ بدن کو گودنا اور تل جمانا یا نیلا داغ

دینا۔ خال گلوانا۔ کسی جانور اور آدمی کو مثلہ کرنا۔ کسی مرد کو خصی کرنا۔ ضبط ولادت۔ مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنانا۔ عورتوں کو ان خدمات سے منحرف کرنا جو فطرت نے ان کے سپرد کی ہیں' اور انھیں تمدن کے ان شعبوں میں گھسیٹنا جن کے لیے مرد پیدا کیا گیا ہے۔ عورتوں کا منھ کے بال نوچنا۔ حسین بننے کے لیے دانتوں کو باریک کرنا۔ کسی جانور کے کان کاٹ دینا۔ انگریزی وضع کے بال رکھنا۔ مرد کا سر پر جوڑا باندھنا۔ عورتوں کا سا لباس پہننا۔ مرد کا زیور پہننا۔ عورتوں کا دوسروں کے بال لگانا۔ بالوں میں بال جوڑ کر بڑی بڑی چٹیں بنانا۔ عورتوں کی طرح بات چیت کرنا اور عورتوں کی سی حرکات کرنا۔ فطرت سلیمہ کو بدلنا۔ عورت کا عورت سے بدفعلی کرنا۔ مرد کا مرد کو عورت کی جگہ استعمال کرنا۔ سیاہ خضاب لگانا۔ جینے کی امید سے کان یا ناک چھیدنا۔ قوم لوط کا بدعمل۔ سر پر منت کی چوٹی رکھنا۔ لڑکے کے سر میں غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا۔ رہبانیت۔ مردوں کو خوجہ بنانے کی رسم جو پہلے رومیوں نے شروع کی تھی پھر تمام دنیا میں پھیل گئی۔

- اسی طرح خلق تشریعی میں تغییر کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً: پتھروں' چاند' سورج وغیرہ مخلوق کی پوجا کرنا۔ اور دین اور احکام دین میں تحریف کرنا۔ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا۔ اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا۔ تغییر خلق اللہ کی فہرست میں ڈاڑھی منڈوانا یا کترا کر قبضہ سے کم کر دینا۔ اور مونچھیں بڑھانا داخل ہے۔
- فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ اپنے وقت میں ڈاڑھی جمال اور زینت ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ہاں فرشتے ہیں جن کی تسبیح یہ ہے: سبحان من زین الرجال باللحیٰ و النساء بالقرون و الذوائب کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی کے ساتھ اور عورتوں کو گیسوؤں کے ساتھ زینت بخشی ہے۔
- ہدایہ اخیرین کتاب الجنایات فصل فی ما دون النفس صفحہ ۵۷۱ میں ہے کہ: ڈاڑھی منڈوانا جمال کو فوت کرنا ہے۔ نیز صفحہ ۵۷۳ میں ہے کہ: ڈاڑھی منڈوانا مثلہ ہے۔
- اس کے علاوہ ڈاڑھی منڈانے میں اور بھی متعدد خرابیاں ہیں۔ مثلاً:

ڈاڑھی منڈانے کی خرابیاں

خرابی ۱ ڈاڑھی منڈانے میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

خرابی ۲ ڈاڑھی منڈانے میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کے مذہب میں ڈاڑھی منڈانا فرض ہے۔ جیسا کہ مولانا عبید اللہ نومسلم نے اپنی کتاب "تحفۃ الہند" میں ہندوؤں کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

خرابی ۳ ڈاڑھی منڈانے میں قوم نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔

خرابی ۴ ڈاڑھی منڈانے میں قوم لوط کے غنڈوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت اسی قوم سے شروع ہوئی اور اس سے پہلے مسلم اور غیر مسلم سب کے سب لوگ ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔

خرابی ۵ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نبینا محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاءؑ و رسلؑ کی ڈاڑھیاں تھیں۔ ڈاڑھی منڈانے میں ان تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی عملی طور پر مخالفت ہے۔

خرابی ۶ تمام اولیاء اللہؒ کی ڈاڑھیاں تھیں اور ڈاڑھی منڈانے میں تمام اولیاء اللہؒ کی عملاً مخالفت ہے۔

خرابی ۷ تمام صالحینؒ و شہداءؒ کی ڈاڑھیاں تھیں اور ڈاڑھی منڈانے میں ان تمام شہداءؒ و صالحینؒ کی عملاً مخالفت ہے۔

○ حضرت نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰی یعنی مونچھیں چھوٹی کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔ اب جب ڈاڑھی منڈائی تو حضرت رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اور نافرمانی ہوئی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی اللہ تعالیٰ کی مانو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی مانو۔ اور فرمایا وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کی خاطر جہنم کی آگ تیار ہے۔

نقصان ۸ ڈاڑھی منڈانے والے ڈاڑھی کے بالوں کو عموماً یونہی پھینک دیتے ہیں حالانکہ انسان سے جدا شدہ اعضاء، بال، ناخن وغیرہ کو دفن کرنے کا حکم ہے۔ تو اس طرح اس حکم کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ

○ ان بالوں کی جو سُنّتِ نبوی تھے۔ اب توہین ہونے لگی کہ پاؤں کے نیچے آرہے ہیں اور اڑ کر گندی جگہوں میں گر رہے ہیں۔

نقصان ۹ ڈاڑھی منڈانے والا حضرت نبی کریمؐ کی بتائی گئی سنتوں سے محروم رہتا ہے۔ مثلاً وضو کرتے وقت ڈاڑھی کا خلال کرنا سُنّت ہے۔ ڈاڑھی منڈانے والا اس سُنّت سے محروم رہا۔

نقصان ۱۰ ڈاڑھی میں کنگھی کرنا سُنّت ہے، ڈاڑھی منڈانے والا اس سُنّت سے بھی محروم رہا۔

نقصان ۱۱ ڈاڑھی سفید ہو تو اس کو مہندی لگانا مستحب ہے۔ ڈاڑھی منڈانے والا اس مستحب سے بھی محروم رہا۔

نقصان ۱۲ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق ہے جو ڈاڑھی منڈا کر لوگوں کو اپنے فسق پر گواہ بناتا ہے کہ لوگو! قیامت کے دن گواہ رہنا کہ میں فاسق ہوں۔

نقصان ۱۳ ڈاڑھی منڈا کر اپنے فاسق ہونے کا اظہار کرنا جبکہ گناہ اور فسق کا اظہار کرنا بھی گناہ ہے۔

نقصان ۱۴ اگر کسی نائی کو کہے کہ میری ڈاڑھی مونڈ۔ تو اس کو بھی گویا فسق کے کام کا حکم دیا، تو یہ الگ گناہ ہوا۔

نقصان ۱۵ اور اس حرام کام کے لیے نائی کو اُجرت دی اور حرام کام پر اس کا تعاون کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ. یعنی ایک دوسرے کا تعاون نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تو ضرور کرو مگر گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

نقصان ۱۶ اس کو حرام مال کھانے کے لیے دیا کہ حرام کما اور حرام کھا۔

خرابی ۱۷ تبذیر کی۔ یعنی اپنا دہ پیسہ فضول خرچی میں لگا کر شیطان کا بھائی بن گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔ یعنی فضول خرچی مت کرو۔ کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ اور ڈاڑھی منڈانے والے نے بھی اپنے رب کی دی ہوئی نعمت مال کی قدر نہ کرتے ہوئے حرام کام میں ضائع کر دیا تو شیطان کا بھائی بنا۔

خرابی ۱۸ ڈاڑھی منڈانے والے نے جیسے اپنا مال ضائع کیا ایسے ہی اس نے ڈاڑھی منڈانے پہ جتنا وقت لگایا اتنا وقت بجائے اس کے کہ اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کا ذکر کر لیتا۔ قرآن مجید کی تلاوت کر لیتا یا کوئی اور نیک کام کر لیتا۔ اتنا وقت اس نے ایک حرام کام میں ضائع کر دیا۔ اور اس طرح:

خرابی ۱۹ نیکی کے کام کرنے سے اتنے وقت میں محروم رہا۔

خرابی ۲۰ جس طرح اپنا وقت ضائع کیا اسی طرح نائی کا وقت بھی حرام کام میں ضائع کر دیا۔

خرابی ۲۱ اور نیکی کے کام سے نائی کو بھی روک دیا۔

خرابی ۲۲ ڈاڑھی منڈا کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زینت کو قباحت میں تبدیل کر دیا اور فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ کے تحت اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ یہ گناہ الگ اپنے سر چڑھایا۔

خرابی ۲۳ شیطان کو خوش کیا۔ جو ایک گناہ کا کام ہے۔ یہ گناہ بھی اس نے اپنے سر لیا۔

خرابی ۲۴ ڈاڑھی منڈا کر شیشہ دیکھتا ہے اور قبح شرعی کو اپنے زعم میں حسین سمجھتا ہے۔ یہ بھی گناہ ہوا۔

خرابی ۲۵ ڈاڑھی منڈانے والے عموماً ڈاڑھی والوں کو برا سمجھتے ہیں۔ یہ الگ گناہ ہے۔

خرابی ۲۶ ڈاڑھی والوں کے بارے میں کہاتیاں اور کہاوتیں بناتے ہیں۔ یہ الگ گناہ ہے۔

خرابی ۲۷ بکرے اور چھیلے اور سکھوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور مختلف پیرایوں میں اشارے کرتے ہیں۔ یہ بھی گناہ ہے۔ کیونکہ:

خرابی ۲۸ اس طرح سنت رسول کا استہزاء لازم آتا ہے۔ اس کے ساتھ:

خرابی ۱۹ تمام پیغمبروں، اولیاء، صوفیاء اور نیک لوگوں کی توہین، اور استہزاء لازم آتا ہے۔

خرابی ۲۰ داڑھی منڈانے والے زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم داڑھی والوں کی طرح داڑھی کی آڑ میں شکار نہیں کرتے۔

خرابی ۲۱ غیر قومیں داڑھی منڈانے والوں سے خوش ہوتی ہیں۔ اور داڑھی والوں پر پھبتیاں اڑاتی ہیں۔ اس کا ذمہ دار بھی داڑھی منڈانے والا ہی ہوا۔

خرابی ۲۲ داڑھی منڈانے سے شرم و حیا نہیں رہتا اور داڑھی منڈانے والا ہر گناہ بغیر جھجک کے کر گزرتا ہے۔ اور داڑھی والا کچھ تو اپنی داڑھی کی لاج رکھے گا۔ اور اگر کوئی غلط کام اس سے ہو جائے تو طعنہ دینے والے اس کو طعنہ دیں گے اور وہ شرمندہ ہوگا۔

خرابی ۲۳ داڑھی منڈانے والے کے بارے کسی نے سوال کیا تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ فلاں جو داڑھی منڈاتا ہے۔ تو غیبت کا ارتکاب ہوا اور اس غیبت کا سبب بھی داڑھی منڈانے والا ہوا۔

خرابی ۲۴ تمام فقہاءؒ فرماتے ہیں کہ داڑھی منڈانے والے کی شہادت ناقابل اعتبار ہے۔

خرابی ۲۵ نائی نے کسی کی داڑھی مونڈی ہے اور اتفاق سے ایسا ہو گیا کہ جس کی داڑھی مونڈی گئی ہے اس کی داڑھی اگنے سے رک گئی۔ اب وہ آدمی کھودا ہو گیا تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس نائی پر دیت لازم آئے گی۔ یعنی اس کو جس کی داڑھی نہیں اگی سو اونٹ دینے لازم ہوں گے۔

خرابی ۲۶ داڑھی منڈانے والا اذان اور اقامت سے محروم ہو گیا۔ اس کی اذان و اقامت مکروہ ہے۔

خرابی ۲۷ داڑھی منڈانے والا امام نہیں بن سکتا۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

خرابی ۲۸ داڑھی منڈانے والا نہ جمعہ پڑھا سکتا ہے اور نہ عید کی نماز پڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ داڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور فقہائے کرام نے قاعدہ لکھا ہے: کُلُّ صَلٰوۃٍ اُدِّیَتْ مَعَ الْکَرَاھَۃِ وَجَبَ اِعَادَتُھَا۔ کہ جو نماز کراہت کے ساتھ ادا کی جائے اس کا دہرانا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ بغیر کراہت کے نماز صحیح ہو سکے۔ اور عیدین و جمعہ کی نماز کا اعادہ نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جرم اس قدر بڑا ہے کہ

اس کا تدارک مشکل ہے۔

اور داڑھی کترانے والا بیان کردہ گزشتہ امور کے علاوہ اس کی مشابہت مجوس کے ساتھ بھی ہوئی، جیسے حضرت علامہ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں تحریر فرمایا ہے۔

نیز "فتح القدیر" جلد ۲ صفحہ ۷۷، وغیرہ کے قول کے مطابق بعض مغربی لوگوں اور مخنث الرجال کے ساتھ مشابہت ہے یعنی ہیجڑوں جیسی شکل بنانا۔ جیسا کہ ایران کے باشندے ہیجڑے کسی دور میں چھوٹی چھوٹی داڑھیاں رکھتے تھے۔ اور بعض مغربی غیر مسلم قومیں داڑھیں کتراتی تھیں۔

○ اس بحث کے بعد اب رہا یہ سوال کہ جو شخص داڑھی منڈانے کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "داڑھی منڈا دو ورنہ گھاٹے میں رہو گے"۔ تو یہ اس کا کہنا جہالت پر مبنی ہے۔ ایسے شخص کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ کفر بہت بڑا سنگین جرم ہے۔ گناہ کی آخری حد ہے۔ اور اس کا تعلق دل سے ہے۔ اگر وہ شخص یہ جانتا ہے کہ واقعی اسلام میں داڑھی رکھنا واجب ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اور اس پر سب مسلمین کا اجماع ہے۔ مگر پھر بھی وہ کہتا ہے کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ دین اسلام میں داڑھی رکھنے کا حکم نہیں۔ یہ مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اور داڑھی والوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ اور بری چیز سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس صورت میں تو واقعی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایک مستحب امر کے ساتھ استہزاء سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ (۹ : ۶۶) اب تمھارا عذر بہانہ بے سود ہے۔ ایک شرعی کام پر مذاق کرنے کی وجہ سے تم اگر پہلے ایمان پر تھے بھی لیکن اب تم کافر ہو گئے۔

○ لیکن سوال میں جو ذکر ہے اس سے اس کی جہالت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اسے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ جب اس کو اس بات کا علم ہو جائے گا تو امید ہے کہ وہ اپنی بات سے توبہ کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا۔ اس لیے کہ موجودہ دور میں جہالت عذر بھی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ غسل رجلین

وضو میں پاؤں دھونا

قرآن و حدیث کی روشنی میں

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اہم متفرق شرعی مسائل پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ



المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دہم

اہم متفرق شرعی مسائل پر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی

حسین علی الوانی

مکتبہ اشاعۃ العلوم

اہم متفرق شرعی مسائل پر حضرت نیلوی رحمہ اللہ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

تلمیذ رشید
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

و تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
امام اہل السنت رئیس المفسرین شیخ القرآن
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دہم

اہم متفرق شرعی مسائل پر

مکتبہ اشاعۃ العلوم

کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا؟

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد دہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ. اَمَّا بَعْدُ:

سوال

ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ بخاری شریف کی روایت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے بارے میں اس کا تحقیقی جواب تحریر فرمائیں تو افادہ عام کے لیے رسالہ کی شکل میں اس کا جواب لکھ کر شائع کیا جا رہا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا یا نہ؟ سو اس بارے میں فرقہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ کوئی جادو ہوا اور نہ ہی کسی جادو کا آپ پر اثر ہو سکتا تھا۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ کفار آپ ؐ کو بطور طعن کے مسحور کہتے تھے کہ آپ ؐ پر جادو کیا گیا ہے۔ کہتے تھے "اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا" اب اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ واقعی لبید بن اعصم یہودی کی لڑکیوں نے آپ ؐ پر جادو کیا تو کفار کا یہ طعن صحیح ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت آپ ؐ کو پہنچے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" اللہ آپ ؐ کو ان (کفار کے اشرار) سے محفوظ رکھے گا۔ پھر اس حفاظت الٰہیہ میں کون اثر انداز ہو سکتا ہے؟ اور کتب حدیث میں اس بارے روایت منقول ہے، وہ نا قابل تسلیم ہے، غلط اور بے اصل ہے۔

اسی بات کو سامنے رکھ کر محترم قاری حبیب الرحمٰن صاحب صدیقی کاندھلوی اسی معتزلہ کے مسلک کی طرف مائل ہو گئے ہیں جس طرح حضرت امام ابوبکر رازی جصاص حنفی محدث ادھر مائل ہوئے۔

مگر اہل السنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا۔ اور یہ روایتیں جو کتب احادیث میں منقول ہیں نہ غلط ہیں اور نہ بے اصل۔ اور نہ یہ بات ہے جیسے قاری صاحب نے فرمایا ہے کہ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی اس حدیث کی راوی ہیں۔ بلکہ اس حدیث کے راوی حضرت زید بن ارقم، عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی ہیں جو بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردویہ، ابن ابی شیبہ، ابوعبداللہ الحاکم، عبد بن حمید، ابونعیم، بغوی وغیرہ محدثین نے کثیر التعداد سندوں سے نقل فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ تواتر کی حد تک نہیں پہنچتی مگر مشہور تو ضرور ہے۔

اور پھر اس واقعہ میں کوئی بات ایسی بھی نہیں ہے جو آپ کے منصب نبوت میں قادح ہو۔ اگر پتھروں تیر وغیرہ کے اثر سے آپ کا زخمی اور لہولہان ہونا، دندان مبارک کا شہید ہونا، بچھو کا آپ کو ڈنگ مارنا جس سے آپ کو تکلیف ہو، گھوڑے پر سے گر کر آپ کو چوٹ لگنا، بخار میں اور درد سر میں آپ کا مبتلا ہونا، زہر کا آپ میں اثر کرنا جس کی وجہ سے آپ نے اپنی مرض الموت کے ایام میں اس کا اظہار بھی کیا، آپ کا بھول جانا، آپ پر غشی طاری ہونا، آپ کو بھوک لگنا جس سے آواز پست پڑ گئی وغیرہ، امور منصب نبوت کے منافی نہیں تو آپ پر جادو کا چل جانا بھی منصب نبوت کے منافی نہیں۔

بے شک آپ کے مزاج مبارک میں جادو کی وجہ سے تغیر آ گیا تھا مگر یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک ہی محدود رہے۔ حتیٰ کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ پر کیا گزری ہے۔ اور وحی پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس حد تک یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ جسمانی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچنے سے منصب نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اب حضرت قاری صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ روایت وضع کردہ (یعنی موضوع اور من

گھڑت) ہے غلط ہے۔

اول تو تمام علماء، فقہاء، محدثین ومفسرین کا اتفاق ہے کہ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) مؤطا امام مالکؒ (۴) ترمذی (۵) ابوداؤد (۶) نسائی (صحاح ستہ) میں کوئی ایک بھی روایت موضوع نہیں ہے۔

دوسرے آج تک کسی محدث نے ان روایات پر جرح نہیں کی۔

تیسرے موضوع روایت وہ ہوتی ہے جس کا کوئی راوی کذاب یا وضاع ہو۔ نرے اختلاط یا سوء الحفظ یا غفلت یا وہم کی وجہ سے کسی محدث نے روایت کو موضوع نہیں کہا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں حضرت قاری صاحب کسی ایک راوی کو کذاب یا وضاع ثابت نہیں کر سکے۔ لہٰذا حضرت قاری صاحب کا اس روایت کو وضع کردہ کہنا ٹھیک نہ ہوا۔

چوتھے امام بخاریؒ اپنے قواعد اور اصول کے تحت جس مختلط کی روایت نقل فرماتے ہیں تو وہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے زمانہ کی ہوتی ہے۔ اب اگر امام بخاریؒ کی نقل کردہ یہ روایت جو سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے ان کے زمانہ اختلاط کے بعد کی ہوتی تو امام بخاری کم از کم یہ روایت اپنی صحیح میں نہ بیان کرتے۔ بلکہ الادب المفرد یا التاریخ الکبیر یا التاریخ الصغیر وغیرہ کتب میں نقل فرماتے۔ اور اس روایت میں یہ سب راوی امام بخاریؒ کے مرکزی راوی ہیں۔ اب خواہ مخواہ ان میں کیڑے نکالنا اہل حق کی شان سے بعید تر ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ.

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کے جادو سے اثر ہو جانا تو خود قرآن پاک میں بھی آیا ہے کہ جب فرعون کے بلانے پر جادوگر آئے تھے تو انھوں نے اپنی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر ایسا اثر ہوا کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ سچ مچ سانپ دوڑ رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے مرسل نبی حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یہی سمجھ کر ڈر رہے تھے اور انہیں یہ

لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بنی ہوئی نظر آنے لگیں، تو اب یہ تماشائی جادو اور معجزہ کا فرق کیونکر سمجھیں گے۔ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں بھی سانپ معلوم ہو رہی ہیں۔ اور میرا عصا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکم سے معجزۃً سانپ بن جاتا ہے۔ اب دیکھیں کیا بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ عصا کو تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگلنے والا بنا کر جادو اور معجزہ کا فرق کر دکھایا۔ اور فرمان الٰہی "وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ" من وعن صحیح ثابت ہو گیا۔ یعنی جادوگر خواہ کہیں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا۔

اسی طرح یہاں بھی لبید بن اعصم یہودی (جس کا تعلق بنی زریق سے تھا) کا مقصد پورا نہ ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) نازل فرما کر اس کے عزائم باطلہ خاسرہ کو پامال کر دیا۔ اور پھر امت محمدیہ (علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیہ) کو بھی تعلیم دی گئی کہ اگر کوئی شخص تم پر جادو کرے تو یہی معوذتین پڑھ کر اپنے جسم پر دم کر دیا کرو۔ تو محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اسی کے فضل و کرم سے جادو کا اثر جاتا رہے گا انشاء اللہ العزیز۔

اشکال

اب رہا یہ سوال کہ حضور اکرم ﷺ پر جادو چل جانے کو تسلیم کر لیں تو کفار نابکار کے اس الزام کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جو وہ کہا کرتے تھے "إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا" کہ تم لوگ ایک ایسے شخص کے پیچھے چل رہے ہو جو سحر زدہ اور مسلوب العقل ہے۔ تو اب تم نے بھی تسلیم کر لیا کہ واقعی نبی پاک ﷺ سحر زدہ تھے۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار نابکار جو آپ کو رجل مسحور کہتے تھے تو مسحور بمعنے سحر زدہ مراد نہ لیتے تھے۔ بلکہ آپ کو رجل مسحور اس معنے میں کہتے تھے کہ کسی نامعلوم جادوگر

نے آپ ؐ کو پاگل اور مجنون کر دیا ہے۔ اور آپ ؐ اسی پاگل پن اور جنون میں نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ اور جنت و دوزخ کے افسانے ہم کو سناتے ہیں۔ اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل و ہوش میں فرق نہ آئے ان کو کوئی فرق نہیں پہنچتا تھا۔

نوٹ

یہ بات یاد رہے کہ لبید بن اعصم یہودی کے آپ ؐ پر جادو کرنے کا واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے۔ اور کافروں کا قول "اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا" اس وقت کا ہے جب آپ ؐ ابھی مکہ میں تشریف فرما تھے۔ ہجرت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اور اس وقت ظاہر ہے کہ ان پر جادو نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کفار مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ آپ ؐ پر فلاں بندے نے جادو کیا ہے تو اس صورت میں ان کفار کا آپ ؐ کو مسحور کہنا بمعنے مجنون ہی ہو سکتا ہے نہ بمعنے سحر زدہ۔

اشکال

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے تو "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" فرما کر آپ ؐ کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے معنے یہ ہیں کہ آپ ؐ کو کوئی قتل نہ کر سکے۔ جیسا کہ کفار نابکار آپ ؐ کو قتل کرنے کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ جیسے آپ ؐ سے پہلے بعض انبیاء کرام علیہم السلام (مثلاً حضرت زکریا و یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کو قتل کر بھی چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ "فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ" یعنی یہ نہیں کہ آپ ؐ کو کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذاء بھی نہ پہنچے گی۔ کیونکہ احد کی لڑائی میں آپ ؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ خیبر میں ایک یہودی

عورت نے آپ ؐ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دی، جس کی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی۔ پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیوں کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہو جانا اور وہ بھی صرف چند روز کے لئے یہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے۔ اور سحر کے اثر کا نمایاں ہو جانا نبوت کی شان کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ اثر بحیثیت بشریت نمودار ہوا تھا اور کھانے پینے سونے وغیرہ خواص بشریت میں آپ ؐ بھی شریک ہیں دوسرے انسانوں کے۔

اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ کفار نابکار جو آپ ؐ کو جادوگر کہتے تھے جیسا کہ (وَقَالَ الْکَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ) ان کا گمان غلط کرنا تھا کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادوگر پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

اشکال

اب رہا یہ سوال کہ حنفیوں کے مایہ ناز محدث محقق عالم امام ابوبکر رازی جصاص ؒ جو امام ابوالحسن کرخی ؒ کے تلمیذ خاص اور صاحب المختصر امام قدوری ؒ کے استاذ ہیں، اپنی مایہ ناز کتاب احکام القرآن میں اس امر کی تردید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ آپ ؐ پر جادو چلنے کا واقعہ صحیح نہیں ہے۔

جواب

سو اس کا جواب یہ ہے کہ امام جصاص ؒ باوجود حنفی محدث محقق ہونے کے بعض بعض اعتقادی مسائل میں اہل اعتزال کے مسلک کی طرف جھک گئے ہیں جیسے علامہ زمخشری ؒ باوجود اس کے کہ فروعات میں حنفی عالم تھے مگر اعتقادیات میں کٹر معتزلی تھے اور اپنے تئیں معتزلی کہلوانے پر فخر محسوس کرتے۔

اور جیسے امام ابوبکر رازی جصاص ؒ اس مسئلہ میں معتزلی فرقہ کی رائے کی طرف مائل ہیں ایسے ہی وہ جنت میں مومنوں کے دیدار باری تعالیٰ کے بھی معتزلہ فرقہ کی طرح منکر

ہیں۔حالانکہ جملہ اہل السنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر کیفیت اور بغیر جہت کے اہل ایمان کو نصیب ہوگا۔

اب جب بات محقق ہوگئی کہ آپؐ پر جادو نہ چلنے کا عقیدہ معتزلہ کا ہے اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں۔اور امام جصاص اس مسئلہ میں معتزلہ کی رائے رکھتے ہیں۔تو اب حضرت قاری صاحب کو اپنے استدلال میں امام جصاص کا قول نقل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔یا پھر قاری صاحب اعلان فرمادیں کہ میں مسلک اہل السنت والجماعت کی نہیں بلکہ معتزلہ کی رائے رکھتا ہوں۔تاکہ اخبار بین حضرات وغیرہ کو دھوکہ نہ رہے۔

حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کا مسلک

اب میں اپنے جواب کی تائید میں حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کی تقریر پیش کرتا ہوں۔

تنبیہ: کئی صحابہ (مثلاً عائشہ صدیقہ، ابن عباس، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر بعض یہود نے سحر کیا جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہو گیا۔اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک دنیاوی کام کر چکے ہیں۔مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔یا ایک کام نہیں کیا۔اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں۔اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہو گیا۔

واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے۔جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔جیسے آپ صلعم کبھی کبھی بیمار ہوئے۔بعض اوقات غشی طاری ہوئی۔یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا۔اور آپؐ نے فرمایا"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ" اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ" میں بھی ایک بشر ہی ہوں، جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں، میں

بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو۔ کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو ونسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ ؐ کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں؟ ممکن ہے کہ ان میں بھی سہو ونسیان اور بھول چوک ہوگئی ہو اگر وہاں سہو ونسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگیں۔ تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ؐ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرا کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ ؐ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔

یاد رکھیے! سہو ونسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا رسول ہے تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے۔ اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت وتبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو یا شیطان، مرض ہو یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی جو مقصد بعثت سے متعلق ہیں۔

کفار جو انبیاء کو مسحور کہتے تھے چونکہ ان کا مطلب نبوۃ کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ گویا مسحور کے معنے مجنون لیتے تھے اور وحی الٰہی کو جوش وجنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ)۔ اس لئے قرآن میں ان کی تکذیب وتردید ضروری ہوئی۔ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں اور کسی وقت ایک آن کے لئے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلاً خلل انداز نہ ہو نہیں ہوسکتا۔ انتہیٰ کلام شیخ الاسلام۔

اصلاحُ النیّۃ

فی تحصیلِ

العُلوم الدّینیّۃ

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سیّد محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اصلاح النیۃ

فی تحصیل

العلوم الدینیۃ

از: شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی شیخ محمد حسین نیلوی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین الذی قال فی کتابہ المبین المتین: "لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" وقال: "اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ" وقال: "اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ" وقال تعالیٰ: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَ الْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ" ○ والصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد ن النبی الذی بعث الولاۃ الی المدن و عیّن لھم الرزق ○ وعلی الہ واصحابہ سیما الخلفاء الراشدین المھدیین الذین عیّنوا الرزق للائمۃ و المؤذنین و المعلمین و الآمرین بالمعروف و الناھین عن المنکر والمجاھدین ○

اما بعد تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز یا عدم جواز سے متعلق سلف صالحینؒ کے دور میں بھی اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ حسین بن علیؓ، عبداللہ بن شقیقؒ، اسودؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابوقلابہ جرمیؒ، شریح القاضیؒ، امام زہریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن سیرینؒ، طاؤسؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن شریف کی تعلیم پر گزارے کے مطابق بال بچوں کے لیے خرچہ لینا بھی حرام ہے۔

○ اور ایک گروہ سلف صالحینؒ کا گزارے کے مطابق اپنے اور اپنے بال بچوں کی خاطر

خرچہ لینے کی اجازت دیتا ہے۔ جن میں سے حضرت عکرمہؒ، سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ابوثورؒ، حکمؒ اور امام ابوحنیفہ کے شاگردان عظام شامل ہیں۔ (دیکھیے طیبی شرح مشکوٰۃ جلد ۶ صفحہ ۱۵۹ اور دیگر شروح و حواشی)

○ اور جمہور یعنی اکثر علماء جواز کے قائل ہیں۔ (دیکھیے بذل المجہود جلد ۵ صفحہ ۱۱)

○ مانعین کی طرف سے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے کچھ قرآن مجید کی آیات ہیں۔ اور چار احادیث ہیں۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تعلیم قرآن کی اجرت کے حرام کہنے پر ان دلائل میں سے ایک دلیل بھی پیش نہیں کی۔ جبکہ ان کا قاعدہ ہے کہ جو مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوجائے تو پہلے قرآن مجید میں سے تلاش کرتے ہیں۔ اگر مل جائے تو فبہا۔ اور اگر قرآن مجید میں سے نہ ملے تو صحیح حدیث تلاش کرتے ہیں۔ اگر صحیح حدیث مل جائے تو فبہا۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل دیکھتے ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل نہ ملے یا صحابہ کرام کا عمل مختلف ہو تو اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔

○ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نہ قرآن مجید میں سے استدلال کیا اور نہ صحیح حدیث سے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ کا متفق علیہ عمل ان کو ملا۔ اس لیے اجتہاد سے کام لیا۔ اور اتفاق سے ان کے ساتھ بعض دیگر تابعینؒ کا اجتہاد بھی مل گیا۔ نیز علماء کا متفق علیہ

قاعدہ ہے: کل طاعۃ یختص بہا المسلم لا یجوز الاستیجار علیہ (ہدایہ صفحہ ۲۸۷)
یعنی جو طاعت مسلم کے ساتھ خاص ہو تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ مجھے روزانہ پچاس روپے دو تو میں پنجگانہ نماز ادا کرتا رہوں گا۔ تو یہ حرام ہے۔ اور اسی طرح تمام طاعات کا حال ہے۔

○ اور جواز کے قائلین جیسے امام مالک اور شافعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ بخاری شریف کی حدیث کو اپنا مستدل بناتے ہیں۔ ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ۔

○ نیز مانعین جو قرآن مجید کی تعلیم پر حرمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں، وہ مجوزین کے پیش نظر بھی تھیں۔ جن میں سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تو اہل لسان

تھے انہی کی زبان میں قرآن پاک اترا تھا۔ امام مالکؒ مدنی ہیں اور امام شافعیؒ مطلبی مکی ہیں۔ اگر ان آیات کا مطلب وہی ہوتا جو مانعین کشید کرتے ہیں' تو امام مالکؒ جیسے اہل لسان اساطین علم قرآن و سنت کے ماہر کبھی جواز کا فتویٰ دے کر اپنی عاقبت خراب نہ کرتے۔ جبکہ آپؒ اس عہد کے عالم ہیں جس عہد کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے منقبت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ کہ بہترین دور میرا ہے۔ جن میں میں رہتا ہوں یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر صحابۂ کرامؓ کے بعد والے ان کے شاگرد ہیں جن کو تابعینؒ کہتے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو تابعینؒ کے شاگرد یعنی تبع تابعینؒ ہیں۔

دلیل مانعین ۔۱

○ مخالفین تعلیم قرآن مجید پر اجرت کی حرمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات بھی پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک آیت تو یہ ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا یعنی میری آیات کو فروخت مت کر ڈالو۔ تھوڑی سی قیمت پر۔ سو اس کا:

جواب یہ ہے کہ سیاق و سباق کی روشنی میں اس آیتِ کریمہ کا اصل اور صحیح مفہوم یہ ہے: "دین کے بدلے دنیا حاصل کی جائے یہ منع عنہ ہے۔ جسے دین فروشی کہتے ہیں"۔

اور اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) طمع نفسانی سے یا کسی کے ڈر یا لحاظ سے یا کسی اور دنیوی غرض کے حصول کے لیے آیاتِ قرآنیہ کو غیر محل پر لگا کر لوگوں کو اعتبار دلانا اور ان سے اپنے مطالب حاصل کرنا۔

(۲) حکم الٰہی میں تصرف کر کے اپنی طرف سے کچھ ملا کر لوگوں سے اپنی اغراض حاصل کرنا جس کی تشریح ساتھ ہی آنے والی آیت میں آگئی ہے۔ یعنی لا تلبسوا الحق بالباطل یعنی حق کو ناحق کے ساتھ غلط ملط نہ کرو۔

(۳) حق کو چھپانا تاکہ اپنا مطلب فوت نہ ہو اور اسی صورت کی تشریح وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ میں بیان فرما کر اس سے منع فرما دیا۔ یعنی حق بات کو مت چھپاؤ۔

○ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے اکثر علماء احبار اور مشایخ طریقت (صوفی لوگوں) کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مومنین یعنی امت محمدیہ ﷺ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (۹: ۳۴) یعنی مومنو! اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت سے احبار (علماء یہود و نصاریٰ) اور ان کے درویش اور مشایخ (صوفی، پیر) لوگوں کے مال اس ـ بھیس میں باطل اور ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ (اسلام) سے روکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ میں "آیات" سے مراد "احکام الٰہیہ" ہیں۔ چنانچہ:

"آیات" سے مراد "احکام الٰہیۃ" ہیں

❶ محدث و مفسر حضرت علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر جلد ۱ صفحہ ۸۴ میں اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ: "اس آیت سے مراد یہ ہے کہ طلب دنیا کے لیے احکام الٰہی میں تغیر و تبدل نہ کرو"۔ تو "اٰیَاتِیْ" یعنی میرے احکام کے مقابلہ میں اور حکم بنا کر حقیر معاوضہ بھی حاصل نہ کرو۔

❷ علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مدارک جلد ۱ صفحہ ۳۵ میں تحریر فرمایا ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیَاتِیْ ای بتغییرها و تحریفها ثمنا قلیلا یعنی میری کتاب (تورات شریف میں مذکور آیات کو بدل کر اور تحریف کر کے دنیائے دنی کے عوض مت بیچو۔

❸ تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۳۵ میں ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیَاتِیْ ای ببیان صفۃ محمد التی فی التوراۃ ...... یعنی تورات شریف میں جو صفت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بیان ہے اس کو بدل کر دنیاء دنی کی گھٹیا چیز مت لو۔

❹ تفسیر جلالین صفحہ ۷ میں ہے: بِاٰیَاتِیْ التی فی کتابکم من نعت محمد ﷺ ...... ای لا تکتموها خوف فوات ماتأخذونه من سفلتکم۔ یعنی جو تمہاری کتاب میں حضرت نبی کریم ﷺ کی تعریف ہے اسے چھپاتے ہیں۔ تاکہ عوام سے جو ملتا ہے وہ بند نہ ہو جائے۔

۵ تفسیر بیضاوی جلد ا صفحہ ۱۳۹ میں ہے : لا تستبدلوا بالایمان بہا و الاتباع لہا حظوظ الدنیا یعنی ایمان بالتوراۃ اور اتباع تورات کے عوض دنیا دنی کے حظوظ اور چسکے مت لو۔

۶ اور علامہ مہائمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر تبصیر الرحمٰن قلمی صفحہ ۲۸ میں تحریر فرمایا ہے : لاتشتروا بأیتی الدالۃ علی وجوب اتباع محمد ﷺ یعنی تورات شریف میں جو آیات دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنی واجب ہوگی۔ اور یہ یہود و نصاریٰ ایمان بالتورات کے عوض دنیائے دنی کے چسکے لیتے ہیں۔ جس سے انھیں منع کیا گیا۔

۷ تفسیر البحر المحیط جلد ا صفحہ ۱۷۸ میں علامہ ابن حیان اندلسی نے حضرت حسن بصری تابعی سے اس آیت کی تفسیر نقل فرمائی ہے : ای لا تستبدلوا بأیتی ای بتغییر اٰیتی ثمناً قلیلاً یعنی میری آیات اور احکامات میں تغیر و تبدل کر کے دنیائے دنی مت لو۔

۸ نیز مفسر سدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر ان الفاظ میں نقل فرمائی لا تشتروا بأیتی ای بکتمان اٰیاتی ثمنا قلیلاً یعنی میری تورات شریف کی آیات اور احکامات حقہ کو چھپا کر دنیائے دنی مت لو۔

۹ نیز ابن حیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض دیگر مفسرین کا قول نقل فرمایا : اٰیتی کنّی عن الاوامر و النواھی کہ آیات سے مراد احکامات ہیں یعنی اوامر و نواہی (کرنے کے کام اور نہ کرنے کے کام)

۱۰ مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن صفحہ ۳۳۴ میں تحریر فرمایا ہے : لاتاخذوا علی اٰیات اللہ ثمنا ای علی تغییر صفۃ محمد ﷺ رشیً۔ وکان الاحبار یفعلون ذٰلک فنھوا عنہ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات پر ثمن نہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تورات میں لکھی ہوئی صفت کو بدل کر رشوت نہ لو۔ جیسے تورات کے عالم کرتے تھے اور اسی کرتوت سے ان کو روکا گیا۔

○ نیز آپ نے تحریر فرمایا : فمن اخذ رشوۃ علی تغییر اٰیۃ او ابطالہ او امتنع من

تعلیم ما وجب علیہ او اداء ما علیہ وقد تعین علیہ حتی یاخذ علیہ اجرا
یعنی اب جو شخص حق کو تبدیل کرنے یا باطل کرنے پر رشوۃ لے یا واجب تعلیم سے رکا رہے یا اپنا علم لوگوں تک پہنچانے سے باز رہے۔ حالانکہ وہ اس پر متعین ہے جب تک اس کا اجرت لے تو اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

⓫ تفسیر رازی جلد ا صفحہ ۴۹۱ میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ: کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب (یہودی علماء) کا یہی کام تھا۔ یعنی یہ لوگ آیات تورات شریف کے مطالب کو بدل دیا کرتے تھے۔

⓬ حضرت شاہ عبد القادر مفسر و محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آیتوں پر تھوڑا مول یہ کہ دنیا کی محبت کے دین مت چھوڑو"۔

⓭ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان القرآن جلد ا صفحہ ۳۶ میں تحریر فرمایا ہے: یعنی میرے احکام چھوڑ کر اور ان کو بدل کر اور چھپا کر عوام الناس سے دنیائے ذلیل و قلیل کو وصول مت کرو۔ جیسے ان کی عادت تھی۔ چنانچہ آگے تصریح فرماتے ہیں: ولا تلبسوا الحق بالباطل ....

⓮ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کشف الرحمن صفحہ ۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں: رشوت لے کر مسئلے غلط بتاتے تھے حق چھپاتے اپنی ریاست (سرداری) جماتے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرتے بلکہ ان کو قتل کرتے۔ اور ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات میں لکھی ہوئی صفت کو بدل ڈالا۔ خود غرض اور حرص و ہوا کے بندے احکام شرعیہ کو دو طرح بدلتے تھے۔ ایک تو حق بات کو چھپالیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات تورات میں نہیں ہے۔ اور اگر کوئی بات آپڑتی تھی تو اس میں توجیہ اور تاویل کر دیا کرتے تھے۔ انھوں نے حکم کا انکار کیا اور چھپایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں چھپا دیں۔ اور معنے میں عجب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے۔

شان نزول: یہود کے علماء و رؤساء کو جہلاء اور عوام سے آمدنی بہت ہوتی تھی ان سے

سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ اور ہر قسم کے مال کھیت، مویشی اور نقد سب چیزوں سے چندہ لیتے تھے۔ اب اسلام پھیلا تو ڈرے کہ اگر ہم نے محمد ﷺ کی نعت ظاہر کی اور ان کا اتباع اختیار کیا تو یہ سب آمدنی ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگی۔ اس لیے انھوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی۔ اور دین چھوڑ بیٹھے۔ اور توراۃ میں آپ ﷺ کی نعت کو بدل دیا۔ اور آپ ﷺ کا نام مبارک مٹا دیا۔

⑮ اسی طرح معالم التنزیل صفحہ ۳۲ طبع ہند میں

⑯ اسی طرح جامع البیان صفحہ ۷ میں

⑰ اسی طرح ابو السعود صفحہ ۵۰۹ میں اور دیگر کتاب تفاسیر میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

⑱ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر معارف القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۰۷ میں تحریر فرمایا کہ: "اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلہ میں قیمت لینے کی ممانعت کا مطلب وہی ہے جو آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی مرضی اور ان کی اغراض کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات کا مطلب غلط بتلا کر یا چھپا کر لوگوں سے پیسے لے جائیں۔ یہ فعل باجماع اُمت حرام ہے"۔

○ نیز فرمایا: رہا یہ معاملہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی آیات صحیح صحیح بتلا کر یا پڑھا کر اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟ اس کا تعلق آیت مذکورہ سے نہیں۔ خود یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل غور و بحث ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت و معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

○ فقہاء امت کا اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ جائز قرار دیتے ہیں اور امام اعظمؒ اور بعض دوسرے ائمہ منع فرماتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کو ذریعہ کسب معاش کا بنانے سے منع فرمایا ہے۔

اجرت علیٰ تعلیم القرآن کی وجہ حرمت

○ اس دور میں امام اعظمؒ اور ان کے ہم خیال علماء کا تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو حرام کہنا ایک لحاظ سے صحیح تھا۔ کیونکہ حکومت اسلامیہ شرق و غرب میں پھیل گئی تھی۔ غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور کچھ غلام مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینا نہایت ضروری اور اہم تھا۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا: تعلموا القرآن و علموه الناس۔ یعنی تمھارا فرض ہے کہ قرآن مجید خود بھی سیکھو اور آگے لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ اب اگر ان نومسلموں سے جن میں اکثریت موالی یعنی غلاموں کی تھی اجرت لے کر قرآن و حدیث کی تعلیم کا سلسلہ قائم کیا جاتا تو نومسلم موالی کیونکر پڑھتے۔ بلکہ پڑھنے سے انکار ہی کر دیتے۔ اس طرح اشاعتِ دین کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہو جاتا۔ اس لیے انھوں نے فرمایا کہ ان نومسلم موالی کو بڑے پیار اور محبت سے قرآن و سنت کی تعلیم دو۔ جس طرح جہاد عبادت ہے۔ اسی طرح جہاد کے ثمرہ میں جو نومسلم موالی ہاتھ آئے ہیں ان کو دین پڑھانا بھی فرض اور عبادت ہے۔ اور اذان دے کر ان کو نمازوں کی طرف بلانا اور نماز پڑھانا بھی عبادت اور فرض ہے۔ اس لیے جس طرح کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر یا قرآن پڑھ کر یا جہاد میں شریک ہو کر اجرت مانگے ایسے ہی قرآن و حدیث پڑھا کر اور اذان دے کر امامت کرا کر اجرت لینا جائز نہیں۔ اگر کسی عالم مفسر و محدث کا اپنا ذریعۂ معاش ہے تو اس پر نماز روزہ اور جہاد کی طرح یہ تمام امور فرض ہیں۔ اور محض للہ پڑھائے اور اس کا اجر عنداللہ محفوظ ہے۔

اور اگر کسی عالم مفسر محدث کا اپنا ذریعۂ معاش نہیں ہے تو حسبِ فرمانِ نبی کریم: طلب کسب الحلال فریضة بعد فریضة۔ علم دین کا سیکھنا جو فرض ہے اور اس پڑھے ہوئے پر عمل کرنا بھی فرض ہے اس کے بعد حلال کمائی کا تلاش کرنا بھی فرض ہے۔ جبکہ بھیک مانگنا حرام ہے۔ قیامت کے دن بھیک مانگنے والے کی بری گت بنے گی۔ اور تعلیم دین فرض کفایہ ہے۔ نماز روزہ کی طرح فرض عین نہیں۔ اس لیے جب اہلِ ثروت علمائے کرام علمِ دین کی تعلیم میں مصروف ہیں، نادار عالم مفسر و محدث اگر دین کی تعلیم نہ دے گا تو اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ ہاں اپنے فرائض کی ادائگی میں کوتاہی نہ کرے۔

تعلیمِ دین کا ارتقاء

○ اُس دور میں سوائے قرآن مجید کے اور کوئی کتاب نہ تھی۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ حدیث جو قرآن مجید کی تفسیر تھی، زبانی بیان کی جاتی تھی۔ اور شاگرد سن کر اس کو یاد کر لیتے تھے۔ اور خداداد حافظہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت غیر مترقبہ تھی۔ اور نیکی کے غلبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی برکات کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ اور علمِ دین کی تعلیم مختصر سی تھی۔ جو قرآن و حدیث میں بند تھی۔ اور اس دور میں تصنیف و تالیف کا رواج نہ تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی دور میں گزرے ہیں۔ اس لیے انھوں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ قرآن و حدیث زبانی پڑھا دیتے تھے۔ آپ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ طالب العلم کو املاء کرا دیتے تھے۔ جیسا کہ امالی ابویوسفؒ کے نام سے کتاب مشہور ہے۔ پھر ان امالی میں قرآن و حدیث سے مستنبط قوانین بیان کیے گئے تھے۔ جن کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ پھر سلسلۂ تصانیف مسلسل شروع ہوگیا۔ امام ابویوسفؒ نے کئی کتابیں تحریر کیں۔ اور امام محمدؒ نے سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔ اور امام مالکؒ زہریؒ اور شعبیؒ وغیرہ نے کئی موطا لکھے۔ اور امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ نے بھی۔ کیونکہ شروع کے دور میں جزئیات کم تھے۔ اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا فقہی جزئیات بڑھتے گئے۔ ان پر بحث و کلام بھی بڑھتی گئی روز بروز سلسلۂ تصنیف وسیع ہوتا گیا۔ جس میں ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر اعتماد کر کے مسئلہ لکھتا جو قرآن و حدیث سے استنباط کیا جاتا۔ اجتہاد میں بسا اوقات اختلاف ہو جاتا مجتہدین کی بحث وسیع ہو جاتی۔

عجمی لوگوں کے لیے تعلیمی ضروریات

○ نیز عجمی لوگوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ چلا۔ انھیں سمجھانے کے لیے مختصر سے قوانین بتائے جاتے تھے۔ جو لغت عرب اور صرف و نحو کے ذریعے بیان کیے جاتے۔ پھر کم حافظہ والوں کے لیے لغت عرب اور صرف و نحو کی

کتابیں تصنیف کی گئیں۔ اس دور میں ان اہلِ عجم کو پڑھانے کے لیے مختصر سا نصاب تھا۔ وقت زیادہ نہ لگتا تھا۔ پھر ان کتب کے افہام وتفہیم کے لیے کتب متقدمین پر نظر کرنے سے کچھ اشکالات پیدا ہوتے۔ جن کے جوابات اساتذۂ کرام دیتے۔ اور شاگرد اپنی کتابوں میں درج کر دیتے۔

بیت المال سے علماء ومعلمین کی خدمت

○ پھر قرآن وسنت کی کچھ پیدا کرنے کے لیے فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، اصولِ حدیث، تفسیر، اور اصولِ تفسیر لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ پھر دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں یونان سے آنے والی فلسفہ کی کتابوں کو مفید سمجھ کر عباسی خلفاء نے عربی زبان میں ترجمہ کروایا۔ جنھیں پڑھ کر بہت سے لوگوں کو دینِ اسلام پر شکوک پیدا ہونے لگے اور مختلف مذاہب پیدا ہوگئے۔ جو دینِ اسلام پر اعتراض کرتے تھے۔ مذہب اسلام پر پختہ علماءِ حق نے ان سے بحث اور گفتگو کرنے کے لیے اصول وضوابط لکھے۔ جن کو لکھنے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے کتب میں مزید وسعت ہوئی۔ پھر ایسے حالات میں تحصیلِ دین اتنا مشکل ہوگیا کہ دین کا خواہشمند مستقل وقت نکال کر بغیر یکسوئی کے دین حاصل نہ کرسکتا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ دین کے متحصلین کاروبار، تجارت، مزدوری یا ملازمت کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرسکتا۔ پھر اساتذہ بھی دینی کتب پڑھانے میں کتابوں کے مطالعہ میں ایسا مصروف ہوتا کہ اسے اتنی فرصت نہ ملتی کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا کاروبار بھی جاری رکھ سکے۔ اس لیے حکومتِ اسلامیہ نے ایسے علماء کے لیے بیت المال میں سے وظیفے مقرر کیے، تاکہ یکسوئی سے استاذ پڑھائیں اور طالب العلم پڑھیں۔

بیت المال میں خلل کا نتیجہ

○ لیکن اس کے بعد ممالکِ اسلامیہ میں انقلابات کے باعث بیت المال میں خلل واقع ہوگیا۔ اس لیے متاخرین حنفیہ نے جب ان حالات کا مشاہدہ کیا کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گزارہ ملا کرتا تھا اب ہر جگہ اسلامی نظام میں

فتور کے سبب ان معلمین کو موٹا کچھ نہیں ملتا' یہ اگر اپنے معاش کے لیے کسی محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں تو مسلمان بچوں کے لیے تعلیم قرآن کا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ (تعلیمِ قرآن) دن بھر کا مشغلہ چاہتا ہے۔ اس لیے تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا۔ کیونکہ:

اضطراری حالت میں بقدر ضرورت حرام کا حلال ہو جانا

○ اضطراری صورت میں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲: ۱۷۳)

ترجمہ میں نے وہ چیزیں حرام نہیں کیں جن کو یہ مشرک لوگ اپنے مشرک پیروں کے کہنے پر حرام سمجھے پھرتے ہیں۔ حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر مردار کو حرام کیا ہے۔ اور بہتا خون بھی اور خنزیر کا گوشت بھی اور شرکیہ کلمات والی وہ چیز بھی جو غیر اللہ کی تعظیم کی خاطر مشہور اور نامزد کر دی گئی ہو۔ یعنی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے کسی غیر اللہ کے نام پر نامزد کی گئی ہو' خواہ وہ غیر اللہ بت ہو' یا کوئی نبی' ولی' پیر' فقیر' بزرگ' استاذ ہو یا دیوی' دیوتا ہو' وہ چیز بھی اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے۔ اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کی گئی ہو۔ البتہ جو شخص بھوک سے بے قرار ہو جائے اور ان حرام کردہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اگر کھانی پڑے تو دلی رغبت کے بغیر یعنی کراہت اور ناپسندیدگی سے استعمال کرے۔ اور استعمال بھی بقدر ضرورت کرے۔ جو سدِ رمق سے تجاوز نہ کرے' تو اس پر ان حرام کردہ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز استعمال کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پردہ پوش مہربان ہے۔

○ اس آیت کریمہ سے دو قاعدے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک:

قاعدہ یہ ہے: "الضرورات تبیح المحظورات" کہ "ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں"۔ اور دوسرا:

قاعدہ ہے : "الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ" یعنی "مجبوری اپنے انداز تک ہی رہتی ہے۔ اس سے تجاوز جائز نہیں"۔

○ ان دو قاعدوں کی روشنی میں جس طرح اپنی جان بچانے کے لیے حرام کھانا مباح ہے اور وہ بھی اسی مقدار میں جتنی مقدار سے جان بچ سکے اور اس مقدار سے زیادہ بدستور حرام ہوگا۔ اسی طرح قرآن مجید کا ماہر فقیہ محدث مفسر قاری معلم اگر بیت المال میں سے اتنا قدر لے لے جتنے میں اس کا گزارہ چل سکے تو جائز ہے۔ اسی امر کو مد نظر رکھ کر سلف صالحین (خلفاءؓ، صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ) نے اشاعت دین کے لیے جو معلم قاضی والی ائمۂ مساجد اور مؤذنین منتخب کیے تھے جن کا رات دن مشغلہ ہی اشاعت دین کا تھا۔ اور اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع تر ہونے کی وجہ سے متقدد علماء کو ان عہدوں پر فائز کیا اور وہ کوئی دوسرا کاروبار نہ کر سکتے تھے ان کا گزارہ بیت المال سے مقرر کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی رو سے یہ لوگ امداد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انھوں نے جو اہل لسان تھے اور انہی کی زبان میں قرآن اترا تھا اور وہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور وہ یہ آیات بھی تلاوت کرتے تھے۔

① فنبذوہ وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا (آل عمران۔۳:۱۸۷)

② اشتروا بآيت الله ثمنا قليلا (التوبة۔۹:۹)

③ لا تشتروا بآيتي ثمنا قليلا (البقرة۔۲:۴۱ والمآئدة۔۵:۴۴)

④ لا تشتروا بعهد الله ثمنا قليلا (المآئدة۔۵:۱۰۶)

⑤ ليشتروا به ثمنا قليلا (البقرة۔۲:۷۹)

⑥ ويشترون به ثمنا قليلا (البقرة۔۲:۱۷۴)

⑦ ان الذين يشترون بعهد الله ثمنا قليلا (آل عمران۔۳:۷۷)

⑧ واشتروا به ثمنا قليلا (آل عمران۔۳:۱۸۷)

○ وہ اہل لسان ہونے کی وجہ سے ان آیات کا مفہوم بخوبی سمجھتے تھے۔ وہ ان آیات کریمہ کے مواقع نزول اور حالات سے خوب واقف تھے۔

اجرتِ تعلیمِ قرآن کے جواز پر قرآنی دلیل ۱

○ اسی طرح ان کے سامنے سورت بقرہ کی آیت ۲۷۳ اور سورت توبہ کی آیت ۶۰ بھی سامنے تھی کہ یہ آیتیں کب اور کن حالات میں اتریں اور ان کے مصداق کون ہیں۔ وہی حالات جب بھی پیدا ہوں بس انہی آیات پر ان حالات کے ہوتے ہوئے عمل کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ: العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی لفظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے خاص سبب اور شانِ نزول جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے یہ حکم ان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۳: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ۔ یَحْسَبُہُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ تَعْرِفُہُمْ بِسِیْمٰہُمْ۔ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ان سے مراد مہاجرین اصحابِ صفہ ہیں۔ جو چار سو مہاجر قریش پر مشتمل صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تھی۔ جن کا مدینہ میں کوئی خویش و قبیلہ نہ تھا۔ اور نہ ہی ان کے لیے مدینہ میں رہنے کی کوئی جگہ تھی۔ وہ رات کو قرآن سیکھتے، اور دن کو گٹھلیاں توڑتے تھے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف لشکر بھیجتے ان کے ساتھ جہاد کرنے چلے جاتے۔ (دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، کشاف، شوکانی)

○ اور وہ اپنے اجتہاد سے اس آیت مذکورہ میں مبدأ استحقاق کا جو فقر اور احصار فی سبیل اللہ ہے۔ حکم کی علت سمجھے۔ اس لیے اس ضمن میں فقہاء کرام نے بھی لکھا ہے کہ غریب معلمین، قاضی، والی (گورنر) اور مفتی، اور جو لوگ ملک میں سے عشر، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج جمع کرنے پر مقرر ہیں وہ سب اس حکم میں داخل ہیں۔ کیونکہ انھوں نے تمام مصروفیات چھوڑ کر امر دین کے لیے وقت نکالا ہے۔ اور ہر وقت اسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور جو شخص بھی ایسا ہو جو اپنی تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر اپنا وقت دینی کاموں میں لگائے رکھے وہ گزارے کا قدر لینے کا حق دار ہے۔

اجرتِ تعلیم قرآن کے جواز پر قرآنی دلیل ۔۲

○ سورت توبہ کی آیت ۶۰ میں دو لفظ آئے ہیں ایک عاملین اور دوسرا فی سبیل اللہ۔ عاملین کے تحت عشر زکوٰۃ جزیہ خراج اور دیگر واجبات وصول کرنے والے آجاتے ہیں۔ اگرچہ وہ مالدار ہوں۔ وہ فقراء و مساکین کے زمرے میں تو نہیں آتے لیکن اس کے باوجود وہ حق خدمت لے سکتے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ میں غازی اور حاجی جن کا خرچ راستے میں ختم ہوجائے اور دین کے طالب العلم بھی داخل ہیں۔ بلکہ طالب العلم کئی وجوہ سے صدقات کے مستحق ہیں۔ کیونکہ :

① وہ فقیر اور مسکین بھی ہے۔

② مسافر بھی ہے۔

③ فی سبیل اللہ محصور بھی ہے۔ جبکہ معلم بھی محصور فی سبیل اللہ ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا عمل

○ نیز ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات کے علاوہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اپنا طرزِ عمل بھی تھا کہ آپ ﷺ نے والی مکہ سیدنا عتاب بن اسید کے لیے سالانہ چالیس اوقیہ دینے مقرر کیے تھے جبکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (دیکھیے : مستدرک حاکم)

○ اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو یمن کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تھا۔ اور ان کے لیے بھی گزارہ مقرر کیا تھا۔ (دیکھیے مستدرک حاکم وہدایہ اخیرین و شرح وقایہ وفتح القدیر وبنایہ ونصب الرایہ)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

○ نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد تھے۔ اجتہاد میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور حق گو تھے۔ حق پسند تھے۔ اگر کسی کے اجتہاد میں غلطی ہوجاتی تو دوسرا ٹوک دیتا تھا۔ کیونکہ ان کے پیش نظر یہ حدیث بھی تھی : من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ و من لم یستطع فبلسانہ و من لم یستطع فبقلبہ و ذٰلک اضعف الایمان۔ یعنی تم

میں سے جو بھی کوئی شریعت کے خلاف کام دیکھے تو اس کا تبدیل کرنا اس کا فرض بن جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے۔ اور اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے کرے۔ اور اگر زبان سے کہنے کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے۔ مگر یہ ایمان کا بہت کمزور درجہ ہے۔

○ اور ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام ضعیف الایمان نہ تھے۔ بلکہ کامل الایمان تھے۔ وہ غلط کام دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اگر معلمین، قضاۃ، ولاۃ کو رزق یعنی گزارہ دینا منع ہوتا تو خلفاء اسلامیہ کو بجادیتے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہوں میں تعلیم قرآن پر اجرت لینے دینے کو حرام کہا ہے۔ تم کیوں حرام کھلا رہے ہو اور وہ معلمین کیوں حرام کھا رہے ہیں۔

غلط معنے کے نتائج بد

○ نیز اگر آیت کریمہ: لا تشتروا بأیتی ثمنًا قلیلا کا وہ معنی مراد لیں جو آج کل لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا جا رہا ہے۔ تو صرف تعلیم قرآن پر اجرت لینی ہی حرام نہ ہوگی بلکہ تعلیم قرآن سے متعلق بہت سے دیگر شعبوں کو بھی ناجائز اور حرام قرار دینا ہوگا۔ مثلاً:

① قرآن مجید جو مجموعۂ آیات ہے اس کی کتابت کرنے والے کاتب کی اجرت کو بھی حرام قرار دینا ہوگا۔ جیسا کہ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، محمد بن سیرینؒ اور حضرت ابوایوب سختیانیؒ نے فرمایا کہ اجرت لے کر قرآن مجید کی کتابت کرنا مکروہ ہے۔ (دیکھیے الاتقان فی علوم القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۷۲)

② اسی طرح قرآن مجید کی کتابت کے بعد اس کی تصحیح کے لیے مصححین علماء اور قراء کی اجرت کو بھی حرام قرار دینا ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل بھی کتابت قرآن مجید کے زمرے میں داخل ہے۔

③ قرآن مجید کی اشاعت و طباعت میں مختلف شعبوں سے منسلک افراد مثلاً سنگ ساز یا پلیٹ میکر، طباعت کرنے والا مشین مین، جلد ساز اور ان تمام کاریگروں کے معاونین کی اجرت کو بھی حرام کہنا پڑے گا۔

④ اسی طرح تاجر کتب کے لیے قرآن مجید کی تجارت کو بھی حرام قرار دینا ہوگا۔ جیسا کہ خلیفۂ ثانی امیرالمومنینؓ سیدنا امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور رأس الفقہاء سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی خرید و فروخت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (دیکھیے الاتقان فی علوم القرآن)

○ اسی طرح رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید فروخت مت کرو۔ بلکہ تمام اصحاب رسول قرآن مجید کی خرید و فروخت کو سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ اور فرمایا کہ قرآن مجید مسلمان بھائی کو ہبہ کر کے اس کی اعانت کرو۔

○ نیز حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید فروخت نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی ورثہ میں دیا جائے۔

○ بلکہ اس کے برعکس چودہ صدیوں میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں عرب و عجم میں کاتبین قرآن مجید اجرت لے کر قرآن مجید لکھتے رہے اور اب بھی لکھ رہے ہیں۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے لکھتے رہیں گے۔ اسی طرح جب سے مطابع کا دور چلا ہے قرآن مجید کے کاتب، مصححین، پلیٹ لگانے والے، چھاپنے والے سب ہی یہ کام کرتے رہے اور کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

○ اگر تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو حرام قرار دیا جائے اور معلمین قرآن کو حرام خور یا دکاندار قرار دیا جائے تو ان کے ساتھ ساتھ ان تمام حضرات کو بھی حرام خور قرار دینا ہوگا جو قرآن مجید کی اشاعت سے کسی نہ کسی طرح منسلک ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ لا تشتروا بآیتی ثمنًا قلیلاً سے مسئلۂ حرمت کا استنباط کرنے والے خود بھی اسی فتوے کی زد میں آجائیں گے۔ کیونکہ وہ بھی تو کتب فروشوں سے قرآن مجید خریدتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح بقول ان کے قرآن مجید کو بیچنا ممنوع ہے ایسے ہی قرآن مجید کا خریدنا بھی تو ممنوع اور حرام ہے۔

○ نیز ان کا یہ کہنا کہ لا تشتروا بآیتی ثمنًا قلیلاً کے حکم میں صرف قرآن مجید

پڑھانے والے شامل ہیں اور باقی تمام اس حکم حرمت اجرت سے خارج ہیں معقول دلیل کا محتاج ہے۔ ع:

ہر آں چیز گفتی دلیلش بیار

○ پھر قرآن مجید پڑھانے والے پر ہی انحصار نہیں بلکہ مانعین کے قول تمام دینی شعبوں میں کام کرنے والے حرام خور ہیں گے۔ مثلاً احادیث، فقہ و عقائد کی کتابوں کے لکھنے والے، بیچ کرنے والے، شعبہ طباعت کے منسلک کاریگر اور تاجران کتب۔ سب اسی حکم میں داخل ہوں گے۔

○ اسی طرح قرآن مجید کے مترجمین و مفسرین، احادیث نبویہ کے مترجمین و شارحین، کتب فقہ و اصول فقہ و کتب عقائد کے مترجمین و شارحین، دین سمجھانے کے لیے ترجمہ، شرح اور تفسیر کرنے کے لیے وقت نہ نکال سکیں گے۔ نہ مختقدین کی ان کتابوں کو خرید کر مطالعہ کر سکیں گے جن میں کسی قسم کا اسلامی مواد ہو، خصوصاً ان کتب کو خریدنا تو مانعین کے نزدیک حرام قطعی ہوگا جن میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے حوالہ جات سے کوئی بھی مسئلہ بیان کیا گیا ہو۔ بلکہ ان کتب کا خریدنا بھی ممنوع اور حرام قرار دیا جانا چاہیے جن میں قرآن مجید سے پہلے کی کتب سماویہ مثلاً تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کی آیات کے حوالے سے کسی مسئلہ کی توضیح کی گئی ہو۔ کیونکہ لا تشتروا بآیتی میں اصل حکم تو انہی سابقہ کتب سماویہ کی آیات کے بارے میں ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر قسم کے فلمی رسائل، اور غیر اخلاقی ناولوں اور مخرب اخلاق قصوں کی اشاعت اور خرید و فروخت کو جائز اور مذہبی و اخلاقی کتب کی اشاعت کو ناجائز قرار دے کر بے دینی اور بے راہ روی کا دروازہ کھول دیا جائے۔ تمام مدارس اسلامیہ کو بند کر دیا جائے۔ اور سکولوں اور کالجوں میں جو برائے نام اسلامی تعلیم دی جاتی ہے اسے بھی بند کر دیا جائے۔ تاکہ مستقبل میں کوئی اسلام کا نام لینے والا بھی باقی نہ رہے۔

اور اگر بتوفیقِ الٰہی کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر یا حدیثِ نبویؐ اور دیگر کتبِ اسلامیہ کی شرح لکھ بھی دے تو ان تمام دینی کتابوں کی کتابت و طباعت اور اشاعت کا کام نہ صرف مشکل بلکہ آج کل کے دور میں ناممکن ہو جائے گا۔ جبکہ مخالفین اپنے کافرانہ عقائد کی اشاعت کے ساتھ ساتھ خوب دل کھول کر اسلام کے خلاف بھی کتابیں لکھیں گے اور جاہل عوام میں ان کی خوب اشاعت کریں گے۔ اور انھیں اسلام سے متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور جیسا کہ مشاہدہ ہے اگرچہ بعض جاہل عوام تقلیدِ جامد کی وجہ سے اسلام کے خلاف لکھی ہوئی کتابوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ان کے مطالعہ سے بچنے کی کوشش بھی کریں گے۔ لیکن ان کی اولاد یا اولاد در اولاد بالآخر اس فتنہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گی۔ اور ایک نہ ایک دن وہ اپنا اسلامی تشخص کھو بیٹھیں گے۔ اور شاید ایک دن وہ بھی آجائے جب مسلمان کہلانے والے جاہل عوام کو کلمہ بھی بھول جائے گا۔ نماز روزہ کو بھی ایک فضول سی بات سمجھا جانے لگے گا۔ جیسا کہ آثار نظر آرہے ہیں۔ اور جب ان کی رہنمائی کرنے والا بھی کوئی نہ رہے گا تو دنیا پر ہر طرف کفر کا اندھیرا چھا جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

○ مانعین کے اس پروپیگنڈے سے پہلے ہی عام لوگ علماء سے متنفر ہیں۔ زمیندار، تاجر اور رئیس اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی بجائے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم دلاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ تمہارا بچہ ذہین ہے اسے دینی تعلیم دلاؤ، تو کہتے ہیں کہ اس سے بچے کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ وہ بھوکا مر جائے گا۔ کیونکہ مولوی تو موچی، نائی، لوہار، جولاہے، اور کمہار وغیرہ کمین لوگ ہوتے ہیں۔ دین پڑھ کر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ملا مسجد میں نماز پڑھاتا ہے اور روٹی کے لیے لوگوں کے گھروں کا طواف کرتا ہے۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ بچے کو سکول اور کالج کی تعلیم دلائی جائے۔ تاکہ وہ ڈگری حاصل کر کے کسی بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہو۔ ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے لائق ہو۔

○ بلکہ اب تو مولوی صاحبان کا بھی یہ حال ہے کہ وہ خود تو گویا اپنے بزرگوں کی نادانی کی وجہ سے دینی علم حاصل کر کے ملا بن گیا۔ اگرچہ وہ خود تو دینی کام میں لگا ہوا ہے لیکن اپنی اولاد کو وہ بھی سکول و کالج کی تعلیم دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم کی اولاد ایسی بگڑتی ہے کہ جاہل کی اولاد بھی ایسی نہیں بگڑتی۔ اعاذنا اللّٰہ منہ۔ اور ایسے علماء بہت ہی کم ہیں جن کی اولاد بھی عالم ہو۔ بلکہ مشاہدہ ہے کہ بعض علماء کی اولاد بے دین پھر رہی ہے۔ اور بعض کی اولاد دہریہ اور لامذہب ہو گئی ہے۔ بے عمل تو بہت ہو گئے ہیں۔ اور بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر مدارس اسلامیہ میں جہاں خالص دینی تعلیم دی جاتی تھی، جہاں سے علماء، مصنفین، مفسرین، شارحین، مناظرین، مدرسین اور مبلغین پیدا ہوتے تھے، اب وہاں دنیوی تعلیم بھی ضروری کی جا رہی ہے۔ اور اس مقصد کے لیے مدارس دینیہ کی نصابی کتابوں میں تخفیف کی جانے لگی ہے۔ اور آہستہ آہستہ انگریزی علوم کو بھی ضروری مضمون کی حیثیت سے اسلامی نصاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔ جبکہ یہ ایک انتہائی خطرناک اقدام بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اور خدشہ ہے کہ رفتہ رفتہ دینی علوم کی جگہ انگریزی علوم نہ لے لیں۔ کیونکہ نتیجہ ارذل اور اخس کے تابع ہوتا ہے۔

○ اب مانعین کا انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالے سے یہ کہنا کہ وہ توحید کی تبلیغ پر اجرت نہ لیتے تھے۔ یہ ایک سطحی قسم کا اعتراض ہے۔ کیونکہ سوچنے کی بات ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اجرت کس سے لیتے؟۔

○ دشمن اور مخالف سے اجرت وصول کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اجرت کی امید تو وہاں ہوتی ہے جہاں مزدور نے مالک کی مرضی کے موافق کام کیا ہو۔ اور مشرکین کو تو توحید کی تبلیغ گوارا ہی نہ تھی۔ وہ تو مبلغ کی آواز سنتے ہی بھاگ جاتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی کہتے تھے کہ اٹھ چلو اس کی تقریر نہ سنو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ⑥

ترجمہ اور رؤساء قریش مجلس نبوی سے یہ کہتے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو جی چلو اپنے

معبودوں کی پوجا پر پکے ہو کر ڈٹے رہو۔ یقین جانیے کہ یہ بات جو یہ شخص کہہ رہا ہے اس میں ضرور اس کی کوئی ذاتی غرض ہے۔ (۶:۳۸)

○ نیز اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کی گت سنانے کے بعد فرمایا:

قرآن فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾

ترجمہ مگر اب ان ضدی منکروں کو کیا ہارٹ گئی ہے کہ وہ اس سراسر مجسم نصیحت یعنی قرآن سے منہ پھیرتے ہیں۔ یہ منکر ضدی کس وجہ سے یہ حق دعویٰ نہیں مانتے الٹا اعراض کرتے ہیں اب ان کی حالت یہ ہے کہ گویا وہ جنگلی گدھے ہیں جو شیر کی صورت سے بدک کر بھاگ جاتے ہیں۔ (۷۴: ۴۹۔۵۱) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ قیامت میں کفار کا جو حال ہوگا وہ سن سن کر یہ کافر لوگ بجائے اس کے کہ ایسے شرکیہ امور سے باز آئیں اور توحید مان لیں یہ ضدی کافر آپس میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور جونہی یہ قرآن سنانے لگے تو اس کے بیچ بیچ میں پڑھتے وقت غل مچا دیا کرو۔ امید ہے کہ اس تدبیر سے تم مسلمانوں پر غالب آجاؤ گے۔ (۴۱: ۲۶)

○ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان کافروں کو یوں کہیں کہ تم جو مجھے دیکھتے ہی بھاگتے ہو میں تم سے کچھ مانگتا تو نہیں ہوں۔ ہاں چونکہ بنی آدم سب ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں اس لیے میں اپنے گھر سے کھا کر محض اس رشتہ داری کا لحاظ کر کے اس تبلیغ کرنے میں میں تم پر احسان کرتا ہوں۔ اور میں تمھاری خیر خواہی اسی میں چاہتا ہوں' تاکہ تم ہلاکت سے بچ جاؤ۔

○ نیز یہ بات تو نہ تھی کہ انبیاء کرام علیہم السلام ان کفار کو صبح سے شام تک بٹھا کر سبق یاد کراتے رہتے۔ ان کا کام تو یہ تھا کہ بیٹھی ہوئی مجلس میں تشریف لے جا کر ان کے سامنے توحید کی تبلیغ کرتے۔ ایک دو آدمی مل جائیں تو ان کو بھی یہ مسئلہ

کماتے۔ باقی وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ یا کسی وقت حلال روزی کما لیتے۔

نیز آج کے دور کی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو غیر مسلموں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ایسی یکسوئی کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ اگر کفار کی طرف سے کوئی اعتراض ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً وحی آجاتی کہ آپ ﷺ ان کفار کے اس اعتراض کا جواب اس انداز میں دیں۔ اور بعض اعتراضوں کا جواب اپنی سمجھ اور خداداد فہم سے بھی دے دیتے۔ کفار کے جوابات کے لیے نہ ان کی کتابوں کی فراہمی کی ضرورت ہوتی نہ ان کے مطالعہ کی اور نہ ان کے جوابات سوچنے کے لیے محنت کرنی پڑتی۔ اور صحابہ کرام ؓ کے دور میں بھی یہی حال تھا کہ ان کو صحبتِ نبویؐ کی برکت کے باعث ذہانت اور خداداد حافظہ جیسی نعمتیں حاصل تھیں۔ ان کو بھی کتبِ کفار کی فراہمی کی ضرورت نہ تھی۔ نہ ان کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت، نہ ہی یکسوئی کی ضرورت، اور نہ ہی ان کفار کے زیادہ کچھ اعتراض تھے۔ چند محدود قسم کے سوال کرتے تھے جن کا جواب دینا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ جیسا کہ آج کے دور میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مذہب ہیں۔ اور ہر مذہب کے اعتراض بھی مذہب اسلام پر بے شمار ہیں۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہے۔ اور صحابہ کرامؓ جتنا نہ حافظہ نہ ذہانت۔ اس لیے ان حالات میں ان کے جوابات کے لیے وقت نہ نکالا جائے تو کفار سر چڑھ جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ مسلمان لاجواب ہو گیا ہے۔

نیز انبیاء کرام علیہم السلام کی کفار کے ساتھ گفتگو صرف چند عقائد پر ہوتی تھی۔ یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اعتراض کرتے تھے۔ عبادات، معاملات، معاشرہ اور اخلاق پر بحثیں نہ ہوتی تھیں۔ اور آج کے دور میں بے شمار مسائل میں اعتراضات ہیں۔ فلاسفہ جو علم میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے ان کی کتابوں کے عربی میں تراجم کرنے کے بعد اعتراضات کی خلیج اور زیادہ وسیع ہو گئی۔ وہ قرآنی دلائل کو کیسے مانتے؟ جب سرے سے وہ قرآن و حدیث ہی کے منکر ہیں۔ اور مسلمان لوگ ان کی کتابوں کے تراجم کا مطالعہ کر کے گمراہ ہو گئے اور بیسیوں فرقے

بن گئے' وہ اگر قرآن مجید میں اس کا جواب پا بھی لیتے تو اس میں تحریف اور ہیراپھیری کرکے اس کا مطلب کچھ کا کچھ بنا لیتے۔ جو مذہب اسلام کے خلاف ہوتا۔ اس لیے اس دور کے علماء حق کو زیادہ سردردی کرنی پڑتی ہے۔

پھر عقائد میں کئی اعتراض بڑھ گئے۔ اور قرآنی آیات میں تحریف کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ توحید باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ اور ختم نبوت سے متعلق آیات میں تحریف کی گئی۔ اور ایمان بالملائکہ پر دلالت کرنے والی آیات میں تحریف کر کے جنات اور ملائکہ کے معنے ہی بدل دیے۔ اور جنات اور ملائکہ کے مخلوق ہونے کا انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام کے وجود کا بھی انکار کر دیا گیا۔ جنت دوزخ سے متعلق آیات میں ہیراپھیری کر کے جنت دوزخ کے وجود کا ہی سرے سے انکار کر دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت کا انکار کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قول کیا جانے لگا۔ احادیث نبویہ پر اعتراضات اور معجزات اور کرامات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کا بھی انکار کیا جانے لگا۔ اور یہ بھی کہا جانے لگا کہ آدم سے مراد خاص ہستی نہیں بلکہ نوع انسانی مراد ہے۔ اور تعلیم اسماء کے معنے میں ہیراپھیری کی گئی۔ اور قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا مارنے سے قلزم سمندر کے پھٹنے اور اس میں خشک رستہ نکلنے کا انکار کیا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے نہ ہونے کی بحث چھیڑ دی گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے منہ ہاتھ پاؤں ہونے نہ ہونے اور مستوی علی العرش ہونے کی بحث کی گئی۔ قیامت کے دن رویتِ باری تعالیٰ کا انکار کیا جانے لگا۔ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عنصری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا یا نہ۔ حسن قبح عقلی یا شرعی پر بحث چھیڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے جھوٹ اور ظلم پر قادر ہونے نہ ہونے اور بعثتِ انبیاءؑ کے وجوب اور عدم وجوب' ایمان کے مرکب یا بسیط ہونے' ایمان میں کمی بیشی ہونے یا نہ ہونے' حشر و نشر کے روحانی یا جسمانی ہونے یا نہ ہونے' اور اعادہ معدوم کی بحثیں چھیڑی گئیں۔ اسی طرح منکر نکیر کے سوال' عذاب و تنعیم قبر' اور وزنِ اعمال کا انکار

کیا جانے لگا۔ پل صراط پر بحث۔ کل صحابہؓ کے عادل یا مسلمان ہونے پر بحث۔ صحت ایمان کے لیے دلیل کا معلوم کرنا ضروری ہے یا نہ۔ ایمان مخلوق ہے یا نہ۔ غافل بے ہوش اور سونے والا مومن ہے یا نہیں۔ نیک آدمیوں سے فرشتے افضل ہیں یا نہ۔ حدیث شرعی دلیل ہے یا نہ۔ اجماع امت حجت ہے یا نہ۔ نبیؐ کا میراث ہے یا نہ۔ خلیفۂ اول کون تھا۔ صحابہؓ کا باہم اختلاف اور نزاع۔

○ نیز صحابۂ کرامؓ فصیح عرب تھے۔ ان کی قریشی زبان میں قرآن مجید اترا تھا۔ پھر ان کو یہ علم ہوتا تھا کہ یہ آیت کس موقع پر اتری ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا اشارہ کس امر کی طرف ہے۔ اگر ان بزرگوں کی تقریر نہ سنی ہو تو دوسرا آدمی صرف الفاظ سن کر کچھ کا کچھ مطلب لے کر بھٹک جائے گا۔ اسی لیے صحابہؓ یا ان کے تلامذہ کے بعد آنے والے لوگوں کا فہم معتبر نہ ہوگا۔ اس لیے صحابہؓ اور ان کے تلامذہ کی بیان کی ہوئی تفسیر کا معلوم کرنا ضروری ہوگا۔ اور وہ کتب تفسیر کی فراہمی اور ان کے بغور مطالعہ کے بغیر نہیں ہوگا۔ ان کے لیے محنت اور یکسوئی کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ عام اپنے عموم پر ہے یا اس سے مراد خاص افراد ہیں۔ مطلق اپنے اطلاق پر قائم ہے یا کسی قوی قرینے کے ہوتے ہوئے مراد مقید ہے۔ بعض جگہ لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوتا ہے اور بعض جگہ مجاز۔

○ پھر یہ اس قدر وسیع کام ہے کہ تمام فتنوں کا جواب دینا ایک ہی جماعت کے بس کا کام نہیں۔ لہٰذا علماء نے کئی جماعتوں میں اس کام کو تقسیم کر دیا ہے۔ ہر فتنے کے لیے ایک جماعت کو ذمے دار ٹھہرایا۔ مثلاً:

○ مرزائیوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ایک جماعت ذمے دار ٹھہرائی گئی۔ جو ملک بھر میں بلکہ بیرونی ممالک میں دورے کر کے فتنہ بازوں کا سدباب کر رہی ہے۔ پھر ان میں بھی چار طریقوں پر کام تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ بعض علماء عوام کو آسان لفظوں میں تقریریں کر کے سمجھاتے ہیں۔ اور بعض ان کے ساتھ تقریری مناظرہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اور بعض تصنیف و تالیف کے ذریعے فتنہ بازوں کے تخریب

عقائد جرائد و رسائل کا جواب دیتے ہیں۔ اور بعض طالب العلموں کو تعلیم دیتے ہیں، جس میں ان کے اعتراضوں کے جوابات سکھاتے ہیں۔ تاکہ یہ سلسلہ ہمارے بعد بھی قائم رہے اور بند نہ ہو۔

- اسی طرح ناموس صحابہؓ کے تحفظ کے لیے روافض کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے ملک میں انہی چاروں طریقوں سے ایک جماعت سعی تام کر رہی ہے۔
- اور اسی طرح انہی چاروں طریقوں کے ذریعے ایک جماعت نیچریوں، منکرین حدیث، معتزلہ، اسماعیلیوں کی تردید کے لیے رات دن مصروف ہیں۔
- اسی طرح ایک جماعت یہود و نصاریٰ کے اعتراضات کے لیے انہی چار طریقوں سے جواب دینے میں مصروف ہیں۔
- اسی طرح ایک جماعت انہی چار طریقوں سے مشرکین کے اعتراضات کے جوابات کے لیے بڑی تندہی سے کام کر رہی ہے۔ اور رات دن اسی کام میں مگن ہے۔ اور جگہ جگہ قرآن مجید کے درس کا باقاعدہ اور منظم کام ہو رہا ہے۔
- اور ایک جماعت انہی چار طریقوں سے مبتدعین کے اعتراضوں کے جوابات کے لیے کام کر رہی ہے۔
- علیٰ ہذا القیاس احیائے دین اسلام کے لیے تمام جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ اور مانعین کے علی الرغم اسلام کا درد رکھنے والے مخیر حضرات محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی حلال کمائی سے ان جماعتوں کا بدستور تعاون کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حلال مال میں برکات کثیرہ ڈالے۔ اللھم زد فزد۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے۔ جو جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ واللہ ذوالفضل العظیم
- پھر دین میں عقائد کی طرح عبادات، معاملات، معاشرہ اور اخلاق باطنہ کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور عبادات میں سرے کی عبادت نماز ہے۔ اور اس کی کئی شرطیں ہیں۔ نماز پڑھنے سے پہلے ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔

① وضو، ② غسل،
③ تیمم، ④ مسح خفین،
⑤ کنوئیں کے مسائل، ⑥ استنجا کا طریقہ،
⑦ بیت الخلاء میں جانے کے مسائل، ⑧ کن کن پانیوں سے وضو جائز ہے۔
⑨ جھوٹا کس کس جانور کا پاک یا پلید یا مکروہ یا مشکوک ہے۔
⑩ حیض، استحاضہ اور نفاس کے مسائل۔

○ پھر ان مسائل کے دلائل قرآنیہ و حدیثیہ و فقہیہ اور مخالفین کے اعتراضوں کے تحریری و تقریری اعتراضوں کو دیکھ کر ان کے جوابات۔

نماز کے مسائل:

○ نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مفسدات، مکروہات تحریمی و تنزیہی، نماز کے اوقات، مکروہ و مستحبات، نماز کے فرائض، واجبات، سنتیں، نفل، جمعہ، عیدین، تہجد، استسقاء، کسوف، (سورج گہن) خسوف (چاند گہن) کی نماز کا طریقہ، نماز کے اوقات، نماز قضاء کا طریقہ، مریض کی نماز کا طریقہ، مسافر کی نماز، سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت کے احکامات، تکبیرات تشریق کیا ہیں اور کب سے کب تک ہیں۔ جماعت ہو رہی ہو تو پیچھے سے آ کر ملنے والا مقتدی کیا کرے۔ اور تراویح کے احکامات۔ قراءت کون سے وقت فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب۔ امام کی اقتداء میں قراءت کرے یا نہ کرے۔ امام کون بنے میت کے احکام۔ کفن، دفن اور نماز جنازہ کے احکامات، نماز جنازہ میں کیا پڑھے۔ قبر میں میت رکھنے کا طریقہ۔ دفن کے بعد کیا کیا جائے۔ شہید کے احکامات۔ کعبہ میں نماز کا طریقہ وغیرہ اور ان مسائل میں علماء کے بے شمار اختلافات ہیں۔ جن کی تحقیق کے لیے چودہ صدیوں کے علماء کرام کے دلائل سامنے رکھ کر مطالعہ کر کے ان میں سے مفتی بہ مسلک معلوم کرنا۔

زکوٰۃ کے مسائل:

○ زکوٰۃ کس کس پر واجب ہے۔ اور کس پر نہیں۔ زکوٰۃ کا مال، زکوٰۃ کے مال کی مقدار

اور وقت' اور اونٹ' گائے' بیل' بھینس' بھینسا' مینڈھا' بکری' دمی' گھوڑے' سونا' چاندی اور دیگر سامانِ تجارت' عشر' معدنیات' دفینے' کھیتی' پھل وغیرہ میں زکوٰۃ' مصارفِ زکوٰۃ' صدقۂ فطر' مقدارِ واجب اور وقت وغیرہ تمام امور کا سیکھنا اور سکھانا۔ اوران مسائل میں علماء کے اختلافات اوران میں سے راجح مسلک معلوم کرنا۔

روزہ کے مسائل :

○ روزہ کی اقسام' فرض' سنت' مستحب' روزہ کی قضاء' اور کفارہ' اعتکاف اوراس کی اقسام۔ اوران کی جزئیات میں علماء کے اختلاف اور جواب معلوم کرنا۔

حج کے مسائل :

○ مواقیتِ حج' احرام' ارکانِ حج' واجباتِ حج' سُننِ حج' مکروہات' وہ چیزیں جن سے حج ٹوٹ جاتا ہے۔ ٹوٹنے کے بعد حج کا پورا کرنا' اور دوسرے سال پھر حج کو آنا' تلبیہ کا وقت' قربانی کا وقت' ہدیہ کس کس پر واجب ہے۔ طواف کے اقسام اوراس کے احکام' وقوفِ عرفہ کے احکام' حج کے اقسام اوران کے احکام' (افراد' قران' تمتع) حج میں جنایات کا بیان' حج میں وطی و دواعی وطی' احرام میں شکار کے مسائل' میقات سے بغیر احرام کے گزرنا' محصر (بیماری یا دشمن کے خوف سے جس محرم کو حج کے اعمال ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو) کے مسائل' حج فوت ہو جائے تو کیا کرے۔ کسی کی طرف سے حج کرنے کے احکامات۔ اوران مسائل میں علماءِ مجتہدین کے اختلافات اوران کے دلائل اور جوابات۔

نکاح کے مسائل :

○ نکاح کے ارکان اور شرائط' اوران ان عورتوں کا بیان جن جن سے نکاح حرام یا جائز ہے۔ نکاح میں ولی کون کون ہو سکتا ہے۔ کفو و غیر کفو کا بیان' نکاح کا وکیل کون ہو۔ مہر کتنا ہو۔ کفار کے نکاح کے بارے احکامات۔ بیویوں کی باریاں۔ اوران کے مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور جوابات۔

دودھ پلانے کے مسائل :

○ بچے کو کتنے عرصے تک دودھ پلانے کی اجازت ہے۔ کس صورت میں رضاعت ثابت ہوتی ہے اور کس صورت میں نہیں ہوتی۔ اوران کے مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور جوابات۔

طلاق کے مسائل :

○ طلاق کی اقسام اور احکام، طلاق دینے کا طریقہ، طلاق دینے کا وقت، دخول سے پہلے اور دخول کے بعد طلاق دینا اور اس کا حکم، طلاق کا اختیار دینا بیوی کو یا وکیل بنانا، طلاق کے کلمات، کن کن کلمات کے کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مریض کی طلاق۔ رجوع کے مسائل، خلع کے مسائل، ظہار کے مسائل، لعان کے مسائل، نامرد کے متعلق احکامات، عدت کے مسائل، سوگ کے مسائل، نسب ثابت ہونے یا نہ ہونے کے مسائل، بچے کی حضانت کون کون کرے، کب تک کرے، نفقہ کے مسائل، مطلقہ کا نفقہ، بیوہ کا نفقہ، چھوٹی اولاد کا نفقہ، جس پر نفقہ واجب ہے اور جس پر واجب نہیں۔ جس کا نفقہ واجب ہے اور جس کا نہیں۔ اوران مسائل میں علماء کے اختلافات اور طرفین کے دلائل اور راجح مسلک۔

قسم کھانے کے مسائل :

○ قسم کھانے کے اقسام، الفاظ، اور کفارہ کا بیان۔ اوران مسائل میں علماء کے اختلافات اور طرفین کے دلائل اور راجح مسلک۔

حدود شرعیہ کے مسائل :

○ حد کس کس پر لگتی ہے اور کس پر نہیں لگتی۔ کب لگتی ہے اور کب نہیں لگتی، زنا کی شہادت کا حکم اور گواہوں کی تعداد، شراب پینے کی حد، بہتان لگانے کی حد، چوری کی حد، ڈاکے کی حد، چور نے چوری کردہ چیز میں اگر تصرف کیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ حد لگانے کا طریقہ۔ اور دورِ حاضر میں غیر مسلموں کی طرف سے اقامت حدود شرعیہ پر اعتراضات اوران کے جوابات۔

جہاد کے مسائل :

○ صلح کے احکام، امان کے احکام، جہاد سے پہلے تبلیغ کا طریقہ، جہاد کے بعد غنیمت کی تقسیم کا اسلامی طریقہ، غازیوں کو انعامات، اگر کفار کا غلبہ ہوجائے تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ عشر، خراج، اور جزیہ کے احکامات، ذمی کے متعلق احکامات۔ نصاریٰ بنی تغلب کا حکم، بیت المال کے مصارف، مرتدین کے احکامات، باغیوں کے احکامات، گری پڑی چیز کے احکامات، گم شدہ چیز کے احکامات۔ اور دورِ حاضر میں جہاد اور غلامی کے متعلق غیر مسلموں کی طرف سے کیے ہوئے اعتراضوں کے جوابات۔

شرکت کے مسائل :

○ شرکت کی اقسام اور اس کے احکامات، شرکتِ صحیحہ اور شرکتِ فاسدہ کی صورتیں اور یہ کہ شرکت کس صورت میں ختم ہوجاتی ہے۔

اوقاف کے مسائل :

○ مسجد کا وقف، سرائے کا وقف، جانوروں کا وقف، زمین کا وقف، اور ان کے احکامات۔ اور اس میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

خرید وفروخت کے مسائل :

○ خرید و فروخت کے ارکان، خیارِ شرط، خیارِ رؤیت، خیارِ عیب، خیارِ قبول، خیارِ نقد، خیارِ مجلس، خیارِ تعیین، خیارِ فسخ، خیارِ کشف، خیارِ رد، بیع باطل اور بیع فاسد اور بیع مکروہ کے احکامات، اقالہ، مرابحہ، تولیہ، مخاسرہ، ربوٰ کے احکامات، حقوقِ بیع، استحقاق، بیع فضولی، بیع صرف، بیع سلم وغیرہ۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

کفالہ اور حوالہ کے مسائل :

○ کفالہ بالنفس، کفالہ بالمال، ضمان، حوالہ وغیرہ۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ادب القاضی کے مسائل:

○ حاکم، قاضی، اور حکم، کتاب القاضی الی القاضی اور اس کی شرائط، حبس کرنے کا حکم کس کو ہے اور کس کو نہیں۔

قضاء وافتاء کے مسائل:

○ مفتی اور قاضی کے بارے احکامات، اس کی ذمہ داریاں، فیصلے کرنے کے طریقے، معاملات کے بارے اور وراثت کے بارے میں اور دیگر امور ہیں۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

شہادت کے مسائل:

○ مقبول الشہادۃ کون اور مردود الشہادۃ کون ہے۔ شہادۃ علی الشہادۃ کے مسائل۔ رجوع عن الشہادۃ کے مسائل۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

وکالت کے مسائل:

○ وکیل کس کو کون بنا سکتا ہے۔ وکیل کو معزول کرنے کے بارے احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مدعی کے مسائل:

○ مدعی کے دعوی کرنے کا طریقہ، مدعی کے ذمہ کون کون سے کام ہیں، مدعیٰ علیہ کے اقرار کے بارے احکامات، مدعیٰ علیہ کے ذمہ کیا چیز ہے۔ مدعیٰ علیہ اپنی جگہ دوسرے کو قائم مقام بنانے کے بارے میں احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مضاربت کے مسائل:

○ مضاربت کی اقسام، اور ان کے احکامات، مضارب کے لیے ہدایات، اور رب المال کے لیے ہدایات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ودیعت کے مسائل :

○ ودیعت اور امانت میں فرق، ودیعت کے احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ہبہ کے مسائل :

○ ہبہ کس کس کو کیا جاسکتا ہے، اور ہبہ کے دیگر احکامات، ہبہ کر کے رجوع کرنے کا جواز و عدم جواز، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

اجارہ کے مسائل :

○ ٹھیکے اور مزدوری کے احکامات، مزدور کب مستحق ہے اپنی مزدوری کا، اجارہ صحیح اور اجارہ فاسدہ کے احکامات، اور مزدور کن کن صورتوں میں نقصان کا ضامن ہوتا ہے، اور کن میں نہیں۔ اور شرط پر اجارہ کرنا، اجارہ کا فسخ کرنا، اور مزدور رکھنے والا اور مزدور کے باہمی اختلاف کی صورت میں احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

حجر کے مسائل :

○ کن کن افراد پر کونسے حالات میں کونسی پابندیاں لگائی جاسکتی ہیں۔ اور بچے بالغ کی حد، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

غصب کے مسائل :

○ منقوم چیز کے غاصب اور غیر منقوم چیز کے غاصب کے احکامات، اور جو چیز غاصب کے فعل سے متغیر ہو جائے اس کا کیا حکم ہے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

شفعہ کے مسائل :

○ شفعہ کے احکامات، شفع کون کون کر سکتا ہے، شفیع کتنے قسم ہیں، احق بالشفعہ کون ہے، اگر شفعاء کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی تعداد کو دیکھا جائے گا یا ان کی املاک کو۔ شفعہ کے لیے تین طلبیں ضروری ہیں، اور ان کے شرائط، شفیع کو بیع کا علم ہونے کے بعد

کیا کرنا چاہیے، حق شفع کب باطل ہوتا ہے اور اس میں اختلاف، شفیع اور مشتری کے باہم داموں میں اختلاف کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ بائع کا قول کب معتبر ہے۔ شفعہ کن کن چیزوں میں جائز ہے اور کن کن چیزوں میں ناجائز ہے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

قسمت کے مسائل:

○ کن کن چیزوں کی تقسیم اور کیسے کیسے کی جائے تقسیم کرنے والا کون ہو، اس کے لیے کیا کیا شرائط ہیں۔ تقسیم کرنے والے کی مزدوری کس کے ذمہ ہے۔ اجرت قسمت املاک کے اعتبار سے ہوگی یا تقسیم کروانے والوں کی تعداد کے لحاظ سے۔ وارث یا تقسیم غائب ہونے کی صورت میں تقسیم کریں یا نہ۔ جو چیز تقسیم نہ ہوسکے اور ایک شریک حصہ کا مطالبہ کرے تو کیا حکم ہے؟ قاسم کو تقسیم کرنے کی ہدایت، راستہ اور پانی کی گزرگاہ کی تقسیم کا طریقہ، غیر ربوی اموال کی تقسیم میں کمی بیشی، نیچے کی منزل اور بالا خانہ کی تقسیم کا طریقہ، اگر کوئی کہ دے کہ تقسیم غلط ہوئی ہے تو کیا کیا جائے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مزارعت کے مسائل:

○ مزارعت کے مسائل واحکام، مزارعت کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف، جواز کے شرائط، مزارعت کی مدت کا تقرر، مزارع کو پیداوار نہ ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے، مزارعت فاسدہ میں پیداوار کس کی ہوگی۔ پیداوار کی کٹائی اٹھائی، گہائی، اڑائی کے بارے احکام، مدت معاملہ کے دوران مزارع یا مالک مرجائے تو کیا کیا جائے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مساقاۃ کے مسائل:

○ درختوں کو پانی پلانے کی بابت احکام، کن کن درختوں میں مساقاۃ جائز ہے، مدت ختم ہوجائے اور پھل ابھی کچے ہیں تو کیا کیا جائے، "عقد مساقاۃ" کب فسخ ہوسکتی ہے، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ذبح کے مسائل :

○ کس کی ذبیحہ حلال ہے اور کس کی حرام یا مکروہ، کون سا جانور حلال ہے اور کونسا حرام اور کونسا مکروہ، حلال جانور کے کونسے اجزاء مکروہ ہیں۔ ذبح کی شرائط، آداب اور طریقہ، ذبح کا آلہ کیسا ہو، شکار کرنے کا شرعی طریقہ اور اس کے شرائط، سمندری جانور کونسے حلال ہیں اور کونسے حرام، قربانی کے مسائل، قربانی کس پر واجب؟ قربانی کے جانور کون کون سے ہیں ایک جانور میں کتنے آدمی شریک ہوسکتے ہیں قربانی کا وقت، قربانی کا جانور کیسا ہو، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

اشیاء کے جائز یا ناجائز ہونے کے مسائل :

① کھانے کی چیزیں

② پینے کی چیزیں

③ کھانے پینے کے برتنوں کے احکام

④ حلال حرام میں کس کا قول معتبر ہوگا۔

⑤ لباس کے بارے میں کون سا لباس مردوں کے لیے جائز اور کونسا لباس عورتوں کے لیے۔ اور کونسا بچوں کے لیے۔

اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

نظر کے مسائل :

○ مرد کا اجنبی عورت کی طرف، اور عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا، کونسا حصہ مستور ہونا چاہیے، اور کس کس کے آگے۔ حاکم گواہ مدعی، اور مدعیٰ علیہ عورت کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیماری کی جگہ طبیب دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ ختنہ کب کیا جائے۔ غیر محرموں سے پردہ، عورت کے کس کس عضو کا مس کرنا جائز ہے۔ عورت کس کے ساتھ سفر کرسکتی ہے؟ وغیرہ۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

بیع کے مسائل

○ کن کن چیزوں کا بیچنا حرام ہے' اور کن کن کا مکروہ' اور کن کن کا مباح' شراب' خنزیر وغیرہ کی خرید و فروخت مسلمان کے لیے اور غیر مسلموں کے لیے' ذخیرہ اندوزی کے مسائل' کس کس چیز کا ذخیرہ کرنا جائز ہے اور کس کس کا ذخیرہ ناجائز ہے؟ بادشاہ کو کنٹرول کرنے کا کب حکم ہے؟ کون کون سی کھیل جائز ہے اور کون کون سی حرام' خصی لوگوں سے خدمت لینا ناجائز ہے۔ اور جانوروں کا خصی کرنا اور گدھوں کو گھوڑیوں کے ساتھ جفتی کرانا جائز ہے یا ناجائز' کس کس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے اور کس کس کا ناجائز' گم شدہ چیز کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ قاضی کو گزارے کا دینا جائز ہے۔

○ اسی طرح بیت المال میں سے جزیہ اور خراج میں سے دیا جائے پیشگی یا سال کے بعد' اور جب معزول ہو جائے تو اس کا دیا ہوا واپس لیا جائے یا نہ؟

احیاء الموات کے مسائل :

○ بنجر زمین کو آباد کرنے کے احکام' نہروں کی کھدائی کا احکامات' بنجر زمین میں کنواں کھودنا' کنواں اور نہر کے حریم کے احکامات' چشمے کے حریم کا حکم' دوسرے کے حریم میں کھدائی کرنا' کاریز کا حریم' درختوں کا حریم' کون کون سی بنجر زمین آباد کرنی جائز اور کون سی ناجائز؟ غیر کی زمین میں نہر کھودے تو اس کا حریم ہے یا نہیں۔

پانی کی باریوں کے مسائل :

○ سمندری پانی' ندیوں کا پانی' چھوٹی نہروں کا پانی' اور کھالوں کا پانی' اور جو پانی برتنوں میں رکھ دیا جائے۔ نہروں کی کھدائی کس پر ہے۔ وغیرہ۔

پینے کے مسائل :

○ کون سی پینے کی چیزیں حرام ہیں اور کون سی حلال اور جائز ہیں؟ اور نشہ آور چیز کو کسی طریقہ سے صاف کر دیا جائے جس سے اس کا نشہ ختم ہو جائے اس کا جواز یا عدم جواز؟ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

رھن کے مسائل :

○ رہن کے ارکان اور شرائط، کون کون سی چیزیں رہن رکھی جاسکتی ہیں؟ اور مرتہن کو مرہونہ چیز کے بارے احکامات، اور راہن کے لیے احکامات، اور مرہونہ چیز کا خرچ کس کس کے ذمہ ہے؟ مرہونہ چیز کسی عادل کے ہاتھ میں رکھی جائے اس کے احکامات، مرہونہ چیز میں تصرف کرنا اور اس میں کوئی زیادتی کرنا اور مرہونہ چیز کا کسی دوسری چیز پر زیادتی کرنا۔ اور اس کے احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

جنایات کے مسائل :

○ قتل کی اقسام اور ان کے احکام، کن کن چیزوں میں قصاص واجب ہے اور کن کن چیزوں میں قصاص واجب نہیں ہے؟ قصاص لینے کا طریقہ، مسلمانوں پر تلوار سونتنے والے کے احکامات، ما دون النفس چیزوں کا قصاص مثلاً ہاتھ پاؤں انگلیاں وغیرہ، جن اعضاء کے کاٹنے میں قصاص واقع نہیں ہوتا، قاتل اور مقتول کے وارثوں کے درمیان صلح ہو تو کیا کیا جائے؟ قتل کی شہادت،

دیت کے مسائل :

○ دیت کی اقسام و احکام، قتل خطاء کا کفارہ، دیت کب ثابت ہوتی ہے؟ مرد اور عورت کی دیت کے درمیان فرق۔ مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق؟ کس کس عضو کی کتنی کتنی دیت ہے؟ مونچھیں کاٹنے کے احکام۔ سر کے دس مختلف قسم کے زخموں کا حکم۔ ضرب سے قوتیں بے حس ہو جانے کے احکام، دیت کتنے سالوں میں دی جائے، اور دیت کون دے گا۔ دیت ادا کرنے والے عاقلہ کون کون ہو سکتا ہے؟ اور دیت کے مختلف عاقلوں کے احکامات، اور تنخواہ دار ملازمین کے مال میں سے دیت کس طرح لی جائے گی۔ اور کتنے سالوں میں لی جائے گی؟ اگر عاقلہ کے افراد کم ہوں تو کیا کیا جائے؟ عاقلہ میں عورتیں اور بچے شامل نہیں اور ایک شہر سے دوسرے شہر کے لیے شرعی حکم۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

قسامہ کے مسائل

○ پردیس میں نامعلوم مقتول کے ہاتھوں قتل ہونے والے مقتول کے متعلق قسامہ اور اس کے احکامات،

وصیت کے مسائل :

○ وصیت کے جواز اور استحباب کا بیان اور وصیت کے رجوع کرنے کا حکم، اور وصیت کتنے مال میں سے کی جائے اور کب کی جائے؟ اور کس کو کی جائے؟ اور کتنی کی جائے؟

وراثت کے مسائل :

○ ترکہ کے متعلق حقوق تکفین و تدفین، دین اور وصیت کے متعلق احکامات، وراثت کے احکام، وراثت کے موانع، وراثت کے حق دار، ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام، خنثیٰ، حمل، مفقود، مرتد، قیدی، اکٹھے مرنے والوں کے احکام، وہ حصے جو قرآن مجید میں مقرر ہیں۔ ان کا حساب لگانا، اقرب و ابعد کا لحاظ کرنا، عول کے مسائل، رد کے مسائل، محروم کے مسائل، محجوب کے مسائل، اور مناسخہ کے مسائل،

ناجائز تجاوزات کے احکام :

○ ناجائز تجاوزات اور راستے کی طرف بیت الخلاء بنانے کے متعلق احکام۔

غیر عاقل سے نقصان ہو جانے کے احکام

○ جانور کسی کا نقصان کردے یا کوئی آدمی جانور کا نقصان کردے اس کے احکامات۔ بچہ کسی کا نقصان کرے یا بچے کا کوئی نقصان کرے اس کے احکامات۔

○ پھر ان تمام مسائل میں بے شمار اختلافات ہیں ان میں سے حق کی تفتیش کے لیے وقت چاہیے۔ پھر ہمارے اسلام کے تمام شعبوں میں غیر مسلموں کا باہم اختلاف ہے۔ جن کے بارے غیر مسلم تحریراً تقریراً کتابوں، رسالوں، اور اخباروں میں بحث کرتے رہتے ہیں۔ جس سے عوام کو اسلامی امور سے بدظن کیا جاتا ہے۔ اور لوگ علماء سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور کہیں کہیں مذہب بھی بدل لیتے ہیں یا آزاد خیال ہو جاتے ہیں اور سرے سے مذہب کو چھوڑ ہی بیٹھتے ہیں۔ اگر پڑھنے

پڑھانے کا سلسلہ اور عوام میں تبلیغ کا شعبہ' امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کیا جائے اور تصنیف و تالیف بند ہو' اور مناظرے بھی بند ہو جائیں تو غیر مسلم آسانی سے عوام کو اپنا بنالیں گے اور دین اسلام ختم ہو جائے گا۔ اور درس و تدریس' امر بالمعروف و نہی عن المنکر' تصنیف و تالیف اور مناظرے بغیر علم کے نہیں ہو سکتے۔ اور جب علم سیکھنے والا کوشش کرے گا کہ میں سیکھوں تو کیسے سیکھے گا۔ عالم لوگ اپنی حلال روزی کی فکر میں کہیں سے کہیں مارے مارے پھریں گے۔ تو کوئی کسی کو کس طرح علم سکھائے گا۔ کیونکہ مانعین کے خیال میں دینی امور پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے۔ اس لیے اگر پڑھانے والے کو اجرت لینا حرام ہے۔ تو پڑھنے والے کے لیے دینی تعلیم پر بطور اجرت کسی نہ کسی طرح اپنے استاذ کی مالی خدمت کرنے کو بھی حرام کہنا چاہیے۔ کیونکہ جس طرح حرام کھانا حرام ہے اسی طرح حرام کھلانا بھی حرام ہے۔

دلیل مانعین ۲

○ مانعین اپنے موقف کی دلیل میں سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کے طوق سے تشبیہ دے کر تعلیم القرآن کی اجرت لینے سے منع فرمادیا تھا۔ سو اس کا:

جواب یہ ہے کہ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں زندہ تھے۔ بہتر سال کی عمر پا کر ۳۴ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جو حالات تھے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ ان دونوں خلیفوں نے بِحَضْرٍ مِّنَ الصحابۃؓ یعنی ہزاروں صحابہؓ کی موجودگی میں ائمۂ صلوٰۃ و معلمین و مؤذنین و قضاۃ و ولاۃ کے وظیفے بیت المال میں سے مقرر کیے تھے۔ اور وہ خاموش رہے۔ اگر ان دونوں خلیفوں کا یہ رویہ غلط تھا تو حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ایسی ہستی نہ تھی جو ایک حرام اور منکر کام دیکھ کر خاموش رہ جاتے۔

جوازِ اجرت پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع

○ عہدِ خلافت میں تعلیمِ قرآن پر باضابطہ طریقہ سے اجرت دینے کا یہ نظام دیکھ کر حضرت عبادہؓ کا خاموش رہنا' بلکہ تمام موجود صحابہؓ میں سے کسی ایک کا بھی اس پر آواز نہ اٹھانا' اس بات کی دلیل ہے کہ خلفاء کا یہ نظام صحیح ہے۔ اور اس پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع سکوتی ہے۔ جو بمنزلہ حدیث مشہور کے ہے۔ اور اس خاموشی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو روایت بدری صحابی سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ یا کم سے کم یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی راوی نے اسکا غلط مفہوم سمجھ لیا۔ جبکہ

فائدہ ہے کہ : فہمِ راوی حجت نہیں ہوتا۔ لہٰذا مانعین کا اس حدیث کو دلیل میں پیش کرنا اصولی طور پر صحیح نہیں۔

○ صحابۂ کرام کے اجماعِ سکوتی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو حدیث حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی طائفی ابوعبداللہ متوفی ۵۱ھ کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ : "اذان پر اجرت لینا حرام ہے"۔ بلکہ یہ فرمایا کہ : "ایسا مؤذن رکھو جو اذان پر اجرت نہ لے"۔ اگر یہ حرمت کی دلیل ہوتی تو محدثین کے تین مسلک نہ بنتے۔ ① پہلا مسلک یہ ہے کہ اذان پر اجرت نہ لی جائے۔ ② دوسرا مسلک یہ ہے کہ اذان پر اجرت مکروہ ہے۔ ③ تیسرا مسلک جواز کا ہے۔

اجرتِ اذان کی دلیل

○ اجرتِ اذان کے جواز کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے بعد ایک صرہ یعنی ہمیانی دی تھی جس میں چاندی تھی۔ (دیکھیے صحیح ابن حبان)

○ نیز جب عہدِ فاروقیؓ و عثمانیؓ و علویؓ و معاویہؓ میں مؤذنین کو وظیفے دیے جاتے تھے تو صحابیِ رسول حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے ان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ تو اجماعِ سکوتی ہو گیا۔

اجرت امامت کی دلیل

○ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد عرب لوگ اسلام قبول کرنے میں پہل کرنے لگے تھے۔ میرے والد نے بھی اسلام لانے میں میری قوم سے پہل کی۔ میرے والد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے واپس گھر آئے تو کہنے لگے کہ واللہ! میں سچے نبی کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔ وہ نبی یہ فرماتے تھے کہ فلاں فلاں وقت میں فلاں فلاں نماز پڑھا کرو۔ سو جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہ دیا کرے۔ پھر تم میں سے کوئی ایسا شخص امام بنے جسے قرآن مجید زیادہ آتا ہو۔ تو قبیلے والوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن مجید نہ آتا تھا۔ کیونکہ شتر سوار صحابہ کرام جو قرآن مجید پڑھتے ہوئے ہمارے پاس سے گزرتے تھے تو مجھے قرآن مجید کا کافی حصہ زبانی یاد ہو گیا تھا۔ گویا وہ میرے سینے میں جمع کر رہے تھے۔ اس لیے انھوں نے مجھے امام بنا دیا۔ اور میں اس وقت چھ سات سال کا تھا۔ اور مجھ پر ایک چھوٹی چادر تھی۔ اور جب میں سجدے میں جاتا تو پیچھے سے وہ چادر سکڑ جاتی۔ یہ دیکھ کر قبیلے کی ایک عورت کہنے لگی کہ اپنے قاری صاحب کا ستر تو ڈھکو۔ اس پر سب نمازیوں نے میری خاطر کپڑا خریدا اور اس کی قمیص بنادی۔ جس سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے بڑھ کر کسی چیز سے مجھے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ (بخاری صفحہ ۶۱۶)

فائدہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر نمازی امام کو ہدیہ دیں تو امام کو بلا تردد قبول کر لینا چاہیے۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز

○ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض دیہاتیوں نے عرض کی کہ ہمارے ساتھ ستر قاری روانہ فرمائیں۔ ہم ان سے قرآن سیکھیں گے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر ستر قاری صحابہؓ ان لوگوں کے ہمراہ روانہ فرما دیے۔

○ تاریخ اسلام کا یہ ایک دردناک واقعہ ہے۔ ان بدبخت لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے فرستادہ ستر صحابہ قراء کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا تھا۔

فائدہ حضرت نبی کریم ﷺ نے پردیس جانے والے ان قاریوں کو ضرورت کے مطابق اپنے خورد و نوش، یا کسی قسم کا تجارتی سامان اپنے ہمراہ لے جانے کا مشورہ اسی وجہ سے نہیں دیا کہ ان کی ضروریات خورد و نوش وغیرہ کا انتظام حسب دستور لے جانے والوں ہی کے ذمے ہے۔

○ نیز اس حدیث سے واضح طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معلمین کو اپنے شاگردوں سے گزارے کے مطابق وظیفہ لینا جائز ہے۔

اجرتِ تعلیم سے ممانعت کی وجہ

○ جو حضرات تعلیم قرآن پر اجرت لینے سے منع کرتے ہیں ان کا مطلب یہ تھا کہ ممانعت اس شخص کے بارے میں ہے جو امیر گھرانے کا کھاتا پیتا ہو اس کے لیے منع یا مکروہ ہے۔ اور جو حضرات جوازِ اجرت کے قائل ہیں وہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔ اب اس اجماع سکوتی کو رد کرنا اور حرمت کا فتویٰ دینا مفتی کا کام نہیں ہے۔

ممانعتِ اجرت والی حدیثوں پر بحث

(۱) اجرت علیٰ تعلیم القرآن کی حرمت پر جو حدیث مشہور بدری صحابی سیدنا عبادۃ بن صامت بن قیس انصاری خزرجی ابوالولید مدنی رضی اللہ عنہ کی طرف محض منسوب کی گئی ہے۔ اور مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۸ بحوالہ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ کتاب الطب و سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ پر درج ہے۔ اور یہی حدیث مانعین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔

(۲) نیز ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ میں سیدنا ابی بن کعب سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔

(۳) اور ایک حدیث حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی گئی ہے۔ مگر یہ تینوں حدیثیں صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان حدیثوں

میں سے ایک حدیث بھی اپنے استدلال میں پیش نہیں کی۔ جبکہ ان کا قانون ہے کہ قرآن وحدیث کو اجتہاد پر مقدم رکھتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ استدلال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیثیں بسندِ صحیح نہیں پہنچیں ورنہ حرمتِ اجرت علی تعلیم القرآن پر ان صریح حدیثوں کو ضرور پیش فرماتے۔

- معلوم ہوا کہ سیدنا عبادۃ بن الصامت کی مذکورہ حدیث مختلف فیہ ہے۔ گو اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ مگر اسود بن ثعلبہؒ ایسے راوی ہیں جن سے اس حدیث کے سوا کوئی حدیث محفوظ نہیں سمجھی جاتی۔ اور یہ حدیث بھی طبقۂ ثانیہ کی کتب میں ہے۔
- نیز امام فخر الدینؒ سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ کے حاشیہ ۲ میں فرماتے ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں تحریر فرمایا ہے کہ: "حرمتِ اجرت علی تعلیم القرآن والی حدیث کی مدار مغیرۃ بن زیاد پر ہے۔ جو عبادۃ بن نسی کے شاگرد ہیں۔ اور یہ حضرت عبادہؓ حضرت اسود بن ثعلبہؓ کے شاگرد ہیں۔ جبکہ اسود غیر معروف ہیں۔ جیسا کہ علی بن مدینیؒ وغیرہ نے کہا ہے"۔ (دیکھیے تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶)
- نیز اسی کتاب میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ: "مغیرہ بن زیاد مختلف فیہ ہے۔
- امام احمدؒ نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے۔
- اور ابو زرعہ نے کہا ہے کہ: "لا یحتج بحدیثہ" اس کی حدیث کو دلیل میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔
- نیز محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس میں کلام کیا ہے۔ البتہ:
- ابو عبداللہ حاکم نے ایک جگہ اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مگر دوسری جگہ عبادہ بن نسی سے موضوع حدیث بیان کی ہے۔ (دیکھیے تنقیح الرواۃ صفحہ ۱۹۶ جلد ۲)
- نیز سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی یہی حدیث ایک اور طریق سے بھی مروی ہے۔ جس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہیں۔ اور وہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اور اس کی روایت بھی منقطع ہے۔

- اور ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ جس کے راوی ابوادریس خولانیؒ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں تحریر فرمایا: "لا یعرف لابی ادریس الخولانی سماع من ابی"۔ یعنی ابوادریس خولانیؒ کا حضرت ابی ابن کعبؓ سے سماع معروف نہیں۔
- اور امام بیہقیؒ اور ابن حزمؒ اور رویانیؒ نے اس روایت کو منقطع کہا ہے۔
- اور حضرت اُبَیّ رضی اللہ عنہ کی دوسری سند میں عطیہ کلاعی ہیں۔ اور یہ سند بھی منقطع ہے۔
- اور ایک روایت میں علی بن رباح ہیں۔ وہ بھی منقطع ہے۔ کیونکہ علی بن رباح نے حضرت اُبَیّ ابن کعبؓ کو پایا ہی نہیں۔
- نیز وہ روایت عبدالرحمٰن بن مسلم کی وجہ سے معلول ہے۔
- اور ان کے علاوہ یہ حدیث اور کئی طرق سے بھی مروی ہے۔ جن کے متعلق نقاد ماہر رجال یحییٰ بن القطانؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: "لا یثبت منہا شئ"۔ ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔
- اور بیہقیؒ اور ابونعیمؒ نے ابوالدرداءؓ سے بھی روایت بیان فرمائی ہے۔ اس کے اسناد میں بھی مقال ہے۔
- تنقیح الرواۃ میں ہے: "قال دحیم حدیث ابی الدرداء ھذا لیس لہ اصل"۔ حضرت دحیمؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداءؓ کی اس حدیث کا کوئی اصل موجود نہیں۔
- ابن حزمؒ نے المحلی میں ایک روایت بیان فرمائی ہے جس میں یحییٰ الولید ضعیف ہے۔
- اور ترمذی میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت موجود ہے۔ اس کے متعلق خود ترمذی نے کہا ہے کہ: "لیس اسنادہ بذالک" اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

اجرتِ قراءت کا جواز

- نیز اس حدیث کے معارض ایک اور حدیث بھی موجود ہے۔ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بحوالہ صحیح بخاری، مشکوٰۃ شریف کے اسی صفحہ یعنی صفحہ ۱۵۸ پر مروی ہے کہ: "بچھو کے ڈنک کاٹنے پر ایک صحابیؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ اور

اس کے عوض میں تیس بکریاں وصول کیں"۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۸۸ و حاشیہ ۷)

○ صحابۂ کرامؓ نے اپنے فہم کے مطابق اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ تُو نے کتاب اللہ کے عوض مزدوری لی ہے۔ پھر مدینہ منورہ میں آ کر ان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی کہ اس نے کتاب اللہ کے عوض مزدوری لی ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: "ان احق ما اخذتم علیه اجراً کتاب الله"۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔

○ نیز فرمایا: "اصبتم"۔ یعنی تم نے اچھا کیا۔

○ نیز فرمایا: "اقسموا و اضربوالی معکم سهماً"۔ یعنی تم بکریاں آپس میں تقسیم کرلو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔

○ اس کی شرح میں امام کبیر شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ جلد ۶ صفحہ ۱۵۸ پر تحریر فرماتے ہیں: "فانه یدل علی جواز الاستیجار لقراءة القرأن و الرقیة به و جواز اخذ الاجرة علیه"۔ یعنی یہ حدیث پاک دلیل ہے اس بات کی کہ قرآن پاک پڑھنے کے لیے کسی کو مزدور رکھنا اور قرآن مجید میں سے پڑھ پڑھ کر دم کرنا جائز ہے اور اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔

○ پھر تحریر فرمایا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے: "ان احق ما اخذتم علیه اجراً کتاب الله"۔ اس بات کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن پر بھی اجرت لینا جائز ہے۔ پھر اس حدیث کو حل کیا جو سوال میں درج ہے۔

○ صفحہ ۱۵۹ میں ہے: "انه کان متبرعاً بالتعلیم ناویاً للاحتساب فیه فکره رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان یضیع اجره و یبطل حسنته بما یاخذه هدیة فحذره منه و ذٰلك لا یمنع ان یقصد به الاجرة ابتداءً و یشترط علیه کما ان من رد ضالة انسان احتساباً لم یکن له ان یاخذ اجراً و لو شرط علیه اول الامر اجرا جاز"۔ کہ وہ قرآن پڑھانے والا محض ثواب کی نیت سے قرآن پڑھا رہا تھا۔

پھر جب طالب العلم نے خوشی سے کمان پیش کی تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کمان کوئی اتنی قیمتی چیز تو نہیں مگر میں اس سے جہاد میں کام لوں گا۔ تب حضور ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اس کا اجر ضائع ہو جائے اور ہدیہ لینے کی وجہ سے اس کی نیکی برباد ہو جائے۔ اس لیے اس سے روک دیا۔ اور یہ حدیث اس چیز کو مانع نہیں ہے کہ ابتداء ہی سے کوئی شخص شرط لگا کر اجرت پر قرآن مجید پڑھانے کا قصد کرے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ کسی انسان کی گم شدہ چیز موجب ثواب سمجھ کر واپس کر دے اب اس کو اجرت لینا جائز نہیں۔ لیکن اگر شروع ہی سے اس نے یہ شرط لگا دی ہو کہ میں گم شدہ چیز کو واپس کر دینے کی اجرت لوں گا تب اس کو اجرت لینا جائز ہے۔

کیا جوازِ اجرت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے؟

○ شروع میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ اجرت علیٰ تعلیم القرآن کے جواز و عدمِ جواز کے متعلق سلف صالحین میں اختلاف رہا ہے۔ مگر ان کے بعد ایک دور آیا جس میں قائلین حرمت اپنا موقف چھوڑ کر قائلین حلت کے ہم خیال ہو گئے۔ اور جواز کا فتویٰ دینے لگے۔ اس مقام پر دو قاعدے یاد رکھیں:

قاعدہ "خلاف المتأخرین لا یعتبر بعد اجماع السلف"۔ یعنی "سلف صالحینؒ میں جس مسئلہ پر اجماع ہو جائے ان کے بعد والے لوگوں کا اختلاف غیر معتبر ہے"۔ (دیکھیے: ہدایہ شریف حاشیہ صفحہ ۲۰ بحوالہ فتح القدیر) نیز:

قاعدہ ہے کہ: "متأخرین کا اجماع متقدمین کے اختلاف کو ختم کر دیتا ہے"۔ (ہدایہ صفحہ ۹۵ حاشیہ ۲۸)

○ فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۲۱۰ صفحہ ۲ پر بھی اسی طرح لکھا ہے۔

○ اس قاعدہ کے تحت اس مسئلہ میں سلف صالحینؒ میں اختلاف تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ مگر متأخرین میں سے تمام فقہاء امت جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ ان کے پیش نظر خلفاء راشدینؓ کا عمل اور حالات زمانہ کی تبدیلی ہے۔ چنانچہ:

خلفاءِ راشدینؓ کا عمل

① سیرۃ العمرین للامام ابی الفرج عبد الرحمٰن بن جوزی حنبلی صفحہ ۱۹۵ میں ہے: "ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کانا یرزقان المؤذنین و الائمۃ و المعلمین"۔ یعنی حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما موذنوں، اماموں اور معلموں کو بیت المال میں سے گزارے کے مطابق رقم دیا کرتے تھے۔

○ نیز اس کتاب میں فہرست ملاحظہ فرمائیں کہ کس کس فقیہ کو کس کس شہر میں تعلیم فقہ (دین کی سمجھ) پر مامور کیا گیا ہے۔ (دیکھیے صفحہ ۱۶۸)

② کتاب الاموال للامام ابی عُبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ صفحہ ۲۶۱ و ۲۶۲ میں تحریر فرمایا: "ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عمالہ ان اعط الناس علی تعلیم القرآن"۔ یعنی حضرت عمر الخطاب رضی اللہ عنہ نے بعض گورنروں کو خطوط لکھے کہ تعلیم القرآن پر معلمین کو ان کے گزارے کا خرچ دیا کرو۔

③ اور یہی بات امام زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۷ میں تحریر فرمائی ہے۔

④ نظام العالم و الامم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳ میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے لیے تنخواہیں مقرر کی تھیں۔

⑤ حاشیہ شرح وقایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۲ میں ہے: "روی ان ابابکرؓ کان یاخذ من بیت المال فی زمان الخلافۃ کل یوم درھمین ...... روی ان علیاًؓ کان یاخذ کفایۃ اھلہ، و یجب الیوم علی الناس ان یعطوا کفایۃ القضاۃ و المحتسبین و طلبۃ العلم و کل من یتفرغ لھم فی الدین لانھم انقطع عنھم حقوقھم من بیت المال فلو اشتغلوا بالکسب لم یتفرغوا لتعلیم الناس و یفسد علیھم باب تحصیل العلوم الدینیۃ و ینفتح باب الحرمان علی العامۃ عن نقضھم و یظھر الجھل بین الناس"۔ یعنی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زمانۂ خلافت میں بیت المال میں سے روزانہ دو درہم لیتے

تھے۔۔۔۔۔ مروی ہے کہ حضرت علیؓ بھی اپنے گھر کے گزارہ کی مقدار بیت المال میں سے لیتے تھے۔ اور آج تو لوگوں پر فرض ہے کہ قاضیوں، نہی عن المنکر کرنے والوں، طالب العلموں اور ہر اس شخص کو جو دین کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں ان کے گزارے کی مقدار ان کو دیا کریں۔ کیونکہ ان کے حقوق آج کے دور میں بیت المال میں سے منقطع ہو چکے ہیں۔ اب اگر وہ کمانے میں لگ جائیں تو لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے اور علوم دینیہ کی تحصیل کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور عوام پر علم دین سے محرومی کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور لوگوں میں جہالت غالب ہو جائے گی۔

○ انہی باتوں کو مد نظر رکھ کر متاخرین حنفیہ نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ جیسا کہ:

اجرتِ تعلیم پر جواز کے فتوے

1 ہدایہ اخیرین صفحہ ۲۸۷ میں ہے: "و بعض مشایخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لظهور التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع یضیع حفظ القرآن و علیه الفتویٰ"۔ یعنی ہمارے بعض مشائخ نے آج کے دور میں تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو مستحسن قرار دیا ہے۔ کیونکہ دینی امور میں سستی عام ہو گئی ہے۔ اس لیے تعلیم قرآن مجید پر اجرت نہ لینے کی صورت میں قرآن مجید کی حفاظت ضائع ہو جائے گی۔ اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

2 الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۳۸ میں ہے: "و یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن و الفقه و الامامة و الاذان"۔ یعنی آج کے دور میں قرآن مجید کی تعلیم کے لیے اور فقہ کی تعلیم کے لیے اور امامت اور اذان کے لیے اجرت کی صحت کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

3 البحر الرائق جلد ۸ صفحہ ۱۹ میں بھی یہی عبارت موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ زمانہ کے حالات کو دیکھ کر حکم بدل جاتا ہے۔

4 نیز علامہ محمود عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۴ میں بالکل اسی طرح تحریر فرمایا۔

○ نیز آپؒ نے تحریر فرمایا: "ذكر السرخسي مشائخ بلخ اختاروا قول اهل المدينة في جواز استيجار المعلم على تعليم القرآن فنحن ايضاً نفتي بالجواز". (بنایہ صفحہ ۶۵۵) یعنی امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ بلخ کے مشائخ نے مدینہ والوں کا قول پسند فرمایا ہے کہ تعلیم قرآن مجید پر معلم کو گزارے کا دینا جائز ہے۔ اس لیے ہم بھی جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

۵ ہدایہ کے حاشیہ کفایہ میں حاشیہ ۱۲ میں تحریر فرمایا ہے: "فان المتقدمين من اصحابنا بنوا جوابهم على ما شاهدوا في عصرهم من رغبة الناس في التعليم بطريق الحسبة و مروة المتعلمين في مجازاة الاحسان بالاحسان من غير شرط و اما في زماننا فقد انعدم المعنيان جميعاً"۔ یعنی ہمارے متقدمین اساتذہ نے اپنے زمانہ میں جو مشاہدہ فرمایا تھا اسی پر اپنے جواب کی بنیاد رکھی۔ کیونکہ انھوں نے مشاہدہ فرمایا تھا کہ پہلے دور میں تعلیم قرآن مجید میں ثواب کے طریقہ پر لوگوں کی رغبت اور محبت تھی۔ اور سیکھنے والے بھی مروۃ سمجھتے تھے کہ بغیر کسی شرط لگانے کے احسان کا بدلہ احسان کرتے ہوئے اپنے اساتذہ کے ساتھ مالی تعاون کرتے تھے۔ لیکن ہمارے اس زمانہ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔

۶ فتح القدیر کے حاشیہ پر عنایہ جلد ۷ صفحہ ۱۸۰ میں ہے: "قال الامام الخيزاخزي في زماننا يجوز للامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجرة كذا في الروضة و ذكره في الذخيرة"۔ یعنی امام خیزاخزی نے فرمایا ہے کہ امام مؤذن اور معلم کو گزارہ لینا ہمارے زمانہ میں جائز ہے۔

۷ نیز فرمایا کہ اسی طرح روضہ میں مذکور ہے۔

۸ نیز فرمایا کہ ذخیرہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

۹ شرح وقایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے: "واما المعلم في زماننا يأخذ اجر يومه و امتثال الامر و لذا لا يقسم الاجر على الاسباق بل على الايام"۔ یعنی ہمارے زمانہ میں معلم اپنا یومیہ اجرت لے سکتا ہے۔ حکم مانتے ہوئے۔

اور اسی واسطے اجرتوں کے لحاظ سے تقسیم ہوتا ہے اسباق کی مقدار پر نہیں۔

10 عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۴۷۲ طبع ہند باب ۲۱ میں تحریر فرمایا : "فی الاصل لا یجوز الاستیجار علی الطاعات کتعلیم القرآن والفقه والاذان والتذکیر والتدریس والحج والعمرۃ والغزو ولا یجب الاجر کذا فی الخلاصۃ جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ ۔۔۔۔ و مشایخ بلخ جوّزوا الاستیجار علی تعلیم القرآن اذا ضرب لذلك مدۃ و افتوا بوجوب المسمّی"۔ یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مبسوط (الاصل) میں تحریر فرمایا ہے کہ عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسے قرآن مجید اور فقہ کی تعلیم اور اذان اور وعظ و نصیحت اور درس و تدریس اور حج اور عمرہ و کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ایسے امور پر اجرت دینا بھی واجب نہیں۔ جیسا کہ خلاصۃ الفتاوی جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ میں مذکور ہے۔ ۔۔۔۔ اور بلخ کے مشایخ نے تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے۔ بشرطیکہ اس کی مدت مقرر کی جائے۔ اور ان مشایخ نے مقرر کردہ اجرت کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

11 فتاویٰ بزازیہ جلد ۵ صفحہ ۳۸ میں ہے : "قال محمد بن الفضل کرہ المتقدمون الاستیجار لتعلیم القرآن و کرهوا اخذ الاجرۃ علیه لوجود العطیة من بیت المال مع الرغبة فی امور الدین و فی زماننا انقطعت فلو اشتغلوا بالتعلیم بلا اجر مع الحاجة الی معاش لضاعوا و تعطلت المصالح فقلنا بما قالوا"۔ یعنی محمد بن فضل نے فرمایا ہے کہ متقدمین نے قرآن مجید پڑھانے پر نوکر رکھنے کو مکروہ کہا ہے اور اجرت لینے کو مکروہ سمجھا ہے۔ کیونکہ ایک تو بیت المال میں سے ان کو وظیفہ مل جاتا تھا دوسری یہ کہ دینی امور کے پڑھنے پڑھانے میں لوگوں کو رغبت اور شوق ہوتا تھا۔ اور ہمارے زمانہ میں یہ سب باتیں ختم ہو چکی ہیں۔ اب اگر پڑھانے والے بغیر اجرت کے پڑھانے میں لگے رہیں باوجودیکہ ان کو معاش کی بھی ضرورت ہے تو وہ یہ کام نہ کر سکیں گے۔ اور مصالح بے کار ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم نے ان کے جواز کا فتویٰ دیا۔

۱۲ خلاصۃ الفتاوی جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ میں ہے: "و عند اهل المدينة يجوز و به اخذ الشافعی و نصير و عظام و ابو نصر و الفقيه ابو الليث .... قال فی المحيط و عليه فتوى مشايخ بلخ. قال الامام الفضلی اصحابنا المتاخرون يجيزون ذلك و يقولون يجبر علی دفع الاجرة و يحبس بها و به يفتی مشايخ بلخ افتوا بوجوب المسمى عند ذكر المدة و بوجوب اجر المثل عند عدم ذكر المدة"۔ یعنی مدینہ طیبہ کے رہنے والے علمائے کرام کے نزدیک قرآن مجید پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور اسی چیز کو امام شافعی اور نصیر اور عظام اور ابو نصر اور فقیہ ابو اللیث نے لیا ہے۔ محیط میں لکھا ہے کہ مشائخ بلخ کا بھی اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام فضلیؒ نے کہا ہے کہ ہمارے متاخرین اصحاب (حنفیہ) بھی جائز کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھوانے والے کو مجبور کیا جائے کہ معلم کو اجرت دے۔ اور مشائخ بلخ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اگر مدت ذکر کی جائے تو مقرر اجرت دینا واجب ہے۔ اور اگر مدت ذکر نہیں کی گئی تو اجر مثل دینا واجب ہے۔

۱۳ شرح الیاس صفحہ ۲۶ میں ہے: "و يفتی اليوم بصحتها لان المنع فی ذلك الزمان لرغبة الناس فی التعليم حسبة لله و مروة المتعلمين فی مجازات الاحسان بالاحسان بلا شرط و فی زماننا قد زال المعنيان ففی الامتناع عنه تضييع لهذه الامور"۔ یعنی آج کے دور میں قرآن مجید پڑھانے پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ منع اس دور میں تھا جب لوگوں میں قرآن مجید محض ثواب حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو پڑھانے کی شوق موجود تھی۔ اور تعلیم حاصل کرنے والے بغیر شرط کے احسان کے بدلے احسان کرنے کو مروۃ (اچھا) سمجھتے تھے۔ اور ہمارے زمانے میں یہ دونوں باتیں اٹھ گئی ہیں۔ اس لیے تعلیم قرآن مجید پر اجرت کو منع کرنے کی صورت میں ان چیزوں کا ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ اور دین اٹھ جانے کا شدید خطرہ ہے۔

۱۴ شرح العقیدۃ الطحاویۃ صفحہ ۳۸۶

۱۵ فتاوی قاضی خان صفحہ ۱۹ (کتاب الاجارات) میں ہے: "قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل انما کرہ المتقدمون الاستیجار لتعلیم القراٰن وکرھوا اخذ الاجر علی ذٰلک لانہ کان للمعلمین عطیات فی بیت المال فی ذٰلک الزمان وکان لھم زیادۃ رغبۃ فی امر الدین واقامۃ الحسبۃ۔ وفی زماننا انقطعت عطایاھم وانتقصت رغائب الناس فی امر الاٰخرۃ فلو اشتغلوا بالتعلیم ......" یعنی شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقدمین علماء (حنفیہ) نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے کسی حافظ یا قاری کو اجرت پر رکھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ اور تعلیم قرآن مجید پر مزدوری لینے کو بھی مکروہ کہا ہے۔ یعنی رکھنا بھی مکروہ اور اس کو یہ نوکری کرنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید پڑھانے والوں کو بیت المال میں سے اس دور میں عطیات دیے جاتے تھے۔ اور ساتھ ہی ان کو دینی امور میں مشغول رہنے کی زیادہ رغبت تھی۔ اور ان میں ثواب حاصل کرنے کا شوق موجود تھا۔ اور ہمارے زمانہ میں بیت المال کے عطیات ختم ہو چکے ہیں۔ اور آخرت کے کاموں میں لوگوں کی رغبت کم ہو گئی ہے۔ اس لیے اگر حافظ و قاری صاحبان تعلیم قرآن مجید میں لگے رہیں تو......

۱۶ کنز الدقائق مع تقطیع کلاں صفحہ ۳۶۴ میں ہے: "والفتوی الیوم علی جواز الاستیجار لتعلیم القراٰن"۔ یعنی اس دور میں فتویٰ اسی بات پر ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم دلانے کے لیے کسی صاحب قرآن کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

۱۷ فتاوی النوازل صفحہ ۴۲۹ میں ہے: "عند ابی حنیفۃ الاستیجار علی الطاعۃ لا یجوز خلافا للشافعی کالاستیجار علی الاذان وتعلیم القراٰن والفقہ والاصل فیہ ان کل طاعۃ یختص بھا المسلم لا یجوز الاستیجار علیہ وبعضھم استحسنوا ھذا فی ھذا الزمان لظھور التھاون فی الامور الدینیۃ وعلیہ الفتوی"۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاعت پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور امام شافعی کا اس بات میں اختلاف ہے۔ جیسے اذان اور تعلیم قرآن مجید اور

فقہ کی تعلیم پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسی طاعت جو مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ مگر بعض علماء نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن و فقہ اور اذان پر اجرت لینے کو مستحسن فرمایا ہے۔ کیونکہ دینی امور میں سستی عام ہو گئی ہے۔ اور فتویٰ اسی جواز پر ہے۔

۱۸ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر فتح العزیز پارہ ۱ صفحہ ۱۸۳ میں تحریر فرمایا ہے: "تحقیق آن ست کہ در زمان سابق ائمہ و خطباء و مؤذنین حسبۃً للہ باین اعمال مشغول می گشتند چنانچہ قاضیان و مفتیان و محتسبان و تحصیل کنندگان خراج و عشر و زکوٰۃ نیز بہمیں نیتِ خالصہ باین اعمال مشغول می گشتند و چوں خلفاء راشدینؓ و سلاطینؒ عادلین دیدند کہ این جماعت خود را مشغول بہ اقامت این عبادات ساختہ اند برائے معاش آنہا از مالِ مسلمین امدادے مقرر کردند نہ بنابر اجرت بلکہ بنابر اعانت۔ رفتہ رفتہ این صیغہ باصیغۂ معاش شدہ اجورہ قرار گرفت۔۔۔۔۔" یعنی پہلے وقتوں میں امام خطیب مؤذن ثواب سمجھ کر ان کاموں میں لگے رہتے تھے۔ خلفاء راشدینؓ عادل سلاطینؒ نے ان کو ان عبادات میں مصروف سمجھ کر ان کی معاش کے لیے مسلمین کے مال میں سے بطور امداد کے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ نہ کہ بطور اجرت کے بلکہ یہ بطور اعانت کے تھا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کام ذریعۂ معاش بن کر رہ گئے۔

○ اس کے بعد فرماتے ہیں: "و عبادات کہ بسبب تعین مدت یا تخصیص مکان مباح می شوند۔ نیز برآنہا اجرت گرفتن جائز است مثل تعلیم قرآن بطفل کسے در خانۂ او از صبح تا شام کہ باین خصوصیت و قیود ہرگز عبادت نیست"۔ یعنی مدت مقررہ اور خاص جگہ ہونے کی وجہ سے عبادات مباح ہو جاتی ہیں۔ پھر ان پر اجرت لینا بھی جائز ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کے بچے کو اس کے گھر میں جا کر صبح سے شام تک قرآن مجید کی تعلیم دینا (اس پر اجرت لینا جائز ہے) کیونکہ یہ خصوصیت اور یہ قیدیں ہرگز عبادت نہیں ہیں۔

١٩ حضرت مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی نے مجموعۃ الفتاوی جلد ۳ صفحہ ۱۳۶ میں :

سوال "تعلیم قرآن اور اذان اور امامت کی نوکری کرنا جو طاعات میں داخل ہیں جائز ہے یا نہیں"؟ کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا :

جواب "متقدمین نے طاعات پر اجرت لینے کو ناجائز لکھا ہے۔ اور متاخرین نے اقامت امر دین میں کسل اور سستی کے رواج پا جانے کی وجہ سے اس اجرت کے لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور بعض متاخرین نے یوں تطبیق کی ہے کہ نفس تعلیم قرآن اور اذان واقامت اور امامت پر بے تعیین مکان و زمان نوکری کرنا جائز نہیں ہے۔ اور کسی کے گھر پر جانا اور صبح سے شام تک وہاں بیٹھنا اور اس کے بچوں کو پڑھانا ایسا امر ہے جس پر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح مسجد کی تعیین اور پنجوقتہ امامت یا اذان کے لیے وہاں حاضر رہنے کی قید بھی ایسا امر ہے جس پر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے"۔

٢٠ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات جلد ۳ صفحہ ۲۸ مطبع مصطفائی میں تحریر فرمایا ہے : "و متاخرین تعلیم و کتابت آنرا بران نیز قیاس کردہ اند و قوم بران رفتہ اند کہ اخذ اجرت بر تعلیم قرآن حرام است۔ و متاخرین آنرا تجویز کردہ اند" یعنی متاخرین علماء (حنفیہ) قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی کتابت کو رقیہ پر قیاس کرتے ہوئے اجرت لینی جائز سمجھتے ہیں۔ اور ایک قوم تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو حرام کہتی ہے۔ اور متاخرین اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

٢١ مواہب الرحمن جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ میں سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اجرت لے کر علم دین پڑھانے کے متعلق شیخ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ : "یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس شخص پر یہ تعلیم متعین ہو جائے مثلاً شہر میں دوسرا شخص موجود نہیں۔ تو ایسی صورت میں اجرت لینا جائز نہیں۔ ہاں اگر بیت المال سے اس قدر لے لے جو اس کے اہل و عیال کے واسطے کفایت کرے تو جائز ہے"۔

"اور جاننا چاہیے کہ جو شخص تعلیم کرنے میں اپنی کمائی سے منقطع ہو جاتا ہے تو اس پر

پڑھانا متعین نہ ہوگا۔ اور ایسی صورت میں اس کو اجرت لینا بھی جائز ہے۔ یہ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور علماء کا قول ہے۔ بدلیل حدیث: "ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ کما فی البخاری...." "امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دینی تعلیم اور دینی فعل اذان وغیرہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے بدلیل حدیث اُبَی بن کعبؓ و عبادۃ بن الصامتؓ کہ انھوں نے اہلِ صفہ میں سے ایک شخص کو کچھ قرآن پڑھایا تھا' اس پر اُس نے ان کو ایک کمان بھیجی پس انھوں نے رسُول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تجھے پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو آگ کی کمان کا طوق پہنائے تو اس کو قبول کرلے پس انھوں نے واپس کردی"۔ (رواہ ابوداؤد)

فائدہ حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ بات محلِ نظر ہے۔ کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول پر حدیث سے استدلال نہیں فرمایا۔

○ نیز مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مواہب الرحمٰن جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ میں تحریر فرمایا: "شیخ ابوعمرو بن عبدالبر وغیرہ علماءِ کثیرؒ نے اس حدیث کو محمول کیا کہ جب پہلے اللہ تعالیٰ کے واسطے پڑھایا تو بعد اس کے جائز نہ ہوا کہ ثواب کے بدلے یہ قوس (کمان) لے لی جائے۔ ہاں اگر ابتداء سے اجرت ٹھہرالی ہو تو صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں بقدر اجرت کے ثواب میں کمی ہوگی"۔

۲۲ جامع ترمذی کی تقریر الکوکب الدری جلد ۱ صفحہ ۱۱۳ میں فقیہ الوقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: "و منعه المتقدمون من علمائنا ذهابا الى امثال هذه الروايات و جوزه المتأخرون منهم ضرورة فيجوز اخذ الاجرة على تعليم القران و الوعظ و التاذين ولا يجوز في قراءة القرأن في التراويح و على القبور لعدم الضرورة فيهما لاجزاء امامة غير الحافظ فيصلي بهم من لا بأخذ الاجر بسور قصار يحفظها"۔ یعنی طاعات پر اجرت لینے سے ہمارے حنفیہ علمائے متقدمین نے ان روایات کو دیکھ کر منع فرمایا ہے۔ لیکن متأخرین فقہائے حنفیہ نے ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے تعلیم

قرآن مجید پر اور وعظ و نصیحت اور اذان کہنے پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے۔ اور اجرت لے کر تراویح میں قرآن مجید پڑھنا اور قبور پر پڑھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ غیر حافظ بھی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھا سکتا ہے۔ جس پر وہ اجرت نہ لے۔ اور قبور پر پڑھنا شرعاً ممنوع ہے۔

۲۳ حضرت مولانا نواب قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاذ حضرت شاہ اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: "حضرت ابوسعید خدریؓ نے ایک بچھو کے کاٹے ہوئے یا سانپ کے ڈسے ہوئے پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا اور اس کے عوض میں تیس بکریاں لیں اور صحابہ کرامؓ نے اس پر اعتراض کیا کہ تو نے قرآن مجید پڑھ کر اجرت لی ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ اعتراض پیش کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ بھی لگانے کو فرمایا۔ تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ اور جانے کہ بے شک و شبہ یہ حلال ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ "ختم" کرنا ساتھ قرآن اور ذکر اللہ کے اور اس پر مزدوری لینی درست ہے۔ اور قرآن مجید کو پڑھ کر مزدوری لینی درست نہیں۔ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ پڑھنا قرآن مجید کا عبادت ہے اور عبادت پر مزدوری نہیں درست ہے۔ اور کسی دکھی پر دم کرنا اور اس سے اچھا ہو جانا اس کا عبادت نہیں۔ پس اس پر لینا درست ہے۔ اور یہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ بیچنا مصحف کا اور خریدنا اس کا اور لکھوائی لینا مصحف اور کتابوں دین کا جائز ہے۔ اور متاخرین نے تعلیم کتاب اللہ کو بھی اس پر قیاس کر کے کہا ہے کہ جائز ہے اجرت لینی اس پر۔ اور متقدمین نے مانند ابوحنیفہؒ وغیرہ کے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو حرام کہا ہے"۔ (مظاہر حق جلد ۳ صفحہ ۷۲)

۲۴ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لامع الدراری علی جامع البخاری جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ میں فرمایا: "ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والامامة والاذان"۔ یعنی آج کل تعلیم قرآن، فقہ اور امامت و اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ ہے۔

۲۵ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر ترمذی شریف صفحہ ۳۳۶ میں تحریر فرمایا: "اس طرح (بعض) آیات اور احادیث سے اجرت علی العبادات کی ممانعت معلوم ہوتی ہے"۔

○ "لیکن مشایخ بلخ اور شوافع اجرت علی الاذان و اجرت علی الامامت کی اجازت دیتے ہیں۔ اور آج کل مفتی بہ قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ مؤذن، امام، مدرس، معلم، مبلغ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خمس اور مال فئی ملتا تھا۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ... وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی (الآیۃ) آپ ﷺ کو خمس وغیرہ اس لیے دیا گیا کہ آپ ﷺ قوم کی خدمت کرتے تھے۔ اور ذوی القربیٰ کو اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت اور امداد کرتے تھے۔ لہٰذا جو آپ ﷺ کا قائم مقام ہوگا اس کو بھی بیت المال سے اجرت لینے کا حق حاصل ہے۔ زمانۂ سابقہ میں خلافتیں نظم شرع میں تھیں۔ تو ان حضرات کو مقرر شدہ اسہام دیے جاتے تھے۔ بیت المال پبلک کا تھا۔ اموال وغیرہ ان میں اس لیے جمع کیے جاتے تھے کہ بادشاہ ان کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ بدمعاشوں اور ڈاکوؤں سے حفاظت کا خیال کرتا تھا۔ اور فصل خصومات بھی کرتا تھا۔ اسی طرح دیگر وہ امور جو رعایا سے وابستہ تھے۔ ان کا خاطر خواہ انتظام کرتا تھا۔ پبلک خوشی سے بیت المال میں ان امور کی انجام دہی کے لیے اموال جمع کرتی تھی سلطان وقت کا فریضۂ اول تھا کہ پولیس لشکر اور قاضی رکھے اور اگر وہ تغلب کی وجہ سے ان امور کی بجائے اپنے مصارف اسرافیہ میں استعمال کرے تو یہ مال بالکل بدل جائے گا۔ بنا بریں خلفائے راشدین صرف اپنی خوراک کی مقدار بیت المال سے لیتے تھے۔ اہل و عیال کا خرچہ دوسرے کام مثلاً تجارت وغیرہ انجام دے کر پورے کرتے تھے۔ حضرت عمر دو درہم روزانہ لیتے تھے۔ کپڑے پھٹے پرانے رہتے تھے۔ جن پر پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے"۔

○ "اب بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے موذن وغیرہم کے لیے آمدنی کا ذریعہ نہیں رہا ہے جس کی بنا پر مشائخ بلخ نے فتویٰ دیا کہ اگر ان لوگوں کی خدمت نہ کی گئی۔ تو اسلامی نظام کا ڈھانچہ بگڑ جائے گا۔ نہ مفت میں کوئی اذان دے گا، نہ تعلیم وتدریس پر آمادہ ہوگا جس سے تبلیغ و تعلیم کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ جو اضاعت دین کے مرادف ہے اجازت دی گئی کہ کچھ نہ کچھ ان کو ضرور دیا جائے"۔

○ "بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ ہم حبس اوقات کی اجرت لیتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم لوگ درس گاہ میں بیٹھ کر بغیر درس و تدریس کے چلے جاؤ۔ تو کیا تمہیں تنخواہ ملے گی یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔ تو یہ تاویل بالکل ردی اور غلط ہے۔ بات وہی ہے کہ نظام اسلام کے درہم برہم کرنے کی وجہ سے تنگ آ کر اجازت کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ ایسا آدمی جو اجرت نہ لے وہ ملتا نہیں دین کے ضائع کرنے کا خطرہ ہے۔ اسی بنا پر مولفۃ القلوب کو ایک ضرورت کی بنا پر حصہ دیا جاتا تھا جب وہ ضرورت نہ رہی تو یہ شعبہ بند کر دیا گیا"۔

○ "اگر قرآن مجید کو دنیاوی کام کی خاطر پڑھا جائے۔ مثلاً بچھو کے کاٹے کے لیے یا کوئی اور صورت پیش آ گئی اس صورت میں بالاتفاق اجرت لینا جائز ہے کیونکہ یہ رقیہ (دم) کے طور پر پڑھا گیا ہے۔ ہماری گفتگو عبادت کے بارے میں ہے"۔

○ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: "اب چہلم، دو ختم سوختم، رمضان شریف میں حفاظ کا اجرت لینا حرام ہوگا۔ کیونکہ پہلے تینوں کام عبادت اور ثواب کی غرض سے کیے جاتے ہیں۔ اور رمضان شریف میں قرآن مجید کا پڑھنا عبادت ہے"۔

○ "شامی نے اس موقع پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: متاخرین نے موذن وغیرہ کے لیے اجازت دی ہے ورنہ لوگ اپنے اپنے کاروبار تجارت وغیرہ میں لگے رہیں گے۔ جب اذان نہ کہی گئی تو ان لوگوں کی نمازیں ضائع ہوں گی، مفت تا ذین اور امامت کون کرے گا۔ پابندی بڑی مشکل ہے۔ اس طرح علم کا حصول مشکل ہو جائے گا۔ اس سے دنیا میں خلل پڑے گا۔ اگر مردوں کی قبروں

پڑھ پڑھا جائے تو اس سے دین میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ جہلم وغیرہ اسی میں داخل ہیں۔ اگر رمضان المبارک میں حفاظ نے قرآن مجید نہ سنایا تراویح مع ختم القرآن سنتِ ہے۔ اگر ختم نہ کیا جائے الم ترسے سورتیں پڑھ کر تراویح ادا کی جائے۔ تراویح ادا ہو جائے گی۔ دین میں کوئی خلل نہیں آتا۔ لہذا اجرت علی القرآن سے احتراز لازم ہوگا۔ ہاں ایک صورت جواز کی ہے کہ حفاظ کوئی شرط نہ لگائیں اور اختتام قرآن پر لوگ بلاتعیین اس کی خدمت کردیں۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے حفاظ کی حوصلہ افزائی ہوگی اور حفظِ قرآن کا شوق پیدا ہوگا۔ صاحب الشروط کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ واعظ اور مبلغ اجرت لے سکتا ہے۔ ورنہ سلسلۂ وعظ و تبلیغ بند ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے دین میں خلل آئے گا۔ اس لیے اس کی اجازت دی گئی۔ زکوٰۃ کا مال اگر مدرس کو بلاحیلہ وسیلہ کے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اگرچہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ تدریس کا عوض بن جائے گا۔ اور زکوٰۃ کے لیے "تملیك بلا عوض" شرط ہے۔ ہاں انجمن کے فنڈ میں جمع ہو کر مدرس کو دے سکتے ہیں۔ کیونکہ انجمن والوں سے کوئی چیز عوض میں نہیں لی گئی۔ تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہو سکے گی"۔

○ اسی طرح مبسوط سرخسی　○ فتاویٰ غرائب ورق ۲۱۰
○ عین الہدایہ　○ طحطاوی
○ ردالمحتار　○ طیبی

اور اسی طرح بے شمار کتبِ فقہ و حدیث میں علمائے متاخرین کے فتاویٰ جات دربارہ جواز اجرت تعلیم قرآن و فقہ موجود ہیں۔ اور ان پر عمل بھی ہو رہا ہے۔

فائدہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی مندرجہ بالا تقریر احق بالقبول ہے بہ نسبت دوسرے محققین کے۔ انصاف چاہیے۔

○ پچیس علماء متاخرین کے حوالے ہم نے نقل کیے ہیں۔ جس سے آپ لوگوں کی کافی دماغ خراشی ہوئی ہے۔ اسی پر اکتفار کیا جاتا ہے۔ ورنہ تو حوالے بے شمار ہیں۔

جن کے نقل کرنے سے مخیم کتاب بن سکتی ہے۔ بہر حال اتنا ثابت ہو گیا کہ زمانہ حال میں ماہرین عربی مفسرین، محدثین، فقہاء کو اس کام کے لیے مقرر کرنا ناگزیر ہوا اور اس غرض کے لیے ان کے پاس دور دراز سے طالب العلم ہزاروں کی تعداد میں علم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ اور اب بھی آتے ہیں۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا آتے رہیں گے۔ اس بنا پر علماء کو خاص وقت دینا پڑتا ہے تا کہ تشنگان علوم دینیہ لیے متبحر علماء کرام کے پاس رہ کر اپنی علمی تشنگی دور کریں۔ اور اگر یہ وقت نہ دیں تو طالب العلم کدھر جائیں گے۔ نیز قرآن و حدیث کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے امدادی علوم معرض وجود میں نہ آئیں گے اور قرآن و حدیث کی سمجھ مفقود ہو جائے گی۔ اور اگر علماء کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کریں تو قرآن کی سمجھ اور ان سے مسائل کا استنباط متعذر ہو جائے گا۔ اس لیے بعد کے دور میں علماء کرام نے یہی مناسب سمجھا کہ ان کو گزارہ دے کر اس عظیم کام کے لیے مقرر کیا جائے۔ تاکہ یہ علماء کسب معاش سے بے فکر ہو کر پڑھائیں اور طالب العلم پڑھیں۔ اس طرح دین کا چشمہ جاری رہے گا۔ اور طالب علم فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں۔

طلباء فی سبیل اللہ کے مصداق ھیں

- بدائع صنائع میں فی سبیل اللہ کے تحت لکھا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جیسے مجاہد فی سبیل اللہ کو سازو سامان کی ضرورت پڑ جانے سے قرآن کی رو سے گزارہ دینا جائز ہے اور جس حاجی کا زادِ راہ راستے میں ختم ہو جائے اس کو ضرورت کے مطابق دینا جائز ہے اسی طرح طالب العلموں کو اور معلمین کو دینا بھی جائز ہے بلکہ تمام دینی باتوں کے لیے دینا جائز ہے۔ (دیکھیے: کنزالدقائق ش، صفحہ ۶۶)
- اسی طرح فتاویٰ عالمگیریہ میں بھی طالب العلموں کو اسی زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔
- اسی طرح در مختار صفحہ ۶۵ میں ہے: شریعت کا علم سیکھنے والا طالب العلم زکوۃ لے سکتا ہے۔ کیونکہ علم حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنا وقت فارغ کیا اور کسب معاش نہیں کر سکتا۔

- اسی طرح علم شریعت پڑھانے والے بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسب معاش سے عاجز ہیں۔ اور ان کو ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جن کے بغیر چارۂ کار نہیں۔
- ردالمحتار صفحہ ۶۵ میں جامع الفتاویٰ کے حوالے سے مبسوط امام محمد کی عبارت نقل کی ہے: طالب العلم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اسی طرح جہاد کرنے والے مجاہد کو اور جو حاجی راستے میں زادِ راہ سے محروم ہو جائے۔
- اسی طرح ظہیریہ، مرغینانی، شرنبلالی اور ابن عابدینؒ نے لکھا ہے کہ علم دین کا طالب العلم جو احکام شرعیہ کے حاصل کرنے میں رات دن مشغول رہتا ہے اس کو دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب صفہ کو صدقات دینے کا حکم فرمایا ہے۔ جنھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دین حاصل کرنے کے لیے خود کو پابند کر رکھا تھا۔

فلسفۂ یونان کی آمد اور اس کا رد

- پھر جب فلسفۂ یونان کی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں تو خلیفہ ہارون الرشید نے علمی کتابیں سمجھ کر عربی زبان میں ان کے تراجم کرالئے۔ لوگوں نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے۔ اور عقائد حقہ کو چھوڑ گئے۔ علمائے حق نے ضرورت محسوس کی تو کسی نہ کسی طرح یہ کتابیں حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا۔ اور جہاں جہاں اسلام کے خلاف باتیں پائیں ان کی تردید میں کتابیں تصنیف کیں۔ طالب العلموں کو اسلام کے خلاف باتوں کی نشاندہی کر کے ان کے جوابات سمجھاتے۔ اور غیر مذہب والوں کے ساتھ مناظرے کیے۔ پھر فلسفہ زدہ لوگوں نے ان جوابات کی تردید کرنا شروع کر دی۔ اس طرح عوام میں تذبذب پیدا ہونا شروع ہوا۔ پھر علمائے حق نے ان کی تردید کرنے کے لیے اور کتابیں تصنیف کیں۔ اس طرح تعلیم و تعلّم کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اور علمائے حق کی ذمہ داری اور بڑھ گئی۔ اور ان کی علمی مصروفیات میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اگر ان علمائے حق کو کسب معاش سے فارغ نہ کیا جاتا تو اسلام پر اعتراض کرنے والے غالب آجاتے۔ اور اسلام کا نام لینے والا شاید ہی کوئی ملتا۔ اور دینی لحاظ سے دنیا پر اندھیرا چھا گیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان شاہانِ اسلام پر اپنی

رحمتوں کا نزول فرمائے جنھوں نے مدارس دینیہ عربیہ کی بنیاد رکھی۔ اور علماء کو تعینات کیا۔ ان کے لیے وظیفے کا انتظام کیا جو سرکاری طور پر بیت المال سے ادا کیا جاتا تھا۔ پھر جب سیاسی انقلابات کے نتیجے میں بیت المال میں خلل واقع ہونے لگا اور سلاطین اسلام نے اس طرف توجہ کم کردی تو علماء حق نے عوام کے ذمے لگادیا کہ تم اپنی حلال کی روزی میں سے عطیات دیا کرو' تاکہ تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ اور علماء کرام نے صراحۃً فرمایا کہ عوام پر فرض ہے کہ دینی علوم میں مشغول رہنے والوں پر خرچ کریں۔ بلکہ دینی امور میں مشغول آدمی کو ضرورت پڑنے پر عوام سے لینا ضروری ہے۔ (دیکھیے کتب فقہ)

برصغیر میں علماء کی خدمات

○ اسلام میں پیدا ہونے والے فرقوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی اسلام پر اعتراض کرنے کا حوصلہ ہوگیا۔ جنھوں نے دل کھول کر اسلام پر اعتراض کیے۔ خصوصاً جبکہ شاہان اسلام کی غفلت سے اسلامی حکومتیں کمزور پڑگئیں غیر مسلم اور زیادہ جری ہوگئے۔ اگر علماء دین علم دین حاصل کرکے ان کا جواب نہ دیتے تو دنیا پر کفر ہی کفر چھیل گیا ہوتا۔ اور اس کے نظائر تاریخ دانوں پر مخفی نہیں۔ ماضی قریب پر ہی نظر ڈالیے جب اٹھارویں انیسویں صدی میں ہندوؤں' آریوں' پارسیوں اور پادریوں نے برصغیر میں اسلام پر یلغار بول دی۔ جگہ جگہ اسلام کے خلاف تقریریں کرتے اور مناظروں کا چیلنج کرتے۔ بانیٔ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' ابومنصور مولانا عبدالحق دہلویؒ' مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ' مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا خدابخش مہیر دینی مدرس مدرسہ امینیہ دہلی جیسے علماء حق اہل کفر کی اس یلغار کو روکنے کے لیے قدم نہ اٹھاتے تو ہندوستان میں ہندو ہوتے یا عیسائی۔ اور ظاہر ہے کہ ان علماء نے سردھڑ کی بازی تو لگائی لیکن جائیدادیں نہیں بنائیں' مربعے نہیں خریدے۔ قوت لایموت پر گزارہ کرتے ہوئے اللہ سے جاملے۔ الحمدللہ مسلمانوں میں بھی جذبۂ ایمانی تھا کہ علماء حق کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

○ امر واقع اور حقیقت حال یہ ہے کہ علماء حق کو دنیا کا لالچ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا اصل مقصد خدمت دین ہوتا ہے۔ اور ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ بغیر کسی معاوضے کے دین کی خدمت کریں۔ مگر جب دینی مصروفیات ان کا احاطہ کر لیتی ہیں اور کسی دوسرے کام کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوجاتا ہے تو پریشان ہوجاتے ہیں۔ ان علماء حق میں سے بطور مثال کے چند ایک کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

○ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے شروع میں حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہٗ اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوانح میں تحریر فرماتے ہیں: زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کا ارادہ تھا کہ علوم دینیہ کو کبھی ذریعۂ معاش نہ بنائیں گے۔ خدمت دین بغیر کسی معاوضے کے لوجہ اللہ کریں گے اور معاش کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار فرمائیں گے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر آپ نے اپنے تعلیم کے زمانے میں کئی دوسرے فنون کی تعلیم اور مشق بھی بہم پہنچائی۔ (منجملہ ان کے خطاطی جلد سازی اور طب یونانی کا ذکر کیا) لیکن حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ شوق باوجود پوری کوشش کے پورا نہ ہوسکا کہ علم دین کی خدمت بغیر کسی معاوضے کے انجام دوں۔ اس لیے کہ جب تدریس و افتاء اور تصنیف و تبلیغ کا کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ان مشاغل کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا کام نہیں کیا جاسکتا۔ یہ علمی مصروفیات اس قدر ہمہ گیر تھیں کہ کسی اور کام کے لیے وقت نکالنا ممکن نہ رہا۔ یہی بات امام دارالھجرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وسیع تجربے کی بنا پر کہی تھی کہ: "العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه كلك" یعنی علم تمہیں اپنا ذرا سا حصہ بھی اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دے دو۔

○ آخر مجبور ہوکر ان تمام فنون کو جو ذریعۂ معاش کے طور پر حاصل کیے تھے ترک کرنا پڑا۔ اور یکسوئی کے ساتھ تدریس، افتاء، تصنیف و تالیف اور تبلیغی خدمات میں

ہمہ تن منہمک ہو گئے۔ ...... ابتداءً دارالعلوم میں آپ کو صرف پانچ روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ آپ نے اسی پر قناعت فرمائی۔ پھر رفتہ رفتہ تنخواہ میں نہایت تدریج سے اضافہ ہوتا رہا۔ ...... چھبیس سال کی خدمات کے بعد آپ کا مشاہرہ پینسٹھ روپے ماہوار تھا۔ ...... اس درمیان میں دوسرے مدارس سے خصوصاً مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپے تنخواہ کی پیشکش بار بار کی گئی۔ مگر چونکہ پیش نظر تنخواہ کبھی نہ تھی، اس لیے دیوبند کے قلیل وظیفہ پر قناعت کر کے کسی دوسری جگہ جانا پسند نہیں کیا۔

○ اسی طرح میرے استاذ محترم فقیہ الامت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تنخواہ ۱۹۳۳ عیسوی تک پچیس روپے تھی۔ جبکہ آپ کے ذمے اپنے مدرسے کا اہتمام، مدرسہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ فتحپوری اور مدرسہ عبدالرب کی نظامت اور درس حدیث اور افتاء و تصنیف کے کام سپرد تھے۔ اور تبلیغ کے لیے دوسرے ملکوں کے دورے بھی کرتے تھے۔ اور اس وقت میری تنخواہ انھوں نے اٹھارہ روپے مقرر فرمائی تھی۔

○ ان کاموں میں سے صرف مدرسے کا اہتمام بھی کوئی معمولی کام نہیں۔ بلکہ اس کے لیے پوری فرصت، توجہ اور لیاقت شرط ہے۔ ضروری ہے کہ مہتمم مدبر تجربہ کار امور انتظامی سے واقف ہو۔ اور اس کے ذمے کوئی اور کام بطور فرض منصبی کے نہ ہو۔ ایک شخص پوری توجہ سے دو کام نہیں کر سکتا۔

○ اور کمال یہ ہے کہ اپنے ماتحت دوگے مدرسین کا وظیفہ سو، اسی، ستر، اور ساٹھ تھا۔

○ اور میرے جن اکابر نے زمیندارہ کیا اور اپنے گھر سے کھلا کر طالب علموں کو پڑھایا، ان سے افتاء، تصنیف، اور تالیف کا کام نہیں ہو سکا۔ سوائے میرے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے، کہ وہ اپنی زمیندارانہ مصروفیات کے باوجود درس و تدریس اور کے ساتھ ساتھ چند کتابیں لکھنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

جوازِ اجرت پر علماءِ احناف کے فتوے

○ امرِ واقعہ اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ علماءِ حق نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ امورِ شرعیہ میں پابند علماء کو وظیفہ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ:

○ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تلمیذِ رشید حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر صفحہ ۱۵۲ میں تحریر فرمایا ہے: لا بأس برزق القاضي من بيت المال یعنی قرآن و سنت کے مطابق شرعی فیصلہ کرنے والے کو گزارہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

○ نیز کنز الدقائق صفحہ ۳۲۸ میں ہے: و حل رزق القاضي۔ دیگر تمام کتبِ فقہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

○ صاحبِ ہدایہ نے جلد ۳ صفحہ ۳۶۰ میں اس کی وجہ بیان کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والیٔ مکہ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو سالانہ چالیس اوقیہ دینے مقرر کیے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یمن کی طرف والی بنا کر بھیجتے ہوئے ان کے لیے روزینہ مقرر فرمایا۔ اگر یہ چیز حرام ہوتی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انھوں نے ان حضرات کے روزینے مقرر کر کے نعوذ باللہ حرام کا ارتکاب کیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

بعض شبہات کا ازالہ

قضاء سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ

○ تعلیم قرآن کی طرح قضاء بھی عبادت ہے۔ جیسا کہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۱ میں ہے کہ: شرعی فیصلے کرنا افضل ترین طاعت اور عبادت ہے۔ اور قضاء کے لیے اس کو شہر کی جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔ جبکہ مسجد میں دنیاوی کام حرام ہے۔ (دیکھیے ہدایہ جلد صفحہ ۱۱۹)

○ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدینؓ فیصلہ کرنے کے لیے مسجد میں ہی بیٹھا کرتے تھے۔ جیسا کہ نماز مسجد میں ادا کی جاتی ہے۔

ائمۂ مساجد کے فرائض اور ایک شبہ کا ازالہ

- خلفاء راشدین نے ائمۂ مساجد کا راشن بیت المال میں سے مقرر کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ پنج وقت نمازوں کی صرف جماعت کراؤ اور پھر چھٹی۔ بلکہ ائمۂ مساجد کا اصل کام تھا تعلیم دین۔ کہ نمازیوں کو عقائد عبادات معاملات معاشرۃ اور اخلاق کی تعلیم دیں۔ اور ان کے بچوں کو پڑھائیں۔ اہل عجم کو عربی کی تعلیم دیں۔ تاکہ وہ قرآن مجید سمجھ سکیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ اور لوگوں تک پہنچائیں۔ جیسا کہ:
- حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فلیبلغ الشاھد الغائب" یعنی جو نمازی مجلس میں حاضر موجود ہیں وہ امام مسجد سے مسائل سن کر ان لوگوں کو بتائیں جو یہاں حاضر موجود نہیں۔ چنانچہ:
- انہی اماموں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اہل عرب کے موالیوں میں دین پھیلا۔ اور انہی عجمیوں میں سے بڑے بڑے موالی (آزاد شدہ غلام) ائمۂ عربیت پیدا ہوگئے۔ اور محدث مفسر اور فقہاء پیدا ہوئے۔ جیسا کہ:
- امیر المومنین سیدنا امام عمرؓ اور امیر المومنین سیدنا امام علیؓ کے شاگرد حضرت عمر بن شبہ ابوالاسود دیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۶۹ھ صرف نحو کے بانی ہوئے۔
- اور ان کے شاگردوں کے شاگرد حضرت ابوعمرو بن العلاء بن عمار بن عبداللہ المازنی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۴ھ مشہور مقری یعنی مدرس قرآن ہوگزرے ہیں۔
- حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بغیۃ الوعاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ میں ان کے متعلق تحریر فرمایا: اعلم الناس بالقراءات والعربیۃ یعنی اس دور کے لوگوں سے قرآن کی قراءتوں اور عربی لغت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور اپنے اس فن میں کمال پیدا کیا۔ اور اس فن میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔
- پھر ان کے شاگرد صحابی رسول حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عیسیٰ بن عمر ثقفی ابوعمر رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۰ھ جو امام النحو والعربیۃ والقراءۃ تھے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ اور عبداللہ بن ابی اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ اور عجاج بن رؤبہ

رحمہ اللہ تعالیٰ سے قرآن وحدیث اور عربیت کا علم حاصل کیا۔ اور علمِ نحو میں الکمال اور الجامع کتابیں لکھیں۔

○ پھر ان کے شاگرد خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم فرہودی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف کتاب العین ہیں، جو لغتِ عرب کے ماہر اور پہلے مصنف ہیں۔ انہی اماموں کی سعی سے بے شمار عجمی موالی لغتِ عرب اور قرآن مجید کے ماہر تیار ہوتے۔ مثلاً:

① ابوبشر عمرو بن عثمان بن قنبر مولیٰ بنی الحارث ملقب بہ سیبویہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۸۰ھ

② ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۷ھ

③ ابوالعباس محمد بن یزید مبرد رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۸۵ھ

④ نضر بن شمیل رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۳ھ

⑤ یعقوب بن اسحاق بن سکیت رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۴۴ھ

○ اور ان کے علاوہ بے شمار عجمی موالی تھے جنھوں نے قرآن مجید اور عربیت میں انہی ائمۂ مساجد کی سعی سے یہ رتبہ پایا۔ جو عربیت میں امام بنے۔ اور سبقاً پڑھائی جانے والی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف جن کی تصانیف پڑھ کر عربی زبان سمجھ آتی تھی۔ اور انہی کے ذریعے قرآن دانی حاصل ہوتی تھی۔

○ پھر ان کے شاگردوں نے اپنے اساتذوں کی انہی کتابوں کی شروح لکھیں۔ تاکہ ان کتابوں میں بیان کردہ قوانین وضاحت سے معلوم ہوسکیں۔ اور بعض نے ان کتابوں کا اختصار کیا۔ تاکہ عربی زبان بآسانی یاد ہوسکے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے ائمۂ مساجد کو دیکھ کر جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ائمۂ مساجد کا کام صرف پنج وقتہ نماز پڑھانا ہے یہ ان کی تنگیٔ نظر ہے۔

دلیل مانعین ۳

○ مانعین کی طرف سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کی جاتی ہے: عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ انہ مر علی قاص یقرأ ثم یسأل فاسترجع ثم قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من قرأ القرآن فلیسأل اللہ بہ فانہ سیجئ اقوام یقرأون القرآن یسئلون بہ الناس (ترمذی کتاب فضائل القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۲۱) یعنی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو کہ قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے سوال کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھ کر کہا کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو شخص قرآن مجید پڑھے تو اس کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ کیونکہ عنقریب ایسے ہی لوگ آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے اس کا عوض مانگیں گے۔

جواب یہ روایت متعلمین قرآن پر صادق نہیں آتی۔ جیسا کہ خود اس حدیث کا مضمون بتا رہا ہے۔ اس کے مصداق مندرجہ ذیل آدمی ہیں:

تراویح میں اجرت لے کر قرآن پڑھنے والے

○ امداد المفتین دار العلوم دیوبند صفحہ ۳۶۳ میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کر لینا خواہ صراحۃً ہو جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ یا بطور عرف و عادت ہو۔ جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے" دونوں صورتوں میں جائز نہیں۔ اور تحقیق اس معاملہ کی یہ ہے کہ اصل مذہب میں مطلقاً عبادۃ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ خواہ کوئی عبادت ہو۔ لیکن حضرات متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کلیہ سے چند چیزیں مستثنیٰ کی ہیں۔ اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ استثنا انہی چیزوں میں ہے۔ باقی عبادات و طاعات اپنے اصلی حکم پر ہیں کہ ان میں اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔ اور ان مستثنیات میں ختم قرآن در تراویح کو کسی نے شامل نہیں فرمایا۔ اس لیے اس پر اجرت لینا

اسی طرح ناجائز رہے گا۔ اور اپنے اس فتوے کو فقہاء کی عبارات سے مبرہن کیا۔ پھر فرمایا کہ ان عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاء متأخرین نے جو امامت اور تعلیم القرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے تو اس وجہ سے کہ ضرورت شرعیہ ہے کہ اس کے بغیر فرائض کا تعطل لازم آجاتا ہے۔ تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا فرض و واجب نہیں ہے کہ اس کو تعلیم اور امامت پر قیاس کیا جائے، بلکہ سنت ہے۔ اور اس میں بھی فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پورا ختم قرآن کرنے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی نوبت آتی ہو اور لوگ بوجہ سستی کے شرکت تراویح ہی سے باز رہتے ہوں تو پورا ختم قرآن کرنا مناسب ہی نہیں۔

○ فقہاء کی عبارات نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تراویح میں ختم قرآن کرنا واجب نہیں۔ بلکہ سنت ہے۔ اور سستی قوم کے عذر سے چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔ اس لیے ختم کی ضرورت کو ضرورت امامت یا ضرورت تعلیم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بلا اجرت پڑھنے والا نہ ملے تو جس قدر سورتیں محلہ والوں کو یاد ہوں ان سے تراویح پڑھنا اس سے بہتر ہوگا کہ اجرت دے کر کسی سے پڑھوائیں۔ یہ سب اس وقت ہے کہ جب لینا دینا باضابطہ طے ہوجائے، یا عادۃً طے ہوجائے۔ سمجھا جاتا ہو، اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں کہ لینے کی غرض سے نہ پڑھتا ہو، اور دینے والے بھی بطور ہدیہ غیر ضروری کچھ کر دیتے ہوں، اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو کسی کو شکایت نہ ہو، تو ایسا دینا بلاشبہ جائز، بلکہ باعث اجر ہے۔ اور اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور صورت اس کی یہ ہے کہ امام اور قاری کی خدمت کی جائے، مگر کوئی معمول مقرر نہ کیا جائے کہ ختم کے وقت دیں گے یا پہلے۔ اور نقد دیں گے یا کوئی اور چیز۔ تاکہ اس کو انتظار کی صورت قائم نہ ہو۔

○ ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار کتاب الاجارہ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ: عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ

اجرت لے کر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا گناہ ہے۔ اس لیے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے بیس رکعت پڑھ لینا بلاشبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن پڑھوائیں۔ کیونکہ پورا قرآن تراویح میں پڑھنا مستحب ہے' اور اجرت دے کر قرآن پڑھوانا اور پڑھنا گناہ ہے۔ اور گناہ سے بچنا بنسبت مستحب پر عمل کرنے کے زیادہ ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نماز ہو گئی' اگرچہ مکروہ ہوئی۔ (کیونکہ تراویح فرض یا واجب نہیں ہے۔)

اجرت لے کر قبر پر قرآن مجید پڑھنے والے

○ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عزیز الفتاویٰ صفحہ ۳۴۶ اس سوال کے جواب میں کہ اجرت لے کر دفن کے بعد قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے یا ناجائز اور اس سے میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: اجرت مشروطہ یا معروفہ پر جو قرآن شریف میت کے لیے پڑھواتے ہیں اس میں محققین نے لکھا ہے کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا۔ کیونکہ جب پڑھنے والے کو ثواب نہ ہوا بوجہ نیت اخذ عوض کے تو میت کو کہاں سے ثواب پہنچے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص رضائے الٰہی کے لیے قرآن شریف کا ثواب میت کو پہنچائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ثواب میت کو ملے گا۔ خواہ مکان پر پڑھ کر ثواب پہنچائے یا قبر پر۔

○ البتہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر پر قرآن شریف پڑھنا منع ہے۔ خواہ محض میت کو ایصالِ ثواب کی نیت سے للہ پڑھے یا اجرت لے کر۔ بلکہ اجرت لے کر پڑھنا تو سرے سے جائز ہی نہیں۔ جیسا کہ:

قراءتِ قرآن کی اجرت لینا حرام ہے

○ امداد الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ میں ہے کہ: صحیح یہ ہے کہ قرأتِ قرآن پر اجرت لینا حرام ہے۔

○ اسی طرح مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ میں حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ: تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ قرآن شریف اور زیارتِ قبور کی اجرت

لینا اور دینا درست نہیں ہے۔

○ تتمہ فتاویٰ حمادیہ میں ہے کہ: مذہب کی عام کتابیں یعنی متون و شروح و فتاویٰ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر اجرت لینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ البتہ متاخرین مشایخ بلخ نے تعلیم قرآن کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اور اس پر اجرت لینے کو جائز لکھا ہے۔

○ اور اسی کتاب میں ہے کہ: محض تلاوت۔ جس میں تعلیم نہ ہو ان طاعتوں میں سب سے بڑی طاعت ہے۔ جن سے ثواب طلب کیا جاتا ہے۔ پس اس پر اجرت لینا درست نہیں ہے۔

○ اور اسی کتاب میں ہے کہ: ثواب ملنے کی شرط یہ ہے کہ کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کیا گیا ہو۔ اور اجرت پر پڑھنے والا دنیا کے لیے پڑھتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیونکہ اجرت پر پڑھنے والے کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے اجرت نہ ملے گی تو وہ ایک حرف بھی نہ پڑھے گا۔ خاص کر وہ شخص تو ضرور ہی ایسا کرے گا جس نے اسے پیشہ بنالیا ہے۔

○ تاج الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ: اجرت پر قرآن شریف کا پڑھنے والا نہ خود ہی ثواب پائے گا اور نہ میت کو اس کا ثواب پہنچے گا۔

○ اور فتاویٰ والوالجیہ میں ہے کہ: اگر کسی دوست یا عزیز کی قبر کی زیارت کی اور وہاں کچھ قرآن پڑھا تو یہ اچھا ہے۔ لیکن اس کی وصیت کرنے کے کچھ معنے نہیں۔

○ اور اسی طرح پڑھنے والے کو کچھ دینے کے بھی کچھ معنے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ قرآن پڑھنے کی اجرت کے مشابہ ہے۔ جو باطل ہے۔

○ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ: اگر قاری کے لیے کسی چیز کی وصیت کی کہ اسے دی جائے' تاکہ وہ اس کی قبر پر قرآن شریف پڑھا کرے۔ تو وصیت باطل ہے۔

○ اور تاتارخانیہ میں ہے کہ: خدا کی اطاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

○ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ایسی زیارتِ قبور اور تسبیح و تہلیل جو دنیا حاصل کرنے

کے لیے ہوتی ہے اس میں کچھ ثواب نہیں ہے۔ یہ میت کو نہ کاسب کو۔ اور ایسی عبادتوں کی اجرت لینا اور دینا ممنوع ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی پر قرآن پڑھنے والے

○ اس حدیث کے مصداق وہ قاری یا حافظ یا مولوی بھی ہیں جو ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں جو ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اور اس کا ترجمہ سناتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے انھیں تنخواہ ملتی ہے۔ ایسے قاری حافظ مولوی کو کوئی ثواب نہیں ملتا۔ البتہ اگر ان کی نیت صاف ہو کہ میں حکومت کی طرف سے گو منتخب ہوں مگر میرا مقصد یہ ہے کہ اس بہانے سے متاثر ہو کر کچھ لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے تو قول نبی انما الاعمال بالنیات کے مطابق امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کو قبول کر کے اس کا ثواب دے۔

حکومت کے ملازم خطیب

○ حکومت کو درخواست دے کر بعض مولوی اس مقصد سے داخل ہوتے ہیں کہ عوام سے خطیب کو کم تنخواہ ملتی ہے۔ اور پنشن بھی نہیں ملتی جبکہ حکومت معقول تنخواہ دیتی ہے اور پنشن بھی ملتی ہے۔ اور پھر وہاں فرقہ واریت کے طعن سے ڈر کر حق مسئلہ بتانے کی جرأت بھی نہیں کرتے۔

جلسوں میں قاریوں کا قرآن پڑھنا

○ بعض قاریوں کو جلسوں میں بلایا جاتا ہے۔ جو علماء کی تقریروں سے پہلے نہایت خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور عوام سے داد تحسین وصول کرتے ہیں۔ اور عوام ان کے لیے سینکڑوں روپے ڈالتے ہیں۔

بازاروں اور بسوں میں قرآن پڑھنے والے

○ بعض مقامات پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک قاری بازار میں کھڑے ہو کر یا گاڑی اور بس میں سوار ہو کر قرآن مجید کا رکوع اس غرض سے پڑھتا ہے کہ لوگ مجھے روپے پیسے دیں۔ ایسے حافظ واقعی وہ ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔

اور اسی کی ممانعت صراحۃً حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔

الاصل جو لوگ قرآن مجید اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ میں قرآن مجید حفظ کر کے کسی سرکاری محکمے میں ملازم ہو جاؤں گا اور وہاں مجھے بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کی معقول تنخواہ ملے گی یا ریڈیو ٹی وی وغیرہ محکموں میں مجھے قرآن مجید پڑھنے کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ اور اس مقصد کے لیے آواز سنوانے کی فکر میں رہتے ہیں تاکہ لوگوں میں شہرت پائیں اور تنخواہ بھی حسب منشاء ملے گی۔ یا علم دین اس لیے پڑھتے ہیں کہ وفاق المدارس کا امتحان دے کر کسی سرکاری محکمے میں خطیب اعظم لگ جائیں گے۔ یا کسی مشہور شہر کی جامع مسجد میں خطیب یا مفتی لگ جائیں گے۔ تو ایسے لوگوں کی نیت ہی غلط ہے۔ جبکہ ثواب اور عدم ثواب کا مدار نیت ہی پر ہے۔ جیسا کہ :

- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "انما الاعمال بالنیات" یعنی اعمال کے ثواب کی مدار صرف نیتوں پر ہے۔
- اس لیے اگر دین پڑھ پڑھا کر واقعی دین کو ذریعۂ معاش بنانے کی نیت ہو تو دین پڑھنے پڑھانے کا کچھ ثواب نہیں۔ بلکہ دوگنا گناہ ہوگا۔ ایک تو دین پر دنیا کمانا۔ دوسرا دین کو دنیائے دنی کے ساتھ ملوث کرنا۔
- اور اگر دین پڑھنے پڑھانے سے نیت یہ ہو کہ دین پڑھ کر میں خود بھی اس پر عمل کروں گا اور آگے محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پڑھاؤں گا تاکہ دین حق کی اشاعت ہو، دنیا میں توحید اور نیک اعمال کا چرچا ہو، شرک اور بدعملی مغلوب ہو، اور آخرت سنور جائے، اگرچہ قوت لایموت (گزارے کے لیے اتنی مقدار جس سے موت کا خدشہ ٹل جائے) پر گزر ہو۔ تو اس کا ثواب بھی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے پڑھنے پڑھانے کا عمل ان شاء اللہ تعالیٰ مقبول بھی ہوگا۔ اور اس کو دنیا میں بھی فائدہ ہوگا اور آخرت میں بھی اس کو اجر عظیم ملے گا، جو کہ دوسرے لوگوں سے اعلیٰ ہوگا۔

دلیل مانعین ؟

○ مانعین کی طرف سے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل کی حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ جو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مسند جلد ۳ صفحہ ۴۴۵ میں نقل فرمائی ہے۔

سمعت رسول اللہ ﷺ قال اقرأوا القرأن ولا تغلوا فیہ ولا تجفوا عنہ ولا تأکلوا بہ ولا تستکثروا بہ یعنی قرآن مجید پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض کر کے بدسلوکی نہ کرو اور اس کے بدلے کھاؤ مت اور نہ بہت سے دنیوی فوائد کا مطالبہ کرو۔

جواب یہ حدیث بھی قراءتِ قرآن کے بارے میں ہے۔ تعلیم قرآن کے بارے میں نہیں ہے۔ اور قراءت قرآن کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ جواز کے قائل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ اور تعلیم قرآن پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ اجرت لینے کو حرام نہیں کہتے۔ بلکہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے۔

○ اب جاننا چاہیے کہ امورِ دین کے کئی شعبے ہیں۔ جن میں مشغول رہنے سے انسان کسبِ معاش نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کسبِ معاش کے لیے کچھ وقت نکال سکتا ہے۔ اور اگر امورِ دین کے ساتھ ساتھ کسبِ معاش بھی کرے تو امورِ دین کے ادا کرنے میں خامی رہ جاتی ہے۔ وہ امور کما حقہ ادا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے علمائے کرام میں سے متأخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

مدارس اسلامیہ

○ اس شعبے میں کچھ تو علمِ دین حاصل کرنے والے ہوتے ہیں' اور کچھ علمِ دین سکھانے والے۔ پھر علمِ دین سکھانے والے بھی شعبوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

① قرآن مجید کے متن کی تعلیم دینے والے مقرئ۔ جن کا فریضہ ہے کہ قرآن مجید کو جیسے پڑھنے کا حق ہے اسی طرح پڑھائے۔ مخارج صفات اور اوقاف کا لحاظ کرتے ہوئے معلم کا فرض ہے کہ پہلے قاعدہ پڑھائے۔ حرفوں کی پہچان کرائے۔ مخارج اور صفات کی طرف

توجہ ہو۔ پھر حفظ یا ناظرہ پڑھنے والے کو بھی قراءت کے ساتھ اوقاف کا خیال کرکے پڑھائے۔ اور کل کا سبق سنے۔ اور مشق کرائے۔ سبقی سپارہ سنے۔ پیچھے کی منزل سنے۔ اگر غلطی ہو جائے تو اسے دوبارہ یاد کرنے کو کہے۔ پھر دوبارہ سنے۔

○ زیادہ سے زیادہ مقری تعلیم قرآن مجید کے پاس بیس لڑکے پڑھ سکتے ہیں۔ اگر بیس لڑکوں سے زیادہ ہو جائیں تو ان کی طرف پوری توجہ نہیں دی جا سکتی۔ ہر ہر لڑکے کے ساتھ الگ الگ تعلیمی محنت کرے۔ پھر ہر لڑکے کو کلمے اور اس کے معنے بھی یاد کرائے۔ پھر ترجمہ کے ساتھ نماز بھی یاد کرائے۔ اور اس کو پاکی اور ناپاکی کے مسائل بتائے۔ وضو کرنے کا طریقہ، نہانے کا طریقہ، تیمم کا طریقہ، استنجا کرنے کا طریقہ سکھائے۔ نماز میں فرائض واجبات سُننِ مؤکدہ، سُننِ زوائد، مستحبات، آداب، مکروہات اور جن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور جن چیزوں سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے وہ سب بتائے۔ اور ان سے سنے۔ جنازہ کے مسائل اور جمعہ و عیدین کے مسائل بھی بتائے۔ یہ مقری کا فرض بنتا ہے۔

(۳) فہم قرآن، چونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور سیکھنے والے مختلف بولیاں بولنے والے ہوتے ہیں۔ فہم قرآن کی مدار مختلف فنون پر ہے۔ سب سے پہلے صرف نحو اشتقاق اور ذخیرۂ الفاظ پڑھانے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں سے صیغوں کا اجراء بھی کرائیں۔ نحوی ترکیب پر زور دیں۔ اشتقاقِ صغیر و کبیر کا اجراء کرائیں۔ اور ایک لفظ کا مختلف بابوں پر منتقل ہونے سے جو مختلف معنے پیدا ہوتے ہیں وہ سمجھائیں۔ اور علم معانی بیان اور بدیع بھی پڑھائیں۔ جن سے محاوراتِ عرب فصاحت و بلاغت قرآنی و دیگر امورِ لطیفہ کا علم ہوتا ہے۔ ان تینوں علوم کا قرآن مجید میں اجراء کرائے۔ اور حدیث و اصولِ حدیث فقہ و اصولِ فقہ اور علم العقائد پڑھائیں۔ اور ان میں مہارت پیدا کریں۔ پھر علم العقائد پڑھاتے وقت غیر مذاہب کو مدِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جن میں سے بعض غیر مسلم ہیں اور بعض اسلام کا دعویٰ کرنے والے۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والے بہت ہیں۔ جن میں سے ایک معتزلہ ہیں۔

جو خود کو اہل العدل والاحسان کہلاتے ہیں۔ ان کی بارہ مختلف شاخیں ہیں۔

- اور ایک فرقہ مرجئہ ہے۔ اس کی بھی بارہ شاخیں ہیں۔
- اسی طرح ایک فرقہ امامیہ ہے۔ اس کی بھی کئی شاخیں ہیں۔
- اسی طرح ایک فرقہ باطنیہ ہے۔ اور اس کی بھی کئی شاخیں ہیں۔
- اسی طرح ایک فرقہ کیسانیہ ہے۔ جس کی کئی شاخیں ہیں۔
- اور ان میں سے کئی غلاۃ ہیں۔ جن کی کئی شاخیں ہیں۔
- ان فرقِ باطلہ میں سے کئی ایسے ہیں جن میں حسن مثنیٰؒ، زین العابدینؒ، محمد باقرؒ، محمد بن حنفیہؒ اور سیدنا حسینؓ کے متعلق امامت کا اختلاف ہے۔
- اور ان فرقوں میں سے بعض اپنے اماموں مثلاً: عبداللہ بن معاویہ، زکریا بن محمد باقر، جعفر صادق، ابو مسلم سراج میں سے کسی ایک کو زندہ نمیرندہ یا منتظر امام مانتے ہیں۔
- اور غیر مسلموں کے بھی بے شمار فرقے ہیں۔ مثلاً: یونانی فلسفی، مجوسی، ستارہ پرست، سورج پرست، بت پرست، ہندو، آریہ، پارسی، سکھ، یہودی، اور عیسائی وغیرہ۔ ان سب کے اسلام پر بے شمار اعتراضات ہیں۔ جن کا جواب دینا عالمِ دین پر فرض ہے۔

تصنیف و تالیف کا شعبہ

- قرآن مجید کی تفسیریں کتب احادیث و اصول اور ان کی شروح۔ کتب فقہ و اصول اور ان کی شروح۔ کتب صرف، کتب نحو بلکہ تمام فنون کی کتب اور ان کی شروح و تلخیصات و کتب مذاہب باطلہ کا رد۔ اور فتاویٰ جات۔

اسلامی سرحدات کی حفاظت

- خلیفۃ المسلمین کا فرض ہے کہ پوری اسلامی سرحد کی حفاظت کے لیے ایک جماعت مقرر کرے جو رات دن باری باری چوکنی کھڑی رہے۔ اور دشمن پر کڑی نظر رکھے۔ اور اس پوری جماعت کا خرچہ بیت المال المسلمین پر ہے۔

قضاء و فصل خصومات

- جیسے غیر اسلامی حکومتیں لوگوں کے باہمی جھگڑے چکانے کے لیے کچہریاں بناتے

ہیں۔ اور ان کے لیے اونچی اونچی ڈگریاں حاصل کر کے حاکم مقرر کرتے ہیں، اور ان کو معقول تنخواہیں دیتے ہیں۔ ہمارے اسلام میں جھگڑا چکانے والے قاضی ہوتے ہیں۔ اور قضاء عبادت ہے۔ اسی لیے قاضی صاحب کا جامع مسجد میں بیٹھنا اور فیصلہ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا اور ان کے لیے ۸۰ اوقیہ سالانہ مقرر فرمایا تھا۔
- اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کیا اور ان کے لیے بھی سالیانہ مقرر فرمایا۔
- اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شروع شروع میں دو درہم روزینہ لیا کرتے تھے، پھر ایک درہم اور ۲/۳ درہم لیتے تھے۔
- ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لما استخلف ابوبکر الصدیق قال لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن معونۃ اھلی و شغلت بامر المسلمین فسیأکل ال ابی بکر منھذا المال۔ و یحترف للمسلمین فیہ۔ (بخاری صفحہ ۲۷۸، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ) یعنی جب امیرالمؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کے ضروری مصارف سے ناکافی نہ تھا۔ لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں۔ لہذا اب ابوبکر کے گھر والے اسی مال یعنی بیت المال میں سے کھائیں گے۔ اور میں مسلمانوں کے کاموں پر نظر رکھوں گا۔ ان کے مصالح اور ان کے حالات پر نظر رکھوں گا۔
- اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی گزارے پر قاضی مقرر فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ بھی اپنا گزارا بیت المال میں سے لیتے تھے۔
- اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو اپنے اپنے علاقہ کا قاضی مقرر فرمایا اور ان کے لیے کچھ چاندی مقرر فرمائی۔
- اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو قاضی بنایا اور ان کا سالیانہ مقرر فرمایا۔

○ اور قضاء یعنی شرعی فیصلے کرنا ایک عبادت ہے۔ اور فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اسی لیے حاکم کو جامع مسجد میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ مسجد میں بیٹھ کر فیصلے فرماتے تھے۔ اور اسی طرح خلفاء راشدینؓ اور ان کے بعد کے آنے والے قاضی مسجد میں بیٹھ کر فیصلے فرمایا کرتے تھے۔

○ جب شرعی فیصلے عبادت ہوئے، فرض کفایہ ہوئے، اور امر بالمعروف ہوئے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ان قاضیوں کے لیے روزینے یا سالانے کیوں مقرر کیے۔ کیا نعوذ باللہ حضرت نبی کریم ﷺ نے قاضیوں کو حرام کھانے کی اجازت دی تھی۔ یا پھر حضرت نبی کریم ﷺ کو ان آیات کا مفہوم سمجھ نہیں آیا، یا خلفاء راشدین اور دیگر صحابہؓ سب ہی بے خبر رہے۔ حالانکہ جس طرح حرام کھانا حرام ہے اسی طرح حرام کھلانا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ مرا ہوا چوہا بلی کے آگے نہیں ڈال سکتے۔ اپنے آپ کھالے تو وہ اور بات ہے۔

شعبۂ اوقاف

○ جو زمینیں وقف ہیں ان کی دیکھ بھال اور ہر تین سال کے بعد مزارعین کا تبادلہ اور امورِ ضروریہ پر جو جماعت حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے تعینات کی جاتی تھی اس جماعت کا گزارہ بھی بیت مال المسلمین سے ادا کیا جاتا تھا۔

بیت المال کا قیام اور اس کی حفاظت

○ عہدِ رسالت میں بیت المال کا نظام نہ تھا۔ امیر المؤمنینؓ سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بیت المال قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

○ بیت المال میں اونٹ، بیل، بھینس، بھیڑ بکریاں بھی ہوتی تھیں۔ ان کی حفاظت اور چارے کا انتظام کرنے والی ایک جماعت کا ہونا ضروری سمجھا گیا۔ جو رات دن وہیں رہیں۔ ڈیوٹیاں بدلتے رہیں۔ پھر عشر و خراج اور جزیہ وغیرہ جو حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے جمع کی جاتی تھیں ان کی حفاظت کرنے والے اور عاملین کو بھی بیت المال سے گزارہ دینا ضروری قرار دیا گیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

○ حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے علماءِ دین کی جماعت جیساکہ درس و تدریس کے لیے مقرر کی جاتی ہے اسی طرح گاؤں گاؤں میں پھر کے نیکی کا حکم دینے والی اور برائیوں سے روکنے والی جماعت کا بھیجنا بھی ضروری ہے۔ اور ان کا گزارہ بھی بیت المال المسلمین سے دیا جاتا ہے۔ اور ان علماء کی تقرری بھی ضروری ہے جو غیر مسلموں کے زبانی اعتراضوں کے جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر کوئی تقریر میں اعتراض کرے یا مباحثہ کرے تو اس کا جواب موقع پر دیا جاسکے۔

تنبیہ اس دور میں دین پڑھنے پڑھانے والے لوگ کم ہیں۔ جہالت عام ہے۔ اشاعتِ دین کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا تھا: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم کہ ہر مسلمان پر علم دین کی تلاش کرنا فرض ہے۔ اگر اپنے گاؤں میں بندوبست ہے تو اپنے گاؤں میں سیکھے، اگر اپنے گاؤں میں میں بندوبست نہیں ہے تو جہاں سے میسر ہوسکے وہاں جا کر علم حاصل کرے۔ مگر نیت خالص کرنا ضروری ہے۔ علم حاصل کرتے وقت دل میں یہ بات ہو کہ میں دین کا علم اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے کہ: یا اللہ! مجھے دین کی سمجھ عطا فرما۔ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور حافظہ قویہ عطا فرما۔ اور دین حاصل کرنے کے بعد جو دعوت و اشاعت کا فرض مجھ پر عائد ہوگا اس فرض کو باحسن الوجوہ ادا کرسکوں۔ نیز دعاء کرے کہ: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے نہ بنانا جن کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفھاء او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴) یعنی جو شخص اس مقصد کے لیے علمِ دین حاصل کرتا ہے کہ علماء کا مقابلہ کروں گا یا جاہلوں کے ساتھ جھگڑا کروں گا یا اس علم کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مائل کروں گا جس سے میرا مقام بلند ہو اور مالی فائدہ بھی ہو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

○ اور یہ دعا بھی کرے کہ: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے نہ بنا جن کے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیبہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیمۃ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴) کہ جو علم محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے سیکھا جاتا ہے وہ علم اگر کوئی آدمی اس لیے حاصل کرتا ہے تاکہ دنیا کا سامان حاصل ہو تو قیامت کے دن وہ شخص جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔

○ نیز دعا کرے کہ: اے اللہ! مجھے ان ناخلف بےعمل لوگوں میں سے نہ بنا جو خود تو دین کا کام نہ کریں اور لوگوں کو کہتے پھریں۔ اور نہ ہی ان لوگوں میں سے بنا جو ایسے کام کریں جن کے کرنے کا حکم شریعتِ مطہرہ نے نہ دیا ہو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۹)

○ اور یہ دعا بھی کرے کہ: اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے نہ بنا جن کے متعلق حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: میرے بعد ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۳)

○ دین پڑھنے والا جتنا کچھ پڑھے اس پر عمل بھی کرے۔ اور اپنا لباس اپنا حلیہ حضرت نبی کریم کے لباس اور حلیے جیسا بنائے۔ اور پھر اپنا وقت فضول کاموں اور فضول باتوں میں ضائع نہ کرے۔ بلکہ اپنا پڑھا ہوا سبق دہراتا رہے۔ تاکہ یاد رہے۔ اور آئندہ کل کے سبق کا مطالعہ کرے۔ اور نماز باجماعت پڑھنا اپنے ذمے لازم کرلے۔ اور ہر نماز کے بعد چونکہ قبولیتِ دعا کا وقت ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے' اور قرآن مجید کی منزل صبح کی نماز سے پہلے یا پیچھے پڑھ لیا کرے۔

○ اور طالب العلم کو چاہیے کہ وہ سلف صالحین کے طریقۂ حسنیٰ کا پابند رہے۔ دنیا سے محبت نہ رکھے۔ دین پر قائم رہے۔ اور جب علوم دینیہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو اپنا طرزِ عمل اس طرح بنائے کہ اس کو دیکھ کر لوگوں میں دین کی رغبت بڑھے اور بغیر لالچ کے دین کی خدمت کرے۔ تقریر سے تحریر سے تدریس سے تبلیغ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرکے سب پہلے اپنی اولاد کو پڑھائے۔ اپنے شہر والوں کو پڑھائے۔

نمازیوں کو پاکی پلیدی نماز روزہ حج زکوٰۃ نکاح طلاق معاملات (لین دین) معاشرہ اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دے۔ اور قرآن و حدیث کا درس مسلسل دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : جو عالم فرض نماز پڑھ کر لوگوں کو علمِ دین سکھاتا ہے اور عبادت و زہد و تقویٰ و ریاضت اور صبر و قناعت وغیرہ امورِ دین کی تدریساً یا تالیفاً یا تبلیغاً تعلیم دیتا رہتا ہے تو اس کا مقام اس عبادت گزار عالم سے بہت اونچا ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات بھر نفل پڑھتا رہتا ہے۔ اگرچہ علم میں وہ عابد عالم اس معلم سے علم میں زیادہ ہی ہو۔ اور وہ معلم اس عابد سے ایسے ہی افضل ہے جیسے تم میں سے کسی ادنیٰ پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۶)

- اگر پڑھائی کے ساتھ ساتھ تجارت کھیتی باڑی صنعت و حرفت میں سے معاش کی کوئی صورت اختیار کر سکتا ہو تو تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ مشغلہ بھی جاری رکھے۔ اور اگر ایسی صورت نہیں ہو سکتی تو خود قرآن و حدیث اور فقہ کا مطالعہ کرتا رہے۔ اور اس پر عمل کرے۔ اور اگر کسی نے مسئلہ پوچھ لیا تو بتانے میں دریغ نہ کرے اور خواہ مخواہ لوگوں پر بوجھ نہ بنے۔ اور اگر طالب العلموں کو اپنے کسبِ معاش میں سے دے سکتا ہے تو جتنے طالب العلموں کا بوجھ اٹھا سکتا ہے اتنے طالب العلم رکھ کر خواہ ایک ہی ہو پڑھاتا رہے۔ اور اپنے گھر سے کھلاتا رہے۔ جیسا کہ :
- ہمارے پیر و مرشد سلطان العارفین امام الموحدین رئیس المفسرین سند المحدثین قدوۃ الفقہاء حضرت مولانا **حسین علی الوانی** رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ اپنے گھر سے کھلا کر طالب علموں کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔
- اسی طرح امام المناطقہ عالم اجل ماہر کتاب دان حضرت مولانا **غلام رسول** المعروف بابا انہی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی زمین میں ہل چلاتے۔ کسی سے اپنے کھیت میں پانی پھیرتے۔ طالب العلم بھی ساتھ ساتھ چلتے چلتے کتابوں کا سبق پڑھتے رہتے۔
- اور پھر ان کے شاگرد رشید میرے استاذ مکرم معظم محترم اصولی مہندس نحوی حضرت مولانا **ولی اللہ** رحمۃ اللہ علیہ محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مرتے دم تک

پڑھاتے رہے۔ اور ان کی اپنی مکلو کہ زمین تھی۔ اس میں سے حلال کمائی کھاتے۔ اور رات دن طالب علموں کی تعلیم میں مصروف رہتے۔ رات کو عشا کے وقت مسجد میں آ کر ستاروں کے بارے میں معلومات فراہم کرتے۔

○ مگر ایسے علماء بہت کم ہیں۔ جو صرف انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ ان کی بہت بڑی ہمت ہے کہ بغیر کسی لالچ کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مرتے دم تک علم دین پڑھاتے رہے۔

○ اور اکثریت ان علماء کی ہے جو دونوں کام نہیں سنوار سکتے۔ اگر وہ کاروبار میں لگتے ہیں تو باقاعدگی کے ساتھ طالب علموں کو دین کی مکمل تعلیم نہیں دے سکتے۔ اس لیے دور دور سے فیض حاصل کرنے کے لیے آنے والے طالبان علم دین کا بہت سا حرج ہوتا ہے۔ جنھوں نے ایک عالم بے بدل کا شہرہ سن کر کے علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا۔ اپنا کاروبار چھوڑا۔ تو اس محدث فقیہ مفسر عالم کے تجارتی و صنعتی مشاغل کی وجہ سے کچھ حاصل نہ کر سکے تو وہ جگہ چھوڑ کر دوسرے عالم فاضل کے پاس جاتے ہیں پھر اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ اس طرح علم دین پڑھنے والے مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکتے۔

○ پھر علم دین حاصل کرنے والے بھی اصحاب صفہ نہیں ہیں۔ جو گٹھلیاں توڑ کر گزارہ کر لیں۔ اور بھوکے ننگے رہ کر علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۳ نازل فرمائی تھی۔ اور نہ ہی وہ دور رسالت ﷺ جس میں ایک پیالہ دودھ کا اتنی طالب علموں کو معجزۃً کفایت کر گیا تھا۔ اس دور میں "طالب العلم" فقر و فاقہ کے ساتھ علم دین حاصل کرنے والے کہاں سے آئیں گے۔ خاص کر جب انھیں یہ علم ہو کہ فقر و فاقہ کے ساتھ اگر ہم نے علم دین حاصل کر بھی لیا تو عالم ہو کر علم دین پڑھنے پڑھانے والوں کی غربت اور فقر و فاقہ برابر رہے گا۔

○ یہ باتیں دیکھ کر عوام کے ذہن اس طرف پھر گئے کہ وہ اپنے بچوں کو اگر دین

پڑھائیں گے تو بھوکے مریں گے۔ اس لیے اپنی اولاد کو دنیوی علوم پڑھاتے ہیں اور ان پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ فیسیں ادا کرتے ہیں۔ اور ٹیوشنیں بڑھ چڑھ کر دیتے ہیں۔ اور اگر کسی دینی ذوق رکھنے والے غریب آدمی کا خیال آجائے کہ میرا بچہ قرآن مجید بھی پڑھ جائے تو اس کے لیے کسی قاری کو ٹیوشن دے کر قرآن مجید پڑھوائے گا۔ مگر قرآن مجید پڑھانے والے کو ٹیوشن دو سو اور انگریزی پڑھانے والے کی پانچ ہزار۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ اور امریکہ سے ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے بچے کو بھیجتے ہیں اور اس پر کروڑوں روپیہ لگا دیتے ہیں۔ جہاں سے وہ ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ بن کر نکلتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر بعض بے چارے مولوی جنھوں نے اپنی زندگی تو فقر و فاقہ میں گزاری اور ان مالداروں کو دیکھ کر وہ بھی بجائے اس کے اپنی اولاد کو علم دین سکھائیں دنیوی فنون سکھانے کے لیے وہاں داخل کرتے ہیں جہاں سے فارغ ہوکر دنیوی زندگی خوشحالی سے گزاریں اور علم دین کی طرف توجہ کم ہوگئی رفتہ رفتہ وہی دور آجائے گا جس کی پیش گوئی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے۔

○ اس گئے گزرے دور میں ایسے حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ کچھ اللہ کے بندے ایسی تحریک اٹھاتے جس سے لوگ دین کی تعلیم کی طرف راغب ہوتے۔ اور عوام کو شوق دلائی جاتی کہ تم اپنے بچوں کو دنیوی تعلیم دلا کر دنیا ہی کی خوشحالی چاہتے ہو جبکہ دنیا فانی ہے۔ یہاں کی زندگی جاودانی نہیں ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ اس کی خوشحالی چاہیے۔ اور آخرت کی زندگی کی خوشحالی کے لیے دینی تعلیم اہم ہے۔ اپنے بچوں کو دین سکھاؤ۔ اور ان پر اپنی دولت لگاؤ۔ آپ کو ثواب ملے گا۔ اور جو شخص نادار ہے اور ذہین فہیم ہے۔ اس کو پیسہ دے کر مدارس اسلامیہ میں داخل کرو۔ اور مدرسین کی بھی حوصلہ افزائی کرو۔ تاکہ وہ کسب معاش سے بے فکر ہوکر علم دین پڑھیں اور پڑھائیں۔ اور تصنیف و تالیف کا خرچہ برداشت کریں۔ اور غیر مسلموں کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا جاسکے۔ پھر علم دین حاصل کرنے کے لیے کتابیں خریدنی پڑتی ہیں۔

جس طرح علوم دنیویہ کی تحصیل کے لیے کتابیں قلم سیاہی خریدنے سے چارہ کار نہیں پہلی جماعت سے سولہویں جماعت تک کتابوں کا خرچہ برداشت کیا جاتا ہے' مختلف قسم کی فیسیں دی جاتی ہیں' پرائیویٹ ٹیوشنیں بھی دی جاتی ہیں اور خدا معلوم کس قدر خرچ کرتے ہیں۔ اسی طرح علوم دینیہ کے لیے بھی کتابیں خریدی جاتی ہیں۔ مختلف علوم کی کتب صرف' نحو' منطق' فلسفہ' ریاضی' ہندسہ' حساب' جغرافیہ' تاریخ' لغت' ادب' معانی' بیان' بدیع' فقہ' اصولِ فقہ' حدیث' اصولِ حدیث' تفسیر' اصولِ تفسیر' میراث' تجوید' اسماء الرجال' عقائد' مناظرہ' رد مذاہب باطلہ کے لیے کتب' غیر مذاہب کی کتب کا حصول۔

○ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دینی نصاب کی کتابیں بہت کم بدلتی ہیں۔ خریدی ہوئی کتابیں ہمیشہ استفادے کے قابل رہتی ہیں۔ جبکہ سکول اور کالج کی کتابوں میں عموماً سال دو سال کے بعد تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

○ اہلِ ثروت لوگوں کو چاہیے کہ اپنی دولت فضول کاموں میں خرچ کرنے کی بجائے اپنے بچوں کی دینی تعلیم پر خرچ کریں۔ اگر تمہاری اولاد پڑھ جائے گی تو وہ جو عمل کرے گی اور دین کی اشاعت کرے گی' لوگوں تک دین پہنچائے گی' کتابیں تصنیف کرے گی تو اس کا ثواب تمہیں بھی ملے گا۔ جیسا کہ :

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :
ان مما یلحق المؤمن من عمله و حسناته بعد موته علماً علمه و نشره و ولداً صالحاً ترکه (الحدیث مشکوۃ صفحہ ۳۶) یعنی مومن کے مرنے کے بعد جو نیکیاں اس کو پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے ایک وہ علم ہے جو پڑھ کر آگے اس کی اشاعت کرتا اور پھیلاتا ہے۔ اور دوسرا نیک بچہ جو چھوڑ کر مرتا ہے اور وہ اپنے والدین کے حق میں دعائیں کرتا ہے۔

○ اور اگر دنیوی علوم سکھاؤ گے تو مرنے کے بعد اس کا تمہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ وہاں بازپرس ہوگی کہ میں نے تجھے اولاد جیسی نعمتِ عظمٰی دی تھی' اس کو دینی

تعلیم دینا تیرا فرض تھا۔ تو نے دینار دنیا کے پیچھے لگ کر نہ خود علم سیکھا اور نہ ہی اپنی اولاد کو سکھایا بلکہ دنیا حاصل کر کے فضول کاموں میں اڑاتا رہا۔ جبکہ میں نے کہا تھا: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ (بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل۔ ۱۷:۲۶و۲۷) یعنی رشتہ دار غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو۔ اور دولت کو بے جا مت اڑاؤ کیونکہ دولت کو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

- نیز میں نے قرآن مجید میں فرمایا تھا: ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (اَلتَّكَاثُر۔ ۱۰۲:۸) یعنی میں نے جو جو نعمتیں تم کو دنیا میں دی تھیں قیامت کے دن ان کے بارے میں تم سے پوچھ ہوگی کہ تم نے کہاں کہاں خرچ کی۔

- دنیادار بڑی محنت سے دنیا کماتے ہیں۔ دنیا میں تو خوشحالی محسوس ہوتی ہے۔ مگر آخرت میں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور نہ مرنے کے بعد اولاد کو علم دنیا پڑھانے کا فائدہ ہوگا۔ بخلاف علم دین کے کہ جو شخص اپنی اولاد کو قرآن مجید اور علم دین پڑھائے گا اس کے مرنے بعد عالم برزخ میں قیامت سے پہلے پہلے بھی ملتا رہے گا۔ اور قیامت میں جنت کے اندر بھی اس کو تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کو بھی مات کرتی ہے گی۔

- اور جو شخص دین حاصل کرنے کے لیے بچے کو شفیق استاذ کے پاس پڑھنے بھیجے گا تو وہ استاذ اس کو بغیر کسی عوض کے بے لوث دین پڑھانے میں اپنا وقت صرف کرے گا تو تمھارا بھی حق بنتا ہے کہ ایسے بے لوث استاذ کو کوئی صلہ دیں۔ استاذ کا دل خوش ہوگا تو تمھارے بچے کو پڑھانے میں زیادہ وقت لگا کر خوب محنت کرے گا اور اس کی دیکھ بھال اور نگرانی خوب کرے گا اور اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہوگا۔ اور تمھارے درجے بڑھائے گا۔ اور پھر اس رئیس کو دیکھ کر دوسرے رئیسوں کو بھی شوق ہوگا کہ ہم بھی اپنے بچوں کو علم دین ہی پڑھائیں۔

○ اور اگر اس دور میں ان مربعوں اور ملوں والوں کو یہ شوق نہ دلایا جائے کہ اپنی اولاد کو دین پڑھاؤ اور یہی کہتے رہیں کہ علمِ دین پڑھنے پڑھانے والے کو لینا دینا حرام ہے تو خواہ کتنا ہی بڑا عالم فاضل حافظ قاری محدث مفسر ہو تو اگر اس حدیث پر عمل کرے جو حضرت نبی کریم نے فرمایا ہے : تعلموا العلم وعلموه الناس تو وہ مجبور ہو کر اس حدیث پر عمل کرنے کی بجائے اپنے بچوں کو خرچ کرنے میں جو اس کا فرض بنتا ہے حلال روزی کمانے میں لگ جائے گا۔ جیسا کہ :

○ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے : کسب الحلال فریضة بعد فریضة (شعب الایمان للبیہقی) ایمانیات، عبادات، کے بعد حلال کمانا بھی فرض ہے۔

○ پھر جب قرآن مجید پڑھانے والے کے پاس کوئی پڑھنے والا آئے، تو قرآن مجید پڑھانے والا عالم، حافظ، قاری عذر پیش کرے کہ آج میں سبق نہیں پڑھاتا۔ کیونکہ مجھے سودا لینے کے لیے باہر جانا پڑ گیا ہے۔ جب واپس آؤں گا۔ تو اس وقت سبق پڑھ لینا۔ پھر تیسرے دن پڑھانے والا واپس آیا پھر پڑھنے والے کو کہتا ہے کہ آج تو رتجگا رہا ہے، اس لیے میں کچھ دیر سوتا ہوں جب طبیعت درست ہو جائے گی تو پڑھ لینا۔ پھر پڑھنے والے کو کسی شہر میں کسی کام کے لیے جانا پڑ گیا تو یہی چکر وہاں بھی رہے گا۔ تو ایسی صورت میں قرآن مجید سیکھنا موقوف ہو گیا۔ کیونکہ پڑھنے والے نے جو کچھ پڑھا تھا وہ بھول جائے گا۔ پھر نماز کون سکھائے گا۔ دین کے مسئلے کون سکھائے گا۔ جب کہ دین کی بات سمجھنے والا اپنی حلال روزی کمانے کے چکر میں رہے گا۔ نہ کوئی خطیب ملے گا۔ اور نہ کوئی واعظ اور نہ کوئی مدرس۔ پھر کوئی شخص اپنی اولاد کو دین (قرآن، حدیث، فقہ عقائد وغیرہ) نہ پڑھائے گا۔ بلکہ پیٹ پالنے کے لیے کوئی دنیوی فن سکھائے گا۔ مثلاً : انگریزی، سائنس، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، حساب، وغیرہ تو دین کی سوجھ بوجھ نہ ہوگی۔ اور جو علماء ہیں وہ فوت ہو جائیں گے۔ اور سیکھنے والے انگریزی سیکھیں گے۔ تو اس طرح علمِ دین ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ :

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بطور پیش گوئی کے فرمایا ہے: یُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۳) یعنی علماء دین دنیا سے چلے جائیں گے تو علم دین بھی دنیا سے اٹھ جائے گا۔

○ نیز حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ کوئی جماعت کرانے کا اہل نہ ملے گا۔ لوگ ایک دوسرے کو مصلے کی طرف دھکیلیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اس نے اتنا اندازہ سیکھا ہی نہیں جس سے نماز ہو سکتی ہو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۰)

○ نیز فرمایا کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ میت کی وراثت تقسیم کرنے کے لیے کوئی صحیح تقسیم کرنے والا نہیں ملے گا۔ (جامع صغیر صفحہ ۱۳۰)

○ نیز فرمایا کہ لوگ بجائے دین حاصل کرنے کے دنیا اور دولت جمع کرنے میں لگ جائیں گے اور یہ بھی نہ سوچیں گے کہ حلال طریقے سے آیا ہے یا حرام طریقے سے اور علم دین ناپید ہو جائے گا۔

○ پھر اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر غیر مسلموں کو مسلمانوں میں لادینی پھیلانے کا خوب موقع میسر ہوگا۔ اور کہا جائے گا کہ آؤ ہم سے علم سیکھو۔ ماسٹر بن جاؤ گے۔ ٹیچر لگ جاؤ گے۔ افسر لگ جاؤ گے پروفیسر بن جاؤ گے ڈپٹی کمشنر کلرک ہیڈ کلرک، پریذیڈنٹ، افسر مال، انجینیر، ڈاکٹر، بن جاؤ گے۔ ہزاروں روپے کماؤ گے۔ خوش حال ہو جاؤ گے۔ دیکھو ملا کس قدر ذلت کی زندگی گزار رہا ہے۔ اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے مفت کھاتا ہے۔

○ اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض بڑے بڑے علماء محدثین اور مفسرین نے غلطی سے اپنی اولاد کو دین سکھانے کی بجائے سکول اور کالجوں میں تعلیم دلوائی تاکہ ان کو ہماری طرح معاشی فکر نہ ہو۔ پھر ان عالموں کی اولاد بے دینی میں دوسرے دنیاداروں سے بھی سبقت لے جاتی ہے۔ تو گویا ان لوگوں کی طرف سے "قرآن مجید پڑھانے پر اجرت لینے کو حرام کہنے کا فتویٰ" لادینی پھیلانے کی طرف پہلا قدم ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دینی امور پر انفاق کا حکم

○ امورِ دینیہ میں خرچ کرنا فرض ہے۔ اور خرچ نہ کرنا موجب ہلاکت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ (۲ : ۱۹۵)

ترجمہ اور جس طرح اسلام کا بول بالا کرنے اور کفر و شرک کا زور توڑنے کے لیے جان لڑا دینے کے لیے میرا حکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی اسلام کا بول بالا کرنے اور کفر و شرک کا زور توڑنے کے لیے مال بھی خرچ کرو۔ جو اسلحہ کی خرید اور مجاہدین پر خرچ کرنے، زخمیوں کے علاج معالجہ اور مجاہدین کے پسماندگان کی مالی امداد میں خرچ کیا جا سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنے میں تمہاری ہلاکت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہ کر کے اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کیونکہ اگر تم مال خرچ نہ کرو گے تو مجاہدین جہاد نہ کر سکیں گے۔ تو دشمن تم پر غالب ہو جائے گا۔ اور یہی تمہاری ہلاکت کا باعث ہوگا۔

○ علماءِ کرام نے اس آیت کے تین معنے کیے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دے دو۔ یعنی جہاد کرو۔ اور ترکِ جہاد موجب ہلاکت ہے۔ کیونکہ اگر جہاد ترک کر دو گے تو دشمن تم پر غالب ہو جائیں گے اور آخر کار تمہاری ہلاکت کا باعث بنے گا۔

② اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اور اگر مال خرچ نہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ ہلاکت جان کی، ہلاکت دین کی۔ یعنی اگر احیائے دین کے لیے جان و مال خرچ نہ کرو گے تو دشمن تم پر مختلف قسم کے حربے استعمال کر کے تم پر غلبہ پالے گا۔ دینِ اسلام کے خلاف تقریراً و تحریراً محاذ قائم کرے گا۔ مناظرے کرے گا۔ کتابیں لکھے گا۔ عوام کو گمراہ کرے گا۔ ان کے عقائد خراب کرے گا۔ اس طرح دینی اعتبار سے ان پر مُردنی چھا جائے گی۔ اور جو ان کی نہ مانے گا ان کے ساتھ لڑے گا۔ جیسا کہ مختلف ممالک میں اس وقت ہو رہا ہے۔

③ مال تو خرچ کرو۔ مگر نہ اس قدر کہ خود محتاج ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہارا محتاج ہونا بربادی کا باعث ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (۱۷: ۲۹)

ترجمہ یعنی نہ تو ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے۔ یعنی غایت بخل سے بالکل ہی ہاتھ روک لیا جائے۔ اور نہ بالکل ہی کھول دے۔ یعنی اسراف کرے، ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ جائے گا۔

جہاد کی اقسام

○ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم (مشکوٰۃ صفحہ ۳۳۲ بحوالہ سنن ابی داؤد و نسائی و دارمی) یعنی جان مال اور زبان کے ساتھ مشرکین سے جہاد کرو۔

○ اس فرمان نبویؐ سے معلوم ہوا کہ جہاد تین طرح کا ہوتا ہے۔

① **جانی جہاد:** کافروں کے ساتھ قتال کر کے اپنی جان لڑا دینا۔

② **مالی جہاد:** اور مالی جہاد اسلحہ کی خریداری اور مناظرے کے لیے کتابوں کی خریداری اور مجاہدین اور مناظرین سے مالی تعاون۔

③ **لسانی جہاد:** کفار کے ساتھ مناظرے کرنا۔

رزق حلال کمانے کی فرضیت

○ نیز حلال مال کمانا بھی فرض ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۶۲: ۱۰)

ترجمہ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ تم زمین میں گھومو اور اللہ کے فضل یعنی رزق حلال کی تلاش کرو۔ اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

○ یعنی معاش کی جستجو میں اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاؤ۔ تجارت، نوکری، صنعت

و حرفت، کھیتی باڑی، یا اور کوئی جائز ذریعہ معاش ہو۔ جتنا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور اس کے بتائے ہوئے مصارف میں خرچ کرو۔ بینکوں میں جمع کرنے کی فکر نہ کرو۔ کیونکہ:

مال جمع کرنے کی ممانعت

○ مال جمع کرنے والوں کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۹ : ۳۴)

ترجمہ جو لوگ سونا چاندی وغیرہ جمع کرکے رکھتے ہیں یعنی اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ شریعت کے واجب کیے ہوئے مصارف میں اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ⓵ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ⓶ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ⓷ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ⓸

ترجمہ ہر ایسے شخص کے لیے تباہی ہے جو پیٹھ پیچھے لوگوں کی عیب چینی کرے اور سامنے ان پر آوازے کسے طعنے دے اور گالیاں۔ جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر سامان بنا کر رکھتا ہے۔ کیا اس نے یہ گمان کر لیا ہے کہ مال اس کو ہمیشہ رکھے گا یعنی مال کی بدولت ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہرگز نہیں مال اس کو کبھی نہ ہمیشہ رکھے گا آخر سب نے مرنا ہے اور مال یہیں رہ جائے گا اور کفر کی وجہ سے ضرور اس کو حطمہ (یعنی وہ آگ جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے) میں ڈالا جائے گا۔

○ اللہ تعالیٰ نے حلال ذریعے سے مال کمانے کو اپنا فضل اور نعمت بتایا ہے جس کی پوچھ ہوگی کہ کہاں کہاں خرچ کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (۱۰۲ : ۸)

ترجمہ پھر تم سب سے اس دن دنیوی نعمتوں کی باز پرس ہوگی کہ تم نے لے کہاں کہاں خرچ کیا۔

- مال اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ جس سے خاطر جمع ہو عبادت میں اور درجے بڑھیں بہشت میں، اور اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے۔ اور بے جا مال اڑانے والے ناشکری میں شیطان کے بھائی ہیں۔
- نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)
- نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (۷: ۳۱)

ترجمہ اور حد سے مت نکلو، یعنی زائد از حاجت نام و نمود اور دکھلاوے کے لیے مال خرچ نہ کرو۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ زائد از حاجت خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

- اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بے موقع خرچ کرنے سے منع فرمایا:

قرآن وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۱۷: ۲۶، ۲۷)

ترجمہ دولت کو بے جا مت اڑاؤ، کیونکہ دولت کو بے جا اڑانے والے نعمت مال کی ناقدری کرنے میں شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان تو اپنے رب کا ازل سے ناقدر شناس ہے۔

- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور فساد میں مال خرچ کرنا دینِ اسلام اور اہلِ اسلام کی توہین میں مال لگانا، دشمنانِ اسلام کی اعانت میں مال لگانا، لوگوں کو راہِ حق سے روکنے کے لیے مال لگانا، تکبر اور فخر کے طور پر مال لگانا۔ یہ سب حرام اور تبذیر میں داخل ہیں۔ اور آج کل لوگوں کا ناجائز مال اڑانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ مثلاً:
- شادی بیاہوں میں ڈوموں، میراسیوں، نٹوں اور کنجنیوں کو دینا۔
- سہرا اور گانا باندھنا۔
- مردوں کو ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا۔
- ڈاڑھی منڈانا یا قبضہ سے کم کتروانا۔
- عورتوں کا ناخن پالش لگانا۔

- عورتوں کا نائی سے بالوں کی خاص وضع بنوانا۔
- شادی میں مہندی کی رسم۔
- ڈھول باجے شہنائیاں کھیل تماشے۔
- کرکٹ فٹ بال والی بال جیسے تمام ناجائز کھیلوں پر خرچ۔
- مکان بنانے میں بے جا مینا کاری۔
- دوٹوں پر خرچ کرنا۔ اور اس ضمن میں جھنڈے جھنڈیاں اور کاغذ کپڑا اور بانس وغیرہ کا خرچ۔
- شادی یا اور کسی موقع پر ٹینٹ اور تمبو لگانا۔
- مرنے پر قل، تیجا، ساتا، دسواں اور چالیسواں اور کونڈے کرنا۔
- قبروں کو پختہ بنانا۔
- قبروں کو بلند کرنا۔ اور قبے بنانا۔ قبروں پر چونہ گچ کرنا، اور چادریں چڑھانا۔
- غیر اللہ کی نذر ماننا۔
- پیدائش کے موقعوں پر فضول دعوتیں۔
- ولیمہ اور نسیکہ (عقیقہ) کے ساتھ فضول لوازمات۔
- کرائے پر میز کرسیاں منگوا کر کھڑے کھڑے کھانا پینا، جو غیر مسلموں کا طریقہ ہے اور اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔
- غیر مسلموں کے غیر شرعی لباس کا استعمال۔
- سرکس، سنیما، بائی سکوپ، بتوں کا کھیل، میلہ منڈیوں کے کھیل وغیرہ۔
- بندروں اور لنگوروں کا کھیل،
- مرغ بازی، بٹیر بازی، کتوں کی لڑائی،
- گھوڑ دوڑ کا تماشہ،
- وڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ڈش انٹینا، یا اس قسم کے دیگر فضول نشریات والے آلات کی خرید و فروخت اور ان آلات کی مرمت کرنے والوں کو اجرت دینا۔

- ان قرآنی ہدایات کی مطابق آج کل کے مصلحین کا فرض اولین ہے کہ اصل اور جڑ کو کاٹیں شاخیں خود بخود ختم ہوجائیں گی۔ جیسا کہ محاورہ ہے: "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔ اس اصول کے تحت ان کو چاہیے کہ پہلے ان لوگوں کو نصیحت کریں جو بے موقعہ اور بے محل اپنی کمائی اڑاتے ہیں، تاکہ وہ ان مقامات پر خرچ کرنا چھوڑدیں۔ جب دینے والے دینے سے رک جائیں گے تو لینے والے کہاں سے لیں گے؟ ڈنڈے کے زور پر تو لینے سے رہے۔
- اور ان مصلحین کا فرض بنتا ہے کہ پہلے سرکاری اداروں کو مشورہ دیں کہ ریڈیو ٹیلی ویژن وغیرہ پر کروڑوں روپیہ ضائع ہوتا ہے۔ ان کو ختم کرو اور قوی پیسے کی بچت کرو۔ اس طرح رفاہِ عامہ میں روپیہ لگانے کے لیے باہر سے قرض لینے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ اور نہ ہی سود کی لعنت کے بوجھ میں دبیں گے۔ ملک خوشحال ہوجائے گا۔
- نیز درخواست دے کر ملازمت اختیار کرنے والا تنخواہ خور مولوی، خطیب، معلم، مؤذن، خادم مسجد، نعت خوان، ریڈیو وغیرہ میں قرآنی رکوع پڑھنے والے، ترجمہ کرنے والے، مسائل بیان کرنے والے، گانے والے، گانے والیاں، ناچنے والے، ناچنے والیاں، سب کی چھٹی کرو۔ کوئی مرد یا عورت بلکہ کوئی جاندار ٹی وی پر نظر نہ آئے۔ نہ ہی ریڈیو میں عورت خبریں سنائے۔ بلکہ ریڈیو کے ماسوا پاکستان میں ان آلات کا داخلہ ہی ممنوع قرار دیا جائے۔ اور رسائل و جرائد و اخبارات میں جو دینی مسائل آتے ہیں ان کو بھی بند کردیں۔ اور جس کسی کو کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہو وہ اپنے اپنے معتمد علیہ مولوی سے پوچھ لیا کرے۔
- اسی طرح تصاویر پر کلی طور پر پابندی لگائی جائے۔
- اور سبھی فرقوں پر پابندی لگائیں کہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے نہ دفتر بنائیں نہ کتابیں رسالے اور جریدے شائع کریں۔
- نیز انھیں نیا گرجا بنانے سے منع کیا جائے۔ البتہ پرانے گرجاؤں کی مرمت کی

اجازت دی جا سکتی ہے۔

○ اسی طرح مرزائیوں، اسماعیلیوں، رافضیوں وغیرہ مذاہب باطلہ پر پابندی لگائی جائے کہ وہ اپنے مذہب کی اشاعت نہ تحریراً کریں اور نہ تقریراً۔

○ اسی طرح فرقہ واریت کے تمام اسباب پر پابندی لگائی جائے۔ مثلاً اذان بلالیؓ میں اضافہ کر کے اپنے تشخص کے اظہار سے فرقہ واریت کو جنم نہ دیا جائے۔ جیسے:

① اشہد ان علیاً ولی اللہ ـــــ

② حی علیٰ خیر العمل ـــــ اور:

③ جعلی درود باآوازِ بلند پڑھنے پر پابندی لگائی جائے۔ کیونکہ ان باتوں سے فرقہ واریت کا اظہار ہوتا ہے۔

○ اسی طرح ریڈیو پر ایسے پروگراموں کو بند کیا جائے جن سے فرقہ واریت جنم لیتی ہو۔

○ اور ہتھیاروں پر پابندی لگائی جائے۔ اور چھاپے مار کر سب ہتھیار برآمد کر کے ضبط کر لیے جائیں۔

○ چکلے اور قحبہ خانے بند کر دیے جائیں۔

○ شراب نوشی سگریٹ بیڑی اور دیگر منشیات پر پابندی لگائی جائے۔

○ شادی بیاہوں پر فضول خرچی کرنے والوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

○ نیز ان مصلحین کا جیسے محاورہ ہے "الٹے بانس بریلی کو" ان مقامات پر نہ حکومت کو مشورہ دیتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کو فضول خرچ کرنے سے روکتے ہیں۔ ان کو فضول خرچی کرنے پر کھلی چھٹی دینا اور علم دین پڑھا کر وظیفہ لینے والوں کو روکنا سعیِ معکوس ہے۔

تحصیل علم کی فرضیت

○ دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

○ اور علم سے مراد علمِ دین ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حدیث يَا حُذَيْفَةُ! عَلَيْكَ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَتَعَلَّمْهُ وَاتَّبِعْ مَا فِيهِ. اے حذیفہ! اللہ تعالیٰ کی کتاب کو لازم کر پکڑو، پھر اس کو سیکھو اور جو احکام اس کتاب اللہ میں درج ہیں ان کی پیروی کرتے رہو۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

○ اسی طرح ۱۔ امیر المومنین سیدنا امام عثمان اور ۲۔ امیر المومنین سیدنا امام علی اور ۳۔ سیدنا سعد اور ۴۔ سیدنا ابو امامہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث خِيَارُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. کہ تم میں سے پسندیدہ اور چیدہ آدمی وہ ہے جو قرآن مجید کا علم سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے۔ (مسند دارمی صفحہ ۴۲۶ و مسند ابو یعلی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ و معجم کبیر طبرانی جلد ۸ صفحہ ۳۰۲ و علل الحدیث جلد ۲ صفحہ ۶۵ و مشکوٰۃ)

○ اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ کہ پہلے خود علم دین حاصل کرو، اس کے بعد دوسرے لوگوں کو سکھاؤ۔

○ پھر ان لوگوں میں سے اپنی اولاد کی تربیت پہلے فرض ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حدیث مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِطَلَبِ الْعِلْمِ. اپنی اولاد کو علمِ دین حاصل کرنے کا حکم دو۔

علم کا اطلاق کتب سماویہ پر ہوتا ہے

○ اللہ تعالیٰ نے علم کا اطلاق کتب الٰہیہ پر کیا ہے۔ چنانچہ "أُولُوا الْعِلْمِ" سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ (۳: ۱۸)

ترجمہ گواہی دی اللہ نے اس کی کہ بجز اس کے کوئی پکار کے لائق نہیں۔ اور فرشتوں نے بھی اور اہلِ علم نے بھی۔

○ اسی طرح اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۳ : ۷) یعنی جو لوگ علمِ دین میں پختہ کار اور فہیم ہیں۔ یہاں بھی مومنون مراد ہیں۔

○ اسی طرح سورۃ عنکبوت میں فرمایا : بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ (۲۹ : ۴۹) بلکہ یہ قرآن مجید بہت سی واضح دلیلوں کا مجموعہ ہے۔ جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو علم عطا کیا گیا۔

علمِ دین سے ناقف شخص جاہل ہے

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جاہل قرار دیا جو قرآن مجید کے علم سے ناواقف ہیں۔ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (۶ : ۱۰۰) یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھی ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور بعض یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور مشرکینِ عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ قرآنی اصطلاح میں علم سے مراد علمِ دین ہی ہے۔ اور اس کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ اور بعض علوم فرضِ کفایہ ہیں۔ اور اس کے کئی شعبے ہیں۔ مثلاً :

ہر مسلمان کے لیے (فرضِ عین)

○ وہ مسائل جن کا علم ہر چھوٹے بڑے امیر غریب اور مرد و زن کو سیکھنا ضروری یعنی فرضِ عین ہے۔ مثلاً : ۱ عقیدہ، ۲ طہارت یعنی پاکی پلیدی کے مسائل، ۳ حلال حرام، اور ۴ نماز روزہ کے مسائل۔

مالداروں کے لیے

○ وہ مسائل جو مالداروں کو سیکھنا فرض ہے۔ جیسے : زکوٰۃ اور مصارفِ زکوٰۃ، عشر، صدقۂ فطر، قربانی، ہدی، اور حج وغیرہ۔

ہر بالغ کے لیے

○ وہ مسائل جن کا جاننا ہر بالغ کو فرض ہے۔ جیسے : نکاح، طلاق، رضاع، حضانت (پرورش کرنا) نفقہ اور تربیت اولاد۔ تدبیر منزل اور سیاست مدنی۔

تاجروں کے لیے

○ وہ مسائل جن کا علم تاجروں پر فرض ہے۔ جیسے : خرید و فروخت، مضاربت، شرکت، ودیعت، کفالہ، حوالہ، اقالہ، عاریۃ، ہبہ، شفعہ، رہن، ربوٰ، مرابحۃ، تولیہ، وکالت، سلم، اور صرافہ۔

ہر ملازم کے لیے

○ وہ مسائل جن کا علم ہر ملازم پر فرض ہے۔ جیسے : اجارہ کے تمام مسائل۔

زمینداروں کے لیے

○ وہ مسائل جن کا علم ہر زمیندار پر فرض ہے۔ جیسے : مزارعت، مساقاۃ، شفعہ، بنجر زمین کی آبادکاری، پانی کی باری، نہر کی کھدائی، رہن، عشر، اور خراج۔

حاکم کے لیے

○ حاکم کے فرائض : اقامت جمعہ و عیدین، آداب القاضی، شہادات و اقرار، تحکیم، یمین، مدعی اور مدعٰی علیہ کا امتیاز، صلح، اکراہ، حجر، ماذون، تقسیم اراضی وغیرہ، قسامہ، اور حدود شرعیہ کا قیام، حبس، لعان۔

خلیفۂ وقت کے فرائض

○ خلیفۂ وقت کے فرائض : اقامت جمعہ و عیدین، اقامت حدود، زکوٰۃ اور عشر کی فراہمی، اوقاف کا انتظام، مدارس اسلامیہ کا قیام، خطیب، والی، امام اور معلمین کا تقرر۔ سیاست ملکی۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت، جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی فوج کا ہر وقت چوکنا رہنا۔ اور ان امور کے متعلق اسلامی ہدایات کے اصول کا علم، مال فیٔ و غنائم کی تقسیم کے مسائل۔

قریب الموت کے لیے

○ قریب الموت کے احکام مثلاً : وصیت کی جائز و ناجائز صورتوں کا علم، اور وراثت کے احکام۔

○ یہ علوم ہر مسلمان پر ابتداء میں سیکھنا ضروری ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے یہ علوم حاصل نہ کر سکا ہو تو اسے اس کے حصول میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ موت کا کچھ علم نہیں کب آجائے۔

علم دین سے ناواقفیت کی خرابیاں

○ قرآن مجید کا علم حاصل نہ کرنے والوں کے لیے قرآن مجید میں وعید آئی ہے۔ مثلاً:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى

(۲۰ : ۱۲۴) یعنی جس شخص نے میرے قرآن مجید میں بیان کردہ نصیحت سے اعراض کیا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

○ علم دین کی ناواقفیت کی وجہ سے انسان اپنی دنیوی زندگی میں ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جو آخرت میں خسارے کا باعث ہوگا۔ مثلاً:

خرابی بعض اوقات انسان ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جس سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اگر شادی شدہ ہے تو نکاح بھی ٹوٹ جائے گا۔ اور وہ لاعلمی کی وجہ سے یہی سمجھے گا کہ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ میں ایمان دار ہوں' اور میرا نکاح بھی قائم ہے۔ حالانکہ نہ اس کا ایمان رہا اور نہ نکاح۔ اور ناجائز طریقے پر عورت کو گھر بسا رکھا ہے۔

خرابی نیز اس کو حلت و حرمت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ مال حرام طریقے سے کمائے گا' اور اسے حلال سمجھے گا۔

خرابی اسی طرح نماز پڑھے گا تو کوئی ایسا امر عارض ہو گیا کہ جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یا اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اس طرح کرنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میری نماز درست ہو گئی۔ اور قیامت کے دن نماز نہ پڑھنے کی سزا پائے گا۔

○ اسی طرح اگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ کس امام کے پیچھے نماز ہوتی ہے اور کس کے پیچھے نہیں ہوتی۔ اور اگر اس نے کسی ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جس کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی۔ اور وہ سمجھا کہ میری نماز صحیح ہو گئی ہے' تو قیامت کے دن نماز نہ پڑھنے کی سزا پائے گا۔

خرابی اسی طرح روزہ رکھے گا تو ایسا کام کرے گا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ سمجھے گا کہ میرا روزہ قائم ہے۔ اور قیامت کے دن روزہ توڑنے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور اس سے اس بات کی باز پرس بھی ہوگی کہ تو نے روزے کے مسائل کیوں نہ سیکھے۔ جس سے تجھے علم ہوتا کہ کن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے اور کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

خرابی اسی طرح حج کرے گا تو اس میں ایسی حرکتیں کرے گا جس سے حج باطل ہو جاتا ہے یا دم لازم آتا ہے اور وہ یہ سمجھے گا کہ میں حاجی ہوں۔ اور دوبارہ اس کی قضاء نہ کرنے، یا دم نہ دینے کی وجہ سے ہمیشہ گناہگار رہے گا۔ اور آخرت میں اس سے باز پرس ہوگی کہ تو نے حج سے پہلے حج کے مسائل کیوں نہ سیکھے۔

خرابی اسی طرح زکوٰۃ کے مسائل و مصارف سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ کسی غیر مستحق یا بدعقیدہ شخص کو زکوٰۃ کی نیت سے اپنا پاکیزہ مال دے گا، مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ یا کئی سال سے وہ صاحب نصاب ہے، اور وہ اپنے آپ کو صاحب نصاب نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اس کے سر پر کئی سال کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ قیامت کے روز اس کی باز پرس ہوگی۔ اور اس جرم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسائل زکوٰۃ نہ سیکھنے کی سزا بھی پائے گا۔

خرابی اسی طرح قربانی کرے گا تو مسائل سے ناواقفیت کے باعث قربانی کے جانور میں اپنے ساتھ کسی بدعقیدہ شخص کو یا ایسے شخص کو شریک کرلے گا جس کی آمدن میں حرام غالب ہو، یا کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی ہو، تو اس کی اپنی قربانی بھی نہ ہوگی۔ اور وہ سمجھے گا کہ میں قربانی کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔

خرابی اسی طرح اگر کسی بدعقیدہ شخص سے قربانی کا جانور ذبح کرالے گا، تو اس کی قربانی نہیں ہوگی، بلکہ وہ مشرک کی ذبیحہ کھا کر حرام خوری جیسے گناہِ کبیرہ کا مرتکب بھی ہوگا۔ اور ایسا گوشت کسی کو کھلانے سے بھی بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ جیسا کہ چوہا مار کر بلی کو کھلانا بھی جائز نہیں۔ البتہ چوہے مارنے کی وجہ سے بلی پالنے میں کوئی حرج نہیں۔

خرابی اسی طرح لاعلمی کی وجہ سے کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر بیٹھے گا جس سے نکاح حرام ہے اور وہ حلال سمجھ کر تا حیات زنا کرتا رہے گا۔ یا کوئی ایسا لفظ منہ سے نکالے گا جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ لاعلمی میں یہی سمجھے گا کہ کچھ نہیں بگڑا۔

خرابی اسی طرح تجارت کرے گا تو جائز طریقوں سے ناواقفیت کے باعث ایسے طریقے اختیار کرے گا جن سے شریعت منع کرتی ہے۔ تو اس طرح پرایا مال اپنا سمجھ کر وصول کرے گا۔ اور یہ حقوق العباد قیامت میں نہ بخشے جائیں گے۔ اور مدتوں جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

خرابی اسی طرح نوکری کرے گا تو قوانین اجارہ سے ناواقفیت کے باعث نوکری حرام بن جائے گی۔ یا مالک نے ملازم کو کسی غیر شرعی کام کا حکم دیا اور ملازم اس حکم کی تعمیل کر کے معصیت کا مرتکب ہوگا۔ جس کے وبال میں مالک اور ملازم دونوں سے پوچھ ہوگی کہ تم نے شرعی احکام کیوں نہ سیکھے۔

خرابی اسی طرح مزارعت کے جائز طریقوں کے علاوہ کسی ناجائز طریقہ پر عمل کی وجہ سے جو کسان حرام خوری کا مرتکب ہوگا قیامت کے دن وہ کمائی وبال جان بن جائے گی۔ اور اس سے پوچھ ہوگی کہ تو نے مزارعت سے پہلے اس کے شرعی احکام کیوں نہ سیکھے۔

خرابی مسلمان حاکم کے لیے ان شرعی مسائل کا جاننا ضروری ہے جن سے اسے واسطہ رہتا ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ مدعی علیہ کی عدم موجودگی میں شرعی احکام سے ناواقفیت کے باعث عدالت کی طرف سے یک طرفہ فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ "قضا علی الغائب" جائز نہیں۔ اس کا وبال ہمیشہ حاکم کے سر پر رہے گا۔ مرنے کے بعد عذاب قبر میں مبتلا ہوگا۔ اور شرعی فیصلہ نہ سیکھنے کی وجہ سے قیامت میں بھی سزا پائے گا۔

نیز ان لوگوں سے بھی بازپرس ہوگی جو اپنا مقدمہ غیر شرعی فیصلہ کرنے والے حکام کے پاس لے جاتے ہیں۔ اس کے جرم میں حاکم اور محکوم دونوں سزا پائیں گے۔

خرابی علم دین سے ناواقفیت کے باعث وراثت کے شرعی طریقہ تقسیم کے خلاف جائز وارثوں کو

محروم کر کے غیر وارثوں کو مال وراثت تقسیم کر دینے کی سزا بھی قیامت کے روز ملے گی۔ اسی طرح ناجائز وصیت کرنے کا وبال بھی بھگتنا ہوگا۔

خرابات علم دین سے ناواقفیت کے باعث مالدار آدمی بیج اور جائز مصرف کو چھوڑ کر غیر مصرف میں دینے کی سزا پائے گا۔

خرابات علم دین سے ناواقفیت کی وجہ سے غریب آدمی جو وصولی مال کے ناجائز طریقے اختیار کرے گا اس کی سزا بھی پائے گا۔

○ اس لیے وہ دولت مند جو اپنی اولاد کی دنیوی تعلیم پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں جس سے دنیا میں فائدہ موہومہ کی امید ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ فائدہ حاصل ہی نہیں ہوتا۔ اور وہ خرچ کیے ہوئے پیسے پر نادم ہوتا ہے۔ اور سنا جاتا ہے کہ ناکامی کی صورت میں خود کشی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ جو شرعاً حرام ہے۔ خسر الدنیا والاٰخرۃ ذالك هو الخسران المبين (۲۲ : ۱۱) یعنی دنیا اور آخرت دونوں کھو بیٹھا۔ یہی ہے کھلا نقصان۔ اور اگر وہ دولت مند اپنی اولاد کو قرآن مجید و حدیث نبوی اور فقہ کی تعلیم پر خرچ کریں تو فائدہ یقینی ہے۔ دنیا میں بھی اور عالم برزخ میں بھی اور آخرت میں بھی اور جنت میں بھی۔

خرابات لاعلمی کی وجہ سے عہدہ کے خواہشمند لوگ عہدہ حاصل کرنے کے لیے لاکھوں روپے اڑا دیتے ہیں۔ حالانکہ عہدے کا مطالبہ ہی حدیث نبویؐ کی رو سے ممنوع ہے۔ قیامت کے روز غیر مصرف میں روپیہ اڑانے کی بھی پوچھ ہوگی اور عہدہ کے مطالبے کی بھی پوچھ ہوگی۔ اور اپنی ممبری کے روز سے اپنے یا دوسرے لوگوں کے ناجائز کام کرنے کرانے کی سزا الگ ہوگی۔

عہدہ کی درخواست کرنا

○ خلافت اسلامیہ میں کوئی عالم درخواست دے کر نہ معلم بن سکتا ہے نہ خطیب نہ واعظ نہ مفتی۔ واعظ کے بارے میں تو صریح حکم نبویؐ ہے کہ وعظ و نصیحت یا امام خود کرے یا وہ جس کو امام کی طرف سے حکم ہو۔ اور امام ارکان دولت سے مشورہ کر کے اپنی

صائب رائے سے جس عالم دین کو منتخب کرلے وہی عہدہ سنبھال سکتا ہے۔
دوسرے کو کوئی حق نہ وعظ کرنے کا ہے نہ فتویٰ دینے کا نہ تعلیم کا نہ خطابت کا۔

○ مفتی واعظ خطیب معلم کا تقرر خلیفہ ہی کرتا ہے۔ اور خلافت اسلامیہ میں ان لوگوں کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ آج کل کی طرح پہلے دور میں بھی کئی لوگوں کے دل میں خواہش ابھرتی تھی کہ میں بھی اس عہدے پر فائز ہو جاؤں۔ مگر حضرت نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کی پیش بندی فرمادی ہے۔ چنانچہ :

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : ایک دور آئے گا جس میں تم (اُمت محمدیہ) سرداری کی حرص کروگے۔ مگر (یاد رہے کہ) وہ سرداری قیامت کے دن ندامت و پشیمانی کا سبب بنے گی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

○ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دو بھائیوں میں سے ہر ایک نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ بعض امورِ دینیہ پر مجھے بھی عامل بنائیں، تو آپ نے فرمایا : واللہ شریعت کے امور میں سے کسی ایک کام پر بھی ہم ایسے شخص کو امیر نہیں بناتے جو خود مطالبہ کرے۔ اور نہ ہی اس کو جو اس کی حرص کرے۔

○ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ : ہم کسی دینی کام پر اس شخص کو عامل نہیں بناتے جس کا اپنا ارادہ ہو۔ اور اس کی درخواست کرے۔ (کیونکہ : اس کا یہ مطالبہ جاہ اور مرتبہ کی محبت کی دلیل ہے۔ اور باعث بنتی ہے اس کی خرابی کا۔ (مشکوٰۃ)

○ حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھے سرداری کے مطالبہ کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ : اگر مانگنے سے تجھے سرداری مل گئی تو سارا کام تیرے حوالے کر دیا جائے گا۔ (اور اللہ کی مدد شاملِ حال نہ ہوگی۔) اور اگر بغیر مانگے کے تجھے سرداری ملی تو اس میں اللہ کی طرف سے مدد تیرے شاملِ حال ہوگی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

○ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ مجھے عامل بنادیجیے۔ تو آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بطورِ شفقت فرمایا :

"تو کمزور ہے۔ اور یہ سرداری اللہ تعالٰی کی طرف سے امانت ہے۔ اور قیامت کے دن یہی سرداری رسوائی اور پشیمانی کا سبب بن جائے گی"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

- اس حدیث کے تحت حضرت علامہ شیخ محی الدین ابو زکریا یحیٰی بن شرف نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس حدیث میں بہت بڑی اصولی بات (اصل عظیم) بیان کی گئی ہے کہ سرداری سے پرہیز کیا جائے۔
- اس سے معلوم ہوا کہ جو دین کا علم پڑھنا چاہتا ہے وہ محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پڑھے۔ اور اس کا مقصد یہ ہو کہ دین پڑھ کر اس پر عمل کروں گا۔ اور جتنا پڑھا ہو ساتھ ساتھ اس پر عمل کرتا رہے۔ اور جتنا پڑھا ہے دوسروں کے سامنے اسے بیان بھی کرتا رہے۔ لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ میں دین پڑھ کر شعلہ بیان مقرر بنوں گا۔ یا درخواست دے کر کسی جامع مسجد میں خطیب یا مفتی یا قاضی مقرر ہو جاؤں گا۔ یا کسی سرکاری محکمے میں خطیب لگ جاؤں گا۔ بلکہ عہد کرے کہ میں دین پڑھنے کے بعد حلال روزی کی تلاش کروں گا۔ کتابت' یا تجارت یا جلد سازی یا صابن سازی یا دوا سازی وغیرہ کے ذریعے روزی کماؤں گا۔ اور عہد کرے کہ روزانہ کسی ایک نماز کے بعد مطالعہ کر کے درس قرآن دیا کروں گا۔ یا حدیث نبویؐ کا درس دوں گا۔ یا فقہی مسائل بیان کروں گا۔ جب اللہ تعالٰی اولاد دے تو اس کی تربیت کرے اور دین پڑھائے۔
- البتہ اگر حکومت کی طرف سے بغیر درخواست دیے مطالبہ آ جائے تو دل میں یہ نیت کرے کہ میں ان لوگوں میں حق بات وضاحت کے ساتھ بیان کروں گا اور کتمان حق نہ کروں گا۔ اور کسی باطل فرقے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف گوئی سے کام لوں گا۔ تو ایسی نوکری سے دریغ بھی نہ کرے۔ ایسی نوکری کرنا جائز اور حلال ہے۔ بلکہ ایسی نوکری سے دیانت اور امانتداری کا حق ادا ہوگا۔ اور اسے ثواب بھی ملے گا۔ اور اگر یہ ڈر ہو کہ میں اگر یہ طریقہ اپناؤں گا کہ کوئی فرقہ ناراض نہ ہو اس لیے گول مول بات کروں گا۔ تاکہ افسران بھی ناراض نہ ہوں' تو ایسی نوکری کرنا واقعی حرام ہے۔

○ اور اگر درخواست دے کر خطابت حاصل کرے گا تو یہ ہے بھیک مانگنا۔ جو شرعاً حرام ہے۔ مستحقین صدقات کو ضرورت ہو تو کسی سے مانگنا جائز نہیں۔ صرف والی کو درخواست کرے کہ مجھے اتنی ضرورت ہے۔ والی بعد از تحقیق اس مستحق کی ضرورت کے مطابق بیتُ المال میں سے دے۔ اور دیوان میں اس کا نام اور عطیہ کی مقدار لکھ کر مستحق سے دستخط کرا لے۔

مستحقین کی امداد کا حکم

○ مستحقین کی مالی امداد کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انفاق کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: انفقوا فی سبیل اللہ۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب بھی بتایا۔ اور انفاق نہ کرنے والے پر وعید بھی فرمائی۔ اور خرچ نہ کرنا بلکہ خرچ کرنے سے روکنا منافقوں کا کام بتایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ (۶۳ : ۷)

ترجمہ یہ منافق ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔ یہاں تک کہ وہ (بھوکے مارے) خود ہی منتشر ہو جائیں۔ اور ان منافقوں کا یہ کہنا نری جہالت ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کے سب خزانے اللہ ہی کے ہیں۔ لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

○ نیز فرمایا کہ ہر محتاج کو خواہ قناعت پیشہ ہو خواہ گدائی پیشہ۔ ان کو کھلاؤ۔ مگر بھیک مانگنے کا کہیں حکم نہیں دیا۔ بلکہ:

○ قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ مانگنا ہے تو صرف اللہ سے مانگو۔ واسألوا اللہ من فضلہ (۴ : ۳۲) یعنی ہر وقت اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔

○ نیز فرمایا: فابتغوا عند اللہ الرزق (۲۹ : ۱۷) یعنی روزی اللہ ہی سے مانگو۔

○ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے صدقہ کی فضیلت اور بھیک مانگنے سے اجتناب کا ذکر کرتے

ہوئے فرمایا کہ : جس کے پاس صبح و شام کا کھانا ہو وہ غنی ہے۔ اس کو بھیک مانگنا حرام ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۲)

اس کے علاوہ بے شمار احادیث اس بارہ میں اور بھی وارد ہیں۔

بطورِ دم قرآن مجید کی آیات پڑھ کر اجرت لینے کا جواز

○ تمام اہلِ اسلام کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث شریف مروی ہے : ان ناسًا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتوا علی حی من احیاء العرب فلم یقروھم فبینما ھم کذالك اذا لدغ سید اولئك فقالوا ھل معکم دواء اوراق فقالوا نعم انکم لم تقرونا و لا نفعل حتی تجعلوا لنا جعلا فجعلوا لھم قطیعاً من الشاء فجعل یقرأ بام القران و یجمع بزاقه و یتفل فبرأ فاتوا بالشاء فقالوا لا نأخذه حتی نسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألوه فضحك و قال ما ادراك انھا رقیة خذوھا و اضربوا لی بسھم۔ و فی روایة اقسموا و اضربوا لی معکم بسھم۔ (بخاری کتاب الطب باب الرقی بفاتحة الکتاب) کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی جماعت ایک عرب قبیلے کے پاس پہنچی۔ قبیلہ والوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی۔ اسی دوران اس قبیلے کے سردار کو ایک زہریلے جانور نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی دوا ہے؟ یا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟۔ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ : ہاں! مگر تم تو وہ لوگ ہو جنھوں نے ہماری میزبانی بھی نہیں کی۔ اس لیے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر دم نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے لیے کچھ اہتمام نہ کرو۔ آخرکار بکری کے ایک ریوڑ پر معاملہ طے ہوا۔ ایک صحابیؓ نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اپنا تھوک جمع کیا اور سردار کے مقام گزیدہ پر لگا دیا۔ قبیلے کا سردار تندرست ہوگیا۔ حسبِ وعدہ قبیلہ والوں نے بکریاں دیں۔ صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا اور انھوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک بکریاں نہ لیں گے جب تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ

کرلیں۔ پھر حضرت نبی کریم ﷺ سے انھوں نے آ کر پوچھا تو حضرت نبی کریم ﷺ مسکرائے۔ اور فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الفاتحہ ایک دم ہے۔ بکریاں لے لو اور میرا حصہ بھی رکھو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپس میں تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی رکھو۔

○ اس حدیث سے قرآن مجید کی آیات پڑھ کر مریض پر دم کرکے اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے۔ جس میں کچھ شبہ نہیں۔ اور سب متقدمین اور متاخرین فقہاء اور محدثینؒ نے یہی بات کہی ہے۔ جن میں اہل لسان فقہاء مجتہدینؒ بھی ہیں اور اسی بات پر سب کا اجماع ہے۔ مگر اسی حدیث میں مانعین نے ہیرا پھیری کے ذریعے تحریف کرکے افصح العرب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر دھبہ لگانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اگر یہی بات ہوتی کہ صحابہ کرامؓ کا بکریاں لینا ضیافت کے طور پر تھا۔ نہ کہ دم کا عوض۔ تو آپؐ فرماتے نعم القریٰ العلم یعنی بکریاں اچھی مہمانی ہیں۔ اور یوں نہ فرماتے: ان احق ما اخذتم به اجرا کتاب الله یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔

○ یہ الفاظ ایسے ہیں جن سے اہل لسان بھی مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل لسان امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کے جواز کے قائل تھے۔ اور اسی حدیث سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا مسئلہ مستنبط فرماتے ہیں۔ اور یہ ہستیاں خیر القرون میں تھیں۔ جن کی تعریف حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ اور ان میں کوئی دنیاداری کی باتیں نہ تھیں۔ انھوں نے بےلوث ہوکر قرآن و حدیث کی خدمت کی ہے۔

○ اور یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید پڑھ کر بکریاں ضیافت کے طور پر لی تھیں۔ کیونکہ ایک فقیر مسافر طالب علم کو زکوٰۃ دی جائے تو تینوں باتیں ہوجاتی ہیں۔ یعنی:

① فقیر کو زکوٰۃ دینا۔ ② مسافر کو زکوٰۃ دینا۔ ③ فی سبیل اللہ زکوٰۃ دینا۔

اسی طرح وہ بکریاں دم کی اجرت بھی بن گئیں اور ضیافت بھی۔

○ اس لیے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ بکریاں محض ضیافت کے طور پر لی گئی تھیں۔ اور یہ سورت فاتحہ پڑھنے کی اجرت نہیں تھی۔ کیونکہ یہ مطلب چودہ سو سال سے محدثینؒ کے فہم کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کی تکذیب ہے۔ جبکہ محدثینؒ نے اسی بات پر باب منعقد کیے ہیں۔ جیسا کہ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۸ میں باب ہے: باب اخذ الاجرۃ علی التعویذ یعنی "تعویذ پر اجرت لینے کا بیان"۔

○ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبان سے ان بکریوں کو اجر کے نام سے موسوم کیا نہ کہ ضیافت کے نام سے۔ البتہ یہ جو آپؐ نے فرمایا ہے کہ اس میں میرا حصہ بھی رکھو۔ یہ اس لیے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کے ذہن میں جو الجھن تھی کہ فاتحہ پڑھ کر اس کی اجرت لینا شاید جائز نہ ہو' وہ الجھن دور ہو جائے اور صحابہ کرامؓ کو پوری طرح تسلی ہو جائے۔ یہ بات نہیں کہ آپؐ نے اپنا حصہ مقرر کرنے کا مطالبہ اس لیے فرمایا تھا کہ وہ اجرت کی بجائے محض ضیافت ہی تھی۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں ان صحابہ کرامؓ کے ساتھ شریک ہی نہ تھے کہ ضیافت میں شریک ہونے کا سوال پیدا ہو۔ نیز احادیث میں قرآنی دم پر اجرت کے جواز کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضیافت کے علاوہ بھی دیا ہے۔ چنانچہ:

حدیث حضرت خارجۃ بن الصلت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک پاگل اعرابی کے پاس سے گزرا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ کسی نے مجھ سے دریافت کیا کہ تیرے پاس اس کی کوئی دوا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں۔ پھر تین دن میں نے اس پر سورت فاتحہ پڑھی۔ ہر روز دو دو بار پڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مریض اچھا ہو گیا۔ تو ان لوگوں نے مجھے سو بکریاں دیں۔ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر بتایا' تو آپؐ نے فرمایا کہ: بسم اللہ پڑھ کر کھالے۔ بخدا وہ بھی تو ہیں جو ناجائز دم کر کے کھاتے ہیں۔ تو نے تو حق دم کر کے کھایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۵۳)

○ نیز حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ فلاں مجنون کو میں نے دم کیا تو انھوں نے مجھے بکریاں دیں۔ اور دم تو میں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھ کر کیا تھا۔ اس پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی تو ہیں جو ناجائز دم کر کے لیتے ہیں۔ تو نے تو جائز اور حق دم کر کے لیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۵۳)

○ اسی طرح کتب حدیث میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینے سے متعلق کئی حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں ضیافت یا مہمانی کا کوئی ذکر نہیں۔

○ نیز قرآنی آیات پڑھ کر دم کرنے کے بعد اجرت لینے کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی جائز کہتے ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ بخاری میں علامہ عینیؒ کے حوالے سے منقول ہے۔

○ حضرت امام ابوبکر بیہقیؒ نے سُنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۳۵۱ میں فرمایا کہ حضرت سعید بن مسیب تابعیؒ باعث برکت سمجھ کر کتاب اللہ سے کچھ آیات پڑھ کر دم کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔ بشرطیکہ عقیدہ یہ ہو کہ شفا من جانب اللہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ کی عقائدِ جمہور اہل سنت کے خلاف لکھی جانے والی معروف تحقیقی کتاب:

شفاءُ الصدور

فی تحقیق

عدمِ سماعِ مَن فی القبور

کے بعد

الصراط المُستقیم

فی اثباتِ

الحیوۃ البرزخیۃ للنبی الکریم

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

کی اشاعت کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاتِ برزخیہ کا اثبات کیا گیا ہے۔ جو ایک اعلیٰ، اولیٰ، ازکیٰ، اتقیٰ، اہم، اعظم، ادوم، اقوم، افضل، اکمل، اجمل، اطیب اور حقیقی حیات ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ناسوتی حیات کے ساتھ نبی حقیقی تھے، اب اس اعلیٰ برزخی حیات کے ساتھ بھی بدستور حقیقی نبوت کے ساتھ نبی ہیں۔ لیکن اس سے قبل ہی بعض عاقبت نااندیش لوگوں کی طرف سے شفاء الصدور کی مخالفت شروع کر دی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تیس سال تک اسی موضوع پر جواب اور جواب الجواب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور الصراط المستقیم شائع نہ ہو سکی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نظرِ ثانی فرما رہے ہیں۔ اور ماہنامہ گلستانِ اسلام کی آئندہ اشاعت میں ان شاء اللہ یہی کتاب پیش کی جائے گی۔

ادارہ گلستانِ اسلام ○ نشتری مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن ○ سرگودھا

اسلامی مملکت اور عورت کی سربراہی

قرآن و سنّت اور اجماعِ امّت کی روشنی میں

از قلم

شیخ الحدیث و التفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں عالمانِ شرعِ مبین اس مسئلہ میں کہ

شریعتِ محمدیہ میں اسلامی مملکت کی سربراہ (وزیرِ اعظم، صدر وغیرہ) عورت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ سنا جاتا ہے کہ علمِ عقائد والے خلافت و امامت وغیرہ کے لئے ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرط قرار دیتے ہیں

نیز عوام کے لیے عورت کی سربراہی تسلیم کرنا، جائز ہے یا نہیں؟

بَیِّنُوْا بالبراھین توجروا من رب العٰلمین

الجواب بعون الملک الوھاب

دلائل شرع کے چار ہیں قرآن، حدیث، اجماعِ امت، قیاسِ مجتہد۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مردوں کو عورتوں پر درجہ، مرتبہ، فضیلت اور مزیت ہے۔

دوسری جگہ فرمایا الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض الآیۃ یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر (دو وجہ سے) ایک تو اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعضوں پر (یعنی عورتوں پر قدرتی) فضیلت دی ہے (یہ تو وہبی امر ہے) اور (دوسرے) اس سبب سے کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنے مال (مہر میں اور نان نفقہ میں) خرچ کیے ہیں (اور خرچ کرنے والوں کا ہاتھ اونچا اور بہتر ہوتا ہے اس سے کہ جس پر خرچ کیا جاوے

اور یہ امر مکتسب ہے)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اُسی درجہ مرتبہ فضیلت اور مزیت کا بیان حکیمانہ طرز کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ مردوں کی یہ فضیلت اور تفوق خود عورتوں کی مصلحت اور فائدہ کے لیے اور عین مقتضائے حکمت ہے اس میں عورت کی نہ کسرِ شان ہے نہ اس کا کوئی نقصان ہے

قَوَّام اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے والا ہو، اسی لیے اس آیت میں قَوَّام کا ترجمہ عموماً حاکم کیا گیا ہے۔ یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لیے عقلاً اور عرفاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیر اور حاکم ہوتا ہے کہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلے سے کام چل سکے، جس طرح ملک وسلطنت اور ریاست کے لیے اس کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے اسی طرح قبائلی نظام میں بھی اس کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی، اور کسی ایک شخص کو قبیلہ کا سردار اور حاکم مانا گیا ہے، اسی طرح اس عائلی نظام میں جس کو خانہ داری کہا جاتا ہے اس میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے۔ عورتوں اور بچوں کے مقابلہ میں اس کام کے لیے حق تعالیٰ نے مردوں کو منتخب کیا کہ ان کی علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورتوں، بچوں کے زیادہ ہیں۔ اور یہ ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ کوئی سمجھ دار عورت یا مرد اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

علامہ بیضاویؒ نے بما فضل اللہ بعضہم علی بعض کے تحت لکھا ہے
بسبب تفضیلہ تعالیٰ الرجال علی النساء بکمال العقل وحسن التدبیر ومزید القوۃ فی الاعمال والطاعات۔ ولذا خصوا بالنبوۃ و الامامۃ والولایۃ واقامۃ الشعائر الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں

پر فضیلت بخشی ہے کمال عقل، حسنِ تدبیر اور اعمال وطاعات میں مزید قوت دینے کے ساتھ۔ اور یہی وجہ ہے کہ نبوۃ، امامت (صغریٰ وکبریٰ یعنی حکومت وسلطنت) اور ولایت (سربراہی وگورنری) اور شعائر اسلام (یعنی اذان۔ خطبہ۔ جمعہ۔ عیدین۔ جہاد۔ قضاء (قاضی ہونے) کے ساتھ مردوں کو خاص کیا گیا ہے اور اسی طرح کے اور بہت سے امور ہیں جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے مرد کو کمال عقل حسن تدبیر، وسعتِ علم، عظمتِ جسم، زیادتی قوت، اور صلاحیت واستعداد کی بیشی تخلیقی طور پر عطاء کی ہے اتنی کہ عورت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں۔ اسی لیے مندرجہ ذیل خصوصیات واحکام مرد کے لیے ہیں۔ عورتیں ان احکام وخصوصیات سے محروم ہیں۔ نبوت۔ امامت۔ حکومت۔ قضاء۔ تعزیری جرائم کی شہادت۔ وجوب جہاد وجوب جمعہ۔ وجود عیدین۔ اذان۔ خطبہ۔ نماز کی جماعت۔ میراث میں حصہ کی زیادتی۔ نکاح کی مالکیت۔ تعدد ازواج۔ اختیار طلاق۔ پورے رمضان کے روزوں کی۔ اور ہر زمانہ میں پوری نمازوں کی فضیلت وغیرہ۔ اسی برتری کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ رواہ احمد عن معاذ رضہ وعن عائشہ۔ والترمذی عن ابی ہریرۃ وابوداؤد عن قیس بن سعد رضی اللہ عنہم۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا

یہی وجہ ہے کہ نبوۃ مردوں میں ہی۔ اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" وہ لوگ کبھی نجات نہیں پاسکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں (صحیح بخاری) اسی طرح منصب قضاء وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں

نیز فرمایا

مردوں کو اُن پر فضیلت ہے جسمانی حیثیت سے بھی، اخلاقی حیثیت سے بھی، مرتبہ کی حیثیت سے بھی، حکمرانی کی حیثیت سے بھی، خرچ اخراجات سے بھی، دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے مدارک التنزیل میں لکھا ہے یعنی انما کانوا مسیطرین علیھن بسبب تفضیل اللہ تعالیٰ بعضھم وھم الرجال علی بعض وھم النساء بالعقل والعزم والحزم والرأی والقوۃ والغزو وکمال الصوم والصلوٰۃ والنبوۃ والخلافۃ والامامۃ والاذان والخطبۃ والجماعۃ والجمعۃ وتکبیر التشریق عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ والشھادۃ فی الحدود والقصاص وتضعیف المیراث والتعصیب فیہ وملک النکاح والطلاق والیھم الانتساب وھم اصحاب اللحی والعمائم

وہ مرد اُن عورتوں پر (خدا کے حکم سے) مسلط کیے گئے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے کہ مردوں کو عقل کامل بخشا اور ہوشیاری اور دور اندیشی اور ارادہ کی پختگی نصیب فرمائی اور رائے اور قوت بخشی اور جہاد میں جانا اور نماز روزے پورے پورے ادا کرنا بھی مردوں کا کام ہے اور نبوت وخلافت وامامت اور اذان، خطبہ، جماعت، جمعہ، تکبیر تشریق اور حدود وقصاص کی شہادت اور میراث میں دوہرا حصہ اور عصبہ ہونا اور نکاح وطلاق کا اختیار اور نسب انتساب یہ سب مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور مرد ہی ڈاڑھیوں اور پگڑیوں والے ہیں

اور اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے یہی لکھا ہے کہ حاکم، امیر اور اور مجاہد غازی مرد ہی ہوتے ہیں عورتیں نہیں ہوتیں فیھم الحکام والامراء

من يغزوا۔ وليس ذٰلك في النساء

اور امام ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ نے البحر المحیط میں وللرجال عليهن درجة کے تحت لکھا ہے فضيلة عليها في الميراث والجهاد و وجوب طاعتها اياه ...... والصلاحية للنبوة والخلافة والامامة والخطابة و الجهاد ...... وكشف الوجوه الخ

مرد کو عورت پر فضیلت ہے (کئی امور میں مثلاً وراثت اور جہاد میں اور اس بات میں ہر عورت پر مرد کی اطاعت واجب ہے اور مرد میں نبوۃ، خلافۃ، امامۃ خطابت اور جہاد کی صلاحیت ہے اور مرد اپنا چہرہ کھلا رکھتا ہے

اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں بما فضل الله بعضهم على بعض کے تحت لکھا ہے

ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے۔ اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں، اور عورتیں ان کی محکوم ہوں، حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کے مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبیر اور قوۃ نظریہ اور قوۃ عملیہ اور قوۃ جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد عطا کی ہے۔ اور نبوۃ اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاء اور شہادۃ اور وجوب جہاد اور جمعہ وعیدین اور اذان اور خطبہ اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض ونفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کیے ہیں۔ انہی فضائل اور خصوصیات کی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو

حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کر سکتا ہے قضا و قدر نے عورتوں کی بہ وودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے۔ اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ وجدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدانِ جنگ میں حکومت وسلطنت کے لیے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقاء کے لیے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں۔ مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اس کی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے۔ اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے۔

ابو الکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں فرمایا "سربراہی و کار فرمائی کا مقام پہ انہی (مردوں) کے لیے ہو گیا ہے۔

جہاں نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وقرن فی بیوتکن" یعنی تم عورتوں کا فرض ہے کہ (اشد ضرورت کے بغیر) اپنے گھروں میں ٹِک کر جمی بیٹھی رہا کرو۔

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ عمل صرف اس کا گھر ہے اس کو اسی دائرے میں رہ کر اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض (نماز روزہ زکوٰۃ اطاعت اللہ و رسول ؐ خاوند کی غیر معصیت میں فرمان برداری امور خانہ داری) انجام دینے چاہییں۔ اور گھر سے باہر صرف بضرورت ہی نکلنا چاہیے۔

یہ منشا خود آیت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس کو اور واضح کرتی ہیں۔

حافظ ابوبکر بزارؒ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ساری فضیلت تو مرد لوٹ لے گئے۔ وہ جہاد کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اجر مل سکے؟ جواب میں فرمایا من قعدت منکن فی بیتہا فانہا تدرک عمل المجاھدین یعنی جو تم عورتوں میں سے گھر میں بیٹھی رہیں گی، وہ مجاہدین کے عمل کو پالیں گی۔" مطلب یہ ہے کہ مجاہد دل جمعی کے ساتھ اسی وقت تو خدا کی راہ میں لڑ سکتا ہے جب کہ اسے اپنے گھر کی طرف سے پورا اطمینان ہو، اس کی بیوی اس کے گھر اور بچوں کو سنبھالے بیٹھی ہو۔ اور اسے کوئی خطرہ اس امر کا نہ ہو کہ پیچھے کوئی گل کھلائے گی۔ یہ اطمینان جو عورت اسے فراہم کرے گی وہ گھر بیٹھے اس کے جہاد میں برابر کی حصہ دار ہو گی۔

ایک اور روایت جو بزار اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے اس میں وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ ان المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفہا الشیطٰن واقرب ما تکون بروحۃ ربہا وھی فی قعر بیتہا عورت مستور رہنے کی چیز ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت کے قریب تر وہ اس وقت ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھر کی اندر کی جگہ میں ہو۔

قرآن مجید کے اس صاف اور صریح حکم کی موجودگی میں اس بات کی آخر کیا گنجائش ہے کہ مسلمان عورتیں کونسلوں اور پارلیمنٹوں میں ممبر بنیں یا ملک کی سربراہ صدر یا وزیر وغیرہ بنیں۔ ایسی عورتیں کیسریت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ کیونکہ نوشیروان عصر کے خسرو کے آئین میں عورت مملکت و سلطنت کی ملکہ اور سربراہ

بن سکتی تھی۔ اسی لیے فیروز بن اردشیر بن شیرویہ بن کسریٰ پرویز بن ہرمز
بن نوشیروان کے بعد آذرمیدخت نامی ایک ایرانی مجوسی عورت ملک عجم کی
سربراہ اور ملکہ بنی تھی صحیح بخاری کے محشیین نے اس کا نام پوران بتایا ہے اس کی
مدت سلطنت ایک سال چھ ماہ بتائی جاتی ہے۔ تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأةً ایسی قوم کبھی کامیابی حاصل نہ
کر سکے گی جو اپنے امور سلطنت کا سربراہ کسی عورت کو بنائے گی

یہی حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ عورت قاضی، حاکم، امیر اور سربراہ
وغیرہ نہیں بن سکتی۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أخروهن من حيث اخرهن الله،
یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو پیچھے پیچھے رکھا ہے ایسے ہی تم بھی ان کو
پیچھے پیچھے رکھو۔ مثلاً فرمایا انی لا أضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثیٰ -
من يعمل من الصالحات من ذكر او انثیٰ - ان المسلمين والمسلمات و
المؤمنين والمؤمنٰت والقانتين والقانتات الآیۃ

اور سربراہ کا مقام تو آگے ہی ہوتا ہے اور دوسرے پیچھے اور نیچے ہوتے ہیں۔
جب عورت مرد کے برابر امام کی اقتداء میں کھڑی ہو جائے تو عورت کی نماز نہیں ٹوٹتی،
اور مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے بشرطیکہ امام نے نیت کر رکھی ہو کہ میں عورتوں کا امام
ہوں) اس کی وجہ یہی ہے کہ مرد کے ذمے فرض تھا کہ عورتوں کو اپنے پیچھے رکھے
اور اس نے اس فرض کی ادائیگی نہیں کی اسی لیے مرد کی نماز ترک فرض کی وجہ سے
ٹوٹ گئی۔ اور عورت کی نماز قائم رہی کیونکہ عورت کا کوئی فرض ترک نہیں ہوا،
اور جب امامت صغریٰ کا یہ حال ہے تو امامت کبریٰ یعنی حکومت و سلطنت اسلامیہ
میں کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ عورت مرد کے برابر عہدے میں کھڑی ہو۔ اور

جب عورت مرد کے برابر بھی کھڑی نہیں ہو سکتی تو آگے کھڑا ہونا بحیثیت سربراہ، صدر مملکت، وزیر یا حاکم یا امیر کیسے جائز ہو گا

بہرکیف قرآن و سنت نبویہ کی رو سے عورت مملکت اسلامیہ کی سربراہ حاکم امیر، صدر وغیرہ نہیں بن سکتی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا کان امراءکم خیارکم واغنیاءکم سمحاءکم و امورکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خیر لکم من بطنها واذا کان امراءکم شرارکم و اغنیاءکم بخلاءکم و امورکم الیٰ نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها یعنی جب تک تمہارے امیر شریعت کی رو سے تم میں کے چیدہ لوگ ہوں گے اور تمہارے اغنیاء سخی ہوں گے اور تمہارے امور سلطنت تمہارے باہمی مشورے سے طے پائیں گے تب تک تو تمہارا روئے زمین پر رہنا تمہارے لیے بہتر ہو گا بہ نسبت اس کے کہ تم مر کر زیر زمین دفن ہو جاؤ۔ اور جس وقت تمہارے امیر تم میں سے شریر اٹھ کھڑے ہوں گے اور تمہارے دولتمند بخیل ہوں گے اور تمہارے امور سلطنت تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں گے تو اس وقت تمہارا زیر زمین دفن ہو جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تم زندہ رہ کر روئے زمین پر چلو پھرو۔

اب ایسے لوگ جو عورت کی قیادت پر خوشی محسوس کر رہے ہیں انہیں اس حدیث میں غور کرنا چاہیے اور عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتائی ہے کہ جب امانت کو ضائع کیا جائے تو قیامت کی انتظار کر۔ سائل نے عرض کی، کہ یارسول اللہ امانت کے ضائع کیا جانے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة جب امور مملکت وغیرہ نااہل انسان کے سپرد کر دیے جائیں گے (تو یہ ہے امانت کو ضائع کرنے کا مطلب) پس اس

وقت قیامت کی انتظار کر۔ اور قیامت کی نشانیوں میں سے جس نشانی کے کرنے نہ کرنے میں فاعل مختار کے اختیار کو دخل ہو تو اس بارے میں فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کا فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے کاموں سے اجتناب کرے اور ان کا ارتکاب نہ کرے

تو اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہوگا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ کا فرض بنتا ہے کہ امورِ سلطنت کسی اہل کے حوالے کریں کسی نااہل کے سپرد نہ کریں

اب ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ امورِ سلطنت بہت بڑی ذمہ داری کے امور ہیں جو کبھی بچے کے حوالے نہیں کیے جا سکتے کیونکہ بچہ بے سمجھ ہوتا ہے اور یہ بات ہر پاکستانی جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کے ووٹ نہیں ہوتے بلکہ پاکستان میں تو سترہ سال کے بچے کا ووٹ معتبر نہیں حالانکہ شریعتِ محمدیہ اس کو عاقل بالغ مکلف قرار دیتی ہے۔ بلکہ اس پر جہاد کا حکم عائد ہوتا ہے وہ مجاہد اور غازی ہے۔ بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامۃ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سترہ برس کے ہونہار تھے جن کو آپ نے لشکرِ اسلام کا امیر مقرر فرمایا تھا۔

بہر حال بچہ کو ووٹ دینے کا حق اسی لیے نہیں دیا گیا کہ بچہ عقل کا کچا ہوتا ہے جب یہ علت بچہ میں موجود ہے تو یہی علت عورت میں بھی موجود ہے کیونکہ خود ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں کہ ان کی عقل بھی کم ہوتی ہے بہ نسبت مردوں کے اور ان کے دین میں بھی کمی ہوتی ہے اور دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے قائم مقام رکھی گئی ہے اور حیض ونفاس کی حالت میں نماز روزہ سے محروم ہوتی ہے اور حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں اور اذان، خطبہ، جہاد سے محروم ہے۔

جمعہ، عیدین، صلوٰۃ کسوف، جنازہ پڑھانے سے محروم۔ تو یہ سب عورت کے نقصان عقل کا نتیجہ ہی تو ہے تو ناقص العقل والدین کے حوالے پوری سلطنت کا حوالے کر دینا صرف انہیں لوگوں کا کام ہے کہ جو عورتوں کی طرح خود بھی ناقص العقل و الدین ہوں۔ کامل العقل کبھی ایسا نہ کرے گا۔

اور اُن کے ناقص العقل والدین ہونے کی واضح دلیل تو یہی ہے کہ اس نے اس امر میں اپنی ذمہ داری کو کم عقلی کی وجہ سے نہیں سمجھا کہ حکومت اور سلطنت کوئی بچوں کا کھیل نہیں یہ ایک بہت بڑی امانت ہے جو حسب حکم باری تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو۔ امانات سے منجملہ حقوق آگئے جن کی ادائیگی واجب ہے اور اہلہا سے وہ سب مراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں ان میں امور سلطنت بھی آگئے کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ امور سلطنت بھی کسی اہل کے حوالے کریں اور جو اتنی بات بھی نہیں سمجھتا ہے تو وہ خود ہی ناقص العقل والدین ہوا

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک زندہ رہے کسی عورت کے ہاتھ میں امور سلطنت میں سے کوئی ادنیٰ سا کام بھی سپرد نہیں کیا بلکہ گھر میں ہی رہنے کا حکم دیا خصوصاً جب پردہ شرعی کا حکم آچکا تھا

جب اپنی لخت جگر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت امام امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں دے دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھر کا کام فاطمہ کے ذمے ہے اور باہر کی ڈیوٹی علی کے ذمے ہے۔

آپ نے تبلیغ کے لیے بھی باہر اگر دوسرے علاقوں میں بھیجا تو مرد صحابہ رضی ہی کو بھیجا کسی عورت کو مبلغ یا امیر مبلغ بنا کر نہیں بھیجا

دوسرے علاقوں میں عامل، والی، قاضی، حاکم مختار بنا کر مردوں ہی کو بھیجے

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مرد ہی کو خلیفہ' والی' قاضی' حاکم امیر سپہ سالار فوج کا بنایا جاتا رہا بلکہ خیر القرون' سلف صالحین' تابعین تبع تابعین کے دور میں یہ بھی سلسلہ قائم رہا۔ باوجود اس کے کہ اس دور کی عورتیں قرآن و سنت میں مہارت رکھتی تھیں خصوصاً صحابیات پھر صحابیات میں سے ازواج مطہرات اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء و امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اسماء بنت عمیس وغیرہن رضی اللہ عنہن علامۂ زماں تھیں۔ مگر امور سلطنت میں سے کوئی ایک عہدہ بھی ان میں سے کسی ایک کے حوالے بھی نہیں کیا گیا۔ البتہ اپنے گھر ہی میں بیٹھے بٹھائے مسائل بتاتی رہتی تھیں

اگر شریعت محمدیہ میں عورت کی سربراہی جائز ہوتی تو تمام مہاجر و انصار رضی اللہ عنہم فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں جو نبی زادی ہیں کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی عنہ کی خلافت پر اتفاق نہ کرتے۔ اور جو لوگ بعد کے دور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت بلافصل کے اہل تھے تو ان کا نظریہ بھی یہی ہے کہ عورت خلیفہ نہیں بن سکتی کیونکہ ان کے ہاں دنیا بھر میں صرف پانچ تن پاک ہیں یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے وقت دنیا جہان کی چیدہ ترین ہستیوں میں سے صرف یہ چار ہستیاں تھیں جنہیں سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما نابالغ بچے تھے اب رہ گئے دو حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی نہ تھے وہ ولی اللہ تھے اور نبی زادے بھی نہ تھے حضورؐ کے سگے بھائی بھی نہ تھے بلکہ آپ کے سگے چچا کے بیٹے تھے یعنی حضورؐ کے باپ کے بیٹے کے بیٹے رشتہ

میں دُودھ کا تعلق ہُوا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تو آپ کی بلاواسطہ بیٹی ہے آپ کا خون ہے۔ بہر صورت قربِ نبی کے لحاظ سے جو قرب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ہے وہ قرب حضرت علی رضی کو نہیں اور جو فیضِ نبی حضرت فاطمہؓ کو پہنچ سکتا تھا وہ فیض حضرت علی رضی کو نہیں پہنچا۔ مگر مع ہذا جو لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر ہیں وہ باوجود اس کے ان کو حضرت فاطمہؓ کے ساتھ بڑی عقیدت ہے ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے بلافصل تو بعد کی بات ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل مانتے ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشقانِ اہلِ بیت و پنج پاک کے نزدیک بھی عورت خلیفہ یا سربراہ نہیں بن سکتی۔ اس کے

اس کے بعد حضرت علی کی صاحبزادیاں جو حسنین کی سگی بہنیں ان میں سے بھی کسی کو سربراہ نہیں مانا گیا اس کے سیدزادیوں کی کمی نہ تھی مگر ان کے ماننے والے سیدوں کو تو سربراہ اور امام سمجھتے رہے مگر کسی سیدزادی کو کسی نے امام تسلیم کیا۔ خواہ وہ امامیہ ہو خواہ اثنا عشریہ خواہ اسماعیلیہ خواہ باطنیہ خواہ خارجی خواہ معتزلہ خواہ کوئی اور فرقہ ان فرقوں میں خواہ اسلام کے دعویٰ دار ہیں۔

خود علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کی کتبِ عقائد میں لکھا ہوا موجود ہے لو كانت الخلافة فى النساء لكانت عائشة رضى الله عنها احق بها اگر خلافت عورتوں میں ہوتی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خلافت کی زیادہ حق دار تھیں (لیکن چونکہ خلافت' امامت' سربراہی صرف مردوں میں جاری رہتی ہے اسی لیے باوجودیکہ ازواج مطہرات کے بارے نص قرآنی وارد ہے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء اور شان میں ازواج مطہرات کے ساتھ کوئی عورت نہیں مل سکتی خاص کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولئک مبرءون مما یقولون لہم مغفرۃ ورزق کریم وہ بھی خلافت کی حق دار نہیں ہے)

سلطنت و سربراہی تو اوپر کی بات ہے دو آدمیوں (مدعی مدعی علیہ) کے درمیان فیصلہ کرنے کے بارے خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی ہے لا تکون المرأۃ حکماً تقضی بین العامۃ یعنی عام پبلک کے درمیان عورت فیصل نہیں بن سکتی

یہی وجہ ہے کہ فقہاء اپنی کتابوں میں لکھا ہے لا ینبغی ان تتولی القضاء قضاء کا متولی ہونا عورت کو نامناسب ہے

امام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقد شرط الذکورۃ فی الخلافۃ خلیفہ کا مرد ہونا ضروری شرط ہے

عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امامت (خلافت) کے لیے نو شرطیں ہیں جن میں سے بعض تو وہ شرطیں ہیں جن پر اسلام کے مدعی تمام فرقوں (سنی شیعہ خارجی معتزلہ باطنیہ اثنا عشریہ اسماعیلیہ) کا اتفاق ہے۔ ان میں سے ایک ہے حر (آزاد) ہونا۔ ایک ہے مرد ہونا۔ ایک ہے عقل مند ہونا۔ ایک ہے بالغ ہونا۔ اور ایک عادل ہونا ملخص الکلام فی شروط الامامۃ عند الاشاعرۃ انہا تسعۃ فمنہا الحریۃ والذکورۃ والعقل والبلوغ والعدل وھی بالاتفاق بین الفرق کلہم

فتاویٰ قاضی خان میں ہے اھل القضاء من یکون اھلا للشھادات ومن لا یکون اھلا للشھادات کالعبد والصبی والاعمیٰ والمرأۃ والکافر لا یکون اھلاً للقضاء حتی لو قلد تقضی لا ینفذ قضاؤہ اہل شہادات ہی اہل قضاء بن سکتا ہے اور جو اہل شہادات نہیں وہ اہل قضا بھی نہیں ہے جیسے غلام

۱۹۹۲ء

اور بچہ اور عورت اور کافر۔ حتٰے کہ اگر کسی خلیفہ نے اس کے گلے میں قضا کا قلادہ ڈال ہی دیا پھر اس نے کوئی فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ شرعاً نافذ نہ ہوگا

اسی طرح اور فقہاء نے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کا حکم قرآن مجید میں نہ ہوتا۔

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیانِ جواز کے لیے کسی نہ کسی پاک بیوی کو کسی اسلامی خطے کا امام علیؓ معاذ بن جبلؓ عتاب بن اسید وغیرہ طرح قاضی حاکم وامیر بنا کر بھیجتے تو جیسے گھر میں بیٹھ کر سوالوں کا جواب دیتی تھیں ایسے ہی کسی علاقے میں جا کر گورنری کرتیں

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو اذان بھی دے سکتی، خطبے دے سکتی، جمعہ عیدین جنازے بھی پڑھا سکتی۔

اگر عورت سربراہ ہو سکتی تو اعلم الناس ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو خلیفہ بنایا جاتا یا نبی زادی ہونے کی وجہ سے بجائے حضرت علیؓ کے حضرت فاطمہؓ کو خلیفہ بناتے

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو ۱۴ سو سال کے عرصہ میں کبھی تو کوئی سید زادی خلیفہ یا امام بنائی جاتی۔ مگر کسی سید زادی کا امام ہونا کتب تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔

اب اگر کوئی واقعہ جمل کا پیش کرے تو یہ اس کی خوش فہمی ہے کیونکہ حضرت ام المؤمنین نہ خلیفہ تھیں نہ حاکم نہ امیر۔ وہ صرف مشورہ دینے والی تھیں کہ بلوائیوں کی گرفتاری فوری ہے مشورہ میں یہ پاس ہو گیا۔ اور کسی نے آپ کو نہ خلیفہ بنایا نہ امیر نہ حاکم۔ اور مشورہ دینے سے کوئی امیر نہیں بن جاتا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ و علیؓ کے مابین جنگ ہونے کا نوغا بھی غلط ہے کیونکہ ان کی باہم نہ عداوت تھی نہ جنگ۔ بلکہ مالک اشتر نخعی جیسے شرپسند قوم نے دو فوجوں میں منقسم ہو کر ایک دوسرے کی طرف تیر اندازی کی اس طرح لڑائی بن گئی

الجیب محمد حسین غفرلہٗ جامعہ ضیاء الاسلام سرگودھا

۳۰ — ۱۱ — ۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال النبی ﷺ من تشبہ بقوم فہو منہم (الحدیث)

عورتوں کا سر کے بال کٹوانا

تالیف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا ومولانا وشفیعنا وسندنا وھادینا ومرشدنا وامامنا محمد وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ واھل بیتہٖ وذریاتہٖ اجمعین

اما بعد طالب الخیر فی الکونین محمد حسین غفرلہ خادم جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا عرض پرداز ہے کہ ابھی چند روز پہلے راولپنڈی سے بذریعہ خط میرے ایک دوست رانا علی شیر خان نے ایک مسئلہ پوچھا کہ آج کل آزاد خیال عورتیں اپنے سروں کے بال کٹاتی ہیں اور مردوں کی طرح بال بنا لیتی ہیں۔ اور کسی نے ان کو صحیح مسلم کی حدیث جواز کی دلیل بتادی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی سر کے بال کٹوایا کرتی تھیں۔ آیا کہ یہ بات ان کی صحیح

ہے یا غلط ہے ؟ اگر غلط ہے تو اس حدیث کا کیا جواب ہے۔

سو میں نے اس کا جواب قلمی لکھ کر بذریعہ ڈاک اُن کے پاس بھیج دیا۔ پھر میرے بیٹے محمد حسن واسطی کے کہنے پر کہ کیوں نہ اس کو افادۂ عام کے لیے مکمل دلائل کے ساتھ لکھ کر شائع کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے اور وہ اس کو پڑھیں، اس لیے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے مضمون کو زیادہ طوالت سے بچایا گیا ہے تاکہ تھوڑا سا وقت نکال کر ایک دو نشستوں میں بآسانی پڑھا جا سکے۔ اس سے مُنیب کو فائدہ پہنچے گا مگر ضدی کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں ہے، اگر کوئی بی بی نادانستگی میں کوئی غلطی کر بیٹھی ہے تو آئندہ اس حرکت سے باز آجائے۔ اُمید ہے کہ بہنیں آئندہ کے لیے توبہ کر کے صحیح طریقہ شرعیہ کو اپناتے ہوئے بال لمبے رکھیں گی اور ان کو اللہ توفیق دے تو حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد احرام کھولنے کے لیے یا خدانخواستہ حالت احداد (خاوند کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن سوگ منانے) میں پوروں کے برابر کاٹنے کے سوا دوسرے کسی موقع پر بھی بالوں کو نہ کٹوائیں گی۔ و باللہ التوفیق وبہ نستعین نعم المولیٰ ونعم النصیر اللهم وفقنا لما تحب وترضیٰ من اظہار کلمۃ الحق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ والسلام

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس موضوع پر ہم سے پہلے علماء محققین بڑی وضاحتِ تام کے ساتھ لکھ گئے ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف "بوادر النوادر" ص ۴۲۷، ۴۲۸ سے اسی قسم کے سوال کا جواب پیش کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق

سوال: اخبار "زمیندار" مؤرخہ ۲۳ فروری ۱۹۲۹ء میں ایک فتویٰ علماء دہلی وغیرہ کا چھپا ہے، جس میں علاوہ اور خرافات و دھوکہ دہی کے، عورتوں کے سر کے بال کٹانے کا جواز صحیح مسلم باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ (ص ۱۴۸) سے نقل کیا ہے، کہ بعض ازواجِ مطہرات بال کٹا کر مثل وفرہ کے کر دیتی تھیں ولفظہ یاخذن من رؤسھن حتیٰ تکون کالوفرۃ

اب سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کے لیے بال کٹانے اور وفرہ کے مثل بنانے جائز ہیں یا نہیں اور کسی صحیح حدیث کے اندر بال کٹانے

سے صاف ممانعت ہے یا نہیں اور صحیح مسلم کی حدیث کا محمل کیا ہے؟

الجواب: اس وضع (قطع مسئول عنہ) کی حرمت پر دلائل صحیحہ قائم ہیں اور جواز کی دلیل میں احتمالات ہیں۔ اس لیے حُرمت ثابت اور جواز پر استدلال فاسد۔

امر اول (ثبوتِ حُرمت) کا بیان یہ ہے کہ مبنیٰ اس وضع کا یقیناً تشبہ بنساء الکفار (کافروں کی عورتوں کے ساتھ مشابہت) ہے جو اہلِ وضع کو مقصود بھی ہے اور اس میں تشبہ بالرجال (مردوں کے ساتھ مشابہت) بھی ہے، گو ان کو مقصود نہ ہو، اور اطلاق دلائل سے یہ تشبہ ہر حال میں حرام ہے، خواہ اس کا قصد ہو یا نہ ہو، اور علاوہ تشبہ کے منع پر اور دلائل بھی قائم ہیں (کما یاتی فی الجواب الآتی)

اور امر ثانی (جواز استدلال کا فاسد ہونا) کا بیان یہ ہے کہ:

اولاً راوی نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا۔ اور گو راوی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے محرم ہیں (ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے، انھوں نے حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کا دودھ پی رکھا تھا اور ایک عبداللہ بن یزید ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

رضاعی بھائی تھے)

مگر نہ الفاظِ حدیث شمول لعائشہ میں نص ہیں، نہ راوی دوسری ازواج کے محرم ہیں کہ شعور (بالوں) کا مشاہدہ کیا ہو، نہ کسی صاحب مشاہدہ کا نام لیتے ہیں، نہ صاحبِ مشاہدہ کا ثقہ غیر ثقہ ہونا معلوم، نہ یہ معلوم کہ اس نے تحقیق سے کہا ہے یا تخمین سے۔

بعض اوقات عورتیں بالوں کو ایسا متداخل کر لیتی ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ تخفیفِ شعور کا ہوتا ہے۔

ثانیاً وفرہ بقول اصمعی لِمّہ سے اشبع (لمبے) ہے اور لِمّہ وہ ہے جو منکبین (کندھوں) سے لگتا ہے (نقلہ النووی ص ۱۴۸)

پس وفرہ منکبین (کندھوں) سے بھی نیچے ہُوا۔

پھر ان شعور (بالوں) کو وفرہ نہیں کہا گیا کالوفرہ (یعنی مشابہ وفرہ کے) کہا گیا۔ تو اس میں یہ بھی احتمال ہو گیا کہ وفرہ سے بھی نیچے ہوں، بلکہ غور کرنے سے یہی احتمال راجح بلکہ مثل متعین کے ہے، کیونکہ اگر وفرہ سے کم ہوتے تو اس لیے لغت موضوع ہے مثلاً لِمّہ تو لِمّہ سے تعبیر کیا جاتا، کالوفرہ کہنے کی کیا ضرورت تھی اور وفرہ سے زائد (لمبے بالوں) کے لیے کوئی لغت نہیں اس لیے

اس کو کالوفرہ سے تعبیر کیا گیا اور اس حالت میں اس میں یقیناً ذوائب وقرون بن سکتے ہیں۔

غایۃ ما فی الباب او عورتوں کے قرون و ذوائب سے اس میں قدرے کمی اور تخفیف ہوگی تو حدیث کا مدلول نفی قرون (گیسوؤں کی نفی کرنا) نہ ہوا بلکہ تخفیف شعور (بالوں کا کم کرنا) ہوا (اگرچہ ایک پورے کی مقدار کاٹنے سے ہو) چنانچہ نووی نے لکھا ہے فیہ دلیل علی جواز تخفیف الشعور للنساء اور غرض اس تخفیف سے ترک شعور زینت تھی (یعنی عدۃ وفاۃ میں احداد (سوگ) جو واجب ہے، اس میں زینت کے بال ترک کیے جائیں تو وہ ایک پورے کی مقدار کاٹنے سے حاصل ہو جاتا ہے) کما قال النووی رحمہ اللہ عن عیاض. ولعل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلن ھذا بعد وفاتہ لترکھن الزینۃ الخ (جیسے امام نووی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض شارح صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ حضور کی ازواج نے بالوں کا کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ترک زینت کے لیے ہلکا کیا ہوگا۔

اور اس تخفیف کو اخذ کہنا صحیح اور شعور کو من رؤسھن کہنا صحیح ہے

ثالثاً اس سے قطع نظر علیٰ سبیل التنزل ممکن ہے کہ اس زمانہ میں یہ وضع رجال ونساء کے درمیان مشترک ہو۔ پس کجا یہ وضع خبیث اور کجا صنیع ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یہ وہ جواب تھا جو حضرت حکیم الامت مولانا و مرشدنا اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ نے ارقام فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دو جواب اور بھی ہیں جو حضرت سید سند حافظ ابن حجر ثانی محمد انور شاہ کشمیری ثم الدیوبندی رحمہ اللہ نے بیان کیے ہیں۔ ترمذی مطبوعہ کراچی ص ۱۸۲ کے حاشیہ میں عرف الشذی بھی طبع ہو چکی ہے جو سید سند کی املائی شرح ہے، اس میں ص ۱۸۳ پر ان کی تقریر اس طرح درج ہے:

الحلق للنسوان حرام عند کافة العلماء ولا یجوز لهن عند التحلل الا القصر قدر ما یلف حول انملة وههنا اشکال قوی لم یتوجه الیه احد وهو ما فی المسلم ص ۱۴۸ ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیه وسلم قصر الاشعار وجعلت مثل الوفرة الخ وما حله النووی والقاضی العیاض المازری والقرطبی وابو عبد اللہ المالکی الابی. وسالت مرونا

مدظلہ العالی عن حل الاشکال وقال لعلہا قلت الاشعار حالۃ الشیب ویؤید ان قصر بعض ازواج النبیؐ انما کان عند التحلل من الاحرام لا فی غیرہ من الاوقات ولی فی ھذا الجواب قرائن۔

یعنی عورتوں کو سر کے بال منڈانا حرام ہے تمام علماء کے ہاں، اور احرام کھولنے کی صورت میں صرف اسی قدر بال کتر سکتی ہے جو پوروں کے ارد گرد لپیٹے جا سکیں اس سے زائد کترانا ناجائز ہے۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک قوی اشکال ہے، جس کی طرف کسی عالم نے توجہ نہیں فرمائی اور وہ اشکال یہ ہے کہ صحیح مسلم ص ۱۴۸ ج ۱ میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواجِ مطہرات نے بال کتوائے اور وفرہ کی طرح بنا دیا اور اس اشکال کا صحیح حل نہ نووی کر سکے نہ قاضی عیاض مازری اور نہ قرطبی اور نہ ابو عبداللہ مالکی ابی۔

پھر فرمایا کہ میں نے اپنے مولانا مدظلہ العالی سے اپنے اس اشکال کے حل کے بارے سوال کیا تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے بال کم ہو گئے ہوں۔

پھر فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا صحیح حل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات

میں سے بعض جو حج کر کے آئی تھیں ان کے بال کٹے ہوئے تھے (احرام کھولنے کے موقع پر جو انھوں نے پوروں کی مقدار کٹوائے تھے اور کوئی کسی موقع پر آپ نے بال نہیں کٹوائے) اور اس جواب کے کئی قرائن میرے پاس موجود ہیں۔ (البتہ ان قرائن کا ذکر اس مقام پر لکھا ہوا نہیں ہے)

الحاصل یہ حدیث جو صحیح مسلم میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کے تفردات میں سے ہے۔ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے کوئی محدث یہ عبارت نہیں لایا، نہ بخاری، نہ ابوداؤد، نہ ترمذی نہ نسائی، نہ ابن ماجہ اور دوسرے محدثین میں سے کسی نے یہ لکھا ہو اس کی نشان دہی کسی عالم نے نہیں کی تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کی یہ حدیث اسی طرح معلول ہے جس طرح اور کئی حدیثیں مسلم کی معلول ہیں۔ مثلاً مسلم کی وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زمین ہفتہ کے روز اللہ نے بنائی اور پہاڑ اتوار کے روز، درخت پیر کو، مکروہ چیزیں منگل کو، نور بدھ کو، اور دواب پھیلائے خمیس کو، اور آدم کو عصر یوم جمعہ میں پیدا کیا، یہ کل سات دن بنتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ـــــــ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ کہ تمام آسمان زمین چھ روز کے اندازے میں اللہ تعالیٰ نے بنا دیے۔

اسی طرح اس حدیث کا حال ہے کہ تمام مشہور احادیث کے خلاف کیونکہ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کانوں کے نرموں تک ہوتے تھے مگر گھنگریالے ہونے کی وجہ سے کانوں کے آدھے تک آجاتے تھے اور پھر جب کچھ دن زیادہ گزر جاتے تھے تو بڑھ کر کانوں کے نرموں کے نیچے تک بھی لٹک جاتے تھے کہ کندھوں کے قریب ہو جاتے تھے جیسے امام نووی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے ووجہ اختلاف الروایات فی قدر شعرہ اختلاف الاوقات فاذا غفل عن تاصیرھا بلغت المنکب واذا قصرھا کانت الی انصاف الاذنین۔ اسی لیے حضرت انس بن مالکؓ جو حضورؐ کے خادم تھے وہ فرماتے ہیں کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی نصف اذنیہ (شمائل ترمذی ص ۴ باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی ابی داؤد ص ۲۲۳ ج ۲ الی انصاف اذنیہ وکذا فی سنن النسائی ص ۲۷۶ ج ۲)

نیز حضرت انسؓ ہی سے جب حضرت قتادہؒ پوچھتے ہیں کہ

آپؐ کے بال مبارک کیسے تھے تو آپؓ نے فرمایا لم یکن بالجعد ولا بالسبط کان یبلغ شعرہ شحمۃ اذنیہ ۔ وابوداؤد ص ۲۲۳ ج ۲

تو ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل بال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں کے نرموں تک ہوتے تھے مگر گھنگریالے ہونے کی وجہ سے آدھے کانوں تک رہتے تھے۔

اور براء بن عازبؓ بھی فرماتے ہیں وکانت جمۃ تضرب شحمۃ اذنیہ کہ آپؐ کے گیسو دونوں کانوں کے نرموں کو مائل ہوتے تھے یعنی قریب تھے۔

مسند ابی یعلیٰ ص ۲۵۳ ج ۳ میں ہے کان لہ شعر قریبًا من منکبیہ۔

ترمذی ص ۳۰۲ ج ۲ میں براءؓ کی روایت میں ہے ما رأیت من ذی لمۃ لہ شعر یضرب منکبیہ بعید ما بین المنکبین۔ پھر کہا یہ روایت صرف براءؓ سے ہی نہیں بلکہ جابرؓ بن سمرہ وابی رمثہؓ وابو جحیفہؓ سے بھی ہے اور یہ روایت حسن صحیح ہے۔

ترمذی ص ۳۰۵ ج ۳ میں حضرت عائشہؓ کا یہ فرمان بھی ہے وکان لہ شعر فوق الجمۃ۔

نیز یہ بھی ہے فوق الجمۃ ودون الوفرۃ۔

محشی نے لکھا ہے کہ معنی قولہ فوق الجمۃ دون الوفرۃ

انہ اطول من الوفرۃ واقصر من الجمۃ

نسائی میں ص ۲۷۶ ج ۲ پر ہے ورأیت لہ لمۃ تضرب

قریبا من منکبیہ ہر دو دوش کے قریب تھے۔

ابوداؤد ص ۲۲۳ و ۲۲۴ ج ۲ میں ہے عن عائشۃؓ قالت کان

شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوق الوفرۃ ودون الجمۃ

ابن ماجہ ص ۲۶۷ میں ہے قالت کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم شعر ادون الجمۃ وفوق الوفرۃ

نیز اسی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کان شعر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم شعرا رجلا بین اذنیہ ومنکبیہ

مسند ابویعلیٰ موصلی ص ۳۱۴ ج ۵ میں بھی حضرت انسؓ سے

مروی ہے ان النبیؐ کان یضرب شعرہ الی منکبیہ

اور ص ۲۲۳ ج ۵ میں ہے بین بلیہ وعاتقہ

اور صحیح مسلم میں ہے بین اذنیہ وعاتقہ

ابوداؤد ص ۲۲۴ ج ۲ میں مستقل باب منعقد فرمایا کہ مرد کو لمبے

[illegible] باب تطویل الجمة ..... عن وائل بن حجرؓ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولی شعر طویل فلما رآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ذباب ذباب قال فرجعت فجززتہ ثم اتیتہ من الغد فقال انی لم اعنک وھذا احسن۔

اور نسائی ص ۲۷۶ ج ۲ میں بھی یہی روایت ہے۔ یعنے حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے لمبے لمبے بال تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بری ہیئت ہے۔ تو میں واپس گیا۔ پھر بال کٹوائے۔ پھر دوسرے دن حاضر خدمت ہوا تو یہ حالت میری دیکھ کر حضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے تجھے بری بات نہ کہی تھی اب یہ حالت بہت اچھی ہے۔

الحاصل ان احادیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تین طرح کے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں کانوں کے درمیان کانوں کے لو تک، کندھوں سے اوپر اور کانوں سے نیچے۔ مگر ان سے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہیں بڑھے۔ بلکہ لمبے بال

رکھنے سے منع فرمایا ہے، جیسے وائل بن حجرؓ کی حدیث میں تصریح ہے اب اگر عورتوں کے بال بھی کندھوں تک نہ پہنچیں تو عورتوں کی مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی۔ احادیث میں جس کی ممانعت وارد ہے۔ چنانچہ ترمذی ص ۱۰۸ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے اُن عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی سی بنتی ہیں، اور ان مردوں پر بھی لعنت فرمائی جو عورتوں کے سے بنتے ہیں۔ اور حدیث لکھ کر کہا هذا حديث حسن صحيح پھر فرمایا کہ اس بارے میں حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔

اور بخاری ص ۸۷۴ ج ۲ میں ہے: باب المتشبهين بالنساء و المتشبهات بالرجال .... عن ابن عباس قال لعن النبي صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، و المتشبهات من النساء بالرجال۔ معنی وہی ہیں جو اُوپر ذکر ہوئے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بلکہ اس سے بھی پہلے جاہلیت کے دور میں عورتوں کے بال لمبے لمبے ہوتے تھے، بلکہ عہدِ جاہلیت میں جن عورتوں کے بال کم ہوتے تھے تو دُوسروں

کے بال لے کر لمبے بال بنالیتی تھیں، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مگر بالوں کے علاوہ دوسری طرح دھجی وغیرہ لگا کر لمبا جھلا سا بنالیں تو کوئی حرج نہیں جیسے حدیث کے شارحین اور چاروں مذہب کے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب العقیقہ ص ۲۰۳ میں روایت نقل کی لا باس بالوصال اذا کان صوفا یعنی اُون وغیرہ بالوں کے ساتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تو ثابت ہوا کہ مردوں کو کندھوں سے نیچے بال لٹکانا اور عورتوں کو کندھوں تک بال رکھنا یا اس سے بھی اوپر کو بال بنانا تشبہ کی وجہ سے لعنت کا موجب ہے۔

اور ازواجِ مطہرات اس مسئلہ سے بخوبی واقف تھیں اور اس پر عامل تھیں، ایسا نہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو مسئلہ صحیح بتائیں اور آپ اس کے خلاف عمل کریں تو اس حدیث کا مفہوم وہی لیا جائے گا جو آپ رضی اللہ عنہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ بتاتی ہیں، اس لیے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ حدیثوں میں جو مختلف الفاظ آتے ہیں ان کی تطبیق کیا ہے؟

اسی لیے ہم نے تمام احادیث کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ جن میں یہ ہے

① کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی نصف اذنیہ یا انصاف اذنیہ

② کان یبلغ شعرہ شحمہ اذنیہ

③ کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اذنیہ وعاتقہ، بین الجید وعاتقہ، بین اذنیہ ومنکبیہ

④ کان لہ شعر قریبا من منکبیہ

⑤ کان لہ شعر فوق الجمۃ ودون الوفرۃ

⑥ کان لہ شعر فوق الوفرۃ دون الجمۃ

ان میں پہلے چار کی تطبیق تو نووی وغیرہ علماء نے لکھی ہے مگر نمبر ۵ و ۶ میں تطبیق معلوم نہیں ہو سکتی بلکہ ایک حدیث دوسری حدیث کے مخالف ہے اور معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ نمبر ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہ چھوٹے بال ہوتے ہیں اور وفرہ لمبے بال ہوتے ہیں اور نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفرہ چھوٹے بال ہوتے ہیں اور جمہ لمبے بال ہوتے ہیں۔

اس لیے ہمیں لغت کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ مگر جب اہل لغت

کو دیکھتے ہیں تو ان میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ اگر ایک لغت دان ایک معنی کرتا ہے تو وہی لغت دان دوسری جگہ دوسرا معنی کر دیتا ہے۔

ابن سیدہ نے المخصص ص ۶۴ ج ۱ میں ابن درید کے حوالے سے لکھا ہے کہ لمہ اور وفرہ ایک ہی چیز ہے اللمۃ والوفرۃ الجمۃ الی الاذنین۔ لمہ و وفرہ ان گیسوؤں کو کہتے ہیں جو کر کانوں تک ہوں۔ اور جو کانوں سے بڑھ جائیں وہ وفرہ نہیں ہیں۔ نیز اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمۃ مطلقاً گیسوؤں کے لیے بولا جاتا ہے۔

پھر ابو زید کے حوالے سے لکھا کہ "لمہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو جمہ سے بڑھ جائیں اللمۃ مازاد علی الجمۃ۔

پھر ابن جنی کے حوالے سے لکھا اللمۃ الشعر دون الجمۃ ھی من الشعر ما السعر بالمنکب یعنی "لمہ" چھوٹے بال ہوتے ہیں یعنی جو بال کندھوں کے قریب آجائیں وہ لمہ ہیں۔

شرح مسلم ص ۱۴۸ میں امام نووی نے ابو حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو بال کانوں کو ڈھانپ لیں وہ وفرہ ہیں۔

مجمع البحار ص ۲۵۲ میں ہے کہ جو بال کانوں کی لو تک پہنچ جائیں آگے نہ بڑھیں وہ "وفرہ" ہیں۔

اسی طرح سنن ابوداؤد ص ۲۲۳ ج ۲ میں شعبہ راوی کے بتاتے ہوئے معنی لکھے ہیں کہ "لمہ" وہ بال ہیں جو کانوں کے لو تک پہنچ جائیں۔ اور:

محمد بن سلیمان انباری سے منقول ہے کہ "لمہ" وہ بال ہیں جو کندھوں کے قریب ہوں۔ اور

شرح مسلم ص ۱۴۸ میں امام نوویؒ نے امام اصمعیؒ سے نقل کیا ہے کہ جو بال "لمہ" سے بڑھ جائیں اور آگے بڑھ جائیں وہ "وفرہ" ہیں۔

نہایہ میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "جمہ" سر کے وہ بال ہیں جو کندھوں پر گریں۔ الجمة من شعر الراس ما سقط علی المنکبین۔

اب جب کہ اہل لغت کا اس قدر اختلاف ہے تو کیا کیا جائے۔ جب کہ بعض جگہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کا اطلاق دوسرے پر مجازاً بھی ہوتا رہتا ہے۔ جیسے علامہ سندھی رحمہ اللہ نے نسائی ص ۲۷۶ ج ۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

ودرأيت له لمة بكسر لام و تشديد ميم شعر الرأس اذا نزل عن شحمة الاذن والمر المنكبين وعلى هذا فاطلاق الجمة اما مجازا او باعتبار حال اخر۔

اس کے علاوہ دُوْنَ کا لفظ ہے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک "نیچے"۔ دُوسرا "کم"۔ اگر نیچے کے معنی ہوں تو مطلب جمہ دون الوفرہ کا یہ ہوگا کہ "جمہ" وہ گیسو ہیں جو وفرہ سے نیچے چلے جا رہے ہوں یعنی "وفرہ" بہ نسبت "جمہ" کے چھوٹے بال ہیں، اور "جمہ" "وفرہ" سے آگے بڑھ جانے والے بال ہیں اور اگر "دون" کے معنی کم کے ہوں تو مطلب جمۃ دون الوفرہ کا یہ ہوگا کہ جمہ وہ گیسو ہیں جو "وفرہ" سے کم ہوتے ہیں تو اس طرح جمہ چھوٹے بال ہوئے اور وفرہ لمبے بال ہوئے۔

اس لیے اب اصل ماخذ جو لِمّہ، جَمّہ، وَفرہ تینوں کا ہے۔ اسے اہل لغت کی کتب سے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو تاج المصادر ص ۴۰ میں جموم کے معنی لکھے ہیں:

بسیار شدنِ مال و جز آن و گرد آمدن آب د

جمر پُر کردنِ پیمانہ۔ جمر فلان جوما اے دنا وحان

تاج العروس ص ۲۳۲ میں بھی اسی طرح ہے۔

مجمع البحار ص ۲۱۱ ج ۱ میں ہے: جمہ در اصل جموم سے ماخوذ ہے جس کے معنی اجتماع و کثرت کے ہیں اور لمہ، المام سے ماخوذ ہے، تاج المصادر ص ۲۲۳ میں المام کے معنی نیچے آنا اور قریب ہونا لکھے ہیں۔

اور وفرہ، وفر سے ماخوذ ہے اور وفر کے معنی تاج العروس ص ۶۰۴ میں لکھا ہے: الوفر من المال والمتاع الكثير الواسع الذی لم ينقص منه شئ. یعنی وفر اس قدر کثیر اور وسیع مال متاع جس میں سے ذرا بھی کم نہ کیا جائے تو وفر کے اطلاق میں کمی نہ ہونے کا مفہوم ملحوظ ہے۔

چنانچہ تاج العروس ہی میں ایک اور محاورہ پیش کیا المزادة الوافرة الجلد یعنی ایسی پکھال جس کے چمڑہ میں سے کچھ بھی نہ کاٹا جائے۔ اسی طرح "الارض الوافرہ" ایسی زمین جس کی نباتات میں سے کچھ کم نہ کیا جائے۔

اسی طرح "الجزاء الموفور" کے معنی ہیں ایسی جزا جس میں سے کچھ کمی نہ کی جائے۔

ان امور کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ترجیح اسی معنی کو ہے جو اصمعیؒ نے کہے ہیں یعنی "وفرہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو "لمہ" سے آگے بڑھتے چلے جائیں۔

اور اصمعی (ابو سعید عبد الملک بن قُریبؒ) ابوعُبیدہ وغیرہ سے زیادہ زکی تھا اور خوب حافظہ والا تھا۔ اس کو اکثر علم زبانی یاد تھا اور بہت بڑا محتاط تھا۔ صدوق و صاحب سُنّۃ تھا اور قرآن شریف کی تفسیر کرنے میں بہت ہی احتیاط کرتا تھا۔

اور ابو منصور الازہری (محمد بن احمد بن طلحہ بن نوح بن الازہر) نے تہذیب اللغۃ کے مقدمہ ص ۲۴ میں لکھا ہے: وما رایت فی روایتہ شیئا انکرتہ میں نے اصمعی کی روایت میں کوئی منکر بات نہیں دیکھی۔

پس "وفرہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو پورے ہوں۔ ان میں سے کاٹ کر کم نہ کیا جائے اور "جمہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو کندھوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور "لمہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں سے متجاوز ہو کر کندھوں اور کانوں کے درمیان ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال "لمہ" تھے۔ اس معنی کے لحاظ سے جو امام شعبہ سے ابو داؤدؒ نے

اپنی سنن ص ۲۲۳ ج ۲ میں نقل فرمایا ہے۔ اور چونکہ آپؐ کے بال گھنگھریالے تھے، اُوپر کو مُڑ جاتے تھے' اس لیے دیکھنے والے نے روایت کی کہ کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی نصف اذنیہ (شمائل ترمذی باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴)، یا کہا الی انصاف اذنیہ (ابوداؤد ص ۲۲۳/۲، نسائی ص ۲۹۶/۲) ورنہ آپؐ بالقصد کانوں کے نرموں تک ہی رکھتے تھے: جیسے حضرت قتادہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا تھا جو کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور اکثر اوقات آپؐ کی خدمت کے لیے حاضر باش رہتے تھے کہ آپؐ کے بال مبارک کیسے تھے؟ تو حضرت انسؓ نے جواب دیا کان یبلغ شعرہ شحمۃ اذنیہ (ابوداؤد ص ۲۲۳ ج ۲) یعنی آپؐ کے بال مبارک اپنے دونوں کانوں کے نرموں تک پہنچتے تھے اور یہی انسؓ الی انصاف اذنیہ روایت کرتے ہیں۔

معلوم ہُوا کہ اصل بال آپؐ بالقصد کانوں کی لَو تک رکھتے تھے پھر چونکہ آپؐ کے بال مبارک گھنگھریلے تھے' اس لیے کانوں کے نصف تک مُڑ جاتے تھے۔ تو حضرت انسؓ کے دونوں بیانوں کا یہی مطلب ہے۔ پھر چونکہ بال بڑھنے والی چیز ہے اس لیے بعض

اوقات بال کٹانے کی طرف توجہ نہ فرمائی تو بال کانوں کے نرموں سے بڑھ گئے، اور دیکھنے والے صحابیؓ نے روایت فرمایا۔ جن میں سے خود حضرت انسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہیں۔

① بین اذنیہ ومنکبیہ (ابن ماجہ ص ۲۶۷)

② کان یضرب شعرہ الی منکبیہ (مسند ابی یعلی ص ۲۱۳ ج ۵)

③ بین الجید وعاتقہ (مسند ابی یعلی ص ۲۳۳ ج ۵)

④ لہ شعر یضرب منکبیہ بعید مابین المنکبین (ترمذی ص ۳۰۲ ج ۲)

⑤ قریبا من منکبیہ (مسند ابی یعلی ص ۲۵۳ ج ۲ و نسائی ص ۲۷۶ ج ۲)

⑥ بین اذنیہ وعاتقہ (صحیح مسلم)

بہرحال آپؐ کے بال کندھوں پر نہ گرتے تھے۔ کندھوں کے اُوپر اُوپر ہی رہتے تھے اور جنھوں نے کندھوں تک کہا ہے تو وہ مجازاً ہی کہا ہے۔

اب رہی وہ حدیث جو ابوداؤد طبع مجتبائی ص ۲۲۳ و ۲۲۴ ج ۲، و ابن ماجہ ص ۲۶۷ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوق الوفرۃ ودون الجمۃ یعنی آپؐ کے بال وفرہ سے اُوپر تھے اور جمہ

سے نیچے ۔ اس سے بھی اصمعیؒ کی بات ہی کی تائید ہوتی ہے ۔
یعنی وفرہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو پورے ہو جائیں اور ان میں سے
کچھ نہ کاٹا جائے ۔ اور "جُمّہ" کا اطلاق اس وقت ماسوا الوفرہ پر ہوگا اور
مُراد یہ ہوگی کہ کانوں کے نرموں سے نیچے آپؐ کے بال تھے ۔ مگر
وفرہ نہ تھے جو عورتوں کی طرح لمبے بال بغیر کٹائی کے چھوڑ دیے جائیں
جب آپؐ کے بال مصروفیات کی وجہ سے کندھوں تک قریب آنے
لگتے تھے تو کانوں کے نرموں تک کٹوا لیتے تھے ۔

البتہ بالکل اس کے برعکس روایت ترمذی ص ۳۰۵ ج ۲ ،
میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وکان
لہ شعر فوق الجمۃ ۔

نیز آیا فوق الجمۃ ودون الوفرۃ یعنی آپؐ کے بال
مبارک جمہ سے اُوپر اور وفرہ سے نیچے تھے ۔ تو یہ مفہوم پہلی حدیث
کے مخالف بھی ہو جاتا ہے اور وفرہ کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے ۔
یعنی وفرہ ان بالوں کو کہا جاتا ہے جو جمہ سے کم ہوں ۔ اور جمہ وہ
بال ہوتے جو آگے تک بڑھے ہوئے ہوں ۔

لیکن "دون" کے معنی اگر "نیچے" کے نہ لیے جائیں ، بلکہ

"دون" کے معنی اس حدیث میں کم اور چھوٹے کے لیے جائیں تو پہلی حدیث کے مفہوم کے ساتھ منطبق ہو جائے گا، وہ بایں صورت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک جمہ سے اُوپر یعنی زائد تھے اور وفرہ سے کم تھے۔ پھر بھی وہی اصمعیؒ والے معنی درست بن جاتے ہیں کہ وفرہ وہ بال ہیں جو پُورے ہوں اور ان کو کاٹا نہ جائے اور تطبیق کے لیے یہی صُورت متعین ہے کہ آپؐ کے بال وفرہ نہ تھے، بلکہ کانوں کی لَو تک تھے، آدھے کانوں تک مُڑ جاتے تھے۔ کچھ دن تک نہ کٹوائے جائیں تو کانوں کے نرموں سے تجاوز کر کے کندھوں کے قریب آجاتے تھے۔ اتنے میں آپؐ پھر کٹوا کر کانوں کے نرموں تک کر دیتے تھے۔ بہر حال کندھوں تک نہیں آنے دیتے تھے، چہ جائیکہ کندھوں سے آگے بڑھیں۔ بخلاف عورتوں کے کہ ان کے بالوں کو کندھوں کے آگے تک پُورے رکھنے کا حکم ہے۔

چنانچہ مجمع البحار ص ۲۱۱ ج ۱ میں لکھا ہے وفیہ لعن اللہ المجممات من النساء هن اللتي يتخذن شعورهن جمة لا يرسلنها تشبيها للرجال۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان عورتوں کو

اپنی جوارِ رحمت سے دور رکھتا ہے جو مردوں کی طرح اپنے بالوں کو اکٹھا کر لیتی ہیں اور اپنے بالوں کو اپنی پیٹھ پر لٹکاتی نہیں کہ اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

سو اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے بال کندھوں سے نیچے لٹکتے ہُوئے ہوں۔ مردوں کی طرح جمہ رکھنا یعنی کانوں تک یا کانوں سے نیچے، اور کندھوں کے اوپر بالوں کو رکھنا (کٹوا کر) موجب لعنت ہے البتہ حج کے موقع پر احرام کھولنے کے لیے کندھوں سے نیچے لٹکے ہُوئے بالوں میں سے صرف انگلی کی مقدار کاٹنے کی اجازت ہے اور انگلی سے زیادہ کاٹنے کی اجازت نہیں ہے، جیسے امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ص ۱۰۴، ج ۵ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان مُحرِم عورت کے لیے نقل کیا ہے کہ. تاخذ من شعرها مثل السابة انگشتِ شہادت جتنے بال کٹوالے۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان لکھا کہ کنا نحج ونعتمر فما نزيد على ان نطرف قدر اصبع۔ یعنی عہدِ نبوی میں ہم حج اور عمرہ کرتے تھے اور احرام کھولنے

کے لیے ہم انگلی کے اندازہ سے زیادہ بال نہیں کاٹتے تھے۔

تو ان احادیث کو سامنے رکھ کر صحیح مسلم کی حدیث کا مطلب بھی حل ہو جاتا ہے۔ جس طرح حضرت مولانا تھانویؒ اور سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے بیان فرمایا ہے۔

اور محدث سیوطیؒ نے عین الاصابہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی مناسک کبیر سے حضرت ابن زبیرؓ کے فتویٰ کی تردید جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہے" اس میں بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے "سیرۃ عائشہؓ ص ۲۸۵ میں لکھا ہے کہ:

حج میں سر کے بال منڈوانا یا ترشوانا بھی حاجیوں کے لیے ضروری ہے۔ عورتوں کے لیے کسی قدر بال کٹوا دینا کافی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ ناپ کر چار انگل ترشوانا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کو ان کا فتویٰ معلوم ہوا تو فرمایا کہ تم کو ابن زبیرؓ کی بات پر تعجب نہیں ہوا کہ وہ محرم عورت کو چار انگل بال کٹوانے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ کسی طرف کا ذرا سا بال لے لینا کافی ہے۔ اھ

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لمبے بال وہ ہی "وفرہ" تھے جن میں احرام کھولنے کے وقت کسی طرف کا ذرا سا بال لے لینا کافی ہے۔ اب اتنی مقدار میں بال کاٹنے سے "وفرہ" تو رہتا نہیں کیونکہ "وفرہ" تو تب تھا جب اس میں سے کچھ بھی نہ کاٹا جاتا۔ اب جب کچھ مقدار میں بال کاٹ لیے گئے تو "وفرہ" نہیں، بلکہ کالوفرہ یعنی وفرہ کی طرح ہوگیا۔ وھو المطلوب

اور حنبلی مذہب کے عالم الشیخ الامام مجد الدین ابو البرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے المحرر ص ۱۴۸ و ۱۴۹ ج ۱ میں صراحۃً لکھا ہے: والمرأۃ کالرجل فی جمیع ذٰلک کلہ الا انھا لا ترمل ولا تضطبع ولا ترقی المشعر ولا الصفا والمروۃ وتقصر من شعرھا قدر انملۃ۔ الخ

حج کے تمام احکام میں عورت بھی مرد کی طرح ہے سوائے اس کے کہ عورت نہ رمل کرے، نہ اضطباع اور نہ مشعر وصفا و مروہ پر چڑھے، اور صرف پوروں کے برابر (احرام کھولتے وقت) اپنے بال کاٹے۔

نیز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہلانے کے بارے

جن محققوں نے ذکر کیا ہے انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ آپؐ کے بالوں کے کتنے حصے کیے گئے اور پیٹھ پیچھے ڈالے گئے یا ایک حصہ دائیں طرف اور دوسرا حصہ بائیں طرف ڈالا گیا۔ کیونکہ آپؐ کے بال عورتوں کی طرح لمبے نہ تھے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بال کانوں پر تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۶۰ ج ۸)

عُبیہ بن عُمَرؓ کا جُمّہ گُدّی تک تھا۔ (۷)

ابن زبیرؓ کا جُمّہ گردن تک تھا۔ (۷)

ابن حنفیہؒ و ابن عباسؓ سب کے جُمّہ تھے گدی تک۔ (۷)

بہرحال کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جس کے بال عورتوں کی طرح کندھوں سے متجاوز ہوں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے تمام تصریح کرتے ہیں کہ آپؓ کے بالوں کے تین حصے کر کے آپؓ کے پیچھے ڈالے گئے۔ دیکھو نسائی ص ۲۶۶ ج ۱ و ابوداؤد ص ۹۲ ج ۲ و القینا ھا خلفھا۔ یعنی ہم نے ان کے بالوں کے تینوں حصے ان کی پیٹھ پیچھے ڈال دیے۔

مختصر یہ کہ مردوں کے بال زیادہ سے زیادہ کانوں سے نیچے اور کندھوں سے اُوپر ہوتے ہیں اور عورتوں کے بال پیٹھ پر گرتے ہیں، جن کو کاٹنا منع ہے، سوائے احرام کھولنے یا ترکِ زینت کے جو پوروں کے برابر کاٹے جاسکتے ہیں۔ زیادہ کاٹنا منع اور حرام ہے اور مَردوں کو کندھوں تک بال رکھنا اور عورتوں کو مَردوں کے سے بال رکھنا حرام ہے۔ مرد کو عورت کے ساتھ اور عورت کو مَرد کے ساتھ مشابہت کرنا حرام ہے۔

قارئینِ کرام! اب تک تو عورتوں کے کندھوں سے نیچے لٹکے ہوئے بال کاٹنے کی حرمت کی ایک وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس طرح مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور صحیح مسلم کی حدیث کا صحیح مطلب سمجھایا گیا ہے کہ جو ازواجِ مطہرات کے بال لینے کا ذکر ہے اس سے مراد وہ نہیں جو آج کل کے آزاد منش لوگ سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ بقول قاضی عیاضؒ و امثالہٗ ترکِ زینت کے لیے بعد از وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے کے برابر بال کٹوائے تھے۔ اور بقول علامہ سیّد انور شاہ کشمیریؒ حج کے موقع پر احرام کھولتے وقت پورے کے برابر لٹکے ہوئے بالوں کو کاٹا تھا۔

دوسری وجہ

اب دوسری وجہ بیان کرنا ضروری ہے۔ یعنی عورتوں کے کندھوں سے نیچے لٹکے ہوئے بال کاٹنے کی حرمت کی وجہ تشبہ بنساء الکفار یعنی غیر مسلم قوموں کی عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، ان کا یہ دستور ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی بطور فیشن کے بال کٹوالیتی ہیں اور مردوں کا فیشن ہوگیا ہے کہ وہ اپنے بال عورتوں کی طرح بڑھاتے ہیں اور تشبہ بالکفار سے بھی اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف ص ۳۰۵ ج ۲ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تشبھوا بالیھود یعنی یہودی قوم کے ساتھ مشابہت نہ بناؤ۔

اور اس روایت کے راوی (۱) حضرت زبیرؓ (۲) حضرت ابن عباسؓ (۳) حضرت جابرؓ (۴) حضرت ابو ذرؓ (۵) حضرت انسؓ (۶) حضرت ابو رمثہؓ (۷) حضرت الجہدمہؓ (۸) حضرت ابو الطفیلؓ (۹) حضرت جابر بن سمرہؓ (۱۰) حضرت ابو جحیفہؓ، اور (۱۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ہیں۔

جو مجلس وعظ نبوی میں موجود تھے۔

اور ابوداؤد ص ۲۲۵ ج ۲ میں ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم نے مخصوص سُرخ زین پوش سے منع فرمایا۔

مرقاۃ میں لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ عجمیوں کا مخصوص زین پوش تھا۔

ترمذی نے ص ۳۰۶ میں فرمایا کہ یہ روایت حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہما نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المیاثر یعنی مخصوص مجوسیوں کی زین پوش سے منع فرمایا ہے۔

ابوداؤد ص ۲۲۵ ج ۲ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بچپن میں میری بہن مغیرہ رضی اللہ عنہا مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے گئیں اور میرے سر پر دو جُوڑے تھے، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ دونوں جُوڑے منڈوادو، یا فرمایا کہ کاٹ دو، کیونکہ یہ

یہودیوں کا شعار ہے احلقوا هٰذین او قصوهما فان هٰذا زی الیهود۔

ترمذی ص ۳۰۷ ج ۲ میں حضرت ابو ابی الملیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی[1] عن جلود السباع ان تفترش یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھالوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہ عجمیوں کی ہیئت تھی۔

محدث طبرانیؒ نے معجم اوسط ص ۳۳ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انهم یوفرون سبالهم و حلقون لحاهم فخالفوهم یعنی مجوسی اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور اپنی ڈاڑھی منڈاتے ہیں اس لیے تم ان کی مخالفت کرو (یعنی مونچھیں کٹاؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ)

اس مقام پر محشی نے حافظ ابن حجرؒ کی شرح سے نقل فرمایا ہے انهم کانوا یقصون لحاهم و منهم من کان یحلقها یعنی بعض مجوسی لوگ اپنی ڈاڑھیاں کترواتے تھے اور بعض

بالکل منڈوادیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کترانا حلق (منڈوانے) کے حکم میں ہے۔

ابوداؤد ص ۲۰۳ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو شخص کسی غیر قوم کے ساتھ مشابہت کرے گا تو انجام کار رفتہ رفتہ وہ انہی میں سے ہوجائیگا۔

حضرت قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ: "یہ حدیث ہر اعتبار سے تشبّہ کا ایک عام و تام قانون ہے۔ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ظاہری تشبّہ جس قوم کے ساتھ کیا جائے یا اشرار و فجار کے ساتھ، خیر میں ہو یا شر میں، معاشرہ میں ہو یا تہذیب و تمدن میں۔ انجام یہ ہے کہ متشبّہ اپنا وجود چھوڑ کر اسی قوم کے وجود میں مدغم ہوجاتا ہے جس کے ساتھ اس نے تشبّہ کیا تھا۔" (اسلامی تہذیب و تمدن ص ۸۲)

آگے چل کر ص ۸۲ میں لکھتے ہیں: "اسی حدیث کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام، و تابعین اور تمام سلف نے ہر قسم کی متشبہانہ تبدیلِ ہیئت اور تبدیل معاشرہ کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا

اور اسی حدیث سے استدلال کرتے رہے۔

چنانچہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا۔ آپؓ نے جا کر دیکھا کہ اس تقریب میں کچھ عجمی رسمیں ادا کی گئی ہیں تو واپس ہو گئے اور فرمایا کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (اقتضاء صراط مستقیم لابن تیمیہؒ)

اسی حدیث کے ماتحت حضرت حسن البصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قلما تشبہ رجل بقوم الا کان منھم یعنی بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی قوم کی مشابہت کی گئی ہو اور آخر کار اسی قوم سے نہ ہو گیا ہو۔

اسی حدیث کے ماتحت خطاب بن معلی مخزومی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی جس کو ابن حبانؒ صاحب صحیح نے اپنی کتاب "روضۃ العقلاء" میں نقل کیا ہے کہ تشبہ باھل العقل تکن منھم وتصنع للشرف تدکرہ داناؤں کی مشابہت اختیار کر تو تو انہی میں سے ہو جائے گا اور بناوٹ سے بھی اگر شرف کی طرف جھکے گا تو شرف حاصل کرلے گا۔ ؎

فَتَشَبَّهُوْا إِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ   إِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحٌ

پس اے لوگو! کریموں (شرفاء) سے تشبہ کرو اگر تم اُن جیسے نہیں ہو، کیونکہ کرام (شرفاء) کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ہی بڑی کامیابی ہے۔

پس شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ حدیث کم از کم تشبہ مطلق کے لیے ایک زبردست استدلال ہے بلکہ اگر اس کے ظاہر پر جمود کیا جائے تو وہ تشبہ بالکفر کی حرکات کو کفر اور متشبہ کو کافر بعینہٖ اسی طرح ثابت کرتی ہے جس طرح کہ آیت کریمہ ومن یتولھم منکم فانہ منھم ایک موالات کنندہ کو کفار میں شامل کر رہی ہے گو کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ کے قاعدے سے اس کفر میں شدید و خفیف درجات پیدا ہو جائیں۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ مطلق تشبہ بالکفار ایک مُسلم کو کفر کی سرحد پر لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جب اسلامی حدود تشبہ کے حربوں سے توڑ دی جائیں گی (خواہ وہ معاشرتی ہوں یا تمدنی، تعبدی ہوں یا محض اخلاقی)، تو یقیناً ان ہی شکستہ حدود کے راستوں سے ان کی اضداد (کفریہ حدود) قائم ہوتی جائیں گی اور اسی طرح اس متشبہ کا اسلامی قصر چند دن میں منہدم ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

امیر المومنین سیدنا عمرؓ کا فرمان

اذربیجان کی عرب رعایا کے

نام

امام الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ "دانشمندی" کے ص ۸ و ۹ پر ساتویں وصیت کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے کہ:

ہم مسافر ہیں کہ ہمارے باپ دادا ہندوستان کے ملک میں مسافرت کے طور پر آگئے۔ نسب اور زبان کا عربی ہونا ہمارا فخر ہے، کیونکہ یہ دونوں باتیں پہلوں اور پچھلوں کے سردار، نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے بہتر، تمام موجودات کے فخر حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے ہم کو قریب کرتی ہیں۔ اس بزرگ نعمت کا شکر یہ ہے کہ حتی المقدور آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کے پہلے عربوں کی عادتوں اور رسموں کو کہ جن کو شرع محمدی نے نہیں بدلا، نہ چھوڑیں اور عجم کی رسمیں اور ہندوؤں کی عادتیں اپنے درمیان نہ بسنے دیں۔

اخرج البغوی عن ابی عثمان النھدی قال اتانا کتاب عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ و نحن باذربیجان مع عتبۃ بن فرقد اما بعد، فاتزروا وارتدوا وانتعلوا والقوا الخفاف والقوا السراویلات وعلیکم بلباس ابیکم اسماعیل وایاکم والتنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانھا حمام العرب وتمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واقطعوا الرکب وانزوا وارموا الاغراض وفی روایۃ وانزوا علی ظھور الخیل نزوا۔

علامہ محدث بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابو عثمان نہدیؒ سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی چٹھی آئی اس وقت ہم لوگ عتبۃ بن فرقد کے ہمراہ (ایران کے ملک میں) آذربیجان مشہور شہر میں پہنچے۔ اور اس چٹھی بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ جب عرب جہاد کے لیے اطراف عجم میں پھیل گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ یہ عرب لوگ کہیں عجم کی رسموں کو

چھوڑ نہ دیویں۔ اس چٹھی کا مضمون یہ تھا کہ:

تہ بند باندھو، اور چادر اوڑھو، اور جوتا پہنو، اور عجمی موزوں اور پاجاموں کو چھوڑ دو، اور اپنے باپ (جدِ اعلیٰ حضرت) اسماعیل علیہ السلام ہی کے لباس کو اپنے لیے لازم اور ضروری سمجھو، اور خبردار اپنے تئیں تن پروری، آسودہ حالی اور عجمیوں کی سی ہیئت، حالت اور شعار اختیار نہ کرنا (حمام کی ضرورت ہو تو) دھوپ کو کافی سمجھنا، کیونکہ یہی عرب کا حمام ہے، اور قوم مَعَد (عرب کا جدِ اعلیٰ) کی رسموں پر قائم رہنا اور کھردرا اور موٹا جھوٹا کپڑا پہننا اور بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑے پہن لیا کرنا (اسے عار نہ سمجھنا اور نہ یہ عادت چھوڑنا) اور اونٹوں کو پکڑ کر اپنا مطیع بنائے رکھنا، اور گھوڑوں پر کود کر چڑھنا اور تیر اندازی وغیرہ نشانہ بازی کو اپنا شعار بنائے رکھنا۔

اس کے بعد شاہ صاحب رحؒ لکھتے ہیں کہ:

ہندوؤں کی بُری عادتوں میں سے ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند مرجائے تو اُسے دُوسرا خاوند نہیں کرنے دیتے یہ عادت عرب میں کبھی نہیں ہوئی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے، نہ آپؐ کے زمانے میں، اور نہ آپؐ کے بعد۔ اس شخص پر اللہ

تعالیٰ رحمت کرے کہ جو اس بُری عادت کو مٹادے۔ اگر تمام لوگوں سے اس کا دُور کرنا ممکن نہ ہو تو اپنی قوم میں عرب کی عادت قائم کرنی چاہئے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اس عادت کو بُرا جاننا چاہیے اور دل میں اس کا دشمن ہونا چاہیے، کیونکہ نہی منکر کا ادنیٰ درجہ یہی ہے۔

ہم لوگوں کی بُری عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ عورتوں کا مہر بہت مقرر کرتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین و دُنیا میں ہماری شرافت آپ پر ختم ہوتی ہے۔ اپنے اہلِ بیت کا مہر "جو تمام آدمیوں سے بہتر ہیں" بارہ اوقیے اور ایک نش مقرر فرمایا، جو حساب سے پانچ سو درہم بنتا ہے (اور انگریزی حساب سے ۱۳۴½ تولہ بنتا ہے۔ نیلوی)

ہم لوگوں کی بُری عادتوں میں سے ایک یہ بھی بُری عادت ہے کہ شادی بیاہوں کے موقعوں پر فضول خرچی اور اسراف کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سی رسمیں کرتے ہیں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی۔ ولیمہ اور عقیقہ دو شادیاں ہیں ان کو اختیار کرکے دوسری رسموں کو چھوڑ دینا چاہیے یا ان کا اہتمام و التزام نہ کرنا چاہیے۔

ہم لوگوں کی بُری عادتوں میں سے ماتموں اور سوم و چہلم اور

ششماہیوں، سالیانوں میں اسراف کرنا ہے اور عرب کے پہلے لوگوں میں ان تمام باتوں کا وجود نہ تھا۔

نیکوں کی مُشابہت کا اثر

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ التشبہ فی الاسلام ص ۲۷۳ میں حضرت ملا علی القاریؒ کی عبارت اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ:

صاحب مرقاۃ شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ سحرۂ موسیٰ کا ایمان لانا بلاشبہ خدا کے حکم و مشیت سے متعلق ہے کہ ہدایت وضلالت اسی کے ید قدرت میں ہے لیکن عالم اسباب میں جس چیز نے ان کے قلوب میں استعداد پیدا کر دی وہ اُن کا ظاہری تشبہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے لباس سے انھوں نے کیا اور ویسا ہی جبہ و دستار پہن کر میدانِ مُقابلہ میں آئے گویا اپنے ظاہر کو تو انھوں نے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کے تابع بنا لیا تھا اور ظاہراً اور سماً ان میں اور موسیٰ علیہ السلام میں بعد اور مُنافرت باقی نہ رہی تھی، آخر کار باطن بھی تابع ہو گیا اور قلبی مُنافرت بھی اُٹھ گئی جو ایمان کا ذریعہ بن گئی ورنہ موسیٰؑ کے غلبہ پر وہ کہہ سکتے تھے کہ موسیٰؑ بڑے ساحر ہیں اور

ہم جھوٹے۔ اس لیے ان کا طلب دلیل صداقت نہیں بلکہ دلیل کمال فن ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ فرعون کے دربار کے ایک مسخرے کو (جو موسیٰ علیہ السلام) کی نقلیں اتارا کرتا تھا، اُن جیسا لباس پہن کر، ان جیسی عصا ہاتھ میں لے کر، اُن کی سی آواز بنا کر فرعون اور فرعونیوں کو ہنساتا اور استہزاءً موسوی مقاصد کی تبلیغ کرتا تھا، جبکہ غرقِ (بحر) سے اس کو بچالیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں شکوہ کیا کہ اسے کیوں بچالیا گیا؟ حالانکہ سب سے زیادہ ایذاء مجھے اسی کے تمسخرے پہنچتی تھی۔ تو جواب دیا گیا کہ بے شک تمسخر سے ایذاء دیتا تھا اور اس کا قلب کفر ہی سے پُر بھی تھا۔ لیکن یہ تیرے لباس جیسا لباس پہنتا تھا، تیرے طرزِ تکلم جیسا طرزِ تکلم اختیار کرتا تھا، اور تیری تمام اداؤں سے اس نے ظاہری مشابہت پیدا کرلی تھی۔ پس ایک حبیب سے بعید تھا کہ دشمن کو حبیب کی زی و ہیئت میں عذاب دے۔ اس لیے اگر اُس نے دُنیا میں ظاہری طور پر تیری صورت سے تشبّہ کیا تو صرف دُنیا میں ظاہری طور پر ہی اسے نجات مل گئی کہ غرقِ بحر سے بچالیا گیا (اگرچہ اندرونی طور پر سخت سزا وعذاب میں مبتلا ہے) ہاں اس کا قلب کفر سے لبریز ہے اس لیے اس کی آخرت بھی عذاب سے لبریز ہے۔

اور اب اس اُمت میں بھی دیکھ لو کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا ایمان بھی اسی ظاہری کی اثر اندازی کا رہین منت ہے۔ جنگِ حُنین سے واپس آتا ہوا لشکرِ اسلامی راستہ میں کسی پڑاؤ پر فروکش تھا گاؤں کے لڑکے عسکرِ اسلامی کو دیکھنے کے لیے تماشائی بن کر ہجوم کر آئے، جب لشکر میں اذان ہوئی تو تمام لڑکے، استہزاء سے نقلیں اُتارنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان لڑکوں کو پکڑ لاؤ۔ چنانچہ کچھ (لڑکے پکڑ کر) حاضر کیے گئے۔ پوچھا گیا کہ کون نقل اُتارتا تھا، سب نے ابو محذورہؓ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس لیے سب لڑکے رہا کر دیے گئے اور ابو محذورہ کو ان کی نیک نصیبی نے روک لیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو اور اذان کہو، اور اذان کی نقل اُتارو، یہ کھڑے ہوئے اور جیسے آپؐ تلقین فرماتے گئے، وہ بتکلف اور بجبر زبان سے ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اسی زبان سے توحید و رسالت کی وہ شہادت بھی ادا کی جس کی وجہ سے تمام عرب میں ایک تلاطم بپا تھا۔ لیکن سبحان اللہ کہ اس ظاہری حرکت لسانی نے ابو محذورہؓ کے قلب کو محروم نہ چھوڑا، بلکہ وہی توحید و رسالت کی شہادت جو زبان سے بتکلف ادا کرائی

گئی، بالآخر سویداءِ قلب میں پہنچ کر رہی اور پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ابومحذورہؓ کس جلالت کے آسمان کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔

اور اسی حدیث (من تشبہ بقوم فھو منھم) سے ہدایۃ یہی نکل آیا کہ موت کے آثار لطیفہ اگر قلوب میں پہنچ سکتے ہیں، تو زبانوں کی شہادت اور ظاہر کے متاثر کرنے سے پہنچ سکتے ہیں، کیونکہ کسی باطن میں جب ایسی چیز پہنچائی جائے گی جو اس میں نہیں ہے تو اس کا راستہ یہی ہے کہ ظاہر کے راستے سے اسے قبول کیا جائے، قلوب کے عالم کا ظاہر یہ لسان اور جوارح ہی ہیں تو جو بھی آثار ظاہر پر ڈال لیے جاویں گے وہی آثار باطن کو بھی متاثر کردیں گے۔ ؎

چوں بیاری طہارتِ ظاہر　　　باطنت نیز حق کند طاہر

یہی وجہ ہے کہ سلفاء، خلفاء، علماء، فقہاء، صوفیاء، مجتہدین اور عاملین کی توجہ اس بات کی طرف رہتی تھی کہ جو کام ہم کر رہے ہیں اس میں غیر قوم کے ساتھ مشابہت تو نہیں۔ اگر سچ مچ علم ہو جاتا کہ اس میں غیر قوموں کے ساتھ مشابہت ہے تو فوراً اس کام کو ترک کردیتے۔ اگرچہ بظاہر کس قدر مستحسن معلوم ہوتا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اقتضاء صراط مستقیم میں لکھا ہے قال المروزی سألت ابا عبد اللہ یعنی احمد بن حنبل عن حلق القفا، فقال ھو من فعل المجوس ومن تشبہ بقوم فھو منھم۔ یعنی مروزیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے گدی کے بال منڈوانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ کام مجوسی کے کاموں میں سے ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرتا انھیں میں سے ہوجاتا ہے۔ امام احمدؒ نے اپنا عمل بھی بتایا کہ اما انا فلا احلق قفای سنو میں تو ایسا نہیں ہوں کہ میں اپنی گدی منڈواؤں۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے حلق راس المرأۃ مُثلۃ کحلق اللحیۃ فی حق الرجال۔ یعنی عورت کا سر مُنڈانا مُثلہ ہے جیسے مرد کا ڈاڑھی منڈانا مُثلہ ہے۔

اور مُثلہ کہتے ہیں اعضاء انسانی میں سے کسی عضو کو کاٹ دینا جیسے کان کاٹنا، ناک کاٹنا، ہاتھ یا پاؤں کاٹنا۔

میں کہتا ہوں کہ ڈاڑھی منڈانا مُثلہ بھی ہے اور ڈاڑھی منڈانے سے کئی خرابیاں اور بھی لازم آتی ہیں جو تفصیل سے لکھی جارہی ہیں:

ڈاڑھی مُنڈانے کی خرابیاں

① ڈاڑھی مُنڈانے میں عورتوں کے ساتھ مُشابہت ہے۔

② ڈاڑھی مُنڈانے میں ہندوؤں کے ساتھ مُشابہت ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کے مذہب میں ڈاڑھی منڈانا فرض ہے۔ جیسا کہ مولانا عبید اللہ نومسلم ولد کوٹے مل ہندو نے اپنی کتاب تحفۃ الہند میں ہندوؤں کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

③ ڈاڑھی منڈانے میں قوم نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔

④ ڈاڑھی منڈانے میں قوم لوط علیہ السلام کے غنڈوں کے ساتھ مُشابہت ہے۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت اسی قوم سے شروع ہوئی اور اس سے پہلے مسلم اور غیر مسلم سب کے سب لوگ ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔

⑤ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء ورسلؑ کی ڈاڑھیاں تھیں، ڈاڑھی منڈانے میں ان تمام انبیاء علیہم السلام کی عملی طور پر مخالفت ہے۔

⑥ تمام اولیاء اللہ کی ڈاڑھیاں تھیں اور ڈاڑھی منڈانے میں تمام اولیاء اللہ کی عملاً مخالفت ہے۔

⑦ تمام صالحین وشہدلو کی ڈاڑھیاں تھیں اور ڈاڑھی منڈانے میں ان تمام شہداء وصالحین کی عملاً مخالفت ہے۔

⑧ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے احفوا الشوارب واعفوا اللحی یعنی مونچھیں چھوٹی کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ، اب جب ڈاڑھی منڈائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی اور نافرمانی ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یعنی اللہ تعالیٰ کی مانو اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی مانو۔ اور فرمایا ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا تو اس کی خاطر جہنم کی آگ تیار ہے۔

⑨ ڈاڑھی منڈانے والے ڈاڑھی کے بالوں کو عموماً یونہی پھینک دیتے ہیں حالانکہ انسان سے جُدا شدہ اعضاء، بال، ناخن وغیرہ کو دفن کرنے کا حکم ہے، تو اس طرح اس حکم کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ

⑩ ان بالوں کی جو سُنّتِ نبویؐ تھے، اب توہین ہونے لگی کہ پاؤں

کے نیچے آرہے ہیں اور اُڑ کر گندی جگہوں میں گر رہے ہیں۔

⑪ ڈاڑھی منڈانے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی گئی سنتوں سے محروم رہتا ہے۔ مثلاً وضو کرتے وقت ڈاڑھی کا خلال کرنا سُنّت ہے، ڈاڑھی منڈانے والا اس سُنّت سے محروم رہا۔

⑫ ڈاڑھی میں کنگھی کرنا سُنّت ہے۔ ڈاڑھی منڈانے والا اس سُنّت سے بھی محروم رہا۔

⑬ ڈاڑھی سفید ہو تو اس کو مہندی لگانا مستحب ہے، ڈاڑھی منڈانے والا اس مستحب سے بھی محروم رہا۔

⑭ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق ہے جو ڈاڑھی منڈا کر لوگوں کو اپنے فسق پر گواہ بناتا ہے، کہ لوگو! قیامت کے دن گواہ رہنا کہ میں فاسق ہوں۔

⑮ ڈاڑھی منڈا کر اپنے فاسق ہونے کا اظہار کرنا اور گناہ کا اظہار کرنا بھی گناہ ہے۔

⑯ اگر کسی نائی کو کہے کہ اگر میری ڈاڑھی مونڈ، تو اس کو بھی گویا فسق کے کام کا حکم دیا، تو یہ الگ گناہ ہوا۔

⑰ اور اس حرام کام کے لیے نائی کو اُجرت دی اور حرام کام پر اس کا

تعاون کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، یعنی ایک دُوسرے کا تعاون نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تو ضرور کرو مگر گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں ایک دُوسرے کا تعاون نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

(۱۸) اس کو حرام مال کھانے کے لیے دیا کہ حرام کما اور حرام کھا۔

(۱۹) تبذیر کی یعنی اپنا وہ پیسہ فضول خرچی میں لگا کر شیطان کا بھائی بن گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا یعنی فضول خرچی مت کرو، کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ اور ڈاڑھی منڈانے والے نے بھی اپنے رب کی دی ہُوئی نعمتِ مال کی قدر نہ کرتے ہُوئے حرام کام میں ضائع کر دیا تو شیطان کا بھائی بنا۔

(۲۰) ڈاڑھی منڈانے والے نے جیسے اپنا مال ضائع کیا ایسے ہی اس نے ڈاڑھی منڈانے پر جتنا وقت لگتا ہے اتنا وقت بجائے اس کے کر

اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کا ذکر کر لیتا، قرآن مجید کی تلاوت کر لیتا یا کوئی اور نیک کام کر لیتا اتنا وقت اس نے ایک حرام کام میں ضائع کر دیا۔ اور اس طرح

(۲۱) نیکی کے کام کرنے سے اتنے وقت میں محروم رہا۔

(۲۲) جس طرح اپنا وقت ضائع کیا اسی طرح نائی کا وقت بھی حرام کام میں ضائع کر دیا۔

(۲۳) اور نیکی کے کام سے نائی کو بھی روک دیا۔

(۲۴) ڈاڑھی منڈا کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زینت کو قباحت میں تبدیل کر دیا اور فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کے تحت اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا، یہ گناہ الگ، اپنے سر چڑھایا۔

(۲۵) شیطان کو خوش کیا، یہ بھی گناہ اس نے اپنے سر لیا۔

(۲۶) ڈاڑھی منڈا کر شیشہ دیکھتا ہے اور بیج شرعی کو اپنے زعم میں حسین سمجھتا ہے، یہ بھی گناہ ہوا۔

(۲۷) ڈاڑھی منڈانے والے عموماً ڈاڑھی والوں کو برا سمجھتے ہیں، اور

(۲۸) ڈاڑھی والوں کے بارے میں کہانیاں اور کہاوتیں بناتے ہیں اور

(۲۹) بکرے اور چھیلے اور سکھوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور مختلف

پیراؤں میں اشارے کرتے ہیں، اس طرح سے

(۳۰) سُنّتِ رسولؐ کا اِستہزاء لازم آتا ہے، اس کے ساتھ

(۳۱) تمام پیغمبروں، اولیاء، صُوفیاء اور نیک لوگوں کی توہین، اور اِستہزاء لازم آتا ہے۔

(۳۲) ڈاڑھی منڈانے والے زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم ڈاڑھی والوں کی طرح ڈاڑھی کی آڑ میں شکار نہیں کرتے۔

(۳۳) غیر قومیں ڈاڑھی منڈانے والوں سے خوش ہوتی ہیں اور ڈاڑھی والوں پر پھبتیاں اُڑاتی ہیں۔

(۳۴) ڈاڑھی منڈانے سے شرم و حیا نہیں رہتا اور ڈاڑھی منڈانے والا ہر گناہ بغیر جھجک کے کر گزرتا ہے۔ اور ڈاڑھی والا کچھ تو اپنی ڈاڑھی کی لاج رکھے گا۔ اور اگر کوئی غلط کام اس سے ہو جائے تو طعنہ دینے والے اس کو طعنہ دیں گے اور وہ شرمندہ ہوگا۔

(۳۵) ڈاڑھی منڈانے والے کے بارے کسی نے سوال کیا تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ فلاں جو ڈاڑھی مُنڈاتا ہے، تو غیبت کا ارتکاب ہُوا اور اس غیبت کا سبب ڈاڑھی منڈانے والا ہُوا۔

(۳۶) ڈاڑھی منڈانے والے کی شہادت ناقابل اعتبار ہے۔ جیسے تمام

فقہاء نے لکھا ہے۔

(۳۷) نائی نے کسی کی ڈاڑھی مونڈی ہے اور اتفاق سے ایسا ہوگیا کہ جس کی ڈاڑھی مونڈی گئی ہے اس کی ڈاڑھی اُگنے سے رُک گئی، اب وہ آدمی کھودا ہوگیا تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس نائی پر دیت لازم آئے گی، یعنی اس کو جس کی ڈاڑھی نہیں اُگی سَو اُونٹ دینے لازم ہوں گے۔

(۳۸) ڈاڑھی منڈانے والا اذان اور اقامت سے محروم ہوگیا، اس کی اذان واقامت مکروہ ہے۔

(۳۹) ڈاڑھی منڈانے والا امام نہیں بن سکتا، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

(۴۰) ڈاڑھی منڈانے والا نہ جمعہ پڑھا سکتا ہے اور نہ عید کی نماز پڑھا سکتا ہے۔

کیونکہ یہ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور فقہاء کرام نے قاعدہ لکھا ہے کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ وجب اعادتھا جو نماز کراہت کے ساتھ ادا کی جائے اس کا دُہرانا ضروری ہوتا ہے، تاکہ بغیر کراہت کے نماز صحیح ہوسکے اور عیدین وجمعہ کی نماز کا اعادہ نہیں ہوتا اس سے معلوم ہُوا کہ یہ جُرم اس قدر بڑا ہے کہ اس کا تدارک مشکل ہے۔

اور ڈاڑھی کترانے والا بیان کردہ گزشتہ امور کے علاوہ اس کی مشابہت مجوس کے ساتھ بھی ہوئی، جیسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فتح الباری میں لکھا ہے۔

نیز فتح القدیر ص ۷۷، ج ۲، وغیرہ کے قول کے مطابق بعض مغربی لوگوں اور مخنثۃ الرجال کے ساتھ مشابہت ہے یعنی ہیجڑوں جیسی شکل بنانا۔ جیسا کہ ایران کے باشندے ہیجڑے کسی دور میں چھوٹی چھوٹی ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔ اور بعض مغربی غیر مسلم قومیں ڈاڑھیاں کتراتی تھیں۔

اور جو عورتیں بال کٹواتی ہیں ان کے لیے بھی تقریباً یہی اُوپر والی مذکورہ خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ مزید برآں یہ کہ جیسے سُننے میں آیا ہے کہ عورتیں اپنے بال کٹوانے کے لیے مردوں کے پاس جاتی ہیں ان سے بال کٹواتی ہیں تو اس میں درج ذیل خرابیاں مزید پیدا ہو جائیں گی:

① نامحرم مرد اس کو دیکھتا ہے۔

② نامحرم مرد اس کو ہاتھ لگاتا ہے۔

③ نامحرم مرد اس کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔

④ بعض اوقات ہنسی مخول اور استہزاء کرتا ہے۔

⑤ اور غلط قسم کے تعلقات بڑھنے کا مظنۂ عظیمہ ہے۔

○ اور ان تمام باتوں میں شرع محمدی کی خلاف ورزی ہے۔

معجم صغیر طبرانی ص ۱۳۳ ج ۱ میں ہے عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الجمۃ للحرۃ والعقیصۃ للامۃ۔ یعنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے آزاد عورت کو کانوں سے نیچے گیسوؤں کو جُمہ بنانے سے اور باندی کو موباف باندھنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث میں سر کے آس پاس گیسوؤں کو لپیٹنا بھی آگیا اور کانوں سے نیچے کندھوں کے برابر رکھنا بھی اس حدیث میں آگیا کہ عورتوں کو اس طرح بال رکھنے منع ہیں، بلکہ آگے تک بال بڑھا کر پیٹھ پیچھے ڈال دیں کہ وفرہ بن جائے جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔

یہ آخر ہے اس تحریر کا جو ضروری سمجھ کر میں نے لکھا ہے اور اس میں ضمناً اور کئی مسائل کا بھی ذکر ہو گیا ہے جن کا جاننا ضروری تھا اور لوگ ان کو معمولی سمجھ کر ترک کیے ہوئے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ ہم کو علم سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اشاعۃ التوحید والسنۃ کی توفیق بھی دے اور رسالہ پڑھنے والا دوسرے کو بھی دے، شاید کسی منیب کو عمل کی توفیق نصیب ہو جائے۔ فقط والسلام لاشے محمد حسین غفر اللّٰہ لہ ولوالدیہ ولاساتذتہ

تصویر کی شرعی حیثیت

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی قال فی کتابہ ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا الہ الا ھو العزیز الحکیم وقال وصورکم فاحسن صورکم والیہ المصیر والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامی الذی ھو احسن الخلق والخلق وعلی آلہ واصحابہ الذین جاھدوا فی سبیل اللہ حق جہادہ وعلی الائمۃ السادۃ المجتہدین

امابعد آج کل آزادی کا زمانہ ہے اسلامی مطالعہ سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ ہر اسلامی حکم کا عقلِ نارسا کے ساتھ رد کر دیتے ہیں۔

من جملہ ان کے تصویر اور فوٹو اور ٹیلی وژن کا مسئلہ ہے جو آج کی زندگی کا لازمہ بنا ہوا ہے۔ شادی بیاہ و دیگر تقریبات میں فوٹو گرافروں کو تاکید سے بلایا جاتا ہے۔ جلسوں جلوسوں میں ان کا فوٹو لیا جاتا ہے۔ اگر کسی مسجد میں جلسہ ہو رہا ہے یا محفل قراءت ہے یا اور کوئی مجلس ہے تو مسجد کا احترام بالائے طاق رکھ کر اس ممنوع کام کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اور ان مجلسوں میں شریک ہونے والے علماء باوجود علم کے رد کرتے نہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں اس لیے ہم نے اس مسئلہ سے لوگوں کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ اللہ ہم کو عمل کی توفیق بخشے آمین

احادیث نبویہ دربارۂ حرمتِ تصاویر ذی روح

بخاری ص مسلم ص نسائی ص میں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ و ام سلمہ رضہ نے ملک حبش میں ایک کنیسہ (گرجا) دیکھا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان اولٰئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور فاولٰئک شرار الخلق عند اللہ یوم القیٰمۃ ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب ان میں کوئی نیک شخص ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد وہ اس کی قبر پہ ایک عبادت گاہ بناتے اور اس میں یہ تصویریں بنالیا کرتے تھے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

مسند احمد، مسلم و نسائی میں ابو محمد ہذلی حضرت امام علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک تھے تو فرمایا تم لوگوں میں سے کون ہے کہ مدینہ میں جائے اور کوئی بت بغیر توڑے نہ چھوڑے اور کوئی قبر زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑے اور کوئی تصویر نہ چھوڑے جسے مٹا نہ دے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ شخص چل پڑا مگر کسی وجہ سے یہ کام کیے بغیر واپس آ گیا۔ پھر حضرت علی رضہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں جاتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا تم جاؤ۔ حضرت علیؓ گئے۔ واپس آ کر عرض کی کہ میں نے کوئی بت بغیر توڑے نہیں چھوڑا، نہ کوئی قبر زمین کے برابر کیے بغیر چھوڑی نہ کوئی تصویر مٹائے بغیر چھوڑی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اگر کسی شخص نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز بنائی تو اس تعلیم سے کفر کیا جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ترین سزا پانے والے مصور (تصویر بنانے والے) ہوں گے

بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ ان کو کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا ہے۔ اس کو زندہ کرو۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ کی بات ہے کہ حضرت جبرائیل ع نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا وعدہ کیا مگر بہت دیر لگ گئی اور وہ نہ آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے پریشانی ہوئی اور آپ گھر سے نکلے تو وہ مل گئے۔ آپ نے ان سے شکایت کی تو انھوں نے کہا ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو یا کتا۔

اسی طرح بخاری میں ہے کہ عبداللہ عباس رضہ نے ابو طلحہ سے فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نقل کیا ہے لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا صورة رحمت کے فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور یا تصویر ہو

ترمذی میں حضرت جابر رض کی روایت درج ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں کتا رکھنے سے بھی منع فرمایا اور تصویر بنانے سے بھی منع فرمایا۔

بخاری، مسلم، مسند احمد میں ابو زرعہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ رض کے ساتھ ایک مرتبہ ایک مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک تصویر بنانے والا مکان کے اوپر (کی چھت میں) تصویریں بنا رہا ہے۔ اس پر ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں نے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری تخلیق کے مانند تخلیق کی کوشش کرے! یہ لوگ ایک دانہ یا ایک چیونٹی تو بنا کر دکھائیں!

بخاری میں حضرت ابو جحیفہ رض کی روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مصوّر یعنی تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

صحابہ کرام رض کا یہ عمل رہا ہے کہ جن مکانوں میں تصویریں ہوتیں وہاں نہ جاتے تھے۔ بلکہ تصویریں مٹا دیا کرتے تھے اور لوگوں کو تصویریں مٹانے کے لیے بھیجا کرتے تھے؛

بخاری میں ہے کہ حضرت خلیفۂ برحق عمر بن خطاب نے عیسائیوں سے فرمایا کہ ہم تمہارے گرجوں میں اس لیے داخل نہیں ہوتے کہ ان میں تصویریں ہوتی ہیں۔

بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رض گرجا میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے مگر اس گرجا میں نماز نہ پڑھتے تھے جس میں تصویریں ہوں۔

مسند احمد میں ہے حضرت علی رض نے اپنے کوتوال کو کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں کس مہم پر تمہیں بھیج رہا ہوں؟ اس مہم پر جس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں ہر تصویر کو مٹا دوں اور ہر قبر کو زمین کے برابر کر دوں۔

مسلم و نسائی میں ہے حضرت علی رض نے ابو الہیاج اسدی سے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس مہم پر نہ بھیجوں جس مہم پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا اور وہ یہ ہے کہ تم کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑو اور کوئی اونچی قبر زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑو اور کوئی مجسمہ بغیر توڑے نہ چھوڑو۔

موطا امام مالک ص ۳۸۱ میں حضرت ابو سعید خدری رض سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں

علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۰ میں اور علامہ نووی رح نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ و شافعیہ و دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا حرام سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے خواہ تصویر بنانے والے نے کسی ایسے استعمال کیلیے بنائی ہو جس میں اس کی تذلیل ہو یا کسی اور غرض کے لیے۔ بہر حال تصویر کشی حرام ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اسی طرح تصویر خواہ کپڑے میں یا فرش میں یا دینار یا درہم یا پیسے میں یا کسی برتن یا دیوار میں، بہر حال اس کا بنانا حرام ہے۔ البتہ جاندار کے سوا کسی دوسری چیز مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ ان تمام امور میں تصویر کے سایہ دار ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی مسلک امام مالک و سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور دیگر علماء کرام رح کا ہے۔ قاضی عیاض نے لڑکیوں کی گڑیوں کو مستثنی کیا لیکن امام مالک ان کا خریدنا بھی ناپسند کرتے تھے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان علماء ہی میں جو جواز تصویر کے قائل ہیں جیسے بحر محیط میں ہے حکی مکی فی الہدایۃ ان قوما اجازوا التصویر۔ مگر خود مفسر نے اس کی تردید میں لکھا وما احفظ من ائمۃ العلم من تجوزہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں جس نے تصویر کو جائز کہا ہو۔ روح المعانی والے نے بھی اسی کو نقل کر کے لکھا فلا یلتفت الی ھذا القول و لا یصح الاحتجاج بالآیۃ نہ یہ قول قابل التفات ہے اور نہ آیت سے کوئی ایسا استنباط صحیح ہے

بعض کا کہنا ہے کہ یہ تماثیل مجسمے تھے انبیاء، ملائکہ اور صالحین کے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے ان میں جان پڑ گئی تھی

لیکن صاحب روح المعانی نے فرمایا ھذا من عجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد صحتہ وما ھو الا حدیث خرافۃ یہ حکایت بہت ہی عجیب و غریب ہے، ہرگز یقین کرنے کے قابل نہیں۔ یہ محض ایک لغو روایت ہے۔

تمثال کی لغوی اور شرعی تحقیق

التماثیل جمع ہے التمثال کی۔ تمثال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی چیز کے مشابہ بنائی گئی ہو۔ خواہ وہ انسان کی شکل ہو خواہ پرند چرند کی خواہ درخت کی ہو یا پھول پتی کی دریا پہاڑ ہوں یا اور کوئی بے جان چیز۔ جیسے لسان العرب میں ہے التمثال اسم للشئ المصنوع مشبھا بخلق من خلق اللہ تمثال نام ہے ہر اس مصنوعی چیز کا جو خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کی مانند بنائی گئی ہو۔ علامہ محمود زمخشری نے کشاف میں لکھا التمثال کل ماصوّر علی صورۃ غیرہ من حیوان وغیر حیوان تمثال ہر اس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مماثل بنائی گئی ہو خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان

حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے تورات پر عمل کرتے تھے اور تورات میں مجسمہ بنانے کی بڑی سختی سے ممانعت آئی ہے چنانچہ

خروج ۲۰ : ۴ میں ہے تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی صورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین میں یا زمین کے نیچے پانی میں ہے

اس لیے یہ کہنا کہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کے عہد میں فرشتوں انبیاء اولیاء اور صلحاء کی تصویریں بنانا جائز تھا اب ہماری شریعت میں اس کی ممانعت ہو گئی ہے یہ قول مرجوح ہے۔ بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ مختلف مناظر کی سینریاں بنائی جاتی تھیں جن کی ممانعت نہ تو شریع موسوی وعیسوی میں تھی اور نہ ہی شریع محمدی (علی صاحبہا الف صلوۃ وتحیہ) میں ہے۔ جیسے ہماری حکومت پاکستان میں ڈاکخانہ کی ٹکٹوں پر شاہی مسجد قلعہ کی تصویر دی ہوئی ہوتی ہے

آیت قرآنی یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل الآیہ میں تماثیل کے معنی جو پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ القوی نے "بڑی بڑی چارپائیاں" کیے ہیں، جو حدیث پاک سے مستنبط فرماتے ہیں۔ اس طرح کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مجوزین کی دلیل بن سکتی ہے نہ ان کی تاویل چل سکتی ہے۔

فوٹو اور تصاویر کے بارے استاذی حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ کے چند فتوے

تصویر کھینچنا اور کھچوانا ناجائز ہے خواہ دستی ہو یا عکسی۔ دونوں تصویریں ہیں۔ اور تصویر کا حکم رکھتی ہیں۔ تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے خواہ انسان ہو یا حیوان۔ مکانات کے نقشے، درختوں کی تصویریں ناجائز نہیں ہیں۔

تحقیقات جدیدہ سے درختوں میں جس قسم کی حیات دریافت کی گئی ہے وہ انسان و حیوان کی حیات سے مختلف ہے۔ دونوں زندگیوں کا تفاوت بدیہی اور مشاہد ہے۔ پس حکم کا اختلاف کچھ مستبعد نہیں

تصویر بنانے کا حکم جداگانہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم جداگانہ ہے۔ تصویر بنانے اور بنوانے کا حکم تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً حرام ہے خواہ تصویر چھوٹی بنائی جائے یا بڑی۔ کیونکہ علتِ ممانعت دونوں حالتوں میں یکساں پائی جاتی ہے۔ اور علتِ ممانعت مضاہات مخلوق اللہ ہے

اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر چھوٹی ہو اور غیر مستبین الاعضاء ہو تو اس کو ایسے طور پر رکھنا کہ تعظیم کا شبہ نہ ہو جائز ہے۔ یا ضرورت کی وجہ سے استعمال کی جائے جیسے سکّہ کی تصویر، تو جائز ہے۔

باقی بڑی تصویریں بلا ضرورت استعمال کرنا یا ایسی صورت سے رکھنا کہ تعظیم کا شبہ ہو، ناجائز ہے۔

تصویروں کا خریدنا بیچنا ناجائز ہے۔ خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔ اور بچوں کے کھیلنے کی ہوں یا کسی غرض کے لیے۔ البتہ ایسی اشیاء جن میں تصویر کا بیچنا خریدنا مقصود نہ ہو جیسے دیا سلائی کے بکس کہ ان پر تصویر بنی ہوتی ہے۔ مگر تصویر کی بیع و شراء (خرید و فروخت) مقصود نہیں ہوتی۔ تو ایسی چیزوں کا خریدنا بیچنا مباح ہو سکتا ہے۔ باجے وغیرہ جن میں تصویر نہ ہو بچوں کے کھیلنے کے لیے خریدنا اور ان کا بیچنا مباح ہے

تصویر کھینچنا یا کھنچوانا اگر کسی ضرورت پر مبنی ہو مثلاً پاسپورٹ کے لیے تو مباح ہے

فوٹو اور تصویریں قصداً مکان میں رکھنا حرام ہے اور بلا قصد کسی اخبار یا کتاب میں رہ جائے تو یہ حرام نہیں مگر مکروہ یہ بھی ہے

اوپر کے نصف حصہ جسم کی تصویر جس میں چہرہ اور سر ہو' جائز نہیں۔

مجسمہ یعنی انسان یا کسی جاندار کی تصویر تو شرع اسلامی میں جائز نہیں۔ اور اس کو مسجد یا مسجد کی متعلقہ عمارت میں رکھنا اور بھی برا ہے

جاندار کی تصویر کے متعلق آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختی سے ممانعت فرمائی ہے صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ فوٹو بھی تصویر ہی ہے۔ یہ قول غلط ہے کہ احادیث متعلقہ حرمتِ تصویر موضوع یا ضعیف ہیں

کربلائے معلی۔ نجف اشرف۔ بغداد۔ شام وغیرہ کے سفر کے لیے فوٹو کھنچوانا ناجائز ہے۔ ان مقامات کا سفر بھی فرض واجب نہیں۔ ان زیارات کو ترک کر دینا لازم ہے۔ جاندار کی تصویر بنانا اور بنوانا ناجائز اور حرام ہے

کتابت میں تصویروں کی شکل بنانا ناجائز ہے؛ اور خصوصاً بسم اللہ شریف جو قرآن پاک کی آیت ہے اس کی تصویر کی شکل بنانا بہت زیادہ مذموم ہے

تصویر کھینچنا کھنچوانا حرام ہے۔ اس کی تعزیر قاضی شرع کی رائے پر ہے۔ کوئی حد شرعی مقرر نہیں ہے

مسلمان کو تصاویر کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ اس میں دارالحرب اور دارالاسلام کا بھی کوئی فرق نہیں؛ اور ضرورت کے موقع پر فوٹو کھنچوانا کہ پاسپورٹ مل سکے مباح ہے۔ کپڑے کے تھان کہ جس پر کارخانہ کے رجسٹرڈ چھاپ کا لیبل چسپاں ہو جو جاندار کی تصویر ہو یا بکس کہ جس پر تصویر جاندار ہو اور اس میں اشیاء فروخت بند ہوتی ہیں، ان میں چونکہ تصویر کی خرید و فروخت مقصود نہیں ہوتی اس لیے ضرورۃً گنجائش ہے۔ اور یہی حکم ان اخبارات کا ہے کہ جن میں جابجا تصویریں ہوتی ہیں اور تاجروں

فوٹو کے ذریعے سے تصویر اتارنے اور اتروانے کو شامل ہے۔ جاندار کی تصویر خواہ کسی طریقے سے بنائی جائے تصویر کا حکم رکھتی ہے۔ اس کو گھر میں رکھنا ممنوع ہے۔

تصویر سے مراد چہرہ یعنی سر کی تصویر ہے خواہ ہاف (نصف بدن کی) ہو یا پورے قد کی۔ ہاں سر اور چہرہ نہ ہو تو باقی بدن کی تصویر مباح ہے۔

بعض علماء مصر فوٹو کی تصویر کو مباح قرار دیتے ہیں۔ بعض نصف بدن کی تصویر کو مباح بتاتے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں یہ دونوں قول مرجوح اور بے دلیل ہیں۔

تصویر یعنی مصوّر اور صورت اور شبیہ اور مجسمہ سب ایک معنے رکھتے ہیں۔ اور اس سے مراد اس قدر حصہ ہے جس سے پہچان اور تعارف حاصل ہو جائے۔ وہ چہرہ اور سر ہے۔ اور تصویر کشی سے مراد چہرے اور سر کا منقوش کرنا ہے ممانعت و حرمت کا حکم اسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

اور بعض علماء نے جو نصف تصویر بنانے کو جائز قرار دیا ہے اس کے لیے کوئی مضبوط اور قابلِ اعتماد دلیل نہیں ہے۔ مطلقاً تصویر کشی خواہ نصف تصویر ہو یا پوری ہمارے نزدیک حرام ہے۔

تو اخبار بینی لازمی ہوتی ہے کیونکہ ان سے چیزوں کے نرخ معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہی حکم ہے کیلنڈر یا تاریخ دیکھنے کا

تصویر بنانا حرام ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ ہزاروں مسلمانوں نے اپنے تجارتی نشانات میں تصویریں بنائی ہیں۔ اور ان تصویروں کو ٹریڈ مارک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان ان ٹریڈ مارکوں کی تصویروں کو موقوف کرانے کے لیے کوئی اقدام خلوص کے ساتھ کرے تو اس کیلئے موجب اجر ہوگا۔

ایسے سکے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں' سیکڑوں روزمرہ کی استعمالی اشیاء پر موجود ہیں' ماچس مارکہ کاغذ، دیا سلائی کی ڈبیاں، کپڑے کے تھان، چینی کے برتن، اخبارات و رسائل اور ہزاروں چیزیں ہیں۔ ان کی خریداری کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر کی خریداری مقصود نہ ہو اور تصویر کو اس چیز کی قیمت میں دخل نہ ہو یعنی خود تصویر کی کوئی قیمت اس میں شامل نہ ہو' تو ایسی چیزوں کا خریدنا مباح ہے۔

قلم سے یا کسی دوسرے طریقے سے تصویر بنانا یا بنوانا ہرگز جائز نہیں۔ لیکن سخت ضرورت یا قانونی مجبوری کے وقت جائز ہوگا۔ کیونکہ شریعت کا ایک مسلّم قاعدہ ہے الضرورات تبیح المحظورات؛

فوٹو گراف کے ذریعے سے جانداروں کی تصویریں بنانا بنوانا۔ اس کا پیشہ کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ فوٹو گراف کی تصویر بھی تصویر ہی ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر ہے۔ اس لیے تصویر کے احکام اس پر جاری ہوں گے؛

تصویر بنانا اور اس کو استعمال کرنا شریعت مقدسہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ فوٹو لینا بھی تصویر بنانے کا ایک طریقہ ہے۔ پس وہ ناجائز ہے جبکہ اس سے جاندار کی تصویر بنائی جائے۔ ہاں مکانات اور غیر ذی روح مناظر کا فوٹو لینا جائز ہے جیسے کہ ہاتھ سے ان کی تصویریں بنانی جائز ہیں۔ شریعت مقدسہ نے جانداروں کی تصویریں بنانا اور فوٹو لینا اس مصلحت سے حرام فرمایا ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم و توقیر کا شائبہ بھی مسلمانوں کو نہ رہے۔

تصویر بنانے اور بنوانے کی جو ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بناتے اور بنوانے یا

علماء مصر کے ساتھ مفتی اعظم ہند کا مختصر و مفید مکالمہ

دربارہ جواز و عدم جواز فوٹو

علماء مصر

ممنوع تو وہ تصویر ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاری گری سے ہو
فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ یہ تو صورت کا عکس ہوتا ہے

حضرت مفتی اعظم سیدی سندی محمد کفایۃ اللہ علیہ الرحمہ

یہ عکس کیمرہ کے لینس سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہو جاتا ہے؟

علماء مصر

بہت کچھ کاری گری کرنی پڑتی ہے

حضرت مفتی اعظم

انسان کے عمل، ہاتھوں کی کاری گری اور بہت کچھ کاری گری میں
کیا فرق ہے؟

علماء مصر

کوئی فرق نہیں۔ سب کا ایک ہی مفہوم ہے

حضرت مفتی اعظم

لہٰذا حکم بھی سب کا ایک ہے

علماء مصر حضرت مفتی صاحب کی حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوئے
اور کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ جواب نہ دے سکے

(مفتی اعظم کی یاد ص ۱۳۶)

ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله

المعارف

فی تحریم

المزامیر والمعازف

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من بعث لمحق المعازف والمزامیر وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین اما بعد

کچھ دنوں پہلے علاقہ کاغان سے ایک خط موصول ہوا جس میں ایک استفتاء درج تھا کہ اس کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں دیا جائے اور اس کی تائید مزید کتب حنفیہؒ اور اقوال سلف صالحینؒ و اولیاء کرامؒ و مجتہدین دین سے کی جائے۔ تاکہ ہم اس جواب کو افادۂ عام کے لئے شائع کر دیں۔ نیز اُن امور کا جواب بھی دیا جائے جسے دوسرے لوگ اپنی دلیل سمجھتے ہیں۔

اس لئے ہم خود ہی رسالہ کی صورت میں وہ سوال و جواب پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوال

علاقہ کاغان میں شادی بیاہ کے موقعہ پر مرد اور عورتیں جمع ہوتے ہیں اور گانے بجانے کے آلات لے کر اُن سے گاتے بجاتے ہیں۔ مرد بھی اور عورتیں بھی۔ اور علاقے کے اہل علم منع نہیں کرتے۔ بلکہ اس کام کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور ایک مولوی صاحب ہیں جو مرد و زن کے اجتماع اور خلط ملط ہونے کو اور بغیر پردے کے آمنے سامنے آنے کو اور غیر محرم مردوں کا اور اجنبی عورتوں کا گانا سننے کو اور ڈھول باجا شہنائی وغیرہ آلات کے استعمال کرنے کو حرام کہتا ہے۔ بتاؤ کونسا حق پر ہے اور کس کی بات قرآن و حدیث اور شرع شریف کے موافق ہے۔

جواب

یہ ایک سوال ہے مگر اس کے ضمن میں کئی سوال آگئے ہیں ۱ مرد و زن کا اختلاط ۲ عورت کا پردہ نہ کرنا نامحرموں سے ۳ عورت کی آواز خاص کر عورت کا گانا بجانا۔ اور غیر محرم کو اپنی آواز سنانا ۴ غیر محرم کا اجنبیہ کا گانا سننا ۵ گانا راگ ۶ ڈھولکی

بلسے بجانا۔ ہر ایک سوال کا جواب علی سبیل الاختصار لکھا جاتا ہے۔ واللہ الموفق وہو الہادی!

مرد و زن کا اختلاط اور پردہ کا حکم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفہا الشیطٰن یعنی عورت ذات سرتاپا پوشیدہ رہنے کے قابل ہے۔ جب وہ گھر سے باہر (بغیر شرعی عذر کے) نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔

حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ بھی اور حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں۔ اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا) آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ۔ دونوں پردہ میں ہو جاؤ! میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں۔ ہم کو تو دیکھتے بھی نہیں۔ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا، "تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں۔"

پہلی حدیث عورت کو پوشیدہ رہنے اور رکھنے کی تاکید اور اس کا گھر سے نکلنا (بغیر عذر شرعی کے) موجب فتنہ شیطانی ہونا بیان کر رہی ہے اور دوسری حدیث بتا رہی ہے کہ باوجودیکہ یہاں کوئی قریب احتمال بھی خرابی کا نہ تھا کیونکہ ایک طرف ازواج مطہرات تھی اللہ عنہن جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور دوسری طرف ایک نیک صالح صحابی رضی اللہ عنہ پھر وہ بھی نابینا۔ لیکن اس پر بھی مزید احتیاط کے لئے یا امت محمدیہ کی تعلیم کے لئے آپؐ نے بیبیوں سے پردہ کروایا۔ تو جہاں ایسے موانع نہ ہوں وہاں پر کیوں نہ اہتمام ہوگا

حضرت امام ثانی خلیفہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہا جگہ میں بیٹھے گا تو وہاں تیسرا ان کا شیطان ضرور ہوگا۔

یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کا تنہا جگہ اٹھنا بیٹھنا منع اور حرام ہے

اور اگر پردہ نہ ہو تو عادت اور مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے کہ ہرگز اس میں احتیاط نہیں کی جائے گی۔ بالخصوص آج کل کے بے باک اور آزاد طبائع سے یہ امر یقینی ہے۔ پس بے پردگی ذریعہ ہوگی اس تنہائی کی۔ اور یہ تنہائی ہے حرام۔ تو اس کا ذریعہ یعنی بے پردگی بھی حرام ہوگی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اس پر جو بُری نظر سے دیکھے اور اس پر بھی جس کو دیکھے یعنی اگر وہ بے احتیاطی کرے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والدخول علی النساء یعنی عورتوں کے پاس آمد و رفت رکھنے سے بچا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! بھلا دیور کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "دیور پوری موت ہے"

اس حدیث میں بے ضرورت و بے تکلف عورتوں کے پاس آمد و رفت رکھنے کو حرام فرمایا ہے۔ اور فطرتِ صحیحہ اور دلالت صریحہ سے ثابت ہے کہ اس آمد و رفت کا عمدہ انسداد پردہ ہی ہے۔

بخاری شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ذکر ہے کہ آپؓ نے حبشیوں کی تلواروں کا تماشا دیکھا۔ وہ بھی از خود نہیں بلکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔

اس واقعہ سے آج کل کے بعض نوخواندہ حضرات یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ والعیاذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نامحرم مردوں کو دیکھا اور والعیاذ باللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نامحرموں کو دکھانے کے مجرم ہیں۔

لیکن ان عقل اور آنکھوں کے اندھوں نے یہ حدیث کی عبارت نہیں دیکھی کہ لانظر الی لعبھم (تاکہ میں ان کی کھیل کی طرف دیکھوں) یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ آپؓ ان کھیلنے والوں کے جسم کی طرف نگاہ نہیں فرما رہی تھیں نہ ان کے چہروں کی طرف اور نہ ان کے ہاتھوں کی طرف، بلکہ ان کی چلتی ہوتی ہوئی تلواروں اور تیروں پہ نگاہ رکھ رہی تھیں۔ پھر

اس عبارت کی مزید وضاحت اور تشریح فرماتے ہوئے امام قسطلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے لَا أَنْظُرُ إِلَى لَعِبِهِمْ وَالْأَجْسَامِ لَا إِلَى ذَوَاتِهِمْ إِذْ نَظَرُ الْأَجْنَبِيَّةِ إِلَى الْأَجْنَبِيِّ غَيْرُ جَائِزٍ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں ان کے کھیل کی طرف نظر کر رہی تھی یعنی ان کے آلاتِ حرب تلوار تیر وغیرہ کی طرف میری نگاہ تھی اور ان کی ذات اور بدن کی طرف میری نگاہ نہ تھی۔ کیونکہ اجنبیہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

جو لوگ تلواروں کے کرتب دکھلاتے ہیں یا چھری گتکہ پٹا لکڑی کا کھیل کھیلتے ہیں ان کی نظریں تلواروں اور اطرافِ بدن پر پڑتی ہیں۔ اور دیکھنے والوں کی نظریں ان کی حرکات و آلات کی طرف۔ بلکہ اس وقت تو ان کا دیکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا لہو و لعب میں کیوں مصروف ہوئیں اور پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف دی۔ سو اس کا جواب بھی حضرت امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیا لعلہ علیہ السلام ترکہا تنظر الی لعبہم لتضبطہ وتنقلہ ولتعلمہ بعد یعنی وہ کھیل ایسا نہ تھا کہ جس میں وقت ضائع ہو بلکہ وہ کرتب تھے جہاد میں کام آنے والے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کرتب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اس غرض سے دکھائے تاکہ آپؓ تلواروں اور تیروں کے ان کرتبوں کو ضبط اور حفظ کر لیں اور پھر اپنے بھانجیوں بھتیجیوں اور دیگر مستورات کو تعلیم دے سکیں۔

اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے فوائد و استنباط میں لکھا ہے فیہ جواز اللعب بالسلاح للتدریب علی الحرب والتنشیط علیہ وجواز نظر النساء الی فعل الاجانب؛ واما نظرھن الی وجہ الاجنبی فان کان بشھوۃ فحرام اتفاقاً وان کان بغیرھا فالاصح التحریم؛ وقیل کان ھذا قبل نزول قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن یعنی اس واقعہ سے چند فوائد حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ تلوار وغیرہ آلاتِ حرب سے کھیلنے کا جواز تاکہ شوق اور رغبت الی الجہاد پیدا ہو۔ دوسرے عورتوں

کو اجنبی اور بیگانے لوگوں کے کرتبوں کی طرف دیکھنا جائز ہوا۔ لیکن عورتوں کو اجنبی اور بیگانے مَردوں اُن کے چہروں کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا تو بالاتفاق حرام ہے۔ اور بغیر شہوت کے بھی بنا بر قولِ اصح حرام ہی ہے: اور بعض علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعہ (ام المؤمنین کا حبشیوں کے کرتب دیکھنے کا) تو پردہ کی آیت قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ پردہ کی آیت بعد میں اتری ہے۔

تو اب اس قول کی بنا پر تو سرے سے اس منسوخ حدیث کو استدلال میں پیش کرنا ہی باطل اور غلط ہوا

اور اگر امام قسطلانی رحمہ اللہ کا قول ہی اختیار کیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے تب بھی بے گانوں کی طرف نظر کرنے کا قطعی انکار اور ان کے آلات کی طرف نظر کرنے کا ثبوت اور اقرار ہے

بخاری شریف میں حضرت حبر الامۃ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

کان الفضل ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاءت امرأۃ من خثعم فجعل الفضل ینظر الیھا وتنظر الیہ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصرف وجہ الفضل الی الشق الآخر یعنی حضرتِ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپؐ کی سواری پر سوار تھے۔ اتنے میں خثعم قبیلہ کی ایک عورت حاضر آئی۔ حضرتِ فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف دیکھتے اور وہ عورت ان کی طرف دیکھتی تھی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ وسلم نے حضرتِ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔

فائدہ:۔ اگر اجنبی مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا منع نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ کیوں پھیرتے

سوال

صحیح مسلم میں حضرت امامنا فی الدین ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی تزوجت امرأۃ من الانصار قال فانظر الیھا

فان فی اعین الانصار شیئا یعنی ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے لگا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا پھر تجھے چاہیے کہ پہلے اس کو دیکھ لے۔ کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔

یہاں اس حدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد قدرتی سوال ابھرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو کنواری پردہ دار عورت سے بھی زیادہ شرم وحیا والے تھے۔ آپ کے متعلق تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ عورتوں کو دیکھتے ہوں اور پھر ان کے بدن عیوب معلوم کرتے ہوں تو پھر آپ نے یہ کیسے فرما دیا فان فی اعین الانصار شیئا:

جواب

اس سوال کا جواب علمائے کرام علیہم الرحمۃ نے کئی طرح سے دیا ہے

علامہ طیبیؒ نے تو یہ جواب دیا ہے کہ آپ نے انصار مردوں کو دیکھا۔ تو اس پر آپ نے انصار کی عورتوں کو قیاس فرمالیا۔

اور بعض نے یہ جواب دیا کہ لوگ انصار کی عورتوں کے بارے ایسی بات کہتے تھے۔

اور بعض نے کہا کہ آپ تمام اُمت کے حق میں بمنزلہ والد ماجد کے ہیں اور باپ سے بیٹی کا پردہ نہیں ہوتا۔

مگر ان تینوں جوابوں میں سے علامہ طیبی رحمہ اللہ کا جواب اظہر واحسن ہے۔ اور تیسرے جواب پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ کا تمام امت کا باپ ہونا صرف آپ کے شفیق و ناصح اور واجب التوقیر والتعظیم والتکریم اور مفترض الطاعۃ ہونے کے لحاظ سے ہے۔ نہ ہر لحاظ سے من کل الوجوہ۔ ورنہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپ کے نکاح کی کوئی صورت نہیں بن سکتی اور وہ بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ میں داخل ہیں۔

مگر یہ جواب کسی نے نہیں دیا کہ جب اجنبیہ عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے تو سرے سے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ جواب دینے کی زحمت گوارا کرنی پڑے۔

بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد اجنبیہ عورت کی طرف نظر نہیں کر سکتا

مگر ہاں جس شخص کا ارادہ ہو اس عورت سے نکاح کرنے کا تو وہ اس عورت کے چہرے کی طرف نظر کر سکتا ہے۔

ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے اپنی اپنی سنن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک عورت کے ہاتھ میں خط تھا۔ وہ پردہ کے پیچھے کھڑی ہو کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینے لگی۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے وہ خط لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھانے کی بجائے پیچھے روک لیا۔ اور فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا؟ عورت بولی یا رسول اللہ! یہ ہاتھ عورت کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو عورت ذات ہے تو تو اپنے ناخنوں کو مہندی سے رنگ دیتی (مشکوٰۃ ص ۳۸۳)

اس حدیث پاک سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ اس پاک عہد میں عورتیں شرع محمدی کے مطابق اس بات کی پابند تھیں کہ اجنبی مرد سے اپنا چہرہ چھپا رکھیں اگرچہ وہ خیر الخلق امت کے روحانی والد ماجد خاتم النبیین کی معصوم ذات ہی ہو جہاں خفیف سے خفیف احتمال بھی تصور میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ ایسا تصور انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

البتہ ایک دوسرے کو کوئی چیز دیتے لیتے وقت بامر مجبوری ہاتھ کی ہتھیلی ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے حدیث سے واضح ہے۔

نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ عورت کو ناخنوں اور ہتھیلی پر مہندی ضرور لگانی چاہئے ورنہ مردوں کے ساتھ مشابہت آئے گی جو حرام ہے اور موجب لعنت کا۔

نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ سامنے آنا پیر و مرشد کے مستورات کو حرام ہے ہرگز ہرگز کسی صورت میں جائز نہیں۔ کلام کرنا اگر خوفِ فتنہ نہ ہو تو جائز ہے۔ اگر خوفِ فتنہ ہو تو حرام و ممنوع ہے۔ اور خلوت اجنبیہ کے ساتھ حرام ہے۔ اس کے ہاتھ سے ہاتھ مس کرنا اور کسی جزو بدن کو ہاتھ لگانا ہرگز درست نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل یہ تھا واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ قط یعنی تمام عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بیعت کرتے وقت بھی عورت کے ہاتھ کو اپنا دستِ مبارک نہیں لگایا صلی اللہ علیہ وسلم؛

راگ گانا اور ڈھول باجے بجانا

حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ سے اس بارے میں ایک استفتاء کے ذریعہ یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تھا جس کا آپ نے جواب دیا۔ سوال جواب ہر دو دیکھو

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین اس صورت میں کہ شادی کی تقریب پر تاشوں کا بجوانا کیسا ہے؟ تحفۃ المشتاق میں جواز لکھا ہے اور تحفۃ الزوجین میں عدم جواز کے متعلق درج ہے۔ ایک مرتبہ یہاں پر مولانا مولوی شیخ حسین صاحب انصاری بھوپال سے تشریف فرما ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر تاشے پیش کر کے دریافت کیا گیا تھا، جواز ہی کا حکم فرمایا تھا۔ آپ اس کے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ چونکہ میرے خصوصاً اور یہاں کے لوگوں کے نزدیک عموماً آپ کا فتویٰ معتبر ہے۔ فلہٰذا اس کے متعلق جواب شافی تحریر فرمائیں

الجواب

چونکہ مجھ کو کبھی اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہ ہوا تھا اس لئے بنابر قولِ مشہور مذکور علی لسان الجمہور یہ سمجھتا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے۔ دوسرے ناجائز۔ مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جو ضمیمہ اخبار الفقیہ امرتسر ۵ نومبر ۱۹۱۹ء میں بعنوان "باجوں پر تحقیق کی زبردست چوٹ" شائع ہوا ہے نظر سے گذرا تب سے متعارف ضرب دف کے جواز میں بھی شبہ ہو گیا۔ اور احتیاطاً ترک اور منع کا عزم کر لیا۔ افادۂ عام کے لئے اس کی نقل کی جاتی ہے

باجوں پہ تحقیق کی ایک زبردست چوٹ

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرمائیں کہ خدا نے مجھے ہدایت کے واسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام جہان سے راگ باجا مٹا دوں (رواہ ابو داؤد والطیالسی واللفظ لہ واحمد بن منیع واحمد بن محمد بن حنبل والحارث)

اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو کر سؤر اور بندر ہو جائیگی صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے یا کون؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یہ سب مسلمان ہوں گے۔ خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کے شہادت دیتے ہوں گے اور روزے بھی رکھتے ہوں گے۔ مگر آلاتِ لہو ولعب یعنی باجہ اور دف بجائیں گے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے۔ تو مسخ کر دئے جائیں گے (رواہ ابن منذر و ابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

ان احادیث کی رُو سے تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرات علماء جو شریعت کے حامل اور نائب رسول ہیں، یہ لوگ پوری کوشش کر کے کل راگ و باجہ اٹھا دیتے۔ مگر بجائے اس کے الٹی کوشش کی۔ کسی نے ڈھولک و سارنگی کو قوالی کے ساتھ جائز کیا۔ اور کسی نے دُف کو مطلقاً جائز سمجھا۔ اور تحریراً و تقریراً اس کا جواز شائع کیا؛ اور مولوی وحید الزمان سرگروہ غیر مقلدین نے تو اور غضب ڈھایا۔ اپنی کتاب "نزل الابرار" جو باہتمام مولوی ابو القاسم بنارس میں چھپی ہے۔ اس کے صفحہ ۳ میں صاف لکھ دیا ہے "شادیوں میں ہر طرح کا باجہ و گانا بہتر ہی نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہے۔ اور جو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے" انتہی انا للہ وانا الیہ راجعون: اہل حدیث ہونے کا دعویٰ اور حدیث کی یہ قدر کی۔ اور کھلم کھلا مخالفت پر کمر باندھی ہے چونکہ ہمارے علمائے احناف کل باجے و گانے کو حرام کہتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ سماع کے ساتھ ڈھولک اور شادیوں میں دف بجانے میں اختلاف ہے، لہٰذا ضرورت معلوم ہوئی کہ اس مسئلہ پر تحقیق کی پوری روشنی ڈالی جائے تاکہ حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے۔ اور برادرانِ سنی حنفی کو اپنا مذہب معلوم ہو جائے

پہلی روشنی

مذہب حنفی میں کل باجے حرام ہیں۔ ہدایہ شریف میں ہے ان الملاھی کلھا حرام حتی التغنی بضرب القصب (تمام کھیلیں حرام ہیں۔ حتیٰ کہ نے بجانے کے ساتھ گانا) نیز خزانہ و درمختار میں ہے استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام (آلاتِ لہو کی آواز

سننا حرام ہے۔ جیسے نے وغیرہ کی ضرب۔ بخلاف مذہب شافعیؒ کے کہ ان کے ہاں مباح ہے اور ترک اولیٰ ہے۔ چنانچہ آگے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روشنی

دف بھی چونکہ باجہ ہے لہٰذا حنفیہؒ نے تصریح وتشریح کر دی کہ دف بھی حرام ہے۔
۱ شامی میں ہے استماع ضرب الدف والمزمار وغیر ذلك حرام (دف مزمار وغیرہ کی چوٹ کی آواز سننا حرام ہے)
۲ شرح نقایہ میں ہے اما الاستماع فکاستماع ضرب الدف والمزمار والغناء وغیر ذلك حرام (دف ومزمار کی چوٹ اور گانا وغیرہ سننا حرام ہے۔
۳ ابوالمکارم میں ہے کرہ (تحریما) لہو کضرب الدف والمزمار (یعنی کھیل مکروہ تحریمی ہے جیسے دف اور مزمار کو چوٹ لگانا
۴ مجموعہ فتاوٰے عزیزی رسالہ غناء میں کئی عبارتیں منقول ہیں غناء وضرب بربط و دف واوتار وطنبور است وآن ہمہ باین نص حرام اند من استحلہ فقد کفر (گانا اور بربط بجانا، دف بجانا، اوتار بجانا، اور طنبور بجانا جو ہے یہ سب اسی نص کی وجہ سے حرام ہیں۔ جو اس کو حلال سمجھے وہ یقیناً کافر ہو چکا۔
۵ وفی فتاوی البیہقی التغنی واستماع ضرب الدف وجمیع انواع الملاھی حرام ومستحلھا کافر (یعنی فتاویٰ بیہقی میں ہے کہ گانا اور دف بجنے کی آواز سننا اور ہر قسم کی کھیلیں حرام ہیں۔ اور ان کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔
۶ وفی النہایۃ التغنی والطنبور والبربط والدف وما یشبہ ذلك حرام (نہایہ میں ہے کہ گانا اور طنبور، بربط اور دف بجانا اور ان کی مانند سب کے سب حرام ہیں۔
۷ مالابد منہ میں ہے ملاہی ومزامیر وطنبور ودہل ونقارہ ودف وغیرہ باتفاق حرام اند۔ یعنی کھیل تماشے کی تمام چیزیں اور گانے بجانے کے آلات اور طنبورہ اور ڈھول اور نقارہ اور دف اور اس کے ماسوا باتفاق حرام ہیں

تیسری روشنی

مذہب شافعی رح میں ہر موقعہ شادی وختنہ دف بجانا مُباح ہے۔ اور سوائے شادی وختنہ کے حرام کہا؛ چنانچہ

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ اپنی کتاب کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع مطبوعہ مصر مطبوعہ، علی ہامش "الزواجر" میں لکھتے ہیں۔ القسم الرابع فی الدف : المعتمد من مذھبنا انہ حلال بلا کراھۃ فی عرس وختان۔ وترکہ افضل وھذا حکمہ فی غیرھا فیکون مباحا ایضا علی الاصح ؛ وفی المنھاج وغیرہ وقال جمع من اصحابنا انہ فی غیرھما حرام یعنی ہم شوافع کے ہاں معتمد علیہ مسئلہ یہ ہے کہ شادی اور ختنہ کے موقع پر دف وغیرہ بجانا بلا کراہت مباح اور حلال تو ہے مگر اس کا ترک کرنا ہی افضل ہے اور ہمارے شوافع کی جماعت نے کہا کہ ان دو موقعوں کے علاوہ دف وغیرہ بجانا حرام ہے۔

اور پیشوائے طریقت سہروردیہ عارف باللہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں فاما الدف والشبابۃ وان کان فیھما فی مذھب الشافعی فسحۃ فالاولی ترکھا والاخذ بالاحوط والخروج من الخلاف یعنی باوجودیکہ ہمارے مذہب شافعی میں دف کو جھانجھ کے ساتھ بھی بجانا مباح ہے اور ہمارے مذہب میں اس میں بڑی وسعت اور گنجائش ہے مگر اس کا ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ اور بہتری اور احتیاط اسی میں ہے کہ دف بجانا بالکل ہی ترک کر دیا جائے۔

دیکھو شیخ سہروردی علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا نفیس خیال ہے کہ جب ہمارے مذہب میں مباح ہے۔ نہ مستحب کہ بجانے سے ثواب ملے۔ اور نہ واجب کہ ترک کر دینے سے گناہ ہوتا ہے تو بس خیریت اس کے ترک کر دینے میں ہے۔ کیونکہ اور مذاہب جیسے حنفیہ وغیرہ میں حرام ہے اور حرام سے گناہ ہوتا ہے۔ تو خطرہ اور شبہ سے خالی نہیں اور شبہ کی چیزوں کا ترک کر دینا تاکیدی حکم ہے۔ قال علیہ السلام فمن اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام دع ما یریبک الی مالا یریبک ؛

پھر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دف بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔ عن الحسن انہ قال لیس الدف من سنۃ المسلمین

چوتھی روشنی

مذہب شافعیؒ میں جو یہ تقریب نکاح و ختنہ دف کا بجانا مباح لکھا ہے وہ مطلقاً مباح نہیں ہے۔ بلکہ چند قیود و شرائط کے ساتھ مقید و مشروط ہے۔ ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے ورنہ اباحت نہ رہے گی۔ اور صاف حرمت آجائے گی۔

علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے ان شرائط کو اپنے رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے۔ اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ احناف کے نزدیک بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں۔

اول شرط یہ ہے کہ خاص عورتیں اور لڑکیاں دف کے بجانے والی ہوں۔ اور حکم اباحت خاص انہیں کے بجانے میں ہے، نہ مردوں کے۔ پس اگر تقریب نکاح یا ختنہ میں مرد بجائیگا تو جائز نہ ہوگا۔ بلکہ وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا (عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے) کیونکہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت نہیں ہوا۔ چنانچہ عبارت یہ ہے انا اذا ابحنا الدف فانما نبیحہ للنساء خاصۃ وعبارۃ منھلجہ وضرب الدف لایحل الا للنساء لانہ فی الاصل من اعمالھن وقد لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین بالنساء (الی قولہ) لم یحفظ عن احد من رجال السلف انہ ضرب بہ وبان الاحادیث والآثار انما وردت فی ضرب النساء والجواری بہ انتہی۔ ملخصًا

دوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلف اور تصنع نہ کیا جائے۔ کہ طرب یعنی خوش آوازی نہ معلوم ہو۔ بلکہ بالکل سادگی کے ساتھ ہاتھوں کے ساتھ پیٹا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وخلاعن الصنج ونحوہ وعن التانق والتصنع فی الضرب بان یکون یضرب بالکف پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے جیسا عرب لوگ بجاتے ہیں کہ اس میں رقص و سرود نہ پایا جائے کہ اس میں بھی ایک طرح کی صنعت طرب ہے۔ عبارت یہ ہے وانما یباح الدف

ـــ صنج جھانجھ ــ اچھے دلکش کن انداز سے تکلف اور بناوٹ

الذی تضرب به العرب من غیر زفن ای رقص ، فاما الدف الذی یزفن به وینقر ای یرؤس الانامل ونحوها علی نوع من الانغام فلا یحل الضرب به

تیسری شرط یہ ہے کہ وقتِ نکاح یا وقتِ زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک محدود تین دن بشرائط مذکورہ بجائیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں والمعهود عرفا انه یضرب به وقت العهد او وقت الزفاف او بعده بقلیل

پانچویں روشنی

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ماوردی کا قول لکھا ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں استعمالِ دف مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں بے وقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے۔ عبارت یہ ہے واما فی زماننا فقال (الماوردی) فیکره فیه لانه ادی الی السخف والسفاهة اس پر علامہ نے لکھا ہے کہ ماوردی کے زمانہ میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اب تو اس میں اس سے زیادہ خرابی آگئی ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجرؒ کو بھی گذرے ہوئے قریب چار سو برس ہو گئے۔ سوائے شر و فساد کے خیر و صلاح کا نام نہیں ہے۔ اب تو باوجود لحاظِ شرائطِ مذکورہ ترک کر دینا چاہئے

چھٹی روشنی

اصل مذہب حنفیوں کا تو پہلی اور دوسری روشنی کے ذیل میں جو عبارات لکھی گئی ہیں ان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عموماً باجہ اور خصوصاً دف بھی حرام ہے۔

اب بعض علمائے حنفیہ جو اپنی کتابوں میں اعلانِ نکاح کے واسطے دف بجانا لکھتے ہیں تو اصل میں یہ قول ظاہر روایت کے خلاف ہے اور کچھ تعجب نہیں جو علمائے حنفیہ کو علمائے شافعیہ کی روایات سے دھوکا ہو گیا ہو۔ اور اس کے نظائر و امثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کوئی قول دوسرے مذہب کا کسی مصنف نے لکھا اور دوسروں نے اس کی دیکھا دیکھی اعتماد کر کے اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور وہ یونہی نقل ہوتا چلا آیا حتی کہ دس بیس کتب میں منقول ہوا۔ اب کسی عالم کو شبہ ہو سکتا ہے کہ مذہب حنفی کا یہ مسئلہ نہیں ہے۔ مگر بوقتِ تحقیق معلوم ہو جاتا ہے

کہ یہ قول خلافِ مذہب نقل در نقل ہوتا چلا آیا ہے۔

دیکھو علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں فرماتے ہیں فہٰذا ھو الوجہ۔ وکثیرًا ما یقلد الساھون الساھین یعنی ایسا بہت ہوتا رہتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں

البحر الرائق کتاب البیوع باب المتفرقات میں لکھتے ہیں وقد یقع کثیرًا ان مؤلفًا یذکر شیئًا خطأً فی کتابہ فیأتی من بعدہٖ من المشائخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الن قلون لہا واصلہا الواحد مخطی، یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ کے لکھنے میں غلطی کر جاتا ہے۔ اس کے بعد علماء و مشائخ اس کی دیکھا دیکھی لکھتے چلے آتے ہیں حالانکہ غلطی کرنے والا ایک ہی تھا۔

دیکھو صاحب درمختار نے بہ تبعیت صاحب نہر الفائق و بحر الرائق لکھ دیا کہ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ قرآن میں ۸۲ جگہ ہے۔ حالانکہ یہ شمار غلط ہے۔ صرف اعتمادًا یہ غلط شمار منقول ہوتا چلا گیا۔ قرآن عظیم موجود ہے دیکھ لیجئے صرف ۳۲ جگہ یہ جملے ملے گا۔

پس ہماری کتب حنفیہ میں جو دف کا جواز اعلانِ نکاح کے واسطے لکھا ہوا ہے وہ اصل مذہب اور ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ پس منشا تقلید یہ ہرگز نہیں کہ دف کو جائز سمجھا جائے پس کسی عالم حنفی کی تصنیف یا فتاویٰ میں لکھنا اسی پر محمول ہوگا۔ یہ ایک غلطی ہے جو نقل در نقل ہوتی گئی جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے۔ اور اس حدیث کا جس میں اعلانِ نکاح کے واسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے ہمارے مشائخ حنفیہ

جواب

دیتے ہیں کہ دف بجانے سے مراد اعلان ہے نہ حقیقت میں با جبر دف بجانا۔ چنانچہ شرح نقایہ، نصاب الاحتساب، دلبستان العارفین میں یہ جواب مذکور ہے۔ عبارت شرح نقایہ کی یہ ہے قال التورپشتی انہ حرام علی قول اکثر المشائخ: وما ورد من ضرب الدف فی العرس کنایۃ عن الاعلان:

جب حدیث میں ضرب دف سے مراد اعلان و تشہیر ہے تو پھر متاخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ بے محل ہے۔

اور ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد ہونے پر یہ زبردست قرینہ ہے کہ اب تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانۂ رسالت میں کسی صحابی نے اعلانِ نکاح کے لئے دف بجا کر اس حدیث کی تعمیل کی ہو۔ حالانکہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو اتباعِ سنت میں وہ شغف تھا جو علماء سے مخفی نہیں۔

اس سے زیادہ عجیب ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کا فرمایا۔ کبھی کسی نکاح میں آپ نے دف بجانے کا حکم نہیں دیا و من ادعی فعلیہ البیان۔

زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت معوذ سے ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ بچیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا۔ اس حدیث سے بالغ کے دف بجانے کا جواز کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لڑکیاں غیر مکلف تھیں

اگر کسی روایت سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت ہو بھی جائے تو اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارۃ یعنی اس حدیث کی رو سے یہ کہا جائے گا کہ اگر آپ نے اجازت دی ہوگی تو پھر منع فرمادیا۔ جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمادیا۔

علاوہ اس کے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دف کو مزمور الشیطان فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ خیال فرمائیے کہ اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا دف کو مزمور الشیطان فرمانا صحیح نہ ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور منع فرماتے۔ پس بموجب اس روایت کے جب دف مزمور الشیطان ٹھیرا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے اعلانِ نکاح کرتے۔ پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث سے ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے

زبانِ عربی کا حال تو ابھی علامہ تورپشتی اور محدث فقیہ امام الہدیٰ ابو اللیث سمرقندی اور

ے صنج جھانجھ ے زمارہ بانسری ۱۲

علامہ عمر بن محمد بن عوض سلامی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے اقوال سے معلوم ہو چکا۔ فارسی میں بھی "دف زدن" کے معنے اعلان کردن شہرت دادن کے ہیں۔ نظیر کے طور پر حضرت شیخ (مصلح الدین) سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر جو "بوستان" میں ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

کسے را چو من دل بہ دست کسے   گرو بود و می برد خواری بسے

پس از ہوشمندی و فرزانگی   بدف بر زدندش بہ دیوانگی

مصرع اخیر کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی دیوانگی کا دف بجایا۔ یعنی اس کو دیوانہ مشہور کیا۔ پس جس طرح یہاں دف بجانے سے مشہور کرنا مراد ہے۔ اسی طرح حدیث کا مطلب ہے کہ نکاح کو علانیہ کرو اور خوب مشہور کر دو۔

ساتویں روشنی

تنزل کے درجہ پر اگر بعض علماء احناف متاخرین کا استدلال صحیح مان لیا جائے کہ اعلانِ نکاح کے واسطے دف بجانا کچھ مضایقہ نہیں بلکہ مباح ہے۔ تو ان شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے جن کو مباح سمجھنے والوں نے بیان کیا ہے شرط ۱ جھانجھ نہ ہو۔ شرط ۲ تطریب نہ ہو۔ چنانچہ شامی اور فتاویٰ سراجیہ اور شرح ابوالمکارم اور شرح نقایہ چاروں میں ہے هٰذا اذا لم یکن له جلاجل ولم یضرب علٰی هیئة التطریب؛ شرط ۳ یہ ہے کہ بہت تھوڑی دیر تک بجایا جائے لمعات میں ہے دل الحدیث علی اباحة المقدار الیسیر۔ مجمع البحار میں ہے اقربٰی الغذ: الیسیر فی نحو العرس والعید الخ

پس آج کل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دف برات کے ساتھ لے چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں جو کچھ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں جس میں صاف تطریب ہوتی ہے۔ یہ کیونکر جائز ہوگا

جائز ہونے کی صورت حسب تصریحات ان علماء کے صرف یہ ہو سکتی ہے کہ بعد نکاح ہو گیا پس قبل نکاح کے برات کے ساتھ دف لے جانا اور اس کو شرعی برات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے اور اس میں شرعاً چند قباحتیں ہیں۔ اول تو یہ کیونکہ نکاح ابھی ہوا نہیں یہ اعلان کیا۔

دوسرے نمائش۔ کیونکہ برات کے ساتھ دف لے جانے میں سوائے نمائش کے دوسری غرض شرعی نہیں ہو سکتی اور نمائش خود حرام ہے۔ تیسرے اسراف۔ کیونکہ بے محل بجایا۔ محل اس کا بعد نکاح ہے۔ لہٰذا ناجائز۔ پس جس صورت کے ساتھ علماء متأخرین نے خلاف مذہب دف کے جواز کی صورت لکھی ہے۔ وہ صورت طریقہ مروج نہیں۔ اور جو مروج ہے وہ خود ان کے نزدیک جائز نہیں۔ علاوہ اس کے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ اعلانِ نکاح کے واسطے صرف دف کو لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے باجوں کو ناجائز جانتے ہیں یہ ایک نہایت نامعقول بات ہے

جن علمائے متاخرین نے اعلانِ نکاح کے واسطے اپنے مذہب کے خلاف دف کی اجازت دی ہے وہی علماء لکھتے ہیں کہ اعلانِ نکاح کے واسطے دف کی تخصیص نہیں جس باجہ سے ممکن ہو اعلان کر سکتے ہیں۔ مگر جو باجہ ہو تینوں شرائط مذکورہ جو ابھی لکھی گئی ہیں ان کا لحاظ بہرحال لازم ہے

اب ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیے جن سے دف کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ سماع میں فرماتے ہیں "چوں ضربِ دف برائے اعلانِ نکاح حلال یا مستحب باشد دہل وطنبورہ ونقارہ را از دف چہ تفاوت است، برائے لہو ہمہ حرام است وبرائے غرضِ صحیح ہمہ حلال باشد۔ اعلان از ہر یک می شود۔ فرق کردن در دف وغیر آن امریست غیر معقول۔"

اور اسی عدم خصوصیت کی وجہ سے علامہ طحطاویؒ نے طبلہ کو اعلانِ نکاح کے واسطے جائز لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے وطبل العرس فیجوز (شادی میں ڈھول بجانا جائز ہے)

حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددیؒ تحقیق الحق المبین میں فرماتے ہیں "پس بر قولِ مجیب حکم دہل وتاشہ وغیرہ نیز موافقِ طبل قیاس کن"

علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے جس سے کل باجوں کا اعلانِ نکاح کے واسطے ان شروط ثلاثہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے بجانا ثابت ہے۔ عبارت یہ ہے ان آلۃ اللھو لیست محرمۃ بعینھا بل بقصد اللھو۔ دیکھو آلۃ اللھو کو عموماً لکھا ہے کہ بقصدِ لہو حرام اور بغرض صحیح جائز۔ کیونکہ دف اور غیر دف باجہ ہونے میں برابر ہیں

پس خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اصل مذہب حنفی یہ ہے کہ دف وغیرہ کل باجے حرام ہیں

شادی اور غیر شادی میں کسی وقت جائز نہیں۔ ہاں مذہب شافعیؒ میں صرف عقد و نکاح وغیرہ بعض مواقع سرور میں بہ پابندی شرائط مذکورہ ذیل جو تھی روشنی مباح اور ترک اولیٰ۔
اور جو علماء احناف متاخرین خلاف مذہب جائز کہتے ہیں وہ دف کی خصوصیت نہیں کرتے بلکہ کل باجوں کو بقصد لہو حرام اور بقصد صحیح مباح کہتے ہیں۔ اور جن صورتوں کے مباح ہے وہ مروّج نہیں۔ اور جو طریقہ دف بجانے کا جائز سمجھ کر مروّج ہے وہ ہرگز جائز نہیں۔ پس مقلدین امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے لئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں۔ ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہوں گے (احقر ابو اسحاق انصاری محمد آبادی)

بزرگانِ عظام اور مزامیر

نیلوی کہتا ہے کہ

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اخبار الاخیار میں تذکرہ حضرت شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلی اعظم خلفائے حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے تحت قول نمبر ۸ میں لکھا ہے "نقل است کہ روزے بعض از مریدان شیخ نظام الدین اولیاء مجلسے داشتند و از دف زنان سرودے می شنیدند شیخ نصیر الدین محمود در مجلس بود برخاست تا برآید یاران تکلیف نشستن کردند گفت خلاف سنت است۔ گفتند از سماع منکر شدی و از مشرب پیر برگشتی۔ گفت حجت نمی شود۔ دلیل از کتاب و حدیث می باید۔ بعضے از غرض گویان این سخن بخدمت شیخ رسانیدند کہ شیخ محمود چنین می گویند شیخ را صدق معاملۂ او معلوم بود فرمود راست می گوید۔ می گوید حق آن است کہ او می گوید۔ در سیر الاولیاء می نویسد کہ در مجلس شیخ نظام الدین مزامیر نہ بودے و تصفیق نہ کردندے۔ و اگر کسے از یاران چیزے بخدمت او می رسانیدند کہ مزامیری شنود منع می کرد۔ و می گفت خوب نمی کند۔ و در خیر المجالس می گوید عزیزے بخدمت شیخ نصیر الدین محمودؒ درآمد۔ آغاز کرد کہ کجا روا باشد کہ مزامیر در جمع باشد دف و نائے و رباب۔ و صوفیاں رقص کنند۔ خواجہ فرمودند کہ مزامیر باجماع مباح نیست اگر کسے از طریقت بیفتد بارے در شریعت باشد۔ از شریعت ہم بیفتد کجا رود۔ اول در سماع اختلاف است نزد علماء با چندین شرائط مباح اہلِ آن را۔ اما مزامیر باجماع حرام است (یعنی

نقل ہے کہ ایک روز سلطان نظام الدین اولیاء کے بعض مرید کسی مجلس میں جمع تھے اور عورتوں کا دف سے گانا سنتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود مجلس میں تھے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ باہر چلے جائیں۔ یاران طریقت نے بیٹھنے پر زور ڈالا۔ تو کہا کہ یہ سُنّت کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا کہ سماع کا انکار کرتے ہو اور پیر کے طریقہ کو چھوڑتے ہو؟ کہا کہ پیر کا طریقہ دلیل اور حجت نہیں۔ قرآن اور حدیث سے دلیل بیان کرنی چاہیئے۔ بعض مخالفوں نے اس واقعہ کی خبر شیخ کو دی کہ شیخ محمود ایسا کہہ رہے ہیں۔ شیخ کو ان کا صدق معاملہ معلوم تھا فرمایا شیخ محمود درست کہتے ہیں۔ حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں: کتاب سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدینؒ کی مجلس میں مزامیر نہ ہوتے تھے۔ اور تالی نہ بجاتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص احباب کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ مزامیر سنتے ہیں تو ان کو منع کرتے اور فرماتے کہ یہ اچھا نہیں: خیر المجالس میں لکھا ہے کہ ایک عزیز شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ کہاں جائز ہے یہ بات کہ مزامیر اور دف اور بانسری اور رباب یہ سب موجود ہیں۔ اور صوفی لوگ رقص کریں؟ خواجہ نے فرمایا کہ مزامیر بالاجماع جائز نہیں۔ اگر کوئی طریقت سے نکل جائے تو اس کا شریعت میں ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ اگر شریعت سے بھی گر جائے تو پھر کہاں جائے۔ پس مزامیر کے پاس بھی نہ جانا چاہیئے کہ شریعت کے خلاف ہے رہا سماع تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اہل کے لئے کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن مزامیر بالاجماع حرام ہیں (السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ ص ۵۵ و ۵۶)

فوائد الفواد (ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء جمع کردہ حضرت علاؤ الدین سنجری) چوتھی فصل قول نمبر ۲۷ میں ہے "پھر آپؒ نے فرمایا کہ اے درویش! اے جو تجھے اس سننے کی قوت دی ہے تو اسی لئے دی ہے کہ خدا کا ذکر سُنے۔ جہاں کلام اللہ پڑھا جاتا ہو وہاں کان لگائے کہ کیا فرمان الٰہی ہے نہ اس لئے کہ ہر ایک کی برائی اور مسخرہ اور راگ باجا اور نوحہ کی آواز سُنے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اس قسم کی آوازوں پر کان لگائے گا قیامت کو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں بھرا جائے گا۔"

از اسرار الاولیاء یعنی ملفوظات حضرت شیخ فرید الدین رحؒ جمع فرمودہ بدر اسحٰق رحمۃ اللہ علیہم

ف: دیکھئے راگ باجہ سننے کو کس سختی سے منع فرماتے ہیں اور کسی فروگذاشت نہیں فرماتے۔

مجلس ۲ صفر ۷۱۸ھ قول ۳۲: اتنے میں ایک شخص آیا اور جماعت کی کیفیت بیان کی کہ اب فلاں موضع میں آپ کے یاروں نے مزامیر کی جماعت مرتب کر رکھی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے یہ بات پسند نہ فرمائی۔ اور کہا کہ میں نے تو بالکل منع کر دیا ہے کہ مجلس میں مزامیر اور محرمات نہ ہوں۔ انہوں نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ اس بارہ میں بہت غلو فرمایا۔ اور سخت تاکید کی۔ اور فرمایا کہ اگر امام نماز میں ہو اور مقتدی اس کے پیچھے ہوں اور جماعت میں عورتیں بھی ہوں اور امام کو سہو ہو جائے تو مرد سبحان اللہ کہیں اور اگر کوئی عورت اس خطا پر واقف ہو تو ہاتھ مارے۔ مگر ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ وہ لہو ہے۔ چاہئے کہ ہتھیلی کی پشت پر مارے۔ غرضیکہ لہو و لعب اور اس طرح کی اور سب چیزوں سے احتراز کرنے کا حکم ہے پس سماع میں بطریقِ اولیٰ۔ یعنی جب کہ دستک میں اتنی احتیاط ہے تو مزامیر کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہے۔ پھر آپؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی مقام سے گرے گا تو شرع میں رہیگا۔ اور جو وہاں سے بھی گر گیا تو پھر وہ کہاں گرا؟ پھر آپؒ نے فرمایا کہ مشائخ کبار نے سماع سُنا ہے اور ان لوگوں نے جو اس کام کے اہل اور صاحب ذوق ہیں جسے کچھ درد ہے وہ تو کہنے والے کے ایک ہی بیت کے سننے میں رقت لے آتا ہے خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں۔ ہاں جو شخص عالمِ ذوق سے بالکل خبر ہی نہ رکھے اگر اس کے آگے کتنے ہی قوال اور کتنے ہی قسم کے مزامیر ہوں جب بھی کچھ فائدہ نہیں کیونکہ وہ اہلِ درد ہی نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کام درد سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ مزامیر وغیرہ سے۔

ف: دیکھئے اس میں مزامیر و محرمات پر کس درجہ ناراضی ظاہر فرمائی۔ اور احکام شرعیہ کو کتنا مہتم بالشان فرمایا۔

ف: جس طرح اس ملفوظ میں حضرت سلطان جیؒ سے مزامیر پر نکیر منقول ہے اسی طرح اقتباس الانوار میں بذیل تذکرہ حضرت شیخ داؤد گنگوہی رحمہ اللہ بسلسلۂ مناظرۂ مُلّا عبد القوی حضرت شیخ موصوفؒ کا قول نقل کیا ہے جس میں اباحتِ مزامیر کا مرجوح ہونا اور جواز کے

تمام مشائخ سے مزامیر سننے کی نفی اور دلالت النص سے اس کا عدم جواز مصرح ہے۔ اس کی یہ عبارت ہے "بر اباحت مزامیر صاحب انتباع بعضے روایات مرجوحہ نقل کردہ است بلکہ استماع آنہا نیز وجہے پیدا می شود اگرچہ پیران ما مزامیر نہ شنیدہ اند۔ بلکہ تصفیق ہم روا نداشتہ" یعنی مزامیر کی اباحت پر صاحب انتباع نے بعض مرجوح روایتیں نقل کی ہیں یہ مزامیر سننے کی وجہ بھی ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ ہمارے پیروں نے مزامیر نہیں سنے۔ بلکہ تالی بجانے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے۔

اور انیس الارواح یعنی ملفوظات حضرت عثمان ہرونی رح مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح

تیسری مجلس قول نمبر ۱: خواجہ عثمان ہرونی رح سے ایک ملفوظ حضرت خواجہ مودود چشتی رح کا نقل کیا ہے کہ خوارزم اور چند شہر گرد اس کے ہیں راگ اور باجوں کی شامت سے اور بعض گناہوں کی وجہ سے خراب اور ویران ہوں گے اور سب آپس میں لڑ مریں گے۔ اور ہلاک ہو جائیں گے۔

ف:۔ دیکھئے اس میں گانے بجانے کی کس قدر مذمت کی گئی ہے۔ اس کے عموم میں سماع متعارف بھی داخل ہے

راگ گانا اور ڈھول باجے اور مفسرین و فقہاء احناف وغیرہ رح

حضرت امام الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حرمت غنا پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ جس میں آپؒ فرماتے ہیں کہ غنا (گانے) کی حرمت کلام خدا اور احادیث سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جو خرید کرتا ہے یعنی اختیار کرتا ہے لہو حدیث کو تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائے۔

تفسیر معالم التنزیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و عبداللہ بن عباسؓ و حسن البصری رح و عکرمہؒ و شعبہ بن جبیرؒ سے منقول ہے کہ لہو الحدیث سے غنا، و مزامیر و آلات لہو مثلاً رباب وغیرہ مراد ہے۔ اور تفسیر مدارک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن مسعودؓ قسم کھا کر کہتے

تھے کہ لہو الحدیث سے مراد غناء ہے؛ در المعانی میں لکھا ہے کہ لہو الحدیث سے غناء و مزامیر مراد ہیں اور کشاف میں ہے کہ لہو الحدیث جیسے غناء اور تعلیم موسیقیات۔ اور مُغنی میں ہے کہ لہو الحدیث غنا اور مزامیر ہے اس کی حرمت اس نص سے یعنی آیت مذکورہ سے ثابت ہے اور جو شخص اس کو حلال جانے وہ کافر ہے۔ اور تفسیر تعلیمی میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد غنا اور بجانا بربط اور دف اور اوتار اور طنبور کا ہے اور یہ سب اس نص سے یعنی آیۃ مذکورہ سے حرام ہے۔ جو شخص ان چیزوں کو حلال جانے وہ کافر ہے اور آیۃ کریمہ ان چیزوں کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے غناء کو لہو الحدیث سے تعبیر فرمایا اور سوائے تین قسموں کے سب لہو حرام ہیں۔ لہو کی حرمت قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بطور توبیخ کے فرمایا ء فحسبتم ان ماخلقنٰکم عبثا یعنی کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بطور عبث کے پیدا کیا ہے یعنی کیا ہم نے یہ فعل عبث کیا ہے اور اس سے ہم کو لہو و لعب مقصود ہے؟ قرطبیؒ نے کہا کہ لہو الحدیث یہی گانا ہے اور یہی صحابہؓ اور تابعینؒ کا قول ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی تفصیل میں بیان کیا کہ لہو الحدیث ہر ایسی چیز ہے جو نیکی سے لہو اور غفلت میں ڈالے جیسے گانا اور مزامیر اور کھیل کود کی چیزیں اور لغو کہانیاں اور حکایتیں اور لغو پہیلیاں اور لغو اشعار اور مضحکہ کی باتیں اور ناول اور افسانے اور بے اصل خرافات حکایات اور گانے بجانے والیاں چھوکریاں وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

احمدؒ ترمذیؒ ابن ماجہؒ طبرانیؒ بیہقیؒ وغیرہم نے حضرت ابو امامہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے والی چھوکریاں خرید یا فروخت مت کرو اور ان کی تجارت میں بہتری نہیں اور ان کے دام حرام ہیں اور ایسے ہی معاملہ میں اللہ پاک کا فرمان ومن الناس من یشتری لہو الحدیث نازل ہوا ہے

ابن ابی الدنیا اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گانے والی چھوکریاں اور ان کا بیچنا اور ان کے دام اور ان کو سکھانا اور ان کے گانے کو کان لگا کر سننا سب حرام کیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ومن الناس من یشتری لہو الحدیث

بیہقیؒ ابن ابی الدنیا اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی جس طرح ساگ اگاتا ہے، گانا اسی طرح دلوں میں نفاق اگاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا اور ابن مردویہ نے حضرت ابو امامہ رضہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی شخص گانے کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پہ دو شیطان مسلط کرتا ہے وہ اس کے دونوں کندھوں پر بیٹھتے ہیں اور اس کے سینے پر اپنی ایڑیوں سے ٹھوکر لگاتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش ہو۔

اور اسی کی مانند امام ترمذیؒ نے بھی مرفوع روایت بیان فرمائی ہے اور معنے یہ ہیں کہ جب تک وہ گاتا رہتا ہے اس وقت تک یہ دونوں شیطان اس کے سینے پر ایڑیوں کی ٹھوکر مار کر ناچتے اور نچاتے رہتے ہیں

ابن مردویہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ سے روایت بیان کی ہے کہ آدمی جو چیز لہو ولعب کی خریدے وہ سب لہو الحدیث میں ہی شامل ہے۔

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر رضہ نے فرمایا کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ کے ساتھ جا رہا تھا، کہ ناگاہ راستہ میں مزمار کی آواز سنی تو ابن عمر رضہ نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے پھر گئے اور برابر مجھ سے پوچھتے جاتے تھے کہ اے نافع! کیا تجھے آواز آتی ہے یا نہیں؟ جب میں نے کہا کہ آواز نہیں آتی ہے تو اس وقت اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا کہ میں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح کیا تھا جس طرح میں نے کیا۔ اور میں بھی اس وقت تیری طرح چھوٹی عمر کا تھا۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو انہیں دو آوازوں احمقوں فاجروں سے منع کیا گیا ہے۔ ایک آواز وقت نغمہ لہو ومزمار شیطان کی ہے اور دوسری آواز وقت مصیبت کے شیطان کی راگنی نکالنا یعنی نوحہ اور بین کرنا واویلا کرنا اور منہ نوچنا اور کپڑے پھاڑنا ہے۔

بہرحال مجموعہ روایات کثیرہ سے گانا صاف حرام ہے اور امام ابن جریرؒ نے فرمایا ہے کہ علماء امصار اس پر متفق ہیں کہ گانا حرام ہے اور اس سے منع کرنا نہایت ضروری ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہان والوں کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھے یہ حکم بھی فرمایا کہ گانے بجانے کے تمام آلات کو اور بتوں کو مٹا ڈالوں

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی جبکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شرمگاہ، ریشم، شراب، (نشہ آور چیز) اور گانے بجانے کے آلات حلال سمجھیں گے (جیسے متعہ، ریشم، بھنگ، افیون اور ڈھول باجے ہرمونیم وغیرہ بکثرت ہیں)

اور اس حدیث کو سہل بن سعد ساعدیؓ، عمران بن حصینؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابو امامہ باہلیؓ، علی بن ابی طالبؓ، انس بن مالکؓ، عبد الرحمن بن سابطؓ، الغازی بن ربیعہؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت سہل بن ساعد الساعدی رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں خسف قذف اور مسخ کے عذاب آئیں گے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کب؟ فرمایا جب گانے بجانے کے آلات اور گانا عام باہر نکل آئیں گے

عمران بن حصین رضؓ سے امام ترمذیؒ نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ میری امت میں خسف و مسخ و قذف ہوگا۔ مسلمانوں میں ایک مرد نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا۔ فرمایا جب گانے والی عورتیں ظاہر ہوں گی اور گانے بجانے کے آلات ظاہر ہو جائیں گے اور شرابیں پی جائیں گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی یہ چیزیں حرام فرما دی ہیں۔ شراب۔ جوا۔ بجانا طبلہ گانے والیاں اور ہر وہ چیز جو مستی لائے حرام ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے یہی روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی

امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان فرمائی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ نشانیاں بھی ہیں کہ باہر نکل آئیں گی گانے والیاں اور گانے بجانے کے آلات (چنانچہ اب مشاہدہ ہے کہ ریڈیو ٹیلیویژن۔ سینما۔ ٹیلیسکوب وی سی آر وغیرہ کثرت ہیں)

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، اور ڈھولک بجانے سے منع فرمادیا ہے
ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی بیان کی ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے (بحکم خدا) شراب، جوا اور ڈھولک سے امت محمدیہ کو منع فرمادیا ہے
امام احمد رح نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ میرے رب عزوجل نے گانے بجانے کے آلات اور بتوں اور صلیبوں کے بارے
حکم دے دیا کہ ان کو محو کردو۔ ختم کردو
صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جرس (گھنگرو اور گھنٹی) بھی شیطان کا مزمار ہے (ذکر اللہ و فکر آخرت سے ہٹاتا ہے)
نیز فرمایا کہ فرشتے اس جماعت کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے جس جماعت میں کتا ہو یا گھنٹی گھنگرو۔
نیز اللہ تعالیٰ نے جو قرآن پاک میں فرمایا واستفزز من استطعت منھم بصوتك ا ور بہکا
کر جدا کر جس کو تو استطاعت پائے ان میں سے اپنی آواز کے ساتھ) اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ
بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد رشید حضرت مجاہد رح فرماتے ہیں کہ بصوتک کا مطلب ہے کہ
گانے اور لہو کے ساتھ یعنی شیطان کے وسوسہ سے ان لوگوں نے گانا سیکھا اور لہو کے مزامیر وغیرہ
بنائے اور ان کی شہوات میں مشغول ہو کر حق سے منقطع ہو گئے۔

شیخ محمد سفارینی حنبلی رحمہ اللہ نے غذاء الالباب لشرح منظومۃ الآداب ج ا ص ۱۳۸ میں لکھا
کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضہ کے تلمیذ حضرت قتادہ رح نے فرمایا کہ جب ابلیس کو اتارا گیا تھا تو اس
نے خدا پاک سے کہا کہ اے رب! تو نے مجھے ملعون کر دیا۔ اب میرا کیا کام ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا
سحر (جادو)۔ کہا میرا قرآن کیا ہے؟ فرمایا شعر! کہا میرا طعام کیا ہے؟ فرمایا ہر مردار اور جس پہ
اللہ پاک کا نام نہ لیا گیا ہو! کہا میں کیا چیز پیا کروں؟ فرمایا ہر مدہوش کرنے والی چیز! کہا میری
رہائش گاہ کہاں ہے؟ فرمایا بازار! کہا میری آواز کیا ہوگی؟ فرمایا آلات گانے بجانے کے یعنی
مزامیر! کہا میری شکار گاہیں کیا ہیں؟ فرمایا عورتیں!
اور طبرانی نے یہی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کی ہے۔

اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب مصاید الشیطان وحیلتہ میں فرمایا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ابلیس نے اس موقعہ پر کہا تھا کہ میرا مؤذن کون ہوگا؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا مزمار (گانا بجانے کا اوزار)

اور علامہ ابن قیمؒ نے فرمایا کہ اس اثر کے شواہد بہت ہیں۔ پھر فرمایا شیطان کا مؤذن مزمار ہونا نہایت مناسب وموزوں ہے۔ کیونکہ گانا شیطان کا قرآن ہے اور ناچ اور تالیاں بجانا اس کی نماز ہے۔ اور امام گویا ہے۔ اور حاضرین اس کے مقتدی ہیں۔

امام رازیؒ نے فرمایا کہ بھونپو سے مراد ہے گانا اور کھیل تماشا

ابوبکر رازی جصاصؒ نے بھی مجاہد کا قول نقل فرمایا ہے کہ بھونپو سے مراد گانا اور کھیل تماشا ہے

ابن حجر مکیؒ نے الزواجر میں امام ابوالعباس قرطبیؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ گانے بجانے کی چیزیں اور ڈھولک کی آواز قصداً سننا حرام ہے اس میں سلف وخلف میں سے کسی کا اختلاف نہیں پایا

غذا الالباب ص ۱۵۳ میں ہے امام خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنی اولاد کے اتالیق استاذ کو یہ بات لکھ بھیجی کہ جو آداب بچوں کو تعلیم دیں گے ان میں سے پہلی بات یہ ہو کہ ان کے ذہن میں کھیل تماشے کے آلات کا بغض بٹھائیں جس کی ابتداء شیطان سے ہے اور اس کی انتہا دشمن کی ناراضی ہے کیونکہ پختہ کار علماء ثقات کے ذریعے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ گانے بجانے کی آواز اور اس کا سننا اور لہجہ ایسی چیز ہے جس سے دل میں نفاق اگتا ہے جیسے پانی سے گھاس

اور ص ۱۵۸ میں لکھا کہ اقناع و منتہی و غایۃ و رعایۃ و انصاف وغیرہ کتب میں ہے کہ بغیر آلات کے گانا گانا اور گانا سننا مکروہ داخل لہو ہے اور آلات کے ساتھ تو صریح حرام ہے۔

اور ص ۱۶۲ میں کہا کہ امام مالکؒ نے گانا گانے اور گانا سننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اگر کسی نے باندی خریدی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ باندی مغنیہ (گانا گاتی) ہے تو چونکہ اس کے اندر یہ عیب ہے اس واسطے وہ باندی بیچنے والے کو واپس کر سکتا ہے۔ اور پھر آپؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ گانا گانا فاسقوں اور فاجر لوگوں کا کام ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ بھی گانا گانے اور گانا سننے کو ناپسند جانتے ہیں اور گناہوں کے کاموں میں سے ایک گناہ کا کام سمجھتے ہیں۔ اور امام صاحب کے علاوہ بھی تمام علماء

کرنے والے مثلاً سفیان ثوری، حماد، ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس سلسلہ میں ان میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اور اہل بصرہ کے علماء میں سے بھی کسی ایک عالم کا اس مسئلہ میں ہمیں اختلاف نظر نہیں آتا۔ وہ سب کے سب گانا گانے اور سننے سے منع ہی کرتے رہے ہیں۔ روح المعانی میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

اغاثۃ اللہفان میں علامہ امام ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حرمت غناء کے مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب تمام مذاہب سے شدید تر ہے اور ان کا قول اغلظ الاقوال ہے۔ اور اس کے اصحاب نے تمام گانے بجانے کے آلات اور ان کی آواز کی حرمت کو بڑی صراحت اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی تصریح کی ہے کہ گانا گانا اور سننا معصیت اور موجب فسق ہے جس سے وہ گانا گانے والا اور گانا سننے والا مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر کہا کہ گانا سننا تو فسق ہے اور اس سے تلذذ حاصل کرنا کفر ہے (ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ) اور امام ابو یوسف (تلمیذ رشید امام ابو حنیفہ) نے فرمایا کہ جس گھر میں گانے بجانے اور اس کے آلات کی آواز سنائی دے رہی ہو اس گھر میں گھر والوں سے اجازت لئے بغیر چلے جاؤ۔ کیونکہ بُرے کام سے روکنا فرض ہے۔ اور اگر اس کو اندر جانا بغیر اجازت کے جائز نہ ہو تو اس فرض کی ادائیگی سے رکاوٹ بن جائیگی۔

اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ادب القضاء میں فرماتے ہیں کہ گانا ایک مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے مشابہ باطل اور محال کے۔ جو اس کی کثرت کرے وہ سفیہ (کم عقل) ہے اور اس کی شہادت مردود ہے۔ قرطبی نے بھی ج۱۴ ص ۵۳ میں امام شافعی کا یہ قول لکھا!

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی معرفت رکھنے والے ان کے اصحاب نے گانا گانے اور گانا سننے کی حرمت کو صراحت سے بیان کیا ہے اور قاضی ابو الطیب طبری اور شیخ ابو اسحق اور ابن الصباغ نے ان لوگوں کے قول کو منکر اور مردود کہا ہے جنہوں نے جھوٹ موٹ حضرت امام شافعیؒ کی طرف گانا مباح ہونے کی نسبت کر دی ہے۔ چنانچہ

شیخ ابو اسحاق رحمہ اللہ "تنبیہ" کا عنوان دے کر لکھتے ہیں۔ کہ حرام منافع پر اجارہ صحیح نہیں جیسے گانا بجانا، شراب اٹھانا۔ اور اس بارہ میں کوئی نہیں بتایا کہ اس مسئلہ میں کسی

کا اختلاف ہے (اس سے معلوم ہوا کہ گانے کی حرمت کا مسئلہ شافعیہ کے ہاں بھی اتفاقی ہے اور اس میں کسی شافعی عالم کا کچھ اختلاف نہیں ہے)

نیز لکھا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اری الزنادقۃ وضعوا ھذا التغبیر لیصدوا الناس عن ذکر اللہ تعالیٰ وقراءۃ القرآن (میرا خیال ہے کہ بے دینوں نے یہ ناچ گانا اس لئے وضع کیا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور قرآن شریف پڑھنے سے باز رکھیں

نیز غذاء الالباب ص ۱۵۲ میں ہے کہ قاضی علاؤالدین رحمہ اللہ نے ان گانے بجانے کے آلات کی تحریم والے حکم کی تصویب فرمائی ہے کہ یہ ٹھیک ہے اور یہی مذہب ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے گانے بجانے کو بدعت اور محدث فرمایا ہے۔ اور ابو داؤد سے یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ چیزیں مجھے خوش نہیں لگتیں۔

اور ص ۱۵۳ میں ہے امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد صاحب سے گانے کی بابت دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ گانا تو دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ نیز فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں لگتا اور امام مالکؒ نے فرمایا انما یفعلہ عندنا الفساق، یعنی ہمارے یہاں تو یہ کام فاسق اور فاجر ہی کرتے ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے ایسے ہی گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے۔ اور جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے ایسے ہی ذکر الٰہی دل میں ایمان کو اگاتا ہے۔

اور بعض عارفین کا قول ہے کہ گانا سننے سے بعض کے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور بعض میں بے حیائی اور بعض میں جھوٹ اور بعض میں فسق و فجور، اور بعضؔ میں رعونت پیدا ہوتی ہے۔ اور زیادہ تر یہ دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں خوبصورتی کا عشق اور فحش اور بے حیائی کی پسندیدگی۔ اور گانے پر مداومت کرنے سے قرآن پاک جیسی نعمت دل سے نکل جاتی ہے۔ اور قرآن پاک کا سننا اس کو پسند نہیں آتا۔ اور یہی تو نفاق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گانا شیطان کا قرآن ہے اور ایک دل میں رحمان کا قرآن اور شیطان کا قرآن جمع نہیں ہو سکتے۔

نیز ص ۱۵۰ میں ہے وقد حکی ابو عمرو بن الصلاح الاجماع علی تحریم السماع الذی جمع الدف والشبابۃ یعنی حضرت ابو عمرو بن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے سماع کی تحریم پر اجماع نقل فرمایا ہے جس میں

دف اور مشتبہ جمع ہوں

اور ص ۱۵۱ میں ہے نقل ابن منصور الطبل لیس فیہ رخصۃ یعنی ابن منصور رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء کرام سے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ ڈھول بجانے و سننے کی شریعت میں کوئی رخصت نہیں ہے
نیز فرمایا جزم ابن عبدوس فی تذکرتہ بالتحریم یعنی حضرت ابن عبدوس رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں ڈھول وغیرہ کی تحریم کو قطعی طور پر ثابت فرمایا ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت شعبیؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعن اللہ المغنی والمغنی لہ یعنی اللہ تعالیٰ نے گانے والے پر بھی لعنت کی ہے اور اس پر بھی جس کے لئے گانا گایا جائے۔

اور طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے گانا گانے سے بھی اور گانا سننے سے بھی۔

اور سنن الہدیٰ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ نہی النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم عن الغناء والاستماع الی الغناء (معنے وہی اوپر والے ہیں)

اور مغنی میں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء النبات یعنی غناء نفاق کو اس طرح اگاتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے جس طرح پانی گھاس کو

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف احیاء العلوم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُذْهَبَ الاسلامُ اللهوَ والباطلَ والغناءَ اسلام لہو، باطل اور غناء کو لے گیا یعنی اسلام نے ان تینوں کو باطل کر دیا

اور طبرانی نے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القینۃ سحت وغناؤھا حرام یعنی لونڈی گانے والی غضب النبی کا سبب ہے اور اس کا گانا حرام ہے۔

اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غنا نفاق کو ایسا ہی اگاتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء الزرع

اور الحقائق میں لکھا ہے کہ مجرد الغناء والاستماع الیہ معصیۃ یعنی نفس غنا راگ گانا، اور اس کا سننا گناہ ہے

غذاء الالباب ص ۲۶۲ میں ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ نے بھی ابن یتیموں کے بارے کھول کر مسئلہ بتایا جو مغنیہ (گونیا) باندھی کے وارث ہوئے اب اسے بیچنا چاہتے ہیں کہ اس کو سادہ یعنی غیر مغنیہ باندھی کی قیمت پر بیچا جائے۔ مثلاً مغنیہ باندھی کی قیمت بیس ہزار ہو اور سادہ کی دو ہزار ہو تو دو ہزار پر بیچی جائے۔

اب خود ہی غور فرمائیے کہ اگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک گانے کا منافع مباح ہوتا تو ان یتیموں کے حق میں اتنے بڑے خسارے کا حکم کیوں دیتے۔

ذیل طبقات حنابلہ ج ۲ ص ۱۳ میں عبد الغنی بن عبد الواحد الحافظ تقی الدینؒ کا قول نقل ہے ذلک (الدف والشبابۃ) عندی حرام

اور ص ۱۰۱ میں ہے قال الشیخ (العماد ابراہیم بن عبد الواحد عند سماع صوت طنبور) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یعنی حضرت شیخ العماد ابراہیم بن عبد الواحد رحمہ اللہ تعالٰی نے طنبور کی آواز سن کر لاحول پڑھی۔

اور مضمرات میں ہے من اباح الغناء یکون فاسقا یعنی جو راگ کو مباح سمجھے وہ فاسق ہے

اور اختیار میں ہے انہ کبیرۃ فی جمیع الادیان یعنی راگ ہر دین میں گناہ کبیرہ ہے

اور محیط میں ہے التغنی والتصفیق واستماعہما کل ذلک حرام ومستحلہا کافر یعنی راگ گانا اور تالی بجانا اور ان دونوں یعنی گانے اور تالی کی آواز سننا یہ سب حرام ہے اور ان دونوں امروں کو حلال اور مباح سمجھنے والا کافر ہے

اور اختیار الفتاوٰی میں ہے ویکرہ الترجیع بقراءۃ القرآن والاستماع الیہ لانہ یشبہ بفعل الفسقۃ حال فسقہم والتغنی یعنی قرآن مجید پڑھتے وقت حلق میں آواز گھمانا اور پھرانا مکروہ اور ناپسندیدہ کام ہے اور اس آواز کی طرف کان دھر کے سننا بھی مکروہ ہے، کیوں کہ ان دونوں کاموں میں فاسقوں کے کام کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے جو وہ اپنے فسق کی حالت میں کرتے ہیں۔ اور وہ ہے فعل تغنی یعنی راگ گانا۔

اور جامع الفتاوٰی میں ہے "استماع الملاہی والجلوس علیہا وضرب المزامیر والرقص کلہا حرام ومستحلہا کافر" یعنی لہو ولعب اور کھیل تماشا والوں کا کلام سننا اور وہاں بیٹھنا اور مزامیر بجانا اور رقص کرنا (ناچنا) یہ سب باتیں حرام ہیں۔ اور جو شخص ان کاموں کو حلال اور مباح سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔

اور حمادیہ میں نافع سے منقول ہے "اعلم ان التغنی حرام فی جمیع الادیان" یعنی یہ بات یاد رکھو کہ راگ گانا ہر دین میں حرام ہے۔

ہدایہ ج ۳ ص ۴۷۴ میں ہے "لان ہذا غیر جائز لانہ معصیۃ فی حقنا وفی حقہم" یعنی راگ ناجائز ہے کیونکہ یہ ہمارے حق میں بھی گناہ ہے اور ان کفار کے حق میں بھی گناہ ہے۔

نہایہ میں ہے کہ "التغنی والطنبور والبربط والدف واشباہ ذلک کل ذلک حرام و معصیۃ لقولہ تعالٰی ومن الناس من یشتری لہو الحدیث" یعنی "راگ گانا" اور "طنبور" "بربط" "دف" اور جو آلات اس طرح کے ہیں وہ سب کے حرام ہیں اور ان کا استعمال گناہ کا کام ہے اور یہ حکم اللہ تعالٰی کے کلام "ومن الناس من یشتری لہو الحدیث" سے ثابت ہے۔

تاتارخانیہ میں تیمیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے "سئل الحلوائی عمن سموا انفسہم بالصوفیۃ فاختصوا بنوع لبس واشتغلوا باللہو والرقص وادعوا لانفسہم منزلۃ فقال افتروا علی اللہ کذبا؛ وسئل ان کانوا زائغین من الطریق المستقیم ہل ینفون من البلاد لقطع فتنتہم عن العامۃ؟ فقال اماطۃ الاذی ابلغ فی الصیانۃ واشمل فی الدیانۃ وتمییز الخبیث من الطیب ازکی واولی" یعنی شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہوں نے اپنا نام صوفیہ رکھ رکھا ہے اور اپنے لئے ایک خاص نوعیت کا لباس اختیار کر کے دوسروں سے اپنے آپ کو ممتاز کر رکھا ہے اور ساتھ ہی یہ لوگ لہو رقص اور وجد میں مشغول ہیں۔ اور اپنی شان میں عالی اور بلند مرتبہ اور مقام کا دعوٰی کرتے ہیں؟۔ تو شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگوں نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے۔ اور پھر اس کے بعد شمس الائمہ حلوائی سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ اگر یہ لوگ راہ مستقیم سے کج روی اختیار کئے ہوئے ہیں تو کیا ان کو شہر بدر

کر دینا چاہئے تاکہ عوام الناس ایسے لوگوں کے فتنہ سے بچ جائیں؟ تو اس سوال کے جواب میں شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ جو چیز تکلیف کا باعث ہو اس کو دور کر دینا بھی بہتر ہوتا ہے تاکہ لوگ اس سے محفوظ رہیں اور دیانت میں بھی یہی بہتر ہے۔ اور فرق و امتیاز کر دینا خبیث اور طیب کے مابین اور بھی بہتر ہے اور خوب ہی ستھرائی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اخبار الاخیار کے حاشیہ پر مکتوبات ص ۹۹ و ۹۸ و ۰ ۰ ۲ میں لکھا ہے کہ مزامیر باتفاق حرام است۔ نیز اخبار الاخیار ص ۸۲ میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیا از مزامیر منع می کرد (خواجہ نظام الدین اولیا، مزامیر سے منع کرتے تھے

فتاوی بیہقی میں ہے التغنی و استماعہ و ضرب الدف و جمیع انواع الملاہی حرام و مستحلہا کافر ہدے اللہ تعالی الزہاد و الجہلۃ الذین ابتلوا بہ خیف علیہم الکفر یعنی راگ گانا اور راگ سننا اور دف بجانا اور ہر قسم کا کھیل حرام ہے اور جو ان کاموں کو حلال اور مباح سمجھے وہ کافر ہے۔ اللہ تعالی ہدایت دے ان زاہدوں اور جاہلوں کو جو گانے بجانے میں مبتلا ہیں۔ ان کے حق میں کفر کا خطرہ ہے۔

ترمذی، ابن ماجہ، دارمی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کل شئ یلہو بہ الرجل باطل إلا رمیہ بقوسہ و تادیبہ فرسہ و ملاعبتہ امرأتہ و انہن من الحق یعنی جو چیز کہ کھیل بنائے کوئی آدمی تو وہ باطل ہے مگر ۱ تیر اندازی اور ۲ پھیرنا یعنی اپنے گھوڑے کو سکھانا اور ۳ اپنی بیوی سے کھیلنا یہ تین قسم کے کھیل حق ہیں یعنی جائز ہیں۔

امام البند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عالم متقی کامل شیخ محمد فرخ صاحب سرہندی رحمہ اللہ نے اس بارہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے کہ ستر (۰ ۷) فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ غنا یعنی راگ حرام ہے اور شیخ موصوف نے اس رسالہ میں ان فقہاء کرام کے نام تفصیل سے لکھے ہیں۔

گر منع بذا ایک فرقہ اباحیہ ہے جو شیعہ، خوارج، معتزلہ وغیرہ کی طرح بتدریج فرقہ ہے اور اہل السنۃ والجماعت سے الگ ہے۔ اس فرقہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت کریمہ ومن الناس من یشتری لہو الحدیث سے ہر قسم کے گانے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف وہ گانا حرام ہے جو بطریق لہو ہو۔ اور جو گانا لہو کے طریق پر نہ ہو وہ حرام نہیں ہے۔

مگر یہ قول باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ جب لہو الحدیث کی تفسیر غناء کے ساتھ ہوئی جیسے اسی آیت کی تفسیر محقق طریق پر بیان کی جا چکی ہے یعنی لہو الحدیث مفسَّر ہے اور غناء مفسِّر ہے۔ اور خود غناء ہی لہو الحدیث ہے۔ پھر مفسِّر کو مفسَّر کے ساتھ مقید کرنے کے کوئی معنے نہیں ہیں اور قواعد علمیہ کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح فرقہ اباحیہ کی ایک دوسری جماعت ہے وہ کہتی ہے کہ آیت کریمہ ومن الناس من یشتری لہو الحدیث کی ظاہر عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مطلقاً اور ہر حال میں غناء حرام نہیں ہے۔ بلکہ وہ غناء حرام ہے جو اِضلال کا باعث ہو یعنی اس غناء سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنا منظور و مقصود ہو۔

لیکن اباحیہ کی اس جماعت کا بھی یہ قول اور تاویل باطل مردود اور غلط ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ غناء لہو الحدیث ہے تو اس کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اور دوسرے لوگوں کے اضلال کی قید جو فرقہ اباحیہ کی اس جماعت کے باطل وہم و مردود خیال کا منشأ ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس تقیید کی مثال ایسی ہے جیسے حدیث پاک میں وارد ہے قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک قال ثم ای؟ قال ان تزنی حلیلۃ جارک (الحدیث مشکوٰۃ ص ۱۶ و ۱۷) نیز وارد ہے والملحد فی الحرم وان تزنی حلیلۃ جارک یعنی کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ یہ ہے اولاد کو اس ڈر کے مارے قتل کرنا کہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا اور حرم کے اندر دین سے پھرنا۔ اب ظاہر ہے کہ دین سے پھرنا مطلقاً حرام ہے جس جگہ بھی ہو۔ لیکن الحاد فی الحرم یعنی حرم کے اندر رہ کر دین سے پھرنا اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ اسی طرح زنا مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔ لیکن ہمسایہ کی بیوی

اولاد کا قتل کرنا مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔ بھر غیبل سے زنا کرنا نہایت ہی برا ہے۔ اسی طرح اولاد کو قتل کرنا کہ اگر یہ زندہ رہا تو میری روزی میں کمی ہو جائے گی بہت ہی بد ترامر ہے۔ بالکل اسی طرح اس آیۂ کریمہ میں لیضل عن سبیل اللہ کی وہی حیثیت ہے جو خشیۃ ان تطعم معک اور حلیلۃ جارک اور فی الحرم کی حیثیت ہے۔ تو آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نہایت مذمت فرمائی ہے جنہوں نے لہو الحدیث یعنی گانے بجانے کو جو اپنی جگہ خود بھی حرام اور قبیح امر ہے دوسرے لوگوں کے گمراہ کرنے کی غرض سے اختیار کر لیا ہے۔ بہر حال اصل غناء کی اباحت اس آیت کریمہ سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اور نیز سلف خلف میں سے کسی ایک خدا ترس عالم نے اس آیت کریمہ سے اباحت غنا نہیں سمجھی۔

جواہر الفتاوٰے سے نقل کرتے ہوئے فتاوٰے عالمگیریہ میں لکھا ہے الرقص والقول و الرقص الذی یعد الصوفیۃ فی زماننا حرام لایجوز القصد الیہ والجلوس علیہ وہو والغناء و المزامیر سواء یعنی راگ گانا اور راگ سننا اور وجد جیسے ہمارے زمانہ کے صوفی لوگوں نے معمول بنا لیا ہے یہ حرام ہے نہ اس کا قصد کرنا جائز ہے اور نہ وہاں بیٹھنا جائز ہے۔ اور صوفیہ کا یہ کام اور راگ گانا اور ساز بجانا یہ سب حرمت میں ایک سے ہیں۔

ضروری فائدہ

گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ روئے زمین پر سب سے پہلا گانے والا ابلیس تھا گانے کے بعد اس نے تالیاں بجائیں پھر دوڑا اور چیخا۔

عرب میں سب سے پہلے دو لوہاروں نے قوم عاد کے لئے راگ اور گانا گایا اور اسلامی عہد میں طویس نے راگ گانا گایا جس کے متعلق یہ مشہور عام بات ہے کہ وہ منحوس ترین آدمی تھا۔ نحوست میں ضرب المثل ہے چنانچہ عرب کسی کی نحوست بیان کرتے وقت کہا کرتے ہیں فلانٌ اشأم من طویس یعنی فلاں آدمی تو طویس نامی منحوس سے بھی زیادہ تر منحوس آدمی ہے۔

تواریخ میں یہ بات ملتی ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے علم موسیقی ایجاد کیا ہے اس کا

نام فیثا غورث ہرمس تھا۔ اور اسی نے الحان کے اصول و ضوابط وضع کئے تھے۔ اور
سب سے پہلا شخص جس نے گانے کے لئے بانسری ایجاد کی ہے اس کا نام لانک بن
قانیان تھا۔ اور بہجۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ بانسری کا موجد حکیم بطلیموس موسیقی
والا ہے اور زیادہ ظاہر بات یہی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ؛
ابن حجر مکی رحمہ نے کتاب الزواجر ج ۲ ص ۱۷۱ میں فرمایا ہے اول من اتخذ المزامیر
بنو اسرائیل سب سے پہلے بنی اسرائیل نے گانے بجانے کے ساز باجے بنائے ہیں۔
بائبیل میں مزمور ۱۵۰ میں ہے "خداوند کی اس کے مقدس میں حمد کرو ...... نرسنگے کی آواز
کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ سارنگی اور بربط کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ خنجریوں اور رقص کے ساتھ اس
کی حمد کرو۔ تار دار سازوں اور ارغنوں کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ جھانجوں کی آواز کے ساتھ
اس کی حمد کرو۔ جھانجوں کی جھنجھناہٹ کے ساتھ اس کی حمد کرو ہر متنفس سے خداوند کی حمد ہو
اور مزمور ۱۴۹ گیت اور تلوار سے خدا کی حمد۔ ہللویاہ خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ
مقدسوں کی جماعت میں اس کی حمد گونج اٹھے۔ اسرائیل اپنے خالق سے شادماں ہو ...... ناچتے ہوئے
کے ساتھ اس کی حمد کریں۔ خنجریوں اور بربط کے ساتھ اس کی مدح سرائی کریں الخ
مزمور ۱۴۷ : خداوند کی حمد کرو کیونکہ وہ نیک ہے ...... شکر گزاری کے ساتھ خداوند کے
لئے گاؤ۔ بربط کے ساتھ ہمارے خدا کی مدح سرائی کرو الخ
مزمور ۱۴۳ : اے خداوند میں تیرے لئے ایک نیا گیت گاؤں گا۔ میں دس تاروں کی سارنگی
کے ساتھ تیری مدح سرائی کروں گا تو جو بادشاہوں کو فتح بخشتا ہے۔
مزمور ۹۷ : خداوند کے لئے بربط کے ساتھ مدح سرائی کرو۔ بربط اور ستار کی آواز کے
ساتھ۔ بادشاہ خداوند کے روبرو۔ نرسنگوں اور قرنا کی آواز سے للکارو۔
مزمور ۹۱ : اے حق تعالیٰ خداوند کا شکر ادا کرنا اور تیرے نام کی مدح سرائی خوب ہے ......
دس تاروں کے ساز اور سارنگی پر اور بربط کے نغمے کے ساتھ کیونکہ تو اے خداوند اپنی صنعت
سے مجھے خوش کرتا ہے۔ میں تیرے ہاتھ کے کاموں کے سبب سے شادمانی کرتا ہوں۔
اسی طرح کثرت سے یہ مضمون انجیل میں ہے مگر ہمارے نبی نے فرمایا امرنی ربی بمحق المعازف و

کے آلات کو مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔

المزامیر یعنی میرے رب نے مجھے ساز بجانے اور گیت

بلکہ ہمارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ساز باجوں کے ساتھ قرآن پاک پڑھنے والا کافر

شرح فقہ اکبر ص ۲۰۵ میں لکھا ہے

ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے

وفی الخلاصۃ من قرأ القراٰن علی ضرب الدف والقضیب یکفر قلت ویقرب منہ

ضرب الدف والقضیب مع ذکر اللہ تعالٰی ونعت المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ و

آلہ وسلم وکذا التصفیق علی الذکر یعنی خلاصۃ الفتاوٰی میں ہے کہ جو شخص دف یا نے بانسری

وغیرہ بجا بجا کر قرآن کریم پڑھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو کہ

دف یا نے بجا بجا کر ذکر الٰہی کرے اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی

وقت تالیاں بجائے۔

نعت پڑھے اور اسی طرح جو ذکر کرتے

قدیم مصر میں دو بت تھے ایک سیت جسے خداوند شر سمجھا جاتا تھا اور دوسرا اس کا بھائی اوسیرز

جسے خداوند خیر سمجھا جاتا تھا وہاں اوسیرز کا سالانہ تہوار نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔

عورتیں باجے گاجے کے ساتھ اوسیرز کا بت لے کر نکلتی تھیں اس کے بعد فحش حرکات کرتی تھیں

بحیرۂ روم کے مشرقی سواحل کے ممالک میں بیہ پاپس کا بت برہنہ بنایا جاتا تھا اور جن لڑکیوں کی

شادی ہونے والی ہوتی تھی یا عورتیں بانجھ ہوتی تھیں وہ اس بت ...... پر پھول چڑھاتی تھیں

سالانہ تہوار کے دن اس بت کو رتھ میں بٹھا کر عورتیں گاتی بجاتی ہوئی بصورت جلوس نکلتی تھیں

تحفۃ الہند ص میں ہے کہ ہندو لوگ اپنے معبود کشن جی کی عبادت میں گانا راگ گاتے

ہیں تاشے باجے بجاتے ہیں ناچتے اور کودتے ہیں۔ تالیاں بجاتے ہیں

برہما کے بالائی حصہ میں رواج ہے کہ ہر سال فصل بہار کے وقت لوگ ایک بت کا جلوس نکالتے

ہیں .... اور جلوس نکالنے والے بہت فحش قسم کا مذاق کرتے ہوئے اور گالیاں گاتے ہوئے ساتھ

ساتھ چلتے ہیں

یونان میں ابتدائے اپریل و مئی میں فلوریلیا دیوی کے نام سے جو میلہ آٹھ روز تک ہوا کرتا تھا

اس موقعہ پر کسبی عورتیں سب کے سامنے برہنہ ہو کر نہایت ہیجان انگیز ناچ ناچا کرتی تھیں۔

عورتوں کی آواز کا شرعی حکم اور گانا بجانا

در مختار۔ طبع ہند ص ۳۰۴ میں لکھا ہے ویکرہ (الظاہران الکراہۃ تحریمیۃ) اذان جنب و اقامتہ...... واذان امرأۃ وخنثی۔ یعنی جنبی کی اذان و اقامت ہر دو مکروہ تحریمی ہیں۔ اور عورت اور خنثی کی اذان بھی مکروہ تحریمی ہے۔

اسی طرح عالمگیری ص ۳۴ میں بحوالہ خلاصۃ الفتاوی وکافی وغیرہ تمام کتب میں موجود ہے اب علماء کرام نے اس کراہت تحریمیہ کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں جیسے ہدایہ ص ۵۹ میں حاشیہ ۳۵ پر مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے نہایہ شرح ہدایہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ عورت کی اذان مکروہ تحریمی ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے لان اذان النساء لم یکن فی المتقدمین فکان من جملۃ المحدثات (کہ عورتوں کی اذان متقدمین یعنی صحابہؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے میمون و مبارک عہد میں نہ تھی۔ اس لئے عورت کی اذان تو بیاً کرہ وہ بدعتوں میں سے ایک بدعت ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار

دوسری وجہ عورت کی اذان مکروہ تحریمی ہونے کی یہ ہے ولان المؤذن مندوب الی رفع صوتہ حتی یستحب لہ ان یعلو المنارۃ او اعلی المواضع عند الاذان۔ والمرأۃ منھیۃ عن رفع الصوت لان فی صوتہا فتنۃ ولذا جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم التسبیح للرجال والتصفیق للنساء وکذلک منھیۃ عن تشہیر النفس بان یکون فی بیتہا وراء الحجاب فلذا یستحب اخفاؤہ اذانہا (یعنی مؤذن کو حکم ہے کہ اذان میں اپنی آواز کو بلند کرے حتیٰ کہ اس کیلئے پسندیدہ اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ منارہ یا اور کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اذان کہے (نیز اپنے کانوں میں انگلیاں دے تاکہ اور اونچی آواز ہو) لیکن عورت کو بلند آواز کرنا منع ہے اس لئے کہ اس کے بلند آواز کرنے میں فتنہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جماعت ہو رہی ہو اور امام کو بھول ہو جائے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ تسبیح یعنی سبحان اللہ تم کہیں اور عورتوں کو حکم دیا کہ تصفیق کریں یعنی ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ ماریں مگر مردوں کی طرح تم سبحان اللہ مت کہو نیز عورت کو اپنا آپ ظاہر کرنا شریعت میں ممنوع ہے۔

عورت کو تو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے گھر میں پردہ کے اندر رہے (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى) یہی تو وجہ ہے کہ اگر عورت اذان کہہ بھی دے تو مردوں کو چاہیئے کہ دوبارہ اذان دیں

اور ہاتھ پہ ہاتھ مارنے کا حکم جو سہو امام کے وقت عورت کو ہے اس کا وہ طریقہ نہیں ہے جو کھیل کی صورت بن جائے یعنی تالی بجے۔ بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں (ج ۱ ص ۹۶ و ۹۷) البحر الرائق کے حوالہ سے لکھا ہے قالوا ہٰذا فی حق الرجال، اما فی حق النساء فانہن یصفقن وکیفیتہ ان تضرب بظہور اصابع الیمنیٰ علی صفحۃ الکف من الیسریٰ یعنی تسبیح کہنے کا حکم تو مردوں کے حق میں ہے۔ اور رہیں عورتیں تو وہ ہاتھ پہ ہاتھ ماریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پیٹھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ مارے۔

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے فان اذان المرأۃ لا یکون علی وجہ السنۃ بل علی وجہ البدعۃ لانہا لو رفعت صوتہا فی اعلی موضع ارتکبت بدعۃ والا لم تؤذن علی وجہ السنۃ وترک وجہ السنۃ بدعۃ یعنی عورت کی اذان مسنون طریقہ پہ نہیں ہوتی بلکہ بدعت کے طریقہ پہ ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ عورت اونچی جگہ پہ بلند آواز سے اذان کہتی ہے تو بدعت کی مرتکب بنتی ہے اور اگر ایسا نہیں کرتی تو سنت طریق پہ اس کی اذان نہ ہوئی اور سنت طریقہ کا چھوڑنا ہی بدعت ہے۔

رات کی نماز اکیلا مرد پڑھے تو بلند آواز سے قرآن پاک کی قراءت کرسکتا ہے۔ مگر عورت کسی نماز میں کوئی لفظ اونچی آواز سے نہیں پڑھ سکتی۔ سب نماز پست آواز سے پڑھے

۹ ذی الحجہ کی نماز فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی نماز عصر تک ۲۳ نمازیں فرض: نماز کا سلام پھیر کر شہر میں رہنے والے مقیم مردوں پہ واجب ہے کہ ایک بار بلند آواز کے ساتھ تکبیرات تشریق پڑھیں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد بشرطیکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔ اگر اس باجماعت نماز میں مسافر بھی ہے وہ بھی بلند آواز سے پڑھے۔ مسبوق بھی پڑھے باوازِ بلند۔ لیکن اگر ان نمازوں میں عورت بھی شریک تھی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی تو فتجب علیہا بالتبعیۃ لکنہا لا تجہر بل تخفی بہا سرا اس عورت پر بھی مردوں کی اتباع میں تکبیرات تشریق واجب تو ہوگئی ہیں لیکن بلند آواز سے نہ کہے بلکہ آہستہ

اور پست آواز

اور پست آواز سے کہے (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ از مولٰنا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ)
حج یا عمرہ کا جب احرام باندھتے ہیں تو بلند آواز کے ساتھ مردوں کو تلبیہ کہنے کا حکم ہے۔
یعنی یہ الفاظ پڑھے لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک و الملک لک لاشریک لک لبیک۔

مگر عورت کو یہ حکم ہے کہ لا تلبی جھرا بل تسمع نفسھا لان فی جھرھا احتمال الفتنۃ بلند آواز کے ساتھ تلبیہ نہ کہے بلکہ صرف اپنے آپ کو سنائے اس لئے کہ عورت کا بلند آواز کے ساتھ تلبیہ کہنے میں فتنہ کا احتمال ہے (شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایۃ ص ۳۳۹)

زبدۃ النہایہ لعمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ از مولٰنا محمد عبدالحمید اخی مولٰنا محمد عبدالحی ج ۳ ص ۱۱۳ میں ان لوگوں کی فہرست میں جن کی شہادت نامقبول و نامنظور ہے نائحہ اور مغنیہ بھی ہیں نائحہ کہتے ہیں بین کرنے والی عورت یعنی وہ عورت جو رو رو کر بلند آواز سے مردہ آدمی کی خوبیاں بیان کرے۔ اور مغنیہ کہتے ہیں راگ سے گانے والی عورت کو۔

اس پر محشی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں والتغنی باللھو معصیۃ فی جمیع الادیان خصوصًا ان کان الغناء من المرأۃ فان نفس رفع الصوت منھا حرام فضلًا من ضم الغناء الیہ یعنی لہو کے طریقے سے راگ گانا تمام دینوں اور سب مذہبوں میں حرام اور گناہ ہے خاص کر جب کہ گانے والی عورت ہو۔ کیونکہ عورت کا صرف اپنی آواز کو اونچا کرنا ہی حرام ہے اور پھر راگ کا اس کے ساتھ منضم ہونا مزید برآں گناہ ہے جیسے مثل مشہور ہے ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا۔

اسلامی نکاح کے شرعی احکام

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے بارے مختصر طور پر کچھ ضروری باتیں لکھ دی جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس پر عمل کیا جا سکے

معلوم رہے کہ نکاح وہ عقد ہے جس کو شرع نے عورت سے صحبت حلال ہونے کے لئے مقرر فرما دیا ہے

نکاح صرف دو لفظوں سے ہو جاتا ہے جب کہ دو گواہوں کے روبرو لیے جائیں۔

پہلے لفظ کو ایجاب کہتے ہیں اور دوسرے لفظ کو قبول کہتے ہیں

مثلاً کوئی شخص کسی مرد کو مخاطب کر کے دو گواہوں کے سامنے کہے "میں نے اپنی چھوٹی بیٹی جمیلہ کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا"۔ دوسرے نے کہا "میں نے قبول کیا" بس نکاح ہو گیا، اور دونوں میاں بیوی ہو گئے۔ یا دولہا نے دولہن کے باپ سے کہا "میرا نکاح اپنی فلاں بیٹی رقیہ سے کر دو" اس نے کہا "میں نے نکاح کر دیا" ان دونوں کا ایجاب قبول دو گواہوں نے سنا۔ بس نکاح ہو گیا۔

نکاح ہوتے وقت، میاں بیوی دونوں کو اس کا علم ہونا ضرور ہے کہ فلاں کے ساتھ نکاح ہوتا ہے

اگر نکاح کی مجلس میں خود عورت موجود ہے نکاح کرتے وقت اس کی طرف صرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے، اس عورت کا نام لینا اب ضروری نہیں۔

مجلس نکاح سے دولہا دولہن میں سے جو غیر حاضر ہو اس کے نام کے ساتھ اس کے والد کا نام بھی لینا چاہیئے

ایجاب قبول کے الفاظ اتنی اونچی آواز سے بولے جائیں کہ گواہ بخوبی سن لیں اور ان کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کا نکاح فلاں عورت کے ساتھ ہوا ہے۔

دو گواہوں کا مسلمان مکلف عاقل بالغ ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں اکٹھے ایک ساتھ ایجاب و قبول کو سنیں۔ ورنہ نکاح نہ ہوگا

گواہ اگر دو مرد مسلمان نہ ہوں بلکہ ایک مرد گواہ ہو اور دو عورتیں مسلمان تو بھی نکاح ہو جاتا ہے۔

اور اگر مجلس نکاح میں غیر مسلم (کافر) گواہ ہیں اور دو مسلمان نہیں تو نکاح نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک گواہ مرد جوان ہے اور دوسرا نابالغ لڑکا گواہ ہے تب بھی نکاح نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک مرد جوان گواہ ہے اور دو نابالغ لڑکیاں یا ایک جوان عورت اور دوسری نابالغ لڑکی ہے اس صورت میں بھی نکاح نہیں ہوا کیونکہ صحت نکاح کی شرط نہیں پائی جاتی۔

دو گواہ اندھے ہوں مگر کانوں سے سنتے ہوں بہرے نہ ہوں ان کی گواہی پر نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ گواہوں میں باقی شرطیں سب پائی جاتی ہوں

نکاح کے واسطے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مجمع عام میں کیا جائے پھر سب سے بہتر یہ ہے کہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کر چکنے کے بعد مجمع عام میں کیا جائے تاکہ نکاح کی شہرت ہو جائے

نکاح کا مسنون طریقہ

مشہور بہتر اور مسنون طریقہ نکاح کا یہ ہے کہ پہلے عورت کا ولی (باپ۔ بھائی۔ تایا چچا۔ دادا۔ چچازاد بھائی۔ بھتیجا وغیرہ) عورت سے دو گواہوں کے سامنے اجازت لے۔ مہر کا بھی ذکر ہو جائے تو بہتر ہے۔ مثلاً جس عورت کا نکاح ہونے لگا ہے اس کو اونچی آواز سے سنا دے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں کے بیٹے فلاں کے ساتھ اتنی مقدار مہر کے عوض میں کر دیا۔ ان الفاظ کو گواہ بھی سن لیں۔ عورت اگر کنواری ہے اور یہ الفاظ کہنے والا اس کا باپ ہے تو صرف اس عورت کا خاموش ہو رہنا ہی ایسا سمجھا جائے گا جیسے اس نے اپنی زبان سے نکاح کی اجازت دے دی ہے اور اگر اجازت لینے والا والد کے سوا کوئی دوسرا شخص ہے۔ یا اس عورت کا یہ دوسرا نکاح ہونے لگا ہے تو پھر اس عورت کا خاموش ہو رہنا کافی نہ ہوگا بلکہ زبانی اجازت دے اور صاف صاف کہے "مجھے منظور ہے" یا "میں نے اجازت دی"۔ پھر ولی اور گواہ مجلس عقد میں آکر قاضی صاحب کے سامنے بیان کریں کہ ہم فلاں عورت سے اجازت لے آئے ہیں۔

بہتر تو یہ ہے کہ اگر ولی خود خطبۂ نکاح پڑھ سکتا ہو تو وہ آپ ہی خطبۂ نکاح پڑھے

اور آپ ہی نکاح پڑھائے۔ اور اگر ولی کو نکاح کا خطبہ پڑھنا نہیں آتا تو قاضی صاحب یہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھیں

خطبۂ نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا نَسْاَلُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنَا مِمَّنْ يُّطِيْعُهٗ وَيُطِيْعُ رَسُوْلَهٗ وَيَتَّبِعُ رِضْوَانَهٗ وَيَجْتَنِبُ سَخَطَهٗ فَاِنَّمَا نَحْنُ بِهٖ وَلَهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَنَاتِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

پھر ولی انہی دو گواہوں کے سامنے دولہا سے کہے کہ "میں نے فلاں نام کی عورت جو میری بیٹی ہے (اگر ولی باپ ہو) اس کا نکاح بدلے اتنے قدر مہر کے تمہارے ساتھ کر دیا۔ تم نے قبول کیا؟" دولہا اونچی آواز سے کہے "میں نے قبول کیا" تاکہ گواہ یہ الفاظ اپنے کانوں سے سن لیں۔ ایک ہی دفعہ کہہ دینے سے نکاح ہو جاتا ہے تین بار کہلانا کوئی ضروری نہیں ہے۔

اور اگر ولی خود نکاح نہیں پڑھا سکتا تو قاضی صاحب کو نکاح پڑھانے کی اجازت دیدے کہ میری طرف سے آپ نکاح پڑھا دیں۔ تب قاضی صاحب ولی کی طرف سے ہو کر یہ الفاظ کہے کہ میں اس ولی کی طرف سے اجازت پاکر فلاں نام کی لڑکی جو فلاں کی بیٹی ہے اس کا نکاح بعوض اس قدر مہر کے تمہارے ساتھ کر دیا۔ تم نے قبول کیا؟ دولہا کہے "میں نے قبول کیا"۔ اونچی آواز سے کہے۔

اس کے بعد چھوہارے یا بادام یا اور کوئی شیرینی لوگوں (حاضرین) میں لٹا دیے پھر قاضی صاحب دولہا سے متوجہ ہو کر یہ کہے اور سب حاضرین بھی یہی کہیں کہ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي الْخَيْرِ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو مبارک کرے اور برکت دے اور تم دونوں میاں بیوی بہ خیر و خوبی والفت تمام عیش کرو۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تنبیہ:۔ اکثر جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ نکاح خوان حضرات پہلے ہی ایجاب و قبول کروا لیتے ہیں اور خطبۂ نکاح بعد میں پڑھتے ہیں حالانکہ صحیح سنت طریقہ یہی ہے کہ خطبۂ نکاح ایجاب و قبول سے پہلے ہو جیسے مسند دارمی میں صریح الفاظ ہیں کہ خطبۂ نکاح کے بعد نکاح کیا جائے ثُمَّ تَقْرَءُ بَعْدَ خُطْبَتِهٖ حَاجَتَهٗ دیکھو مشکوٰۃ ص ۲۷۶۔

ہدایت نکاح کی بعض مجلسوں میں چھوہارے لٹاتے وقت لوگ اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ دو چار کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بعضوں کے کپڑے پھٹ جاتے ہیں۔ اور بعضے قاضی صاحب کی ایک پیالی شکر پر اس طرح گرتے ہیں جیسے شہد پر مکھیاں۔ لوگوں کو چاہئے کہ ایسی دھینگا مشتی سے پرہیز کریں۔ بلکہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو چار مٹھی چھوہارے بغرض ادائے سنت لٹا دیا کریں۔ اور باقی اہل مجلس کو تقسیم کر دئے جائیں تاکہ سب کو پہنچ جائیں اور لپا ڈکی کی نوبت نہ آنے پائے

ہدایۃ ۲ سیہی ذہب میں یہ طریقہ ہے کہ ان کا نکاح خوان قادر (پادری) ہوتا ہے تو وہ ایجاب و قبول کروانے کے بعد خطبۂ نکاح پڑھتا ہے اور پھر وعظ و نصیحت کرتا ہے۔

ہندؤں کے نکاح کا طریقہ

ہندؤں کے نکاح کا طریقہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مگر میرا مقصد اس طرح سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ آج کل ہم مسلمانوں نے شرعی اور مسنون طریقہ کو چھوڑ کر بہت سے امور میں ہندؤں کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کیا ہوا ہے۔ اگر کوئی سمجھانے والا سمجھاتا ہے تو اس کی بات کو برا محسوس کرتے ہیں۔ مال بھی برباد کرتے ہیں ایمان بھی برباد ہم کو چاہیئے کہ مسلمان بنا کر اسلامی طریقہ اپنائیں ہندوانی رسوم سے اجتناب کریں۔

اصل اور عرب سر مطلب: ہندؤں کا نکاح مشہور وہ چیز ہے کہ عورت کے ولی جیسے باپ وغیرہ اس عورت کو سنکلپ کرکے کسی مرد کو دیدے اور مرد اس عورت کو قبول کرے اس لفظ سے "سوئنت" پھر اس اقرار کے واسطے آگ گواہ پکڑتے ہیں یعنی آگ جلا کر دولہا دولہن کو آگ کے گرد پھیرے دیتے ہیں

مسلمان: آگ تو بے جان ہے۔ آگ کو گواہ بنانے کا کیا مطلب

ہندو: آگ کا موکل ہے بسنتر دیوتا۔ اور وہ باشعور ہے۔ اور وہ گواہ ہے۔

مسلمان: آدمیوں کے گواہ کرنے سے (جیسے مسلمانوں کا شرعی طریقہ ہے) تو فائدہ ہے اگر جھگڑا ہو جائے تو حاکم کے سامنے گواہ کام آدیں۔ اور دیوتا کی گواہی ایک امر موہوم ہے۔ اور نظر سے غائب ہے۔ اس کی گواہی کس کام آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھی اس طرح نکاح کرے کہ میرے گواہ رسول اور فرشتے ہیں تو نکاح نہیں ہوگا بلکہ علماء سلمین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی نے کہ نکاح کے وقت کہ میں نے خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ کیا تو یہ کفر ہے کیونکہ اس میں رسول اور فرشتوں کی غیب دانی کا اعتقاد پایا جاتا ہے۔

ہندؤں کی رسمیں نکاح میں

. دولہا اور دولہن کے کنگنا (ہاتھ میں باندھنے کا تاگا۔ پھندنا۔ گانا) باندھنا۔ سہرا باندھنا برادری کی عورتوں کا جمع ہو کر سات یا پانچ یا تین دن تک سات سہاگنوں کے ہاتھ سے دولہا اور

دولہن کے بٹنا لگانا۔ تیل چڑھانا۔ اور تنی گڑاہی اور ساتت کا کرنا۔ اور چوک پورنا (دائرہ بنا کر بندہ کو بیچ میں بٹھانا نظر وغیرہ کے لئے) اور نام آوری کے واسطے ڈھکاؤ کرنا۔ باڑا دینا بے ضرورت ہاتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنا (آج کل سجائی ہوئی کاروں میں بیٹھ کر جانا) طوائف کا ناچ کروانا۔ آتش بازی چھڑوانا۔ ڈھول نفیری نقارہ تاشا وغیرہ باجے بجوانا۔ بند وقیں سر کرنا۔ فوٹو لینا۔ اور سمدیوں کا آپس میں مل کر ہنسی اور ٹھٹھا کرنا۔ اور میٹھا اور کھٹا بجات مقرر کرنا۔ بلکہ بعضے کستریوں میں رسم ہے کہ جب برات کی ضیافت کرتے ہیں تو شیرینی کی گھرلی بنا کر براتیوں کو اس کے گرد بٹھا کر کھلاتے ہیں (اور آج کل کھڑا کر کے کھلاتے ہیں) اور چھلنی میں چراغ رکھ کر دروازے پر لٹکانا۔ اور نوشہ کا اس کو تلوار سے گرادینا۔ اور نوشہ سے عورتوں کا چھند کھلانے اور لونگ الائچی مانگنی اور نامحرم عورتوں کا نوشہ کے گرد جمع ہو کر چہل اور مزاح کرنا۔ اور طرح طرح کی پہیلیاں اور بیہودہ امردوں (بے ریش بچوں) اور عورتوں کا کھینی اور عورتوں کا مردوں کا رنگ میں فحش گالیاں دینا جس کو سیٹھنا کہتے ہیں۔ اور دولہن کی جوتی کا دولہا سے سجدہ کروانا۔ اور نائن کا دولہا کا بدن سُرخ ڈورے سے ناپنا۔ اور عورتوں کے سر کے بال دولہا سے گندھوانے جس کا نام وجودریاں ہے۔ اور کنگنا کھیلنا اور گوت کنالا کرنا۔ یعنی قوم کے مرد اور عورتوں کا ایک پاس میں کھانا۔ اور دولہا کی ماں کا کانسے میں پاؤں ڈالنا۔ اور بڑا سوجھی اور کھٹ نام آوری کے لئے کرنی۔ اور نام اور فخر کے لئے طرح طرح کے باجے۔ اور برادری کی روٹی کرنی۔

اور سوائے اس کے اور بہت سی رسوم باطلہ ہیں کہ ان سب کا بیان کرنا سبب طوالت کا ہے۔

اب معلوم نہیں کہ ان رسوم میں کیا فائدہ ہے۔ بلکہ ظاہر مال کا ضائع کرنا ہے۔ اور اکثر بے حیائی کے کام ہیں (ماخوذ از تحفۃ الہند ص ۱۱۱ مصنفہ شیخ عبید اللہ سابق اننت رام ولد کوٹے مل)

مسئلہ: دولہا دولہن کو عقد نکاح کے وقت کرسیوں پر بٹھانا اسلامی رواج کے خلاف ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

مسئلہ: نکاح پڑھانے والے کو نکاح خوانی کی اجرت دینا جائز ہے اور نکاح خواں پہلے اجرت مقرر کر کے نکاح پڑھائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اس کو مقررہ شدہ اجرت جبراً وصول کرنے کا حق ہے (کفایت المفتی ج ۵ ص ۱۵۴)

لیکن اگر نکاح خواں بغیر اجرت کے نکاح پڑھائے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر نکاح خواں قاضی صاحب نکاح نہ پڑھائے تو مجلس میں سے کوئی اور شخص ولی یا ولی کی طرف سے جسے بھی اجازت مل جائے نکاح پڑھانے کی وہ ہی ایجاب قبول کرا دے نکاح ہو جائے گا۔ ضروری نہیں کہ قاضی صاحب ہی نکاح پڑھائیں

مسئلہ: شیعہ لوگ سنی کے نکاح میں گواہی میں نہ لئے جائیں۔

مسئلہ: اگر مہر معجل مقرر ہوا تھا تو بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔ اور جب تک شوہر مہر ادا نہ کرے۔ بیوی اس کے گھر جانے سے انکار کر سکتی ہے

مہر مؤجل میں اگر اجل معین کر دی گئی ہے مثلاً دس برس یا بیس برس یا یہی کہہ دیا گیا ہو کہ موت یا طلاق کے بعد حق مطالبہ ہوگا تو اس صورت میں تو تصریح کے موافق عمل ہوگا۔ اور اگر یہ تصریح نہیں کی گئی صرف مہر کہہ دیا گیا یا لکھ دیا گیا تو مؤجل بھی معجل کے حکم میں ہے۔ اور عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے۔

مسئلہ: مہر دولہا کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہئے۔ محض نام و نمود کیلئے بڑے بڑے مہر باندھنا بری بات ہے

چڑھاوا بھی حیثیت کے موافق ہونا چاہئے۔ بڑے بڑے چڑھاوے نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کو زیادہ عرصہ تک بٹھائے رکھنا گناہ کی بات ہے۔

مہر اور چڑھاوے کے علاوہ دولہن والے جو سو دو سو روپے دولہا سے لے لیتے ہیں جب لڑکی دیتے ہیں یہ رشوت ہے اور حرام ہے اور کھانا اس کا قطعاً ناجائز ہے

مسئلہ: لڑکی والوں سے روپے لے کر برادری کو کھانا کھلانا ناجائز ہے۔ وہ رشوت

لڑکی والا واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ قاضی ہو یا کوئی اور جس کو معلوم ہو کہ لڑکی والے نے روپیہ دے کر کھانا دیا ہے ان سب کو کھانا ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱)

مسئلہ پیروں میں آواز دار زیور پہننا جبکہ ناجائز ہے۔ اسی طرح سوائے پیروں کے کسی جگہ بھی آواز دار باجے والا زیور پہننا نہ چاہئے۔ کان کا زیور احادیث سے ثابت ہے جس سے چھدوانا بھی ثابت ہے اور ناک کا چھدوانا اور زیور اہل ہند کا ایجاد ہے۔ بہت سے علماء ناک میں نتھ کو منع فرماتے ہیں اور بعض جائز کہتے ہیں۔ اور کیل و بلاق میں کچھ ممانعت شرعی نہیں ہے۔ یہ امور زینت اور رواج پر موقوف ہیں۔ شرعاً نہ ضروری ہیں نہ حرام ہیں ہاتھوں میں کانچ و پتھر کی چوڑیاں یا چاندی وغیرہ کی چوڑیاں درست ہیں

عورتوں کے لئے سوتی اور ریشمی لباس درست ہے لیکن ستر عورت کا لحاظ مقدم ہے۔ جس قسم کا کپڑا بھی ہو ایسا باریک نہ ہو کہ جس میں ستر نہ ہو۔

بڑے پائنچوں کا پاجامہ بھی شرعاً درست ہے جب کہ اس میں کشف عورت نہ ہو لیکن چھوٹے پائنچوں کا پاجامہ بہتر ہے کہ اس میں ستر بھی پورا ہے اور کفایت بھی ہے (ف د)

مسئلہ عوام میں یہ جو عام مشہور ہے کہ سوا بتیس روپیہ حق مہر شریعت میں ہوتا ہے پھر وہی مہر مقرر کر کے نکاح کر لیتے ہیں۔ خدا معلوم اس مسئلہ کی اصل کیا ہے کس نے یہ مسئلہ بتایا اور کیوں کر مشہور ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے اور درہم شرعی کا اندازہ انگریزی کے حساب سے ۳ ماشہ ایک رتی ۲ جو

درہم شرعی از این سکہ شنو   کال سہ ماشہ و یک سرخ و دو جو

موجودہ دور میں چاندی کا حساب کر کے اندازہ لگایا جائے

اور فاطمی مہر جو مشہور ہے وہ تو ساڑھے بارہ اوقیہ کا تھا جیسے حدیث شریف میں وارد ہے۔ اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اور درہم اوپر بتایا جا چکا ہے پس کل فاطمی مہر پانچ سو درہم ہوا۔ اور سوا بتیس روپیہ مہر نہ فاطمی ہے نہ وہ مہر جو کم از کم شرع محمدی میں مقرر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دور میں دس درہم مساوی سوا بتیس روپے کے ہوتے

ہوں گے مگر اس دور میں یہ حساب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس دور میں شاید سوا تیس روپے کو عوض میں ایک تولہ چاندی بھی نہیں مل سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج کل شادی بیاہ میں شو اور دکھلاوے پر بطور فخر کے ہزاروں روپیہ فضول خرچی میں پانی کی طرح بہاتے ہیں طبلچیوں کو اور غزلیوں اور سنانے والے خاندانوں میں پیسہ لٹا دیتے ہیں مگر رفیقہ حیات کو خوش کرنے کے لئے صرف سوا تیس روپے ٹلا دیتے ہیں۔ جو ایک دن کی روٹی بھی نہیں بنتی۔ شرع میں انسان کی خصوصاً مسلمان کی بڑی عزت اور قدر و منزلت ہے مگر ہمارے معاشرہ میں انسان کی کچھ قدر نہیں۔

میں نے باوثوق ذرائع سے سنا ہے کہ زمیندار لوگ جو مرعوب کے مالک ہیں یورپ سے کتوں کی جوڑی تیس ہزار روپے میں مول لاتے ہیں۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک کتوں کی شان بلند و بالا ہے بعض ایسے ہیں جو فخریہ طور پر مہر ہزاروں لاکھوں کی مقدار میں لکھتے لکھاتے ہیں۔ مگر یہ صرف کاغذی کارروائی ہوتی ہے کون دیتا ہے اور کون لیتا ہے۔ مگر ہماری شرع شریف میں مرد کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر مقرر کر دیا تو پھر دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہ دیا تو قیامت کو دینا ہوگا یا اپنی خوشی سے عورت خود معاف کر دے سارا یا بعض۔ بغیر مجبور کرنے کسی کے۔

مسئلہ کوئی شخص اپنی برادری کو کسی شادی میں مقفّٰی مسجع عبارات و اشعار کے خطوط لکھ کر بلا دے تو جائز ہے شرعاً اس میں کچھ حرج اور کچھ مواخذہ نہیں ہے (بشرطیکہ غیر شرعی فقرے نہ ہوں۔ لکھ کر)

سوال ایک شخص نے اپنی بیٹی کا رشتہ کر دیا کچھ دنوں کے بعد وہ مر گیا۔ مرتے وقت یہ وصیت بھی کر گیا کہ میری لڑکی کا نکاح اس جگہ کرنا جہاں میں نے اس کا رشتہ کیا ہے۔ اب دادا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہتا ہے۔ آیا سابق رشتہ کی بناء پر لڑکی کی والدہ اس کا نکاح اسی جگہ کر سکتی ہے یا نہ؟

الجواب فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ نکاح کے بارہ میں وصیت معتبر نہیں۔ اور باپ کے مرنے کے بعد ولایت نکاح نابالغہ دادا کی طرف منتقل ہو جاتی ہے پس صورت مذکورہ میں دادا جو نکاح نابالغہ کا کرے گا وہی صحیح ہوگا۔ والدہ کا کیا ہوا نکاح بدون دادا کی رضا و اجازت کے صحیح نہ ہوگا (ف۔ د۔ عزیز الرحمٰن)

مسئلہ تخمیناً ہفتہ سوا ہفتہ شادی کے قبل دولہا اور دولہن کو ابٹن ملا جاتا ہے۔ اس کے لئے اپنے خویش و اقارب اور برادری کی عورتیں بلائی جاتی ہیں۔ دولہا خواہ بالغ ہو یا نابالغ ان کو اکثر وہ عورتیں جن سے رشتہ مذاق کا ہوتا ہے وہی ران وغیرہ سارے بدن پر ملتی ہیں۔ جو اس کے سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم ہوتا ہے۔ یہ رسم بطریق مذکور قبیح مذموم اور قابل ترک ہے۔

مسئلہ اکثر لوگ ۳-۱۳-۲۳-۸-۲۸- وغیرہ تاریخ کو اور پنجشنبہ و یکشنبہ و چہارشنبہ وغیرہ ایام کو شادی وغیرہ نہیں کرتے۔ اعتقاد ہے کہ سخت نقصان پہنچیگا۔ یہ عقیدہ غلط اور باطل ہے۔ اس رسم و رواج کو توڑا جائے۔

سوال جس کی بارات میں کثرت سے باجے اور روشنی اور گھوڑے وغیرہ ہوں ان کا نکاح شرعاً ہوتا ہے یا نہیں اور ایسی بارات میں شریک ہونے سے گناہ ہوگا یا نہیں۔ بعض تو شرکت میں کچھ گناہ نہیں سمجھتے۔ اور بعض گناہ تو سمجھتے ہیں مگر بعض خاص تعلق یا خاص قرابت دار کی بارات میں اس مجبوری سے شریک ہوتے ہیں کہ شریک نہ ہوں گے تو باعث رنج و ملال ہوگا۔ ان کا عذر قابل قبول ہے یا نہ؟

الجواب نکاح تو ہو جاتا ہے مگر ارتکاب معصیت ہوتا ہے اور شرکاء میں قسم اول سخت گنہگار ہیں اور غلطی پر ہیں۔ اور قسم دوم کا عذر بھی شرعاً قابل قبول نہیں ہے۔

مسئلہ شادی میں دولہا کو سہرا نہ باندھا جائے۔ کہ یہ رسم ہنود کی ہے اور مشابہت ان کے ساتھ ممنوع و حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے ہندوستان (و پاکستان) کے اور کہیں یا اس کا نام نشان نہیں۔ اور رسوم کفر و جاہلیت کو جاری رکھنا ناجائز ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور جہات اسلامیہ کے متعلق خاص شان سے بیان فرمایا ہے۔ انہیں میں ایک جزو یہ بھی تھا کہ کل شئ من امر الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی (اتمیں (مشکوٰۃ ص ۲۲۵ عن مسلم) اس کے علاوہ اس میں تشبہ ہے ہندوؤں کے ساتھ۔ اور کفار کی مشابہت اختیار کرنا احادیث کثیرہ اور بعض آیات قرآنیہ سے ناجائز ہے قال تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ذکرہ السخاوی فی المقاصد الحسنۃ وحسنہ) یعنی جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے اور بعض روایات میں ہے کہ جو کسی قوم کی جماعت

کو بڑھا لے وہ اسی قوم میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے اس رسم کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔ محض گناہ بے لذت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ بندہ محمد شفیع غفرلہٗ مفتی دارالعلوم دیوبند

جبکہ زوجین مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں تو قبل ایجاب قبول کے ان کو کلمہ طیبہ اور آمنت باللہ پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور جیسا کہ عوام جہال میں رواج ہے کہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں یہ بدعت ہے۔ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا۔ اور ائمہ دین نے اس کا حکم نہیں کیا یہی علماء سلف کا فتویٰ ہے۔ اور عوام الناس کا بسبب جہالت کے اس کا التزام کرنا یہ اجماع نہیں ہے۔ اجماع سلف کا معتبر ہے۔ باقی یہ کہ رواج کس وقت سے پڑا اس کا حال معلوم نہیں۔ ہمارے بلاد میں تو اس کا بالکل رواج نہیں ہے۔ جس جگہ یہ رواج ہو وہاں کے لوگوں سے دریافت کرنا چاہئے کہ یہ رواج خلافِ شرع کب سے ہے (ف۔ د عزیز الرحمٰن ص)

تالی بجانا اور کفارِ یورپ سے مشابہت

تالیاں بجانا لہو و لعب میں داخل ہے۔ شریعت مقدسہ نے عورتوں کو جب کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوں اور کوئی ضرورت پیش آئے اجازت دی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پہ مار کر اپنا نماز میں مشغول ہونا ظاہر کر دیں۔ لیکن ہاتھ کو ہاتھ پہ مارنے کی صورت یہ تعلیم فرمائی کہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی پشت پر ماریں۔ کیونکہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر مار کر بجانا لہو و لعب کی صورت اور رقاصوں (یعنی ناچنے والوں) کا فعل ہے۔ نیز اظہارِ مسرت کے لیے مجامع میں تالیاں بجانا کفارِ یورپ کا خاص طریقہ ہے۔ لہٰذا اہلِ اسلام کو اول اس وجہ سے کہ لہو و لعب کی صورت ہے دوم اس وجہ سے کہ کفارِ یورپ کی مشابہت ہے" تالیاں بجانے سے باز رہنا چاہئے

یہ کہنا کہ شریعت میں اس کی ممانعت نہیں آئی لاعلمی پر مبنی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد موجود ہے کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا

اور اچکن وغیرہ پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ اچکن اس لئے جائز ہے کہ اس میں صورتِ لہو نہیں اور نہ اب وہ کسی قوم کفر کا خاص لباس ہے

کفایت ۱۴۳

مساجد شعائر اللہ میں داخل ہیں اور شعائر اللہ کا احترام مسلمانوں پر لازم ہے جلوس نکالنا

غیر اللہ کا اور شان و شوکت کے ساتھ ان کو علم اور شعار بنانا ۔ امام حسین کے نام کا گشت کرنا غیر شرعی شعار بن گیا ہے ۔ مسجد کے سامنے شور کرنا فخریہ نعرے لگانا ، باجے بجانا مسجد کی اہانت یا اس کے احترام کے خلاف کوئی فعل کرنا یہ سب حرام ہیں ۔ پھر نماز اور جماعت کے اوقات میں حقوق عامہ اور احکام نماز کے منافی ہے کہ اس سے نماز و عبادت میں خلل آتا ہے ۔ ان کے انسداد کے لئے مسلمانوں کو قانونی سعی کرنی چاہئے ۔ جہاں تک ممکن ہو اس قضیئے کو باہم تصفیے سے سلجھانا چاہئے

لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے ۔ حساب اردو وغیرہ پڑھانے اور ہنر سینا پکانا کاڑھنا وغیرہ سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ ہاں پردے اور صلاحیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ۔ بعض فقہاء نے سداً للذریعۃ الفساد (فساد کے سبب کو بند کرنے کے طور پر) منع کیا ہے ۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے ۔

پردہ شرعی کے مسائل

عورتوں کو غیر محرم کے سامنے جانا خواہ شادی میں ہو یا ماتم پرسی میں یا اور کسی تقریب میں ناجائز ہے ۔ اسی طرح غیر محرموں کے سامنے گانا حرام ہے ۔ اگر عورت مجبوری کی وجہ سے سودا وغیرہ لینے جائے

مسئلہ عورت کا چہرہ نماز میں پردہ کا حکم نہیں رکھتا ۔ مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے ۔ کیونکہ چہرہ ہی اصل شے ہے جو جاذب نظر اور مہیج جذبات ہے ؛

مسئلہ سوائے محارم کے اور رشتہ داروں سے پردہ ضروری ہے ۔ پردے سے مراد یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے

مسئلہ جن لوگوں سے نکاح جائز ہے وہ سب غیر محرم ہیں اور ان سے پردہ کرنا لازم ہے حدیث شریف میں شوہر کے بھائی کو عورت کے لئے موت سے تعبیر فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پردہ کرنا لازم ہے

مسئلہ بیٹے کی ساس کا باپ کے سامنے بے پردہ آنا درست نہیں ۔ ہر شخص اپنی ساس کے سامنے بے پردہ آسکتا ہے ۔ مگر داماد کا بھائی اس کے سامنے بے پردہ نہیں آسکتا ۔

مسئلہ بھائی ۔ باپ ۔ دادا ۔ پردادا ۔ چچا ۔ تایا ۔ ماموں ۔ نانا ۔ پرنانا ۔ داماد ۔ خسر ۔ بھتیجا ۔ بیٹا ۔ پوتا

بھانجا۔ ان (بھتیجا بھانجا) کے بیٹے۔ داماد کے بیٹے۔ نواسہ۔ پوتا۔ نواسہ پڑنواسا ان سب سے عورت کا پردہ نہیں
بیٹی پوتی مسئلہ بہن۔ ماں۔ دادی پردادی۔ پھوپھی۔ خالہ۔ نانی پڑنانی۔ ساس۔ بہو۔ بیٹیاں
بھتیجی۔ بھانجی (ان بھتیجی بھانجی کی بیٹیاں)۔ داماد۔ نواسی پڑنواسی ان سب سے مرد کا پردہ نہیں
جیسے سگے بھائی سے پردہ نہیں ایسے ہی جو باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے بھائی
ہو ان سے اور ان کی اولاد سے عورت کا کوئی پردہ نہیں ہے۔ ایسے ہی چچاؤں اور ماموؤں
کا حال ہے

جیسے سگی بہن سے پردہ نہیں ایسے ہی صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے جو بہن
ہو اس سے اور اس کی بیٹیوں سے مرد کا کوئی پردہ نہیں ہے ایسے ہی پھوپھیوں و خالاؤں کا حال ہے

مسئلہ جو حکم نسبی بہن بھائیوں ماں باپ چچاؤں ماموؤں وغیرہ کا ہے بالکل اسی طرح
رضاعی بہن بھائیوں ماں باپ چچاؤں ماموؤں وغیرہ کا حکم ہے۔ البتہ چند مسئلے ایسے ہیں جو مطولات میں
درج ہیں۔

مسئلہ چچازاد بھائی تایازاد بھائی پھوپھی زاد بھائی خالہ زاد بھائی ماموں زاد بھائی۔ دیور
جیٹھ اور ان سب کے بیٹے پوتے۔ خسر کا بھائی بھتیجا خسر کا بھانجا منہ بولا بھائی پالک۔ بہنوئی۔ دور کے رشتہ میں جو چچا
تایا یا ماموں لگتا ہو۔ نندوئی۔ پیر۔ استاد۔ نوکر۔ چاکر۔ شاگرد۔ آقا۔ دکاندار۔ پھیری والے سے عورت کا پردہ ہے

مسئلہ جوان عورت کو غیر مرد کے سامنے اپنا منہ کھولنا درست نہیں۔ نہ ایسی جگہ کھڑی ہو
جہاں کوئی دوسرا دیکھ سکے۔ پس نئی دلہن کی منہ دکھائی کا جو دستور ہے کہ کنبے کے سارے مرد آکر
منہ دیکھتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں اور بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ جس طرح خود مردوں کے سامنے آنا اور بدن کھولنا درست نہیں۔ اسی طرح جھانک
تاک کے مردوں کو دیکھنا بھی درست نہیں۔ عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ مرد ہم کو نہ دیکھیں ہم ان
کو دیکھ لیں تو کچھ حرج نہیں — یہ بالکل غلط ہے۔ کواڑ کی دراز یا کوٹھے پر سے مردوں کو دیکھنا
دولہا کے سامنے آجانا اور کسی طرح دولہا کو دیکھنا یہ سب ناجائز ہے

سالی اور اس کی بیٹیوں پوتیوں نواسیوں اور اس کی نند، ساس وغیرہ سے مرد کا پردہ ہے
نندوئی اور اس کے بیٹوں پوتوں نواسوں اور نندوئی کے بھائی باپ دادا وغیرہ سے عورت کا پردہ ہے

چچی، تائی، ممانی اور ان کی بہنوں بھتیجیوں بھانجیوں خالاؤں اور پھوپھیوں سے مرد کو پردہ ہے

بھانجے کی بیوی اور اسی طرح بھتیجے کی بیوی سے مرد کو پردہ ہے۔

پڑوسی کی بیوی سے مرد کو پردہ ہے اور پڑوسن کے خاوند سے عورت کو پردہ ہے۔

پوتے اور نواسے کی بیوی سے مرد کو پردہ نہیں۔ پوتی اور نواسی کے شوہر سے عورت کو پردہ نہیں۔ رشتہ کے بھانجے بھتیجے سے عورت کو پردہ ہے اور رشتہ کی بھانجی بھتیجی سے مرد کو پردہ ہے۔ کافر عورتیں جیسے اسیرن، تنبولن، تیلن، کولن، بھنگن، چماری وغیرہ جو گھروں میں آتی جاتی رہیں ان کا حکم یہ ہے کہ جتنا پردہ نامحرم مرد سے ہے اتنا ہی ان عورتوں سے بھی واجب ہے سوائے منہ اور گٹوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پیر کے اور کسی ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں۔ بڑھیا کو بھی بڈھے سے اتنا ہی پردہ فرض ہے جوان عورت کو غیر محرم کے سامنے بدن کی کسی جگہ کا کھولنا بھی درست نہیں۔ بلکہ سب بدن ڈھک کر بھی اس کے سامنے نہ آئے جب کہ زینت کے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔

تمت

التّعییر

لمن اجاز

التّصویر

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال آج سے تقریباً نصف صدی قبل میں نے علامہ نیاز فتحپوری کا مضمون پڑھا تھا کہ سایہ دار تصاویر یعنی بُت اور مجسمے (Statue) بنانا تو شرعاً جائز نہیں۔ لیکن غیر سایہ دار تصاویر کاغذ، کپڑے یا دیوار وغیرہ پر دستی یا کیمرہ کی مدد سے بنانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ ٹیلی ویژن اور فوٹو گرافی سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگ اسی بنیاد پر ان چیزوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

- لیکن آج کل ویڈیو کیمرہ کی مدد سے بنائی جانے والی متحرک فلم کے بارے میں بعض علماء تو کہتے ہیں کہ دینی مقاصد مثلاً علماء کی تقاریر اور درسِ قرآن وغیرہ کی ویڈیو فلم بنانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ دوسروں تک دین کی بات پہنچانے کا آسان ذریعہ ہے۔ لیکن بعض علماء اسے جائز نہیں سمجھتے۔
- بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ ویڈیو فلم تو محض ایک عکس جو ہے سے تصویر کے حکم میں ہی نہیں آتا۔ اس لیے مطلقاً ویڈیو فلم بنانا جائز ہے۔
- نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ ساکت (Still) اور متحرک (Move) تصویر میں عملاً کیا فرق ہے۔ نیز یہ کہ پوجاپاٹ کی غرض سے بنائی جانے والی تصاویر ہی شرعاً ممنوع ہیں یا محض یادگار کے طور پر بنائی جانے والی تصاویر بھی حرام ہیں؟ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے واقعہ میں مجسمہ سازی کا ذکر بھی موجود ہے۔
- مساجد و مدارس و دیگر وقف شدہ مقامات پر ویڈیو فلم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد کی بجلی بھی مفت میں استعمال کی جاتی ہو۔

(سائل: نواب احمد خان محمود، ۹۸۔ حسن کالونی ناظم آباد کراچی)

جواب کسی جاندار کی تصویر بنانا خواہ وہ سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار، ہتھیاروں کی مدد سے دستی تصویر بنائی جائے یا کیمرہ وغیرہ جدید آلاتِ مصوری کی مدد سے بہر صورت حرام ہے۔ اور کتبِ حدیث میں حرمتِ تصویر پر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایتیں موجود ہیں۔ مثلاً:

(۱) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ کہ قیامت کے دن تصویریں بنانے والے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ بحوالہ بخاری و مسلم)

(۲) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا حبۃ ولیخلقوا ذرۃ۔ کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرتا ہے۔ بھلا وہ ایک دانہ تو بنا دکھائے اور ایک ذرہ تو بنا دکھائے۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵)

(۳) سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل البیت فرأی صوراً فدعا بماء فجعل یمحوھا و یقول قاتل اللہ قوماً یصورون مالا یخلقون۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر میں تشریف لے گئے تو کچھ تصویریں نظر آئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر ان کو مٹا دیا۔ اور فرمایا: اللہ کی لعنت ہے اس قوم پر جو ان چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں جن کو وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ (معجم کبیر للطبرانی جلد ۱ صفحہ ۱۶۷)

(ن) اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصویر کسی پتھر یا دیوار پر کھدی ہوئی نہ تھی۔ بلکہ اس مکان کی دیوار یا ستون پر کسی رنگ یا ایسے مسالے سے بنائی گئی تھی جسے پانی سے مٹایا جا سکتا تھا۔ اس حدیث سے ان لوگوں کے نظریہ کا رد بھی ہو گیا جو غیر سایہ دار تصاویر کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(۴) امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انہ صنع طعاماً فدعا رسول

اللہ ﷺ فجاء فرای فی البیت سترا فیہ تصاویر فرجع قال فقلت، یارسول اللہ ما رجعك بابی وامی؟ قال ان فی البیت سترا فیہ تصاویر وان الملائکۃ لاتدخل بیتا فیہ تصاویر. کہ انھوں نے کھانا پکا کر حضرت رسول اللہ ﷺ کو بھی دعوت دی تو آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ گھر میں آکر دیکھا کہ اس میں تصویروں والا پردہ لٹکا ہوا ہے۔ اسی وقت آپ ﷺ واپس ہو لیے۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ واپس کیوں جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس گھر میں تصویروں والا پردہ ہے۔ اور ایسے گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس گھر میں تصویریں ہوں۔ (مسند ابی یعلیٰ جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ بسند صحیح و صفحہ ۳۹۹ و ۳۴۳ جلد ۱ نسائی، ابن ماجہ، مسلم، احمد)

○ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں کسی رنگ سے یا کشیدہ کاری کے ذریعے تصاویر سے مزین پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اور یہ تصاویر بھی غیر سایہ دار تھیں۔ جنھیں دیکھ کر حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کے گھر میں ٹھہرنا بھی پسند نہ فرمایا۔

⑤ سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نھی (رسول اللہ ﷺ) عن ثمن الدم و ثمن الکلب و کسب البغی و لعن اٰکل الربوٰا و موکلہ و الواشمۃ و المستوشمۃ و المصور. کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے خون اور کتے کی قیمت اور حرامکاری کی آمدنی سے منع فرمایا ہے۔ اور سُود کھانے والے، کھلانے والے، بالوں میں مصنوعی بال ملانے والی، بالوں میں مصنوعی بال ملوانے والی، اور تصویر بنانے والے پر لعنت (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بددعا) فرمائی ہے۔

(بخاری صفحہ ۸۸۰ و مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ بسند صحیح مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۱)

○ اس حدیث شریف میں مطلق تصویر بنانے والے کے متعلق ذکر ہوا ہے۔ خواہ وہ کسی طرح سے بھی بالارادہ تصویر بنائے۔ لیکن پانی اور آئینہ وغیرہ کے سامنے آنے والی کسی چیز کے عکس کو بالارادہ نہیں بنایا جاتا۔ البتہ کسی چیز کے عکس کو ارادۃً کسی تدبیر

سے کسی دھات، پتھر، لکڑی، کپڑا، دیوار، شیشہ، فلم، یا کمپیوٹر کی ڈسک پر محفوظ کرلیا جائے اور اسے بعد میں کسی طریقہ سے دیکھا جاسکتا ہو تو وہ عکس اگر کسی جاندار چیز کا ہوگا تو اس کا بنانا، اپنے پاس رکھنا، اور اس کا دیکھنا شرعاً ممنوع ہے۔

(٦) سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا تصاویر۔ کہ اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس میں کتا ہو یا تصویر۔ (مسند ابی یعلٰی جلد ٣ صفحہ ٢٠٩، ٢١٠ بسند صحیح و مسلم و بخاری باب التصاویر صفحہ ٨٨٠، و نسائی جلد ٢ صفحہ ٢٩٩)

○ اس حدیث شریف میں بھی مطلق تصویر کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے بنائی جائے۔

(٧) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی کہ اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس میں بت ہوں یا تصویر۔

(مسند ابی یعلٰی جلد ٢ صفحہ ٤٧٠ بسند صحیح و موطا امام مالک، و ترمذی و قال حسن صحیح، و مسند احمد)

(٨) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم تصویر بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور انھیں کہا جائے گا کہ تم نے جو تصویریں بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔ (بخاری صفحہ ٨٨٠ مسند عبدالرزاق جلد ١٠ صفحہ ٣٩٨، ٣٩٩ و صحیح مسلم)

(٩) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: من صور صورۃ فی الدنیا کلف یوم القیامۃ ان ینفخ فیھا الروح ولیس بنافخ۔ کہ جو شخص تصویر بنائے گا قیامت کے دن اللہ تعالٰی اس کو عذاب دے گا حتی کہ اس میں روح پھونکے۔ اور وہ اس میں کبھی روح نہ پھونک سکے گا۔ (معجم کبیر للطبرانی جلد ١٢ صفحہ ١٦٣ و بخاری صفحہ ٨٨١)

(١٠) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن

یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر الا نقضہ۔ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں بغیر توڑے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصویریں ہوں۔ (بخاری صفحہ ۸۸۱ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ بحوالہ بخاری و مصنف عبدالرزاق)

○ نیز روایت کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان الملائکۃ لا تدخل بیتًا فیہ الصور۔ کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ متفق علیہ)

(۱۱) ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ..... و لکن لا ندخل بیتًا فیہ الصور۔ .... لیکن ہم ایسے گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا تصویر۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ بحوالہ مسلم)

(۱۲) اسی طرح امیر المومنین سیدنا امام عمرؓ اور

(۱۳) حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

○ ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث اس سلسلے میں آئی ہیں۔ جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ جن سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ ہر جاندار کی تصویر بنانا اور ان کو اپنے پاس رکھنا حرام ہے۔ اور اس پر عذاب جہنم کی وعید آئی ہے۔

فائدہ تصویر یا بت اور مجسمہ (Statue) کی حرمت تو تواتر سے ثابت ہو گئی۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا فوٹو بھی تصویر ہی ہے یا محض عکس، جیسے آئینہ یا پانی میں انسان کو اپنا عکس نظر آتا ہے۔ جسے دیکھنا حرام نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عکس میں انسانی عمل کا دخل نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ کوئی مستقل چیز ہوتی ہے۔ جب کوئی چیز آئینہ کے سامنے آئے گی تو اس کا عکس آئینہ میں بھی ظاہر ہوگا۔ اور جب اسے آئینہ کے سامنے سے ہٹالیا جائے تو آئینہ میں وہ چیز نظر نہیں آئے گی۔ اور نہ اس پر کچھ خرچ ہوتا ہے جبکہ فوٹو ایسے عکس کو کہا جاتا ہے جسے کاغذ یا فلم پر مستقلاً منتقل کرنے کے لیے کیمرہ اور دیگر آلات اور مختلف قسم کے مسالے استعمال کیے

جاتے ہیں۔ اور عرف میں اس کو تصویر کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جب کاغذ پر تصاویر بنانے کا آغاز ہوا تو اسے فنِ مصوّری کی ترقی یافتہ صورت قرار دیا گیا۔ جس میں انسان یا کسی دوسری چیز کا عکس مستقل طور پر قائم ہو جاتا ہے۔ اور اسے ساکت (Still) کیمرہ کے ذریعے بنایا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس فن نے مزید ترقی کی تو متحرک (Move) کیمرہ وجود میں آیا۔ جس کی مدد سے مختلف انسانی حرکات کو متحرک کیمرے پر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اور فلم پر وجیکٹر کے ذریعے انسان کو چلتا پھرتا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ اور وڈیو (Video) فلم اسی ارتقائی عمل کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے۔ جس میں تصویر کے ساتھ ساتھ آواز بھی آتی ہے۔ اور عرف میں اسے بھی تصویر ہی کہا جاتا ہے اور یقیناً یہ تصویر ہی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید ابتداء میں کاغذوں پر نہیں بلکہ پتھروں، پتوں، چمڑے، لکڑی کی چری ہوئی پھٹیوں وغیرہ پر لکھا جاتا رہا۔ پھر کاغذوں پر لکھا جانے لگا۔ پھر مطابع میں چھپنے لگا۔ باریک سے باریک، جو بطور تعویذ گلے میں لٹکایا جا سکے۔ اور موٹے سے موٹے، بیسیوں من وزنی، جنھیں سیاحوں کی دلچسپی کے لیے عجائب خانوں کی زینت بنایا جائے۔ وہ کسی نے خلوصِ نیت کے ساتھ محض رضائے الٰہی کے لیے، یا فنِ خطاطی کی خدمت کے طور پر، یا بوڑھوں کے لیے لکھا ہو، یا اپنی نیک نامی، اور شہرت کی خاطر لکھا ہو۔ وہ کسی نیک و صالح آدمی نے لکھا ہو یا کسی فاسق یا کافر نے۔ اسے سونے کی تاروں سے کشیدہ کاری کے ذریعے لکھا جائے یا سادہ روشنائی سے۔ اس کو اپنی آنکھ سے دیکھا جا سکے یا خوردبین کی مدد سے دیکھا جا سکے۔ اور اگر اسے کمپیوٹر کے ذریعے دیکھنا ممکن ہو تب بھی وہ قرآن مجید ہی کہلاتا ہے۔ اس کو بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے۔

○ نیز ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویر عموماً بے ڈھنگی سی ہوتی ہے۔ اس میں کسی چیز کی پہچان خوب اچھی طرح غور سے دیکھنے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جبکہ کیمرہ کے ذریعے کھینچی ہوئی تصویر میں ہو بہو وہی چیز نظر آتی ہے جس کی تصویر لی گئی ہو، ذرہ

برابر فرق نہیں ہوتا۔ استاذی حضرت مفتی اعظم ہند کے بقول "اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر" ہے۔ اس لیے جب حضرت نبی کریم ﷺ نے ہاتھ سے بنی ہوئی بے ڈھنگی سی تصویر کو بھی حرام قرار دیا ہے تو کیمرہ کی مدد سے بنی ہوئی "اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر" کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اگر دستی تصویر کے مقابلے میں کیمرہ کے ذریعے بنائی ہوئی تصویر کے جواز کا فتویٰ دیا جانے لگے تو کوئی باغی دہشت گرد یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ کسی بے گناہ انسان کو زہر دے کر یا تیر اور تلوار سے قتل کرنا تو واقعی شرعاً حرام ہے، مگر موجودہ زمانے کے جدید ترین بارودی اور ایٹمی اسلحہ سے یا اس سے مختلف کسی اور جدید طریقے سے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ بے گناہ انسان کو قتل کرنا خواہ کسی طرح سے ہو حرام ہے۔ اسی طرح تصویر خواہ کسی طرح سے بنائی جائے، کسی کے حکم یا اجازت سے بنائی جائے یا بدون اجازت۔ اس تصویر کی شخصیت سے محبت ہو یا عداوت۔ وہ بہر صورت حرام اور یضاھئون بخلق اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کی نقل اتارنے) کے زمرے میں داخل ہے۔ اور جب اس حرام کام کو نہ صرف جائز سمجھ کر کیا جائے، بلکہ اس حرام کام کا ارتکاب مسجد میں کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لیے مسجد میں چندہ دینے والے بعض افراد کی مخالفت کو نظر انداز کرتے ہوئے مسجد کی بجلی بھی استعمال کی جاتے۔ تو اس گناہ میں مزید کئی گنا اضافہ ہوجائے گا۔ اس لیے کئی وجوہ سے اس کی حرمت ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر سے بڑھ کر ہے۔ مثلاً:

(۱) حرام کام کا قصد کرنا۔

(۲) حرام کام کرنے والوں سے تعاون کرنا۔

(۳) حرام کام پر پیسہ لگانا۔

(۴) حرام کام کا ارتکاب مسجد میں کرنا۔

(۵) حرام کام کے لیے مسجد کی بجلی اور دیگر اشیاء استعمال کرنا۔ یعنی مال وقف کو غیر مصرف میں خرچ کرنا۔

⑥ حرام کام میں اپنے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا۔
⑦ حرام کام کا حکم دینا۔
⑧ حرام کام پر راضی ہونا۔
⑨ حرام کام پر تبذیر یعنی فضول خرچی کرنا۔
⑩ مضاہاۃ بخلق اللہ یعنی ہوبہو خدائی صفتِ خلق کی نقل اتارنا۔
⑪ فرمانِ نبویؐ کی خلاف ورزی اور عملاً انکار جو مُفضی الی الکفر ہے۔

○ پھر ٹیلویژن اور وڈیو مضاہاۃ بخلق اللہ میں کاغذ وغیرہ پر بنی ہوئی فوٹو سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ فوٹو میں تو تصویر ساکت (Still) ہوتی ہے۔ اور وڈیو میں وہ تصویر متحرک (Move) نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ گویا وہ بھاگ رہا ہے، ناچ کود رہا ہے، اٹھ بیٹھ رہا ہے۔ بولتے ہوئے اسی طرح اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس طرح واقعی یہ تصویر باتیں کر رہی ہے اور اس کی آواز بھی آتی ہے۔ اس لیے ساکت کیمرہ کی تصویر کی بنسبت متحرک فلم بطریق اولیٰ حرام ہے۔ کیونکہ اس کے مضاہاۃ بخلق اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جب سرے سے یہ کام ہی حرام ہوا تو اس کام کو شرعی کام کا ذریعہ یا پیش خیمہ بنانا بھی حرام ہوگا۔ مثلاً :

○ ایک شخص اس ارادہ سے سود یا رشوت لیتا ہے کہ میں رشوت یا سودی روپیہ سے قرآن مجید اور حدیث کی کتابیں خرید کر طالب العلموں کو دوں گا یا مسجد میں لگاؤں گا۔ یا کوئی شخص لہو و لعب کے کسی کام یا کھیل کود کا اہتمام کر کے دیکھنے والوں کو اس مقصد کے لیے ٹکٹ بیچتا ہے کہ اس سے حاصل ہونے والا پیسہ مسجد میں لگاؤں گا۔ اس طرح کی تمام صورتیں حرام ہیں۔ اسی طرح وڈیو کیمرہ کے ذریعے علماء کی تقریروں کی فلم بنانا اور ان کا دیکھنا اور سننا سب حرام ہے۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بڑے عالم کی تقریر سنانے کے لیے کسی گویے کو بھی بلائے تاکہ لوگ اس کا گانا سن کر جمع ہو جائیں گے اور پھر خوش ہو کر عالمِ دین کی

تقریر بھی سن لیں گے تو ہوسکتا ہے لوگوں کو فائدہ ہو جائے گا۔ حالانکہ درحقیقت ایسا کام ضرر رساں ہے۔ کیونکہ :

جواب: چونکہ شرعی طور پر ناجائز ہونے کے علاوہ فحش اور غیر اخلاقی فلموں کے حوالے سے پوری دنیا میں بدنام ہوا اس آلہ کے ساتھ علماء کی نسبت علم دین اور علمائے دین کی توہین ہے۔ کیونکہ پاک چیز پر نجاست لگ جائے تو وہ پاک چیز بھی پلید ہو جاتی ہے۔ اور اس کا واحد علاج یہی ہے کہ پلیدی کو ہٹایا جائے، نہ کہ پلیدی کو قائم رکھتے ہوئے بھی اسے پاک سمجھا جانے لگے۔

○ اس موقع پر میسّر ہے استاذ محترم معظم و مکرم مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک نہایت سبق آموز واقعہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ آپؒ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت قاری محمد یوسف صاحب کو بحیثیت مجوّد مقرر فرمایا ہوا تھا۔ جو کہ بہت بڑے جید اور خوش الحان قاری تھے۔ اپنی اسی خوبی کے باعث انھیں آل انڈیا ریڈیو پر قرآن مجید کی تلاوت کا موقع بھی مل گیا۔ کسی جمعہ کے روز علی الصبح حضرت مفتی صاحبؒ کا گزر بازار سے ہوا، ریڈیو سے تلاوت کرتے ہوئے قاری صاحب کی آواز کانوں میں پڑ گئی۔ پھر ہفتہ کے روز جب قاری صاحب مدرسہ میں آئے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا کل جمعہ کی صبح آل انڈیا ریڈیو سے آپ ہی کی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت نشر کی جا رہی تھی؟۔ قاری صاحبؒ نے فرمایا: جی ہاں!۔ حضرت استاذ المکرم نے انھیں منع فرمایا۔ لیکن قاری صاحب باز نہ آئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے دوسری بار پھر قاری صاحبؒ کو اس کام سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ یہاں تک کہ جب حضرت مفتی صاحبؒ نے تیسری بار قاری صاحب کی آواز میں آل انڈیا ریڈیو سے تلاوت سنی تو آپؒ نے قاری صاحب سے فرمایا کہ قاری صاحب! تشریف لے جائیے، آپ ہماری طرف سے فارغ ہیں۔

○ حضرت مفتی صاحبؒ کے اس رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریڈیو پر یا اس قسم کی جدید

سائنسی ایجادات کے ذریعے قرآن مجید کی تلاوت نشر کرنا جائز نہیں۔ جنھیں عام طور پر لہو ولعب اور گانے بجانے وغیرہ کے لیے استعمال کرنا معروف ہو۔

○ نیز وڈیو وغیرہ کے ذریعے جب لوگ کسی عالم کی تقریر سننے کا اہتمام کرتے ہیں تو لوگ یکسوئی کے ساتھ سنتے بھی نہیں۔ اس دوران آپس میں باتیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان کا ذہن تجارتی اور کاروباری معاملات یا مہمانی اور مہمان نوازی وغیرہ میں الجھا رہتا ہے۔ اس لیے ان چیزوں کے ذریعے تبلیغی مقاصد حاصل کرنے کا خیال بھی بے سود محض ہے۔

خرابی نیز جب مسجد میں کسی عالم کی وڈیو فلم بنائی جاتی ہے تو کئی دیگر خرابیوں کے علاوہ ایک بڑی خرابی یہ بھی لازم آتی ہے کہ مسجد میں چندہ دینے کی مرضی معلوم کیے بغیر یا اکثریت کے بل بوتے پر تصویر کو واضح اور نمایاں کرنے کے لیے خطیب کے چہرے پر فلش گن کے ذریعے پانچ سو واٹ کی مقدار میں کئی کئی گھنٹے مسلسل تیز روشنی کی بوچھاڑ ڈالی جاتی ہے۔ حالانکہ اس طرح مسجد کی بیش قیمت بجلی کا استعمال جائز نہیں۔ کیونکہ:

○ بجلی آنے سے پہلے جب مسجد میں روشنی کے لیے چراغوں میں تیل استعمال کیا جاتا تھا تو اس تیل کو بھی چندہ دینے والوں کی اجازت کے بغیر مسجد کے خادم اور موذن تک کو اپنے حجرے میں استعمال کرنے کی شرعاً ممانعت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ:

○ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: "مسجد کا چراغ یا تیل حجرہ میں جلانا جائز نہیں۔ البتہ اگر تیل دینے والا صراحۃً اس کی اجازت دیدے تو اجازت دینے والے کے تیل میں سے موذن کو بقدرِ ضرورت حجرہ میں تیل جلانا جائز ہے اور جو اجازت نہ دے اس کے تیل میں سے جلانا جائز نہیں"۔ (دیکھیے: امداد الاحکام جلد ا صفحہ ۳۵۵)

○ یاد رہے کہ یہ ممنوعہ تصاویر احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اپنے حکم کے اعتبار سے عام ہیں۔ خواہ وہ مجسمہ یا بُت کی صورت میں ہوں، یعنی ان کا سایہ ہو یا غیر سایہ دار

ہوں۔ جیسے آجکل کیمرہ کے بنے ہوئے عام فوٹو ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کسی دیوار پر بنائے جائیں یا کاغذ پر، کسی کپڑے اور پردے پر ہوں یا قمیص پر، یہ تصاویر شیشے کے فریم میں لگی ہوں یا ویسے ہی پڑی رہیں۔ کسی کتاب میں مطبوعہ ہوں یا اخبار میں، وڈیو فلم ہو یا سی ڈی، جہاں جاندار کی صورت ہو وہ حرام ہوگی۔ بلکہ آجکل جو کارٹون بنائے جاتے ہیں شرعی اعتبار سے وہ بھی حرام ہیں۔ اسی طرح کسی مبلغ دین یا عالم کی تصویر اگر دعوت و تبلیغ کے بہانے سے بنائی جائے تو وہ بطریقِ اولیٰ حرام ہے۔ چنانچہ:

○ کتاب الحظر و الاباحۃ کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۲۲۳ تا صفحہ ۲۳۶ تقریباً چودہ صفحات پر تصاویر سے متعلق فتوے منقول ہیں۔ جن میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصاویر سے متعلق کئی پہلوؤں سے کیے گئے سوالوں کے جواب تحریر فرمائے ہیں۔ اور کسی طرح بھی جاندار چیزوں کی تصاویر بنانے اور بنوانے کو جائز قرار نہیں دیا۔ البتہ پاسپورٹ کے لیے تصویر بنوانے کو آپ نے اس شرط کے ساتھ مباح لکھا ہے کہ اگر سفر ضروری ہو تو تصویر کھنچوانی مباح ہوگی ورنہ نہیں۔

○ اسی طرح ایک سائل نے حضرت مفتی اعظمؒ سے سوال کیا کہ جدید فوٹو گرافی سے جو تصویریں کھینچی جاتی ہیں ان میں آئینہ کی طرح عکس آتا ہے۔ البتہ مستقل اور غیر مستقل طور پر صورت قائم ہوجانے کا فرق ہے ...... حضرت مفتی اعظمؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ تصویر بنانے اور بنوانے کی جو ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بنانے اور بنوانے یا فوٹو کے ذریعہ سے تصویر اتارنے اور اتروانے کو شامل ہے۔ جاندار کی تصویر خواہ کسی طریقہ سے بنائی جائے تصویر کا حکم رکھتی ہے۔

○ نیز حضرت مفتی اعظمؒ نے فرمایا: بعض علماءِ مصر تصویر کو مباح قرار دیتے ہیں۔ بعض نصف بدن کی تصویر کو مباح بتاتے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں یہ دونوں قول مرجوح اور بے دلیل ہیں۔ لازمی سفر کے لیے پاسپورٹ کے واسطے فوٹو مباح قرار دیا جاسکتا ہے۔

○ اب دیکھنا چاہیے کہ "لازمی سفر" سے کونسا سفر مراد ہے تو اس سلسلے میں حضرت

مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فتویٰ خوب رہنمائی کرتا ہے۔ جس میں آپؒ نے فرمایا کہ اگر: "کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، بغداد، شام وغیرہ کے سفر کے لیے فوٹو کھنچوانا لازم ہے تو ان مقامات کا سفر بھی تو لازم و فرض نہیں۔ ان زیارات کو ترک کر دینا لازم ہے"۔

○ نیز ایک سوال کے جواب میں آپؒ نے تحریر فرمایا کہ: فوٹو گراف کے ذریعے جاندار کی تصویریں بنانا، بنوانا، اس کا پیشہ کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ فوٹو گراف کی تصویر بھی تصویر ہی ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر ہے۔ اس لیے تصویر کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

○ مصر سے واپسی اور فوٹو کا مسئلہ کے زیر عنوان حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ مہتمم مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد کے حوالہ سے علمائے مصر و مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مابین ہونے والا مکالمہ جامع و مؤلف کفایت المفتی حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن واصف مدظلہ نے تتمہ کفایت المفتی میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

○ واپسی کے وقت کافی تعداد میں علماء و عمائدین مصر جو پہنچانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ مصر کے عام قاعدے کے مطابق ان کی خواہش ہوئی کہ پارٹی کا فوٹو لیا جائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے منع فرما دیا۔ علمائے مصر کا ایک گروہ فوٹو کو جائز قرار دیتا ہے۔ ان حضرات نے بحث شروع کر دی۔ بحث مختصر مگر بہت دلچسپ تھی۔ سوال و جواب کے جملے اب تک ذہن میں ہیں۔ جہاں تک حافظہ کام کر رہا ہے "سوال و جواب کے الفاظ یہ تھے:

مصری علماء: التصویر الممنوع انما هو الذی یکون بصنع الانسان و معالجة الایدی۔ و هذا لیس کذلك. انما هو عکس الصورة۔

ترجمہ: ممنوع تو وہ تصویر ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاری گری سے ہو۔ فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ یہ تو صورت کا عکس ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ: کیف ینتقل هذا العکس من الزجاجة الی الورق؟

ترجمہ یہ عکس کیمرہ کے لینس سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہوتا ہے۔

مصری علماء: بعد عمل کثیر۔

ترجمہ بہت کچھ کاری گری کرنی پڑتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ: أی فرق بین معالجة الایدی وصنع الانسان والعمل الکثیر۔

ترجمہ انسان کے عمل، ہاتھوں کی کاری گری اور بہت کچھ کاری گری میں کیا فرق ہے۔

علماء مصر: نعم ھو شئی واحد۔

ترجمہ کوئی فرق نہیں، سب کا ایک ہی مفہوم ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ: اذا حکمھا واحد۔

ترجمہ لہٰذا حکم بھی سب کا ایک ہے۔

- علمائے مصر حضرت مفتی صاحبؒ کی حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ جواب نہ دے سکے۔ (تحفۂ کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۵۱۲)
- مفتیٔ اول دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ: تصویر کھینچنا اور کھنچوانا جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جس میں آئینہ کی طرح صورت کا عکس آتا ہے۔ غیر مستقل اور مستقل طور پر صورت قائم ہو جانے کا فرق ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور ناجائز کیوں ہے۔ کیا مصلحت ہے۔ بصورتِ عدم جواز مُصوِّر (فوٹو گرافر) اور مُصوَّر (جو تصویر کھنچوائے) ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ ایسے اشخاص کا اقتدار درست ہے؟ کیا یہ فاسق کے حکم میں داخل ہے؟ اس قسم کی تصویروں کو اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب تصویر کھینچنا اور کھنچوانا جدید طریق فوٹو سے ایسا ہی حرام اور ناجائز ہے جیسا کہ دستی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا ممنوع اور حرام ہے۔ اور رکھنا اس کا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ دستی تصویر کا رکھنا۔ فوٹو کے ذریعہ سے تصویر کھنچوانے والا اور کھینچنے والا مستحق و سزاوار اس سزا اور وعید کے ہیں جو احادیث میں مصورین کے لیے وارد ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ سے (روایت ہے): قال سمعت رسول اللہ

ﷺ یقول اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔

○ دوسری حدیث یہ بھی ہے: اشد الناس عذابًا یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق اللہ۔ متفق علیہ۔ یہ بھی احادیث مجمع میں ہے کہ اصحاب تصاویر کو عذاب کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: احیوا ما خلقتم یعنی زندہ کرو جن کو تم نے بنایا۔

○ تیسری حدیث یعنی: الذین یضاھئون بخلق اللہ۔ دعویٰ ہمسری اور مشارکت باری تعالیٰ کا ہے۔ فقہائے احناف وغیرہم نے بھی یہی علت حرمت تصویر کی فرمائی ہے۔ علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں: و ظاھر کلام النووی فی شرح المسلم الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان مطلقًا سواء کان مما یمتھن او لغیرہ فصنعہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ بخلق اللہ و سواء کان فی ثوب او درھم او اناء اوغیرھا۔ انتھٰی۔ پھر کچھ آگے فرماتے ہیں: لان علۃ حرمۃ التصویر المضاھاۃ بخلق اللہ تعالیٰ و ھی موجودۃ فی کل ما ذکر۔

انتھٰی۔ شامی صفحہ ۴۳۵ جلد ۱۔

○ پس جبکہ تصویر کشی حرام ہوئی مطلقًا تو مرتکب ایسے فعل کا فاسق ہے اور امام بنانا اس کا حرام ہے اور نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے۔ ھکذا فی الشامی وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (کتاب الحظر والاباحۃ عزیز الفتاویٰ صفحہ ۴۲، ۴۳)

○ تصویر اور فوٹو میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدہ فرماتے ہیں کہ حکم کے اعتبار سے ہر دو میں کچھ فرق نہیں۔ فوٹو بالکل تصویر کے حکم میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ جلد ۵ صفحہ ۹۰)

○ نیز آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ خواہ لکڑی، مٹی، لوہا، سونا وغیرہ کسی مادہ کو بنائی جائے یا قلم سے کسی کاغذ یا تختی پر بنائی جائے۔ یا مشین سے عکس لیا جائے۔ کسی طرح اجازت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ جلد ۵ صفحہ ۱۱۱)

○ نیز ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: جاندار کی تصویر خواہ دیوار پر بنائی

جائے خواہ کاغذ پر خواہ کپڑے پر، چاہے قلم سے بنائی جائے یا مشین سے یا کسی اور آلہ سے یک دم بنالیا جائے، یا ایک ایک عضو الگ الگ بنایا جائے۔ کپڑے کی بناوٹ میں ہو یا کسی اور چیز کی بناوٹ میں بہر صورت ناجائز اور گناہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ جلد ۵ صفحہ ۱۳۶)

○ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تصویر خواہ مجسمہ کی شکل میں ہو یا ویسے ہی کیمرہ وغیرہ کے ذریعے کاغذ پر رقم ہو یا پردے پر رقم ہو۔ فوٹو آدمی کا ہو یا کسی اور ذی روح چیز کا، عام آدمی کا ہو یا عالم وامیر کا۔ تمام حرمت کے لحاظ سے برابر ہیں۔ بلکہ علماء وامراء کی تصاویر زیادہ فتنے کا باعث بنتی ہیں۔ کیونکہ لوگ ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے قلوب واذہان میں ان کے متعلق خاص عقیدت و عظمت ہوتی ہے۔ اس طرح ان کی تصویر کو بڑی توقیرانہ نظر سے دیکھیں گے۔ اسی احترام کے پیش نظر محافل و مجالس میں بڑے بڑے قد آور فوٹو نصب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یہی وہ ذریعہ شرک ہے جس سے قوم نوح گمراہ ہوئی تھی۔ چونکہ اس سے عبادت لغیر اللہ کا دروازہ کھلتا ہے، اس لیے یہ "حسن عقیدت" نہایت سنگین جرم اور بدترین فعل ہے۔ اور اس کی حرمت دوسروں کی نسبت زیادہ ہے۔ (تصویر کشی کی شرعی حیثیت صفحہ ۴۲ و ۴۳۔ مترجم اردو عبدالستار الحماد راجووال ضلع ساہی وال)

○ نیز شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے تصویر کشی کا حکم دیا، یا اس پر راضی ہوا، اس کا حکم بھی وہی ہے جو تصویر کشی کرنے والے کا ہے۔ اور وہ بھی اسی طرح سخت وعید کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک شرعی قاعدہ ہے کہ: کسی گناہ کا حکم دینا، یا اس پر راضی ہونا اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کا کرنا غیر شرعی ہے۔ **فائدہ**

○ اپنے اس موقف کا اظہار فرمانے کے بعد سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ دلیل کے طور پر پیش فرمائی:

قرآن وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ. (۴ : ۱۴۰)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں آپ ﷺ پر یہ فرمان نازل ہو چکا ہے کہ جب آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور تمسخر ہوتا ہوا سنیں تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ کیونکہ اس حالت میں یقیناً آپ ﷺ بھی انہی جیسے ہو جائیں گے۔

○ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ آیت واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ جو انسان برائی کو دیکھ کر اس سے اعراض نہیں کرتا، وہ برائی کرنے والے ہی کی طرح ہے۔

○ آپ نے مزید فرمایا کہ: جب برائی کو دیکھ کر خاموش رہنے والے کا حکم یہ ہے تو برائی کا حکم اس پر راضی رہنے یا خاموش ہو جانے سے بڑھ کر ہے۔

اشکال حدیث شریف میں ہے کہ حضرت بسر بن سعید فرماتے ہیں: اشتکی زید فعدنا فاذا علی بابه ستر فیه صور. (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۱) کہ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو ہم ان کی عیادت کے لیے گئے۔ اور ان کے دروازے پر ایک ایسا پردہ لٹکا ہوا دیکھا جس میں کچھ تصویریں تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیٔ رسول ﷺ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ دروازے پر تصویر دار پردہ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

جواب علماء کرام نے اس اشکال کے کئی جواب دیے ہیں۔ مثلاً:

① مطلق تصویر ممنوع نہیں۔ بلکہ ذی روح کی تصویر ممنوع ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کے پردہ پر غیر ذی روح کی تصاویر تھیں۔ اور حضرت بسر بن سعید نے حرمت تصویر سے مطلق تصویر سمجھا۔ اور اسے بھی بُرا جانا۔

② ذی روح کی تصویر حرام ہے۔ لیکن سر بریدہ تصویروں کی ممانعت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس پردہ پر ذی روح کی تصویریں ہی تھیں تو کہا جا سکتا ہے کہ جب

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے حرمتِ تصویر کا حکم سنا تو انھوں نے ان تصاویر سے سر والا حصہ کاٹ دیا۔ اور جب سر والا حصہ قائم رکھا جائے اور دھڑ کاٹ دیا جائے تو اس کی حرمت قائم رہتی ہے۔ کیونکہ چہرہ کی موجودگی میں تصویر کی بناوٹ اور اس کے حسن و جمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگرچہ باقی بدن کا حصہ معدوم ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ احادیثِ محرمہ حرمتِ تصویر کی عام ہیں۔ اور تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

④ اور یہ واقعہ حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ پر حضرت زید بن خالد سے نقل کرنے کے بعد اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کے استاذ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا کہ وہ بیمار ہو گئے تھے تو حضرت عُبیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت ابو طلحہؓ کے نیچے تصویر دار کپڑا تھا، تو حضرت ابو طلحہؓ نے خود فرمایا کہ یہ کپڑا میرے نیچے سے کھینچ کر ہٹا دو۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اے ابو طلحہؓ! آپ نے نہیں سنا کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ نے تصویر سے منع فرمایا تھا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا: الا رقما فی الثوب۔ یعنی نیچے بچھائے ہوئے کپڑے پر جو نقش ہو اور وہ پاؤں تلے روندا جاتا ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا کہ میں اس کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ اس لیے میرے نیچے سے یہ کپڑا ہٹا دو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ اس کو اچھا تو نہیں سمجھتے تھے مگر حرام بھی نہ سمجھتے تھے۔

⑤ حضرت امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ میں اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: انما هو فعل ابي طلحة وقد يجوز ان يكون النبي لم يُوقفه. کہ حضرت ابو طلحہؓ کا اس فعل (یعنی تصویر دار پردہ لٹکانے) کا تعلق حضرت نبی کریمؐ کے دور سے ہے۔ لیکن اس کا علم آپ کو نہیں ہوا۔ جیسا کہ آپ کے

دور میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ایسے عمل بھی ثابت ہیں جن کا علم آپ ﷺ کو نہیں ہوسکا۔ مثلاً:

○ آپ ﷺ کے دور میں ایک چھ سات سال کا بچہ نماز پڑھایا کرتا تھا جو سجدہ میں جاتے وقت ننگا ہو جاتا تھا۔ تو اس حدیث سے یہ مفہوم نکالنا غلط ہے کہ امام صاحب کا ستر کھل جائے یا نابالغ بچہ جماعت کرالے تب بھی مقتدیوں کی نماز ہوجاتی ہے۔

○ اسی طرح حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا تصویر دار پردہ پر لیٹنے سے اس کا جواز نہیں سمجھا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ حرمت تصویر بلا استثناء تواتر سے ثابت ہوچکی ہے۔

○ نیز قبل ازیں کئی احادیث ایسی گزرچکی ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو علم ہوا تو جس صحابی کے یہاں آپ ﷺ نے کوئی تصویر دار پردہ یا اور کسی صورت میں کسی جاندار کی تصویر دیکھی تو آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا' اور ایسے گھروں میں داخل ہونے سے بھی انکار فرمادیا جہاں تصاویر موجود پائیں۔

اشکال بخاری و مسلم میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی سہیلیوں سمیت اپنی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو وہ سہیلیاں ڈر کر بھاگ جاتیں۔ آپ ﷺ ان کو لاتے' تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گڑیاں بنانا اور ان سے کھیلنا جائز ہے۔ جب گڑیاں بنانا اور ان سے کھیلنا جائز ہوا تو تصویر اور فوٹو بنانا بھی جائز ہوگا۔ جبکہ حضرت علامہ حافظ ابن حجر کنانی عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فتح الباری شرح صحیح البخاری میں تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے گڑیاں بنانے اور ان سے کھیلنے کا جواز ملتا ہے۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ لڑکیوں کو سکھانے کے لیے کھلونوں کی خرید و فروخت جائز ہے۔ تاکہ بچیاں صغر سنی میں ہی امور خانہ داری سے آگاہ ہوجائیں۔

جواب حضرت علامہ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث کی تخریج کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ جاندار چیز کی تصویر رکھنا اور بنانا منع ہے۔ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کے لیے جو رخصت تھی وہ حرمت سے پہلے تھی۔ حضرت محدث ابن بطال کی رائے بھی یہی ہے۔

○ نیز حضرت ابن ابی زید نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت بیان کی ہے کہ وہ (امام مالکؒ) اس قسم کی خرید و فروخت کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے تھے۔ اسی طرح داؤدی نے بھی اس کے منسوخ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ:

○ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۹ھ ہجری میں جب تبوک کے) سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے گڑیوں کے ساتھ کھیلنے سے منع فرمایا۔ (دیکھیے: نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ و بخاری صفحہ ۸۸۲)

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے گڑیوں سے کھیلنے کی ممانعت کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اور اس فرمانِ نبویؐ سے اباحتِ سابقہ کا حکم منسوخ ہو جانے کے باعث حرمت کا حکم ناسخ قرار پائے گا۔ کیونکہ اصولِ حدیث کا:

قانون ہے کہ: "حرمت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے"۔

○ نیز یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچیاں بھی اگرچہ مکلف نہیں لیکن اس حکم حرمت میں وہ بھی برابر شریک ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کا فرض ہے کہ بچوں کو ایسے کھلونے خرید کر نہ دیں جو کسی جاندار کی شکل پر بنائے گئے ہوں۔ خواہ ان کی شکل بگاڑ کر کارٹون کا نام دیدیا گیا ہو۔ اور اگر ایسی چیز کہیں سے بچوں کے ہاتھ لگ جائے تو ماں باپ اور بزرگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی چیز کو بچے سے لے کر توڑ پھوڑ دیں۔ اور ایسی چیزیں خریدنے کے لیے بچوں کو پیسے بھی نہ دیں۔

○ گو کہ بچے شرعی احکام (اوامر و نواہی) کے مکلف نہیں ہوتے لیکن بعض امور ایسے ہیں کہ بچوں کو بھی ان کی پابندی کا حکم دیا جاتا ہے۔ مثلاً:

○ بچے کو کھڑے ہو کر یا قبلہ رخ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے منع کرنا ماں باپ پر ضروری ہے۔ اور فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ ماں اپنے شیرخوار بچے کو قبلہ رخ بٹھا کر پیشاب نہ کرائے۔

- اسی طرح لڑکے کو ریشمی کپڑا اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ پہنانے کی بھی ممانعت ہے۔
- اسی طرح داہنے ہاتھ سے کھانے کی ترغیب دینا" اوندھے ہوکر لیٹنے سے منع کرنا اور گندے کاموں سے عار دلانا ماں باپ پر ضروری ہے۔
- اسی طرح نابالغ بچے پر نماز فرض نہیں۔ مگر ماں باپ کو حکم ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ پھر جب بچہ دس سال کا ہوجائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مار کر نماز پڑھوائی جائے۔

مغالطہ عامۃ الورود کا ازالہ

- عام طور پر چھوٹے بچوں کو مٹی، لکڑی کپڑے وغیرہ سے اوٹ پٹانگ قسم کی بے ڈھنگی سی گڑیاں بنا کر کھیلنے اور پھر اس کی ممانعت ہوجانے کا مطلب تصاویر کی حرمت کو شریعت اسلامیہ محمدیہ ﷺ کا مخصوص حکم قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں تصاویر ممنوع نہیں تھیں۔ صرف شریعت محمدیہ ﷺ میں حرام ہوئی ہیں۔ اور دلیل کے طور پر سورۂ سبا کی آیت : يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (۳۴ : ۱۳) پیش کی جاتی ہے۔ اور اس کے معنے عام طور پر اس طرح کیے جاتے ہیں کہ : "وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایسی ایسی چیزیں بنا بنا کر دیتے جو انھیں بنانا منظور ہوتیں۔ مثلاً بڑی بڑی عمارتیں قلعے اور مسجدیں اور مجسّمے اور لگن جیسے حوض اور بڑی بڑی دیگیں جو بھاری ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ جمی رہیں اور چولھے سے نہ ہٹائی جائیں"۔ مگر یہ بات منظور فیہ ہے۔ کیونکہ :
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کسی آسمانی شریعت کے پوجا پاٹ کی غرض سے یا ویسے ہی محض یادگار کے طور پر مجسّمے مورتیاں اور تصویریں بنانے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ تورات شریف میں جہاں پوجا پاٹ کی غرض سے تصویر کشی اور بت تراشی کو حرام قرار دیا گیا ہے وہاں مطلق تصویر سازی کو بھی ممنوع اور حرام کہا گیا ہے۔ چنانچہ تورات شریف میں ہے :

(۱) لَا تَصْنَعْ لَكَ تِمْثَالًا مَنْحُوتًا وَلَا صُورَةً مَا مِمَّا فِي السَّمَاءِ مِنْ فَوْقُ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ تَحْتُ وَمَا فِي الْمَاءِ مِنْ تَحْتِ الْأَرْضِ لَا تَسْجُدْ لَهُنَّ وَلَا تَعْبُدْهُنَّ لِأَنِّي أَنَا الرَّبُّ إِلٰهَكَ إِلٰهٌ غَيُورٌ ۝ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا" اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔ (خروج ۲۰ : ۴۔۵ و استثناء ۵ : ۸۔۹)

(۲) قَالَ الرَّبُّ لِي قُمِ انْزِلْ عَاجِلًا مِنْ هُنَا لِأَنَّهُ قَدْ فَسَدَ شَعْبُكَ الَّذِي أَخْرَجْتَهُ مِنْ مِصْرَ زَاغُوا سَرِيعًا عَنِ الطَّرِيقِ الَّتِي أَوْصَيْتُهُمْ صَنَعُوا لِأَنْفُسِهِمْ تِمْثَالًا مَسْبُوكًا ۝ اور خدا نے مجھ سے کہا اٹھ جلد یہاں سے نیچے جا۔ کیونکہ تیرے لوگ جن کو تو مصر سے نکال لایا ہے بگڑ گئے ہیں۔ وہ اس راہ سے جس کا میں نے ان کو حکم دیا جلد برگشتہ ہو گئے اور اپنے لیے ایک مورت ڈھال کر بنالی۔ (استثناء ۹ : ۱۲)

(۳) وَتَهْدِمُونَ مَذَابِحَهُمْ وَتُكَسِّرُونَ أَنْصَابَهُمْ وَتُحْرِقُونَ سَوَارِيَهُمْ بِالنَّارِ وَتُقَطِّعُونَ تَمَاثِيلَ آلِهَتِهِمْ وَتَمْحُونَ اسْمَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ ۝ تم ان کے مذبحوں کو ڈھادینا۔ اور ان کے ستونوں کو توڑ ڈالنا۔ اور ان کے دیوتاؤں کی کھدی ہوئی مورتوں کو کاٹ کر گرا دینا۔ اور اس جگہ سے ان کے نام تک کو مٹا ڈالنا۔ (استثناء ۱۲ : ۳)

(۴) وَلَا تُقِمْ لَكَ نَصَبًا الشَّيْءَ الَّذِي يُبْغِضُهُ الرَّبُّ إِلٰهُكَ ۝ "نہ اپنے لیے کسی طرح کی مورت بنانا کیونکہ اس سے خداوند تیرا خدا نفرت رکھتا ہے"۔ (استثناء ۱۶ : ۲۲)

(۵) فَيُصَرِّحُ اللَّاوِيُّونَ وَيَقُولُونَ لِجَمِيعِ قَوْمِ إِسْرَائِيلَ بِصَوْتٍ عَالٍ مَلْعُونٌ الْإِنْسَانُ الَّذِي يَصْنَعُ تِمْثَالًا مَنْحُوتًا أَوْ مَسْبُوكًا رِجْسًا لَدَى الرَّبِّ عَمَلَ يَدَيْ نَحَّاتٍ وَيَضَعُهُ فِي الْخَفَاءِ وَيُجِيبُ جَمِيعُ الشَّعْبِ وَيَقُولُونَ آمِينَ ۝ "اور بنی لاوی مخاطب ہو کر بنی اسرائیل کے سارے مردوں کو بلند آواز سے کہیں کہ اس شخص پر جو اپنے ہاتھوں کی کاری گری سے کھود کے' یا ڈھال کے بت

بنائے جس سے خداوند کو نفرت ہے، اور اسے پوشیدہ مکان میں رکھے لعنتی ہے۔ تب ساری جماعت جواب دے کے کہے آمین"۔ (استثنا ۲۷: ۱۵)

(۶) وَتَمْحُوْنَ جَمِيْعَ تَصَاوِيْرِهِمْ وَتُبِيْدُوْنَ كُلَّ أَصْنَامِهِمُ الْمَسْبُوْكَةِ۝ ان کی مورتیں فنا کر دو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو نابود کر دو۔ (گنتی ۳۳: ۵۲)

(۷) لَا تَصْنَعُوْا لَكُمْ أَوْثَانًا وَلَا تُقِيْمُوْا لَكُمْ تِمْثَالًا مَنْحُوْتًا أَوْ نَصَبًا وَلَا تَجْعَلُوْا فِيْ أَرْضِكُمْ حَجَرًا مُصَوَّرًا لِتَسْجُدُوْا لَهُ لِأَنِّيْ أَنَا الرَّبُّ إِلٰهُكُمْ۝ "تم اپنے لیے بتوں کو یا کسی تراشی ہوئی مورت کو نہ بناؤ۔ اور نہ پوجنے کی لاٹ کو کھڑا کرو۔ اور نہ اپنے لیے صورت دار پتھر اپنے ملک میں قائم کرو"۔ (احبار ۲۶: ۱)

(۸) اَلَّذِيْنَ يُصَوِّرُوْنَ صَنَمًا كُلُّهُمْ بَاطِلٌ۝ جو لوگ تصویریں بناتے ہیں سب کے سب باطل ہیں (یسعیاہ ۴۴: ۹)

(۹) بَلِدَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ مَعْرِفَتِهِ خَزِيَ كُلُّ صَائِغٍ مِنَ التِّمْثَالِ لِأَنَّ مَسْبُوْكَهُ كَذِبٌ وَلَا رُوْحَ فِيْهِ هِيَ بَاطِلَةٌ صَنْعَةُ الْأَضَالِيْلِ فِيْ وَقْتِ عِقَابِهَا تَبِيْدُ۝ ہر ایک آدمی حیوان کی مانند اور بے دانش ہے۔ ہر ایک سنار اپنی کھودی ہوئی مورت سے شرمندہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مورت جو اس نے ڈھالی ہے سو جھوٹی ہے۔ ان میں دم نہیں۔ بلکہ ہنسی ٹھٹھے کی چیز۔ بدلا لینے کے وقت وہ نابود ہوں گے۔ (یرمیاہ ۱۰: ۱۴)

(۱۰) وَالنَّاجُوْنَ مِنْكُمْ يَذْكُرُوْنَنِيْ بَيْنَ الْأُمَمِ الَّذِيْنَ يُسْبَوْنَ إِلَيْهِمْ إِذَا كَسَرْتُ قَلْبَهُمُ الزَّانِيَ الَّذِيْ حَادَ عَنِّيْ وَعُيُوْنَهُمُ الزَّانِيَةَ وَرَآءَ أَصْنَامِهِمْ۝ اور وہ جو تم میں سے بچ رہیں گے ان قوموں کے درمیان جہاں جہاں وہ اسیر ہو کے جائیں گے مجھ کو یاد کریں گے۔ جب میں ان کے زناکار دلوں کو جو مجھ سے دور ہوتے اور ان کی زناکار آنکھوں کو جو بتوں کی پیروی میں ہوئیں شکستہ کروں گا۔ (حزقی ایل ۶: ۹)

○ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے براہِ راست شاگردوں میں سے ایک مشہور حواری یوحنا نے ایک خط کے آخر میں نصیحت کی: أَيُّهَا الْأَوْلَادُ احْفَظُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ الْأَصْنَامِ۝ کہ اے بچو! اپنے آپ کو بتوں سے بچائے رکھو۔ (یوحنا کا پہلا عام خط)

○ یاد رہے کہ تورات شریف سے پہلے بھی کسی آسمانی کتاب یا صحیفے میں تصویر کشی کی اجازت ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ :

○ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے مجسمہ بنانے یا تصویر کشی کا تصور بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ مدت قبل مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کے پانچ برگزیدہ بندے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ایک ہی ماہ میں فوت ہو گئے تو ان کے ارادت مند ان کی وفات سے بہت پریشان ہوئے۔ تو شیطان نے ان بزرگوں کے پیروکاروں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ یہ بزرگ جہاں جہاں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے تھے ان مقامات پر ان بزرگوں کے مجسمے بنا کر رکھو۔ اور ان مورتیوں کے نام بھی ان بزرگوں کے نام پر رکھے جائیں۔ لوگوں نے محض یادگار کے طور پر ان صالحین کے مجسمے بنا لیے۔

○ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس موقع پر ان مورتیوں کی عبادت نہیں کی گئی بلکہ وہ مورتیاں محض یادگار کے طور پر قائم کی گئیں، اور یہ مورتیاں اپنے مٹی کی صورت پر تھیں۔ اور پھر جب ان بزرگوں کی یادگار کے طور پر مورتیاں بنانے والی یہ نسل مر گئی اور ان کے بعد مدت دراز گزر گئی اور نئی نسل کے لوگوں کو بوجہ جہالت ان مورتیوں کی اصلیت کا علم نہ رہا، تو اس نئی نسل کے جاہلوں نے ان یادگاروں کے ساتھ ایسے ایسے تعظیمی کام شروع کر دیے جن کا تعلق عبادت سے ہے۔

(دیکھیے : بخاری صفحہ ۷۳۲)

○ یہ روایت جس کا مفہوم یہاں بیان کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت قتادہؒ، ضحاکؒ، عکرمہؒ اور ابن اسحاقؒ وغیرہم سے بھی مروی ہے۔

○ نیز ابن جریرؒ نے حضرت محمد بن قیس تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وہ صالح اہل اللہ تھے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیانی دور میں ہو گزرے ہیں۔ ان بزرگوں کے مریدین ان کی زندگی میں عبادت و ریاضت وغیرہ امورِ دینیہ میں ان کی پیروی اور اقتدار کیا

کرتے تھے۔ پھر ان بزرگ ہستیوں کے فوت ہو جانے کے بعد ان بزرگوں کے مریدین و خلفاء کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے پیروں اور شیوخ کی تصاویر بنا کر سامنے رکھ لیں اور ان بزرگوں کی تصویروں کی زیارت کیا کریں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زیادہ مزہ آئے گا اور عبادت کا شوق بڑھے گا۔ پس ان مریدین نے اسی نیت و ارادے سے پتھروں پر اپنے پیروں کی تصویریں بنائیں۔ پھر جب یہ لوگ بھی مر گئے اور کافی عرصہ گزر گیا تو ابلیس نے بعد میں آنے والی نسلوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے بزرگ ان پیروں کی مورتیوں کی تعظیم کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ انھیں بارش دیتا تھا۔ یعنی ان لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ بزرگ لوگ جن کی یہ مورتیاں بنی ہوئی ہیں جب یہ دعا کرتے تھے تو بارش ہوتی تھی۔ پس ابلیس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارے باپ دادا جب ان مورتیوں کے سامنے التجا کرتے تھے تو بارش برستی تھی یعنی وہ ان کے آگے التجا کرتے تھے اور یہ پیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اب بھی دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ لہٰذا تم بھی انہی کے سامنے التجا کرو اور ان کی تعظیم کرو تو تم کو بھی ملے گا۔

○ نیز مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو اپنے عقیدہ میں حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز سمجھا اور اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت نوح علیہ السلام سے اختلاف کیا۔ آخر کار پانی میں غرق ہو کر برزخی آگ میں داخل کیے گئے۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن پنج تن کا کچھ وجود سمجھتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ان پیارے ولیوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو اپنا کارساز سمجھتے تھے ان پنج تن میں سے کسی ایک کو بھی کارساز نہ پایا کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچتا اور ان کو عذابِ الٰہی سے بچاتا۔ اور جو لوگ پنج تن کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ کو کارساز سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں بچا لیا۔

○ اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ جن لوگوں نے ان پانچ

صابئین کی مورتیاں بناتی تھیں وہ محض یادگار کے طور پر تھیں۔ اور یہ کہ یہی مورتیاں آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادیان سماوی میں کسی طرح سے بھی مورتیوں کے بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہر دین سماوی میں مورتیاں بنانا ایک قبیح فعل رہا ہے۔ خواہ وہ مورتیاں پوجاپاٹ کی غرض سے بنائی جائیں یا محض یادگار کے طور پر۔ وہ مورتیاں نیک وصالح بندوں کی ہوں یا بدکاروں کی۔ آخر کار شرک کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ:

○ کتاب السیر کے حوالے سے سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۲ صفحہ ۷۰۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ اساف ونائلہ مرد اور عورت تھے۔ اور قریش میں بہت نیک مشہور تھے۔ ان دونوں نے کعبہ کے اندر باہم زنا کیا۔ پس مسخ کر کے پتھر کر دیے گئے۔ پس قریش نے کعبے کے اندر سے نکال کر ان کو کعبہ کے سامنے رکھ دیا تھا تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ پھر جب زمانہ دراز گزر گیا تو ذریات اور اولاد ان کی پرستش کرنے لگے۔ پھر دونوں کو صفا و مروہ پر اٹھا لائے اور یہاں نصب کیا۔ اور صفا و مروہ کی سعی میں انھیں کو استلام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو عمرو بن لحی نے صفا و مروہ پر لا کر رکھا تھا۔ اور شعبی نے کہا کہ صفا پر اساف تھا اور مروہ پر نائلہ تھی۔ اور جاہلیت میں لوگ طواف کے دوران انھی دونوں کو چوم کر جاتے تھے۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو انبیاء کرام علیہم السلام کے جد امجد تھے۔ انھی کی اولاد میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی تھے۔ وہ حلفاً کہتے ہیں: تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین (۲۱: ۵۷) اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمھارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم ان کے پاس سے چلے جاؤ گے۔ چنانچہ: فجعلھم جذاذاً۔ انھوں نے ان بتوں کو ہتھوڑے سے توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر بھی دیا۔

○ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت بھی موسوی شریعت ہی تھی۔ وہ بھی تورات شریف پر ہی عمل کرتے کراتے تھے۔ اس لیے یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ تورات شریف

پر عمل کرنے کے باوجود بت تراشی یا تصویر کشی کو جائز سمجھتے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ آپؑ کسی جن یا انسان کو بُت تراشی یا تصویر کشی کا حکم دیتے ہوں۔

○ اور سلاطین کی پہلی کتاب باب گیارہ میں جو یہ لکھا ہے: "جب سُلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبود کی طرف مائل کیا"۔ سو یہ صریح اور فحش غلطی ہے۔ اور نبی بن نبی حضرت سُلیمان علیہ السّلام پر بہتان عظیم ہے۔ جو یہود کی پُرانی عادت چلی آ رہی ہے۔ حتّٰی کہ اپنے اولوا العزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر بھی بہتان تراشی سے باز نہ آئے۔ اور آپؑ کو کئی طرح سے ایذائیں دیں۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ اور ہم مُسلمانوں کو متنبہ کیا: یا ایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین اٰذوا موسیٰ (الآیۃ) مومنو! ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ایذاء دیتے رہے۔ حضرت سُلیمان علیہ السّلام پر بُت تراشی یا تصویر کشی کا الزام غلط تھا۔

○ اور قرآن مجید میں جو آیا ہے: يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (۳۴: ۱۳) اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ پہلے زمانے میں تصویر کشی جائز تھی۔ جیسا کہ حضرت امام ابوبکر رازی جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۵۹ میں فرمایا ہے: یدل علی ان عمل التصاویر کان مباحًا و ھو محظور فی شریعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ تصویر کشی مباح تھی اور شریعت محمدیہ میں ممنوع قرار دی گئی۔

○ محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی غرناطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے البحر المحیط جلد ۷ صفحہ ۲۶۵ میں فرمایا ہے: حکی مکی فی الھدایۃ ان قومًا اجازوا التصاویر و حکاہ النحاس عن قوم و احتجوا بقولہ تعالیٰ و تماثیل قالہ ابن عطیہ۔ یعنی مفسر ابن عطیہؒ نے کہا ہے کہ ہدایہ میں مکی نے ایک بات نقل کی ہے کہ ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کے کلام و تماثیل سے دلیل پکڑتے ہوئے تصویروں کو جائز قرار دیا۔ اور نحاس نے بھی یہی نقل کیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ائمۂ علم میں سے کوئی ایسا نہیں جو تصاویر کو جائز کہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی روح المعانی میں یہی بات نقل کرکے فرمایا: فلا یلتفت الی ھذا القول ولا یصح الاحتجاج بالآیۃ۔ یعنی اس بات کی طرف التفات ہی نہ کی جائے اور نہ ہی اس آیت سے تصویر کشی کے جواز کی دلیل پکڑنا صحیح ہے۔ اس کے بعد سید صاحبؒ نے ایک لطیفہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ مجسمے انبیاءؑ ملائکہؑ اور صالحینؒ کے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے ان میں جان پڑ گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد سید صاحبؒ نے فرمایا: ھذا من اعجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد صحتہ وما ھو الا حدیث خرافۃ۔ یعنی یہ کہانی بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ ناقابلِ یقین ہے۔ یہ محض خرافات اور لغو روایت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بے شک اکثر مفسرین اور مترجمین نے تماثیل کے معنے مجسمے اور تصاویر کے لیے ہیں۔ مگر آیت کے سیاق وسباق میں جو چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان کو سامنے رکھ کر مجسمہ اور تصویر والا معنی کسی صورت میں نہیں سجتا۔ چہ جائیکہ پیغمبر خدا کی خاطر مجسمے یا تصویریں بنائی جاتیں۔ کیونکہ پیغمبر تصویر یا مجسمہ بنواتا نہیں ہے بلکہ پیغمبر تو بت شکن ہوتا ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام مسئلۂ توحید سمجھانے کے لیے آئے تھے۔ بت توڑنے اور تڑوانے آئے تھے۔ نہ کہ بت بنوانے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے موقع پر بت توڑے تھے اور کعبہ شریف سے باہر پھنکوا دیے تھے۔ حتیٰ کہ خود بت شکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی دیکھیں اور ان کو (پانی سے) مٹوادیا۔

اب رہا تماثیل کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کا ایک معنی تو مورتیاں اور بت بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصنام پر تماثیل کا اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ:

○ قرآن مجید میں ہے: اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (۲۱ : ۵۲) یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے اور اپنی برادری سے فرمایا تھا کہ یہ کیا تماثیل (واہیات مورتیاں) ہیں جن کی عبادت اور پوجاپاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔

○ مگر سورۂ سبا میں جو تماثیل کا لفظ ہے وہاں یہ معنی مراد نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کا یہ قانون اور قاعدہ کلیہ نہیں کہ ایک لفظ کسی جگہ ایک معنے میں استعمال ہوا ہو تو سارے قرآن مجید میں وہ لفظ اسی معنے میں استعمال ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کئی الفاظ ایسے ہیں جن کے معنے مختلف مقامات میں موقع کی مناسبت کے لحاظ سے الگ الگ لیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

○ "احسان" کے چار معنے ہیں۔ اور قرآن مجید میں مختلف جگہوں میں یہ لفظ چاروں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

○ اسی طرح "فحشاء" کے معنے قرآن مجید کے اکثر مقامات پر "بے حیائی" کے آئے ہیں۔ مگر الشیطان یعدکم الفقر و یأمرکم بالفحشاء (۲ : ۲۶۸) میں "فحشاء" بمعنی "بخل" ہے۔ "بے حیائی" کے معنے نہیں۔ اور اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ: "شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا اور بخل کا مشورہ دیتا ہے"۔

○ اسی طرح قرآن مجید میں ہر جگہ "خلق" بمعنی پیدا کرنا" عدم سے وجود میں لانا" کسی مادہ اور کسی سابق نمونہ کے بغیر چیز کا بنانا ہے۔ مگر انی اخلق لکم من الطین (۳ : ۴۹) میں "خلق" کے معنے ہیں: "متشکل بنانا"۔ اس آیت میں "خلق" کا معنیٰ "پیدا کرنا" نہیں ہیں۔ اور یہ متشکل بنانا بھی بطور معجزہ کے حکم الٰہی سے تھا۔ اسی لیے فرمایا: جئتکم بآیة من ربکم (۳ : ۴۹) یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اپنی نبوت پر دلیل لایا ہوں۔ اس لیے اس آیت کے معنے یہ ہوتے کہ تمہارے لیے بحکم الٰہی گارے کی ایک شکل بناتا ہوں۔ جیسے پرندہ کی شکل ہو۔ پھر میں اس میں پھونک ماروں گا جس کی وجہ سے بحکم الٰہی وہ اڑنے والا پرندہ

بن جائے گا۔ لیکن معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس لیے یہاں "خلق" کا لفظ پیدا کرنے کے معنے میں نہیں۔ بلکہ شکل بنانے کے معنے میں ہے۔ جو معجزہ کا اظہار کرنے کے لیے اللہ تعالٰی کے حکم سے تھا۔ جیسا کہ:

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا تھا' انھیں اس عصا کے بارے میں سوائے اس کے کچھ علم نہ تھا کہ یہ ٹیک لگانے کے کام آتا ہے' یا اس کے ساتھ درختوں کے پتے جھاڑے جاتے ہیں وغیرہ۔ پھر جب اللہ تعالٰی نے انھیں حکم دیا کہ اسے زمین پر ڈال دیں' پھر جب انھوں نے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ سو اس میں حضرت موسیٰؑ کا عمل نہ تھا بلکہ اللہ تعالٰی نے اس ذریعے سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا۔ نہ کہ خود حضرت موسیٰؑ نے لاٹھی کا سانپ بنا دیا۔
- اسی طرح حضرت خضر نے ایک نابالغ بچے کو جان سے مار دیا تھا۔ یہ بھی اللہ تعالٰی کے حکم سے تھا۔ کیونکہ حضرت خضر خود فرماتے ہیں: مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ کہ یہ کام میں نے اپنے اختیار سے نہیں کیا۔
- اسی طرح بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ ایک مردہ کا کچھ حصہ اس کے دوسرے حصے پر مارو جس کے باعث وہ مردہ زندہ گویندہ ہو گیا۔ یہ سب حکمِ الٰہی سے خرقِ عادت کے طور پر تھے۔ جن پر شریعت میں جواز و عدمِ جواز کا حکم نہیں لگتا۔
- اسی طرح "تماثیل" کے معنے سورۃ انبیاء کی آیت ۵۲ میں تو واقعی مورتیاں ہیں۔ مگر سورۃ سبا میں تماثیل کے معنے ہیں: "چارپائیاں"۔ یہاں تماثیل کے معنے مورتیاں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے' بلکہ نبی بن نبی تھے۔ شریعتِ موسویہ کے پابند تھے۔ تورات شریف پر عمل کرتے کراتے تھے۔ جبکہ نبی نہ بت بناتا ہے نہ بنواتا ہے۔ بلکہ نبی تو بُت شکن ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔
- نیز اس مقام پر "تماثیل" کا معنیٰ مجسمے یا تصاویر کرنا سیاق و سباق کے بھی خلاف ہے کیونکہ "تماثیل" سے پہلے ہے:

○ "محاریب" جس کے معنے ہیں : "کوٹھیاں۔ مضبوط محل۔ قلعے اور مسجدیں" اور "تماثیل" کے بعد فرمایا :

○ "جفان"۔ جو جمع ہے "جفنۃ" کی۔ جس کے معنے ہیں : "بڑے بڑے لگن، جن میں سیکڑوں آدمی کھانا کھا سکیں"۔ آگے فرمایا :

○ "کالجواب"۔ جو جمع ہے : "جابیۃ" کی۔ یعنی "اونٹوں کے پانی پینے کے حوض"۔ تو ان لگنوں کی لمبائی چوڑائی کی مثال حوض کے ساتھ دی۔ پھر فرمایا :

○ "قدور" جو جمع ہے "قِدر" کی۔ بمعنی "دیگ"۔ یعنی بڑی بڑی دیگیں۔ جن میں لشکر کا کھانا پکتا ہو۔

○ بہرحال یہ چیزیں جو اس آیتِ مبارکہ میں مذکور ہیں سب مباح ہیں۔ کیونکہ :

① مسجدیں نماز پڑھنے کے لیے ہیں۔

② قلعے لشکر کی حفاظت کے لیے۔

③ کوٹھیاں اور مضبوط محل سلاطین و وزراء کی رہائش کے لیے۔

④ پیالے پانی پینے کے لیے۔

⑤ دیگیں کھانا پکانے کے لیے۔

⑥ اور رات کو آرام کرنے کے لیے پلنگ بھی ہونا چاہیے۔ جن پر رات کے وقت لشکر آرام سے سو سکے۔

○ اور یہ سب چیزیں تو شرعاً مباح ہیں۔ لیکن مجسمے اور بت تو کسی شریعت میں جائز نہیں ہوئے۔ اس لیے سورۂ سبا کی اس آیتِ مبارکہ میں مجسمے اور بت والا معنی لینا سیاق سباق کے خلاف اور تمام آسمانی شریعتوں کے بھی خلاف ہے۔ جبکہ "تماثیل" کا معنی چارپائیاں اور پلنگ نہایت موزون ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیر و مرشد رئیس المفسرین امام المحدثین فقیہ دوران حضرت مولانا **حُسین علی الواں**ی رحمۃ اللہ علیہ نے بُلغۃ الحیران صفحہ ۲۷۱ میں فرمایا کہ :
"تماثیل" بمعنی "پلنگ" کیونکہ عرب لوگ سونے کی جگہ کو "مثال" کہتے ہیں۔

جیسے صاحبِ مُغرب علامہ ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الفراش الذی ینام علیہ۔ جس فراش پر سویا جائے۔ جسے چارپائی (پلنگھ) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ چارپائی انسان کے قد کے برابر ہوتی ہے۔ یعنی اس کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی واسطے اس کو تمثال اور مثال کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ:

○ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نزلت عن المثال علی الحصیر۔ یعنی جب حیض شروع ہوتا تھا تو چارپائی سے اتر کر چٹائی پر آجاتی تھی۔ تو قرآن مجید میں بھی تماثیل سے یہی معنی مراد ہے۔ یعنی بڑے بڑے پلنگ آرام کرنے کے لیے نہ کہ مجسمے یا تصویریں۔ جو کسی شریعت میں کبھی جائز نہیں ہوئیں۔

تنبیہ یاد رہے کہ گناہ کے کام کو جائز سمجھ کر گناہ کا ارتکاب کرنے سے ایمان کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حرام کو حرام سمجھنا ایمان کی شرائط میں داخل ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص کسی حلال کو حرام سمجھے گا یا کسی حرام کام کو حلال سمجھے گا تو ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ کیونکہ جب ایمان کی شرط ہی فوت ہو جاتی ہے تو ایمان بھی فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے: اذا فات الشرط فات المشروط۔ کہ جب شرط فوت ہو گئی تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

○ طہارت نماز کی شرط ہے۔ اگر طہارت نہ رہی اور وضو ٹوٹ گیا تو جو نماز پڑھ رہا ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گی۔ اس لیے اگر اللہ توفیق دے تو اس کبیرہ گناہ سے تائب ہونا اور ایمان کی تجدید کرنا ضروری ہے۔ اور اگر کوئی عالم اس مرض میں مبتلا ہو تو اس کے لیے اپنے حلقۂ اثر میں اعلان کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ:

○ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہ دونوں اکابر پہلے کیمرہ کے ذریعے اتاری جانے والی تصویر کو جائز سمجھتے تھے۔ اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے تو اس موضوع پر ایک

مستقل مضمون بھی تحریر فرمایا تھا۔ جس کے جواب میں مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تحقیقی مضمون تحریر فرمایا۔ جو ماہنامہ "القاسم" دیوبند میں اور بعد ازاں مستقل کتابی صورت میں بھی اس امید پر شائع کیا گیا کہ اگر کسی کو بھی عمل کی توفیق نہ ہوئی تو کم از کم علم صحیح ہو کر گناہ کو گناہ تو سمجھے گا' اس کو جائز سمجھنے کے دوسرے اور سخت گناہ سے تو بچے گا......

چنانچہ مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے "تصویر کے شرعی احکام" میں تحریر فرمایا کہ:

اس مستقل رسالہ کی اشاعت کے کچھ مدت بعد حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قدس اللہ سرہٗ کا ایک گرامی نامہ میرے پاس پہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ اپنا رسالہ "التصویر لاحکام التصویر" جو آپنے میرے ہی رد میں لکھا ہے' اس کا نسخہ مجھے بھیج دیجیے۔ احقر نے فوراً تعمیلِ حکم کی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ حضرت علامہ سید صاحبؒ نے مرشد تھانوی حضرت حکیم الامتؒ کی طرف رجوع فرمایا' اور تزکیۂ نفس کے لیے بار بار تھانہ بھون حاضری کی نوبت آئی' تزکیۂ ظاہر و باطن کے ساتھ ماضی کے اعمال و افعال پر بھی نظر ہونا اور کوتاہیوں کا تدارک کرنا لوازم میں سے ہے۔ حق تعالیٰ نے جب سید صاحبؒ کو اس مقام فناء پر سرفراز فرمایا تو اپنے اعمال ماضیہ کے جائزے اور تلافیِ مافات کے ساتھ اپنی چالیس سالہ علمی تحقیقات اور مستقل تصانیف اور مقالات و مضامین' اس جائزہ کا مستقل موضوع بنے' اور بالآخر محرم ۱۳۶۲ھ میں "معارف" اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۴۳ء آپنے سلف صالحینؒ کی اس سنت کو زندہ فرمایا اور "رجوع و اعتراف" کے عنوان سے ایک مضمون اپنی سب تصانیف اور تحریرات و مضامین کے متعلق اجمالاً اور خاص خاص مسائل سے رجوع کے متعلق تفصیلاً شائع فرمایا۔ اس میں مسئلۂ تصویر کے بارے میں مضمون سابق "معارف" میں شائع ہوا تھا اس کے ان اجزاء سے پوری تصریح و وضاحت کے ساتھ رجوع کا اعلان فرمادیا جو جمہور فقہاءِ امت سے مختلف تھے۔

○ یہ رجوع و اعتراف کا مضمون علامہ سید صاحبؒ کے کمال علم اور کمال تقویٰ کا بہت بڑا شاہکار ہے۔ اس پر خود مرشد تھانوی سیدی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر معمولی مسرت کا اظہار نظم میں فرمایا۔ اگرچہ یہ مضمون خود ایک نہایت مفید مقالہ ہے جس کو اس جگہ پورا شائع کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن بغرض اختصار صرف اتنا حصہ نقل کیا جاتا ہے جتنا مسئلۂ تصویر سے متعلق ہے۔

عکسی تصویر دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے

○ مسئلۂ تصویر کے متعلق میں (سید سلیمان ندوی) نے ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں :

(۱) ذی روح کے فوٹو لینے یعنی عکسی تصویر کشی۔ اور خصوصاً

(۲) نصف حصۂ جسم کے فوٹو کا جواز ظاہر کیا تھا۔

اس سلسلہ میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے بھی مضامین لکھے۔ جن میں سے بعض میرے موافق ہیں اور بعض میرے مخالف۔ لیکن بہرحال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آگئے ہیں۔ اس لیے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے کہ : صحیح یہی ہے کہ امر اول (عکسی تصویر) دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے۔ اور امر ثانی (نصف حصۂ جسم کے فوٹو) کا کھینچنا ناجائز اور کھنچوانا باضطرار جائز اور دھڑ کا بغیر سر اور چہرہ کے دونوں جائز ہیں۔

○ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اس بیان کو نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی اعظمؒ نے تحریر فرمایا کہ : اس وقت تک اگرچہ تصویر کشی اور اس کے استعمال میں عوام و خواص کا ابتلاء عام ہو چکا تھا، مگر اس کے جواز پر کسی عالم نے بجز سید صاحبؒ کے ہندوستان میں قلم نہیں اٹھایا تھا۔ اور حضرت سید صاحبؒ نے اس سے بوضاحت رجوع کا اعلان فرمادیا۔

○ دوسری طرف یہ واقعہ بھی تقریباً اسی زمانے میں پیش آیا کہ (مولانا) ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم جنھوں نے مدت دراز تک اپنا مشہور اخبار "الہلال" باتصویر

شائع کیا۔ جب وہ رانچی جیل میں تھے آپؒ کے متعلقین میں سے بعض حضرات نے آپؒ کی سوانح اور حالات کو بنام "تذکرہ" جمع کرکے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تو جدید مصنفین کی رسم کے مطابق انھوں نے رانچی جیل میں آپؒ کو خط بھیجا کہ مجھے اپنا فوٹو عنایت فرمادیں جس کو میں اس کے شروع میں لگانا چاہتا ہوں۔

○ اس پر علامہ ابوالکلام آزاد مرحوم نے جو جواب تحریر فرمایا وہ خود اسی تذکرہ میں ان الفاظ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے:

○ "تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے۔ یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور "الہلال" کو باتصویر نکالا تھا۔ اب میں اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں۔ میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہیے نہ کہ از سرِ نو ان کی تشہیر کرنا چاہیے"۔

○ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے جس صفائی اور صراحت کے ساتھ نہ صرف اپنے سابقہ عمل سے رجوع کیا، بلکہ تائب ہونے کا ذکر فرمایا، یہ بھی ان کی عالی ہمتی اور دین کی فکر کی بڑی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطاء فرمادیں۔ (دیکھیے: مقدمہ تصویر کے شرعی احکام)

○ امید ہے کہ اس پندرھویں صدی میں بھی کوئی ایسا خوش نصیب عالم ضرور ہوگا جو حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرح اپنی سابقہ غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ویڈیو فلم اور تصاویر کو جائز سمجھنے سے رجوع کا اعلانِ عام کرکے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخ رُو ہو سکے۔ ورنہ اس کے طرزِ عمل کو دیکھ کر عوام بھی اگر اس حرام کام کو جائز سمجھیں گے تو اس کا گناہ بھی اسی کے سر ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جاہل کو تو معاف فرمادیں، مگر آخرت میں اس عالم کی بہت بڑی درگت بنے گی جو عوام کو کسی حرام کام کے جواز کا فتویٰ دیتا پھرتا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ○

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

الغیبۃ اشد من الزنا (کی تحقیق)

نعم الکلام

کلام سراج الاسلام

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

"الغیبۃ اشد من الزنا"

ماہنامہ محدث بابت جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۹ء میں غیبت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت والد صاحب نے بحوالہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۱۵ سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث: "الغیبۃ اشد من الزنا" نقل فرمائی تھی۔ لیکن غیر ضروری سمجھتے ہوئے اس کی سند سے متعلق کوئی بحث نہ فرمائی۔ مگر جونہی اس رسالہ میں شائع ہونے والے فتاویٰ حسینیہ میں فاضلِ نوجوان جبی ابوسلمان مولانا سراج الاسلام حنیف (زاد اللہ علماً و فقہاً و عملاً) نے اس حدیث سے متعلق مضمون پڑھا تو انھوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے احقر کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ:

"اسی شمارہ میں اُستاذِ محترم بارک اللہ فی مساعیہم الجمیلۃ کا ایک جواب "الغیبۃ اشد من الزنا" نظر سے گزرا۔ چونکہ یہ حدیث محلِ نظر ہے 'میں اس کی تحقیق ارسال کرتا ہوں۔ اگر مناسب سمجھیں تو حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کریں' وہ اجازت دیں تو ماہنامہ میں شائع کریں۔ امید ہے میری آواز صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوگی۔

احقر نے یہ خط حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد مولانا سراج الاسلام صاحب کے حق میں بہت سی دعاؤں کے بعد فرمایا کہ ان کا مضمون بلا تغیر و تبدل من و عن جمادی الاخریٰ کے شمارے میں شائع کر دیا جائے۔ جس میں مولانا سراج الاسلام نے اس حدیث کی سند پر بحث نقل فرمائی ہے۔ اس مضمون کے بعد حضرت والد صاحب نے مولانا کی علمی بحث پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہوئے اس مضمون کے آخر میں تنبیہ کے عنوان سے چند وضاحت طلب امور پر بحث فرمائی ہے۔ جس کا مقصد اس روایت سے متعلق پیدا ہونے والے بعض شبہات کا ازالہ ہے۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت والد صاحب مولانا کی تحقیق پر اس قدر خوش ہوئے کہ خود آپ نے ہی اس رسالہ کا نام: **نعم الکلام بکلام سراج الاسلام** تجویز فرمایا۔

(مدیر)

نعم الکلام
کلام سراج الاسلام

الغیبۃ اشد من الزنا

○ اخرجه التبریزی فی المشکوٰۃ برقمی: ۴۸۷۳ و ۴۸۷۵: عن ابی سعید و جابر ﷺ مرفوعاً۔ و برقم ۴۸۷۶: عن انسؓ ولفظه: صاحب الزنا یتوب و صاحب الغیبة یسرله توبة۔ ثم قال: روی البیهقی الاحادیث الثلاثة فی شعب الایمان۔

قلتُ: اما حدیث ابی سعید و جابر فقد اخرجه البیهقی فی شعب الایمان ۵: ۳۰۶' برقم: ۶۷۴۱۔ وکذا اخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط ۷: ۳۰۶' برقم: ۶۵۸۶۔

○ و فیه عباد بن کثیر الثقفی البصری۔ قال فیه البخاری: مسکن مکة ترکوه (التاریخ الکبیر ۶: ۴۳) وقال النسائی: متروک الحدیث (الضعفاء و المتروکین صفحه ۷۱، الترجمة ۳۹۹)

○ کان شعبة لا یستغفر لعباد بن کثیر (الکامل لابن عدی ۵: ۵۳۸)

○ وکان یقول: احل روا روایته (ابن عدی ۵: ۵۳۸ و ابن حبان ۲: ۱۶۷)

○ وقال فیه ابن معین: لیس بشئ فی الحدیث۔ (نفس المصدرین)

○ وقال ابن عدی: عامة احادیثه مما لا یتابع علیه۔ (ابن عدی ۵: ۵۴۴)

○ و قد نقل ابن حبان و الذهبی: هذه الروایة فی ترجمة عباد هذا۔ یراجع المجروحین ۲: ۱۶۸، والمیزان ۲: ۳۷۲)

○ قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الاوسط' وفیه عباد بن کثیر وهو متروک۔ (مجمع الزوائد ۸: ۹۲)

○ واما حدیث انس فقد رواه البیهقی فی شعب الایمان ۵: ۳۰۶' برقم ۶۷۴۲' و فی اسناده مجهولین: اخبرنا ابو عبد الله الحافظ انا ابو........ (بیاض فی

المخطوطة وكذا في المطبوعة) عن رجل عن انس بن مالك.

○ والحديث الاول اخرجه الذهبي في ترجمة حامد بن آدم المروزي وقال: عده احمد بن علي السليماني فيمن اشتهر بوضع الحديث، وقال: قال ابوداؤد السنجي: قلت لابن معين: عندنا شيخ يقال له حامد بن آدم، روى عن يزيد عن الجريري عن ابي نضرة عن ابي سعيد و جابر رفعاه: الغيبة اشد من الزنا فقال: هذا كذاب لعنه الله (الميزان ١: ٤٤٢)

○ وقال الجوزجاني وابن عدى في حامد هذا: كان يكذب و يحمق في الكذب. (احوال الرجال صفحه: ٢٠٦ - ت: ٣٨٠ - الكامل ٢: ٣٠٩)

○ قال الصغاني: موضوع. (كشف الخفاء للعجلوني ٢: ١٠٦)

○ قال ابن ابي حاتم: قال ابي: ليس لهذا الحديث اصل. (علل الحديث ٢: ٣١٩)

قلت هو من قول سفيان بن عيينة كما عند البيهقي في الشعب ٥: ٣٠٦: عن سفيان بن عيينة عنه مرفوع وهو الاشبه. (مرقاة المفاتيح ٨: ٦١٠، جلد ٩، صفحه ٦١٧، طبع مُلتان)

هذا ما عندي والله اعلم.

ابوسلمان سراج الاسلام حنيف عفا الله عنه

○

تنبیہ (از حضرت علامہ نیلوی مدظلہٗ) میرے پاس محولہ بالا کتب میں سے بعض نہیں ہیں، اور جو کتب میرے پاس موجود ہیں ان میں دیکھا تو عزیزم سراج الاسلام صاحب کے پیش کردہ حوالہ جات کو درست پایا۔ واقعی زیر بحث حدیث بلحاظ سند کے ضعیف ہے۔ لیکن اس جرح سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ جب یہ حدیث موضوع ہے تو اس پر جو ثمرہ مرتب کیا گیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ غیبت کے حرام اور گناہ کبیرہ ہونے میں تو کسی کو شک نہیں۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے۔ چنانچہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (۴۹ : ۱۲)

ترجمہ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تو ضرور ہی تمہیں کراہت آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور اس گندے کام سے توبہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر شد و مد کے ساتھ غیبت سے روکا ہے۔ اور مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے ساتھ غیبت کو تشبیہ دے کر مسلمان کے دل کو غیبت کی طرف سے متنفر اور بیزار کر دیا ہے۔

○ وجہ تشبیہ کی یہ ہے کہ جس طرح گوشت نوچ جانے سے انسان کو جسمانی اذیت ہوتی ہے' اسی طرح آبرو ریزی اور غیبت سے بھی دل دکھتا ہے۔ اور چونکہ وہ شخص سامنے موجود نہیں ہوتا اس لیے محسوس نہ کرنے میں مشابہ مردہ کے ہے۔ یعنی وہ مردہ کی طرح بے خبر ہے اور اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔ اور مردہ کا گوشت کھانا اور وہ بھی بھائی کا کس کو پسند ہے؟۔

○ حضرت علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ گویا ایک مسلمان کیلئے مسلمان بھائی کی عزت اس کے گوشت کی طرح ہے۔ لہٰذا جب وہ غیبت کرنے والا اس کا ذکر برائی سے کرتا ہے تو گویا اس کے مردہ جسم کا گوشت کھاتا ہے۔

فائدہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم ربانی "عام مخصوص عنہ البعض" ہے۔ یعنی اگر کسی کی برائی بیان کرنے کی کوئی اشد ضرورت یا مصلحت ہو' جو شرعاً معتبر ہو تو وہ غیبت حرام کے زمرہ میں نہیں آتی۔ مثلاً:

(۱) ظالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو اس مظلوم سے ظلم کو دفع کر سکے۔

(۲) مستفتی (فتویٰ پوچھنے والا) صورت واقعہ بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے۔

③ مسلمانوں کو کسی کے دنیوی، دینی، افرادی شر سے بچانے کے لیے کسی کا حال بتلائے۔
④ کسی معاملہ کے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ظاہر کر دے۔
⑤ جو شخص اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا ہو۔ مثلاً: سود خوری، زناکاری، شراب خوری وغیرہ علانیہ کرنے لگے تو اس کا حال بیان کرنا۔ تاکہ وہ اپنی بدنامی سے شرم کھا کر علانیہ شرعی ہتک حرمت چھوڑ دے۔ اور اگر علانیہ فسق نہ ہو تو اس کی غیبت جائز نہیں۔
○ اسی طرح جو شخص علانیہ گناہ کرتا ہو وہ ایسا حرام بھی نہ ہو جس سے شرع کی ہتک حرمت ہوتی ہو تو بھی غیبت کرنا جائز نہیں۔
○ اسی طرح اگر اس شخص کو روکنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کو روکے اور غیبت نہ کرے۔
○ اسی طرح اگر علانیہ بدکاری کرنے والے کی غیبت کرتے وقت اس کے دل میں خالص یہ نیت نہ ہو کہ یہ خبر پا کر شرم سے وہ شخص بدکاری ترک کر دے گا، بلکہ نفسانیت وغیرہ کا قصد ہو تو بھی غیبت حرام ہے۔
○ اسی طرح اگر اس کے دل میں نیت تو نیک ہے، ساتھ ہی یہ گمان غالب ہو کہ میری اس غیبت کرنے سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ مثلاً:
○ وہ شخص بالکل ہی بے باک اور بے حیار ہو گیا ہے۔ یہ ایسا فاسق ہے کہ اس کی غیبت کرنے سے بجائے فائدہ کے شر و فساد بڑھ جائے گا، تو بھی اس کی غیبت کرنا جائز نہیں۔
⑥ ظالم بادشاہ کی غیبت اس نیت سے کرنا تاکہ اس کی خبر پہنچے تو عوام میں اپنی بدنامی کے خیال سے شرم کھا کر ظلم کرنا چھوڑ دے۔
⑦ رواۃ کی جرح و قدح۔ کیونکہ ان کی بیان کردہ روایات سے دینی نقصان کا خدشہ ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: من كذب علي متعمدا فليتبوا مقعده من النار۔
یعنی جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے گا، تو وہ پہلے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ اور یہ روایت ساٹھ سے زائد صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے۔ جن میں سے مشہور ترین ہستیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق (۲) امیرالمومنین سیدنا امام عمر (۳) امیرالمومنین سیدنا امام عثمان (۴) امیرالمومنین سیدنا امام علی (۵) سیدنا ابوہریرہ (۶) سیدنا ابن مسعود (۷) سیدنا ابن عمر (۸) سیدنا ابن عباس (۹) سیدنا ابن زبیر (۱۰) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ (۱۱) سیدنا عبداللہ بن ذعب بن قانع (۱۲) سیدنا زبیر (۱۳) سیدنا جابر (۱۴) سیدنا ابوسعید (۱۵) سیدنا خالد ابن عرفطہ (۱۶) سیدنا زید بن ارقم (۱۷) سیدنا سلمۃ بن الاکوع (۱۸) سیدنا عقبۃ بن عامر (۱۹) سیدنا معاویۃ بن ابی سفیان (۲۰) سیدنا سائب بن یزید (۲۱) سیدنا سلمان فارسی (۲۲) سیدنا سلمان بن خالد (۲۳) سیدنا صہیب (۲۴) سیدنا طارق بن اشیم (۲۵) سیدنا طلحہ بن عبیداللہ (۲۶) سیدنا عتبۃ بن غزوان (۲۷) سیدنا عرس بن عمیرہ (۲۸) سیدنا عمار بن یاسر (۲۹) سیدنا عمران بن حصین (۳۰) سیدنا عمرو بن حریث (۳۱) سیدنا عمرو بن مرہ (۳۲) سیدنا ابوذر (۳۳) سیدنا ابوموسیٰ غافقی (۳۴) سیدنا ابوکبشہ (۳۵) سیدنا ابورافع (۳۶) سیدنا ابوقتادہ (۳۷) سیدنا ابوعبیدۃ بن الجراح (۳۸) سیدنا ابوموسیٰ اشعری (۳۹) سیدنا اسامۃ بن زید (۴۰) سیدنا بریدہ (۴۱) سیدنا سفینہ (۴۲) سیدنا جندع بن عمرو (۴۳) سیدنا سعد بن ابی وقاص (۴۴) سیدنا سعد بن مدحاس (۴۵) سیدنا عفان بن حبیب (۴۶) سیدنا غزوان (۴۷) سیدنا عمرو بن عبسہ (۴۸) سیدنا سعید بن زید (۴۹) سیدنا حذیفۃ بن الیمان (۵۰) سیدنا حذیفۃ بن اسید (۵۱) سیدنا یزید بن اسد (۵۲) سیدنا معاذ بن جبل (۵۳) سیدنا رافع بن خدیج (۵۴) سیدنا ابوامامہ (۵۵) سیدنا مغیرۃ بن شعبہ (۵۶) سیدنا یعلیٰ بن مرہ (۵۷) سیدنا براء (۵۸) سیدنا نبیط بن شریٰ (۵۹) سیدنا ابومیمون (۶۰) سیدنا ابورمثہ (۶۱) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ (۶۲) سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ بہرحال بقرمانِ الٰہی غیبت ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ جس سے توبہ کرنا بھی ضروری ہے اور جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

منظوم کلام

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ جل شانہ

حضرت مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی

اُسی اِک ذاتِ واحد کو پکارو — اُسی اِک ذات کی نذریں گزارو
اُسی کی ہے نماز و روزہ سجدہ — دُعا قربانی نذر و حج و عُمرہ
اُسی کو ہے قیامِ دست بستہ — یہی اللہ کا ہے سیدھا رستہ
اُسی کے ہاتھ ہے بیماری صحت — اُسی کے ہاتھ ہے فتح و ہزیمت
اُسی کا فضل ہے بخشے گناہ سب — اُسی کا عدل پکڑے جُرم پر جب
اُسی نے دوزخ و جنت بنائے — جہاں بدلہ عمل کا خلق پائے
وہی اللہ ربُّ العالمیں ہے — وہی رحمٰن مالکِ یومِ دیں ہے
وہی رزّاق خیرُ الرّازقیں ہے — وہی خلّاق خیرُ الخالقیں ہے
وہی اللہ خیرُ الماکریں ہے — وہی ناصر ہے خیرُ النّاصریں ہے
وہی اِک ذات اَرحم راحمیں ہے — وہی اِک ہی مُحِبُّ المحسنیں ہے
وہی اِک ہی ولیُّ المؤمنیں ہے — وہی اِک ہی مُحِبُّ الصابریں ہے
وہی حاکم ہے خیرُ الحاکمیں ہے — وہی فتّاح خیرُ الفاتحیں ہے
وہی غفّار خیرُ الغافریں ہے — وہی ستّار خیرُ السّاتریں ہے
وہی اِک ذات علّامُ الغیوب — وہی ہے ذات ستّارُ العُیوب
وہی اللہ ہے دافعِ بلایا — وہی اللہ غفّارُ الخطایا
وہی حاجت روا مشکل کشا ہے — مریضوں کو وہی دیتا شفا ہے
وہی ٹوٹے ہُوئے دِل جوڑتا ہے — وہی حق کی طرف دِل موڑتا ہے

ہمہ کُن ہے ہمہ بیں ہے ہمہ داں
وہی مخلوق ساری کا ہے نگراں

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

حضرت علامہ نیلوی مدظلہ کی طویل نظم سے اقتباس

کیا مٹی سے پیدا اُس نے انساں
کیے پھر اس نے بے حد اس پہ احساں

لباس اس نے اتارا تاکہ ڈھانپیں
ہم اپنا ستر اور زینت بنائیں

عمامہ ٹوپی کمبل کھیس کچھ
قمیص اور جُوتا دستانہ بھی موزہ

انگوٹھی بالی کوکا چُوڑی کنگھی
جُرابیں واسکٹ صدری بھی لنگی

ربڑ بال اُون ریشم رُوئی پٹ سن
بنائے جس میں کھانا کھائیں برتن

بنایا لوہا تانبا سونا چاندی
یونہی المونیم پیتل بھی کانسی

پہاڑوں میں بنائیں اُس نے کانیں
کہ تا اللہ کی قدرت کو جانیں

پہاڑوں میں کہیں گاہیں بنائیں
ستاروں کے سبب راہیں بتائیں

بنائے جنگلوں میں حوض و تالاب
جگہ گرد اُن کے کی سرسبز و شاداب

چریں کھائیں چرندے اور درندے
پئیں تالابوں سے پانی پرندے

چوپائے بھیڑ بکری بھینس گائے
شتر خچر گدھے گھوڑے بنائے

ہرن مُرغابی مُرغی نیل گائے
بطخ مچھلی بھی بگلے بھی بنائے

کیے خرگوش تلیئر مارماہی
کبوتر طوطا تیتر فاختہ بھی

شکاری جانور تابع بنائے
وہ کُتے شیر ہوں یا فہد چیتے

اُسی نے پھل بہت سے ہیں بنائے
وہی تربوز خربوزہ اُگائے

کھجور انگور سیب اخروٹ بادام
انار امرود پستہ بیر بھی آم

شریفہ لیچی اور آلو بخارا
لوکاٹ اور کیلا چلغوزہ چھوہارا

عناب اور ککڑی کھیرا فالسہ بھی
اننناس اور کنّوں مالٹا بھی

نارنگی ناشپاتی لیموں جامن
خُدا کی نعمتوں سے بُھریں دامن

چقندر گنّا گُڑ شکر بھی گاجر
کرو شکر اُس کا نعمت اُس کی کھا کر

سالانہ چندہ -/100 روپے۔ قیمت فی شمارہ -/10 روپے

زمیں پر اُس نے بے حد رنگ اُگائے
ہیں جن کے پتے پھل پھول اور سائے

برگل شیشم دیار و چیڑ گرجن
سوا بید کیکر کیتھ چندن

سرس تُن جنڈ جھڑبیری سفیدا
کریر اور نیم روہیڑا اشوکا

لسوڑا گوندنی گولر تر تفل
صنوبر جھاؤ املتاس سنبل

لوکاٹ الوک شاہ توت اور کیچل
مہوا ناریل تنبول و پاوڑھل

بلوط انجیر آڑو پیلو زیتوں
خبازی خطمی نارنج اور لیموں

گڑھل سوہانجنہ ٹنکھ چمین کشمل
گلاب و موتیا چنبیلی مندل

اسی کی پیدا کردہ قہوہ چائے
وہی ترکاریاں بھی سب اُگائے

گھیا کدو ٹماٹر پیٹھا گوبھی
مٹر آلو بھی شلغم مولی کھمبی

ہے بھنڈی توری بینگن لوبیا بھی
جوار اور باجرا جَو چینہ مکئی

الائچی ہلدی لہسن پیاز ادرک
کلونجی سرسوں زیتوں بتھوا پالک

کریلے سونف سوئے دھنیا خشخاش
مسور و مونگ چاول موٹھ تِل ماش

چرونجی زیرہ پودینہ ملٹھی
ہمارے واسطے کردیں اکٹھی

وہی اللہ اپنی قدرتوں سے
لہو گوبر سے خالص دُودھ لائے

نکالے شہد مکھی کے بطن سے
شفا دے کر ہٹائے دُکھ بدن سے

ملائی دُودھ مکھن لسی دَہی گھی
یہ سب کچھ ہے ہمارے واسطے ہی

سمندر سے نکالے موتی مرجاں
زمرد اور دیگر ساز و ساماں

پرندوں کو ہوا میں آپ تھامے
بنائے رُوئی ریشم اُون سے جامے

بجز اس کے نہیں ہے کوئی خالق
بجز اُس کے نہیں ہے کوئی رازق

پکارے جو جہاں جب جیسے اُس کو
وہی سنتا ہے بس اُس کو پکارو

خط و کتابت کے لیے پتا: سید حسن رفیع اعظمی سنہری مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا کوڈ ۴۰۱۰۰

سُبحان اللہ تعالیٰ کے تشریحی معنی منظوم

اُونگھ، غفلت، نیند، جہل و سہو، نسیان و خطا
ظلم و کذب و عہد شکنی، انکساری و بدا
بخل و حسرت، فقر و مکر و مسخری، ٹھٹھا، حیا
نیز بیماری، پریشانی سے ذاتِ کبریا

والدین، اُولاد، جورو اور وزیروں سے ہے پاک
رشتہ ناتا، احتیاجی اور ظہیروں سے ہے پاک
ہے شریکوں سے، معینوں سے، نظیروں سے بھی پاک
منشیوں سے اور وکیلوں سے، مشیروں سے بھی پاک

خورد و نوش و حرص و لالچ، جلدبازی سے بھی پاک
عجز و موت و خوف و سستی، عشق بازی سے بھی پاک
دُکھیا ہونے، دھوکا کھانے اور ندامت سے بھی پاک
گمرہی، مغلوبی، غالب کی شفاعت سے بھی پاک

وہ نہیں ہے عرض و جوہر، جسم اور محدود بھی
پاک ہے ہر عیب سے سُبحانہٗ ربّ النّبی

قرآنی سورتوں کے بالترتیب منظوم نام

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین نیلوی مد ظلہ العالی

فاتحہ (۱)، پھر بقرہ (۲)، پھر آل عمران (۳) پھر نساء (۴) — مائدہ (۵)، انعام (۶) و اعراف (۷) اور انفال (۸) لے فتا

توبہ (۹) یونس (۱۰)۔ ہود (۱۱) یوسف (۱۲)۔ رعد (۱۳) ابراہیم (۱۴)، حجر (۱۵) — نحل (۱۶)، اسراء (۱۷)۔ کہف (۱۸)، مریم (۱۹) اور طٰہٰ (۲۰)، انبیاء (۲۱)

حج (۲۲)، سورۂ مومنون (۲۳) پھر نور (۲۴)، فرقان (۲۵)، شعرا (۲۶) — سورۂ نمل (۲۷) و قصص (۲۸)، پھر عنکبوت (۲۹) لے مقتدا

روم (۳۰) و لقمان (۳۱)، سجدۂ تنزیل (۳۲) اور احزاب (۳۳) و سبا (۳۴) — فاطر (۳۵) و یٰس (۳۶)، صافات (۳۷) اور ص (۳۸) لے سب بیا

پھر زمر (۳۹)، حٰم (۴۰ ، ۱ ، ۴۶) سبعہ پھر محمد (۴۷) مصطفیٰ — فتح (۴۸) و حجرات (۴۹) اور ق (۵۰) و ذاریات (۵۱) و طور (۵۲) و نجم (۵۳)

پھر قمر (۵۴)، رحمٰن (۵۵) سورۂ، واقعہ (۵۶) پھر ہے حدید (۵۷) — پھر مجادلہ (۵۸)، حشر (۵۹) و پھر ممتحنہ (۶۰)، صف (۶۱) و جمعہ (۶۲)

پھر منافقون (۶۳)، تغابن (۶۴) بعدہ سورۂ طلاق (۶۵) — سورۂ تحریم (۶۶) و ملک (۶۷) و نون (۶۸) و حاقہ (۶۹) اے ضیا

پھر معارج (۷۰)، نوح (۷۱) و جن (۷۲)، مزمل (۷۳) و مدثر (۷۴) — پھر قیامہ (۷۵)، دہر (۷۶) سورۂ، مرسلات (۷۷) اور پھر نبا (۷۸)

نازعات (۷۹) اور پھر عبس (۸۰)، تکویر (۸۱) و سورۂ انفطار (۸۲) — سورۂ تطفیف (۸۳)، انشقاق (۸۴) اور پھر بروج (۸۵) و طارق (۸۶)

سورۂ اعلیٰ (۸۷)، غاشیہ (۸۸)، فجر (۸۹) و بلد (۹۰) پھر شمس (۹۱) و لیل (۹۲) — والضحیٰ (۹۳) پھر انشراح (۹۴) و تین (۹۵)، علق (۹۶)، قدر (۹۷) اے فتا

بینہ (۹۸)، زلزال (۹۹) و سورۂ عادیات (۱۰۰) و قارعہ (۱۰۱) — پھر تکاثر (۱۰۲)، عصر (۱۰۳) و ہمزہ (۱۰۴)۔ فیل (۱۰۵) پھر سورۂ قریش (۱۰۶)

سورۂ ماعون (۱۰۷) و کوثر (۱۰۸)۔ کافرون (۱۰۹)، نصر (۱۱۰) و لہب (۱۱۱)

سورۂ اخلاص (۱۱۲) و فلق (۱۱۳) پھر ناس (۱۱۴) پر ہے انتہا

صلی اللہ علیہ وسلم

نعت سید الانبیاء

از منظوم خطبہ حضرت مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ کی ایک طویل نظم سے اقتباس

ہوا فضل و کرم ہم پر خدا کا
پیمبر ہم میں ہم میں سے ہی بھیجا

نبی مصطفیٰ حضرت محمدؐ
رسول مجتبیٰ محمود و احمد

مبلغ مرتضیٰ اعظم معلم
رؤف و مشفق و بے لوث مکرم

وہ صادق اور مصدوق اور اصدق
بشیر و منذر و علام و اشفق

رشید و مرشد و مولیٰ و اولیٰ
مراتب میں ہیں سب خلقت سے اعلیٰ

بشر ہیں پر مقام ان کا ہے برتر
نہ پہنچے نوری ناری خاکی واں پر

نبی جی آسمانوں پر گئے تھے
باذن اللہ مع روح و جسد کے

رسول ہاشمی عربی تہامی
رسول مکی و مدنی یمامی

رسول اللہ محبوب خدا ہیں
رسول اللہ سب کے مقتدا ہیں

رسول اللہ اشرف انبیا ہیں
نبی اللہ خاتم انبیا ہیں

نبی جی امی ہیں ام القریٰ کے
بتائے قاعدے نور الہدیٰ کے

شریعت انبیائے سابقیں کی
بحکم اللہ امی نے مٹا دی

شریعت تھی جو اسرائیلیوں کی
ہٹا کر اس کو دی قرآن والی

مٹائیں جاہلیت کی رسومات
نہ رہنے دی جہالت کی کوئی بات

طواف اس دور میں ننگے تھے کرتے
مٹائی بے حیائی اس نے آ کے

بحیرہ سائبہ حامی وصیلہ
حرام ان کو سمجھتے تھے بہ حیلہ

نبی پاکؐ نے آ کر بتایا
حلال ان کو خدا نے ہے بنایا

بتائیں کھانے کی پاکیزہ اشیا
خبائث جس سے ہم کو بچایا

عظمتِ صحابہؓ و اہلِ بیتؓ

سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی

لقب بُوبکرؓ کا صدیقِ اکبرؓ
یہی ہیں سب سے مُمتاز اور برتر

تھے غارِ ثور میں حضرتؐ کے ہمراہ
محافظ تھے بچو کنّے اور آگاہ

کیے جاں، مال و اولاد اپنے قرباں
کیا پُورا نبیؐ کا تھا جو فرماں

زبیرؓ و بُوعبیدہؓ، طلحہؓ، عثمانؓ
ہُوئے تبلیغ سے ان کی مُسلماں

امین النّاس حضرت مصطفےٰؐ کے
جو رہتے پاس حضرت مصطفےٰؐ کے

عشا کے بعد اُمّت کو کیا امر
کہ سو جاؤ، نہ کرنا اب کوئی سمر

مگر بُوبکرؓ سے باتیں تھی جاری
اگرچہ گزر جائے رات ساری

عُمرؓ بھی گفتگو اُن کی تھے سُنتے
زبانِ وحی سے تھے پھول جھڑتے

خلیفہ وہ رسول اللہؐ کے تھے
مُصلّے پر کھڑا خود کر گئے تھے

علیؓ، عباسؓ تھے حاضر، عمرؓ بھی
امامت آپؐ نے صدیقؓ کو دی

کہ اقرأ تھے بھی افقہ تھے بھی اعلم
تھے ایماں لانے میں بھی سب سے اقدم

نبیِ پاکؐ نے فرما دیا تھا
پکڑنا بعد میرے اُس کا پلّا

نبیؐ کے وہ حقیقی جانشیں تھے
حقیقت میں شریعت کے امین تھے

نبیِ مُصطفےٰؐ کے بعد جس نے
نبوّت کا کیا دعوےٰ کسی نے

کیا صدیقؓ نے اس کا تعاقب
بفضل اللہ ہُوا اس پر تغلّب

زکوٰۃِ فرض نے منکر ہُوئے جو
لڑے اُن سے کیا پامال ان کو

ممالک ان کی محنت سے ہُوئے فتح
بفضل اللہ پھیلا دین اسی طرح

اُنھی کی چال، اخلاق اور سیرت
سبھی ہیں قابلِ تقلیدِ اُمّت

شانِ صحابہ کرامؓ

سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ

نبیؐ سورج، صحابہؓ سب ستارے
وہ ہادی رہنما رہبر ہمارے

اٹھائیں دین کی خاطر تکالیف
نہ تھی مقصود ان کو اپنی تعریف

چلے پیدل تو کی دیں کی اِشاعت
پہاڑوں کی اُٹھائی سب نے کلفت

سمندر اور دریا اور جنگل
سفر دشوار کرتے تھے وہ چل چل

منادی دین کی کی گونے گونے
چلے آئے وہ مسلم تھے جو ہونے

نہ تھا ان میں ریا بخل و تکبر
نہ تھا کینہ عداوت اور تہوّر

صحابہؓ سب ہدایت یافتہ تھے
وہ اقلیم ھُدیٰ کے بادشہ تھے

حقیقی متبع تھے مُصطفےٰؐ کے
جو دیکھا وہ بنا معمول ان کا

امین و صادق و معیارِ حق تھے
وہ راشد مومن مُختارِ حق تھے

شہید و صالح و صدیق ان میں
نہ تھا مُرتد نہ تھا زندیق اُن میں

خُدا نے اُن کے ایمان و وفا کی
شہادت دی قسم مجھ کو خُدا کی

رسول اللہؐ کے ایسے ہیں اصحابؓ
جنھیں ربّ نے دیے ہیں اُونچے القاب

قرآں میں "مومنیں حقّا" کہا ہے
لقب "خیرُ البریّہ" کا دیا ہے

کہا "خیرالامم" اور "متقیں" بھی
"مصلّیں" "صابریں" و "صادقیں" بھی

کہا "مستغفریں" و "قانتیں" بھی
"مزکّیں" "خاشعیں" و "صائمیں" بھی

خُدا نے "فائزیں" اُن کو کہا ہے
خُدا نے "راشدیں" اُن کو کہا ہے

قسم رب نے ہے قرآں میں اُٹھائی
صحابہؓ کی خطا ہر ہر مٹائی

ہیں "حق" "محل یار" - "حزب اللہ" سارے
خُدائے پاک کے ہیں سب پیارے

الکیسۃ فی التحقیقات النفیسۃ

المعروف بہ

ضیائے حق

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت العلامہ مولانا سید محمد حسین النیلوی رحمہ اللہ

الناشر

سید احمد حسین واسطی غفر اللہ لہم القوی مدیر الادارہ گلستان اہل سنت

جناح مارکیٹ سرگودھا

گلستان کتابت سرگودھا

الإملاء في اطلاقات العلماء

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوٰة والسلام على النبي المصطفى
خاتم النبيين وعلى آله واصحابه اجمعين
اما بعد فقد قال شمس الدين الخيالي رحمه الله المتعالي في حاشية شرح العقائد
النسفية ص ٥٨ والذي يخطر بالبال الخ فكتب عليه الشجاع ره فيه ان المتبادر من
كلام القوم هو ان المعنى الذي نجده من انفسنا هو المدلول المطابق للعبارة الخ
قلت وقد يطلقون لفظا ويريدون به غير ما وضع له ويكون هو متعارفا فاردنا
ان نذكرها على ترتيب حروف الهجاء تسهيلا للطلبة وبالله التوفيق

اذا اطلق الائمة الاربعة في كتب الفقه يراد بها ابو حنيفة ومالك والشافعي واحمد
رحمهم الله تعالى

اذا اطلق الائمة الثلاثة في كتب الفقه يراد بها ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد رحمهم الله

اذا اطلق الابتداء يراد به الابتداء الحقيقي (ص٣ منهية قل احمد على الخيالي)

اذا اطلق ابن ابي ليلى في كتب الحديث يراد به عبد الرحمن بن يسار الكوفي كما في
جامع الاصول لابن اثير الجزري وغيره (نقلا من عمدة الرعاية على شرح الوقاية ص١٤)

اذا اطلق ابن ابي ليلى في كتب الفقه يراد به ابنه محمد بن عبد الرحمن بن يسار
الكوفي (ايضا)

اذا اطلق ابن خزيمة يراد به محمد بن اسحق بن خزيمة بن مغيرة بن صالح بن
بكر السلمي النيسابوري تلميذ المزني والربيع شافعي المذهب المتوفى سنة ٣١١ ھ

اذا اطلق ابن الزبير يراد به عبد الله بن الزبير رضي الله عنهما الا في هداية
ص٩٣ فالمراد به ھ عباد الزبير

اذا اطلق ابن عباس رضي الله عنهما يراد به عبد الله بن عباس رضي الله عنهما
الا فيما في الهداية ص٢٣٥ فالمراد به ھ كنانة بن عباس بن مرداس السلمي كما ذكره
عبد القادر القرشي في الجواهر المضيئة ص٢٣٨ ج٢)

اذا اطلق ابن عمر یراد بہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

اذا اطلق ابن مسعود یراد بہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

اذا اطلق ابوحنیفة فی کتب الفقہ یراد بہ یراد بہ الامام الاعظم ابوحنیفة النعمان بن ثابت بن طاؤس بن الملک ھرمز بن نوشیروان مرزبان بن بھرام بن مھرکز بن ماھین بن حسینک بن اذربود بن سروس بن نردمان بن بھرام بن مھرکز بن اردیاد بن ارنحود بن بردفیروز بن سیدوس بن سرفارد بن ایکرز بن کودبو بن کردبو بن سرداد بن وادین بن سیدوس تزدبو بخت بود بن شاذان بن ھرمزیار بن خاتنا بن دینار بن کیار بن ددین بن سیدوس بن کوددد بن ساسان الملک بن بابک الملک بن حاتم الملک بن مھراس الملک بن ساسان الملک بن بھمن بن اسفندیار الملک بن گستاسپ الملک بن بھراس الملک بن کتمش الملک بن کی یاسین الملک بن کیابود الملک بن کی قباد الملک بن داد الملک بن توجام الملک بن یرمان سوہ الملک بن منوچھر الکیان الملک (کان فی زمن موسیٰ علیہ السلام) وھو بن الفارس بن الیھوذا بن یعقوب النبی علیہ السلام بن اسحٰق علیہ السلام بن ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام بن ازر بن ناخور بن سروع بن راعو بن فالغ الی اٰخرہ کما فی الجواہر المضیئة ص ۵۲۶ ج ۲ ۔

اذا اطلق ابوحنیفة فی کتب اللغة یراد بہ ابوحنیفة الدینوری۔

اذا اطلق ابوداؤد یراد بہ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی صاحب السنن الا اذا قید بالطیالسی کذا فی الاعتصام للشاطبی ص ۱۹۰ ج ۱)

اذا اطلق ابن المبارک یراد بہ عبد اللہ بن المبارک۔

اذا اطلق الاخص یراد بہ الاخص مطلقاً لا من وجہ

اذا اطلق الاحکام یراد بہا الاحکام العملیة کذا فی شرح العقائد النسفیة ص ۳

اذا اطلق الاخفش یراد بہ ابوالحسن سعید بن مسعدة تلمیذ سیبویہ کان لغا علیہ النحو ومقاییسہ ولم یکن حافظا للغریب ولا ملحقا بطبقتہ التی الحقاہ بہا فی معرفة الشعر والغریب کما فی تھذیب اللغة ص ۱۲) دون ابی الحسن علی بن سلیمان من اقران سیبویہ صاحب ثعلب والمبرد ودون ابی الخطاب استاذ سیبویہ کذا فی شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم ص ۲۹۳)

اذا اطلق الاذن یراد بہ الاذن الجائز عندھا کما فی الھدایة ص ۳۳۰ ج ۲ ۔

اذا اطلق الاستاذ فی علم الطب یراد به صاحب کتاب "المعتبر" کذا فی بحر الجواهر فی لغة الطب ۔

اذا اطلق الاستاذ فی عرف الکلام و الاصول یراد به الامام الکبیر المتکلم الاصولی الفقیه الزاهد ابراهیم بن محمد بن ابراهیم ابو اسحٰق الاسفرائینی کذا فی النبراس ۲۲۹

اذا اطلق الاسناد یراد به الاسناد بالاصالة کذا فی الفوائد الضیائیه ۵۹ ۔

اذا اطلق الاسم یراد به مایقابل الفعل والحرف دون مایقابل الصفة ولا العلم واللقب وغیرهما الا فی بحث الالف والنون المزیدتان من اسباب منع الصرف فیراد به ما یقابل الصفة

اذا اطلق اسم الجنس یختص بما هو الحق قال تعالی یهدونهم عن السبیل ای الحق کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب الاصفهانی رح ۲۳۱ ۔

اذا اطلق الاشارة یراد به الاشارة الحسیة دون العقلیة (فوائد ضیائیه ۲۱۹)

اذا اطلق "الاشاعرة" یراد به متبعوا الامامین الاشعری والماتریدی رحمهما الله تعالیٰ علیهم الا اذا قوبل بالماتریدیة

اذا اطلق الاضافة یرادبها الاضافة المعنویة (کتب النحو)

اذا اطلق الاضافة یرادبها الاضافة بلا واسطة حرف الجر (فوائد ضیائیه ۳۰)

اذا اطلق الاعم یراد به الاعم مطلقا لا من وجه

اذا اطلق الافتراق یتبادر منه الافتراق الحقیقی دون الحکمی کما فی متن متین ۱۴۳ واما فی قوله تعالیٰ وان یتفرقا یغن الله کلا من سعته فالمراد منه التفرق القولی لما هو قال فی اللمعات فان المراد تفرق الزوج والزوجة بالطلاق وهو بالقول ومن المعلوم ان الزوج اذا طلق امرأته علی مال فقبلت ذلک حصل التفرق بینهما بذلک وان لم یتفرقا بالابدان ۔ قلت ولذا قالت الحنفیة فی قوله علیه السلام البیعان بالخیار ما لم یتفرقا ان المراد التفرق بالاقوال وهو الفراغ من العقد فیکون المعنی ما لم یتم العقد فلما تم العقد فلا خیار وحمل البعض علی تفرق الابدان لما روی الدارقطنی حتی یتفرقا من مکانهما وقیل فرق بعضهم بین التفرق والافتراق فقال التفرق بالابدان والافتراق بالکلام یقال فرقت بین الکلامین فافترقا وفرقت بین الرجلین فتفرقا وان کان الحق انهما سواء (حاشیه ۲۴۳ مشکوٰة المصابیح اخذا من اللمعات)

اذا اطلق الاقرأ يراد به من كثر حفظا للقرآن الا فى عرف فيراد به الاعلم. قال الامام النووى فى شرح صحيح المسلم تحت حديث ابن مسعود رضى الله عنه يؤم القوم اقرءهم لكتاب الله. وقال مالك والشافعى واصحابهما الافقه مقدم على الاقرأ لان الذى يحتاج اليه من القراءة مضبوط والذى يحتاج اليه من الفقه غير مضبوط وقد يعرض فى الصلوة امر لا يقدر على مراعاة الصواب فيه الا كامل الفقه قالوا ولهذا قدم النبى صلى الله عليه وسلم ابابكر رضى الله عنه فى الصلوة على الباقين مع انه صلى الله عليه وسلم نص على غيره اقرأ منه واجابوا عن الحديث بان الاقرأ من الصحابة كان هو الافقه اهـ ج ۱ ص ۲۳۶ نووى على مسلم

قلت وهو مذهب الاحناف كما يظهر من كتبهم فما قال النووى وفيه (فى حديث ابن مسعود) دليل لمن يقول بتقديم الاقرأ على الافقه وهو مذهب ابى حنيفة واحمد وبعض اصحابنا ففيه نظر فانه يخالف ما فى كتب الحنفية كما فى الهداية وغيرها " واولى الناس بالامامة اعلمهم بالسنة وعن ابى يوسف رح اقرأهم لان القراءة لا بد منها والحاجة الى العلم اذا نابت نائبة ونحن نقول القراءة مفتقر اليها لركن واحد والعلم لسائر الاركان

فالحاصل ان مذهب ابى حنيفة والشافعى ومالك تقديم الافقه ومذهب احمد وبعض اصحاب الشافعى تقديم الاقرأ وهو رواية عن ابى يوسف لا مذهبه فافهم.

وقد اطلق العلماء لفظ القراءة على العلم كما قال النووى ص ۱۳ اما ابن عون فهو الامام الجليل المجمع على جلالته وورعه عبد الله بن عون بن ارطبان ابو عون البصرى كان يسمى سيد القراء اى العلماء

اذا اطلق الاقرار ينصرف الى الاقرار بسبب التجارة (لابى يوسف رح) هدايه ص ۲۱۹ ج ۳

اذا اطلق الاقرار ينصرف الى العقود (هدايه ص ۲۲۳ ج ۳)

اذا اطلق الاقتضاء يراد به الاقتضاء الصرعى

اذا اطلق الامة يراد بها امة الاجابة دون امة الدعوة وامة المتابعة فى الاعتقاد والاعمال وهى اهل السنة كما فى شرح العقائد الجلالية ص ۱۳

اذا اطلق الامر يقع على الحسن لعينه

اذا اطلق الامر فى العلوم العربية يراد به الامر الحاضر المعلوم غالبا.

اذا اطلق الامام يراد به ما يؤتم به فى الحق ص ۹۶ احكام القرآن للجصاص

اذا اطلق الامام الاعظم الامام فى كتب الفقه الحنفية يراد به الامام الاعظم

ابوحنیفۃ نعمان بن الثابت رضی اللہ عنہ

اذا اطلق الامام الربانی فی کتب التصوف یراد بہ الامام الربانی مجدد الالف الثانی رحمہ اللہ
اذا اطلق الامام الناطق یراد بہ الامام جعفر الصادق (کتب الشیعۃ)
اذا اطلق الامام فی فن التجوید یراد بہ القرآن الحکیم الذی کتبہ الامام الثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

اذا اطلق الامام فی کتب المعقول والفلسفۃ یراد بہ الامام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ
اذا اطلق الامام فی کتب الحدیث واصولہ یراد بہ محمد بن اسمٰعیل البخاری صاحب صحیح البخاری والادب المفرد والتاریخ الکبیر رحمہ اللہ تعالیٰ۔
اذا اطلق الامام فی کتب التصوف یراد بہ حجۃ الاسلام الامام الغزالی رحمہ اللہ
اذا اطلق الامام الثانی فی کتب الفقہ الحنفیۃ یراد بہ الامام ابو یوسف القاضی رحمہ اللہ
اذا اطلق الامام الربانی فی کتب الفقہ الحنفیۃ یراد بہ الامام محمد بن الحسن بن عبد اللہ بن طاؤس بن ھرمز الملک (ای ابن عم الامام ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کما فی الجواھر المضیئۃ ص ۵۲۶ ج ۲۔

اذا اطلق امیر النحل یراد بہ امیر المؤمنین الخلیفۃ الرابع الامام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ورضی اللہ عنہ

باب الباء

اذا اطلق البائع فالمتبادر الی الذھن باذل السلعۃ لا المشتری کما فی مصباح المنیر ص ۳۲)
اذا اطلق البیع یراد بہ بیع الموجود بالثمن ص ۶ ج ۳ من بنایہ شرح ھدایہ
اذا اطلق البیت یراد بہ بیت اللہ المعظم قال تعالیٰ فمن حج البیت او اعتمر وقال وللہ علی الناس حج البیت وقال جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس، وقال واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا) واذا اطلق البلدۃ یراد بہ مکۃ کما فی المشکوٰۃ ص ۲۳۲
اذا اطلق البدنۃ فی الفروع (کتب الفقہ) یراد بہ البعیر ذکرا کان او انثی کذا فی مصباح المنیر ص ۳۸) وفی الاصل عندنا ان البدنۃ یدخل فیھا الابل والبقر والجوامیس

اذا اطلق البشارة يراد به خبر الخير الا اذا قيدت نحو فبشرهم بعذاب اليم

اذا اطلق البعث يراد به البعث من الموت[1] (مختصر المعانی ص ٣٦٥ مع التجريد)

اذا اطلق التباين يراد به التباين الكلی دون الجزئی (شرح تهذيب لليزدی)

اذا اطلق التقديم يراد به التقديم الوجوبی الذی هو الفرد الكامل كذا فی

الفوائد الضيائية ص ٢٧

اذا اطلق التماثل يراد به الاشتراك فی النوع

اذا اطلق الثمرة يراد بها الموجود من الثمار كذا فی بحث البيوع من الهداية ص ٢٤٣

باب الجيم والحاء والخاء

اذا اطلق الجامع على كتاب يراد به الجامع الكبير للامام محمد رح كذا فی المامول

شرح شرح اصول الشاشی ص ١٩ و ص ٢٧٦ .

اذا اطلق الجامع على رجل يراد به نوح بن مريم من تلامذة ابی حنيفة رح

اذا اطلق جابر يراد به جابر بن عبد الله الانصاری رضی الله تعالى عنهما

اذا اطلق الجزاء فی معرض العقوبات يراد به ما يجب حقا لله تعالى خالصا

كذا فی التوضيح والتلويح ص ١٩٥ ط مصر)

اذا اطلق الجزء يراد به الجزء الحقيقی (ص ٥ و ص ١٣٢ قطبی)

اذا اطلق الجزئی يراد به الجزئی الحقيقی دون الاضافی

اذا اطلق الجزری يراد به على سبيل الاغلب المنسوب الى جزيرة ابن

عمر واكثرهم ائمة الموصل (ص ٣ ميزان الاعتدال)

اذا اطلق الجنة يراد به دار الثواب (بيضاوی ص ٢٥) وفی قوله اسكن انت وزوجك

الجنة المراد به الجنة البرزخية قاله الشعرانی فی الميزان فان الجنة الاخروية لا خروج منها لمن دخلها وفيه نظر

اذا اطلق الخاتم يراد به الحاتم الطائی الا اذا قيد بالاصم فهو من اولياء الله

اذا اطلق الحسن فی كتب اصحابنا الحنفية يراد به الحسن بن زياد من اصحاب

الامام الاعظم ابی حنيفة نعمان بن ثابت رحمه الله تعالى - المتوفی سنة ٢٠٤ (مقدمه عمدة الرعاية ص ٨)

---

[1] وقد يراد به البعث من النوم قال تعالى وكذلك بعثناهم ليتساءلوا بينهم وقد يراد به الارسال قال تعالى فابعثوا احدكم

اذا اطلق الحسن فی کتب التفسیر وکتب الحدیث فی طبقة التابعین یراد به الحسن البصری رحمه الله تعالیٰ المتوفی سنة ۱۱۰ھ
اذا اطلق الحسن فی اسماء الصحابة فهو السید الحسن السبط بن علی بن ابی طالب رضی الله عنهما المتوفی فی صفر سنة ۴۹ او ۵۰ او ۵۱ والله اعلم
اذا اطلق الحقیقة والمجاز یراد بهما الحقیقة اللغویة والمجاز اللغوی
اذا اطلق لفظ الحقیقة فی عرفهم بلا تقییدهم بالذهنیة والخارجیة یراد به الثابت المطلق من حق ای ثبت
اذا اطلق الحسن فی اصول الفقه یراد به الحسن لذاته.
اذا اطلق "الحماسی" یراد به احد الشعراء المذکورین فی دیوان الحماسة
واذا قیل هذا البیت حماسی یراد به انه مذکور فی دیوان الحماسة رد ص ۳۰ مطول
اذا اطلق الخاتم یراد به ما یلبس فی الایدی والفتح خاتم عظیم تلبس فی اصابع الرجل کذا فی بذل المجهود ص ۲۰۴
اذا اطلق "الخطاب" فی کتب اصول الفقه یراد به الخطاب التنجیزی دون التعلیقی (من مسلم الثبوت ص ۳۳)
اذا اطلق فی اللغة الفارسیة لفظ "خدا" یراد به ذات الله تعالیٰ ولا یطلق علی غیره الا اذا اضیف الی آخر نحو "کدخدا" کذا فی المخطة الغوثیة شرح نام حق ص ۵
اذا اطلق الخلف عند الفقهاء یراد به من محمد بن الحسن الشیبانی الی شمس الائمة الحلوانی رحمهما الله تعالیٰ
اذا اطلق المخالفة یراد به ترک العمل به دون الانکار کذا فی نور الانوار ص ۲۸

باب الدال والراء

اذا اطلق الدراهم یراد بها الدراهم المضروبة عرفا کذا فی الهدایة ص ۲۰۴
اذا اطلق الدراهم تنصرف الی الجیاد کذا فی الهدایة ص ۲۳۲
اذا اطلق الرب مفردا یراد به غالبا ذات الله تعالیٰ قال الله تعالیٰ قل اغیر

الله ابغى ربا وهو رب كل شئ۔ والمقيد يطلق على غيره تعالى كرب المال ورب الدار. ولكن الرب معرفا باللام مختص بذات الله ولا يجوز استعماله للمخلوق بمعنى المالك لان اللام للعموم والمخلوق لا يملك جميع المخلوقات كذا فى مصباح المنير ص۱۳۹

اذا اطلق الرسول والنبى فى عرف المسلمين يراد به نبينا محمد صلى الله عليه وسلم

اذا اطلق الرسول يراد به بشر (انسان) بعثه الله تعالى الى الخلق لتبليغ الاحكام مع كتاب وشرع جديد نفى محمد رسول الله اقرار ببشرية النبى عليه السلام

اذا اطلق الارتداد يراد به الكفر واما اذا قيد فلا كما ورد فى صحيح البخارى ص۴۸۰ سطر۹ ان ناسا من اصحابي يؤخذ بهم ذات الشمال فاقول اصيحابي اصيحابي فيقول انهم لم يزالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم اه قال الخطابي لم يرد به الردة عن الاسلام ولذلك قيده بقوله على اعقابهم. وانما يفهم من الارتداد الكفر اذا اطلق من غير تقييد. ومعناه التخلف عن الحقوق الواجبة. ولم يرتد بحمد الله احد من الصحابة. وانما ارتد قوم من جفاة العرب الذين دخلوا فى الاسلام رغبة ورهبة كعيينة بن حصن ونحوه (حـ۲ ص۴۷۳ صحيح البخارى)

اذا اطلق الرصاص يراد به الابيض كذا فى شرح هداية الحكمة الميبذى ص۱۰۳

اذا اطلق الرطل فى الفروع قال الفقهاء يراد به رطل بغداد كذا فى مصباح المنير ص۱۳۹

اذا اطلق الريحان يراد به نبات مخصوص وان كان فى الاصل كل نبات طيب الريح كذا فى مصباح المنير ص۱۵۸

باب السين والشين

اذا اطلق سورة الاخلاص يراد بها سورة قل هو الله احد الى آخرها وسورتا الاخلاص قل هو الله احد وقل يايها الكفرون كذا فى مصباح المنير ص۱۱۶

اذا اطلق "السالبة" فى بحث قضايا المنطق يراد بها السالبة البسيطة غير

سه قوله اقرار ببشرية صلى فقد انكر رسالته صلعم ۱۲

المعدولة السالبة المحمول (من شرح سلم العلوم لحمد الله ص۲۵)

اذا اطلق السبب المحض يراد به ما يقابل العلة يعني بالمعنى الاعم (فصول الحواشي ص۵۵)

اذا اطلق السبب في بحث الامر عند اهل الاصول يراد به الوقت (نور الانوار ص۳۳)

اذا اطلق سبيل الله في عرف الشرع يراد به فقراء الغزاة (بذل المجهود ص۳۳)

اذا اطلق "السعدان" في كتب المحدثين يراد بهما سعد بن معاذ الاوسي وسعد بن عبادة الخزرجي (موطا امام مالك ص۲۶۰)

اذا اطلق السعدان في كتاب بيع الصرف من كتب الفقه يراد بهما سعد بن مالك وسعد بن ابي وقاص رضي الله عنهما كذا في المغرب للمطرزي ص)

اذا اطلق السيئات انصرفت الى الصغائر كما في جمل شرح الجلالين ص۳۴ وقد يراد بها الشدائد والمصائب والبلايا كما ورد في القرآن ولئن اذقناه رحمة منا من بعد ضراء مسته ليقولن ذهب السيئات عني وقال تعالى ان تصبهم حسنة يقولوا هذه من عند الله وان تصبهم سيئة يقولوا هذه من عندك الى آخر الآية.

قلت وبه اراد شيخنا المحدث المفسر الصوفي الصافي مولانا حسين علي رحمه الله في قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيئات كما قال عليه السلام الصدقة ترد البلاء.

اذا اطلق السلف عند الفقهاء يراد به من الامام ابي حنيفة رحمه الله المتوفى سنة ۱۵۰ الى محمد بن الحسن بن الفرقد الشيباني رحمه الله تعالى المتوفى سنة ۲۳۰ هـ. كما في عمدة الرعاية ومثله في حاشية الهداية ص۵۰ [1]

اذا اطلق السنة يراد بها السنة القمرية مطلقا كما في حاشية الهداية ص۲۳

اذا اطلق السنة يراد بها سنة النبي الكريم صلى الله عليه وآله وسلم لا غير عند الشافعي رحمه الله تعالى واما عند الاحناف فلفظ السنة عام يشمل سنة النبي صلى الله عليه وسلم وسنة خلفائه الاربعة الراشدين المهديين وسنة سائر الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين كما في نور الانوار ص۱۶۴.

اذا اطلق السنة يراد بها السنة المؤكدة وقد يراد بها الواجب وما دون الفرض كما يقال صلوة العيد سنة اى واجبة وكذا الصلوة مع الجماعة سنة اى واجب ثابتة وجوبها بالسنة النبوية وثابت وعيد تركها بالسنة النبوية كما في الكبيري

[1] والصحابة والتابعون سلف لابي حنيفة واصحابه (الكفاية ص۱۳۴ جلد ۱) والسلف عم من تقدمه من حيث ... ترك لابي حنيفة ...

اذا اطلق السهم فی کتب الفقه یراد به سهم من سهام الورثة (هداية ص۴۳۴ ج ۴)
اذا اطلق السيد السند يراد به المحقق الشريف على الجرجاني المتوفى سنة ٨١٦ھ
اذا اطلق من يقول بسماع الموتى يراد به السماع الروحاني دون سماع الجسد العنصرى بالأذان العنصرية فافهم ولاتغفل ومن اعتقد بسماع الجسد العنصرى بالأذان العنصرية فاعتقاده فاسد ولايصح اقتداء، كذا افتى به استاذى وشيخى ومحمدى فقيه النفس ابوحنيفة زمانه المفتى الاعظم بالبر الصغير الهند المولى محمد كفاية الله رحمه الله وعلماء الفرقة البريلوية اقروا بهذا فى كتبهم وان خالفوا اهل الحق فى مواعظهم بغياً وظلماً وعدواناً وان شئت التحقيق فطالع شفاء الصدور
اذا اطلق "الشرح" فى مختصر المعانى يراد به شرحه المطول
اذا اطلق "الشيخ الاكبر" فى عرف القوم يراد به الشيخ ابن عربى الصوفى صاحب الفتوحات المكية كما فى رد المحتار ص ٣٣٣ ج ۴)
اذا اطلق الشيخ فى كتب النحو والمعانى يراد به الشيخ عبد القاهر الجرجانى الاشعرى الشافعى صاحب دلائل الاعجاز ومائة عامل وجمل وعمده ومغنى شرح الايضاح المتوفى سنة ۴٧١ھ۔
اذا اطلق الشيخ فى كتب المنطق والطب والفلسفة يراد به الشيخ ابوعلى حسين بن عبد الله بن سينا الشهير بالشيخ الرئيس الطبيب الفلسفى الحكيم البخارى الاسماعيلى مذهباً وهو خال ابى زيد الدبوسى رحمه الله مصنف القانون وقانونچه وكتاب الشفاء فى الطب والاشارات وكتاب الاوسط وكان وزيراً لشمس الدولة البويهى وصاحب ملوك العجم وحى بن يقظان۔ المتوفى سنة ۴٢٨ھ وهو الشهير بالمعلم الثالث وكان مشغولاً
اذا اطلق الشيخان فى ذكر الصحابة رضى الله عنهم يراد بهما الامامان الخليفتان ابوبكر وعمر رضى الله عنهما وقد اقام النبى ﷺ ابابكر على مصلاه واقام ابوبكر عمر مقامه عند وفاته
اذا اطلق الشيخان فى كتب النحو يراد بهما المبرد والثعلب اما المبرد فهو ابو العباس محمد بن يزيد بن عبد الاكبر الثمالى البصرى النحوى الاديب تلميذ المازنى وابى حاتم السجستانى واستاذ نفطويه والصولى مصنف الكامل والروضة والمقتضب ولد سنة ٢٠٧ ومات سنة ٢٨٦ وصلى عليه يوسف بن القاضى ابى يوسف صاحب ابى حنيفة رحمهم الله۔ واما الثعلب فهو ابو العباس احمد بن يحيى الشيبانى تلميذ ابى عبد الله

ابن الاعرابي مصنف كتاب الفصيح فى اللغة وكتاب المقصور واختلاف النحويين ومجاز القرآن ومعاني القرآن وكتاب الامثال. وهو امام الكوفيين مات سنة ۲۹۱ ھ.

اذا اطلق الشيخان في كتب اصحابنا الحنفية يراد بهما الامام الاعظم (في تدوين الفقه والاستنباط من القرآن والسنة) ابوحنيفة وتلميذه الامام القاضي ابويوسف يعقوب بن ابراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة (نسبة الى امه) الانصاري البجلي المتوفى سنة ۱۸۳ صنف كتاب الخراج وكتاب الآثار وكتاب الامالي.

اذا اطلق الشيخان في كتب الحديث واصوله يراد بهما البخاري ومسلم رحمهما الله تعالى اما البخاري فهو الامام ابوعبدالله محمد بن اسمٰعيل بن ابراهيم بن المغيرة بن بَرْدِزْبَه البخاري الجُعْفي المحدث صاحب جامع الصحيح والتاريخ وكتاب الادب المفرد توفي ليلة عيد الفطر عند صلوٰة العشاء سنة ۲۵٦ ودفن يوم الفطر بعد صلوٰة الظهر واما مسلم فهو الامام ابوالحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم بن وردين كوشاد القشيري (من بني قشير من قبائل العرب) النيشابوري عساكر الدين المتوفى سنة ۲٦۱ ھ.

اذا اطلق شمس الائمة في كتب اصحابنا الحنفية يراد به ابوبكر محمد بن احمد بن ابي سهل السرخسيؒ صاحب كتاب المبسوط شرح الوافي للحاكم. توفي سنة ۵۰۰ ھ قالوا ان الذين لقبوا بشمس الائمة كثيرون منهم شيخ السرخسي وهو عبدالعزيز بن احمد بن نصر بن صالح الحلواني البخاري تلميذ الشيخ ابي شعيب صالح بن محمد بن صالح و لكن اذا اطلق يراد به السرخسيؒ.

باب الصاد

اذا اطلق الصاحب" في علوم العربية يراد به الصاحب ابوالقاسم اسمٰعيل بن عباد ابي الحسن بن عباس الطالقاني القزويني النحوي اللغوي الاديب المتكلم الشيعي تلميذ ابن عميد وابن وزير فخر الدولة البويهي مصنف المحيط في اللغة والكافي في الرسائل وكتاب الامامة وكتاب فيروز وكتاب الاعياد ولد في اصطخر سنة ۳۲۳ او ۳۲٦ وتوفي سنة ۳۸۵

اذا اطلق صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم يراد به الامام الاعظم خليفة نبي الله ابوبكر الصديق رضي الله عليه وسلم (مشكوٰة ص۵۳۷ ومسلم ص۲۷۴/۱ و ص۲۹٦/۱

اذا اطلق "الصاحبان" فی کتب اصحابنا یراد بهما ابو یوسف ومحمد علیها ابی حنیفة رحمهم الله تعالیٰ.

اذا اطلق الصدر الاول یراد به القرون الثلثة الأول المشهود لها بالخیر من لسان الصادق المصدوق النبی الکریم صلی الله علیه وسلم و فی عدة مواضع یراد به عهد الصحابة رضی الله عنهم اجمعین کما فی الهدایة ص۱۳۱

اذا اطلق صدر الاسلام یراد به علی بن محمد بن عبد الکریم بن موسی البزدوی

اذا اطلق الصلوٰة یراد بها الصلوٰة الکاملة ای ذات رکوع وسجود

اذا اطلق الصلوٰة غیر مقیدة بوصف او شرط یقتضی الصلوٰت المعهودة المفروضة کذا فی احکام القرآن لابی بکر الرازی الجصاص ص۳۶ وقد ورد فی المشکوٰة ص۱۰۳ عن ابن عمر رضی الله عنهما ان رجلا سأله فقال انی اصلی فی بیتی ثم أُدرک الصلوٰة فی المسجد مع الامام افاصلی معه قال له نعم. قال الرجل ایتهما اجعل صلوٰتی قال ابن عمر رضی الله عنهما و ذلک الیک؟ انما ذلک الی الله عز وجل یجعل ایتهما شاء قلت فلا یرد ما اورد به بعض اهل زماننا ان رکعتی الفجر داخلتان فی صلوٰة الصبح فلا تکون خلان تحت نهی ورد فی حدیث البخاری وغیره لا صلوٰة بعد صلوٰة الصبح حتی تطلع الشمس فافهم وفی هذا المقام تفصیل لا یلیق بهذا المختصر.

اذا اطلق الصحة یراد بها ضد الفساد والمرض کما فی الخیالی ص۳۵ قیل الصحة ههنا بمعنی الثبوت کما قال الشاعر ع صح عند الناس انی عاشق ؛ غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن ؛

ای ثبت وجوابه انه خلاف الظاهر وکتب فی الحاشیة لان المتبادر من اطلاق الصحة ضد الفساد والمرض.

اذا اطلق الصفات یراد بها الصفات الثبوتیة (منهیه قل احمد شرح خیالی)

اذا اطلق الصدقة فی القرآن یراد بها الصدقة المفروضة کالزکوٰة والعشر واما فی الاحادیث فکثیرا ما یراد بها غیرها کما فی قوله علیه الصلوٰة والسلام فی فضیلة الصدقة اعظمها اجرا الذی انفقته علی اهلک (مشکوٰة ص۱۷۰)

باب الطاء والظاء

اذا اطلق الطرفان فی کتب اصحابنا الحنفیۃ یراد بہما ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ۔

اذا اطلق الطعام یتبادر منہ البر کما فی فتح القدیر ص۳۶ج۳، وقد کان یراد بہ الشعیر

اذا اطلق الظلم یراد بہ التعدی علی الغیر (قل احد ص۱۳۲)

باب العین والغین

اذا اطلق العالم یتبادر الذہن منہ الی العالم المحسوس کما قال ملا عبد الحکیم الفاضل اللاہوری علی تفسیر البیضاوی ص۵۵

اذا اطلق العلم فی القرآن وکتب علم الکلام یراد بہ الیقین

اذا اطلق العامل اللفظی فی کتب النحو یتبادر منہ الذہن الی انہ مؤثر لفظاً ومعنی کما فی حاشیۃ الفوائد الضیائیۃ ص۴۳)

اذا اطلق العبادۃ یراد بہا العبادۃ المقصودۃ کما فہم من الہدایۃ ص۳۱ج۳)

اذا اطلق عبد اللہ فی کتب الحدیث من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یراد بہ عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب الہذلی ابو عبد الرحمن من اجلۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اعلم ان العبادلۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مأتان وعشرون واذا اطلقوا ارادوا اربعۃ عبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن الزبیر وعبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین ولیس منہم (اسم العبادلۃ الاربعۃ) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کما توہم الجوہری (صراح ص۲۳۶ج۲) قال البلوی عفی اللہ لہ ولوالدیہ وفی ما قالہ صاحب الصراح رحمہ اللہ نظر ظاہر کیف وہو (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) اعلم وافقہ الصحابۃ بعد الخلفاء الاربعۃ کما فی شرح مسند الامام الاعظم ص۱۱ وکان افضل من سائر العبادلۃ کما فیہ ص۹) وہو صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیماً سفراً وحضراً

تعالى عليه وسلم نعماه ووساده تشد بطهوره تعالى عليه
صاحب نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان هو وامه ممن يحسب من
السلام خذوا القرآن من اربعة وذكره منهم وكان هو وامه ممن يحسب من
اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من كثرة دخولها وتردد هما اليه ودخوله
في بيته بلا اذن كما اخرجه البخاري وغيره وكان مفتياً مرجوعاً اليه في المشكل
باتفاق علماء الحجاز والشام والعراق وقال عليه السلام ما حدثكم ابن مسعود
فصدّقوه (ترمذي ص۲۲۴) وشهد له عمر بن الخطاب رضي الله عنه انه ملئ علماً
وقال له بعض الصحابة رضي الله عنهم لا تسألوني ما دام هذا الحبر فيكم ونحو
ذلك من المناقب لم يثبت لاحد من سائر العبادلة.

اذا اطلق العجم يراد به ملك ايران. واما اذا قوبل بالعرب فيراد به ما سوى
العرب فارسياً كان او هندياً او تركياً او غيرهم قال تعالى قالوا لولا فصّلت آياته ءاعجمي
وعربي

اذا اطلق العرف يراد به العرف العام (مختصر معاني ص۳۰)

مطلق العقد يقتضي وصف السلامة عن العيب كذا في الهداية ص۳۲ ج۳)

اذا اطلق العكس في بحث القضايا يراد به العكس المستوي لا عكس النقيض

اذا اطلق العلم يراد به علم غير الجنس كذا في ص۳۵ مختصر المعاني واما
علم الجنس فمخصوص بالنحاة لانه علم اصطلاحي كأسامة (ص۳۵ مختصر معاني).

اذا اطلق الغلة يراد بها الموجود المعد وهو الذي يعرض الموجود كذا في
الجلد الرابع من الهداية ص۳)

اذا اطلق الغصب يراد به عرفاً اخذ مال متقوم (هدايه ص۳۱۶ ج۳)

اذا اطلق عمر يراد به عمر بن الخطاب رضي الله عنه ولكن صاحب
الهداية اراد به في ص۱۸ عمر بن عبد العزيز بن مروان الخليفة رحمه الله تعالى
وذلك منه امتحان امتحن به العلماء كذا قاله محي دشقى رحمه الله تعالى

اذا اطلق علي في ذكر الصحابة رضي الله عنهم يراد به امير المؤمنين الخليفة
الرابع ابو الحسن علي بن ابي طالب كرم الله وجهه.

باب الفاء و القاف

اذا اطلق الفتاوی یراد بها فتاوی علماء ماوراء النهر (نبراس ص۲۶)

اذا اطلق الفحشاء فی القرآن یراد به الزنا الا فی قوله تعالی الشیطان یعدکم الفقر ویأمرکم بالفحشاء فالمراد بالفحشاء هو البخل۔

اذا اطلق فخر الاسلام یراد به علی بن محمد بن عبد الکریم بن موسی البزدوی السمرقندی المتکلم صاحب التفسیر واصول الدین واصول الفقه المتوفی سنة ۴۸۲ھ

اذا اطلق الفضلی یراد به ابوبکر محمد بن الفضل الکماری البخاری المتوفی سنة احدی وثمانین وثلث مائة ۳۸۱ھ (مقدمة عمدة الرعایة ص۱۶)

اذا اطلق القبر فی بحث عذاب القبر وتنعیمه فالمراد به عالم البرزخ دون الحفرة التی یدفن فیها الجسد العنصری للمیت اذ عذاب القبر ثابت قطعا لمن اکله السباع او احترق فی النار او غرق فی البحر او البحر او خسف فی الارض او حفظ جسده العنصری علی ظهر الارض کالفراعنة وغیرهم ونؤمن بان قوم نوح وآل فرعون کلهم معذبون بالنار بالنص القرآنی مع انهم ما دفنوا فی الحفرات وقد فسر القبر رسول الله صلی الله علیه وسلم القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران والحدیث وان کان ضعیفا لان حسین بن مخیر الجعفی الکوفی ذکره الطوسی من رجال الشیعة من الرواة عن جعفر الصادق کما فی لسان المیزان ص۲۲۲ لکن یؤیده ما ورد فی صحیح البخاری ص۱۸۵ قالا ذاک منزلک قلت دعانی ادخل منزلی . قالا انه بقی لک عمر لم تستکمله فلو استکملته اتیت منزلک وله مشکوة ص۳۹۶ فی المشکوة

اذا اطلق القرن الاول یراد به قرن الصحابة رضی الله عنهم اجمعین

باب الکاف

اذا اطلق الکافر یراد به من کفر ظاهرا غیر مضمر (نبراس ص۳۴) ای یتصرف الی المجاهر (شرح عقائد ط مصر ص۳۰ وص۱۰۲)

اذا اطلق الکفر یراد به الخروج عن ملة الاسلام (احکام القرآن للجصاص ص۳۳۳ ج۵)

اذا اطلق الكامل فى عرف الجاهلية يراد به من يجمع بين الرمى والسباحة والشعر والكتابة والفروسية كذا فى تسهيل الدراسة شرح ديوان الحماسة ص١٣٥

اذا اطلق الكتاب فى كتب الاصول يراد به كتاب الله المجيد

اذا اطلق الكتاب فى كتب النحو يراد به كتاب سيبويه (توضيح تلويح ص٣) و سيبويه هو عمرو بن عثمان بن قنبر ابو بشر ابو الحسن مولى بنى الحارث بن كعب ثم مولى آل الربيع بن زياد الحارثى اصله من البيضاء من ارض فارس ونشأ بالبصرة اخذ من الخليل ويونس بن حبيب وهما عن قارئى البصرة ابى عمرو بن العلاء عن نصر بن عاصم عن ابى الاسود عن على بن ابى طالب رضى الله عنه. واخذ ايضا عن ابى الخطاب الاخفش وعيسى بن عمر وكان فى لسانه حبسة وقلمه ابلغ من لسانه كما فى بغية الوعاة ص٢٢٩ وكان سُنّيًا على السُّنّة. وقال ابن سيدة فى مقدمة المحكم ص٥ ولله در حذاق النحويين سيبويه لمن دونه ... كتاب سيبويه الذى هو نور الآداب ومادة انواع الاعراب. توفى سنة ٢٠٦

اذا اطلق صاحب الهداية لفظ الكتاب فى كتابه الهداية يريد به مختصر القدورى وتارة جامع الصغير للامام محمد رحمه الله وفى الشروح يراد متن ذلك الشرح

اذا اطلق كتب الاصول فى كتب الفقه للاحناف اريد بها الكتب الستة للامام محمد رحمه الله وهى المبسوط والجامع الصغير والجامع الكبير والسير الصغير والكبير والزيادات وكتاب الكافى للحاكم ايضا من اصول المذهب وقد شرحه شمس الائمة السرخسى وكتاب المنتقى للحاكم ايضا اصل للمذهب بعد كتب محمد ولا يوجد فى هذه الاعصار وفى هذه الامصار كذا فى عمدة الرعاية ص٩

اذا اطلق الكراهة فى كلام الفقهاء فالمراد بها الكراهة التحريمية الا ان ينص على الكراهة التنزيهية او يدل دليل على ذلك كذا ذكره النسفى فى المستصفى وابن نجيم فى البحر الرائق وغيرهما (مقدمة عمدة الرعاية ص١٢)

اذا اطلق الكوثر يراد به الحوض الكوثر.

باب اللام

اذا اطلق اللفظ الموضوع لمعنى يراد به المعنى الحقيقي دون المجازي الا اذا قامت قرينة صارفة عن المعنى الحقيقي كدلالة حال المتكلم او دلالة العرف او دلالة نفس الكلام او محل الكلام او

اذا اطلق اللفظ ثم بيّن معناه المجازي فهو بيان تغيير (هدايه ص٣٢٢ ج٣)

باب الميم

اذا اطلق الموطأ يراد به موطا للامام مالك برواية يحيى كذا في مقدمة الموطا للامام محمد رحمه الله ص٣٥)

اذا اطلق المبتدأ يراد به القسم الاول من المبتدأ؟

اذا اطلق المتون الثلاثة يراد بها الوقاية و الكنز ومختصر القدوري.

اذا اطلق المتون الاربعة يراد بها الثلاثة المذكورة والمختار

اذا اطلق المتاخرون (عند الفقهاء الحنفية) يراد بهم من شمس الائمة الحلواني الى حافظ الدين البخاري الكبير محمد بن محمد

اذا اطلق المثل يراد به المثل صورة ومعنى (بين سطور الهداية ص٣٥٦ ج٣)

اذا اطلق المجاز يراد به المجاز اللغوي (مختصر المعاني ص٣٣٣)

اذا اطلق المخالفة يراد به ترك العمل دون الانكار (نور الانوار ص٢٣٨).

اذا اطلق المدينة يراد بها مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم وقد كرهوا اطلاق لفظ "يثرب" عليه قال الله تعالى اذ يقول المنافقون والذين في قلوبهم مرض ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا ○ واذ قالت طائفة منهم يا اهل يثرب لا مقام لكم فارجعوا فهذا قول المنافقين ونحن نُهينا عنه.

اذا اطلق المشرك يراد به من يعبد الاوثان دون اليهود والنصارى (احكام القرآن للجصاص ص١١٣ ج٣) وقد اطلق في الحديث لفظ المشركين على اليهود

والنصارى كما فى المشكوٰة ص ٥٥٣ عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اوصى بثلثة قال اخرجوا المشركين (اى اليهود والنصارى) من جزيرة العرب واجيزوا الوفد بنحو ما كنت اجيزهم

اذا اطلق المعنى يراد به المعنى المطابقى دون التضمنى والالتزامى

اذا اطلق معاوية من الصحابة يراد به امير المؤمنين خال المسلمين معاوية بن ابى سفيان رضى الله عنهما كما فى حاشية المشكوٰة .

اذا اطلق المعاملة ينصرف الى المعاوضات (رد ص ٢٩٩ هداية)

اذا اطلق المفعول يراد به المفعول الصريح بلا واسطة حرف الجر .

اذا اطلق المفعول له يراد به المفعول له بلا واسطة حرف الجر .

اذا اطلق المفعول فيه يراد به المفعول فيه بلا واسطة فى

اذا اطلق الميت فى العرف لا يفهم منه المقتول فلذا عطف او قتل على مات فى القرآن (مسائل رازى ص ٣٠) قلت قال الله تعالى افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم وقال الله تعالى ولئن قتلتم فى سبيل الله او متم لمغفرة من الله ورحمة خير مما يجمعون ولئن متم او قتلتم لإلى الله تحشرون

اذا اطلق امكان الانفكاك يتبادر منه امكانه بحسب الوجود دون ما هو بحسب الحيز (ص ١٥ قل احمد)

اذا اطلق الممكن فى الحكمة الالهية يتبادر منه الذهن الى الممكن الوجود

اذا اطلق الممتنع 〃 〃 〃 〃 〃 〃 الممتنع الوجود (حمد الله ص ٣٣)

اذا اطلق المولى يراد به مولى العتاقة غالبا دون مولى الموالاة (تدريب الراوى ص ٣٦٩)

باب النون

اذا اطلق النجاسة تراد بها النجاسة الغليظة (نفع المفتى والسائل ص ٣١) .

اذا اطلق النظم يراد به فى عرف القوم الشعر الا فى كتب الاصول والتفسير فيراد به عبارة القرآن كذا فى نور الانوار ص ١

اذا اطلق النقض يراد به النقض الاجمالى دون التفصيلى (رشيديه ص ٣) فان

النقض التفصیلی یسمی بالمنع ولا یطلق علیہ النقض الا مقیدا بالتفصیلی والنقض انما ھو ابطال دلیل المعلل بعد تمامہ متمسکا بشاھد یدل علی عدم استحقاقہ للاستدلال بہ. والشاھد ما یدل علی فساد الدلیل لتخلف او لاستلزامہ محالاً. والمنع ھو طلب الدلیل علی مقدمۃ معینۃ.

اذا اطلق النھی یقع علی القبیح لعینہ فی الافعال الحسیۃ وعلی القبیح لغیرہ وصفاً فی الافعال الشرعیۃ

اذا اطلق النوع یراد بہ النوع الحقیقی دون الاضافی

باب الواو

اذا اطلق الواجب فی الحکمۃ الالٰھیۃ یراد بہ ویتبادر منہ الذھن الی واجب الوجود

اذا اطلق الوجوب یراد بہ المتبادر فی الذھن ای الوجود الخارجی (عبد الحکیم علی تفسیر البیضاوی ص۵۵).

اذا اطلق الوحدۃ یراد بھا الوحدۃ الشخصیۃ (من متن متین ص۱۶۳)

اذا اطلق الوصف یتبادر منہ الوصف اللسانی (ص التعلیق العجیب)

اذا اطلق الوضع یراد بہ الوضع بلا تاویل (مختصر معانی ص۳۸۰)

اذا اطلق الوضع یراد بہ الوضع الحقیقی دون الادعائی (مختصر معانی ص۳۲۵)

اذا اطلق الوطی الحرام یراد بہ الزنا (بین السطور ہدایہ ص۶۸۹ ج۴)

اذا اطلق الولیمۃ یراد بہ طعام العرس ویقید ما فی غیرہ فیقال ولیمۃ الختان ونحوہ. ماخوذ من الولمۃ اجتماع چیزے و فراہم کردن آن الولم الجمع وزناً و معنیً لان الزوجین یجتمعان (تحفۃ العرب ص۱۹)

باب الھاء

اذا اطلق الھدی یراد بہ ما یجزی فی الاضحیۃ (ھدایہ ص۲۶۰)

اذا اطلق الھیولی یراد بھا الھیولی الاولی والمادۃ (میبذی)

فائدہ

کثیرا ما یطلقون عباراتہم فی موضع اعتمادا علی التقیید فی محلہ وقصدھم بذلک ان لا یدعی علمہم الا من زاحمہم بالرکب ولیعلم انہ لا یحصل الا بکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتہم والاخذ عن المشایخ کذا فی البحر الرائق۔ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص۱۰

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سید البشر خاتم النبیین محمد وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ وعترتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ○

حررہ طالب الخیر فی الکونین
محمد حسین صانہ اللہ عن الشین
مدرس ضیاء العلوم بلاک ۱۳ الف
سرگودھا

تحقیق النجاۃ
فی
تحقیق لولاک

الحمد لله رب العلمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه واهل بيته وذرياته وعترته اجمعين

وبعد فيقول طالب الخير في الكونين المدعو محمد حسين غفر الله رب المشرقين والمغربين انه قد اشتهر عند العامة والخاصة قول لولاك لما خلقت الافلاك وكثير من القصاص والوعاظ يبينونه على رؤس المنابر في الاجتماعات والمحافل والخطبات ويذكره الشعراء في القصائد والرباعيات زاعمين انه حديث صحيح متواتر او مشهور قاله رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم عن الله جل وعلا والتحقيق ان الكلام المشهور على السنة العوام والخواص ليس من كلام افصح العرب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا من كلام خالق الالسنة واللغات رب العلمين بل هذه العبارة موضوعة مخترعة كما صرح به محمد بن طاهر بن علي الصديقي الفتني رحمه الله في مجمع بحار الانوار ص۳۱ وتذكرة الموضوعات ص۸۶ وملا علي القاري في الموضوعات ص۶۷ وغيرهما ولا ينبغي نسبة مثل هذه العبارة الى افصح العرب النبي الكريم صلى الله عليه وسلم ولا الى الله تعالى لان فيها كلمة شاذة قليلة الاستعمال غير فصيحة فاردنا ان نورد ما قال فيه النحاة

قال ابن عقيل في شرح الفية ابن مالك ص۲۶۱ للولا ولوما استعمالان، احدهما ان يكونا دالين على امتناع الشيء لوجود غيره وهو المراد بقوله ع اذا امتناعا بوجود عقدا ويلزمان حينئذ الابتداء فلا يدخلان الا على المبتدأ. ويكون الخبر بعدهما محذوفا وجوبا. ولابد لهما من جواب فان كان مثبتا قرن باللام غالبا وان كان منفيا بـ "ما" تجرد عنها غالبا، وان كان منفيا بـ "لم" لم يقترن بها نحو لولا زيد لاكرمتك، ولوما زيد لاكرمتك. ولولا زيد ما جاء عمرو ولولا زيد لم يجئ عمرو. فزيد في هذه المثل ونحوها مبتدأ وخبره

محذوف وجوباً والتقدير لولا زيدٌ موجودٌ …

والاستعمال الثاني لـ لولا ولوما وهو الدلالة على التحضيض ويختصان حينئذ بالفعل، نحو لولا ضربتَ زيدا، ولوما قتلتَ بكرًا .

فان قصدت بهما التوبيخ كان الفعل ماضيًا ، وان قصدت بهما الحث على الفعل كان مستقبلًا بمنزلة فعل الامر كقوله تعالى فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ اى لينفروا

وقد يقع الاسمُ بعدها و يكون معمولًا لفعلٍ مضمرٍ او لفعلٍ مؤخرٍ عن الاسم . فالاول كقوله ؎

الآن بعد لجاجتي تلحونني	هلّا التقدمُ والقلوبُ صحاحُ

فالتقدمُ مرفوع بفعل محذوف ، والتقدير هلّا وجد التقدمُ .

والثاني كقولك لولا زيدًا ضربتَ ، فـ لولا مفعول ضربتَ

مبحث الضمير الواقع بعد لولا

واعلم ان للنحويين في هذا الموضوع ثلثة مذاهب

فمذهب سيبويه انه يرى ايقاع الضمير المنفصل المرفوع بعدها هو الوجه كقولك لولا أنتَ . ولا يمتنع من اجازة استعمال المتصل بعدها ، كقولك لولاكَ ولولايَ ولولاه . ويحكم بان المتصل بعدها مجرورٌ بها فيجعل لها مع المضمر حكما يخالف حكمها مع المظهر . و

مذهب الاخفش ان الضمير المتصل بعدها مستعارٌ للرفع فيحكم بان موضعه رفعٌ بالابتداء وان كان بلفظ المضمر المنصوب او المجرور . فيجعل حكمها مع المضمر موافقاً لحكمها مع المظهر . و

مذهب المبرّد انهُ لا يجوز ان يليها من المضمرات الّا المنفصل المرفوع واحتج بانهُ لم يأت في القران غيرُ ذلك وزعم ان في قصيدة يزيد ابن الحكم

؎ وكذا لا يأتي في كتاب من كتب صحاح الحديث كصحيحي البخاري ومسلم وجامع الترمذي وسنن ابي داؤد والنسائي وابن ماجه ولا في الموطأين ولا في مسند الدارمي واحمد والطيالسي وابي عوانة وغيرها

بن ابی العاص الثقفی من ثقیف ابن بکر بن هوازن . وامه بکرة بنت زبرقان بن بدر) یعاتب فیها اخاه عبد ربه) ع وکم موطن لولای طحت کما هوی

وکم موطن لولای طحت کما هوی		باجرامه من قلة النیق منهوی

شذوذ في مواضع كثيرة وخروجاً عن الوجه والقياس ومن اجل ذلك فلا حجة في الاستشهاد بشيء منها . (حاشيه شرح المفصل ص۱۱۹)

قلت وهو الاوجه فان الشعر فيه شذوذ آخر كما قال شارح المفصل ص۱۱۹ قوله منهوی ای ساقط من الانهواء (من باب الانفعال) وهو شاذ . لان نون المطاوعة (ای نون الانفعال) انما تدخل فعلاً متعدياً لحركته فانكسر وحسرته فانحسر وهو كما ترى لازم

واذا اكنى عن الاسم الواقع بعد لولا وعنى فالشائع الكثير ان يقال لولا انت ولولا انا وعسيت وعسيت . قال الله تعالى لولا انتم لكنا مؤمنين وقال تعالى فهل عسيتم . قال هل عسيتم . وقد روى الثقات عن العرب لولاك ولولاى وعساك وعسانى (شرح المفصل ص۱۱۸)

ان الاسم الواقع بعد لولا الظاهر يرتفع بالابتداء عند جماعة البصريين فاذا اكنى عنه فينبغي ان لا يختلف اعرابه لان العامل في الحالين شيء واحد فكما انه اذا كان ظاهرا يكون مرفوعا بالابتداء فكذلك اذا اكنى عنه يكون في محل رفع بالابتداء ويكون لفظه من الضمائر المرفوعة المنفصلة هذا هو القياس وعليه اكثر الاستعمال . فعلى هذا تقول لولا انت ولولا انتما ولولا انتم . قال الله تعالى لولا انتم لكنا مؤمنين . وقال عامر بن (عمرو بن سنان بن) الاكوع وهو يحدو برسول الله صلى الله عليه وسلم

اللهم لولا انت ما اهتدينا		ولا تصدقنا ولا صلينا

واما الكسائى فكان يرى ارتفاع الاسم بعد لولا بفعل مضمر . معناه "لولم يكن" فعلى هذا ينبغي اذا كنى عنه ان تقول لولا انا ولولا انت لان الفعل لم يظهر فيتصل به كنايته فوجب ان يكون الضمير منفصلا (شرح المفصل ص۱۱۹)

وفى شرح الكافية للعلامة نور الدين الجامى رحمه الله ص۳۳ قال الكسائى الاسم

ای لولا وُجِدَ زیدٌ و
الواقع بعدھا (ای لولا) فاعل لفعلٍ مقدرٍ ای لولا وُجِد زیدٌ و
قال الفراء لولاھی الرافعۃ للاسم الذی بعدھا (ص۳۲ شرح جامی)
وقال المحشی بین سطور شرح الکافیۃ لنور الدین رحمہ اللہ تعالیٰ ان
البصریین یقولون ان لولا حرف برأسہا یلزم بعدھا المبتدأ ولیست من
حروف الشرط (ص۳۲ بین سطور شرح جامی)
قلت بعون اللہ ان حاصل ھذہ المذاھب ان کلمۃ لولا اذا وقع بعدھا اسم فلا یخلو
اما ان یکون اسما ظاھرا او اسما ضمیرا فان کان اسما ظاھرا فقد یکون اسما صریحا نحو لولا زید
لکان کذا وقد یکون اسما تاویلیا کقولہ تعالیٰ لولا ان رأی برھان ربہ ولولا ان ربطنا علی
قلبھا ولولا ان منّ اللہ علینا. لولا ان صبرنا علیھا وایًّا ما کان فھو مرفوع لا محالۃ وان اختلف
فی وجہ ارتفاعہ فعند الکسائی مرفوع بفعل مضمر معناہ لولم یکن وعند الفراء لولا نفسھا
رافعۃ للاسم الواقع بعدھا وعند البصریین مرفوع للابتداء وخبرہ محذوف الا اذا وقع بعد
ذلک الاسم ینتصب عنہ کقولک لولا زیدًا ضربتُ فھو مفعول مقدم منصوب لذلک الفعل
المؤخر
واما اذا وقع بعد لولا اسم ضمیر فلا یخلو اما ان یکون مرفوعا منفصلا او متصلا واما
ان یکون منصوبًا منفصلا او متصلا واما ان یکون مجرورًا متصلا فقط (دون المنفصل
فان الضمیر المجرور لم یات فی لسان العرب منفصلا) ولا سبیل الی ان یکون ضمیرا مجرورا
متصلا ولا الی ان یکون منصوبا متصلا ولا منفصلا فان الضمیر المجرور لا یاتی الا بعد الاسم
او حرف الجر ولولا لیس باسم ولا حرف جر الا عند سیبویہ کما قال عبد الرسول

چوں بہ لولا ضمیر مجرور گردد متصل ۔۔۔ ہست نزد سیبویہ او جار چوں لولاکما

والذی قال فی حاشیتہ " ونزد سیبویہ ضمیر مجرور واقع موقع مرفوع است چنانچہ ضمیر مرفوع
در محل مجرور باشد چوں در قول عرب ما انا کانتَ وقال فی متن متین ص۱۲۳ و (من حروف
الجر) لولا مع الضمیر المجرور عند الکوفیۃ وقال ابن ھشام فی مغنی اللبیب ص۲۱۶ سمع
قلیلا لولای ولولاک ولولاہ خلافا للمبرد. قال سیبویہ والجمھور ھی جارۃ للضمیر مختصۃ
بہ کما اختصت حتی والکاف بالظاھر ولا تتعلق لولا بشیءٍ وموضع المجرور بھا رفع بالابتداء
والخبر محذوف وقال الاخفش الضمیر مبتدأ ولولا غیر جارۃ ولکنھم انابوا الضمیر

المخفوض عن المرفوع كما عكسوا (اى انابوا الضمير المرفوع عن المخفوض) اذ قالوا ما انا كانت ولا انت كانا وقد اسلفنا (فى علىّ) ان النيابة انما وقعت فى الضمائر المتصلة لشبهها فى استقلالها بالاسماء الظاهرة فاذا عطف عليه اسم ظاهر نحو "لولاك وزيدا" تعيّن رفعه لانها لا تخفض الظاهر وقال فى بحث عسى ص۳۳۲ و المذهب الثانى انها (عسى) باقية على عملها عمل كان (من رفع الاسم ونصب الخبر) ولكن استعير ضمير النصب مكان ضمير الرفع قاله الاخفش . ويردّه امران احدهما ان انابة ضمير عن ضمير انما ثبت فى المنفصل نحو ما انا كانت ولا انت كانا واما قوله يا ابن الزبير طالما عصيكا ۞ فالكاف بدل من التاء بدلا تصريفيا لا من انابة ضمير عن ضمير كما ظن ابن مالك الخ (ص۳۳۳)

قلت وله جواب آخر اذ هو شعر وقد تقرر فى مقره انه يجوز فى الشعر ما لا يجوز فى غيره وقال العلامة جار الله الزمخشرى رحمه الله

ضرورة الشعر عشرة عدّ جملتها ۞ وصل وقطع وتخفيف وتشديد
مدّ وقصر واسكان وتحريك ۞ منع صرف وصرف ثم تعديل

وقال فى حاشية متن متين ص۳ فان الشعر وان كان موردة الضرورة ومظنة ملجئة الى المسامحات فكيف يستدل به على جواز مثل هذا التركيب

خذ فيه ليس فيه احد من الامور العشرة التى عدّها الزمخشرى فى البيتين قلت ليس ما قال الزمخشرى للحصر بل امور كثيرة منها ادخال الجار والمجرور بين المضاف والمضاف اليه قال الحماسى ص۲۰ هما اخوا فى الحرب من لا اخاله اذا خاف يوما نبوة فدعاهما ومن لا اخاله مضاف اليه وبينهما فاصلة الجار والمجرور "فى الحرب" ومنها حذف نون التثنية قال الحماسى ص۱ هما خطتا اما اسار ومنة ۞ واما دم والقتل بالحر اجدر ۞ فخطتان تثنية خطة حذف نونه لضرورة الشعر وكذا فى ص۳۳ هما كنفا الارض اللذا لو تزعزعا ۞ اى اللذان ، ومنها حذف نون الجمع قال الحماسى ص۳

انا الذى يجدونى فى صدورهم ۞ لا ارتقى صدرا منها ولا ارد

فقد حذف نون يجدونى

وكذا ايراد الضمير المتصل بعد "الا" شاذ كما قال محمد بن مالك رح فى الفيته

وذو اتصال منه ما لا يبتدا ۞ ولا يلى "الا" اختيارا ابدا

اى الضمير البارز المتصل هو الذى لا يبتدا به كالكاف من "اكرمك" ونحوه . ولا يقع الضمير

البارز المتصل بعد "إلا" في حالة الاختيار فلا تقول ما أكرم إلاك . وقد جاء الضمير البارز المتصل بعد "إلا" في الضرورة الشعرية كما قال شاعر

أعوذ برب العرش من فئة بغت	عليَّ فما لي عوض إلاهُ ناصرُ

اي إلا إياه كما قال تعالى وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه . وقال شاعر آخر

وما علينا إذا ما كنت جارتنا	أن لا يجاورنا إلاكِ ديّارُ

اي إذ كنت جارتنا فلا نكترث بعدم مجاورة أحد غيرك فقد وقع الضمير البارز المتصل بعد "إلا" في ضرورة الشعر وكذا إيراد الضمير المتصل بعد لولا لم يرد إلا في الأشعار فلا يستدل بها لإثبات القاعدة الكلية واقصى ما ثبت به الجواز وهو لا ينافي انتفاء الفصاحة كما قال مصطفى بن محمد البناني في التجريد حاشية مختصر المعاني تحت قوله "الحمد لله العلي الأجلل والقياس الأجل" أورد عليه أن عدم الادغام لم لا يجوز أن يكون لضرورة الشعر و أجيب بأن أقصى ما ثبت به الجواز وهو لا ينافي انتفاء الفصاحة . لأن هذا الانتفاء يلزم من عدم كون الكلمة كثيرة الدوران على ألسنة العرب العرباء لا من عدم جواز ما ارتكبه الشاعر . ألا ترى أن استعمال الجرشي جائز قطعاً إلا أنه مخل بالفصاحة اهـ

(ج۱ ص۳۵ مختصر المعاني مع تجريد البناني)

ولئن قال ملا علي القاري رحمه الله تعالى في كتابه المصنوع في أحاديث الموضوع ص۱۵۲ حديث لولاك لما خلقت الأفلاك قال الصغاني موضوع وكتب عليه المحشي أي بهذا اللفظ وقد ذكره القسطلاني في المواهب من الدر المنظم في مولد النبي الكريم بلفظ لولاك لما خلقت السماء ولا الأرض قط

وفي الموضوعات الكبير له ص۶۹ فقد الديلمي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعاً أتاني جبرائيل فقال يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار وفي رواية ابن عساكر لولاك ما خلقت الدنيا

ففي جميعها لفظ لولاك وهو كما ترى في ما سلفنا أنه لا يناسب بكلام أفصح العرب والشعر الذي ورد فيه لفظ "لولاي" فليس بمحتج به فإنه من بني ثقيف وكذا ما أنشد في مقامات الحريري فإنه عجمي ليس من قحّ العرب

قال جلال الدين السيوطي رحمه الله في كتابه الاقتراح ص۱۵

فصل وأما كلام العرب فيحتج منه بما ثبت عن الفصحاء الموثوق بعربيتهم .

قال ابونصر الفارابي فی اول کتابه المسمّٰی بـ"الالفاظ والحروف" كانت قريش اجود العرب انتقادًا للافصح من الالفاظ واسهلها على اللسان عند النطق واحسنها مسموعًا وابينها ابانة عما فی النفس والذين عنهم نُقِلَت اللغة العربية وبهم اقتدی وعنهم اخذ اللسان العربي من بين قبائل العرب هم قيس وتميم واسد فان هؤلاء هم الذين عنهم اكثر ما اخذ ومعظمه وعليهم اتكل فی الغريب وفی الاعراب والتصريف ثم هذيل وبعض الطائيين . ولم يؤخذ عن غيرهم من سائر قبائلهم .

وبالجملة فانه لم يؤخذ عن حضري قط ولا عن سكان البراري ممن كان يسكن اطراف بلادهم التی تجاور سائر الامم الذين حولهم . فانه لم يؤخذ لا من لخم ولا من جذام فانهم كانوا مجاورين لاهل مصر والقبط . ولا من قضاعة ولا من غسان ولا من اياد فانهم كانوا مجاورين لاهل الشام واكثرهم نصاری يقرأون فی صلوتهم بغير العربية ولا من تغلب ولا النمر فانهم كانوا بالجزيرة مجاورين لليونانية . ولا من بكر لانهم كانوا مجاورين للنبط والفرس . ولا من عبد القيس لانهم كانوا سكان البحرين مخالطين للهند والفرس ولا من ازد عمان لمخالطتهم للهند والفرس ولا من اهل اليمن اصلا لمخالطتهم للهند والحبشة ولولادة الحبشة فيهم ولا من بنی حنيفة وسكان اليمامة ولا من ثقيف وسكان الطائف لمخالطتهم تجار الامم المقيمين عندهم ولا من حاضرة الحجاز لان الذين نقلوا اللغة صادفوهم حين ابتدأوا ينقلون لغة العرب قد خالطوا غيرهم من الامم وفسدت السنتهم

ثم قال فی ص ٢٤ ونقل ذلك ابوحيان فی شرح التسهيل معترضًا به على ابن مالك حيث عنی فی كتبه بنقل لغة لخم وخزاعة وقضاعة وغيرهم وقال ليس ذلك من عادة ائمة هذا الشان .

وقال السيد كرامت حسين الكنتوری فی مقدمة كتابه "فقه اللسان" قال الشيخ عيني فی رسالته المسماة "بارتقاء السيادة" ان العرب المأخوذ عنهم اللسان العربي الموثوق بعربيتهم هو بنو قيس وتميم واسد وهذيل وبعض الطائيين ای بنی طی انتهی فكانت لغة هذه القبائل المذكورة افصح لغات العرب وعليها المعتمد واليها المرجع ومن هذه القبائل بنو قريش وهم بطون مضر ولد اسمعيل على نبينا وعليه الصلوة والسلام ولغتهم مفضلة على غيرها لانه لا فيها نزل القرآن (ص ٣)

قلت وكذا هذيل من بطون مضر كذا في نهاية الارب لاحمد ابو العباس شهاب الدين في سبائك الذهب ص ٣٢ والتميم من بطون هذيل وتميم بن طريف من بطون قيس بن عيلان فان قلت ان استشهادنا لا يختص في شعر المحقق بل لنا فيه استشهادات منها اورده سيبويه والجمهور ردا على المفضل ص ٣٢ وقد روى الثقات عن العرب لولاكم

خليلي ان العامري لغايظ ... ولولاه ما قلت لدي الدراهم

وقال الآخر

أسمعتكم بيراد عوني مرتبا ... لولاكم ساغ لحمي عندها ودم

وقال الآخر

ولولا هم لكنت كحوت بحر ... هوى في مظلم الغمرات داجي

فقال الآخر (قيل هو من اشعار عمر بن ربيعة كما في حاشية المفضل ص ٣٢ ولكن المحشي لم يشر الى الحوالة)

ولولاك هذا العام لم احجج ... وعندك اومت بعينيها من الهودج

وقال الآخر

اتطمع فينا من اراق دماءنا ... ولولاك لم يعرض لاحسابنا حسن

قلت هذه الاستشهادات اوردها سيبويه ردا لمذهب المبرد فان مذهب سيبويه على ما قاله الرضي في شرح الكافية ص ٣ والضمير عند سيبويه مجرور ولولا عنده حرف جر ههنا خاصة. قال ولا يبعد ان يكون لبعض الكلمات مع بعضها حال فيكون لولا الداخلة على الضمير المذكور حرف جر مع انها مع غيره غير عاملة بل هي حرف يبتدأ بعدها نحو لولا زيد ولولا انت ومثل ذلك بـ لدن فانها تجر ما بعدها بالاضافة الا اذا وليتها غدوة فانها تنصب كما يجيء. ثم قال الرضي وقال ابو سعيد السيرافي الجار والمجرور اي لولاك في موضع الرفع بالابتداء او كما في بحسبك درهم ثم قال الرضي وعند الاخفش والفراء ان الضمير بعدها ضمير مجرور ناب عن المرفوع كما ناب المرفوع عن المجرور في نحو ما انا كانت

والرضي قد رد على هذه الثلثة من المذاهب مع انه يصحح مثل هذا التركيب فقال في رده على مذهب سيبويه فيه نظر اي في قول سيبويه نظر وذلك ان الجار اذا لم يكن زائدا كما في بحسبك درهم فلا بد له من متعلق ولا متعلق في نحو لولاك لم افعل ظاهرا و

له قال في المفصل ص ٣٢ قد سمع سيبويه ذلك عن الخليل ويونس الا ان الكاف وما يليها بعد لولا في موضع الجر وان كان الوجه لولا انت كما قال الله تعالى ...

يصح تقديرهٗ . وقال في ردّه على مذهب السيرافي ان فيه نظرًا الان ذلك انما يكون بتقدير زيادة الجار . واذا الركبين زائدًا فلابدّ لها من متعلق فيكون مفعولًا لذلك المتعلق لا مبتدأً . وردّ على مذهب الاخفش والفراء ويرد عليه ان النيابة انما وقعت في الضمائر المتصلة لشبهها بالاسماء الظاهرة في الاستقلال فاذا عطف عليه اسم ظاهر تعيّن رفعهٗ نحو لولاك وزيدٌ لانهما لا تخفض الظاهر انتهى

وقال الرضي وان رُجّح مذهب سيبويه بان التغيير عنده تغيير واحد وهو تغيير لولا وجعلها حرف جرّ بخلاف مذهب الاخفش فانه يلزمه تغيير اثنى عشر ضميرًا يرجح مذهب الاخفش بان تغيير الضمائر بقيام بعضها مقام بعض ثابت في غير هذا الباب بخلاف تغيير لولا بجعلها حرف جرٍّ . فان ارتكاب خلاف الاصل وان كثر اذا كان مستعملًا اهون من ارتكاب خلاف الاصل غير المستعمل وان قلّ (صـ٢ رضي)

وكذا قال الشيخ جلال الدين السيوطي رحمه الله في همع الهوامع شرح جمع الجوامع و

لولا الامتناعية اذا تلتها ضمير جرّ نحو لولاى ولولاك ولولاه . . . . فقال سيبويه والجمهور موضعه جرّ بها واختصت به كما اختصت حتى والكاف بالظاهر . قالوا ولا جائز ان يكون مرفوعًا لانها ليست ضمائر رفع ولا منصوبًا والا لجاز وصلها بنون الوقاية مع ياء المتكلم كالياء المتصلة بالحروف (وجاز لولانى لا لولاى) ولانهٗ كان حقها ان تجرّ الاسم مطلقًا (كما هو شان حروف الجرّ) لكن مُنع من ذلك تشبيهها بما اختص بالفعل من ادوات الشرط في ربط جملة فالرابط التشبيه على موجب العمل فجردًا بها المضمر . وقال الاخفش والكوفية موضعه رفع على الابتداء او انابة لضمير الجر عن ضمير الرفع كما عكسوا في أنا كانت وانت كانا ولولا غير جارّة لان المضمر فرع الظاهر وهى لا تجرّ الاصل فكيف تجرّ الفرع . وما قيل من انها مختصّة (بجرّ الاسم المضمر) ممنوع وانما هى داخلة على الجملة الابتدائية (ص٣٣ ج٢ همع الهوامع)

ثم نقل قول المبرد وقال قال المبرد هو لحن وكذا قال الرضي وقد يجيئ بعدها الضمير المشترك بين النصب والجر الا عند المبرد فانه منعه وقال هو خطأ

ثم ردّ عليه السيوطي وقال وردّ قول المبرد باتفاق ائمة البصريين والكوفيين على روايته عن العرب وقال الرضي ص٢٣ والصحيح وروده وان كان قليلًا ثم استشهد بما

ـه هذا الرد ليس من الرضي بل من الدرر اللوامع شرح جمع الجوامع ص٣٣ ج٢ لاحمد بن الامين الشنقيطي نزيل مصر القاهرة رحمه الله

سلفنا من الاشعار

وقال الشيخ قطة العدوى فى فتح الجليل شرح شواهد ابن عقيل ص١٣٣ والشاهد فى قوله لولاه حيث احتج به سيبويه على المبرد الذى زعم ان هذا التركيب ونحوه لم يرد من لسان العرب وقال فى ص١٣٣ والشاهد فى قوله لولاى حيث جرت لولا الضمير كما هو مذهب سيبويه وفيه كسابقه رد على المبرد فى زعمه ان هذا التركيب لم يرد فى لسان العرب وهذا ما قالوا

ولا يخفى عليك ان هذا التقرير بشراشره لا يجديهم نفعاً اذ للمبرد ان يقول مجيباً عن جميع ما ذكروا ان هذه الاستشهادات كلها ضرورة اذ لم يرد ذلك نثرا فى لسان العرب كما قال الشيخ عبد المنعم الجرجاوى فى شرح شواهد ابن عقيل ص١٣٤

وله ايضا ان يقول ان الشعر الاول والثانى مجهول قائلهما فقد قال احمد بن الامين الشنقيطى فى الدرر اللوامع فى الشعر الاول ولم نعثر على قائله وفى الشعر الثانى ولم نعثر على من خوطب به ولا قائله وقال فى الشعر الرابع والاشبه ان يكون من جيمية للعرجى نقل فى الاغانى بعضها لموافقته لاسلوبها ورجزها انتهى وهو ايضا محل اشتباه هل هوله ام لغيره واما الخامس فقد قال فى شرح شواهد ابن عقيل قاله سيدنا عمرو بن العاص بن وائل بن هاشم بن سعيد بن سهم بن عمرو بن هصيص بن كعب بن لؤى القرشى السهمى ابو عبد الله من قصيدة يخاطب بها سيدنا معاوية بن ابى سفيان رضى الله عنهما و يحرضه فيها على قتال سيدنا الحسن (بن على بن ابى طالب رضى الله عنهما) بسبب سفكه لدمائهم وقدحه فى احسابهم

ولكنا لن نؤمن به فانه بمعزل من شان الصحابة رضى الله عنهم ورضوا عنه فقد قال الله فى حقهم والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم وقال تعالى قوم يحبهم و يحبونه اذلة على المؤمنين اعزة على الكافرين يجاهدون فى سبيل الله ولا يخافون لومة لائم فكيف يظن بهم انهم كانوا يحرضون على قتال المسلمين سيما اولاد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم والقصة لا تكاد تصح فلا حاجة الى ما اجاب به الشيخ الجرجاوى فى شرح شواهد ابن عقيل حيث قال ولنمسك عن الخوض فى ذلك لئلا نقع فى المهالك لان ذلك باجتهاد منهم رضى الله عنهم ورضوا عنه انتهى مع انه رضى الله عنه كان من دهاة العرب ومن المتقدمين فى الرأى

والدهاء والفطنة كما اقر به الشيخ قطة العدوي في فتح الجليل شرح شواهد ابن عقيل ص١٣١

وقد كذب على مثل هؤلاء الاكابر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل هذا الافك والبهتان العظيم كالمحاربة بين امير المؤمنين على رضي الله عنه وبين ام المؤمنين عائشة الصديقة رضي الله عنها وكحرق امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه بيت سيدة النساء فاطمة الزهراء رضي الله عنها وكحرق امير المؤمنين عثمان بن عفان رضي الله عنه كلام الله العظيم وكمحو عبد الله بن مسعود رضي الله عنه المعوذتين من مصحفه وكاكل الداجن جزءا من القرآن المطهر تحت السرير في بيت عائشة رضي الله عنها والعياذ بالله من هذه الاكاذيب ونظائرها كثيرة مقامها غير هذه العجالة

فالحاصل ان الشعر ليس من اقوال العرب بل اختلقه من بعده من المولدين او الاعاجم فنسبه الى من هو من اصحاب النبي الكريم وتمارس في لسان العرب كخطبة الشقشقة وغيرها المنسوبة الى امير المؤمنين على كرم الله وجهه المندرجة في نهج البلاغة ولم يرده احد من الثقاة وكديوان على رضي الله عنه فانه من اختلاق الاعاجم وكالدعاء المنظومة المنسوبة الى سيدنا صهر النبي صلى الله عليه وسلم وخليفته ابي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه مع انه رضي الله عنه لم يقل شعرا مدة عمره كما قال الملا علي القاري قال السيوطي عن عائشة رضي الله عنها قالت والله ما قال ابو بكر رضي الله عنه شعرا قط في جاهلية ولا اسلام ولقد ترك هو وعثمان رضي الله عنهما شرب الخمر في الجاهلية اخرجه ابن عساكر بسند صحيح انتهى ص٣٢ نبراس شرح شرح العقائد النسفية

واما الشعر الذي استدل به سيبويه فهو البيت من ابيات ثلثة لعبد الرحمن بن حسان بن ثابت الانصاري هجا بها عبد الرحمن بن الحكم بن ابي العاصي على ما ذكره الشيخ احمد بن الامين الشنقيطي في الدرر اللوامع على همع الهوامع شرح جمع الجوامع ص٢
فجوابه مثل ما مر ان للمبرد ان يقول ان ذلك ضرورة اذ لم يرد ذلك نثرا في لسان العرب ولم يقدر سيبويه ولا غيره من الجمهور على ايراد نثر من نثر العرب فيه مثل لولاك الذي هم بصدد تصحيحه ورده واستعماله في كلام العرب فصار اللفظ غريبا من حيث انه غير مانوسة الاستعمال مخلا بالفصاحة بالنظر الى الاعراب الخلص من سكان البوادي لا بالنظر الى المولدين كما قاله العذري على ما ذكره في تجريد البناني ص٣٢ على

مختصر المعانی وصار الکلام مؤلفا علی خلاف القانون النحوی المشهور بین الجمهور کالاضمار قبل الذکر لفظا ومعنی وحکما نحو ضرب غلامُه زیدًا مع ان الاخفش من النحاة قد اجازه وتبعه ابن جنی ولکنه غیر فصیح وان استشهد علیه ببیت ابو الغیلان

جزی بنوه ابا الغیلان عن کبر	وحسن فعال کما یجزی سنمار

فانه شاذ ونادر والتالیف مخالف للقانون المشهور فالبیت بمعزل من الفصاحة

وکذلک الاصل والقانون المشهور عند جمهور النحاة بل جمیعهم ان الاتصال انما یکون بآخر العامل لان الضمیر المتصل کالجزء الاخیر من عامله فاذا لم یکن هذا العامل کما هو رأی الاخفش حیث قال ان لولا غیر جارة (ولا ناصبة ولا رافعة) وعلله بان المضمر فرع الظاهر وهی (لولا) لا تجر الاصل (ای الظاهر) فکیف تجر الفرع ثم قال انما هی داخلة علی الجملة الابتدائیة (کما فی همع الهوامع ص۳۵۰) ولم یقل احد من النحاة انها ناصبة ولم احد منهم انها رافعة الا الفراء فانه متفرد فی القول بان لولا هی الرافعة للاسم الذی بعدها الاختصاص لاختصاصها بالاسماء کسائر العوامل فکیف یصدق علیه انه کالجزء الاخیر فی کون اتصاله بالآخر فان الجزء لا یتصل بید دون الکل فقول الاخفش مردود کما رد قوله فی الاضمار قبل الذکر وان استدل ببیت ابی الغیلان وغیره فان الشاذ لا یقاس علیه کما تقرر فی مقره وکما رد قوله رد قول الفراء وکذلک قول سیبویه غیر مقبول فانه خلاف القانون المشتهر المحقق عند النحاة فان الاصل عندهم ان الجار اذا لم یکن زائدا کما فی بحسبک درهم فلا بد له من متعلق ولا متعلق فی نحو لولای لم افعل ظاهرًا ولا یصح تقدیره کما مر عن الرضی ص۲

وکذلک قول ابی سعید السیرافی مردود فانه ایضا خلاف الاصل المشتهر عند النحاة فان الاصل المقرر عندهم ان الجار والمجرور انما یکون فی موضع الرفع بالابتداء عند تقدیر زیادة الجار کما فی بحسبک درهم واما اذا لم یکن الجار زائدا فلا بد له من متعلق فیکون حینئذٍ مفعولا (غیر صریح) لذلک المتعلق لا مبتدأ کما مر ایضا عن الرضی ص۲

وعلی مذهب سیبویه یلزم ایضا تغییر لولا وجعلها حرف جر وهو خلاف الاصل

وعلی مذهب الاخفش یلزم ایضا تغییر اثنی عشر ضمیر بقیام بعضها مقام بعض فانه وان ثبت فی غیر هذا الباب لا یجری القیاس ههنا فان النیابة انما وقعت فی الضمائر المتصلة لشبهها

ص۵۰۱ فی الضمیر المتصل ... لولا توافق الفراء والاخفش فی ان الضمیر ... [illegible] ... کما مر ... [illegible]

بالاسماء الظاهرة فى الاستقلال فالضمائر المتصلة بهذه لو لم يصح قياسها على قولهم ما انا كانت

فاذا ثبت ان لا سبيل الى كون الضمير الواقع بعد لولا مجرورًا ولا منصوبًا ولا مرفوعًا متصلا تعين كونه مرفوعًا منفصلاً بناءً على انه مبتدأ محذوف الخبر كما هو المشهور كثير الاستعمال عند الفصحاء من العرب العرباء كما افتى به العلماء واشاروا الى قلة ورود الضمير المتصل بعد لولا كما قال الرضى وقد يجيئ بعد لولا الضمير المشترك بين النصب والجر ج۲ ص۲۰ وقال رداً على المبرد فالصحيح وروده وان كان قليلا فورود ه فى بعض الاشعار لا يخرجه من كونه شاذا كما قال ابن حاجب وعمل ما فى لا شاذ مع وروده فى شعر سعد بن مالك بن ضبيعة بن قيس بن ثعلبة جد طرفة بن العبد البكرى من صد عن نيرانها ؛ فانا ابن قيس لا براح ؛ وكذا قالوا فى قولهم "انما يعرف ذا الفضل من الناس ذووه شاذ" وكذا قالوا

فلا والله لا يلقى اناس	فتى حتاك يا ابن ابى زياد

والشاذ له ثلثة معان ۱ قليل الاستعمال ۲ خلاف القياس ۳ غير فصيح فما نحن فيه لا شك انه شاذ بالمعنى الاول اجماعا اى قليل الاستعمال وقد ثبت مما سلفنا انه خلاف القياس ايضا فان الاكثر فى الاستعمال انفصال الضمير بعد لولا لان ما بعد لولا مبتدأ محذوف الخبر والمبتدأ اوجب الانفصال لكون عامله معنويًا كقولك انت تقوم كذا فى تحرير سنبط ص۱۳ والفاضل اللاهورى قال فى حاشية شرح الكافية للجامى مستدلا عليه بقوله لكون ما بعد لولا مبتدأ عند الجمهور او فاعل فعل محذوف (عند الكسائى) او مرفوعًا بلولا (عند الفراء) والوجوه الثلثة تقتضى الانفصال (عبد الغفور على شرح جامى ص۳۳)

فثبت ان الانفصال هو الاصل والقياس والاكثر الاولى بعد لولا واما اتصال الضمير بعد لولا فخلاف الاصل والقياس وقليل نادر ورد ايضا فى الشعر ولم يرد فى النثر قط ولم يتكلم به العرب فى النثر ،

ولو سلمنا ان الاتصال ليس بضعيف فى الشعر فلا نسلم عدم ضعفه فى النثر فان الضعف ربما كان فى النثر دون الشعر لان ضرورة الشعر كما تجوز ما ليس بجائز فقد تقوى ما هو ضعيف كما قاله فى عروس الافراح على مختصر المعانى شرح تلخيص المفتاح ص۹۹ وقد تقرر فى مقرره ان الشاذ لا يقاس عليه كما قال السعد التفتازانى فى المطول ص۳ واما قوله جزى بنوه ابا الغيلان عن كبر ؛ وحسن فعل كما يجزى سنمار ؛ وقوله الا ليت شعرى هل يلومن قومه ؛ زهيرا على ما جر من كل جانب فشاذ لا يقاس عليه

وقال صاحب العرس ص ۹۹ فربما كان الشئ فصيحا فى الشعر غير فصيح فى النثر فلان جوز جماعة ضرب غلامه زيدا فى الشعر فقط

فثبت ان اتصال الضمير بعد لولا شاذ بالمعانى الثلثة فهو قليل الاستعمال ومخالف القياس وغير فصيح سيما فى النثر لم يتكلم به العرب

فائدة قال مولانا عبد الغفور ان فى كلامه (اى كلام سيبويه) قلة التغاير وهى فى لولا فقط واما فى قول الاخفش كثرة التغاير وهو فى اثنى عشرة صيغة وهى الضمائر فرجح الفاضل اللاهرى قول سيبويه وجعل قول الاخفش مرجوحا

وقال مولنا عصام الدين رحمه الله الاولى قول الاخفش لان فى كلامه تغيرا عند الحاجة لان الحاجة عند التلفظ بالضمير واما عند التلفظ بلولا فلا حاجة الى التغير كذا فى سوال باسولى ص ۴۵ وقال فى تحرير سنبٹ فالحاصل ان الاخفش تصرف فى المعمول وسيبويه تصرف فى العامل ص ۲۳۱)

فائدة واما ماقال سيبويه ان لولا حرف جر والضمير المتصل بعدها مجرور فالرضى بعد ذكر قوله قال فيه نظر لان ذلك يكون اذا لم يكن الجار زائدا فلابد له من متعلق ولا متعلق فى نحو لولاك الخ قال عبد الهادى بن رضوان نجا الابيارى على حاشية الامير على مغنى اللبيب لابن هشام ص ۳۴۵ وقيل تتعلق بفعل واجب الاضمار فاذا قلت لولاى لكان كذا فالتقدير لولاى حضرت ولا يجوز ان يعمل فيها الجواب لان مابعد اللام لا يعمل فيما قبلها . ورد بان فى تقديره تعدى الفعل المضمر المتصل الى ضميره المجرور وهو كالمنصوب كذا فى الفنيه (القصر المبنى على حواشى المغنى ص ۳۴۵)

واجاب الفاضل اللاهرى عن نظر الرضى فى حاشية شرح الجامى ص ۲۳۶ بقوله ويمكن ان يقال متعلقه جوابه اذا معنى لولاك لهلكت انتفى هلاكى لوجودك ثم رد عليه الفاضل اللاهورى عبد الحكيم رحمه الله تعالى بقوله فيه ان تاويله بما ذكره وكونه محصل معناه لا يوجب تحقق متعلق لولا لفظا والكلام فيه . على ان كون معناه لوجودك على تقدير كونه حرف جر ممنوع اذ الحرف لا يكون بمعنى مجموع الحرف والاسم ثم قال والاظهر ان يقال فى الجواب يمكن لولا مثل الحرف الزائد فى عدم اقتضاء المتعلق . وما قالوا انه لابد لحرف الجر من متعلق مرادهم الحروف المعدودة اى المشهورة (عبد الحكيم ص ۲۳۶ على عبد الغفور)

فائدة

فائدة : قال احمد خليل العونة القليبلي في الحاشية الجديدة على شرح عصام الفريدة
فان قلت ان المخالفة في الكلام للقاعدة النحوية عند معظم النحاة وان كان مطابقا لما هو مذهب
بعض النحاة تضر البلاغة وان المخالفة فيه للقاعدة النحوية الاتفاقية تضرها للبلاغة
بالطريق الاولى والحال كذلك في بلاغة الكلام وفي الفصاحة لا تضر المطابقة لما هو
مذهب البعض من القاعدة الصرفية بل المخالفة للاتفاقية لا تضر فما السر في ذلك ،
قلت السر في ذلك ان المراد بالقياس في تعريف الفصاحة القانون المستنبط من تتبع
لغة العرب اعني مفردات الفاظهم الموضوعة اما في حكمها كوجوب الاعلال في نحو قامَ
والادغام في مدّ وغير ذلك مما اشتمل عليه علم التصريف واما نحو ابى يابى واستحوذ وآل
وماء وما اشبه ذلك من الشواذ الثابتة في اللغة فليست من المخالفة في شيء لانها كذلك
ثبتت عن الواضع فهي في حكم المستثنيات من القاعدة والقياس . فكانه قيل كل فعل
اجوف واوى او يائى اذا تحركتا قلبتا الفا نحو قام وقال الا نحو استحوذ وما اشبههما
مما ثبت عن الواضع من الشواذ فليس في حق المستثنيات قياس حتى يخالفه بل المخالفة
ما لا يكون على وفق ما ثبت عن الواضع نحو قَوُمَ وكَيِلَ فهما ليسا بفصيحين .
واذا عرفت هذا عرفت ان خلاصة السر ان المفرد اذا كان مطابقا لما ثبت عن
الواضع سواء كان مخالفا للقانون الاتفاقي او القانون الجمهوري او مطابقا للقانون عند البعض
وان كان ضعيفا لا يضر فصاحته فان الشواذ المستثنيات كلها سماعية مستعملة مقبولة
بخلاف الغير المستثنيات الغير السماعية فانها غير ثابتة عن الواضع لعدم السماع . مثلا
لو قلت من عندك قَوُمَ زيدٌ في مقام قامَ زيدٌ كان هذا غير فصيح لكونه مخالفا للقانون
الصرفي لعدم السماع . واذا قلت عَوِرَ زيدٌ لم يكن مخالفا له فيكون فصيحا للسماع .
فان قلت ان القانون النحوي ايضا مستنبط من تتبع لغة العرب اعني الفاظهم
المركبة مثل كل فاعل مرفوع وكل فاعل متصل بعامله مقدم على مفعوله وجوبا وكل فاعل
اتصل اعني ابه واعراب مفعوله لفظا يقدم عليه وجوبا وكل مبتدأ متضمن لمعنى الاستفهام
يقدم على خبره نحو وغير ذلك فلم صار المخالفة للقانون النحوي الذي اختاره معظم الاصحاب

ويجعلهم تمنع بلاغة الكلام وان كان مطابقا لمذهب بعضهم دون المخالفة فى فصاحة المفرد والكلام فهل لا يلزم الترجيح بلا مرجح مثل قوله جزى ربه عنى عدى بن حاتم جزاء الكلاب العاويات وقد فعل ؟ فانه ليس بليغا لانه مخالف لما عند معظم الاصحاب من ان الاضمار قبل الذكر لفظا ورتبة غير جائز وان كان مطابقا لما عليه الامام الاخفش من جوازه

قلت نعم ان القانون النحوى مستنبط من تتبع لغة العرب اعنى الفاظهم المركبة لكن بعض القانون النحوى يثبت بالاعتبار والتصرف فى كلامهم من جهة المعنى لكنه قد يكون ذلك الاعتبار والتصرف قويا موافقا لكثرة الوقوع فى كلامهم وقد يكون ضعيفا مخالفا لكثرة الوقوع فى كلامهم كاستدلال الامام الاخفش بالقول المذكور آنفا على الاضمار قبل الذكر لفظا ورتبة جائزا باعتبار والتصرف فيه من جهة المعنى بان اعتبار رجاع ضمير "ربه" الى جزاء الكلاب العاويات المتأخر لفظا وهو ظ واما تأخره رتبة فلانه مفعول مطلق ورتبته متأخرة عن رتبة الفاعل لما مر قريبا . وهذا الاعتبار والتصرف فيه ضعيف لكونه مخالفا لكثرة الوقوع فى كلامهم وهو ان الضمير يعود دواما الى ما تقدم ذكره لفظا تحقيقا او تقديريا او معنى يستفاد من اللفظ بعينه او من سياقه او حكما فاذا كان الوجه قويا كان القانون الثابت به مختارا مقبولا كالقواعد عند معظم الاصحاب واذا كان ضعيفا كان الثابت به ضعيفا غير مقبول كالقاعدة المذكورة الثابتة عند الاخفش بخلاف الشواذ المستثنيات فانها لما ثبتت عن الواضع كذلك بالسماع كانت مقبولة عند الكل سواء دخلت تحت قاعدة الصرف فى لفظ بعضها بقلة الحذف والتخفيف كما فى باب الافعال فى نحو ابلغ عند سيبويه او بكثرة الحذف بلا تخفيف كما فى جميع المزيدات عند المبرد والاخفش فان طابقت فيها وان لم تطابق فتحرا ايضا .

وخلاصة الجواب انا لا نسلم انه يلزم الترجيح بلا مرجح عند ذلك انما يكون كذلك لو استوى بلاغة الكلام وفصاحة المفرد فى المقبولية ان يدخل كل من الكلام والمفرد تحت قاعدة وليس كذلك الا ترى ان مقبولية المفرد ثبت بالسماع بخلاف مقبولية الكلام وبلاغته اذ هل تحتاج الى الدخول تحت قاعدة قوية دون ضعيفة . ٢٥٤

فائدة : قال عصام تحت مثال مخالفة القياس اللغوى الحمد لله العلى الاجلل بفك الادغام فان قلت لم لا يجوز للشاعر فك الادغام وهو جائز بشرط الاضطرار اتفاقا وعند ابن جنى من غير اضطرار ؟ قلت الضرائر مقيسة وغير مقيسة . وفك الادغام فى

الاجلل غير مقيسة فلعل الشاعر ليس من العرب العرباء بل ممن ليس له الملك في الرسيع
ثم حاشيه عقود الدرر)

فائدہ: قال القليوبي اعلم ان الشاذ على اقسام الاول ما ثبت في اللغة فهو ليس من
المخالفة في شئ لانها كذلك ثبت من الواضع وهو في حكم المستثنى كانه قيل القياس كذا
وكذا الا في هذه الصورة نحو آبى يابى دعوة واستحوذ وقطط شعره وآل وماء وما اشبه
ذلك من الشواذ الثابتة في اللغة اى الاستعمال وهذا القسم هو الذى عرفه بعضهم بانه
مايكون مخالفا للقياس دون الاستعمال. الثاني مايكون مخالفا للاستعمال دون القياس
نحو يضرب بضم الراء فانه لم يستعمل كذلك لكنه على القياس وهو كون المغايرة بين
عين الماضى والمضارع كما بين في محله. الثالث مايكون مخالفا للقياس والاستعمال نحو
قول وبيع ماضيين والاجلل بفك الادغام. والقسمان الاولان مقبولان لكن الثاني
دون الاول على ما قاله نجم الائمة والثالث مردود (حاشيه على عصام ص ۲۵۵)

وحاصل ما اوردنا في هذه الفوائد ان لولاك في النثر مخالف للقياس والاستعمال
عند جميع ائمة النحاة فثبت باجماع البصريين والكوفيين انه في النثر مردود مخالف
للقياس والاستعمال فيكون غير فصيح

واما ماينسب الى افصح من نطق بالضاد احسن فصاحة وبلاغة من الاولين و
الآخرين من قوله لولاك لما خلقت الافلاك فغلط فاحش من حيث العربية والفصاحة
والبلاغة بل اختلقه الناس بعد المائتين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه رضي
الله عنهم وتابعيهم وتبع تابعيهم وائمة النحاة الثقات والدليل عليه انه لو كان الحديث المذكور
دائرا سائرا في عهد النحاة لاوردوه في استدلالهم بلاشك وقلق واضطراب بل جعلوه
من اقوى الدلائل ولم يضطروا الى ابيات المجهولين واشعار من ليس من عرب العرباء
ولم يقل المبرد في رد دعواهم انه لحن وخطأ ولم يرد استدلالهم بانها اشعار ولم يوجد ذلك
نثرا في لسان العرب بل الجواب مفقود من قبل سيبويه ولم يبق رواج على ان يقول انه
قد ورد في النثر ايضا بل في الحديث القدسي الثابت عن افصح العرب صلى الله عليه وسلم
فماذا يطلب المبرد بعد ما هو من اقوى الدلائل الثابت فكيف يقول اهل زماننا انه حديث
مشهور -

ثم اقول قد قال المحشی فی حاشیة كتاب المصنوع فی احادیث الموضوع للشیخ علی قاری
حدیث لولاك لما خلقت الافلاك قال الصغانی موضوع ای بهذا اللفظ وقد ذكر القسطلانی فی
المواهب من الدر المنظیم فی مولد النبی الكریم بلفظ لولاك لما خلقت سماء ولا ارضاً قط ثم
استشهد له بما رواه الحاكم فی صحیحه عن عمر رضی الله عنه مرفوعاً ان آدم علیه السلام رای
اسم محمد صلی الله علیه وسلم مكتوباً علی العرش و ان الله تعالی قال لآدم لولا محمد ما خلقتك
انتهی زاد الزرقانی فی شرحه وروی ابو الشیخ والحاكم عن ابن عباس رضی الله عنهما اوحی
الله تعالیٰ الی عیسیٰ علیه السلام آمن بمحمد صلی الله علیه وسلم ومُرْ اُمتك ان یؤمنوا به
فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار الحدیث صححه الحاكم واقره السبكی و
البلقینی ومثله لا یقال بالرأی فحكمه الرفع انتهی ما فی الزرقانی مختصراً .
وقال الذهبی فی سنده عمرو بن اوس لا یدری من هو
قال الذهبی فی میزان الاعتدال — فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار فیه عمرو
بن اوس لا یدری من هو - زرقانی . عمرو بن اوس یجهل حاله واتی بخبر منكر اخرجه الحاكم فی
المستدرك واظنه موضوعاً من طریق جندل بن والق حدثنا عمرو بن اوس ثنا سعید عن
ابی عروبة عن قتادة عن سعید بن المسیب عن ابن عباس رضی الله عنهما قال اوحی الله الی
عیسی علیه السلام آمن بمحمد فلولاه ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار الحدیث (لسان المیزان ج ۴ ص ۳۵۴)
قال ابن حجر فی الجوهر المنظم والسبكی فی كتابه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لما
اقترف آدمُ الخطیئة قال یا ربّ اسالك بمحمد صلی الله علیه وسلم الا ما غفرت لی قال
الله یا آدم كیف عرفت محمداً صلی الله علیه وسلم ولم اخلقه قال یا ربّ لما خلقتنی
بیدك ونفخت فیّ من روحك رفعتُ راسی فرأیتُ علی قوائم العرش مكتوباً لا اله
الا الله محمد رسول الله فعلمتُ انك لم تضف الی اسمك الا احبّ الخلق الیك
فقال له الله صدقت یا آدم انه لاحبّ الخلق الیّ واذ سالتنی بحقه فقد غفرت لك و
لولا محمد ما خلقتك . والمراد بحقه رتبته ومنزلته لدیه تعالی . والحق الذی جعله
الله سبحانه وتعالی له علی الخلق او الحق الذی جعله الله تعالی بفضله له علیه الخ
الجواب : هذا الحدیث لا اصل له . بل الثابت عند اهل العلم والمفسرین ان
قوله تعالی فتلقّی آدم من ربه كلمات نزل فی توبة آدم وهذه الكلمات هی المفسرة
بقوله تعالی ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكوننّ من الخاسرین . وهذا

مروی عن سعید بن جبیرؒ ومجاهدؒ وابی العالیه والربیع بن انس والحسنؒ وقتادهؒ و محمد بن کعب القرظیؒ وخالد بن معدان وعطاء الخراسانیؒ وعبد الرحمن بن زید وعن ابن عباس قال علم شان الحج وعن عبید بن عمیر انه قال قال آدم یا رب خطیئتی التی اخطأتُ شیئاً کتبته علیّ قبل ان تخلقنی او شیئ ابتدعته من قبل نفسی؟ قال بل کتبتُه علیک قبل ان اَخلُقَک. قال فکما کتبته علیّ فاغفر لی. قال فذالک قوله تعالیٰ فتلقّٰی آدم من ربه کلمات. وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال آدم علیه السلام الم تخلقنی بیدک قیل له بلیٰ ونفخت فیّ من روحک قیل له بلیٰ. وعطست فقلت یرحمک الله وسبقت رحمتُک غضبَک قیل بلیٰ وکتبت علیّ ان اعمل هذا قیل له بلیٰ قال افرأیتَ ان تبتُ هل انت راجعی الی الجنة قال نعم وکذا رواه العوفی وسعید بن جبیر وسعید بن معبد ورواه الحاکم فی مستدرکه الی ابن عباس رضی الله عنهما. وروی ابن ابی حاتم حدیثاً مرفوعاً شبیهاً بهذا وعن مجاهد قال الکلمات اللهم لا اله الا انت سبحانک وبحمدک ربی انی ظلمت نفسی فاغفر لی انک خیر الغافرین اللهم لا اله الا انت سبحانک وبحمدک رب انی ظلمت نفسی فتب علیّ انک انت التواب الرحیم. هذا ما علینا الحسنؒ فی لا ما قاله الضلالۃ. فان کان بعض من لا بصیرة له قد ذکره فالحجة عما ثبت عن الصحابة رضی الله عنهم وعن سلف الامة وائمتها ولا یجوز تفسیر القرآن باقوال شاذة او موضوعة لا تثبت عند اهل العلم والحدیث وائمة التصحیح والترجیح. وما رُوی ابن حمید الرازی الحکایة المنسوبة الی مالک مع ابی جعفر المنصور وفیها انه سأل مالکاً فقال یا ابا عبد الله! أستقبل القبلةَ وأدعو ام استقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ولم تصرف وجهک عنه وهو وسیلتُک ووسیلة ابیک آدم علیه السلام الی الله یوم القیامة بل استقبله و استشفع به؛ فرد الحفاظ علی ابن حمید هذه الحکایة وذکروا ان اسنادها مظلم منقطع مشتمل علی من یتهم بالکذب وقالوا ابن حُمید کثیر المناکیر ولم یسمع من مالک شیئاً بل روایته عنه منقطعة. ومحمد بن حمید الرازی هذا تکلم فیه غیر واحد من الائمة و نسبه بعضهم الی الکذب (غایة الامانی ص ۳۵۵ و ص ۳۵۶)

قال الامام الشاه عبد العزیز المحدث المفسر الفقیه الناجی فی تحفه اثنا عشریه

روشیعت دیگر آنکه درحق امیر المؤمنین کلمات غلو آمیز روایت کنند وآنچه درحق پیغمبر

قال فی جواهر الحق ص ۱۲ لا یکفی الجواب لولا حبیبنا لم یخلق آدم علیه السلام وهو رأی تو القول خطأ واحد

از مبالغات مشہورہ بر لب عوام و اکثر و سائر بہت و عند المحدثین ہیچ اصل ندارد مثل لولاک لما خلقت الافلاک در حق امیر المومنین مانند آن را صحیح و قطعی دانند مثل آنچہ روایت ابن بابویہ مرفوعاً لولا علیٌّ لما خلق الله النبیین و الملٰئکۃ۔ (تحفہ اثنا عشریہ قلمی ورق ۱۰۱ و ۱۰۳)

لا یقال ان الحدیث اذا کان دائرا وسائرا علی السنة العوام مستفاض و اشتهر و المشهور من اقسام المقبول فکیف یصح ان یقال لا اصل له عند المحدثین کما فی التحفة لانا نقول ان للمشهور معنیان احدهما ما رواه ثلثة فاکثر ما لم یبلغ حد التواتر و هو المستفیض عند جماعة من الاصولیین و الفقهاء و بعض المحدثین و یطلق ایضا علی ما اشتهر علی الالسنة مطلقا و لو کان له اسناد واحد او لا اسناد له و هو المعنی الثانی و الشهرة علی هذا النحو لا یلزم منها صحة الحدیث او ضعفه کذا فی المقدمة للمقاصد الالسنة ص ک و مثله ما قال فی شرح نخبة الفکر۔

قال الامام اللکنوی رحمه الله: و فی العدة و اعلم ان الاحادیث التی لا اصل لها لا تقبل و التی لا اسناد لها لا یروی بها فی الحدیث اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار فقید صلی الله علیه وسلم الروایة بالعلم۔ و کل حدیث لیس له اسناد صحیح و لا هو منقول فی کتاب مصنفه امام معتبر لا یعلم ذلک الحدیث عنه صلی الله علیه وسلم فلا یجوز قبوله فی مسلم کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع و فیه یکون فی اخر الزمان کذابون دجالون یأتونکم باحادیث بما لم تسمعوا انتم و لا اباؤکم فایاکم و ایاهم لا یضلونکم و لا یفتنونکم (تذکرة الموضوعات ص ۷)

• اما ما قال علی بن سلطان محمد القاری رحمه الله فی الموضوعات الکبیر فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعا اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنة و لولاک ما خلقت النار و فی روایة ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا انتهی و فیه ایضا لولاک الذی نحن بصدد رده و کونه مردودا غیر صحیح و لم یذکر لهذا الحدیث اسناد فکیف یحتج به و قد یروی الراوی من حدیث الثقات ما لا اصل له لا یصح و لا یحل الاحتجاج به کما فی لسان المیزان ص ۱۲۳

و اما الحدیث الذی رواه الدیلمی و ابن عساکر فقد قال الجلال السیوطی فی کتابه جمع الجوامع و اما کتب العقیلی و ابن عدی و تواریخ الخطیب و ابن عساکر و ابن النجار و الدیلمی

فی مسند الفردوس فکل ما ینسب الیه ضعیف (کوثر النبی ص۱۳۲ لعبد العزیز الفرهاروی رح)
و لو کان الحدیث علی وفق شرائط اصحاب الکتب الستة لاوردوها فی کتبهم ولکنهم
ترکوها فعلوا ان الحدیث ادون مرتبة من الاحادیث التی فی الکتب الستة بل لم یورده
احد سوی ابن عساکر والدیلمی و قد عرفت حالهما فکیف یبنی علیه العقیدة الدینیة وان
کان دائرا سائرا علی السنة العوام قال فی التوضیح والتلویح ص۳۳۲ ج۲ طمصر و اما بعد القرون الثلثة فاکثر
اخبار الاحاد نقلت بطریق التواتر لتوفر الدواعی علی نقل الاحادیث وتدوینها فی الکتب وفیه
اشارة الی ان خبر الواحد اذا لم یکن راویه الاول منزها عن وصمة الکذب لا یفید علم
الطمانینة وان دخل بعد ذلك فی حد التواتر کما یشتهر من الاخبار الکاذبة فی البلاد ۔
قال محمد بن سیرین ایاکم والکتب فانما تاه من کان قبلکم بالکتب او قال ضل من
کان قبلکم بالکتب (الطبقات الکبری لابن سعد ج ۶ ص ۱۳۴)
فان قلت ان الامام ابا حنیفة رحمه الله انشد قصیدة واورد فیها لولاك
قلت لم یثبت عن ابی حنیفة الامام انشاد قصیدة بنقل صحیح عن
الثقات ولو سلم فهو بیت یجوز فیه ما لا یجوز فی النثر فافهم ولا تغفل ۔
ثم اقول ان هذا الحدیث کانه من وضع مسیحی دخل فی الاسلام لاضلال اهل
الاسلام فان المسیحیین من عقائدهم ان المسیح عیسی بن مریم اول ما خلقه الله ولولا
المسیح لما خلق الله الارض ولا السماء ولا العرش ولا الکرسی ولا غیرها من الخلق قال
تارا کشمیری فی الوهیت مسیح ص۳۵ ربنا المسیح ۔۔۔ وہ خداوند جس کی روح پانیوں پر
جنبش کرتی تھی جس کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا گیا ہے اس نے اپنی ساری لوگوں کی
شان اور آسمانی جاہ و جلال کو چھوڑا الخ وهذه العقیدة مندرجة فی کلسیون ۱:۱۶
وفی حقیقت عرفان فضیلت اول کہ وہ مسیح باعث ایجاد عالم ہیں یعنی اسی کے وسیلے سے تمام کائنات
اور سب چیزیں پیدا ہوئیں چنانچہ لکھا ہے کہ ۔۔۔ خداوند کے کلام سے آسمان بنے ۔۔۔ انجیل میں لکھا ہے
ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا

حاصل المرام

فعلم بما ذكرنا من معتقدات المسيحيين ان الروافض التقطت هذه العقيدة منهم
واهل البدع اخذوها من اهل الرفض واخترعوا لهذه العقيدة عبارة متفقاة و
مسجعة ووضعوا لها احاديثا من انفسهم ونسبوه الى خير البرية افصح العرب رسول
الله صلى الله عليه وسلم ولم يكتفوا عليه بل جعلوه حديثا قدسيا من الله عز وجل و
علا وهتكوا حرمة الحديث النبوي اعاذنا الله منه ومن تماثر القبائح والذنوب وصلى
الله تعالى على من هو افصح الناس واعلم الناس واتقاهم واعظمهم واحلمهم واكملهم عقلا
وحسنا وجمالا وظاهرا وباطنا وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته وعترته اجمعين

كتبه طالب الخير فى الكونين محمد حسين
صانه الله عن الشين مدرس ضياء العلوم
سرگودها

توحید و سنّت کے جواہر پارے

الدر المنثورہ فی ربط آیۃ بآیۃ وسورۃ بسورۃ

جس میں قرآن پاک کی ہر سورۃ کو ما قبل و ما بعد کی سورتوں سے مربوط کیا گیا ہے اور بعض آیات جو بظاہر غیر مربوط نظر آتی ہیں ان میں ربط بیان کیا گیا ہے اور ہر سورت کا خلاصہ و خلاصہ در خلاصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ عرصہ دراز کے بعد دوبارہ طبع کرائی گئی ہے۔ جسے شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ پیر طریقت مجدد مائۃ حاضرہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی طرز پر تحریر فرمایا ہے۔ علماء کرام و طلباء کیلئے بہترین تحفہ ہے۔ کاغذ سفید۔ آفسٹ طباعت۔ قیمت ۱۸/ روپے

التوحید

حضرت شیخ التفسیر مولانا محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیف ہے اور یہ مایہ ناز کتاب کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اس کتاب کے تین حصے مولانا موصوف کی زندگی میں ہی کئی بار شائع ہو چکے تھے۔ اور اس کتاب کا آخری حصہ جو مولانا موصوف نے اپنے آخری ایام زندگی میں تحریر فرمایا۔ کافی عرصے سے خواہش تھی کہ تمام حصوں کو یکجا کر کے شائع کیا جائے۔ اب ادارہ نے اس کی طباعت کا مکمل کر لیا ہے۔ انشاء اللہ چند روز تک یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

دعوۃ الحق

جس میں مسئلہ توحید کی حقیقت کو حضرت فاضل لاثانی جبل التوحید والسنۃ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر نور اللہ مرقدہٗ نے سہل اور عام فہم پیرایہ میں عوام الناس کے نفع کے لئے واضح کیا ہے۔ اگر آپ کے پاس یہ کتاب ہے تو آپ مسلح ہیں آپ کے ہاتھ میں کتاب و سنت کے وہ جوہر دار ہتھیار اور جوہری اسلحہ ہے جن سے نہ صرف اعدائے دین کے جارحانہ ارتکابات کی مؤثر و کامیاب مزاحمت و مدافعت کی جا سکتی ہے بلکہ آپ خود اور اپنے ہم مسلک اہل حق کے متاع ایمان کی پوری پوری حفاظت کر سکیں گے۔

کاغذ سفید۔ طباعت آفسٹ۔ جلد کارڈ بورڈ۔ قیمت ۵/۰ روپے

القول القوي
في
تحقيق لفظ النبي

الحمد لله وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علی النبی المصطفٰی وعلیٰ اٰلہ واصحابہ المتادبین بآدابہ اما بعد فقد اشتهر فی هٰذا الزمان الاختلاف فی معنی النبی فقال قوم ان معنی النبی من یخبر اخبار الغیب وهٰذا لا یکون الا وصفا لمن یعلم جمیع الغیوب فینتج ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم جمیع الغیب

قالوا ان القاضی عضد والسید السند قالا فی شرح المواقف ص۲۶۳ وهو (ای النبی) لفظ منقول فی العرف عن مسماہ اللغوی الی معنی عرفی اما المعنی اللغوی فقیل هو المُنْبِئُ واشتقاقه من النبأ فهو مهموز لکنه یخفف ویدغم وهٰذا المعنی حاصل لمن اشتهر بهٰذا الاسم لانبائه عن الله تعالٰی وقیل مشتق من النبوۃ وهو الارتفاع یقال تنبی فلان اذا ارتفع وعلا والرسول عن الله موصوف بذٰلک لعلو شانه وسطوع برهانه وقیل من النبی وهو الطریق لانه وسیلة الی الله

قال مرزا غلام احمد قادیانی فی کتابه "ایک غلطی کا ازالہ" اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنے لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پاکر غیب کی خبر دینے والا پس جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا اور نبی کا رسول ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وہ رسول نہ ہو تو پھر غیب مصفّٰی کی خبر اس کو نہیں مل سکتی۔ ص۳

وقال فی تریاق القلوب ص۱۳۲ سو نبی کا خاص کمال یہی ہے کہ خدا سے علم غیب پاوے جو بطور نشان کے ہو

وقال فی رسالہ استفتاء ص۳ توراۃ اور قرآن نے بڑا ثبوت نبوت کا صرف پیش گوئی قرار دیا ہے

وقال فی کشتی نوح ش ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئیاں ٹل جائیں

وقد الحق فی انجیل متی ۱۵ : ۸ اے ریاکارو! یسعیاہ نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت (پیش گوئی) کی کہ یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے

وقد صنف بجاسچ ٹی۔ بی۔ ڈیوس رسالۃ فی لسان اردو سماھا " بائبل کی مصدقہ پیش گوئیاں " وعبّر عن پیش گوئی فی سائر رسالتہ بالنبوۃ۔ حیث قال

۱ مضبوط شہر صور جو نبوت (پیش گوئی) کے مطابق برباد ہوا۔ ۲ قدیم صیدا جو اب تک آباد ہے لیکن جس پر نبوت کے مطابق جنگوں کے نشانات ابھی تک قائم ہیں۔
۳ سامریہ کے متعلق قہر الٰہی کی نبوت ۴ فلسطین کی خوشحالی کے متعلق نبوت (پیشگوئی) ۵ موآب اور عمان کے کھنڈرات کے آباد ہونے کی نبوت ۶ نبوت (پیشگوئی) کے مطابق سنہری دروازہ کس طرح بند کیا گیا۔ ۷ یرمیاہ نبی کی نبوت کے مطابق یروشلم شہر کی موجودہ تعمیر۔

وقال المولوی احمد رضا خان البریلوی فی ترجمۃ القرآن یایھا النبی اے غیب کی خبریں بتانے والے ۱۲ ۲۱۳ و ۲۰۵ و ۲۰۵ و ۲۶۸ و ۲۶۹ اے غیب بتانے والے ۱۲ ۲۱۳ و ۲۳۶ و ۲۳۶ و ۲۱۳ و ۲۱۳ یا
وقال فی الملفوظ حصہ ثالث ۱۰ و ۱۱ نبوت کہتے ہیں علم غیب دینے کو امام قاضی عیاض مالکی رحمہ شفا شریف میں فرماتے ہیں النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب

ولکنا نقول ان النبی مشتق من النباوۃ معتل اللام وھو العلو والارتفاع و ایضا الارض المرتفعۃ (نبراس ص) قال ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا المتوفی سنۃ ۳۹۵ النون والباء والحرف المعتل اصل صحیح یدل علی ارتفاع فی الشیٔ عن غیرہ او تنحّ عنہ نبا بصرہ عن الشیٔ ینبو ونبا السیف عن الضریبۃ تجافی ولم یمض فیھا ونبا بہ منزلہ لم یوافقہ وکذا فراشہ ویقال نبا جنبہ عن الفراش قال

ان جنبی عن الفراش لناب		کتجافی الاسر فوق الظراب

(مقاییس اللغۃ ج ۵ ص ۳۸۴)

ثم قال ویقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسمہ من النَّبْوَۃ وھو الارتفاع کانہ مفضّل علی سائر الناس برفع منزلتہ۔ ویقولون النبی الطریق قال

لاصبح رتما دقاق الحصی		مکان النبی من الکاثب

(مقاییس اللغۃ ج ۵ ص ۳۸۵)

والمناسبة بين معناه الاصطلاحي الذی سیأتی و بین معناه اللغوی على هذا انه شرفه الله تعالى على سائر الخلق حتى ارتفعت منزلته وسمت درجته وعلت رتبته . وهو على هذا فعيل بمعنى مفعول والاصل فيه عدم الهمز (حاشیه شرح مسلم)

قال صاحب النبراس ص و ترض عليه بانه خلاف مذهب المحققين ومنهم سيبويه وهؤلاء على انه مهموز اللام لاجماع العرب على قولهم يتنبأ مسيلمة الكذاب بالهمزة فالنبی مشتق من النبأ بسكون الباء وهو بمعنى الاخبار او الطهور اومن النبأة بسكون الباء وهو الصوت الخفی وكل من المعانی الثلاثة صحيح في النبی لانه مخبر وظاهر الحقيقة وسامع الوحی ومنقول عن النبیء على فعيل بالهمزة وهو الطريق لانه طريق الى الله سبحانه ۔

وقال ابن فارس فی مقاييس اللغة ص٣٨٥ النون والباء والهمزة قياسه الاتيان من مكان الى مكان يقال للذی ينبأ من ارض الى ارض نابیءٌ . وسيلٌ نابیءٌ اتى من بلد الى بلد ورجل نابیءٌ مثله قال

ولكن قذاها كل اشعث نابیءٍ	اتتنا به الاقدار من حيث لا ندری

ومن هذا القياس النبأ الخبر لانه يأتى من مكان الى مكان والمنبیء المخبر وانبأته ونبأته ونامی الرامی فانبأ اذا لم ينبئ (ای لم يخدش) كان سهمه عدل عن الخدش وسقط مكاناً آخر والنبأة الصوت . وهذا هو القياس لان الصوت يجیء من مكان الى مكان قال ذو الرمة

وقد توجس ركزاً مقفرٌ ندسٌ	بنبأة الصوت ما في سمعه كذبٌ

ومن همز النبیء فلانه انبأ عن الله تعالى والله اعلم بالصواب .

اجيب بان قولكم ضعيف اما اولاً فلان النبی لم يسمع مهموزاً مع ان هذا الاعلال فی الهمزة من الجائزات لا الواجبات واما ثانياً فلانه سمع النبی صلى الله عليه اعرابياً يقول يا نبیء الله بالهمزة فنهاه عن ذلك (نبراس ص)

ثم رد هذا الجواب الضعيف الذی اشار الى ضعفه بقوله اجيب حيث قال ودفع الاول بان التزام الاعلال غير مسلم وان اشتهر . وفی شرح الشافية جاء النبیء مهموزاً فی القراءات السبع . والثانی بان الحديث غير صحيح وان رواه الحاكم لان فی سنده حمران من غلاة الشيعة . ولو سلم فلعل الاعرابی اراد اشتقاقه

الاخرى ﺻ ۱)
من نبات الارض او اخرجت منها الى الاخرى ﺻ ۱)

قلت وفى رقم الاول نظر قال ابو منصور الازهرى فى تهذيب اللغة ﺻ ۲۳ ما كان مهموزًا من فعيل فجمعه فُعَلَاء مثل ظريف وظُرَفَاء (قال تعالى وقال انى برئٌ منكم وقال تعالى اذ قالوا لقومهم انا بُرَآءُ منكم) فاذا كان من ذوات الياء فجمعه أَفْعِلَاءُ نحو غَنِيّ أَغْنِيَاء ونبىّ انبياء بغير همز. فاذا همزتَ قلتَ نَبِيْءٌ نُبَآءُ

فبناءً على هذه القاعدة لاشك فى ان النبىّ هذا الذى بحثنا فيه انما هو من المعتل اللام لا من المهموز فان جمعه فى القرآن قد استعمل على وزن أَفْعِلَاء دون فُعَلَاء كقوله تعالى ويقتلون الانبياء بغير حق. قل فلم تقتلون انبياء الله من قبل. سنكتب ما قالوا وقتلهم الانبياء بغير حق. ولو كان هذا النبى من المهموز لكان جمعه نُبَاء ولم رأيت نُبَآء لا فى القرآن ولا فى كلام النبىّ صلى الله عليه وسلم ولا فى كلام صحابى ولا تابعى ولا من احد من السلف الصالح

وفى حاشية النبراس وفى كلام بعض المعتزلة ان الرسول صاحب الوحى بواسطة الملك والنبىّ هو المخبرُ عن الله تعالى بكتاب او الهام او تنبيه فى المنام ﺻ ۲۳)

فعلم من هذا الذى اسلفنا ان المرزائية والعيسائية والرضائية والمحمدية قد اتفقوا على ان النبى معناه من يخبر عن الاحوال المستقبلة الغائبة وقالت الرضائية والمعتزلة معنى النبى من يخبر عن الله تعالى مطلقا سواء تعلق ذلك الاخبار بالاحوال الماضية او الحالية او الآتية.

وقال احمد رضا خان ان النبوة انما هو اعطاء الغيب (بالمصدر المبنى للفاعل كما قرأنا عن كتابه الملفوظ ﺻ ۱) فعلى هذا لا يخلو اما ان يكون النبى بمعنى الفاعل او بمعنى المفعول فان كان الاول لزم ان يطلق اسم النبى على الله تعالى لانه هو الذى يهب العلم ويخبر عن علم الغيب للانبياء ولكن اطلاق اسم النبى على الله تعالى لم يرد فى الشرع ولم يقل احد ان الله تعالى نبىٌّ اى يعطى الانبياء علم الغيب وان كان الثانى لزم اجراء النبوة كما قال مرزا غلام احمد القاديانى فان معنى النبى حينئذ الذى يعطاه علم الغيب ومن عقائدهم ان الاولياء ايضا يعلمون الغيب ولاشك ان علم الغيب ليس وصفا ذاتيا لهم بل من عطاء الله سبحنه وتعالى فيصدق تعريف النبى على

اجراء النبوة

الاولیاء ایضا کما یصدق علی الرسل علیہم السلام والعیاذ باللہ

وما قال فی ترجمۃ القرآن فہو یصدق علی کل من یخبر غیرہ باخبار الحشر والنشر و الجنۃ والنار وعذاب القبر والرسل والملائکۃ والجان وغیرہا من اخبار الغیب فلزم ان یکون الکل انبیاء اذ یصح ان یقال انہ اخبرنا اخبار الغیب وحینئذ لم یبق للنبوۃ مزیۃ ولا فضیلۃ

واما ما قال القاضی عیاض ان النبوۃ ہی الاطلاع علی الغیب فانما ہو بیان لازم معناہ لا بیان معناہ المطابقی

ولو قلنا ان النبی مہموز ترک ہمزتہ فزیادۃ لفظ الغیب من غیر قرینۃ لایجوز بل ہو فی حکم النسخ فان تقیید المطلق نسخ ولا حق للعبد ان ینسخ

اما اذا قلت ان معناہ النذیر فہو انسب فان الانذار ہو الاعلام مع التخویف ولذا اعتبرہ حجۃ الاسلام محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ "خبردار کرنے والا"

فافہم وتدبر وتفکر ولا تکن من المفرطین والمفرطین

کتبہ

طالب الخیر فی الکونین احقر الثقلین محمد حسین صانہ اللہ عن الشین صدر المدرس بالمدرسۃ العربیۃ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا

قول سید الانبیاء فی تعیین سید الشہداء

الحمد لله تعالیٰ و الصلوٰة و السلام علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل محمد و اصحابه اجمعین اما بعد فقد اختلف الناس فی هذا الزمان فقال بعضهم ان سید الشهداء انما هو حسین بن علی رضی الله عنهما وقال بعضهم انه خبیب وقال بعضهم انه بلال وقال بعضهم انه جعفر بن ابی طالب وقال بعضهم انه حمزة عم النبی صلی الله علیه وسلم فاردنا ان نظهر ما هو الحق بعون الله و توفیقه.

قال ابن عابدین فی رد المحتار ص۱۱۰ وروی ان خبیبا وعمارا ابتلیا به فصبر خبیب حتی قتل فسماه النبی صلی الله علیه وسلم سید الشهداء و اظهر عمار وکان قلبه مطمئنا بالایمان فقال النبی صلی الله علیه وسلم فان عادوا فعد. وقال ابن نجیم فی بحر الرائق ص۲۶ ویثاب بالصبر ای یکون ماجورا ان صبر ولم یظهر الکفر حتی قتل لان خبیبا قد صبر حتی قتل وسماه النبی صلی الله علیه وسلم سید الشهداء وقال هو رفیقی فی الجنة قلت ولکن خالفه المحدثون فقد روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال حمزة سید الشهداء وروی سید الشهداء و خیر الشهداء کذا فی الاستیعاب لابن عبد البر رحمه الله

فقال ابن اثیر فی اسد الغابة ص۴۶ وهو حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه سید الشهداء ثم قال فی ص۴۹ وقال ابو احمد العسکری وکان حمزة اول شهید صلی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم

وقال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله فی الاصابة فی تمییز الصحابة ص۳۵۳ و لقبه ای حمزة بن عبد المطلب الهاشمی النبی صلی الله علیه وسلم اسد الله وسماه سید الشهداء

وقال ابو عبد الله الحاکم فی باب مناقب حمزة بن عبد المطلب ص۱۹۵ عن حفید الصفار عن ابراهیم الصائغ عن عطاء بن ابی رباح عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامره ونهاه فقتله قال صحیح الاسناد ولم یخرجاه . وتعقبه العلامة الامام الذهبی وقال حفید الصفار لا یدری من هو (ص۱۶۰ وص۱۶۱ نصب الرایة)

وقال الحاکم فی ص ۱۹۹ ج ۳ عن عبد الله بن محمد بن عقیل قال سمعت جابر بن عبد الله یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سیّد الشهداء عند الله یوم القیٰمة حمزة۔ و ذکر فیه قصة وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاه اھ واقره الذهبی علیه

وروی الحاکم فی المستدرک والطبرانی فی معجمه عن ابی اسحٰق الشیبانی عن علی بن حزور عن الاصبغ بن نباتة عن علی رضی الله عنه قال ان افضل الخلق یوم یجمع الله الرسل وافضل الناس بعد الرسل الشهداء وافضل الشهداء حمزة بن عبد المطلب وقد تکلم به رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب اھ و سکت عنه۔

وروی نحو ذلک فی بلال رضی الله عنه رواه البزار فی مسنده من حدیث زید ابن ارقم ان النبی صلی الله علیه وسلم قال نعم المرء بلال وهو سید الشهداء والمؤذنون اطول اعناقا یوم القیٰمة۔ ویتظر بقیة السند والمتن۔ (نصب الرایة ص ۱۶۱ ج ۳)

قال بدر الدین محمود العینی رح فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۷ ج ۱۷ باب قتل حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه ای هذا الباب فی بیان قتل حمزة رض عم النبی صلی الله علیه وسلم وفی روایة ابی ذر "قتل حمزة" بدون لفظة "باب" وفی روایة النسفی قتل حمزة سیّد الشهداء۔ ووردت هذه اللفظة فی حدیث مرفوع اخرجه الطبرانی من طریق اصبغ بن نباتة عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه۔

وفی حیات القلوب ص ۳۶۳ ج ۲ پس (وحشی) در کمین حمزه رض نشست در ہنگامے کہ حمزه مشغول کارزار بود ناگاه بر موضعے گذشت کہ سیلاب رازش راتہی کرده بود اسپش فرو رفت و اورا بر زمین افتاد۔ پس وحشی نیزه در دست داشت و بجناب سید الشهداء انداخت و بر تہیگاه آن حضرت خورد و از شانه اش بیروں آمد۔

و بروایت دیگر از حضرت صادق علیه السلام .... پس ہند ملعونه نزد سید الشهدا آمد و ذکر و خصیه و برید و دست اورا ببرید۔ وفی اصول الکافی ص ۱۳۶ عن ابی جعفر علیه السلام قال رسول الله صلی الله علیه وسلم علی قائمة العرش مکتوب حمزة اسد الله واسد رسوله وسید الشهداء

قال السیوطی فی جامع الصغیر ص ۳۲ ج ۲ سید الشهداء عند الله یوم القیٰمة حمزة بن عبد المطلب (ک) ای الحاکم فی المستدرک (عن جابر (طب) ای الطبرانی) عن

ورجل قام الى امام جائر فامره ونهاه
على . سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب
والضياء عن جابر (صح) اى صحيح
فقتله (ك)
سيد الشهداء جعفر بن ابى طالب
وقال ايضًا فى منقبة جعفر بن ابى طالب :
مع الملائكة لم ينحل ذلك احد ممن مضى من الامم غيره . شيء اكرم الله به محمدًا
ابوالقاسم الحرقى فى اماليه عن على (رح) اى حسن
صلى الله عليه وسلم -
وقال الامام عبد الرؤف المناوى فى كنوز الحقائق فى حديث خير الخلائق على هامش
سيد الشهداء عند الله حمزة (ك)
جامع صغير ص
قال الحافظ ابن حجر العسقلانى رحمه الله فى كتابه الدراية فى تخريج احاديث
الهداية ص ٣٢٢ ط مجتبائى دهلى وسماه صلى الله عليه وسلم (اى خبيبًا رضى الله عنه) سيد
الشهداء فلم اجده . وكذا قوله صلى الله عليه وسلم هو رفيق فى الجنة لم اجده ايضًا
وورد تسمية حمزة رضى الله عنه سيد الشهداء . اخرجه الحاكم من طريقين عن جابر
رضى الله عنه واخرجه والطبرانى من حديث على رضى الله عنه وفيه قصة . وروى
البزار من حديث زيد بن ارقم رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال نعم المرء
بلال وهو سيد الشهداء
فالحاصل ان النبى صلى الله عليه وسلم سمّى عمه واخاه من الرضاعة بلسانه
المعصوم الفصيح البليغ سيد الشهداء بلا خلاف بين اهل السنة والجماعة وبين
اهل التشيع وما نسب اليه عليه الصلوٰة والسلام انه قال فى خبيب رضى الله عنه فما
وجدنا فى كتاب من كتب الحديث التى بايدينا فى الامصار فى هذه الاعصار واما بلال
وجعفر بن ابى طالب (رضى الله عنه) ابن عم نبى الله صلى الله عليه وسلم فقد ورد
فى بعض كتب الحديث انه صلى الله عليه وسلم سماهما سيد الشهداء ولكن لاندرى
حال اسنادهما هل هو صحيح ام ضعيف ولاشك ان اسناد الحديث الذى فيه نسبة
سيد الشهداء الى حمزة بن عبد المطلب رضى الله عنه اسناد صحيح كما نبه عليه الحفاظ
وائمة الحديث وقد اطبق عليه علماء اهل السنة واهل التشيع نكون حمزة بن عبد المطلب
سيد الشهداء مجمع عليه وفى اصول الكافى لمحمد بن يعقوب الكلينى من معتمد
المحدثين لاهل الرفض والتشيع من خذوا بالمجمع عليه فان المجمع عليه لاريب فيه .

وامّا تسمية سيد الشباب اهل الجنة ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم حسين بن علي رضي الله عنهما بسيد الشهداء كما اشتهر في زماننا فلم يثبت عن لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم وما ثبت عن لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو اولى مما ثبت عن لسان غير المعصوم فضلا عن ان يصرّوا عليه وينسبوا عداوة اهل البيت الى من انكر كون حسين بن علي سيد الشهداء

واما ما ثبت عن لسان المعصوم صلى الله عليه وسلم من مناقب اهل البيت رضي الله عنهم فلا ننكرها كقوله عليه الصلوٰة والسلام الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة رواه الترمذي عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه[223]

ثم اختلفوا في مراده عليه السلام بسيادة اهل الجنة فقيل يعني افضل ممن مات شابا في سبيل الله من اصحاب الجنة لما قال الطيبي وفيه نظر لانه لا وجه لتخصيص فضلهما على من مات شابا بل هما افضل ممن مات شيخا . فالاولى ما قيل ان المراد سيدا اهل الجنة لان اهل الجنة كلهم شاب لكن يخص بما سوى الانبياء والخلفاء الراشدين وقيل اراد بالشباب الفتيان بمعنى الفتوة بمعنى الكرم كما يقال فلان فتى وان كان شيخا مشيرا الى فتوته ومروته . ويجوز ان يكون سماهما شبابا مع كونهما كهلين تعطفا وتحببا كما يسمي الوالد ولده صغيرا او وليدا وان كان شابا سنا (لمعات ج ۹ ص ۳۲۵)

وكذلك ما روى عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ابوبكر وعمر سيدا كهول اهل الجنة من الاولين والآخرين ما خلا النبيين والمرسلين لا تخبرهما يا علي وكذلك ما روي عن الاوزاعي عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابي بكر وعمر هذان سيدا كهول اهل الجنة من الاولين والآخرين الا النبيين والمرسلين

قال في هامشه كهول بضم الكاف جمع كهل وهو من انتهى شبابه وهو من الرجال من زاد على ثلثين سنة الى اربعين وقيل من ثلث وثلثين الى خمسين . ووصفهما بالكهولة باعتبار ما كانا في الدنيا . والا فلا كهل في الجنة . فالمعنى سيدا من مات كهلا من المسلمين . وقيل اراد ههنا الحليم العاقل اي يدخلهما الله تعالى الجنة حلماء وعقلاء (لمعات مختصرا) قال القاري رحمه الله تعالى فان الكهل اكمل الانسان واعقل من الشباب ومدارج الجنة على قدر العقول . انتهى ما في الهامش .

---

[1] حوالہ حدیث کما فی ہامش المشکوۃ ۱۲

وفی هامش المشکوٰة ص۵۷۰ لہ و اذا کانا سیدی الکهول فاولی ان یکونا سیدی الشبّان کذا قالوا.

اقول وهذه (سید الشهداء) فضیلة جزئیة لحمزة رضی الله عنه کسائر الفضائل لسائر الصحابة رضی الله عنهم اجمعین کما قال النبی صلی الله علیه وسلم لابی بکر رض انت عتیق الله من النار (ص۲۰۸ ترمذی) وقال لعمر رض ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر رض وقال لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (ترمذی ص۲۰۹) وقال لعثمان رض لکل نبی رفیق ورفیقی یعنی فی الجنة عثمان (ترمذی ص۲۱۰) وقال لعلی رض انت منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبی بعدی (ترمذی ص۲۱۴) وقال فی طلحة والزبیر هما جاری فی الجنة (ص۲۱۶) وقال فی الزبیر بن العوام رض ان لکل نبی حواریا (مختصرا) وان حواریّ الزبیر بن العوام (ص۲۱۶) وقال لابی عبیدة بن عامر بن الجراح لکل نبی امین وامین هذه الامة ابو عبیدة بن الجراح (ص۲۲۳) وقال فی عمار بن یاسر اهتدوا بهدی عمار وقال فی عبد الله بن مسعود رض ما حدثکم ابن مسعود فصدّقوه وفی ابی ذر الغفاری رض ما اظلّت الخضراء ولا اقلّت الغبراء من ذی لهجة اصدق ولا اوفی من ابی ذر شبه عیسٰی بن مریم (ترمذی ص۲۲۲) وکذا ارءف امتی بامتی ابوبکر، واشدّهم فی دین الله عمر، واصدقهم حیاءً عثمان، واقضاهم علیّ، وافرضهم زید بن ثابت، اقرءهم ابیّ، و اسعد الناس یوم القیٰمة العباس، واسمح امتی جعفر، واعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، وان لکل امة حکیمًا وحکیم هذه الامة ابو الدرداء، وسید الفوارس ابو موسٰی، وسید الروم صهیب، وسید الفرس سلمان، وسید الحبش بلال، وخیر الرجال الانصار، واشبه من رأیت بجبرئیل دحیة الکلبی، وحواریّ من النساء عائشة ومن الرجال الزبیر، وعائشة زوجتی فی الجنة، وخیر فرساننا الیوم ابو قتادة وخیر رجالتنا سلمة بن الاکوع

فلا یلزم من حمل بعض الاوصاف علی بعض الصحابة نفیه عن الآخرین کما لا یلزم من حمل رسول الله علی محمد صلی الله علیه وسلم نفیه عما عداه من الانبیاء والرسل فقد قال اهل الاصول ان التنصیص بالاسم العلم لا یوجب التخصیص والّا للزم نفی رسالة آدم وموسٰی وعیسٰی وغیرهم بقولهم محمد رسول الله فاذا حمل المحمول علی اکثر من موضوع لا یلزم التناقض کما قال علیه السلام سلمان منا اهل البیت وکذا قال جریر بن عبد الله منا اهل البیت، فلیس بینهما تناقض بل معناها ان سلمان منا اهل البیت وجریر بن عبد الله ایضا منا اهل البیت وهو المراد من اطلاق النبی صلی الله علیه وسلم لفظ اهل البیت علی عبد الله بن

عمرو بن العاص وعلی ابویہ کما رواہ البغوی وابو یعلی عن طلحۃ رضی اللہ عنہ واخرجہ ابن سعد فی الطبقات بسند صحیح عن ابن ابی ملیکۃ رضی اللہ عنہ ای معناہ نعم اهل البیت ھٰؤلاء الثلٰثۃ ایضا وکذلک ماقال صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم ھٰؤلاء (علی وفاطمۃ والحسن والحسین) اھل بیتی کما ان نسائی اھل بیتی ایضا (ص۳) وکذلک ماقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئن بقیتُ الی قابلٍ لاَصُومَنَّ التاسعَ ای ایضا یعنی انی اصوم فی العام القابل یوم تاسوعاء ویوم عاشوراء کلیھما من شھر المحرم الحرام (ابوداؤد ص۳۳۹ ومشکوۃ ص۱۷۹) وکذلک ماقال صلی اللہ علیہ وسلم انتدب اللہ لمن خرج فی سبیلہ لایخرجہ الا ایمان بی وتصدیق برسلی ان ارجعہ بما نال من اجر او غنیمۃ او ادخلہ الجنۃ ای من اجر فقط ان لم یغنم شیئا واستشھد او نال من غنیمۃ ایضا مع الاجر ودخول الجنۃ (مشکوۃ ص۳۲۹) وقال علیہ السلام من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح (ای ایضا) فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ (مشکوۃ ص۶۲) قال فی المطول ص۳۵ فاشار المصنف (صاحب تلخیص المفتاح) الی ان "الحاصل لایختص باخراج الاقوال الکاذبۃ کما یتوھم من المفتاح بل یخرج نحو قول الجاھل ایضا" وقال الشیخ ابن الحاجب فی الکافیۃ فی بیان سببیۃ منع صرف مافیہ الالف والنون المزیدتان "او کانتفاء صفۃ فانتفاء فعلانۃ ...... وقیل (شرطہ) وجود فعلیٰ (ای ایضا) (فوائد ضیائیۃ ص۵۲)

قال العبد الضعیف وبمثلہ نقول فی ماتحن بصددہ ان حمزۃ بن عبد المطلب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشھداء وجعفر الطیار بن ابی طالب سید الشھداء ایضا علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتناقض بینھما ولاتعارض وکذا ... السلام سید الشھداء فی شان بلال رضی اللہ عنہ فافھم ولاتعجل

ولکنا لانقول الامامۃ وجرٰی علی لسان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لانہ یُوحی الیہ ولا قطع الا بالوحی وھو منقطع بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولاشک ان الحسن والحسین رضی اللہ عنھما سید شباب اھل الجنۃ کما قالہ سید الاولین والآخرین خاتم النبیین محمد المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ وازواجہ واصھارہ وعترتہ اجمعین ○

احقر الثقلین محمد حسین صھین عفی الشانی
مدرس مدرسۃ ضیاء العلوم بلاک ۲۰ سرگودھا

فتح المتعال فی تحقیق لفظ آل

الحمد لله تعالى والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه و اهل بيته اجمعين اما بعد فقد جعل الناس يختلفون في معنى الاهل والآل ، فاردت ان احققه وازينه باقاويل الاجلة من فحول العلماء بتوفيق الله تعالى -

اعلم ان النحاة قد اختلفوا في لفظ "ال" من حيث الاصل و المادة قال الكسائي اصله أَوَل (مهموز الفاء والاجوف الواوي) بدليل أُوَيْلٌ قال سمعت اعرابيا فصيحا يقول آلٌ وأُوَيْلٌ واَهْلٌ أُهَيْلٌ وكذا نقل عن الاصمعي وهذا (قول الكوفيين) اولى بالقياس فانه لا يلزم فيه ما يلزم في قول البصريين من مخالفة القياس

وقيل اصل آل اَهْلٌ بدليل أُهَيْلٍ ابدلت الهاء همزة (توصلا الى الالف فلا يرد ان الهاء اخف من الهمزة - تجريد البناني ص١) كما في هَلْ يَهُنَّ أَذْ يَوُّذ اسم قطع و إِيَّاكَ وَهِيَّاكَ وهَيْئَة وأَيْئَة وأَيْمُ الله وهَيْمُ الله "والهمزة" كان في الاصل أَمْزَة وهَنْرَكَ الثوب وأَنْرَكَهُ اذا جعلت له علما كما في نوادر الاصول وأَيْهَاتَ في هَيْهَاتَ ومَاءٍ في ماءٍ فصار أَءْلٌ فتوالت الهمزتان فابدلت الثانية الفا فصار "آل" لكن في الاستعمال خص في المذكر المعرفة العالم الاشرف الاشهر سواء كانت الشرافة دنيوية او دينية فيقال آل فرعون وآل موسى وآل الله .

وقيل خص في المعرفة المذكر العاقل فلا يقال آل الله ولكن المجد الفيروزآبادي قال في القاموس آل الله ورسوله اولياؤه .

ولا يضاف الى النكرات ولا الى الازمنة ولا الى الامكنة فلا يقال آل رجل ولا آل الزمان ولا آل مكة بخلاف الاهل فان استعماله عام فيقال اهل الله تعالى و اهل الخياط واهل الزمان واهل واهل قرية. واما آل العباء فمن النوادر كذا في جمهرة اللغة لابن دريد اللغوي ومفردات القرآن للامام الراغب الاصفهاني وغياث اللغات.

وقال في نوادر الاصول و الآل لا يضاف ايضا الى الحق ولا الى المعانى و لا الى الحرفة ولا الى المؤنث فلا يقال آل فاطمة ولا الى الاسلام ولا يقال آل العلم ولا آل القيامة مـ

وقيل اضافة الآل الى المضمر غير مستحسن ونادر وعند الكسائى والنحاس وابى بكر الزبيدى ممنوع.

ويردّه اضافته الى المضمر فى كلام الفصحاء من العرب سيما ما روى عن افصح العرب صلى الله عليه وسلم آل كل مؤمن تقى الى يوم القيمة رواه التمام فى فوائده + شمنى + (نوادر الاصول ص)

قال النيلوى وفيه نظر فقد قال السخاوى فى المقاصد الحسنة ص حديث آل محمد كل تقى. تمام فى فوائده من حديث شيبان بن فروخ حدثنا نافع بن هرمز و الديلمى من حديث النضر بن محمد الشيبانى عن يحيى بن سعيد كلاهما عن انس رضى الله عنه قال سئل رسول الله صلى عليه وسلم مَنْ آل محمد؟ فقال كل تقى من امة محمد ولفظ الديلمى فقال آل محمد كل تقى ثم قرأ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وفى الدلائل من حديث ابن الشخير ومن حديث شريك عن ابى اسحق السبيعى عن الحارث الاعور عن على رضى الله عنه قال قلت يا رسول الله مَنْ آل محمد؟ قال كل تقى. واسانيدها ضعيفة ولكن شواهده كثيرة منها ما فى الصحيحين قوله صلى الله عليه وسلم ان آل ابى فلان ليسوا لى باولياء انما وليى الله وصالح المؤمنين كما بيّنتها فى ارتقاء الغرف وقد حمل الحليمى حديث الترجمة على كل تقى من قرابته. ومن الادلة التى استدل بها البيهقى على ان اسم الآل للقرابة خاصة لا لعامة المؤمنين انه صلى الله عليه وسلم كان اذا ضحى اتى بكبشين احدهما عن امته من شهد لله بالتوحيد وله بالبلاغ و ذبح

الأخرعن محمد وآل محمد. فقد استدل الحليمي بهذا الحديث لهذا المعنى ايضا. انتهى كلامه مع هامشه (ملخصا)

قلتُ ما قال صاحب نوادر الاصول عن الشمني رادّا عن التمام من اضافة لفظة آل الى المضمر لم اجده فى المقاصد الحسنة بل قال السخاوي رحمه فيه ناقلا عن التمام ما هو مخالف نقل صاحب النوادر اعنى فيه اضافة لفظة آل الى المظهر وليس فيه اضافة لفظة آل الى المضمر فكيف يعود دعوى جواز اضافة لفظة آل الى المضمر ونسبته الى افصح العرب رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم الا ان يقال ان الرواية فى المقاصد رواية بالمعنى ولكن لابد لنا حينئذ من المراجعة الى اصل الكتاب اى كتاب الفوائد للتمام فان كان عند احد من اهل العلم فعليه ان يُعلمنا به جزاه الله خير الجزاء.

وقلتُ ان ههنا بحثا آخر وهو ان الحديث وان كان ضعيفا تؤيده شواهده وحمل الحليمي على كل تقي من قرابته حمل المطلق على المقيد وهو نوع من المجاز المرسل واللفظ اذا دار بين الحقيقة والمجاز يُحمل على الحقيقة الا اذا تعذرت الحقيقة اذا كانت مهجورة شرعا او عرفا او كانت هناك قرينة صارفة عن المعنى الحقيقي

قال فى الحاشية الجلالية على شرح عصام القريب ص١٠٩ وعن الكسائي سمعت اعرابيا فصيحا يقول اهل واهيل وآل واويل فالأول اصله اول على ما قال بعضهم من آل يؤول الى كذا أولا اذا رجع اليه بقرابة ونحوها لان الكثير يرجع اليها فى المهمات واصل معناه الاتباع. وفى الصحاح الآل الاهل والعيال وايضا الاتباع. وخص فى الاستعمال اضافته الى العقلاء الاشراف ومن له خطر ومنزلة ولو فى الاعتقاد. وثانيا قيد الذكور فلا يقال فى العرف آل الدار ولا آل الحجام ولا يقال ايضا من زاد قيد الذكور آل فلانة. لكن الكل اغلبي لقولهم آل الله تعالى وآل البيت قال وانصر على آل الصليب وعابديه اليوم آلك. فهو اخص من الاهل فى العرف بحسب الاضافة. يقال اهل البيت واهل الحجام كما يقال اهل الملك واهل الله تعالى.

فان قلتَ ما تقول فى آل فرعون مع انه لا قدر ولا شرف لفرعون

قلت له قدر وشرف بالنظر الى اعتقادهم. والقدر والشرف اعم من كونه فى نفس الامر او فى الاعتقاد. ولو سلم انه ليس بأعم فالاضافة الى من له شرف اغلبي كما مر. فبعد تخصيص اضافة الآل الى العقلاء الاشراف فى العرف العام اختلف

المحدثون فى الآل المضاف الى سيدنا و نبينا صلى الله عليه وسلم ① قيل آل النبى عليه السلام اتباعه فى الدين الى يوم القيمة (وهو الاولى بالنظر الى شفقته عليه السلام بامته) و② قيل امته اى امة الاجابة و③ قيل آل بيته اى اقاربه وازواجه وذريته و④ قيل الاتباع هم الرهط والعشيرة وآل الرجل وُلدهُ اى اولاده واحفاده و⑤ قيل قومه اى المؤمنون من قريش او بنى هاشم. و⑥ قيل اهله الذى حرمت الصدقة عليهم وهم آل على وآل عقيل وآل جعفر وآل عباس رضى الله تعالى عنهم عن زيد بن ارقم ان النبى صلى الله عليه وسلم من حرم الصدقة عليه وفى رواية انس رضى الله عنه سُئل النبى صلى الله تعالى عليه وسلم مَنْ آل محمد؟ قال عليه السلام كل تقى. الظاهر ان كل تقى منهم والمعنى مَنْ ليس بمتق ليس بآلى يؤيده قوله تعالى ان اولياءهُ الا المتقون وقال فى ص١١ الآل (عند المحدثين) يجئ لمعنيين الاول ما روى عنه عليه السلام آل محمد كل تقى الثانى اقاربه عليه السلام من جهة النسب لما روى عن ابن عباس رضى الله عنهما ثم قال فيه نظر لان الكلام فى الآل المطلق لا فى الآل المضاف الى النبى صلى الله عليه وسلم على ان المحدثين لم يتفقوا على ذينك المعنيين فى الآل المضاف الى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم بل اختلفوا فيه اختلافا كثيرا

ثم قال ان الآل يطلق على اثنى عشر معنى. قلت ورأيت فى القاموس ص٣٣١ ج٣ والآلُ ما اشرف من البعير والسرابُ او خاص بما فى اول النهار ويؤنث والخشبُ والشخصُ وعمدُ الخيمة كالآلة ج آلات وجبلٌ واطرافُ الجبل ونواحيه واهلُ الرجل واتباعهُ واولياءهُ

فائدة: فى آل النبى صلى الله عليه وسلم اثنا عشر قولًا ① من حرمت عليهم الصدقة من آل جعفر وعقيل وعباس وفاطمة ومواليهم كما روى عن زيد بن ارقم (كشف الغمة للامام عبد الوهاب الشعرانى ص١١) قلت فيه نظر فان الصدقة (الزكوٰة) حرام على جميع اولاد على ايضًا كما قاله محشى شرح عصام وكذا آل الحارث بن عبد المطلب كما فى شرح الوقاية ص٢٩٩ اى جميع اولاد بنى هاشم الا من ابطل النص قرابته بالنبى كبنى ابى لهب بن عبد المطلب كذا فى النهر الفائق وهو مذهب امامنا الاعظم رحمه الله تعالى ومختار بعض

المالكية (٢) اهل بيته اى نساء النبي صلى الله عليه وسلم كما في الجلالين —
(٣) ازواجه وذريته (٣) من اطاعه وهو مذهب جابر بن عبد الله وسفيان
الثوري ومختار بعض اصحاب الشافعي والمرجح عند النووي والازهري كما في نوادر
الاصول ص٩ (٥) ذرية فاطمة خاصّة (٦) جميع القريش (٧) الازواج و
من حرمت عليهم الصدقة (٨) آل ابراهيم (٩) اولاد ابراهيم من ذرية اسمٰعيل
واسحٰق (١٠) جميع امة الاجابة (١١) كل تقى نقى (الخزن المنيع ص٥٣) (١٢) الفقهاء
المجتهدون (نبراس ص٥) وقال العيني في عمدة القاري ج ٤ ص ٣٢ ان آل النبي
صلى الله عليه وسلم بنوهاشم خاصّة عند ابي حنيفة ومالك. وعند الشافعي هم
بنوهاشم وبنوا المطلب وبه قال بعض المالكية اهـ.
وقال الشيخ السيد محمد انورشاه الكشميري رحمه الله تعالى في فيض الباري
ج٣ ص ٥٢ فآل النبي صلى الله عليه وسلم عندنا آل عباس وحمزة والحارث و
آل جعفر وعلى وحمزة وان لم يكن له ولد ذكر لكن لفظ الآل ليس عندهم منضبط
كل الانضباط فيطلق عليه ايضا فاخذ وامن الاعمام ثلثة واثنان من ابناء العم، و
اما عند الشافعية فهم كل بنى هاشم وبنى عبد المطلب
فائدة: اعلم ان العباس والحارث عمّان للنبي صلى الله عليه وسلم اسلم
الاول وعُدّ من اجلّ الصحابة رضى الله عنهم لا الثاني. وجعفر رضـ وعقيل اخوان
لعلى رضى الله عنه) بن ابي طالب عم النبي صلى الله عليه وسلم وهو محمد بن عبد الله
بن عبد المطلب (اسمه عامر كما قاله ابن قتيبة ويلقب بشيبة الحمد) بن هاشم (اسمه
عمرو) بن عبد مناف (واسمه مغيرة وسمى بعبد مناف لان امه كانت جعلته خادما
لصنم مناف) بن قصى (واسمه زيد) بن كلاب (واسمه حكيم او مغيرة او مهذب
وسمى بالكلاب لانه كان مولعا بصيد الكلاب او كان لمكالبته الاعداء في الحروب)
بن مرة بن كعب بن لوىّ بن غالب بن فهر قريش (سمى قريشا لانه كان يقرش
اى يفتش عن خلة المحتاج فيسدها بماله وكان بنوه كذلك وقيل ان القريش نضر
وهو جده وقيل ان القريش قصىّ وهو قول رافضى لاخراج ابي بكر رضى الله عنه
من قريش فصار امامته باطلا وهو خلاف اجماع المسلمين كما في كفاية العوام ص٨)
بن مالك بن نضر (اسمه قيس سمى نضر لنضارته وحسنه) بن كنانة (وكان يقول

قد ان خروج نبی من مکۃ ، بن خزیمۃ بن مدرکۃ (سمی به لانه ادرک کل عز و فخر) (کان فی آبائه) و اسمه عمرو) بن الیاس (و اسمه عیلان) بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (وکان فی زمن موسیٰ علیه السلام)

قال عباس و علی و جعفر و عقیل و الحارث بن عبد المطلب کلهم فیه تسبوت الیٰ هاشم وکان له اربعة ابناء انقطع نسل الکل الا عبد المطلب فانه اعقب اثنی عشر . ویجوز الزکوٰۃ (صرف الزکاۃ) الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین فقراء الّا اولاد عباس وحارث و ابی طالب کذا فی جامع الرموز وغیره (عمدۃ الرعایۃ ص ۲۹۱)

فائدہ قال فی التجرید ص ۵ ولکن ما قیل ان اصله اهل بدلیل اهیل لا یخفیٰ ضعفه باحتمال ان اهیلاً مصغّر اهل دون ال کما جزم به فی الاطول وتؤیده ما روی عن الکسائی انه سمع اعرابیا فصیحا یقول اهل اهیل و ال و اُویل وبهذا یعرف ضعف ما فی قول الحفید لم نسمع اُوَیْلٌ .

قلت ولا یبعد ان یقال ان السیوطی قال فی بغیۃ الوعاۃ فی ص ۱۶۲ و ص ۱۶۳ الکسائی علی بن حمزۃ بن عبد الله بن عثمان من ولد بهمن بن فیروز مولی بنی اسد تامیذ معاذ الهرّاء ثم الخلیل . کان اعلم الناس ولکن کان یُدیم شرب النبیذ و یاتی الغلمان قال ابن درستویه کان الکسائی یسمع الشاذ الذی لا یجوز الّا فی الضرورۃ فیجعله اصلاً و یقیس علیه فأفسد بذلک النحو . انتهی

قال النیلوی ولا یذهب علیك ان هذا لیس من القیاس فی شیٔ و انما هو سماع من الاعرابی الفصیح فقول الکسائی هو المعتمد علیه فالمثبت ترجیح علی النافی

فائدہ : وقد یراد بالآل شخص ما اضیف الیه کما روی ان الحسن رضی الله تعالیٰ عنه کان یقول اللهم صل علی آل محمد ای شخصه (بیضاوی طمصر ص ۱۵۳)

فائدہ : قال فی حاشیۃ کفایۃ المتحفظ ص ۵ قیل فی الفرق بین الاهل و الآل استعمالا ان یضاف الاهل الی غیر ذی الروح غالباً فیقال اهل الامر واهل البیت (ای سکانه کما فی المغرب ص) واهل المذهب (لمن یدین به) واهل القرآن ای من یقرؤه ویقوم بحقوقه (مغرب ص) وغیر ذلك مما فی الأول انتهی)

قال المجد فی القاموس ص ۳۳۱ اهل الرجل عشیرته وذو قرباه ج اهلون واهال و آهال و اهلات ویحرّك . واَهَلَ یأهَلُ و یأهِلُ اُهُولاً وتأهّل و اتّهل اتخذ

اهلاً وأَهَّلَ الامرِ وِلايَتُهُ وللبَيْتِ سُكّانُه وللمذهب من يدين به وللرجل زوجته
كأَهْلَتِهِ وللنبيّ صلى الله عليه وسلم ازواجه وبناته وصهره عليٌّ رضي الله تعالى عنه
او نساؤه والرجال الذين هم آلُه ولكل نبي امته ومكان آهِلٌ له أَهْلٌ ومأهولٌ
فيه اهله وقد أُهِلَ كعُنِيَ وكل ما أَلِفَ من الدواب المنازلَ فأَهْلِيٌّ وأَهِلٌ كَكَتِفٍ
ومرحباً وأَهْلاً اي صادفتَ أَهْلاً لا غُرَباءَ وأَهَّلَ به تأهيلاً قال له ذلك وكفَرِحَ
انس وهو أَهِلٌ لكذا مستوجب للواحد والجميع وأَهَّلَهُ لذلك تأهيلاً وآهَلَهُ رآه
لهٗ اهلاً واستأهله استوجبه لغة جيّدة وانكار الجوهري باطل،

وكتب على هامشه قوله وانكار الجوهري باطل كتب الشارح قال شيخنا قول
المصنف باطل هو الباطل وليس الجوهري اول من انكره بل انكره الجماهير قبله
وقالوا انه غير فصيح وضعفه في الفصيح واقره شراحه وقالوا هو وارد ولكنه دون
غيره في الفصاحة وصرح الحريري بانه من الاوهام ولاسيما والجوهري التزم ان
لا يذكر الا ما صح عنده فكيف يثبت ما لم يصح عنده الى آخر ما قال مما لا ينبغي منه ثم
ردّ عليه بانه مما تحقق منه بما لا مساهلة المصنف فقد صرح الازهري والزمخشري
وغيرهما من ائمة التحقيق بجودة هذه اللغة وتبعهم الصاغاني الى آخر ما قال اهـ

قال الشبلوي عفى الله له ولوالديه قد اطلق على الازواج المطهرات لفظ اهل
البيت وكذا آل محمد كما ورد في المشكوٰة ص۳۳ والرجل راع على اهل بيته وفي ص۱۳۳
قالت كان اذا مرض احد من اهل بيته نفث عليه بالمعوذات وفي ص۱۸۱ عن انس رضي
الله عنه قال دخل النبيّ صلى الله عليه وسلم على ام سليم ... فدعا لام سليم واهل بيتها
وفي ص۲۱۵ عن ابي مالك الاشعري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا
ولج الرجل بيته فليقل اللهم اني اسألك خير المولج وخير المخرج بسم الله ولجنا وعلى
الله ربنا توكلنا ثم ليسلم على اهله اي اهل بيته وهي المرأة وفي ص۱۸۲ وعنها قالت كان
رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شدّ مئزره واحيى ليله وأيقظ أهله
اي زوجته وفي شمائل الترمذي ص۳ عن عائشة رضي الله عنها قالت ان كنّا آل محمد
نمكث شهرا ما نستوقد بنار ان هو الا التمر والماء وفي شرح معاني الآثار للطحاوي
ص۳۴۹ عن ام سلمة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا آل محمد
أَهِلّوا بحج وعمرة اهـ وظاهر ان عليا لم يكن ثمة حاضرا بل كان في اليمن والحسن

والحسین کانا صغیرین فلم یبق الا فاطمۃ والازواج المطهرات فالامر لهنّ فان قلت ان الصیغۃ (اهلُون) وضعت لجمع المذکر المخاطب فکیف یراد بها الازواج المطهرات قلتُ ان الجمع والتذکیر قد یکون للتعظیم کما ورد فی المشکوٰۃ ص۱۶۵ عن عائشۃ رض ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اینا اسرع لحوقاً قال اطولکنّ یداً فاخذن وا قصبۃ یذرعونها وکانت سودۃ اطولهن یداً الخ فاخذن وا وینذ رعون لهنّ بمنزلۃ اخذن وینذرعن وفی ص۵۴۹ عن ابن عباس قال لما نزلت اذا جاء نصر اللہ والفتح دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ قال نُعِیت الیّ نفسی فبکت قال لا تبکی فانک اول اھلی لاحق بی فضحکت فراھا بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلن یا فاطمۃ الخ فقوله فقلن بمنزلۃ فقالت (عائشۃ) وفی ص۱۸۱ عن عائشۃ رض قالت دخل علیّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یومٍ فقال هل عندکم من شیءٍ الخ مکان هل عندکِ من شیءٍ وعن انس رض قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ام سلیم فاتته بتمرٍ وسمنٍ فقال اعیدوا سمنکم فی سقائه و تمرکم فی وعائه فانی صائم مکان اعیدی سمنکِ ..... وتمرکِ وفی صحیح البخاری ج۲ ومسلم ص۲۳۶ فانطلق الی حجرۃ عائشۃ رض فقال السلام علیکم اهل البیت ورحمۃ اللہ فقالت وعلیک ورحمۃ اللہ وقال تعالیٰ قالت هل ادلکم علیٰ اهل بیت یکفلونه لکم وهم له ناصحون فرددناه الی امه وقال تعالیٰ قال (موسیٰ) لاهله امکثوا ای قال لزوجته امکثی

وقال فی تسهیل الدراسۃ من عادۃ العرب الخطاب للمؤنث بصیغۃ المذکر قال الحماسی

فلا تحسبی انی تخشعت بعدکم … لشیءٍ ولا انی من الموت افرقُ

ای بعدکِ وقال المخزومی رح فان شئتِ حرمتُ النساءَ سواکمُ ای سواکِ خاطب اوّلاً بخطاب المفرد المؤنث ثم بخطاب جمع المذکر جریاً علی عادتهم فی الکلام قال تعالیٰ قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاته علیکم اهل البیت قلت وقال شاعر فی مدح زبیدۃ (زوج هارون الرشید من الخلفاء العباسیۃ) بعد حفرها النهر ؎

یا اهل بیت خلیفۃ الغنی … یا لله انتم زبدۃ النسوان

وفی مشکوٰۃ ص۲۵۵ عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند بعض نسائه فارسلت احدی

امہات المؤمنین بصحفة فيها طعام فضربت التی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتها ید الخادم فسقطت الصحفة فانفلقت فجمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلق الصحفة ثم جعل یجمع فیها الطعام الذی کان فی الصحفة ویقول غارت امکم ای امّکم

قال اللہ تعالیٰ انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا والآیة واردة اثناء ذکر نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن کثیر ص والآیة نص فی دخول ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اهل البیت وقال الآلوسی فی روح المعانی ص ۲۲/۱۲ وغیر الازواج المطهرات من اهل البیت لم یجر لهم ذکر فی ما قبل ولم یخاطبوا بامر ولا نهی او غیرهما وفیه ان التعلیل علیه ظاهر وقال ابن کثیر ص وسیاق الکلام وسیاقه ایضا دال علی ان المراد باهل البیت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال عکرمة وعروة ومقاتل المراد باهل البیت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم اللغة تدل علیه کذا العرف وکذا شان النزول کما قال عکرمة عن ابن عباس رض قوله انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصة وسبب النزول داخل فیه قطعا ویقینا قولا واحدا اما وحده علی قول واما مع غیره علی الصحیح قال وعن عکرمة انه کان ینادی فی السوق انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا ○ نزلت فی نساء النبی خاصة، قال عکرمة من شاء باهلته انها نزلت فی شان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر ابن کثیر ص)

وقال برهان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فی الهدایة ص ۳۹۱/۴ الطلاق النساء علی الزوجیة وقال ایضا ولا یکون الظهار الا من الزوجة حتی لو ظاهر من امته لم یکن مظاهرا لقوله تعالیٰ ﴿والذین یظاهرون من نساءهم﴾

فان قلت انه قد ورد فی التاریخ الکبیر الامام البخاری ق ۲ ج ۱ ص ۲۹ وص شداد بن قرة قال النضر بن محمد ثنا عکرمة ثنا قال وشعیب بن ابی المنیع عن شهر سمع ام سلمة ان فاطمة جاءت وهی متورکة الحسن او الحسین آخذة بید آخر معها برمة فیها سخینة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم این ابو حسن؟ فقالت فی البیت فارسل الیه قال اللہ هؤلاء اهل بیتی

قلت قال الامام البخاری بعد هذه الروایة متصلا قال ابو عبد اللہ (ای الامام البخاری نفسه) شهر یتکلمون فیه، قلت فکیف الاحتجاج به؟

فان قلت ان عائشۃ رض قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی رضی اللہ عنہما فادخلہ ثم جاء الحسین فادخلہ معہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلہا ثم جاء علی فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطہرکم تطہیرا رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ ص۵٦٨

قلت قال البیضاوی فی تفسیرہ ص وتخصیص الشیعۃ اھل البیت بفاطمۃ و علی وابنیہما رضی اللہ عنہم لما روی انہ علیہ السلام خرج ذات غدوۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجلس فاتت فاطمۃ فادخلہا فیہ ثم جاء علی فادخلہ فیہ ثم جاء الحسن والحسین فادخلہما فیہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت. و الاحتجاج بذلک علی عصمتہم وکون اجماعہم حجۃ ضعیف لان التخصیص بہم لا یناسب ما قبل الآیۃ وما بعدہا والحدیث یقتضی انہم (ایضا) اھل البیت لا لیس غیرہم قطعا وعادۃ العرب انہم یحذفون کلمۃ "ایضا" فی کلامہم کما ورد فی المشکوٰۃ من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح (ای ایضا) فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ ص وکما ورد فی المشکوٰۃ ص١٦٦ وص وص وص عن ابن عمر وابی ھریرۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذبت امرأۃ فی ھرۃ (ای ایضا) لانہا کانت کافرۃ کما فی مسند احمد فعلق ایہا کان بوجہین بسبب کفرہا و بسبب امساکہا ھرۃ حتی ماتت من الجوع فلم تکن تطعمہا ولا ترسلہا فتاکل من خشاش الارض وکما ورد فی المشکوٰۃ ص۳۲۹ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتدب اللہ لمن خرج فی سبیلہ لا یخرجہ الا ایمان بی وتصدیق برسلی ان ارجعہ بما نال من اجر (ای اجر فقط ان لم یغنم شیئا) او غنیمۃ (ای ایضا یعنی اجرا مع الغنیمۃ) او ادخلہ اللہ الجنۃ (ان استشہد) ومثلہ فی النسائی ص۵۵ مع ما نال من اجر تام فقط او غنیمۃ (ای ایضا) وقال فی الفوائد الضیائیۃ ص۲۰ فی بیان اسباب منع الصرف "ا ولا تنافی صفۃ فانتفاء فعلانۃ .... وقیل شرطہ وجود فعلی (ای ایضا مع الشرط السابق) وقال السعد التفتازانی فی شرح التلخیص المطول ص۳۵ فاشار المصنف ھنا الی ان التأول لا یختص باخراج الاقوال الکاذبۃ کما یتوھم من المفتاح بل یخرج نحو قول الجاھل ایضا وقال ابوداؤد السجستانی فی سننہ ص۳۳۹ یقول سمعت عبد اللہ بن عباس یقول حین صام النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء وامر

فقطعوا عنا صيامه فعظ؟ قالوا يا رسول الله انه يوم تعظمه اليهود والنصارى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا كان العام المقبل صمنا يوم التاسع (اى ايضا مع يوم العاشوراء) وقال فى الهدايه ص ۲۳ ج ۱ فالاقالة باطلة اى ايضا،

وقال محشى جامع البيان له ص ۳۶۳ فالاصوب انه مثل ما قيل ان آية لمسجد اسس على التقوى من اول يوم احق ان تقوم فيه نزلت فى مسجد قبا وفى صحيح مسلم هو مسجدى هذا والتوفيق انه كان اذا اسس على التقوى فمسجدى هذا اولى واحرى بهذه التسمية (اى مسجدى هذا ايضا مصداق لهذه الآية وان نزلت فى شان مسجد قبا بل اولى و احرى منه) فكما ان الآية نزلت فى شان مسجد قبا و النبى صلى الله عليه وسلم عممه وادخل معه المسجد النبوى فكذلك هذه الآية نزلت فى شان نساء النبى صلى الله عليه وسلم وعممه النبى صلى الله عليه وسلم وادخله الله بدعائه عليه السلام فاطمة وعليا وابنيهما وهو اليق بشانه وبشفقته صلى الله عليه وسلم فانه عليه السلام قال سلمان منا اهل البيت (جامع صغير ص ۳ ج ۲ وحيات القلوب ص ۵۶۵ ج ۲) وقال ايضا جرير بن عبد الله منا اهل البيت (جامع صغير ص ۱۰۱ ج ۲) وقال واثلة بن الاسقع قال من ناحية البيت وانا من اهلك؟ قال عليه السلام وانت من اهلى قال واثلة رضـ انها لمن ارجى ما ارتجى (ابن جرير ص ۶ ج ۲۲) وقال ابو سعيد الخدرى رضـ انا خامس خمسة نزلت الآية فيها (ابن جرير ص ۶ ج ۲۲) وجاء فى بعض الروايات انه عليه السلام ضم الى اهل الكساء عليا وفاطمة والحسن والحسين بقية بناته واقاربه وازواجه وانه عليه السلام اشتمل على العباس وبنيه بملاءة ثم قال يا رب هذا عمى وصنو ابى وهؤلاء اهل بيتى فاسترهم من النار كسترى اياهم بملاءتى هذه فامنت اسكفة الباب وحوائط البيت فقال آمين ثلثا كذا فى روح المعانى ص ۱۴ وقال فى حيات القلوب ص ۶۶ ج ۲ وص ۹۳ ج ۲ وص ۹۶ ج ۲ وص ۹۸ ج ۲ وص ۱۰۰ ج ۲ وص ۱۰۱ ج ۲ وص ۲۰۵ ج ۲ وص ۲۳۳ ج ۲ قال جبرئيل من اهل البيت، وفى حيات القلوب ص ۵۶۵ ج ۲ وتفسير عمدة البيان ص ۲۸ ج ۲ قال ماريه قبطيه من اهل البيت وقال فى المشكوة قال عليه السلام احب اهلى الى اسامة بن زيد رضـ وهو كما قال عليه السلام احب اهل بيتى الى الحسن والحسين (جامع صغير ص ۸ ج ۱ ومشكوة ص ۔۔)

قال الشيلوى فقد ثبت بما ذكرنا ان سلمان الفارسى مع انه ليس بهاشمى ولا قرشى بل ولا بعربى ادخله النبى صلى الله عليه وسلم فى اهل بيته وكذا واثلة بن الاسقع الليثى مع انه ليس بهاشمى ولا قرشى بل ليثى اسلم قبل غزوة تبوك ادخله النبى صلى الله عليه وسلم فى

اهل بيته وكذا اسعد بن مالك بن سنان الانصاري الخزرجي ابو سعيد الخدري مع انه ليس بهاشمي ولا قرشي بل انصاري خزرجي من بني خدرة وكذا مارية القبطية فكيف لا يدخل من نزلت هذه الآية في بيتها وهي ام المؤمنين ام سلمة رضي الله عنها كما روي عنها انها قالت في بيتي انزلت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا فارسل رسول الله صلى الله عليه وسلم الى فاطمة وعلي والحسن والحسين فقال عليه السلام هؤلاء اهل بيتي فقالت اما انا يا رسول الله من اهل البيت قال بلى انشاء الله (لفظ انشاء الله للتبرك) وقوله عليه السلام اللهم هؤلاء اهل بيتي اي ادخلهم في اهل بيتي. فاذا ثبت ان ام سلمة وخديجة ومارية القبطية يدخلن في اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم فكيف لا تدخل بقية امهات المؤمنين ازواج النبي صلى الله عليه وسلم مع اتحاد العلة ولعدم القائل بالفصل ولادخال الله عز وجل ام اسحق سارة في اهل بيت ابراهيم خليل الله عليه السلام حيث قال لهم قالوا اتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت ولكمال شفقة نبينا صلى الله عليه وسلم ولمساعدة اللغة ادخال الازواج في اهل البيت لما تم من التحقيق اللغوي ولما قال ابن فارس في مقاييس اللغة ضـ ا وصـ ١٥٠ الهمزة والهاء واللام له اصلان متباعدان احدهما الاهل قال الخليل أَهْلُ الرجل زوجه والتأهل التزوج واهل الرجل اخص الناس به واهل البيت سكانه الخ وفي الصحاح قال ابو زيد تقول العرب أَهَلَكَ اللهُ في الجنة إيهالاً اي زوّجك فيها وقال ايضا أَهُولُ زن خواستن ودا اہل شدن تأهل كذلك. قال الكسائي اهلتُ بالرجل اذا انست به (صراح ص١٨٣) وقال البيهقي في تاج المصادر التأهل زن كردن وقال المطرزي في المغرب اهل الرجل امرأته وولده والذين في عياله ونفقته وكذا كل اخ او اخت او عم او ابن عم او صبي اجنبي يقوته في منزله قال ومن اهل الرجل اخص الناس به عن الغوري والازهري وقيل الاهل المختص بشئ اختصاص القرابة وقيل خاصة الشئ الذي ينسب اليه. و يكنى به عن الزوجة ومنه سار باهله وتأهل تزوج واهل البيت سكانه واهل الاسلام من يدين به واهل القرآن من يقرأه ويقوم بحقوقه (ص٢٣)

وقال احمد بن محمد بن علي المقري الفيومي في مصباح المنير (ص٣١) أَهَلَ المكان أُهُولًا من باب قعد عمر باهله فهو آهِلٌ وقرية آهِلَة عامرة واهلتُ بالشئ انست به وأَهَلَ الرجل يأهل اهولا اذا تزوج وتأهل كذلك. ويُطلق الاهل على الزوجة والاهل

أَهْلُ البيتِ والاصل فيه القرابة وقد اطلق على الاتباع و اهل البلد من استوطنه واهل العلم من اتصف به اهـ وقال ابن سيده فى المحكم والمحيط الاعظم ۲۰۶/۴ اهلُ البيتِ سُكّانه وأهْل بيتِ النبيِّ ازواجُه وبناته وصهره اعنى عليًّا وقيل نساء النبي والرجال الذين هم آله..... اهلُ كل نبيٍّ أُمَّتُه وقال عبد الحكيم فى حاشيته على حاشية الفوائد الضيائية لعبد الغفور ص۳ اهل بيته اى اولاده وازواجه ودخل معه كما جاء فى الحديث سلمان من اهل البيت

فبهذه الامور قلنا ان دخول امهات المؤمنين ازواج النبي صلى الله عليه وسلم فى اهل البيت قطعي ثابت بنص القرآن لا مرية فيه ولا ارتياب ولا اشتباه و اما دخول ما سواهن فى اهل البيت فظني ثابت بالخبر الواحد الذى لا يكفر جاحده كما تقرر و من انكر النص القطعي فيحكم بكفره

وقلنا ثانيا ان دخول ازواج النبي صلى الله عليه وسلم فى اهل البيت انما هو بالاصالة أولاً ودخول من عداهن فى اهل البيت ثانيا وبالعرض وبالتبع دل عليه ما فى حديث مسلم من قوله عليه الصلوٰة والسلام لام سلمة انتِ مكانكِ (ابن جرير ۲۲/۶) وفى رواية فقال بلى ان شاء الله تعالى اى الاطلاق لفظة اهل البيت فى محله وحقيقة واطلاقها على هؤلاء المُدْخَلِين فى الكساء ليس فى محله بل هو مجاز ودخلوا فى اهل البيت بدعائه ﷺ فى حقهم

وقلنا ثالثا ان ازواجه صلى الله عليه وسلم لو لم تكن من اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم فما بال خديجة الكبرى انها داخلة فى اهل النبي صلى الله عليه وسلم مع انها ليست بهاشمية ولا بنت عمه عليه الصلوٰة والسلام بل هى مخزومية من قبيلة فيها ابوجهل وغيره من الكفرة الفجرة

وقلنا رابعًا انها لو دخلت سارة فى اهل بيت ابراهيم خليل الله على نبينا و عليه الصلوٰة والسلام فما بال حمزة سيد الشهداء عمه صلى الله عليه وسلم واخيه من الرضاعة وبنيه وعباس عمه وبنيه لم يدخلوا فى اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم

وقلنا خامسًا ان الهرة لو دخلت فى اهل البيت كما قالوا فى تهذيب الاحكام ۲۲۶/۱ عن ابي عبد الله عليه السلام فى الهرة انها من اهل البيت ويتوضأ من سؤرها وهكذا فى ۲۲۷/۱ فالهم لا يقرون بدخول ازواج النبي صلى الله عليه وسلم فى اهل البيت

فان قلت ان الامام الطحاوی رحمہ الله تعالیٰ قال فی کتابه مشکل الآثار ج۲ ص۳۳۲ الی ص۳۳۹ فان قال قائل فان کتاب الله تعالیٰ یدل علی ان ازواج النبی صلی الله علیه وسلم هم المقصود دون تلك الأیة لانه قال قبلها فی السورة التی هی فیها یا ایها النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیاة الدنیا الی قوله الجاهلیة الاولیٰ. فکان ذلك کله یؤذن به لانه علی خطاب النساء لا علی خطاب الرجال ثم قال انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس الأیة فکان جوابنا له ان الذی تلاه الی اخر ما قبل قوله انما یرید الله الأیة فجاء به علی خطاب الرجال لانه قال فیه لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم. وهکذا خطاب الرجال وما قبله فجاء به بالنون وکذلك خطاب النساء. فعقلنا ان قوله انما یرید الله الأیة خطاب لمن اراده من الرجال بذلك لیُعلمهم تشریفه لهم رفعة لمقدارهم ان جعل نساءهم ممن قد وصفه لما وصفه ما فی الأیات المتلوة قبل الذی خاطبهم به تعالیٰ ومما دلّ علی ذلك ایضا ما قد حدثنا ابن مرزوق حدثنا روح بن عبادة ثنا حماد بن سلمة عن علی بن زید عن انس ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کان اذا خرج الی صلوٰة الفجر یقول الصلوٰة یا اهل البیت انما یرید الله الأیة. وما قد حدثنا ابن مرزوق ثنا ابو عاصم النبیل عن عبادة قال ابو جعفر وهو ابن مسلم الفزاری من اهل الکوفة قد روی عنه ابو نعیم حدثنی ابو داؤد قال ابو جعفر وهو نفیع بن الحارث الهمدانی الاعمیٰ من اهل الکوفة ایضا حدثنی ابو الحمراء قال صحبت رسول الله صلی الله علیه وسلم تسعة اشهر کان اذا اصبح اتی باب فاطمة فقال السلام علیکم یا اهل البیت انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس الأیة فی هذا ایضا دلیل علی ان هذه الأیة فیهم وبالله التوفیق انتهیٰ کلامه

قلنا فی جوابه بوجوه الاول انه لو ارید به دون الازواج لم یرتبط هذا الکلام لا بما قبله ولا بما بعده ولزم ح وقوع الکلام فی البین من غیر ربط وذا لا یلیق بکلام الفصحاء و البلغاء سیما کلام الله تعالیٰ ولذا عاب اهل التشیع ایراد هذا الکلام المتعلق بالخمسة العباء فی اثناء کلام یتعلق بنساء النبی صلی الله علیه وسلم وقالوا ایراد هذا الکلام فی هذا المقام من تصرفات الجامعین المرتبین وغلطوا فی ایراده ههنا فانه من مقام اٰخر وقد صح ایراد صیغة جمع المذکر علی المؤنث کما فی کتاب الزکوٰة من صحیح مسلم ص۳۴۴ ج۱ من قول رسول الله صلی الله علیه و سلم لزوجته هل عندکم شیء وفی صحیح البخاری ص۷۰۵ ج۲ قوله علیه السلام لعائشة رض السلام علیکم اهل البیت وفی صحیح مسلم ص۴۶۱ ج۱ سلام علیکم کیف انتم یا اهل البیت وفی شرح معانی

الأثار لهذا المصنف رحمه الله تعالى خطاب المؤنث بصيغة الجمع المذكر" قالت دخلنا على سهل بن سعد فى اربع نسوة فقال لو سقيتكم من بير بضاعة لكرهتم وفى المشكوٰة ص۲۵۵ قال عليه السلام لام المؤمنين عائشة رض غارت امكم وفى ص عن سلمة بن المحبق قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء فى غزوة تبوك على اهل بيت فاذا قربة معلقة فسأل الماء فقالوا له يا رسول الله انها ميتة وفى المشكوٰة ص۵۴۱ عن انس قال دخل النبى صلى الله عليه وسلم على ام سليم فاتته بتمر وسمن فقال اعيدوا سمنكم فى سقائه وتمركم فى وعائه فانى صائم الحديث

وثانيا ان الروايتين اللتين رواهما الامام الطحاوى فيهما ابن مرزوق شيخه وهو ابراهيم بن مرزوق، قال ابو التراب رشد الله شاه السندهى فى كشف الاستار ص۱۳۵ قال العينى فى المغانى رمغانى الاخيار حيثما وقع فى كتابه حدثنا ابن مرزوق فالمراد هو ابراهيم بن مرزوق، ومن شيوخه ايضا نصر بن مرزوق ولكن لا يذكره الا باسمه حتى لا يلتبس بابراهيم بن مرزوق. وقال فى ص ابراهيم بن مرزوق بن دينار الاموى البصرى نزيل مصر ثقة عمى قبل موته فكان يخطئ ولا يرجع. انتهى كلامه

قلت فاذا كان حال راوى الحديث ما سمعت فكيف يستدل به على خلاف ارتباط آيات القرآن الحكيم وبمثله قال الامام فخر الدين الرازى رحمه الله تعالى تحت قوله تعالى انما وليكم الله ورسوله فى ص فمن تأمل فى مقدمة الآية ومؤخرها قطع بان الولى ههنا بمعنى الناصر والمحب لا بمعنى الامام لان ذلك يكون القاء كلام اجنبى فيما بين الكلامين مسوقين لغرض واحد وذلك يكون فى غاية الركاكة والسقوط ويجب تنزيه كلام الله عنه انتهى كلامه وبمثله قال تحت قوله تعالى يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك بعد ذكر الروايات فى نزول هذه الآية" ثم اعلم ان هذه الروايات وان كثرت الا ان الاولى حمله على انه تعالى امنه من مكر اليهود والنصارى وامره باظهار التبليغ من غير مبالاة منه بهم وذلك لان ما قبل هذه الآية بكثير وما بعد هذه الآية بكثير لما كان كلاما مع اليهود والنصارى امتنع القاء هذه الآية الواحدة فى البين على وجه تكون اجنبية عما قبلها وما بعدها (تفسير كبير ص۴۳)

قال القاضى البيضاوى رحمه الله "انما يريد الله ...... تعليل لامرهن ونهيهن على الاستيناف ولذلك عمم الحكم ثم قال وتخصيص الشيعة اهل البيت بفاطمة وعلى و

ابنيهما رضي الله عنهم لما روى انه عليه الصلوٰة والسلام خرج ذات غدوة وعليه مرط مرحل من شعر اسود فجلس فاتت فاطمة فادخلها فيه ثم جاء علي فادخله فيه ثم جاء الحسن والحسين فادخلهما فيه ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت والاحتجاج بذلك على عصمتهم وكون اجماعهم حجة ضعيف لان التخصيص بهم لا يناسب ما قبل الاٰية وما بعدها. والحديث يقتضي انهم اهل البيت لا انه ليس غيرهم۔

وبيّن محشيه شيخ زاده وجه خطابهن بالجمع المذكر وقال " بيان وجه العدول عن خطاب المؤمنات اللاتي هن ازواج النبي صلى الله عليه وآله وسلم الى خطاب الذكور حيث قال ليذهب عنكم الرجس ..... ويطهركم كانه قيل انما امرتكن ونهيتكن لان ارادتي الازلية قد تعلقت بتطهير اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من الذنوب والمعاصي. ثم قال تحت قول القاضي البيضاوي ولذلك عمّم الحكم " اي ولكونه تعليلا على طريق الاستيناف عم الحكم باذهاب الرجس والتطهير من المعاصي من عدا ازواجه عليه الصلوٰة والسلام حيث عبّر عن جميع اهل بيته عليه الصلوٰة والسلام من الذكور والاناث بطريق التعبير عن الذكور خاصة على تغليب الذكور على الاناث حيث قيل عليكم اهل البيت. فان اهل البيت يتناول اولاده وازواجه والحسنؓ والحسينؓ منهم وكذا عليؓ رضوان الله عليهم اجمعين لانه كان من اهل بيته بسبب معاشرته اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم وقرابته اياه. وقيل المراد باهل البيت ههنا ازواج النبي صلى الله عليه وسلم لانهن في بيته، ولما تقدم وما تاخر من خطابهن. وانما ذكّر الخطاب في قوله عنكم و يطهركم لان النبي صلى الله عليه وسلم كان فيهن فغلّب الذكور. وقال اٰخرون ومنهم الشيعة ازواجه عليه الصلوٰة والسلام ليست من اهل بيته بل المراد باهل بيته عليؓ و فاطمة والحسن والحسين رضوان الله عليهم اجمعين. (شيخ زاده ص۲۳)

وثالثا انه ليس مراد الامام الطحاوي مثل ما اراد به الشيعة من تخصيص اهل البيت بهؤلاء الخمسة واخراج ازواج النبي صلى الله عليه وسلم من اهل بيته كما يفهم من ظاهر عبارته " انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس الاٰية في هذا ايضا دليل على ان هذه الاٰية فيهم " بل مراده دفع وهم السائل الذي فهم من ظاهر عبارة القراٰن ان الاٰية مختصة بازواج النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال " فان كتاب الله تعالىٰ يدل على ان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم هم المقصودون بتلك الاٰية " بايراد كلمة " هم " بين المبتدأ والخبر المعرفين وذلك انما

يدل على حصر الخبر في المبتدأ كما تقرر في مقره، وتقرير دفع هذا الوهم من الناشئ ان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم داخلة في اهل البيت نصًّا وهؤلاء الخمسة ايضا داخلة في هذه الآية اشارة فلفظ "انما" مراد فيه اي انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس الآية لا هذا ايضا دليل على ان هذه الآية فيهم ايضا وهذا كما ذكره التفتازاني في شرح تلخيص المفتاح من توجيه عبارة التلخيص كما ذكرته ايضا في الوجه الاول فافهم ولا تغفل

فالحاصل انه في حل عبارة القرآن (انما يريد الله الآية) ثلثة اقوال الاول منها قول الشيعة من تخصيص ورود هذه الآية في شان علي وفاطمة وحسن وحسين وذلك مردود بوجوه منها عدم الارتباط ومنها اخراج التطهير عن الموضوع له الاصلي وجعله من قبيل ضيق فم الركية ومنها اثبات الرجس لهما ولا ثم اذهابه عنهم والحال ان الحسن والحسين كانا حينئذ صغيرين معصومين بحيث لا يتصور لهما الخبث والرجس بل نسبة الرجس اليهما من سوء الادب ولا شك ان سيد الانبياء معصوم فالثلثة من هذه الخمسة معصومون فما بقي الا علي وفاطمة ومن عقائد اهل التشيع ان عليا رضي الله عنه خلق معصوما ودام على عصمته وكذا فاطمة رضي الله عنها معصومة بنت معصوم فكيف يتصور فيهما وجود الرجس اولا ارادة الله اذهابه عنهما

والقول الثاني منها ان المراد باهل البيت ههنا ازواج النبي صلى الله عليه وسلم فقط لا غير وهذا القول اشبه لشدة تعلقه بما قبله وما بعده من السباق والسياق وقد مر وجه تذكير الضمير والالف واللام في قوله تعالى "اهل البيت" للعهد الخارجي كما هو الاصل في الالف واللام والمعهود الخارجي ههنا ما ذكر في ما قبله من قوله تعالى وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وكذلك ذكر سبحانه وتعالى في الآية التالية وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ وظاهر ان بيوت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم هي بيوت النبي عليه السلام كما قال تعالى يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوت النبي الا ان يؤذن لكم لما روى عن انس رض قال بُني على النبي صلى الله عليه وسلم بزينب ابنة جحش بخبز ولحم فارسلت على الطعام داعيا فيجيء قوم فيأكلون ويخرجون ثم يجيء قوم فيأكلون ويخرجون فدعوت حتى ما اجد احدا ادعوا فقلت يا نبي الله ما اجد احدا ادعو قال ارفعوا طعامكم وبقي ثلثة رهط يتحدثون في البيت فخرج النبي صلى الله عليه وسلم فانطلق الى حجرة عائشة فقال السلام عليكم اهل البيت ورحمة الله فقالت وعليك ورحمة الله كيف وجدت اهلك (اي زينب) بارك الله لك .... وانزلت آية الحجاب (صحيح

البخاری ج ۲ ص ۷۰۷

وانما قلنا ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اهل البیت اشبہ لانهن غیر معصومات ، اذ العصمة فی البشر المکلف من خواص الانبیاء ، وفی شان الازواج المطهرات للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یناسب ان یقال "انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس" فان الخطایا والذنوب سیما الکفر والشرك رجس وقد اذهب اللہ تعالی عنهن رجس الکفر والشرك الذی کن علیہ فی عهد الجاهلیة وطهرهن تطهیرا ولم یزل ملأ الایمان فی قلوبهن الی ان متن وکذا اذهب اللہ عنهن رجس الذنوب والخطایا فهن محفوظات عنها بعون اللہ وفضلہ علیهن ولذا اشتهر علی ألسنة العوام والخواص انهن "ازواج مطهرات للنبی صلی اللہ علیہ وسلم"

وانما قلنا ان الکفر والشرك رجس لقولہ تعالی یا ایها الذین آمنوا انما المشرکون نجس ونجاسة المشرك لاجل شرکہ اذ من المعلوم ان بناء الحکم علی الوصف یشعر بعلیتہ کما فی حاشیة الفنری علی التلویح والتوضیح ص ۳۳ فالشرك نجس والمشرك نجس وحمل "نجس" علی "المشرکون" من قبیل زید عدل"

وما قلنا ان الذنب والخطایا رجس یؤیدہ ما روی الحسن بن زیاد عن الامام الاعظم ابی حنیفة رحمه اللہ تعالی ان الماء المستعمل لقربة او لازالة حدث نجس لخروج الخطایا بالماء کما روی الترمذی فی جامعہ ص عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ المسلم او (قال) المؤمن فغسل وجهہ خرجت من وجهہ کل خطیئة (ای صغیرة) نظر الیها بعینیہ مع الماء او (قال) مع آخر قطر الماء او نحو هذا واذا غسل یدیہ خرجت من یدیہ کل خطیئة (ای صغیرة) بطشتها یداہ مع الماء او (قال) مع آخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب (وفی حاشیة ان ابن وهب زاد ومسح رأسہ وغسل رجلیہ قال جط زاد الطبرانی بحدیث ابی هریرة رضی اللہ عنہ ذکر المضمضة والاستنشاق واحمد بابی امامة مسح رأسہ واذنیہ حتی ......) قال مولانا محمد عبد الحی اللکنوی رحمه اللہ فی عمدة الرعایة حاشیة شرح الوقایة ص وذلك لان کون الماء مستعملا بانتقال نجاسة الآثام الی الماء کما هو المذکور فی الخلاصة والمحیط وغیرهما . ثم قال فی حاشیة ص ۸۹ ج و من لطائف الاقوال ما فی المیزان (الکبری) لعبد الوهاب الشعرانی رحمه اللہ قال سمعت سیدی علیا الخواص قال بمدارك الامام ابی حنیفة (رحمه اللہ تعالی) دقیقة لا یطلع علیہ الا اهل الکشف من اکابر الاولیاء وکان ابو حنیفة رح اذا رأی المیضاء یعرف

سائر الذنوب التی فیہ فلذا جعل ماء الطهارة اذا تطهر به المکلف له ثلثة احوال احدها انه کالنجاسة المغلظة لاحتمال ان یکون المکلف ارتکب کبیرة والثانی کالنجاسة المتوسطة لاحتمال ان یکون ارتکب صغیرة والثالث انه طاهر فی نفسه غیر مطهر لغیره لاحتمال ان یکون ارتکب مکروها او خلاف الاولیٰ اھ

ثم روی احمد وابن خزیمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الحجر الاسود یاقوتة بیضاء من الجنة وکان اشد بیاضا من الثلج وانما سودته خطایا المشرکین۔ قال جط فاذا اثرت الخطایا فی حجر فیصیر فاعلها اولیٰ فالخطایا تؤثر فی الباطن والطهارة تزیله لما اخرجه ابن حبان والحاکم عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان العبد اذا اذنب ذنبا نکتت فی قلبه نکتة سوداء فاذا تاب ونزع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتی تعلو قلبه وذلک الران الذی ذکره الله فی القرآن کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

بل قد ورد فی الاحادیث ان للآثام والخطایا والذنوب نتنا کنتن النجاسة الظاهرة الخارجة من بدن الانسان کالبول والغائط والریح الخارجة من الاست تغرد تباعد عن نتنها الملٰئکة کما فی جامع الترمذی عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کذب العبد تباعد عنه الملک میلا من نتن ما جاء به ص۴۱۳ مشکوٰة، ولذا قال العلماء یستحب الوضوء بعد ارتکاب معصیة ویؤید ما رواه البیهقی فی شعب الایمان عن ابن عباس رضی الله عنهما ان رجلین صلیا صلوٰة الظهر او العصر وکانا صائمین فلما قضی النبی صلی الله علیه وسلم الصلوٰة قال اعیدا وضوءکما وصلوٰتکما وامضیا فی صومکما واقضیاه یوما آخر قالا لم یا رسول الله قال اغتبتم فلانا۔ قال الشیخ عبد الحق المحدث الدهلوی رحمه الله فی اللمعات وظاهر الحدیث یدل علی ان الغیبة تنقض الوضوء وتفسد الصوم وقالوا هو وارد علی سبیل التغلیظ والتشدید ولم یذهب الیه احد من العلماء وقال فی احیاء العلوم ان الغیبة مفسدة للصوم علی مذهب سفیان الثوری رحمه الله ونقل عن الامام احمد انه قال لو فسد الصوم بالغیبة لما یتم له الصوم وقد یستانس بقوله امضیا فی صومکما انه لا یفسد۔ والقضاء للاحتیاط

وفی حاشیة شرح الوقایة ص۹۰ وسنده ای سند کون الماء المستعمل لقربة او لرفع حدث؛ هو القیاس علی کون مال الصدقة مطهرا محرما علی بنی هاشم وقد روی فیه انها وسخ اموال الناس کما فی مسلم عن عبد المطلب بن ربیعة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

والاتباع کآل فرعون. والثانی النفس نحو آل موسٰی وآل هارون وآل نوح علی نبینا وعلیهم الصلوٰة والسلام. والثالث اهل بیت النبی صلی الله علیه وسلم خاصة ثم قال آل اصله اهل عند صاحب الکشاف. وقال الکسائی آل من آل ای رجع الیه بقرابة او رأی او نحوهما. ورجحه بعض المتأخرین. والاٰل عرفاً مؤمنو هذه الامة او الفقهاء العاملون منهم لا المقلدون.

وقال علی حاشیة مغنی اللبیب لابن هشام جمال الدین الانصاری ما فی الشرح انهم بنو هاشم وبنو المطلب علی المشهور عند المالکیة خلاف الصحیح عندهم من قصره علی بنی هاشم. ثم هو فی مقام الزکاة لا الدعاء. وقول الشمنی لا یضاف لغیر المذکور فلا یقال آل فاطمة، مردود ومن رده یقول زهیر ع

عفیٰ من آل فاطمة الجواء

وفی اخر

ء من آل سلمی عرفت الطلولا

الی غیر ذلک

قال النووی فی شرح صحیح مسلم ص۳۳۲ هم (آل النبی ص) بنو هاشم وبنو المطلب. هذا مذهب الشافعی وموافقیه . . . وبه قال بعض المالکیة. وقال ابو حنیفة ومالک هم بنو هاشم خاصة. قال القاضی وقال بعض العلماء هم قریش کلها وقال اصبغ المالکی هم بنو قصی اهـ.

قال السیلوی غفر له وقد قررنا ان المراد ببنی هاشم غیر من ابطل النص قرابته بالنبی کبنی ابی لهب بن عبد المطلب کذا فی النص کذا فی عمدة الرعایة

فافهم وتدبر ولا تکن من المقصرین

وثبت ان الازواج داخلة فی قوله تعالی فدیة مسلمة الی اهله ویدل علیه صحة الاستثناء فی قوله تعالی فنجیناه واهله الا امرأته وکذا فی قوله تعالی قلنا احمل فیها من کل زوجین اثنین واهلک الا من سبق علیه القول وهی داخلة فی اقوال النبی صلی الله علیه وسلم کما فی المشکوٰة ص۱۷۱ عن ابی هریرة رض قال جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم قال عندی دینار قال انفقه علی نفسک قال عندی اخر قال انفقه علی ولدک قال عندی اخر قال انفقه علی اهلک قال عندی اخر قال انفقه علی خادمک الحدیث وکذا فی المشکوٰة ص۳۳۱ لا یطرق اهله لیلا وص۳۳۰ وص۳۶۵ وص۳۹۹ وص۳۸۹ وص۳۳۴ وکذا فی الطحاوی ص۳۶۹ وفی هدایة ص۲۱۶ ج۲ من له اهل ببلدة فهو منهم واقربه اهل التشیع فی کتبهم کما فی فروع الکافی ص۳۱۲ ج۲ عن ابی عبد الله ع قال رأی رسول الله امرأة فاعجبته فدخل الی ام سلمة وکانت

يومها فاصاب منها وخرج الى الناس ورأسه يقطر فقال يا ايها الناس انما النظر من الشيطان فمن وجد من ذلك شيئا فليأت اهله ...... اذا نظر احدكم الى المرأة الحسناء فليأت اهله فان الذي معها مثل الذي مع تلك فقام رجل فقال يا رسول الله فان لم يكن له اهل فما يصنع قال فليرجع نظره الى السماء وليراقبه وليسأله من فضله وفي ص۳۱۳ قال ع اصوم واصلي والمس اهلي .... قال ع لرجل اصبحت صائما؟ قال لا! قال فاطعمت مسكينا؟ قال لا! قال فارجع الى اهلك فانه منك عليهم صدقة ... سألت ابا عبد الله عن الرجل يكون معه اهله في سفر لا يجد الماء ايأتي اهله قال ما احب ان يفعل الا ان يخاف على نفسه ..... ان ابا ذر رض ساله عن هذا فقال ائت اهلك تؤجر ام وقوبل الأهل بالاعراب في المشكوٰة ص۳۵۶ حيث قال فاعطى صلى الله عليه وسلم الأهل حظين واعطى الاعراب حظا. وفي المفردات للامام الراغب الاصفهاني المسلمون كلهم آل النبي صلى الله عليه وسلم وروي ذلك عن الامام جعفر الصادق بن محمد باقر بن علي زين العابدين بن حسين بن علي بن ابي طالب

اجوبة بعض الاسئلة

وما قيل ان الله لم يذكر الازواج في مقام الاصطفاء وذكر الذرية كما قال ان الله اصطفى آدم ونوحا وآل ابراهيم وآل عمران على العالمين ذرية بعضها من بعض وقال وتلك حجتنا آتيناها ابراهيم على قومه الى ان قال وكلا فضلنا على العالمين ومن آبائهم وذرياتهم واخوانهم فالمراد من الاصطفاء على العالمين اعطاءهم النبوة والنبوة مختصة بالرجال كما قال تعالى وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم ولنا ان نقول ان الاولاد واولاد الاولاد داخلة في الذرية عندكم فيا بالكم لا تدخلون في اهل البيت امامة بنت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وولديها محمد اوسط ويحيى وعلي تخرج من الاهل على ما علمتم

وما قيل ان الازواج غير داخلة في قولنا اللهم صل على محمد وعلى آل محمد اذ المراد منه الذرية فممنوع وكذا يخرج علي فانه ليس من ذريته بل هو كجعفر وعقيل وعبد الله بن جعفر فافهم

واما ما قيل في حديث العباء انه عليه السلام قال لام سلمة رضي الله عنها قومي فتنحي فمن مفتريات هذه الفرقة افتروها ووضعوها في الكتب وهو مردود بنص

ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس

ولهذا لاتقول الابهاسة التي استعمله النبي صلى الله عليه وسلم للقرابة اولم رحم حديث لما اخرجه البخاري في جامعه الصحيح عن السائب بن يزيد قال ذهبت بي خالتي الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت رهذا) ابن اختي وقع اى دجع في قدميه فمسح رسول الله صلى الله عليه وسلم برأسي ودعا لى بالبركة ثم توضأ فشربت من وضوءه قال القسطلاني ما تقاطر من اعضائه الشريفة

والقول الثالث منها ان المراد باهل البيت ههنا ما يعم ان واجه صلى الله عليه وسلم و ذرياته وعترته وعليا والاسباط كامامة وابنه محسن الاوسط وابناءه وعثمان وابا العاص و اصهاره كابي بكر وعمر وابي سفيان ومعاوية وعمر بن ابي سلمة وجعفر بن ابي طالب وابناءه وغيرهم رضوان الله عليهم اجمعين۔

وهذا القول ايضا اوفق نظرا الى عموم اللفظ كما هو القاعدة المسلمة المجمع عليها ان العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص

وقال ابوالبقاء رحمه الله فى كلياته ص۲۵ اهل بيت النبي فاطمة وعلي والحسن و الحسين لان النبي صلى الله عليه وسلم لف عليهم كساءه وقال اللهم هؤلاء اهل بيتي و المتبادر الى الذهن عند الاطلاق هم مع ازواجه و قد نظمت فيه

حقا بنو هاشم آل الرسول فقط ... عند الامام فكن فى امرهم عسا

اما علي وابناه وفاطمه ... من اهل عليهم كان لف كساء

لاسيم من داخل فى حق خارجه ... والنص لا يقتضي ان ليس نساء

آل النبي صلى الله عليه وسلم من جهة النسب اولاد علي وعقيل و جعفر والعباس وآل النبي صلى الله عليه وسلم من جهة الدين كل مؤمن تقي. كذا اجاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حين سئل عن الآل ـ قال بعضهم الآل هم المختصون بالقرب منه قرابة او صحبة وخلافة فى مواريثه العلمية والعملية والحالية ـ وهم ثلثة اصناف

١ آل صورة ومعنى وهو خليفته والامام القائم مقامه حقيقة

٢ آل معنى لا صورة كسائر الاولياء

٣ آل صورة طينية لا معنى كمن صحت نسبته الطينية والعنصرية اليه من السادات والشرفاء.

وقال ايضا فى هذه الصفحة آل جمع معنى مفرد لفظا. وله ثلثة معان الاول الجند

شفاء الصدور

کی تصنیف

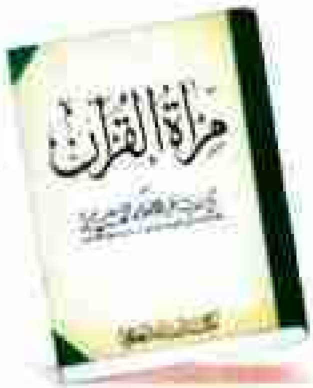


احسن التفسیر



تفسیر

تبیین القرآن



مرآۃ القرآن

مکتبہ اشاعۃ العلوم

۱۷۹۰، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)